

بہارِ دُکھ: رہنما قرآن و سنت
۷۹

الصَّادِقُ الْإِسْمِیْنِ

سیرت نبوی پر
صحیح روایات کی روشنی میں ایک مستند کتاب

تالیف
ڈاکٹر محمد لقمان السلفی

علامہ ابن باز اساتذہ کرام مدظلہم



دارالافتاء للفتویٰ والتوزیع ریاض



١٩٦٩

JAMIA IMAM IBN TAIMIYA

Madinatussalam, E. Champaran, Bihar. India



جَامِعَةُ اِمَامِ ابْنِ تَيْمِيَّةٍ

مدینة السلام، جبپارن الشرقیة، بیسہار، السند

الموضوع

التاریخ

الرقم

انتساب

میں اپنی اس محبوب ترین تالیف کو ہندوستان کی عظیم تاریخی دانش گاہ اور اپنی پہلے مادر علمی دارالعلوم احمدیہ سلفیہ، درجہ بھنگہ بہار اور اس کے سابق روح رواں جناب ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی رحمہ اللہ کے نام سے ممنون کرتا ہوں جن کے سایہ عاطفت میں رہ کر میں نے پھر پور علمی ترقی کی اور جن کی کرم فرمائیوں کے سبب ایسی اڑان بھری کہ اللہ نے مجھے مدینہ یونیورسٹی کا ممتاز طالب علم بنادیا۔

باری تعالیٰ جناب ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے راضی ہو جائے اور ہماری مادر علمی کو تاقیامت آباد رکھے آمین

محمد لقمان السلفی

ریاض، سعودی عرب

موبائل: 0505415722

۱۴۲۹/۵/۲۳ھ

المرفات

سلسلہ مطبوعات : (۷۹)

الصّادق الأّمين صّلى اللّٰہ علیہ وسلم

تالیف



(ڈاکٹر) محمد لقمان السلفی

ناشر

مرکز علامہ ابن باز برائے دراسات اسلامیہ

مدینۃ السلام، ہند

ٹیلی فیکس : 0091-6250-240088

دار الداعی للنشر والتوزیع

ریاض، سعودی عرب

ٹیلیفون : 2672912 فیکس : 2672913

اس کتاب کے جملہ حقوق نقل و اشاعت محفوظ ہیں

طبع اول

محرم الحرام ۱۴۲۹ھ - جنوری ۲۰۰۸ء

دارالداعی

پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

پوسٹ بکس نمبر: ۳۴۲۳۸ ریاض: ۱۱۴۶۸. مملکت سعودی عرب

فون: ۲۶۷۲۹۱۲/۲۶۷۲۹۱۳ فیکس: ۲۶۷۲۹۱۳

Email: dar_al_dai@hotmail.com

علامہ ابن باز اسلامک اسٹڈیز سنٹر

جامعۃ الإمام ابن تیمیہ . مدینۃ السلام - ۸۴۵۳۱۲. مشرقی چمپارن، بہار. ہند

ٹیلیفون: ۰۰۹۱-۶۲۵۰-۲۴۰۰۰۶ فیکس: ۰۰۹۱-۶۲۵۰-۲۴۰۰۸۸

دہلی برانچ: ۲۶۸۴، گلی مسجد کالے خاں، کوچہ چیلان، دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

ٹیلیفون: ۲۳۲۶۵۰۵۸، فیکس: ۲۳۲۷۷۲۵۳

Email: allamaibnebaz@hotmail.com

سِيرَةُ النَّبِيِّ الْكَرِيمِ

مقدمہ کتاب

ساری تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو پوری کائنات کا مالک اور پالنہار ہے، اور جس کے لئے الوہیت و ربوبیت کی شہادت اس کی تمام مخلوقات اور کائنات کا ذرہ ذرہ دے رہا ہے۔

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور اس کا کوئی شریک نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ نے انہیں سارے عالم کے لئے رحمت، ایمان والوں کے لئے امام اور تمام بنی نوع انسان کے لئے دلیل و حجت بنا کر بھیجا تھا۔
قارئین کرام!

۱- نبی کریم ﷺ کی پاکیزہ سیرت تمام بنی نوع انسان کے لئے بالعموم اور امت مسلمہ کے لئے بالخصوص اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (اور ہم نے آپ کو سارے جہان والوں کے لئے سرپا رحمت بنا کر بھیجا ہے) [الانبیاء: ۱۰۷] نیز فرمان ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا﴾ (اور ہم نے آپ کو تمام بنی نوع انسان کے لئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے) [سبا: ۲۸]۔

اور امت مسلمہ کو خاص طور سے اس نعمت کی عظمت کا احساس دلاتے ہوئے اللہ نے فرمایا ہے: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ (اللہ کا مومنوں پر یقیناً یہ احسان ہے کہ اس نے ان کے لئے انہی میں سے ایک رسول بھیجا، جو اس کی آیتوں کی ان لوگوں پر تلاوت کرتے ہیں، اور انہیں پاک کرتے ہیں، اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں، اور اس سے پہلے وہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے) [آل عمران: ۱۷۳] نیز فرمایا ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾ (فی الحقیقت تم مسلمانوں کے لئے رسول اللہ کا قول و عمل ایک بہترین نمونہ ہے، ان کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت پر یقین رکھتے ہیں، اور اللہ کو بہت یاد کرتے ہیں) [الأحزاب: ۲۱]۔

۲- اسی لئے نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنا، اُس میں غور و فکر کرنا، اور اسے اپنے لئے نمونہ بنا کر اپنی حیات مستعار کو اس کے مطابق گزارنے کی ہر ممکن کوشش کرنا ہر بندہ مسلم پر واجب ہے، اس لئے کہ آپ

ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے تمام اقوال و افعال وحی الہی کی ترجمانی کرتے ہیں، اور حیاتِ انسانی میں پیش آنے والے تمام انفرادی اور اجتماعی مسائل کا آسانی حل پیش کرتے ہیں۔ زندگی کا کوئی ایسا گوشہ نہیں جس پر آپ ﷺ کی سیرتِ مبارکہ سے روشنی نہ پڑتی ہو۔ آپ ﷺ کی زندگی کی تفصیلات ہدایت و رہنمائی کی ایسی نور بیز کرنیں ہیں، جن سے راہ کی تمام ظلمتیں دور ہو گئیں، اور انسانوں کے سامنے اپنے رب کی رضا اور اس کی جنت کو حاصل کرنے کا راستہ روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا، اور اس کے کسی حصہ یا گوشہ میں تاریکی باقی نہ رہی۔ دورِ جاہلیت کی شبہائے تاریک کی وحشتیں ختم ہو گئیں، اور آپ ﷺ کے آنے سے پوری کائنات بقعہ نور بن گئی۔ اللہ تعالیٰ کی یہ نعمتِ کبریٰ مسلمانوں سے تقاضا کرتی ہے کہ وہ اپنی زندگی کی آخری سانس تک نبی کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کو حرزِ جان بنا کر رکھیں، اُسے بار بار پڑھیں، اور زندگی کے ہر گام پر اُس سے روشنی حاصل کریں۔

۳- خاتم النبیین (ﷺ) کی سیرتِ طیبہ، قرآن کریم کے بعد امتِ مسلمہ کی ذہنی، فکری اور عقلی تربیت کا ہر دور میں اہم ذریعہ رہی ہے۔ صحابہ کرام، تابعین عظام، اتباعِ تابعین، محدثین عظام اور ائمہ کرام نے اپنی، اپنے تلامذہ کی اور عام مسلمانوں کی تربیت کے لئے نبی کریم ﷺ کی سیرت پر بھرپور اعتماد کیا ہے۔ سب نے یہیں سے روشنی حاصل کی۔ حرام و حلال، واجب و مسنون اور شریعتِ اسلامیہ کی تمام جزئیات و تفصیلات کا علم آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ سے ہی حاصل کیا، اور ان کے اسلوبِ بیان میں ساحرانہ تاثیر سیرتِ نبویہ کی الہامی قوتِ تاثیر سے ہی پیدا ہوئی جس نے کفر و شرک اور جاہلیت کی ظلمتوں سے بند دلوں کے دروازے کھول دیئے، اور انہیں اسلام کا کلمہ پڑھنے پر مجبور کر دیا۔

۴- یہی نبی اُمّی - فداہِ ابی و اُمّی - ہیں جنہیں رب العالمین نے آفتابِ عالمیاد اور رحمۃ اللعالمین بنا کر دنیا میں بھیجا تا کہ آپ ﷺ ظلمات میں بھٹکتی انسانیت کو اخوت و محبت، احسان و رحمت اور عدل و مساوات کا سبق دیں۔ یہی ہیں وہ نبی ہاشمی ﷺ جن کی سیرتِ مبارکہ علم و عرفان کا بحرِ بے کراں اور دین و دنیا کی بھلائیوں کا منبع و سرچشمہ ہے۔ اسی سیرتِ طیبہ سے بے شمار چشمے پھوٹے تو دینِ اسلامی کے اصول و مبادی، عقائد، احکامِ شریعت، اور رہتی دنیا تک آنے والے انسانوں کی فلاح و بہبود کے تمام سوتے بنے لگے۔

۵- اس رسولِ اعظم کی بعثت انسانی تاریخ کا سب سے بڑا اور اہم ترین واقعہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی آمد کے بعد قیامت تک کے لئے انبیائے کرام کا سلسلہ بند کر دیا، اور اپنی آخری کتاب قرآن کریم میں اعلان کر دیا: ﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ (بے شک دینِ برحق اللہ کے نزدیک اسلام ہے) [آل عمران: ۱۹] اور فرمایا: ﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ﴾ (جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین چاہے گا،

تو اس کی طرف سے قبول نہیں کیا جائے گا) [آل عمران: ۸۵]۔

اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دنیا میں اُس وقت مبعوث فرمایا جب پوری دنیائے انسانیت کفر و شرک، فسق و فجور اور اخلاقی جرائم و معاصی کے بوجھ تلے کر رہی تھی، اور جہنم کی کھائی کے آخری دہانہ پر کھڑی تھی، اور عنقریب تھا کہ اُس میں گر کر ہلاک ہو جاتی۔

بلادِ عربیہ کے چپہ چپہ میں بُت پرستی پھیلی ہوئی تھی، یہاں کے لوگ درخت، پتھر، شمس و قمر، پہاڑ اور دریا اور اسی قسم کے خود ساختہ بے شمار معبودوں کی پرستش کرتے تھے۔ قوی ضعیف کو قتل کرتا تھا، طاقتور قبیلہ کمزور قبیلہ کو لوٹ لیتا تھا، عورتیں اُچک لی جاتی تھیں اور بیٹیاں زندہ درگور کر دی جاتی تھیں، اور بہت سے عرب اپنے باپ کی بیویوں کو اپنی باندیاں بنا لیتے تھے۔ اور ہر قسم کی اخلاقی برائی میں اپنی ٹھڈیوں تک ڈوبے ہوئے تھے۔

اور کچھ ایسا ہی حال یہود و نصاریٰ کا تھا، انہوں نے اپنے دین کو بدل دیا تھا۔ نصاریٰ کا گمان تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، اور عرب نصاریٰ کا عقیدہ تھا کہ مریم علیہا السلام اللہ کی بیوی، اور فرشتے اُس کی بیٹیاں ہیں۔ اور یہود کہتے تھے کہ عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، اور عرب یہود کہتے تھے کہ وہ اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں، اور اُن کی عورتیں اللہ کی بیٹیاں اور اس کی محبوب ہیں۔

اور آتش پرست مجوس اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو گھروں میں بند کر دیتے تھے۔ اور یہ سارے ادیان و مذاہب اور باطل افکار و عقائد والے جزیرہ عرب میں اُس وقت موجود تھے۔ اس طرح یہ خطہ جو ایشیاء، یورپ اور افریقہ کے بیچ میں واقع ہے، تمام باطل مذاہب و ادیان کا مرکز بن گیا تھا۔ اس لئے یہ بات زیادہ قرین قیاس تھی کہ دنیا کے اسی مرکزی علاقہ میں وہ نبی مبعوث ہوں جن کا دین آخری دین ہوگا، اور یہیں سے وہ آوازِ حق سارے عالم میں پہنچائی جائے، اور اس کے لئے مکہ کو ہی مرکز اس لئے بننا چاہئے کہ اسے ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے ہی تمام عربوں کے نزدیک مرکزی حیثیت حاصل تھی، خانہ کعبہ سب کی نظر میں بالاتفاق مقدس تھا۔ سبھی دور دور علاقوں سے حج اور طواف بیت اللہ کے لئے یہاں آتے تھے، اور اہل قریش کی مذہبی سیادت و برتری کو تسلیم کرتے تھے، اور دنیاوی طور پر بھی مکہ کی حیثیت ایک عالمی تجارتی منڈی کی ہو گئی تھی۔ اس لئے اُس رسول آخر الزمان کو اہل قریش اور بالخصوص ہاشمی خاندان سے ہونا چاہئے جس خاندان کی سیادت و قیادت کو سب نے تسلیم کر لیا تھا۔

۶- نبی کریم ﷺ نے اس آخری آسمانی پیغام کو احسن طریقہ سے عربوں اور پھر تمام عالم تک پہنچایا، اور اس راہ میں ایسی تکلیفیں اٹھائیں جن کے تصور سے عام آدمی کا پتہ پانی ہو جاتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو پے درپے کامیابیاں عطا کیں، آپ ﷺ کے ہاتھوں علم و عرفان کا اتھاہ سمندر جاری ہو گیا، فضائل و اخلاقِ حسنہ عام

ہوئے، ظلمتیں دور ہوئیں، اور بکریوں، بھیڑوں اور اونٹوں کے چرواہوں، اور بکھرے ہادیہ نشینوں کو جوڑ کر کلمہ توحید کی بنیاد پر ایک عظیم امت بنائی، اور پھر اس وحدت میں عالمی روح پھونکنے کے لئے اس دعوت توحید کو سارے عالم کے سامنے پیش کیا جس کی ترجمانی خود اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں فرمائی ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا﴾ (اور ہم نے آپ کو تمام بنی نوع انسان کے لئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے) [سبا: ۲۸]۔

آپ ﷺ نے قرآن و سنت کی روشنی میں ایک ایسی عظیم اسلامی تہذیب و ثقافت کو وجود بخشا جس کی بنیاد دین اسلام کے پاکیزہ اصولوں اور اونچے اخلاق و کردار پر رکھی، اور انسانوں کی قدر و منزلت کو بلند کیا، اور بالخصوص عورت کو تو بہت ہی اونچا مقام عطا کیا جو زمانہ جاہلیت میں ایک حقیر ترین مخلوق سمجھی جاتی تھی۔ اور آپ ﷺ نے تمام قبائلی، خاندانی، علاقائی، اور رنگ و نسل کی عصبیتوں کو ختم کر کے مساوات انسانی کی بنیاد رکھی، اور بندوں کو اللہ سے، اور قوموں کو قوموں سے قریب کیا، اور دلوں اور ذہنوں کو ایمان و صداقت اور قرآن کے نور سے موثر کیا۔

اور آپ ﷺ نے صحابہ کرام کی تربیت صداقت اور اخلاص کی بنیاد پر کی، اور ان کے دلوں کو محبت و مودت کے جذبات سے سرشار کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کے جذبات اور مزاجوں میں یگانگت اور اُن کے فکر و نظر میں مشابہت و مطابقت پیدا ہوئی۔ اور پھر دین اسلام کے کامیاب ترین داعی بن کر پوری دنیا میں پھیل گئے، اور بھگتی انسانیت کو راہ راست پر لا کھڑا کیا۔

نبی کریم ﷺ کی شخصیت کی انہی بیش بہا خوبیوں، اس کی جامعیت اور اس کی اتھاہ گہرائی اور گیرائی کے سبب بڑے بڑے عظیم مسلمان مؤلفین نے، جنہوں نے اس بحر بے کراں کی شناوری کی ہے، اعتراف کیا ہے کہ سیرت نبویہ کا احاطہ اور اُس کی مکمل تصویر کشی ناممکن ہے، اور یہ کہ ہر مؤلف سیرت نبویہ نے آپ ﷺ سے سچی محبت کی بنیاد پر آپ ﷺ کی پاکیزہ زندگی کی تصویر کشی کی مخلصانہ اور سنجیدہ کوشش کی ہے۔

۷۔ کئی سال سے اس بندہ عاجز کے دل میں یہ تمنا کروٹ لے رہی تھی کہ میں بھی عربی اور اردو زبانوں میں نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ پر کتاب لکھوں، لیکن اس کام کی عظمت کے تصور سے ہی دل پر ہر بار ہیبت طاری ہو جاتی، اور قلم رُک جاتا تھا۔

بالآخر تقریباً دو ڈھائی سال قبل اللہ نے شرح صدر کیا، اور کام شروع کر دیا، اس امید میں کہ باغ سیرت نبویہ کے تروتازہ پھولوں اور عطربیز کلیوں سے ایک خوشنما اور روح مؤمن کو حیات جاوداں بخشے والا گلدستہ تیار

کروں جسے قیامت کے دن آپ ﷺ کی جناب میں پیش کر کے آپ ﷺ کی شفاعت اور جنت میں رب کریم کے فضل و کرم سے آپ کی قربت کا حقدار بن سکوں۔

میں نے اپنی اس متواضع کوشش میں نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ کے بہت سے گوشوں کو اجاگر کرتے وقت خوب غور و فکر سے کام لیا ہے، اور اللہ کی توفیق سے ایسی شمعیں روشن کرنے میں کامیاب رہا ہوں جو اللہ کے نیک بندوں کے لئے علم و عرفان کی راہیں روشن کرتی ہیں۔ نیز میں نے بہت سے ایسے شبہات کی علمی دلائل کے ذریعہ تردید کی ہے جنہیں دشمنان اسلام اور اسلام کی طرف اپنی نسبت کرنے والے اُن کے شاگردوں نے نبی کریم ﷺ، امہات المؤمنین اور دین اسلام کے اصول و مبادی کے خلاف پھیلایا ہے۔

۸- اس کتاب کی تیاری میں میں نے مندرجہ ذیل مراجع و مصادر سے استفادہ کیا ہے:

ا۔ قرآن کریم:

جو نبی کریم ﷺ کی سیرت کے باب میں اہم ترین مرجع ہے، جیسا کہ اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ آپ ﷺ کے خلق کریم کا منبع قرآن تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ (اور آپ یقیناً عظیم اخلاق والے ہیں) [القلم: ۴] اور فرمایا ہے: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لَنت لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ﴾ (آپ محض اللہ کی رحمت سے اُن لوگوں کے لئے نرم ہوئے ہیں، اور اگر آپ بد مزاج اور سخت دل ہوتے تو وہ آپ کے پاس سے چھٹ جاتے) [آل عمران: ۱۵۹] نیز فرمایا ہے: ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (مسلمانو! تمہارے لئے تم ہی میں سے ایک رسول آئے ہیں جن پر ہر وہ بات شاق گزرتی ہے جس سے تمہیں تکلیف ہوتی ہے، تمہاری ہدایت کے بڑے خواہشمند ہیں، مومنوں کے لئے نہایت شفیق و مہربان ہیں) [التوبہ: ۱۲۸]۔

ب۔ احادیث نبویہ کی معتمد کتابیں:

جن میں نبی کریم ﷺ کی شخصیت، اخلاق کریمہ، اور زندگی کے تمام امور سے متعلق صحیح احادیث و آثار کا ایک بہت قیمتی سرمایہ موجود ہے، جو اُن صحابہ کرام کی روایتوں کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں، جنہوں نے آپ ﷺ کی صحبت پائی، آپ کی حیات طیبہ کا بہت ہی قریب سے مشاہدہ کیا، آپ سے متعلق چھوٹے بڑے تمام جزئیات کو جمع کیا، اور آپ ﷺ سے پورے اسلام کو سیکھا، اور پھر پوری امانت کے ساتھ اُن تمام تفصیلات کو ہم تک منتقل کیا۔

اور جب مرورِ زمانہ کے ساتھ اسلام کے دشمنوں نے جھوٹی حدیثیں گھڑ کر اس عظیم علمی و ادبی سرمایہ کو داغدار کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے محدثینِ عظام کی جماعت کو پیدا کیا جنہوں نے ایک ایک حدیث اور ایک ایک اثر کو دقیق ترین کسوٹی پر پرکھا، اور دودھ کو دودھ اور پانی کو پانی کر دکھایا، جس کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ سے متعلق ہر صحیح بات الگ کر لی گئی۔

اس سلسلہ میں اس بات کو جاننا زبں ضروری ہے کہ بہت سی طویل تفصیلات جو سیرتِ نبویہ کی قدیم ترین کتابوں میں ملتی ہیں، اگرچہ وہ حدیثِ صحیح کی شرطوں پر پوری نہیں اترتیں، لیکن اُن کی بنیادی باتیں صحیحین اور دیگر کتبِ احادیث میں صحیح سندوں سے ثابت ہیں۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ ان تفصیلات کا بیشتر حصہ مجموعی طور پر ثابت ہے، اور انہیں درخورِ اعتناء نہ سمجھنا اسلام کی ابتدائی تاریخ اور سیرتِ نبویہ کے ساتھ ظلم ہوگا۔ چونکہ امام بخاری، امام مسلم اور دیگر ائمہ حدیث کی شدید ترین شرطوں پر وہ تفصیلات پوری نہیں اتریں، اس لئے انہوں نے ان تفصیلات کو اپنی کتابوں میں جگہ نہیں دی، اور اس لئے بھی کہ اسلامی شرائع و احکام کے اثبات کے لئے ان تفصیلات کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ اور اس کی سب سے بڑی دلیل امام بخاری کی کتاب (الأدب المفرد) ہے جس میں انہوں نے اخلاقیاتِ مسلم سے متعلق نبی کریم ﷺ کی بیش قیمت احادیث اور صحابہ کرام کے آثارِ جمع کر دیئے ہیں۔ اور یہ کتاب اخلاقیات کے باب میں ایک گنج گرانمایہ ہے، لیکن امام بخاری نے اُن میں سے اکثر احادیث و آثار کو اپنی کتابِ صحیح میں جگہ نہیں دی ہے۔

ج۔ میں نے اُن کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے جن کا موضوع آسمانی کتابیں رہی ہیں، اور اُن میں نبی کریم ﷺ کی بعثت سے متعلق اُن علامات و بشارات کو ذکر کیا گیا ہے جو اُن آسمانی کتابوں میں بے شمار تحریفات کے باوجود اب تک موجود ہیں۔ اسی طرح میں نے اُن کتابوں سے بھی بھرپور استفادہ کیا ہے جن میں زمانہ جاہلیت میں بلا و عربیہ، اقوامِ عرب اور اُن میں رائج قدیم مذاہب و ادیان سے متعلق تفصیلات آئی ہیں۔

۹۔ اور میں نے رسول کریم ﷺ کے اُن خطوط میں سے جو آپ ﷺ نے اپنے زمانہ کے بادشاہوں اور امراء کو لکھا تھا، پانچ کے عکس شاملِ طباعت کر دیئے ہیں، تاکہ ہمارے قارئین رسول اکرم ﷺ کی دعوتی کوششوں کے ضمن کے اس عظیم تاریخی سرمایہ پر بھی ایک نظر ڈال لیں، نیز ستائیس یا اٹھائیس جغرافیائی نقشوں کو بھی میں اہتمام کے ساتھ شائع کر رہا ہوں جو غزواتِ نبوی، جہادی معرکوں، مکہ اور مدینہ کے قدیم تاریخی مواقع اور نبی کریم ﷺ کی ہجرتِ مدینہ کے راستے اور دیگر اُن جگہوں کو واضح کرتے ہیں جہاں رسول کریم ﷺ نے اپنے دعوتی اَسفار میں قدم رنجہ فرمایا تھا۔

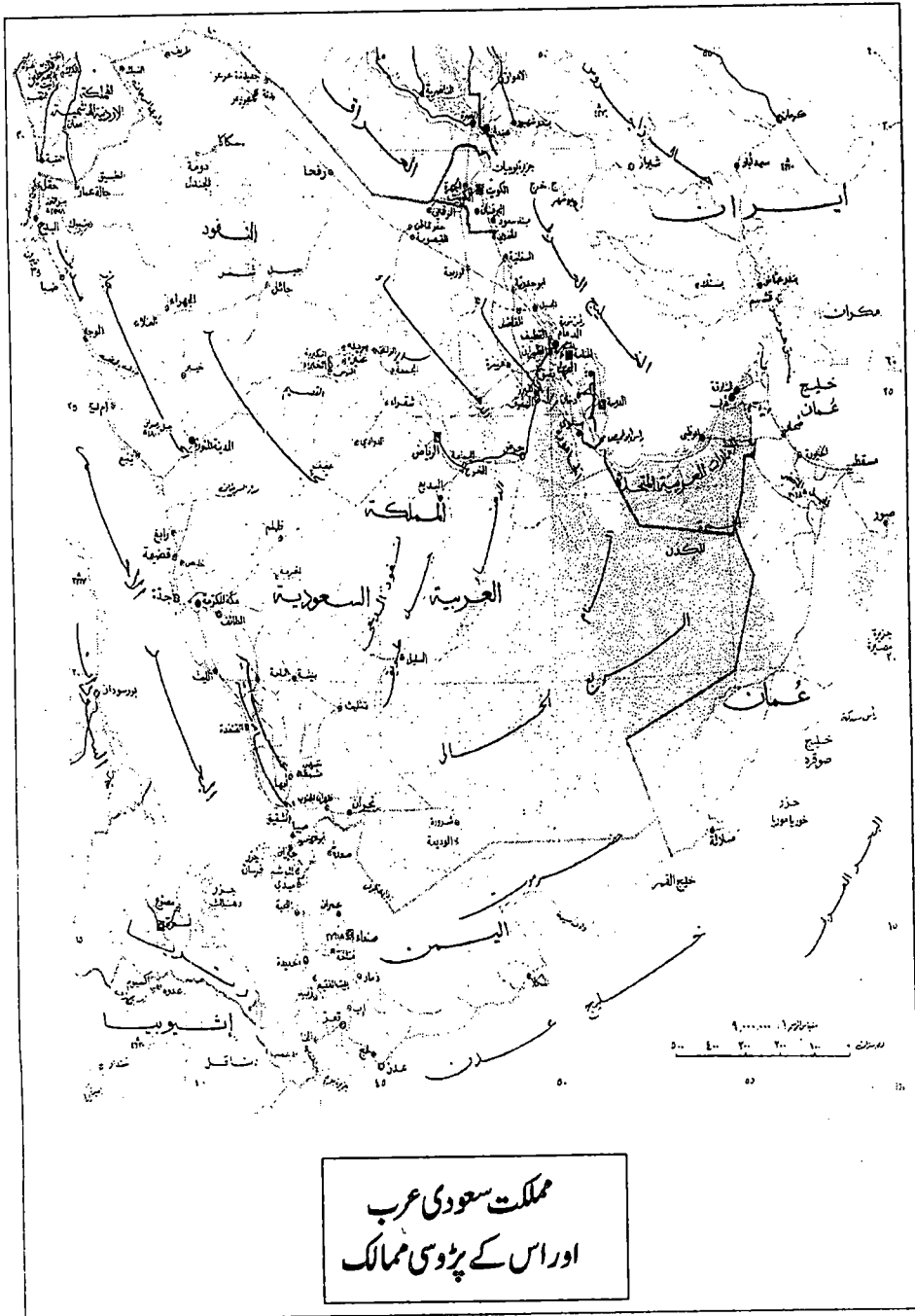
۱۰۔ اور میں امّ عبد اللہ السلفی کا تہ دل سے شکر ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے، اپنے اللہ سے اجر و ثواب کی امید لگائے، میری ہر طرح کی مدد اور ہمت افزائی کی، یہاں تک کہ میں نے ربّ العالمین کی توفیق و تائید سے اس مبارک کتاب کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ فللّہ الفضل والبرکۃ اللہ تعالیٰ انہیں ایسا اچھا بدلہ دے جیسا وہ اپنے نیک بندوں کو دیتا ہے۔

اور آخر میں میں عزیزم محمد فیاض احمد تہی کا شکر ادا کرنا چاہوں گا جنہوں نے پورے صبر اور دلجمعی کے ساتھ کمپیوٹر پر کتاب کی طباعت اور تصحیح کا کام کیا ہے۔ بلاشبہ انہوں نے اس مدت میں خوب علمی استفادہ کیا ہے، اور سیرت نبویہ کے بے شمار گورہائے گراں مایہ سے اپنے دل و دماغ کی تربیت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے، ہم سب کے دماغوں اور دلوں کو علم و عرفان سے روشن کر دے، اور زندگی کے آخری لمحہ تک ہمیں حق پر استقامت دے، اور دعوت الی اللہ کی راہ پر گامزن رکھے۔ آمین۔ وصلى اللہ وسلم وبارک علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین۔

ابو عبد اللہ محمد لقمان السلفی

ریاض سعودی عرب

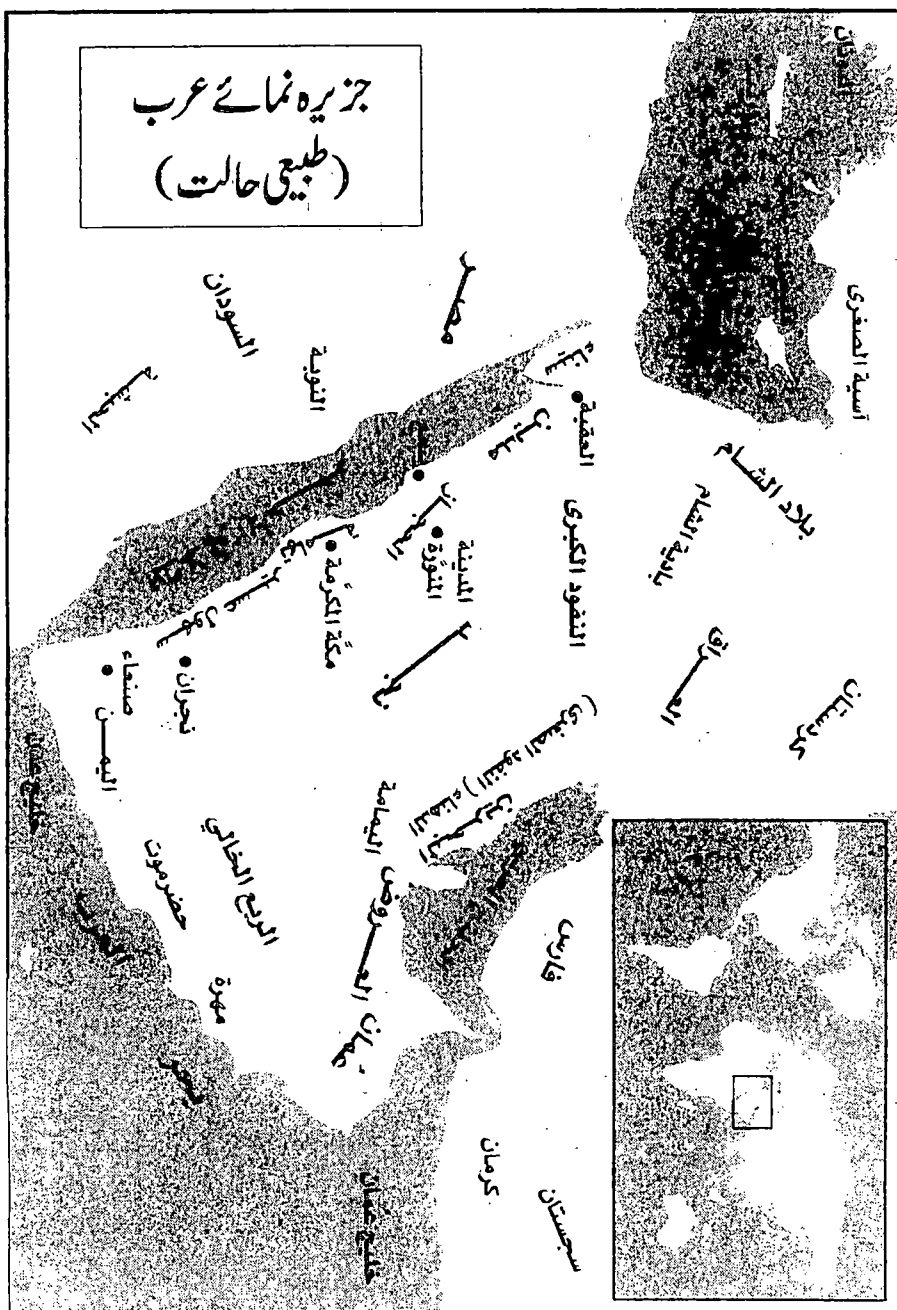
۱۹/۸/۱۴۲۸ھ



ابتدائیہ

نبی کریم ﷺ اور اُن کی سیرت طیبہ سے متعلق گفتگو، درحقیقت اُس آسمانی رسالت سے متعلق گفتگو ہے جس کے ساتھ نبی اکرم ﷺ پورے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے اُس وقت بھیجے گئے جب پورا عالم انسانیت اپنے تاریک ترین دور سے گزر رہا تھا، بالخصوص وہ عرب قومیں جو اُس وقت جزیرہ نمائے عرب میں رہتی تھیں۔ اس لئے نبی کریم ﷺ کی پاکیزہ سیرت سے متعلق گفتگو، اس کی امتیازی خوبیوں کا لائق و فائق بیان، اس کی تابناکیوں کی تصویر کشی، اس کی خصوصیات و امتیازات کی وضاحت، نیز انسانی تاریخ میں عقیدہ و مذہب، عادات و اطوار اور اخلاقیات کے باب میں خاتم النبیین ﷺ نے جو اعلیٰ اور نمایاں ترین کردار ادا کیا، ان تمام اہم امور کی صحیح ترجمانی، کسی بھی مؤلف و محقق کے لئے اُس وقت تک ممکن نہیں، جب تک وہ اُس عہد کی قوموں کی زندگی پر بالعموم، اور عربوں کی زندگی اور عہد جاہلی میں ان کے مذاہب و عقائد اور اخلاق و عادات پر روشنی نہیں ڈالتا، اور اس تلخ و اَلَمَناک حقیقت کو صفحہ قرطاس پر نہیں لاتا کہ وہ قومیں پستی اور انحطاط کی انتہا کو پہنچ گئی تھیں، خیر و شر کی تمیز کھو چکی تھیں، اور خود کشی کی راہ پر پڑ چکی تھیں۔ باری تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان تمام اقوام عرب و غیر عرب کی تصویر کشی کرتے ہوئے سورۃ الروم آیت (۴۱) میں فرمایا ہے: ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ ”خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا ہے ان گناہوں کی وجہ سے جو لوگوں نے کئے ہیں، تاکہ اللہ ان کو ان کے بعض بد اعمالیوں کا مزہ چکھائے، شاید کہ وہ (اپنے رب کی طرف) رجوع کریں“۔

اسی لئے نبی کریم ﷺ اور ان کی مبارک زندگی سے متعلق کچھ تحریر کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوا کہ سرزمین نبوت، جزیرہ عرب، وہاں کی قوموں، اس کے جغرافیائی محل وقوع، سیاسی، اجتماعی، دینی اور دیگر حالات نیز اُس علاقہ کی خصوصیات پر روشنی ڈالوں، اور ایک سرسری نگاہ ان غیر عرب قوموں کے حالات زندگی پر بھی ڈالی جائے جو عرب قوموں کے جوار میں رہتی تھیں، ان کے سیاسی، اجتماعی اور اخلاقی حالات، ان کے مذاہب و ادیان، اور عربوں کے ساتھ ان کے تعلقات کی وضاحت کی جائے۔ اور پھر دلائل و براہین کی روشنی میں یہ بات بیان کی جائے کہ ان تمام اقوام عرب و غیر عرب کو اللہ کی طرف سے بھیجے گئے ایک نبی مرسل کی شدید ترین ضرورت تھی، جو سارے عالم کے لئے رحمت بن کر آئے، انہیں ہلاکت و بربادی سے نکال کر ساحلِ امن و نجات پر پہنچائے، یعنی دین اسلام سے انہیں روشناس کرائے جس کے سوا کہیں بھی ان کے لئے کوئی دینی یا دنیوی خیر و فلاح نہیں۔



جزیرہ عرب محل وقوع، خصوصیات

محل وقوع:

یا قوت نے اپنی کتاب ”معجم البلدان“ میں ابو منذر ہشام بن محمد بن السائب الکفی کی سند کے ذریعہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ بلاد عربیہ کو ”جزیرہ“ اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ اپنے تمام اطراف و جوانب سے دریاؤں اور سمندروں سے اس طرح گھرا ہوا ہے کہ وہ بحری جزیروں میں سے ایک جزیرہ کی مانند بن گیا ہے۔ چنانچہ بلاد عربیہ مشرق و مغرب اور جنوب تین جہتوں سے سمندروں سے گھرا ہوا ہے، اور شمال مشرق سے شمال تک اسے دریائے فرات بحر ابیض متوسط کے قریب تک گھیرے ہوئے ہے۔ اس طرح عربوں کے نزدیک ان کے جزیرہ کے حدود اربعہ مندرجہ ذیل ہیں:

جنوب میں بحر عمان، پھر خلیج عربی، محیط ہندی اور خلیج عدن، مغرب میں بحر احمر (بحر قلزم) پھر صحرائے سیناء اور بحر ابیض، اور شام کے شمال مغرب میں شہر قنسرین تک دریائے فرات۔

جزیرہ عرب اپنے اسی طبعیاتی اور جغرافیائی محل وقوع کی وجہ سے ماضی قریب و بعید میں اپنی قوموں کے لئے ایک ایسا ناقابل تسخیر قلعہ بنا رہا ہے جس پر غیر عربوں کا کبھی بھی قبضہ نہ ہوسکا، حالانکہ بعض ادوار میں یہ عرب قومیں دو عظیم ترین بادشاہتوں کے درمیان گھری ہوئی تھیں۔ اگر جزیرہ عرب کا محل وقوع ایسا نہ ہوتا تو ان طاقتوں کے استبداد و تسلط سے عربوں کا بچنا ممکن نہ ہوتا۔

ذیل میں مندرجہ بالا اجمال کی مزید تفصیل بیان کرنا مناسب سمجھتا ہوں:

جزیرہ عرب کی تقسیم:

جب ہم عربوں کے اشعار و واقعات کا جائزہ لیتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جزیرہ عرب کو پانچ حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے، اور اس تقسیم کی بنیاد دنیائے عرب کا ”سراۃ“ نامی عظیم ترین پہاڑ ہے، جو درحقیقت پہاڑوں کا ایک طویل سلسلہ ہے، جو بحر احمر کے بالمقابل جنوب میں یمن سے، شمال میں بادیہ شام تک پھیلا ہوا ہے، اور یہ پہاڑی سلسلہ جزیرہ عرب کو مغربی اور مشرقی دو حصوں میں بھی تقسیم کرتا ہے۔

ذیل میں پانچوں اقسام سے متعلق مختصر معلومات بیان کی جا رہی ہیں:

(۱) تہامہ (الغور):

یہ ”سراة“ نامی پہاڑ کا مغربی حصہ ہے جو بحر احمر کے بالمقابل، جنوب میں یمن سے شمال میں عقبہ تک پھیلا ہوا ہے، اور اسے ”تہامہ“ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ علاقہ تنگ، ساحلی اور پست ہے، بعض نے کہا ہے کہ یہ نام کلمہ ”تہم“ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ”شدید گرمی اور ہوا کا نہ چلنا“ ہے۔ عرب لوگ لفظ ”تہامہ“ کا اطلاق حجاز و یمن کے اُن علاقوں پر کرتے تھے جو ان کے بالمقابل تھے۔ چنانچہ تہامہ حجاز، تہامہ عسیر، اور تہامہ یمن ان نچلے علاقوں کو کہا جاتا ہے جو ان کے بالمقابل ہیں۔

تہامہ کے اکثر حصے ریتیلے، شدید گرم اور کم ہریالے ہیں، اس علاقے میں عربوں کے کئی بندر گاہ ہیں، مثال کے طور پر حجاز میں جدہ اور ینبع کی بندر گاہیں، اور یمن میں حدیدہ اور تحاک کی بندر گاہیں۔ اور اس ساحلی علاقہ کے بالمقابل اور اس سے متصل نشیبی اور بالائی ملے جلے علاقے ہیں۔ اور مکہ مکرمہ تہامہ یمن کے بالمقابل علاقہ میں واقع ہے۔

(۲) نجد:

یہ سراة نامی پہاڑ کا مشرقی حصہ ہے، اور مغربی حصہ سے بڑا ہے، اور اس کا نام ”سرزمین نجد“ ہے یعنی بالائی سرزمین۔ اس لئے کہ یہ وسط جزیرہ کا اونچا حصہ ہے، جو جبل سراة کے مشرقی حصہ سے بتدریج مشرق میں ”عروض“ کے علاقہ یمامہ، بحرین اور ان کے ارد گرد کے علاقوں تک پھیلا ہوا ہے۔

”سرزمین نجد“ کی دو قسمیں ہیں: بالائی نجد، جو حجاز سے متصل ہے، اور نشیبی نجد جو سرزمین عراق سے متصل ہے، نجد کا علاقہ چھٹی صدی عیسوی تک جنگلوں اور درختوں سے پُر تھا، بالخصوص بالائی نجد میں وادی زمہ کے جنوب اور ثمر نامی پہاڑوں کے قریب کا علاقہ، جو شمال میں ہے۔

قبیلہ طی کی سرزمین شمالی نجد میں واقع ہے، اس علاقہ اور صحرائے نفود کے درمیان آجا اور سلمیٰ نامی دو پہاڑ ہیں جو سرزمین طی کی طرف منسوب ہیں۔ سعودی عرب کا مشہور شہر ”حائل“ آجا پہاڑ کے دامن اور سلمیٰ پہاڑ کے نشیبی حصہ میں واقع ہے۔

نجد کا مشرقی علاقہ ”وشوم“ کے نام سے جانا جاتا ہے، نیز نجد کی کشادہ سبزہ زار زمین کے نام سے بھی جانا جاتا ہے جو مشرق میں وشوم، مغرب میں حرہ خیبر اور شمال میں طی پہاڑ کے درمیان پھیلا ہوا ہے، اسے ”قصیم“ کا علاقہ کہتے ہیں، جس کا لغوی معنی ایسی ریتیلی زمین ہے جس میں ”جھاؤ“ کے درخت اُگتے ہیں۔

(۳) حجاز:

یہ سراۃ نامی پہاڑی سلسلہ کا بالائی علاقہ ہے، جو نجد اور تہامہ کے درمیان حد فاصل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس علاقہ کا نام حجاز اس لئے ہے کہ یہ تہامہ اور شام کے درمیان حد فاصل ہے، اونچے پہاڑ کا یہ سلسلہ مدین کے شمالی علاقہ سے حدود یمن تک پھیلا ہوا ہے، سرزمین حجاز میں بہت سی وادیاں پائی جاتی ہیں: اُن میں ”وادی قُریٰ“ ایک اہم وادی ہے جو الغلا شہر اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع ہے، اسی وادی میں ”قرح“ نامی شہر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اس قوم عاد کو ہلاک کیا تھا جن کی طرف ہود علیہ السلام نبی بنا کر بھیجے گئے تھے، اسی وادی میں ”حجر“ نامی شہر ہے جو مدائن صالح کے نام سے مشہور ہے۔

حجاز میں ”یثرب“ نامی شہر ہے، جو اسلام آنے کے بعد ”مدینۃ الرسول“ کے نام سے جانا جاتا ہے، اسی وادی میں ”طائف“ شہر ہے جو مکہ مکرمہ کے جنوب مشرق میں پچاسی کیلو میٹر کی دوری پر واقع ہے۔ مکہ مکرمہ کے جنوب میں ہی وہ پہاڑی علاقہ ہے جہاں قبیلہ ہذیل آباد تھا، اور اس کے جوار میں سلیم اور کنانہ نامی قبائل آباد تھے۔

(۴) العروص:

یہ جزیرہ عرب کا چھوٹا حصہ ہے۔ ابن الکئی نے اس کی تحدید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ یمامہ، بحرین اور ان متصل علاقہ کا نام ہے، اور اس کا نام ”عروص“ اس لئے ہے کہ یہ علاقہ یمن اور نجد و عراق کے درمیان حد فاصل ہے، اس علاقہ کی اکثر زمینیں صحراؤں اور ساحلی علاقوں پر مشتمل ہیں جو مغربی علاقہ میں ساحل سمندر سے اونچے ہوتے گئے ہیں، آج کل یہ علاقہ کافی بڑا ہے، اور بحرین، کویت، احساء، قطر اور یمامہ وغیرہ کو شامل ہے۔ قدیم زمانہ میں ”بحرین“ کا اطلاق اس علاقہ پر ہوتا تھا جو بصرہ سے عمان تک پھیلا ہوا تھا، اور اس میں کویت، احساء اور بحرین و قطر کا علاقہ شامل تھا، آج بحرین خلیج عربی کے وسط میں واقع چند جزایروں پر مشتمل ایک اسٹیٹ کا نام ہے جو ساحل قطر اور احساء سے الگ ہے۔

اسی طرح کویت سے مراد وہ علاقہ ہے جو بصرہ کے بالمقابل ہے، اس کی اکثر زمینیں نرم اور پھیلی ہوئی ہیں، اور سوائے چند ٹیلوں کے اس کے اکثر ساحلی علاقے ریتیلے ہیں، اس اسٹیٹ کے مشہور ترین شہر ”کویت“ دار السلطنت اور جہراء ہیں۔

عروص کا ایک علاقہ ”احساء“ ہے، جو قدیم زمانہ میں بصرہ سے عمان تک پھیلا ہوا تھا، لیکن آج کل یہ علاقہ کویت کے جنوب میں واقع ہے، اور حدود قطر تک پھیلا ہوا ہے، یہ علاقہ پانی کی کثرت اور ہرے بھرے درختوں

کی وجہ سے خاص شہرت رکھتا ہے۔ اس کے سب سے زرخیز علاقے احساء اور قطیف کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ اسلام سے قبل اس علاقہ میں قبائل بنی عبد القیس، تمیم اور بکر بن وائل رہتے تھے، اور اہل فارس کے زیر اثر تھے۔ نبی کریم ﷺ نے علاء بن عبد اللہ حضرمیٰ کو وہاں تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا تھا، جن کے اثر سے وہاں کے عرب باشندگان اور بعض مجوسی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، اور کچھ نے جزیہ دینے کی منظوری پر صلح کر لی۔ آج کل یہ علاقہ مملکت سعودی عرب کا ایک حصہ ہے۔

قطر بھی عرّوض کا ایک علاقہ ہے، جو جزیرہ نما ہے، اور احساء سے لے کر جنوب میں حدودِ عثمان تک پھیلا ہوا ہے، اس کی اکثر زمینیں صحرائی ہیں، بہت کم زمین قابلِ زراعت ہے جسے یہاں کے باشندے کنوؤں کے پانی سے سیراب کرتے ہیں۔

عرّوض کا دوسرا حصہ ”یمامہ“ ہے، جو زمانہ قدیم میں ”بجو“ کے نام سے معروف تھا، اور ظہور اسلام کے وقت بستیوں اور شہروں سے آباد تھا۔ اس کی مشہور بستیاں منفوحہ اور سدوس تھیں۔ سدوس بستی یمن سے عراق جانے والی تجارتی رگدز نیز نجران سے فارس جانے والے راستہ پر واقع تھی مملکت سعودی عرب کا دار السلطنت ”ریاض“ یمامہ کا ہی ایک حصہ ہے، اور منفوحہ نام کی بستی اب ریاض شہر کا ایک حصہ بن گئی ہے۔

(۵) یمن:

یہ جزیرہ عرب کا جنوبی حصہ ہے، اس کے حدود تہامہ سے عرّوض تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کی نشیبی اور بالائی متعدد قسمیں ہیں مثال کے طور پر ”تہامہ عسیر“ جو حجاز و یمن کے درمیان سعودی علاقہ ہے۔ اور ”تہامہ یمن“ جو نرم اور زرخیز زمین ہے، اور ساحلِ سمندر کے مقابل پہاڑوں سے مختلف وادیاں نکل کر اُس طرف جاتی ہیں، یہ پہاڑ سراقانامی پہاڑ کا ہی حصہ ہے جو جزیرہ عرب میں شمالی حجاز سے شمالی عدن تک پھیلا ہوا ہے۔ ان پہاڑوں کے پیچھے کشادہ پتھریلا علاقہ ہے جو مشرق کی جانب بڑھتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ ایک طویل و عریض چشیل میدان میں بدل جاتا ہے جو صحرائے وہناء تک پھیلا ہوا ہے۔

تہامہ یمن کے جنوب مشرق میں ”عدن“ کا علاقہ ہے جس میں کئی پتھریلے علاقے ہیں، اور اُن کے درمیان کئی وادیاں ہیں جو مختلف خشک دریاؤں کے باقی ماندہ حصے ہیں۔

علاقہ عدن کے مشرق میں حضرموت کا علاقہ ہے جو بحر عرب یا بحر یمن کے ساحل پر پھیلا ہوا ہے، اور شمال میں صحرائے رُبْع الخالی کے علاقہ تک پہنچتا ہے۔ اسی یمنی علاقہ کا ایک حصہ ”ظفار“ نام کی آبادی ہے جو سحوت سے حدودِ عثمان تک گیا ہوا ہے۔

ظفار سے متصل عُمان کا علاقہ ہے جو موج دریا کے مشابہ پتھریلی زمین اور نرم ساحلی زمین پر مشتمل ہے۔ اس کے بعض علاقوں میں عام پانی کے چشمے، اور معدنیاتی پانی کے چشمے پائے جاتے ہیں، جو بسا اوقات بہت زیادہ گرم ہوتے ہیں۔ عُمان کے علاقہ میں کئی پُرانے شہر ہیں، مثال کے طور پر صحار اور دُبائی شہر، جو قدیم زمانہ میں اہم شہروں میں شمار ہوتے تھے۔ وہاں عہد جاہلیت کے بازاروں میں سے ایک بازار بھی لگتا تھا۔ اس کے باشندے قبائل اُزد اور نزوہ سے تعلق رکھتے تھے۔ عُمان کے باشندوں کا شمار بحری اقوام میں ہوتا ہے، اور زمانہ قدیم سے ان کے تعلقات افریقہ اور ہندوستان کے ساحلی علاقوں سے رہا ہے^(۱)۔



جزیرہ عرب کے باشندے

جزیرہ عرب کے باشندے ”عرب“ کہلاتے ہیں۔ بنیادی طور پر یہ لوگ سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد کی نسل سے ہیں، آگے چل کر ان کے جد اعلیٰ ”عدنان بن اَدُو“ ہیں جن سے نبی کریم ﷺ کے نسب کا پہلا حصہ ملتا ہے، جیسا کہ آئندہ بیان کیا جائے گا۔

عرب مورخین قدیم ترین زمانہ کے عربوں کی تین قسمیں بتاتے ہیں: عرب باندہ، عرب عاربہ اور عرب مستعربہ۔

۱- عرب باندہ:

وہ لوگ کہلاتے ہیں جو قدیم زمانہ میں ہلاک ہو گئے، ان کے نام طسم و جد لیس اور عاد و ثمود ہیں، طسم و جد لیس آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرتے رہے، یہاں تک کہ دنیا سے اُن کا وجود ختم ہو گیا۔ اور عاد و ثمود شرک و بُت پرستی پر مُصر رہے، اور اپنے انبیاء ہود و صالح علیہما السلام کی تکذیب کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی ہلاک کر دیا۔ اللہ عز و جل نے سورۃ الحاقۃ آیات (۳-۶) میں اسی بات کو بیان فرمایا ہے: ﴿كَذَّبَتْ ثَمُودُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ (۴) فَأَمَّا ثَمُودُ فَأَهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ (۵) وَأَمَّا عَادٌ فَأَهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ (۶)﴾ (ثمود اور عاد نے کھڑکھڑا دینے والے دن کو جھٹلادیا، اس لئے قوم ثمود کے لوگ چنگھاڑ کے ذریعہ ہلاک کر دیئے گئے، اور قوم عاد کے لوگ ایک تیز و تند آندھی کے ذریعہ ہلاک کر دیئے گئے)۔

۲- عرب عاربہ:

وہ لوگ ہیں جن کی نسل یعر بن یثجب بن قحطان سے چلی ہے، یہ لوگ ”قحطانی“ کہلاتے ہیں، اور ایک زمانہ تک یمن کی سر زمین پر رہے، پھر اُن کے قبائل جزیرہ عرب میں پھیل گئے، ان میں مشہور قبائل حمیر اور کہلان ہیں، کچھ قبیلے شام کی طرف چلے گئے، ان میں لُحْم و جذام اور یحفہ کی اولاد ہیں جو شاہانِ ملک شام ہوئے۔ اور جو قحطانی قبائل حجاز میں آباد ہوئے، انہی میں سے قبیلہ ”بحرہم“ ہے، جس نے اسماعیل علیہ السلام کی ماں ہاجر کی اجازت سے مکہ میں سکونت اختیار کی۔ ان کے چچا کی اولاد عمالقہ کے نام سے مشہور ہوئی، اس لئے کہ یہ لوگ ”عملاق“ کی اولاد تھے۔ یہ عمالقہ حجاز و شام میں رہائش پذیر ہوئے، کچھ مصر میں داخل ہو گئے، اور جزیرہ عرب سے متصل علاقوں میں پھیل گئے۔ انہی عرب عاربہ میں سے بنو امیم ہیں جو جزیرہ عرب میں ہی رہے، اس سے باہر نہیں نکلے۔

۳- عرب مستعربہ :

یہ لوگ اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی نسل سے ہیں۔ ابراہیم یعرب کی اولاد سے نہیں تھے، اور نہ اُن کی زبان عربی تھی، بلکہ سریانی تھی، جو عراق کے علاقہ بابل میں رہنے والے کلدانیوں کی زبان تھی، اور جب اپنے علاقہ سے ہجرت کر کے شام گئے، تو وہاں کے باشندوں یعنی کنعانیوں کی زبان سیکھ لی، عربی زبان میں انہوں نے بات نہیں کی۔

اسماعیل علیہ السلام نے قبیلہ بجرہم والوں سے عربی سیکھی، جو یمن کا قحطانی قبیلہ تھا، اور اُم اسماعیل ہاجر کی اجازت سے مکہ میں سکونت پذیر ہو گیا تھا۔ اسماعیل بیان و ادب اور فصاحت و بلاغت میں بجرہم والوں پر سبقت لے گئے، اور بجرہم کے سردار مضاض بن عمرو کی بیٹی سے شادی کر لی۔ اس بیوی سے اللہ تعالیٰ نے اسماعیل کو بارہ لڑکے عطا کئے۔ اُنہی میں سے ثابت و قیدار تھے۔

اس طرح اسماعیل اور اُن کی اولاد کی زبان عربی ہو گئی۔ اور انہیں ”عرب مستعربہ“ کہا جانے لگا۔ اس لئے کہ ان لوگوں کے دادا ابراہیم عربی نہیں تھے، انہوں نے عربوں سے عربی سیکھی، ان کی لڑکیوں سے شادیاں کیں، اُن میں مل گئے، اور پورے طور پر اُن کے ساتھ گھل مل گئے۔ اور اُن کی نسبت ”عدنان“ کی طرف کی جانے لگی جو اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کی اولاد میں سے تھا۔ اور چونکہ اسماعیل بھی اپنے باپ ابراہیم کی طرح عربی نہیں تھے، اس لئے تمام عدنانیوں کو ”عرب مستعربہ“ کہا جانے لگا۔ عدنان کے بعد تمام عدنانی قبائل میں خوب کثرت ہوتی گئی، اور بلاد عربیہ کے مختلف حصوں میں پھیلنے چلے گئے۔

عدنان کے بیٹوں میں سب سے زیادہ مشہور ”عک“ اور ”معد“ ہوئے، عک یمن کی طرف چلا گیا، اور وہاں اپنے سُسرالی اشعریوں کے ساتھ رہنے لگا۔ ”معد“ مکہ میں ہی رہا، اس کے چار بیٹے ہوئے: نزار، قُضاعہ، قُضص اور ایاد۔ نبی کریم ﷺ کا نسب ”نزار“ تک پہنچتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

مکہ اور اس کے اولین باشندے:

مؤرخین نے لفظ ”مکہ“ کی اصل کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ مکہ جن تمام ناموں سے جانا گیا، اُن سب سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپنے ابتدائے عہد سے ہی ایک دینی مقام تھا جس کی بنیاد ابراہیم نے ڈالی تھی۔ جو ادا علی نے لکھا ہے کہ بطیموس کے جغرافیہ میں مکہ کا ذکر (MACORABA) کے تحت آیا ہے، جس کا معنی مقدس یا حرم ہے^(۱)۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ مکہ اپنی ابتداء سے ہی ایک دینی مقام تھا، اور بعثتِ نبوی سے بہت زمانہ قبل عبادت کا ایک مرکز تھا۔ اور ایسا لگتا ہے کہ اس نام کا اللہ کے ”بیتِ متیق“ سے گہرا ربط و تعلق رہا ہے، اور زمانہ جاہلیت میں دینی مرکز کی حیثیت سے اس کی شہرت میں اس کا بڑا دخل تھا۔

مکہ ایک وادی کے نشیب میں واقع ہے جو ”وادیِ بطنِ مکہ“ سے معروف ہے، اور یمن اور شام کے درمیان قافلوں کی گزرگاہ کے بیچ میں، سرائے نامی پہاڑ کی وادیوں میں سے ایک وادی میں ہے، اس کے چار جانب سے بے آب و گیاہ پہاڑ ہیں، اسی لئے قرآن کریم نے اس کا وصف بیان کرتے ہوئے اسے ”وادیِ غیر ذی زرع“ کہا ہے۔

مکہ میں ابراہیم کی آمد:

مؤرخین کا خیال ہے کہ مکہ اور حجاز کے قدیم ترین حکام عمالِقہ تھے، اُن کے بعد یمن سے آنے والے قبیلہٴ جرہمِ قحطانی کی اولاد تھی۔ تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے کہ عربِ مستعربہ کا پہلا وطن مکہ تھا، اس لئے کہ اُن کے جدِ اعلیٰ ابراہیم علیہ السلام پہلے آدمی تھے جو وہاں پہنچے تھے، اور وہ عربی نہیں تھے، اپنے شہر ”آر“ سے ہجرت کر کے جو دریاۓ فرات کے شمال مغرب کنارے پر واقع تھا، اور دیارِ مصر سے ہوتے ہوئے حاران یا حران آ گئے۔ راستہ میں شاہِ مصر کو توحید کی دعوت دی، اس وقت ان کی عمر پچیس سال تھی، اور اُن کے ساتھ اُن کی بیوی سارہ تھیں جو ان کے چچا ہاران کی بیٹی تھیں، اور ان کے چچا زاد بھائی لوط تھے۔ شاہِ مصر نے سارہ کو اپنے لئے روک لینا چاہا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اُسے ایسا سخت عذاب دیا کہ مارے ڈر کے انہیں چھوڑ دیا۔ اور ان کی کرامات کو دیکھ کر مزید یہ نیکی کی کہ اپنی بیٹی ”ہاجر“ کو ان کی خدمت کے لئے انہیں دے دیا۔ بعد میں سارہ نے انہیں ابراہیم کو دے دیا، ابراہیم نے اُن سے شادی کر لی، اور اُن ہی کے بطن سے اسماعیل پیدا ہوئے۔ سارہ کو جب معلوم ہوا کہ ہاجر حمل سے ہیں، تو اُن کی محبت دشمنی میں بدل گئی، اور ابراہیم سے کہا کہ وہ انہیں اور ہاجر کو الگ الگ رکھیں۔ چنانچہ ابراہیم اپنے بیٹے اور بیوی کو لے کر مکہ گئے، اور اللہ کے حکم کے مطابق انہیں ”بیتِ حرام“ کے پاس ٹھہرایا جو اُس وقت ٹیلہ کی مانند ایک اونچی جگہ تھی۔ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورہ ابراہیم آیت (۳۷) میں فرمایا ہے: ﴿رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾ (اے ہمارے رب! میں نے اپنی بعض اولاد کو تیرے بیتِ حرام کے پاس ایک وادی میں بسایا ہے جہاں کوئی کھیتی نہیں ہے، اے ہمارے رب! میں نے ایسا اس لئے کیا ہے تاکہ وہ نماز قائم کریں)۔

ابراہیم علیہ السلام انہیں وہیں چھوڑ کر واپس چل پڑے، اور اُن کے لئے ایک تھیلی میں کچھ کھانا اور پانی کا

ایک مشکیزہ رکھ دیا۔ ہاجر نے ان کی طرف دیکھ کر اُن سے پوچھا: آپ ہمیں کس کے حوالے کئے جارہے ہیں؟ کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ تو ہاجر نے کہا: میں اللہ کے فیصلہ پر راضی ہوں^(۱)۔ اس کے بعد ابراہیم و عورتِ توحید کی نشر و اشاعت کے لئے شام واپس چلے گئے۔

ہاجر اور ان کے بیٹے اسماعیل مکہ میں:

ہاجر اپنے دودھ پیتے بچے کے ساتھ وادی میں رہ گئیں، ان کا گذر ان تھیلی میں موجود کھانا اور مشکیزہ کے پانی پر ہونے لگا۔ پانی کو ایک دن ختم ہونا تھا، ہو گیا، اب ہاجر اور ان کے دودھ پیتے بچے اسماعیل کو پیاس لگی، تو چاروں طرف پانی کی تلاش کرنے لگیں، اور حیران و پریشان ہو گئیں، اپنے بچے کو پیاس کی شدت سے تڑپتا دیکھ کر ان کا دل پھسا جا رہا تھا۔ اسی پریشانی میں صفاپہاڑی پر چڑھ کر دائیں بائیں دیکھنے لگیں، لیکن کہیں انہیں نہ پانی نظر آیا، نہ ہی کوئی انسان۔ وہاں سے اتریں اور مروہ پہاڑی پر چڑھیں، اور دائیں بائیں دیکھتی رہیں، لیکن کچھ نہ دیکھا، تو اتر کر صفا کی طرف آئیں، اسی طرح انتہائے پریشانی میں دونوں پہاڑوں کے درمیان دوڑتی رہیں، یہاں تک کہ سات بار دوڑ لگاتی رہیں، اور ہر بار بچے کے پاس جا کر دیکھتی رہیں کہ ابھی زندہ ہے یا اللہ کو پیارا ہو گیا۔ آخری بار اچانک دیکھتی ہیں کہ بچے کے دونوں قدموں کی رگڑ کے اثر سے پانی کا ایک چشمہ ابل پڑا ہے، دوڑتی ہوئی وہاں پہنچیں، اور پانی کو مٹی اور پتھر سے گھیرنے لگیں، تاکہ زمین پر پھیل کر خشک نہ ہو جائے۔ اس طرح زمزم کا کنواں وجود میں آیا، اور اس کا پانی بہت ہو گیا۔

مکہ میں قبیلہ بجر ہم کی سکونت:

یمن کا قبیلہ بجر ہم وادی کے قریب سے گزرا، انہیں پانی کی ضرورت تھی، دیکھا کہ ایک چڑیا قریب ہی منڈلا رہی ہے۔ انہوں نے اپنے آدمی کو معاملہ کی تحقیق کے لئے بھیجا، وہ ان کے پاس ہاجر و اسماعیل اور زمزم کے پانی کی خوش کن خبر لے کر آیا۔ سبھی پانی کے پاس پہنچے اور ہاجر سے اس کے پاس پڑاؤ ڈالنے کی اجازت مانگی۔ انہوں نے اس شرط کے ساتھ اجازت دے دی کہ پانی پر ان کا حق نہیں ہوگا۔ وہ لوگ اس سے قبل مکہ کے اطراف کی وادیوں میں بسیرا کرتے تھے، پھر ہاجر و اسماعیل کے ساتھ مکہ کے باسی بن گئے۔ وہ لوگ پہلے بھی اس وادی بطنِ مکہ سے گزرا کرتے تھے، جیسا کہ امام بخاری نے کتاب الانبیاء میں روایت کی ہے^(۲)۔

(۱) صحیح البخاری: کتاب الانبیاء حدیث ۳۳۶۳، ۳۳۶۵۔

(۲) مرجع سابق، حدیث نمبر سابق۔

مکہ میں ابراہیم کی آمد کی تعداد:

قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام ہاجر واسماعیل سے ملنے، اور اُن کی خبر گیری کرنے کے لئے کبھی کبھار مکہ آتے رہے، اس لئے کہ ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ایسا سوچنا غیر معقول ہے کہ جب سے انہوں نے دونوں کو وادی میں چھوڑا، کبھی اُلٹ کر انہیں نہیں دیکھا، یہاں تک کہ ہاجر کا انتقال ہو گیا اور اسماعیل نے شادی کر لی۔ حالانکہ اُن کے بارے میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ جب وہ مکہ آنا چاہتے تھے تو زمین اُن کے لئے پلیٹ دی جاتی تھی، اور اُن کا سفر بُراق پر ہوتا تھا۔ اس لئے ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ اپنی بیوی اور بچہ کو دیکھنے نہ آتے، جبکہ اُن دونوں کو ان کی محبت و خبر گیری کی شدید ضرورت تھی۔

لیکن اُن کے مشہور اسفار جن کا ذکر صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں آیا ہے، صرف چار ہیں: پہلا سفر اُس وقت ہوا جب وہ ہاجر واسماعیل کو لے کر وادی بطن مکہ میں آئے، اور اللہ کے حکم سے ان دونوں کو وہاں چھوڑ کر واپس چلے گئے۔ دوسری بار اس وقت آئے جب ہاجر کا انتقال ہو چکا تھا، اور اسماعیل نے قبیلہ جُز ہم کی ایک عورت سے شادی کر لی تھی۔ تیسری بار اسماعیل اور ان کے بال بچوں کی خبر گیری کے لئے آئے۔ اور چوتھی بار اسماعیل کی مدد سے خانہ کعبہ کی تعمیر کے لئے آئے۔

ابراہیم نے خواب دیکھا کہ وہ اسماعیل کو ذبح کر رہے ہیں:

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں آتا کہ ابراہیم نے خواب دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے اسماعیل کو ذبح کر رہے ہیں، اور یہ کہ باپ اور بیٹے نے پوری طاعت و بندگی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے رب کے حکم کی تعمیل کی۔

یہ بات عجیب سی ہے، اس لئے کہ ابراہیم کے مکہ آنے، اپنا خواب اپنے بیٹے کے سامنے بیان کرنے، اور پھر باپ بیٹے کا اللہ کے حکم کو بجالانے کی بات کو ابن عباس رضی اللہ عنہما کیسے بھول جاتے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی تفصیلات میں مرفوع حقائق کے ساتھ اسرائیلیات داخل کر دی گئی ہیں، جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔

انہی غیر مذکور حقائق میں سے اسماعیل ذبح اللہ کا ذکر ہے، حالانکہ سورۃ الصافات آیات (۱۰۳-۱۰۷) میں اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا ہے۔ اور آیتوں کا سیاق و دلالت کرتا ہے کہ ابراہیم نے جب شام میں یہ خواب دیکھا تو وادی مکہ میں تشریف لائے، اور اپنا خواب اپنے اکلوتے بیٹے اسماعیل سے بیان کیا اور جو کچھ ہونا تھا ہوا، اُس وقت

اسحاق پیدا نہیں ہوئے تھے، اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے پہلے ”ذبیح“ کا واقعہ بیان کیا، اس کے بعد فرمایا: ﴿وَيَسْرُفُهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ﴾ (اور ہم نے انہیں اسحاق کی خوشخبری دی جو نبی اور نیک لوگوں میں سے ہوں گے) [الصفات: ۱۱۲]۔ گویا یہ سیاق اور یہ آیت کریمہ اس بات پر نص قطعی ہے کہ ذبیح اسماعیل ہیں، اور یہ کہ اسحاق کو لمبی عمر ملے گی یہاں تک کہ وہ نبی بنائے جائیں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اُس مینڈھے کا سر جو اسماعیل کے بدلے ذبح کیا گیا تھا، خانہ کعبہ کے میزاب کے ساتھ لٹکا دیا گیا تھا جو خشک ہو گیا تھا۔ نیز اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ اسحاق بچپن میں مکہ آئے تھے، بلکہ اسماعیل ہی مکہ میں رہے، اور وہیں ابراہیم نے اللہ کے حکم کے مطابق انہیں ذبح کرنے کی کوشش کی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے قربانی کا ایک بڑا بکرہ بھیج دیا۔

مقصود یہ ہے کہ اسماعیل جب تیرہ سال کے ہوئے تو ابراہیم مکہ آئے، اور یہ اُن کے پانچ اَسفارِ مکہ میں سے دوسرا تھا۔ اور پہلے، تیسرے، چوتھے اور پانچوے اَسفار کا ذکر امام بخاری رحمہ اللہ کی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں آیا ہے۔ بنا بریں ابراہیم علیہ السلام کے پانچوں اَسفارِ مکہ کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے (۱):

پہلا سفر:

اس سفر کی تفصیل ابھی کچھ پہلے (مکہ میں ابراہیم کی آمد) عنوان کے تحت گزر چکی ہے، جب ابراہیم اللہ کے حکم سے ہاجر اور اپنے بیٹے اسماعیل کو لے کر مکہ کی وادی غیر ذی زرع میں انہیں بسانے کے لئے آئے، اور انہیں وہاں رکھ کر شام واپس چلے گئے، تاکہ لوگوں کو توحید باری تعالیٰ اور صرف اللہ کی بندگی کی دعوت دینے میں لگ جائیں۔

دوسرا سفر:

جب اللہ تعالیٰ نے انہیں خواب میں دکھایا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے اسماعیل کو ذبح کر رہے ہیں، جن کی عمر اُس وقت تیرہ سال تھی، چنانچہ انہوں نے اپنے رب کے اس حکم پر لبیک کہا، تسلیم خم کیا، اور اس کی طاعت و بندگی کو بجالانے میں جلدی کرتے ہوئے، بیٹے سے اپنا خواب بیان کیا، بیٹے نے بھی اللہ کے حکم پر لبیک کہا، تسلیم خم کر دیا، اور کہا: ﴿يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ﴾ ”ابا جان! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے وہ کر گزریے، اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے“۔ جب ابراہیم نے اسماعیل کو پیشانی کے بل لٹایا، اور بسم اللہ اللہ اکبر کہا، اور بیٹے نے موت کو گلے لگانے کے لئے کلمہ شہادت پڑھ لیا، اور ابراہیم نے ان

(۱) دیکھئے: قصص النبیین، ابن کثیر: ص ۲۲۰ اور اس کے بعد، اور صحیح بخاری: کتاب الانبیاء، حدیث (۳۳۶۳)، (۳۳۶۵)۔

کے گلے پر چھری پھیری، تو چھری کچھ بھی کاٹ نہ سکی، اور ابراہیم کو ان کے رب کی طرف سے آواز آئی کہ آپ نے خواب کو سچ کر دکھلایا، اور آپ کا امتحان لئے جانے، اور اپنے رب کی طاعت و بندگی میں آپ کی سرعت سے جو مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا، جیسا کہ آپ نے اس سے پہلے اپنے جسم کو آگ کے حوالے کر دیا تھا، اور اپنا مال مہمانوں کے لئے خرچ کرتے رہے۔ اب آپ، آپ کی بیوی اور آپ کے بیٹے اسماعیل کا ظاہر و بین امتحان پورا ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ﴾ (۱۰۴) ﴿قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَبُكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾ (۱۰۵) ﴿إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ﴾ (۱۰۶) ﴿وَفَدَيْنَاهُ بِذَبْحٍ عَظِيمٍ﴾ (اور ہم نے انہیں آواز دی کہ اے ابراہیم! آپ نے خواب کو سچ کر دکھایا، بے شک ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی اچھا بدلہ دیتے ہیں، بے شک یہی کھلی آزمائش ہے۔ اور ہم نے اس لڑکے کے فدیہ کے طور پر ایک بڑا جانور بھیج دیا) [الصافات: ۱۰۴-۱۰۷]۔ یعنی ہم نے اُن کے بیٹے کے فدیہ کے طور پر ایک بڑا بکرا بھیج دیا۔

تیسرا سفر:

تیسری بار جب ابراہیم مکہ آئے تو بے چاری مالی ہاجر کا انتقال ہو چکا تھا، اور اسماعیل نے قبیلہ جرہم کی ایک عورت سے شادی کر لی تھی جس کا نام بجداء بنت سعد تھا۔ ابراہیم کو اسماعیل نہیں ملے، اُن کی بیوی ملی، جب اُس سے اسماعیل کے بارے میں پوچھا، تو تنگی عیش کی شکایت کرنے لگی، اور اللہ کے شکر و ستائش کا کوئی کلمہ اس کی زبان پر نہ آیا۔

ابراہیم نے اس سے کہا کہ جب تیرا شوہر آئے تو اسے میرا سلام کہنا، اور کہنا کہ وہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ بدل دے۔ اسماعیل جب گھر واپس آئے تو کسی نئی بات کا احساس کر کے اپنی بیوی سے پوچھا کہ کیا کوئی آدمی آیا تھا؟ اس نے بتایا کہ ہاں، ایسا ایسا ایک بوڑھا آدمی آیا تھا، اُس نے تمہارے بارے میں دریافت کیا، تو میں نے اُسے بتایا، اور یہ بھی پوچھا کہ ہمارا گزر بسر کیسا ہو رہا ہے؟ تو میں نے اپنی تنگی حال اور قلتِ رزق کی شکایت کی۔

اسماعیل نے پوچھا، تو کیا انہوں نے تمہیں کوئی بات مجھے کہنے کو کہی تھی؟ اس نے کہا: ہاں، کہا تھا کہ میں تمہیں اُن کا سلام پہنچا دوں، اور کہہ دوں کہ تم اپنے دروازہ کی چوکھٹ بدل دو۔ اسماعیل نے کہا: وہ میرے باپ تھے، اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں چھوڑ دوں، اس لئے تم اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ۔

اسماعیل نے ایک دوسری عورت سے شادی کی، اس کا نام بستانامہ تھا، جو قبیلہ جرہم کے سردار مضاض

ابن عمرو کی بیٹی تھی، اسماعیل کو اللہ نے اس سے بارہ بیٹے دیئے، جیسا کہ آئندہ اس کا بیان آئے گا۔

چوتھا سفر:

چوتھی بار ابراہیم علیہ السلام اسماعیل کے پاس ایک لمبی مدت کے بعد آئے، اس بار بھی اسماعیل گھر میں نہیں تھے، ان کی بیوی سے پوچھا تو بتایا کہ وہ تلاشِ رِزق میں باہر گئے ہیں۔ ابراہیم نے پھر پوچھا کہ تم لوگ کیسے ہو؟ اور ان کے گزر اوقات کے بارے میں پوچھا، تو کہا کہ ہم لوگ خیریت اور وسعتِ رِزق کے ساتھ ہیں، اور اللہ عز و جل کی بڑی تعریف کی۔ ابراہیم نے پوچھا: تم لوگ کیا کھاتے ہو؟ کہا: گوشت۔ پوچھا: پیتے کیا ہو؟ کہا: پانی، تو دعا کی کہ اے میرے اللہ! تو ان کے گوشت اور پانی میں برکت دے۔ پھر کہا: تمہارا شوہر جب آئے تو اُسے میرا سلام کہنا، اور کہنا کہ اپنی چوکھٹ کی حفاظت کرے۔ جب اسماعیل آئے تو بیوی سے پوچھا: کیا تمہارے پاس کوئی آدمی آیا تھا؟ کہا: ہاں، ایک اچھی شکل و صورت کے بوڑھے آدمی آئے تھے، اور ان کی بڑی تعریف کی۔ پھر کہا کہ انہوں نے تمہارے بارے میں پوچھا تو میں نے بتا دیا کہ تم تلاشِ رِزق میں باہر گئے ہو۔ پھر ہمارے گزر اوقات کے بارے میں پوچھا، تو میں نے انہیں بتایا کہ ہم لوگ خیریت کے ساتھ ہیں۔ اور انہوں نے تم کو سلام کہا ہے، اور کہا ہے کہ تم اپنی چوکھٹ کی حفاظت کرنا۔ اسماعیل نے اسے بتایا کہ وہ میرے باپ تھے، اور چوکھٹ سے مراد تم ہو، مجھے حکم دیا ہے کہ تم کو نہ چھوڑوں۔

پانچواں سفر: خانہ کعبہ کی تعمیر:

پانچویں بار بھی ابراہیم علیہ السلام ایک لمبی مدت کے بعد آئے، جب انہوں نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ اس بار جب آئے تو اسماعیل زمزم کے قریب ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر ٹھہری سے تیر بنا رہے تھے۔ اسماعیل نے جب اُن کو دیکھا تو فوراً باپ کے احترام و محبت میں کھڑے ہو گئے، اور دونوں ایک دوسرے کے لئے باپ اور بیٹے کی محبت و الفت اور ادب و احترام کا اظہار کرنے لگے۔

اس کے بعد ابراہیم نے اسماعیل سے کہا: میرے بیٹے! مجھے اللہ نے ایک حکم دیا ہے۔ اسماعیل نے کہا: آپ کے رب نے آپ کو جو حکم دیا ہے، اسے ضرور کیجئے۔ ابراہیم نے پوچھا: تم میری مدد کرو گے؟ اسماعیل نے کہا: میں آپ کی مدد کروں گا۔ ابراہیم نے کہا: اللہ نے مجھے اس جگہ ایک گھر بنانے کا حکم دیا ہے، اور ایک اونچی جگہ کی طرف اشارہ کیا۔

چنانچہ دونوں نے مل کر خانہ کعبہ کی بنیاد رکھی، اسماعیل پتھر لاتے تھے، اور ابراہیم انہیں جوڑتے تھے۔ جب

عمارت اونچی ہو گئی، تو اسماعیل نے ایک پتھر لا کر ابراہیم کے پاؤں کے نیچے رکھ دیا، اور ابراہیم اُس پر کھڑے ہو کر عمارت کی تکمیل کرنے لگے، اسماعیل انہیں پتھر لا کر دیتے تھے، اور ابراہیم دیوار چسکتے تھے، یہاں تک کہ اللہ کے فضل اور اس کی مدد سے خانہ کعبہ کی تعمیر مکمل ہو گئی۔

وہ پتھر جس پر ابراہیم علیہ السلام پاؤں رکھ کر دیوار بناتے رہے، بیت اللہ کی دیوار کے نیچے رہ گیا، اور اس پر ابراہیم علیہ السلام کے دونوں قدموں کے نشان ثبت ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کا نام ”مقام ابراہیم“ رکھ دیا، تاکہ رہتی دنیا تک سارے عالم کے لئے اللہ کی ایک نشانی کے طور پر باقی رہے۔ اور اپنے مومن بندوں کو حکم دیا کہ اس ”مقام ابراہیم“ کے پیچھے نماز پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے: ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ (اور (انہیں حکم دیا کہ) مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ) [البقرہ: ۱۲۵]۔

دعائے ابراہیمی: اے اللہ! توحید کی بنیادوں کو مضبوط کر دے، اور آخری نبی کو میری اولاد میں پیدا کر: ابراہیم علیہ السلام جب خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے، تو باپ اور بیٹے نے دعا کی کہ اللہ اس گھر کی تعمیر کو اُن کی طرف سے قبول کر لے، دونوں اسلام پر زندہ رہیں، اور اُسی پر وفات پائیں، اُن کے بعد اُن کی اولاد اس گھر کی وارث بنے، اس دعوتِ توحید کو سارے عالم میں عام کرے، اور اللہ اُن کی اولاد میں ایک نبی بھیجے جو اُس دعوتِ توحید کی تجدید کرے جس کی بنیاد اس نبی کے دادا ابراہیم نے رکھی ہے، اور قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے اُس دعوت کی تکمیل کرے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ آیات (۱۲۷-۱۲۹) میں فرمایا ہے: ﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ (۱۲۷) ﴿وَجَعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ وَأَرْنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾ (۱۲۸) ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (۱۲۹) ﴿اور (یاد کرو) جب ابراہیم (علیہ السلام) بیت اللہ کی بنیاد اٹھا رہے تھے، اور اسماعیل بھی، اور دعا کرتے تھے کہ اے ہمارے رب! اس عمل کو ہماری طرف سے قبول فرما لے، بے شک تو بڑا سننے والا اور جانے والا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں اپنا اطاعت گزار بندہ بنا، اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت کو اپنا اطاعت گزار بنا۔ اور ہمیں ہماری عبادت کے طریقے سکھا دے، اور ہمیں بخش دے، بے شک تو ہی بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اور اے ہمارے رب! انہی میں سے ایک رسول ان کی ہدایت کے لئے مبعوث فرما، جو تیری آیتیں انہیں پڑھ کر سنائے، اور انہیں قرآن و سنت کی تعلیم دے، اور

انہیں پاک کرے، بے شک تو بڑا زبردست اور حکمت والا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے یہ بھی دعا کی کہ اللہ رب العالمین خانہ کعبہ کو پُر امن حرم بنادے، اُن کی اولاد کو بُت پرستی سے بچائے، ہمیشہ دعوتِ توحید اور اس کی جڑوں کو مضبوط و پائیدار بنانے کی راہ میں جہاد کرنے سے جُڑی رہے، لوگوں کے دلوں میں مکہ میں موجود بیتِ حرام اور اُن کی اولاد کی محبت کو راسخ کر دے، اور اللہ انہیں انواع و اقسام کے پھلوں کے ذریعہ روزی پہنچاتا رہے۔

انہی دعاؤں کو اللہ تعالیٰ نے سورہ ابراہیم آیات (۳۵-۳۷) میں یوں ذکر فرمایا ہے: ﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ (۳۵) رَبِّ إِنَّهُمْ أَضَلُّنَا كَثِيرًا مِنْ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (۳۶) رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بُوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ﴾ (اور جب ابراہیم نے کہا: میرے رب! اس شہر کو پُر امن بنادے، اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کی عبادت سے بچالے، میرے رب! ان بتوں نے بہتوں کو گمراہ کیا ہے، پس جو شخص میری اتباع کرے گا وہ بے شک مجھ میں سے ہوگا، اور جو میری نافرمانی کرے گا، تو بے شک تو بڑا مغفرت کرنے والا، بے حد رحم کرنے والا ہے۔ اے ہمارے رب! میں نے اپنی بعض اولاد کو تیرے بیتِ حرام کے پاس ایک وادی میں بسایا ہے جہاں کوئی کھیتی نہیں ہے، اے ہمارے رب! میں نے ایسا اس لئے کیا ہے تاکہ وہ نماز قائم کریں، اس لئے تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف پھیر دے، اور بطور روزی انہیں انواع و اقسام کے پھل عطا کر، تاکہ وہ تیرا شکریہ ادا کریں)۔

اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعا قبول فرمائی، اور اُن کی تمنائیں پوری ہوئیں، چنانچہ اللہ نے اُن کی اولاد میں خوب برکت عطا فرمائی، خوب افزائشِ نسل ہوئی، اور اُن میں خوب کثرت ہوئی، اور عربوں نے ان کی خاندانی رفعت و بلندی، سیادت و قیادت، اخلاقِ کریمانہ، اور ان کی شجاعت و جوانمردی کا اعتراف کیا، اور ابراہیم کی دعوتِ توحید ان کی زندگی میں ہی سارے عالم میں پھیل گئی، اور اُن کے بعد اسماعیل کی اولاد بھی خوب پھیلی پھولی۔ اور ان کی اولاد میں سب سے بلند مقام و مرتبہ والے، اور سب سے زیادہ خاص ذکر و شہرت والے خاتم النبیین محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہاشمی علیہ السلام ہوئے۔ نبی کریم ﷺ کی صحیح حدیث ہے، آپ نے فرمایا: ”میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا کا ثمرہ اور اپنے بھائی عیسیٰ کے ذریعہ دی گئی خوشخبری ہوں“۔

بیت اللہ کی تعمیر مکمل کرنے کے بعد ابراہیم بلا شام واپس چلے گئے، اور دعوتِ الی اللہ کے کاموں میں لگ

گئے، اور وہیں رہے، یہاں تک کہ اللہ نے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔ اُس وقت اُن کی عمر ایک سو پچھتر (۱۷۵) سال تھی۔ بعض کا خیال ہے کہ اُس وقت وہ ایک سو نوے (۱۹۰) سال کے تھے۔ اُن کو سرزمینِ کنعان کی حبرون نامی بستی میں اُسی غار میں دفن کیا گیا جس میں اُن سے پہلے ”سارہ“ دفن کی گئی تھیں۔ اُن کے دفن کا کام ان کے دونوں بیٹوں اسماعیل و اسحاق علیہما السلام نے انجام دیا^(۱)۔

ابراہیم نے لوگوں میں حج کا اعلان کیا:

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ ابراہیم کو (جب وہ تعمیر خانہ کعبہ سے فارغ ہو گئے) حکم دیا کہ وہ لوگوں میں حج کا اعلان کریں، جیسا کہ سورہ حج آیات (۲۶-۲۹) میں آیا ہے: ﴿وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ (۲۶) وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ (۲۷) لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطِيعُوا أَمْرَ الْبَائِسِ الْفَقِيرِ (۲۸) ثُمَّ لِيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ﴾ (اور جب ہم نے ابراہیم کے لئے خانہ کعبہ کی جگہ مقرر کر دی، اور ان سے کہا کہ آپ کسی چیز کو بھی میرا شریک نہ ٹھہرائیے، اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں، اور رکوع و سجدہ کرنے والوں کے لئے شرک و بت پرستی سے پاک رکھئے، اور آپ لوگوں میں حج کا اعلان کر دیجئے، تاکہ وہ آپ کے پاس بیدل چل کر، اور ذیلی اونٹنیوں پر سوار ہو کر دور دراز علاقے سے آئیں، تاکہ وہ اپنے لئے دینی اور دنیاوی فوائد حاصل کریں، اور چند متعین دنوں میں، ان چوپایوں کو اللہ کے نام سے ذبح کریں جو اللہ نے بطور روزی انہیں دیا ہے۔ پس تم لوگ اس کا گوشت کھاؤ، اور بھوکے فقیر کو بھی کھلاؤ۔ پھر انہیں چاہئے کہ اپنے جسم کا میل صاف کریں، اور اپنی نذر پوری کریں، اور بیتِ عتیق یعنی خانہ کعبہ کا طواف کریں)۔

چنانچہ ابراہیم نے آواز لگائی، اور ان کی آواز تمام لوگوں نے سنی، اور اُس وقت سے چپہ چپہ سے لوگ حج کے لئے آنے لگے، اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے، اور قیامت تک بیتِ حرام کی طرف حج کے لئے آنے والے قافلوں کا سلسلہ جاری رہے گا، لوگ حج کا فریضہ ادا کریں گے، اور اس توحید خالص سے اپنے ربط و تعلق کی تجدید کریں گے، جس کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے لئے ابراہیم نے اس مقدس گھر کو اپنے بیٹے اسماعیل کے

ساتھ مل کر بنایا تھا^(۱)

اسماعیل، اُن کے بیٹے، اور اُن کی اولاد:

اسماعیل ”ذبیح اللہ“ کے لقب سے معروف ہوئے، اور قبیلہ بجرہم کے اپنے سرالیوں کے ساتھ بیت عتیق کے جوار میں رہنے لگے۔ پھر اللہ نے اسماعیل کو بجرہمیوں، حجاز میں رہنے والے عمالقمہ اور اہل یمن کا نبی بنا کر مبعوث کیا، اور خانہ کعبہ کی دیکھ بھال، اور لوگوں کو توحیدِ خالص، ایک اللہ کی عبادت، اور انکارِ شرک کی دعوت دینے لگے، اور اسی راہ پر گامزن رہے، یہاں تک کہ اللہ نے انہیں ایک سو ستتیس (۱۳۷) سال کی عمر میں اپنے پاس بلا لیا، اور خانہ کعبہ کے باقی ماندہ حصہ (حجر یعنی حطیم) میں اپنی ماں ہاجر کے ساتھ دفن کر دیئے گئے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں اُن کی بیوی ہسمہ بنت مضاہ کے بطن سے بارہ بیٹے دیئے۔ محمد بن اسحاق نے ان کے نام بھی ذکر کئے ہیں، اور تورات سفر التکوین الاصحاح ۲۵/۱۳ میں آیا ہے کہ اسماعیل کے بارہ بیٹے ہوئے ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

نابت، قیذار، ابوبٹیل، مبسام، مشماع، دومہ، مساء، حدار، تیما، بطور، نافیش اور قدمہ۔ یہ تمام لڑکے اپنے بچہ ہی ناہمسالیوں کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے۔ ان میں سے دو مشہور ہوئے، نابت و قیذار۔ باقی کے نشانات مٹ گئے، اور اُن کی خبریں ضائع ہو گئیں، ماہرینِ نسب کا اجماع ہے کہ ”عدنان“ جس تک نبی کریم ﷺ کا نسب تحقیق کے ساتھ پہنچتا ہے، وہ انہی دونوں میں سے ایک کا بیٹا تھا۔ اور رائج یہ ہے کہ وہ قیذار کا بیٹا تھا۔

عدنان کے دو بیٹے ہوئے؛ عک اور معدہ۔ عک یمن چلا گیا، اور وہاں اپنے سسرالی رشتہ داروں اشعریوں کے ساتھ رہنے لگا۔

اور معدہ بن عدنان مکہ میں ہی رہا، اُس کے چار بیٹے ہوئے؛ نزار، قضاعہ، قُصص اور ایاد۔ قُصص کے کچھ کے سوا سارے لڑکے ختم ہو گئے، انہی باقی ماندہ میں سے نعمان بن منذر تھا۔ ایاد کی اولاد ہوئی، اور سب ایادی کہلائے۔ انہی میں سے قُصص بن ساعدہ ایادی تھا۔ قضاعہ کی اولاد یمن کے علاقہ حمیر چلی گئی، اور وہیں اقامت پذیر ہو گئی۔

نزار اپنے باپ کی طرح مکہ میں رہا، اور اس کے تین لڑکے ہوئے؛ مضر، ربیعہ اور أنمار۔ مضر کے دو لڑکے ہوئے، الیاس و عسیلان۔ الیاس کے تین لڑکے ہوئے؛ مذرکہ، طانجہ اور قعہ۔ مذرکہ کے دو لڑکے ہوئے؛ خزیمہ اور ہذیل۔ خزیمہ کے چار لڑکے ہوئے؛ کنانہ، أسد، أسدہ اور ہون۔ کنانہ کے چار لڑکے ہوئے؛ یلکان، نصر، مالک اور عبد مناة۔ نصر کے دو لڑکے ہوئے؛ مالک اور مُخلد۔ مالک بن نصر کا ایک ہی لڑکا فہر نامی پیدا ہوا۔ فہر

کے چار لڑکے ہوئے: غالب، مجارب، حارث اور اُسد۔ غالب کے تین لڑکے پیدا ہوئے: لوی، تیم اور قیس۔ لوی بن غالب کے چار لڑکے ہوئے: کعب، عامر، سامۃ اور عوف۔ کعب بن لوی کے تین لڑکے پیدا ہوئے: مُرۃ، عُذیٰ اور ہمیس۔ مُرۃ بن کعب کے تین لڑکے ہوئے: کلاب، تیم اور یقط، کلاب بن مُرۃ کے دو لڑکے ہوئے: قُصّی اور زُہرۃ۔ قُصّی بن کلاب کے چار لڑکے ہوئے: عبد مناف، عبدالدار، عبدالعزیٰ اور عبد قُصّی۔ عبد مناف کے چار لڑکے ہوئے: ہاشم، عبد شمس، مطلب اور نوفل۔ ہاشم کے چار لڑکے ہوئے: عبد المطلب، اُسد، ابو صیفی اور نضله۔ عبد المطلب کے دس لڑکے ہوئے: عباس، حمزہ، عبد اللہ، ابوطالب، زبیر، حارث، جحل، مُقَوم، ضرار اور ابولہب^(۱)۔

قُصّی بن کلاب قرشی:

قبیلۂ خزاعہ سیلِ عرم کے بعد مکہ آگیا، اور مضافات میں سکونت پذیر ہو گیا، پھر مُردِ زمانہ کے ساتھ بحرِ ہمیوں پر غلبہ حاصل کر لیا، اور اپنے سردار عمرو بن لُحّی کی قیادت میں انہیں مکہ سے نکال بھگایا۔ اسی عمرو بن لُحّی نے دینِ ابراہیمی کو سب سے پہلے بدلا اور بُست پرستی کو رواج دیا۔

اس کے بعد بیت اللہ کی ذیکھ بھال قبیلۂ خزاعہ والے ہی کرتے رہے۔ البتہ عرفہ سے لوگوں کو روانگی کا حکم دینا، اور قربانی کی صبح انہیں مزدلفہ سے مٹی چلنے کا اشارہ دینا^(۲)، یہ دونوں اعزاز قبیلۂ مضر کے لئے ہی مختص رہا جو مکہ کے باہر رہتا تھا۔

ایک طویل مدت کے بعد قُصّی بن کلاب بن مُرۃ ایک خطرناک جنگ لڑ کر جس میں دونوں فریقوں کے بہت سے لوگ مارے گئے، اور بہت سے زخمی ہوئے، خزاعہ سے بیت اللہ کی ولایت اور مکہ کی سیادت چھیننے میں کامیاب ہوا۔ قریشیوں کو اکٹھا کرنے اور مکہ میں حسب مراتب ان کو ترتیب دینے میں قُصّی نے ہی اہم ترین کردار ادا کیا۔

اس کے بعد قُصّی خانۂ کعبہ کی پاسبانی، حاجیوں کی میزبانی، انہیں پانی پلانا، اور علم برداری وغیرہ کا ذمہ دار بن گیا، اور لوگ قُصّی کو قرشی کہنے لگے، اس سے پہلے کسی کو ”قرشی“ نہیں کہا جاتا تھا، اور اس کی قوم نے اس کی اطاعت قبول کر لی۔

(۱) دیکھئے رحمۃ اللعالمین (عربی): ص ۵۵-۱۰۵۔

(۲) السعوی: ۵۷/۲، وابن خلدون: ۶۸۹/۲۔

اسی نے خانہ کعبہ سے شام کے رُخ مسجد حرام سے متصل دار الندوہ بنایا، جو ایک بڑا کشادہ مکان تھا، قریش والے اُسی میں اپنے عام معاملات انجام دیتے تھے۔ اس گھر کی اہم خصوصیت یہ تھی کہ قریشی اس میں آپس میں مشورے کیا کرتے تھے، یہیں سرداران قریش جمع ہوتے تھے۔ رائے دہی اور مشورہ کے لئے اس میں قصی کے بیٹوں کے علاوہ صرف وہی داخل ہو سکتا تھا جس کی عمر چالیس سال سے تجاوز کر گئی ہو۔ قریش والے کسی سے جنگ کرنے کے لئے یہیں اپنا علم باندھتے تھے، اور یہیں سے اس کے تجارتی قافلے نکلتے تھے، اور واپس آنے کے بعد یہیں اپنا سبب تجارت اتارتے تھے۔

بنو نضر کا نام قریش:

مؤرخین کا خیال ہے کہ سب سے پہلے فہر بن مالک بن نضر کے لڑکے قریش کے نام سے مشہور ہوئے۔ اور یہ نضر بنی کریم ﷺ کا گیارہواں دادا تھا۔ اور قریش کا پہلا سردار قصی بن کلاب ہوا، جو رسول اللہ ﷺ کا چچا تھا دادا تھا، اس نے حلیل بن حبشیہ خزاعی کی لڑکی سے شادی کی، جس سے اس کے تینوں بیٹے عبد مناف، عبد الدار، اور عبد العزیٰ پیدا ہوئے۔ اُن دنوں خانہ کعبہ کی ولایت حلیل کے پاس تھی۔ اس نے مرنے سے پہلے خانہ کعبہ کی ولایت کی وصیت قصی کے لئے کر دی، قصی نے اُس کی خوب خدمت اور دیکھ بھال کی، اُسی نے بنو نضر کو اکٹھا کیا، انہیں مرتب کیا، اور خاندانی حیثیات و مراتب کے مطابق اُن سب کو داخل مکہ اور خارج مکہ رہائش دی۔ اسی لئے بنی نضر کی اولاد کو ”قریش“ کہا گیا، یعنی وہ لوگ جو ٹولیوں میں بٹے ہوئے تھے، قصی بن کلاب کی کوششوں سے اکٹھے ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ مکہ کی حقیقی تاریخ کی ابتدا قصی کے زمانہ سے ہی ہوتی ہے، جو پانچویں صدی عیسوی کا تقریباً نصف کا زمانہ تھا۔

قبیلہ قریش کے لوگوں نے جب مکہ میں اپنا قدم جمالیا، تو مکہ ترقی کرنے لگا، اور اقتصاد، دینی اور ادبی اعتبار سے مرکزی شہر بن گیا، اور عربوں کی عام رہنمائی کا اسے حق دے دیا گیا۔ قصی اور ظہور اسلام کے درمیان تقریباً ایک سو پچاس سال کا زمانہ ہے۔

قصی جب بوڑھا ہوا تو اس نے مکہ سے متعلق وہ چھ اہم کام جن کے سبب عزت و شہرت ملتی تھی، اپنے دو بیٹوں عبد الدار اور عبد مناف میں تقسیم کر دیا، عبد العزیٰ کو ان کا اہل نہیں سمجھا۔ عبد الدار کو خانہ کعبہ کی نگرانی، پاسبانی، دار الندوہ اور عکم باندھنے کی ذمہ داری سونپی، اور عبد مناف کو حاجیوں کو پانی پلانا، ان کی میزبانی اور فوج کی قیادت دی^(۱)۔

عبد مناف، اُس کا بیٹا ہاشم اور اُس کے بیٹے:

جیسا کہ معلوم ہوا، عبد مناف، قصّی کے تین بیٹوں میں سے ایک تھا، اور اپنے باپ کی زندگی میں ہی عزت و شرف والا بن چکا تھا، اور قریش نے اس کی سرداری کو تسلیم کر لیا تھا، اور اپنی عزت و شرف کے سبب قریشیوں کے شجرہ نسب کا ایک اہم نام بن چکا تھا۔ وہ قریشیوں کو اللہ سے ڈرنے اور صدق و امانت کی نصیحت کرتا تھا۔

اس کے چھ بیٹے ہوئے: مُطَلَب، ہاشم، عبد شمس، اس کی بیوی عاتکہ بنت مُرتہ بن ہلال کے بطن سے پیدا ہوئے، اور نوفل، ابو عمرو اور ابو عبیدہ اس کی دوسری بیوی واقد بنت عامر بن عبد کے بطن سے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا نسب مطلب سے ملتا ہے۔ عبد شمس کا نام امیہ تھا، اسی لئے اس کی اولاد بنو امیہ کے نام سے جانی گئی، اور نوفل کی اولاد نوفلی کہلائی۔ ابو عمرو اور ابو عبیدہ کے حالات سے تاریخ بالکل خاموش ہے۔

ہاشم کا نام عمرو تھا، اس نے اپنے بھائیوں میں سب سے زیادہ شہرت پائی، نبی کریم ﷺ کے دادا عبدالمطلب اسی ہاشم کے بیٹا تھے۔ عبدالمطلب نے اپنے باپ کی طرح بجد و سخا، معاملات میں اعتدال پسندی، بڑی عقل، ظلم و تکبر سے دوری اور شجاعت و جوانمردی کے سبب خوب شہرت پائی، اگرچہ وہ بھی دور جاہلیت والے دوسروں کی طرح مشرکانہ اور جاہلی عقائد اور بُرے عادات و اطوار سے پاک نہیں تھا۔

ہاشم پورے زمانہ حج میں حاجیوں کو کھانا کھلاتا تھا، اسی لئے عربوں نے اسے ”ہاشم“ کا لقب دے دیا، یعنی وہ مردِ بجد و سخا جو پورے زمانہ حج میں روٹیاں توڑ توڑ کر ملیدے بناتا ہے اور تمام حاجیوں کو کھلاتا ہے۔

ہاشم مالدار اور کریم النفس تھا، حج کے زمانہ میں اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہتا: اے قریش کے لوگو، تم لوگ اللہ کے پڑوسی اور اس کے گھر والے ہو، اور اس موسم میں تمہارے پاس اللہ کے زائرین آتے ہیں، جو اُس کے گھر کی حرمت کی تعظیم کرتے ہیں، یہ لوگ اللہ کے مہمان ہیں، اور مہمانوں میں سب سے زیادہ مکرمیم کے مستحق اللہ کے مہمان اور اُس کے زائرین ہیں۔ یہ لوگ اپنے اپنے گھروں اور علاقوں سے غبار آلود اور بال بکھرے ہوئے پریشان حال آتے ہیں، ان کی اونٹنیاں سوکھ کر لکڑیوں کی مانند ہو چکی ہوتی ہیں، تم انہیں کھلاؤ، پلاؤ۔

چنانچہ قریش کے سب لوگ حُجاج کی میزبانی کرتے تھے، حتیٰ کہ ہر گھر والے کے پاس جو کچھ ہوتا تھا، اپنی استطاعت کے مطابق بھیج دیتا تھا، اور ہاشم تو ہر سال اپنا بہت سا مال خرچ کرتا تھا، اور کہتا تھا کہ لوگو، اگر میرا مال اس کام کے لئے کافی ہو تا تو میں تمہیں زحمت نہیں دیتا۔

ان کرم نوازیوں کے سبب تمام عرب کے نزدیک عبد مناف اور اس کے بیٹوں کا بڑا مقام تھا۔ سب ان کے فضل و کرم کا اعتراف کرتے، اُن کی بڑی قدر دانی کرتے، اور انہیں تقدیس و تعظیم بھری نگاہ سے دیکھتے تھے۔

مقصود یہ ہے کہ ہاشم اپنے اعلیٰ کردار کی وجہ سے اپنے باپ کی وفات کے بعد اپنی قوم کا سردار بن گیا تھا، لیکن اُس کے بھائی عبد شمس نے اس کی سرداری کا اعتراف نہیں کیا، اور اپنے لئے سرداری کا دعویٰ کر بیٹھا۔ بالآخر دونوں نے ایک کاہن کو فیصلہ مانا جس نے ہاشم کے حق میں فیصلہ دیا، اور اس طرح ہاشم کی سرداری برقرار رہی۔ لیکن اُمیہ (عبد شمس) کے دل میں اپنے بھائی ہاشم کے خلاف چھپی عداوت سنگتی رہی، اور بنی ہاشم اور بنی امیہ کے درمیان منتقل ہوتی رہی، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے، اور بنو ہاشم اور بنو امیہ کے لوگوں نے اسلام کو قبول کیا، تب یہ عداوت ایمان و اسلام کی برکت سے سچی ایمانی اخوت میں بدل گئی، اور سب اللہ کے فضل و کرم سے آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ لیکن نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد جب بعض کے دلوں میں دینی جذبہ سرد پڑنے لگا، تو چھپی ہوئی عداوتیں اور کدورتیں پھر ابھرنے لگیں، اور بنو امیہ اور بنو عباسیہ کے درمیان ۱۳۳ھ تک باقی رہیں۔

مدینہ میں ہاشم کی شادی اُمّ عبد المطلب سے :

ہاشم پہلا آدمی تھا جس نے قریش کے فائدہ کے لئے موسم سرما اور موسم گرما میں الگ الگ دو تجارتی اسفار کی بنیاد رکھی۔ چنانچہ ہاشم موسم گرما میں شام کا تجارتی سفر کرتا، نوفل عراق جاتا، مطلب یمن کے لئے روانہ ہوتا، اور عبد شمس حبشہ جاتا۔

ہاشم اپنے ایک تجارتی سفر میں شام جاتے ہوئے مدینہ سے گزرا، اور عمرو بن زید بن لبید خزرجی نجاری کا مہمان بنا، عمرو اپنی قوم کا سردار تھا، اس کی بیٹی سلمیٰ ہاشم کے دل میں اتر گئی، ہاشم نے اس کے باپ کو اس سے شادی کا پیغام دیا، اس نے قبول کر لیا، اور ہاشم کی سلمیٰ سے شادی ہو گئی، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ سلمیٰ اپنے باپ کے گھر ہی رہے گی۔ ہاشم کچھ دن اپنی بیوی کے پاس رہا، پھر شام کے لئے روانہ ہو گیا۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ ہاشم اسی سفر میں فلسطین کے مقام غزہ میں وفات پا گیا۔ سلمیٰ امید سے ہو گئی تھی۔

اس کو لڑکا پیدا ہوا، تو اُس نے اس کا نام ”شیبہ“ رکھا۔ شیبہ اپنے ماموں کے پاس بنی عدی بن نجار میں سات سال تک رہا۔ جب وہ سن بلوغت کو پہنچنے والا تھا، تو اس کے چچا مطلب کو اس کے بہت ہونہار ہونے کا علم ہوا، اس نے شرب پہنچ کر اس کی ماں اور اس کے ماموں سے اسے طلب کیا، اور اسے لے کر مکہ آیا جہاں اس

کے باپ کی بادشاہت تھی۔

مطلب مکہ پہنچا تو ”شیبہ“ اس کی اونٹنی پر اس کے پیچھے سوار تھا۔ اہل مکہ کہنے لگے: یہ عبدالمطلب ہے، یعنی مطلب کا غلام ہے، مطلب نے کہا، اللہ تم سب کا بھلا کرے، یہ تو میرے بھائی ہاشم کا بیٹا ”شیبہ“ ہے، لیکن شیبہ پر وہی نام غالب آگیا جس نام سے اہل مکہ نے اس کے مکہ میں داخل ہوتے وقت اسے دیکھ کر پکارا تھا۔ عبدالمطلب مکہ میں اپنے چچا مطلب کے پاس رہنے لگے۔ اُن کی خوب نشوونما ہونے لگی۔ اور ہوشیاری، ذہانت، بلند ہمتی، اور عزت و شرف اور رناست و سیادت حاصل کرنے کی خواہش کے آثار اس پر ظاہر ہونے لگے (۱)۔

عبدالمطلب اور اس کے بیٹے:

ہاشم کے بعد حُجّاج کی میزبانی اور انہیں پانی پلانے کا شرف اس کے بھائی مطلب بن عبد مناف کی طرف منتقل ہو گیا۔ ہاشم اور مطلب کی اولاد کے درمیان رشتہ داریاں ہوتی رہیں، اور یہ سب زمانہ جاہلیت اور اسلام میں ایک خاندان بن کر رہے، ان کے درمیان کبھی اختلاف نہیں ہوا، اور جب مکہ والوں نے نبی کریم ﷺ، ان کے اصحاب کرام اور ان کا ساتھ دینے والوں کا بایکٹ کیا، تو بنی ہاشم اور بنی مطلب سب ایک ساتھ شعب ابی طالب (ابوطالب کی گھاٹی) کے حصار میں داخل ہوئے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

مطلب ایک شریف، مطاع (جس کی اطاعت کی جاتی ہے) اور اپنی قوم میں اپنے دادا، باپ اور اپنے بھائی ہاشم کی طرح صاحبِ جود و سخا تھا۔ قریش نے اس کی سخاوت کی وجہ سے اس کا نام ”قیاض“ رکھ دیا تھا (یعنی ایسا آدمی جس کا فیض و کرم ہمیشہ جاری رہے) اور اس کے مردانہ حسن و جمال کی وجہ سے لوگ اسے ”چاند“ بھی کہتے تھے، اس کا انتقال یمن کی ”ریمان“ نام کی بستی میں ہوا۔

اس کی وفات کے بعد حُجّاج کی میزبانی اور انہیں پانی پلانے کا شرف اس کے بھتیجا عبدالمطلب کی طرف منتقل ہو گیا جسے وہ یثرب سے لے کر آیا تھا۔ اُس وقت عبدالمطلب جوان اور قوی تھے، اور خاندان قریش کے مشہور سپوت تھے۔

عبدالمطلب یثرب کے نوجوانوں کے ساتھ پل بڑھ کر جوان ہوئے تھے، اور جمال و ہیبت اور شرافت و نجابت میں اُن سب سے آگے تھے۔ اپنے ماموں زادوں کے سامنے بطور فخر و اعتراف کہا کرتے: میں عمر و الخوا کا بیٹا ہوں، میں بطحائے مکہ کے سردار کا بیٹا ہوں۔

جب اُن کے چچا انہیں مکہ لے آئے تو قریشیوں کے درمیان ہوشمندی، ذہانت، طلبِ بلندی و رفعت، اور

گھٹی باتوں سے دوری اختیار کرنے میں مشہور ہونے لگے، چنانچہ جلد ہی وہ قوم قریش کے صاحبِ ہمت لیڈر اور قابلِ اتباع والی وقائد بن گئے، اُن کی سیادت اور عزت و رِناست کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں آگئی اور تمام قریش والے اُن کی سرداری پر متفق ہو گئے، بلکہ عزت و شرف کے اس مقام پر پہنچ گئے جہاں اُن کے آباء و اجداد میں سے کوئی نہ پہنچ سکا تھا۔

عبدالمطلب کو اللہ تعالیٰ نے (صحیح قول کے مطابق) بارہ بیٹے دیئے؛ حارث، زبیر، ابوطالب، عبد الکعبہ، (اسی کو مقوم بھی کہا گیا ہے) عبداللہ (نبی کریم ﷺ کے والد) ابولہب، جحل (اسی کو غیدان بھی کہا گیا ہے) مغیرہ، حمزہ، ضرار، عباس اور مصعب۔ اور چھ بیٹیاں دیں؛ اُمّ حکیم (بیضاء)، صفیہ، برہ، عاتکہ، اُسمہ اور اروی۔

عبدالمطلب کی زندگی میں تین اہم واقعات:

عبدالمطلب کی زندگی میں تین بڑے ہی اہم واقعات رونما ہوئے، جو نبی کریم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ اور حیاتِ طیبہ سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ پہلا واقعہ؛ زمزم کے کنواں کی کھدائی، دوسرا؛ عبدالمطلب کی نذر کہ وہ اپنے بیٹوں میں سے ایک کی اللہ کے لئے قربانی دیں گے، اور قرعہ نبی کریم ﷺ کے والد عبداللہ کے نام نکلتا، تیسرا؛ حادثہٴ اصحابِ فیل۔

چونکہ ان تینوں حادثات کا دعوتِ اسلامیہ سے قوی ربط و تعلق ہے، اس لئے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں اختصار کے ساتھ کچھ بتادینا مناسب معلوم ہوتا ہے:

(۱) زمزم کی کھدائی:

محمد بن اسحاق وغیرہ نے صحیح سند کے ذریعہ عبداللہ بن زُریر عافقی سے روایت کی ہے کہ اُس نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے سنا کہ عبدالمطلب نے بتایا: میں حججو (خانہ کعبہ کا چھوڑا ہوا حصہ) میں سویا تھا کہ ایک آنے والا آیا، اور مجھ سے کہا: طیبہ کو کھودو۔ میں نے پوچھا: طیبہ کیا ہے؟ تو وہ چلا گیا۔ دوسرے دن میں اپنے بستر پر سویا تھا تو وہ آنے والا آیا اور کہا: برہ۔ میں نے پوچھا: برہ کیا ہے؟ تو وہ پھر چلا گیا۔ تیسرے دن میں پھر اپنے بستر پر سویا تھا تو وہی آنے والا آیا، اور کہا: مضمونہ کو کھودو۔ میں نے پھر پوچھا: مضمونہ کیا ہے؟ تو وہ چلا گیا۔ چوتھے دن میں پھر اپنے بستر پر سویا تھا تو وہی آنے والا آیا، اور کہا: زمزم کو کھودو۔ میں نے پوچھا: زمزم کیا ہے؟ تو اُس نے کہا: وہ کنواں جو کبھی خشک نہیں ہوگا، اور نہ اس کا پانی خراب ہوگا۔ اُس سے تم حاجیوں کو پانی پلاؤ گے۔

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ جب عبدالمطلب کے لئے بر زمزم کی وضاحت کر دی گئی، اور اس کی جگہ بتادی گئی،

اور انہیں یقین ہو گیا کہ بتانے والا سچا ہے، تو کدال لیا، اور اپنے ساتھ اپنے بیٹے حارث کو لیا (اُس وقت تک عبدالمطلب کا حارث کے سوا اور کوئی بیٹا نہیں تھا) اور بتائی ہوئی جگہ پر کھودنے لگے۔ جب عبدالمطلب کو کنواں کا پاٹ نظر آیا، تو اللہ اکبر کی آواز لگائی۔ تب قریشیوں کو یقین ہو گیا کہ اس نے اپنی مطلوبہ شے پائی، اور سب عبدالمطلب سے کہنے لگے کہ یہ ہمارے باپ اسماعیل کا کنواں ہے، اس میں ہمارا بھی حق ہے، اس لئے تم ہمیں بھی اپنے ساتھ شریک کرو، لیکن عبدالمطلب نے ان کی بات نہیں مانی، اور جب اختلاف شدید ہو گیا تو طے پایا کہ بلادِ شام کے قریب رہنے والی بنی سعد کی کاہنہ ”ہذیم“ سے اس کا فیصلہ کر لیا جائے۔

جب لوگ حجاز و شام کے درمیان بعض چٹیل میدان میں پہنچے، تو عبدالمطلب اور اس کے ساتھیوں کا پانی ختم ہو گیا، اور سب کو اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا۔ اچانک عبدالمطلب کی سواری کے گھر کے نیچے سے میٹھے پانی کا ایک چشمہ اُبل پڑا۔ سب نے اُسے پیا، اور ہلاک ہونے سے بچ گئے۔ تب انہوں نے عبدالمطلب سے کہا: جس اللہ نے تمہیں اس میدان میں پانی سے سیراب کیا ہے، اُسی نے تمہیں زمزم سے سیراب کیا ہے۔ چنانچہ سب نے زمزم پر صرف عبدالمطلب کا حق تسلیم کر لیا^(۱)۔

بزرزم کی گھدائی کے واقعہ کے بعد قوم قریش کی نگاہ میں عبدالمطلب بہت بلند ہو گئے، بلکہ سارا عرب اُن کی برتری کا قائل ہو گیا۔ اس لئے کہ انہی کے ذریعہ اللہ نے مکہ میں اہل حرم اور حُجَّاجِ بیت اللہ کے لئے پانی جیسی نادر ترین نعمت کو میسر فرمادیا۔

(۲) عبدالمطلب کی نذر کہ وہ اپنے ایک بیٹے کو اللہ کے لئے ذبح کریں گے، اور قرعہ عبد اللہ کے نام نکلا: عبدالمطلب کو حاجیوں کی میزبانی اور پانی پلانے کا شرف حاصل تھا، انہیں گہرے پانی کے کنوؤں کی سخت ضرورت تھی، تاکہ حُجَّاجِ سیراب ہو کر پانی پی سکیں، اسی لئے انہیں اس بات کی بڑی فکر تھی کہ کوئی قرشی بزرزمزم میں ان کا شریک نہ بن جائے۔ جب بزرزم کا کنواں ظاہر ہوا، اور قریشیوں کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے کہا کہ اس میں ہمارا بھی حق ہے، اور ہم اپنے حق سے دستبردار نہیں ہوں گے، تو عبدالمطلب نے اصرار کیا کہ یہ صرف میرا ہے، کسی اور کا نہیں۔ عبدالمطلب اکیلے تھے، ان کے ساتھ صرف ان کا بیٹا حارث تھا۔ اور بنو عبد شمس اور بنو عبد الدار تاک میں لگے ہوئے تھے کہ اپنی کثرتِ تعداد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اُن سے یہ حق چھین لیں، اور ان کے شر کا عین بن جائیں۔

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۱۳۲-۱۵۵، طبقات ابن سعد: ۱/ ۸۳-۸۵، اس کی سند صحیح ہے۔

اُس وقت عبدالمطلب کو اپنی کمزوری اور اس بات کا احساس ہوا کہ کاش اُن کے پاس قوی اور طاقتور لڑکے ہوتے جو لوگوں کو اُن کا حق چھیننے سے روکتے۔ چنانچہ انہوں نے اللہ کے لئے نذرمانی کہ اگر ان کے دس لڑکے ہوئے تو وہ ایک کو قربان کر دیں گے۔

جب اُن کے دس لڑکے پیدا ہو چکے، تو اُن کے درمیان قرعہ ڈالا کہ کسے ذبح کریں۔ قرعہ عبد اللہ بن عبدالمطلب کے نام نکلا۔ عبد اللہ اپنے باپ کے سب سے چہیتے بیٹا، اور اُن کے بہت مشابہ تھے، اور ہمیشہ ان کی بے پناہ محبت و ایثار سے نوازے جاتے تھے۔ برادرانِ عبد اللہ اور سردارانِ قریش عبدالمطلب کو قانع کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ وہ اپنے بیٹے کا فدیہ دے دیں۔ عبد اللہ اور دس اونٹوں کے درمیان قرعہ اندازی کی گئی تو قرعہ عبد اللہ کے نام نکلا، عبدالمطلب اونٹوں کی تعداد دس سے بیس، تیس بڑھاتے گئے اور ہر بار قرعہ عبد اللہ کے نام نکلتا گیا، یہاں تک کہ اونٹوں کی تعداد سو ہو گئی تب قرعہ اونٹوں کے نام نکلا۔ عبدالمطلب نے پورے سواونٹ ذبح کر کے لوگوں کے لئے چھوڑ دیا، لوگوں نے اُس میں سے جتنا چاہا اپنے گھر لے گئے^(۱)۔

واقدی نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کی ولادت سے پانچ سال پہلے کا ہے، اور اس کی تائید صحابی رسول ﷺ حکیم بن حزام بن خویلد کے اس قول سے ہوتی ہے کہ میں حادثہ فیل سے تیرہ سال پہلے پیدا ہوا، اور مجھے اس وقت ہوش تھا جب عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبد اللہ کو ذبح کرنا چاہا تھا^(۲)۔

یقیناً یہ حادثہ اس تقدیر الہی کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ نبی اُمّی ختم الرسل کو اللہ کے دو ذبیح اسماعیل بن ابراہیم اور عبد اللہ بن عبدالمطلب کے ذریعہ پیدا ہونا تھا۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ سے مروی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں^(۳)۔

واقعہ اصحابِ فیل:

جمہور مولفین سیرتِ نبویہ نے محمد بن اسحاق کی مشہور روایت کو ترجیح دی ہے کہ جب ابراہہ اشرم نصرانی، نے جو حبشہ کے بادشاہ کی طرف سے یمن کا گورنر تھا، دیکھا کہ تمام عرب قویں کعبہ کی تعظیم میں جسے ان کے ادا ابراہیم اور باپ اسماعیل نے بنایا تھا، حج کرنے کے لئے مکہ جاتی ہیں، تو اس نے یمن میں ایک نہایت خوبصورت گر جابنویا، جس کا نام ”قُلَیس“ رکھا، اور لوگوں کو اس کی زیارت کی دعوت دی، تاکہ عربوں کی توجہ مکہ اور خانہ

(۱) طبقات ابن سعد: ۸۳/۱، مصنف ابن ابی شیبہ: ۵۵-۱/۴، مصنف عبدالرزاق: ۳۱۶/۵، ۳۱۷، دلائل التبیح: ۸۷/۱۔

(۲) الإصابہ: ۱۱۲/۲۔

(۳) سیرۃ ابن ہشام: ۱۵۱/۱-۱۵۵، اور رحمة للعالمین: ۸۹/۲، ۹۰۔

کعبہ سے ہٹائی جائے، اور انہیں اس کاج کرنے سے روکا جائے۔

جب عربوں کو ابرہہ کے اس کئے کا علم ہوا، تو ان پر بڑا گراں گزرا، چنانچہ کوئی عربی اُس گر جا میں چپکے سے داخل ہو گیا، اور اس میں پاخانہ کر کے اس کی دیواروں پر لگا دیا۔ ابرہہ بہت زیادہ ناراض ہوا، اور قسم کھائی کہ وہ مکہ کو اپنی فوجوں کے ذریعہ روندے گا، اور خانہ کعبہ کو گرا دے گا۔ اور ایک بڑی فوج لے کر مکہ کی طرف چل پڑا جس کی تعداد ساٹھ ہزار سے زیادہ بتائی گئی ہے، اور خود ایک بڑے بھاری بھر کم ہاتھی پر سوار ہوا۔

عربوں نے جب یہ خبر سنی تو بہت پریشان ہوئے اور گھبرائے، اور اس سے جنگ کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ شرفائے یمن میں سے ڈوفرنامی ایک شخص نے اس کا اور اس کی فوج کا راستہ روکنا چاہا، لیکن وہ اپنی فوج کے ساتھ شکست کھا گیا اور گرفتار کر لیا گیا۔

کچھ اور آگے بڑھا تو نقییل بن حبیب شعمی نے دیگر قبائل عرب کے ساتھ اُسے روکنا چاہا، اور زبردست جنگ کی، لیکن اس کی بھی شکست ہو گئی۔ اور ابرہہ کی فوج نے ڈوفرن کی طرح اسے بھی گرفتار کر لیا۔

ابرہہ مکہ کی طرف بڑھتا ہوا طائف سے گزرا، تو وہاں کے لوگوں نے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیا، اور اپنی طاعت و فرمانبرداری کا اس کے لئے اعلان کر دیا، اور اس کے ساتھ ابورغال کو بھیج دیا، تاکہ اسے مکہ کا راستہ بتاتا جائے۔ ابرہہ اور اس کی فوج نے مکہ جاتے ہوئے عربوں کا بہت سا رمال لوٹ لیا۔ عبدالمطلب کے دو سوانٹ بھی اس نے اپنے قبضہ میں کر لیا۔

جب ابرہہ مکہ سے دو میل کی دوری پر واقع مقام مغس پہنچا، تو اپنے قاصد مخاطہ حمیری کو سردار مکہ عبدالمطلب کے پاس بھیجا، اُس نے عبدالمطلب سے کہا: بادشاہ نے تم سے کہلا بھیجا ہے کہ میں تم لوگوں سے جنگ کرنے کے لئے نہیں آیا ہوں۔ میرا مقصد تو صرف خانہ کعبہ کو گراانا ہے۔ عبدالمطلب نے کہا: اللہ کی قسم! ہم بھی اُس سے جنگ کرنا نہیں چاہتے، اور یہ گھر تو اللہ کا بیتِ حرام، اور اس کے خلیل ابراہیم کا گھر ہے، اگر وہ ابرہہ کو اُسے گرانے سے روک دے گا تو وہ اس کا گھر اور اُس کا حرم ہے، اور اگر اُسے گرانے کے لئے ابرہہ کو آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے تو اللہ کی قسم! ہم اُس کا دفاع نہیں کر سکتے ہیں۔ مخاطہ نے کہا: تو پھر تم میرے ساتھ اُس کے پاس چلو، اُس نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں اُس کے پاس لے چلوں۔

جب ابرہہ نے عبدالمطلب کو دیکھا تو اُس کی تعظیم و تکریم کی، اس لئے کہ وہ بڑے خوبصورت اور بڑی ہیبت و عظمت والے آدمی تھے۔ پھر ابرہہ نے اپنے ترجمان سے کہا: اس سے پوچھو: تمہاری کیا حاجت ہے؟ عبدالمطلب نے کہا: میری حاجت یہ ہے کہ بادشاہ میرے دو سوانٹ لوٹا دے جنہیں اس نے اپنے قبضہ میں کر لیا

ہے۔ جب عبدالمطلب نے یہ بات کہی، تو ابرہہ کو بڑا تعجب ہوا، اور عبدالمطلب کی حیثیت اس کی نگاہ میں کم ہو گئی، اور کہا: تم مجھ سے دو سوا دنوں کی بات کر رہے ہو، اور اس گھر کا نام نہیں لیتے جو تمہارا اور تمہارے آباء و اجداد کا دین ہے، جسے گرانے کے لئے میں آیا ہوں۔

عبدالمطلب نے اس سے کہا: میں صرف اونٹوں کا مالک ہوں، گھر کا مالک رب ذوالجلال ہے، وہ اس کا دفاع کرے گا۔ ابرہہ نے کہا: وہ گھر میری زد سے نہیں بچ سکے گا۔ عبدالمطلب نے کہا: تم جانو اور وہ گھر والا جانے!!

عبدالمطلب جب وہاں سے واپس آئے تو اہل قریش کو جمع کیا، اور اُن کو ساری بات سنائی، اور انہیں مکہ سے نکل کر پہاڑوں کی چوٹیوں اور اُن میں خفیہ جگہوں پر چلے جانے کو کہا، تاکہ ابرہہ کی فوج انہیں روند نہ ڈالے۔ پھر عبدالمطلب کچھ مخصوص قریشیوں کے ساتھ کعبہ کے پاس گئے، اور اس کے دروازہ کی کنڈی پکڑ کر اللہ سے خوب دعا کی، اور ابرہہ اور اس کی فوج کے خلاف رورو کر مدد مانگی۔ دعا سے فارغ ہو کر اپنی قوم کے پاس چلے گئے، اور انتظار کرنے لگے کہ ابرہہ مکہ میں داخل ہو کر کیا کرتا ہے؟

ابرہہ مکہ میں داخل ہونے کے لئے پورے طور پر تیار ہو گیا، اور اپنی فوج کو بھی تیار کر لیا، اور سب سے بڑے ہاتھی کو آگے کر کے اُس کا رخ حرم کی طرف کر دیا، جب مزدلفہ اور منی کے درمیان وادیِ محسر میں پہنچا، تو ہاتھی زمین پر بیٹھ گیا، اُن لوگوں نے اسے لاکھ ضرب لگائی، نہیں اٹھا۔ تب انہوں نے اُس کا رخ یمن کی طرف کر دیا، وہ فوراً اٹھ کر دوڑنے لگا، پھر اُس کا رخ شام کی طرف کیا، تو دوڑنے لگا، پھر مشرق کی طرف اُس کا رخ کیا، تو اسی طرح دوڑنے لگا جس طرح یمن اور شام کی طرف دوڑنے لگا تھا۔ پھر دوبارہ اس کا رخ مکہ کی طرف کیا تو بیٹھ گیا۔

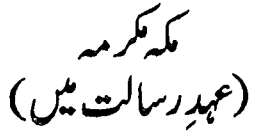
ابرہہ اور اس کی فوج کے لوگ اپنے بڑے ہاتھی کے ساتھ وادیِ محسر میں اسی پریشانی کے عالم میں تھے کہ اہل قریش دیکھتے کیا ہیں کہ سمندر کی طرف سے چھوٹی چھوٹی چڑیاں ٹھنڈ کی ٹھنڈ آرہی ہیں، اور اُن پر کنکر برس رہی ہیں اور انہیں فوراً ہلاک کر دے رہی ہیں۔ ہر چڑیا تین کنکر اٹھائے ہوئی تھی۔ ایک چونچ میں، اور دو اپنے دونوں پاؤں میں۔

ابرہہ کی فوج کے لوگ بھاگنے لگے، اور بھاگتے ہوئے ہر طرف مرمر کر گرنے لگے۔ ابرہہ کو بھی اس کے نام کا پتھر لگا، اس کے لوگ اسے لے کر بھاگے، پہلے تو اس کی انگلیاں کٹ کر چاروں طرف بکھرنے لگیں، پھر اس کا سارا جسم کاری ضرب سے نشانِ عبرت بن گیا۔ اُسے اُسی حال میں صنعاء لے کر آئے۔ اُس کا جسم چڑیا کے چوزہ کی طرح نحیف و نزار ہو گیا تھا۔ وہاں پہنچ کر اُس کا سینہ پھٹ گیا، دل باہر آ گیا، اور ہلاک ہو گیا۔

جب عبدالمطلب اور قریشیوں نے اپنی آنکھوں سے اُس عذاب کو دیکھ لیا جو ابرہہ کی فوج پر نازل ہوا تو اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اطمینان کے ساتھ اپنے گھروں کو واپس آ گئے۔ اور اس واقعہ کے بعد تمام عالم عرب کو بیت حرام (کعبہ) کی عظمت اور قریش کے مقام اعلیٰ کا مزید یقین ہو گیا۔

اس حادثہ کا نبی کریم ﷺ کی سیرت مبارکہ اور تاریخ دعوتِ اسلامیہ سے بڑا گہرا تعلق ہے، آپ اپنے باپ عبد اللہ ذبیح کے گھر اسی سال پیدا ہوئے۔ اس طرح یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کی عزت و شرف کی دلیل، آپ کی بابرکت ولادت کی طرف اشارہ، اور بحیثیت نبی مرسل آپ کی بعثت کی خبر دے رہا تھا، تاکہ آپ خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کریں، اور اپنے دادا ابراہیم اور باپ اسماعیل کی طرح اس پر توحید کا علم بلند کریں۔

اس عظیم تاریخی حادثہ سے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک سورت نازل فرمائی، اور نہایت ہی مختصر عبارت اور واضح اسلوب میں اس کی غایت درجہ سحر انگیز تصویر کشی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ (۱) أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ (۲) وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ (۳) تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِنْ سِجِّيلٍ (۴) فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَأْكُولٍ﴾ (کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا، کیا اس نے (خانہ کعبہ کے خلاف) ان کی سازش کو ناکام نہیں بنادیا، اور ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے، جو ان پر پتھر ملی مٹی کی کنکریاں برساتے تھے، پس اللہ نے انہیں کھائے ہوئے بھس کے مانند بنادیا۔ [الفیل: ۱-۵] (۱)



عرب آبادیاں اور امارتیں

کچھ دیر کے لئے میں عبدالمطلب کے بیٹوں، بالخصوص نبی کریم ﷺ کے والد عبد اللہ، اور آپ ﷺ کے نسب کے بارے میں اپنی مزید گفتگو کو مؤخر کرتا ہوں، اور اس کتاب کی ابتدائی پلاننگ کے مطابق جزیرہ عرب کے رہنے والوں، ان کی آبادیوں، اور امراء اور بادشاہوں سے متعلق ضروری باتیں بیان کرنے کے بعد، ان شاء اللہ پھر اصل موضوع کی طرف عود کروں گا۔

اس لئے مندرجہ ذیل صفحات میں زمانہ جاہلیت کی عرب آبادیوں، امارتوں، ان کی اجتماعی، سیاسی اور دینی زندگی، اسلام سے قبل عربوں کے دین، خنفاۓ عرب (یعنی وہ لوگ جنہوں نے زمانہ جاہلیت میں بت پرستی سے گریز کیا اور دین ابراہیمی کی تلاش میں سرگرداں رہے) بلاد عربیہ کے غیر عرب پڑوسی ممالک اور ان کے ادیان و مذاہب، نیز بعثت محمدی سے متعلق بشارتوں، اور جزیرہ عرب کے ان اوصاف اور امتیازی باتوں کا ذکر کروں گا جن کے سبب اس جزیرہ کو نبی کریم ﷺ کی بعثت کا مقام بننے کا شرف حاصل ہوا:

شاہان یمن:

قدیم زمانہ سے یمن میں پائے جانے والے قلعوں اور محلوں کے آثار اور میناروں کے باقی ماندہ حصے آج بھی اس بات کی خبر دیتے ہیں کہ جنوبی جزیرہ عرب کے باشندوں نے اپنی ایک تہذیب کو جنم دیا اور اس کو پروان چڑھایا، اور بارش کے زمانہ میں پانی کی تحزین کے لئے سدِ مکارب (Dame) بنایا۔ اس قدیم زمانہ میں بھی انہوں نے زراعت اور پانی کی تقسیم کا ایک بڑا ہی پائیدار نظام بنایا تھا۔ اور میلادِ مسیح سے دو ہزار سال قبل عراق، شام اور مصر سے وسیع پیمانے پر ان کے تجارتی تعلقات تھے۔

میناروں، ڈھانچوں، لائٹوں اور پتھروں پر قدیم سامی زبان میں پائے جانے والے نقوش اور عبارتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اُس عہد بعید میں سرزمین یمن میں پانچ ممالک پائے گئے: وسطِ یمن میں مملکتِ معین، جس کا دار السلطنت معین تھا، جنوبی یمن میں مملکتِ سبا، جس کا دار السلطنت مکارب تھا، سبا کے جنوب غرب میں مملکتِ قتبان، جس کا دار السلطنت تمیع تھا، قتبان کے جنوب میں مملکتِ اوسانہ، اور مملکتِ حضرموت، جس کا مرکزی شہر شبوہ تھا۔

مملکتِ معین کی حکومت بہت قوی تھی، اسی لئے قتبانیوں اور حضرمیوں پر غالب آگئی تھی، اور شمال و جنوب میں تجارتی قافلوں کے راستوں پر اس کا قبضہ ہو گیا تھا۔

اُس کے بعد سب والے معسین کے رہنے والوں پر غالب آگئے، اور پورے جنوبی علاقہ پر اُن کی حکومت ہو گئی، اور شمال میں اہل معسین کے مراکز پر بھی اُن کا قبضہ ہو گیا، اور مارب شہر کو اپنا مرکز بنالیا۔ تقریباً دو سو ستر (۲۷۰) قبل مسیح میں اہل سب کے اقتصادی حالات خراب ہو گئے، اور اُن پر اہل حمیر غالب آگئے جو ریدان کے بادشاہ تھے، وہ ریدان جس کا نام بعد میں ظفار پڑ گیا۔

تقریباً چوبیس (۲۴) قبل مسیح میں حمیریوں کی اقتصادی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی، اور ملک میں ہر سو فساد پھیل گیا، اس لئے کہ اہل روم عدن کے بندر گاہ پر قابض ہو گئے، اور اسے اپنے سفینوں کے خُرد و نوش کی ضرورت پوری کرنے کا اسٹیشن بنالیا۔ انہی حالات میں چوتھی صدی عیسوی کے نصف میں حبشہ کے بادشاہوں نے ان علاقوں پر قبضہ کر لیا، اور تقریباً بیس سال تک قابض رہے۔ اس کے بعد پھر حمیری حکومت واپس آ گئی، لیکن کمزور رہی، پہلے کی طرح ایک طاقتور حکومت نہ بن سکی۔

جزیرہ عرب میں یہودیت و مسیحیت:

انہی دنوں جزیرہ عرب میں یہودیوں کا اثر کافی بڑھ گیا، اس کی وجہ رومانیوں کا وہ ظلم و جور تھا جو انہوں نے پہلی صدی عیسوی میں یہودیوں کے خلاف روا رکھا تھا۔ مسیحی مذہب بھی جنوب کے علاقہ میں آنے لگے، یہاں تک کہ پانچویں صدی عیسوی میں پورے نجران شہر نے اس مذہب جدید کو قبول کر لیا، اور پورے علاقہ میں یہودیت و مسیحیت کے درمیان سخت نزاع شروع ہو گیا۔

اہل حمیر کے آخری بادشاہ ذونواس نے یہودی مذہب کو قبول کر لیا، اور پوری کوشش کی کہ نجران سے مسیحیوں کا خاتمہ کر دے۔ سورۃ البروج میں صاحب اُخدود کے نام سے اسی کا قصہ مذکور ہے۔ اسی نے ایک گہرا خندق کھدوا کر، اس میں ایک خطرناک آگ جلوائی تھی، اور اس میں ہر اس مرد و عورت کو ڈال دیتا تھا جو یہودیت میں داخل ہونے سے انکار کر دیتا تھا۔

آخر کار نجاشی نے بیزنطیوں کی شہ پر سن ۳۲۵ء میں یمن پر حملہ کر دیا، اور اُس پر قابض ہو گیا، اور پچاس سال تک اس پر قابض رہا۔ بالآخر اہل یمن نے اہل فارس سے مدد مانگی جو بیزنطیوں کے دشمن تھے، چنانچہ انہوں نے وہاں سے حبشہ والوں کو نکال دیا، اور خود اس پر قبضہ کر بیٹھے، اور سن ۶۲۸ء تک اس پر قابض رہے۔

اُسی سال اہل فارس کا گورنر باذان اسلام میں داخل ہو گیا، اور اہل جنوب کے عربوں کی تاریخ قدیم کا خاتمہ ہو گیا۔ جنوبی یمن کے یہ عرب قحطانی کہلاتے تھے، اور شمال کے عرب عدنانی کہلاتے تھے۔ قحطانیوں کے بہت سے قبائل غسان، جذام، عاملہ، کلب اور قضاعہ وغیرہ ہجرت کر کے شام چلے گئے، اور قبیلہ الحُم والے عراق

چلے گئے، اور اوس و خنزرج کے لوگ جزیرہ عرب میں ہی مدینہ چلے گئے جس کا نام یثرب تھا، اور قبیلہ کنندہ شمال کی طرف چلا گیا، اور قبیلہ طیّیّہ آجا اور سلمیٰ دو پہاڑوں کے درمیان جا کر رہائش پذیر ہو گیا۔

یہ لوگ آسمانی سیاروں اور ستاروں کی پرستش کرتے تھے، اور ان کی اس بت پرستی نے شمال کے عربوں میں بھی اپنا خوب اثر دکھایا تھا، انہی سے متاثر یہ شمالی عرب کو اکب کی پرستش کرنے لگے تھے جس کی بنیاد ثالوث (Trintiy) پر تھی، یعنی ”چاند“ جس کا نام اہل معسین کے نزدیک ”وَدّ“ تھا، اور ان کا سب سے بڑا معبود تھا، اور ”سورج“ جسے انہوں نے چاند کی بیوی بنا دیا تھا، اور اس کا نام ”اللات“ رکھ دیا تھا۔ اور ان کا خیال تھا کہ ان دونوں کے ملاپ سے ”عُزّیّ“ یعنی ”زہرہ“ پیدا ہوئی تھی۔ اس ثالوث کے علاوہ بھی اُن کے دیگر معبودان تھے جو بعض ستاروں، چڑیوں یا بعض طبعی مظاہر کے رمزی نام تھے۔

اُن کے ان دینی عقائد و افکار سے متعلق اُن کا ایک بڑا ادبی دینی ذخیرہ تھا جو اسلام آنے کے بعد ختم ہو گیا، جس طرح شمال میں بت پرستی پر مبنی ادبی ذخیرہ کا اسلام نے خاتمہ کر دیا^(۱)۔

شہابان ضجاعمہ و غسانہ دیا ر شام میں :

دوسری صدی عیسوی کے اوائل میں قضاہ کے ذیلی قبائل شام کے حدود تک پہنچ گئے، اور رومانیوں اور بیزنطیوں نے ان کا اعتراف اس لئے کر لیا تاکہ وہ بادیہ نشینوں کے حملوں سے ان کے سامنے رکاوٹ بنے رہیں، نیز اہل فارس کے خلاف جنگوں میں ان کی مدد کریں۔ چنانچہ رومانیوں نے اُن قبائل کی بادشاہت کا اعتراف کر لیا جو دوسری صدی عیسوی کے اواخر تک چلتی رہی۔ اُن کا آخری بادشاہ زیاد بن الہولہ تھا۔

پھر غسانہ کا دور آیا، یہ لوگ بھی جنوب کے عربوں میں سے تھے، جو دیگر بہت سے قبائل کے ساتھ شمال کی طرف چلے گئے تھے، اور ضجاعمہ پر غلبہ حاصل کر کے بلاد شام پر قابض ہو گئے تھے، اور اُس علاقہ کے سردار بن گئے تھے۔

رومانیوں اور بیزنطیوں نے ان کا اعتراف کر لیا تھا۔ ان کا پہلا بادشاہ ”حبشہ“ تھا جس نے ۲۹۹ء میں فلسطین پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا حارث بادشاہ بنا (۵۲۸-۵۲۹)، شاہ روم نے شام کے علاقہ میں رہنے والے عربوں پر اس کی مطلق العنان بادشاہت کا اعتراف کر لیا تھا۔

یہ غسانہ چوتھی صدی عیسوی کی ابتدا میں نصرانی ہو گئے تھے۔ اور حارث بن حبشہ نے بلاد شام اور غسانہ میں نصرانیت کی نشر و اشاعت کے لئے بڑی کوشش کی، اس کے بعد اس کا بیٹا منذر بادشاہ ہوا (۵۲۹-۵۸۱)، لیکن اس

(۱) دیکھئے العصر الجاہلی، ص ۲۶-۲۹، تاریخ العرب قبل الإسلام، جواد علی، ۱: ۱۶۹، ۲: ۸۲، ۳: ۷۶، ۴: ۱۳۶، ۵: ۱۳۷۔

کے اور بیزنطیوں کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا، جس کے نتیجے میں بیزنطی موقع کی تلاش میں رہے، اور ایک دن اس کو پکڑ کر جزیرہ صقلیہ کی طرف جلا وطن کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کے بیٹے اپنے بھائی نعمان کی قیادت میں بیزنطیوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، لیکن شومئی قسمت سے ۵۸۴ء میں اس کا انجام بھی اس کے باپ جیسا ہوا۔ اس کے بعد حارث اصغر خوب مشہور ہوا جس کی فوجیں قبائل نجد کے خلاف خونیں جنگیں لڑتی رہیں۔

متاخرین غسانہ کی تاریخ بتاتی ہے کہ یہ لوگ رقص و سرود اور عیش و تنعم میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اُن کے درباروں میں گانے والی رومی عورتیں اور گانے والے عرب مرد رقص و سرود کی محفلیں آباد کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ جبکہ بن الایہم جب شراب نوشی کے لئے بیٹھتا تو اس کے فرش پر آس و یاسمین اور ریحان کے پھول بچھائے جاتے، اور سونے اور چاندی کے برتنوں میں غبر و مشک وغیرہ کی نوع بہ نوع خوشبوئیں رکھی جاتیں۔

غزوہ یرموک کے زمانہ تک جو ۱۳ھ میں ہوا، شام میں غسانہ آباد رہے، اُن کے آخری بادشاہ جبکہ بن الایہم نے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عہد میں اسلام قبول کر لیا^(۱)۔

حیرہ عراق میں شاہانِ منازل:

چھٹی صدی قبل میلاد مسیح تک اہل فارس عراق پر حکومت کرتے رہے، یہاں تک کہ ۳۲۶ء قبل مسیح میں اسکندر مقدونی نے فارس کے بادشاہ داراؤل کو شکست دیا، اور ایرانیوں کا ملک طوائف الملوکی کا شکار ہو گیا، اور ۲۳۰ء تک ان کی یہی حالت رہی۔ اسی زمانہ میں فحطانیوں نے عراق کے کچھ دیہی علاقہ کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا، اور عدنانیوں نے جزیرہ فرات کے ایک علاقہ پر قبضہ کر لیا۔

ساسانی حکومت کے بانی اردشیر نے ۲۲۶ء میں جزیہ الواضاح کو حیرہ، بادیہ عراق اور جزیرہ میں رہنے والے قبائل ربیعہ و مضر کا والی بنادیا، تاکہ اس سے شاہانِ روم اور شام میں آباد عربوں کے خلاف مدد لے سکے۔ جزیہ کے انتقال کے بعد اردشیر نے حیرہ کا گورنر اپنے بھانجا عمرو بن عدی النحی کو بنادیا۔ اسے اُن منازل کا زعم و قائد مانا جاتا ہے جو اہل فارس کے لئے وفادار رہے۔

اُن دنوں حیرہ بہت ہی اہم تجارتی مرکز تھا، اور منازل بے حد عیش و عشرت کی زندگی گزارتے تھے۔ منازل کا سب سے سنہرا زمانہ منذر بن ماء السماء (۵۱۴-۵۵۴ء) کا زمانہ تھا۔ اُس کے زمانہ میں نجد اور مشرقی جزیرہ کے قبائل حیرہ منتقل ہو گئے تھے۔ منذر کے بعد اس کا بیٹا عمرو بن ہند آیا۔ جس کی نسبت اس کی ماں ”ذیر ہند“ کی طرف ہے، جو حیرہ کی رہنے والی تھی، اور غالباً مسیحی تھی لیکن عمرو اپنے آباء و اجداد کی طرح بُت پرست تھا، اور بڑا

(۱) محاضرات فی تاریخ الامم الاسلامیہ، اور العصر الجاہلی، ص ۴۰-۴۳۔

ہی سرکش اور ظالم تھا۔

عمر و کے بعد حیرہ کا والی قابوس ہوا، پھر منذر چہارم، پھر نعمان سوم بن منذر چہارم جو ایک مسیحی خاندان میں پروان چڑھنے کے سبب مسیحی ہو گیا تھا۔ اسے فارس کے بادشاہ نے قتل کر دیا، اور حیرہ کا گورنر ایاس بن قبیصہ طائی کو بنادیا، لیکن نعمان کی حمایت و تائید میں (جسے دھوکا دے کر قتل کر دیا گیا تھا)، ایاس مذکور اور فارس کے خلاف قبیلہ بکراٹھ کھڑا ہوا، اور یوم ذی قار کی جنگ میں ایاس اور فارسیوں کو بدترین شکست دی۔ یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کی ولادت کے کچھ ہی دنوں بعد کا ہے۔ وہ علاقہ امن و استقرار سے یونہی محروم رہا، یہاں تک کہ ۶۳۳ء میں حیرہ پر خالد بن الولید نے قبضہ کر لیا۔

بہر کیف، دلائل و قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ حیرہ میں عام لوگوں کی زندگی خوشگوار تھی، اور اسلام سے پہلے حیرہ ایک بڑی تجارتی منڈی تھی، اور اس کے اکثر باشندے عرب قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ تھوڑے سے فارسی لوگ بھی تھے۔ اور خیال کیا جاتا ہے کہ وہاں بعض یہودی بھی رہتے تھے۔ حیرہ پر فارسی ثقافت کا خاصا اثر تھا جو اس علاقہ میں عام تھا۔ اور وہاں کے عام باشندے بت پرست تھے، اگرچہ کچھ یہودی، نصرانی، فارسی اور آتش پرست بھی وہاں رہتے تھے^(۱)۔

حضرموت میں اُمراءِ کندہ:

یہ امارت شمالی نجد میں غسانہ اور حیرہ کی دونوں امارتوں کے درمیان تھی، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان امارتوں کے امراء کی وفاداری یمن کے لئے تھی، اور حسب و نسب کے اعتبار سے بھی جنوب جزیرہ کے عربوں سے رشتہ رکھتے تھے۔ کچھ ایسے نقوش ملے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ کندہ کی یہ امارت چوتھی صدی عیسوی میں تھی، اور پانچویں صدی عیسوی میں اس کا مشہور ترین بادشاہ ”حجر“ تھا جو ”آکل المرار“ کے لقب سے جانا جاتا تھا۔ اس کی حکومت کا دائرہ نجد میں شمالی قبائل تک پھیلا ہوا تھا، اسی طرح اس کا نفوذ یمامہ اور منازرہ کی امارت کی حدود تک پہنچا ہوا تھا۔ اور کہا جاتا ہے کہ بکمر و تغلب جیسے بڑے قبائل عرب بھی اس امارت کے طاعت گزار تھے۔ حجر کے بعد اس کا بیٹا عمرو المقصور آیا، اس کے زمانہ میں بکمر و تغلب نے اس امارت سے اپنا عہد و فاداری ختم کر لیا، لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد بکمر اور تغلب دونوں قبیلوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی جو چالیس سال تک جاری رہی، اسی کا نام حرب بسوس ہے۔

عمرو المقصور کے بعد اس کا بیٹا ”حارث“ آیا، اس کے زمانہ میں کندہ کی یہ امارت عظمت و رفعت کی چوٹی پر

(۱) دیکھئے تاریخ العرب قبل الإسلام، جواد علی، ۳: ۵-۱۱، والعصر الجاہلی، شوق ضیف، ۳۳-۴۴، محاضرات فی تاریخ الإسلام، ۱۵: ۱۵۱ و بعد۔

پہنچ گئی تھی۔ تمام قبائل نجد اس کے زیر نگیں آ گئے تھے۔ قبائل بکر و تغلب نے جنگ کے خاتمہ کے لئے اسی کی طرف رجوع کیا، چنانچہ اس نے ان کے درمیان صلح کرادی۔ حارث نے بیزنطہ کی بادشاہت کے ساتھ بھی معاہدہ صلح کر لیا اور پوری توجہ منازرہ پر حملہ کی طرف کر دی۔ فارس کے بادشاہ قباذ نے منذر بن ماء السماء کو حیرہ کی امارت سے برطرف کر کے حارث کو اس کا حاکم بنا دیا۔ لیکن قباذ کے مرنے کے بعد منذر نے اس کا رُخ کیا، اور اُسے بدترین شکست سے دوچار کر دیا، اور اُسے اور اس کے گھرانے کے چالیس شہزادوں کو قتل کر دیا۔

کچھ عرصہ کے بعد اُس کے لڑکے ”جُحر“ نے اپنے باپ کی بادشاہت کو واپس لینا چاہا، لیکن منذر اُس کی تاک میں لگا ہوا تھا، اس لئے اس تمنا کی تکمیل سے پہلے اس کی موت آ گئی، ان امرائے کندہ کی ایک بڑی تعداد حضر موت میں ہی رہائش پذیر رہی یہاں تک کہ اسلام آ گیا^(۱)۔

مکہ اور حجاز کے دیگر شہروں میں حکومت:

مؤرخین کا خیال ہے کہ مکہ اور حجاز پر سب سے پہلے عمالقہ نے حکومت کی، اُن کے سردار کانام سمیدع بن ہو بر بن لاوی تھا۔ اُن کے بعد بنی جُرحم قحطانی آئے۔ اور جب اسماعیل بن ابراہیم بڑے ہوئے تو مکہ کی سیادت اور بیت حرام کی نگرانی اُن کے حصہ میں آئی، اور پوری زندگی اُن کو یہ شرف حاصل رہا۔ ایک سو سینتیس (۱۳۷) سال کی عمر میں انہوں نے وفات پائی۔ ان کے اور عیسیٰ بن مریم کی ولادت کے درمیان تقریباً بیس صدی کا زمانہ بعید ہے۔ اُن کے بعد بیت اللہ کی دیکھ بھال کا کام حارث بن مضاض جُرحمی نے کیا، اور اُس کے بعد اُس کے بیٹے عمرو بن حارث نے۔ یمن میں سیلِ عرم آنے کے بعد یمنی قبیلہ خزاعہ مکہ آ گیا، اور مکہ کے باہر رہائش پذیر ہو گیا۔ اور رفتہ رفتہ جُرحمیوں پر غالب آ گیا، اُس وقت جُرحمیوں کا سردار عمرو بن حارث جُرحمی تھا، اور انہیں مکہ سے نکال باہر کیا۔ مؤرخین کا خیال ہے کہ جُرحمیوں نے تقریباً دو ہزار سال تک مکہ پر حکومت کی۔ پہلا خُزاعی شخص جس نے بیت حرام کی نگرانی کا شرف حاصل کیا، اس کا نام عمرو بن لُحی تھا، سب سے پہلے یہی شخص شام سے اَصنام لے کر آیا، اور انہیں خانہ کعبہ کے چاروں طرف نصب کر دیا، اور مکہ میں دین ابراہیمی کے بدلے بُت پرستی کو رواج دیا۔ قبیلہ خزاعہ کے لوگ خانہ کعبہ کی دیکھ بھال کرتے رہے، یہاں تک کہ قُصّی بن کلاب بن مُرۃ پانچویں صدی عیسوی کے نصف میں ابو غبشان خُزاعی سے مکہ کی سیادت اور خانہ کعبہ کی دیکھ بھال کرنے کا شرف چھیننے میں کامیاب ہو گیا۔

قُصّی نے مکہ کو اپنی کوششوں سے ایک اہم اقتصادی، دینی اور ادبی مرکز بنا دیا، اور چھٹی صدی کے اواخر اور

(۱) تاریخ العرب قبل الإسلام، جواد علی: ۲۱۵-۲۳، محاضرات فی تاریخ العرب: ۶۸، العصر الجاہلی: ص ۳۸۔

اسلام آنے سے قبل ساتویں صدی کے اوائل میں عام عربوں نے اہل مکہ کی سیادت کو تسلیم کر لیا۔
قصّی نے ہی دارالندوة بنایا تھا جو قریشیوں کی مجلس استشاری کی آفس تھی۔ قریش کے لوگ وہیں سے اپنا
جنگی علم باندھتے تھے، وہیں سے قریشیوں کے تجارتی قافلے ہر چار طرف نکلتے تھے، جیسا کہ اس سے قبل قصّی
کے ذکر میں یہ بات بیان کی جا چکی ہے۔

قصّی نے اپنے لئے اُن چھ (۶) کاموں کو مخصوص کر لیا تھا جو شہرت و نیک نامی اور عزت و وقار کا سبب تھا۔
اُس نے اپنے بعد اپنے دو بیٹوں؛ عبدالدار اور عبد مناف کو نائب بنادیا تھا۔ عبدالدار کو بیت حرام کی دیکھ بھال، اس
کی درباری، دارالندوة، اور جنگی علم کی ذمہ داری دے دی، اور عبد مناف کو حجاج کو پانی پلانے، اُن کی میزبانی اور
قیادت کی ذمہ داری سونپی۔ ان دونوں کے بعد یہ مناصب ان کی اولاد میں منتقل ہوتے رہے، یہاں تک کہ نبی کریم
ﷺ نے مکہ کو فتح کر لیا۔ اُس وقت حجاج کو پانی پلانے اور خانہ کعبہ کی دیکھ بھال کے سوا دیگر تمام مناصب ختم
کر دیئے گئے۔ درحقیقت مکہ کی قوت کا راز اس کے قائدین کی قوت اور ان کی اس دور اندیشی میں پوشیدہ تھا کہ
انہوں نے تمام اہل مکہ کو ایک فکر، ایک رائے، وحدت قبیلہ اور بیت حرام کے تھوڑے پر متحد کر دیا تھا جسے تمام
عرب مقدس مانتے تھے، اور اپنی آزادی، اپنی عزت و شرف اور اپنی قوت کا نشان جانتے تھے۔ نیز اُس کی قوت کا
راز وہاں کی زبردست تجارتی نقل و حرکت میں پنہاں تھا، جو کبھی سُست نہیں پڑتی تھی۔ مکہ عربوں کا تجارتی مرکز اور
ان کے مقدس خانہ کعبہ کا شہر تھا، وہیں اُن کی مذہبی عیدیں ہوتی تھیں، اُسی کے قرب وجوار میں سوقِ عکاظ،
سوقِ مجنّہ اور سوقِ ذی الحجاز جیسے ان کے تجارتی بازار لگتے تھے۔ بہت سے عرب سادات قریش کو غسانہ سے بڑا
مانتے تھے، بلکہ انہیں شاہانِ فارس آلِ کسریٰ سے بھی زیادہ اہمیت دیتے تھے۔

انہی تمام وجوہ سے مکہ زمانہ جاہلیت میں اہم ترین عربی شہر مانا جاتا تھا۔ اور ساداتِ قریش فارس و روم
والوں سے تعلقات اور موسمِ سرما و گرما میں بلادِ عربیہ میں اپنی وسیع تجارت اور دولت کے سبب عیش و تنعم کی زندگی
گزارتے تھے۔

مکہ والوں کے لئے شرف و عزت کی ایک بات یہ بھی تھی کہ انہوں نے کسی بھی زمانہ میں خارجی بادشاہوں
کے دین و مذہب کو قبول نہیں کیا، نہ کسی کو ٹیکس دیا، اور نہ ہی کسی خارجی بادشاہ نے مکہ پر حکومت کی۔ حمیر، کندہ اور
غسان و لخم کے شاہان و امراء خانہ کعبہ کا ہی حج کرتے تھے، اور مکہ کے رہنے والے ہمیشہ امن و چین کی زندگی
گزارتے رہے، وہ دوسروں پر جنگی حملے کرتے رہے، ان پر کسی نے حملہ نہیں کیا، دوسروں کو اپنا غلام بناتے رہے،
انہیں کسی نے اپنا غلام نہیں بنایا، کبھی کوئی قریشی عورت لونڈی نہیں بنی۔

حجاز کے مشہور شہروں میں ”طائف“ ہے، جو مکہ کے جنوب مشرق میں ۸۵ کیلو میٹر کی دوری پر باغات اور ہرے بھرے درختوں کے درمیان چھ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ایک خوبصورت شہر ہے، یہاں زمانہ جاہلیت میں ثقیف اور ہوازن نام کے دو بت پرست قبیلے رہتے تھے۔ ان کی زندگی نجد میں رہائش پذیر بدوی قبائل کی زندگی سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھی، سوائے اس کے کہ انہیں اپنی کھیتیوں اور پھلدار درختوں کے سبب مکہ میں رہنے والے قریشیوں کی طرح سکون و قرار حاصل تھا۔

تقریباً چار سو پچاس کیلو میٹر کی دوری پر ایک سرسبز وادی میں ”یثرب“ نام کا شہر آباد تھا۔ یہاں بہت سے کنوئیں اور چشمے پائے جاتے تھے جن کے سبب یہ علاقہ ایک خوبصورت زرخیز زراعتی علاقہ بن گیا تھا جو کھجوروں، پھلدار درختوں اور ہرے بھرے کھیتیوں سے مالا مال تھا۔

مورخین کا کہنا ہے کہ یہاں سب سے پہلے عمالقہ آباد ہوئے، پھر دوسری صدی عیسوی میں یہودی فلسطین آئے جو رومانیوں کے ظلم و استبداد سے مجبور ہو کر فلسطین سے بھاگ کر یہاں آباد ہو گئے، اور اپنے دین پر قائم رہے، یہاں تک کہ اسلام آیا، اور پورے حجاز میں پھیل گیا۔ لیکن ان یہودیوں میں سے چند ہی لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔ البتہ عربی اُن کی روزمرہ کی زبان ہو گئی، اور اپنے دینی شعائر کی ادائیگی کے لئے عبرانی زبان سے بھی چمٹے رہے۔

پھر جنوب سے اوس و خزرج قبائل کا ورود ہوا، اور رفتہ رفتہ یہی لوگ حقیقی سردار ان یثرب بن گئے۔ یہ لوگ بت پرست تھے، اور باقی عربوں کی طرح مکہ کا حج کرتے تھے، اور خانہ کعبہ کے ارد گرد موجود بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ ان لوگوں کی زندگی بھی خیمہ میں رہنے والے بدوؤں سے کچھ مختلف نہ تھی۔

یہود ہمیشہ اوس و خزرج کے درمیان اختلاف پیدا کرتے رہے، جس کے سبب وہ آپس میں جنگ کرتے رہے، اور طرفہ تماشہ یہ کہ یہود ہی اسلحہ بنا کر اُن کو دیتے رہے جن کے ذریعہ وہ جنگوں میں ایک دوسرے کا خون بہاتے رہے۔ اُن کے درمیان ان جنگوں نے اتنا طول پکڑا کہ ان کی زندگی اجیرن ہو گئی اور وہ فنا کے گھاٹ اترنے کے قریب ہو گئے۔ اوس و خزرج انہی حالات سے گزر رہے تھے کہ اللہ نے ان کے لئے اپنے رسول رحمت کو بھیج دیا جن کی بدولت وہ آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔

شمالی مدینہ میں یہودی خاص بستیاں تھیں، جن میں مشہور خیبر، فدک اور تیماء نام کی بستیاں تھیں۔ یہ لوگ انہی بستیوں میں رہتے رہے، یہاں تک کہ عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں جزیرہ عرب سے باہر نکال دیا۔ اور یہ بات بالکل صحیح ہے کہ زمانہ جاہلیت کے عرب ان تمام یہودیوں کی طرف سے کبھی بھی مطمئن نہیں رہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ یہود عربوں کی دینی زندگی پر اپنا کوئی بھی اثر نہ ڈال سکے^(۱)۔

بدوی قبائل کی حکومت:

جو عرب قبائل بلاد عربیہ کے مشرق و مغرب اور جنوب و شمال میں پھیلے تھے، اُن کا اپنے حسب و نسب سے ہمیشہ ہی بڑا گہرا ربط رہا، اور ان کی تمام جماعتیں اور ٹولیاں اسی بنیاد پر قائم تھیں۔ اور اسی بنیاد پر دو بڑے مجموعوں میں بٹے ہوئے تھے۔ قحطانی یعنی مجموعہ اور مُضریٰ عدنانی مجموعہ۔ ان کی اولاد نے اپنے آباء و اجداد کی طرف سے سیکڑوں سال سے انہی قبائلی جماعتوں اور ٹولیوں کو وراثت میں پایا تھا، حتیٰ کہ اسلام آنے کے بعد بھی ان عربوں کی اولاد نے یہی کچھ وراثت میں پایا۔

یہ تمام بدوی قبائل جو مکہ اور حیرہ جیسے شہروں میں آکر آباد ہو گئے تھے، ان سب کا سیاسی نظام یہی قبائلی نظام تھا، اور انہی بنیادوں پر یہ قبائل کبھی کبھار متحد ہو کر کچھ دوسرے قبائل کے خلاف ”اتحاد“ بناتے تھے، اور اتحاد میں شریک قبائل ایک دوسرے کی خوشی اور غم میں شریک ہوتے تھے۔ جیسے مکہ کا حلف المطیبین، حلف الفضول اور حلف الریاب۔

تمام قبائل کی الگ الگ مجلسیں ہوتی تھیں جن کے ارکان قبائلی شاخوں کے شیوخ ہوتے تھے، اور حسب ضرورت اور مشکل گھڑیوں میں عام طور پر شام کے وقت اس مجلس میں جمع ہوتے تھے۔ اور قبیلہ کا سردار وہ مرد و دراندیش ہوتا تھا جو تجارت کی بھاتی میں پک کر لندن بن چکا ہوتا تھا۔ اور بسا اوقات اُسے یہ سیادت اس کے آباء و اجداد سے وراثت میں ملی ہوتی تھی۔ اور قبیلہ کے دیگر تمام افراد قبیلہ کی خدمت اور اس کے حقوق کی حفاظت کے لئے اپنی جانیں ہر دم حاضر رکھتے تھے۔ اور سب سے بڑا حق قبیلہ کے کسی فرد کا کسی دوسرے قبیلہ کے فرد سے انتقام لینا ہوتا تھا۔ چنانچہ ہر فرد قبیلہ کے لئے اپنی جان اور اپنے مال کی قربانی پیش کرتا تھا، اس لئے کہ ایسا ہی کرنے میں اس کی بقا اور اس کے وجود کی حفاظت کی ضمانت تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ یہ قبائلی لوگ اپنے اپنے قبیلہ کو اپنے دینی شعائر سے زیادہ مقدس جانتے تھے۔

اور انہی مذکور بالا اسباب کی وجہ سے زمانہ جاہلیت میں عربوں کی زندگی میں جنگ کو ایک خصوصی اہمیت حاصل تھی۔ اور جیسا کہ لکھا گیا، قانون انتقام اُن کے نزدیک سب سے بڑا قانون تھا، یہی ان کی مقدس شریعت تھی جسے اُن کے نزدیک مذہبی حیثیت حاصل تھی^(۱)۔

(۱) تاریخ العرب قبل الإسلام: ۱/۲۲۰، العصر الجاہلی: ص ۵۵-۶۶۔

زمانہ جاہلیت میں عربوں کی سیاسی زندگی

عرب قومیں اور فارس و روم کی حکومتیں:

اب تک عرب امارات اور ان کے حکام کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ عرب قومیں، زمانہ جاہلیت قدیم میں، اور جاہلیت جدید میں اسلام آنے سے کچھ پہلے تک، اُس وقت کی دنیا کی دو عظیم قوتوں فارس و روم کے درمیان مجبور محض بن کر رہ گئی تھیں۔ یہ لوگ اپنے سیاسی امور میں ان دونوں عظیم طاقتوں اور ان کے حلیفوں کے درمیان بٹ کر رہ گئے تھے۔ غسانہ اپنے عرب بھائیوں منازرہ اور اہل فارس کے خلاف رومانیوں اور ان کے خلفاء بیزنٹیوں کے آلہ کار تھے۔ اور فارس کے ساسانی بادشاہوں نے منازرہ کو ڈھال بنا کر رکھا تھا جو انہیں عرب بدوؤں کے حملوں سے محفوظ رکھتے تھے، اور رومانیوں اور بیزنٹیوں کے خلاف استعمال ہوتے تھے۔ ان کی داخلی سیاسی حالت کے بارے میں ابھی کچھ ہی قبل لکھ آیا ہوں کہ قبائل عرب ٹولیوں میں بٹے ہوئے تھے۔ کمزور قبائل قوی قبائل کے ساتھ مل کر اپنے خلاف دیگر قبائل کے ظلم و جور کو روکتے تھے۔ حالت یہ تھی کہ سبھی ضعیف و قوی، غلام و سید میں بٹے ہوئے تھے۔ قوی کمزور پر ظلم کرتا تھا، اور جبر و استبداد اس کا شیوہ ہوتا تھا۔ اور ان کے آپس میں انسانوں کے معمولی حقوق تک ضائع ہو چکے تھے۔

سیاسی قراردادوں میں مکہ کا کردار:

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا، مکہ حجاز کا اہم ترین شہر تھا، اور علاقہ میں سیاسی قراردادوں کے سلسلہ میں اس کا بہت ہی اہم کردار تھا، اس لئے کہ وہ زمانہ جاہلیت میں بُت پرستوں کا سب سے اہم دینی مرکز تھا، اور تمام تجارتی قافلوں کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں تھی۔ اور حبشہ کے مسیحیوں کے مکہ پر حملہ کرنے اور اللہ کے عذاب کے ذریعہ ان کی بدترین ہلاکت کے بعد تو اس کی سیاسی اور دینی حیثیت بہت ہی مضبوط ہو گئی تھی۔ گویا مکہ عربوں کی آزادی، ان کی عزت و شرف اور ان کی قوت کا نشان بن گیا تھا، کبھی کسی اجنبی بادشاہ کا اُس پر قبضہ نہیں ہوا۔

سردار ان مکہ دار الندوہ میں جمع ہوا کرتے تھے، یہ ان کا پارلیمنٹ ہاؤس تھا، اس میں چالیس سال سے کم عمر شخص داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ دار الندوہ کے شیوخ کا انتخاب ان کی دولت اور سابقہ خدمات کے مطابق ہوتا تھا۔ شیوخ مکہ کی یہ مجلس ان کے تجارتی اور مذہبی امور سے متعلق فیصلے کرتی تھی۔ اور بہت سے عرب، سادات قریش کو غسانہ اور شاہان فارس آل کسرئی سے بالاتر سمجھتے تھے۔

مکہ کی آبادی دو قسم کے قریشیوں پر مشتمل تھی ”قریش البطاح“ یعنی وہ قریشی جو مکہ کے بالکل ارد گرد آباد تھے، اور ”قریش الظواہر“، یعنی وہ قریشی جو قریش البطاح کے بعد آباد تھے۔ اُن کے ساتھ عام عرب، خلفائے قریش، آزاد کردہ لوگ اور غلام وغیرہ رہتے تھے، اور ایسے اکثر لوگوں کا تعلق حبشہ سے تھا۔

مکہ والوں کے وسیع ترین تجارتی اور اقتصادی تعلقات کی وجہ سے وہاں کی سوسائٹی قبائلی نظام کی پابند ہو گئی تھی، جس کے تحت تمام قبائلی شاخیں اتحاد کی شکل میں ایک دوسرے سے مرتبط تھیں، اور تمام قبائلی شاخیں مل کر بیت حرام کی حفاظت اور دیکھ بھال کرتی تھیں، اور تجارتی قافلوں کی بھی نگرانی کرتی تھیں، اور کسی بھی شاخ قبیلہ کو دوسرے پر سرداری حاصل نہیں تھی، لیکن چونکہ سبھی قبائلی شاخیں مصلحت عامہ میں مشترک تھیں، اس لئے ان کی یہ آزادی انہیں انارکی اور بے راہروی کی طرف نہیں لے جاتی تھی^(۱)۔



(۱) تاریخ العرب قبل الإسلام: ۱۱۸/۴، العصر الجاہلی: ۵۲، ۴۹، ۴۱، ۴۰۔

اجتماعی زندگی

لوگوں کی تین قسمیں جن سے عربوں کی اجتماعی زندگی بنتی تھی:

اوپر بیان کر چکا ہوں کہ عرب باشندوں کی اجتماعی تشکیل قبائل کی تشکیل پر مبنی تھی، اور اکثر حالات میں قبیلہ تین قسم کے لوگوں سے بناتا تھا:

(۱) طبقہ مُرَحَاء:

یعنی قبیلہ کے اصل بیٹے، یہ لوگ قبیلہ کی آواز پر لبیک کہنے، اور اس کی خاطر شانہ بشانہ جنگ کرنے کے لئے ہر حال میں تیار رہتے تھے، چاہے قبیلہ ظالم ہو یا مظلوم۔

(۲) طبقہ مُوَالِی:

یعنی قبیلہ والوں کی جانب سے آزاد کردہ اشخاص۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل ہوتے تھے جن کا قبیلہ انہیں ان کے کسی جرم کے سبب قبیلہ سے نکال دیتا تھا، ایسے لوگ پناہ لینے کے لئے دوسرے قبیلہ میں شامل ہو جاتے تھے۔ انہیں ”موالی“ کہا جاتا تھا، اور ان کے حقوق قبیلہ کے افراد کی طرح ہوتے تھے۔

(۳) طبقہ غلام:

یعنی غلاموں کا طبقہ۔ زمانہ جاہلیت کی قبائلی سوسائٹی میں ایسے افراد کی خاصی تعداد ہوتی تھی، یہ غلامانِ اہل مکہ بہت سے انسانی حقوق سے محروم ہوتے تھے، اور اپنے آقاؤں کی طرف سے مختلف الانواع ذمہ داریوں کے بوجھ تلے دبے رہتے تھے، یہی غلام نچلے درجہ کے وہ کام بھی کیا کرتے تھے جن کے کرنے کو عرب اپنے لئے باعثِ عار سمجھتے تھے، جیسے اونٹوں اور بکریوں کی چرواہی، لوہار کا کام، بڑھئی کا کام اور بچھنی لگانا۔

عربوں میں اچھی اور بُری خصلتیں:

عربوں کا کرم اور ان کی سخاوت بہت ہی مشہور ہے۔ اگر قحط سالی کے ایام میں بھی ان کے پاس مہمان آجاتے، تو اپنی سواری کا اونٹ ذبح کر دیتے، دیت کی بڑی رقموں اور بھاری قرضوں کا بوجھ اٹھاتے، اسے اپنے لئے قابلِ ستائش اور لائقِ فخر و مباہات کام سمجھتے، اور یہ باتیں ان کی شاعری کا خاص موضوع ہوتی تھیں۔ بے سہاروں اور

پریشان حالوں کی مدد کرتے، کمزور کی حمایت کرتے، قدرت رکھتے ہوئے معاف کر دیتے، اور ان کاموں کا ذکر کر کے اپنی تعریف کرتے، اور خود داری، ظلم کو قبول نہ کرنا، ذلت و رسوائی کو برداشت نہ کرنا، سچائی اور امانت کا حد درجہ خیال رکھنا، اور دھوکہ دہی اور غداری سے شدید نفرت، اُن کی صفات تھیں۔

مذکور بالا اچھی خصلتوں اور ان کے علاوہ بہت سی دیگر خوبیوں کیساتھ عہد جاہلیت کی سوسائٹی میں بہت سی بُری عادتیں اور بُرے اخلاق بھی پھیلے ہوئے تھے، جو اُن عربوں کے ساتھ لگے رہے، یہاں تک کہ اسلام آگیا، تب ان کا خاتمہ ہوا، اور اسلام نے ان کے اخلاق کو یمانہ کو مزید جلا بخشا۔

اُن اخلاقی آفتوں میں سے شراب نوشی اُن کی گھٹئی میں پڑی تھی، سوسائٹی میں چند کے سوا سبھی اس میں مبتلا ہوتے تھے۔ اور زیادہ تر اس کی تجارت یہود و نصاریٰ کرتے تھے۔ اور شام و عراق سے نوع بنوع شراب لا کر عربوں کو مہنگے داموں بیچتے تھے۔

انہی اخلاقی آفتوں میں سے زنا کاری تھی۔ یہ فاشی لونڈیوں میں عام تھی، اور اکثر جاہلی عرب اس گناہ کی طرف اپنی نسبت کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔ ان بدکار مردوں نے آزاد شریف عورتوں کو اپنے لئے حلال بنانے کے نہایت ہی گھناؤنے طریقے ایجاد کر رکھے تھے، اگرچہ بہت سے شرفائے عرب کے نزدیک آزاد شریف عورت کا مقام بڑا اونچا تھا۔

اُن گھناؤنے طریقوں میں سے یہ تھا کہ ایک آدمی بہت ساری عورتوں سے بیک وقت شادی کرتا تھا، دو سگی بہنوں کو بیک وقت اپنی زوجیت میں رکھتا تھا۔ اور اگر کوئی آدمی اپنی منکوحہ کو طلاق دے دیتا، یا اس آدمی کا انتقال ہو جاتا تو اس کا بیٹا اس عورت سے شادی کر لیتا۔ کبھی ایسا ہوتا کہ دس آدمیوں سے کم افراد مل کر ایک عورت سے ہمبستری کرتے، اور جب بچہ ہوتا تو وہ عورت اپنی صوابدید کے مطابق اُن میں سے جسے چاہتی اس بچہ کا باپ ٹھہراتی۔ کبھی ایسا ہوتا کہ شوہر اپنی بیوی کو ماہواری سے پاک ہونے کے بعد کسی ایسے آدمی کے پاس ہمبستری کے لئے بھیجتا جو شجاعت و سخاوت میں مشہور ہوتا، تاکہ بچہ اسی جیسی صفات والا پیدا ہو۔ ایسا بھی ہوتا کہ دو مرد ہمبستری کے لئے آپس میں بیویاں بدل لیتے۔

مختصر یہ کہ عورت دور جاہلیت میں جو ر و ظلم اور تذلیل و اہانت کا نشانہ بنائی جاتی تھی۔ لوگ معیوب جانتے تھے کہ اس کے گھر بیٹی پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ﴾ (اور ان میں سے کسی کو جب لڑکی کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے، در انحالیکہ وہ غم سے نڈھال ہوتا ہے) [النحل: ۵۸] ﴿وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ (۸) بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ﴾ (اور جب زندہ درگور کی

گئی لڑکی سے پوچھا جائے گا، وہ کس گناہ کے سبب قتل کی گئی؟ [التکویر: ۹، ۸]۔

اپنی بیویوں اور بیٹیوں کا بچو اکھیلے تھے۔ قنادہ کہتے ہیں: دور جاہلیت میں آدمی اپنی بیوی اور دولت کا بچو اکھیلتا تھا۔ لوگ عورت کو وراثت مال اور مہر کی رقم سے محروم کر دیتے تھے، اور اُس پر ظلم و زیادتی کرنے کے لئے اسے نہ چاہتے ہوئے اپنی زوجیت میں باقی رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا﴾ (اور انہیں نقصان پہنچانے کے لئے نہ روکو، تاکہ حد سے تجاوز کرو) [البقرہ: ۲۳۱]۔ عورتوں کو شادی نہیں کرنے دیتے تھے۔ گویا دور جاہلیت میں بہتوں کے نزدیک عورت ایک گھٹیا چیز اور ذلیل انسان تھی۔ جب اسلام آیا تو اس نے عورت کو عزت دی، اس کے مقام کو بلند و بالا کیا، اور اس کے تمام حقوق دیئے۔

لیکن عورتوں کے ساتھ عربوں کا یہ گھناؤنا برتاؤ عام نہیں تھا، بلکہ سرداران قبائل اور بڑے گھرانوں میں عورتوں کی بڑی قدر کی جاتی تھی۔ ایسے گھرانوں کی عورتیں اپنا شوہر خود پسند کرتی تھیں، اور ان کے ساتھ نیک برتاؤ نہ ہونے پر اپنے ان شوہروں کو چھوڑ کر باپ کے گھر آ جاتی تھیں۔ اور اگر کوئی شخص اُن کے ذریعہ پناہ لیتا تھا تو وہ ان کی حمایت کرتی تھیں۔ دیگر بہت سے عرب بھی اپنی بیٹیوں کا بڑا خیال رکھتے تھے، ان کے ساتھ نہایت ہی نرمی اور ہمدردی کا برتاؤ کرتے تھے، اور ان کی ناز برداری کرتے تھے، اور یہ رائے رکھتے تھے کہ بیٹیاں بیٹیوں سے زیادہ اپنے باپ ماں کے لئے وفادار ہوتی ہیں۔

بیٹیوں کی تکریم اُس زمانہ کے لوگ اس طرح بھی کرتے کہ وہ اپنی کنیت اپنی بیٹیوں کے نام کے ساتھ رکھتے تھے۔ بیوی کا بھی دور جاہلیت میں ایک اونچا مقام تھا۔ اسی طرح بیوی کے لئے شوہر سب کچھ ہوتا تھا، اور عورت کو لوگ اپنی آبرو اور ناموس کا اہم ترین حصہ سمجھتے تھے۔ اس سے زیادہ انہیں غضبناک کرنے والی کوئی بات نہیں تھی کہ ان کی عورتوں کو کوئی قیدی بنالے۔ اور اگر کبھی ایسا ہو جاتا تھا تو اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیتے، اور مشکل ترین راہوں سے گزر کر ان کو جالیٹے، اور انہیں آزاد کراتے، اور اس ننگ و عار کو اپنے آپ اور خاندان و قبیلہ سے دھوتے۔ لوگ اپنی عورتوں کو جنگوں میں اپنے ساتھ لے جاتے، تاکہ وہ ہمت بڑھانے والے اور غیرت و حمیت جگانے والے ترانوں کے ذریعہ اُن کی ہمت افزائی کرتی رہیں۔

معلوم ہوا کہ عورت عہد جاہلیت میں تمام علاقوں اور تمام قبائل کے نزدیک مہمل شے نہیں سمجھی جاتی تھی، بلکہ بہت سے قبائل، اور بہت سے سادات و اشراف کے نزدیک اس کا بڑا اونچا مقام تھا^(۱)۔

(۱) دیکھئے تاریخ العرب العام: ۵۰، الحیاء العربیہ فی الشعر الجاہلی: ص ۲۳۰، للدکتور احمد محمد الوائلی، العصر الجاہلی: ۶۷-۷۵، کتاب الحجر:

اقتصادی زندگی

صنعت و حرفت کی قسمیں اور تجارت و اقتصاد:

دور جاہلیت کے تمام عرب ایک ہی طرح کی زندگی نہیں گزارتے تھے۔ پارچہ بانی (کپڑے بنانا) چمڑوں کا کاروبار اور ان کے علاوہ دیگر صنعتیں اہل یمن اور حیرہ اور حدودِ شام پر رہنے والوں میں معروف تھیں۔ اسی طرح جنوب و مشرق اور حجاز کے علاقوں میں، مثال کے طور پر یثرب، خیبر، طائف اور وادیِ قریٰ، میں کاشتکاری کا اچھا خاصہ رواج تھا۔ اور بلادِ عربیہ میں تجارت کی باگ ڈور اہل مکہ کے ہاتھوں میں تھی۔ ہر سال حج کے زمانہ میں مکہ اور اس کے گرد و نواح میں عربوں کے مشہور ترین تجارتی بازار لگتے تھے، اور ان میں ادبی محفلیں منعقد ہوتی تھیں۔ اور مکہ کے تجارتی قافلے جزیرہ نمائے عرب کے اطراف و اکناف میں پہنچتے تھے، اور پڑوسی ممالک، حبشہ، فارس، اور روم والوں کے ساتھ ان کے گہرے تجارتی تعلقات تھے۔

مکہ کی تجارتی اور اقتصادی زندگی میں سودی کاروبار کا بڑا عمل دخل تھا، لوگ اپنا مال و دولت بڑھانے کے لئے اکثر و بیشتر سود کا سہارا لیتے تھے، بسا اوقات سودا صل قرض سے کئی گنا زیادہ ہو جاتا تھا۔

مضاربت کے نوع بہ نوع اقسام، فرضی سامان تجارت کی فروخت، یا اُن سامانوں کی فروخت جو ابھی بیچنے والے کے پاس نہیں پہنچے ہوتے، ثنّاء مکہ کے درمیان عام تھے۔ اسی طرح لوگ کاشت کی پیداوار کٹنی سے بہت پہلے بیچ دیتے تھے، جس کے نتیجہ میں بہت سے خاندان مفلس ہو جاتے تھے، اور بہت سے شب و روز کے درمیان مالدار ہو جاتے تھے۔ اہل مکہ قرب و جوار کی وادیوں اور گھاٹیوں میں چوپائے پالنے کا کام بھی کرتے تھے، اور اس کام کے لئے اپنے غلاموں کو استعمال کرتے تھے۔ بعض اہل مکہ اور ساحلِ سمندر پر رہنے والے عرب قبائل اپنی اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کے لئے شکار بھی کیا کرتے تھے۔

اور بہت سے بدوی قبیلے جو تہامہ، نجد، صحرائے نفود، وادیِ شام و دہناء اور بحرین میں بسے ہوئے تھے، اُن کا کام بھیڑ بکریاں پالنا تھا۔ اور اُن میں سے بہتوں کی روزی روٹی کا دار و مدار صرف لوٹ کھسوٹ پر تھا، بالخصوص نچلے طبقہ کے لوگ اور وہ غریب انسان جن کے پاس نہ بھیڑ بکریاں ہوتی تھیں، اور نہ تجارت و کاشتکاری۔ ایسے لوگ لوٹ کھسوٹ کے لئے جماعتیں (گروپ اور گینگ) بنا لیتے تھے، اور آنے جانے والے تجارتی قافلوں کا انتظار کرتے تھے، اور موقع پاتے ہی ان پر حملہ کر دیتے، اُن میں سے بہتوں کو قتل کر دیتے، اور ان کا مال و متاع لوٹ لیتے۔ یہی سبب ہے کہ ہمیں ان تجارتی قافلوں کی خبروں میں یہ بھی ملتا ہے کہ وہ لوگ صحرائی ڈاکوؤں اور چوروں سے

اپنی حفاظت کے لئے اپنے ساتھ تجربہ کار محافظین (گارڈس) کو لے کر چلتے تھے، جن کی تعداد کبھی کبھار تین سو تک ہوتی تھی۔

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بارش نہ ہونے کے سبب قحط سالی ہو جاتی تو پورا قبیلہ مل کر لوٹ مار کرتا، کیونکہ ان کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہوتا تھا۔

دور دراز علاقوں میں رہنے والے بہت سے لوگ سکھائے اور سدھائے ہوئے خونخوار کتوں کے ذریعہ حیوانات کا شکار کرتے تھے۔ اس طرح بہت سے بادیہ نشینوں کی روزی روٹی وحشی جانوروں کے شکار، لوٹ مار اور بھیڑ بکریوں کے پالنے سے حاصل ہوتی تھی۔ غربت و محتاجی، بھوک اور بدن پر کپڑے نہ ہونے کے سبب ان کی حالت ناگفتہ بہ ہوتی تھی۔



دینی زندگی

جاہلیتِ اولیٰ کے عرب بُت پرست:

زمانہ جاہلیتِ اولیٰ کے اکثر و بیشتر عرب بُت پرست تھے، اور بہت سی خدائی طاقتوں پر ایمان رکھتے تھے جن کا ظہور ستاروں اور دیگر طبعیاتی مظاہر میں ہوتا تھا۔ اور بہت سی ایسی خفیہ قوتوں پر بھی ایمان رکھتے تھے جو (ان کے عقیدہ کے مطابق) نباتات، جمادات، چڑیوں اور حیوانات میں پائی جاتی تھیں۔ اور باقی ماندہ کلدانیوں اور صابیہ (بے دینوں) سے اثر قبول کر کے ستاروں اور کواکب کی بھی پرستش کرتے تھے۔

جنوب کے عرب قبائل ایک ٹالوث مقدس (HOLY TRINITY) پر اعتقاد رکھتے تھے، جو چاند (وڈنامی صنم) سورج (لات نامی صنم) اور زہرہ (عزّی نامی بُت) سے مل کر بنتے تھے۔ اور بعض قبائل تو انسانوں کی تقدیس کرتے تھے۔ تمیم، عُمان، بحرین اور بعض دیگر قبائل عرب میں مجوسیت پھیلی ہوئی تھی، یعنی اُن کا ایمان تھا کہ تدبیرِ عالم کا کام دو معبود (نور و ظلمت یا خیر و شر) مل کر کرتے ہیں۔

عربوں کا قبولِ دینِ ابراہیمی:

بادیہ نشین اور شہروں میں رہنے والے اکثر قبائل عرب نے اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی دعوت کے ذریعہ دینِ ابراہیمی کو قبول کر لیا، صرف ایک اللہ کی عبادت کرنے لگے، اور شرک سے بچنے لگے، اور طویل مدت تک اسی حال پر قائم رہے، پھر لوگ بدلتے گئے، شرک باللہ، ادہام و خرافات اور ان بدعتوں کی طرف لوٹنے لگے جن کی حقانیت کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں نازل کی تھی۔

عربِ مستعربہ نے اسماعیل و ابراہیم کے دین کو بھلا دیا، ان کے پاس اُس دین کے نام اور تعظیمِ کعبہ کے سوا کچھ بھی باقی نہ رہا تھا۔ اُن میں شرک کی ابتدا یوں ہوئی کہ جب وہ لوگ مکہ سے تجارتی سفروں میں نکلتے تو اپنے ساتھ حرم کے پتھر رکھ لیتے، اور جب کسی جگہ پڑاؤ ڈالتے تو انہیں اپنے آگے رکھ کر ان کے گرد طوافِ کعبہ کی طرح طواف کرتے، اور اللہ کو پکارتے، اور جب وہاں سے چلنے لگتے تو ان پتھروں کو اپنے ساتھ لے لیتے۔ اُس کے بعد ایسا ہوا کہ وہ لوگ تو مر گئے، اور اُن کی اولاد میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جو اپنے باپ دادوں سے بھی زیادہ جاہل و نادان تھے، چنانچہ وہ ان پتھروں کی تعظیم کرنے لگے، اور مرورِ زمانہ کے ساتھ انہیں اپنا معبود بنا کر ان کی پرستش کرنے لگے۔

بچوں کو کن لوگوں نے اپنا معبود بنایا:

اسماعیل بن ابراہیم کی اولاد میں سے جس نے سب سے پہلے صنم گری کی، اور ان کے نام رکھے، وہ ہندیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر اور اس کے بیٹے تھے۔ انہوں نے ”سواع“ نامی بُت بنایا جسے بینع میں ایک مکان میں رکھا، اور کلب بن ویرہ نے ذومہ الجندل میں ”وڈ“ نامی ایک بُت بنایا، اور طئ کے قبیلہ النعم اور مدح کے جرش والوں نے جرش میں ”یعوث“ نامی ایک بُت بنایا، اور قبیلہ حمہ ان کی ایک شاخ خیوان نے بلاد یمن کے علاقہ حمہ ان میں ”یعوق“ نامی بُت بنایا، اور حمیر کے ذوالکلاع نے سرزمین حمیر میں ”نسر“ نامی بُت بنایا^(۱)۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ نوح آیات (۲۱-۲۳) میں ان بتوں کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿قَالَ نُوحٌ رَبِّ انَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَنْ لَمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا (۲۱) وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا (۲۲) وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا﴾ (نوح نے کہا: میرے رب! انہوں نے میری نافرمانی کی ہے اور ان لوگوں کی پیروی کرنے لگے ہیں جن کے مال اور اولاد نے ان کے خسارے میں اضافہ کر دیا ہے، اور ان لوگوں نے بڑی زبردست سازش کر لی ہے، اور کہا کہ لوگو! تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑو، اور تم ”وڈ“ کو نہ چھوڑو، اور نہ ”سواع“ کو اور نہ ”یعوث“ اور ”یعوق“ اور ”نسر“ کو)۔

عمرو بن لُحی نے مکہ اور حجاز میں بتوں کو داخل کیا:

ابن الکلی نے لکھا ہے کہ ایک بار عمرو بن لُحی جدہ کے ساحل پر آیا، تو اسے وہاں کچھ اصنام ملے جنہیں سمندر کی موجوں نے ساحل پر پہنچا دیا تھا، وہ انہیں تہامہ لے گیا، اور قبائل عرب کو ان کی پرستش کی دعوت دی۔ بعض کا خیال ہے کہ عمرو بن لُحی خزاعی (جو اپنے زمانہ میں مکہ کا رئیس تھا) کچھ بُت اور مجسمے ملک شام سے مکہ لے کر آیا تھا۔ اور ایک بار جب وہ شام گیا تو وہاں اُس نے علاقہ کو بچوں کی پرستش کرتے دیکھا، اسے یہ بات اچھی لگی، اور ایسا کرنا صحیح سمجھا، چنانچہ اُس نے اُن سے کہا کہ کیا تم مجھے ان بتوں میں سے ایک دو گے؟ انہوں نے اسے ایک بت دے دیا جس کا نام بَہِل تھا، اسے وہ مکہ لے کر آیا، اور ایک جگہ اُسے نصب کر دیا، اور لوگوں کو اس کی عبادت و تعظیم کا حکم دیا۔ لوگوں نے اس کی بات مان لی، پھر دیکھتے ہی دیکھتے تمام اہل حجاز مکہ والوں کی پیروی کرنے لگے۔ اس لئے کہ یہ لوگ اللہ کے گھر کعبہ کے حُدام اور حرم میں رہنے والے تھے۔

کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ ایک بار عمرو بن لُحی ایام حج میں تبلیہ کہہ رہا تھا، کہ شیطان ایک معمر آدمی کی

صورت میں اس کے ساتھ تبلیہ کہنے لگا۔ عمرو نے جب "لَبِيكَ لَا شَرِيكَ لَكَ" کہا تو بوڑھے نے کہا: "إِلَّا شَرِيكَاً هُوَ لَكَ" (یعنی ایک معبود کے سوا جو تیرا شریک ہے) عمرو نے جب یہ سنا تو انکار کرتے ہوئے کہا کہ یہ کیا ہے؟ بوڑھے نے کہا: کہو: "تَمْلِكُهُ وَمَا مَلِكُ" (یعنی تو اُس شریک کا اور اُن سب چیزوں کا مالک ہے جن کا وہ مالک ہے) عمرو اسی طرح کہنے لگا، اور سارا عرب ایسا ہی کہنے لگا^(۱)۔

امام بخاری نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں نے عمرو بن لُحی خزاعی کو دیکھا کہ وہ جہنم کی آگ میں اپنی انتڑیاں گھسیٹ رہا تھا"^(۲)۔ اور ابن اسحاق کی ایک روایت میں ہے جسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "عمرو بن لُحی پہلا شخص تھا جس نے دین ابراہیمی میں تحریف کی، بُت پرستی کی بنیاد رکھی، جانوروں کو بچوں کے نام پر چھوڑا، اور انہیں ان کی نذر کیا"^(۳)۔

اسلام سے پہلے عربوں میں عام بُت پرستی:

آدمی جب تاریخ کے جھروکے سے اقوام عرب کے دین، اور ان خرافات و اُوہام پر ایک طائرانہ نظر ڈالتا ہے جن سے وہ چمٹے ہوئے تھے، اور اُن بچوں پر جن کی وہ پرستش کرتے تھے، تو اسے یقین ہو جاتا ہے کہ ان کے پاس ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے دین کا صرف نام ہی باقی رہ گیا تھا، عملی زندگی میں اُن کا دین و مذہب بتوں کی پرستش (جیسا کہ میں نے اوپر لکھا ہے) اور خرافات و اُوہام میں اعتقاد رکھنے کے سوا کچھ نہ تھا۔ آئندہ صفحات میں رُوحوں اور جنوں کے بارے میں ان کے اعتقادات کا بیان آئے گا، اور یہ بھی بتایا جائے گا کہ ہر قبیلہ بلکہ ایک قبیلہ کے مختلف خاندانوں کے الگ الگ اصنام ہوتے تھے، جن کی بارگاہ میں وہ بزمِ خویش پناہ لیتے تھے، اُن سے تبرک حاصل کرتے تھے، اُن سے قوت مانگتے تھے، اور اُن سے دنیاوی منافع و حاجات طلب کرتے تھے۔

اس لئے میں کہہ سکتا ہوں کہ اُن کی شبانہ روز کی زندگی پوری طرح بُت پرستی سے وابستہ تھی، اور وہ عقیدہ توحید جس کی بنیاد ابراہیم اور اسماعیل نے رکھی تھی، بچوں کی بھیڑ میں گم ہو چکا تھا۔ اُن کے پاس عقیدہ توحید کا صرف اتنا حصہ باقی رہ گیا تھا کہ اللہ ہی آسمانوں اور زمین کا خالق ہے، اور دنیا اور اس کے کاموں میں تصرف بچوں کے پاس تھا، جیسا کہ اس زمانہ میں ہندوؤں کا عقیدہ ہے، جس کے مطابق وہ اپنی ہر دنیاوی ضرورت اور ہر معاملہ کے لئے الگ الگ بُت رکھتے ہیں۔

(۱) ابن الکلبی: ص ۵۱، ۵۵، ۵۶، اور مکہ، فی عصر ما قبل الإسلام: ص ۶۷، اور مختصر السیرہ: ص ۳۰-۳۲۔

(۲) صحیح البخاری: حدیث (۳۵۲۱)، صحیح مسلم: حدیث (۲۸۵۶)۔

(۳) مختصر السیرہ: ص ۳۰-۳۲۔

غرض کہ عرب اقوام میں بتوں، پتھروں اور درختوں کی پرستش جنوب و شمال اور مشرق و مغرب ہر طرف عام تھی، فتح مکہ کے وقت خانہ کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ (۳۶۰) سے زیادہ بُت پائے جاتے تھے، انہی میں قریش کا سب سے بڑا بُت ”ہبل“ تھا۔ ابن الکلبی وغیرہ نے خاص طور سے مشرکین مکہ اور بالعموم مشرکین عرب کے بہت سے بُتوں کے نام گنائے ہیں۔

اُن عربوں کی گمراہی اور بے بصیرتی کا عالم یہ تھا کہ وہ اُن بتوں کے پاس بڑے بڑے تراشے ہوئے پتھر نصب کرتے تھے، اور اُن پر اُن مذبح جانوروں کا خون بہاتے تھے جنہیں وہ اپنے معبودوں اور بُتوں کے نام سے ذبح کرتے تھے، اُن پتھروں کو وہ لوگ مقدس مانتے تھے، اور اعتقاد رکھتے تھے کہ یہ پتھر بعض روحوں کی جگہیں ہیں۔ اُن کی ضلالت و گمراہی یہ بھی تھی کہ وہ اُن گھروں کا حج کرتے تھے جن میں وہ بُت رکھے جاتے تھے، اُن گھروں کو کعبہ کا نام دیتے تھے، جیسے کعبہ ذی الخلصہ، کعبہ یمانیہ، اور کعبہ طائف جو اُن کے بُت (اللات) کا گھر تھا۔ اُن کے نزدیک نذر و نیاز اور چڑھاوے چڑھانے کے بہت سے طریقے تھے، اور اپنے بتوں کے بارے میں ان کے بہت سے بے بنیاد اعتقادات تھے۔ ان کے سامنے جمین نیاز خم کرتے تھے، ان کا حج کرتے تھے، اُن پر نوع بہ نوع چڑھاوے چڑھاتے تھے، ان کے گرد طواف کرتے تھے، ان پر انواع و اقسام کے کھانے پینے کی چیزیں چڑھاتے تھے، اور اپنی کاشت اور چوپایوں کا ایک حصہ اُن کے لئے مخصوص کر دیتے تھے۔ بجیرہ، سائبہ، و صیلہ اور حامی، جانوروں کے انہی اقسام میں سے تھے جنہیں وہ اُن بُتوں کے لئے خاص کر دیتے تھے۔

معلوم ہوا کہ وہ اقوام عرب اپنے دین اور اپنے خالق و پروردگار سے تعلق کے اعتبار سے پورے طور پر گمراہ ہو چکے تھے۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے اُن پر رحم کیا، دین اسلام آیا، اور لوگ جوق در جوق اس میں داخل ہو گئے، اپنے بتوں کو پاش پاش کر دیا، اوہام و خرافات سے نجات حاصل کر لی، اور مسلمان قوم بن کر ابھرے جو صرف اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، اور اس ذاتِ برحق کے سوا کسی پر یقین نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ نے آلِ عمران آیت (۱۰۳) میں فرمایا ہے: ﴿وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُم مِّنْهَا﴾ (اور تم لوگ جہنم کی کھائی کے کنارے پہنچ چکے تھے، تو اللہ نے تمہیں اس سے بچالیا)۔

روحوں، جنوں، ستاروں اور آگ پر عربوں کا ایمان:

عرب لوگ اچھی روحوں (فرشتوں) اور بُری روحوں (شیطانوں) پر بڑا ایمان رکھتے تھے۔ اُن کا اعتقاد تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے شریکوں کی جناب میں اُن کی شفاعت کرتے ہیں۔ وہ لوگ جنوں سے ڈرتے تھے، اُن کی عبادت کرتے تھے، اور اُن کے درمیان نسب ثابت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے

فرمایا ہے: ﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ﴾ (اور انہوں نے جنوں کو اللہ کا شریک بنایا) [الانعام: ۱۰۰]۔ اور ابھی کچھ پہلے گزرا ہے کہ بعض عرب نجوم و کواکب یعنی آفتاب و ماہتاب، زہرہ، دبران، عیون، ثریا، شغری، مرزم اور عطار و سہیل کی پرستش کرتے تھے۔

اور ستاروں کی پرستش کرنے والے صابئہ کے نام سے جانے جاتے تھے، جن کا ذکر سورۃ البقرہ آیت (۶۲) میں آیا ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَى وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (بے شک جو لوگ ایمان لائے، اور جو لوگ یہودی ہو گئے، اور نصاریٰ، اور بے دین لوگ (ان میں سے) جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائیں گے، اور عمل صالح کریں گے، ان کو ان کے رب کے پاس اجر ملے گا، اور ان کو کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ ان کو کوئی غم لاحق ہوگا) اور سورۃ الحج آیت (۱۷) میں آیا ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ وَالنَّصَارَى وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ (بے شک جو لوگ ایمان لائے، اور جو لوگ یہودی ہو گئے، اور بے دین لوگ، اور نصاریٰ، اور آگ کی پوجا کرنے والے، اور جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک بنایا، اللہ قیامت کے دن ان سب کے درمیان فیصلہ کرے گا، بے شک اللہ ہر چیز کا گواہ ہے) یہی صابئہ لوگ ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں تھے، اور یہ دنیا کا ایک قدیم مذہب رہا ہے۔

تیسروں کے ذریعہ فال نکالنا:

یہ عرب لوگ تیسروں کے ذریعہ فال نکالتے تھے، اس کا طریقہ یہ تھا کہ تین تیسروں میں سے ایک پر لکھتے تھے: مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے، دوسرے پر لکھتے تھے: مجھے منع کر دیا ہے، اور تیسرے کو خالی چھوڑ دیتے تھے، اس پر کچھ نہیں لکھتے تھے۔ اس طریقے سے وہ اپنی شادی، طلاق، سفیریا تجارت وغیرہ جیسے معاملات کے لئے فال نکالتے تھے۔ پہلا تیر نکلتا تو اس کام کو کرتے، دوسرا نکلنے کی صورت میں اُسے چھوڑ دیتے، اور تیسرا خالی تیر نکلنے کی صورت میں دوبارہ فال نکالتے۔ ایسا کرنا جوے کی ایک شکل ہے جسے اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔

نجومی، کاہن اور ہاتھوں اور چہروں کے نقوش پڑھنے والوں کا اُن کی روزانہ کی زندگی میں بہت بڑا دخل تھا۔ ہمیشہ غیبی اسرار و رموز، چوری کی ہوئی چیز اور مستقبل میں پیش آنے والے حوادث و احوال کو جاننے کے لئے ایسے لوگوں کا سہارا لیتے تھے۔

اگر راستہ چلتے ہوئے انہیں کوئی چڑیا یا حیوان نظر آجاتا تو فوراً بدشگونی لیتے۔ بعض ایام، بعض مہینوں، بعض حیوانات، بعض مکانات اور بعض عورتوں سے بدشگونی لیا کرتے تھے۔ ان کا عام اعتقاد تھا کہ بیماریاں ایک کو دوسرے سے پھنتی ہیں، اور یہ کہ مقتول کی روح اُن کی شکل میں میدانوں میں اڑتی رہتی ہے، اور اُسے سکون نہیں ملتا، یہاں تک کہ اس کے وارثین اُس کا انتقام لے لیں۔

اہل قریش کے بہت سے ایسے فاسد اعتقادات تھے جن کا دین ابراہیمی و اسماعیلی سے کوئی تعلق نہیں تھا، اور اللہ تعالیٰ نے اس کی کوئی دلیل نازل نہیں کی تھی۔

عرب ممالک میں یہودیت و نصرانیت:

ہمیں اب تک کی تفصیلات سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ دور جاہلیت میں اکثر و بیشتر عرب بُت پرست تھے، اور اوہام و خرافات کی تاریکیوں میں زندگی گزارتے تھے، لیکن بعض بلاد عربیہ مثال کے طور پر یمن اور حجاز میں یہودیت و نصرانیت نے زمانہ قدیم سے اپنے قدم جما رکھے تھے۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ یہودیوں کا اصل ملک فلسطین تھا، ۵۸۶ ق.م میں اس پر تختہ خراب ہو گیا، اسے تہ و تاراج کر دیا، اور ہیکل سلیمانی کو مسمار کر دیا، اور بہت سے اہل فلسطین کو پابند سلاسل کر کے بابل پہنچا دیا۔ اور ان میں سے بہت سے لوگوں نے بھاگ کر سرزمین حجاز میں پناہ لے لی، اور اس کے شمالی علاقوں میں رہائش پذیر ہو گئے۔ ۷۰۰ ق.م میں رومیوں کا بادشاہ طیطوس فلسطین پر قابض ہو گیا، اور ہیکل سلیمانی کو مسمار کر دیا جسے یہودیوں نے دوبارہ بنایا تھا، اور اہل فلسطین کو بُری طرح تتر بتر کر دیا، چنانچہ بہت سے یہودی قبائل فلسطین سے کوچ کر کے حجاز پہنچ گئے، اور کچھ دیگر قبائل نے یمن میں پناہ لے لیا۔

۱۳۲ء میں رومیوں کے بادشاہ ہدریان کا فلسطین میں موجود یہودیوں کے ساتھ ٹکراؤ ہو گیا۔ ہدریان کی طرف سے یہودیوں پر زبردست دباؤ پڑا، ان میں سے بہتوں کو قتل کر دیا، اور بہت سے فلسطین سے نکال دیئے گئے جنہوں نے حجاز میں آکر وہاں پہلے سے آباد یہودی قبائل کے آس پاس پناہ لے لی۔ اس طرح سرزمین عرب میں یہودیوں کی دو جماعتیں سکونت پذیر ہو گئیں۔

سرزمین یمن میں یہودیوں کا اجتماع:

(۱) اوپر لکھا جا چکا ہے کہ ۷۰۰ ق.م میں بہت سے یہودی فلسطین سے بھاگ کر یمن پہنچ گئے۔ اس کے علاوہ یمن میں یہودی مذہب کے پھیلنے کا دوسرا سبب یہ ہوا کہ وہاں کے بادشاہ ابونواس کا اثر و رسوخ سرزمین حجاز میں

بہت دور تک پھیل گیا تھا۔ اُن علاقوں میں ایک طویل مدت تک اس کے قیام پذیر ہونے کے سبب وہ یہودی مذہب سے متاثر ہو کر اس پر ایمان لے آیا، اور یمن واپسی کے وقت اپنے ساتھ دو یہودی علماء کو بھی لے کر آیا، ان دونوں نے یمن پہنچ کر لوگوں کو یہودیت کی دعوت دینے کے لئے انتھک کوشش کی، چنانچہ اہل نجران کے بہت سے لوگوں نے یہودیت کو قبول کر لیا۔

یوسف بن ابونواس ہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے: ﴿قَتَلَ أَصْحَابُ الْأَخْذُودِ (۴) النَّارِ ذَاتِ الْوُقُودِ (۵) إِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُودٌ (۶) وَهُمْ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ شُهُودٌ (۷) وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَن يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ﴾ (ہلاک ہو گئے خندقوں والے، یعنی ایندھن والی آگ سگانے والے، جب وہ لوگ اس کے کنارے بیٹھے تھے، اور مومنوں کے ساتھ جو ظلم کر رہے تھے، اسے دیکھ رہے تھے، اور ان کی دشمنی ان مومنوں سے صرف اس وجہ سے تھی کہ وہ لوگ اُس اللہ پر ایمان لے آئے تھے جو زبردست ہے، تمام تعریفوں کا سزاوار ہے) [البروج: ۴-۸]۔

اس نے نجران کے نصرانیوں پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑ دیئے تھے، یہی وہ صاحبِ اخدود (خندق والا) ہے جس نے ایک مہیب خندق کھود کر اس میں نجران کے ہزاروں نصرانیوں کو جلا دیا تھا۔

سرزمینِ حجاز میں یہودیوں کا اجتماع:

(۲) سرزمینِ حجاز میں بھی بہت سے یہودی قبائل اور خاندان جمع ہو گئے تھے، اور حجاز کے زرخیز علاقوں؛ یثرب، خیبر، وادیِ قری، فذک اور تباع میں پھیل گئے تھے۔ یثرب میں ان کے کئی سارے خاندان اور قبیلے آباد ہو گئے تھے۔ ان میں سے اہم قبائل بنی نضیر، بنی قریظہ، بنی قنیقاع اور بنی بہدل کے نام سے جانے جاتے تھے۔ مورخ سمہودی نے لکھا ہے کہ یثرب اور اس کے قرب و جوار میں رہائش پذیر یہودی قبائل کی تعداد بیس سے زیادہ تھی^(۱)۔

اوس و خزرج کے قبائل ان کے بعد یمن سے آئے، اور ان کے درمیان سکونت پذیر ہو گئے، اور مزور زمانہ کیساتھ یہودیوں پر اپنی قیادت و سیادت تھوپ دی۔ ان یہودی قبائل کا پیشہ کاشتکاری، زرگری، لوہاری، اسلحہ سازی اور پارچہ بانی (کپڑا بننے کا کاروبار) تھا، اور ہمیشہ ہی اوس و خزرج والوں کے درمیان عداوت کے بیج بونے کے لئے سازشیں کرتے رہتے تھے، جس کا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ ان کے درمیان کینہ اور بغض کی بنیاد پڑ گئی اور اوس و خزرج دونوں یہودیوں کے بنائے ہوئے ہتھیاروں کے ذریعہ خونی جنگوں میں مشغول ہو گئے۔ دونوں ایک دوسرے کو ایک طویل مدت تک گاجر مولیٰ کی طرح کاٹتے رہے، بالآخر اسلام کی دولت پانے کے بعد دونوں قبیلے

آپس میں اللہ کے لئے محبت کرنے والے بھائی بھائی ہو گئے۔ لیکن ان کے خلاف یہودیوں کی سازشیں بند نہیں ہوئیں، بلکہ اسلام آنے کے بعد ہمیشہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف پیدا کرنے کی کوششیں کرتے رہے، اور گھناؤنی سے گھناؤنی سازش سے باز نہیں آئے۔ یہ لوگ مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ کفارِ قریش اور دیگر اہل کفر و شرک کو ابھارتے رہے۔ اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ انہیں مدینہ سے جلاوطن کرنے پر مجبور ہو گئے، پھر جب امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا مبارک زمانہ آیا تو انہوں نے یہودیوں کی مسلسل شرپندی، مسلمان کے درمیان فتنہ انگیزی، اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں رچنے کے سبب انہیں خیبر اور اس کے آس پاس کے تمام علاقوں سے نکال بھگایا۔ چنانچہ چند ایک افراد کے علاوہ وہ سب کے سب جزیرہ عرب سے نکل کر دور دراز علاقوں میں چلے گئے^(۱)۔

یمن اور شمالی جزیرہ کے مغربی اور مشرقی علاقوں میں مسیحیت پھیل گئی تھی، اس کی نشر و اشاعت ۳۳۰ء سے شروع ہوئی، جب اہل حبشہ یمن پر قابض ہوئے، جو وہاں ۸۷۱ء تک باقی رہے۔ ان علاقوں پر رومانیوں کے قبضہ کے بعد مسیحیت کی تبلیغ اور تیز ہو گئی، اس لئے کہ وہ ان علاقوں پر اپنے اثر و رسوخ کو مضبوط کرنے کے لئے مسیحی مبلغین کی جماعت در جماعت بھیجتے رہے۔

ابن اسحاق بن نجران کے علاقہ میں مسیحیت کے داخلہ سے متعلق وہب بن منبہ کی ایک حدیث روایت کی ہے جس میں لکھا ہے کہ شام کا فیمیون نامی ایک آدمی جو نیکی اور ظہورِ کرامات کے ساتھ مشہور تھا ایک دوسرے آدمی کے ساتھ بلادِ عربیہ کے سفر پر نکلا، راستے میں کچھ لوگوں نے ان دونوں کو اپنا غلام بنالیا اور نجران جا کر انہیں بیچ دیا۔ ان دنوں اہل نجران کا مذہب بت پرستی تھا۔ فیمیون کو نجران کے ایک معزز آدمی نے خرید لیا، اس نے دیکھا کہ وہ رات میں نماز پڑھتا ہے، اور اس کا گھر اس کے وجود سے پُر نور رہتا ہے۔ اس نے اس سے اس کے مذہب کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے دین کا ماننے والا ہے، اور موقع کو مناسب پا کر یہ بھی بتایا کہ نجران والوں کا دین باطل ہے، اور یہ کہ صرف اللہ برحق معبود ہے، اور کھجور کا وہ درخت جسے اہل نجران پوجتے ہیں نہ نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان، اور یہ کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا تو وہ اسے گرا دے گا، پھر اس نے دعا کی تو ایک تیز ہوا چلی جس کے سبب وہ درخت جڑ سے اکھڑ کر گر گیا جس کے نتیجے میں اس معزز آدمی نے مسیحیت کو قبول کر لیا، اور دیگر بہت سے لوگوں نے بھی اس کی پیروی کر لی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک دوسرا نیک آدمی جس کا نام عبداللہ بن ثامر تھا اس کے سبب بھی نجران میں مسیحیت

خوب پرواں چڑھی۔ وہاں کے بادشاہ نے اسے گرفتار کر لیا، اور اسے شدید ترین عذاب میں مبتلا کیا، اور اسے قتل کرنا چاہا، لیکن وہ ایسا نہ کر سکا۔ تب ابن ثامر نے اس سے کہا کہ جب تک تم اللہ کی وحدانیت کو بیان نہیں کرو گے مجھے قتل نہیں کر سکو گے، بادشاہ نے ایسا کیا اور پھر ابن ثامر پر ضرب لگائی اور اسے قتل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد بادشاہ بھی فوراً مر گیا اور تمام اہل نجران نے عبد اللہ بن ثامر کے دینِ مسیحیت کو قبول کر لیا۔ نجران میں مسیحیت کی ابتدا یہیں سے ہوئی^(۱)۔

مبلغین مسیحیت اور حبشہ کے نصاریٰ اور شاہانِ روم کی انہی کوششوں کے نتیجے میں نجران اور اس کے گرد و نواح میں مسیحیت خوب پھیلی پھولی، اور ابرہہ کے دور میں ان علاقوں میں بہت سے گرجے بنائے گئے۔ وہی ابرہہ جس کی قیادت میں حبشہ کے نصرانی نجران میں داخل ہوئے تھے۔ ابرہہ نے ان گرجوں کے زیب و زینت اور آرائش کا بڑا اہتمام کیا۔ ان میں سب سے مشہور شہر صنعاء کا ”قلیس“ نامی گرجا تھا، اس پر اس نے سونے، چاندی اور مختلف اقسام کے ہیروں اور جواہرات کے نقوش کندہ کروائے، اور اس میں سونے اور چاندی کے بنے ہوئے صلیب اور ہاتھی کے دانت اور آبنوس کے بنے ہوئے منبر نصب کروائے۔ اسلام آنے کے بعد اہل صنعاء نے اسے مسجد میں بدل دیا جواب تک موجود ہے۔^(۲)

شام میں رہنے والے عرب قبائل غسانہ اور ان کے علاوہ دیگر قبائل مثلاً عاملہ، جذام، کلب، اور قضاعہ میں بھی مسیحیت پھیل گئی تھی، اور عراق میں رہنے والے عرب قبائل تغلب اور عیاد و بکر کے درمیان بھی مسیحیت اپنے قدم جما چکی تھی۔ اور یہی حال حیرہ کا بھی تھا، حالانکہ وہاں کے حکام اور عام لوگوں کا مذہب بُت پرستی تھا، اور اپنے آپ کو عبادِ بتین یعنی اللہ کے بندے کہتے تھے، تاکہ پڑوس میں رہنے والے دیگر بُت پرستوں سے اپنے آپ کو ممتاز رکھ سکیں، البتہ آلِ منذر کے حکام نے بہت بعد میں نصرانیت کو قبول کیا۔ اور کہا جاتا ہے کہ عمرو بن منذر کی ماں ہند نے وہاں ایک گرجا بنوایا تھا، بعض کا کہنا یہ ہے کہ اس گرجے کو ہند بنت منذر نے بنوایا تھا، جس کے بھائی نعمان بن منذر نے مسیحیت کو قبول کر لیا تھا، یہ نعمان آلِ منذر کا آخری فرماں روا تھا^(۳)۔

مکہ میں حبشی غلاموں کی ایک بڑی تعداد پائی جاتی تھی، اور کہا جاتا ہے کہ روم کے مسیحیوں کی بھی ایک جماعت وہاں رہتی تھی، اور مرّ الظہران میں ایک مسیحی راہب رہا کرتا تھا۔ مؤرخ یعقوبی کا خیال ہے کہ اسلام سے پہلے

(۱) السیرۃ النبویہ، ابن ہشام: ص ۳۱-۳۲۔

(۲) مکہ، فی عصر ما قبل الإسلام: ص ۹۰-۹۱۔

(۳) العصر الجاہلی: ص ۹۹، ۱۰۰۔

قریشیوں کی ایک جماعت نے مسیحیت کو قبول کر لیا تھا، انہی میں سے ورقہ بن نوفل، عتبہ بن ابی لہب اور عثمان بن حویرث الاسدی وغیرہم تھے۔ بعض کا یہ بھی خیال ہے کہ مدینہ میں بھی کچھ مسیحی پائے جاتے تھے، اور بلادِ طی اور دومتہ الجندل میں مسیحیت خوب پھیلی ہوئی تھی۔

ان معلومات سے پتہ چلتا ہے کہ بعض عرب قبائل میں مسیحیت پھیلی ہوئی تھی، برخلاف یہودیت کے جو فلسطین و یمن سے ہجرت کر کے آنے والے یہودی قبائل میں ہی سمٹ کر رہ گئی تھی۔ لیکن قبائلِ عرب کے مسیحی اپنے جدید دین کی گہرائیوں تک نہیں پہنچے تھے، اور ان کا تعلق اپنے دینِ جدید سے ایسا گہرا نہیں تھا، جیسا کہ یہودیوں کا اپنے دینِ یہودیت سے تھا، جس کی بنیاد انتہاء پسند عصبیت اور تنگ نظری پر تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ان عرب مسیحیوں نے اپنے دین میں اس بت پرستی کی بہت سی عادات و صفات کو ملا دیا تھا جو زمانہ قدیم سے ان قبائل میں رچی بسی تھیں۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنے دینِ جدید کے صرف ظاہری امور کو ہی جانا تھا، اس کی تاریخی جڑوں سے بالکل ناواقف تھے (۱)۔



دین ابراہیمی کی تلاش

ایک دینی تحریک

اسلام سے قبل بلادِ عربیہ کی دینی حالت کا علم ہوا، یہودیت اور نصرانیت دونوں ہی مذاہب زوال پذیر اور توحیدِ خالص سے تمام تر دور ہو چکے تھے جو اویانِ سماویہ کی بنیاد ہے۔ بُت پرستی کی بنیاد یکسر باطل پر ہے، عربوں نے اُس عقیدہ توحید کو یکسر گنوا دیا تھا جو انہیں اپنے آباء ابراہیم و اسماعیل سے وراثت میں ملا تھا، اور صنم پرستی اور وثنیت کے بھنور میں اپنی ناک تک ڈوب چکے تھے بلکہ اس میں بالکل غرق ہو گئے تھے جیسا کہ ابھی ہمیں معلوم ہوا ہے۔

دعوتِ توحید اور ابراہیم و اسماعیل کے دین سے اس خطرناک دوری کے فطری نتیجہ کے طور پر عرب سوسائٹی میں بہت سے ایسے لوگ پائے گئے جنہوں نے بتوں کی پرستش کا انکار کر دیا، اور ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ لائے گئے صحیح دین کی تلاش میں سرگرداں رہنے لگے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ایک بار اہلِ قریش اپنے ایک بُت کے پاس خوشیاں منا رہے تھے کہ ان کے درمیان سے ورقہ بن نوفل، عبید اللہ بن جحش، عثمان بن حویرث اور زید بن عمرو بن نفیل نکل گئے، اور اس بات کا برملا اعلان کر دیا کہ ہماری قوم کا اُس دین صحیح سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا جسے لے کر ابراہیم علیہ السلام آئے تھے، اور یہ کہ ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا کہ ہم اپنے لئے ایک صحیح دین تلاش کریں۔ چنانچہ ورقہ بن نوفل نے مسیحیت سے اپنا رشتہ استوار کر لیا، عبید اللہ بن جحش یونہی سرگرداں پھرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام کی نعمت سے نوازا، اور عثمان بن حویرث روم جا کر مسیحی ہو گیا۔ اور زید بن عمرو بن نفیل نے بُت پرستی سے کنارہ کشی اختیار کر لی، اور اپنی قوم کے دین کو چھوڑ دیا، لیکن اس نے یہودیت یا مسیحیت کو قبول نہیں کیا، یہاں تک کہ اُس نے دینِ حنیفیت پر وفات پائی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لئے خیر اور بھلائی کی گواہی دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ قیامت کے دن ایک الگ امت کی حیثیت سے اٹھایا جائے گا۔

محمد بن اسحاق نے سعید بن زید بن عمرو بن نفیل اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ان دونوں صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کیا ہم زید بن عمرو بن نفیل کے لئے دعائے استغفار کریں؟ تو آپ نے کہا: وہ ایک الگ امت کی حیثیت سے اٹھایا جائے گا۔

امام بخاری نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے زید بن عمرو بن نفیل کی تلاشِ دین ابراہیمی میں بلادِ شام تک

جانبینے کی روایت نقل کی ہے، جس کے آخر میں اس کا یہ قول آیا ہے کہ اے اللہ! گواہی دیتا ہوں کہ میں دینِ ابراہیمی پر ہوں^(۱)۔

دینِ حق کی تلاش کرنے والے ایسے لوگ صرف مکہ ہی میں نہیں تھے، بلکہ دیگر قبائلِ عرب میں بھی بکثرت پائے جاتے تھے۔ تاریخِ وادب کی کتابوں نے ان میں سے بعض کے نام ذکر کئے ہیں؛ جیسے قس بن ساعدہ ایادی، زید بن عمرو بن نفیل، امیہ بن ابی صلت، سوید بن عامر مصطلق، اسعد ابوبکر حمیری، ورقہ بن نوفل قرشی، زہیر بن ابی سلمیٰ، کعب بن لوی بن غالب اور عثمان بن حویرث وغیرہم۔

اس سے یقینی طور پر پتہ چلتا ہے کہ ان کے علاوہ بھی بہت سے لوگ حق کی تلاش میں حیران و سرگرداں تھے، لیکن جیسا کہ دنیا کی کسی بھی سوسائٹی کا حال ہوتا ہے کہ صرف مشہور لوگوں کے ہی نام جانے جاتے ہیں۔

یہ تمام لوگ بت پرستی سے بیزار ہو چکے تھے، اور ان تمام اجتماعات، محفلوں اور عادات و اطوار سے انہیں نفرت ہو چکی تھی جن کا تعلق بت پرستی سے تھا۔ ان سب کا اللہ کی وحدانیت میں اعتقاد تھا جس کی دعوت ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں کو دی تھی۔ اس عقیدہ توحید میں تمام متلاشیانِ حق برابر تھے، چاہے وہ لوگ جنہوں نے مسیحیت کو قبول کر لیا اور راہِ حق سے بھٹک گئے، یا وہ لوگ جو اسی طرح سرگرداں رہے یہاں تک کہ اسلام آگیا، اور انہوں نے اسے قبول کر لیا، یا وہ لوگ جو اپنے دینِ حنفی پر وفات پا گئے جیسے زید بن عمرو بن نفیل اور اس کے علاوہ وہ تمام لوگ جن کے نام ہمیں معلوم نہیں ہو سکے۔

بت پرستی اور شرک باللہ کے خلاف اس مذہبی تحریک کا بلاشبہ جزیرہ عرب میں بت پرستی کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے میں زبردست کردار رہا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ عہدِ نبوی سے قریب تر زمانہ جاہلیت میں پائے جانے والے بہت سے شعراء اور اہم شخصیتوں نے بتوں کا مذاق اڑایا، اور اس کی پرستش کا انکار کر دیا۔ لیکن اس سے یہ بات ہرگز نہیں سمجھنی چاہئے کہ مشرکینِ عرب عام طور پر اور مشرکینِ مکہ خاص طور پر توحید کی دعوت کو قبول کرنے اور بت پرستی کا انکار کر دینے کے لئے ذہنی طور پر تیار تھے، بلکہ اس کے برعکس جب ہم ابتدائے اسلام کی تاریخ اور مشرکین کی اس سے عداوت اور دعوتِ اسلامیہ کی جڑوں کو اکھاڑ مھینکنے کے لئے انسانی دل و دماغ میں جتنے ممکن اسباب و وسائل کا خیال گور سکتا تھا، ان تمام کا مشرکین کی طرف سے اختیار کرنا اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ بت پرستی کی جڑیں ان کے دلوں اور ذہنوں میں اتنی گہرائی تک اتری ہوئی تھیں کہ دعوتِ اسلامیہ کو قبول کرنے کی کوئی ادنیٰ صلاحیت بھی ان کے اندر باقی نہیں رہی تھی۔

خاص طور سے اہل مکہ جو تمام عربوں کی نظر میں نہایت معزز و مکرم اور اہل سیادت و قیادت جانے جاتے تھے، یہ لوگ اس لاعلاج اعتقادی مرض میں مبتلا تھے کہ انہیں یہ سب کچھ اپنے بتوں کی برکت سے ملا ہے، اور یہ کہ ان کی پرستش کا انکار کر دینا، انہیں منہدم کر دینا، اور مکہ کو ان سے پاک کر دینا اس بات کے مترادف ہے کہ انہیں آسمان عزت و شرف سے گرا کر ذلت و حقارت کے گڈھے میں پہنچا دینا ہے۔

اس لئے وہ ذہنی طور پر اس کے لئے قطعی طور پر تیار نہیں تھے کہ وہ اپنے باطل دین کو چھوڑ کر جس کی بنیاد بُت پرستی اور اودھام و خرافات پر ہے، اس اسلام کو قبول کر لیں جسے لے کر نبی کریم ﷺ دنیا میں تشریف لائے تھے، اور جس کی بنیاد ایک اللہ کی عبادت اور شرک کے تمام اقسام کے انکار پر ہے۔

اس شدید گھناؤپ تاریکی، اخلاقی انحطاط، جاہلی رسوم و عادات، اور مغرض ترین بُت پرستی کے ماحول میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خاتم النبیین کو مبعوث فرمایا، تاکہ ان تمام خرابیوں کا خاتمہ کر کے عقیدہ توحید اور دین اسلام کی بنیاد رکھیں۔ عالم انسانیت پر اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم کا یہی تقاضا تھا، جیسا کہ عنقریب ان شاء اللہ اس کی تفصیل آئے گی۔ آپ ﷺ دنیا میں اس لئے تشریف لائے تاکہ انسانوں کا رشتہ ان کے رب سے استوار کریں، اور انہیں بتائیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی معبود برحق ہے، اس لئے انہیں چاہئے کہ وہ کسی حال میں بھی اس کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کریں، اور اس کے سوا کسی چیز کے سامنے سر بسجود نہ ہوں^(۱)۔

(۱) دیکھئے مزید تفصیل کے لئے: الشعر الجاہلی: ص ۹۶، ۹۷، مکہ، فی عصر ما قبل الإسلام: ص ۹۵-۹۹، السیرہ النبویہ، ابن ہشام: ۱/۲۳، اور

اس کے بعد، اور محمد رسول اللہ: تالیف محمد صادق عرجون: ۱/۱۲۲۔

زمانہ جاہلیت

قوموں کی تاریخ میں بدترین زمانہ

زمانہ جاہلیت سے مراد کیا ہے:

عرب مؤرخین وادباء زمانہ جاہلیت کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

زمانہ جاہلیت اولیٰ: جزیرہ عرب کے اُس قدیم دور تاریخ کو کہتے ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے اور ان کے بعد کا زمانہ ہے۔ پانچویں صدی عیسوی کے اواخر کے قبل جزیرہ عرب کی تاریخ پر لاعلمی کا ایک دبیز پردہ پڑا ہوا ہے، اس دور سے متعلق جو کچھ بھی بیان کیا جاتا ہے، اس کی تصدیق کسی قوی تاریخی دلیل و برہان سے نہیں ہوتی۔

زمانہ جاہلیت ثانیہ یا مطلق زمانہ جاہلیت: اس سے مراد وہ زمانہ لیا جاتا ہے جو اسلام آنے سے ڈیڑھ سو (۱۵۰) سال پہلے کا ہے۔ سیرت نبوی پر خامہ فرسائی کرنے والے اور ادب دور جاہلیت کے مؤرخین زمانہ جاہلیت سے مراد زمانہ جاہلیت کا یہی دور قریب لیتے ہیں۔ بعثت نبوی سے ڈیڑھ سو سال قبل کا زمانہ مراد نہیں لیتے۔ یہی وہ زمانہ ہے جب عربی زبان پورے طور پر کامل و شامل زبان ہو چکی تھی، اور اسی زمانے کی شاعری کو شعر جاہلی کہا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے زمانہ جاہلیت سے یہی سمجھا تھا۔ ان کے نزدیک زمانہ جاہلیت سے مراد نبی کریم ﷺ پر نزول وحی سے پہلے کا زمانہ ہے۔

وہ قرآنی آیات اور احادیث نبویہ جن میں ”جاہلیت“ کا لفظ آیا ہے، ان میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے نزدیک اس لفظ کا ایک خاص معنی و مدلول تھا۔ یعنی ”بت پرستی“ اپنے تمام انواع و اقسام کے ساتھ، اور وہ تمام اوہام و خرافات جنہوں نے عرب اقوام کو اپنے بوجھ تلے اس طرح دبا رکھا تھا کہ ان کے لئے حرکت کرنا بھی مشکل تھا، اور حماقت، طیش، غیظ و غضب، اندھی عصبیت، جذبہ انتقام، زنا اور فسق و فجور، رقص و سرود کی محفلیں جمانے کے لئے لونڈیوں کی ٹریننگ، ننگاپن، اور لڑکیوں کو زندہ درگور کر کے فخر کرنا، بھوک اور قحط سالی کے زمانے میں زندہ جانوروں کے خون پینا، زندہ جانوروں کا گوشت کاٹ کر کھانا، بدشگونی اور گندے تعویذ، حسب و نسب پر فخر کرنا اور دوسروں کی تحقیر کرنا جیسی اخلاقی برائیوں میں مبتلا تھے، نیز ہر عرب گھرانے کا ایک خاص بت ہوتا تھا جس کی وہ لوگ پرستش کرتے تھے۔

اسی طرح غیر عرب قوموں اور ملکوں کی زمانہ جاہلیت سے پہلے کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے

کہ وہ قومیں بھی ہلاکت و بربادی کی کھائی کے کنارے پہنچ چکی تھیں، اور وہ تمام اعتقادی، دینی اور سماجی امراض جو اس وقت عرب قوموں میں اپنا ڈیرہ جما چکے تھے، وہ تمام کے تمام یا ان میں سے بیشتر امراض دیگر مشرقی اور مغربی سوسائٹیوں میں بھی پھیلے ہوئے تھے، اور انسانیت ہر جگہ ان مہلک امراض کے زیر اثر کر رہی تھی، اور ان کا مرض اس حد تک ان کی روحوں اور ان کے دلوں کو بیمار بنا چکا تھا کہ وہ لوگ احساسِ زیاں بھی کھو چکے تھے۔

اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ زمانہ جاہلیت کی مصیبتیں اقوامِ عرب ہی کے ساتھ خاص نہیں تھیں، بلکہ اس دور کی تمام ترباریاں دوسری اقوام میں بھی اسی طرح پھیلی تھیں جس طرح اقوامِ عرب میں، اور سارا عالم ان امراض کے زیر اثر سسکیاں لے رہا تھا، اور اس نبی خاتم کی شدید ترین ضرورت آگئی تھی جنہیں اللہ تعالیٰ نے بالآخر دنیا والوں پر رحم و کرم کرتے ہوئے مبعوث فرمایا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (اور ہم نے آپ کو سارے جہاں والوں کے لئے سرِ پارسِ رحمت بنا کر بھیجا ہے) [الانبیاء: ۱۰۷]، یعنی اُن پر اُن بیماریوں اور ہلاکتوں کے سبب رحم کھاتے ہوئے جن کے نیچے دبے ہوئے وہ لوگ سسکیاں لے رہے تھے۔

غیر عرب ممالک کی سوسائٹیوں اور ادیان پر ایک نظر:

(۱) یہودیت:

تاریخِ یہودیت کا مطالعہ کرنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہودیوں میں بُت پرستی، خیانت، انبیاء کے ساتھ بدعہدی اور انہیں قتل کرنا اور انہی جیسی دیگر خطرناک بیماریاں سلیمان علیہ السلام کے آخری زمانے سے ہی پھیل گئی تھیں۔ ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے ہی اللہ کے انبیاء کو جھٹلایا، اور عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے ساتھ بدعہدی کر کے انہیں قتل کرنا چاہا، لیکن اللہ نے ان کی حفاظت فرمائی، اور انہیں آسمان پر اٹھالیا جیسا کہ مذہبِ اسلام کا صریح عقیدہ ہے۔

تورات تو سلیمان علیہ السلام کے زمانہ سے پہلے ہی گم ہو چکی تھی، اس لئے یہود حلال و حرام اور اللہ کی خوشنودی و ناراہِ شکی کو جاننے کے لئے اپنے علماء کے شخصی بیانات اور ان کی من گھڑت خبروں پر اعتماد کرتے تھے، توراتِ تاریخِ یہودیت کے پہلے تین ادوار میں ہی ضیاع اور آتش زنی کا شکار ہو چکی تھی۔

پہلی بار: ۵۸۶ ق م میں بابل کے بادشاہ بنوخذنصر کے ہاتھوں، جب اس نے پورے بیت المقدس کو جلا دیا تھا۔

دوسری بار: ۷۰ ق م میں انطاکیہ کے یونانی بادشاہ کے ہاتھوں، جب اس نے بیت المقدس پر حملہ کیا تھا۔

اور تیسری بار: ۷۰ ق م میں رومانی بادشاہ کے ہاتھوں، جب اس نے ہیکلِ سلیمانی کو منہدم کر دیا، اور مقدس

صحیفوں پر قابض ہو کر انہیں روم اپنے محل میں منتقل کر دیا۔

اور یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ یہودی کاہن جو باطل کا رہنے والا تھا، اسی نے اپنے حافظہ کی مدد سے گمشدہ تورات کو عبرانی زبان کی بجائے کلدانی زبان میں لکھا، اور لوگوں کو باور کرانے کی کوشش کی کہ یہی اللہ کی وحی ہے جو موسیٰ پر نازل ہوئی تھی^(۱)۔

اس طرح یہودیت کچھ مذہبی رسوم، عادات و تقالید اور اوہام و خرافات کا مجموعہ بن گئی، جس کا ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے دین سے دور کا بھی واسطہ نہ رہا، بُت پرستی اس کا جو دین گئی، اور یہود اُس عقیدہ توحید سے یکسر دور ہو گئے جو ابراہیم علیہ السلام اپنے رب کی طرف سے لائے تھے، اور جس کی وصیت انہوں نے اور یعقوب نے اپنے بیٹوں کو کی تھی۔

ان حالات سے گزر کر بنی اسرائیل یعنی یہود نبی کریم ﷺ کی بعثت کے شدید محتاج تھے، تاکہ وہ دوبارہ ان کا رشتہ اس دین توحید سے جوڑ دیں جسے لے کر ابراہیم، یعقوب اور موسیٰ علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے تھے۔

(۲) مسیحیت:

یہی حال مسیحیوں کے چاروں انجیلوں کا ہے، بلکہ ان کا حال تو تورات سے بھی زیادہ بدتر ہے، اس لئے کہ عیسیٰ علیہ السلام اور ان انجیلوں کے درمیان جو ایک گہری کھائی موجود ہے، اس کا پائنا ہرگز ممکن نہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام اور ان انجیلوں کی (دو دیگر مؤلفین کے ذریعے) تدوین و تالیف کے درمیان ایک طویل زمانہ گزرا ہے۔

ان دونوں میں سے ایک مؤلف وہ پولس یہودی تھا جس نے عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا سے اٹھائے جانے کے بعد مسیحیت کو بظاہر قبول کر کے، اس کی تعلیمات کو بدل دیا، اور مسیحیت میں الوہیت مسیح، عقیدہ تثلیث اور ملعونوں اور جہنمیوں کو عیسیٰ مسیح کے نام سے پروانہ نجات دیئے جانے جیسے باطل عقائد کو داخل کیا۔

نیز یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انجیل عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کی زبان میں نازل ہوا جو مرور زمانہ کے ساتھ اللہ کی مشیت سے ختم ہو گیا۔ پھر ایک طویل زمانہ کے بعد اُسے یونانی زبان میں لکھا گیا، جو یقیناً عیسیٰ علیہ السلام کی زبان نہیں تھی۔ اس طرح وہ عقیدہ توحید جس کی طرف عیسیٰ علیہ السلام نے تمام دیگر انبیاء و رسل کی طرح اپنی قوم کو بلایا تھا، گم ہو گیا، اور بُت پرستی اپنے تمام باطل رسوم و عادات اور شرک و صنم پرستی کے ساتھ مسیحیت میں داخل ہو گئی۔

(۱) الجامع الصحیح للشمسۃ والنویہ، سعد الرمضانی، ص ۱۷۶-۱۷۹، حرمۃ اللعالمین، ۱۳۷۷ھ، ۷۹-۷۷، حرمۃ المہدۃ، ص ۳۰۵، ۳۰۴، ۳۰۵۔

چھٹی صدی عیسوی کا زمانہ جب آیا تو نصاریٰ حقیقتِ مسیح، اور ارکانِ تثلیث سے متعلق مختلف جماعتوں میں بٹ چکے تھے کہ ارکانِ تثلیث سے مراد اللہ، مریم اور مسیح ہیں، یا اللہ، یوحنا اور مسیح، یا اللہ، روح القدس اور مسیح۔ ان اختلافات نے دینِ مسیحیت کی جڑوں کو اس طرح کھوکھلا کر دیا تھا کہ اب یہ دین کسی طرح بھی امورِ دین و دنیا میں انسانیت کی رہنمائی کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا، بلکہ گمراہیوں کا ایک مجموعہ اور گھٹا ٹوپ تاریکیوں کا ایک ملغوبہ بن گیا تھا۔ اس طرح دنیائے نصرانیت کو بھی نبی امی ﷺ کی بعثت کی شدید ترین ضرورت تھی، تاکہ وہ انہیں ہلاکت و بربادی کی کھائی سے بچا کر دینِ اسلام کی رحمتوں اور برکتوں میں داخل کر دیں^(۱)۔

روم کی مسیحی حکومت:

۳۹۵ء سے ۱۴۵۳ء تک پھیلے ہوئے طویل زمانے میں مذہبِ مسیحیت کی نمائندگی اس مشرقی رومانی بادشاہت نے کی ہے جس کا دار السلطنت قسطنطنیہ تھا، پھر اس دار السلطنت پر عثمانیوں کا قبضہ ہو گیا، اور اس رومانی حکومت کے ٹکڑے ہو گئے۔ اُن دنوں یونان، بلغاریہ، ایشیائے کوچک، شام، فلسطین، حوضِ بحر ابيض، مصر اور شمالی افریقہ تمام علاقوں پر اسی بادشاہ کی حکومت تھی۔

چھٹی صدی عیسوی میں یہ رومانی حکومت داخلی اختلافات کا شکار ہو گئی، جس کے نتیجے میں ۵۲۹ء میں صرف قسطنطنیہ شہر میں تیس ہزار آدمی مارے گئے۔

اُن دنوں اُن کی اجتماعی زندگی عجیب تناقض کا شکار ہو گئی تھی، ایک طرف تو بہت سے رومانیوں کے ذہن میں مذہبی فکر رچ بس گئی تھی، ان میں رہبانیت عام ہو گئی تھی، اور دینی مسائل میں بحث و مناظرہ ان کا عام مشغلہ بن گیا تھا، تو دوسری طرف اکثر و بیشتر لوگ لہو و لعب، عیش پرستی، رقص و سرود، اور مردوں اور درندہ جانوروں کے درمیان کشتیوں کا مشاہدہ کرنا ان کا مرغوب مشغلہ بن گیا تھا۔

اُن کے سرداروں اور مالداروں کی زندگی زن پرستی، فسق و فجور اور اخلاقِ رذیلہ سے عبارت ہو گئی تھی، اور مصر و شام اور دیگر ممالک میں جن پر وہ حکومت کرتے تھے ظلم و بربریت عام ہو گئی تھی۔ اہل شام اپنے اپنے اوپر عائد کردہ ٹیکس (تاوان) اور ان قرضوں کی ادائیگی کے لئے جو ظلم و ستم کے نتیجے میں اُن کے ذمہ اکٹھا ہو جاتے تھے، بسا اوقات اپنے بیٹوں کو بیچ دیتے تھے۔

بلادِ عربیہ سے لگے ملکوں میں رہنے والے مسیحی اپنے ان ناگفتہ بہ دینی اور اخلاقی حالات کی وجہ سے نبی کریم

(۱) الجامع الصحیح للسيرۃ النبویۃ، سعد المرصفی: ص ۱۷۹-۱۸۳، رحمۃ اللعالمین: ۷۷-۷۸، الرحمة المہدۃ: ص ۳۰۳-۳۰۷۔

ﷺ کی آمد کے شدید ترین محتاج تھے، تاکہ آپ انہیں دین اسلام میں داخل کر دیں، اور جہنم سے بچالیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جو ممالک مسخ شدہ مسیحیت کی ہلاکتوں اور بربادیوں سے پر آشوب زندگی گزار رہے تھے، اسلام کے زیر اثر آگئے اور کفر و بُت پرستی کی بندشوں اور پیڑیوں سے آزاد ہو کر اسلام کی آزادی و وسعت میں داخل ہو گئے^(۱)۔

اقوام یورپ:

شمال و مغرب میں پھیلے ہوئے ممالک یورپ کا حال رومانیوں سے بھی بدتر تھا، وہ سب کے سب جہالت، ناخواندگی اور خوں ریز خانہ جنگیوں کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ابھی کچھ ہی قبل چھٹی صدی عیسوی میں تمام مشرقی و مغربی ممالک یورپ میں نصرانیت کا حال زار بیان کیا جا چکا ہے۔ مغربی یورپ کا حال بالکل ویسا ہی تھا جیسا روم و ایران کا۔ یونانیوں نے فحاشی و بدکاری کے کاموں پر مذہبی پاکیزگی کی چادر ڈال دی تھی، اور زنا کاری کو اللہ سے قربت کا ذریعہ بنا دیا تھا، اور فطرتِ سلیم سے دوری کی وجہ سے لواطت بھی ان میں عام ہو گئی تھی۔ ۵۸۶ء میں اہلِ فرانس نے اس موضوع پر خوب بحث و جدال کیا کہ عورت انسان ہے یا نہیں۔ اس طرح پورا یورپ ایک مردہ سڑا ہوا جسم بن گیا تھا۔ شر پسندی، تخریب کاری اور دیگر انارکیاں ان میں عام ہو گئی تھیں، امن و امان، اور نظام و قانون پر عمل معدوم ہو چکا تھا۔ یورپ کا انسان مظلوم و مقہور ہو کر خیر و شر کی تمیز کھو چکا تھا، اور ہلاکت و تباہی کے دہانے پر پہنچ گیا تھا۔

آتش پرست ایران کی حکومت:

موجودہ سیویں کی یہ حکومت مسیحی رومانی حکومت سے عظیم تر تھی۔ اس کی بنیاد ۲۲۴ء میں ”آردشیر“ نامی شاہِ ایران نے ڈالی تھی، اور چوتھی صدی عیسوی میں اس کا رقبہ تقریباً ایک تہائی کرۂ ارضی تک پھیل گیا تھا، اور امن و امان عام تھا، اس لئے عوام آرام و آسائش کے عادی بن گئے، اور اپنی ٹھڈیوں تک شہوت رانی میں ڈوب گئے، اور نسب کے ذریعہ حرام کردہ عورتوں کو اپنے لئے حلال بنا لیا۔

شاہِ یزدجرد دوم جس نے پانچویں صدی عیسوی وسطی دور میں بادشاہت کی تھی، اس نے اپنی بیٹی سے شادی کی، پھر اُسے قتل کر دیا، اور شاہِ بہرام چوبین جس نے چھٹی صدی عیسوی میں بادشاہت کی، اس نے اپنی بہن سے شادی کر لی تھی۔ یہ خبیث عادت ان میں اتنی جڑ پکڑ چکی تھی کہ تمام ایرانیوں کے نزدیک اس قسم کی شادی کرنا گناہ کی

(۱) الجامع الصحیح للسیرۃ النبویہ: ۱۸۳، ۱۸۴، اور السیرۃ النبویہ: ۳۱، ۳۲۔

بات نہیں رہی تھی۔ تیسری صدی عیسوی میں مانو نام کا ایک آدمی ظاہر ہوا جس نے اعلان کیا کہ روشنی کا تاریکی کے ساتھ مل جانا ایک ایسی برائی ہے جس سے نجات حاصل کرنا نہایت ضروری ہے، چنانچہ اس نے نکاح کے تمام اقسام کو ہی حرام قرار دے دیا، لیکن ۱۷۲ء میں بہرام نے اسے قتل کر دیا، اور اس کی یہ دعوت کمزور ہو گئی۔

لیکن یہ خبیث ایرانی ذہنیت جس نے نسب کے ذریعہ حرام عورتوں سے شادی کرنے کو جائز قرار دیا تھا، ایک بار پھر ”مزدک“ کی صورت میں ظاہر ہوئی، جو ۳۸۷ء میں پیدا ہوا، اور لوگوں میں اس بات کو عام کیا کہ مال اور عورت میں تمام لوگ مشترک ہیں، ان کے درمیان اس بنیاد پر تفریق کرنے کی کوئی گنجائش نہیں کہ مال اس کے مالک کا ہوتا ہے، اور یہ کہ نسب و قرابت کی بنیاد پر بہت سی عورتیں محرم ہوتی ہیں جن سے شادی کرنا حرام ہے۔ ”مزدک“ کی اس خبیث دعوت کو نوجوانوں، عیش پرست مالداروں اور شاہی محل میں رہنے والے لوگوں کی خوب تائید حاصل ہوئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پوری ایرانی سوسائٹی بد اخلاقی، شہوت پرستی، اور فسق و فجور میں ڈوب گئی۔ چھٹی صدی عیسوی میں ساسانی بادشاہوں کی داخلی سیاست کا حال یہ تھا کہ وہ ایک طویل مدت تک بذریعہ وراثت حصول بادشاہت کی وجہ سے اپنے آپ کو تمام دیگر لوگوں سے بالا و برتر سمجھتے تھے، اور عوام انہیں معبودوں اور خداؤں کے نام سے مخاطب کرتے تھے، اس لئے کہ انہوں نے اپنی قوم کے ذہنوں میں یہ بات اچھی طرح بٹھادی تھی کہ وہ خداؤں کی نسل سے ہیں، اس لئے وہ انہی کے مانند خدا ہیں۔ ملک کی تمام آمدنی ان کی ملکیت سمجھی جاتی تھی، اور اس میں سے عوام کو جو دیتے تھے وہ ان کا احسان سمجھا جاتا تھا، اس لئے کہ عوام کسی بھی چیز کے مالک نہیں ہوتے تھے۔

یہ ساسانی لذتوں، شہوتوں اور عیش پرستی میں ڈوب کر اپنے خالق و رازق کو بالکل بھول گئے تھے، اور بزعم خویش اللہ کے خلفاء، بلکہ اس کے بیٹے بن بیٹھے تھے، جبکہ پوری قوم بدبختی، محرومی، تنگنی رزق اور سختی و مشقت کی چکیوں میں پس پی جا رہی تھی، اور ٹیکسوں اور جرموں کی مصیبت تلے زندگی گزار رہی تھی، اور قید و بند ان کی قسمت بن گئی تھی، اور ساسانیوں اور رومیوں کی قدیم دشمنی کی وجہ سے مہلک جنگوں کی بھڑکتی آگ کا معمولی اور حقیر ایندھن بن کر رہ گئی تھی۔

دینِ صحیح کے تذکرے سے ایرانی تاریخ بالکل خاموش نظر آتی ہے، سوائے مذہبِ زردشت اور مذہبِ مانویت کے ذکر کے، جن کی بنیاد انتہاء پسندی، غلو، اور آتش پرستی پر رکھی گئی تھی۔ ان دونوں مذہبوں میں ایک خالق کی عبادت کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا، اور سوائے مذہبِ مزدکیت کے افکار کے جو ایک شیطانی تحریک تھی، اور جس کی بنیاد مال اور عورت کی شہوت و رغبت پر رکھی گئی تھی۔

اس طرح پوری ایرانی قوم کو رسولِ ہاشمی ﷺ کی بعثت کی شدید ترین ضرورت تھی، تاکہ آپ انہیں راحت و نیک بخشی کی راہ دکھائیں، حلال و حرام، اور حق و باطل کے درمیان تفریق کرنا سیکھائیں، اور ان کی رہنمائی اس سیدھی راہ کی طرف کریں جس کا نام دینِ اسلام ہے، جسے لے کر تمام انبیاء و رسل اپنے رب کی طرف سے مبعوث ہوئے، اور جو انسانوں کے بنائے ہوئے افکار و نظریات کا مجموعہ نہیں^(۱)۔

ہندوستان اور اس کے مذاہب:

دیارِ ہند اپنے رقبہ کی وسعت اور رہنے والوں کی کثرت کے سبب ایک مستقل براعظم کی حیثیت رکھتا ہے، اور اس کے تین قدیم مشہور مذاہب ہیں؛ ہندو ازم، بدھ ازم اور جین ازم۔ ہندو مذہب کا کوئی معروف بانی معلوم نہیں۔ البتہ بدھ مذہب کا بانی بدھ تھا، اور جین مذہب کا بانی مہابیر سوامی تھا۔ ہندوستان کا ایک مذہب سکھ مذہب بھی ہے جس کا بانی گرو نانک تھا۔

(۱) ہندو ازم:

ہندو ازم ہندوستان میں رہنے والی قدیم ترین قوموں کے تجارب کے ثمرات سے عبارت ہے، جن کے نتیجے میں ہندو ازم مذہب نے جنم لیا۔ یہ افکار اس وقت سے جمع ہوتے رہے جب آریں فاطین، میلادِ مسیح سے پندرہ سو سال پہلے ہندوستان میں داخل ہوئے، پھر آٹھویں صدی قبل مسیح میں برہمن کاہنوں کے ہاتھوں اُسے ترقی ملی، جنہوں نے بزمِ خویش یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ معبودوں کا ایک حصہ ہیں، پھر تیسری صدی قبل مسیح میں دوبارہ ”منو شاستر“ کے قوانین کے ذریعہ اُسے مزید ترقی دی گئی، وہ منو شاستر جسے ویدوں کی شرح کہا جاتا ہے۔ اسی تیسری کوشش کے ذریعہ ہندو ازم کے خدو خال اور اس کے مبادی اور اصول واضح ہو کر سامنے آئے۔

ہندو ازم میں صحیح معنوں میں توحید کا کوئی تصور نہیں۔ ہندو بہت سے معبودوں میں اعتقاد رکھتے ہیں جن کی وہ پرتش کرتے ہیں اور ان پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ نویں صدی قبل مسیح میں ہندو کاہنوں نے اپنے تمام معبودوں کو ایک معبود میں جمع کر دیا، جس کے بارے میں ان کا اعتقاد ہے کہ اس نے پوری کائنات کو اپنی ذات سے نکالا ہے۔ اور انہوں نے اس معبودِ واحد کو تین نام دیئے: ”برہما“ اس اعتبار سے کہ وہ کائنات کا موجد ہے، اور

(۱) تاریخِ عالم (انگریزی): ۸۲، تاریخِ الطبری: ۸۸/۲، ۸۸/۳، ۸۸/۴ اور ”ایران ساسانیوں کے عہد میں“ (اردو): ص ۳۹، ۴۰، ۴۱، ترجمہ ذاکر محمد اقبال، اور الجامع الصحیح للسيرۃ النبویہ: ۱۸۵-۱۸۸، اور رحمۃ اللعالمین (عربی): ۸۳، ۸۵، اور الرحمۃ المہدۃ: ۳۰۹، ۳۰۸۔

”وِشنو“ اس اعتبار سے کہ وہ اس کی حفاظت کرنے والا ہے، اور ”سیوا“ اس اعتبار سے کہ وہ اسے ہلاک کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔

ہندوؤں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ان کے تمام معبودان کرشن کی ذات میں حلول کر گئے، اور اس طرح لاہوت ناسوت میں حلول کر گیا؛ چنانچہ ان کے نزدیک کرشن کی وہی حیثیت ہے جو مسیحیوں کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کی۔ بعض مسلمان محققین کا خیال ہے کہ مسیحیوں نے ہندوؤں سے ہی یہ عقیدہ لیا کہ اللہ، مسیح، مریم اور روح القدس میں حلول کر گیا ہے۔

ہندو ازم میں انسانوں کے چار طبقے:

برہمن ہندوؤں نے انسانوں کو چار طبقوں میں تقسیم کر دیا ہے؛ برہمن، چھتری، وِش، اور شودر۔ ”برہمن“ وہ لوگ ہیں جنہیں برہمانے اپنے منہ سے پیدا کیا ہے، یہ لوگ تعلیم یافتہ، اور کاہن ہوتے ہیں، اور جج کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور ”چھتری“ وہ لوگ ہیں جنہیں برہمانے اپنے دونوں بازوؤں سے پیدا کیا ہے، ملک و وطن کی دفاع کرنے کے لئے یہی لوگ ہتھیار اٹھاتے ہیں۔ اور ”وِش“ وہ لوگ ہیں جنہیں برہمانے اپنے ران سے پیدا کیا ہے، یہ لوگ کاشتکار اور تاجر ہوتے ہیں۔ اور ”شودر“ وہ لوگ ہیں جنہیں برہمانے اپنے دونوں پاؤں سے پیدا کیا ہے۔ یہ اچھوت لوگ ہیں جو حقیر اور گندے پیشوں والے ہیں۔ یہ لوگ جانوروں سے زیادہ گرے ہوئے اور کتوں سے زیادہ ذلیل سمجھے جاتے ہیں، اور انہیں بغیر کسی اجرت و مزدوری کے برہمنوں کی خدمت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ ہندو انسان کی اسی تقسیم کی بنیاد پر ہندو سوسائٹی میں برہمنوں کو وہ عظیم تر مقام حاصل ہے جس میں ان کا کوئی شریک نہیں۔

ان کے بنیادی عقائد میں سے ”کرما“ یعنی قانونِ مکافات کا عقیدہ ہے، جو خالص عدل و انصاف پر قائم خدائی نظام ہے۔ اسی طرح تناسخِ ارواح کا عقیدہ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ روح مردہ انسان کے جسم سے نکل کر ایک دوسرے انسان کے جسم میں اس کی پہلی زندگی میں عمل کے مطابق حلول کر جاتی ہے۔ اس طرح روح ایک دائمی دوران میں رہتی ہے۔ اسی طرح ان کے نزدیک وحدۃ الوجود کا عقیدہ ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ آدمی کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے، جیسے آگ کی چنگاری خود آگ کے ساتھ، اور یہ پوری کائنات اللہ کے وجودِ حقیق کا مظہر ہے۔ ہندوستان کا علاقہ ہمیشہ ہی انتشار و افتراق اور چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں ٹوٹ پھوٹ کا شکار رہا، اور دنیا سے کٹ کر زندگی گزارتا رہا، اور ہر قسم کے زوال و انحطاط کا شکار رہا، فسق و فجور اور فحاشی عام رہی، اور دسیوں ایسے

فروقوں نے جنم لیا جنہوں نے اخلاق و تہذیب کا جنازہ نکال دیا، اور شراب، جو اور زنا کاری جیسے گناہ مذہب کی تعلیمات میں داخل کر دیئے گئے۔ ہندوستان انہی حالات سے دوچار تھا جب مبلغین اسلام ہندوستان کی سرحدوں تک پہنچے۔

(۲) بدھ ازم:

بدھ ازم کا بانی گوتم بدھ تھا، جو تقریباً ۳۵۰ ق. م میں جنوبی نیپال کے گاؤں لمبنی میں پیدا ہوا، اس کی تعلیمات اس کی وفات کے تین سو سال بعد راجا اشوک کے زمانے میں لکھی گئیں، جن کا آسمانی مذہب سے کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔ اور کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنی موت سے پہلے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا انکار کر دیا تھا، اور اس نے اپنے ماننے والوں کو ایمان باللہ کی وصیت نہیں کی، اسی لئے بعض علماء کا خیال ہے کہ گوتم بدھ ملحد تھا، اور اس کی موت الحاد پر ہوئی۔

(۳) جین ازم:

جین مذہب چھ صدی قبل مسیح (۲۸۶ ق. م - ۵۲۰ ق. م) میں مہابیر سوامی کے ذریعہ ظاہر ہوا۔ یہ آدمی تقریباً گوتم بدھ کا ہم عصر تھا، اس مذہب کو برہمنوں کے خلاف ایک انقلابی تحریک سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کے ماننے والے کائنات کے ازلی خالق و مدبر کے وجود میں اعتقاد نہیں رکھتے، بلکہ ان کا اعتقاد ان روحوں میں ہے جن کو دوبارہ کسی جسم میں لوٹنے سے نجات مل گئی، اور معبودوں کا درجہ پا گئیں۔ اسی لئے ان لوگوں کے نزدیک معبودوں کی تعداد اتنی ہیں جتنی نجات پائندہ روحوں کی۔ پھر انہوں نے ان روحوں کے مجسمے بنائے، اور ان کی پرستش کرنے لگے۔ اس مذہب نے ہندو مذہب کی بہت سی تشریعات اور اعتقادات پر اثر ڈالا ہے۔ ان دونوں میں قدرے مشترک باتوں کی پرستش، اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک بنانا، تناخ ارواح، اور رہبانیت جیسے اعتقادات ہیں۔ اس تفصیل سے ہمیں معلوم ہو گیا کہ ہندو قومیں جو باطل مذاہب، فاسد اخلاق و عادات اور انتشار و بے راہ روی کے انبار کے تلے سسکیاں لے رہی تھیں، انہیں نبی رحمت (ﷺ) کی بعثت کی شدید ترین ضرورت تھی، تاکہ آپ ﷺ انہیں ہلاکت سے نجات دلائیں، اور کفر و شرک کی تنگ نایوں سے نکال کر ایمان باللہ اور صرف ذات واحد کی عبادت کی وسعتوں میں داخل کر دیں (۱)۔

(۱) دیکھئے اصول فی ادیان الہند: ڈاکٹر ضیاء الرحمن اعظمی (ہندو ازم، بدھ ازم، جین ازم) اور الموسوعۃ المشرقة فی الادیان والمذہب المعاصرة:

ص ۱۰۵، اور اس کے بعد اور ص ۱۹۱ اور اس کے بعد اور ص ۵۳۸ اور اس کے بعد، اور رحمۃ اللعالمین: ۸۲/۳-۸۳، الرحمۃ

المہددة: ص ۳۰۸، ۳۰۷، اور المرأة بین ہدایۃ الاسلام و غوایۃ الاعلام: ص ۳۲-۳۶۔

بعثت رحمۃ للعالمین کی ضرورت

اب تک جو کچھ لکھا گیا، اس سے یہ بات یقینی طور پر معلوم ہوگئی کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت سے قبل سارا عالم ہلاکت و بربادی کی کھائی کے دہانے پر پہنچ چکا تھا، اور سب کو ایک نجات دہندہ کی ضرورت تھی جو انہیں جہنم کی گہری کھائی میں گرنے سے بچالے۔ سب کو ایک رحمۃ للعالمین کی ضرورت تھی جو ان پر ترس کھائے اور ان کے حال پر رحم کرے، بُت پرستی اور جاہلیت کے عقائد و عادات کا خاتمہ کر دے، توحیدِ خالص یعنی صرف ایک اللہ کی بندگی کی طرف رہنمائی کرے، ایک آسمانی شریعت انہیں دے، جس میں ان کے لئے دین و دنیا کی ہر بھلائی پائی جائے، اور ان تمام بندشوں کو توڑ ڈالے جن کے بوجھ تلے پورا عالم سسکیاں لے رہا تھا۔

اسی حقیقت کی طرف نبی کریم ﷺ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا والوں پر نظر ڈالی تو عرب و عجم سب سے نفرت کا اظہار کیا، سوائے اہل کتاب کے کچھ ان لوگوں کے جو حق پر قائم تھے (۱)۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس رسولِ رحمت کو مبعوث فرمایا، اور انسانوں کو ان کے آنے کی خوشخبری دی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (مسلمانو! تمہارے لئے تم ہی میں سے ایک رسول آئے ہیں جن پر ہر وہ بات شاق گزرتی ہے جس سے تمہیں تکلیف ہوتی ہے، تمہاری ہدایت کے بڑے خواہشمند ہیں، مومنوں کے لئے نہایت شفیق و مہربان ہیں) [التوبہ: ۱۲۸]۔

اور دنیا والوں کو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ آپ کی بعثت سارے عالم کے لئے ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے فرمایا کہ آپ دنیا والوں سے کہہ دیجئے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ (اے لوگو! میں تم سب کے لئے اللہ کا رسول ہوں) [الأعراف: ۱۵۸] نیز فرمایا: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا﴾ (اور ہم نے آپ کو تمام بنی نوع انسان کے لئے خوشخبری دینے والا، اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے) [سبا: ۲۸]۔

نیز اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ وہ اپنی رحمت یعنی جنت ان اہل کتاب کو دے گا جن کی صفت اس نے قرآن عظیم میں یوں بیان فرمائی ہے: ﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ

وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ (یعنی میں اپنی جنت اُن کے لئے لکھ دوں گا جو ہمارے رسول نبی اُمی کی اتباع کریں گے جن کا ذکر وہ اپنے تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور بُرائی سے روکتے ہیں۔ اور ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں، اور خبیث اور گندی چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔ اور اُن بارہائے گراں اور بندشوں کو ان سے ہٹاتے ہیں، جن میں وہ پہلے سے جکڑے ہوئے تھے) [الأعراف: ۱۵۷]۔

آیت کے آخر میں صراحت کر دی گئی ہے کہ پوری انسانیت مصیبتوں اور بربادیوں کے انبار تلے سسک رہی تھی اور سسکوں کے ہاتھ اور پاؤں زنجیروں میں جکڑ دیئے گئے تھے، اس وقت محمد بن عبد اللہ ہاشمی علیہ السلام رحمۃ اللعالمین بن کر مبعوث ہوئے اور پوری دنیائے انسانیت کو ہر قسم کی بیڑیوں اور بندشوں سے آزاد کر لیا۔ اسی مضمون کو ایک صحیح حدیث میں بیان کیا گیا ہے جسے ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ہجرت حبشہ کے واقعہ کے ضمن میں بیان کیا ہے، جب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا: ”اے بادشاہ! ہم جاہلیت کی تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی ایک قوم تھے، بتوں کی پرستش کرتے تھے، مردے جانور کھاتے تھے، فسق و فجور کا ارتکاب کرتے تھے، قطع رحمی کرتے تھے، پڑوسیوں کو ایذا پہنچاتے تھے، اور ہم میں کا طاقتور کمزور کو کھاتا تھا۔

ہم اسی حال میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان سے اپنا ایک رسول بھیجا جس کے حسب و نسب، سچائی، امانت اور عفت و پاکدامنی کو ہم خوب جانتے ہیں۔ انہوں نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا، تاکہ ہم اس کو ایک جانیں اور صرف اسی کی عبادت کریں، اور ان تمام پتھروں اور بجوں کو چھوڑ دیں، جن کی ہم اور ہمارے آباء و اجداد پہلے سے پرستش کرتے تھے۔ انہوں نے ہمیں سچی بات، ادا نیکی امانت، صلہ رحمی، حسن جوار، اور لوگوں کی عزتوں اور ران کے خون کی حفاظت کا حکم دیا اور فحش و بدکاری، جھوٹ، یتیم کا مال کھانے، اور پاکدامن عورت پر تہمت دھرنے سے منع فرمایا“ (۱)۔

(۱) مسند احمد: حدیث (۱۷۴۰)، علامہ احمد شاکر نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، السیرۃ النبویہ، ابن ہشام: ۳۴۴/۱، اور الجلیہ، ابو نعیم: ۱۱۵/۱ (سند صحیح ہے)، اور مسند الطیالسی: ۸۹/۲-۹۰، اور دلائل التبیح: ۳۰۱/۳-۳۰۳، اور المعجم الکبیر للطبرانی: حدیث (۱۴۷۹)۔

بعثت نبوی کی بشارتیں

بلاشبہ نبی کریم ﷺ کی بعثت انسانی تاریخ کا عظیم ترین واقعہ ہے۔ اس لئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ذریعہ انبیاء کے سلسلے پر مہر لگادی، اور ان کی رسالتِ عظمیٰ کے ذریعہ تمام گزشتہ ادیان کو منسوخ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيِّمًا عَلَيْهِ﴾ (اور ہم نے آپ پر برحق کتاب نازل کی ہے، وہ ان کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے آچکی ہیں، اور ان پر غالب و شاہد ہے) [المائدہ: ۴۸]۔

معلوم ہوا کہ قرآن کریم آخری آسمانی کتاب اور ان سب سے اعظم و اکمل ہے، اور ان سب کی امانت دار ہے، یعنی ان کتابوں میں جو حق بات رہ گئی تھی، اس کی قرآن نے موافقت کی ہے، اور ان میں انسانوں کے ذریعہ داخل کردہ باطل اقوال و افکار کی تردید کر دی ہے۔

ابراہیم و اسماعیل (علیہما السلام) نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ وہ ان دونوں کی اولاد میں ایک رسول مبعوث فرمائے۔ دونوں نے کہا: ﴿رَبَّنَا وَأَبْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ﴾ (اور اے ہمارے رب! انہی میں سے ایک رسول ان کی ہدایت کے لئے مبعوث فرما، جو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے، اور انہیں قرآن و سنت کی تعلیم دے، اور انہیں پاک کر دے) [البقرہ: ۱۲۹]۔ اور وہ رسول محمد بن عبد اللہ ﷺ ہوئے۔ اس لئے کہ آپ ہی نے لوگوں کو قرآن کریم کی آیتیں سنائیں، اور انہیں اس قرآن اور اپنی سنت کی تعلیم دی۔

اور اللہ نے ابتدائے آفرینش میں ہی نبیوں سے یہ عہد لیا تھا کہ جب آپ ﷺ مبعوث ہوں تو ان پر سب ایمان لائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْنَكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ﴾ (اور جب اللہ نے نبیوں سے ميثاق لیا کہ میں تمہیں جو کچھ کتاب و حکمت دوں، پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو تمہاری چیزوں کی تصدیق کرے، تو اس پر ضرور ایمان لے آؤ گے، اور اس کی ضرور مدد کرو گے) [آل عمران: ۸۱]۔

اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی خبر دی ہے کہ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام دونوں نبیوں نے اپنی اپنی قوم کو آپ ﷺ کی آمد کی بشارت دی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ

أَحْمَدُ ﴿اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل! میں تمہارے لئے اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، مجھ سے پہلے جو تورات آپجی ہے، اس کی تصدیق کرتا ہوں، اور ایک رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا، اس کا نام احمد ہوگا﴾ [الف: ۶۰]۔

اللہ تعالیٰ نے اس بات کی بھی صراحت کر دی ہے کہ رسول کریم ﷺ کا اسم گرامی اور آپ سے متعلق خبریں تورات و انجیل میں لکھی ہوئی ہیں، اور یہ کہ یہود و نصاریٰ کو اس کا خوب علم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ﴾ (ان کے لئے جو ہمارے رسول نبی امی کی اتباع کرتے ہیں جن کا ذکر وہ اپنے تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں [الأعراف: ۱۵۷] نیز فرمایا ہے: ﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ (جنہیں ہم نے کتاب دی ہے، وہ رسول اللہ کو ایسا پہچانتے ہیں، جیسے وہ اپنے صلیبی بیٹوں کو پہچانتے ہیں، اور ان کی ایک جماعت حق کو جاننے ہوئے چھپاتی ہے) [البقرہ: ۱۷۶] نیز فرمایا: ﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكْعًا سَجْدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ﴾ (محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں، وہ کافروں کے لئے بڑے سخت ہیں، اور آپس میں نہایت مہربان ہیں، آپ انہیں رکوع اور سجدہ کرتے دیکھتے ہیں، وہ لوگ اللہ کی رضا اور اس کے فضل کی جستجو میں رہتے ہیں، سجدوں کے اثر سے اُن کی نشانی ان کے پیشانیوں پر عیاں ہوتی ہے، تورات میں ان کی یہی مثال بیان کی گئی ہے، اور انجیل میں بھی ان کی یہی مثال بیان کی گئی ہے) [الف: ۲۹]۔

ان آیاتِ کریمہ سے بلا شک و شبہ ہر اس آدمی کو جو قرآن کے کلام اللہ ہونے پر ایمان رکھتا ہے، اس بات کا قطعی علم ہو جاتا ہے کہ گزشتہ انبیاء کرام نے اپنی قوموں کو خاتم النبیین کی بعثت کی خبر دی تھی، اور یہ کہ یہود و نصاریٰ کو نبی کریم ﷺ کے بارے میں اللہ کے رسول ہونے کا ایسا ہی یقین تھا جیسا کہ انہیں اپنی صلیبی اولاد کا، اور یہ کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کی نشانیاں تورات و انجیل میں مذکور ہیں۔

اور صحیح احادیث و آثار سے اس بات کا پورا پورا پتہ چلتا ہے کہ یہود و نصاریٰ آپ ﷺ کی بعثت کا انتظار کرتے تھے، اور جانتے تھے کہ آپ ﷺ ہجرت کر کے یثرب آئیں گے، جو ہجرت کے بعد مدینۃ الرسول ﷺ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ وہ لوگ آپ ﷺ کی بعثت کی توقع ان آثار و علامات کی روشنی میں کرتے تھے جن کا ذکر وہ اپنی کتابوں میں پاتے تھے، اور زمانہ قدیم سے اپنے علماء کی زبانی نسل بعد نسل سنتے آئے تھے، یہاں تک کہ آپ ﷺ

کی بعثت کا وقت آگیا، لیکن انہوں نے آپ ﷺ سے محض بغض و حسد کے سبب اسلام کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

اسی لئے ائمہ کرام اور علمائے عظام کی پیروی کرتے ہوئے میں بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ یہاں ان بعض بشارتوں کو بیان کروں جن کا ذکر احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ میں آیا ہے۔ نیز تورات و انجیل میں باقی ماندہ بعض علامتوں اور بشارتوں کو بھی بیان کروں، حالانکہ ان دونوں ہی کتابوں میں مذکور بہت سی ایسی بشارتوں کو ان ظالموں نے مٹا دیا ہے جن سے نبی کریم ﷺ کی بعثت کی خوشخبری ملتی ہے:

(۱) دعائے ابراہیم اور بشارت عیسیٰ:

امام احمد نے ابو امامہ سے روایت کی ہے کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کی تخلیق کی ابتدا کیسے ہوئی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا اور عیسیٰ کی بشارت ہوں۔ میری ماں نے دیکھا کہ ان کے جسم سے ایک نور نکلا جس نے شام کے محلوں کو روشن کر دیا^(۱)۔

(۲) تخلیق آدم سے قبل ملا اعلیٰ میں آپ ﷺ کا ذکر جمیل:

امام احمد نے عرباض بن ساریہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ کے نزدیک خاتم النبیین ہوں، اس وقت سے جب آدم ابھی مٹی میں ملے ہوئے تھے، اور میں تمہیں اس امر کی ابتدا کی خبر دیتا ہوں: میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا کا نتیجہ ہوں، اور عیسیٰ نے میری بشارت دی تھی، اور میں اپنی ماں کا خواب ہوں جو انہوں نے دیکھا تھا^(۲)۔

اور میسرہ الفجر نے روایت کی ہے کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! آپ کب سے نبی ہوئے؟ آپ نے فرمایا: جب آدم ابھی روح و جسم کے درمیان تھے^(۳)۔

اور ابن شاہین نے دلائل النبوة میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: آپ کے لئے نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: آدم کا مجسمہ بنانے اور اس میں ان کی روح کو

(۱) مسند احمد: ۵/۲۶۲، علامہ البانی کہتے ہیں کہ شواہد کی بنا پر اس حدیث کی سند جید ہے۔

(۲) مسند احمد: ۴/۱۲۷-۱۲۸، علامہ البانی کہتے ہیں کہ اس کی اسناد میں جہالت ہے، اور اس کے متن میں نکارت ہے، لیکن میں نے اسے اس کے شواہد کی وجہ سے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے، (صحیح اسیرہ النبویہ: ص ۵۴)۔

(۳) اس کی سند صحیح ہے، اسے ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے اور اس کے شواہد بھی ہیں۔

پھونکنے کے درمیان^(۱)۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ آدم اس وقت اپنی مٹی میں ملے ہوئے تھے، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! آپ کب سے نبی بنائے گئے؟ تو آپ نے فرمایا: اس وقت سے جب آدم روح و جسم کے درمیان تھے^(۲)۔

(۳) یہود کو قرب زمانہ نبی کریم ﷺ کا علم:

(ا) ابن اسحاق نے اپنی سند سے عاصم بن عمر بن قتادہ کی قوم کے کچھ لوگوں سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: اللہ کی رحمت اور اس کی ہدایت کے ساتھ جس بات نے ہمیں خصوصی طور پر اسلام لانے پر آمادہ کیا وہ یہ تھی کہ ہم لوگ تو مشرک اور بُت پرست تھے، لیکن ہمارے پڑوس میں کچھ یہودی رہا کرتے تھے جن کے پاس ایسا علم تھا جو ہمارے پاس نہیں تھا۔ اور ہمارے اور ان کے درمیان ہمیشہ جھڑپیں ہو کر تھیں، جب ہم ان پر ایک درجہ غلبہ پاتے تو وہ کہنے لگتے کہ ایک نبی کی بعثت کا زمانہ قریب تر ہے، ہم ان کے ساتھ مل کر عادیارم کے قتل کی مانند تمہیں قتل کریں گے، ہم یہ بات ان سے بار بار سنا کرتے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جب رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا، اور انہوں نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا تو ہم نے ان کے پیغام کو قبول کر لیا۔ اور اُس بات کو خوب اچھی طرح سمجھ لیا جس کا حوالہ دے کر وہ یہود ہمیں دھمکی دیا کرتے تھے، چنانچہ ہم ان سے سبقت کر کے آپ ﷺ پر ایمان لے آئے، اور اُن یہودیوں نے آپ کا انکار کر دیا۔ ہمارے اور ان کے ہی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے:

﴿وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ (اور جب ان کے لئے اللہ کی طرف سے ایک کتاب آئی جو ان کے پاس پہلے سے موجود کتاب کی تصدیق کر رہی تھی) (تو اس کا انکار کر بیٹھے) حالانکہ اس کے قبل کافروں پر غلبہ کی تمنا (اسی کتاب کے ذریعہ) کرتے تھے، جب ان کے پاس وہ چیز آگئی جسے وہ پہچان گئے تو اس کا انکار کر دیا، پس اللہ کی لعنت ہو کافروں پر) [البقرہ: ۸۹] (۳)

(ب) اور سلمہ بن سلام بن وقش سے مروی ہے جو بدری صحابی تھے کہ ہمارا ایک یہودی پڑوسی ہمارے ساتھ بنو عبد الاشہل میں رہتا تھا۔ ایک دن وہ اپنے گھر سے نکل کر بنو عبد الاشہل کے پاس آیا، ان دنوں میں ان میں سب سے کم سن تھا، اور اپنے گھر کے آنگن میں ایک چادر میں لپیٹا لیٹا ہوا تھا۔

(۱) شیخ البانی کہتے ہیں: اسے ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے، اور میں نے ”المصحح“ میں حدیث (۱۸۵۶) کے تحت اس کی تخریج کی ہے۔

(۲) شیخ البانی کہتے ہیں: اسے ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے، اور میں نے ”المصحح“ میں حدیث (۱۸۵۸) کے تحت اس کی تخریج کی ہے۔

(۳) اس روایت کی سند صحیح ہے (البانی)۔

اس نے موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے، قیامت، حساب، میزانِ عمل اور جنت و جہنم کا ذکر کر کے کہا کہ جہنم کی یہ آگ مشرکوں اور بُست پرستوں کے لئے ہے، جو سمجھتے ہیں کہ موت کے بعد کوئی آدمی دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا، تو لوگوں نے اس سے کہا: اے فلاں! تمہارا بھلا ہو، کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ لوگ مر جانے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کے بعد ایک ایسے عالم میں لائے جائیں گے جہاں جنت و جہنم ہوگی، اور سب کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا؟ اس نے کہا: ہاں، اُس ذات کی قسم جس کی قسم کھائی جاتی ہے کہ اُس دن وہ یہ تمنا کرے گا کہ کاش اس آگ کے بدلے دنیا کے عظیم تنور میں اسے ڈال دیا جاتا، اور پھر اس تنور کا دہانہ بند کر دیا جاتا اور اس کے بدلے جہنم کی آگ سے نجات پا جاتا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا: اس کی نشانی کیا ہے؟ اس نے کہا: ان علاقوں سے ایک نبی مبعوث ہوگا، اور اپنے ہاتھ سے مکہ اور یمن کی طرف اشارہ کیا۔ لوگوں نے پوچھا: تم اسے کب دیکھو گے؟ تو اس نے میری طرف دیکھا۔ اور اس وقت میں حاضرین میں سب سے کم سن تھا۔ اور کہا کہ اگر یہ لڑکا زندہ رہا تو اسے دیکھے گا۔

سلمہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! کچھ ہی شب و روز گزرے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا، اُس وقت وہ آدمی ہمارے درمیان زندہ تھا، ہم سب تو اُن پر ایمان لے آئے اور اس نے بغض اور حسد کے سبب آپ ﷺ کی رسالت کا انکار کر دیا، تو ہم نے کہا: اے فلاں! تمہارا بُرا ہو۔ کیا تم وہی آدمی نہیں ہو جس نے ہم سے ایسی اور ایسی بات کہی تھی؟ اس نے کہا: ہاں، لیکن یہ وہ نبی نہیں ہے ^(۱)۔

(۴) مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے انتظار میں ابن الہبئیّان یہودی شامی کی وفات:

ابن اسحاق نے اپنی کتاب السیرہ میں اور اُن سے ابو نعیم نے دلائل النبۃ میں روایت کی ہے کہ شام کا رہنے والا ایک یہودی جس کا نام ابن الہبئیّان تھا، ہمارے پاس یعنی بنو قریظہ میں اسلام آنے سے چند سال پہلے آیا اور ہمارے درمیان قیام پذیر ہو گیا۔ اللہ کی قسم! ہم نے پانچ نمازیں اس سے بہتر پڑھتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا، وہ ہمارے پاس ٹھہرا رہا، جب قط سالی ہوتی تو ہم اس سے کہتے: اے ابن الہبئیّان! نکلتے، اور ہمارے لئے بارش کی دعا کیجئے، تو وہ کہتا: اللہ کی قسم! میں یہ کام اس وقت کروں گا جب تم پہلے صدقہ نکالو گے، تو ہم کہتے: کتنا؟ وہ کہتا: ایک صاع کھجور یا دو منہ بنو، جب ہم ایسا کر لیتے تو وہ ہمیں لے کر حرہ کے بالائی علاقے میں جاتا، اور بارش کے لئے دعا کرتا۔ اللہ کی قسم! ابھی وہ اپنی جگہ پر ہی ہوتا کہ بادل منڈلاتے اور بارش ہونے لگتی، ایسا اُس نے بارہا کیا۔

(۱) علامہ البانی کہتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے، اور دیکھئے سیرۃ ابن ہشام: ۲۲۵، ۲۲۶، اور ابن ہشام کے طریق سے ابو نعیم نے دلائل النبۃ میں روایت کی ہے ص ۱۶، جس کے آخر میں ہے کہ اُس آدمی کا نام یوشع تھا۔

راوی کا بیان ہے کہ وہ ہمارے پاس ہی وفات پا گیا۔ جب اُسے یقین ہو گیا کہ وہ اب مر جائے گا تو کہا: اے قوم یہود! کیا تم جانتے ہو کہ مجھے شراب اور عیش پرستی کی سرزمین سے نکال کر کس چیز نے اس فاقہ و محرومی کی سرزمین تک پہنچایا ہے؟ ہم نے کہا: آپ زیادہ جانتے ہیں، تو اس نے کہا: میں اس شہر میں ایک نبی کی بعثت کے انتظار میں آیا ہوں جس کا زمانہ قریب تر ہے، یہی شہر اس کا دارالہجرت ہو گا۔ میں امید لگائے ہوئے تھا کہ وہ مبعوث ہو گا تو میں اس کی پیروی کروں گا۔ لوگو! اس کا زمانہ سایہ فگن ہے۔ اے قوم یہود! دیکھو! اس پر ایمان لانے میں کہیں دوسرے لوگ تم پر سبقت نہ کر جائیں، وہ نبی اپنے مخالفین کے خون بہائے گا، اور ان کی اولاد کو غلام بنالے گا، دیکھو کوئی چیز اس پر ایمان لانے سے تمہیں روک نہ دے۔

رسول اللہ ﷺ جب مبعوث ہوئے، اور بنو قریظہ کا محاصرہ کیا تو ان کے بعض کم عمر نوجوانوں نے کہا: اے بنو قریظہ! اللہ کی قسم! یہ وہی نبی ہے جس کے بارے میں تم کو ابن الہیئان نے خبر دی تھی۔ انہوں نے کہا: یہ وہ نبی نہیں ہے۔ انہوں نے کہا: ہاں، اللہ کی قسم! یہ اپنی صفات کے مطابق وہی نبی ہے، پھر وہ قلعہ سے نکل کر باہر آئے، اور اسلام لے آئے اور اپنے خون، مال اور اہل و عیال کو قتل سے بچالیا^(۱)۔

(۵) تورات میں آپ ﷺ کی صفات:

تورات سفر التثنیہ میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: آپ بنی اسرائیل سے کہہ دیجئے کہ میں ان کے لئے آخری زمانہ میں آپ ہی کے جیسا ایک نبی بھیجوں گا جو ان کے بھائیوں کی اولاد میں سے ہو گا۔ اور میں اپنے کلام کو اس کی زبان پر جاری کروں گا۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہر نبی بنی اسرائیل میں سے ہوا، اور ان میں آخری نبی عیسیٰ علیہ السلام ہوئے۔ اور ان کے بھائیوں کی اولاد میں سے رسول اللہ ﷺ نبی ہوئے، اس لئے کہ وہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے، اور اسماعیل اسحاق کے بھائی تھے اور اسحاق بنی اسرائیل کے جد امجد تھے۔ تورات میں اسی اخوت کا ذکر آیا ہے۔ اگر یہ بشارت بنی اسرائیل کے نبیوں میں سے کسی نبی کے بارے میں ہوتی تو ان کے بھائیوں کا ذکر بے معنی ہوتا۔

ذیل میں بعض صحیح احادیث کا ذکر کرتا ہوں، جن سے تورات و انجیل میں نبی کریم ﷺ کی صفات کے پائے جانے کا علم ہوتا ہے:

(۱) امام احمد اور امام بخاری نے عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے عبد اللہ بن عمرو بن

(۱) السیرۃ النبویہ، المرفعی: ص ۲۲۶-۲۲۸، اس کی سند صحیح ہے (البانی)، اور صحیح السیرۃ النبویہ: ص ۷۷۔

العاص سے ملاقات کی اور کہا کہ مجھے تورات میں موجود رسول اللہ ﷺ کی صفات بتائیے: انہوں نے کہا: اچھی بات ہے، اللہ کی قسم! تورات میں آپ ﷺ کی وہی صفت موجود ہے جو صفت آپ ﷺ کی قرآن میں ہے۔

”اے نبی! بے شک ہم نے آپ کو گواہ، خوشخبری دینے والا، ڈرانے والا اور ان پڑھ لوگوں کا حمایتی بنا کر بھیجا ہے۔ آپ میرے بندہ اور میرے رسول ہیں، میں نے آپ کا نام ”متوکل“ (اللہ پر بھروسہ کرنے والا) رکھا ہے، آپ نہ سخت رویہ والے، نہ سخت دل اور نہ بازاروں میں شور و شغب کرنے والے ہیں۔ وہ نبی برائی کا دفع برائی کے ذریعہ نہیں کرے گا، بلکہ معاف اور درگزر کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے دنیا سے اس وقت تک نہیں اٹھائے گا جب تک وہ تحریف کردہ دین کو درست نہ کر دے، بایں طور کہ سب لوگ کہیں: اللہ کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں، وہ نبی اس کلمہ کے ذریعہ اندھوں کی آنکھیں اور بہروں کے کان کھول دے گا، اور دلوں سے پردہ ہٹا دے گا“ (۱)۔

مسند احمد میں ہے کہ عطاء نے کہا: میں نے کعب سے ملاقات کی اور ان سے یہی سوال کیا تو دونوں کے جواب میں ایک حرف کا بھی اختلاف نہیں پایا۔

(ب) دارمی نے اپنی سنن کے مقدمہ میں کعب الاحبار کی یہ حدیث روایت کی ہے کہ میں تورات میں یہ لکھا ہوا پاتا ہوں: ”محمد رسول اللہ“ پھر عبد اللہ بن عمرو بن العاص کی بات سے مشابہہ بات کا ذکر کیا، یہاں تک کہ کہا: ”ان کی پیدائش مکہ میں ہوگی، اور ان کا دار الحجرت یہ (مدینہ) ہوگا۔ اور ان کی حکومت شام تک ہوگی۔“ بیہقی نے دلائل النبۃ میں اسی طرح کی روایت نقل کی ہے (۲)۔

(ج) امام احمد نے ایک اعرابی سے روایت کی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں کچھ مال تجارت لے کر مدینہ آیا، اور جب اُسے فروخت کر دیا تو سوچا کہ میں اس آدمی (نبی کریم ﷺ) سے ضرور ملوں گا، اور اس کی بات ضرور سنوں گا۔ میں نے آپ کو ابو بکر و عمر کے درمیان چلتے ہوئے پایا تو ان کے پیچھے ہولیا، وہ تینوں ایک یہودی کے پاس آئے جو تورات پھیلانے سے پڑھ رہا تھا، اور اپنے ایک بہت ہی پیارے قریب الموت نوجوان بیٹے کے سلسلے میں اپنے آپ کو تسلی دے رہا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس سے کہا: میں تمہیں اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے تورات کو نازل کیا ہے، کیا تم اپنی اس کتاب میں میری صفت اور میری بعثت کی خبر پاتے ہو؟! تو اس نے اپنے سر کے اشارے سے کہا: نہیں، تو اس کے بیٹے نے کہا: ہاں، اس ذات کی قسم جس نے تورات نازل کی ہے، ہم اپنی کتاب میں آپ کی صفت اور آپ

(۱) مسند احمد: ۲/۱۷۴، اور صحیح البخاری: حدیث (۲۱۲۵) اور (۴۸۳۸)۔

(۲) مقدمہ الدارمی: ۱/۴۵، اور دلائل النبۃ: ۱/۳۷۔

کی بعثت کی خبر پاتے ہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ اس یہودی کو اپنے اس بھائی سے الگ کرو، پھر آپ نے اس کو کفن پہنایا اور اس پر نماز پڑھی^(۱)۔

اس حدیث کی ایک شاہد روایت صحیح بخاری میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں اس یہودی لڑکے کا واقعہ ہے جو آپ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ جب بیمار ہوا تو آپ ﷺ نے اس کی عیادت کی، اور اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو وہ مسلمان ہو گیا، پھر اس کی وفات ہو گئی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: تم لوگ اپنے ساتھی پر نماز پڑھو۔

اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے ابو عبیدہ بن عبد اللہ بن مسعود نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ایک آدمی کو جنت میں داخل کرنے کے لئے بھیجا، آپ ﷺ کنسہ میں گئے جہاں آپ نے ایک یہودی کو تورات پڑھ کر کچھ لوگوں کو سناتے ہوئے پایا، جب وہ لوگ نبی کریم ﷺ کی صفت کے پاس آئے تو رُک گئے۔ وہاں ایک کنارے ایک مریض آدمی لیٹا تھا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم لوگ کیوں رُک گئے؟ مریض نے کہا: یہ لوگ ایک نبی کی صفت کے پاس آکر رُک گئے ہیں، پھر مریض گھٹنوں کے بل چلتا ہوا آیا، اور تورات لے کر پڑھنے لگا، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کی امت کی صفت کے پاس پہنچا تو کہا: یہاں آپ کی اور آپ کی امت کی صفت ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور آپ اللہ کے رسول ہیں، پھر وہ آدمی مر گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے بھائی کو سنبھالو^(۲)۔

(د) امام احمد نے عوف بن مالک اشجعی سے روایت کی ہے کہ ایک بار میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ نکلا، آپ ﷺ مدینہ میں یہودیوں کے ایک کنسہ میں ان کی ایک عید کے دن داخل ہوئے تو ان لوگوں کو ہمارا داخل ہونا ناگوار گزرا، آپ ﷺ نے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، لیکن انہوں نے انکار کر دیا، پھر آپ ﷺ اور میں دونوں واپس آنے لگے تو دیکھا کہ ایک آدمی (عبد اللہ بن سلام) ہمارے پیچھے سے آکر کہہ رہا ہے۔ اے محمد! آپ ویسے ہی ہیں جیسے آپ نے اپنے بارے میں کہا ہے کہ آپ اللہ کے برگزیدہ نبی ہیں، پھر اس آدمی نے کہا کہ اے قوم یہود! میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ لوگوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم اللہ کی کتاب کو آپ سے زیادہ جاننے والا اپنے درمیان نہیں جانتے، اور نہ آپ سے زیادہ سمجھ بوجھ والا، اور نہ آپ سے پہلے آپ کے باپ سے زیادہ، اور نہ آپ کے باپ سے قبل آپ کے دادا سے زیادہ، تو اس آدمی نے کہا: اب میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ

(۱) مسند احمد: ۵/۴۱۱، اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(۲) مسند احمد: ۱/۴۱۶، اس کی سند کے رجال ثقات ہیں (البانی)۔

کے وہی نبی ہیں جن کی صفات تم لوگ تورات میں پاتے ہو، لوگوں نے کہا: تم جھوٹے ہو، پھر انہوں نے اس کی بات کا انکار کر دیا، اور اُسے بُرا بھلا کہنے لگے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ جھوٹے ہو تمہاری بات قابل قبول نہیں، کیا تم لوگ ابھی اس کی تعریف نہیں کر رہے تھے، اور جب وہ ایمان لے آیا تو اسے جھٹلانے لگے، اور اس کے بارے میں بیہودہ بکواس کرنے لگے؟ تمہاری بات قبول نہیں کی جائے گی۔ راوی کہتے ہیں: جب ہم وہاں سے چلے تو تین تھے: رسول اللہ ﷺ، میں اور عبد اللہ بن سلام^(۱)۔

(۶) انجیل میں آپ ﷺ کی صفات:

(۱) یسوع (عیسیٰ) کی شہادت کہ نبی منظر کا نام محمد ہے:

انجیل برناباس (فصل ۹۶) میں آیا ہے (جو عربی میں مترجم اناجیل میں سب سے زیادہ لائق اعتبار انجیل ہے) کا بن نے یسوع سے پوچھا: موسیٰ کی کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ ہمارا معبود ہمارے لئے ایک رسول بھیجے گا، جو ہمیں اللہ کے ارادے اور اس کی مشیت کی خبر دے گا، اور سارے عالم کے لئے رحمت بن کر آئے گا۔ اس لئے میں آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ آپ ہمیں حق بات بتائیے، کیا آپ ہی اللہ کے وہ رسول ہیں جن کا ہم انتظار کر رہے ہیں؟

یسوع نے جواب دیا: یہ بات صحیح ہے، اللہ نے بے شک اس کا وعدہ کیا ہے، لیکن میں وہ نبی نہیں ہوں، اس لئے کہ وہ مجھ سے پہلے پیدا کئے گئے اور میرے بعد مبعوث ہوں گے۔ کا بن نے کہا: ہم آپ کے کلام اور آپ کی نشانیوں کی بنا پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپ یقیناً نبی اور اللہ کے مقدس بندہ ہیں، اس لئے میں پوری یہودی دنیا اور اسرائیل کے نام سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ ہمیں بتائیے کہ وہ نبی کس کیفیت میں آئے گا؟

یسوع نے کہا: اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں وہ نبی نہیں ہوں، جس کا انتظار سارے اہل زمین کر رہے ہیں، جیسا کہ اللہ نے ہمارے باپ ابراہیم سے کہا تھا: میں تمہاری نسل کے ذریعہ تمام قبائل زمین کو برکت پہنچاؤں گا، لیکن جب اللہ مجھے اس دنیا سے اٹھالے گا تو ایک بار پھر شیطان اس ملعون فتنے کو ابھارے گا، اور اللہ سے نہ ڈرنے والے کو اس اعتقاد پر مجبور کرے گا کہ میں اللہ ہوں، اور اللہ کا بیٹا ہوں۔

اس سبب سے میرا کلام اور میری تعلیم پلید ہو جائے گی، اور عنقریب ہے کہ تمیں مومن سے زیادہ باقی نہیں رہیں گے۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر رحم کرے گا، اور اپنے اُس رسول کو بھیجے گا جو پوری قوت کے ساتھ

(۱) مسند احمد: ۲۵/۶، مستدرک حاکم: ۴۱۶، ۴۱۵، ۳، اور حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث شیخین کی شرطوں کے مطابق صحیح ہے، اور ذہبی نے ان کی

جنوب کی طرف سے آئے گا، اور بتوں اور بُت پرستوں کو ہلاک کر دے گا، اور انسانوں پر مسلط شیطانی سلطنت کا خاتمہ کر دے گا، اور اپنے اوپر ایمان لانے والوں کی نجات کے لئے اللہ کی رحمت لائے گا، اور اس کے کلام پر ایمان لانے والا مبارک ہوگا، اور مجھ پر اللہ کی نعمت و رحمت ہوئی ہے کہ میں اُسے دیکھوں گا۔

کاہن نے والی شہر اور بادشاہ کے ساتھ مل کر کہا: اے یسوع! اللہ کے پاکباز بندے، اپنے آپ کو پریشانی میں نہ ڈالیے، اس لئے کہ یہ فتنہ اب دوبارہ ہمارے زمانے میں ظاہر نہیں ہوگا۔ ہم جلد ہی مقدس رومن پارلیمنٹ کو شاہی فرمان جاری کرنے کے لئے لکھ دیں گے کہ اب کوئی آپ کو اللہ یا ابن اللہ (اللہ کا بیٹا) نہ پکارے۔ یسوع نے کہا: آپ کا کلام مجھے تسلی نہیں دے گا، اس لئے کہ وہاں سے تاریکی آئے گی جہاں سے آپ نور کی امید لگائے ہوئے ہیں۔ میری تسلی اس رسول کے آنے میں ہے جو میرے بارے میں ہر جھوٹی رائے کی تکذیب کر دے گا، اور اس کا دین پھیلتا جائے گا، یہاں تک کہ سارے عالم میں عام ہو جائے گا۔ اس لئے کہ اللہ نے ہمارے جدِ اعلیٰ ابراہیم سے ایسا ہی وعدہ کیا ہے۔ اور میری تسلی اس میں ہے کہ اُن کے دین کا خاتمہ نہیں ہوگا، اس لئے کہ اللہ اسے بہر حال صحیح حالت میں محفوظ رکھے گا۔

کاہن نے کہا: اس نبی کا کیا نام ہوگا؟ اور کون سی علامت اس کی آمد کی خبر دے گی؟ تو یسوع نے جواب دیا: اس نبی کا نام عجیب ہے، اس لئے کہ انہوں نے خود اپنا نام وہ رکھا ہے جس کی خاطر وہ پیدا کئے گئے ہیں، اور جو آسمانی مملکت میں اُن کے مقام کے مطابق ہے۔ اللہ نے کہا: اے محمد! آپ صبر کیجئے، میں آپ کی وجہ سے جنت کو پیدا کرنا چاہتا ہوں، اور مخلوق کی ایک بہت بڑی جماعت کو، جنہیں میں آپ کو دے دوں گا، آپ کو جو مبارک کہے گا وہ خود مبارک ہوگا، اور جو آپ پر لعنت بھیجے گا وہ خود ملعون ہوگا۔ اور جب میں آپ کو دنیا والوں کے پاس بھیجوں گا تو آپ کو ان کی نجات کے لئے اپنا رسول بناؤں گا، اور آپ کے پیغام کی صداقت قائم رہے گی یہاں تک کہ آسمان وزمین کمزور ہو جائیں گے، لیکن آپ کا ایمان کبھی کمزور نہ ہوگا۔ ان کا مبارک نام محمد ہے۔ یہ سُن کر لوگ اپنی بلند آواز میں کہنے لگے: اے اللہ! ہمارے لئے اپنے رسول کو بھیج دے۔ اے محمد! دنیا کی نجات کے لئے آپ جلد آئیے^(۱)۔ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی زبان پر محمد بن عبد اللہ کی رحمۃ للعالمین کی حیثیت سے بعثت کے بارے میں یہ آخری خوشخبری تھی۔

(ب) مسیح نے ”فارقلیط“ کی بعثت کی خبر دی، جس کا معنی ”احمد“ ہے:

مسیح علیہ السلام نے کہا: اگر تم لوگ مجھ سے محبت کرتے ہو تو میری وصیتوں کو یاد رکھو، اور میں باپ سے

(۱) انجیل برناباس، فصل: ۹۶، عربی ترجمہ: ڈاکٹر عمر ابو النصر۔

طلب کروں گا تو وہ تمہیں ایک دوسرا ”فارقلیط“ دے گا جو تمہارے ساتھ ہمیشہ رہے گا۔ اور ایک دوسرے سے کہا: اور اب میں اُس کے پاس جا رہا ہوں جس نے مجھے بھیجا ہے، اور تم میں سے کوئی مجھ سے نہ پوچھے کہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ لیکن یقیناً میری اس بات نے تمہارے دلوں کو حزن و ملال سے بھر دیا ہے۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ میرا چلا جانا ہی تمہارے لئے بہتر ہے، اس لئے کہ اگر میں نہ گیا تو ”فارقلیط“ نہیں آئیں گے، میں چلا جاؤں گا اور انہیں تمہارے پاس بھیج دوں گا۔

”فارقلیط“ کا عربی ترجمہ ”احمد“ ہے، جیسا کہ اصل کلمہ سے پتہ چلتا ہے۔ اسی بات کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی قرآن کریم میں یوں بیان فرمایا ہے: ﴿وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِيهِ مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ﴾ (اور ایک رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا، اس کا نام احمد ہوگا) [الف: ۶۰] (۱)۔

(ج) جبلِ فاران مکہ سے خاتم النبیین کا ظہور :

سفر التشنیہ میں آیا ہے: اور رب سینا سے آیا، اور اُن کے لئے ساعیر سے چمکا، اور جبلِ فاران سے آتا ہوا جلوہ افروز ہوا، اور اس کے ساتھ دس ہزار پاکباز لوگ آئے، اور اس کے دائیں ہاتھ سے اُن کے لئے شریعت کی آگ ظاہر ہوئی (۲)۔

اسرائیلیوں میں سے کسی کا بھی کوئی تعلق جبلِ فاران سے نہیں تھا، انہی میں مسیح بھی داخل ہیں۔ ہاجر اپنے بیٹے اسماعیل کے ساتھ برسیع کے علاقے میں گھومتی رہیں، بالآخر جبلِ فاران کے گرد چٹیل میدان میں سکونت پذیر ہو گئیں۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ نبی کریم ﷺ اسماعیل کی نسل سے تھے، اور وہی جبلِ فاران کے علاقے میں نبی بن کر ظاہر ہوئے، اور انہوں نے ہی مکہ کو فتح کیا، اور اس میں اپنے دس ہزار صحابہ کرام کے ساتھ داخل ہوئے، اور وہی ناری شریعت لے کر اپنی قوم کے پاس آئے۔

(د) عموریہ کے راہب نے سلمان فارسی کو مدینہ منورہ سے نبی خاتم النبیین ﷺ کے ظہور کی خبر دی:

ابن اسحاق نے سلمان فارسی کے اسلام لانے کا قصہ بیان کرتے ہوئے اُس آخری راہب کے بارے میں لکھا ہے جس کے پاس سلمان عموریہ میں ٹھہرے تھے کہ ”جب اس کی موت قریب ہوئی تو اس نے سلمان فارسی سے کہا: ایک نبی کے ظہور کا زمانہ قریب تر ہے، وہ دینِ ابراہیم لے کر آئیں گے، سرزمینِ عرب میں ظاہر ہوں گے،

(۱) محمد فی الکتاب المقدس: ص ۲۱۹-۲۲۹۔

(۲) سفر التشنیہ، باب ۳۲، عربی ترجمہ، مطبوعہ ۱۸۳۲ء۔

اور ایک ایسی سرزمین کی طرف ہجرت کریں گے جو دو جزوؤں کے درمیان واقع ہے، اور اُن کے درمیان کھجوروں کے باغات ہیں۔ اُن کی کچھ ایسی علامتیں ہیں جو چھپ نہ سکیں گی، وہ ہدیہ کی چیز کھائیں گے اور صدقہ نہیں کھائیں گے، ان کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی، اگر تم سے ہو سکے تو اس ملک میں چلے جاؤ^(۱)۔

(۵) نجاشی کی گواہی کہ انجیل میں مذکور نبی محمد ﷺ ہی ہیں:

امام احمد نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسی (۸۰) مسلمانوں کی مکہ سے حبشہ ہجرت کرنے کی روایت کی ہے۔ اُس میں آیا ہے کہ جب نجاشی نے جعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر سنی اور دیکھا کہ انہوں نے اُس کو سجدہ نہیں کیا، اور عیسیٰ کے بارے میں ان کی یہ رائے سنی کہ وہ اللہ کا کلمہ اور اس کی روح تھے جسے اس نے اُس عذرراء بتول کے اندر ڈال دیا، جنہیں کسی انسان نے نہیں چھوا تھا، اور مسیح سے پہلے جن کو کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی، تو اس نے زمین سے ایک لکڑی اٹھائی اور کہا: اے حبشہ! وائو اور اے پادریو اور راہبو! اللہ کی قسم! عیسیٰ بن مریم اس سے زیادہ کچھ نہیں جو اس نے ان کے بارے میں کہا ہے۔ پھر جعفر اور ان کے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا: میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں، اور ان کو جن کے پاس سے تم آئے ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں، اور انجیل میں ہم انہی کا ذکر پاتے ہیں، اور یہی وہ رسول ہیں جن کی عیسیٰ بن مریم نے بشارت دی ہے۔ جاؤ، جہاں چاہو رہو، اللہ کی قسم! اگر میرے ساتھ بادشاہت کی مجبوری نہ ہوتی تو میں خود ان کے پاس جاتا، اور ان کے جوتے اور ان کے وضو کے برتن ڈھوتا^(۲)۔

(۶) ہرقل کی شہادت کہ انجیل میں مذکور نبی آپ ﷺ ہی ہیں:

امام بخاری نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ابوسفیان نے انہیں بتایا کہ ہرقل نے اُسے اپنے پاس بلالانے کے لئے آدمی بھیجا (ہرقل شاہ روم کو ایسے آدمی کی تلاش تھی جس سے نبی کریم ﷺ کے بارے میں پوچھے)، ابوسفیان مکہ کے دیگر تاجروں کے ساتھ ابتدائے اسلام میں شام گیا، تو ہرقل کو اُس کی آمد کی خبر ہوئی۔ اس وقت وہ غزہ میں تھا۔ اس نے ان سب کو اپنی مجلس میں بلایا، اس وقت اس کے ارد گرد عظمائے روم بیٹھے تھے۔ اس نے ابوسفیان سے رسول اللہ ﷺ کی صفات اور ان کے احوال کے بارے میں پوچھا۔ ابوسفیان نے

(۱) البانی کہتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے، اور اسے امام احمد نے مسند (۴۴۱/۵-۴۴۲/۳) میں، اور ابو نعیم نے دلائل النبوة (ص ۸۷-۸۹) میں، اور حاکم نے مستدرک (۵۹۹-۶۰۲) میں روایت کی ہے۔

(۲) مسند احمد: ۴۶۱/۲، مستدرک حاکم: ۶۲۳/۲، عمیون الاثر، ابن سید الناس: ۱۱۸/۱، حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۱۸۹/۷) میں اس کی سند کو حسن کہا ہے۔

اُسے بتایا کہ اس کے دین میں صرف کمزور لوگ داخل ہوتے ہیں، اور ان میں سے کوئی اپنے دین سے نہیں پھرتا، اور یہ کہ نبی کریم ﷺ دھوکا نہیں دیتے، اور آپ لوگوں کو ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیتے ہیں، اور شرک سے روکتے ہیں، اور آپ ﷺ نماز، سچائی، پاکدامنی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔

اس نے یہ ساری باتیں پوچھنے کے بعد ابوسفیان سے کہا: آپ ﷺ یقیناً ایک دن میرے ان دونوں قدموں کی جگہ کے مالک بن جائیں گے۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ ظاہر ہونے ہی والے ہیں، لیکن مجھے اس کا گمان نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہوں گے۔ اگر میں جانتا کہ میں ان کے پاس پہنچ سکوں گا تو ان سے ملنے کی کوشش ضرور کرتا، اور اگر میں ان کے پاس ہوتا تو میں ان کے دونوں قدموں کو دھوتا۔

اس واضح اور صریح گواہی سے پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ ہی وہ نبی ہیں جن کا ہر قل دیگر یہود و نصاریٰ کے ساتھ انتظار کر رہا تھا (اس لئے کہ اس کے پاس انجیل کا علم تھا، وہ اس میں آپ ﷺ کی علامتوں اور آپ کی بعثت کے قرب زمانہ کے بارے میں پڑھا کرتا تھا)، لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے قبول اسلام کی توفیق نہیں دی، اس نے اسلام پر بادشاہت کو ترجیح دی، اور اپنے دین باطل پر قائم رہا، یہاں تک کہ وفات پا گیا^(۱)۔

(۷) آپ ﷺ کی بعثت کے بارے میں عرب کا ہنوں کی خبریں:

ابن اسحاق نے لکھا ہے: علمائے یہود و نصاریٰ اور عرب کا ہنوں نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں آپ کی بعثت سے قبل کے واقعات کا ذکر کیا ہے۔ لکھا ہے کہ عرب کا ہنوں کے پاس شیاطین جن آپ ﷺ کی خبر لے کر آتے تھے، جب وہ آسمان کی باتیں چوری چھپے سن لیا کرتے تھے، اس وقت انہیں ستاروں سے مار کر سننے سے روکا نہیں جاتا تھا۔

کاہن مرد اور عورتیں اس زمانے میں آپ ﷺ کی بعض خبریں بتاتے تھے، لیکن عرب اُن پر دھیان نہیں دیتے تھے، یہاں تک کہ اللہ نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا، اور وہ حادثات رونما ہوئے جن کا وہ کاہن ذکر کیا کرتے تھے، تو انہوں نے ان حادثات کو پہچان لیا۔

جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا زمانہ قریب ہو گیا تو شیاطین سننے سے روک دیئے گئے، اور انہیں ان مقامات تک پہنچنے سے منع کر دیا گیا، جہاں بیٹھ کر چوری چھپے آسمان کی باتیں سنا کرتے تھے۔ انہیں ستاروں سے مارا جانے لگا، تب جنوں نے سمجھ لیا کہ ایسا کسی عظیم حادثے کا پیش خیمہ ہے جو اللہ کے حکم سے بندوں کے درمیان

(۱) صحیح البخاری، کتاب بدء الوحی: حدیث (۷)۔

و توقع پذیر ہونے والا ہے۔

ابن اسحاق لکھتے ہیں: اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر نازل فرمایا: ﴿قُلْ أَوْحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا﴾ (۱) يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا﴾ (اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے، میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (قرآن) سنا، پھر انہوں نے (دوسرے جنوں سے) کہا کہ ہم نے ایک بہت ہی عجیب قرآن سنا ہے، جو راہِ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اس لئے ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں، اور ہم اپنے رب کا کسی کو ہرگز شریک نہیں بنائیں گے) [الجن: ۱-۲] (۱)۔

اور امام بخاری نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک کاہن کو بلایا جس نے ان سے کہا کہ میں جاہلیت میں لوگوں کا کاہن تھا۔ عمر نے پوچھا: تمہاری جتنی نے تمہیں سب سے عجیب کون سی بات بتائی؟ اس نے کہا: میں ایک دن بازار میں تھا کہ وہ میرے پاس گھبرائی ہوئی آئی، اور کہنے لگی: کیا تم جنوں کی پریشان حالی، چوری چھپے آسمان کی باتیں سننے سے ان کی ناامیدی، اور ان کی بد نصیبی کو نہیں دیکھ رہے ہو؟ عمر نے کہا: اس نے سچ کہا، ایک دن میں مشرکوں کے معبودوں کے پاس تھا کہ ایک آدمی ایک پتھر لے کر آیا اور اُسے ذبح کیا، تو ایک چیخنے والے کی اتنی شدید چیخ میں نے سنی کہ اس سے زیادہ تیز چیخ نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا: اے بد طینت! ایک بہت ہی عمدہ بات سنی گئی ہے۔ ایک فصیح آدمی کہہ رہا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، تو تمام لوگ چوکنے ہو گئے۔ میں نے سوچا: جب تک اس آواز کی حقیقت کو نہ جان لوں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ دوبارہ پھر وہی آواز آئی، اے بد طینت! ایک بہت ہی عمدہ بات سنی گئی ہے۔ ایک فصیح آدمی کہہ رہا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر میں اٹھ کر وہاں سے چلا آیا، اس کے بعد ہم اسی حال میں رہے کہ کہا گیا: یہ نبی ہیں (۲)۔

عہدِ ابراہیمی سے لے کر بعثتِ نبوی کے پہلے تک نبی کریم ﷺ سے متعلق جن بشارتوں کا اب تک ذکر ہوا، اُن سے مقصود یہ باور کرانا ہے کہ آپ کی بعثت آسمانوں اور زمین میں اللہ کی مخلوقات سے متعلق تمام امور سے اعظم و اہم تھی، اور یہ کہ آپ ﷺ ہی وہ رسول تھے جن کا پوری دنیا انتظار کر رہی تھی، تاکہ آپ انسانوں اور جنوں کو بتا ہی دہلاکت اور جہنم کی آگ سے بچالیں، اور سیدھی راہ کی طرف اُن کی رہنمائی کریں۔ یہی نبی اعظم جیلِ فاران سے آئے، آپ ہی نے دنیا کو روشن کیا، لوگوں کو سیدھی راہ دکھائی، اور پوری کائنات کے لئے خیر و رحمت کو عام کیا۔ ان شاء اللہ عنقریب ہی اس سلسلہ کی مزید تفصیلات آئیں گی۔

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۲۰۴-۲۰۶۔

(۲) صحیح البخاری، فضائل الصحابہ، باب مناقب الانصار: حدیث (۳۸۶۶)۔

جزیرہ عرب کی وہ خوبیاں جن کے سبب یہ سرزمین خاتم النبیین (ﷺ) کی بعثت سے مشرف ہوئی

گزشتہ صفحات میں ہمیں اس بات کا علم ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ تھے، اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو حکم دیا کہ وہ اپنی اولاد کو ایک ایسی وادی میں لے جا کر بسائیں جہاں دور دور تک آب و گیاہ کا نام و نشان نہیں تھا، تاکہ ہزاروں سال تک وہ وادی (مکہ) خاندانِ ابراہیمی کا مسکن بنی رہے، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ کی ولادت کا وقت آئے، اور آپ ﷺ نبی و رسول اور ہمیشہ کے لئے آسمانی رسالت کا خاتمہ بن کر مبعوث ہوں۔ ہمیں اس بات کا بھی علم ہو چکا ہے کہ تورات و انجیل اور زبور تمام آسمانی کتابوں میں خبر دی گئی ہے کہ یہ نبی اُمی (ﷺ) اُس جبلِ فاران پر تشریف لائیں گے جو مکہ میں پایا جاتا ہے، اور وہ جزیرہ عرب کے نبی ہوں گے جیسا کہ کتاب مقدس (اشعیا: ۴۱: ۱۳) میں آیا ہے، اور آپ ﷺ کا نور مشرق و مغرب اور شمال و جنوب سارے عالم کو روشن کر دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے اُمی رسول ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (اور ہم نے آپ کو تمام بنی نوع انسان کے لئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے ہیں) [سبا: ۲۸] اور قرآن کریم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا﴾ (بے شمار خیر و برکت والا ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا ہے، تاکہ وہ سارے جہان والوں کے لئے (آخرت کے عذاب سے) ڈرانے والا بنے) [الفرقان: ۱]۔

ان آیاتِ کریمہ سے بلاشبہ یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جزیرہ عرب کو اللہ تعالیٰ نے اُس عالمی و دائمی رسالت کے لئے بطور مسکن تیار کر رکھا تھا، اور اُس میں اُن تمام خصائص و خوبیوں کو جمع کر دیا تھا جن کا اُس میں اس مقصدِ عظیم کے لئے پایا جانا ضروری تھا۔

اس لئے اب ہمیں دیکھنا ہے کہ وہ کیا خوبیاں تھیں جو جزیرہ عرب میں پائی گئیں، اور جن کے سبب وہ نبی اسلام (ﷺ) کا مسکن بنا۔ یہ بات ظاہری دلائل و قرائن کو سامنے رکھتے ہوئے کہی جا رہی ہے، لیکن جزیرہ عرب کی وہ تمام خوبیاں جن کے سبب وہ اللہ کی آخری رسالت کا مسکن بنا، بے شمار ہیں، اور پردہ غیب میں پوشیدہ ہیں، جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(۱) جزیرہ نمائے عرب کا طبعی اور جغرافیائی محل وقوع:

یہ پیغام اسلام جو پیغام عزت و شرف ہے، اور جسے نبی کریم ﷺ اور ان کے پاکباز صحابہ کرام نے سارے عالم میں پہنچایا، ضروری تھا کہ اس پیغام کی ذمہ داری اٹھانے والے ایسے غیور و خوددار ہوں جنہوں نے کبھی بھی ذلت و رسوائی اور دوسروں کی طرف سے ظلم و زیادتی کو برداشت نہیں کیا ہو، اس لئے کہ جو لوگ غلامی اور چاکری کے بوجھ تلے زندگی گزارنے کے عادی بن جاتے ہیں، اور ذلت و رسوائی جن کی طبیعتِ ثانیہ بن جاتی ہے، ایسے لوگ کبھی بھی دنیا والوں کا سامنا عزتِ نفس کے ساتھ نہیں کر سکتے، اور نہ ان کے سامنے عزت و شرف والا پیغام پیش کیا جاسکتا ہے۔

رومی اور ایرانی قومیں جو بلادِ عربیہ کے جوار میں رہتی تھیں، وہ دو قسموں میں بٹی ہوئی تھیں: بادشاہوں اور حاکموں کی قسم، جو اپنے آپ کو زمین پر رہنے والوں کا معبود سمجھتے تھے، اور عام لوگوں کی قسم، جو سیکڑوں سال سے اُن بادشاہوں اور حاکموں کی غلامی اور چاکری کے بوجھ تلے زندگی گزار رہے تھے، اور حقیر اور گراؤٹوں سے بھری زندگی کے عادی تھے، جیسا کہ قارئینِ کرام کو عنقریب اس سے متعلق تفصیلات کا علم ہوگا۔

اس لئے دعوتِ اسلامیہ کی یہ ضرورت تھی کہ اسلام کی اس دعوت کو ان بادشاہوں، حاکموں اور اس دور کے جابر حکمرانوں نیز مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں رہنے والی دوسری قوموں کے سامنے پیش کرنے والے غیور و خوددار ہوں، اور ذلت و رسوائی اور ظلم کو برداشت کرنے کے عادی نہ رہے ہوں، تاکہ ان کے سامنے وہ اسلام کی دعوت بایں طور پیش کریں کہ اُن کے سر اُن کے سامنے اونچے رہیں۔

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جزیرہ عرب کے محل وقوع کو ایسا بنایا ہے کہ عربوں میں غیرت و خودداری، عزت و نخوت اور آزادیِ نفس جیسی صفات پیدا ہوتی تھیں، چنانچہ عرب بطور عام اور جزیرہ عرب کے رہنے والے بطور خاص ایک فطری اور سادہ زندگی گزارتے تھے، چاہے وہ شہروں اور بستیوں کے رہنے والے ہوں، یا بادید و صحراءِ نشین۔ اُن کے ارادے بہت پختہ ہوتے تھے، صراحت اور ارادہ کی چنگی ان کی عادتِ ثانیہ ہوتی تھی، کسی کو دھوکا نہیں دیتے تھے، اور نہ غیروں کی جانب سے ظلم و جور کو قبول کرتے تھے، اپنے دشمنوں پر آگے سے حملہ کرتے تھے، کبھی پیٹھ پیچھے سے اُنہیں جانیں لیتے تھے، اس لئے کہ وہ دھوکا دہی اور غداری کے عادی نہیں تھے، اپنے دل کی بات بغیر کسی تمہید و مقدمہ کہہ دیتے تھے، چاہے نتیجہ جو بھی ہو۔ جس بات کے وہ مخالف ہوتے تھے اس کی پوری قوت اور سختی کے ساتھ مخالفت کرتے تھے، اور جس بات کو وہ پسند کرتے تھے اس کی پوری سچائی اور صدقِ جذبات کے ساتھ تائید کرتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ یہ صفات سہیل بن عمرو میں اُس وقت ظاہر ہو گئیں جب اس نے رسول اللہ ﷺ کو غزوہ حدیبیہ کے موقع سے صلح نامہ کا املاء کراتے ہوئے کہتے سنا: یہ عہد نامہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے اتفاق کیا ہے۔ سہیل نے کہا: اللہ کی قسم! اگر ہم جاننے کہ تم اللہ کے رسول ہو، تو ہم تمہیں اللہ کے گھر سے کبھی نہیں روکتے، اور تم سے کبھی جنگ نہیں کرتے۔ اس لئے لکھو: جس پر محمد بن عبد اللہ نے اتفاق کیا ہے^(۱)۔

اور یہی صراحت اور دھوکا دہی اور دغا بازی سے نفرت یثرب کے اسعد بن زرارہ کے قول سے عیاں تھی، جب انہوں نے بیعتہ العقبہ کے موقع سے نبی کریم ﷺ کو اہل یثرب سے کہتے سنا جو اسی بیعت کی خاطر ستر افراد پر مشتمل وفد کی شکل میں آئے تھے کہ ”وہ لوگ آپ کے ہاتھ پر ہر حال میں سمع و طاعت کی بیعت کریں گے، اور آسانی و تنگی میں اللہ کی راہ میں خرچ کریں گے، اور بھلائی کا حکم دیں گے، اور بُرائی سے روکیں گے..... اور آپ کی مدد کریں گے، اور دشمنوں کے خلاف آپ کا دفاع کریں گے“۔ اور اسی طرح کی دوسری باتیں جو آپ ﷺ نے اُس وقت کہیں۔

تو اسعد بن زرارہ نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا جو لوگوں میں سب سے کم سن تھے اور کہا: اے اہل یثرب! ٹھہر جاؤ، ہم لوگ اتنا طویل اور دشوار گزار راستہ طے کر کے اس یقین کے ساتھ آئے ہیں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، اور ان کو یہاں سے نکال کر اپنے شہر یثرب لے جانا تمام عربوں کی مخالفت مول لینی ہے، اور تمہارے اچھے لوگ مارے جاسکتے ہیں، اس لئے تمہیں ان تمام آزمائشوں پر صبر کرنا ہوگا، اور تمہیں اس کے بدلے اللہ کی طرف سے اجر ملے گا، اور اگر تم اپنے بارے میں ڈرتے ہو کہ تم محمد ﷺ کو بزدلی دکھاؤ گے تو آج ہی سے ان کو بتادو تو شاید اللہ کے نزدیک تم معذور سمجھے جاؤ گے۔

لوگوں نے کہا: اے اسعد! تم ہمارے سامنے سے ہٹو، اللہ کی قسم! اس بیعت کو ہم کبھی نہیں چھوڑیں گے، اور ایسا ہرگز نہیں ہوگا کہ اس نعمت کو ہم سے چھین لیا جائے۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر ہم سب لوگ آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ ﷺ نے اُس وقت ہمارے سامنے کچھ شرطیں رکھیں، اور ہمیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے ہمیں جنت دے گا^(۲)۔

(۱) صحیح البخاری، باب الشروط: حدیث (۲۷۳۱، ۲۷۳۲)۔

(۲) مسند احمد: ۳/۳۲۲، ۳۲۹، ۳۹۳، بیہقی، سنن کبریٰ: ۹/۹۰، ابن حبان: (۶۸۶)، مستدرک حاکم: ۲/۶۲۳، ۶۲۵۔ حاکم نے اسے صحیح کہا ہے، اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، اور حافظ ابن کثیر نے اپنی سیرت میں کہا ہے: اس حدیث کی سند امام مسلم کی شرط کے مطابق جید ہے۔

(۲) جزیرہ عرب ایک زبردست مضبوط قلعہ :

یا قوت حموی نے معجم البلدان میں ابو منذر ہشام بن محمد بن سائب کلبی کی سند کے ذریعہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ بلادِ عربیہ کا نام جزیرہ اس لئے پڑ گیا کہ وہ اپنے چاروں طرف سے نہروں اور سمندروں سے گھرا ہونے کے سبب سمندری جزیروں میں سے ایک جزیرہ کے مانند ہو گیا ہے۔

عربوں کے نزدیک جزیرہ عرب کے حدود مندرجہ ذیل ہیں : جنوب کی طرف سے بحرِ عُمان، پھر خلیجِ عرب (خلیجِ فارس) اور بحرِ الہند اور خلیجِ عدن، اور مغرب کی طرف سے بحرِ احمر (بحرِ قلزم) پھر صحرائے سینا اور بحرِ ایض، اور شام کی جانب سے شمال مغرب میں نہرِ فرات سے لے کر قنسرین تک کا علاقہ۔

جس طرح یہ علاقہ تین جہات سے سمندروں سے گھرا ہوا ہے، اس کا اندرونی علاقہ پہاڑوں کے ایک سلسلہ سے عبارت ہے، جو اس کے مغرب سے مشرق تک پھیلا ہوا ہے۔ ان پہاڑوں کے نام جبالِ سراۃ ہیں جو بلادِ عرب کے سب سے بڑے پہاڑ مانے جاتے ہیں۔ اس میں سے ”تہامہ“ کا اکثر حصہ سخت گرم اور پودوں سے تقریباً خالی ریگستان ہے۔ اور نجد کا علاقہ وسطِ جزیرہ میں ایک اونچا علاقہ ہے، اسی میں صحرائے نفود ہے جو اپنے نرم و گداز ریت کے ٹیلوں کے سبب مشہور ہے جس پر آدمی کا چلنا بہت ہی دشوار ہے۔ اور سرزمینِ حجاز نجد و تہامہ کے درمیان ایک اونچے پہاڑی علاقے کا نام ہے، اور عروض کا علاقہ صحراؤں اور وادیوں سے عبارت ہے۔ اور یمن کے علاقے میں ساحل کے مقابل پہاڑوں کی جانب سے وادیاں نکلتی ہیں، اور یہ پہاڑیاں اسی سراۃ کی پہاڑیوں کا ایک حصہ کہلاتی ہیں جو صحرائے دہناء اور صحرائے رلیخ خالی تک پھیلتی ہوئی چلی گئیں ہیں۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جزیرہ عرب باہر کی طرف سے نہروں اور سمندروں سے گھرا ہوا ہے، اور اس کا اندرونی علاقہ پہاڑوں، صحراؤں اور ریگستانوں میں بنا ہوا ہے۔ اس کی اسی طبعی اور جغرافیائی حیثیت کی وجہ سے اس کی پڑوسی قوموں (اہلِ فارس اور اہلِ روم) نے کبھی اس پر قابض ہونے کی بات نہیں سوچی، حالانکہ اُس دور میں ان دونوں ممالک کا استعماری جذبہ عروج پر تھا۔

(۳) اقوامِ عرب کا اہلِ قریش کی فصیح زبان پر اتفاق :

اللہ تعالیٰ کے علم غیب میں یہ بات پوشیدہ تھی کہ وہ اپنی آخری کتاب فصیحِ عربی زبان میں نازل کرے گا، اور یہ کہ جزیرہ عرب ہی اسلام کا پہلا گہوارہ بنے گا، اور یہاں اسلام نہایت تیزی کے ساتھ پھیلے گا، اور یہ علاقہ عنقریب جموں اور بُت پرستوں سے خالی اور صاف کر دیا جائے گا۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے عرب اقوام کو ایک عربی زبان پر جمع کر دیا، باوجود اس کے کہ جزیرہ عرب میں رہنے والے قبائل اور اس کے جنوب و شمال اور مشرق و مغرب کے درمیان طویل مسافتیں حائل تھیں، اور باوجود ان تمام قبائلی عصبیتوں کے جن میں وہ گھرے ہوئے تھے۔ اس طرح اس جزیرہ میں رہنے والے شہری اور بدوی، تحطانی اور عدنانی سب کے سب ایک عربی زبان پر جمع ہو گئے۔

اور یہ متحدہ زبان اگرچہ دور جاہلیت میں بعض قبائل میں اپنے مخصوص لہجوں کے ساتھ مشہور ہوئی، لیکن ان کی کوئی بڑی اہمیت نہیں تھی، اس لئے کہ شمال میں رہنے والے عرب قبائل آپس میں ایک فصیح ادبی لہجہ پر متفق ہو گئے تھے، اور تمام قبائل کے شعراء آپس کی مخالفتوں اور مسافتوں کی دوری کے باوجود اسی شمالی لہجہ کے مطابق شعر کہتے تھے، اور اپنے علاقائی لہجہ سے بلند ہو کر اس عام ادبی لہجہ کو اختیار کرتے تھے۔

یہ فصیح لہجہ فی الواقع قریش کا لہجہ تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو نازل فرمایا، اس لئے کہ وہ قبائل عرب میں سب سے زیادہ فصیح الفاظ کا انتخاب کرتے تھے، جو گفتگو کے وقت زبان پر آسانی کے ساتھ جاری ہوتے تھے، اور سننے میں بھی اچھے لگتے تھے، اور مافی الضمیر کی ادائیگی بھی ان کے ذریعہ واضح ہوتی تھی۔ اور عرب کے لوگ اپنے معاملات میں بالعموم اپنا قضیہ قریش کے سامنے پیش کرتے تھے، اور ان کا فیصلہ مانتے تھے، ان کا احترام کرتے تھے، اور کلمات و تعبیرات کے انتخاب میں ان سے استفادہ کرتے تھے۔

اس طرح عرب کے فصحاء شعراء اور ادباء قریش کی فصیح زبان پر متحد ہو گئے، جس میں قرآن کا نزول ہوا، اور جس زبان میں خاتم النبیین محمد بن عبد اللہ ہاشمی قرشی نے تیس (۲۳) سال تک بات کی، قرآن کی تشریح فرمائی، اور جس کے ذریعہ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام اور مدینہ آنے والے تمام عرب و فود کو دین کی تعلیم دی۔ اس طرح اسلام کا پیغام جزیرہ عرب میں اتنی تیزی کے ساتھ پھیلا جس کی نظیر آسمانی ادیان کی تاریخ میں نہیں ملتی^(۱)۔

(۴) مقام مکہ اور بیت اللہ کی فضیلت:

مکہ کی عزت و شرف کے لئے یہ بات کافی ہے کہ یہی وہ شہر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بیت حرام کو رکھا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ﴾ (بے شک (اللہ کا) پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا، وہ ہے جو مکہ میں ہے، اور تمام جہان والوں کے لئے

(۱) دیکھئے: سیوطی کی کتاب المرہر، احمد فارس کی کتاب الصاحبی فی فقہ اللغۃ، مقدمہ ابن خلدون، قسم ششم، فصل: ۳۲، ص ۴۰۹، مکہ، فی

باعث برکت و ہدایت ہے) [آل عمران: ۹۶]، اور اس کے افتخار و اعزاز کے لئے یہ کافی ہے کہ یہیں تمام انبیاء و رسل کے سردار پیدا ہوئے، اور یہیں سارے عالم کے لئے نبی و رسول بنا کر مبعوث کئے گئے۔ اور یہی وہ سر زمین ہے جس میں ابراہیم خلیل الرحمن نے اپنی بیوی ہاجر اور اپنے بیٹے اسماعیل کو اللہ کے حکم سے رکھ کر دعوت کا کام کرنے کے لئے ملک شام واپس چلے گئے، اور یہ دعا کرتے ہوئے گئے: ﴿رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بُوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْتِدَاءَ مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ﴾ (اے ہمارے رب! میں نے اپنی بعض اولاد کو تیرے بیتِ حرام کے پاس ایک وادی میں بسایا ہے جہاں کوئی کھیتی نہیں ہے، اے ہمارے رب! میں نے ایسا اس لئے کیا ہے تاکہ وہ نماز قائم کریں، اس لئے تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف پھیر دے، اور بطور روزی انہیں انواع و اقسام کے پھل عطا کر، تاکہ وہ تیرا شکر یہ ادا کریں) [ابراہیم: ۳۷]۔

اور ابراہیم نے اپنے بیٹے اسماعیل کے ساتھ بیتِ حرام کو بناتے وقت دعا کی، اور کہا: ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (اور اے ہمارے رب! انہی میں سے ایک رسول ان کی ہدایت کے لئے مبعوث فرما، جو تیری آیتیں انہیں پڑھ کر سنائے، اور انہیں قرآن و سنت کی تعلیم دے، اور انہیں پاک کرے، بے شک تو بڑا زبردست اور حکمت والا ہے) [البقرہ: ۱۲۹]، چنانچہ اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور اس سر زمین میں اپنے آخری رسول کو مبعوث کیا، جہاں سے نبوتِ محمدی کے نور نے دنیا کے گوشے گوشے کو روشن کر دیا۔

علامہ ابن القیم اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ﴾ (اور آپ کا رب جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اور جسے چاہتا ہے (اپنی رسالت کے لئے) چُن لیتا ہے) [القصص: ۶۸] کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بلدِ حرام کو اپنے نبی کے وطن اور ایک مقدس مقام کی حیثیت سے چُن لیا، تاکہ دنیا کے گوشے گوشے سے اس کے بندے وہاں حج کے لئے آئیں^(۱)

نیز کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ عزیز میں اس شہر کی دو جگہ قسم کھائی ہے، فرمایا: ﴿وَهَذَا الْبَلَدُ الْأَمِينُ﴾ (اور قسم ہے اس امن والے شہر کی) [التین: ۳]، اور فرمایا: ﴿لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ﴾ (میں اس شہر (مکہ) کی قسم کھاتا ہوں) [البلد: ۱]، اور یہی وہ شہر ہے جہاں آنے اور اس میں موجود بیتِ حرام کے طواف کو اللہ تعالیٰ نے ہر صاحبِ قدرت پر واجب قرار دیا ہے۔ یہ اللہ کا سب سے بہترین اور نبی کریم ﷺ کے نزدیک سب سے محبوب شہر ہے۔ امام احمد اور دیگر محدثین نے عبد اللہ بن عدی بن حمراء سے صحیح سند کے ذریعہ روایت کی ہے کہ

انہوں نے نبی کریم ﷺ کو مکہ میں واقع حزوہ مقام پر اپنی سواری پر کھڑے ہو کر یہ کہتے ہوئے سنا: ”اللہ کی قسم، اے مکہ! تم اللہ کی سب سے بہترین زمین ہو، اور اللہ کے نزدیک سب سے محبوب ہو، اگر مجھے تم سے نکالنا جاتا تو میں نہیں نکلتا“ (۱)

اور ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے وقت جمرۃ العقبہ کے پاس کھڑے ہو کر کہا: اللہ کی قسم! اے مکہ! تم اللہ کی سب سے بہترین سرزمین ہو، اور میرے نزدیک اللہ کی سب سے محبوب سرزمین ہو، اور اگر مجھے یہاں سے نکالنا جاتا تو میں نہ نکلتا۔ یہ سرزمین مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں کی گئی، اور نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال کی جائے گی، اور میرے لئے بھی دن کی صرف ایک ساعت کے لئے حلال کی گئی، پھر یہ حرام ہو گئی۔ اس کے درخت کو نہیں کاٹا جائے گا، اور اس کی گھاس کو نہیں اکھاڑا جائے گا، اور اس کی کوئی گم شدہ چیز نہیں اٹھائی جائے گی، سوائے اس آدمی کے جو اس کے مالک کی تلاش کی نیت سے اٹھائے۔ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! آخر گھاس کو مستثنیٰ کر دیجئے، اس لئے کہ وہ ہمارے گھروں کے بنانے اور ہماری قبروں میں رکھے جانے کے لئے استعمال ہوتی ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اچھا، از خرنامی گھاس کے علاوہ۔

اور آپ ﷺ نے مکہ کی عظمت کے بیان میں فرمایا ہے: جو شخص مکہ کی گرمی کو ایک ساعت کے لئے برداشت کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے جہنم کو سو سال کی مسافت تک دور کر دے گا، اور دو سو سال کی مسافت کے برابر جنت کو اس سے قریب کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کے سبب دور جاہلیت میں عربوں کے دلوں میں اور اسلام کے بعد سارے عرب و عجم کے مسلمانوں کے دلوں میں مکہ کا ایک بہت بڑا مقام بنادیا ہے۔ اسلام آنے کے بعد ہر دور میں اہل زمین کی گردنیں اس کے لئے جھکتی رہیں۔ چنانچہ بڑے بڑے شاہان دنیا اور روسائے قوم مکہ اگر حرم میں نماز پڑھتے ہیں، اور خانہ کعبہ کے گرد عام مسلمانوں کے ساتھ مل کر برابر کی حیثیت میں طواف کرتے ہیں۔ اور ان سب کے سر اس وقت صرف رب ذوالجلال کے لئے جھکے ہوتے ہیں۔

ابن القیم آگے لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس نے بیت اللہ کو لوگوں کے لئے تمام اطراف عالم سے بار بار لوٹ کر آنے کی جگہ بنائی ہے، اور زائرین جب بھی اس کی زیارت کر کے واپس ہوتے ہیں تو دوبارہ اس کی زیارت کا شوق ان کے دلوں میں موجزن ہوتا ہے، اور بار بار اس کی طرف غایت اشتیاق کے ساتھ دیکھتے رہتے ہیں۔ اور یہ بھی لکھا ہے: اس کی افضلیت کی دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ام القریٰ (تمام ملکوں کی اصل)

کہا ہے، چنانچہ دنیا کی ساری سرزمینیں اس کی تابع اور اس کی شاخ ہیں، اور وہ ان سب کی اصل (۲)

(۱) مسند احمد: ۳/۳۰۵، ترمذی: حدیث (۳۹۲۱)، ابن ماجہ: حدیث (۳۱۰۸) اور مستدرک حاکم: ۳/۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵

اور کہا جاتا ہے کہ مکہ کے شرف و عزت کی دلیل یہ بھی ہے کہ وہاں کے رہنے والوں نے شاہان دنیا میں سے کسی کے دین کی پیروی نہیں کی، اور کبھی کسی کو کوئی تاوان نہیں بھرا، اور دورِ جاہلیت میں دنیا کے کسی بادشاہ نے اس پر قبضہ نہیں کیا۔ مکہ کے لوگ ہمیشہ امن میں رہے، نہ کسی نے اس پر قبضہ کیا، اور نہ وہ لوگ کبھی قیدی بنائے گئے، نہ کوئی قریشی عورت کبھی قیدی بنائی گئی۔

کعبہ اللہ کا بیتِ حرام اور مکہ اس کا موطن ہے۔ اہلِ جاہلیت نے ہر دور میں ان دونوں کی تعظیم کی، اور ابتدائے اسلام سے ہی مسلمانوں نے ان دونوں کی تعظیم کی۔ مسلمان قیامت تک بیتِ حرام کی تقدیس کرتے رہیں گے، اور اس کا حج اور خانہ کعبہ کا طواف کرتے رہیں گے۔ ان کے دل ہمیشہ اس سے لگے رہیں گے، اور بار بار اسی کی طرف لوٹ کر آئیں گے، اور اس کی خاطر اہل و عیال، احباب اور ملک و وطن کو چھوڑنا گوارہ کریں گے۔ اور اس تک پہنچنے کے لئے مالِ کثیر صرف کریں گے، اور اپنی جانوں کی قربانی پیش کریں گے۔ ان دونوں کی راہ میں کتنے قتل اور کتنے زخمی ہوئے، اور کتنوں کے مال و اسباب چھینے گئے۔ مسلمانوں کے دلوں میں ان دونوں کا عظیم مقام ہے۔

(۵) مکہ مکرمہ کا محل وقوع اور اس کی اہمیت:

ڈاکٹر سعد مرصفی نے پروفیسر ڈاکٹر حسین کمال الدین (ملک سعودیونیورسٹی ریاض میں انجینئرنگ ڈیپارٹمنٹ کے رئیس) کا یہ بیان نقل کیا ہے، جو مصری اخبار الأہرام عدد ۱۵/۱۱/۱۹۷۹ھ میں شائع ہوا تھا کہ ان کے نزدیک یہ جغرافیائی نظریہ تقریباً پائے ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ مکہ مکرمہ کرۂ ارض کی خشکی کے وسط میں واقع ہے۔ پھر انہوں نے اس ریسرچ کی تفصیل بیان کی ہے، اور اس کے آخر میں لکھا ہے کہ ریسرچ کے وقت اچانک نقشے پر ان کے لئے اس بات کا انکشاف ہوا کہ مکہ دنیا کے بیچ میں واقع ہے۔

نیز مکہ مکرمہ کو بیت اللہ کے شہر کی حیثیت سے اختیار کرنے میں سرِ الہی کا علم ہوا جہاں سے آخری آسمانی رسالت کا ظاہر ہونا اللہ کے علم میں مقدر تھا۔

اور جزیرہ عرب براعظم ایشیاء کا ایک حصہ ہونے کے ساتھ براعظم افریقہ کے قریب تر اور براعظم یورپ کے قریب واقع ہے، اور ان دونوں براعظموں میں سے ہر ایک زمانہ قدیم سے مختلف تہذیبوں کا گہوارہ اور قدیم ثقافتوں اور فلسفی نظریات کا مرکز رہا ہے، نیز اُس وقت دنیا کی دو عظیم مذہبی طاقتوں؛ مسیحیت اور مجوسیت، اور مغرب و مشرق کی دو ہم پلہ طاقتوں (فارس و روم) کے درمیان واقع تھا۔

اور چھٹی صدی عیسوی کی ابتدا میں بلادِ عربیہ کی تجارت کا باگ ڈور اہل مکہ کے ہاتھوں میں تھا، اسی لئے جزیرہ عرب کے ارد گرد واقع ملکوں کے ساتھ اُن کے تعلقات گہرے تھے۔ جہاں یمن اور حبشہ کے ساتھ اُن

کے تعلقات استوار تھے، وہیں فارس اہل حیرہ اور بینظیوں کے ساتھ بھی ان کے تعلقات مضبوط تھے۔
 بنا بریں جزیرہ عرب بنی نوع انسان کی اصلاح کے لئے اسلام کی عالمی دعوت کا مرکز بننے کا زیادہ حقدار
 تھا، جیسا کہ میں نے اس کے بارے میں اپنی تحریر کے آغاز میں جزیرہ عرب کی خوبیوں کو اجاگر کرتے ہوئے بیان
 کیا ہے۔



نبی کریم ﷺ کا نسب مبارک

آپ ﷺ نسب کے اعتبار سے اہل زمین میں سب سے اچھے ہیں:

سیرت نبوی ﷺ سے متعلق کچھ ضروری باتیں بیان کرنے کے بعد اب میں پھر آپ ﷺ کے نسب مبارک کے ذکر کی طرف عود کرتا ہوں، اور اللہ سے توفیق کی دعا مانگتے ہوئے عرض کرتا ہوں:

بلاشبہ ہمارے نبی کریم ﷺ نسب کے اعتبار سے تمام اہل زمین میں اچھے ہیں۔ واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ عزوجل نے اولادِ ابراہیم میں سے اسماعیل کو چن لیا، اور اولادِ اسماعیل میں سے کنانہ کو چن لیا، اور اولادِ کنانہ میں سے قریش کو چن لیا، اور قریش میں سے اولادِ ہاشم کو چن لیا، اور اولادِ ہاشم میں سے مجھے چن لیا“ (۱)۔

عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب روایت کرتے ہیں کہ انصار کے کچھ لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور کہا: ہم آپ کی قوم کے بعض افراد سے سنتے ہیں کہ ”محمد (ﷺ) کی مثال ایک کبھور کے پودے کی ہے جو کوڑے کرکٹ کے ڈھیر میں اگتا ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! میں کون ہوں؟ لوگوں نے کہا: آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ نے فرمایا: میں محمد بن عبد اللہ بن عبدالمطلب ہوں۔ (راوی کہتے ہیں: ہم نے اس سے پہلے آپ ﷺ کو کبھی اس طرح اپنا نسب بیان کرتے نہیں سنا تھا) اللہ تعالیٰ نے جب بنی نوع انسان کو پیدا کیا تو مجھے ان میں سب سے بہتر بنایا، پھر ان سب کو دو جماعتوں میں بانٹ دیا، پھر مجھے سب سے اچھی جماعت میں رکھا، پھر ان کو قبائل میں بانٹ دیا تو مجھے سب سے اچھے قبیلے میں رکھا، پھر انہیں خاندانوں میں بانٹ دیا تو مجھے سب سے اچھے خاندان میں رکھا، میں تم سب سے بہتر خاندان والا اور تم سب سے بہتر فرد ہوں“ (۲)۔

اور مختلف مرسل اور موصول سندوں سے نبی کریم ﷺ کا یہ قول مروی ہے کہ میں نکاح کے ذریعہ پیدا ہوا ہوں، آدم سے لے کر میرے باپ اور میری ماں تک میرے نسب میں کہیں بھی زنا نہیں پایا گیا، اور دورِ جاہلیت کی زنا کاریاں مجھے دور سے بھی چھو کر نہیں گئیں (۳)۔

(۱) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فضل نسب النبی ﷺ: حدیث (۲۷۷۶)، سنن الترمذی، المناقب، فضل النبی ﷺ: حدیث (۳۶۰۶) اور مسند احمد: ۱۰۷/۳۔

(۲) مسند احمد: ۱۶۶/۳، اس کی سند صحیح ہے، المجمع للشمسی: ۸/۲۱۵، ۲۱۶، ترمذی، المناقب، فضل النبی ﷺ: حدیث (۳۶۰۸، ۳۶۰۷)۔

(۳) ہمارے شیخ البانی کہتے ہیں: میں نے اپنی کتاب ارواء الغلیل: (۱۹۷۲) میں اس روایت کی مختلف سندوں پر کلام کیا ہے، اور ثابت کیا ہے کہ یہ روایت درجہ حسن کو پہنچتی ہے، اسی لئے میں نے اسے صحیح الجامع الصغیر: (۳۲۱۸-۳۲۲۰) میں ذکر کیا ہے۔

اور اس کی گواہی آپ ﷺ کے قریشی دشمنوں نے بھی دی ہے، اُن میں سے ابوسفیان رضی اللہ عنہ ہیں جیسا کہ امام بخاری نے کتاب بدء الوحی میں روایت کی ہے کہ جب ہرقل نے ان سے پوچھا کہ وہ تمہارے درمیان نسب کے اعتبار سے کیسا ہے؟ تو کہا: وہ ہمارے درمیان اچھے نسب والا ہے، تو ہرقل نے کہا: اسی طرح انبیاء ہمیشہ اپنی قوم کے سب سے اچھے نسب والوں میں بھیجے گئے^(۱)۔

آپ ﷺ کا نسب عدنان تک:

آپ ﷺ کا نسب عدنان تک مندرجہ ذیل ہے:

محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ اہل سید و انساب نے آپ ﷺ کے نسب نامے کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے؛ پہلا حصہ: جس پر سب کا اتفاق ہے وہ آپ سے عدنان تک ہے جیسا کہ ابھی میں نے ذکر کیا ہے۔ دوسرے حصہ میں اختلاف ہے، یعنی عدنان کے والد ”آدو“ سے لے کر قیدار بن اسماعیل تک اور تیسرا حصہ: اسماعیل سے آدم علیہ السلام تک۔ علامہ ابن القیم نے پہلے حصہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہاں تک یقینی طور پہ صحیح ہے، ماہرین نسب کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ عدنان کے اوپر مختلف فیہ ہے۔ لیکن اس بات میں ماہرین نسب کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ عدنان اسماعیل کی اولاد میں سے تھے، اور صحابہ اور تابعین کے نزدیک صحیح قول کے مطابق اسماعیل ہی ذبیح اللہ تھے۔

بہت سے ائمہ حدیث و تاریخ نے آپ کے نسب نامہ کے دوسرے اور تیسرے حصے کو بھی بیان کیا ہے، اور باحث کبیر ”رحمۃ للعالمین“ کے مصنف نے اُن کی پیروی کرتے ہوئے اُن دونوں حصوں کا بھی ذکر کیا ہے، اور کہا ہے کہ روایت: ”کذب النسأبون“ (نسب بیان کرنے والوں نے جھوٹ بیان کیا ہے) کے صحیح ہونے کی مجھے کوئی دلیل نہیں ملی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَهُوَ وَنَا بَیْنَ ذَٰلِكَ کَثِیْرًا﴾ (اور اُن وقتوں کے درمیان پائی جانے والی بہت سی دوسری قوموں کو بھی) (ہلاک کر دیا) [الفرقان: ۳۸] (۲)۔

بلکہ یہ حدیث موضوع یعنی جھوٹی ہے جیسا کہ علامہ البانی نے سلسلۃ الأحادیث الضعیفہ والموضوعہ (۱۱۱) میں بیان کیا ہے۔ اور انہی ائمہ حدیث و تاریخ کی پیروی کرتے ہوئے ابن اسحاق، ابن جریر اور دیگر حضرات نے

(۱) صحیح البخاری، کتاب بدء الوحی: حدیث (۷)۔

(۲) رحمۃ للعالمین (عربی): ۹/۱۳۔

بھی آپ کے نسب نامہ کے ان دونوں حصوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور یہی رائے امام بخاری اور ان کے علاوہ دیگر بہت سے علماء کی ہے۔

ماہرین نسب نے آپ ﷺ کے نسب نامہ کا تیسرا حصہ دنیا میں موجود تورات سے لیا ہے، اور اسے امام ابن حزم ظاہری نے اپنی کتاب ”الفصل“ اور حافظ ابن کثیر نے اپنی تاریخ ”البدایہ والنہایہ“ میں ذکر کیا ہے، اور باحث کبیر علامہ منصور پوری نے دقیق بحث و تحقیق کے بعد لکھا ہے کہ تیسرے حصے میں جو نام آئے ہیں وہ سب کے سب صحیح ہیں۔ دیگر تفصیلات کی صحت میں کہیں کہیں شک و شبہ ہے، اس کے بعد انہوں نے دوسرے اور تیسرے حصے کو بیان کیا ہے^(۱)۔

لیکن میں نے بہت سے ائمہ و محدثین کی طرح صرف پہلے حصہ کو بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے، جیسا کہ امام ابن القیم نے اپنی کتاب ”زاد المعاد“ میں اور ہمارے شیخ البانی نے اپنی کتاب ”صحیح السیرۃ النبویہ“ میں بیان کیا ہے، اور ہمارے یقین کامل ہے کہ آپ ﷺ کے جد اعلیٰ عدنان اولاد اسماعیل میں سے تھے، اور اسماعیل ابراہیم کے بیٹے تھے، اور یہ کہ ہمارے نبی کریم ﷺ اپنے باپ عبد اللہ سے ابراہیم تک اور ابراہیم سے آدم علیہ السلام تک، اہل زمین میں نسب کے اعتبار سے سب سے زیادہ اشرف و اکرم تھے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میں آدم سے اب تک ہر زمانے میں سب سے بہتر بنایا گیا، یہاں تک کہ میں اس زمانہ میں نبی بنا کر بھیجا گیا^(۲)۔

(۱) مصدر سابق: ۱۳/۲۰۔

(۲) صحیح البخاری، المناقب، صفحہ النبی ﷺ: حدیث (۳۵۵۷)، مسند احمد: ۵/۳۷۳، ۴/۳۱۷۔

رسول اللہ ﷺ کے والدین

والد عبد اللہ بن عبد المطلب:

گزشتہ صفحات میں نبی کریم ﷺ کے اجداد قُصَصی، عبد مناف، ہاشم اور عبد المطلب کا ذکر کر آیا ہوں، وہاں میں نے لکھا ہے کہ عبد المطلب کی زندگی میں تین بہت ہی اہم واقعات رونما ہوئے: بشیر مزہم کی کھدائی، حادثہ اصحابِ فیل، اور اُن کی نذر کہ وہ اللہ کے لئے اپنے ایک بیٹے کو ذبح کریں گے، اگر اللہ نے انہیں دس صحت مند اور قوی لڑکے دیئے جو بشیر مزہم پر اُن کے حق کی طرف سے دفاع میں اہل قریش کے مقابلے میں اُن کا ساتھ دیں گے۔ اُس وقت قرعہ آپ کے والد عبد اللہ کے نام نکلا جو اپنے باپ عبد المطلب کے سب سے محبوب بیٹے، اور قریش کے سب سے خوب صورت جوان تھے، جیسا کہ امام زہری نے ذکر کیا ہے۔

اس واقعے کی تفصیلات میں آتا ہے کہ عبد اللہ کے بھائیوں اور زعمائے قریش نے عبد المطلب کو قانع کیا کہ وہ اپنے بیٹے کی طرف سے فدیہ دے دیں، چنانچہ انہوں نے عبد اللہ اور اونٹوں کے درمیان قرعہ اندازی کی، اور جب اونٹوں کی تعداد سو ہو گئی، تب جا کر قرعہ اونٹوں کے نام نکلا۔ عبد المطلب نے ان تمام کو ذبح کر کے لوگوں کے لئے چھوڑ دیا، اور جس کو جتنا جی چاہا لے گیا۔

میں نے اس حادثہ کو بیان کرتے وقت لکھا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے ایک اشارہ تھا کہ آپ ﷺ اللہ کے دو ذبیح اسماعیل بن ابراہیم اور عبد اللہ بن عبد المطلب کی نسل سے ہوں گے؛ ابن اسحاق نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں“^(۱)۔

والدہ آمنہ بنت وہب:

عبد اللہ کے والد نے ان کی شادی آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب سے کر دی، اُس وقت ان کی عمر پچیس سال تھی۔ آمنہ مکہ کی افضل ترین عورتوں میں سے تھیں، اور عبد اللہ کے ساتھ نسب میں چوتھی پشت میں مل جاتی تھیں، اور ان کے والد وہب بن زہرہ کے سردار اور اشرافِ قریش میں سے تھے۔ وہ چھوٹی تھیں جہی ان کے والد وفات پا گئے، تو ان کی کفالت ان کے چچا وہیب نے کی، جو اپنے بھائی کی طرح اپنی قوم کے سردار تھے۔ آمنہ کو نبی کریم ﷺ کا حمل شادی کے پہلے مہینہ میں ہی قرار پا گیا۔ آپ ﷺ کے والد عبد اللہ اپنے باپ

کی تجارت کے لئے ملک شام کے سفر پر روانہ ہوئے اور واپس آتے ہوئے مدینہ منورہ کے بنی عدی بن نجار میں اپنی تنہیال والوں سے ملنے گئے، وہیں آپ بخار میں مبتلا ہو گئے، اور جلد ہی اپنی روح اپنے پیدا کرنے والے کے حوالے کر دی۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کے والد عبدالمطلب نے انہیں مدینہ بھیجا تھا، تاکہ وہاں سے کھجور لے آئیں، وہاں جا کر بیمار ہو گئے اور وفات پا گئے، اور دار النابغہ صغریٰ میں دفن کر دیئے گئے۔ عبدالمطلب اور عبد اللہ کے بھائیوں اور ان کی بہنوں کو اس کا بہت غم ہوا۔ اُس وقت آمنہ سے اُن کی شادی کو صرف تین مہینے ہوئے تھے، اور رسول اللہ ﷺ نکاح کے پہلے ہفتہ سے ہی اپنی ماں کے پیٹ میں پرورش پا رہے تھے۔

ایک قول یہ ہے کہ عبد اللہ نے نبی کریم ﷺ کی ولادت کے دو ماہ بعد وفات پائی، اور بعض کہتے ہیں: سات ماہ کے بعد، اور بعض: ایک سال کے بعد، اور بعض: دو سال کے بعد۔ ان کے علاوہ بھی دیگر اقوال ہیں۔ لیکن واقدی اور ان کے کاتب ابن سعد کے نزدیک پہلا قول ہی رائج ہے، یعنی عبد اللہ کی جب وفات ہوئی تو آپ ﷺ رحم مادر میں تھے۔ اور سب سے بڑی یتیمی اور یتیمی کا سب سے اعلیٰ مرتبہ یہی ہے۔



آپ ﷺ کے حالات ولادت سے بعثت تک

ولادت:

علمائے تاریخ و سیرت کا اجماع ہے کہ آپ ﷺ سموار کے دن پیدا ہوئے، اور اس کی دلیل امام مسلم کی ابو قتادہ سے روایت کردہ حدیث ہے کہ ایک اعرابی نے کہا: اے اللہ کے رسول! سموار کے دن کے روزے کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں اسی دن پیدا ہوا، اور اسی دن مجھ پر وحی نازل ہوئی^(۱)۔ علماء کا اس پر بھی اجماع ہے کہ آپ واقعہ فیل (ہاتھی) کے سال پیدا ہوئے، اور اکثر کی رائے ہے کہ آپ ۱۲ ربیع الاول کی رات میں پیدا ہوئے قیس بن خرمہ بن مطلب بن عبد مناف رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے، انہوں نے کہا کہ میں اور رسول اللہ ﷺ واقعہ فیل کے سال پیدا ہوئے، بلکہ ہم دونوں ایک ہی وقت پیدا ہوئے^(۲)۔ اور ابن عباس اور جابر رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ واقعہ فیل کے سال ۱۲ ربیع الاول کو پیدا ہوئے، اور اسی دن آپ معراج سے شرف ہوئے، اور اسی دن آپ نے ہجرت کی، اور اسی دن وفات پائی^(۳)۔ انجیر محمود پاشا ریاضیات اور فلکیات کے مصری ماہر جن کی وفات ۱۳۰۲ھ میں ہوئی، لکھتے ہیں کہ آپ کی ولادت سموار کی صبح ۹ ربیع الاول مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۰ء کو ہوئی، جو واقعہ فیل کے بعد پہلا سال ہوتا ہے۔ آپ شعب بن ہاشم میں واقع ابوطالب کے گھر میں پیدا ہوئے۔

آپ کی ماں نے حمل قرار پانے کے بعد دیکھا کہ ان کے جسم سے ایک نور نکلا جس نے شام کے محلوں کو روشن کر دیا۔ ابن اسحاق نے کئی اصحاب رسول سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ ہمیں اپنے بارے میں کچھ بتائیے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا، اور عیسیٰ کی بشارت ہوں، اور میری ماں نے حالت حمل میں دیکھا کہ ان کے جسم سے ایک نور نکلا جس نے شام کے محلوں کو روشن کر دیا^(۴)۔ ابن سعد روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ نے کہا: میرا بیٹا جب پیدا ہوا تو میری شرم گاہ سے

(۱) صحیح مسلم، کتاب الصیام: حدیث (۱۱۶۲)، ابو داؤد، الصیام: حدیث (۲۳۲۶)۔

(۲) مسند احمد: ۲۱۵/۳، ترمذی، المناقب: حدیث (۳۶۱۹) یہ حدیث صحیح ہے۔

(۳) مسند احمد: ۱/۲۷۷، المعجم الکبیر، طبرانی: (۱۲۹۸۳)۔ یہ حدیث حسن ہے۔

(۴) ابن اسحاق: ۱/۷۵، حاکم: ۶۰۰۲/۲، اور کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے، اور حافظ ذہبی نے ان کی تائید کی ہے۔ اور ابن حبان نے بھی

اسے صحیح کہا ہے۔ حدیث (۲۰۹۳)۔

ایک نور نکلا جس نے شام کے مخلوق کو روشن کر دیا۔ امام احمد نے عمر باض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے اسی کے مشابہ حدیث روایت کی ہے^(۱)۔

اور محمد بن اسحاق نے حسان بن ثابت سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! میں ابھی سات یا آٹھ سال کا لڑکا تھا، جو کچھ سنتا تھا اسے سمجھتا تھا۔ میں نے ایک یہودی کو یثرب کی ایک بلند جگہ پر کھڑے ہو کر اونچی آواز سے چیختے ہوئے سنا، اے قوم یہود! جب سب لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے تو لوگوں نے اس سے کہا: تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ اس نے کہا: آج کی رات وہ ستارہ طلوع ہوا ہے جو احمد کے ساتھ پیدا ہوا ہے^(۲)۔

ابو نعیم اور محمد ابن حیان نے اسامہ بن زید سے روایت کی ہے، وہ زید بن عمرو بن نفیل کا قول نقل کرتے ہیں کہ مجھ سے شام کے ایک پادری نے کہا کہ تمہارے شہر میں ایک نبی ظاہر ہوا ہے یا ہونے والا ہے، اس کا ستارہ طلوع ہو چکا ہے، اس لئے تم واپس جا کر اس پر ایمان لے آؤ اور اس کی پیروی کرو^(۳)۔

اور بیہقی نے ابن عباس کی زبانی ان کے والد عباس بن عبد المطلب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ختنہ شدہ خوش و خرم پیدا ہوئے، تو ان کے دادا عبد المطلب بہت خوش ہوئے، اور ان کے دل میں آپ کی محبت اسی وقت سے جاگزیں ہو گئی، اور کہا: یقیناً میرا یہ بیٹا بڑی شان والا ہو گا۔ اسے حافظ ابن عساکر اور ابو نعیم اور ان کے علاوہ دیگر محدثین نے بھی روایت کی ہے، اور کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔

اور ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ جب آپ ﷺ اپنے رحم مادر سے پیدا ہوئے تو انہوں نے آپ کے دادا عبد المطلب کو خبر بھیجی کہ آپ کو پوتا پیدا ہوا ہے، آکر اسے دیکھ لیجئے۔ جب عبد المطلب آئے تو آپ کی ماں نے ان کو حالت حمل میں اپنے خواب کی بات سنائی، اور ان سے وہ بات بتائی جو ہاتفِ غیبی نے ان سے کہی تھی، اور ان کو آپ کا جو نام رکھنے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ لوگوں کا خیال ہے کہ عبد المطلب نے آپ کو گود میں لے کر خانہ کعبہ میں داخل ہوئے، اور کھڑے ہو کر اللہ سے دعا کرنے لگے، اور اس عطیہ پر اس کا شکر ادا کرنے لگے^(۴)۔

حافظ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ عبد المطلب نے آپ کا نام محمد رکھا، اور بعض علماء کہتے ہیں کہ اللہ نے آپ کے رشتہ داروں کو الہام کیا کہ وہ آپ کا نام محمد رکھیں^(۵)۔

(۱) ابن سعد: ۱/۶۳، مختصر سیرۃ الرسول ﷺ: ص ۱۳۔

(۲) البانی کہتے ہیں: اس کی سند حسن ہے۔

(۳) البانی کہتے ہیں: اس کی بھی سند حسن ہے۔

(۴) ابن ہشام: ۱/۱۵۹، ۱۶۰۔

(۵) خلاصہ تاریخ ابن کثیر، قسم اول: ص ۱۸۔

دودھ پلانے والی عورتیں

اُمّ ایمن برکہ حبشیہ :

صحیح مسلم کی ایک طویل حدیث کے ضمن میں آیا ہے، ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ اُمّ ایمن حبشیہ (اسامہ بن زید کی ماں) عبد اللہ بن عبد المطلب کی خادمہ تھیں۔ رسول اللہ ﷺ جب اپنے والد کی وفات کے بعد آمنہ کے بطن سے پیدا ہوئے تو اُمّ ایمن ان کی دیکھ بھال کرنے لگیں، جب رسول اللہ ﷺ بڑے ہوئے تو آپ نے ان کو آزاد کر دیا^(۱) اور ان کی شادی اپنے محبوب آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کر دی، جن سے اسامہ پیدا ہوئے۔

یہی اُمّ ایمن آپ ﷺ کی والدہ کے ساتھ اُس وقت تھیں جب وہ آپ کو لے کر یثرب کے سفر پر نکلیں، اُس وقت آپ کی عمر چھ سال سے کم تھی۔ اس سفر کا مقصد بنی عدی بن نجار میں آپ کو اپنے والد کے نانہیلی لوگوں سے ملانا تھا۔

آمنہ مدینہ سے مکہ واپس لوٹتے ہوئے مقام ”ابوا“ پر پہنچیں تو ان کی موت کا وقت آچکا تھا، چنانچہ وہیں انتقال کر گئیں، اُس وقت اُمّ ایمن نے نبی کریم ﷺ کو سنبالا اور مکہ مکرمہ پہنچ کر انہیں ان کے دادا عبد المطلب کے حوالے کر دیا جنہوں نے آپ کی بہترین پرورش و پرداخت کی۔ آپ ﷺ نے ان کی محبت و اہتمام کا اتنا بڑا حصہ پایا جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔

ثویبہ ابو لہب کی لونڈی :

نبی کریم ﷺ کو آپ کی ماں کے ساتھ آپ کے چچا ابو لہب کی لونڈی ثویبہ نے بھی دودھ پلایا تھا، جن کی گود میں اُس وقت اُن کے بیٹا مسروح پرورش پا رہے تھے، اس سے پہلے ثویبہ نے آپ ﷺ کے چچا حمزہ بن عبد المطلب کو دودھ پلایا تھا، اور آپ کے بعد ابو سلمہ بن عبد الاسد مخزومی کو دودھ پلایا۔ یہ بات حلیمہ کے ساتھ آپ کے بنی سعد جانے سے پہلے کی ہے۔

بخاری و مسلم نے اُمّ حبیبہ بنت ابوسفیان سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ میری بہن عزہ بنت ابی سفیان سے شادی کر لیجئے۔ آپ نے فرمایا: کیا تم اسے پسند کرو گی؟ انہوں نے کہا: ہاں، میں آپ کی

(۱) صحیح مسلم، کتاب الجہاد: حدیث (۱۷۷۱)۔

کوئی تنہا بیوی تو نہیں ہوں، اور میرے ساتھ بھلائی میں شرکت کے لئے میری بہن سے زیادہ کون اچھی ہو سکتی ہے؟! نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لیکن یہ میرے لئے حلال نہیں ہے، انہوں نے کہا: ہم آج کل یہ سن رہے ہیں کہ آپ ذرہ بنت ابی سلمہ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ابو سلمہ کی بیٹی سے؟ میں نے کہا: ہاں، آپ نے کہا: اگر وہ میری گود میں میری پروردہ نہ ہوتی تب بھی میرے لئے حلال نہ ہوتی، وہ تو میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے، مجھے اور ابو سلمہ کو ثویبہ نے دودھ پلایا ہے۔ تم لوگ اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو مجھے پیش نہ کرو۔

صحیح بخاری میں یہ اضافہ ہے؛ عروہ کہتے ہیں: ثویبہ کو ابو لہب نے آزاد کر دیا تھا تب اس نے رسول اللہ ﷺ کو دودھ پلایا تھا۔ جب ابو لہب مرا تو اس کے بعض رشتہ داروں نے اسے خواب میں بُری حالت میں دیکھا: اُس سے پوچھا، تمہارا انجام کیسا ہوا ہے؟ ابو لہب نے کہا: تم سے جدا ہونے کے بعد میں نے کوئی اچھائی نہیں دیکھی، سوائے اس کے کہ ثویبہ کو میرے آزاد کرنے کے بدلے مجھے یہاں سے پانی پلایا جاتا ہے۔ پھر اس نے انگوٹھے اور اس کے قریب کی انگلی کے درمیان ایک سوراخ کی طرف اشارہ کیا^(۱)۔

سہیلی وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہ خواب ابو لہب کی وفات کے ایک سال بعد اس کے بھائی عباس رضی اللہ عنہ نے دیکھا تھا^(۲)۔

حلیمہ سعدیہ:

دودھ پلانے والی عورتیں مکہ کے گرد و نواح سے مناسب اوقات میں ایسے دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں مکہ آتی تھیں جن کے والدین سے انہیں زیادہ اجرت کی توقع ہوتی تھی، کچھ قبائل اور گھرانے دودھ کی کثرت، آب و ہوا کی بہتری، اور فصاحت و بلاغت میں مشہور تھے۔ انہی میں سے قبیلہ ہوازن میں بنی سعد کے گھرانے کا شمار ہوتا تھا جو بالخصوص اپنی زبان کی فصاحت میں مشہور تھا۔

حلیمہ دیگر عورتوں کے ساتھ ایک دودھ پینے والے بچے کی تلاش میں آئیں، اور آپ ﷺ کے یتیم ہونے کے سبب ان کے سوا کسی دوسرے بچے کو تلاش کرنے لگیں، اس لئے کہ دودھ پلانے والی عورتیں بچوں کے والدین سے اچھی اجرت کی امید لے کر آتی تھیں۔ آپ ﷺ کے حلیمہ کے پاس دودھ پینے کے واقعہ کو بیان کرنے کے لئے میں یہاں عبداللہ بن جعفر کی حدیث نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ محدثین کی ایک جماعت نے

(۱) صحیح البخاری، کتاب النکاح: حدیث (۵۱۰)، صحیح مسلم، کتاب الرضاۃ: حدیث (۱۳۴۹)، ابوداؤد: حدیث (۲۰۵۶)، ابن ماجہ، کتاب

النکاح: حدیث (۱۹۳۹)، نسائی، النکاح: ۹۶/۶، طبقات ابن سعد: ۱۰۸/۱۔

(۲) مختصر تاریخ ابن کثیر: ص ۱۹، ۲۰۔

ان سے روایت کی ہے کہ جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو حلیمہ سعدیہ بنی سعد کی دیگر عورتوں کے ساتھ دودھ پینے والے بچہ کی تلاش میں مکہ آئیں۔

حلیمہ کہتی ہیں: میں اپنی ایک سفید مائل سرخی گدھی پر سوار ہو کر دیگر عورتوں اور اپنے شوہر حارث بن عبد العزیٰ کے ساتھ نکلی جو قبیلہ بنی سعد ہی کے ایک فرد تھے۔ میری سواری کے گھٹنے آپس میں ٹکڑا ٹکڑا کر زخمی ہو گئے تھے۔ میرے ساتھ ایک بوڑھی اونٹنی بھی تھی جو اللہ کی قسم! ایک قطرہ بھی دودھ نہیں دیتی تھی۔ اور زباناہ قحط سالی کا تھا، لوگ بھوک پیاس سے پریشان تھے۔ اور میرے ساتھ میرا ایک بیٹا تھا، اللہ کی قسم! وہ رات بھر نہیں سوتا تھا، اور میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس سے میں اُسے بہلاتی، ہم تو صرف بارش کا انتظار کر رہے تھے، ہمارے پاس کچھ بکریاں تھیں، جن سے دودھ کی امید لگائے ہوئے تھے۔

جب ہم مکہ پہنچے تو ہم میں سے ہر ایک نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، لیکن انہیں لینا پسند نہیں کیا۔ ہم سب کہتے تھے: یہ تو یتیم ہے، دودھ پلانے والی عورت کا خیال تو کڑے کا باپ کرتا ہے، اس کی ماں یا اس کے چچا یا اس کے دادا ہمیں کیا دیں گے؟ میری تمام ساتھیوں کو دودھ پینے والے بچے مل گئے۔ مجھے رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی نہ ملا۔ میں ان کے پاس واپس گئی اور انہیں لے لیا۔ اللہ کی قسم! میں نے ان کو اس لئے لے لیا کہ مجھے ان کے سوا کوئی بچہ نہ ملا۔ میں نے اپنے شوہر سے کہا: اللہ کی قسم! میں تو بنی عبد المطلب کے اس یتیم بچے کو ضرور لے لوں گی۔ امید ہے کہ اللہ ہم سب کو اس سے نفع پہنچائے گا۔ میں اپنی ساتھیوں کے ساتھ کوئی بچہ لئے بغیر نہیں واپس جاؤں گی۔ انہوں نے کہا: تمہاری رائے مناسب ہے۔

حلیمہ کہتی ہیں: میں اسے لے کر اپنے خیمے میں آ گئی۔ اللہ کی قسم! جوں ہی میں خیمے میں داخل ہوئی، میری دونوں چھاتیاں دودھ سے بھر گئیں، یہاں تک کہ میں نے ان کو یعنی رسول اللہ ﷺ کو اور ان کے بھائی کو پیٹ بھر کر دودھ پلایا۔ اور ان کے باپ اونٹنی کے پاس گئے تو دیکھا کہ اس کا تھن دودھ سے بھرا ہوا ہے۔ انہوں نے اسے دوہا، مجھے پیٹ بھر کر پلایا، اور خود بھی سیراب ہوئے۔ انہوں نے کہا: اے حلیمہ! اللہ کی قسم! ہمیں ایک مبارک جان ملی ہے۔ اللہ نے ہمیں اس کے سبب وہ کچھ دیا ہے جس کی ہم امید نہیں کرتے تھے۔ حلیمہ کہتی ہیں: ہم اُس رات آسودہ ہو کر چین کی نیند سوئے۔ پہلے تو ہم اپنے بچے کے ساتھ رات کو نہیں سو پاتے تھے۔

پھر ہم لوگ صبح کے وقت اپنے علاقے کی طرف واپس چل پڑے۔ میں اپنی سفید گدھی پر سوار ہوئی، اور آپ ﷺ کو اپنے ساتھ سوار کر لیا۔ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں حلیمہ کی جان ہے! میں تمام عورتوں سے آگے بڑھ گئی وہ کہنے لگیں: ذرا ہمارا خیال کرو، کیا یہ تمہاری وہی گدھی نہیں ہے جس پر سوار ہو کر تم اپنے گھر سے چلی تھی؟

میں نے کہا: ہاں، انہوں نے کہا: ہم جب چلے تھے تو اس کے گھٹنے زخمی ہو گئے تھے، اب یہ تبدیلی کہاں سے آگئی؟ حلیمہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اس پر ایک مبارک لڑکے کو اپنے ساتھ بٹھایا ہوا ہے۔

حلیمہ کہتی ہیں: ہم جب وہاں سے نکلے تو ہر روز اللہ تعالیٰ ہمارے لئے خیر اور بھلائی میں اضافہ کرنے لگا، اور جب اپنے گاؤں واپس آئے تو پورا علاقہ قحط زدہ تھا، لوگوں کے چرواہے بکریاں لے کر صبح جاتے اور شام کو واپس آتے، اور بنی سعد کی بکریاں ویسی ہی بھوکی رہتیں، لیکن میری بکریاں آسودہ ہو کر دودھ سے بھری آتیں۔ ہم انہیں دوتے اور پیتے۔ تو لوگ کہتے: حارث بن عبد العزیٰ اور حلیمہ کی بکریوں کے ساتھ کیا ہوا ہے کہ وہ شام کے وقت آسودہ اور دودھ سے بھری آتی ہیں، اور تم سب کی بکریاں بھوکی واپس آتی ہیں؟ لوگ چرواہوں سے کہتے: تم بھی وہیں اپنی بکریاں چراؤ جہاں ان کی بکریاں چرتی ہیں۔ چرواہے ایسا ہی کرتے، لیکن پھر بھی وہ بکریاں بھوکی آتیں، اور میری بکریاں آسودہ اور دودھ سے بھری آتیں۔

حلیمہ کہتی ہیں: آپ ﷺ اتنی تیزی سے نشوونما پا رہے تھے کہ دوسرا کوئی بچہ اس معاملے میں ان کے مشابہ نہیں تھا۔ آپ ایک دن میں اتنا بڑھتے جتنا دوسرا بچہ ایک ماہ میں، اور ایک ماہ میں اتنا بڑھتے جتنا دوسرے بچے ایک سال میں۔ جب آپ نے دو سال مکمل کر لیا، تو میں اور میرے شوہر آپ کو لے کر مکہ آئے۔ ہم آپس میں کہتے تھے کہ اللہ کی قسم! ہم اس بچے کو اپنے آپ سے کبھی جدا نہیں کریں گے۔ جب ہم آپ کی ماں کے پاس آئے تو ان سے کہا: اللہ کی قسم! ہم نے کبھی اس سے زیادہ بارک ت بچہ نہیں دیکھا ہے۔ ہمیں اس کے بارے میں مکہ کی وبا و امراض سے ڈر لگتا ہے، اس لئے تم اجازت دو کہ ہم اسے دوبارہ اپنے ساتھ لے جائیں، تاکہ تمہاری کوئی بیماری اس کو نہ لگ جائے۔ ہم برابر اصرار کرتے رہے، یہاں تک کہ انہوں نے اجازت دے دی، تو آپ کو لے کر واپس بنی سعد آگئے، اور اسی حال میں تین یا چار مہینے گزر گئے۔

ایک دن آپ اور آپ کا رضاعی بھائی گھروں کے پیچھے اپنی چھوٹی بھیڑوں اور بکریوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ آپ کا بھائی دوڑتا ہوا آیا، اُس وقت میں اور میرے شوہر اونٹوں کی دیکھ بھال میں لگے تھے، اور کہا: میرے قریشی بھائی کے پاس دو آدمی سفید کپڑے پہنے ہوئے آئے، انہیں پکڑ کر زمین پر ڈال دیا، اور ان کا پیٹ چاک کر دیا ہے۔ میں اور میرے شوہر دوڑتے ہوئے نکلے تو آپ کو کھڑا ہوا پایا۔ آپ کا رنگ بدلا ہوا تھا، آپ ہمیں دیکھ کر رونے لگے۔ حلیمہ کہتی ہیں: میں نے اور میرے شوہر نے ان کو چٹا لیا اور پوچھا: بیٹے تمہیں کیا ہوا ہے؟ کہا: میرے پاس دو آدمی آئے، جنہوں نے مجھے زمین پر ڈال کر میرا پیٹ چیر دیا، اور اس میں کچھ کر کے پھر اُسے ویسا ہی کر دیا جیسا پہلے تھا۔ میرے شوہر نے کہا: اللہ کی قسم! میرا خیال ہے کہ میرے بیٹے کو کچھ ہو گیا ہے؟ اے حلیمہ! تم

جلد ہی اس کے گھر والوں کے پاس پہنچ کر کسی اندیش ناک بات کے ظاہر ہونے سے پہلے اسے لوٹا دو۔
 حلیمہ کہتی ہیں: ہم انہیں لے کر ان کی ماں کے پاس چوتھا سال پورا ہونے سے پہلے ہی آگئے۔ اس نے ہمیں
 دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا، اور کہا: میرے مانگنے سے پہلے ہی تم دونوں اسے لے کر کیوں آگئے؟ حالانکہ پہلے تو تم
 اسے اپنے پاس رکھنے کے بہت ہی زیادہ خواہش مند تھے؟ ہم نے کہا: کوئی بات نہیں، سوائے اس کے کہ اللہ نے
 رضاعت کی مدت پوری کر دی، اور ہم اس کے حال سے اب خوش ہیں۔ ہم نے یہ بھی کہا کہ اب ہم یہ پسند کرتے
 ہیں کہ اسے تمہارے پاس رہنے دیں، جیسا کہ تم سب کی خواہش تھی۔

راوی کہتے ہیں کہ آمنہ نے کہا: تم دونوں کے دل میں ضرور کوئی بات ہے، مجھے بتاؤ، اور جب تک ہم نے
 اسے بتا نہیں دیا، اس نے ہمیں نہیں چھوڑا۔ تب آمنہ نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ اسے کوئی تکلیف نہیں ہونے
 دے گا۔ میرا بیٹا یقیناً بڑی شان والا ہے، کیا میں تمہیں اس کے بارے میں ایک بات نہ بتا دوں؟ میں جب حمل سے
 ہوئی تو اللہ کی قسم! اس سے زیادہ میرے لئے کوئی چیز ہلکی اور آسان نہیں تھی، اور میں نے اپنے جسم سے ایک نور
 کو نکلے دیکھا، جس نے بصری میں اونٹوں کی گردنوں کو روشن کر دیا۔ یا کہا: بصری کے مخلوق کو روشن کر دیا۔ پھر
 جب میں نے اسے جنا تو اللہ کی قسم! وہ زمین پر اس طرح نہیں گرا جیسے سارے بچے گرتے ہیں، بلکہ اپنے دونوں
 ہاتھوں کو زمین پر ٹیکے ہوئے اپنے سر کو آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے تھا۔ تم دونوں اس کی فکر نہ کرو۔ پھر آمنہ
 نے آپ کو ان سے لے لیا، اور وہ دونوں اپنے گاؤں واپس چلے گئے^(۱)۔

اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ حلیمہ کے شوہر حارث بن عبد العزیٰ کی کنیت ابو کبشہ تھی، اس لئے مشرکین مکہ
 نبی کریم ﷺ کا استہزاء کرتے ہوئے آپ کو ابن ابی کبشہ کہا کرتے تھے۔ ان کا نسب بکر بن ہوازن سے ملتا ہے۔
 اور حلیمہ سے ان کے چار بچے تھے؛ عبد اللہ، حذافہ، انیسہ اور شیماء۔ چنانچہ یہ سب کے سب رسول اللہ ﷺ
 کے رضاعی بھائی بہن ہو گئے، اور شیماء اپنی ماں کی طرح رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لگی رہتی تھیں چونکہ یہ
 بڑی تھیں^(۲)۔

(۱) صحیح ابن حبان، بحوالہ موارد النعمان: ص ۵۱۲، ۵۱۳، المعجم الکبیر، طبرانی: ۲۲۳/۲۱۲-۲۱۵، دلائل البیہقی: ۱/۳۳-۱۳۶، المطالب العالیہ
 ۲/۱۶۷-۱۷۱، ابویعلیٰ بحوالہ مجمع الزوائد: ۸/۲۲۱، ان سب نے ابن اسحاق کے واسطے سے روایت کی ہے، اور ابن اسحاق نے سماع کی
 صراحت کر دی ہے، اور بیہقی نے مجمع الزوائد (۸/۲۲۷) میں کہا ہے: اسے ابویعلیٰ نے روایت کی ہے اور طبرانی نے اسی کی مانند مگر انہوں
 نے کہا ہے: حلیمہ بنت ابی ذؤیب، اور ان دونوں کے رجال ثقاہ ہیں، اور ذؤیبی نے السیرۃ النبویہ: ص ۸ میں کہا ہے: یہ حدیث جید الاسناد
 ہے۔ اور اس حدیث کے بہت سے مکرزوں کے شواہد ملتے ہیں جو انہیں قوت پہنچاتے ہیں، اس لئے حدیث اپنے شواہد کے سبب حسن ہے۔

(۲) سیرۃ ابن ہشام: ۱/۱۶۰، ۱۶۱۔

شق صدر اور شیطان کے حصہ کا نکالا جانا:

حلیہ سعدیہ نے نبی کریم ﷺ کو دودھ پلانے کا جو واقعہ بیان کیا ہے، اس میں انہوں نے ذکر کیا ہے کہ دو سفید پوش آدمی آپ ﷺ کے پاس آئے، جب آپ ﷺ بنی سعد میں تھے، آپ کا پیٹ چاک کیا، اور اس میں کچھ کیا، پھر جس طرح آپ پہلے تھے ویسا ہی لوٹا دیا۔ آپ ﷺ کے شق صدر کے واقعہ کی تائید کئی دیگر صحیح احادیث سے ہوتی ہے جنہیں میں نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ میں ان کی اہمیت اور رسالت محمدی کے ساتھ ان کے قوی ربط و تعلق کے سبب یہاں بیان کرنا مناسب سمجھتا ہوں:

ان احادیث سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کے خالق، تورات اور انجیل کو نازل کرنے والے، اور انبیاء و رسل کو مبعوث کرنے والے باری تعالیٰ کے علم غیب میں یہ بات پوشیدہ تھی کہ محمد ﷺ نبی و رسول اور خاتم النبیین ہوں گے۔ اسی لئے مشیت الہی نے آپ کو اس بارگراں کو اٹھانے کا اہل بنانا چاہا۔ اور آپ کے دل سے شیطان کے حصے کو نکال باہر کیا، تاکہ آپ کی نشو و نما اس طرح ہو، کہ آپ شیطان کے وسوسوں، شہوں اور دیگر آلائشوں سے ظاہر و نقی رہیں، اور اسلام کے عظیم پیغام کو سارے بنی نوع انسان تک پہنچانے کے ہر طرح لائق و قابل بنیں۔ احادیث مندرجہ ذیل ہیں:

(أ) انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کو اختصار کے ساتھ یوں بیان کیا ہے: آپ ﷺ کچھ لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ جبریل علیہ السلام آپ کے پاس آئے، اور آپ کو زمین پر ڈال کر آپ کا پیٹ چاک کر دیا، اس میں سے آپ کا دل نکالا، پھر اس میں سے ایک ٹکڑا نکالا، اور آپ ﷺ سے کہا: یہ آپ کے اندر شیطان کا حصہ تھا۔ پھر آپ ﷺ کے دل کو سونے کے ایک ٹشت میں زمزم کے پانی سے دھویا، پھر اسے صاف کر کے اس کی جگہ پر لوٹا دیا۔ لڑکے دوڑتے ہوئے آپ کی رضاعی ماں کے پاس آئے، اور کہنے لگے: محمد قتل کر دیئے گئے، لوگ جب آپ ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ کا رنگ بدلا ہوا تھا^(۱)۔

(ب) اور ابن اسحاق نے کئی صحابہ کرام سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! آپ ہمیں اپنے بارے میں بتائیے، تو آپ ﷺ نے دوران گفتگو فرمایا: میں بنی سعد بن بکر میں دودھ پیتا رہا، ایک دن میں اور میرا رضاعی بھائی اپنے گھروں کے پیچھے بکریاں چرا رہے تھے کہ دو سفید پوش آدمی میرے پاس آئے، ان کے پاس سونے کے ایک ٹشت میں برف کا پانی بھرا ہوا تھا، دونوں نے مجھے پکڑ لیا، میرا پیٹ چیر دیا، میرا دل

(۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء: حدیث (۲۶۱)، مسند احمد: ۱۲۱/۳، مستدرک حاکم: ۲۱۶/۲، ۲۱۷، مقدمہ سنن دارمی: ۸/۱، ۹/۱۔

نکالا، پھر اُسے چیر دیا، اور اس میں سے ایک کالا ٹکڑا نکال کر پھینک دیا، پھر اُس بریلے پانی سے میرا دل اور پیٹ دھویا، یہاں تک کہ انہیں صاف کر دیا (الحديث) ^(۱)۔

(رج) اس واقعہ کی شاہد مسند امام احمد اور دلائل النبوة میں ابو نعیم کی وہ روایت بھی ہے جسے ان دونوں محدثین نے عتبہ بن عبد سے روایت کی ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ کی ابتدائے حیات کس طرح ہوئی؟ تو آپ نے بنی سعد میں اپنے دودھ پینے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ چیل کے مشابہ دو سفید چڑیاں آئیں، اور ایک نے دوسرے سے کہا: کیا یہی ہیں وہ؟ اس نے کہا: ہاں، تو دونوں نے تیزی کے ساتھ بڑھ کر مجھے پکڑ لیا، اور گدی کے بل ڈال دیا، پھر میرا پیٹ چاک کر کے میرا دل نکالا، پھر اسے چاک کر کے اس میں سے دو سیاہ ٹکڑے نکالے، پھر ایک نے دوسرے سے کہا: پانی اور برف لاؤ، پھر دونوں نے اس سے میرا پیٹ دھویا، پھر کہا: اولے کا پانی لاؤ، پھر اس سے میرا دل دھویا، پھر کہا: سکینت اور اطمینان لاؤ، پھر اسے میرے دل میں چھڑک دیا، پھر ایک نے دوسرے سے کہا: اس کی سلائی کر دو، تو اس نے اس کی سلائی کر دی، اور میرے دل پر ختم نبوت کی مہر لگا دی..... الحديث ^(۲)۔

والدہ کی وفات اور دادا کی کفالت:

بنی سعد سے واپس آنے کے بعد نبی کریم ﷺ اپنی ماں کے پاس رہنے لگے، اور اللہ کی حفاظت و حمایت میں آپ کی پرورش و پرداخت ہونے لگی، اور آپ کی عمر کا چھٹا سال پورا ہو گیا۔ اس وقت آمنہ نے یثرب کے بنی عدی بن نجار میں اپنے بیٹے کی تنہیال والوں کی زیارت کرنی چاہی۔ اُن کا ارادہ اپنے شوہر کی قبر کو بھی دیکھنا تھا؛ چنانچہ وہ اپنے بیٹے اور اپنی خادمہ ام ایمن کے ساتھ مکہ سے روانہ ہو کر تقریباً چار سو پچاس کیلو میٹر کی مسافت طے کر کے یثرب پہنچیں، وہاں ایک ماہ قیام کیا، پھر مکہ کے لئے واپس لوٹ گئیں، راستہ میں مکہ اور مدینہ کے درمیان ابوانامی مقام پر بیمار پڑ گئیں، اور وہیں وفات پا گئیں، اور اسی جگہ دفن کر دی گئیں۔

(۱) مسند احمد: ۲/۵، ۲۶۲، ابن اسحاق: ۱/۵۵، مستدرک حاکم: ۲/۶۰۰، حاکم نے کہا ہے: یہ حدیث صحیح الإسناد ہے، اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے۔ ہمارے شیخ البانی نے کہا ہے: اس کی سند حیدر اور قوی ہے، اور اس کے شواہد ہیں، اور ابن اسحاق کی روایت انہی شواہد میں سے ہے۔

(۲) مسند احمد: ۳/۸۴، ۸۵، مستدرک حاکم: ۲/۶۷۶، ۶۷۷، المعجم الکبیر، طبرانی: ۱۳۱/۷، مقدمہ سنن دارمی: ۸۷۱، ہمارے شیخ البانی نے

کہا ہے: اس حدیث کے رجال ثقات ہیں، اور بقیہ راویوں نے روایت حدیث کی تصریح کر دی ہے، اس لئے یہ حدیث صحیح ہے۔ اور حاکم نے کہا ہے: یہ مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے، اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ برہ امّ ایمن کے ساتھ مکہ واپس آگئے۔ اب وہ باپ اور ماں دونوں طرف سے محروم و یتیم ہو چکے تھے لیکن حفاظتِ الہی اور عنایتِ ربانی آپ پر ہر جانب سے سایہ لگن تھی۔ مکہ پہنچنے کے بعد آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے جب آپ کو امّ ایمن سے اپنی گود میں لیا تو آپ کو دیکھ کر بہت ہی زیادہ غمگین و متاثر ہوئے۔ اور ماں اور باپ دونوں جانب سے آپ کی یتیمی کے سبب آپ کو اپنے بیٹوں پر ترجیح دینے لگے، اور غایت درجہ ان کا خیال رکھنے لگے، اور آپ کی حرکات اور اٹھنے بیٹھنے کی ادا کو دیکھ کر نہایت خوش ہوتے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ اپنے دادا عبدالمطلب بن ہاشم کے ساتھ رہنے لگے۔ عبدالمطلب کے لئے کعبہ کے سایا میں ایک چادر بچھائی جاتی تھی، جس کے ارد گرد اُن کے بیٹے بیٹھ کر اُن کا انتظار کرتے تھے، اور اُن کے غایت احترام میں اُن کا کوئی بیٹا اُس چادر پر نہیں بیٹھتا تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ آتے اور اس پر بیٹھ جاتے (اس وقت آپ ﷺ ایک صحت مند اور بھاری بدن کے لڑکے تھے) ان کے چچا حضرات انہیں پکڑ کر چادر سے ہٹانے لگتے، عبدالمطلب کہتے: میرے بیٹے کو چھوڑ دو، اللہ کی قسم! یہ بڑی شان والا ہو گا۔ پھر آپ کو اپنے ساتھ اس چادر پر بٹھالیتے، اور اپنا ہاتھ آپ کی پیٹھ پر پھیرتے عبدالمطلب کو آپ ﷺ کی ہر حرکت و ادا سے خوش ہوتی تھی^(۱)۔

اور طبرانی، بیہقی، ابن سعد اور دیگر مؤرخین نے کنذیر بن سعید سے اُن کے باپ کے حوالہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے جاہلیت میں حج کیا، تو ایک آدمی کو طواف کی حالت میں ایک شعر پڑھتے سنا:

اے میرے رب! میرے سوار محمد کو لوٹا دے اُسے میرے پاس لوٹا کر مجھ پر احسان کر دے

میں نے کہا: اس کی مراد کیا تھی؟ اس نے کہا: عبدالمطلب بن ہاشم کے کچھ اونٹ کہیں نکل گئے، انہوں نے اپنے پوتے کو ان کی تلاش میں بھیجا، انہیں کچھ دیر ہو گئی۔ اور اس سے پہلے عبدالمطلب نے جب بھی کسی کام کے لئے ان کو بھیجا تو اسے کر کے فوراً واپس آگئے۔ راوی کہتے ہیں: کچھ ہی دیر کے بعد نبی کریم ﷺ اونٹوں کو لے کر واپس آگئے، تو عبدالمطلب نے کہا: اے میرے بیٹے! میں تمہارے لئے عورت کی طرح حزن و غمگین ہو گیا تھا، مجھ سے کبھی الگ نہ رہو^(۲)۔

اور آپ ﷺ سے متعلق، جب آپ اپنے دادا کی کفالت میں تھے، اہم ترین خبروں میں سے ایک یہ خبر بھی

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۱۶۸/۱۔

(۲) التعم الکبیر، طبرانی: ۵۵۲۳۴، دلائل البیہقی: ۲۱، ۲۰، ۲۱، طبقات ابن سعد: ۱۱۱، مستدرک حاکم: ۶۰۳، ۶۰۴، حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے۔

ہے کہ بنی مدجن کے کچھ قیافہ شناس مکہ آئے، انہوں نے جب آپ کو دیکھا، تو آپ کے دادا سے کہا: اس کی خوب نگرانی کرتے رہئے، ہم نے اس بچے کے قدم کے سوا مقام ابراہیم میں موجود قدم سے زیادہ مشابہہ کبھی کوئی قدم نہیں دیکھا۔ عبدالمطلب نے ابوطالب سے کہا: یہ لوگ جو کہہ رہے ہیں اسے غور سے سنو! اور اس کی پوری طرح حفاظت کرتے رہو۔ اُس وقت آپ ﷺ کی عمر تقریباً سات سال تھی^(۱)

عبدالمطلب نے لمبی عمر پائی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی وفات ایک سو بیس سال میں ہوئی، جب نبی کریم ﷺ آٹھ سال کے ہوئے تو ان کی وفات ہو گئی، اور مقبرہ حجون میں دفن کر دیئے گئے۔ انہوں نے اپنی وفات سے پہلے یہ مناسب سمجھا کہ اپنے پوتے کی کفالت آپ کے چچا ابوطالب کے ذمے لگا دیں، جو آپ ﷺ کے والد عبد اللہ کے سکے بھائی تھے۔



(۱) مختصر السیرہ علامہ عبد اللہ بن الشیخ محمد بن عبد الوہاب: ص ۲۱/

ابوطالب کی کفالت میں

رسول اللہ ﷺ اپنے چچا ابوطالب کے پاس پلتے بڑھتے جوان ہو گئے، اور اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت کرتا رہا، اور ابوطالب نے اپنے بھتیجے کا حق پورے طور پر ادا کیا۔ انہوں نے آپ کو اپنی اولاد کے ساتھ ملا لیا، اور آپ کو ان سب پر فوقیت دینے لگے۔ اور جب آٹھ سال کے تھے اس وقت سے نبوت کے دسویں سال تک پورے تینا بیس (۴۳) سال انہوں نے آپ ﷺ کا پورا خیال رکھا، آپ کا دفاع کیا، ہر طرح سے آپ کی راحت و آرام کا خیال کیا، اور آپ کے مقام نبوت کے مطابق آپ کی عزت کی۔

جاہلیت کی آلائشوں اور بُتوں کی پرستش سے حفاظت:

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی، نبوت عطا ہونے کے پہلے ہی سے جاہلیت کی گندگیوں اور بُرے اخلاق سے حفاظت کی جو شرفاء کے شایانِ شان نہیں تھے۔ ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں قریش کے دیگر لڑکوں کے ساتھ پتھر اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا رہا تھا، تمام بچوں نے ننگے ہو کر اپنی ازار اپنی گردن پر ڈال لی تھی، تاکہ اس پر پتھر ڈھوسکیں۔ میں ان کے ساتھ آ جا رہا تھا کہ اچانک کسی نے مجھے ایک تکلیف دہ گھونسا مارا اور کہا: اپنی ازار پہن لو۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں: میں نے ازار پہن لیا، اور اپنی گردن پر پتھر ڈھونے لگا، میں اپنے ساتھیوں میں تنہا ازار پہنے ہوا تھا۔

بخاری و مسلم نے عبدالرزاق کی سند سے جابر بن عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ جب کعبہ بنایا گیا، تو رسول اللہ ﷺ بھی پتھر ڈھونے کے لئے گئے۔ عباس نے آپ سے کہا: پتھر ڈھونے کے لئے اپنی ازار اپنے کندھے پر ڈال لو، آپ نے ایسا کیا تو فوراً ہی زمین پر گر پڑے، اور آپ کی دونوں آنکھیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں، پھر آپ کھڑے ہوئے اور کہا: مجھے میری ازار دو، آپ نے فوراً اپنی ازار پہن لی^(۱)۔

اور نبیہتی نے زید بن حارثہ سے روایت کی ہے کہ تانبے کا بنا ہوا ایک بُت تھا، جس کا نام اساف و نائلہ تھا۔ مشرکین حالت طواف میں اس پر ہاتھ پھیرتے تھے، رسول اللہ نے طواف کیا، اور میں نے بھی ان کے ساتھ طواف کیا، جب میں اس بُت کے پاس سے گزرا تو اس پر اپنا ہاتھ پھیرا، آپ نے فرمایا: اسے مت ہاتھ لگاؤ۔ زید کہتے ہیں: میں نے دل میں سوچا، میں اسے ضرور ہاتھ لگاؤں گا، تاکہ دیکھوں کیا ہوتا ہے؟ میں نے اسے دوبارہ ہاتھ لگایا، تو آپ نے فرمایا: کیا تمہیں روکا نہیں گیا تھا؟ نبیہتی کی ایک دوسری روایت میں ہے: زید نے کہا: اُس اللہ

کی قسم جس نے آپ کو عزت بخشی اور آپ پر کتاب نازل کی! آپ نے کبھی بھی کسی بُت پر ہاتھ نہیں پھیرا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا، اور اپنی کتاب نازل کی^(۱)۔

چچا کے ساتھ شام کا سفر اور بحیرا راہب کی بات:

نبی کریم ﷺ ابوطالب کے گھر میں رہتے رہے، اور عمر کے ساتھ آپ کی عقل اور قوتِ ادراک و احساس ترقی کرتی رہی۔ چچا کے ساتھ آپ کی وفاداری کا تقاضا تھا کہ تلاشِ معاش سے متعلق ان کی تگ و دو میں شرکت کریں، اس لئے کہ ابوطالب کثیر العیال اور قلیل المال تھے۔ آپ نے اس بات کو شدت سے محسوس کیا کہ انہیں رزقِ حلال کی تلاش میں اپنے چچا کا ہاتھ بٹانا چاہئے، چنانچہ جب بارہ سال کے ہوئے اور آپ کے چچا نے تجارت کے لئے ملکِ شام کا سفر کرنا چاہا تو آپ نے ان سے کہا کہ وہ بھی ان کے ساتھ چلیں گے، تاکہ سفر کی ضروریات اور کاروباری امور میں اُن کی مدد کریں، اور آپ مصر رہے، یہاں تک کہ ابوطالب نے اُن کی بات مان لی، اور دونوں ایک ساتھ سفر پر روانہ ہوئے۔

جب یہ تجارتی قافلہ حدودِ شام پر موجود شہر ”بصری“ پہنچا تو راستہ کی تھکاوٹ کو دور کرنے کے لئے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا، جس کے قریب بحیرا نامی راہب کا عبادت خانہ تھا، یہ راہب انجیل کا علم رکھتا تھا۔

راوی حدیث ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: راہب نکل کر ان کے پاس آیا، اس کے پہلے جب یہ لوگ وہاں پڑاؤ ڈالتے تو وہ نکل کر اُن کے پاس نہ آتا اور نہ ان کی طرف متوجہ ہوتا۔ قافلہ والے جب اپنا سامان سفر کھول رہے تھے تو راہب لوگوں کے درمیان سے چلتا ہوا رسول اللہ ﷺ کے پاس آگیا، اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا: یہ تو سارے عالم کے سردار ہیں، یہ تورب العالمین کے رسول ہیں، اللہ نے انہیں رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے، یہ سن کر کچھ عمر رسیدہ قریشیوں نے کہا: تمہیں اس بات کا کیسے علم ہوا؟ اُس نے کہا: تم لوگ جب گھاٹی کے قریب پہنچے تو ہر شجر و حجر سجدے میں گر گیا تھا، اور یہ دونوں صرف کسی نبی کو ہی سجدہ کرتے ہیں، اور میں ان کو اُس ختمِ نبوت کے ذریعہ پہچانتا ہوں جو سب کی مانند آپ کے کندھے کے نیچے پایا جاتا ہے۔

راہب فوراً عبادت گاہ میں لوٹا، اور ان سب کے لئے کھانا بنا کر لے آیا۔ اس وقت آپ (ﷺ) اونٹوں کی دیکھ بھال میں لگے تھے۔ لوگوں نے کہا: محمد کو بلا لیا جائے: جب آپ آئے تو ایک بادل آپ پر سایہ فگن تھا، جب آپ لوگوں کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ وہ سب درخت کے سایے تک آپ سے سبقت کر کے پہنچ گئے تھے۔ جب آپ بیٹھ گئے تو وہ درخت آپ پر سایہ فگن ہو گیا۔ راہب نے کہا: لوگو! دیکھو درخت کا سایہ ان کی طرف

مائل ہو گیا^(۱)۔

اس قصے کی ایک روایت میں آیا ہے کہ بحیرا آپ کے مونڈھے پر کسی چیز کو تلاش کرنے لگا، وہاں اس نے ختم نبوت کو دیکھا، اور ابوطالب سے ازراہِ خیر خواہی کہا کہ وہ آپ کو لے کر مکہ لوٹ جائیں، اس لئے کہ آپ کو یہود سے خطرہ ہے، جو آپ کے خلاف اپنے دل میں بُرائی چھپائے ہوئے ہیں۔ اس نے یہ بھی کہا: آپ کے بھتیجے بڑی شان والے ہوں گے؛ چنانچہ ابوطالب نے آپ کو ایک آدمی کے ساتھ مکہ واپس بھیج دیا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں: ابوطالب ملکِ شام میں اپنی تجارت سے جلد از جلد فارغ ہو کر آپ کو لے کر خود مکہ واپس آ گئے^(۲)۔

فجار کی لڑائی:

یہ لڑائی قریش و کنانہ اور قیس عیلان کے درمیان ہوئی تھی، اس وقت آپ کی عمر پندرہ سے انیس سال کے درمیان تھی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ قیس والوں نے حرم اور حرمت والے مہینوں کی بے حرمتی کی تھی، اسی لئے اس کا نام فجار کی لڑائی پڑ گیا۔

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ بنی ضمرہ بن بکر بن عبد منات بن کنانہ کے براض بن قیس نامی ایک آدمی نے قبیلہ ہوازن کے عروہ الرحال نام کے ایک آدمی کو حرمت کے مہینے میں بازارِ عکاظ میں قتل کر دیا۔ ایک آدمی نے آکر قریش کو اس کی خبر دی، اور کہا کہ براض نے عروہ کو حرمت کے مہینے میں عکاظ میں قتل کر دیا ہے۔ یہ سن کر قریش والے ان لوگوں سے جنگ کے لئے چل پڑے۔ جب ہوازن کو اس کی خبر ہوئی تو ان کے پیچھے وہ بھی چل پڑے، اور دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو حرم میں داخل ہونے سے پہلے پالیا، اور رات گئے تک لڑتے رہے۔ پھر اہل قریش حرم میں داخل ہو گئے، تو ہوازن ان کا پیچھا کرنے سے رُک گئے۔ اس کے بعد بھی کئی دن تک ان میں لڑائی ہوتی رہی۔ اس لڑائی میں کنانہ اور قریش کا قائد حرب بن امیہ بن عبد شمس تھا۔ پہلے دن میدانِ جنگ ہوازن کے ہاتھوں میں رہا، اس کے بعد نبی کریم ﷺ اپنی قوم کے ساتھ اس لڑائی میں شریک ہوئے تو جنگ کا نقشہ بدل گیا، اور قریش والے غالب آ گئے۔ اس جنگ کی کہانی طویل ہے، جسے ابن ہشام نے اپنی کتاب

(۱) ترمذی: حدیث (۳۶۲۰)، مصنف ابن ابی شیبہ: حدیث (۱۸۳۹۰)، ابو نعیم: ص ۵۱، ۵۲، دلائل البیہقی: ۱/ ۳۰۷-۳۱۲، مستدرک حاکم: ۲/ ۶۱۲، السیرۃ النبویہ، ذہبی: ص ۲۸، ۲۹۔ حاکم نے شیخین کی شرط کے مطابق صحیح کہا ہے، اور علامہ البانی نے جزی سے اس کی تصحیح نقل کی ہے، اور خود بھی اس کی تصحیح کی طرف میلان کا اظہار کیا ہے، تعلیق اللہ البانی علی فقہ السیرۃ للذہبی: ص ۶۸، اور طبرانی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔

(۲) سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۱۸۳، والسیرۃ النبویہ، ذہبی: ص ۲۷-۲۹۔

السیرۃ میں بیان کیا ہے، جس کے ذکر کرنے کی یہاں چنداں ضرورت نہیں۔

اس واقعہ کو یہاں ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس جنگ میں کئی دن شریک ہوئے، آپ ﷺ کو آپ کے چچا حضرات اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس جنگ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: میں اپنے چچا حضرات کو کمان میں تیر بھر کر دیا کرتا تھا۔

قریش اور نبی کریم ﷺ کے لئے یہ جنگ اس اعتبار سے اہم تھی کہ اس کا مقصد سرزمین حرم اور حرمت کے مہینوں کے احترام کا دفاع کرنا تھا، تاکہ مکہ، اس کی سرزمین اور اس کا حرم ہمیشہ کی طرح امن و سلامتی اور راحت و سکون کا ہر اس شخص کے لئے گہوارہ رہے، جو یہاں بیت اللہ کے طواف اور مناسک حج کی ادائیگی کے لئے آئے^(۱)۔

حُلْفُ الْفُضُول (عہد نامہ کارہائے خیر):

یہ عہد نامہ جنگِ فجار کے بعد ذی القعدہ کے مہینہ میں ہوا تھا، اُس وقت نبی کریم ﷺ کی عمر تقریباً بیس سال تھی۔ سب سے پہلے جس نے لوگوں کو اس کی دعوت دی وہ زبیر بن عبدالمطلب تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ یمن کے قبیلہ زبید کا ایک آدمی کچھ سامان تجارت لے کر مکہ آیا، جسے عاص بن وائل نے اس سے خریدا، اور اس کی قیمت دینے سے انکار کر دیا۔ زبیدی نے مکہ میں موجود اپنے حلیفوں سے کہا کہ وہ لوگ اس کا حق دلائیں، لیکن کسی نے اس کی مدد نہیں کی، تو وہ شخص جبل ابی قیس پر طلوع آفتاب کے وقت چڑھ گیا۔ اُس وقت قریش والے کعبہ کے گرد بیٹھے ہوئے تھے، اور بلند آواز میں لوگوں کو پکارنے لگا، تاکہ وہ اس کا حق دلانے میں اس کی مدد کریں۔ چنانچہ ہاشم، زہرہ، امیہ، مخزوم اور تیم بن مرہ عبد اللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے، اور آپس میں اللہ کے نام پر ایک عہد نامے پر متفق ہوئے کہ وہ سب ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد کے لئے ایک ہوں گے، تاکہ اسے اس کا حق دلایا جائے۔

یہ ابن جدعان ایک کریم النفس آدمی تھا جو بھوکوں کو کھانا کھلاتا تھا، اور مہمانوں کی میزبانی کرتا تھا، اور اُمّ المؤمنین عائشہ کے رشتہ داروں میں سے تھا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا کہ کیا قیامت کے دن اس کا یہ جو دو کرم اس کے لئے نفع بخش ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، اس نے ایک دن بھی نہیں کہا کہ میرے رب، قیامت کے دن میرے گناہوں کو معاف کر دے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی کتاب الصحیح میں روایت کی ہے۔

(۱) دیکھئے السیرۃ النبویہ، ذہبی: ص ۳۰، فقہ السنۃ: ص ۷۴، مختصر تاریخ ابن کثیر: ص ۲۸-۳۰، اور سیرۃ ابن ہشام: ۱۸۴-۱۸۷۔

قریش نے اس عہد نامے کا نام حلف الفضول یعنی عہد نامہ کارہائے خیر رکھا۔ عربوں کی تاریخ میں یہ سب سے پاکیزہ مقاصد والا عہد نامہ گزرا ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے اس میں شرکت کی تھی، اور اس سے بہت زیادہ خوش ہوئے تھے۔ ابن اسحاق نے طلحہ بن عبد اللہ بن عوف زہری سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں عبد اللہ بن جدعان کے گھر میں اس عہد نامہ کے وقت موجود تھا، اور یہ میرے نزدیک سُرخ اونٹوں سے بھی زیادہ قیمتی اور محبوب تھا۔ اگر مجھے عہد اسلام میں بھی ایسے عہد نامے کی دعوت دی جاتی تو اسے فوراً قبول کر لیتا^(۱)۔

اسی کا نام نبی کریم ﷺ نے حلف المطہیین (اچھے لوگوں کا عہد نامہ) رکھا۔ اُس حلف المطہیین کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے جس پر قصی کی موت کے بعد بنی عبد مناف والوں نے اتفاق کیا تھا، تاکہ بنی عبد الدار سے زائرین حرم کو پانی پلانے، اُن کی میزبانی کرنے، علم برداری، دار النذوہ اور باب کعبہ کی نگرانی جیسے اپنے چھینے ہوئے حقوق کو واپس لے سکیں۔ بیہقی نے جبیر بن مطعم سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اپنے چچا زاد لوگوں کے ساتھ اس عہد نامے کے وقت موجود تھا، اور میں اسے ہرگز پسند نہیں کروں گا کہ سُرخ اونٹوں کے بدلے اس کی خلاف ورزی کروں^(۲)۔

بیہقی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: میں اس عہد نامہ کے علاوہ قریش کے کسی عہد نامے میں شریک نہیں ہوا، اور میں اسے ہرگز پسند نہیں کروں گا کہ سُرخ اونٹوں کے بدلے اسے توڑ دوں^(۳)۔ اور بیہقی نے جو حدیثیں روایت کی ہیں وہ صحیح ہیں، اس لئے ہمارے لئے یہ کہنے کے سوا چارہ نہیں کہ آپ ﷺ نے حلف المطہیین سے حلف الفضول مراد لی تھی۔ اور اس عہد نامہ کے سبب خوشی کی جو چمک آپ ﷺ کے کلمات سے ظاہر ہوتی ہے، وہی دین اسلام کی روح ہے جس کا آفتاب عالم تاب بعثت محمدی کے ساتھ طلوع ہوا، اس لئے کہ ظالم کے خلاف اُٹھ کھڑا ہونا، چاہے وہ جتنا بڑا آدمی ہو، اور مظلوم کی مدد، چاہے وہ جتنا معمولی انسان ہو، اور بھلائی کا حکم دینا، اور بُرائی سے روکنا، اور اللہ کے حدود کی پابندی، یہی وہ دائمی اصول و مبادی ہیں جن کے سبب یہ دین اسلام ہر زمان و مکان کا دین ہے۔

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۱۳۳، ۱۳۴، مختصر تاریخ ابن کثیر: ص ۳۱، ۳۲۔

(۲) شیخ البانی کہتے ہیں: اس کی سند حسن ہے، اور اس کی تخریج اپنی کتاب ”الصحيح“ میں حدیث (۱۹۰۰) کے تحت کی ہے۔ دیکھئے ان کی کتاب صحیح السیرۃ النبویہ: ص ۳۵۔

(۳) اسے ابن حبان نے بھی روایت کی ہے، یہ بات ہمارے شیخ البانی نے بھی کی ہے، اور اس کی تخریج اپنی کتاب ”الصحيح“ میں حدیث (۱۹۰۰) کے تحت کی ہے۔

بکریاں چرانا اور تلاشِ معاش کے لئے تگ و دو:

نبی کریم ﷺ یتیم پیدا ہوئے تھے۔ اور والد سے آپ کو صرف پانچ اونٹ، بکریوں کا ایک ریوڑ اور ایک حبشی لونڈی وراثت میں ملی تھی، جس کا نام برکہ اور کنیت امّ ایمن تھی، جن کا ذکر خیر آپ کی پرورش و پرداخت کرنے والی عورتوں کے ضمن میں ہو چکا ہے۔

پھر آپ حلیمہ کے پاس بنی سعد پہنچ گئے، اور ان کے ساتھ رہنے لگے، جب چلنے پھرنے لگے، اور بعض چھوٹے کام کرنے لگے تو اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ بکریاں چرانے لگے۔ اور جب اپنی ماں کے پاس مکہ واپس آئے، اور کچھ بڑے ہوئے، تو حصولِ رزق کے لئے چند ٹکوں کے عوض اہل مکہ کی بکریاں چرانے لگے، تاکہ اپنے چچا ابوطالب کی مدد کر سکیں، جن کے ساتھ آپ رہائش پذیر تھے، اور جو قلیل المال اور کثیر العیال آدمی تھے۔

بخاری و مسلم نے کتاب الإجارہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب بھی کوئی نبی مبعوث کیا تو اس نے بکریاں چرائیں۔ صحابہ کرام نے پوچھا: اور آپ؟ تو فرمایا: ہاں۔ میں بھی چند سیکوں کے عوض اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا^(۱)۔

اور حاکم نے علی بن ابی طالب سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ نے دورِ جاہلیت کے کاموں سے آپ کو بچایا۔ اس میں آپ نے یہ بھی کہا ہے کہ ایک رات میں نے ایک لڑکے سے کہا: جو میرے ساتھ بکریاں چراتا تھا کہ اگر تم میری بکریوں کا خیال رکھو تو میں مکہ جاؤں، اور وہاں دیگر جوانوں کی طرح قصوں اور کہانیوں کی مجالس میں ان کے ساتھ شرکت کروں^(۲)۔

اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں علماء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انبیائے کرام کا نبوت سے قبل بکریاں چرانا اس حکمت کا حامل ہے کہ اس طرح انہیں اپنی قوم کی قیادت اور دیکھ بھال کے لئے ٹریننگ حاصل ہو جائے، اور حلم و بردباری اور شفقت کے عادی بن جائیں۔ اس لئے کہ بکریاں چرانے، ان کے کھڑ جانے کے بعد انہیں جمع کرنے، انہیں ایک چراگاہ سے دوسرے چراگاہ تک لے جانے، اور دشمنوں سے ان کی حفاظت کا صبر آزمائے کام کرنے کے سبب ان کے مزاج، ان کی کمزوری اور ان کی دیکھ بھال کی ضرورت کو وہ خوب جان جاتے تھے، اور اس طرح اپنی قوم کی ہدایت و رہنمائی کی راہ میں انہیں جو تکلیف اٹھانی پڑتی تھی، اس پر صبر کرتے تھے؟

(۱) صحیح البخاری، کتاب الإجارہ: حدیث (۲۲۶۲)۔

(۲) مستدرک حاکم: ۲۴۵/۴، حاکم کہتے ہیں: یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے، اور اکمل، ابن الاثیر: ۳۸/۲۔

کاروبار تجارت:

اہل مکہ کے جو حالات اُپر بیان کئے جا چکے ہیں، ان سے ہم نے یہ بات جان لی ہے کہ ان کی مالی قوت کا بنیادی سبب قبائل عرب، ملک شام، یمن، حیرہ، فارس، حبشہ اور دیگر علاقوں کے رہنے والوں کے ساتھ عہدِ قدیم سے تجارت کرنا تھا۔ اسی لئے آپ ﷺ نے بھی اس پیشہ کو اختیار کیا۔ چنانچہ بارہ سال کی عمر میں اپنے چچا کے ساتھ آپ نے شام کا سفر کیا، تاکہ تجارت کے اُسرار و رموز کا علم حاصل کریں، اور یہ بھی ثابت ہو چکا کہ آپ ﷺ بڑے ہو کر تجارت کرتے تھے، آپ کے شریک عبد اللہ بن سائب تھے۔ مجاہد نے روایت کی ہے کہ مجھ سے میرے آقا! عبد اللہ بن سائب نے حدیث بیان کی کہ میں جاہلیت میں نبی کریم ﷺ کا شریک تھا۔ اور بختِ نبوی ﷺ کے بعد جب میں مدینہ آیا تو میں نے آپ ﷺ سے پوچھا: کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، تم میرے شریک تجارت تھے اور بہت اچھے شریک تھے، کبھی جھگڑتے نہیں تھے، اور صاف ستھرا معاملہ کرتے تھے^(۱)۔

اور اب عنقریب یہ ذکر ہو گا کہ آپ ﷺ خدیجہ کا مال تجارت لے کر ملک شام گئے۔ اور جب خدیجہ کی آپ سے شادی ہو گئی جو مالدار تھیں تو ان کے مال کے ذریعہ کاروبار کرنے لگے، اور اپنی تنخواہ اور تجارت میں نفع سے آپ کا گزراوقات ہونے لگا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت آپ کو ملی تھی جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کر کے فرمایا ہے: ﴿وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَى﴾ (اور اس نے آپ کو فقیر و محتاج پایا تو آپ کو مالدار بنادیا) [النعمی: ۸] یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیمی اور محتاجی کے بعد مالدار بنادیا۔

خدیجہ کا مال لے کر تجارت کے لئے دوبارہ ملک شام کا سفر:

نبی کریم ﷺ جب پچیس سال کے ہوئے تو آپ کے چچا ابوطالب نے کہا: میرے بھتیجے! میرے پاس مال و دولت نہیں، اور ہم سب پر مشکل وقت آ پڑا ہے، اور یہ تمہاری قوم کا قافلہ تجارت کے لئے نکلنے والا ہے، اور خدیجہ بنت خویلد تمہاری قوم کے لوگوں کو اپنا مال دے کر بھیجا کرتی ہے، کیا ہی اچھا ہوتا کہ تم اس کے پاس جاتے اور اپنے آپ کو پیش کرتے۔ میرا خیال ہے کہ وہ تمہاری طرف سبقت کرے گی۔ خدیجہ کو چچا بھتیجائی اس بات کی خبر ہوئی، انہوں نے نبی کریم ﷺ کو بلا بھیجا، اور کہا: میں آپ کو اس سے دو گنی تنخواہ دوں گی، جو کسی دوسرے کو

(۱) مسند احمد: ۴/۳۲۵، ابوداؤد: (۴۸۳۶)، نسائی: عمل الیوم واللیلہ (۳۱۲)، ابن ماجہ: (۲۲۸۷)، المعجم الکبیر، طبرانی: ۸/۳۶۳۔

دیتی رہی ہوں۔ ابوطالب نے کہا: میرے بھتیجے! یہ روزی ہے جسے اللہ نے تمہارے لئے بھیج دی ہے۔ کہتے ہیں کہ جب خدیجہ کو آپ ﷺ کے بارے میں صدق گوئی، امانت اور اخلاقِ حسنہ کی باتیں معلوم ہوئیں، تو انہوں نے خود آپ کو بلا بھیجا، اور آپ سے طلب کیا کہ ان کا مالی تجارت لے کر شام جائیں، اور وہ آپ کو اس سے اچھی اجرت دیں گی جو دیگر تاجروں کو دیا کرتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی یہ بات منظور کر لی۔ خدیجہ نے آپ کی اجرت چار اونٹنی مقرر کی تھی۔ اور کہا جاتا ہے کہ خدیجہ نے آپ کے ساتھ ایک دوسرے قریشی آدمی کو بھی اجرت پر آپ کے ساتھ لگا دیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ خدیجہ کا ایک غلام بھی گیا جس کا نام میسرہ تھا۔ آپ ﷺ بصری کے بازار میں پہنچے، اور اپنا مالی تجارت بیچا، تو گزشتہ تاجروں کے مقابلے میں دو گنا نفع ہوا، اور جو کچھ خریدنا تھا خرید کر مکہ واپس لوٹ گئے۔ آپ کے ساتھ میسرہ بھی تھا جس نے اپنی مالکن خدیجہ کو اس نفع کی اطلاع دی جو ان کی تجارت سے حاصل ہوا تھا، تو وہ بہت خوش ہوئیں۔

میسرہ نے ان کو نبی کریم ﷺ کی صدق گوئی، امانت داری اور اخلاقِ حسنہ سے متعلق ساری باتیں بتائیں، نیز یہ بھی بتایا کہ آپ ﷺ اور ایک آدمی کے درمیان مال فروخت کرتے وقت کچھ بات بڑھ گئی تو اس نے آپ سے لات وعزائی کی قسم کھانے کو کہا: آپ ﷺ نے کہا: میں نے کبھی ان دونوں کی قسم نہیں کھائی ہے، اور میں جب کبھی ان کے پاس سے گزرتا ہوں، تو ان کی طرف دیکھتا بھی نہیں۔ اس آدمی نے کہا: تمہاری بات مان لیتا ہوں۔ پھر اس آدمی نے میسرہ سے کہا: اللہ کی قسم! یہ وہ نبی ہیں جن کی صفات ہمارے علماء اپنی کتابوں میں پڑھتے ہیں۔

راوی نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک راہب کے معبد کے قریب ایک درخت کے سایے میں پڑاؤ ڈالا، تو اس راہب نے معبد کے اندر سے جھانک کر میسرہ سے پوچھا: یہ کون ہے؟ اس نے کہا: قریش کا ایک آدمی، راہب نے کہا: اس درخت کے سایے میں صرف نبی ہی پڑاؤ ڈالتا ہے۔ پھر آپ نے اپنا مالی تجارت فروخت کیا، اور اس کے عوض دوسری چیزیں خرید کر واپس چل پڑے۔ جب دھوپ تیز ہوتی تو میسرہ دو فرشتوں کو دیکھتا کہ وہ آپ کے اوپر آفتاب سے سایہ کئے ہوئے ہیں، اور آپ چل رہے ہیں۔

نبی کریم ﷺ جو مالی تجارت شام سے لے کر آئے تھے، خدیجہ نے جب اسے مکہ میں بیچا تو دو گنا نفع ہوا۔ ان سب باتوں سے خدیجہ بہت خوش ہوئیں، اور ان کے دل میں رغبت پیدا ہوئی کہ کاش آپ ﷺ ان سے شادی کر لیتے، اس وقت آپ ﷺ نے اپنی عمر کے صرف پچیس سال پورے کئے تھے^(۱)۔

(۱) دیکھئے: طبقات ابن سعد: ۱/۲۹۹، الوقایع باحوال المصطفیٰ: ۱/۴۳۳، شرح المواہب: ۱/۹۷، سیرۃ ابن ہشام: ۱/۱۸۷، ۱/۱۸۸، اتحاف

خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کی شادی:

خدیجہ ایک حسب و نسب والی، خوبصورت، صحت مند اور کثیر المال عورت تھیں۔ زمانہ جاہلیت میں انہیں طاہرہ کے نام سے بلایا جاتا تھا۔ پہلے ان کی شادی دو مردوں سے ہو چکی تھی؛ ایک کا نام عقیق بن عایذ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم تھا، جن سے ان کو ایک لڑکی ہوئی تھی، جو محمد بن سیفی مخزومی کی ماں بنی۔ اس کے بعد ان کی شادی ابو ہالہ تمیمی سے ہوئی جس سے ان کو ہند بن ہند پیدا ہوئے جو صحابی بن کر جنگ بدر میں شریک ہوئے، پھر حدیث کے بڑے راویوں میں ان کا شمار ہوا، اور زینب نام کی ایک لڑکی بھی ہوئی تھی۔ اور ہالہ رسول اللہ ﷺ کے پروردہ بنے۔ ابو ہالہ کی وفات کے بعد بہت سے جاہ و حشمت اور مال و جائیداد والوں نے خدیجہ سے شادی کرنی چاہی، لیکن انہوں نے خوبصورتی کے ساتھ سب کو ٹال دیا، اور تیسری بار شادی نہیں کرنی چاہی۔ ایسا لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تیار کیا تھا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی مخلص و وفادار، اخلاق و کردار میں بے مثال، اور معاملات زندگی میں تجربہ کار بیوی بنیں، تاکہ اپنی مالی اور اجتماعی حیثیت اور ان صفاتِ حسنہ کے ذریعہ آپ ﷺ کے نبوت پانے اور مشرکین قریش کی طرف سے شدید ترین مشکلات کا سامنا کرتے وقت آپ کا ساتھ دیں۔

چنانچہ جب انہوں نے میسرہ سے آپ ﷺ کے بارے میں راہب کی بات اور آپ پر دوران سفر دو فرشتوں کے سایہ فگن رہنے اور دیگر بہت سی اہم باتیں سنیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں آپ سے شادی کرنے کی رغبت ڈال دی۔

وہ قرابت داری میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ قصی میں مل جاتی تھیں، اس اعتبار سے اہل بیت المؤمنین میں وہ نسب کے اعتبار سے آپ سے سب سے زیادہ قریب تھیں۔ انہوں نے اپنے دل کی بات اپنی سہیلی نفیسہ بنت منیہ سے کہی جو آپ کے پاس گئیں، اور خدیجہ سے شادی کرنے کی بات کی۔ آپ ﷺ نے اسے فوراً قبول کر لیا، اور اپنے چچوں سے اس بارے میں بات کی، تو ابو طالب اور حمزہ وغیرہ خدیجہ کے چچا عمرو بن اسد سے ملے، (اس لئے صحیح روایت کے مطابق ان کے والد جنگِ فجار میں مارے جا چکے تھے) اور ان کو اپنے بھتیجے کے لئے پیغام دیا، اور بیس اونٹنی بطور مہر پیش کی۔ اور ابو طالب نے کھڑے ہو کر نکاح کے خطبہ میں کہا: بے شک محمد کا اگر قریش کے کسی بھی جوان سے موازنہ کیا جائے تو یہ اس پر شرافت و نجابت اور فضل و عقل میں فائق ملیں گے، اگرچہ ان کے پاس مال کم ہے، تو مال ایک ڈھلتی چھاؤں اور آنی جانی چیز ہے۔ یہ خدیجہ بنت خویلد سے شادی کرنے کی رغبت رکھتے ہیں، اور خدیجہ بھی ایسا ہی چاہتی ہیں۔ یہ سن کر خدیجہ کے دلی نے کہا: بے شک محمد ایک کریم النفس انسان ہیں، جن کی مثال ملنی ناممکن ہے، اور پھر خدیجہ کی شادی آپ ﷺ سے کر دی۔

امام فاکہی نے انس رضی اللہ عنہ سے ایک خبر روایت کی ہے جو اُس عظیم محبت کی دلیل ہے جسے خدیجہ نبی کریم ﷺ کے لئے اپنے دل میں شادی کے پہلے سے چھپائے ہوئی تھیں، اور اس محبت کے رازِ نہاں کی بھی دلیل ہے۔ خدیجہ آپ ﷺ اور آپ کے اخلاق و سیرتِ حسنہ کے بارے میں آپ کے بچپن سے ہی جو کچھ سنا کرتی تھیں ان کے سبب ان کو قوی امید تھی، اور ہر وقت ان کے وجدان پر یہ بات غالب رہتی تھی کہ آپ ﷺ کو ہی اللہ تعالیٰ آخری نبی بنا کر مبعوث کرے گا، اور اس کا زمانہ بالکل قریب ہے، روایت مندرجہ ذیل ہے:

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ خدیجہ سے شادی کرنے سے پہلے ابوطالب کے پاس بیٹھے تھے، آپ نے خدیجہ کے پاس جانے کی اجازت مانگی تو ابوطالب نے اجازت دے دی، اور آپ کے پیچھے ایک لونڈی کو بھیجا جس کا نام ”نُبْعہ“ تھا اور اس سے کہا: دیکھنا! خدیجہ ان سے کیا کہتی ہے؟! نُبْعہ نے آکر خبر دی کہ میں نے عجیب بات دیکھی، خدیجہ کو جب آپ کے آنے کی خبر ہوئی تو دروازے سے باہر نکل آئیں، آپ کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے سینے اور گلے سے لگا لیا۔ پھر کہا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، اللہ کی قسم! میں ایسا اس لئے کر رہی ہوں کہ مجھے امید ہے کہ آپ نبی بنائے جائیں گے، اور اگر ایسا ہوا تو آپ میرے حق اور میرے مقام کو پہچانئے گا، اور آپ اس اللہ سے دعا کیجئے جو آپ کو مبعوث کرے گا کہ وہ آپ کو میرے لئے بنادے۔ آپ نے ان سے کہا: اللہ کی قسم! اگر میں نبی ہوا تو تمہارے اس حق کو کبھی ضائع نہیں کروں گا۔ اور اگر میرے سوا کوئی دوسرا نبی ہوا تو مجھے یقین ہے کہ وہ اللہ جس کی خاطر تم ایسا کر رہی ہو وہ تمہیں ہرگز ضائع نہیں کرے گا^(۱)۔

چنانچہ خدیجہ نے آپ سے شادی کے ذریعہ ایک بہت بڑا شرف حاصل کیا، (اُس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی) اور تاریخ میں ایک ایسے دروازہ سے داخل ہو گئیں جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ اور دنیا کی چار باکمال اور افضل ترین عورتوں میں اُن کا شمار ہوا۔ وہ عورتیں: خدیجہ، فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ، فرعون کی بیوی آسیہ اور عیسیٰ کی والدہ مریم بنت عمران ہیں۔

اور یہ شادی خدیجہ کی وفات تک باقی رہی، اُس وقت ان کی عمر پینٹھ سال ہو چکی تھی، اور اس پوری مدت میں نبی کریم ﷺ اور وہ ایک دوسرے کا غایت درجہ اعزاز و اکرام کرتے رہے۔ اور خدیجہ کے فخر و اعزاز کے لئے یہ کافی تھا کہ جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! خدیجہ ایک برتن لئے آرہی ہیں جس میں سالن، کھانا اور پانی ہے۔ وہ جب آئیں تو انہیں ان کے رب کا اور میرا سلام پہنچا دیجئے، اور انہیں جنت میں بانس کے بنے ایک گھر کی خوشخبری دے دیجئے، جس میں نہ وہ کوئی پریشان کن آواز سنیں گی، اور نہ ہی

مشقت و تھکن محسوس کریں گی^(۱)۔

رسول اللہ ﷺ کی تمام اولاد، ابراہیم کے سوا، انہی سے پیدا ہوئی۔ پہلے قاسم پیدا ہوئے جن کے نام کے ساتھ آپ ﷺ کی کنیت تھی، پھر زینب، پھر عبد اللہ، انہی کو طیب و طاہر کہا جاتا ہے، پھر رقیہ پھر ام کلثوم پھر فاطمہ۔ قاسم دو سال کی عمر میں ہی وفات پا گئے، اور عبد اللہ بھی بچپن میں ہی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اُسی دن عاص بن وائل اور مکہ کے دیگر بڑے مشرکوں نے کہا تھا کہ محمد ؐ کٹا ہوا کھانا کھا رہا ہے، اس کا کوئی لڑکا زندہ نہیں رہتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر مندرجہ ذیل آیتیں نازل فرمائیں: ﴿إِنَّا أَنْعَمْنَاكَ الْكَوْثَرَ (۱) فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (۲)﴾ (۲) اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ (بے شک ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا کیا ہے، پس آپ صرف اپنے رب کے لئے نماز پڑھئے، اور صرف اسی کے لئے قربانی کیجئے، بے شک آپ کا دشمن ہی جڑ کٹا ہوا ہے) [الکوثر ۱-۳]۔

یعنی ؐ کے لئے تو آپ کے وہ دشمن ہیں جو آپ کو گالیاں دیتے ہیں، اور آپ کا مذاق اڑاتے ہیں۔ آپ ﷺ کی تمام بیٹیاں مشرف بہ اسلام ہوئیں اور ہجرت کر کے مدینہ پہنچیں، اور فاطمہ کے سوا سب آپ ﷺ کی زندگی میں ہی وفات پا گئیں۔ فاطمہ آپ کی وفات کے چھ ماہ بعد اللہ کو پیاری ہوئیں، اور آپ سے جا کر مل گئیں^(۲)۔

تعمیر کعبہ اور آپ ﷺ کے ہاتھوں حجر اسود کارکن میں رکھا جانا:

نبی کریم ﷺ جب پینتیس (۳۵) سال کے ہوئے تو قریش نے خانہ کعبہ کو دوبارہ بنانا چاہا، اس لئے کہ زمانہ جاہلیت میں اُسے ایک پست زمین میں پتھروں سے بنایا گیا تھا۔ اس کے ہر طرف سے پہاڑ تھے، اس لئے وہ ہر وقت سیلاب کی زد میں رہتا تھا۔ اسی وجہ سے قریش نے اس کے چاروں طرف ایک بند باندھ دیا تھا، اس کے باوجود اُس کے اوپر سے سیلاب گزر کر ہمیشہ اُس کے لئے خطرہ بنا رہتا تھا، اور پانی اونچا ہو کر بیت اللہ میں داخل ہو جاتا تھا، اور اس کی دیواریں پھٹ جاتی تھیں، اور اس کے گر جانے کا ڈر لگا رہتا تھا۔ نیز بیت اللہ کے دروازے زمین سے قریب تھے، اس لئے اس کے خزانوں اور تحفوں کی بارہا چوری ہو جاتی تھی۔

انہی دنوں ایک عورت خانہ کعبہ کے پاس خوشبودان لے کر آئی جس کی ایک چنگاری سے کعبہ کے غلاف میں آگ لگ گئی، اور پورا غلاف جل گیا۔ اس لئے قریش نے چاہا کہ اسے منہدم کر کے اونچا کر دیں، اور اُس پر چھت ڈال دیں، اس لئے کہ پہلے سے وہ قد آدم سے کچھ اونچا پتھروں سے بنا ہوا تھا، جس پر کوئی چھت نہیں تھی۔

(۱) صحیح البخاری، مناقب الانصار صحیح مسلم، فضائل الصحابہ: حدیث (۲۴۳۲)، ترمذی، المناقب: حدیث (۳۸۷۶) اور مسند احمد: ۲۳۱/۲۔

(۲) دیکھئے اتحاد الوری: ص ۱۳۵-۱۴۰، زاد المعاد: ۵۰، مختصر تاریخ ابن کثیر: ص ۳۳، ۳۴، سیرۃ ابن ہشام: ۱۸۸-۱۹۰، فقہ السیرۃ:

ص ۷۹، ۸۰ اور السیرۃ النبویہ، ذہبی: ص ۳۱، ۳۲۔

اسی دیوار پر اس کا کپڑا ڈال کر لٹکا دیا جاتا تھا، اور حجر اسود اُسی دیوار پر ادب و احترام کے ساتھ رکھا ہوا تھا۔ جب قریش کے لوگ اس کے بنانے پر متفق ہوئے تو اسے چار حصوں میں بانٹ دیا، اور قرعہ اندازی کے ذریعہ سب نے اپنا اپنا حصہ جان لیا۔ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ سب نے اس پر بھی اتفاق کیا کہ اس کی تعمیر پر صرف حلال کمائی خرچ کریں گے۔ اس میں زانیہ کی اجرت، سود کا مال، اور غصب کیا ہوا کوئی مال داخل نہیں ہونے دیں گے۔ پھر سب نے اپنا اپنا حصہ بنانا شروع کیا۔ نبی کریم ﷺ نے بھی اس کی تعمیر میں شرکت کی۔ اس وقت آپ کی عمر پینتیس سال تھی۔

جب سبھوں نے پہلے پرانی دیواروں کو گراننا شروع کیا، تو سب سے پہلے ولید بن مغیرہ نے ابتدا کی، جو ان میں سب سے زیادہ ہمت والا تھا۔ اس لئے کہ سب خائف تھے کہ اگر انہوں نے کعبہ کو گرایا تو کہیں کوئی عذاب نہ ان پر نازل ہو جائے۔ ولید نے پھاوڑا مارتے ہوئے کہا: اے اللہ! تو ہمیں خوفزدہ نہ کر، اے اللہ! ہم نے بھلائی کی نیت کی ہے۔ جب اس کو کھودتے ہوئے اس کی بنیاد تک پہنچے، جسے ابراہیم خلیل اللہ نے رکھی تھی تو اس مضبوط بنیاد پر نئی تعمیر شروع کر دی۔ ہر قبیلہ اپنے حصہ کی طرف سے بنانے لگا۔ قریش کے تمام بڑے بڑے شرفاء اور عظماء اپنے کندھوں پر پتھر ڈھوتے تھے، اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے چچا عباس سبھوں کے ساتھ اجیاد کے علاقے سے پتھر لاتے تھے۔

انہی دنوں رومیوں کا ایک سفینہ ساحلِ جدہ پر آکر ٹوٹ گیا تھا، تو اہل قریش نے کعبہ کی چھت بنانے کے لئے اس کی لکڑیاں خرید لیں۔ اور باقوم نامی رومی بڑھئی کو۔ جو اسی سفینہ میں سوار ہو کر حبشہ جا رہا تھا۔ اجرت پر رکھ لیا، تاکہ وہ کعبہ کی چھت بنا دے۔

اور جب اُن کا حلال پیسہ اسماعیل کی بنیادوں پر خانہ کعبہ کی تکمیل سے پہلے ختم ہو گیا تو انہوں نے حجر (حطیم) والے حصہ کو نکال دیا جس کا طول چھ گز تھا، اور اس پر ایک چھوٹی دیوار بنادی، تاکہ پہچان لیا جائے کہ دیوار کے اندر کا حصہ کعبہ میں داخل ہے۔ اور دروازہ زمین سے اونچا کر دیا، تاکہ کعبہ میں وہی شخص داخل ہو سکے جسے اس میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے۔

نبی کریم ﷺ پتھر ڈھوتے وقت ایک مُنقش کپڑا پہنے ہوئے تھے جس کا ایک حصہ آپ نے اپنے کندھے پر رکھ لیا تھا، تاکہ پتھروں کی سختی اور خشونت سے محفوظ رہیں۔ کپڑا چھوٹا ہونے کے سبب ایک بار آپ کی شرمگاہ کھل گئی تو آواز آئی، اے محمد! اپنی شرمگاہ ڈھا کئے۔ اس کے بعد کبھی بھی آپ غریاں نہیں دیکھے گئے^(۱)۔

(۱) المعجم الکبیر، طبرانی، مسند احمد، بحوالہ مجمع الزوائد، بیئشی، ۳/۲۸۹، الفتح الربانی، ۲۰/۱۹۹، المطالب العالیہ، ۳/۱۸۲، حدیث (۴۲۶۶)۔

صحیح بخاری میں جابر بن عبد اللہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ کے چچا عباس نے آپ سے کہا تھا کہ اے بھتیجے! کیا ہی اچھا ہوتا کہ تم اپنی ازار کھول کر اپنے کندھے پر ڈال لیتے۔ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا، اور اسے کندھے پر ڈال لیا تو آپ فوراً بے ہوش ہو کر گر گئے۔ اُس دن کے بعد آپ کبھی بھی عریاں نظر نہ آئے^(۱)۔

جب دیوار اٹھارہ گز اونچی ہو گئی، اور دروازہ زمین سے اتنا اونچا کر دیا گیا کہ بغیر سیڑھی کے وہاں تک چڑھنا مشکل ہو گیا، تو انہوں نے حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھنا چاہا، ہر قبیلہ نے کہنا شروع کیا کہ اسے ہم اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھنے کے زیادہ حقدار ہیں۔ اور اختلاف اتنا بڑھا کہ جنگ کی نوبت آ گئی، انہوں نے بالآخر اس بات پر اتفاق کیا کہ قریش کا سب سے عمر رسیدہ آدمی اس کا فیصلہ کرے۔ وہ آدمی خالد بن ولید کا چچا ولید بن مغیرہ مخزومی تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ جو آدمی باب بنی شیبہ سے سب سے پہلے داخل ہو گا وہی ان کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ اللہ کی مشیت سے سب سے پہلے نبی کریم ﷺ داخل ہوئے۔ جب لوگوں نے آپ کو داخل ہوتے دیکھا، تو کہا: یہ تو الامین آگئے، ہم ان کے فیصلے پر راضی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ ایک کپڑا لاؤ، انہوں نے حجر اسود کو اس کپڑے کے بیچ میں رکھ دیا، پھر سب سے کہا: ہر قبیلہ کپڑے کا ایک کنارہ پکڑ لے، پھر سب نے مل کر اُسے اٹھایا، اور جب حجر اسود کی جگہ پر پہنچے تو آپ نے اُسے اپنے ہاتھ سے اس کی پہلی جگہ پر رکھ دیا۔ اور اس کے اوپر سے کچھ تعمیر کر دی^(۲)۔

رسول اللہ ﷺ یحییٰ سے ہی بچوں سے بغض رکھتے تھے، اور اس کی طرف نظر التفات نہیں کرتے تھے۔ ابن سعد نے ابن عباس سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھے ام ایمن نے بتایا: ”بوانہ“ نام کا ایک بُت تھا جس کے پاس اہل قریش جا کر اس کی تعظیم کرتے، اس کے سامنے جانور ذبح کرتے، اپنے سروں کو منڈاتے، اور سال میں ایک دن اس کے پاس اعتکاف کرتے۔ ابو طالب رسول اللہ ﷺ سے اس عید میں شرکت کے لئے کہتے تو آپ ﷺ انکار کر دیتے۔ میں نے اس بارے میں ابو طالب کو ناراض ہوتے بھی دیکھا ہے۔ اور آپ ﷺ کی چھو بھیاں تو ایک دن سخت ناراض ہوئیں، اور کہنے لگیں: تم جو ہمارے معبودوں سے الگ رہتے ہو تو ہمیں تمہارے بارے میں ڈر لگتا ہے۔ جب سب مل کر اسی طرح بار بار اصرار کرتے رہے، تو آپ ایک بار اُس کے پاس گئے، اور

(۱) صحیح البخاری، کتاب الصلاة: حدیث (۳۶۴)، کتاب الحج: حدیث (۱۵۸۲)، مناقب الانصار: حدیث (۳۸۲۹)، صحیح مسلم، کتاب الحیض:

حدیث (۳۳۰) اور مسند احمد: ۳/۳۱۰-۳۱۳۔

(۲) دیکھئے عیون الآثار: ۵۱-۵۳، طبقات ابن سعد: ۱۳۵-۱۳۷، سیرۃ ابن ہشام: ۱۹۲-۱۹۷، صحیح السیرۃ النبویہ، ابراہیم العلی:

ص ۶۲-۶۴، اتحاف الوری: ص ۱۴۴-۱۶۰۔

کچھ دیر تک گھر سے غائب رہے، پھر جو لوٹے تو بہت ہی زیادہ خوفزدہ نظر آئے۔ پھوپھیوں نے پوچھا: تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے ڈر ہے کہ کہیں مجھے جنوں تو لاحق نہیں ہو گیا ہے، انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ تمہیں شیطان کی آزمائش میں کبھی نہیں ڈالے گا۔ تم میں تو یہ اچھی صفات ہیں۔ تم نے کیا دیکھا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں جب بھی بتوں میں سے کسی کے قریب گیا تو میرے سامنے ایک سفید لمبا آدمی آکر بیٹھنے لگا: اے محمد! پیچھے ہٹ جائیے، اسے ہاتھ نہ لگائیے۔ ام ایمن کہتی ہیں: اس کے بعد آپ ﷺ مشرکوں کی کسی عید میں شریک نہیں ہوئے، یہاں تک کہ آپ نبی بنا دیئے گئے^(۱)۔

ابن الجوزی نے محمد بن عمر کے اساتذہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بحیرہ سے کہا تھا: مجھ سے کوئی بات لات و عزیمتی کی قسم دے کر نہ پوچھو، اللہ کی قسم! میں نے ان دونوں سے زیادہ کسی چیز کو مبعوض نہیں جانا^(۲)۔ اور حافظ ذہبی نے زید بن حارثہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ تانبے کا بنا ہوا ایک بُت تھا جس کا نام ”راساف“ یا ”نائلہ“ تھا۔ مشرکین طواف کرتے وقت اُس پر ہاتھ پھیرتے تھے۔ ایک بار میں نے آپ ﷺ کے ساتھ طواف کیا، اور اس کے پاس سے گزرتے ہوئے اس پر ہاتھ پھیرا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو ہاتھ مت لگاؤ۔ زید کہتے ہیں: میں نے اپنے دل میں سوچا: اسے ضرور ہاتھ لگاؤں گا، تاکہ دیکھوں کیا ہوتا ہے؛ میں نے دوبارہ ہاتھ پھیرا تو آپ ﷺ نے کہا: کیا تم کو روکا نہیں گیا تھا؟! بعض مؤرخین نے یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ زید نے کہا: اللہ کی قسم! آپ ﷺ نے کبھی کسی بُت کو ہاتھ نہیں لگایا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے رسالت اور وحی قرآن کے ذریعہ آپ کو عزت بخشی^(۳)۔

اور امام احمد بن حنبل کا قول ہے: جو شخص کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی قوم کے دین پر تھے، بہت ہی بُری بات کہتا ہے۔ کیا یہ بات ثابت نہیں ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے ذبح کئے گئے جانوروں کا گوشت نہیں کھاتے تھے؟ ابو الوفاء علی بن عقیل کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ بعثت اور نزول وحی کے پہلے سے ہی دین ابراہیمی کی صحیح باتوں کے مطابق دین دار تھے^(۴)۔

امورِ جاہلیت سے آپ ﷺ کی حفاظت:

ابن اسحاق وغیرہ نے علی بن ابوطالب سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے جاہلیت

(۱) السیرۃ النبویہ، حافظ ذہبی: ص ۴۲، اور الوفاء: ۲۲۸/۱۔

(۲) الوفاء: ۲۲۹/۱۔

(۳) السیرۃ النبویہ، حافظ ذہبی: ص ۴۲۔

(۴) الوفاء: ۲۲۹/۱۔

کے قبیح کاموں میں سے کسی بھی کام کا دوبارہ کے سوا کبھی ارادہ نہیں کیا۔ اور دونوں ہی بار اللہ نے مجھے بچالیا؛ میں نے ایک رات ایک قریشی جوان سے کہا: تم میری بکریوں کا خیال رکھو تاکہ آج کی رات میں مکہ جا کر دیگر نوجوانوں کی طرح کچھ سرود و غناء کی مجلسوں میں شرکت کروں: اس نے میری بات مان لی تو میں وہاں سے نکل کر مکہ کے سب سے قریب گھر کے پاس آیا، جس کے اندر سے گانے اور ڈھولک اور بانسری کی آواز آرہی تھی۔ میں نے لوگوں سے پوچھا: یہاں کیا ہو رہا ہے؟ انہوں نے کہا: فلاں کی شادی ہوئی ہے۔ میں وہیں بیٹھ کر سننے لگا، یہاں تک کہ مجھے نیند آگئی، اور جب آفتاب کی گرمی سے میری آنکھ کھلی تو میں اپنے ساتھی کے پاس لوٹ گیا۔ پھر دوسری رات بھی میں نے ایسا ہی کیا۔ اللہ کی قسم! میں نے اس کے بعد کبھی بھی اہل جاہلیت کا کوئی کام نہیں کیا، یہاں تک کہ اللہ نے مجھے نبوت سے سرفراز فرمایا^(۱)۔

اور مسعر نے اپنی سند کے ذریعہ عمار بن یاسر سے روایت کی ہے کہ صحابہ کرام نے آپ ﷺ سے پوچھا: کیا آپ نے جاہلیت میں کوئی حرام کام کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ اور میں دوبار ایسی جگہ گیا، لیکن ایک بار میرے اور اس کام کے درمیان میری قوم کا قصہ گو حائل ہو گیا، اور دوسری بار مجھے نیند آگئی^(۲)۔

”الصادق الامین“ کا لقب:

آپ ﷺ چھوٹی عمر سے ہی اپنی قوم میں ”الامین“ کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔ آپ ﷺ کی صداقت، امانت اور وفاداری کے سبب لوگ آپ کو محمد الامین کے نام سے جانتے اور پہچانتے تھے، آپ حق بات کے سوا کبھی کچھ نہیں کہتے تھے، آپ ﷺ سے محبت کرنے والے آپ کے دشمن، سبھوں نے اس کا اعتراف کیا ہے۔ آپ ﷺ کا سخت ترین دشمن بنی عبدالدار کا نضر بن حارث، شیطان قریش تھا، جو آپ کو ہمیشہ ایذا پہنچایا کرتا تھا، اور جو میدان بدر میں قتل کر دیا گیا۔ آپ کے بارے میں اس کا مشہور قول ہے: ”محمد تمہارے درمیان ایک کم سن نوجوان تھا، تم لوگ سب سے زیادہ ان سے خوش رہتے تھے، تم میں سب سے زیادہ سچ بولنے والا، اور تم میں سب سے زیادہ امانت کی حفاظت کرنے والا تھا۔ اور اب جب کہ اس کی دونوں کٹیٹیوں میں بال سفید ہونے

(۱) دیکھئے: مستدرک حاکم: ۲/۳۵۴۔ حاکم نے کہا ہے: یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے، اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے۔ تاریخ ابن جریر: ۱۳۴/۲، المعجم الصغیر، طبرانی: ص ۱۹۰۔ شیخ البانی نے اسے ضعیف کہا ہے: (فتح البانی: ۷۲، ۷۳)، لیکن اس کی تضعیف محل نظر ہے، اس لئے کہ حافظ ذہبی نے اس حدیث کی تصحیح پر حاکم کی تائید کی ہے، اور اس لئے بھی کہ بہت سے ائمہ حدیث نے اپنی کتابوں میں اس کی تخریج کی ہے اور اسے قبول کیا ہے۔

(۲) السیرۃ النبویہ، حافظ ذہبی: ص ۳۱۔

لگے ہیں اور تمہارے سامنے اس نے اپنا دعویٰ نبوت پیش کیا ہے، تو تم اسے جادوگر کہتے ہو۔ نہیں اللہ کی قسم! وہ جادوگر نہیں ہے۔“ یہ بات اس نے اس وقت کہی تھی، جب اہل قریش آپ کے بارے میں اپنی صواب دید کے مطابق ایک مناسب بات پر متفق ہونا چاہتے تھے تاکہ موسم حج میں آنے والے قبائل عرب سے آپ کے بارے میں وہ بات کہہ سکیں (۱)۔

اور جب شاہِ روم ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا: کیا تم لوگ اس کے دعویٰ نبوت سے پہلے اسے جھوٹ سے متہم کرتے تھے؟ اس نے کہا: نہیں۔ تو ہرقل نے کہا: ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک آدمی لوگوں کے ساتھ جھوٹ بولنا گوارہ نہ کرے، اور اللہ کے بارے میں جھوٹ بولے (۲)۔

اور قاضی عیاض کی کتاب ”الشفاء“ میں مذکور ہے کہ ایک دن ابو جہل نے آپ ﷺ سے کہا: ہم تمہیں نہیں جھوٹا کہتے ہیں، بلکہ اس بات کو جھٹلاتے ہیں جسے لے کر تم آئے ہو (۳)۔

اور ہجرت کی رات میں جب کفار قریش آپ ﷺ کو قتل کرنے کے لئے جمع ہوئے تو مکہ سے نکلنے سے پہلے آپ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد نائب بنا دیا، تاکہ آپ ﷺ کے پاس موجود لوگوں کی امانتیں واپس کرنے کے بعد وہ بھی ہجرت کر جائیں۔

اور یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے جیسا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے معلوم ہوا کہ اہل قریش نے جب حجر اسود کو اس کی پہلی جگہ پر رکھنے کے سلسلے میں اختلاف کیا، اور پھر اس بات پر متفق ہوئے کہ باب بنی شیبہ سے داخل ہونے والا پہلا آدمی ان کے درمیان فیصلہ کرے گا، اور اللہ کی مشیت سے وہ آدمی رسول اللہ ﷺ نکلے تو سب نے بیک آواز کہا: یہ تو لا امین ہیں، یہ تو محمد ہیں، ہم ان کے فیصلے پر راضی ہیں (۴)۔

اہل مکہ کا آپ کو امین کہہ کر پکارنے پر کلی اتفاق، جب آپ ﷺ کی عمر پینتیس سال تھی، اس بات کی قوی دلیل ہے کہ آپ ﷺ بچپن ہی سے زندگی کے تمام امور میں سچائی اور امانت کے ساتھ مشہور ہو گئے تھے۔

امام بخاری نے اپنی کتاب الصحیح میں عبد اللہ بن سلام سے تورات میں مذکور آپ کی صفات کے بیان میں روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کہا: میں اسے ہر کریمانہ اخلاق سے نوازاؤں گا، سکون و وقار کو اُس کا لباس بناؤں گا، نیکی

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۳۰۰، ۲۹۹/۱۔

(۲) صحیح البخاری، کتاب بدء الوحی، باب ۶۱۔

(۳) رحمۃ للعالمین (عربی ترجمہ): ۳۰۷۔

(۴) سیرۃ ابن ہشام: ۱۹۷ اور الوقائع: ۲۴۰/۱۔

اور بھلائی کو اس کا شعار، تقویٰ کو اس کی ضمیر، حکمت کو اس کی گفتگو، اور سچائی اور وفاداری کو اس کا مزاج بناؤں گا^(۱)۔
معلوم ہوا کہ زمانہ جاہلیت میں آپ ﷺ کو جاننے والے ہر فرد نے بچپن سے ہی آپ کو الصّادِقُ الْإِئْمَانُ کے نام سے پکارا۔ اور نبوت پانے کے بعد آپ ﷺ نے جس عظیم امانت کا بارگراں اٹھایا، اس کا تقاضا تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہی گئی ہر بات میں صادق اور دنیا والوں تک اس کے پہنچانے میں امین ہوں۔ اور ہر قل نے ابوسفیان کی بات کا جواب دیتے ہوئے اسی کی طرف اشارہ کیا تھا جب کہا تھا: ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ لوگوں کے بارے میں تو جھوٹ بولنا گوارہ نہ کرے، اور اللہ کے بارے میں جھوٹ بولے۔

اور خود اللہ عز و جل نے اپنا پیغام لوگوں تک پہنچانے کے سلسلے میں آپ ﷺ کے لئے سچائی اور امانت کی گواہی دی ہے۔ سورۃ الحاقہ آیات (۴۳-۴۶) میں ربّ ذوالجلال نے فرمایا ہے: ﴿وَكُنُوا تَقُولُوا عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ﴾ (۴۴) ﴿لَا خُذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ﴾ (۴۵) ﴿ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْتَوَيْنِ﴾ (اور اگر (میرے نبی) بعض باتیں گھڑ کر میری طرف منسوب کر دیتے، تو ہم ان کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے، پھر ہم ان کی شرّ رگ کاٹ دیتے)۔

معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے اللہ کے بارے میں کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کہی، لور نہ قرآن کریم اور سنت نبویہ کو اپنی طرف سے گھڑ کر لوگوں کے سامنے پیش کیا، بلکہ یہ ساری چیزیں ربّ العالمین کی طرف سے بذریعہ وحی آپ تک پہنچی تھیں۔

حجرو شجر آپ ﷺ کو سلام کرتے تھے:

چونکہ آپ ﷺ کا خاتم النبیین کی حیثیت سے مبعوث ہونا اللہ کے علم میں تھا، اسی لئے آپ ﷺ پر اللہ کا ابتدا سے ہی ایک احسان یہ بھی رہا کہ جب آپ قضاے حاجت کے لئے باہر نکلتے تو حجرو شجر آپ کو سلام کرتے۔ امام مسلم نے جابر بن سرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں مکہ میں ایک پتھر کو جانتا ہوں، جو بعثت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا، آج بھی میں اُسے پہچانتا ہوں“^(۲)۔

اور ابن اسحاق نے بعض اہل علم سے روایت کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مقام نبوت پر سرفراز کرنا چاہا، اور آپ قضاے حاجت کے لئے شہر مکہ سے دور مکہ کی گھاٹیوں اور وادیوں کی طرف نکلتے تو راستہ میں ہر حجرو شجر آپ کو ”السلام علیک یا رسول اللہ“ کہتا۔ اور جب آپ مُڑ کر اپنے دائیں، بائیں، اور پیچھے دیکھتے تو

(۱) صحیح البخاری: ۵۹۳، الدراری: ۴۸۱۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب الفضائل: حدیث (۲۲۷۷)۔

شجر و حجر کے سوا کچھ بھی نظر نہ آتا۔ آپ ﷺ اسی طرح کچھ دنوں تک دیکھتے اور سنتے رہے، یہاں تک کہ ماہ رمضان میں غارِ حرا میں آپ کے پاس جبریل علیہ السلام اللہ کی وحی لے کر آئے^(۱)۔

اور بیہقی نے علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ ایک بار آپ ﷺ کے ساتھ مکہ کے بعض علاقے میں نکلے، تو ہر درخت اور پہاڑ آپ کو "السلام علیک یا رسول اللہ" کہتا تھا^(۲)۔ اور ابن الجوزی نے جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا: میں بعثت سے چند دن قبل جب بھی کسی درخت یا پتھر کے پاس سے گزرا، اس نے مجھے "السلام علیک یا رسول اللہ" کہا۔

اور ابن الجوزی نے برہ کایہ قول نقل کیا ہے کہ ابتدائے نبوت میں جب آپ ﷺ قضائے حاجت کے لئے باہر نکلتے تو دو درگھاٹیوں اور وادیوں کی طرف نکل جاتے، اس وقت ہر شجر و حجر آپ کو "السلام علیک یا رسول اللہ" کہتا، اور جب آپ دائیں، بائیں، اور پیچھے مڑ کر دیکھتے تو کوئی نظر نہ آتا^(۳)۔

اور ولید بن ابوثور وغیرہ نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں ایک بار مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ باہر نکلا، تو ہر درخت اور پہاڑ آپ کو "السلام علیک یا رسول اللہ" کہتا تھا۔ اسے ترمذی نے روایت کی ہے اور اسے غریب کہا ہے^(۴)۔



(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۱/۲۳۴۔

(۲) مستدرک حاکم: ۲/۶۲۰، حاکم نے اسے صحیح کہا ہے، اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے، اور ابو نعیم نے بھی اسے بعض اختلاف لفظ کے ساتھ روایت کی ہے۔

(۳) دیکھئے الوفاء: ۱/۲۵۷۔

(۴) دیکھئے السیرۃ النبویہ، حافظ ذہبی: ص ۷۱۔

آخری آسمانی رسالت کے لئے آپ ﷺ کی شخصیت کی تکمیل

گزشتہ صفحات میں چھٹی صدی عیسوی میں پائے جانے والے انسانوں کے حالات اور ان کے بُت پرستانہ عقائد و ادیان کو بیان کرنے کے بعد، لکھ چکا ہوں کہ اُس وقت سارا عالم ہلاکت و بربادی کی کھائی کے دہانے پر پہنچ گیا تھا، اور سب کو ایک نجات دہندہ کی شدید ترین ضرورت تھی جو انہیں بھڑکتی آگ کے گڈھے میں گرنے سے بچا لیتا۔

ایک ایسے رسول کی بعثت کی ضرورت تھی جو پوری کائنات کے لئے رحمت بن کر آئے، جو کائنات کے چپے چپے میں پھیلی بُت پرستی اور دورِ جاہلیت کے عقائد و عادات کو ختم کرے، اور شرک باللہ کے بوجھ تلے سسکتی انسانیت کو توحیدِ خالص اور صرف ایک اللہ کی بندگی کی راہ دکھائے، اور ان کے لئے ایک ایسی شریعت لے کر آئے جس میں اُن کے لئے دنیا و آخرت کی ہر بھلائی موجود ہو۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُس رسولِ رحمت کو مکہ کے جبلِ فاران سے بھیجا، جن کا نام محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم قرشی تھا، اور جنہیں اللہ نے اپنا آخری نبی اور پوری کائنات کے لئے بشیر و نذیر بنا کر مبعوث کیا۔

اور ابھی ہم سب آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا - عہدِ ولادت سے انتالیس سال کی عمر تک - مطالعہ کر آئے ہیں، جس میں میں نے آپ ﷺ کے بہت سارے انفرادی و اجتماعی حالات، اخلاقِ حسنہ، سلوک و سیرت، نبیِ خاتم ہونے سے متعلق بہت سے غیبی اشارات و بشارات، آپ کی خلوت پسندی و عبادات، اور درختوں اور پتھروں کا آپ ﷺ کو سلام کرنے کا ذکر کیا ہے۔ اور ان تفصیلات سے ہم سب کو یقین ہو گیا کہ نبیِ امی ہاشمی ﷺ ہی اپنی عظیم صفات اور بے مثل خصوصیات اور خوبیوں کے سبب وہ عظیم نبی و رسول بنائے جانے کے اہل تھے، جن کی بعثت کا مقصد دورِ جاہلیت کی تمام آلائشوں کو ختم کرنا، کینہ پرور بُت پرستی کی جڑوں کو اکھاڑنا، ایک عالم گیر اور دائمی دین کی بنیادوں کو مضبوط کرنا، اور انسانوں کے اندرون میں توحیدِ خالص کا عقیدہ راسخ کرنا تھا۔

اور تاریخِ شاہد ہے کہ آپ ﷺ نے پوری قوت و صلاحیت کے ساتھ اللہ کی جانب سے سونپی گئی ان تمام ذمہ داریوں کو بصورتِ احسن و اکمل پورا کیا۔ اور آپ ﷺ کی کوششیں ایسی بار آور ہوئیں کہ اس کی مثال دیگر انبیاء و رسل کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

اس لئے اُس نبیِ حبیب اور رسولِ مصطفیٰ ﷺ کا میں اپنے اوپر حق سمجھتا ہوں کہ آپ ﷺ کی بعثت اور

نزول وحی سے متعلق کچھ لکھنے سے پہلے آپ ﷺ کی اُن چند نادر صفات کا ذکر کروں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خاص کیا تھا، اور جن کے سبب آپ ﷺ کو اسلام کی عظیم رسالت کا بارگراں اٹھانے کا اہل بنایا تھا، جس کے سایہ تلے پناہ لئے بغیر کسی بھی زمان و مکان میں انسانوں کے لئے کوئی بھلائی نہیں ہے:

۱- آپ ﷺ نسب و حسب میں تمام بنی نوع انسان سے بہتر تھے، اور تمام انبیاء و رسل اسی طرح اپنی قوموں میں اصحاب نسب و حسب ہوتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کے نسب نامہ کے ضمن میں آپ ﷺ کا یہ قول گزر چکا ہے کہ میں آدم علیہ السلام سے اپنے باپ ماں تک نکاح کے ذریعہ دنیا میں آیا ہوں، فجور و زنا کے ذریعہ نہیں، اور دورِ جاہلیت کی زنا کاریوں کا شائبہ بھی مجھے چھو کے نہیں گیا ہے۔

۲- آپ ﷺ کی والدہ کے اندر سے حمل و ولادت کے وقت ایک روشنی نکلی، جس نے شام کے محلوں کو روشن کر دیا (پڑھے کتاب میں آپ ﷺ کی ولادت کا واقعہ)۔

۳- آپ ﷺ کا سینہ مبارک شق کر کے آپ کے دل میں سے شیطان کا حصہ نکال دیا گیا۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ بنی سعد کی حلیمہ سعدیہ کا دودھ پیا کرتے تھے۔ اُس وقت دو سفید پوش آدمی آئے، آپ کا پیٹ شق کیا، آپ کا دل نکالا، اور پھر اُس میں سے ایک ٹکڑا نکالا، اور کہا کہ یہ شیطان کا حصہ ہے، پھر دونوں نے مل کر اسے سونے کے ایک طشت میں آپ زمرم سے دھویا، پھر اُسے پہلے جیسا کر دیا، اور اُسے اُس کی جگہ لوٹا دیا (پڑھے آپ ﷺ کے شق صدر کا واقعہ)۔

۴- آپ ﷺ اخلاقِ فاضلہ اور شاملِ کریمانہ میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کا کوئی ثانی پیدا نہیں ہوا۔ (صحیح البخاری: ۳/۱۱)۔

۵- آپ ﷺ نہایت سخی اور کریم النفس تھے۔ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے جب بھی کوئی چیز کسی نے مانگی تو آپ نے انکار نہیں کیا (صحیح مسلم، کتاب الفصائل)۔

۶- آپ ﷺ اپنے قول و فعل اور فیصلہ میں غایت درجہ انصاف پسند تھے۔ بعثت سے پہلے اہل مکہ کے درمیان آپ ﷺ کا عدل و انصاف معروف تھا۔ آپ ہی نے حجرِ اسود کو اُس کی پہلی جگہ پر لوٹانے کے سلسلے میں اہل قریش کے درمیان اختلاف کی آندھی کا خاتمہ کیا۔

۷- آپ ﷺ سب سے زیادہ بہادر و شجاع تھے۔ علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب گھسان کا رن چھڑتا تو ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی آڑ میں آکر اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتے۔

۸- آپ ﷺ سب سے زیادہ تواضع اختیار کرنے والے اور کبر و غرور سے بعید ترین انسان تھے۔ (دیکھئے: حجۃ اللہ البالغہ، ولی اللہ الدبلوی)۔

۹- آپ ﷺ سب سے زیادہ معاف کرنے والے اور کریم النفس تھے۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صلح حدیبیہ سے پہلے اُسی (۸۰) آدمی تنعیم کی جانب سے صبح کے وقت چھپ کر آئے تاکہ آپ ﷺ کو قتل کر دیں، انہیں پکڑ لیا گیا، اور رسول اللہ ﷺ نے اُن سب کو آزاد کر دیا (مسلم وابوداؤد (جہاد ویر)، ترمذی، تفسیر)۔

۱۰- آپ ﷺ دنیا میں کوئی رغبت نہیں رکھتے تھے، بلکہ سب لوگوں سے زیادہ آپ زاہد فی الدنیا تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ دنیا سے رخصت ہوئے تو میرے گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں تھی، سوائے کچھ جو کے جو ایک ڈلیا میں رکھا تھا (الرحمة المہداة: ص ۲۲۹)۔

۱۱- آپ ﷺ کے اخلاقی حسنہ سے متعلق اُم المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول تو بہت ہی مشہور ہے کہ ”آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں، عاجز و درماندہ کے لئے سواری کا انتظام کرتے ہیں، محتاج و محروم کو اپنی کمائی دیتے ہیں، مہمان کی میزبانی کرتے ہیں، اور حق کے کاموں میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں (صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق)۔

۱۲- انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”طویل خاموشی آپ ﷺ کی عادت تھی، آپ ﷺ بغیر ضرورت نہیں بولتے تھے، آپ ﷺ کی گفتگو حسب حاجت ہوتی، نہ زیادہ نہ کم۔ بُردباری و حیا اور خیر و امانت آپ کی مجلس کا خاصہ تھا، اور آپ کی ہنسی اکثر و بیشتر مسکراہٹ ہوتی تھی۔

۱۳- ہند بن ابوالہ (جو اُم المؤمنین خدیجہ کے شوہر ابوالہ کے بیٹا اور آپ ﷺ کے لئے پالک تھے) آپ ﷺ کا وصف یوں بیان کرتے ہیں کہ ”آپ ﷺ ہمیشہ خوش مزاج، خوش اخلاق، اور نرم مزاج رہتے۔ نہ سخت مزاج، نہ بداخلاق، نہ چیخنے والے، نہ بدگو، نہ عیب جو، نہ زیادہ مذاق کرنے والے۔ جس چیز کی خواہش نہیں ہوتی اُسے نظر انداز کر دیتے، اور کبھی ناامید نہ ہوتے، آپ نے کبھی اپنے نفس کو تین چیزوں کی اجازت نہیں دی؛ نقاش و جدال، زیادہ طلبی اور لالچنی باتوں کی۔ اور تین باتوں میں لوگوں کو ترک کر دیا تھا؛ کسی کی بُرائی نہیں کرتے، کسی کو عار نہیں دلاتے، اور کسی کی پوشیدہ باتوں کے تجسس میں نہیں رہتے۔ (دیکھئے الشفاء، قاضی عیاض: ۱۲۶/۱)۔

۱۴- اور آپ ﷺ ہی وہ دینِ برحق لے کر آئے جس نے لوگوں کے لئے مندرجہ ذیل باتوں کی پوری وضاحت کر دی:

(ا) عقیدہ توحید کی پوری وضاحت کی، اور بیان کیا کہ اسلام کا عقیدہ توحید نصاریٰ کے عقیدہ تثلیث کی مانند نہیں، اور نہ ہی فلاسفہ کی توحید کی مانند، جو الفاظ اور فرضی شکلوں کا ایک ملغوبہ ہے۔ اسلام کا عقیدہ توحید توحید عبادت میں توحید، استعانت میں توحید، تصرف میں توحید، ذاتِ باری تعالیٰ میں توحید، اور اُس کی صفات میں توحید سے عبارت ہے۔

(ب) آپ ﷺ نے اخوتِ اسلامی کی بنیاد رکھی جس کی مثال پیش کرنے سے دنیا عاجز رہی ہے۔

(ج) آپ ﷺ نے انسان کا مقام بلند کیا، تعصب کی تمام شکلوں کو ختم کیا، تمام بنی نوع انسان کے درمیان محبت کو عام کیا، اور سب انسانوں کو برابر بنا کر عالمی مساوات کا درس دیا، اور سارے عالم کو اللہ کی یہ بات سنائی کہ ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے معزز وہ ہیں جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہیں) [الحجرات: ۱۳]۔

(د) آپ ﷺ نے رعایا کو حکومت میں شریک کیا، اور لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے سے رائے مشورہ کا حکم دیا۔ (ھ) ساری دنیا کے سامنے آپ نے اس بات کا اعلان کیا کہ انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ شادی کرے، اور نسل انسانی کی بقاء کے لئے اپنی بیوی سے جنسی تعلقات قائم کرے۔ اس طرح آپ نے تعمیرِ عالم کا بنیادی کام کیا، اور اسے قیامت تک کے لئے فنا و نہدام سے محفوظ کر دیا۔

(و) آپ ﷺ نے عورتوں کو اُن کا سماجی حق دلایا، اور مردوں کے حقوق کی حفاظت کے ساتھ اُن کے بھی حقوق کی حفاظت کا سامان کیا۔

(ز) شراب کو حرام قرار دیا، جو تمام برائیوں کی جڑ ہے، اور زنا اور اس کے قریب لے جانے والے تمام اسباب و ذرائع کو بھی حرام کیا۔

(ح) صدق و صفائی تعلیم دی، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی صفات میں سے ہے، اور جھوٹ کی بُرائی کو لوگوں کے دلوں میں بٹھایا۔

(۱۵) ہمارے نبی ﷺ تمام انسانوں سے زیادہ صائب رائے اور راج عقل والے تھے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تاریخ کبیر (البدایہ والنہایہ ۶/۶۵) میں لکھتے ہیں: نبی کریم ﷺ حقیقت معنوں میں مخلوقِ الہی میں سب سے زیادہ کامل و عاقل تھے۔

مندرجہ بالا تفصیلات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ دین اسلام اور اسے لے کر دنیا میں آنے والے محمد بن عبد اللہ ﷺ تمام اقوامِ عالم کے لئے رحمت تھے، اور آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے سب سے بہترین رسول بنا کر مبعوث کیا۔ آپ کے ذریعہ قیامت تک کے لئے بعثتِ نبوت پر مہر لگادی گئی، اور ہر زمان و مکان کے بنی نوع انسان کے لئے آپ کی عظیم شریعتِ اسلامیہ کو عام کر دیا گیا، اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کی یوں وضاحت کر دی کہ: ﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾ (وہ اللہ کی ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا ہے، تاکہ اسے دنیا کے تمام ادیان پر غالب کرے، اگرچہ مشرکین ایسا نہیں چاہتے ہیں) [التوبہ: ۳۳]۔

آفتابِ عالم کتاب جبلِ فاران سے طلوع ہوتا ہے

تنہائی اور عزت پسندی:

جن روایات میں آپ ﷺ کی تنہائی پسندی، عبادت و ریاضت، غیبی آوازوں کے سننے، اور خوابوں کے دیکھنے کا ذکر آیا ہے جن کی تعبیریں صبح صادق کی مانند آپ کے لئے عیاں ہو جاتی تھیں، ایسی روایتوں کا بنظر غائر مطالعہ کرنے کے بعد اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ آپ ﷺ پچیس سال کی عمر سے پہلے ہی تنہائی پسند ہو گئے تھے۔ اُن دنوں آپ چند سکوں کے عوض اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتے تھے، آسمانوں اور زمین اور اُن کے درمیان پائی جانے والی مخلوقات میں غور کرتے رہتے تھے، اور بچوں سے تو آپ بچپن ہی سے غایت درجہ نفرت کرتے تھے۔ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: آپ ﷺ جب پچیس سال کے ہوئے تو تجارت کے لئے ملکِ شام کا سفر کیا..... واپس آنے کے بعد خدیجہ بنت خویلد سے شادی کر لی، اُس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُن کے دل میں خلوت میں اپنے رب کی عبادت کرنے کی رغبت پیدا کر دی۔ ابن القیم کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے دل میں بچوں کی ایسی نفرت بٹھادی کہ دنیا میں کوئی چیز آپ کی نظر میں اپنے آباء و اجداد کے دینِ باطل اور بُت پرستی سے زیادہ مبغوض نہیں تھی۔

میں نے گزشتہ صفحات میں ”نبی کریم ﷺ کی بچوں سے بغض و عداوت“ کے عنوان کے تحت جو کچھ لکھا ہے، اسے دوبارہ پڑھئے تاکہ آپ کو یاد آجائے کہ آپ بچپن سے ہی بچوں سے نفرت کرتے تھے۔ اور ایک بار جب اپنے چچا ابوطالب اور اپنی پھوپھیوں کے اصرار پر ایک بُت کو چھونا چاہا تو ایک سفید طویل القامت آدمی آپ کے آگے آگیا، اور چیخ پڑا، اے محمد! پیچھے ہٹ جائیے، بُت کو ہاتھ نہ لگائیے۔ اور جیسے جیسے آپ کی عمر بڑھتی گئی، آپ کی خلوت نشینی، آسمانوں اور زمین میں پائی جانے والی کائنات میں غور و فکر، اور عام حالات میں لوگوں سے اُن کی بُت پرستی اور بچوں کے سامنے اُن کی سجدہ ریزی کے سبب نفرت بڑھتی گئی۔

روشنی دیکھتے اور اپنے متعلق آوازیں سنتے:

آپ ﷺ کی عمر جب اڑتیس سال کے قریب ہوئی تو بسا اوقات ایک روشنی آپ کی آنکھوں کے سامنے کوند جاتی، اور اپنے متعلق آوازیں سنتے، لیکن کسی آدمی کو نہیں دیکھتے۔ اتحاد الوریٰ کے مؤلف لکھتے ہیں کہ ”اڑتیس سال کی عمر سے آپ ﷺ ایک قسم کی روشنی اور نور دیکھنے لگے۔ اور آوازیں سننے لگے۔ عبد اللہ بن مسعود کے حوالے

سے کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تقریباً تین سال تک آواز سنتے رہے، لیکن نہیں سمجھتے تھے کہ یہ آواز کیسی ہے؟ اور شاید شجر و حجر انہی دنوں آپ کو سلام کرتے تھے جیسا کہ صحیح مسلم میں مروی ہے، اور ایک روشنی دیکھتے تھے^(۱)۔

غارِ حرا میں اللہ کی عبادت:

امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا: میں ایک طرح کی روشنی دیکھتا ہوں، اور ایک آواز سنتا ہوں، مجھے ڈر ہے کہ کہیں مجھے جنون تو لاحق نہیں ہو گیا؟! انہوں نے کہا: اے ابن عبد اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ایسا کبھی نہیں کرے گا۔ پھر وہ ورقہ بن نوفل کے پاس آئیں، اور ان کو واقعہ حال سے مطلع کیا، تو انہوں نے کہا: اگر انہوں نے سچ کہا ہے تو یہ ناموس موسیٰ کی مانند ناموس ہے۔ اگر وہ نبی بنائے گئے، اور میں زندہ رہا تو ان کی مدد کروں گا، اور ان کے کام آؤں گا، اور ان پر ایمان لے آؤں گا^(۱)۔

اُس دوران آپ ﷺ میں خلوت نشینی کی رغبت شدید تر ہو گئی، آپ ﷺ دینِ ابراہیمی کے مطابق اپنے اللہ کو خوب یاد کرتے، اس کی عبادت میں لگے رہتے، اور ایسا لگتا تھا کہ آپ کی پاکیزہ اور صاف و شفاف روح اس امرِ عظیم کا غایت درجہ اشتیاق کے ساتھ انتظار کرنے لگی جسے قبول کرنے کے لئے آپ ﷺ ہر طرح تیار تھے۔ آپ ﷺ نے اپنی خلوت نشینی کے لئے جبلِ نور میں موجود غارِ حرا کو پسند فرمایا، جہاں سے خانہ کعبہ سیدھا نظر آتا تھا؛ اور وہاں سے تقریباً تین میل کی دوری پر تھا۔ آپ ﷺ وہاں خلوت میں دینِ ابراہیمی کے مطابق کئی کئی راتیں اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے، اور جب کھانا اور پانی ختم ہو جاتا تو خدیجہ کے پاس آتے، اور دوبارہ کھانا پانی لے کر غار میں لوٹ جاتے۔

بعثت سے پہلے کے چند آخری سالوں میں تو آپ ماہِ رمضان میں مکہ کو چھوڑ ہی دیتے، اور پورا مہینہ اُسی غار میں گزارتے۔ اور بلاشبہ آپ ﷺ کا غارِ حرا کو اختیار کرنا مشیتِ الہی کے مطابق تھا، تاکہ آپ دعوتِ اسلامیہ کا بارگراں اٹھانے اور اُس امرِ عظیم کے استقبال کے لئے اپنے آپ کو تیار کریں جس کا آپ کو شدید انتظار تھا۔

سچے خواب کی تعبیرِ صادق کی طرح ظاہر ہوتی:

بعثت سے تقریباً چھ سال پہلے سے آپ ﷺ سچے خواب دیکھنے لگے، جن کی تعبیریں فوراً صبح صادق کی مانند

(۱) الإتحاف: ص ۱۶۱، ۱۶۲۔

(۲) مسند احمد: ۳/۱۲، مجمع الزوائد، بیہقی: ۸/۲۵۵، اور کہا ہے کہ امام احمد نے اسے متصل و متصل دونوں طرح روایت کی ہے۔ اور احمد شاکر نے اسے صحیح کہا ہے، حدیث (۲۸۳۶)۔

ظاہر ہو جاتیں، امام بخاری نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے: انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ پر نزول وحی کی ابتدا سچے خوابوں کی صورت میں ہوئی، اور جب بھی کوئی خواب دیکھتے تو اس کی تعبیر صبح صادق کی طرح سامنے آ جاتی (۱)۔

اور اس بات کی تائید محمد بن اسحاق کی عبید بن عمیر لیشی سے مروی حدیث سے ہوتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں سویا تھا تو جبریل میرے پاس دیباچ کے ایک ٹکڑے میں لپٹی ایک کتاب لے کر آئے، اور کہا: پڑھئے۔ میں نے کہا: مجھے پڑھنا نہیں آتا۔ تو جبریل نے اتنا زور سے مجھے دبایا کہ میں سمجھا، اب میری موت قریب ہے، پھر مجھے چھوڑ دیا (۲)۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نیند کی حالت میں آپ ﷺ سے ایسا کہا جانا اُس امر عظیم کا پیش خیمہ تھا جو عنقریب ہی حالت بیداری میں واقع ہونا تھا، بلکہ مغازی موسیٰ بن عقبہ میں امام زہری نے اس کی صراحت کر دی ہے کہ پہلے آپ ﷺ نے ایسا خواب میں دیکھا، پھر وہی فرشتہ آپ ﷺ کے پاس حالت بیداری میں آیا۔ اور ابو نعیم نے دلائل النبوة میں علقمہ بن قیس سے روایت کی ہے کہ انبیائے کرام کے ساتھ ایسا پہلے حالت خواب میں ہوتا تھا، تاکہ اُن کے دل تیار ہو جائیں، پھر بعد میں اُن پر وحی کا نزول ہوتا تھا (۳)۔



(۱) صحیح البخاری، تفسیر: حدیث (۳۹۵۳)، بدء الوحی: حدیث (۳)۔

(۲) سیرۃ ابن ہشام: ۱/۲۵۲، اس کی سند مرسل صحیح ہے۔

(۳) صحیح السیرۃ النبویہ، البانی: ص ۸۷۔

بعثت اور ابتدائے وحی

مشہور مصری ماہر فلکیات محمود باشا کی تحقیق کے مطابق نبی کریم ﷺ جب چالیس سال، چالیس دن کے ہوئے (اور ایک قول کے مطابق بیس دن کے، اور ایک تیسرے قول کے مطابق دس دن کے) تو سن ۱۳ قبل ہجرت، ۷۱۷ء رمضان، سوموار کی رات کو جبریل علیہ السلام رب العالمین کی طرف سے وحی لے کر آپ ﷺ کے پاس غار حرا میں حالت بیداری میں آئے۔

اور آپ ﷺ سے کہا: پڑھئے، تو آپ نے کہا، مجھے پڑھنا نہیں آتا۔ رسول اللہ ﷺ کہتے ہیں کہ پھر جبریل نے مجھے پکڑ لیا، اور زور سے بھینچا، پھر چھوڑ دیا، اور کہا: پڑھئے۔ میں نے کہا: مجھے پڑھنا نہیں آتا۔ جبریل نے مجھے تیسری بار پکڑ لیا، اور زور سے بھینچا، پھر چھوڑ دیا، اور کہا: ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ (۱) خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ (۲) اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ (۳) الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (۴) عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ (اے پیغمبر! آپ پڑھئے، اپنے رب کے نام سے جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا ہے، اس نے آدمی کو غلیظ منجمد خون سے پیدا کیا ہے، پڑھئے، اور آپ کا رب بے پایاں کرم والا ہے، جس نے قلم کے ذریعہ علم دیا، اس نے آدمی کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا) [العلق: ۱-۵]۔

رسول اللہ ﷺ وہاں سے فوراً واپس آ گئے، اُس وقت آپ کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ آپ ﷺ خدیجہ بنت خویلد کے پاس آئے، اور کہا: مجھے کمل اڑھاؤ، مجھے کمل اڑھاؤ۔ آپ کے گھر والوں نے آپ کو کمل اڑھا دیا، اور کچھ دیر کے بعد آپ کا خوف جاتا رہا۔ آپ نے خدیجہ کو پوری بات بتائی، اور کہا: میں اپنے بارے میں ڈر گیا ہوں، خدیجہ نے کہا: ہر گز نہیں، اللہ کی قسم! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، مجبوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، محتاجوں کے لئے کسب معاش کرتے ہیں، مہمانوں کی میزبانی کرتے ہیں، اور حق کے کاموں میں دوسروں کی مدد کرتے ہیں۔

ورقہ بن نوفل نے کہا: ان کے پاس جبریل آئے تھے:

خدیجہ آپ ﷺ کو لے کر اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں، جو زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے، انہیں عربی لکھنا آتا تھا، اس لئے انجیل کو عربی میں حسب ضرورت لکھ لیا کرتے تھے، وہ بہت بوڑھے اور نابینا ہو گئے تھے، خدیجہ نے ان سے کہا: اے میرے بھائی! آپ اپنے بھتیجے کی بات سنئے۔ ورقہ نے پوچھا: بھتیجے تم کیا دیکھتے ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ دیکھا تھا اسے بیان کیا۔ ورقہ نے کہا: یہ تو وہی ناموس (جبریل) ہیں، جسے اللہ

نے موسیٰ پر نازل کیا تھا۔ کاش! میں طاقتور جوان ہوتا، کاش! میں اس وقت زندہ رہتا، جب تمہیں تمہاری قوم نکال دے گی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے حیرت کے ساتھ پوچھا: کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا: ہاں! جب بھی کوئی شخص اُس چیز کو لے کر آیا جسے لے کر تم آئے ہو، اُس سے دشمنی کی گئی۔ اگر میں اُس وقت زندہ رہا تو تمہاری زبردست مدد کروں گا۔ اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد ورقہ وفات پا گئے، اور چند دنوں کے لئے وحی کا آنا بند ہو گیا^(۱)۔

آپ ﷺ کی بعثت:

خدیجہ کے پاس رہنے کے بعد جب رسول اللہ ﷺ کا ڈر جاتا رہا تو پھر غار حرا کی عبادت میں لگ گئے۔ اس کے بعد ایک ماہ سے زیادہ وحی کا سلسلہ بند رہا، آپ اُن دنوں قلق و اضطراب کی حالت میں وحی کا انتظار کرتے رہے، یہاں تک کہ ماہ شوال کے آخر میں ایک دن جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس آئے۔

بخاری و مسلم نے جابر بن عبد اللہ سے اُن ایام کے بارے میں روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا ہے کہ ایک دن راستہ چلتے ہوئے میں نے آسمان سے ایک آواز سنی، تو مارے خوف و ہشت کے گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا۔ پھر اپنے اہل و عیال کے پاس آیا، اور کہا: مجھے کبیل اڑھاؤ، مجھے کبیل اڑھاؤ، تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (۱) قُمْ فَأَنْذِرْ (۲) وَرَبِّكَ فَكَبِيرٌ (۳) وَتَبَايَكَ فَطَهَّرْ (۴) وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ (اے چادر اوڑھنے والے، اٹھئے! اور لوگوں کو (ان کے رب سے) ڈرائیے، اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے، اور اپنے کپڑے پاک رکھئے، اور بتوں سے کنارہ کش ہو جائیے) [المذثر: ۱-۵] اس کے بعد دوبارہ وحی آنی شروع ہو گئی، اور مسلسل آتی رہی^(۲)۔

اور بخاری و مسلم نے یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت کی ہے کہ میں نے ابوسلمہ بن عبد الرحمن سے پوچھا: قرآن کی کون سی آیتیں پہلے نازل ہوئیں؟ تو انہوں نے کہا: ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ میں نے کہا: اور ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ کب نازل ہوئی؟ تو انہوں نے کہا: میں نے جابر بن عبد اللہ سے پوچھا: قرآن کی کون سی آیتیں پہلے نازل ہوئیں؟ تو انہوں نے کہا: ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ میں نے کہا: اور ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾؟ تو انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں ایک مہینہ غار حرا میں گوشہ نشین رہ کر نیچے اترا، اور وادی میں پہنچا تو میں نے سنا کہ کوئی مجھے آواز دے رہا ہے، میں نے اپنے دائیں، بائیں اور آگے پیچھے دیکھا تو کوئی نظر نہیں آیا، پھر آسمان کی طرف نظر ڈالی تو دیکھا کہ وہی فرشتہ ہوا میں تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ مجھ پر کچی طاری ہو گئی۔ فوراً خدیجہ کے پاس آیا، اور گھر

(۱) صحیح البخاری، کتاب بدء الوحی، باب ۶، سیرۃ ابن ہشام: ۲۳۳۔

(۲) صحیح البخاری: حدیث (۴۹۵۳) اور مسلم نے بھی جابر سے اس حدیث کو تقریباً انہی الفاظ میں روایت کی ہے۔

والوں سے کہا: مجھے کمل اڑھادو، تو اللہ نے ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (۱) قُمْ فَأَنْذِرْ (۲) وَرَبُّكَ فَكَبِيرٌ (۳) وَثِيَابُكَ فَطَهِّرْ﴾ نازل فرمایا۔ (اے چادر اوڑھنے والے، اٹھئے! اور لوگوں کو (ان کے رب سے) ڈرائیے، اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے، اور اپنے کپڑے پاک رکھئے) [المدثر: ۱-۳]۔

اور ایک روایت میں ہے: میں نے آسمان وزمین کے درمیان کرسی پر بیٹھے اُسی فرشتے کو دیکھا جو میرے پاس غارِ حرا میں آیا تھا۔ میں فوراً گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ معلوم ہوا کہ یہ روایت ان آیات سے متعلق ہے جو آپ پر توقفِ وحی کے بعد نازل ہوئی تھیں۔ اور اس کی دلیل آپ ﷺ کا یہ قول ہے کہ ”میں دوبارہ غارِ حرا لوٹنے کے بعد ایک مہینہ تک عبادت کرتا رہا، اور جب وہاں سے نیچے اُترا“ انتہائے حدیث تک۔

اور اس دلیل کو حدیث کی دوسری روایت کے مطابق آپ کے قول سے تقویت ملتی ہے کہ ”میں نے آسمان وزمین کے درمیان کرسی پر بیٹھے اُسی فرشتے کو دیکھا جو میرے پاس غارِ حرا میں آیا تھا“، اس میں صراحت ہے کہ اس بار جبریل آپ کے پاس غارِ حرا کے باہر آئے تھے، اور اسی موقع سے سورۃ المدثر کی ابتدائی آیتیں آپ پر نازل ہوئیں۔ اور سورۃ ”اقرا“ آپ ﷺ پر غارِ حرا میں اُس وقت نازل ہوئی، جب جبریل علیہ السلام آپ کے پاس پہلی بار آئے، جیسا کہ عائشہ سے مروی بخاری و مسلم کی روایت میں آیا ہے: ”یہاں تک کہ آپ ﷺ کے پاس حق آیا جب آپ غارِ حرا میں تھے“۔

اس حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا، یعنی تیسری بار مجھے بھیجنے کے بعد، پھر جبریل علیہ السلام نے کہا: ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ (۱) خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ (۲) اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ (۳) الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (۴) عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ (اے پیغمبر! آپ پڑھئے، اپنے رب کے نام سے جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا ہے، اس نے آدمی کو غلیظِ منجذ خون سے پیدا کیا ہے، پڑھئے، اور آپ کا رب بے پایاں کرم والا ہے، جس نے قلم کے ذریعہ علم دیا، اس نے آدمی کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا) [العلق: ۱-۵]۔ اس طرح آپ پہلی وحی کے ذریعہ نبی بنا کر مبعوث کئے گئے، اور دوسری وحی کے ذریعہ اللہ نے آپ کو دنیا والوں کے پاس رسول بنا کر بھیجا۔

آپ ﷺ کے بارے میں ایک باطل تہمت کی تردید:

عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے درمیان بہت دنوں سے امام زہری کی طرف منسوب ایک قول کو پڑھا کرتا تھا کہ کچھ دنوں کے لئے وحی کا آنا بند ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ بہت زیادہ غمگین ہوئے، یہاں تک کہ کئی بار آپ نے سوچا کہ کسی بلند پہاڑی سے نیچے چھلانگ لگا کر ہلاک ہو جائیں، لیکن جب بھی کسی پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے تو جبریل

سامنے آکر کہتے: اے محمد! آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ تو آپ کے دل کو اطمینان ہو جاتا، اور واپس گھر لوٹ آتے..... الحدیث۔

اسی طرح کی ایک روایت طبری نے اپنی تاریخ (۲۰۷/۲) میں بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں یقیناً ایک پہاڑ کی چوٹی سے اپنے آپ کو نیچے گرا دوں گا اور خودکشی کر لوں گا، تاکہ مجھے آرام آجائے۔ چنانچہ میں ایک دن اس ارادے سے نکلا اور جب پہاڑ کے نیچے میں پہنچا تو آسمان سے ایک آواز سنی: اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں، اور میں جبریل ہوں۔

میں اس قصے کو جب بھی پڑھتا، اور اس میں ظلم و بہتان تراشی کی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ کی طرف جو یہ منسوب کیا گیا ہے کہ آپ نے کئی بار پہاڑ کے اوپر سے چھلانگ لگا کر خودکشی کر لینی چاہی، تو میری عقل اسے کبھی قبول نہیں کرتی تھی، اس لئے کہ اس طرح کا بیمار رجحان کسی عقل کے مریض آدمی میں ہی پایا جاسکتا ہے۔ عقل مند، سنجیدہ اور دور اندیش آدمی تو عقلمندی کے ساتھ مشکل حالات کا مقابلہ کرتا ہے، یہاں تک کہ اُن پر غالب آجاتا ہے، اس طرح کا بیمار رجحان تو اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ وہ آدمی حالات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اور دوسروں کی طرف سے کسی عزت و احترام کا حقدار نہیں ہوتا۔ یہ بات تو ایک عام عقل مند آدمی کے بارے میں بھی نہیں کہی جائے گی، تو ایسا معیوب اور بیمار رجحان خاتم النبیین ﷺ کے اندر پائے جانے کو کیسے مانا جاسکتا ہے جنہیں دنیا کے بڑے بڑے عقلمندوں نے سب سے زیادہ عقل مند، دور اندیش اور سنجیدہ مانا ہے، جیسا کہ ابھی آپ ﷺ کی صفات کے ذکر میں گزر چکا۔

اس لئے اس بیمار فکر کی نسبت آپ ﷺ کی طرف جھوٹ اور بہتان ہے، چاہے اس کا سبب جو بھی ہو، اور اس جھوٹ کو مذکورہ بالا حدیث میں امام زہری کے بلاغ کے طور پر داخل کرنے والا جو بھی ہو۔ جو علمائے فن حدیث، نقد متن کے اصولوں سے واقف ہیں انہیں اس بات کو سمجھنے میں ہرگز دیر نہیں لگے گی کہ نبی کریم ﷺ کی طرف خودکشی کے رجحان کی نسبت سے بڑھ کر اور کوئی جھوٹ نہیں ہو سکتا۔

میں نے اس کتاب کی تیاری کے دوران اپنے شیخ علامہ محدث البانی رحمہ اللہ کی کتاب ”صحیح السیرۃ النبویہ“ میں یہ پڑھا کہ نبی کریم ﷺ کی طرف اس جھوٹ کی نسبت صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ یہ امام زہری کی طرف منسوب بلاغات میں سے ہے، اور یہ سند کے اعتبار سے امام زہری تک متصل بھی نہیں ہے، اسی لئے امام مسلم نے اپنی کتاب الصحیح میں اسے ذکر نہیں کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ روایت کا یہ حصہ عائشہ کے واسطے سے نبی کریم ﷺ سے مروی نہیں ہے، بلکہ کسی نے اسے اس روایت میں داخل کر دیا ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ طبری کی یہ روایت نبی کریم ﷺ

پر بہتانِ عظیم ہے، اور ان مؤلفین نے بہت بڑی غلطی کی ہے، جنہوں نے اسے آپ ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے^(۱)۔ اور آخر میں میں یہ کہنا چاہوں گا، اور میرا مقصد اپنے نفس کا تزکیہ نہیں، کہ میں عہد نبوی سے بعید ترین اس عہد میں نبی ہاشمی ﷺ کا ایک معمولی پیروکار ہوں۔ اگر اللہ نہ کرے لاکھ بار۔ میں کسی ایسی مشکل آزمائش میں پڑ جاؤں جو عقلوں کو حیران کر دے تو اللہ کے فضل و کرم سے ہرگز اس قسم کے معیوب اور بیمار رجحان کو اپنے دل و دماغ کی طرف راہ نہیں دوں گا، بلکہ رات دن اللہ کے حضور گریہ و زاری کروں گا کہ اللہ اس مشکل کو ٹال دے، مجھ پر رحم کر دے، اور میری طاقت سے زیادہ مجھ پر بوجھ نہ ڈالے۔ تو پھر اس بیمار فکر کی نسبت کو ایک لمحہ کے لئے بھی آپ ﷺ کی طرف کیسے قبول کر سکتا ہوں؟ جن پر ہم سب ایمان لائے ہیں، اور جن سے ہم نے اپنے آباء و اجداد، اپنی اولاد اور اپنی جانوں سے زیادہ محبت کی ہے، آپ کے اس مقامِ عظیم کی وجہ سے جو اللہ نے آپ کو تمام انبیاء و رسل کے درمیان عطا کیا تھا۔ اور آپ ﷺ کی اس عقلِ عظیم کے سبب جو ابتدائے آفرینش سے دنیا میں اُن کے سو کسی کو نہیں ملی، اور آپ کی بردہاری، دور اندیشی اور اپنے رب پر ایمانِ قوی کی وجہ سے جو آپ کو بعثت سے پہلے سے حاصل تھا۔

ابتدائے دعوتِ اسلامیہ :

(۱) اللہ تعالیٰ نے سورۃ العلق کی ابتدائی آیتوں میں اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ پر جو قرآن ابھی نازل ہوا، اور آئندہ نازل ہوگا، اسے آپ بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ کر پڑھیں، اور اگرچہ آپ اُمّی ہیں، آپ کا رب کریم آپ کو پڑھنا سکھا دے گا، جس نے ابنِ آدم کو قلم کے ذریعہ لکھنے کا علم دیا جو اللہ کی ایک عظیم نعمت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو نہ بھیجتے تو یہ دین وجود میں نہ آتا، اور زمین پر انسانوں کی طرح رہ کر خالق کائنات کی عبادت کرنا ناممکن ہوتا۔ آپ ہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو جہالت کی تاریکی سے نکال کر روشن شاہ راہ پر ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے دعوتِ اسلامیہ کی ابتدا قرأت و کتابت کی دعوت کے ذریعہ کیا ہے، اور محمد عربی اُمّی جنہیں لکھنا پڑھنا نہیں آتا، ان کا سب سے بڑا معجزہ قرآن کو بنایا جس کی تلاوت ہوتی ہے، اور جو کتاب کی شکل میں لکھا جاتا ہے، اور اس بات کا اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ اسی کتاب کے ذریعہ امتِ محمدیہ کو یکسر ناخواندگی کی حالت سے نکال کر علم کی دنیا میں پہنچا دے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾ (اُمّی نے اُن پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا ہے، جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں،

اور انہیں (کفر و شرک کی آلائشوں سے) پاک کرتے ہیں، اور انہیں قرآن و سنت کی تعلیم دیتے ہیں، بے شک وہ لوگ اُن کی بعثت سے قبل صریح گمراہی میں مبتلا تھے) [المجموعہ: ۲۰]۔

(۲) اور توقّف وحی کے بعد جو چھ آیتیں نازل ہوئیں، اُن میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مندرجہ ذیل باتوں کا حکم دیا:

(۱) آپ اُنھیں! اور اہل مکہ کو ڈرائیں کہ اگر وہ اوٹان و اَصنام کی عبادت سے باز نہیں آئیں گے، جن کی ان سے پیشتر ان کے آباء و اجداد عبادت کر رہے تھے، تو اللہ کا عذاب انہیں آلے گا۔

(ب) آپ اپنے آقا و مالک اور اپنے تمام امور کی اصلاح کرنے والے رب ذوالجلال کی عظمت و کبریائی بیان کرتے رہیں، اور اعلان کرتے رہیں کہ اس کی ذات سب سے اعلیٰ و برتر ہے، تخلیق و بادشاہی اور عبادت کسی میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اور جیسا کہ جبریل علیہ السلام نے آپ کو نماز پڑھنے کی تعلیم دی ہے، نماز ادا کرتے رہیں، اور امتِ اسلامیہ کو بھی اس کی تعلیم دیتے رہیں۔

(ج) آپ اپنے کپڑے ہر حال میں تمام نجاستوں سے پاک و صاف رکھیں، اور خاص طور سے نماز کی حالت میں، اور اپنے باطن کو تو بدرجہ اولیٰ تمام گندگیوں اور عقائد و اخلاق کی پلیدیوں سے یکسر پاک کیجئے۔

(د) آپ اَصنام و اوٹان سے بالکل کنارہ کش ہو جائیں۔ اور چونکہ نبی کریم ﷺ جب سے پیدا ہوئے بتوں کی عبادت سے بالکل دور رہے، اس لئے اس آیتِ کریمہ میں بتوں سے عداوت اور ان سے دور رہنے کی آپ کو مزید رغبت دلائی گئی ہے، اور لوگوں کو بتوں کی پرستش سے بالکل کنارہ کش ہو کر صرف ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

(ه) اور یہ جو دعوت کی ذمہ داری آپ پر ڈالی گئی ہے، تو اس کا آپ اپنے رب پر احسان نہ جتائیں، بلکہ اس کے بدلے رب العالمین سے اجر و ثواب کی امید رکھیں بعض لوگوں نے اس کا مفہوم یہ بتایا ہے: کسی کو کچھ دے کر آپ اُس پر احسان نہ جتائیں۔

(ز) آپ ﷺ کے سوا ایک بہت بڑی ذمہ داری ڈالی گئی ہے، اور وہ ہے، سارے عالم کو صرف ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دینا، اور جب آپ ایسا کریں گے تو عرب و عجم سب آپ کے خلاف جنگ کے لئے آمادہ ہو جائیں گے، ایسی حالت میں آپ صبر کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مذکورہ اوامر پر پورے طور پر عمل کیا۔ اُن میں سب سے اہم، نمازوں کی متعین اوقات میں ادائیگی ہے، جیسا کہ ابتدائے وحی کے وقت ہی جبریل علیہ السلام نے آپ کو تعلیم دی تھی۔ چنانچہ

آپ نے خود نماز پڑھی، اور جب گھر آئے تو اپنی بیوی خدیجہ کو جو سرزمین پر پہلی مسلمان تھیں، وضو اور نماز کا طریقہ سکھایا، پھر ہر اس شخص کو سکھاتے رہے جو اسلام میں داخل ہوا، اور تمام صحابہ کرام کے دل و دماغ میں یہ بات اتار دی کہ وہ جہاں بھی رہیں نماز ادا کریں، اس لئے صحابہ کرام اپنے گھروں میں، مکہ کی گھاٹیوں میں، اور دار ارقم میں، جو صفا پہاڑی پر تھا، مشرکین کی نظروں سے چھپ کر نماز ادا کرتے رہے۔ صحابہ کرام اسی دار ارقم میں آپ ﷺ سے اسلام کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے جمع ہوا کرتے تھے، اس لئے یہ گھر دعوتِ اسلامیہ کا پہلا مرکز اور اسلام اور مسلمانوں کے معاملات پر رائے مشورہ کرنے کی پہلی جگہ تھی۔

آپ ﷺ نے لوگوں کو عذابِ آخرت سے ڈرایا، اور اللہ کی عظمت و شان بیان فرمائی۔ نیز آپ ﷺ نے لوگوں کو بتوں کی عبادت، ارتکابِ معاصی اور ہر بُرے اخلاق سے روکا۔ اور اللہ کے بعد آپ نے بنی نوع انسان پر احسان کیا، اس لئے کہ آپ ہی نے اسلام کی دعوت اُن تک پہنچائی، اور اس راہ میں اذیتوں اور صعوبتوں کو برداشت کیا، اور اس کے لئے بندوں سے کسی معاوضہ کی امید نہیں رکھی، بلکہ ان کا اجر تو انہیں اللہ سے ملنا تھا۔ آپ ﷺ اسی پر پورے عزم و قوت کے ساتھ قائم رہے، تمام تکلیفوں پر اللہ کی جانب سے ثواب کی امید میں صبر کرتے رہے، اور ان تمام صفاتِ عالیہ میں تمام انبیاء و رسل پر فوقیت لے گئے۔ (اللہ کا درود و سلام ہو آپ ﷺ پر)۔

وجوبِ نماز، خدیجہ کا ایمان لانا، اور آپ ﷺ کے پیچھے نماز ادا کرنا:

بخاری و مسلم نے ابتدائے وحی کی کیفیت کے بیان میں روایت کی ہے کہ آپ ﷺ پہلی وحی کے نزول کے بعد فوراً خدیجہ کے پاس آئے، اُس وقت آپ شدتِ رعب سے کانپ رہے تھے۔ آپ نے اُن سے کہا: مجھے کبل اڑھاؤ، مجھے کبل اڑھاؤ، تو گھر والوں نے آپ کو کبل اڑھا دیا، یہاں تک کہ آپ کا خوف جاتا رہا۔ پھر خدیجہ آپ کو لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس آئیں، انہوں نے سارا ماجرا سننے کے بعد کہا کہ یہ تو وہی ناموس (جبریل) تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کے پاس بھیجا تھا۔

اور خدیجہ نے تو ورقہ کے پاس آنے سے پہلے ہی آپ کو اطمینان دلادیا تھا، اور کہا تھا: ہر گز نہیں، اللہ کی قسم! اللہ آپ کو کبھی بھی رسوا نہیں کرے گا۔ اور شادی کے بعد بھی انہوں نے آپ سے کہا تھا: مجھے امید ہے کہ آپ ہی وہ نبی ہوں گے جنہیں مبعوث کیا جائے گا، جیسا کہ ابھی گزر چکا ہے۔

یہ ساری باتیں اس امر کی واضح دلیل تھیں کہ خدیجہ پہلے سے ہی اس حق کو قبول کرنے کے لئے پوری طرح تیار تھیں، جسے لے کر نبی کریم ﷺ تشریف لائے تھے۔ ایک روایت آتی ہے کہ جب آپ ﷺ خدیجہ کے پاس آئے تو انہوں نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر اپنی آنکھوں سے لگا لیا، اور آپ ﷺ نے انہیں وضو کرنا سکھایا، جس

طرح جبریل نے آپ کو سکھایا تھا، اور انہیں نماز پڑھنا سکھایا جبریل نے آپ کو تعلیم دی تھی۔ گویا خدیجہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والی پہلی بنتِ آدم تھیں^(۱)۔

اور اسامہ بن زید سے مروی یہ حدیث ثابت ہے کہ جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس جب پہلی وحی لے کر آئے تو آپ ﷺ کو وضو اور نماز کا طریقہ سکھایا^(۲)۔

اور ابنِ براء سے یہ حدیث ثابت ہے کہ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جب نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا تو اس وقت آپ کی عمر چالیس سال ایک دن تھی، آپ کے پاس جبریل آئے..... ابنِ براء نے کہا: پھر جبریل نے اپنی ایڑی زمین پر ماری تو اس سے پانی اُبل پڑا، پھر انہوں نے آپ ﷺ کو وضو کرنا اور دو رکعت نماز پڑھنا سکھایا^(۳)۔

اور کندی سے یہ حدیث ثابت ہے کہ جب وہ ابتدائے اسلام میں عباس بن عبدالمطلب کے پاس آئے، اور رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو اُس وقت آپ نماز پڑھ رہے تھے، اور خدیجہ آپ کے پیچھے اور علی بن ابی طالب آپ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے^(۴)۔

اور ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث ثابت ہے کہ خدیجہ کے بعد نبی کریم ﷺ کے ساتھ سب سے پہلے علی نے نماز پڑھی^(۵)۔

معلوم ہوا کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کے بعد سرزمین پر اسلام میں داخل ہونے والی دوسری شخص تھیں، جیسا کہ ابنِ اسحاق نے کہا ہے: خدیجہ بنت خویلد ایمان لائیں، اور اللہ کی بھیجی ہوئی رسالت کی تصدیق کی، ہر موڑ پر آپ ﷺ کی مدد کی، اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والی اور رسالت کی تصدیق کرنے والی پہلی انسان تھیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے بوجھ کو کافی حد تک ہلکا کیا۔ آپ ﷺ جب بھی کفارِ قریش کی زبانی کوئی ناگوار بات سنتے جس سے آپ کو غم لاحق ہوتا تو آپ خدیجہ کے پاس آتے، وہ آپ کو اطمینان دلاتیں،

(۱) اتحاف الوری: ص ۱۶۵۔

(۲) الوفاء بحوال المعطوفی: ۲۶۶/۱۔

(۳) الوفاء: ۲۶۵/۱۔

(۴) مسند احمد: ۲۰۹/۱، ۲۱۰/۱، اس کے رجال ثقات ہیں۔ مستدرک حاکم: ۱۸۳/۳، حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح الإسناد ہے، اور ذہبی نے

ان کی تائید کی ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں اور نسائی خصائص (۱۸، ۱۷) میں، اور بخاری نے تاریخ کبیر (۷۵-۱۳۴) میں، اور ابن

عبدالبر نے استیعاب میں روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث بہت ہی حسن ہے۔

(۵) ترمذی، مناقب علی: حدیث (۳۷۳۳)، مسند احمد: ۳۳۰/۱، ۳۳۱/۱، اس کی سند جید ہے۔

آپ کی ہمت بڑھاتیں اور ہر بار آپ کی تصدیق کرتیں، اور آپ سے کہتیں کہ آپ ان کافروں کی باتوں سے غمگین نہ ہوں۔ یہ باتیں سن کر آپ کا دل ہلکا ہو جاتا، اور حزن و ملال جاتا رہتا۔ اللہ تعالیٰ خدیجہ سے راضی ہو، اور ان کو اپنی نعمتوں کے ذریعہ راضی کر دے^(۱)۔

رسول اللہ ﷺ پر نزولِ وحی کی کیفیت:

نزولِ وحی کی کیفیت کے بیان میں جو صحیح احادیث وارد ہوئی ہیں، ان کا مطالعہ کرنے سے آپ پر نزولِ وحی کی مندرجہ ذیل صورتیں سامنے آتی ہیں:

(۱) آپ پر کبھی وحی گھنٹی کی تیز آواز کی مانند آتی۔ اور وحی کی یہ نوعیت آپ پر شدید ترین ہوتی تھی۔ جب وحی ختم ہوتی تو آپ کے جبین مبارک پر پسینے کے قطرے دکھائی دیتے، اور آپ جبریل علیہ السلام کے ذریعہ نازل کردہ اللہ کے کلام کو یاد کر چکے ہوتے۔

(۲) اور کبھی فرشتہ (جبریل) آپ کے پاس ایک آدمی کی شکل میں آکر کلام کرتا، تو آپ ﷺ اسے یاد کر لیتے۔ وحی کی ان دونوں قسموں کی دلیل آپ کا یہ قول ہے کہ ”مجھ پر وحی کبھی گھنٹی کی تیز آواز کی مانند آتی ہے جو وحی کی شدید ترین قسم ہوتی ہے، اور جب وحی بند ہو جاتی ہے تو میں سب کچھ یاد کر چکا ہوتا ہوں، اور کبھی فرشتہ میرے سامنے ایک آدمی کی شکل میں آتا ہے جو مجھ سے کلام کرتا ہے تو میں اس کلام کو یاد کر لیتا ہوں“۔ راوی حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا حارث بن ہشام کے حوالے سے اللہ کے رسول کا یہ قول نقل کرتی ہیں کہ جب وحی کا سلسلہ رُک جاتا تو آپ کی جبین مبارک پر پسینے کے قطرے نظر آنے لگتے^(۲)۔

(۳) آپ کی جبین مبارک پر جیسا کہ ابھی گزرا۔ پسینے کے قطرے دکھائی دیتے تھے، اور بخار کی شدت کی طرح سخت گرمی کا آپ کو احساس ہوتا تھا، اور وحی کے بارگراں کے سبب موتی کے دانوں کی طرح پسینہ کے قطرے آپ کے جسم سے ٹپکنے لگتے تھے، اور اس کی سختی کی وجہ سے آپ کا چہرہ مبارک متاثر ہو جاتا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ وحی الہی کے بوجھ تلے سختی اور تھکن سے دوچار ہوتے تھے^(۳)۔

(۴) اور کبھی کبھار وحی کا بوجھ آپ پر ہلکا ہوتا تھا، آپ پر رات کا کھانا کھاتے وقت وحی نازل ہوتی، اور گوشت

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۲۲۰/۱۔

(۲) صحیح البخاری: حدیث (۳۲۱۵، ۳۲۱۶)، صحیح مسلم: ۸۲/۷، مسند احمد: ۱۱۵۸/۶ اور ۱۶۳۔

(۳) دیکھئے، عائشہ سے مروی حدیث اکف، صحیح البخاری: حدیث (۴۱۲۱)، صحیح مسلم: ۸/۱۱۸-۱۱۳ اور دیکھئے عبادہ بن صامت کی حدیث،

صحیح مسلم: ۱۱۵/۵، مسند احمد: ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۱ اور ۳۲۷۔ اور ابن عباس کی مذکور بالا حدیث صحیحین میں ہے۔

والی ہڈی آپ کے ہاتھ میں ہوتی، آپ کا احساس پوری طرح باقی رہتا، پھر آپ اپنا سر اٹھاتے، اور اپنے رب کی طرف سے نازل شدہ احکام شرعیہ کو لوگوں کے سامنے بیان کرتے (۱)۔

(۵) عام حالات میں آپ پر وحی کا بوجھ شدید ہوتا تھا، آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس بارگراں کو اٹھانے کے لئے پہلے سے ہی تیار کر دیا تھا۔ آپ کی اونٹنی اسے برداشت نہیں کر پاتی تھی، اسی لئے آپ فوراً اس سے اتر جاتے۔ اسماء بنت یزید کہتی ہیں کہ میں آپ پر سورۃ المائدہ کے نزول کے وقت آپ کی اونٹنی عضباء کی ٹکیل پکڑے ہوئی تھی، اور ایسا لگتا تھا کہ وحی کا وزن اونٹنی کے بازوؤں کو پس ڈالے گا۔ اور عبد اللہ بن عمرو روایت کرتے ہیں کہ سورۃ المائدہ آپ پر جب نازل ہوئی تو آپ اپنی اونٹنی پر سوار تھے، جب وہ آپ کا وزن برداشت نہ کر سکی تو آپ فوراً اس سے اتر گئے (۲)۔

(۶) اور کبھی حالت اس کے برعکس ہوتی جیسا کہ حدیبیہ سے واپسی کے وقت ہوا کہ آپ پر سورۃ الفتح نازل ہوئی، اُس وقت آپ اپنی اونٹنی پر سوار تھے (۳)۔

وحی کے اقسام اور اس کی شکلیں:

معلوم ہوا کہ آپ پر وحی کا نزول ہمیشہ ایک کیفیت میں نہیں ہوتا تھا، ان میں سے بعض کا ذکر مندرجہ ذیل آیت میں ہے: ﴿وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُلِمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بآيَاتِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلَىٰ حَكِيمٍ﴾ (اور کسی انسان کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ اس سے اللہ بات کرے، سوائے اس کے کہ اس پر وحی نازل کرے، یا کسی اوٹ کے پیچھے سے، یا کسی رسول کو بھیجے جو اس کی اجازت سے، وہ جو چاہے، اس کی وحی پہنچادے، وہ بے شک سب سے اونچا، بڑی حکمتوں والا ہے) [الشوری: ۵۱]۔

علامہ ابن القیم نے اس آیت کریمہ اور ان احادیث کی روشنی میں جنہیں میں نے کیفیتِ وحی کے بیان کے وقت ذکر کیا ہے اور ان کے علاوہ دیگر احادیث کی روشنی میں وحی کی آٹھ قسمیں بتائی ہیں، جو اختصار کے ساتھ مندرجہ ذیل ہیں:

۱- سچا خواب؛ جس کا ذکر عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آیا ہے۔

(۱) دیکھئے عائشہ کی حدیث صحیحین میں، صحیح البخاری: حدیث (۴۷۵۱، ۴۷۶۲)، مسند احمد: ۵۶/۶۔

(۲) دیکھئے دونوں روایتوں کو مسند احمد: ۴۵۵/۶، اور ۱۷۶/۲ میں، ان دونوں روایتوں کی سندیں ماقبل اور مابعد کی روایتوں کی تائید کے سبب درجہ حسن کو پہنچتی ہیں۔

(۳) مسند احمد: ۴۶۴/۱، اس کی سند حید ہے۔

- ۲- جبریل علیہ السلام بغیر آپ کے سامنے ظاہر ہوئے آپ کے قلبِ مبارک میں ڈال دیتے تھے۔
 ۳- جبریل علیہ السلام ایک آدمی کی شکل میں رونما ہوتے اور آپ سے مخاطب ہوتے، تو آپ ﷺ اسے یاد کر لیتے۔ صحابہ کرام نے ایسی حالت میں جبریل علیہ السلام کو کئی بار دیکھا۔
 ۴- کبھی وحی کا نزول آپ پر گھنٹی کی تیز آواز کی مانند ہوتا، اور وحی کی یہ سخت ترین قسم تھی۔
 ۵- آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دوبارہ دیکھا، اس کا ذکر سورۃ النجم آیات (۷-۱۳) میں آیا ہے۔

۶- اللہ تعالیٰ نے معراج کی رات میں آپ پر وحی کی، اور نماز اور دیگر امور شریعت کو فرض کیا۔
 ۷- آپ ﷺ سے اللہ تعالیٰ فرشتہ کے واسطے کے بغیر ہم کلام ہوئے، جیسا کہ معراج کی رات میں آپ کو حاصل ہوا۔

۸- اللہ تعالیٰ کا آپ سے بغیر حجاب کے ہم کلام ہونا۔ یہ مسئلہ اختلافی ہے، جمہور صحابہ کی رائے ہے کہ آپ نے معراج کی رات اپنے رب کو نہیں دیکھا، اور یہی قول رائج ہے، اور بعض کا خیال ہے کہ آپ نے اپنے رب کو اس رات دیکھا تھا۔ یہ رائے اس صحیح حدیث کے خلاف ہے جسے عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ایک نور کو دیکھا، اللہ کو کہاں دیکھ سکتا تھا؟^(۱)

انہی کیفیات کے ساتھ وحی الہی پچیس سال تک نازل ہوتی رہی، چاہے وہ وحی متلو (یعنی قرآن کریم) ہو یا غیر متلو (یعنی سنت نبویہ) جس کے ذریعہ نبی کریم ﷺ نے قرآن کریم کی تفسیر بیان کی، اور اسلام کے احکام بیان فرمائے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو مکمل کر دیا۔ اور اس کی خبر دیتے ہوئے حجۃ الوداع میں مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی، اور اسلام کو بحیثیت دین تمہارے لئے پسند کیا) [المائدہ: ۳] کیا ہی عظیم تر ہے یہ دین اور کیسی معزز و مکرم ہے یہ نعمت۔ تمام تعریفیں، تمام شکر اور تمام مدح و ثنا صرف رب العالمین کے لئے ہیں۔

دعوتِ اسلامیہ خفیہ طور پر

سرزمین پر پہلے مسلمان:

توحیدِ خالص اور ایک اللہ کی عبادت کی دعوتِ دینی، اور شرک باللہ کا انکار اہل مکہ کے درمیان آسان نہ تھا جن کے دلوں میں کفر اور شرک باللہ کی جڑیں زمانہ قدیم سے گہری تھیں، اور اس پر متزاد اُن کا کبر و غرور اور انا کی بیماری میں مبتلا ہونا جس کے سبب وہ کلمہ حق کو سننے کی قابلیت کھو چکے تھے، اور اس لئے بھی کہ اس کلمہ حق کی ضرب شدید ان کی تمام عربوں پر سیادت و قیادت پر لگتی تھی۔

ابن اثیر نے لکھا ہے کہ خدیجہ با تفاق رائے سرزمین پر اسلام قبول کرنے والی پہلی بنتِ آدم تھیں۔ ان سے پہلے کسی مرد یا عورت نے اسلام قبول نہیں کیا۔ اور رسول اللہ ﷺ کو آنے والے مشکل حالات کا پورے طور پر اور اک تھا، اور خوب جانتے تھے کہ مشرکین قریش کے درمیان علی الاعلان دعوت کا کام شروع کر دینا بہت زیادہ نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے، اسی لئے آپ نے حکمت و دانائی کا تقاضا یہی سمجھا کہ فی الحال دعوت کا کام خفیہ طور پر کیا جائے، یہاں تک کہ مکہ کی سرزمین اعلانیہ دعوت کے لئے سازگار ہو جائے۔ آپ نے یہ بھی مناسب سمجھا کہ پہلے دعوت کا کام اپنے ان قریب ترین رشتہ داروں کے درمیان کریں جو آپ کے اخلاق و کردار سے بخوبی واقف تھے، اور جانتے تھے کہ آپ کبھی بھی اللہ جل جلالہ کے بارے میں کوئی من گھڑت بات نہیں کہیں گے، اس لئے کہ ان کی نظر میں تو آپ نے اب تک کی پوری زندگی میں ایک بار بھی جھوٹ نہیں بولا تھا، اور اسی لئے اہل مکہ نے آپ کو ”الصادق الامین“ کا لقب دے دیا تھا۔

خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا:

غارِ حرا میں پہلی وحی کے نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ نے اپنے آپ سے قریب ترین انسان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی، اور وہ آپ کی بیوی خدیجہ بنت خویلد تھیں، آپ ﷺ جب غارِ حرا سے واپس آئے، اور خدیجہ کو جبریل کی آمد اور نزولِ وحی کی خبر دی، اُسی وقت وہ ایمان لے آئیں۔

اور ابتدائے وحی کے ذکر کے وقت میں لکھ آیا ہوں کہ وہ تو آپ ﷺ کی بعثت کے اس عظیم واقعہ کو قبول کرنے، اور اس لڑی میں پہلے موتی کی حیثیت سے بڑ جانے کے لئے پہلے سے ہی ذہنی طور پر تیار تھیں، چنانچہ انہوں نے فوراً ہی اسلام کی دعوت قبول کر لی، اور آپ ﷺ نے اُن کا ہاتھ پکڑ کر اپنی آنکھوں سے لگالیا، اور انہیں وضو کرنا سکھایا، پھر انہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، جیسا کہ جبریل نے آپ ﷺ کو سکھایا تھا۔ اس طرح خدیجہ

آپ پر ایمان لانے والی پہلی بنتِ آدم ہوئیں^(۱)۔

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ:

علی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پاس رہتے تھے، وہیں کھاتے پیتے اور آپ کی خدمت میں لگے رہتے، وہ آپ کی کفالت میں آپ کے ایک لڑکے کی طرح رہتے تھے، جب اللہ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا اس وقت ان کی عمر حافظ ابن حجر کے راجح قول کے مطابق دس سال تھی۔ وہ اپنے تمام اُمور میں نبی کریم ﷺ کے تابع تھے، اور جاہلیت کے تمام گندے کاموں اور بالخصوص بُت پرستی سے بالکل پاک و صاف تھے۔

صاحبِ اتحاف الوری نے لکھا ہے کہ جب خدیجہ نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، اس کے دوسرے دن علی نے آپ دونوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو پوچھا: اے محمد! یہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ اللہ کا دین ہے جسے اُس نے اپنے بندوں کے لئے چُن لیا ہے، میں تمہیں ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دیتا ہوں، جس کا کوئی شریک نہیں، اور لات و عزئی کے انکار کی طرف بلاتا ہوں۔ علی نے کہا: یہ بات میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں سنی، میں کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے اپنے باپ ابو طالب سے پوچھ لینا چاہتا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ کو ڈر ہوا کہ کہیں آپ ﷺ کا راز فاش نہ ہو جائے، اس لئے آپ ﷺ نے کہا: اے علی! اگر تم اسلام نہیں لاتے تو خاموشی اختیار کرو۔ علی نے وہ رات اسی حال میں گزاری، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں قبولِ اسلام کی بات ڈال دی؛ چنانچہ صبح سویرے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اے محمد! آپ نے مجھے کس بات کی دعوت دی تھی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہی کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ تم لات و عزئی کا انکار کرو، اور اللہ کے جھوٹے شریکوں سے اعلانِ براءت کرو۔ علی نے ایسا ہی کیا، اور اسلام میں داخل ہو گئے^(۲)۔ اور بریدہ اسلمی سے مروی حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی سموار کے دن نازل ہوئی، اور علی نے منگل کے دن نماز پڑھی^(۳)۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ثابت ہے کہ انہوں نے کہا: خدیجہ کے بعد سب سے پہلے علی نے نماز پڑھی^(۴)۔

(۱) الکامل، ابن الاثیر: ۳۷۲۔

(۲) اتحاف الوری: ۱۷۷، دلائل النبوة، بیہقی: ۴۱۴، سیرۃ ابن ہشام: ۲۴۵، ۲۴۶۔

(۳) مستدرک حاکم: ۱۱۲، حاکم نے اسے صحیح کہا ہے، اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے۔

(۴) سنن ترمذی، مناقب علی، مسند طرابلسی: حدیث (۲۷۵۳)، مسند احمد: ۳۳۰، ۳۳۱، اس کی سند جید ہے۔

اور عقیف کندی نے روایت کی ہے کہ وہ زمانہ جاہلیت میں مکہ آئے، اور عباس بن عبدالمطلب کے مہمان بنے، انہوں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ خیمے سے نکل کر کعبہ کے رخ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگا ہے، پھر ایک عورت نکلی وہ بھی نماز پڑھنے لگی، اور ایک لڑکا نکلا وہ بھی اس آدمی کے ساتھ نماز پڑھنے لگا۔ انہوں نے عباس سے ان تینوں کے بارے میں پوچھا: تو عباس نے کہا: یہ میرے بھتیجا محمد بن عبد اللہ ہیں، جن کا خیال ہے کہ اللہ نے ان کو نبی بنا کر بھیجا ہے، اور یہ ان کی بیوی خدیجہ بنت خویلد ہیں، اور یہ لڑکا ان کا چچا زاد بھائی علی بن ابی طالب ہے۔ اور انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ آسمان اور زمین کے رب نے ان کو اس کام کا حکم دیا ہے، جو ان تینوں کو تم نے کرتے دیکھا ہے۔

عقیف کندی دیر سے اسلام لائے، اور کہا کرتے تھے: اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اسی دن اسلام کی نعمت سے نواز دیا ہوتا تو میں علی بن ابی طالب کے ساتھ اسلام لانے والا سر زمین پر دوسرا آدمی ہوتا (۱)۔

زید بن حارثہ بن شرحبیل کلبی (آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام):

زید بن حارثہ حکیم بن حزام کے غلام تھے، انہوں نے انہیں اپنی پھوپھی ام المومنین خدیجہ بنت خویلد کو دے دیا تھا، پھر رسول اللہ ﷺ نے انہیں خدیجہ سے اپنے لئے مانگ لیا تو انہوں نے آپ ﷺ کو دے دیا، آپ ﷺ نے ان کو نبوت سے پہلے ہی آزاد کر کے اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا۔ اور لوگ انہیں زید بن محمد کے نام سے پکارنے لگے، یہاں تک کہ اسلام نے منہ بولا بیٹا بنانے کو حرام کر دیا۔ تب وہ اپنے باپ حارثہ کی طرف منسوب ہو کر زید بن حارثہ کہلانے لگے۔ انہوں نے جلد ہی نبی کریم ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا: اور مسلمان ہو گئے، اور وہ اور علی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنے لگے۔

ابوبکر بن ابی قحافہ تمیمی قرشی:

ابوبکر رسول اللہ ﷺ کے دوست اور آپ ﷺ کے تمام مکارم اخلاق سے باخبر تھے، اور خوب جانتے تھے کہ جھوٹ بولنا آپ کی فطرت سے بعید تر بات ہے۔ جب انہوں نے اسلام کی دعوت کے بارے میں سنا تو فوراً آپ ﷺ کے پاس آئے، اور پوچھا: اے محمد! کیا اہل قریش سچ کہہ رہے ہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔

(۱) دیکھئے: الوفاء: ۲۶۸، ۲۶۹، اس حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے، لیکن شواہد و متابعات کی کثرت کی وجہ سے اسے یہاں نقل کرنا مناسب معلوم ہوا۔ حاکم کی بھی یہی رائے ہے، اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے، اور ابن عبد البر نے کہا ہے کہ یہ حدیث عمدہ درجہ کی حسن ہے (صحیح السیرۃ النبویۃ، البانی: ص ۱۱۷)۔

میں اللہ کا رسول اور اس کا نبی ہوں، مجھے اس نے اپنی پیغام رسانی کے لئے مبعوث کیا ہے، اور میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ اللہ کی قسم: اسی کی ذات برحق ہے، اے ابوبکر! میں تمہیں ایک اللہ کی طرف بلاتا ہوں، جس کا کوئی شریک نہیں، اور جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے ان کو قرآن پڑھ کر سنایا۔ ابوبکر فوراً اسلام لے آئے اور بت پرستی اور شرک باللہ کا انکار کر کے اسلام کی حقانیت پر ایمان لے آئے، اور جب گھر لوٹے تو وہ صدق دل سے مؤمن تھے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: میں نے کسی کو بھی اسلام کی دعوت دی تو اس نے کچھ نہ کچھ پس و پیش سے کام لیا سوائے ابوبکر کے، انہوں نے میری بات سننے کے بعد ذرا بھی پس و پیش نہیں کیا^(۱)۔ اور صحیح بخاری میں ابودرداء رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ نے مجھے تمہاری طرف بھیجا تو تم لوگوں نے کہا: تم جھوٹے ہو، اور ابوبکر نے کہا: آپ نے سچ کہا، اور اپنی جان اور اپنے مال سے میری مدد کی^(۲)۔

ابوبکر نے اپنے اسلام کا اعلان کیا، اور لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا، اور وہ اپنی قوم میں محبوب اور نرم خو آدمی جانے جاتے تھے، اور قریش میں سب سے زیادہ نسب ناموں کے ماہر تھے، اور قریش کی خوبیوں اور برائیوں کو سب سے زیادہ جانتے تھے۔ اور ان کا پیشہ تجارت تھا، اور اخلاقِ حسنہ اور نیک کاموں کے لئے مشہور تھے۔ ان کی قوم کے بہت سے لوگ ان کے پاس اپنی ضروریات کے لئے آتے تھے، اور ان کی صحبت میں الفت و محبت کا احساس کرتے تھے۔ انہوں نے ان میں سے چیدہ لوگوں کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرنی شروع کر دی، اور ان کی مساعی جمیلہ سے زبیر بن عوام، عثمان بن عفان، طلحہ بن عبید اللہ، سعد ابن ابی وقاص اور عبد الرحمن بن عوف دائرۃ اسلام میں داخل ہو گئے۔

ام المؤمنین خدیجہ کے بعد (جو رسول اللہ ﷺ کے بعد سرزمین پر پہلی مسلمان تھیں) یہی آٹھ حضرات ہیں جنہوں نے اسلام لانے میں سبقت کی^(۳)۔

(۱) البدایہ والنہایہ: ۲/۳۷۳۔

(۲) صحیح البخاری: حدیث (۳۶۱۱، ۳۶۱۰)۔

(۳) اتحاف الوری: ۱/۱۸۰، ۱۸۱۔

اسلام کی طرف سبقت کرنے والے دیگر صحابہ کرام

عمر و بن عبسہ کا اسلام:

امام مسلم نے اپنی کتاب الصحیح میں اور امام احمد نے مسند میں روایت کی ہے کہ عمر و بن عبسہ نبی کریم ﷺ کے پاس اس وقت آئے جب آپ پوشیدہ طور پر دعوت کا کام کر رہے تھے، انہوں نے پوچھا: آپ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نبی ہوں۔ ابن عبسہ نے پوچھا: نبی کیا ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا پیغامبر ہوتا ہے، انہوں نے پوچھا: کیا اللہ نے آپ کو بھیجا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ انہوں نے پوچھا: اس نے آپ کو کیا دے کر بھیجا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہی کہ ہم اللہ کی عبادت کریں، بتوں کو توڑ دیں اور صلہ رحمی کریں۔ انہوں نے کہا: کیا ہی اچھی چیز دے کر اس نے آپ کو بھیجا ہے؟ اب تک کن لوگوں نے آپ کی پیروی کی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک آزاد اور ایک غلام یعنی ابو بکر اور بلال۔ عمر و کہا کرتے تھے: میں نے اپنے آپ کو اس راہ پر چوتھا آدمی پایا اور اسلام میں داخل ہو گیا^(۱)۔

اس سے پہلے ورقہ بن نوفل اسلام لائے تھے، پھر ابو عبیدہ ابن الجراح (اس امت کے امین)، ابوسلمہ بن عبد الأسد، ارقم بن ابوقرم خزومی، عثمان بن مظعون جمعی اور ان کے دونوں بھائی؛ قدامہ اور عبد اللہ، عبیدہ بن حارث بن مطلب، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل، ان کی بیوی فاطمہ بنت الخطاب (عمر بن الخطاب کی بہن) یہ سب کے سب جلد ہی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، اور اپنے اپنے اسلام لانے کا اعلان کر دیا۔

پھر قبائل عرب کے لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے، انہی میں سے بلال، عمار، ان کی ماں سُمیہ، صہیب، مقداد، اسماء بنت ابی بکر (جن کی شادی زبیر بن عوام سے ہو چکی تھی)، عائشہ بنت ابی بکر (جو ابھی چھوٹی بچی تھیں)، عمیر بن ابی وقاص زہری، عبد اللہ بن مسعود (بنی زہرہ کے حلیف)، مسعود بن القاری، سلیط بن عمرو، عیاش بن ابی ربیعہ خزومی، اور ان کی بیوی اسماء بنت ہلہ، حنیس بن حذافہ سہمی، عامر بن ربیعہ، عبد اللہ بن جحش اسدی، ابو احمد بن جحش، جعفر بن ابوطالب، ان کی بیوی اسماء بنت عمیس، عامر بن فہیرہ (ابو بکر کے آزاد کردہ غلام)، خالد بن سعید بن العاص، ان کی بیوی امینہ بنت خلف بن اسعد خزاعیہ، عمار بن یاسر اور صہیب بن سنان، (ان دونوں کا ذکر ان سات ادا نکل کے ساتھ آچکا ہے جنہوں نے اسلام کا برملا اعلان کیا تھا)۔

(۱) صحیح مسلم: حدیث (۸۳۲)، مسند احمد بحوالہ اللہ لرحمہ: حدیث (۲۱۵۲۰)، السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۴/۴۳۳، دلائل البیہقی: ۱/۴۲۲۔

عبداللہ بن مسعود کا اسلام:

اسلام کی طرف انہی سبقت کرنے والوں میں سے عبداللہ بن مسعود تھے۔ احمد طیا لسی اور حسن بن عرفہ نے ان سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: میں ایک جوان لڑکا تھا اور مکہ میں عقبہ بن ابو معیط کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر مشرکین کے ڈر سے بھاگ نکلے، تو میرے پاس پہنچ گئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: اے لڑکے کیا تمہارے پاس ہمارے پینے کے لئے دودھ ہے؟ میں نے کہا: میرے پاس یہ بکریاں امانت ہیں، میں آپ دونوں کو دودھ نہیں پلا سکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس کوئی بکری کا بچہ ہے جس کو ابھی تک حمل نہیں ٹھہرا؟ میں نے کہا: ہاں۔ پھر میں اسے ان کے پاس لے آیا۔ ابو بکر نے اسے باندھ دیا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کا تھن پکڑ کر دعا کی تو وہ دودھ سے بھر گیا، اور ابو بکر آپ ﷺ کے لئے ایک پیالہ نما پتھر لے آئے جس میں آپ ﷺ نے اس کا دودھ نکالا، پھر خود پیا اور ابو بکر کو پلایا، پھر دونوں نے مجھے بھی پلایا، پھر آپ نے تھن سے کہا سگڑ جا تو وہ سگڑ گیا۔ اس کے بعد میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: مجھے اس اچھی بات یعنی قرآن کا کچھ حصہ سکھا دیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم ایک سکھائے ہوئے لڑکے ہو، چنانچہ میں نے آپ ﷺ کے دہان مبارک سے ستر سورتیں حاصل کیں جن میں کوئی میرا مد مقابل نہیں تھا^(۱)۔

ضداد الازدی کا اسلام:

ضداد الازدی ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اسلام لانے میں اس وقت سبقت کی جب نبی کریم ﷺ دعوت کا کام پوشیدہ طور پر کر رہے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ضداد از دشنوعہ کے تھے، مکہ آئے، جھاڑ پھونک کا کام کرتے تھے، انہوں نے سُہائے مکہ کو کہتے سنا کہ محمد پاگل ہے، انہوں نے سوچا کہ اگر میں اس آدمی کو دیکھ پاتا تو شاید اللہ اسے میرے ذریعہ شفا دیتا، پھر ان کی ملاقات نبی کریم ﷺ سے ہو گئی، انہوں نے کہا: اے محمد! میں جھاڑ پھونک کرتا ہوں اور اللہ جسے چاہتا ہے میرے ہاتھ پر شفا دیتا ہے، تو کیا تم ایسا چاہو گے؟!

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ، نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يَضِلَّ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، أَمَّا بَعْدُ" "سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں (اس لئے) ہم اسی کی تعریفیں کرتے ہیں، اور (اپنے ہر کام میں) اسی سے مدد مانگتے ہیں۔ (یقین مانو) کہ جسے اللہ راہ دکھائے اُسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے

(۱) مسند احمد: ۱/۴۶۲، اس کی سند حسن ہے۔

وہ اپنے در سے دھتکار دے، اس کے لئے کوئی راہبر نہیں ہو سکتا۔ اور میں (بیر دل سے) گواہی دیتا ہوں کہ معبود برحق (صرف) اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور محمد ﷺ اس کے (خاص) بندے اور (آخری) رسول ہیں۔ حمد و صلوة کے بعد!

یہ سن کر خضاد نے کہا: ان کلمات کو آپ میرے لئے دہرا دیجئے، آپ ﷺ نے انہیں تین بار ان کے لئے دہرا دیا، انہوں نے کہا: میں نے کانہوں، جادوگروں اور شاعروں کے اقوال سنے ہیں، میں نے اس طرح کے کلمات کبھی نہیں سنے، اپنا ہاتھ بڑھائیے، میں آپ سے اسلام پر بیعت کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے بیعت لے لی اور ان سے کہا: میں تمہاری قوم کے سامنے دعوت اسلام پیش کرنے کے لئے بھی تم سے بیعت لیتا ہوں۔ انہوں نے کہا: مجھے یہ بات منظور ہے۔ (مسلم نے اسے کتاب الجمعہ میں حدیث (۸۶۸) کے تحت اور امام احمد نے مسند (۲۹۹/۱) میں روایت کی ہے، اور اس کی سند قوی ہے)۔

ابوذر غفاری کا اسلام:

اسلام کی طرف سبقت کرنے والوں میں سے ابوذر غفاری بھی ہیں، یہ بادیہ نشین قبیلہ غفار کے تھے۔ امام بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب ابوذر کو رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی خبر ہوئی تو اپنے بھائی سے کہا: تم مکہ جاؤ اور اس آدمی کے بارے میں میرے لئے معلومات جمع کر کے لاؤ، جو نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ اس کے پاس آسمان سے خبر آتی ہے۔ جاؤ! اس کی بات سن کر ابوذر ان کا بھائی وہاں پہنچا، آپ کا کلام سنا پھر لوٹ کر ابوذر کے پاس پہنچا اور ان سے کہا: میں نے اسے مکارم اخلاق کا حکم دیتے ہوئے دیکھا ہے، اور اس کے منہ سے ایک ایسا کلام سنا ہے جو شعر نہیں ہے۔ ابوذر نے کہا: مجھے تمہاری بات سے اطمینان حاصل نہیں ہوا۔ اس کے بعد خود ہی زاد سفر لے کر مکہ روانہ ہو گئے اور مسجد حرام پہنچ کر رسول اللہ ﷺ کو ڈھونڈنے لگے، آپ ﷺ کو وہ پہچانتے نہیں تھے، انہوں نے کسی سے پوچھنا مناسب نہیں سمجھا، یہاں تک کہ رات آگئی تو علی نے انہیں دیکھ کر سمجھ لیا کہ یہ کوئی غریب الوطن ہے۔ ابوذر ان کے پیچھے ہوئے اور دونوں میں سے کسی نے دوسرے سے صبح تک کوئی بات نہیں کی، پھر ابوذر سامان سفر لے کر مسجد میں لوٹ آئے اور اس دن بھی رسول اللہ ﷺ نے ان کو نہیں دیکھا، یہاں تک کہ شام ہو گئی، تو پھر اپنے سونے کی جگہ لوٹ آئے۔ علی نے ان سے اس بار پوچھا: کیا ان کو اب تک اپنی منزل نہیں ملی ہے؟ پھر انہیں اپنے ساتھ لے کر چلے گئے اور دونوں میں سے کسی نے دوسرے سے کوئی بات نہیں پوچھی، یہاں تک کہ جب تیسرا دن آیا تو وہ پھر علی کے پاس لوٹ گئے اور وہیں قیام کیا۔ علی نے پوچھا: کیا تم اپنی آمد کا مقصد مجھے نہیں بتاؤ گے؟ انہوں نے کہا: اگر تم مجھ سے وعدہ کرتے ہو

کہ میری رہنمائی کرو گے تو میں بتاؤں گا؟ علی نے وعدہ کیا تو انہوں نے اپنا مقصد بیان کر دیا۔ علی نے کہا: یہ بات سچ ہے، اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ جب صبح ہو تو میرے پیچھے آؤ، اور میرے داخل ہونے کی جگہ داخل ہو جاؤ۔ ابوذر نے ایسا ہی کیا، علی کے پیچھے چل کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئے، اور جب آپ ﷺ کی بات سنی تو فوراً اسلام قبول کر لیا، نبی کریم ﷺ نے ان سے کہا: تم اپنی قوم کے پاس لوٹ جاؤ اور انہیں اسلام کی خبر دو، اور وہیں ٹھہرے رہو، یہاں تک کہ تمہیں میرے اعلانیہ دعوت کی اطلاع مل جائے۔

ابوذر نے کہا: اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں مشرکینِ قریش کے سامنے چیخ چیخ کر اس کا اعلان کروں گا، پھر نکل کر مسجد حرام آئے اور اپنی بلند آواز میں کہا: "أشهد أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله" یہ سنتے ہی لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے، انہیں پیٹ پیٹ کر زمین سے لگا دیا۔ اُس وقت عباس آگئے اور ان کے اوپر جھک گئے اور کہا: تم سب کا بُرا ہو، کیا تم جانتے نہیں ہو یہ قبیلہ غفار کا ہے اور شام میں تمہاری تجارت کا راستہ ان کے پاس سے گزرتا ہے۔ پھر عباس نے انہیں ان سے نجات دلائی۔ دوسرے دن ابوذر نے پھر اُسی طرح اعلان کیا، تو لوگ ان کے خلاف بھر گئے اور انہیں بُری طرح مارا پیٹا، تو عباس دوبارہ ان پر جھک گئے^(۱)۔ جنوں کا نبی کریم ﷺ پر ایمان لانا اور اپنی قوم کو دعوتِ اسلام دینا:

عہدِ نبوت کے اسی ابتدائی دور میں ایک بار ایسا ہوا کہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ بازارِ عکاظ کے قصد سے نکلے، اُس وقت شیاطینِ آسمان کی خبریں سننے سے روک دیئے گئے تھے، اور ایسی جرات کرنے والے شیاطین انگاروں سے مارے جانے لگے تھے، شیاطین اپنی قوم کے پاس لوٹے، اور انہیں بتایا کہ ہمیں آسمان کی خبریں سننے سے روک دیا گیا ہے، اور ہمیں انگاروں سے مارا جانے لگا ہے، چنانچہ کچھ شیاطین مشرق و مغرب میں پھیل کر اس امر کا پتہ چلانے لگے، جس کے سبب ایسا ہوا ہے۔

جو شیاطین جن تہامہ کی طرف نکلے تھے وہ مقامِ نخلہ میں رسول اللہ ﷺ تک جا پہنچے۔ اُس وقت آپ ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ جب انہوں نے آپ ﷺ کی زبانی قرآن سنا تو کہنے لگے: اللہ کی قسم! یہی وہ چیز ہے جو تمہارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان حائل ہو گئی ہے۔ اُن جنوں پر اللہ نے کرم کیا وہ ایمان لے آئے اور اپنی قوم میں واپس آ کر ان سے کہا: لوگو! ہم نے ایک بہت ہی عمدہ اور عجیب قرآن سنا ہے جو اللہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اس لئے ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں، اور اب ہم کبھی بھی اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔ اسی موقع پر اللہ نے اپنے نبی پر نازل فرمایا: ﴿قُلْ أُوْحِيْٓ اِلَيَّ اَنْهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ

مِنْ الْجَنِّ ﴿میرے نبی! آپ کہہ دیجئے، میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (قرآن) سنا، پھر انہوں نے (دوسرے جنوں سے) کہا کہ ہم نے ایک بہت ہی عجیب قرآن سنا ہے﴾ [الجن: ۱]۔

کہا جاتا ہے کہ جو جن رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تھے، ان کی تعداد سات تھی، اور ان میں سے ایک کا نام زوبعہ تھا، جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کی زبانی قرآن سنا تو ایک دوسرے سے کہنے لگے: خاموش رہو اور غور سے سنو! تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنْصِتُوا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ مُنْذِرِينَ (۲۹) قَالُوا يَا قَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَى طَرِيقِ مُسْتَقِيمٍ (۳۰) يَا قَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ وَآمِنُوا بِهِ يَغْفِرَ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ (۳۱) وَمَنْ لَا يُجِبْ دَاعِيَ اللَّهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْأَرْضِ وَلَيْسَ لَهُ مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءُ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾ (اور جب ہم نے آپ کی طرف جنوں کی ایک جماعت کو قرآن سننے کے لئے پھیر دیا تھا، پس جب وہ رسول اللہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا کہ تم سب کان لگا کر سنو، جب تلاوت ختم ہو گئی، تو وہ اپنی قوم کے پاس گئے، درانحالیکہ وہ انہیں عذاب الہی سے ڈرانے والے تھے، انہوں نے کہا: اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے، جو گزشتہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے، جو دینِ برحق اور سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے، اے ہماری قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو قبول کرو، اور اُس پر ایمان لاؤ، اللہ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا، اور دردناک عذاب سے تمہیں نجات دے گا، اور جو کوئی اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو قبول نہیں کرے گا، تو وہ زمین میں اللہ کو عاجز نہیں کر سکتا، اور اللہ کے سوا اس کا کوئی یار و مددگار نہیں ہوگا، وہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں) [الاحقاف: ۲۹-۳۲] (۱)۔

اور ابن مسعود کی روایت ہے: نبی کریم ﷺ اور ان کے ساتھ میں، دونوں نکلے، یہاں تک کہ مجھے آپ ﷺ ایک کھلے میدان میں لے آئے، پھر ایک لکیر کھینچ دی اور مجھ سے کہا: اس جگہ سے نہ ہٹنا، یہاں تک کہ میں تمہارے پاس واپس آ جاؤں۔ آپ صبح تک نہیں آئے، اور جب آئے تو فرمایا: میں جنوں کی طرف بھیجا گیا ہوں، تو میں نے پوچھا: یہ آوازیں کیسی تھیں جنہیں میں سن رہا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ انہی کی آوازیں تھیں جب انہوں نے مجھے رخصت کیا ہے اور مجھے سلام کیا ہے (۲)۔

(۱) احقاف الوری: ۱/ ۱۸۸، ۱۸۹، نیز دیکھئے صحیح البخاری، تفسیر سورۃ الجن، صحیح مسلم، کتاب الصلاة: حدیث (۱۳۹)، سنن الترمذی، و سنن النسائی،

کتاب التفسیر.

(۲) الوفاء: ۱/ ۲۹۷.

محمد بن اسحاق لکھتے ہیں: جنوں نے آپ ﷺ کی زبان سے قرآن کو اس وقت سنا جب آپ ﷺ نبوی میں طائف سے لوٹ رہے تھے۔ لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے، اُس صحیح حدیث کی بنا پر جسے بخاری و مسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ ابتدائے اسلام میں صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ بازارِ عکاظ کے قصد سے نکلے، اُس وقت شیاطین جن کو آسمان کی خبریں سننے سے روک دیا گیا تھا، اور طائف سے لوٹنے کے وقت آپ کے ساتھ زید بن حارثہ کے سوا کوئی نہیں تھا۔

مکہ میں دعوتِ اسلامیہ کی خبریں پھیلنے لگیں:

مکہ میں اسلام کی دعوت خفیہ طور پر پھیلتی گئی، اور اہل مکہ کی ایک بڑی تعداد آہستہ آہستہ مشرف بہ اسلام ہوتی گئی، اسلام کی روشنی کب تک پہنچی رہتی، اسے ایک نہ ایک دن ظاہر ہونا ہی تھا، چنانچہ انتشارِ اسلام کی خبریں شدہ شدہ قریش تک پہنچنے لگیں، اور انہوں نے اگرچہ ابتدا میں اس پر خاص دھیان نہیں دیا، لیکن ایک غیر شعوری خوف کا احساس اس دینِ جدید کی طرف سے انہیں ہونے لگا۔ اسلام کی دعوت خفیہ طور پر تقریباً تین یا چار سال تک چلتی رہی، اور نبی کریم ﷺ مسلمانوں کے گھروں میں خفیہ طور پر ان کے ساتھ جمع ہوتے رہے، اور انہیں قرآن، توحیدِ خالص اور عقیدہ صحیح کی تعلیم اُس وقت تک نازل شدہ وحی کی روشنی میں دیتے رہے، اور آنے والے زمانے کے لئے اللہ کے حکم کا انتظار کرتے رہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ پر اللہ کی وحی نازل ہوئی کہ آپ کو جو کچھ حکم دیا جاتا ہے، اس کا اعلان کیجئے، اور لوگوں کو بر ملا اسلام اور عقیدہ توحید کی دعوت دیجئے۔

اعلانیہ دعوتِ اسلام

صفا پہاڑی کے اوپر سے قریش کو دعوتِ اسلام:

تین سال کی مدت میں کچھ مرد اور کچھ عورتیں اسلام میں داخل ہوتے رہے، یہاں تک کہ ان کی تعداد چالیس سے زیادہ ہو گئی، اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اپنی دعوت کے اعلان کرنے کا حکم دیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ جب ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ (اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے) [الشعراء: ۲۱۴] نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نکل کر باہر آئے اور صفا پہاڑی پر چڑھ کر پکارا، لوگو! میری بات سنو! اہل قریش نے یہ آواز سن کر کہا: یہ کون ہے؟ پھر سب آپ کے قریب جمع ہو گئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے اگر میں تمہیں خبر دوں کہ گھوڑ سواروں کی ایک جماعت اس پہاڑی کے دامن سے نکلنے والی ہے تو کیا تم لوگ میری بات مانو گے؟ انہوں نے کہا: ہم نے تمہیں کبھی جھوٹ بولتے نہیں سنا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: پھر میں تمہیں ایک شدید عذاب سے ڈرانے کے لئے آیا ہوں۔ ابو لہب نے کہا: تمہاری بربادی ہو، کیا تم نے ہمیں اسی لئے جمع کیا ہے؟ اور کھڑا ہو گیا تو یہ سورت نازل ہوئی: ﴿تَبَّتْ يُدَا أَيْمِي لَهُبٍ وَتَبَّ (۱) مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ (۲) سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ (۳) وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ (۴) فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ﴾ (ابو لہب ہلاک و برباد ہوا اور وہ کبھی کامیاب نہیں ہوا، اس کا مال اور اس کی اولاد و جاہ اس سے عذاب کو ٹال نہیں سکے، وہ عنقریب بھڑکتی آگ میں داخل ہو گا، اور اس کی بیوی، جو لوگوں کے درمیان آگ لگاتی پھرتی تھی، اس کی گردن میں مونج کی ایک رسی ہو گی) (جس کے ذریعہ جہنم میں گھسیٹی جائے گی) [السد: ۱-۵] (۱)

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ جب آیت ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ نازل ہوئی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے فاطمہ بنت محمد! اے صفیہ بنت عبدالمطلب! اور اے اہنائے عبدالمطلب! میں تمہارے لئے اللہ کی جانب سے کوئی اختیار نہیں رکھتا، تم لوگ میرے مال میں سے جو چاہو مانگو (۲)۔

ابو لہب اور اس کی بیوی کی آپ ﷺ سے عداوت:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب آیت ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ نازل ہوئی، تو

(۱) صحیح البخاری: حدیث (۴۷۷۰، ۴۹۷۱، ۴۹۷۲)۔ صحیح مسلم: حدیث (۲۰۸)، مسند احمد: ۲۸۱/۱۔

(۲) صحیح مسلم: حدیث (۲۵۰)۔

رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے قریش کے لوگو! (یا اسی جیسا دوسرا کلمہ) تم لوگ اپنی جانوں کو اللہ سے خرید لو، میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا، اے ابنائے عبد مناف! میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ اے عباس بن عبد المطلب! میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ اے صفیہ! (رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی) میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ اے فاطمہ بنت محمد! تم میرے مال میں سے جو چاہو مانگ لو، میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکوں گا^(۱)۔

اور تمام تاریخی مصادر و مراجع میں یہ بات مذکور ہے کہ جب سورۃ الشعراء کی یہ آیت نازل ہوئی تو معاملہ آپ کے لئے شدید تر ہو گیا، اور پریشان ہو کر اپنے گھر میں بیٹھ گئے، لیکن آپ کی پھوپھیوں نے آپ کی ہمت افزائی کی، اور آپ کو اللہ کے حکم کے مطابق کر گزرنے پر آمادہ کیا، چنانچہ جب صبح ہوئی، تو آپ نے ابنائے عبد المطلب کو بلا بھیجا اور ان کے ساتھ مطلب بن عبد مناف کے بھی کچھ لڑکے آئے، سب کی تعداد پینتالیس تھی، ابولہب نے جلدی میں کہا کہ یہ ہیں تمہارے چچا لوگ اور ان کے لڑکے جو چاہو ان سے کہو، لیکن بے دینی کو چھوڑ دو۔ اور جان لو کہ تمہاری قوم میں سارے عرب سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے، اور تمہارے خاندان والوں کے لئے تمہیں پکڑ کر محبوس کر دینا اس سے زیادہ آسان ہے کہ تمام خاندانہائے قریش اور قبائل عرب تمہارے خلاف کود پڑیں، اے میرے بھتیجے! میں نے تم سے پہلے کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا جو اپنے خاندان اور اپنی قوم کے لئے اس سے بڑا اثر لایا ہو جو تم لائے ہو۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ خاموش رہے اور اس مجلس میں کوئی بات نہیں کی، کئی دنوں تک آپ مغنوم و مہموم رہے، اس لئے کہ ابولہب کی بات آپ پر بہت گراں گزری تھی، پھر ایک دن آپ ﷺ کے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور آپ کو اللہ کے حکم کے مطابق کر گزرنے کا حکم دیا اور آپ کی ہمت افزائی کی، تو آپ نے ان سب کو دوبارہ جمع کیا، اور فرمایا: "الحمد لله، أحمده وأستعينه، وأومن به وأتوكل عليه، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له" پھر فرمایا: بے شک قائد اپنے گھر والوں سے جھوٹ نہیں بولتا، اگر میں تمام لوگوں سے جھوٹ بولوں تب بھی تم لوگوں سے جھوٹ نہیں بولوں گا، اور اگر میں تمام لوگوں کو دھوکا دوں تب بھی تم لوگوں کو دھوکا نہیں دوں گا۔ اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں، خاص طور پر تم لوگوں کے لئے اور عام طور پر تمام لوگوں کے لئے۔ اللہ کی قسم! تم سب لوگ ویسے ہی مر جاؤ گے جیسے سوتے ہو اور ویسے ہی دوبارہ اٹھائے جاؤ گے جیسے تم لوگ جاگتے ہو۔ اور تم سے تمہارے کئے کا حساب لیا جائے گا۔

(۱) صحیح البخاری: حدیث (۴۷۷۱)، صحیح مسلم: حدیث (۲۰۴)، سنن الترمذی: حدیث (۳۱۸۵)، سنن النسائی: حدیث (۳۶۲۵، ۳۶۲۳)

اور تمہیں اچھے کام کا بدلہ اچھا اور بُرے کام کا بدلہ بُرا دیا جائے گا۔ اور وہ یا تو ابدی جنت ہوگی یا ابدی عذابِ نار، اور تم لوگ سب سے پہلے ہو جنہیں میں ڈرا رہا ہوں۔

ابو طالب نے کہا: ہمارے لئے یہ بات سب سے پسندیدہ ہے کہ ہم تمہاری مدد کریں اور تمہارا ساتھ دیں، اور یہ کہ ہم تمہاری نصیحت کو قبول کریں، اور میں ان میں سے ایک ہوں، اور اللہ کی قسم! میں ان سب سے زیادہ اس کام کے لئے تیز گام ہوں جو تمہیں پسند ہے، تمہیں جس کام کا حکم دیا گیا ہے، اسے کر گزرو۔ اللہ کی قسم! میں ہر لمحہ اور ہر حال میں تمہاری حفاظت کروں گا، اور تمہارا دفاع کروں گا، لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ میرا نفس عبدالمطلب کے دین کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہے، یہاں تک کہ میں اُسی پر مر جاؤں جس پر عبدالمطلب کی موت ہوئی تھی۔ ابو لہب کے علاوہ دیگر لوگوں نے بھی نرم بات کہی، ابو لہب نے کہا: اے ابنائے عبدالمطلب! اللہ کی قسم! یہ سب سے بڑی شومی قسمت ہے، اسے ایسا کرنے سے روک دو، قبل اس کے کہ تمہارے علاوہ دوسرے لوگ اس پر اپنا ہاتھ ڈالیں، اس وقت اگر تم لوگ اسے ان کے حوالے کر دو گے تو ذلیل ہو جاؤ گے، اور اگر ان کے خلاف اس کا دفاع کروں گے تو قتل کر دیئے جاؤ گے۔ ابو طالب نے کہا: ہم جب تک زندہ رہیں گے اس کی حمایت کرتے رہیں گے، اور صفیہ بنت عبدالمطلب نے بھی اچھی بات کہی، اور ابو لہب کی بات کا بُرا منایا۔

متعدد روایتوں میں آیا ہے کہ ابو لہب نے نبی کریم ﷺ کی بات سننے کے بعد کہا: کیا اسی لئے تم نے ہمیں جمع کیا ہے؟ پورا دن تم پر بربادی اُترتی رہے، تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿تَبَّتْ يُدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ﴾۔ یہ سُن کر بھینگی عورت امّ جمیل بنت حرب ابو لہب کی بیوی مٹھی بھر کنکری لئے آگے بڑھی، تاکہ اُسے رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک پر مارے اور آکر ابو بکر کے پاس کھڑی ہو گئی اور رسول اللہ ﷺ کو اس نے نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی بصارت کو اُچک لیا اور اُسے اس کے غیظ و غضب کے ساتھ اپنے رسول کی طرف سے پھیر دیا۔ گھر جا کر اس نے اپنے شوہر ابو لہب کے ساتھ مل کر اپنے دونوں بیٹوں عتبہ اور عستہ کو رسول اللہ ﷺ کی دونوں بیٹیوں رقیہ اور امّ کلثوم کو طلاق دے دینے کا حکم دیا، چنانچہ عتبہ نے رقیہ کو اور عستہ نے امّ کلثوم کو طلاق دے دی، اور عستہ نے آپ ﷺ سے کہا: میں نے تمہارے دین کا انکار کر دیا اور تمہاری بیٹی کو چھوڑ دیا، پھر اس نے رسول اللہ ﷺ پر دست درازی کی اور آپ کی قمیص پھاڑ دی، تو رسول اللہ ﷺ نے کہا: میں اللہ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ وہ تم پر اپنے کتے کو مسلط کر دے، چنانچہ ویسا ہی ہوا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے چاہا تھا، بلا و شام میں ایک شیر نے اسے چیر پھاڑ کر ختم کر دیا (۱)۔

(۱) دیکھئے: دلائل البیہقی: ۱۸۱/۲، السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۳۵۵، الوفاء: ۲۹۲۔

نبی کریم ﷺ کو اذیت پہنچانے میں ابو لہب بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا، اور ابو جہل، اسود بن عبد یغوث، حارث بن قیس سہمی، ولید بن مغیرہ، عاص بن واکل سہمی، نصر بن حارث، زہیر بن ابوامیہ، عاص بن سعید بن عاص، خلف کے دونوں لڑکے امیہ اور اُبی، اور ابو قیس بن فاکہی بن مغیرہ وغیرہم کے ہاتھ مل کر آپ کو ایذا پہنچانے کی نت نئی تدبیریں کیا کرتا تھا، اور ان میں سب سے زیادہ آپ سے عداوت کرنے والے اشخاص ابو جہل، ابو لہب اور عقبہ بن ابی معیط تھے۔ اور ابو لہب رسول اللہ ﷺ سے بڑی پرانی عداوت اور بغض رکھتا تھا، اس لئے کہ ایک بار اس کے اور ابوطالب کے درمیان سخت کلامی ہو گئی اور ابو لہب ابوطالب کو پچھاڑ کر ان کے سینے پر بیٹھ گیا، اور ان کے چہرے پر ٹنگے اور گھونسے برسائے لگا، رسول اللہ ﷺ سے ابو لہب کی یہ حرکت دیکھی نہ گئی اور اُسے پکڑ کر زمین پر دے مارا، اور ابوطالب اس کے سینے پر بیٹھ گئے اور اُس کے چہرے پر ضربیں لگانے لگے، یہاں تک کہ لوگوں نے دونوں کو الگ کیا۔ ابو لہب نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: یہ تمہارا چچا ہے اور میں بھی تمہارا چچا ہوں، پھر تم نے میرے ساتھ ایسا برتاؤ کیوں کیا؟ اللہ کی قسم! میرا دل تم سے کبھی محبت نہیں کرے گا، اور اس کے بعد وہ بد بخت آپ ﷺ کے دروازے پر کوڑے کرکٹ اور گندی چیزیں ڈالنے لگا، ایک بار حمزہ نے اُسے ایسا کرتے دیکھ لیا، تو اسے پکڑا، اور اس گندگی کو اٹھا کر اس کے سر پر ڈال دیا^(۱)۔

دعوتِ الی اللہ کا اعلان عام:

سورۃ الشعراء کی آیت (۲۱۳) ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ (اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے) اور سورۃ الحج کی آیت (۹۳) ﴿فَاصْنَعِ الْجُرُجَ﴾ (پس آپ کو جو حکم کیا جا رہا ہے اسے کھول کر بیان کر دیجئے، اور مشرکین کی پرواہ نہ کیجئے) جب نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ لوگوں کے سامنے اسلام کی دعوت اعلانیہ پیش کرنے لگے، اور امت کی خیر خواہی اور اُس تک اللہ کی طرف سے پیغام رسانی کے لئے ہر ممکن کوشش کرنے لگے، اور اس کام میں اس طرح ہمد تن و ہوش لگ گئے کہ کوئی چیز آپ کو اس کام سے روک نہیں سکی، آپ لوگوں کے پاس ان کی مجلسوں اور محفلوں میں جاتے، حج کے زمانے میں وفودِ عرب سے ملتے اور عکاظ، مَجَنَّہ اور ذوالحجاز کے بازاروں میں لوگوں سے ملاقات کرتے اور ہر آزاد و غلام، کمزور و قوی اور مالدار و فقیر کو اسلام کی دعوت دیتے، اور ایامِ حج میں ایک ایک قبیلے کے خیمے میں پہنچتے، انہیں اللہ کی طرف بلاتے اور ان سے اپنی تائید و نصرت طلب کرتے، تاکہ پوری قوت کے ساتھ اپنے رب کا پیغام دنیا والوں تک پہنچا سکیں، اور اس کے بدلے آپ ان سے جنت کا وعدہ کرتے اور کہتے: اے لوگو! کہولالہ! لا اللہ، تم

(۱) دیکھئے: اتحاف الوری: ۲۰۶، ۲۰۷۔

کا میاب ہو جاؤ گے، اور اس کلمہ کے ذریعہ عرب و عجم تمہارے زیر سیادت آجائیں گے۔
و نوذ حجان کو کہنا کہ محمد جادو گر ہے :

جب اہل قریش نے نبی کریم ﷺ کے دعوتی کاموں کو تیز تر ہوتے دیکھا، اور دیکھا کہ آپ تو ہر آنے والے، حج و عمرہ کرنے والے، اور عرب کے بازاروں میں شرکت کرنے والے ہر آدمی کو علی الاعلان اسلام کی طرف بلارہے ہیں، اور اس راہ میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے ہیں، اور آپ کی دعوت رفتہ رفتہ مکہ سے باہر قبائل عرب میں پھیلنے لگی ہے، اور ان کا مذہبی وجود خطرے میں پڑ گیا ہے جس کی بنیاد شرک باللہ اور بت پرستی پر ہے، بلکہ ان کے خیال میں ان کا وجود ہی وجود خطرے میں پڑ گیا ہے، تو انہوں نے ایک دن ولید بن مغیرہ کے ساتھ اجتماع کیا جو ان میں سب سے زیادہ عقل مند اور معاملہ شناس مانا جاتا تھا، اور اس سے کہا کہ وہ انہیں کوئی ایسی بات بتائے جسے وہ لوگ نبی کریم ﷺ کے بارے میں مکہ آنے والے ہر زائر و معتمر اور عرب کے بازاروں میں شریک ہونے والے ہر عربی سے کہیں، تو ولید بن مغیرہ نے ان سے کہا: پہلے تم کہو، تاکہ میں سنوں:

انہوں نے کہا: ہم اُسے کا ہن کہیں گے، اس نے کہا: نہیں۔ اللہ کی قسم وہ کاہن نہیں ہے۔ ہم نے کاہنوں کو دیکھا ہے اور ان کی باتیں سنی ہیں۔ لوگوں نے کہا: ہم اُسے پاگل کہیں گے۔ اس نے کہا: وہ پاگل نہیں ہے، ہم نے جنوں اور اس سے پیدا ہونے والے حالات اور وسوسوں کو قریب سے دیکھا ہے۔ لوگوں نے کہا: ہم اُسے شاعر کہیں گے۔ اس نے کہا: وہ شاعر بھی نہیں ہے، ہم نے شعر کے تمام اقسام کو خوب اچھی طرح جانا اور پہچانا ہے، اس کا کلام شعر نہیں ہے۔ لوگوں نے کہا: ہم اُسے جادو گر کہیں گے، اس نے کہا: وہ جادو گر بھی نہیں ہے، ہم نے بہت سے جادو گروں اور ان کی جادوگری کو دیکھا ہے۔ محمد کی بات یقیناً جادو گروں کی بات نہیں ہے، لوگوں نے کہا: تو پھر اے عبد شمس! ہم اس کے بارے میں کیا کہیں؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم! محمد کی بات میں ایک عجیب سی مٹھاس ہے، اور اس کی مثال تو کھجور کی درخت کی ہے جس کی جڑیں زمین میں گہری ہوتی ہے اور جس کی شاخیں سرسبز اور لہلہاتی ہوتی ہیں۔ تم ان باتوں میں سے کچھ بھی کہو گے تو لوگ فوراً سمجھ جائیں گے کہ یہ جھوٹ ہے۔ پھر بھی ان میں سب سے مناسب اُسے جادو گر ہی کہنا ہے۔ اس لئے کہ اس نے ایک ایسا کلام پیش کیا ہے جو جادو کی طرح آدمی اور اس کے باپ، آدمی اور اس کے بھائی، آدمی اور اس کی بیوی اور آدمی اور اس کے قبیلے کے درمیان تفریق کر دیتا ہے۔ چنانچہ کفار مکہ لوگوں کی راہوں میں بیٹھنے لگے اور ہر آنے والے کو آپ کی بات سننے سے ڈرانے لگے، اور اُن سے کہتے تھے کہ محمد جادو گر ہے، جو اپنے جادو کے ذریعہ لوگوں کے درمیان تفریق پیدا کر رہا ہے۔ اسی واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے ولید بن مغیرہ کے بارے میں مندرجہ ذیل آیتیں نازل کیں: ﴿ذَرْنِي وَمَنْ

خَلَقْتَ وَحِيدًا (۱۱) وَجَعَلْتَ لَهُ مَالًا مَمْدُودًا (۱۲) وَبَنَيْنَ شُهُودًا (۱۳) وَمَهَّدْتَ لَهُ تَمْهِيدًا (۱۴) ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ (۱۵) كَلَّا إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا (۱۶) سَأَرْهَقُهُ صُعُودًا (۱۷) إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ (۱۸) فَقَتَلَ كَيْفَ قَدَّرَ (۱۹) ثُمَّ قَتَلَ كَيْفَ قَدَّرَ (۲۰) ثُمَّ نَظَرَ (۲۱) ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ (۲۲) ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ (۲۳) فَقَالَ إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ (۲۴) إِنْ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ (۲۵) سَأُصْلِيهِ سَقَرَ (۲۶) وَمَا أَذْرَاكَ مَا سَقَرُ (۲۷) لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ (۲۸) لَوَاحِةً لِّلْبَشَرِ (۲۹) عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿﴾ (آپ مجھے اور اس آدمی کو چھوڑ دیجئے جسے میں نے اکیلا پیدا کیا ہے، اور میں نے اسے کافی مال دیا ہے، اور لڑکے دیئے ہیں جو ہر وقت اس کے پاس موجود رہتے ہیں، اور میں نے اس کے لئے سیادت کی راہ ہموار کر دی ہے، پھر وہ لالچ کرتا ہے کہ میں اُسے زیادہ دوں، ایسا ہرگز نہیں ہوگا، وہ تو ہماری آیتوں کا مخالف ہے، میں عنقریب اسے ایک بڑی چڑھائی چڑھاؤں گا، اس نے غور کیا اور ایک بات (دل میں) طے کر لی، پس وہ ہلاک ہو، اس نے کیسی بات سوچی، وہ پھر ہلاک ہو، اس نے کیسی بات سوچی، پھر اُس نے دیکھا، پھر اس نے پیشانی سکیر لی اور بُرا سامنہ بنایا، پھر اُس نے پیٹھ پھیر لیا اور تکبر کیا، پھر کہنے لگا، یہ محض ایک جادو ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے، یہ محض کسی انسان کا قول ہے، میں عنقریب اسے جہنم میں ڈال دوں گا، اور آپ کو کیا معلوم کہ جہنم کیا ہے، نہ وہ کسی چیز کو باقی رکھے گی نہ چھوڑے گی، وہ تو کھال کو جلا ڈالنے والی ہوگی، اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں) [سورۃ المدثر: ۱۱-۳۰]۔

اور نبی کریم ﷺ اس کے بعد جب موسم حج اور عکاظ، اور حجۃ اور ذوالحجّاز کے بازاروں میں لوگوں سے ملاقات کرتے، اور ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرتے تو اشرار قریش آپ کے پیچھے لگے رہتے، اور خاص طور پر آپ کا ملعون چچا ابولہب اور ابو جہل، یہ اشرار لوگوں سے کہتے: تم لوگ اس کی بات نہ سنو اور اس کی پیروی نہ کرو، یہ تو بے دین اور جھوٹا ہے، اور یہ بھی کہتے: لوگو! یہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم لوگ اپنے آباء و اجداد کے دین کو چھوڑ دو، اس جھوٹے کی بات نہ سنو، تو بہت سے لوگ آپ ﷺ کے ساتھ بُری طرح پیش آتے، اور آپ کو تکلیف پہنچاتے۔

امام احمد نے ابو زناد سے اور بیہقی نے ربیعہ دیلمی سے روایت کی ہے، ان میں سے ہر ایک کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو بازار ذوالحجّاز میں لوگوں کے گھروں میں جا کر انہیں اسلام کی طرف بلاتے دیکھا ہے، اور آپ کے پیچھے ایک بھینگا آدمی لگا رہتا جس کے دونوں رخسار سُرخ ہوتے، وہ کہتا: لوگو! دیکھو، یہ آدمی تمہیں تمہارے آباء و اجداد کے دین کے بارے میں دھوکے میں نہ ڈال دے، میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ تو مجھے بتایا گیا: یہ ابولہب ہے ^(۱)۔ اسی طرح ایک دوسری روایت میں ہے کہ ابو جہل نبی کریم ﷺ کے پیچھے لگا رہتا تھا، اور

(۱) السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۱/۶۲۳۔

لوگوں سے اسی طرح کی بات کہتا تھا۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے جس بات کے ہونے کا فیصلہ کر دیا تھا، اسے بہر حال ہونا تھا، رسول اللہ ﷺ کا ذکر تمام بلاد عرب میں پھیل گیا، اور موسم حج اور دیگر ایام میں مکہ آنے والے لوگ جوق در جوق آپ ﷺ کے پاس آکر آپ کی بات سننے لگے، اور اللہ کے دین میں داخل ہونے لگے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان بے شک سچا ہے: ﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَكُوفِرَ الْكَافِرُونَ﴾ (کفار اللہ کے نور کو اپنے منہ سے پھونک باز کر بجھانا چاہتے ہیں، اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنا چاہتا ہے، چاہے کفار کو یہ بات کتنی ہی ناگوار گزرے) [القصف: ۸]۔

طفیل بن عمرو دوسی کا اسلام:

اُن دنوں مکہ آنے والوں میں طفیل بن عمرو دوسی بھی تھے، جو ایک شاعر اور عقل مند و شریف آدمی تھے، انہیں دیکھ کر قریش کے کچھ لوگ ان کے پاس گئے، اور ان سے نبی کریم ﷺ کے بارے میں کہا کہ وہ جادوگر ہے اور اس کی بات جادو ہے جس کے ذریعہ وہ آدمی اور اس کے بیٹے، آدمی اور اس کے بھائی اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی پیدا کر دیتا ہے، اس لئے آپ اس سے بات نہ کیجئے اور نہ ہی اس کی کوئی بات سنئے۔ یہ سن کر طفیل نے مسجد حرام میں داخل ہونے سے پہلے اپنے کان میں روئی ڈال لی، تاکہ وہ نبی کریم ﷺ کا کلام نہ سن سکیں، وہاں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا۔

طفیل کہتے ہیں: ”میں ان کے قریب کھڑا ہو گیا، تو گویا اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ میں ان کی بات ضرور سنوں، چنانچہ میں نے ایک اچھی بات سُنی اور فیصلہ کر لیا کہ میں ان کی بات ضرور سنوں گا، اس لئے جب آپ ﷺ مسجد سے نکلے تو میں ان کے پیچھے لگ گیا، اور ان کے ساتھ ان کے گھر میں داخل ہو گیا، اور کہا: اے محمد! آپ کی قوم نے مجھ سے ایسا اور ایسا کہا ہے، اور اللہ کی قسم! وہ لوگ مجھے ڈراتے رہے، یہاں تک کہ روئی سے اپنا کان بند کر لیا، تاکہ آپ کی بات نہ سن سکوں، لیکن اللہ نے چاہا کہ میں ضرور سنوں۔ چنانچہ میں نے ایک اچھی بات سُنی ہے، تو آپ اپنا پیغام مجھے سنائیے۔“

آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی اور قرآن کی تلاوت کی، تو مجھے ایسا لگا کہ میں نے (اللہ کی قسم!) اس سے اچھی بات کبھی نہیں سنی تھی اور اس سے اچھا پیغام مجھے کبھی نہیں دیا گیا، اس لئے میں اسلام لے آیا اور شہادت کا کلمہ پڑھ لیا۔“

پھر وہ اپنی قوم کے پاس لوٹ گئے، اور اپنے باپ کو اسلام کی دعوت دی، تو انہوں نے اسے قبول کر لیا، پھر

انہوں نے اپنی بیوی کو دعوت دی، تو اس نے بھی قبول کر لیا، پھر اپنے پورے قبیلہ دوس کو دعوت دی تو ان لوگوں نے قبول کرنے میں دیر کی۔ طفیل دوبارہ نبی کریم ﷺ کے پاس گئے اور آپ ﷺ سے اپنی قوم پر بد دعا کرنے کی درخواست کی، لیکن آپ ﷺ نے ان کے لئے ہدایت کی دعا کی، اور طفیل سے کہا: تم اپنی قوم کے پاس لوٹ کر جاؤ، انہیں پھر دین اسلام کی طرف بلاؤ اور ان کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ، طفیل لوٹ کر گئے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہے، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے اور بدر، اُحد اور خندق کے غزوات گزر گئے، پھر تیسری بار وہ آپ ﷺ کے پاس قبیلہ دوس کے ستر یا اسی مسلمانوں کے ساتھ اُس وقت گئے جب آپ خبر میں تھے^(۱)۔

رسول اللہ ﷺ کی کشتی رُکّانہ کے ساتھ :

دعوتِ اسلامیہ کے انہی مشکل ایام میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کی رُکّانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف سے کہیں تنہائی میں ملاقات ہو گئی، جو آپ ﷺ کا بڑا شدید مخالف اور قریش کا سب سے طاقتور آدمی تھا۔ آپ ﷺ نے اس سے کہا: اے رُکّانہ! کیا تم اللہ سے نہیں ڈرو گے؟ اور میری دعوت کو قبول نہیں کرو گے؟ تو اس نے کہا: اگر مجھے یقین ہو جاتا کہ تمہاری بات سچ ہے تو میں تمہاری پیروی کرتا، آپ ﷺ نے اس سے کہا: اگر میں تمہیں پچھاؤں تو کیا تمہیں یقین ہو جائے گا کہ میری بات حق ہے۔ اس نے کہا: ہاں، آپ ﷺ نے کہا: پھر آگے بڑھو اور مجھ سے کشتی لڑو، چنانچہ آپ ﷺ نے اسے پچھاؤ دیا اور اسے زمین پر دے مارا، اور اسے بالکل بے بس کر دیا، آپ ﷺ نے اسے پھر دوبارہ پچھاؤ دیا۔

ابو بکر شافعی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک عمدہ سند کے ذریعہ روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جس سے کشتی لڑی تھی اس کا نام یزید بن رُکّانہ تھا۔ اسے آپ نے تین بار پچھاؤ، اور ہر بار ایک سو بکریوں کے عوض۔ جب تیسری بار آپ ﷺ نے اسے پچھاؤ تو اس نے کہا: اے محمد! تم سے پہلے آج تک کسی نے میری پیٹھ زمین سے نہیں لگائی تھی، اور تم سے زیادہ کوئی میرے نزدیک مغضوب نہیں تھا، اور اب میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ تم اللہ کے رسول ہو، تو آپ ﷺ اس سے الگ ہو گئے اور اس کی ہکریاں اسے واپس کر دیں^(۲)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اہل قریش کے ایمان لانے کی کیسی شدید تمنا رکھتے تھے، اور انہیں اپنے نبی ہونے کا یقین دلانے کے لئے کس طرح ہر ممکن طریقہ اختیار کرتے تھے۔ اللہ کا رد و سلام ہو آپ پر

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۳۸۲-۳۸۵، اتحاف الوری: ۲۵۳-۲۵۶۔

(۲) صحیح السیرۃ النبویہ، البانی: ص ۲۱۷، السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۸۲، ۸۳۔

جب تک شمس و قمر گردش میں رہیں۔
صدائے حق کو خاموش کرنے کی انتہائی کوشش:

ابن اسحاق کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے جب اپنی قوم کے سامنے دعوتِ حق کو پیش کیا تو آپ کی قوم کچھ زیادہ آپ سے دور نہیں ہوئی اور آپ کے خلاف کوئی سخت رویہ اختیار نہیں کیا، یہاں تک کہ آپ ﷺ ان کے معبودوں کی عیوب جوئی کرنے لگے۔ تو انہوں نے اس کا بہت زیادہ بُرا منایا، اور آپ کی مخالفت و عداوت پر تشفق ہو کر اپنے معبودوں اور اپنے عادات و تقالید کے خلاف اُٹھی ہوئی شورش کو ختم کرنے کی ٹھان لی۔ اور اس دعوت کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دینا چاہا، جو ان کے معبودوں کا انکار کر کے صرف ایک اللہ اور محمد ﷺ کے رسول اللہ ہونے پر ایمان لانے کا مطالبہ کرتی تھی۔ نیز اس بات کا مطالبہ کرتی تھی کہ تمام لوگ اپنی سیادت و کبریائی اور کبر و غرور کو چھوڑ کر صرف اللہ اور اس کے رسول کے تابع دار بن جائیں (۱)۔

ابوطالب کا موقف:

رسول اللہ ﷺ کے دو کافر چچا تھے، ابوطالب اور ابولہب، اور آپ کے ساتھ معاملہ کرنے میں ان دونوں کے درمیان مشرق و مغرب کا فرق تھا، ابولہب آپ کا بڑا سخت دشمن تھا، جیسا کہ ہم نے جانا، اور ابوطالب اس کے بالکل برعکس تھے، رسول اللہ ﷺ ان کے لئے اللہ کی محبوب ترین مخلوق تھے، وہ آپ سے محبت کرتے، اچھا برتاؤ کرتے، آپ کا دفاع کرتے، اور آپ کی حمایت میں اپنی پوری قوم کی مخالفت کرتے، حالانکہ وہ انہی کے دین اور انہی کے عادات و تقالید پر سختی سے قائم تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں آپ کی فطری محبت کو راجح کر دیا تھا۔

عقیل بن ابوطالب کی روایت ہے کہ قریش ابوطالب کے پاس آکر کہنے لگے: آپ کے بھتیجے نے ہماری مجلسوں اور مسجد میں آکر ہمیں بہت تکلیف پہنچائی ہے، آپ اُسے روکئے۔ ابوطالب نے کہا: اے عقیل! جاؤ محمد کو میرے پاس لے کر آؤ۔ میں گیا اور انہیں ایک چھوٹے گھر سے نکال کر دو پہر کی سخت گرمی میں قریش کے پاس لایا۔

ابوطالب نے آپ سے کہا کہ تمہارے یہ چچا زاد لوگ کہہ رہے ہیں کہ تم انہیں ان کی مجلسوں اور ان کی مسجد میں بہت تکلیف پہنچاتے ہو، ایسا کرنے سے باز آ جاؤ، آپ ﷺ نے اپنی نظر آسمان کی طرف پھیر کر کہا: تم لوگ اس آفتاب کو دیکھ رہے ہو؟ لوگوں نے کہا، ہاں، آپ نے کہا: میں اپنی دعوت پیش کرنے سے اس عوض میں بھی

نہیں رُک سکتا کہ تم لوگ میرے لئے اس آفتاب کا ایک روشن ٹکڑا لاؤ۔ ابوطالب نے کہا: اللہ کی قسم! میرے بھتیجے نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، تم لوگ لوٹ جاؤ^(۱)۔

اور ابن اسحاق اور ان کی سند سے ابن جریر اور بیہقی روایت کرتے ہیں کہ قریش نے جب ابوطالب سے وہ بات کہی جو ابھی گزر چکی ہے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو بلا کر کہا: اے میرے بھتیجے! تمہاری قوم نے مجھے آکر ایسا اور ایسا کہا ہے۔ تم اپنی حفاظت کرو، اور مجھے بھی میری طاقت سے زیادہ زیر بار نہ کرو۔ تم اپنی قوم کو وہ بات نہ کہو جس کو وہ بُرا مانتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے سمجھا کہ شاید ان کے چچا کی رائے ان کے بارے میں بدل گئی ہے اور وہ آپ کو ان لوگوں کے حوالے کر دیں گے تو آپ ﷺ نے کہا: اے چچا! اگر میرے دائیں ہاتھ میں آفتاب اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیا جائے تب بھی میں اس دعوت کو نہیں چھوڑوں گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے غالب کر دے، یا میں اسی راہ میں ہلاک ہو جاؤں۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں ڈبڈبائیں اور رونے لگے۔

جب آپ واپس جانے لگے تو ابوطالب نے آپ کا یہ حال دیکھ کر کہا: اے میرے بھتیجے! تم اپنا کام کئے جاؤ، اور جو راہ تم نے اختیار کی ہے اس پر چلتے جاؤ۔ اللہ کی قسم! میں تمہیں ہرگز کسی کے حوالے نہیں کروں گا^(۲)۔

اہل قریش ابوطالب کے پاس اس کے پہلے بھی ایک بار آئے تھے اور کہا تھا: اے ابوطالب یا تو آپ اُس ہماری ایذا رسانی سے روکنے یا ہمارے درمیان سے ہٹ جائیے، اس لئے کہ آپ تو دین و عقیدہ میں ہمارے ہی جیسے ہیں، ہم لوگ اس سے نمٹ لیں گے، تو ابوطالب نے ان کو نرم بات کہہ کر واپس کر دیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ اپنی ڈگر پر چلتے رہے، اللہ کے دین کا اعلان کرتے رہے، اور لوگوں کو اس کی دعوت دیتے رہے، لیکن حالت دن بدن خراب ہوتی گئی، لوگ دن بدن آپ سے دور ہوتے گئے، اور ان کا کینہ بڑھتا گیا۔ اہل قریش اپنی مجلسوں میں اکثر و بیشتر آپ کا ذکر چھیڑ کر ایک دوسرے کو آپ کے خلاف اُکساتے رہے، یہاں تک کہ تیسری بار سب مل کر ابوطالب کے پاس پہنچے، اور آپ ﷺ کے بارے میں ان سے بہت کچھ کہا۔ تب ابوطالب نے آپ سے کہا کہ وہ ان کو ان کی طاقت سے زیادہ زیر بار نہ کریں، اس وقت آپ ﷺ نے وہ جواب دیا جو ابھی گزر چکا ہے کہ آپ دعوتِ اسلامیہ کا کام ہرگز نہیں چھوڑیں گے، چاہے اہل قریش آپ کے دائیں ہاتھ میں آفتاب اور بائیں ہاتھ میں چاند لا کر ڈال دیں، اور ارونے لگے، تو ابوطالب نے آپ کو قریش کے حوالے

(۱) تاریخ کبیر، بخاری: ۵۱۲۱/۳، مسند ابویعلیٰ: ۱۷۶/۱۲، اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مستدرک حاکم: ۵۷۷/۳۔

(۲) السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۱/۳۶۳، ۳۶۴، اس حدیث کی سند اگرچہ معضل ہے، اس لئے کہ اس کے راوی یعقوب بن یحییٰ بن عتبہ اتباع تابعین میں سے ہیں، کسی صحابی سے ان کی ملاقات نہیں ہوئی، لیکن اس کی تائید مذکور بالا حدیث سے ہوتی ہے جسے امام بخاری، ابویعلیٰ اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ روایت کی ہے۔

کرنے سے انکار کر دیا۔

جب قریش نے دیکھا کہ ابوطالب نے رسول اللہ ﷺ کو ان کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تو ایک دن عمارہ بن ولید بن مغیرہ کو لے کر ان کے پاس آئے اور کہا: اے ابوطالب! یہ عمارہ بن ولید ہے، جو قریش کا سب سے بھڑکیلا اور خوبصورت جوان ہے، اسے آپ لے لیجئے، یہ آپ کے ساتھ رہے گا، اور آپ کی مدد کرے گا، اسے آپ اپنا بیٹا بنا لیجئے، اور اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دیجئے جو ہمارے اور ہمارے آباء و اجداد کے دین کا شدید مخالف ہو گیا ہے تاکہ ہم اسے قتل کر دیں۔ ہم آپ کو ایک آدمی کے بدلے ایک آدمی دے رہے ہیں، تو ابوطالب نے کہا: اللہ کی قسم! کیسا بُرا معاملہ تم لوگ میرے ساتھ کرنا چاہتے ہو؟! تم لوگ مجھے اپنا بیٹا دو گے، میں اسے کھلاؤں گا، پلاؤں گا، اور میں تمہیں اپنا بیٹا دوں جسے تم لوگ قتل کر دو گے۔ اللہ کی قسم! ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔

مطمع بن عدی بن نوفل بن عبد مناف نے کہا: اللہ کی قسم! اے ابوطالب! آپ کی قوم نے آپ کے ساتھ انصاف کرنا چاہا ہے، اور اس چیز سے چھٹکار پانے کی پوری کوشش کی ہے، جسے آپ بھی ناپسند کرتے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ آپ ان کی طرف سے کوئی بات قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، ابوطالب نے کہا: اللہ کی قسم! انہوں نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا ہے، بلکہ تم تو مجھے رُسوا کرنا چاہتے ہو اور میرے خلاف پوری قوم کو ابھار رہے ہو۔ تم جو کرنا چاہو کر لو!! اس گفتگو کے بعد معاملہ مزید سنگین ہو گیا، جنگ کی آگ بھڑک اُٹھی اور اہل قریش کی عداوت اسلام اور مسلمانوں کے خلاف شدید تر ہو گئی۔

قریش کی عداوت انتہاء کو پہنچ گئی:

نبی کریم ﷺ اور مشرکین قریش کے درمیان اس صریح اور واضح گفتگو کے بعد جس نے آپ ﷺ کے ساتھ کفر و شرک پر مصالحت کی تمام امیدوں کو ختم کر دیا، ان کی عداوت بہت ہی بڑھ گئی اور ان سب نے آپ کی مخالفت اور دشمنی پر قطعی اتفاق کر لیا، اور آپ کے خلاف سازشوں اور ایذا رسانیوں کے تمام طریقے اختیار کرنے لگے، اپنے اوباشوں کو آپ کے خلاف ابھارا، اور آپ کو قتل یا شہر بدر کر دینا چاہا۔

گزشتہ ناکام کوششوں کے بعد رؤسائے قریش نے ایک آخری کوشش کرنی چاہی، چنانچہ سب لوگ جمع ہو کر آپ کے پاس آئے اور آپ سے کہا: اگر تم مال چاہتے ہو تو ہم تمہارے لئے اتنا مال جمع کر دیں گے کہ تم سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ گے، اور اگر تم سرداری چاہتے ہو تو ہم سب مل کر تمہیں اپنا سردار بنادیں گے، اور اگر تم بادشاہت چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنادیں گے، اور اگر تم پر کسی جن کا اثر ہے تو ہم اپنی دولت خرچ کر کے تمہارا علاج کرائیں گے، تاکہ تم شفیاب ہو جاؤ، یا ہم تمہیں معذور سمجھنے لگیں۔

آپ ﷺ نے ان سے کہا: تم جو کچھ کہہ رہے ہو، ان میں سے کوئی بات بھی صحیح نہیں، بلکہ اللہ نے مجھے رسول بنا کر مبعوث کیا ہے، اور مجھ پر قرآن کریم نازل کیا ہے، اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم سب کو جنت کی خوشخبری دوں، اور عذابِ نار سے ڈراؤں۔ میں نے تو تم تک اپنے رب کا پیغام پہنچایا ہے اور تمہاری خیر خواہی کی ہے، اگر تم میری دعوت کو قبول کر لو گے تو دنیا و آخرت میں یہ تمہاری خوش نصیبی ہوگی، اور اگر تم اس کا انکار کر دیتے ہو تو میں صبر کروں گا اور انتظار کروں گا، یہاں تک کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے۔

قریش کے غیر معقول مطالبات:

مشرکین مکہ نے جب دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے تمام مطالبات کو رد کر دیا ہے تو عقیدہ توحید کے انکار کے لئے آپ سے غیر معقول اور آپ کو عاجز بنادینے والے مطالبات کا سلسلہ شروع کر دیا، کہنے لگے: اے محمد! اگر تم ہماری کسی بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہو تو اپنے رب سے ہمارے لئے یہ سوال کرو کہ ہم سے ان پہاڑوں کو دور کر دے جنہوں نے ہم پر مکہ کی زمین کو تنگ کر رکھا ہے، ہمارے شہر کو کشادہ کر دے، اور اس میں ہمارے لئے شام و عراق کی نہروں کی مانند نہریں جاری کر دے، اور ہمارے مردہ آباء و اجداد کو دوبارہ زندہ کر دے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان سے معذرت کرتے ہوئے کہا: میں تمہارے پاس اس کام کے لئے نہیں بھیجا گیا ہوں۔ انہوں نے کہا: پھر تم اپنے رب سے یہ سوال کرو کہ وہ تمہاری تصدیق کے لئے تمہارے ساتھ ایک فرشتہ کو بھیج دے، اور تمہارے لئے بہت سے باغات و محلات اور سونے اور چاندی کے خزانے پیدا کر دے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے لئے اللہ سے اس کا سوال نہیں کر سکتا۔ مجھے تو اللہ نے صرف بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ انہوں نے کہا: تو پھر آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے اوپر گرادو۔ ہم اس کے بغیر تم پر ایمان نہیں لائیں گے۔ آپ نے فرمایا: یہ تو اللہ کا کام ہے۔

کافروں نے کہا: کیا تمہارے رب کو معلوم نہیں کہ ہم تم سے ایسا مطالبہ کریں گے، تاکہ وہ تمہیں پہلے سے ہی بتا دیتا اور تمہیں خبر دے دیتا کہ وہ ہمارے ساتھ کیا کرے گا اگر ہم نے تمہاری دعوت کو قبول نہیں کیا۔

اور ہمیں تو یہ خبر ملی ہے کہ یمامہ کا ایک آدمی جس کا نام ”الرحمن“ ہے، وہی تمہیں سکھاتا پڑھاتا ہے، ہم تو اللہ کی قسم! رحمن پر کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اے محمد! ہم نے تمہیں سمجھانے کی پوری کوشش کر لی۔

مشرکوں کی یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ ان کے پاس سے چل دیئے، اور آپ کے ساتھ آپ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا عبد اللہ بن ابوامیہ بھی چل پڑا، اور آپ سے کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں تم پر ہرگز ایمان نہیں لاؤں گا، یہاں تک کہ تم آسمان تک ایک سیڑھی لگا کر اس پر چڑھتے جاؤ اور میں تمہیں دیکھتا رہوں، یہاں تک

کہ تم آسمان پر پہنچ جاؤ، اور اپنے ساتھ چار فرشتوں کو لے آؤ جو تمہاری بات کی صداقت کی گواہی دیں۔ یہ کہہ کر وہ رسول اللہ ﷺ سے منہ پھیر کر واپس چلا گیا، اور رسول اللہ ﷺ مہموم و مغموم اپنے گھر والوں کے پاس واپس آگئے، اس لئے کہ آپ کی قوم نے آپ کی دعوت کو ٹھکرا دیا تھا^(۱)۔

معجزہ شق القمر:

مشرکین کے زعم باطل کے مطابق رسول اللہ ﷺ کو عاجز بنانے والے سوالوں میں سے ایک یہ تھا کہ آپ ﷺ انہیں چاند کو دو ٹکڑے کر کے دیکھائیں۔ اور وہ سمجھتے تھے کہ آپ ﷺ ایسا ہرگز نہیں کر سکیں گے۔ لیکن اللہ سبحانہ نے اس معجزہ کے ذریعہ اپنے نبی کی مدد فرمائی، آپ نے چاند کی طرف اشارہ کیا اور اس کے دو ٹکڑے ہو گئے، ایک ٹکڑا جبل ابی قیس کے اوپر نظر آنے لگا اور دوسرا جبل سویداء کے اوپر۔ جب انہوں نے یہ دیکھا تو کہنے لگے: ابن ابی کبشہ نے اُن کی آنکھوں کو مسح کر دیا ہے۔ کافروں نے آپ کا ذکر اس لقب کے ساتھ بطور حقارت کیا تھا، اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک و برباد کرے۔

یہ واقعہ بہت سی سندوں کے ساتھ مروی ہے، یہاں تک کہ شبہ متواتر ہو گیا ہے^(۲)۔

اصحاب کہف، ذوالقرنین اور روح کے بارے میں سوال:

رسول اللہ ﷺ کے خلاف اسی قسم کی تعجیزی کارروائی کے طور پر مشرکین مکہ نے نصر بن حارث اور عقبہ بن ابو معیط کو مدینہ کے علمائے یہود کے پاس بھیجا، تاکہ وہ ان سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھیں۔ یہودیوں نے ان دونوں سے کہا: تم لوگ اُس سے تین باتیں پوچھو؛ اگر وہ تمہیں ان کی صحیح خبر دے دے تو سمجھ لینا کہ وہ نبی مرسل ہے۔ ان سے اُن چند نوجوانوں کے بارے میں پوچھو جو زمانہ بعید میں گزر چکے ہیں کہ اُن کا کیا معاملہ تھا (یہی لوگ اصحاب کہف تھے) اور اس آدمی کے بارے میں پوچھو جس نے مشرق و مغرب تمام علاقوں کا دورہ کیا کہ اس کے متعلق تمہیں کیا معلوم ہے؟ اور تم لوگ اس سے روح کے بارے میں پوچھو کہ اس کی کیا حقیقت ہے؟ وہ دونوں مکہ واپس آئے، اور رسول اللہ ﷺ سے گزشتہ تینوں سوالات کئے، آپ نے ان سے کہا: میں تم لوگوں کو ان کا جواب کل دوں گا۔ اور آپ نے ان شاء اللہ نہیں کہا، تو پندرہ دنوں تک وحی کا نزول بند رہا، جس کے سبب رسول اللہ ﷺ بہت ہی زیادہ غمزدہ ہوئے، پھر سورۃ الکہف نازل ہوئی جس میں اللہ کی طرف سے اپنے رسول ﷺ کی تائید کے طور پر مذکورہ تینوں سوالات کے جوابات تھے۔

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۱۹۸-۱۹۵۔

(۲) البخاری، کتاب المناقب: حدیث (۳۶۲۶) ۷، (۳۶۳۸)، مسلم، صفات المنافقین: حدیث (۲۸۰۰)، دلائل الہدی: ۲۶۲/۲-۲۶۸۔

جب رسول اللہ ﷺ نے ان کے سامنے وہ بات پیش کر دی جس کے ذریعہ انہوں نے اسلام کی حقانیت کو پورے طور پر پہچان لیا تو ان کے جسم و جان میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی، اور اللہ کے خلاف کبر و غرور میں مبتلا ہو کر آپ کی اتباع کا انکار کر دیا، کفر و شرک پر ان کا اصرار مزید بڑھ گیا، اور مومنوں کی تعذیب اور ایذا رسانی کو اور تیز کر دیا^(۱)۔

اکابر مجرمین مکہ:

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام کو ایذا پہنچانے والے، اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے والے تو بہت تھے، لیکن مکی سوسائٹی میں جن لوگوں نے عداوت اسلام کا بیڑا اٹھا رکھا تھا، نئی سازشیں کرتے تھے، اور نبی کریم ﷺ کو ایذا پہنچانے کی ہر روز نئی نئی تدبیریں کیا کرتے تھے، اور بعثت نبوی کے بعد ان کی زندگی کا مقصد اسلام پر کاری ضربیں لگانے اور اسے ختم کر دینے کی انتہائی کوششیں کرنے کے سوا کچھ بھی نہ تھا، ان کے نام اسلام کی تاریخ میں معروف و مدون ہیں۔ اور ان میں سے بعض کے ذکر اور ان کی دسیسہ کاریوں اور اُن کے اُن شیطانی کارناموں کے بیان کرنے کا مقصد (جن کے سننے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل کانپنے لگتے ہیں) یہ ہے کہ ہم اپنے ذہنوں میں نبی کریم ﷺ کی صورت کو حاضر کریں اور سوچیں کہ کیسی قابل رحم حالت رہی ہوگی آپ کی، جب آپ ﷺ دعوت الی اللہ اور بھٹکتی اور گمراہ انسانیت کو راہ راست پر لانے کے لئے ان تمام روح فرسا ایذا رسانیوں کو برداشت کرتے تھے۔ ذیل میں ان بعض مجرمین سے متعلق کچھ باتیں پڑھئے:

ابو جہل:

اس کا نام عمرو بن ہشام بن مغیرہ مخزومی قرشی تھا، یہ رسول اللہ ﷺ کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ شعبہ نے قبیلہ کنانہ کے ایک آدمی سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بازار ذوالحجاز میں کہتے سنا: اے لوگو! تم "لا اِلهَ اِلاَ اللّٰه" کہو، کامیاب ہو جاؤ گے۔ اور آپ کے پیچھے کھڑا ایک آدمی آپ پر مٹی ڈال رہا تھا، وہ ابو جہل تھا اور کہہ رہا تھا: لوگو! یہ آدمی تمہیں تمہارے دین سے برگشتہ نہ کر دے۔ یہ چاہتا ہے کہ تم لوگ لات و عزیٰ کی عبادت کرنی چھوڑ دو^(۲)۔

اور حافظ ذہبی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مشرکین مکہ اور نبی کریم ﷺ کے درمیان ایک طویل مکالمہ

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۳۰۰-۳۱۳، دلائل التبیح: ۲۶۹/۲-۲۷۳۔

(۲) مسند احمد: ۳/ ۲۹۲، دلائل التبیح: ۱۸۶/۲۔

نقل کیا ہے، اور لکھا ہے کہ جب آپ ﷺ ان کے پاس سے لوٹے تو ابو جہل نے کہا: اے اہل قریش! محمد نے ہماری ہر بات کا انکار کر دیا ہے، ہمارے دین کی عیب جوئی کر رہا ہے، ہمارے آباء و اجداد کو گالی دیتا ہے اور ہم سب کو بے عقل کہتا ہے اور ہمارے معبودوں کو گالی دیتا ہے۔ میں اللہ سے تم سب کے سامنے اس بات کا عہد کرتا ہوں کہ میں کل ایک پتھر لے کر اس کی گھات میں بیٹھوں گا اور جب سجدہ کرے گا تو اس کا سر پکچل ڈالوں گا۔ اس کے بعد بنی عبد مناف کی سمجھ میں جو آئے ہمارے خلاف کرے۔

ابو جہل دوسرے دن صبح کو پتھر لے کر بیٹھ گیا، اور نبی کریم ﷺ دونوں رکنوں (رکنِ اسود اور رکنِ یمانی) کے درمیان نماز پڑھنے لگے، ان دنوں آپ شام کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے، اور اہل قریش اپنی مجلسوں میں بیٹھ کر دیکھنے لگے کہ کیا ہوتا ہے، جب رسول اللہ ﷺ نے سجدہ کیا، تو ابو جہل پتھر لے کر آپ کی طرف بڑھنے لگا، یہاں تک کہ جب آپ کے قریب پہنچا تو نہایت خوفزدہ ہو کر واپس بھاگا، اس کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا، اور اس کے دونوں ہاتھ پتھر پر جمے ہوئے تھے، پھر اس نے پتھر کو دور پھینک دیا۔

قریش کے کچھ لوگ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: ابو الحکم تمہیں کیا ہوا ہے؟ اس نے کہا: میں اپنے وعدے کے مطابق کر گزرنے کے لئے جب محمد کے قریب پہنچا تو میرے سامنے ایک مہیب و خطرناک اونٹ آ گیا۔ اللہ کی قسم! میں نے زندگی میں کبھی اس کے سر، اس کی گردن اور اس کے دانتوں کے جیسا نہیں دیکھا ہے۔ اس نے مجھے کھا جانا چاہا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ جبریل علیہ السلام تھے، اگر وہ مجھ سے قریب ہوتا تو جبریل اسے پکڑ لیتے^(۱)۔

اور ایک دوسری روایت میں آیا ہے جسے امام احمد اور امام بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ابو جہل نے کہا: اگر میں نے محمد کو کعبہ کے پاس نماز پڑھتے دیکھ لیا تو اس کی گردن کو اپنے پاؤں سے پکچل دوں گا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر وہ ایسا کرتا تو اُسے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے فرشتے پکڑ لیتے^(۲)۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ ابو جہل نبی کریم ﷺ کے پاس سے گزر ا جب آپ نماز پڑھ رہے تھے، تو اس نے کہا: کیا میں نے تمہیں نماز پڑھنے سے روکا نہیں تھا؟ تو نبی کریم ﷺ نے اسے ڈانٹ پلائی: ابو جہل نے کہا: اے محمد! تم مجھے کیوں ڈانتے ہو؟ اللہ کی قسم! تم خوب جانتے ہو کہ مکہ میں مجھ سے

(۱) السیرۃ النبویہ، ذہبی: ص ۸۸۔

(۲) مسند احمد: ۳۶۸/۱، صحیح البخاری: حدیث (۴۹۵۸)، سنن الترمذی: حدیث (۳۴۰۶)۔

زیادہ افراد کسی کے پاس نہیں ہیں، تو جبریل علیہ السلام نے وحی نازل کی: ﴿فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ۖ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ﴾ (پس وہ بلا لے اپنی مجلس کے لوگوں کو، ہم بھی جہنم کے داروغوں کو بلا لیں گے) [الحلق: ۱۸، ۱۷] ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اللہ کی قسم! اگر وہ اپنے لوگوں کو بلاتا تو عذاب کے فرشتے اسے دبوچ لیتے^(۱)۔

اور احمد، مسلم، نسائی، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ابو جہل نے کہا: کیا محمد اپنے چہرہ کو تم لوگوں کے سامنے زمین پر ڈالتا ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں، اس نے کہا: لات وعزلی کی قسم! اگر میں نے اسے اس طرح نماز پڑھتے دیکھا تو اس کی گردن کو اپنے پاؤں سے کچل ڈالوں گا، اور اس کے چہرے کو زمین پر رگڑ دوں گا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ آئے اور نماز پڑھنے لگے، تاکہ دیکھیں کہ وہ کس طرح آپ کی گردن کو کچلتا ہے؟ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ابو جہل آگے بڑھا اور پھر تیزی کے ساتھ پیچھے کی طرف بھاگنے لگا، اور اپنے دونوں ہاتھوں سے بچنے کی کوشش کرنے لگا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا: تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ اس نے کہا: میرے اور محمد کے درمیان آگ کا ایک خندق اور بہت سے پروں والا ایک خطرناک چہرہ حائل ہو گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر وہ میرے قریب ہوتا تو فرشتے اس کا ایک ایک عضو اچک لے جاتے^(۲)۔

ابو جہل کو جب ولید بن مغیرہ کے بارے میں خبر ملی کہ نبی کریم ﷺ نے اسے قرآن پڑھ کر سنایا تو اس پر رقت طاری ہو گئی تو اس سے کہا: اے چچا! آپ کی قوم آپ کے لئے بہت سارا مال جمع کرنا چاہتی ہے، اس لئے کہ آپ محمد کے پاس اس غرض کے لئے گئے تھے۔ ولید نے کہا: قریش کے لوگ خوب جانتے ہیں کہ میں ان میں سب سے زیادہ مالدار ہوں، ابو جہل نے کہا: پھر آپ اپنی قوم کو ایسی بات کہلا بھیجے جس سے وہ سمجھیں کہ آپ اس کی دعوت کے منکر ہیں یا اسے ناپسند کرتے ہیں۔ ولید نے بہت سوچنے کے بعد کہا: یہ کوئی جادو ہے جو لوگوں پر اثر انداز ہوتا ہے جس کے بعد یہ آیتیں نازل ہوئیں: ﴿ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا (۱۱) وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَمْدُودًا (۱۲) وَبَنِينَ شُهُودًا (۱۳) وَمَهْدَتْ لَهُ تَمَهِيدًا (۱۴) ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ (۱۵) كَلَّا إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا (۱۶) سَأَرْهِقَهُ صُعُودًا (۱۷) إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ (۱۸) فَقَتِلَ كَيْفَ قَدَرُ (۱۹) ثُمَّ قَتَلَ كَيْفَ قَدَرُ (۲۰) ثُمَّ نَظَرَ (۲۱) ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ (۲۲) ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ (۲۳) فَقَالَ إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْتَرُ (۲۴) إِنْ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ (۲۵) سَأُصْلِيهِ سَقَرَ (۲۶) وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرُ (۲۷) لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ (۲۸) لَوَاحِةٌ لِلْبَشَرِ (۲۹) عَلَيْهَا تِسْعَةُ عَشْرَ (۳۰)﴾ (آپ مجھے اور اس آدمی کو چھوڑ دیجئے جسے میں نے اکیلا پیدا کیا ہے، اور میں نے اسے کافی مال دیا ہے، اور لڑکے دیئے ہیں جو ہر وقت اس کے پاس موجود

(۱) مسند احمد: ۱/۲۳۸، ۳۲۹، اس حدیث کی سند صحیح ہے، سنن الترمذی: حدیث (۳۴۰۷)، ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۲) مسند احمد: ۲/۳۷۲، صحیح مسلم: حدیث (۲۷۹۷)، ابن جریر: ۲۵۶۳۰۔

رہتے ہیں، اور میں نے اس کے لئے سیادت کی راہ ہموار کر دی ہے، پھر وہ لالچ کرتا ہے کہ میں اُسے زیادہ دوں، ایسا ہرگز نہیں ہوگا، وہ تو ہماری آیتوں کا مخالف ہے، میں عنقریب اسے ایک بڑی چڑھائی چڑھاؤں گا، اس نے غور کیا اور ایک بات (دل میں) طے کر لی، پس وہ ہلاک ہو، اس نے کیسی بات سوچی، وہ پھر ہلاک ہو، اس نے کیسی بات سوچی، پھر اُس نے دیکھا، پھر اس نے پیشانی سیکیڑی اور بُرا سامنہ بنایا، پھر اُس نے پیٹھ پھیر لیا اور تکبر کیا، پھر کہنے لگا، یہ محض ایک جادو ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے، یہ محض کسی انسان کا قول ہے۔ میں عنقریب اسے جہنم میں ڈال دوں گا، اور آپ کو کیا معلوم کہ جہنم کیا ہے، نہ وہ کسی چیز کو باقی رکھے گی نہ چھوڑے گی، وہ تو کھال کو جلا ڈالنے والی ہوگی، اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں [سورۃ المدثر: ۱۱-۳۰] (۱)

اسی ابو جہل نے عتبہ بن ربیعہ کو نبی کریم ﷺ کے پاس بھیجا تھا، تاکہ آپ سے دعوت الی اللہ کا کام چھوڑ دینے کے سلسلے میں مفاہمت کرے، اس موقع سے جب آپ ﷺ نے اس کے سامنے سورۃ ﴿حَم﴾ (۱) تَنْزِيلٍ مِنَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ کی تلاوت کرتے ہوئے: ﴿أَنذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ﴾ (اگر پھر بھی (اہل مکہ) آپ کی دعوت سے منہ پھیرتے ہیں، تو آپ کہہ دیجئے کہ میں نے تمہیں عاد و ثمود کے عذاب کے مانند ایک عذاب سے ڈرا دیا ہے) [فصل: ۱۳] تک پہنچے تو عتبہ نے آپ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور رحمن کا واسطہ دے کر خاموش ہو جانے کی درخواست کی، اور بہت دیر تک اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر نہیں گیا، تو ابو جہل نے اس سے کہا: اے عتبہ اللہ کی قسم! ہم تو سمجھے کہ تم بے دین ہو گئے، اور پھر اسے اور دیگر رؤسائے قریش کو نبی کریم ﷺ کے خلاف برا بیچنے کرنے لگا (۲)

اور یہی ابو جہل تھا جس نے رسول اللہ ﷺ پر چھلانگ لگا کر آپ کے کپڑے کے ذریعہ آپ کا گلا گھونٹنے لگا، تاکہ آپ کو ہلاک کر دے، یہ اس وقت ہوا جب آپ ابو بکر اور عثمان رضی اللہ عنہما کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے تو عثمان نے اسے دھکا دے کر آپ سے الگ کیا (۳)

اور یہی ابو جہل مشرکین قریش کے ساتھ ایک دن کعبہ کے پاس بیٹھا رسول اللہ ﷺ کے خلاف سازش کر رہا تھا کہ آپ ان کے پاس پہنچ گئے اور فرمایا: تم سب کا بُرا ہو اور تمہارے ساتھی یعنی ابو جہل کا بُرا ہو، تو سب کی زبانیں کنگ ہو گئیں، اور کسی نے ایک کلمہ کہنے کی جرأت نہیں کی، تو ان میں سب سے زیادہ خمیٹ و پلید یعنی ابو جہل

(۱) السیرۃ النبویہ، حافظ ذہبی: ص ۸۹۔

(۲) السیرۃ النبویہ، حافظ ذہبی: ص ۹۱، ۹۲۔

(۳) الوقائع: ۳۰۲۔

آپ سے معذرت کرنے لگا اور کہنے لگا کہ تم ہمارے بتوں اور معبودوں کی برائی کرنا بند کر دو، اور ہم تمہاری بُرائی کرنا بند کر دیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں ہرگز باز نہیں آؤں گا، یہاں تک کہ تم اللہ پر ایمان لے آؤ، یا میں تمہیں قتل کر دوں۔ اس نے کہا: کیا تم مجھے قتل کرنے کی قدرت رکھتے ہو؟ آپ نے فرمایا: تمہیں اور ان لوگوں کو اللہ قتل کرے گا۔ اس نوک جھونک کے بعد ابو جہل اور دیگر مشرکین ذلیل و خوار ہو کر لوٹ گئے^(۱)۔

اور اسی ابو جہل نے کہا تھا: اگر محمد دوبارہ مقامِ ابراہیم کے پاس نماز پڑھتا ملے گا تو میں اسے قتل کر دوں گا۔ اور جب آپ ﷺ وہاں آکر نماز پڑھنے لگے تو اس سے کہا گیا: اب تمہیں کیا چیز روک رہی ہے؟ اس نے کہا: میرے اور اس کے درمیان لشکروں کی کثرت سے فضاء سیاہ ہو گئی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اللہ کی قسم! اگر وہ آپ کی طرف بڑھتا تو فرشتے اسے پکڑ لیتے اور لوگ اس کی طرف دیکھتے رہتے^(۲)۔

اور اسی ابو جہل نے ارشاد کے ایک آدمی سے اونٹ خرید اور قیمت ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنے لگا تو قریش کے بد معاشوں نے اسے نبی کریم ﷺ کے پاس بھیج دیا اور کہا: اس کے پاس جاؤ، وہ تمہیں ابو جہل کے پاس لے جائے گا، اور ان کا مقصد نبی کریم ﷺ کا مذاق اڑانا تھا، اس لئے کہ وہ آپ سے ابو جہل کی شدید ترین عداوت کو خوب جانتے تھے۔ وہ ارشاد آپ ﷺ کے پاس گیا اور اپنی بات آپ سے کہی، آپ ﷺ ابو جہل کے پاس گئے اور اس کا دروازہ کھٹکھٹایا، جب وہ نکلا تو اس کے چہرے پر خون کا ایک قطرہ بھی نہیں تھا، اور اس کا رنگ اڑا ہوا تھا، آپ ﷺ نے اس سے کہا: اس آدمی کا حق اسے فوراً دے دو، اس نے فوراً اس کا حق ادا کر دیا۔ جب کافروں نے ابو جہل سے پوچھا تو اس نے کہا: تم سب کا بُرا ہو، اللہ کی قسم اس نے جوں ہی میرا دروازہ کھٹکھٹایا اور میں نے اس کی آواز سنی تو مجھ پر خوف و دہشت طاری ہو گئی، اور پھر فوراً ہی اس کے پاس نکل کر آیا، تو دیکھا کہ اس کے سر کے اوپر ایک بہت ہی خوفناک اونٹ ہے جس کے سر، گردن اور دانتوں کی مانند میں نے کبھی بھی کوئی اونٹ نہیں دیکھا تھا، اللہ کی قسم! اگر میں انکار کر دیتا تو وہ مجھے کھا جاتا^(۳)۔

اور بیہقی نے اپنی سند کے ذریعہ ابواسحاق سے روایت کی ہے کہ ایک بار نبی کریم ﷺ ابو جہل اور ابوسفیان کے پاس سے گزرے تو ابو جہل نے کہا: اے بنی عبد شمس! یہ ہے تم لوگوں کا نبی، ابوسفیان نے کہا: تمہیں ہم میں سے ایک نبی مبعوث ہونے پر تعجب ہے، حالانکہ نبی تو ہم لوگوں سے کم حسب و نسب اور کم عزت و شرف والوں

(۱) الوقائع: ۳۰۲/۱۔

(۲) السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۴۶۷۔

(۳) مصدر سابق: ۴۶۹/۱، ۴۷۰۔

میں ہوتا رہا ہے، ابو جہل نے کہا: مجھے تعجب ہے کہ بڑی عمر والے لوگوں کے ہوتے ہوئے ایک لڑکا نبی ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ان دونوں کی یہ بات سن رہے تھے، آپ ان کے پاس آئے اور کہا: اے ابوسفیان! تمہاری ناراضگی اللہ اور اس کے رسول کے لئے نہیں تھی، بلکہ تم اپنے قبیلہ اور خاندان کی حمیت میں ناراض ہو رہے تھے، اور تم اے ابوالحکم! اللہ کی قسم! بہت کم ہنسو گے اور بہت زیادہ روؤ گے۔ ابو جہل نے کہا: اے میرے بھتیجے! تم اپنی نبوت کے ذریعہ مجھے بہت بُری دھمکی دے رہے ہو۔

اور ایک دن تو ابو جہل ملعون نے اپنے حسد اور کبر و غرور کا پردہ فاش کر ہی دیا، جب اس کے پاس اخنس بن شریک آیا اور کہنے لگا: اے ابوالحکم! آپ نے محمد کو قرآن پڑھتے سنا ہے، اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا: تمہیں کیا بتاؤں، ہم میں اور بنو عبد مناف میں عزت و شرف کے لئے مقابلہ ہوا، انہوں نے لوگوں کو کھانا کھلایا تو ہم نے بھی کھلایا، انہوں نے لوگوں کا بار اٹھایا تو ہم نے بھی اٹھایا، اور انہوں نے لوگوں کو اپنا مال دیا تو ہم نے بھی دیا، یہاں تک کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے برابر چلتے رہے، بالآخر انہوں نے کہا کہ ہم میں سے ایک نبی مبعوث ہوا ہے جس کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے، تو ہم اس جیسی عزت و شرف کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں؟ اس لئے اللہ کی قسم! ہم اس پر کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے، اور اس کی کبھی تصدیق نہیں کریں گے^(۱)۔ اور انہی اکابر مجرمین قریش میں سے ملعون ابولہب بن عبدالمطلب تھا، یہ شخص نبی کریم ﷺ کی مخالفت میں بہت سے دور کے رشتہ داروں سے بھی بڑھ چڑھ کر تھا، آپ ﷺ کے خلاف سازشوں میں اس کی بھگتی بیوی امّ جمیل بنت حرب بن اُمیہ پورے طور پر ساتھ دیتی تھی۔ یہی بتی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ بد بخت عورت آپ ﷺ کی راہ میں کانٹے بچھا دیتی تھی، تاکہ آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام کے قدموں میں چھب جائیں، یہ دلیل تھی اس بات کی کہ یہ عورت غایت درجہ کمینہ اور خسیس تھی اور آپ ﷺ کے خلاف اس کا بغض انتہاء کو پہنچا ہوا تھا، اور ابھی کچھ پہلے ابولہب، اس کی بیوی اور اس کے دونوں بد معاش لڑکوں کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بدترین معاملہ کا ذکر گزر چکا ہے۔

اور انہی میں عقبہ بن ابی معیط تھا، جس نے آپ ﷺ کی پیٹھ پر اونٹ کی او جھڑی ڈال دی، جب آپ مسجد حرام میں نماز پڑھ رہے تھے اور قریش کے کچھ لوگ اس پاس بیٹھے یہ سب کچھ دیکھتے رہے، آپ سجدے میں گرنے رہے، یہاں تک کہ آپ کی چھوٹی بیٹی فاطمہ آئیں اور آپ کی پیٹھ سے اس او جھڑی کو الگ کیا۔ اُس وقت رسول اللہ ﷺ نے دعا کی کہ اے اللہ! قریش کے ان سرداروں سے تو نمٹ لے۔ اے اللہ! تو عقبہ بن ربیعہ

(۱) السیرۃ النبویہ، حافظ ذہبی: ص ۹۳، اور اسے بتی نے اسناد حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، دیکھئے صحیح السیرۃ النبویہ، البانی: ص ۱۶۲۔

سے نمٹ لے۔ اے اللہ! تو شیبہ بن ربیعہ سے نمٹ لے، اے اللہ! تو ابو جہل بن ہشام سے نمٹ لے، اے اللہ! تو عقبہ بن ابی معیط سے نمٹ لے، اور اے اللہ! تو ابی بن خلف سے نمٹ لے۔ اور ایک روایت میں ابی کے بجائے اُمیہ بن خلف کا نام آیا ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں نے ان تمام کو جنگ بدر میں مقتول دیکھا، پھر انہیں گھسیٹ کر کنویں میں ڈال دیا گیا، سوائے ابی بن خلف یا اُمیہ بن خلف کے، وہ بھاری جسم کا آدمی تھا، گھسیٹے جانے سے اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے (۱)۔

اس عقبہ بن ابی معیط ملعون نے نبی کریم ﷺ کا گلا گھونٹ کر آپ کو ہلاک کر دینا چاہا، اس واقعے کی تفصیل یہ ہے کہ ایک بار نبی کریم ﷺ حجر کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ وہاں اچانک یہ شخص آگیا، اور اپنا کپڑا آپ ﷺ کی گردن میں ڈال دیا، اور پوری قوت سے آپ کا گلا گھونٹنے لگا۔ اسی وقت وہاں ابو بکر آگئے، اور عقبہ کا مونڈھا پکڑ کر آپ سے الگ کر دیا، اور کہا: کیا تم لوگ ایک آدمی کو اس لئے قتل کر دینا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے (۲)۔ یہ عقبہ نبی کریم ﷺ کا پڑوسی تھا اور ابو لہب کے ساتھ مل کر آپ کے خلاف سازش کرتا تھا، اس نے ایک بار زعمائے قریش کو بلایا۔ ان میں رسول اللہ ﷺ بھی تھے، آپ نے قسم کھا کر اس سے کہا کہ جب تک وہ اللہ پر ایمان نہیں لائے گا، آپ کھانا نہیں کھائیں گے، تو اس نے کلمہ شہادت پڑھ لیا۔ جب یہ خبر ابی بن خلف کو ملی جو اس کا دوست تھا تو اس نے اس سے کہا: میرے لئے تمہارا دیکھنا حرام ہے، جب تک کہ تم محمد سے مل کر اس کی گردن کو رو بند نہیں دو گے، اس کے چہرے پر تھوک نہیں دو گے اور اس کی آنکھ پر گھونسا نہیں مارو گے، چنانچہ اس ملعون نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایسا ہی کیا، تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا﴾ (۲۷) يَا وَيْلَتَى لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فَلَانًا خَلِيلًا (۲۸) لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُولًا (۲۹) (اور جس دن ظالم آدمی (مارے افسوس کے) اپنے دونوں ہاتھ کاٹ کھائے گا، کہے گا: اے کاش! میں رسول کی راہ پر چلا ہوتا، ہائے افسوس! کاش میں نے فلاں کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا، جس نے میرے پاس قرآن آجانے کے بعد اسے قبول کرنے سے مجھے بہک دیا، اور شیطان کا کام انسان کو رسوا کرنا ہی ہے) [الفرقان: ۲۷-۲۹] (۳)۔

اور انہی میں سے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا باپ عاص بن وائل تھا، جو رسول اللہ ﷺ کا سخت دشمن تھا،

(۱) السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۴۶۸۔

(۲) مصدر سابق: ۴۰۱۔

(۳) الدر المنثور، سیوطی: ۸۶/۵، تفسیر طبری: ۸/۹۱۔

آپ ﷺ کا مذاق اڑایا کرتا تھا اور موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کرتا تھا، کہتا تھا کہ محمد نے اپنے ساتھیوں کو یہ کہہ کر دھوکے میں رکھا ہے کہ وہ موت کے بعد دوبارہ زندہ کئے جائیں گے، اللہ کی قسم! ہمیں تو زمانہ ہلاک کر دے گا، اور ہم مٹی میں گل کر ختم ہو جائیں گے۔ حَبَّابُ بْنُ الْأَرْتِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ کا اس کے ذمے قرض تھا، انہوں نے اس سے مطالبہ کیا، تو کہنے لگا کہ کیا محمد کا یہ خیال نہیں ہے کہ جنت میں اہل جنت کو ان کی خواہش کے مطابق سب کچھ ملے گا؟ حَبَّابُ نے کہا: ہاں، تو اس نے کہا: پھر مجھے اس دن تک کے لئے مہلت دے دو۔ مجھے جب اس دن مال و اولاد کا کثیر حصہ ملے گا تو تمہارا قرض چکا دوں گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا (۷۷) أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمْ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا (۷۸) كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا (۷۹) وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا﴾ (کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور کہا کہ یقیناً مجھے (آخرت میں بھی) مال اور اولاد ملے گی، کیا وہ غیب کی خبر رکھتا ہے، یا اُس نے رَحْمَن سے کوئی عہد لے رکھا ہے، ہر گز نہیں (دونوں میں سے کوئی بات نہیں ہے) وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اُسے ہم لکھ رہے ہیں، اور اس کے لئے ہم عذاب کو خوب بڑھا دیں گے، اور وہ جس مال و اولاد کی بات کر رہا ہے، اُسے ہم اس سے واپس لے لیں گے، اور وہ تنہا ہمارے سامنے آئے گا) [مریم: ۷۷-۸۰]۔

یہ شخص ایک بار رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا تو آپ ﷺ نے اس کے پاؤں کے تلوے کی طرف اشارہ کر دیا، اس وقت وہ ایک گدھے پر سوار ہو کر طائف جا رہا تھا، ایک ہلکے سبزے کے پاس پہنچ کر اس کا گدھا بدک گیا، اور وہ زمین پر گر گیا، اس وقت اس کے تلوے میں ایک کاٹنا چھ گیا جس سے اس کے پاؤں میں ورم آ گیا، یہاں تک کہ اونٹ کی گردن کی مانند ہو گیا اور موت نے اسے آدھ بچا (۱)۔

اور اللہ اور اس کے رسول کے انہی بدترین دشمنوں میں سے مندرجہ ذیل اشخاص بھی تھے: اسود بن مطلب بن اسد ابوزمعه، اسود بن عبد یغوث بن وہب بن عبد مناف بن زہرہ، ولید بن مغیرہ، حارث بن طلطلہ، اور حارث بن قیس سہمی۔ یہ سبھی لوگ شریپندی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھے، اور نبی کریم ﷺ کی ایذا رسانی اور آپ کا مذاق اڑانا ان کا مشغلہ تھا، انہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ (۹۵) الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ﴾ (ہم مذاق اڑانے والوں سے نمٹنے کے لئے آپ کی طرف سے کافی ہیں، جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو شریک بناتے ہیں، تو وہ عنقریب جان لیں گے) [الحجر: ۹۵]۔

(۱) دلائل النبوة، ابو نعیم: ۳۵۵، ۳۵۶، السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۸۷، ۸۸۔

ان میں سے اسود بن مطلب کو اللہ تعالیٰ نے اندھا بنادیا، اور اس کے بیٹے کو ہلاک کر دیا، اور اسود بن عبد یغوث کو بادِ سموم کے شدید جھونکے نے ایسا متاثر کیا کہ اس کا پورا جسم سیاہ ہو گیا اور ہلاک ہو گیا۔ اس وقت اسے یہ کہتے سنا گیا کہ مجھے محمد کے رب نے قتل کر دیا۔ اور ولید بن مغیرہ مخزومی بنو خزاعہ کے ایک ایسے شخص کے زہر آلود تیروں کے اوپر سے پاؤں رکھ کر گزر ا جو دھوپ میں سوکھ رہے تھے، اس کا پاؤں پڑتے ہی ایک تیر ٹوٹا اور اُس کے بازو کی رگ میں جا کر پیوست ہو گیا اور اسے ہلاک کر دیا، اور آپ ﷺ حارث بن طلطلہ کے پاس سے گزرے تو اس کے سر کی طرف اشارہ کر دیا، جس کے بعد اس کا سر پیپ سے بھر گیا اور کچھ دیر بعد وہ ہلاک ہو گیا۔ اور حارث بن قیس سہمی نے ایک بار نمک ملی ہوئی مچھلی کھائی، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کوئی تازہ مچھلی کھائی جس کے بعد اسے سخت پیاس لگی اور وہ شخص پانی پیتا رہا، یہاں تک کہ اس کا پیٹ پھٹ گیا اور ہلاک ہو گیا، اسے بھی مرتے وقت یہ کہتے سنا گیا کہ مجھے محمد کے رب نے قتل کر دیا^(۱)۔

اور انہی شیاطینِ قریش میں سے نصر بن حارث تھا، جو آپ ﷺ کی تکذیب اور آپ اور آپ کے صحابہ کی ایذا رسانی میں پیش پیش رہتا تھا، یہ شخص لوگوں کو جمع کر کے اہل فارس کی کتابیں پڑھ کر سناتا تھا، تاکہ انہیں قرآنِ کریم اور حدیثِ رسول سننے سے روکے، اور یہ شیطان ہمیشہ قرآن اور رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑایا کرتا تھا، یہ مجرم جنگِ بدر میں قیدی بنالیا گیا، اور اس کی شرارتوں کی کثرت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے اس کی گردن مار دینے کا حکم دے دیا، چنانچہ وہ قتل کر دیا گیا۔

اور انہی بد معاشوں میں سے خلف کے دونوں بیٹے ابی اور امیہ بھی تھے، یہ دونوں بھی رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام سے بڑی سخت دشمنی رکھتے تھے، اور ہر دم آپ کے درپے آزار رہتے تھے، اور اللہ کے دین کا مذاق اڑانا ان دونوں کا رات دن کا مشغلہ تھا، یہی ابی ایک بار رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اس کے ہاتھ میں ایک ہڈی تھی جسے اس نے رگڑ کر گرد بنادیا اور کہنے لگا: تمہارا یہ گمان ہے ناکہ تمہارا رب اس ہڈی کو دوبارہ زندہ کرے گا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں نازل فرمایا: ﴿وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ﴾ (۷۸) قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ (اور ہمارے لئے مثال بیان کرتا ہے، اور اپنی تخلیق کی حقیقت کو بھول گیا ہے، کہتا ہے کہ ان ہڈیوں کو گل سڑ جانے کے بعد کون زندہ کرے گا؟ آپ کہہ دیجئے کہ انہیں وہ اللہ زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، اور وہ اپنی تمام مخلوقات کے بارے میں پورا علم رکھتا ہے) [یس: ۷۸-۷۹]۔

(۱) دلائل النبوة، ابو نعیم: ۱/۳۵۶، ۳۵۲، السيرة النبوية، ابن کثیر: ۸۵۲-۸۷، ۸۷-۸۸۔

اور اس کے بھائی امیہ نے عقبہ بن ابی معیط سے اس بات کا عہد لیا تھا کہ وہ آپ ﷺ کی گردن کو اپنے پاؤں سے کچل دے گا اور آپ کے چہرے پر تھوک دے گا، چنانچہ ملعون عقبہ نے ایسا ہی کیا، یہ امیہ میدان بدر میں قتل کیا گیا اور اسے گھسیٹ کر دیگر مجرمین قریش کے ساتھ کنوئیں میں ڈال دیا گیا، اور اس کے بھائی ابی کو رسول اللہ ﷺ نے میدان احد میں ایک نیزے کے ذریعہ اس کی پسلی میں ضرب لگائی جس کے اثر سے مکہ جاتے ہوئے بُری طرح ہلاک ہوا۔

اور انہی مجرمین مکہ میں سے عُبَیہ اور مُنَبِّہ بھی تھے، یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑاتے اور آپ سے کہتے: کیا تمہارے رب کو نبی بنانے کے لئے کوئی اور نہیں ملا تھا، یہ دونوں بھی میدان بدر میں مارے گئے۔ مُنَبِّہ کو علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا اور دوسرا یعنی عُبَیہ میدان جنگ میں مارا ہوا پایا گیا۔

زعمائے قریش کو قتل و ہلاکت کی دھمکی:

اُس ابتدائے عہد اسلام میں مشرکین مکہ کا بالعموم اور ان کے زعماء و رؤساء کا بالخصوص یہ مشغلہ بن گیا تھا کہ وہ ہر وقت رسول اللہ ﷺ کی ایذا رسانی، آپ کا مذاق اڑانے، آپ کے بارے میں طنز و تعریض، آپ کے خلاف سازشیں کرنے اور آپ ﷺ کے بارے میں بدکلامی میں لگے رہتے تھے، اور جب کبھی اپنی مجلسوں میں اور خانہ کعبہ کے گرد جمع ہوتے تو یہی باتیں سوچتے اور آپس میں آپ ہی کے خلاف مشورے کرتے۔

ان تمام مشرکین کے اعصاب پر یہی بیمار اور متعفن فکر سوار رہتی تھی، اور ان کی وجہ سے نبی کریم ﷺ عجیب آزمائش میں پڑے رہتے تھے، جب بھی کہیں جاتے تو یہ مشرکین ان کے پیچھے لگے رہتے، اور جب خانہ کعبہ کے پاس آکر نماز پڑھتے تو آپ کی طرف دیکھ دیکھ کر آپس میں آپ کے خلاف سرگوشیاں کرتے، اور جب آپ بیت اللہ کا طواف کرنے لگتے تو آپ کے قریب آکر آپ پر جملے چست کرتے، یہ مجرمین ایک لمحہ کے لئے بھی آپ کو اپنے گھر کے باہر آرام نہ کرنے دیتے، انہوں نے سرزمین مکہ کو آپ پر تنگ کر دیا تھا، جس کے سبب آپ اندر ہی اندر بیزار اور گھٹتے رہتے۔

انہی دنوں ایک بار زعمائے قریش خانہ کعبہ کے حجر والے حصے میں جمع ہو کر آپ ﷺ کے بارے میں کہہ رہے تھے کہ ہم نے اس آدمی کی طرف سے صبر کرنے کی انتہاء کر دی، اس نے ہم سب کو بے وقوف کہا، ہمارے آباء و اجداد کو گالی دی، ہمارے دین کی عیب جوئی کی، ہمارے درمیان تفریق پیدا کر دی، اور ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا کہا، اور اب ہم اس کی جانب سے صبر کی انتہاء کو پہنچ چکے ہیں۔

یہ لوگ اپنی انہی باتوں میں لگے تھے کہ رسول اللہ ﷺ آئے اور حجر اسود کا استلام کر کے طواف کرتے ہوئے ان کے پاس سے گزرے تو انہوں نے اپنی خبیث عادت کے مطابق آپ کی طرف اشارہ کر کے ایذا رسانی کی کوئی بات کہی جس کے سبب رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک متاثر ہوا، آپ آگے بڑھ گئے اور جب دوبارہ ان کے پاس سے گزرے تو پھر پہلی بار کی طرح آپ پر کوئی طنزیہ جملہ چست کیا، جس کا اثر آپ کے چہرہ پر ظاہر ہوا، آپ پھر آگے بڑھ گئے، اور تیسری بار ان کے پاس سے گزرے اور انہوں نے پہلے کی طرح آپ پر کوئی جملہ چست کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے بل قریش! سن لو، اُس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں تمہارے قتل کا سامان لے کر آیا ہوں۔ اس بات سے تمام مشرکین خوفزدہ ہو گئے اور ایسا لگا کہ جیسے ان کے سر پر کوئی چڑیا بیٹھی ہوئی ہو، یہاں تک کہ ان میں سب سے زیادہ آپ سے دشمنی اور آپ کی ایذا رسانی کرنے والا آپ کو خاموش کرنے لگا اور آپ کی ناراضگی کو دور کرنے لگا، اس نے کہا: اے ابوالقاسم! آپ اپنی معروف سنجیدگی کے ساتھ گھر لوٹ جائیے، اللہ کی قسم! آپ تو کبھی بھی نادان نہیں تھے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اپنے گھر لوٹ گئے۔

دوسرے دن مشرکین پھر حجر میں جمع ہوئے۔ راوی حدیث عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ میں بھی ان کے ساتھ تھا، وہ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے: کل محمد نے تم سے کچھ کہا، اور تم نے اس سے کچھ کہا، یہاں تک کہ جب اس نے تم سے تکلیف دہ بات کہی تو اسے تم لوگوں نے چھوڑ دیا، وہ لوگ اسی قسم کی بات کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ان کے سامنے آگئے، تمام مل کر آپ پر دوڑ پڑے، اور آپ کو گھیر کر کہنے لگے کہ تم ہی ایسا اور ایسا کہتے ہو؟ یعنی آپ ﷺ جو کچھ ان کے معبودوں اور ان کے دین کے بارے میں کہا کرتے تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں، میں ہی ہوں، جو ایسا اور ایسا کہتا ہوں۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے ان میں سے ایک آدمی کو (وہ عقبہ بن ابی معیط تھا) دیکھا کہ اس نے آپ کی چادر کو پلیٹ کر پکڑ لیا، اور ابو بکر انہیں بچانے لگے، اور رورو کر کہنے لگے: کیا تم لوگ ایک ایسے آدمی کو قتل کر دینا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ پھر وہ سب آپ سے الگ ہو گئے^(۱)۔

قریش پر آپ ﷺ کی بددعا:

بخاری و مسلم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے خلاف قریش کی سازشیں حد سے گزر گئیں اور انہوں نے اسلام لانے میں تاخیر کی تو آپ نے دعا کی کہ اے اللہ! تو ان قریشیوں کے خلاف یوسف بن یعقوب کی سات چیزوں کی مانند سات چیزوں سے میری مدد فرما۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر

(۱) مسند احمد: ۲/۲۱۸، اس کی سند حسن ہے، میر تقی میر: ۱/۲۸۹، ۲۹۰۔

انہیں قحط سالی نے آگھرا، یہاں تک کہ ہر چیز جڑ سے اکھڑ گئی اور مشرکین قریش مردہ کھانے پر مجبور ہو گئے۔ اور بھوک کی شدت سے ان کی حالت اتنی دگرگوں ہو گئی کہ ان کو اپنے اور آبیان کے درمیان ایک دھواں جیسا نظر آتا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس قحط سالی کو دور کر دیا۔ اور آپ نے یہ آیت پڑھی: ﴿إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ﴾ (ہم چند دنوں کے لئے عذاب ہٹا دیں گے، تم اپنی پہلی حالت پر لوٹ آؤ گے) [الدخان: ۱۵]۔ راوی کہتے ہیں کہ قحط سالی دور ہونے کے بعد وہ سب کے سب اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹ گئے اور کفر پر مصر رہے، یہاں تک کہ جنگ بدر کا زمانہ آگیا۔

نبیہتی کی ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے مُردے، چمڑے اور ہڈیاں تک کھائیں۔ اُس وقت ابوسفیان اور کچھ دیگر اہل مکہ آپ کے پاس آئے اور کہا: اے محمد! تم کہتے ہو کہ تمہیں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے، اور تمہاری قوم ہلاک ہو رہی ہے، تم اللہ سے ان کے لئے دعا کرو۔ تو آپ ﷺ نے دعا کی، اور بارش ہوئی، اور ایسی موسلا دھار بارش ہوئی کہ لوگ بارش کی کثرت کی شکایت کرنے لگے تو آپ ﷺ نے دعا کی: اے اللہ! ہمارے ارد گرد بارش ہو، ہمارے اوپر بارش نہ ہو۔ اس دعا کے بعد فوراً ہی آپ کے سر کے اوپر سے بادل چھٹ گیا، اور مکہ کے گرد و نواح میں بارش ہونے لگی (۱)۔

روم کے اہل کتاب کا فارس کے مجوسیوں پر غلبہ اور دعوتِ اسلامیہ پر اس کا خوشگوار اثر:

نبیہتی نے گزشتہ واقعات کا ذکر کرنے کے بعد روم کے اہل کتاب پر فارس کے مجوسیوں کے غلبہ اور پھر فارس پر روم کے غلبہ کا ذکر کیا ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا مندرجہ ذیل کلام نازل ہوا: ﴿الْأَم (۱) غَلَبَتِ الرُّومُ (۲) فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ (۳) فِي بَضْعِ سِنِينَ لِلَّهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَعْذُ وَيُؤْمِنْ يَضْحُ الْمُؤْمِنُونَ (۴) يَنْصُرَ اللَّهُ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾ (۱) اہل روم مغلوب ہو گئے، قریب کی سرزمین (شام) میں، اور وہ اپنی مغلوبیت کے بعد عقرب ہی (اپنے دشمن اہل فارس پر) غالب آجائیں گے، چند ہی سالوں میں، پہلے بھی ہر چیز کا اختیار صرف اللہ کو حاصل تھا، اور بعد میں بھی صرف اسی کو حاصل رہے گا، اور اُس دن مومنین خوش ہو جائیں گے، اللہ کی نصرت و تائید پر، وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے، اور وہ غالب ہے، بے حد مہربان ہے) [الروم: ۱-۵]۔

اس کے بعد نبیہتی نے لکھا ہے کہ رومیوں کے غلبہ کا مسلمانوں کی نفسیات پر بہت ہی اچھا اثر ہوا اور وہ بہت سے قریشی اور غیر قریشی مشرکین کو اسلام کی حقانیت کے بارے میں قانع کرنے لگے، اور انہیں یقین ہو گیا کہ

(۱) دیکھئے: صحیح السیرۃ النبویہ، البانی، ص ۲۲۶-۲۲۸۔

اسلام ایک دن مشرکین ہی نہیں بلکہ اہل کتاب پر بھی اللہ کے حکم سے غالب ہو کر رہے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اس دین کو دنیا کے تمام ادیان پر غالب کرے گا۔

امام زہری کی روایت کے مطابق اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مشرکین مکہ مسلمانوں سے کہتے تھے کہ روم کے لوگ اہل کتاب ہیں اور ان پر فارس والے غالب آگئے ہیں، اور تم مسلمان یہ سمجھتے ہو کہ تمہارے نبی پر جو کتاب نازل ہوئی ہے اس کے ذریعہ تم بھی ہم پر غالب آ جاؤ گے، تو ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم تم پر غالب رہیں گے، جیسا کہ فارس والے اہل روم پر غالب آ گئے ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿الْمَغْلُوبَةُ رُومٌ﴾ (الم، اہل روم مغلوب ہو گئے ہیں) (الروم: ۱-۴)۔

ان آیتوں کے نزول کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ابی بن خلف سے بازی لگائی (جو ا کے حرام ہونے سے پہلے) کہ فارس والے پانچ سالوں میں مغلوب ہو کر رہیں گے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا: ابو بکر! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ اس لئے کہ دس سے کم عدد پر نفع (یعنی چند) کا اطلاق ہوتا ہے، چنانچہ اہل روم اس مراہمت (بازی لگانے) کے ساتوے سال کی ابتدا میں اہل فارس پر غالب آ گئے۔ سفیان کہتے ہیں: میں نے سنا ہے کہ وہ لوگ جنگ بدر کے دن غالب ہوئے تھے، جیسا کہ ترمذی نے سورۃ الروم کی تفسیر کے ضمن میں اس حدیث کو بیان کیا ہے۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما ان آیات کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ یہ مراہمت اہل فارس اور اہل روم کے بارے میں تھی، اور پہلے فارس والے اہل روم پر غالب آئے پھر اہل روم کا ان پر غلبہ ہو گیا، اور اللہ کے نبی ﷺ کی جنگ بدر کے دن مشرکین عرب سے مڈبھیڑ ہوئی، اور اُدھر روم و فارس کی مڈبھیڑ ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ اور مسلمانوں کو مشرکین عرب پر اور رومی اہل کتاب کو فارس کے مجوسیوں پر غلبہ دیا۔ اس لئے مسلمانوں کو دو خوشیاں ملیں؛ اللہ نے انہیں مشرکین پر غلبہ دیا، اور اہل کتاب کو مجوسیوں پر۔ اور یہی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿وَيَوْمَئِذٍ يُضْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ﴾ (۴) بِنَصْرِ اللَّهِ سے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس نصرت و کامیابی سے اسلام کو بہت ہی قوت ملی۔

علاء بن زبیر گلابی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے روم پر فارس کا غلبہ دیکھا، پھر روم کا غلبہ فارس پر، پھر میں نے مسلمانوں کا غلبہ فارس اور روم پر دیکھا، اور شام و عراق پر ان کی حکومت و سلطنت دیکھی، یہ سب کچھ اللہ کی توفیق سے صرف پندرہ سال میں ہوا (۱)۔

(۱) دیکھئے: دلائل التبیحی: ۳۳۰-۳۳۴، السیرۃ النبیہ، ابن کثیر: ۹۲، ۹۱، ۹۲، تفسیر قرطبی، تفسیر سورۃ الروم۔

سرزمین مکہ رسول اللہ ﷺ پر تنگ ہو گئی:

رسول اللہ ﷺ سے مشرکین مکہ کی شدید عداوت، انتہائی کینہ اور غایت درجہ کے بغض کے جن واقعات کا میں نے اب تک ذکر کیا ہے، یہ حقیقتِ حال کا تھوڑا سا حصہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کسی بھی قادر الکلام کاتب کا قلم کفارِ مکہ کی رسول اللہ ﷺ سے عداوت کی حقیقی تصویر کشی سے عاجز ہے۔ ان مشرکین مکہ نے ظلم و طغیان اور عداوت و سرکشی کے ان تمام طریقوں کو اختیار کیا، جن کا گزر عقلِ انسانی میں ہو سکتا تھا، جیسا کہ اب تک کی تحریر سے معلوم ہوا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی غایت درجہ اہانت کی، آپ کا مذاق اڑایا، آپ کو مارا، آپ کے سر پر اونٹ کی او جھڑی ڈال دی، آپ کا گلا گھونٹ کر آپ کو ہلاک کر دینا چاہا۔ اور اوباش مکہ کو آپ کے پیچھے لگا دیا، تاکہ وہ آپ پر پھبتیاں کیں۔ اور جب آپ ﷺ وفودِ عرب سے ملتے، تاکہ انہیں اسلام کی دعوت دیں تو شیاطینِ مکہ آپ کے پیچھے لگ جاتے، آپ پر پتروں کی بارش کرتے، آپ کے سر پر مٹی ڈال دیتے، قہقہے لگاتے۔ کئی سال تک آپ انہی آزمائشوں سے گزرتے رہے، یہاں تک کہ ان مشرکین کے چھوٹے بچے جو اس زمانے میں بڑے ہوئے آپ کا مذاق اڑانا ان کی عادت ہو گئی تھی، اور قبولِ حق کی فطرت ان کی مسخ ہو گئی تھی، اس لئے کہ انہوں نے جب اپنی آنکھیں کھولیں تو پوری مکی سوسائٹی کو ایسا ہی پایا کہ تمام مشرکین آپ ﷺ کا اور آپ ﷺ کی دعوت کا مذاق اڑاتے تھے، اس لئے ان کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ واقعی اس کی دعوت ناحق ہے، اور آپ ﷺ کی صداقت ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی، حالانکہ انہی کے باپ دادا اسلام سے پہلے آپ کو ”الصّادِقُ الْأَمِينُ“ کا لقب دیتے تھے۔

نبی کریم ﷺ ان حالات کے پیشِ نظر مکہ کی سوسائٹی میں غریب الوطن بن گئے تھے، اور مکہ کی زمین آپ کے لئے بدل گئی تھی، وہ زمین نہیں رہی تھی جس پر آپ ﷺ نبوت سے پہلے چلا کرتے تھے، آپ ہی نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت حجرِ اسود کو اس کی جگہ پر رکھنے کے سلسلے میں اہل مکہ کے درمیان فیصلہ کیا تھا۔ اس لئے کہ اس وقت تمام اہل مکہ آپ کی صداقت، امانت اور عظیم دوراندیشی پر متفق تھے۔ جب حالتِ بہت زیادہ دیگر گروں ہو گئی اور رسول اللہ ﷺ کے لئے مکہ میں دعوت کا کام کرنا ممکن نہ رہا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کر کے یثرب چلے جانے کا حکم دیا۔ جیسا کہ آئندہ اس کی تفصیل آئے گی۔

اور یہاں ایک قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ مشرکین مکہ کے، بعثتِ نبوی سے قبل اور اس کے بعد کے موقف میں یہ شدید تبدیلی اور ان کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ اور دعوتِ توحید کے خلاف انتہائی درجہ کا بغض و کینہ ان کی بُت پرستی کی وجہ سے پیدا ہوا اور پھر حالات کی تبدیلیوں کے ساتھ ان کی رگ و پے میں رچ بس گیا۔ اور ہم

نے ہندستان میں اس بات کا خوب مشاہدہ کیا ہے کہ وہاں کے مشرکین اور بُت پرستوں کی سب سے پہلی صفت موحدین کے خلاف ان کے دلوں میں شدید بغض و کینہ ہوتا ہے اور یہی حال قبر پرست مشرکوں کا بھی ہوتا ہے کہ وہ بھی ان موحدین کے شدید ترین دشمن ہوتے ہیں، جو ان کے دین و عقیدہ پر نہیں ہوتے۔

کمزور مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں عذاب دیا جاتا:

مشرکین قریش کے دل رسول اللہ ﷺ اور ہر مسلمان کے خلاف بغض و عداوت اور کینہ و حسد سے بھرے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا دفاع تو ان کے چچا ابوطالب، بنو ہاشم اور ان کا ساتھ دینے والے بنو مطلب کرتے رہے، اور ابوبکر کا دفاع ان کی قوم کرتی رہی، لیکن باقی مسلمان اور بالخصوص ان میں کمزور لوگ مشرکین مکہ کے ذریعہ شدید آزمائش و تعذیب سے گزرتے رہے، اور دین اسلام پر باقی رہنا ان کے لئے بہت بڑی آزمائش بن گئی تھی۔ اہل قریش نے مکہ کے ہر مسلمان کے خلاف سازش شروع کر دی۔ ان پر سختی کی، انہیں بھوک، پیاس اور ضرب شدید کے ذریعہ عذاب دیتے رہے، اور سخت گرمی کے وقت انہیں مکہ کے ریتیلے علاقے میں لے جاتے اور انہیں دھوپ میں کھڑا کرتے۔ اس طرح ان لوگوں نے مسلمانوں کو ایسی ایسی سزائیں دیں کہ جن کے بیان کرنے سے دل کانپنے لگتا ہے، اور رو ٹکٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

محمد بن اسحاق کہتے ہیں: مجرم ابو جہل جب بھی مکہ کے کسی شرف و عزت والے آدمی کے بارے میں سنتا کہ وہ مسلمان ہو گیا ہے تو اس کے خلاف قریشی نوجوانوں کو اُبھارتا، اور خود بھی اس مسلمان کو ڈانٹ پلاتا، اسے رُسوا کرتا، اور کہتا کہ تو نے اپنے باپ کے دین کو چھوڑ دیا، حالانکہ وہ تم سے بہتر تھا، ہم تمہاری حماقت و نادانی کے قصے لوگوں میں عام کریں گے۔ تمہاری خطاؤں کو اُچھالیں گے، اور تمہاری عزت و شرف کو ہم زمین سے لگا دیں گے، اور اگر وہ مسلمان تاجر ہو تا تو اسے کہتا: اللہ کی قسم! ہم تمہاری تجارت کو ناکام بنا دیں گے اور تمہارے مال کو برباد کر کے چھوڑیں گے، اور اگر وہ کوئی کمزور آدمی ہو تا تو اسے مارتا اور لوگوں کو اس کے خلاف اُبھارتا۔

ابن اسحاق نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: کیا مشرکین مکہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام کو اتنا شدید عذاب دیتے تھے کہ جس کے سبب وہ اپنے دین کو چھوڑنے میں معذور سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے کہا: ہاں، اللہ کی قسم! مشرکین بعض مسلمانوں کو مارتے تھے اور انہیں بھوکا اور پیاسا رکھتے تھے، یہاں تک کہ شدت ضرر کی وجہ سے وہ سیدھا بیٹھ نہیں سکتے تھے، مشرکین اُس مسلمان سے یہ بھی کہتے کہ کیا لات و عزّی اللہ کے سوا دو معبود ہیں، تو وہ مسلمان ان کی تعذیب سے بچنے کے لئے ”ہاں“ کہہ دیتا۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں: اسی جیسی حالت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ (جو شخص ایمان لانے کے بعد پھر اللہ کے ساتھ کفر کر بیٹھے گا، سوائے اس آدمی کے جسے مجبور کیا گیا ہو، درنحالیکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، نہ کہ وہ شخص جس نے کفر کے لئے اپنا سینہ کھول دیا ہو، تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب نازل ہوگا، اور ان کے لئے بڑا عذاب ہوگا) [النحل: ۱۰۶]۔ ایسے مجبور و مظلوم مسلمان اللہ تعالیٰ کے نزدیک معذور تھے (۱)۔

اللہ کی راہ میں انہی عذاب پانے والوں میں سے ”بلال بن رباح“ بھی تھے، جو بنی حنظل کے ایک آدمی کے غلام تھے اور انہی لوگوں میں پیدا ہوئے تھے، انہیں اُمیہ بن خلف مخفی قرشی دو پہر کی چلچلاتی دھوپ میں بٹھائے مکہ لے جاتا اور پیٹھ کے بل ڈال دیتا، پھر اس کے حکم سے ایک بڑا پتھر ان کے سینے پر رکھ دیا جاتا، پھر وہ ظالم ان سے کہتا: اللہ کی قسم! تمہارے ساتھ ایسا ہی کیا جاتا رہے گا یہاں تک کہ تم مر جاؤ گے، یا محمد کا انکار کر دو گے اور لات و عزیٰ کی عبادت کرو گے۔ بلال اسی آزمائش میں پڑے کہتے ”أحد، أحد“۔

بلال نے اللہ کی راہ میں اپنی جان کو بالکل ارزاں بنا دیا تھا، اس لئے ہر قسم کی سزا اور عذاب کو برداشت کرتے تھے۔ اُمیہ ان کی گردن میں رسی باندھ دیتا اور انہیں بچوں کے حوالے کر دیتا جو ان سے کھیلتے اور مکہ کی گھاٹیوں میں انہیں لئے پھرتے اور وہ صرف یہی کہتے: ”أحد أحد“۔

ایک دن ابو بکر ان کے پاس سے گزرے، اس لئے کہ وہ بنی حنظل کے پڑوس میں ہی رہتے تھے، تو انہوں نے کہا: اے اُمیہ! کیا تم اس مسکین پر ظلم کرتے ہوئے اللہ سے نہیں ڈرتے ہو، تم اسے کب تک عذاب دیتے رہو گے؟ اس نے کہا: تم ہی نے اسے خراب کیا ہے، تو اسے اس حال سے نجات کیوں نہیں دلا دیتے؟ ابو بکر نے کہا: میں تیار ہوں، میرے پاس ایک کالا غلام ہے جو اس سے زیادہ طاقتور ہے اور جو تمہارے دین پر ہے، میں اس کے بدلے تمہیں اس کو دیتا ہوں۔ اُمیہ نے کہا: میں نے قبول کر لیا، ابو بکر نے کہا: پھر وہ غلام تمہارا ہو گیا، چنانچہ ابو بکر نے اسے اپنا وہ غلام دے دیا، اور بلال کو لے کر آزاد کر دیا۔

انہی مظلوم و بے کس غلام مسلمانوں میں سے دیگر سات کو ابو بکر نے ہجرت مدینہ سے پہلے آزاد کر دیا تھا، جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

عامر بن فہیمہ التیمی؛ جو ابتدائے اسلام ہی میں مسلمان ہو گئے تھے، اور غزوہ بدر، اور غزوہ اُحُد میں شریک ہوئے اور بئر معونہ کے معرکہ میں شہید ہو گئے۔ یہ کمزور مسلمانوں میں سے تھے، اس لئے انہیں بہت ہی شدید

عذاب دیا گیا، لیکن اپنے دین پر ثابت قدم رہے۔ یہ ابو بکر کی بکریاں چرا لیا کرتے تھے، یہی بکریاں لے کر نبی کریم ﷺ اور ابو بکر کے پاس شام کے وقت چھپ کر جاتے تھے جب ہجرت کے وقت دونوں غار ثور میں چھپے ہوئے تھے۔ ابو فسکیہ؛ ان کا نام اس فلاح یا یسار تھا، اور یہ صفوان بن اُمیہ بن خلف حُجّی کے غلام تھے، اور بلال کے ساتھ اسلام لے آئے تھے، اُمیہ بن خلف نے انہیں پکڑ لیا اور ان کے دونوں پاؤں میں ایک رسی باندھ کر زمین پر گھسیٹتا رہا، پھر انہیں سخت گرم پتھر پر ڈال دیا۔ ایک بار ان کے پاس سے ایک کیڑا گزرا تو اُمیہ نے ان سے کہا: کیا یہ تمہارا رب نہیں ہے؟ تو انہوں نے کہا: اللہ میرا رب ہے اور تمہارا رب اور اس کیڑے کا رب۔ اس جواب پر اُمیہ پوری طاقت کے ساتھ ان کا گلا گھونٹنے لگا، اس وقت اس کے ساتھ اس کا بھائی اُبی بن خلف بھی تھا، جو کہتا تھا: اسے اور عذاب دو، تاکہ محمد آکر اپنے جادو کے ذریعہ اسے نجات دلائے۔ وہ مشرکین انہیں اسی طرح عذاب دیتے رہے، یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو گئے تو ان لوگوں نے سمجھا کہ یہ مر گیا۔ پھر کچھ دیر کے بعد انہیں ہوش آ گیا، تو ابو بکر صدیق نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا^(۱)۔

اور امّ عبیس؛ جو بنی زہرہ کی لونڈی تھیں، اور اُسود بن عبد یغوث انہیں ان کے اسلام کے سبب سخت عذاب دیتا تھا۔

اور موملیہ؛ جن کا نام مؤرخ بلاذری نے لیبیہ بتایا ہے، اور جو بنو مومل کی لونڈی تھیں۔ اور ہندیہ اور ان کی بیٹی اور زَئیرہ، ان سبھوں کو ان کے آقاؤں نے اسلام لانے کے سبب سخت عذاب دیا، لیکن یہ سب اپنے دین اسلام پر ثابت قدم رہیں۔

اور زَئیرہ؛ عمر بن خطاب کی لونڈی تھیں، جو ان سے پہلے اسلام لے آئیں، عمر انہیں مارتے تھے، اور اسی سبب سے ان کی بصارت چلی گئی، تو مشرکین کہا کرتے تھے ہمارے لات و عزّیٰ معبودوں نے اسے اندھا کر دیا، انہوں نے کہا: ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! ایسی بات نہیں ہے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی لوٹا دی^(۲)۔

اور اللہ کی راہ میں عذاب پانے والوں میں سے عمار بن یاسر، ان کے بھائی عبد اللہ، ان کے والد یاسر اور ان کی ماں سمیہ تھیں۔ ایک بار رسول اللہ ﷺ عمار اور ان کے گھر والوں کے پاس سے گزرے، جب انہیں عذاب دیا جا رہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے آلِ عمار، اور آلِ یاسر! تمہیں خوشخبری دیتا ہوں کہ تمہارا ٹھکانا جنت ہے^(۳)۔

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۱/۳۱۸، ۳۱۹۔

(۲) دلائل البیہقی: ۲/۲۸۲، ۲۸۳۔

(۳) مستدرک حاکم: ۳/۳۸۸، ۳۸۹۔ حاکم کہتے ہیں: یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے، اور حافظ ذہبی نے ان کی تائید کی ہے،

دلائل البیہقی: ۲/۲۸۲، ۲۸۳۔

عمار کے والدین عذاب کی تاب نہ لا کر مر گئے، اور ان کی ماں سمیہ تو اسلام آنے کے بعد پہلی شہید عورت تھیں۔ ابو جہل ملعون نے ان کی شرمگاہ میں نیزہ مار دیا جس سے ان کی موت واقع ہو گئی، اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے اور ان کے قاتل کو اپنی رحمت سے دور کر دے۔ اور عمار کو اتنا سخت عذاب دیا گیا کہ اپنی زبان سے کلمہ کفر کہنے پر مجبور ہو گئے۔ ابو جہل سخت گرمی کے دن میں انہیں لوہے کی بہت ساری زرہیں پہنا دیتا تھا۔ مسلمانوں نے کہا: عمار کافر ہو گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عمار اپنے سر سے قدم تک ایمان سے بھرے ہوئے ہیں۔ انہی کی شان میں اللہ تعالیٰ نے مرتد کے حکم سے بطور استثنیٰ نازل فرمایا: ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أَكْرَهَ وَقُلُوبُهُ مَطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا، فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ (جو شخص ایمان لانے کے بعد پھر اللہ کے ساتھ کفر کر بیٹھے گا، سوائے اس آدمی کے جسے مجبور کیا گیا ہو، ورنہ حالیکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، نہ کہ وہ شخص جس نے کفر کے لئے اپنا سینہ کھول دیا ہو، تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب نازل ہو گا، اور ان کے لئے بڑا عذاب ہو گا) [النحل: ۱۰۶] (۱)۔

اور اللہ کی راہ میں اُن عذاب پانے والوں میں سے حَبَاب بن الارت بھی تھے، یہ زمانہ جاہلیت میں قیدی بنائے گئے، انہیں اُمّ انمار نے خرید لیا تھا، یہ لوہار تھے، نبی کریم ﷺ کو (نبوت کے پہلے سے) ان سے ایک گنا اُلُس تھا، یہ ابتدا کے چھ مسلمانوں میں سے ایک تھے، ان کی مالکن انہیں آگ کا عذاب دیتی تھی۔ ابن سعد اور ابن ماجہ نے ابو یعلیٰ کنذی سے روایت کی ہے کہ حَبَاب ایک بار عمر کے پاس آئے تو انہوں نے کہا: میرے قریب بیٹھو، اللہ کی قسم! عمار کے سوا تم سے زیادہ کوئی اس مجلس کا حقدار نہیں ہے۔ حَبَاب انہیں پیٹھ کھول کر بجائے اور مارے جانے کے آثار دکھانے لگے (۲)۔

حَبَاب کہتے ہیں کہ میں پیشہ کے اعتبار سے لوہار تھا، اور عاص بن وائل کے ذمہ میرا کچھ قرض تھا، میں نے اس سے اس کا مطالبہ کیا، تو کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں تمہارا قرض نہیں چکاؤں گا، یہاں تک کہ تم محمد کا انکار کر دو، میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں محمد کا انکار نہیں کروں گا، یہاں تک کہ تم مر جاؤ اور پھر دوبارہ اٹھائے جاؤ۔ اس نے کہا: اگر میں مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا گیا تو آنا، میرے پاس بہت سے مال اور اولاد ہو گی، میں تمہیں تمہارا قرض چکا دوں گا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ۚ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمْ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا ۚ﴾ ﴿كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۚ﴾

(۱) مجمع الزوائد: ۹/۲۹۳ میں پیشی نے کہا ہے: اسے احمد نے روایت کی ہے، اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

(۲) طبقات ابن سعد: ۱/۲۵۳، ابن ماجہ: ص ۱۵۳، اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

﴿وَنَرِيْهُ مَا يَقُوْلُ وَيَأْتِيْنَا فَرْدًا﴾ (کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور کہا کہ یقیناً مجھے (آخرت میں بھی) مال اور اولاد ملے گی، کیا وہ غیب کی خبر رکھتا ہے، یا اُس نے رَحْمٰن سے کوئی عہد لے رکھا ہے، ہرگز نہیں) (دونوں میں سے کوئی بات نہیں ہے) وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اُسے ہم لکھ رہے ہیں، اور اس کے لئے ہم عذاب کو خوب بڑھا دیں گے، اور وہ جس مال و اولاد کی بات کر رہا ہے، اُسے ہم اس سے واپس لے لیں گے، اور وہ تنہا ہمارے سامنے آئے گا) [مریم: ۷۷-۸۰] ^(۱)

بخاری نے اسی ابو یعلیٰ کندی سے روایت کی ہے کہ میں ایک بار رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو آپ کعبہ کے سایے میں اپنی چادر کو تکیہ بنائے لیٹے ہوئے تھے، ان دنوں ہم مشرکین کی طرف سے بہت سختی اور آزمائش میں پڑے ہوئے تھے۔ میں نے کہا: کیا آپ اللہ سے دعا نہیں کریں گے؟ تو آپ بیٹھ گئے اُس وقت آپ کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: تم سے پہلے کے لوگوں میں سے جو مسلمان ہوئے ان کے گوشت اور پھول کو ان کی ہڈیوں سے الگ کر دیا جاتا تھا، لیکن وہ دین سے پھرتے نہیں تھے، اور ان کے سروں پر آری رکھ کر ان کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے، لیکن وہ اپنے دین سے نہیں پھرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ یقیناً اس دین کو تمام و کمال تک پہنچائے گا، یہاں تک کہ مسافر صنعاء سے حضر موت جائے گا اور اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہوگا، لیکن تم لوگ جلدی مچا رہے ہو ^(۲)۔

قارئین کرام آپ نے دیکھ لیا کہ مشرکین مکہ کی تمام کوششیں اور نبی کریم ﷺ کے خلاف ان کے ظلم و ستم کی تمام شکلیں ناکام ہو گئیں، اور آپ ﷺ دعوت کی راہ پر ہر دم رواں دواں رہے مشرکین قریش کو اس بات کا اچھی طرح یقین ہو گیا تھا کہ ان کی تمنا کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ان کا غیظ و غضب آسمان کو چھونے لگا، ہر روز وہ مومنین پر ظلم و ستم کی کارروائیوں کو تیز کرتے گئے اور اس راہ کی کسی بھی ممکن کارروائی کو انہوں نے اٹھا نہیں رکھا۔

نبی کریم ﷺ کو صحابہ کرام پر ڈھائے گئے ظلم و ستم کو دیکھ اور سن کر غایت درجہ ملال ہوتا تھا، لیکن وہ ان آزمائشوں کو روک نہیں سکتے تھے، اسی لئے آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کرام کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی۔ یہ واقعہ سن پانچ ہجرت نبوی، اور آپ ﷺ کے اعلانیہ دعوت الی اللہ کے دو سال بعد کا ہے۔

(۱) مسند احمد: ۱۱/۵، صحیح البخاری: حدیث (۲۰۹۱، ۲۲۷۵، ۲۳۲۵، ۲۳۳۲، ۲۳۳۵ اور ۲۳۵۷)، صحیح مسلم: حدیث (۲۹۵)، سنن الترمذی:

حدیث (۵۱۷۲)، ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۲) صحیح البخاری: حدیث (۳۶۱۲، ۳۸۵۲ اور ۶۶۴۳) سنن ابی داؤد: حدیث (۲۶۳۹)، مسند احمد: ۱۱/۵ اور ۳۹۵/۶، مسند

ہجرت حبشہ

صحابہ کرام کو ہجرت حبشہ کی اجازت :

جب مشرکین کی مسلمانوں کو ایذا رسانی اور ان کے ساتھ ان کا ظالمانہ معاملہ، ان کی بُری طرح پٹائی کرنا، اور انہیں ذلیل و رسوا کرنا انتہاء کو پہنچ گیا، اور نبی کریم ﷺ ان کا دفاع کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے، اور آپ کو علم تھا کہ حبشہ کا بادشاہ صحمہ نجاشی ایک انصاف و ربادشاہ ہے جس کے پاس کسی پر ظلم نہیں ہوتا، تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو ہجرت حبشہ کی اجازت دے دی، اور ان سے کہا: وہاں چلے جاؤ، یہاں تک کہ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ آسانی پیدا کر دے۔

چنانچہ ماہِ رجب ۵ھ نبوی میں بارہ مرد اور چار عورتیں حبشہ چلے گئے، ان میں سے پہلے آدمی عثمان بن عفان اور ان کی بیوی رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ تھیں۔ اللہ کے رسول نے ان مہاجرین سے سفر کے وقت کہا تھا: اللہ ان کا ساتھی ہو، بے شک لوط علیہ السلام کے بعد یہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے اپنی بیوی کے ساتھ اللہ کی راہ میں ہجرت کی ہے۔ اور عہدِ اسلام میں یہ پہلی ہجرت تھی، یہ لوگ مکہ سے رات کی تاریکی میں خفیہ طور پر نکلے تھے، تاکہ قریشیوں کو ان کے سفر کی اطلاع نہ ہو جائے۔ یہ لوگ شعیبہ کے بندر گاہ پر پہنچے، اور حبشہ جانے والی دو تجارتی کشتیوں پر سوار ہو گئے۔ کفارِ قریش کو ان کی اطلاع اس وقت ہوئی جب دونوں کشتیاں انہیں لے کر ساحلِ سمندر سے حبشہ کی طرف روانہ ہو چکی تھیں، یہ صحابہ کرام وہاں پہنچ کر سکون و امنیہ کے ساتھ اچھے پڑوس میں رہنے لگے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے امید ظاہر کی تھی۔ وہاں یہ لوگ اپنے دین اور اپنی جانوں کی طرف سے مامون و محفوظ ہو گئے اور اللہ کی عبادت دل جمعی کے ساتھ کرنے لگے۔ وہاں نہ انہیں کوئی ایذا پہنچاتا تھا اور نہ وہ اپنے بارے میں کوئی تکلیف دہ بات سنتے تھے۔ یہ لوگ وہاں شعبان اور رمضان دو ماہ رہائش پذیر رہے، اس درمیان مکہ سے ان کے پاس خبر آئی کہ مشرکین نے اسلام کے ساتھ مصالحت کر لی ہے، اور مسلمانوں کو مکہ میں آزاد زندگی گزارنے کی اجازت دے دی ہے۔ اب انہیں وہاں کوئی اذیت نہیں پہنچاتا ہے، یہ خبر ملتے ہی وہ لوگ اپنے شہر کو یاد کرنے لگے جسے انہوں نے بحالتِ مجبوری چھوڑا تھا: اور سب نے بالاتفاق مکہ لوٹ جانے کا فیصلہ کیا، اس لئے کہ ہجرت کا سبب ختم ہو چکا تھا اور اب غربت میں رہنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی تھی۔

چنانچہ یہ لوگ شوال میں مکہ کی طرف لوٹ گئے، لیکن جب اس کے قریب پہنچے تو انہیں یہ تکلیف دہ خبر ملی کہ وہاں مسلمانوں کے خلاف اب تک حسبِ سابق ظلم و بربریت کو روا رکھا جا رہا ہے، اور انہیں حبشہ میں غلط خبر

ملی تھی۔ حقیقت حال معلوم ہونے کے بعد ان میں سے بعض وہاں کے بعض زعماء و سادات کے جوار میں مکہ چلے گئے، اور بعض خفیہ طور پر داخل ہو گئے، وہاں پہنچ کر انہیں یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کے خلاف ظلم و بربریت کو ان کے سفر حبشہ سے پہلے سے بھی زیادہ روار کھا جا رہا ہے، اور ابتلاء و آزمائش زیادہ شدید ہو گئی ہے، اس لئے نبی کریم ﷺ نے انہیں دوبارہ ہجرت حبشہ کا مشورہ دیا۔

یہ دوسری ہجرت پہلی سے مشکل تر تھی، اس لئے کہ قریش چونکہ ہو گئے تھے اور مسلمانوں کے اس فیصلے کو ناکام بنانے کی ٹھان لی، لیکن مسلمان مشرکین اہل قریش کی سازش پر عمل درآمد ہونے سے پہلے ہی وہاں سے نکل گئے۔ اس بار مہاجرین کی تعداد بچوں کے علاوہ اسی (۸۰) کچھ تھی اور کہا جاتا ہے کہ وہ تراسی مرد تھے، اگر ان میں عمار بن یاسر بھی تھے، اس بارے میں راوی کو شک ہے، اور اٹھارہ عورتیں تھیں، یہ سب نجاشی کے پاس بہت ہی سکون و اطمینان کے ساتھ رہنے لگے^(۱)۔

بطلان قصہ غرائق:

صحابہ کرام کی دوسری بار ہجرت حبشہ سے متعلق مزید لکھنے سے پہلے اُس جھوٹی خبر کے پھیلنے کے سبب کو جاننا چاہئے جو پہلی بار ان صحابہ کے مکہ لوٹنے کا داعیہ بنا۔ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اسی سال ماہ رمضان میں خانہ کعبہ کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہاں بڑے بڑے زعمائے قریش اور کچھ مسلمان موجود ہیں۔ آپ ﷺ ان کے درمیان کھڑے ہو کر سورۃ النجم کی تلاوت کرنے لگے، اور بالخصوص اس سورہ کی آخری آیتیں جو دلوں کو ہلادینے والی ہیں۔

نبی کریم ﷺ اپنے مخصوص انداز نبوی میں تلاوت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل کلام تک پہنچے:

﴿وَالْمُؤْتَفِكَةَ أَهْوَىٰ ۖ فَغَشَّاهَا مَا غَشَّى ۖ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكَ تَتَمَارَىٰ ۖ هَذَا نَذِيرٌ مِّنَ النَّذُرِ الْأُولَىٰ ۖ أَزِفَتِ الْأَرْفَةُ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ ۖ أَفَمِنَ هَذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ ۖ وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ ۖ وَأَنْتُمْ سَامِدُونَ﴾ (اور اُس نے (قومِ لوط کی) الٹی ہوئی بستیوں کو زمین پر دے مارا، پھر اُن بستیوں کو اُس (پتھر یا پانی) نے ڈھانک لیا جس نے انہیں ڈھانک لیا، پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں میں شک کرو گے، یہ (نبی یا قرآن) پہلے ڈرانے والے انبیاء یا صحائف کی طرح ایک ڈرانے والا ہے، آنے والی گھڑی (یعنی قیامت) قریب آچکی ہے، اُسے اللہ کے سوا کوئی ظاہر کرنے والا نہیں ہے، کیا تم لوگ اس قرآن کو سن کر تعجب کرتے ہو، اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو، اور غفلت میں مبتلا ہنس کھیل رہے ہو) [النجم: ۵۳-۶۱]۔ تو آپ

ﷺ اور آپ کے ساتھ دیگر مسلمان سجدے میں چلے گئے اور اس آوازِ حق نے تکبرین اور مذاق اڑانے والے مشرکین قریش کے دل کو اس طرح ہلا دیا کہ وہ بھی غیر شعوری طور پر مسلمانوں کے ساتھ سجدے میں گر گئے۔ لیکن جب انہیں بعد میں احساس ہوا کہ ایمان باللہ کی عظمت و جلالت نے ان کی تکمیل پکڑ کر ان کی گردن کو جھکا دیا ہے تو اپنے کئے پر اظہارِ ندامت کرنے لگے اور جھوٹی معذرت پیش کرنے لگے کہ انہوں نے محمد کے ساتھ اس لئے سجدہ کیا ہے کہ اس نے دورانِ قراءت ان کے بتوں کا ذکر کیا اور کہا: قُلْتُكَ الْغَرَائِقُ الْعُلَى وَأَنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجَى۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے دلوں میں پائے جانے والے اس رعب و دہشت کی وجہ سے اللہ کے لئے سجدے میں گر گئے تھے، جو قرآن کریم کی عظمت و ہیبت کی وجہ سے ان کے دلوں پر طاری ہو گئی تھی، لیکن بعد میں انہوں نے اپنی مذموم عادت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی طرف اس جھوٹ کو منسوب کر دیا۔

اسلام کی طرف اپنی نسبت کرنے والے بعض مؤلفین کا یہ کہنا باطل محض ہے کہ نبی کریم ﷺ جب اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل قول تک پہنچے: ﴿أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ (۱۹) وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ﴾ (اے کفار مکہ!

کیا تم نے لات و عزّی کے بارے میں غور کیا ہے، اور منات پر غور کیا ہے جو ایک تیسرا بت ہے) [النجم: ۱۹-۲۰] تو

شیطان نے اس وقت اپنی طرف سے مندرجہ ذیل کلمات کا اضافہ کر دیا جو آپ ﷺ کی قراءت میں شامل ہو گیا: "وَأِنَّهُنَّ الْغَرَائِقُ الْعُلَى وَإِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجَى" اور یہ کلمات آپ کی زبان پر جاری ہو گئے جو

شیطان کی طرف سے آزمائش و فتنہ تھا۔ یہ دونوں کلمات مکہ کے ہر مشرک کے دل میں بیٹھ گئے اور کہنے لگے: محمد

اپنے پہلے دین اور اپنی قوم کے دین کی طرف لوٹ گیا ہے۔ اور برخود غلط مؤلفین کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ

نے سجدہ کیا تو وہاں پر موجود ہر مسلم و مشرک نے سجدہ کیا۔ مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کے سجدہ کرنے کی وجہ

سے سجدہ کیا، اور مشرکین نے ان کلمات کو سن کر سجدہ کیا جو شیطان کی طرف سے آپ کی قراءت میں داخل کر دیا

گیا تھا۔ مشرکین نے یہ سمجھا کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے معبودوں کی تعریف کی ہے، اور اپنے آباء و اجداد کے

دین کی طرف لوٹ گئے ہیں، اور یہ خبر جب حبشہ میں رہائش پذیر مسلمانوں کو ملی تو انہیں گمان ہوا کہ تمام اہل مکہ

مسلمان ہو گئے ہیں۔ ان مؤلفین نے آخر میں لکھا ہے کہ شیطان نے آپ کی قراءت میں جو کچھ شامل کر دیا تھا،

اللہ نے اسے منسوخ کر دیا اور اپنی آیتوں کو محکم بنا کر ہمیشہ کے لئے انہیں باطل سے محفوظ کر دیا۔

یہ مذکورہ بالا خبر بے بنیاد ہے، صحیح احادیث سے اس کی کوئی دلیل نہیں ملتی، جیسا کہ ہمارے شیخ علامہ البانی

نے لکھا ہے کہ "ایسی خبر کو قبول کرنے کے لئے صحیح نقلی دلیل کا پایا جانا ضروری ہے۔ اور یہ کوئی بعید بات نہیں کہ

یہ جھوٹی خبر بعد میں گھڑی گئی ہے، بلکہ یہی زیادہ قرین قیاس ہے۔ اس لئے کہ کسی بھی صحابی سے معتبر سند کے ذریعہ یہ جھوٹی خبر مروی نہیں ہے، بلکہ اس کی تمام سندیں مُرسل ہیں۔ یعنی سلسلہ سند سے صحابی کا نام مفقود ہے، کسی کو معلوم نہیں کہ عہد نبوت و رسالت پانے والے کسی صحابی نے اسے بیان کیا ہے، اور میں نے اس قصے کے باطل ہونے کو پوری تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب ”نصب المجاہدین لسنف قصۃ الغرائق“ میں بیان کر دیا ہے^(۱)۔

قریش کا نجاشی کو مہاجرین کے خلاف اُبھارنا:

مسلمانوں کے دوبارہ ہجرت حبشہ کی باقی ماندہ تفصیلات کی طرف عود کرتے ہوئے عرض ہے کہ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا (جو اپنے سابق شوہر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ میں موجود تھیں) کہتی ہیں کہ جب قریشیوں نے حبشہ میں مسلمانوں کو آرام و سکون کے ساتھ رہتے دیکھا تو سازش کی کہ دوبارہ امت آدمی کا انتخاب کر کے نجاشی کے پاس بھیجیں، تاکہ اسے مسلمانوں کے خلاف ورغلا کر انہیں وہاں سے نکلوا دیں۔ انہوں نے مشورہ کیا کہ نجاشی کے لئے مکہ سے کچھ بہت ہی عمدہ قسم کے تحفے بھی بھیج دیں، چنانچہ انہوں نے اس کے لئے چمڑے کے بنے ہوئے بہت سارے سامان اور ایک گھوڑا اور دیباچہ کا بنا ہوا ایک جہ بھیجا، اور اس کے مقررین میں سے ہر ایک کے لئے الگ الگ ہدیہ تیار کیا، اور ان سب کے ساتھ عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ مخزومی کو اس کے پاس بھیجا، اور انہیں اچھی طرح سکھادیا کہ دربار میں مسلمانوں کے خلاف کوئی بات کرنے سے پہلے بادشاہ کے ہر درباری کو اس کا ہدیہ دے دیں، پھر بادشاہ کو اس کے ہدایا پیش کریں، اور کوشش کریں کہ نجاشی مسلمانوں سے اس بارے میں کوئی پوچھ تاچھ کرنے سے پہلے ہی انہیں وہاں سے نکال بھگائے۔ وہ دونوں حبشہ پہنچے اور ایک ایک درباری سے مل کر اس کا ہدیہ اُسے پیش کیا، بات کی، اور کہا کہ ہم بادشاہ کے پاس اپنے ملک کے ان بے وقوفوں کے سلسلہ میں آئے ہیں جنہوں نے اپنے آباء و اجداد کا دین چھوڑ دیا ہے، اور آپ لوگوں کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے ہیں۔ ہمیں اُن کی قوم نے اس لئے بھیجا ہے کہ بادشاہ اُن سب کو یہاں سے نکال کر اُن کے ملک واپس کر دے۔ اس لئے جب ہم بادشاہ سے اس بارے میں بات کریں تو آپ لوگ انہیں ایسا کرنے کا مشورہ دیجئے: اُن سب نے کہا: ہم ایسا ہی کریں گے۔

پھر اُن دونوں قاصدوں نے نجاشی کو اُس کے تحفے پیش کئے، اور اُس سے کہا: بادشاہ سلامت! ہمارے کچھ نادان نوجوانوں نے اپنے آباء و اجداد کا دین چھوڑ دیا ہے، اور آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے ہیں، اور ایک نیا دین ایجاد کیا ہے، جسے ہم نہیں جانتے، اور آپ کے ملک میں انہوں نے پناہ لے لی ہے۔ اور ہم کو آپ کے

(۱) دیکھیے: تعلیق شیخ البانی علی فقہ السنۃ، محمد غزالی: ص ۱۱۵-۱۱۸۔

پاس اُن کی قوم اور اُن کے باپ اور چچوں نے اور خاندان والوں نے بھیجا ہے، جو انہیں خوب اچھی طرح جانتے ہیں یہ لوگ آپ کے دین میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے، کہ اس امید میں آپ انہیں اپنے پاس رہنے دیں۔ یہ سُن کر بادشاہ ناراض ہو گیا، اور کہا کہ اللہ کی قسم! میں انہیں واپس نہیں کر سکتا جب تک انہیں بلا کر اُن کی باتیں نہ سُن لوں اور دیکھوں کہ ماجرا کیا ہے۔ اِن لوگوں نے میرے ملک میں پناہ لیا ہے، اور میرے جوار کو دوسروں کے جوار پر ترجیح دی ہے۔ اگر یہ لوگ ویسے ہی نکلیں گے جیسا اُن کی قوم کہتی ہے تو میں انہیں واپس کر دوں گا، ورنہ میں بحفاظت یہاں رہنے دوں گا، اور اُن کے اور اُن کی قوم کے درمیان مداخلت نہیں کروں گا۔

جعفر اور اُن کے ساتھی نجاشی کے دربار میں:

جعفر بن ابی طالب اور اُن کے ساتھی جب نجاشی کے پاس لائے گئے، تو انہوں نے اسے سلام کیا، اور سجدہ نہیں کیا۔ نجاشی نے اُن سے پوچھا، کیا مجھے بتاؤ گے کہ تم لوگوں نے اپنی قوم کے دیگر افراد کی طرح مجھے تحیہ اور سلامی کیوں نہیں پیش کی ہے؟ اور تم لوگوں کا عیسیٰ کے بارے میں کیا خیال ہے، اور تمہارا دین کیا ہے؟ کیا تم لوگ نصرانی ہو؟ صحابہ نے کہا: نہیں۔ تو نجاشی نے پوچھا: پھر کیا تم لوگ اپنی قوم کے دین پر ہو؟ تو انہوں نے کہا: نہیں۔ نجاشی نے پوچھا: پھر تمہارا دین کیا ہے؟ انہوں نے کہا: اسلام۔ نجاشی نے پوچھا: اسلام کیا ہے؟ صحابہ نے کہا: ہم اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں بناتے۔ اس نے پوچھا: اسے کون تمہارے پاس لے کر آیا ہے؟ صحابہ نے کہا: ہماری قوم کا ہی ایک آدمی، جس کے اخلاق و کردار اور حسب و نسب سے ہم خوب واقف ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس نبی بنا کر بھیجا ہے، جیسا اُس ذاتِ پاک نے ہم سے پہلے کی قوموں کے پاس دیگر رسولوں کو بھیجا تھا۔ انہوں نے ہمیں بھلائی، صدقہ، وفاداری اور امانت کا حکم دیا ہے۔ اور بتوں کی پرستش سے ہمیں منع فرمایا ہے، اور انہوں نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم صرف ایک اللہ کی بندگی کریں۔ ہم نے اُن کی تصدیق کی، ہم نے اللہ کے کلام کو پہچانا، اور ہمیں یقین ہوا کہ وہ جو کلام لے کر آئیں ہیں، وہ اللہ کا کلام ہے۔ جب ہم نے ایسا کیا تو ہماری قوم نے ہم سے دشمنی کی، نبی کریم ﷺ سے دشمنی کی، اُن کو جھٹلایا، اور انہیں قتل کرنا چاہا، اور ہم کو بُست پرستی پر مجبور کرنا چاہا، تو ہم اپنے دین و ایمان اور اپنی جان کی حفاظت کے لئے اپنی قوم کے پاس سے بھاگ کر یہاں آ گئے ہیں۔

نجاشی نے کہا: اللہ کی قسم! یہ نور تو اسی چراغ سے نکلا ہے جس سے موسیٰ کا نور نکلا تھا، جعفر نے تحیہ و سلام کے بارے میں کہا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ اہل جنت کا تحیہ سلام ہے، اور ہمیں اسی کا حکم دیا ہے۔ اس لئے ہم نے آپ کو وہی تحیہ پیش کیا ہے جو ہم لوگ ایک دوسرے کو پیش کرتے ہیں۔

اور عیسیٰ بن مریم، اللہ کے بندہ اور اس کے رسول تھے، اور اس کا کلمہ جسے اُس نے مریم کے اندر ڈال دیا تھا، اور اُس کی جانب سے ایک روح، اور عذراء بتول کے بیٹا تھے۔

یہ سُن کر نجاشی نے ایک لکڑی اپنے ہاتھ میں لی اور کہا: اللہ کی قسم! ابن مریم اس لکڑی کے برابر بھی اس بات سے زیادہ نہیں تھے جو تم نے کہی ہے۔ عظمائے حبشہ کہنے لگے: بادشاہ سلامت! اگر حبشہ نے آپ کی یہ بات سُن لی تو وہ آپ کو بادشاہت سے الگ کر دیں گے۔ نجاشی نے کہا: اللہ کی قسم! میں عیسیٰ کے بارے میں اس کے سوا عقیدہ نہیں رکھتا، اور جب اللہ نے میری بادشاہت واپس کرائی تھی، اُس وقت اس باری تعالیٰ نے میرے سلسلہ میں لوگوں کی بات نہیں مانی تھی، تاکہ آج میں اُس کے دین کے بارے میں لوگوں کی بات مانوں۔ میں اللہ تعالیٰ کے ذریعہ ایسی بات سے پناہ مانگتا ہوں۔

ابن اسحاق کی ایک روایت میں آیا ہے کہ جب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے سورہ مریم کی ابتدائی آیتوں کی تلاوت کی، تو نجاشی رونے لگا، یہاں تک کہ اُس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی، اور اس کے پاس بیٹھے پادری بھی روتے رہے، یہاں تک کہ اُن کے سامنے رکھے کُتبِ اناجیل ان کے آنسوؤں سے بھیگ گئے، پھر نجاشی نے کہا: یہ روشنی تو اسی چراغ سے نکلی معلوم ہوتی ہے، جس سے وہ نور نکلا تھا جسے موسیٰ لے کر آئے تھے۔ تم لوگ یہاں سے شرافت کے ساتھ چلے جاؤ۔ اللہ کی قسم! میں ان مسلمانوں کو تمہارے ساتھ واپس بھیج کر تمہیں خوش نہیں ہونے دوں گا۔

پھر مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا: تم لوگ سکون و اطمینان کے ساتھ جہاں چاہو ہمارے ملک میں رہو۔ اور اپنے لوگوں سے کہا: ان کے تحفے واپس کر دو، مجھے ان کی ضرورت نہیں۔ اور دونوں قاصدوں (عمر و بن العاص اور عبد اللہ بن ابی ربیعہ) سے کہا: تم دونوں میرے ملک سے نکل جاؤ۔ چنانچہ وہ ذلیل و خوار ہو کر اپنے تحفے لئے وہاں سے واپس چلے گئے۔ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: اس کے بعد ہم سب ایک بہترین ملک میں بہترین پڑوسیوں کے ساتھ رہنے لگے (۱)۔

عمر و بن العاص کا خائب و خاسر لوٹنا:

اللہ تعالیٰ نے مشرکینِ قریش کی امیدوں پر پانی پھیر دیا، اور عمر و بن العاص ذلیل و خوار اور خائب و خاسر

(۱) علامہ البانی کہتے ہیں: یہ پورا واقعہ سیرۃ ابن ہشام میں بعض تقدیم و تاخیر اور بعض کی کے ساتھ موجود ہے، اور اسے ابو نعیم نے اپنے دلائل میں ابن اسحاق کی سند سے روایت کی ہے، اور اسے امام احمد نے بھی روایت کی ہے، اور اس کی سند حسن ہے، اور اس کے رجال صحیحین کے رجال ہیں (صحیح المسیرۃ النبویہ، البانی: ص ۱۸۰)۔

ہو کر بیٹھ گئے، اور واپس آنے کے بعد ذلت و خواری کے ساتھ اپنے گھر میں روپوش ہو گئے، اور اہل قریش سے ملاقات نہیں کی۔ اور جب اُن سے پوچھا گیا تو کہنے لگے کہ بنو اسحمہ کا خیال ہے کہ محمد نبی ہے، اور ہمارے جو لوگ دین سے برگشتہ ہو کر اُس کے پاس پناہ گزیں ہیں، وہ بہت ہی اچھی حالت میں اور سکون و راحت کے ساتھ ہیں۔ جب قریش کو یقین ہو گیا کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف حسد و کینہ سے بھری اپنی ناپاک خواہشات کو مکہ کے باہر پوری نہیں کر سکتے، تو اُن کے بغض و عداوت کی آگ اور بھڑک اُٹھی، اور طے کر لیا کہ مکہ میں موجود اُن کمزور مسلمانوں پر ظلم و ستم کو تیز تر کر دیں گے، اور دعوتِ اسلامیہ کے شجر مبارک کو ہی مکہ سے اکھاڑ پھینکیں گے۔ اور گزشتہ صفحات میں نبی کریم ﷺ کو قتل کرنے کی اُن کی مسلسل سازشوں کے بارے میں لکھ چکا ہوں، اور یہ کہ اللہ عز و جل نے آپ کی حفاظت فرمائی اور ان کی تمام سازشوں کو ناکام بنادیا۔ اور جب انہوں نے دیکھ لیا کہ دعوتِ اسلامیہ کے گرد گھیر اڑانے اور نبی کریم ﷺ کو قتل کرنے کی اُن کی ہر سازش اللہ کی طرف سے ناکام بنادی جا رہی ہے، بلکہ ہر نئے دن کا آفتاب دعوتِ اسلامیہ کو تیزی کے ساتھ پھیلنے دیکھ رہا ہے، تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ سب مل کر نبی کریم ﷺ، آپ کے چچا ابوطالب، آپ کی بیوی خدیجہ، دیگر اہل اسلام اور بنی ہاشم و بنی مطلب سے سماجی بائیکاٹ کر لیں گے جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ہجرتِ حبشہ کا ارادہ کیا:

اُن شدید آیام میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اہل مکہ جس استہزاء، ایذا و رسانی اور تذلیل و اہانت کا معاملہ کر رہے تھے، اس سے غایت درجہ تنگ اور دل برداشتہ ہو کر، انہوں نے سابق مہاجرینِ حبشہ کی طرح ہجرت کر کے حبشہ جانے کا فیصلہ کر لیا، تاکہ انہیں کچھ سکون میسر آ سکے، اور آزادی کے ساتھ وہاں اپنے رب کی عبادت کر سکیں، یہ بات سن ۶ نبوی یا اس کے بعد والے سال کے ابتدائی دنوں کی ہے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: جب ابو بکر رضی اللہ عنہ پر مکہ کی زمین تنگ ہو گئی، اہل قریش کی ایذا و رسانیاں بڑھتی گئیں، اور دیکھا کہ دن بدن رسول اللہ ﷺ اور ان کے اصحاب کے خلاف قریشیوں کی عداوت تیز تر ہوتی جا رہی ہے، تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ہجرتِ حبشہ کی اجازت لی، اور نکل پڑے۔ جب مکہ سے ایک یا دو دن کا راستہ طے کر لیا، تو اچانک اُن کی ملاقات ابن الدُغْنۃ سے ہوئی، جس نے اُن سے پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے، مجھے اذیت پہنچائی ہے، اور عرصہ حیات مجھ پر تنگ کر دیا ہے۔ ابن الدُغْنۃ نے کہا: لوٹ چلے، آپ میری پناہ میں آ گئے۔ ابو بکر اس کے ساتھ مکہ واپس آ گئے۔ وہاں پہنچنے کے

بعد ابن الدُّغْنَه نے قریشیوں سے کہا: میں نے ابن ابی قحافہ کو پناہ دے دی ہے۔

اس کے بعد کفارِ قریش نے انہیں تکلیف پہنچانا بند کر دیا، اور وہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کرنے لگے، پھر ابو بکر کو ایک بات سمجھ میں آئی اور انہوں نے اپنے گھر کے خارجی صحن میں ایک مسجد بنائی اور اس میں نماز اور قرآن پڑھنے لگے۔ پھر ایسا ہوا کہ مشرکین کی عورتیں اور ان کے لڑکے انہیں دیکھ کر تعجب کرتے تھے اور ان سے متاثر ہونے لگے، اور ابو بکر ایک جلد روئے والے آدمی تھے۔ جب وہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے تو انہیں اپنی آنکھوں پر قابو نہیں رہتا۔ ان مناظر نے زعمائے قریش کو ڈرا دیا، اور ابن الدُّغْنَه سے کہا: ہمیں ڈر ہو گیا ہے کہ کہیں ہماری عورتیں اور ہمارے لڑکے فتنہ میں نہ پڑ جائیں، اس لئے تم ابو بکر کو ایسا کرنے سے روکو۔ اور اگر وہ نہ رُکے تو ان سے کہو کہ وہ تمہارا عہد ذمہ داری تمہیں واپس کر دے۔ ابو بکر کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے اس کا عہد ذمہ داری واپس کر دیا، اور اللہ کے جوار میں رہنے پر راضی ہو گئے۔ اور اس طرح مکہ میں رہ کر ہرقسم کی اذیتوں اور آزمائشوں کو جھیلتے رہے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے^(۱)۔

نجاشی کا نبی کریم ﷺ پر ایمان لانا اور حالتِ اسلام میں وفات پانا:

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند کلمات اس کریم النفس مسلمان، انصاف پسند اور عالمِ دین بادشاہِ نجاشی کے بارے میں لکھتا چلوں، جس نے مسلمان مہاجرین کو اپنے ملک میں پناہ دی، ان کو عزت بخشی تو اللہ تعالیٰ نے اسے اسلام کی نعمت سے نوازا، اور اسی پر اس کی وفات ہوئی۔

امام احمد مسلمانوں کے ہجرتِ حبشہ سے متعلق قوی سند سے روایت کرتے ہیں کہ نجاشی نے جب مسلمانوں کی بات سنی تو فوراً کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور ہم ان کا ذکر جلیل انجیل میں پاتے ہیں، اور یہی وہ رسول ہیں جن کی بشارت عیسیٰ بن مریم نے دی تھی، مسلمانو! تم جہاں چاہو اس ملک میں رہو، اللہ کی قسم! اگر مجھ پر بادشاہی کی ذمہ داری نہ ہوتی تو میں ان کے پاس آکر ان کی جوتیاں ڈھوتا^(۲)۔

ابو نعیم نے دلائل النبوة میں روایت کی ہے کہ نجاشی نے مسلمانوں کی بات سننے کے بعد کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور عیسیٰ نے انہی کی بشارت دی ہے، اور اگر میرے اوپر بادشاہی کی ذمہ داری نہ

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۱/۳۷۲-۳۷۳، اور اس کی سند حید ہے، اور اسے بخاری کی مندرجہ ذیل روایت تقویت پہنچاتی ہیں (۶۷۶، ۲۱۳۸،

۲۲۶۳، ۲۲۶۴، ۲۲۶۵، ۳۹۰۵، ۴۰۹۳، ۵۸۰۷، ۷۰۷۹)۔

(۲) صحیح السیرۃ النبویہ، البانی: ص ۱۶۶۔

ہوتی تو میں ان کے پاس چلتا اور ان کی جوتیوں کو چومتا^(۱)۔

اور امام بخاری نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب نجاشی کا انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آج ایک مرد صالح کا انتقال ہو گیا ہے، تم لوگ اٹھو! اور اپنے بھائی احمہ پر جنازے کی نماز پڑھو“^(۲) اور صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کی وفات کی خبر اسی دن دی، جس دن ان کا انتقال ہوا، اور صحابہ کرام کے ساتھ نکل کر نماز پڑھنے کی جگہ گئے اور صف بنا کر چار تکبیروں کے ساتھ نماز جنازہ ادا کی^(۳)۔

اور ابن اسحاق نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ جب نجاشی نے وفات پائی تو لوگوں کے درمیان یہ بات ہوتی تھی کہ ان کی قبر پر ہمیشہ روشنی دیکھی جاتی ہے^(۴)۔



(۱) صحیح السیرۃ النبویہ، البانی: ص ۱۶۸۔

(۲) صحیح البخاری: حدیث (۳۸۷۷)، صحیح مسلم: حدیث (۹۵۲)۔

(۳) دیکھئے: احکام الجنائز، البانی: ص ۸۹، ۹۰۔

(۴) سیرۃ ابن ہشام: ۱/۳۴۰، ابوداؤد، کتاب الجہاد۔

حمزہ اور عمر رضی اللہ عنہما کا قبول اسلام

انہی مشکل ایام میں جب مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے جا رہے تھے، زعمائے قریش میں سے دو بڑے زعماء نے اسلام کو قبول کر لیا اور دعوتِ اسلامیہ اور مسلمانوں کی نفسیات پر اس کا بڑا ہی مثبت اثر پڑا، وہ دونوں حمزہ بن عبدالمطلب اور عمر بن الخطاب تھے۔ آئیے ہم سب مل کر ان دونوں کے قبول اسلام کا قصہ سنیں:

حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام:

۵۰ نبوی کے اختتام پر اور ۶۰ کی ابتدا میں نبی کریم ﷺ کے چچا اور ان کے رضاعی بھائی حمزہ بن عبدالمطلب نے اسلام قبول کر لیا، جو قریش کے ایک معزز ترین، اور با اثر جوان تھے۔ ان کے قبول اسلام سے رسول اللہ ﷺ کو بہت ہی تقویت ملی اور قریشیوں کی ایذا رسانی میں کچھ کمی آگئی۔

ان کے اسلام لانے کا سبب یہ تھا کہ ایک دن ابو جہل رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزر رہا تھا کہ آپ صفا پہاڑی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، ابو جہل سامنے آکر آپ کو گالی دینے لگا اور آپ کے خلاف تکلیف دہ باتیں کرنے لگا، اور دین اسلام کے بارے میں ناپسندیدہ باتیں کرنے لگا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے اس کی کسی بات کا جواب نہ دیا۔ اس وقت عبد اللہ بن جدعان کی ایک آزاد کردہ لونڈی ان باتوں کو سن رہی تھی، جو صفا پہاڑی کے اوپر اپنے ایک گھر میں رہتی تھی۔ ابو جہل وہاں سے چل کر کعبہ کے پاس اہل قریش کی مجلس میں آکر بیٹھ گیا، کچھ ہی دیر کے بعد حمزہ بن عبدالمطلب اپنا تیر و کمان اپنی گردن میں لٹکائے شکار سے لوٹے، اور ان کا گزر اس لونڈی کے پاس سے ہوا، تو اس نے کہا: اے ابو عمارہ! کاش آپ نے اپنے بھتیجے کے ساتھ ابوالحکم بن ہشام کی بدسلوکی ابھی کچھ دیر پہلے دیکھی ہوتی؟ ابو جہل نے انہیں یہاں بیٹھا ہوا پایا تو ان کو گالی دی، اور بہت اذیت پہنچائی، لیکن محمد نے اس سے کوئی بات نہیں کی۔ یہ سن کر حمزہ غضبناک ہو گئے اور تیزی کے ساتھ چل کر مسجد حرام میں داخل ہوئے، جہاں انہوں نے ابو جہل کو قریشیوں کے درمیان بیٹھا ہوا دیکھا، اس کی طرف بڑھے اور اس کے سامنے کھڑے ہو کر کمان سے اس کے سر پر ایک شدید ضرب لگائی جس سے اس کا سر بری طرح زخمی ہو گیا اور کہا: کیا تم میرے بھتیجے محمد کو گالی دیتے ہو، حالانکہ میں نے اس کے دین کو قبول کر لیا ہے، میں وہی کہتا ہوں جو وہ کہتا ہے، اگر تمہارے اندر طاقت ہے تو میری طرف ہاتھ بڑھا کر دیکھو۔

بنو مخزوم کے کچھ لوگ ابو جہل کی مدد کے لئے کھڑے ہوئے اور کہا: اے حمزہ! ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم بے دین ہو گئے ہو، تو حمزہ نے کہا: اور مجھے حق ظاہر ہونے کے بعد کو کسی چیز قبول اسلام سے روک سکتی ہے۔ میں

گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، اور ان کا قول برحق ہے۔ اللہ کی قسم! میں اس دین کو کبھی نہیں چھوڑوں گا، اگر تم لوگ سچے ہو تو مجھے روک دو۔ ابو جہل نے کہا: لوگو! تم ابو عمارہ کو درگزر کرو، اس لئے کہ میں نے اللہ کی قسم! اس کے بھیجے کو بہت بُری گالیاں دی ہیں۔

حمزہ کا یہ موقف ابتدا میں خاندانی حمیت کے سبب تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے وعظ و تذکیر اور ان کی تخویف و تبشیر کی برکت سے ان کے دل میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کو داخل کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے کہا: میں اپنے دل کی گہرائیوں سے گواہی دیتا ہوں کہ آپ یقیناً سچے ہیں، اس لئے اے میرے بھیجے! آپ اپنے دین کو کھل کر بیان کیجئے، اللہ کی قسم! اس کے بعد اگر میرے قدموں میں دنیا کی ساری چیزیں ڈال دی جائیں تب بھی میں اپنے پہلے دین کی طرف نہیں لوٹ سکتا^(۱)۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام:

حمزہ بن عبد المطلب کے اسلام لانے کے تین دن بعد عمر بن خطاب بھی مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ یہ ایک نہایت ہی جواں مرد انسان تھے، اور نبی کریم ﷺ نے اسی رات جس کی صبح کو عمر نے اسلام قبول کیا، دعا کی تھی کہ اے اللہ! ابو جہل یا عمر بن خطاب دونوں میں سے اپنے نزدیک محبوب ترینہ کے ذریعہ اسلام کو قوت پہنچا^(۲)۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی دعا کو عمر کے حق میں قبول کر لیا، چنانچہ جب صبح ہوئی تو عمر نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ کر اپنے اسلام کا اعلان کر دیا، اور علی الاعلان نماز پڑھی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے اور حمزہ کے ذریعہ مسلمانوں کو قوت و عزت دی، جیسا کہ صحیح البخاری میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول مروی ہے کہ عمر بن خطاب کے اسلام لانے کے بعد ہم لوگ مکہ میں عزت کے ساتھ رہنے لگے^(۳)۔

اور مستدرک حاکم میں ابن مسعود کا قول یوں مروی ہے کہ عمر کا اسلام فتح تھا، اور ان کی ہجرت نصرت تھی، اور ان کی امارت رحمت تھی۔ عمر کے اسلام لانے سے پہلے کعبہ کے پاس ہم نماز نہیں پڑھ سکتے تھے، جب عمر اسلام لے آئے، تو انہوں نے قریشیوں سے قتال کیا، اور کعبہ کے پاس نماز پڑھی تو ہم نے بھی ان کے ساتھ نماز پڑھی^(۴)۔

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۱/۲۹۱، ۲۹۲، اتحاف الوری: ۱/۲۶۹، ۲۷۰۔

(۲) سنن الترمذی: حدیث (۳۷۶۳) ترمذی کے نزدیک یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ طبقات ابن سعد: ۳/۲۳۷، مسند احمد: ۲/۹۵، مستدرک حاکم: ۳/۸۳، حاکم کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے، اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے۔ صحیح السیرۃ النبویہ، البانی: ص ۱۹۳۔

(۳) صحیح البخاری، مناقب الانصار: حدیث (۳۸۶۳)۔

(۴) مستدرک حاکم: ۳/۸۳، حاکم کہتے ہیں: اس حدیث کی سندیں صحیح ہیں، اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے۔ سیرۃ ابن ہشام: ۱/۳۴۲، اور اس کی سند حسن ہے۔

طبرانی نے ابن عباس سے سند حسن کے ساتھ روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے عمر بن خطاب نے اسلام کا اعلان کیا^(۱)

اور طبرانی نے الجمع الاوسط میں عمر سے روایت کی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں کافروں کی ہر مجلس میں اپنے اسلام کا اعلان کرتا ہوں، ایک بار وہ مسجد حرام میں آئے، وہاں قریش کے لوگ حلقہ بنائے بیٹھے تھے، ان کے سامنے اسلام کا اعلان کرنے لگے اور گواہی دینے لگے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں تو مشرکین بھر گئے اور انہیں مارنے لگے اور وہ بھی ان لوگوں کو مارنے لگے، جب لوگوں نے ان کی بہت زیادہ پٹائی کر دی تو ایک آدمی (یعنی عاص بن وائل سہمی) نے انہیں ان سے نجات دلائی^(۲)۔

سیرت نبوی کے کبار مؤلفین (محمد بن اسحاق، بیہقی، ابن سید الناس اور ابن کثیر) نے عمر کے اسلام لانے کے سبب سے متعلق چار اقوال نقل کئے ہیں جو اگرچہ بعض تفصیلات میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، لیکن ان تمام کا اس پر اتفاق ہے کہ جس چیز نے عمر کو قبول اسلام کی طرف مائل کیا وہ ان کا قرآن کریم سننا تھا جس نے ان کے وجود کو ہلادیا، اور ان کے دل میں انقلاب پیدا کر دیا۔

قول اول کا خلاصہ یہ ہے کہ ابو جہل نے کہا: جو محمد کو قتل کر دے گا اسے میں سو (۱۰۰) سرخ اور سیاہ اونٹ اور ایک ہزار اوقیہ چاندی فوراً دوں گا۔ اس کے لئے عمر تیار ہوئے اور ابو جہل کے اس وعدے پر ہنسل بُت کو شاہد بنایا اور تلوار لے کر نبی کریم ﷺ کی طرف چل پڑے، راستے میں انہوں نے ایک غیبی آواز سنی کہ ایک فصیح آدمی لا اِلهَ اِلاَّ اللہ اور محمد رسول اللہ کی شہادت کی دعوت دے رہا ہے، عمر نے اپنے دل میں سوچا کہ اس آواز سے مقصود میں ہوں، پھر وہ ایک بُت کے پاس سے گزرے تو وہاں ایک غیبی آواز کے ذریعہ ایک شعر سُنا جس کا معنی یہ تھا کہ رحمن نے ایک امام کو بھیجا ہے جو کفر کے بعد اسلام، نماز، زکاۃ، روزہ، بھلائی اور صلہ رحمی جیسی اچھی باتیں لے کر آیا ہے۔ عمر نے اپنے دل میں کہا: اللہ کی قسم! اس سے بھی مقصود میں ہی ہوں۔ پھر وہ آگے بڑھے تو ایک دوسرا شعر سُنا، جس میں عمر کو مخاطب کر کے کہا جا رہا تھا: تم اس دین اسلام کے ناصر ہو، جسے ابن مریم کے بعد محمد لے کر آئے ہیں، یہ سن کر بھی عمر نے اپنے دل میں کہا: اللہ کی قسم! مجھے یقین ہے کہ میں ہی مقصود ہوں، اس کے بعد وہ اپنی بہن کے گھر میں داخل ہوئے، وہاں انہوں نے خباب ابن الارت اور اپنے بہنوئی سعید بن زید کو پایا، پھر وہاں سے نکل کر رسول اللہ ﷺ کے پاس دار ارقم میں پہنچے اور اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔

(۱) مجمع الزوائد: ۹/۶۳

(۲) بیہقی کہتے ہیں کہ اس کے رجال ثقات ہیں۔

اور دوسرے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ عمر نے اپنی بہن اور اپنے بہنوئی سعید بن زید کے قبولِ اسلام کی بات سنی تو ان کے پاس پہنچ گئے اور سعید کے سر کو زخمی کر دیا، پھر بہتا خون دیکھ کر متاثر ہوئے اور اپنی بہن سے قرآن دکھلانے کو کہا: انہوں نے کہا: اس کتاب کو صرف پاکیزہ لوگ چھوتے ہیں، عمر نے غسل کیا اور اس مصحف کو لے کر پڑھنے لگے جو ان دونوں کے پاس تھا، اللہ نے ان کے اسلام کے لئے ان کا شرح صدر کر دیا، پھر وہاں سے چل کر دارِ ارقم میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور آپ کے سامنے کلمہ شہادت پڑھ لیا، دارِ ارقم میں موجود تمام مسلمانوں نے یکبارگی اتنی بلند آواز سے تکبیر کہی کہ مسجد حرام میں موجود تمام لوگوں نے اُسے سنا، پھر مسلمان اپنی دوصفیں بنا کر چلتے ہوئے مسجد حرام تک پہنچے، ایک صف کے آگے حمزہ اور دوسرے کے آگے عمر تھے۔ جب یہ لوگ مسجد میں داخل ہوئے اور قریشیوں نے عمر اور حمزہ کو دیکھا تو انہیں ایسی تکلیف پہنچی جیسی کبھی نہیں پہنچی تھی۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اس دن سے ان کا نام فاروق رکھ دیا، اس لئے کہ انہوں نے حق و باطل کے درمیان تفریق کر دی تھی، اور اس کا برملا اعلان کر دیا تھا۔

اور تیسرے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ عمر عہدِ جاہلیت میں شراب کو پسند کرتے تھے اور اسے پیتے تھے، ایک رات وہ الخمرورہ کے بازار میں اپنے ہم پیالہ دوستوں سے ملنے گئے تو وہاں انہیں کوئی نہ ملا، وہاں سے پھر ایک شراب بیچنے والے کی تلاش میں گئے تو وہ بھی نہ ملا، وہاں سے چل کر طواف کرنے کے لئے کعبہ پہنچ گئے۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان کھڑے اپنی عادت کے مطابق نماز پڑھ رہے ہیں۔ وہ حجر کی طرف سے کعبہ کے پردہ کے اندر داخل ہو کر آہستہ آہستہ چلتے چلتے رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گئے، اور نبی کریم ﷺ کی زبانی قرآن کریم سننے لگے، جس کا ان کے دل پر بڑا گہرا اثر پڑا، پھر وہ رونے لگے اور اسلام میں داخل ہو گئے۔ جب رسول اللہ ﷺ لوٹے تو عمر ان کے پیچھے ہو لئے، یہاں تک کہ آپ کو دارِ عباس اور دارِ ابن ازہر کے درمیان جا پایا، جب آپ ﷺ کو ان کی آمد کا احساس ہوا اور انہیں پہچان لیا، تو پوچھا: اے ابن الخطاب! اس وقت تم میرے پاس کس لئے آئے ہو؟ انہوں نے کہا: میں اللہ اور اس کے رسول پر اور دینِ اسلام پر ایمان لے آیا ہوں، تو آپ نے اللہ کی تعریف بیان کی اور اس کا شکر ادا کیا، پھر آپ نے عمر کے سینے پر ہاتھ پھیر کر ان کے لئے اسلام پر ثبات قدمی کی دعا کی۔

اور چوتھے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ ایک رات اپنے بعض گھریلو حالات کے سبب گھر سے نکل کر مسجد حرام میں رات گزارنے کے لئے گئے، چونکہ سردی زیادہ تھی، اس لئے کعبہ کے پردے کے اندر داخل ہو گئے، اسی وقت نبی کریم ﷺ آئے اور حجر میں نماز پڑھنے لگے۔ پھر واپس لوٹنے لگے۔ عمر نے رسول اللہ ﷺ کی زبانی کوئی

ایسی چیز سنی جسے انہوں نے کبھی نہیں سنی تھی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے لگ گئے آپ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا: عمر۔ آپ نے کہا: اے عمر! تم مجھے رات اور دن میں کسی وقت نہیں چھوڑو گے۔ عمر کو ڈر ہوا کہ کہیں آپ ﷺ ان پر بددعا نہ کر دیں۔ اس لئے فوراً کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ ﷺ نے کہا: اے عمر! ابھی اس بات کو تم چھپاؤ۔ انہوں نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں اس کا اسی طرح اعلان کروں گا جس طرح شرک کا اعلان کرتا تھا۔

مندرجہ بالا چاروں اقوال میں قابل ملاحظہ بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عمر کے لئے خیر چاہا تو انہیں قرآن کریم سننے کا موقع فراہم کیا، جس سے وہ متاثر ہوئے، اور ان کے دل میں اسلام داخل ہو گیا، پھر اس کا سب کے سامنے اعلان کر دیا، جس سے سارے لوگ ان کے خلاف برا بھانتہ ہو گئے اور وہ صبح تک ان لوگوں کے ساتھ جدال و قتال کرتے رہے، پھر مسلمانوں کے ساتھ مل کر دو صفوں میں مسجد حرام پہنچے، ایک صف کے آگے حمزہ اور دوسری کے آگے وہ خود۔ اور وہاں سب نے نماز پڑھی، اسی دن نبی کریم ﷺ نے آپ کا نام فاروق رکھ دیا^(۱)۔

دوسری بات قابل ملاحظہ یہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے اندرون میں بہت پہلے سے اپنے آباء و اجداد کے دین اور اُس دین کے درمیان سخت مزاحمت شروع ہو گئی تھی، جس کی طرف نبی کریم ﷺ لوگوں کو بلارہے تھے، یعنی صرف ایک اللہ کی عبادت اور وہ خصال حمیدہ، اور مکارم اخلاق جن کے آثار آپ ﷺ اور آپ کے ان اصحاب پر ظاہر و عیاں تھے جواب تک اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ اور ایسا لگتا ہے کہ عمر کے دل میں مسلمانوں کے لئے نرمی اور رحمت و شفقت کا جذبہ پیدا ہو چکا تھا، اور غیر شعوری طور پر وہ اسلام سے قریب ہوتے جا رہے تھے، اور اس کی دلیل ام عبد اللہ بنت ابوشمہ سے مروی ابن اسحاق کی روایت ہے، جس میں وہ کہتی ہیں کہ اللہ کی قسم! ہم حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کے لئے جب بالکل تیار ہو گئے تو عامر کسی ضرورت کے لئے گھر سے باہر نکلے، اُسی وقت عمر آئے اور کہنے لگے، اے ام عبد اللہ! کیا آپ لوگ یہاں سے جا رہے ہیں، میں نے کہا: ہاں اللہ کی قسم! ہم اللہ کی کسی دوسری زمین میں چلے جائیں گے، تم لوگوں نے ہمیں بہت اذیت پہنچائی ہے اور ہم پر ظلم کی انتہاء کر دی ہے، عمر نے کہا: اللہ تمہارے ساتھ ہو۔ پھر وہ لوٹ گئے۔ ام عبد اللہ کہتی ہیں کہ میں نے ان پر ایسی رقت طاری دیکھی جو پہلے نہیں دیکھی تھی، اور ہمارے ہجرت حبشہ کے ارادے نے انہیں غمگین بنادیا تھا، پھر عامر ضرورت پوری کر کے جب واپس آئے تو میں نے ان سے کہا: اے ابو عبد اللہ! کاش آپ نے ابھی تھوڑی دیر

(۱) دیکھیے مسند احمد: (۱۸، ۱۷۱) میں عمر بن خطاب سے مروی شرح بن عبید کی حدیث اور طبرانی کی معجم اوسط، اس کے رجال ثقات ہیں، لیکن شرح نے عمر کا زمانہ نہیں پایا تھا، اگرچہ وہ ثقہ ہیں، جیسا کہ تقریب التہذیب اور تہذیب التہذیب میں آیا ہے۔

پہلے عمر کی رقتِ قلب اور ہمارے حال پر ان کی غمگینی کو دیکھا ہوتا، انہوں نے کہا: کیا تمہیں اس کے اسلام لانے کی امید ہو گئی ہے؟ میں نے کہا: ہاں، انہوں نے کہا: جسے تم نے دیکھا ہے، وہ اس وقت تک اسلام نہیں لائے گا جب تک خطاب کا گدھانہ اسلام لے آوے۔ امّ عبد اللہ کہتی ہیں: انہوں نے یہ بات مسلمانوں پر ان کے ظلم و ستم کو دیکھتے ہوئے ان کے اسلام سے ناامید ہو کر کہی تھی^(۱)۔

اللہ کی ذاتِ پاک ہر چیز پر قادرِ مطلق ہے، وہی جسے چاہتا ہے کفر و شرک سے نکال کر ایمان و اسلام کے دائرہ میں داخل کر دیتا ہے، اسی نے عمر جیسے اسلام کے سخت ترین دشمن کو حق و باطل کے درمیان تفریق پیدا کرنے والا بنادیا، اور ان کے دل سے مسلمانوں کے خلاف ظلم اور سختی کو نکال کر ان کے لئے اس میں رحمت و ہمدردی ڈال دی، اور انہیں اپنے رب کے سامنے خشوع و خضوع اختیار کرنے والا بنادیا۔



رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی اعلانیہ سازش

عمر و بن عاص جب حبشہ سے خائب و خاسر لوٹے، اور مشرکین قریش کو بتایا کہ مسلمان مہاجرین وہاں بہت ہی سکون و اطمینان اور پوری آزادی کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں، اور اس ملک میں جہاں چاہتے ہیں چلتے پھرتے ہیں تو یہ خبر کفار قریش پر بڑی گراں گزری، جیسا کہ ان پر یہ بات بھی بہت ہی گراں تھی کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام پوری تندہی اور جانفشانی کے ساتھ قبائل عرب میں دعوتِ اسلامیہ کا کام کر رہے ہیں، اور کافروں کی ہزار کوشش کے باوجود اسلام کی روشنی پھیلتی ہی جا رہی ہے۔ ان باتوں کے سبب مشرکین قریش کا غصہ انتہاء کو پہنچ گیا تھا، اس لئے اب انہوں نے متفقہ طور پر فیصلہ کر لیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اعلانیہ قتل کر دیں گے، ابوطالب نے جب یہ بات سنی تو بنو عبدالمطلب کو جمع کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی گھائی میں داخل کر دیں، اور ان کی حفاظت کریں، تاکہ مشرکین قریش انہیں قتل نہ کر سکیں۔ ابوطالب کی اس رائے پر بنو عبدالمطلب کے تمام مسلمان اور کافر متفق ہو گئے، مشرکوں نے خاندانی حمیت کے سبب اور مسلمانوں نے ایمان و اسلام کے سبب۔

مکمل سماجی بائیکاٹ:

مشرکین قریش نے جب دیکھا کہ بنو عبدالمطلب رسول اللہ ﷺ کی حفاظت اور ان کا دفاع کرنے کے لئے متفق ہو گئے ہیں تو ان سب نے بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے خلاف اس بات پر اتفاق کیا کہ وہ ان کے ساتھ نہ بیٹھیں گے، نہ شادی بیاہ کریں گے، نہ خرید و فروخت کریں گے، اور نہ ان کے گھروں میں داخل ہوں گے، یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے لئے ان کے حوالے کر دیں۔ اور انہوں نے اس بارے میں ایک عہد نامہ یہ لکھا کہ وہ بنو ہاشم سے کبھی بھی مصالحت نہیں کریں گے اور نہ ان کے لئے کوئی نرم رویہ اختیار کریں گے، یہاں تک کہ وہ رسول اللہ کو قتل کرنے کے لئے ان کے حوالے کر دیں۔

اور جس نے یہ عہد نامہ لکھا تھا وہ منصور بن عکرمہ بن ہشام تھا، اور بعض کہتے ہیں کہ وہ نضر بن حارث تھا، اور بعض کہتے ہیں کہ وہ بغض بن عامر بن ہشام بن عبد مناف بن عبد الدار بن قصی تھا، اور اس عہد نامے میں مزید چٹنگی لانے کے لئے اسے ماہِ محرم ۷ھ نبوی میں کعبہ کے اندر لٹکا دیا، اور کہا جاتا ہے کہ کاتبِ صحیفہ پر رسول اللہ ﷺ نے بد دعا بھیج دی، جس کے سبب اس کا ہاتھ شل ہو گیا۔

بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب اپنی گھائی میں تین سال تک رہے، اور ہر طرح کی تنگی و پریشانی برداشت کرتے رہے، مشرکین نے ان پر تمام بازاروں کے راستے بند کر دیئے تھے۔ اور کھانے کی کوئی چیز ان تک نہیں پہنچنے دیتے تھے،

تاکہ بھوک اور پیاس سے وہ ہلاک ہو جائیں اور ان تمام کارروائیوں کا مقصد رسول اللہ ﷺ کو ان کے حوالے کرنے پر انہیں مجبور بنادینا تھا۔

اور وہ لوگ جب سونے کے لئے اپنے بستروں پر چلے جاتے تو ابوطالب رسول اللہ ﷺ کو اپنے بستر پر سو جانے کا حکم دیتے، تاکہ لوگ آپ کو اپنے بستر پر دیکھ لیں، پھر جب لوگ سو جاتے تو ابوطالب اپنے کسی بیٹیا بھائی یا چچا زاد کو رسول اللہ ﷺ کے بستر پر سلا دیتے، اور آپ کو کسی اور بستر پر سونے کا حکم دیتے۔

اور گھائی کے پیچھے سے بھوکے بچوں کی آوازیں سنائی دیتی تھیں، جس سے بعض قریشی خوش ہوتے تھے اور بعض کو تکلیف ہوتی تھی، کوئی بھی چیز ان تک خفیہ ہی پہنچتی تھی۔ مطعم بن عدی کسی کسی دن ان کے لئے کھانے کی بہت سی چیزیں بطور خفیہ پہنچاتے تھے جس کے لئے نبی کریم ﷺ اس کے شکر گزار تھے۔ شام سے تجارتی قافلہ آتا جس میں حکیم بن سزام بن خویلد کے گیسوں سے لدے بہت سے اونٹ ہوتے، جنہیں وہ گھائی کی طرف بانک دیتے، پھر انہیں چابک سے مارتے تاکہ وہ گھائی میں داخل ہو جائیں، پھر گھائی والے وہ گیسوں لے لیتے۔ اور ہشام بن عمرو بن ربیعہ قریشیوں میں سب سے زیادہ بنو ہاشم سے صلہ رحمی کرنے والا تھا، چنانچہ جب یہ لوگ گھائی میں گھیر دیئے گئے تو اس نے ایک رات میل کھانے کی تین بڑی بوریاں ان کے پاس بھیج دی، قریش کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے اس سے اس بارے میں پوچھا: ہشام نے کہا کہ میں اب دوبارہ ایسا نہیں کروں گا، لیکن اس نے پھر دوبارہ ایک یا دو بوری بھیج دی، جس کے سبب قریش نے اس پر بہت زیادہ سختی کی اور اسے مارنا چاہا۔ ابوسفیان بن حرب نے کہا: تم لوگ اسے چھوڑ دو، اس نے ایسا صلہ رحمی کے جذبے سے کیا ہے، میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر ہم نے بھی ایسا کیا ہوتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔

عہد نامہ نامسعود کا خاتمہ:

جب پورے تین سال گزر گئے اور حالت نہیں بدلی، بلکہ بد سے بدتر ہوتی چلی گئی تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ، صحابہ کرام اور ان کا ساتھ دینے والے کافروں کے لئے آسانی و کشادگی کا فیصلہ کیا، اور ماہ محرم ۱۰ھ نبوی میں آپ ﷺ کو ان کے صحیفے کے بارے میں بذریعہ وحی اطلاع دی گئی کہ دیمک نے اس میں موجود قطع رحمی، ظلم و جور اور بے وفائی سے متعلق تمام عبارتوں کو چاٹ لیا ہے، اور اس میں اللہ کے نام کے سوا کچھ بھی باقی نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ خبر اپنے چچا ابوطالب کو دی، تو انہوں نے کہا: اے میرے بھتیجے! کیا واقعی ایسا ہی ہوا ہے جیسا تم مجھے بتا رہے ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اللہ کی قسم، تو ابوطالب نے یہ بات اپنے بھائیوں کو بتائی اور کہا: محمد نے مجھ سے کبھی بھی کوئی جھوٹ بات نہیں کہی۔ تو ان سب نے ابوطالب سے کہا: پھر آپ کا کیا خیال

ہے؟ انہوں نے کہا: میرا خیال یہ ہے کہ تم سب اپنے اپنے اچھے کپڑے پہن کر قریش کے پاس چلو، اور انہیں یہ بات بتاؤ، قبل اس کے کہ یہ خبر ان کو کسی اور ذریعہ سے ملے، چنانچہ وہ سب گھاٹی سے نکل کر مسجد حرام پہنچے، اور حجر میں بیٹھ گئے۔ قریشیوں نے کہا: بھوک کی وجہ سے یہ سب نکل کر یہاں آگئے ہیں، اور جب ان کے پاس آئے، تو ابوطالب نے کہا: ہم ایک اہم بات کے لئے یہاں آئے ہیں۔ تم لوگ اس بارے میں اپنی رائے سے ہمیں مطلع کرو۔ قریشیوں نے کہا: ہم آپ لوگوں کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ ابوطالب نے کہا: میرے بھتیجے نے مجھے خبر دی ہے۔ اور وہ کبھی مجھ سے جھوٹ نہیں بولا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے عہد نامے پر دیمک کو مسلط کر دیا ہے جو اس میں موجود ظلم و جور اور قطع رحمی سے متعلق تمام عبارتوں کو چاٹ گیا ہے، اور اس میں صرف اللہ کی یاد رہ گئی ہے۔ اگر میرا بھتیجا سچا ہے تو تمہیں اپنے اس بُرے فیصلے کو واپس لینا ہوگا۔ اللہ کی قسم۔ ہم اسے کبھی بھی تمہارے حوالے نہیں کریں گے، یہاں تک کہ ہمارا آخری آدمی مر جائے۔ اور اگر وہ جھوٹا ہے تو میں اسے تم لوگوں کے حوالے کر دوں گا، چاہے تم اسے قتل کر دو گے یا اسے زندہ باقی رکھو گے۔ قریشیوں نے کہا: تمہارے باپ کی قسم! تم نے ہمارے ساتھ انصاف کیا ہے اور ہم تمہارے اس فیصلے پر راضی ہیں۔

پھر کچھ لوگوں کو اس عہد نامہ کو دیکھنے کے لئے بھیجا گیا، جب اُسے کھولا گیا تو اسے ویسا ہی پایا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بتایا تھا۔ یہ دیکھ کر تمام مسلمانوں نے بہ یک آواز تکبیر کہی اور مشرکوں کے چہرے کالے پڑ گئے، اور ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے، پھر تو سب نے اپنے سر جھکا لیے، اور مسلمانوں سے کہنے لگے: اللہ کی قسم! یہ تو تمہارے ساتھی (محمد) کا جادو ہے۔ ابوطالب نے کہا: اب تمہارے سامنے یہ بات کھل کر آگئی ہے کہ تمہارا یہ رویہ ظلم و قطع رحمی، جھوٹ اور افترا پر دازی پر مبنی ہے۔ مشرکوں میں سے کسی نے ابوطالب کی اس بات کا جواب نہیں دیا اور ذلت و رسوائی لئے وہاں سے لوٹ گئے، بلکہ اپنے کفر و شرک کی برائیوں میں پہلے سے زیادہ سخت ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے ساتھ ان کے ظلم و طغیان میں اور شدت آگئی، اور ابوطالب اور ان کی قوم کے لوگ گھاٹی میں واپس چلے گئے۔

عہد نامہ کی تحریر اور اسے ختم کرنے سے متعلق مختلف روایتوں میں غور و فکر کرنے سے یہ بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ جب بنی عبد مناف، بنی قصی اور قریش کے ایسے لوگ جن کو بنی ہاشم کی عورتوں نے پیدا کیا تھا، اس صریح ظلم اور قریشیوں کے اس کبر و غرور کو دیکھا تو وہ سب مل کر ایک رات خلم لجن میں جو مکہ کے بالائی علاقے میں ہے جمع ہوئے اور سب نے مل کر آپس میں عہد کیا کہ اس عہد نامہ نامسعود کو بہر حال ختم کرنا ہے۔ جو لوگ جمع ہوئے تھے ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

ہشام بن عمرو بن حارث، زہیر بن ابوامیہ بن مغیرہ، مطعم بن عدی، ابوالجہری بن ہشام اور زمعہ بن اسود۔ یہ لوگ حسب وعدہ صبح کے وقت مسجد حرام میں آئے، اس وقت اہل قریش خانہ کعبہ کے جوار میں جمع تھے، زہیر اٹھا اور بیت اللہ کا طواف کرنے کے بعد قریشیوں کے سامنے آیا اور کہا: اے اہل مکہ! ہم کھانا کھاتے ہیں، پانی پیتے ہیں اور اچھے اچھے کپڑے پہنتے ہیں، اور بنی ہاشم ہلاک ہو رہے ہیں، نہ ان کے ہاتھوں کچھ بیچا جاتا ہے اور نہ ان سے کچھ خریداجاتا ہے۔ اللہ کی قسم! میں اب خاموش نہیں بیٹھ سکتا، یہاں تک کہ ظلم و جور پر مبنی اس عہد نامے کو پھاڑ نہ دیا جائے، تو ابوجہل نے کہا: تم جھوٹے ہو، اللہ کی قسم! اسے نہیں پھاڑا جائے گا، تو زمعہ نے اٹھ کر کہا: اللہ کی قسم! تم سب سے بڑے جھوٹے ہو، ہم لوگ اسے لکھے جانے کے وقت ہی اس کی موافقت میں نہیں تھے، پھر ابوالجہری نے اٹھ کر کہا: زمعہ نے سچ کہا ہے، اس میں جو کچھ لکھا گیا تھا، ہم اس سے کبھی راضی نہ رہے، اور کبھی اس کی تائید نہیں کی۔ اس کے بعد مطعم اٹھا، اور کہا: تم دونوں نے سچ کہا ہے، اور اس کے سوا جس نے بھی کوئی بات کہی ہے وہ جھوٹ ہے، ہم اللہ کے سامنے اس عہد نامے اور اس میں نوشتہ تمام باتوں سے اعلانِ براءت کرتے ہیں اور ہشام بن عمرو نے بھی اسی جیسی بات کہی، تو اللہ کے دشمن ابوجہل نے کہا: یہ سازش رات میں رچی گئی ہے، اور یہاں آنے سے پہلے اس بارے میں مشورے ہو چکے ہیں، اس کے بعد مطعم بن عدی کھڑے ہوئے اور اس عہد نامہ کو لے کر پھاڑ دیا۔

اس دن مکہ کے بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، اور جن لوگوں نے عہد نامہ کو پھاڑ دینے کا خفیہ فیصلہ کیا تھا وہ سب اپنے اپنے ہتھیار لے کر بنی ہاشم اور بنی مطلب کے پاس گھاٹی میں گئے، اور انہیں وہاں سے نکل کر اپنے گھروں میں جانے کا حکم دیا اور کہا: اے ہمارے باپ اور ہماری ماں کے بیٹو! تم یہاں سے نکل چلو، اللہ کی قسم! تم پر کوئی ہاتھ نہیں ڈال سکتا، یہاں تک کہ ہم مرجائیں، چنانچہ وہ سب کے سب اپنے گھروں میں لوٹ آئے۔

وفدِ نصاریٰ نجران کی رسول اللہ ﷺ سے ملاقات:

نبی کریم ﷺ کے گھاٹی سے نکل کر مکہ آجانے کے بعد نصاریٰ نجران کا ایک وفد آپ ﷺ سے ملنے کے لئے آیا، انہیں آپ ﷺ کے بارے میں حبشہ کے نصاریٰ سے خبر ملی تھی، اس وقت آپ ﷺ مسجد حرام میں موجود تھے، وہ سب کے سب آپ کے سامنے بیٹھ گئے، آپ سے باتیں کی، اور بہت سے سوالات کئے، اُس وقت قریش کے بہت سے لوگ خانہ کعبہ کے ارد گرد اپنی مجلسوں میں بیٹھے تھے، جب اس وفد کے سوالات ختم ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں اللہ کے دین میں داخل ہونے کی دعوت دی، اور ان کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت

کی، جب انہوں نے قرآن سنا تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، پھر انہوں نے اللہ کے پیغام کو قبول کر لیا، آپ ﷺ پر ایمان لے آئے، آپ کی تصدیق کی اور آپ کے بارے میں ان سب باتوں کو جانا جو باتیں آپ سے متعلق ان کی کتاب انجیل میں پائی جاتی تھیں۔

جب وہ لوگ جانے کے لئے کھڑے ہوئے تو ابو جہل بن ہشام کچھ دیگر قریشیوں کے ساتھ ان کے پاس آیا، اور سب نے مل کر ان سے کہا: اللہ تعالیٰ تمہیں ناکام بنائے، تمہاری قوم کے لوگوں نے تمہیں اس لئے بھیجا تھا تاکہ تم انہیں واپس جا کر اس آدمی (محمد ﷺ) کے بارے میں خبر دو، لیکن ابھی تم اس کے پاس ٹھیک سے بیٹھے بھی نہ تھے کہ تم نے اپنا دین چھوڑ دیا اور اس کی باتوں کی تصدیق کر دی، ہم نے تم سے زیادہ بے وقوف و فداہن تک نہیں دیکھا، انہوں نے جواب میں کہا: سلام علیکم، ہم تمہاری طرح نادان نہیں بننا چاہتے ہیں، ہم اپنے دین پر ہیں اور تم اپنے دین پر۔ ہم نے اپنے آپ کو بھلائی تک پہنچانے میں کسی تقصیر سے کام نہیں لیا ہے، اسی بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ القصص میں نازل فرمایا: ﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ (۵۲) وَإِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ قَالُوا آمَنَّا بِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ (۵۳) أُولَٰئِكَ يُؤْتُونَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَذَرُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ (۵۴) وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا تَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ﴾ (جنہیں ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی، وہ لوگ قرآن پر ایمان لاتے ہیں، اور جب ان کے سامنے اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں، بلاشبہ یہ ہمارے رب کی برحق کتاب ہے، اور ہم تو پہلے سے ہی مسلمان تھے، یہی لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کی وجہ سے دوہرا اجر دیا جائے گا، یہ لوگ نیکی کے ذریعہ بُرائی کا دفاع کرتے ہیں، اور جو روزی ہم نے انہیں دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، اور جب وہ کوئی بیہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے، ہم تمہیں سلام کہتے ہیں، ہم نادانوں کی دوستی نہیں چاہتے ہیں) [القصص: ۵۲-۵۵]۔

کہا جاتا ہے کہ یہ آیتیں نجاشی اور اس کے درباریوں کے بارے میں نازل ہوئی تھیں، اور نصرانیوں کا یہ وفد حبشہ سے آیا تھا، حقیقت حال کی صحیح خبر اللہ کو ہی ہے^(۱)۔

قریش کا آپ ﷺ کے بارے میں ابو طالب سے ان کی موت کے وقت بات کرنا:

نبی کریم ﷺ اور بنی ہاشم و بنی مطلب اور باقی قریشیوں کے درمیان ظاہری بائیکاٹ تو عہد نامے کو پھاڑ

(۱) السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۴۰/۲، سیرۃ ابن ہشام: ۳۹۲/۱، عمون الاثر: ۱۲۹/۱۔

دینے کے بعد ختم ہو گیا، لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا کہ مشرکوں کے دلوں میں عداوت کی بھڑکتی آگ بجھ گئی یا کم از کم سرد پڑ گئی، بلکہ اس کے شعلے اور اونچے ہونے لگے، اور شیاطین قریش نے دعوتِ اسلامیہ کے خلاف اپنی کارستانیوں کو تیز کر دیا، اور نبی کریم ﷺ اور آپ کی دعوت پر کاری ضرب لگانے کے لئے نئے نئے طریقوں کے بارے میں سوچنے لگے، اور ادھر نبی کریم ﷺ کی لوگوں سے ملاقاتیں اور موسمِ حج اور دیگر اوقات میں مکہ آنے والے اشخاص و وفود سے آپ کے اتصالات میں تیزی آگئی اور اس کے مثبت آثار بھی ظاہر ہونے لگے، اس لئے قریشیوں نے ابوطالب کے ساتھ اپنی آخری کوشش کے طور پر پھر ایک بار ان سے ملنا چاہا، اُس وقت ابوطالب کی عمر اسی (۸۰) سال سے تجاوز کر گئی تھی، اور آپ کی وفات کا وقت قریب آچکا تھا، ان کا ارادہ یہی تھا کہ وہ ابوطالب سے اس بات کا مطالبہ کریں گے کہ وہ اپنے بھتیجے کو اپنی دعوت کے لئے کام کرنے اور ان کے معبودوں کی عیب جوئی سے یکسر روک دیں۔

اس بارے میں حافظ ابن کثیر نے ابن اسحاق کی سند سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب ابوطالب بیمار پڑے اور قریشیوں کو ان کے شدتِ مرض کی خبر ہوئی تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: حمزہ اور عمر دونوں مسلمان ہو گئے اور محمد کی دعوت کا چرچا تمام قبائل قریش میں ہونے لگا ہے۔ اس لئے ہمیں ابوطالب سے مل کر یہ کہنا چاہئے کہ وہ اپنے بھتیجے سے اس بارے میں کوئی قطعی بات کریں۔ اللہ کی قسم! اب تو ہمیں ڈر ہو چلا ہے کہ کہیں ہماری سیادت و قیادت ہی بنی ہاشم کے لوگ ہم سے یکسر چھین نہ لیں، چنانچہ ابوطالب کے پاس گئے، ان سے بات کی اور کہا: اے ابوطالب! آپ تو ہم میں سے ہیں، جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، اور آپ اب اس حال کو پہنچ گئے ہیں کہ آپ کے بارے میں ڈر ہونے لگا ہے، ہمارے اور آپ کے بھتیجے کے درمیان مشکلات کا آپ کو بخوبی علم ہے، اس لئے آپ اسے بلائیے اور ہمارے اور اس کے درمیان فیصلہ کر دیجئے، تاکہ وہ ہماری مخالفت سے رُک جائے، اور ہم اس کی مخالفت سے، وہ ہمیں اور ہمارے دین کو چھوڑ دے، اور ہم اسے اور اس کے دین کو چھوڑ دیں۔

ابوطالب نے رسول اللہ ﷺ کو بلا بھیجا، اور آپ سے کہا: اے میرے بھتیجے! یہ تمہاری قوم کے معزز لوگ تمہارے سامنے جمع ہیں، تاکہ وہ تمہارے ساتھ سہولت برتیں اور تم ان کے ساتھ۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے چچا! آپ لوگ ایک کلمہ کہہ دیجئے جس کے ذریعے آپ لوگ سارے عرب کے مالک بن جائیں گے، اور سارے عرب والے اس کے ذریعے آپ کے تابع دار بن جائیں گے۔ ابو جہل نے کہا: ہاں، تمہارے باپ کی قسم! ایک نہیں دس کلمات، آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ کہو: ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ اور اس کے سوا اپنے تمام معبودوں سے اعلانِ براءت کر دو۔ یہ سن کر مشرکین قریش تالیاں بجانے لگے اور کہنے لگے: اے

محمد! کیا تم تمام معبودوں کو ایک معبود بنادینا چاہتے ہو، تمہارا معاملہ عجیب و غریب ہے، پھر انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: اللہ کی قسم! یہ شخص تمہاری کوئی بات نہیں مانے گا، اس لئے یہاں سے چلو، اور اپنے آباء و اجداد کے دین پر قائم رہو، یہاں تک کہ اللہ تمہارے اور اس کے درمیان فیصلہ کر دے، پھر وہ سب لوٹ گئے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: ان ہی مشرکین قریش کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿ص وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ﴾ (۱) بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي عِزَّةٍ وَشِقَاقٍ (۲) كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ فَنَادَُوا وَلَا تَحِثْ مَنَاصِبِ (۳) وَعَجَبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ وَقَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا سَاحِرٌ كَذَّابٌ (۴) أَجْعَلِ الْآلِهَةَ إِنهًا وَاحِدًا إِنْ هَذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ (۵) وَانْطَلَقَ الْمَلَأُ مِنْهُمْ أَنْ امْشُوا وَاصْبِرُوا عَلَى آلِهَتِكُمْ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ يُرَادُ (۶) مَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي الْأُمَمِ الْأَخِرَةِ إِنَّ هَذَا إِلَّا خِتْلَاقٌ ﴿ص﴾، اس قرآن کی قسم جو شرف و عظمت والا ہے (یا جس میں نصیحت ہے کہ محمد ساحر و کاذب نہیں ہیں)، اہل کفر غرور اور مخالفت میں پڑ گئے ہیں، ہم نے ان سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کر دیا، تب وہ پکار اُٹھیں، وہ وقت چھٹکارا پانے کا نہیں تھا، اور انہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک ڈرانے والا آگیا، اور کافروں نے کہا، یہ آدمی تو جادوگر اور پگکا جھوٹا ہے، کیا اس نے تمام معبودوں کا ایک معبود بنادیا ہے، یقیناً یہ بات بہت زیادہ تعجب میں ڈالنے والی ہے، اور سرداران کفر یہ کہتے ہوئے چل دیئے کہ چلو اور اپنے معبودوں (کی عبادت) پر جمے رہو، بے شک یہ ایک سوچی سمجھی بات ہے، ہم نے تو یہ بات اقوام گزشتہ کی تاریخ میں نہیں سنی ہے، توحید کی یہ بات تو (اسی محمد کی) گھڑی ہوئی ہے [ص: ۱-۷]۔

یہ واقعہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ بتوں کی محبت مشرکین قریش کی گھٹی میں پڑی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے زعماء و سادات قریش کی بصارت چھین لی تھی، اور ان کے دلوں پر مہر لگادی تھی، اس لئے وہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے، اور ان کی موت کفر پر ہوئی۔

یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا جواب سنا تو غصہ سے پاگل ہونے لگے، اور دعوت توحید کا صریح انکار کرتے ہوئے ابوطالب کی مجلس سے اُٹھ کر چلے گئے، اور اپنی گمراہی اور ضلالت پر اصرار کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے خلاف نئی نئی سازشیں سوچنے لگے (۱)۔

ابوطالب کی وفات، اور آخرت میں اُن کا انجام:

گھاٹی سے نکلنے کے چھ ماہ بعد ماہ رمضان، یا نصف شوال، یا ابتدائے ذی القعدہ ۱۰ نبوی میں ابوطالب کا

(۱) السيرة النبوية، ابن کثیر: ۲/۲۳۴، ۲۳۵، سیرۃ ابن ہشام: ۱/۳۱۷-۳۱۹۔

انتقال ہو گیا۔ اُس وقت اُن کی عمر اسی (۸۰) سال تھی، اور نبی کریم ﷺ انچاس سال، آٹھ ماہ اور اکیس دن یا آٹھ دن کے۔ اور اس واقعہ کے تین سال بعد آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔

ابوطالب کی موت کے تین دن بعد دس رمضان کو خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ بعض کا خیال ہے: پانچ دن کے بعد، بعض کہتے ہیں: پچیس دن بعد۔ اور ایک قول کے مطابق: پچپن دن بعد۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے اس سال کا نام ”غم کا سال“ رکھ دیا۔ اس لئے کہ اُس سال آپ پر غموں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ابوطالب ہلاک ہو گئے جو آپ کی حمایت اور آپ کا دفاع کرتے تھے، اور خدیجہ وفات پا گئیں جو ہر آزمائش کی گھڑی میں آپ کی مخلص ساتھی اور غایت درجہ دور اندیش مشیر کار تھیں، خدیجہ آپ کی تائید کرتیں اور آپ کو تسلی دیتیں۔

باری تعالیٰ کے قول: ﴿وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ﴾ (اور وہ لوگ دوسروں کو اس (قرآن) سے روکتے ہیں، اور خود بھی اس سے اعراض کرتے ہیں)، [الانعام: ۲۶] کی تفسیر کے ضمن میں ابن عباس سے یہ ثابت ہے کہ یہ آیت کریمہ ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جو مشرکین کو تو آپ ﷺ کی ایذا رسانی سے منع کرتے تھے، اور آپ ﷺ کی دعوت کو قبول کرنے سے خود اعراض کرتے تھے^(۱)۔

اور قرطبی نے اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ ایک دن خانہ کعبہ کے سامنے نماز پڑھ رہے تھے، تو ابن الزبیری نے ابو جہل کے کہنے پر آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر گوبر اور خون مل دیا۔ نبی کریم ﷺ نماز ترک کر کے اپنے چچا کے پاس گئے۔ انہوں نے آپ ﷺ کا حال دیکھ کر پوچھا کہ ایسا تمہارے ساتھ کس نے کیا ہے؟ آپ ﷺ نے کہا: عبد اللہ بن الزبیری نے۔ ابوطالب وہاں سے فوراً خانہ کعبہ کے پاس اپنی تلوار لئے آئے، اور قریشیوں کے قریب پہنچ کر ابن الزبیری اور کچھ دیگر مشرکین کے چہروں، داڑھیوں اور کپڑوں پر گوبر اور خون مل دیا، اور انہیں بہت بُرا کہا، اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ کو ابوطالب کی موت کے چند دن پہلے ان کے ایمان لانے کی امید اس وقت زیادہ ہو گئی جب آپ ﷺ نے ابوطالب کا وہ جواب سنا جو انہوں نے مشرکین کو دیا تھا جب وہ ابوطالب کے پاس آئے تھے کہ وہ محمد ﷺ اور ان کے درمیان صلح و صفائی کی کوئی راہ نکال دیں، اور محمد ان کے معبودوں کی عیب جوئی سے باز آجائے، اور آپ ﷺ نے ان مشرکین سے کہا تھا کہ تم لوگ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور آپ ﷺ کی تائید میں ابوطالب نے کہا تھا کہ میرے بھتیجے! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم نے ان قریشیوں سے کسی نامناسب بات کا مطالبہ نہیں کیا ہے۔

یہ سن کر آپ ﷺ نے اپنے چچا سے کہا: چچا! آپ اس کلمہ کا اقرار کر لیجئے، تاکہ قیامت کے دن میں آپ کے لئے شفاعت کر سکوں، ابوطالب نے جب رسول اللہ ﷺ کی ان کے اسلام کے لئے اتنی شدید خواہش دیکھی تو کہا: اے بھتیجے! اللہ کی قسم! اگر مجھے اس بات کا خوف نہ ہو تاکہ لوگ تمہیں اور میرے بعد تمہارے آباء کی اولاد کو عار دلائیں گے، اور اہل قریش کہیں گے کہ میں نے موت کے ڈر سے تمہارا کلمہ پڑھ لیا تھا، تو میں اسے کہہ گزرتا^(۱)۔

اور بخاری و مسلم نے مسیب رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے کہ جب ابوطالب کی موت کا وقت آیا تو اُن کے پاس رسول اللہ ﷺ آئے، وہاں پہلے سے ابو جہل اور عبد اللہ بن ابوامیہ بن مغیرہ بیٹھے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے کہا: اے چچا! آپ لا الہ الا اللہ کہہ دیجئے، تاکہ میں اللہ کے پاس آپ کے ایمان کی گواہی دے سکوں۔ ابو جہل و عبد اللہ بن ابوامیہ نے کہا: اے ابوطالب! آپ کیا عبدالمطلب کے دین سے برگشتہ ہو جائیں گے؟! رسول اللہ ﷺ اُن کے سامنے اپنی بات دہراتے رہے، یہاں تک کہ ابوطالب نے جو آخری بات کہی وہ یہ تھی ”مجھے عبدالمطلب کے دین پر مرنا ہے“ اور ”لا الہ الا اللہ“ کہنے سے انکار کر دیا، تو رسول اللہ ﷺ نے کہا: اللہ کی قسم! میں آپ کے لئے اللہ سے اس وقت تک طلبِ مغفرت کرتا رہوں گا، جب تک مجھے آپ کے لئے دعا کرنے سے روک نہ دیا جائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿مَّا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾ (نبی اور ایمان والوں کے لئے یہ مناسب نہ تھا کہ وہ مشرکوں کے بارے میں یہ بات کھل کر سامنے آجانے کے بعد کہ وہ جہنمی ہیں ان کے لئے دعائے مغفرت کریں، چاہے وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں) [التوبہ: ۱۱۳]۔ اور نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے ابوطالب کے بارے میں نازل فرمایا: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾ (آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے ہیں، مگر اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، اور وہ ہدایت قبول کرنے والوں کو خوب جانتا ہے) [القصاص: ۵۶]۔

معلوم ہوا کہ ابوطالب نعمتِ ایمان سے مشرف نہیں ہوئے، حالانکہ وہ خوب جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ سچے، نیک اور راہِ راست پر گامزن ہیں۔ اسی لئے وہ حتیٰ الامکان اپنے قول و فعل اور اپنی جان و مال کے ذریعہ لوگوں کو نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کو اذیت پہنچانے سے روکتے تھے، آپ سے محبت و شفقت کرتے تھے، اور اپنے اشعار میں آپ کی خوب مدح سرائی کرتے تھے، لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایمان کو مقدر نہیں فرمایا تھا، اس کی عظیم حکمت و مصلحت کو باری تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

اسی لئے ابوطالب کی موت کفر پر ہوئی، جیسا کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ کسی نے آپ ﷺ کی مجلس مبارک میں آپ کے چچا کا ذکر چھیڑا تو آپ ﷺ نے فرمایا: شاید قیامت کے دن میری شفاعت ان کے کام آجائے، ان کا ٹھکانا ہلکی آگ میں ہوگا، جو ان کے دونوں ٹخنوں تک پہنچ رہی ہوگی، جس سے ان کا دماغ کھولتا رہے گا^(۱)۔

اور بخاری و مسلم نے عباس بن عبدالمطلب سے روایت کی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا: آپ اپنے چچا کے کیا کام آئے؟ وہ آپ کی حفاظت کرتے تھے اور آپ کے لئے دوسروں سے ناراض ہوتے تھے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ایک ہلکی آگ میں ہیں، اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کی سب سے خلی کھائی میں ہوتے^(۲)۔ حافظ ابن کثیر نے ابوطالب سے متعلق اپنے کلام کے آخر میں لکھا ہے: اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں مشرکین کے لئے طلب مغفرت سے نہ روکا ہوتا تو ہم ابوطالب کے لئے ضرور طلب مغفرت کرتے اور ان کے لئے رحم کی دعا کرتے۔ اس لئے کہ وہ جب تک زندہ رہے، آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام کی طرف سے دفاع کرتے رہے۔ اور ہر ممکن ذریعہ سے آپ کی تائید و حمایت کرتے رہے^(۳)۔

خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات:

ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ابوطالب کی وفات کے صرف تین دن بعد ماہ رمضان کی دس تاریخ کو وفات پائی، جیسا کہ میں نے ابھی کچھ پہلے لکھا ہے، اور ان کی وفات ہجرت سے تین سال پہلے اور معراج کی رات میں پانچوں نمازیں فرض ہونے سے قبل ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر پینٹھ سال تھی، اور رسول اللہ ﷺ بچاس سال کے، اور ابوطالب کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے میں نے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس سال کا نام ”نعم کا سال“ رکھ دیا تھا، اس لئے کہ ان دونوں کی موت سے آپ ﷺ پر دو بڑی بھاری مصیبتیں آپڑی تھیں: ابوطالب کی موت کی مصیبت جو شیاطین مکہ سے ان کی حفاظت کرتے تھے، اور خدیجہ کی وفات کی مصیبت جو ان کی تصدیق کرتی تھیں، انہیں دلاسا دیتی تھیں، اور ہر گام پر ان کا ساتھ دیتی تھیں۔

امام احمد نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، وہ کہتی ہیں: نبی کریم ﷺ جب خدیجہ کا ذکر کرتے تو ان کی بے حد تعریف کرتے، ایک دن مجھے غیرت آگئی تو میں نے کہا: آپ اس سُرخ منہ والی کو کتنا یاد کرتے

(۱) صحیح البخاری: مناقب الأنصار، حدیث (۳۸۸۵)، صحیح مسلم، کتاب الایمان: حدیث (۲۱۰)۔

(۲) صحیح البخاری: باب قصۃ ابوطالب، حدیث (۳۸۸۳)، صحیح مسلم: حدیث (۲۰۹)۔

(۳) سیرۃ ابن کثیر: ۱۲۵/۲۔

ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس سے اچھی بیوی دے دی ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے خدیجہ سے بہتر بیوی نہیں دی ہے، وہ مجھ پر اس وقت ایمان لائیں جب لوگوں نے میرا انکار کر دیا، اور اس وقت میری تصدیق کی جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا، اور اس وقت اپنے مال کے ذریعہ میری مدد اور دل دہی کی، جب لوگوں نے مجھے محروم کر دیا، اور اللہ نے مجھے اُن کے بطن سے اولاد دی، جب کہ مجھے دوسری عورتوں کی اولاد سے محروم رکھا^(۱)۔

اور امام بخاری نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کے فضائل کے بیان میں روایت کی ہے کہ جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! یہ خدیجہ آرہی ہیں، ان کے پاس ایک برتن میں سالن، یا کھانا پینے کی چیز ہے، جب وہ آپ کے پاس آئیں تو انہیں ان کے رب کا، اور میرا سلام پہنچا دیجئے۔ اور انہیں جنت میں بانس کے بنے ہوئے ایک گھر کی خوشخبری دے دیجئے جس میں نہ شور و شغب ہو گا نہ کوئی پریشانی^(۲)۔ امام ابن القیم لکھتے ہیں: اللہ کا ان کے لئے جبریل کے ساتھ سلام بھیجنا ایک ایسی امتیازی خوبی و عظمت ہے جو ان کے سوا دنیا میں کسی عورت کے لئے نہیں جانا جاتا۔

اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کی کسی بیوی سے ایسی غیرت نہیں کھائی، جیسی خدیجہ سے، اور اس کا سبب یہ تھا کہ میں بہت ہی کثرت سے ان کا ذکر خیر آپ ﷺ کی زبان سے سنتی تھی، حالانکہ آپ نے مجھ سے ان کی وفات کے تین سال بعد شادی کی، اور آپ ﷺ کو آپ کے رب نے حکم دیا کہ آپ انہیں جنت میں بانس کے بنے ہوئے ایک گھر کی خوشخبری دے دیں، جس میں نہ کوئی پریشانی ہو گی اور نہ شور و شغب^(۳)۔

اور انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس کوئی چیز آتی تو کہتے اسے فلاں عورت کو دے آؤ، وہ خدیجہ کی سہیلی تھی، اسے فلاں کے گھر پہنچا دو، وہ خدیجہ سے محبت رکھتی تھی^(۴)۔

خدیجہ رضی اللہ عنہا کا آپ ﷺ کے دل میں بہت اونچا مقام تھا، اور اسی سبب سے ان کی سہیلیوں کا بھی آپ ﷺ کے دل میں ایک خاص مقام تھا، اور یہ چیز خدیجہ کی وفات کے سالہا سال بعد تک دیکھی گئی۔

(۱) مسند احمد: ۱۱۸/۶۔

(۲) صحیح البخاری: حدیث (۳۸۲۰)۔

(۳) مصدر سابق: حدیث (۳۸۱۷) صحیح مسلم، فضائل الصحابہ: حدیث (۷۲۰۷ اور ۷۲۰۸)۔ مسند احمد: ۵۸/۶، ۵۹/۲، ۶۰/۲۔

(۴) سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ: البانی، حدیث (۲۸۱۸)۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ایک دن رسول اللہ ﷺ نے خدیجہ کو یاد کیا، تو ان کی خوب تعریف کرنے لگے، اس لئے دنیا کی دیگر عورتوں کی طرح میری غیرت ابھر آئی، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کو اللہ تعالیٰ نے قریش کی اس سرخ منہ والی بوڑھیا کے بدلے دوسری بیویاں عطا کی ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: یہ سنتے ہی رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک اس طرح بدل گیا کہ میں نے کبھی بھی اس طرح آپ ﷺ کا چہرہ بدلتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، سوائے نزول وحی کے وقت یا بارش سے بھرے بادل کو دیکھ کر، یہاں تک کہ آپ کو یقین ہو جاتا کہ وہ رحمت کی بارش ہے یا اللہ کا کوئی عذاب (۱)۔

اور شعبہ نے قرۃ بن ایاس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دنیا میں بہت سے مرد باکمال ہوئے، لیکن عورتوں میں صرف تین باکمال ہوئیں: مریم بنت عمران، آسیہ (فرعون کی بیوی) اور خدیجہ بنت خویلد۔ اور عائشہ کی فضیلت دیگر عورتوں پر ایسی ہے جیسے شریذ کی فضیلت دیگر کھانوں پر (۲)۔ اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یہ عظیم فضیلت اس لئے حاصل ہوئی کہ انہوں نے خاتم النبیین ﷺ کی دیکھ بھال کی، ان کے ساتھ اچھا معاملہ کیا، بعثت کے بعد آپ کی تصدیق کی، نبوت کے کاموں میں آپ کی مدد کی، آپ کے ساتھ جہاد کیا، اور اپنی جان و مال کے ذریعہ آپ کی نصرت و دل دہی کی۔ ان کو مکہ کے مقبرہ الحجون میں دفن کیا گیا، اور نبی کریم ﷺ خود ان کی قبر میں ان کو دفن کے لئے اترے۔

عائشہ اور سودہ سے آپ ﷺ کی شادی:

رسول اللہ ﷺ نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ماہ شوال میں نکاح کیا، اس وقت ان کی عمر چھ سال تھی، اور انہیں رخصت کر کے اپنے گھر ماہ شوال اچھ میں لے آئے، اس وقت ان کی عمر نو سال تھی۔ امام مسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات اور مکہ سے آپ ﷺ کے نکلنے کے قبل مجھ سے شادی کی، اس وقت میری عمر سات یا چھ سال تھی (۳)۔ اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے جب ان سے شادی کی اس وقت وہ چھ سال کی تھیں، اور ان کو رخصت کر کے اپنے گھر لے گئے جب ان کی عمر نو (۹) سال تھی، اور وہ

(۱) اس حدیث کو امام احمد نے اسنادِ حید کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(۲) سیرۃ نبوی، ابن کثیر: ۷/۱۳۷، اور اسے ابن مرددویہ نے اپنی تفسیر میں اسنادِ صحیح کے ساتھ روایت کی ہے۔

(۳) صحیح مسلم: حدیث (۶۹)۔

آپ ﷺ کے پاس نو سال رہیں (۱)۔

اور عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ہم مدینہ آئے تو ”سخ“ میں بنی حارث بن خزرج کے علاقے میں رہائش پذیر ہوئے، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور ہمارے گھر میں داخل ہوئے، اور آپ کے پاس انصار کے بہت سے مرد اور عورتیں جمع ہو گئیں، پھر میری ماں نے مجھے لے کر اس کمرے میں داخل کر دیا جس میں رسول اللہ ﷺ ایک تخت پر تشریف فرما تھے، میری ماں نے مجھے آپ ﷺ کی گود میں بیٹھا دیا اور کہا: یہ آپ کی بیوی ہے، اللہ تعالیٰ آپ کے لئے اسے مبارک بنائے اور اس کے لئے آپ کو مبارک بنائے۔ یہ سنتے ہی تمام مرد اور عورتیں وہاں سے نکل گئیں اور رسول اللہ ﷺ نے ہمارے گھر میں ہم سے ملاقات کی، اس وقت میں نو (۹) سال کی تھی (۲)۔ بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ فرشتے نے عائشہ کو نبی کریم ﷺ کے سامنے ان کے نکاح سے پہلے ایک ریشمی کپڑے میں پیش کیا اور کہا: یہ آپ کی بیوی ہیں (۳)۔

ابن القیم لکھتے ہیں: آپ ﷺ نے عائشہ کے سوا کسی باکرہ سے شادی نہیں کی، اور ان کے سوا کسی دوسری بیوی کے لحاف میں آپ پر وحی نازل نہیں ہوئی۔ عائشہ مخلوق میں سب سے زیادہ آپ کو محبوب تھیں، اور آسمان سے آپ کی پاکدامنی کا اعلان کیا گیا، اور پوری امت ان پر تہمت دھرنے والوں کے کفر پر متفق ہو گئی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی بیویوں میں سب سے زیادہ فقیہ اور سب سے زیادہ علم والی تھیں، بلکہ امت اسلامیہ کی تمام عورتوں سے زیادہ دین کی سمجھ رکھتی تھیں (۴)۔

مکہ میں آپ ﷺ سے عائشہ کی شادی رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر کے درمیان عثمان بن مظعون کی بیوی خولہ بنت حکیم کی کوشش اور وساطت سے ہوئی۔ اس کے بعد یہی خولہ سودہ بنت زمعہ کے پاس گئیں اور ان سے کہا: اللہ نے تمہارے لئے کیسی خیر و برکت کا فیصلہ کیا ہے؟ انہوں نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ خولہ نے کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے تمہارے پاس تمہیں شادی کا پیغام دینے کے لئے بھیجا ہے، تو سودہ نے کہا: مجھے منظور ہے، پھر خولہ ان کے باپ کے پاس گئیں جو ایک بوڑھے آدمی تھے اور ان سے کہا: مجھے محمد بن عبد اللہ نے سودہ کو شادی کا پیغام دینے کے لئے بھیجا ہے، تو انہوں نے کہا: وہ تو لائق و فائق اور معزز انسان ہیں، سودہ کا کیا خیال ہے؟ خولہ نے

(۱) صحیح مسلم: ۱۰۳۹۲۔

(۲) مسند احمد: ۲۱۱، ۲۱۰، ۲۱۱، صحیح السیرۃ النبویہ، ابراہیم علی، ص ۱۲۳، دلائل البیہقی: ۳۱۱/۲۔

(۳) صحیح البخاری: حدیث (۳۶۰۶)، صحیح مسلم: (۳۳۶۸)۔

(۴) زاد المعاد: ۷۳/۱۔

کہا: اسے یہ شادی پسند ہے۔ انہوں نے پھر کہا: اسے میرے پاس بلا کر لاؤ، خولہ انہیں بلا کر لائیں، تو باپ نے کہا: اے بیٹی! یہ خولہ کہہ رہی ہے کہ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب نے تمہیں شادی کا پیغام دیا ہے، اور وہ لائق و فائق اور معزز آدمی ہیں، کیا تم پسند کرتی ہو کہ میں ان سے تمہاری شادی کر دوں؟ سودہ نے کہا: ہاں، تو انہوں نے خولہ سے کہا: جاؤ محمد کو میرے پاس لے کر آؤ، چنانچہ رسول اللہ ﷺ آئے اور اسی وقت سودہ کے باپ نے ان کی آپ ﷺ سے شادی کر دی^(۱)۔

ابوطالب کی وفات کے بعد ابوباش قریش کی نبی کریم ﷺ کے ساتھ گستاخیاں:

ابوطالب کی وفات کے بعد ابوباش قریش نبی کریم ﷺ کے خلاف زیادہ گستاخ ہو گئے اور آپ کو طرح طرح سے اذیتیں پہنچانے لگے، جن کے بارے میں وہ ابوطالب کی زندگی میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ یہی بتی نے عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ابوطالب کی وفات کے بعد قریش کے ایک نادان آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے اوپر مٹی ڈال دی، تو آپ ﷺ گھر لوٹ گئے، اور ان کی ایک بیٹی ان کے چہرے سے روتے ہوئے مٹی صاف کرنے لگی، تو آپ ﷺ نے کہا: اے بیٹی! امتِ روؤ، اللہ تعالیٰ تمہارے باپ کی حفاظت کرنے والا ہے، پھر آپ ﷺ نے کہا: قریش نے ابوطالب کی وفات سے پہلے میرے ساتھ کبھی بھی کوئی بڑی بدسلوکی نہیں کی۔

اور ہشام بن عروہ اپنے باپ عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اہل قریش بزدل بنے رہے، یہاں تک کہ ابوطالب کی وفات ہو گئی، اور حاکم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قریش کے لوگ بزدل بنے رہے، یہاں تک کہ ابوطالب کی وفات ہو گئی۔

اور حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے: میرا خیال ہے کہ اذیت دہی کے بیشتر واقعات (مثال کے طور پر آپ ﷺ کے کندھوں پر نماز کی حالت میں اونٹ کی او جھڑی ڈال دینا، اور عبد اللہ بن عمرو بن عاص کی روایت کہ مشرکین نے ایک بار پوری قوت کے ساتھ آپ ﷺ کا گلا گھونٹ دینا چاہا، اور ابو جہل ملعون کا یہ ارادہ کرنا کہ وہ حالت نماز میں آپ کی گردن کو زور وند دے گا، اور فرشتے کا آکر اس کے اس مجرمانہ فعل اور آپ ﷺ کے درمیان حائل ہو جانا اور اس طرح کی دیگر تمام باتیں) ابوطالب کی وفات کے بعد ہی وقوع پذیر ہوئیں^(۲)۔

(۱) صحیح السیرۃ النبویہ، ایراجیم علی، ص ۱۲۲، دلائل البیہقی: ۳۱۰/۲۔

(۲) السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۱۳۶/۲-۱۳۹۔

آپ ﷺ کا دعوتِ اسلامیہ کے لئے سفر طائف:

نبی کریم ﷺ کی دعوتی تحریک میں جیسے جیسے تیزی آتی گئی، آزمائشیں بھی بڑھتی گئیں، اور خاص طور سے آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کی وفات کے بعد۔ چنانچہ ۳۰ شوال ۵۰ھ نبوی میں ابوطالب اور خدیجہ کی وفات کے تین ماہ بعد، آپ اپنے غلام زید بن حارثہ کے ساتھ پیدل طائف کے لئے روانہ ہو گئے، وہاں پہنچ کر آپ نے ثقیف کے چند سادات و اشراف سے اس امید کے ساتھ ملاقات کی کہ وہ لوگ آپ کو پناہ دیں گے، ان میں سے تین کے نام مندرجہ ذیل ہیں: عبدیلیل، مسعود اور حبیب۔ آپ ﷺ نے انہیں اللہ کی طرف بلایا، اور ان سے کہا کہ وہ اسلام کی دعوت کو آگے بڑھانے کے سلسلے میں آپ کی مدد کریں، اور آپ کی قوم کے جن لوگوں نے آپ کی مخالفت کی ہے، ان کے خلاف آپ کی مدد کریں، تو ان میں سے ایک نے کہا: اگر اللہ نے تمہیں کچھ دے کر بھیجا ہے تو وہ کعبہ کے پردوں کو پھاڑ ڈالے گا، اور دوسرے نے کہا: کیا اللہ کو اپنا رسول بنانے کے لئے تمہارے سوا کوئی دوسرا نہیں ملا، اور تیسرے نے کہا: اللہ کی قسم! میں تم سے کبھی بھی بات نہیں کروں گا۔ اگر تم اللہ کے رسول ہو جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے تو میرے لئے اس سے زیادہ خطرناک بات کوئی نہیں کہ میں تمہاری بات کو رد کر دوں، اور اگر تم اللہ کے بارے میں جھوٹ بولتے ہو تو میرے لئے مناسب نہیں کہ تم سے بات کروں۔

اہل طائف کی رسول اللہ ﷺ کو ایذا رسانی:

رسول اللہ ﷺ سردارانِ ثقیف کی طرف سے ناامید ہو گئے اور وہاں سے چل پڑے۔ اور سردارانِ ثقیف کا جواب اہل طائف میں ہر چہار جانب گشت کرنے لگا، وہاں آپ ﷺ نے ایک ماہ قیام کیا، بعض روایتوں میں آتا ہے دس دن، اس پوری مدت میں آپ ﷺ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہے، سردارانِ طائف میں سے ایک ایک سے مل کر بات کرتے رہے، لیکن ان میں سے کسی نے آپ ﷺ کی دعوت کو قبول نہیں کیا، اور کسی کی طرف سے آپ کو خیر کی امید نظر نہیں آئی۔

طائف والوں کو اپنے کم عمر نوجوانوں کے بارے میں ڈر ہوا کہ وہ آپ ﷺ کی باتوں سے متاثر نہ ہو جائیں، اس لئے انہوں نے کہا: اے محمد! تم ہمارے شہر سے نکل جاؤ، اور مکہ واپس چلے جاؤ، پھر انہوں نے اپنے اوباشوں اور بد معاشوں کو آپ کے خلاف ورغلا دیا، وہ سب آپ کے راستے میں دو صف بنا کر کھڑے ہو گئے اور جب رسول اللہ ﷺ ان کے درمیان سے گزرے تو وہ سب آپ کو گالیاں دینے لگے اور پتھروں سے مارنے لگے، یہاں تک کہ آپ کے دونوں شکنجے زخمی ہو گئے، اور زید بن حارثہ اپنے جسم کے ذریعہ آپ کو بچاتے رہے، یہاں تک کہ ان

کاسرشدید زخمی ہو گیا۔

اور آپ مجبور ہو کر عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کے ایک باغ میں داخل ہو گئے، اس وقت وہ دونوں وہیں تھے، آپ ﷺ انگور کے ایک درخت کے سایے میں جا کر بیٹھ گئے آپ چوٹ کی تکلیف سے کراہ رہے تھے اور آپ کے دونوں قدموں سے خون جاری تھا، اور ربیعہ کے دونوں لڑکے آپ کو دیکھ رہے تھے، اور ابوباش ثقیف نے ان کے ساتھ جو بُرا برتاؤ کیا تھا اس پر ایک گونا گونا ہمدردی کا اظہار کر رہے تھے، لیکن جب آپ ﷺ کی ان دونوں پر نگاہ پڑی تو ان کا آپ کو اس حال میں دیکھ لینا آپ کو پسند نہ آیا، اس لئے کہ آپ ﷺ کو اللہ اور اس کے رسول سے ان دونوں کی عداوت کا حال خوب معلوم تھا۔

جب آپ کو ایک گونا گونا طمینان ہوا تو آپ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی، پھر لمبی دعا کی، جس کا خلاصہ یہ ہے: اے اللہ! میں تیری جناب میں اپنی کمزوری، کمپرسی، اور لوگوں کی نگاہوں میں اپنی بے وقعتی کی شکایت کرتا ہوں، اے ارحم الراحمین! تو تمام کمزوروں کا رب ہے، اور تو میرا رب ہے، تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے، کیا کسی اجنبی کے حوالے جو مجھے ترش روئی سے دیکھتا ہے یا کسی دشمن کے حوالے جو میرے معاملات کا مالک بن بیٹھا ہے، اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو میں کسی بات کی پرواہ نہیں کرتا ہوں، لیکن تیری عافیت کا دائرہ میرے لئے بہت زیادہ وسیع ہے، میں تیرے اس چہرے کے نور کے ذریعہ پناہ لیتا ہوں، جس نے کائنات کی ساری تاریکیوں کو دور کر دیا ہے، اور جس کے ذریعہ دنیا و آخرت کے تمام معاملات سدھر گئے ہیں، میں پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ تیرا غضب مجھ پر نازل ہو یا تو مجھ سے ناراض ہو جائے۔ میں تیری طرف اپنی ہر محصیت و خطاء سے رجوع کرتا ہوں، یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے، تیرے بغیر کسی کے پاس نہ کوئی طاقت ہے اور نہ کوئی قدرت۔

عدّاس نصرانی کا قصہ:

عتبہ اور شیبہ نے اپنے ایک نصرانی غلام کو بلایا، جو نینوی کا رہنے والا تھا، اُس کا نام عدّاس تھا، انہوں نے اس سے کہا: اس انگور کا ایک گچھا لے لو اور اُسے پلیٹ میں ڈال کر اس آدمی کے پاس لے جاؤ، اور اسے کھانے کو کہو، غلام نے ہی ایسا کیا، اور انگور لا کر آپ ﷺ کے سامنے رکھ دیا، جب آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ کھانے کے لئے بڑھایا تو کہا: بسم اللہ، پھر کھانے لگے، تو عدّاس نے آپ ﷺ کے چہرہ انور کی طرف دیکھا اور کہا: اللہ کی قسم! اس شہر کے لوگ تو ایسا نہیں کہتے، رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا: تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمہارا دین کیا ہے؟ اس نے کہا: میں نصرانی ہوں اور نینوی کا رہنے والا ہوں، تو اس سے رسول اللہ ﷺ نے کہا: کیا تم مرد صالح یونس بن مثنیٰ کے شہر کے رہنے والے ہو، عدّاس نے کہا: تمہیں کیا معلوم کہ یونس بن مثنیٰ کون تھے؟ تو آپ ﷺ نے

نے فرمایا: وہ میرے بھائی تھے، وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔ یہ بات سن کر عداس رسول اللہ ﷺ کے سر، دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کو والہانہ طور پر چومنے لگا۔

جب ربیعہ کے دونوں بیٹوں نے یہ منظر دیکھا، تو ایک نے دوسرے سے کہا: محمد نے تمہارے غلام کو خراب کر دیا، جب عداس لوٹ کر ان کے پاس آیا تو دونوں نے اس سے پوچھا: عداس تمہارا بڑا ہو تم اس آدمی کا سر، اس کے ہاتھ اور پاؤں کیوں چوم رہے تھے؟ ہم نے تمہیں کبھی بھی ہم میں سے کسی کے ساتھ ایسا کرتے نہیں دیکھا؟ تو اس نے کہا: میرے آقا! اس سر زمین پر ان سے بہتر اس وقت کوئی نہیں ہے، انہوں نے مجھے ایک ایسی بات کی خبر دی ہے جسے کوئی نبی ہی جانتا ہے، تو وہ دونوں اس کی بات پر ہنسنے لگے اور کہا: دیکھو یہ آدمی تمہیں تمہاری نصرانیت سے برگشتہ نہ کر دے، یہ بڑا دھوکا باز آدمی ہے۔

بعض مؤلفین سیرت نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث کو اس ضمن میں زبردستی داخل کر دیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا آپ پر اُحد کے دن سے بھی زیادہ سخت کوئی دن آیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری قوم نے مجھے عقبہ کے دن جو تکلیف پہنچائی وہ زیادہ سخت تھی، جب میں نے اپنی دعوت ابن عبدیلیل بن عبدکلال کے سامنے پیش کی، تو اس نے اسے قبول نہیں کیا، میں وہاں سے مغموم و مہموم چل پڑا، یہاں تک کہ قرن ثعالب کے پاس آگیا، وہاں میں نے اپنا سر اٹھایا تو دیکھا: ایک بادل مجھ پر سایہ فگن ہے اور اس میں جبریل علیہ السلام کو دیکھا، انہوں نے مجھے آواز دی اور کہا: بے شک اللہ نے آپ کی قوم کا جواب سن لیا ہے، اور اس نے آپ کے لئے پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا ہے، تاکہ آپ ان کافروں کے بارے میں جو چاہیں حکم دیں۔ اس حدیث میں آیا ہے کہ فرشتہ نے کہا: اگر آپ چاہیں تو انہیں مکہ کے جبل ابی قیس اور اس کے مقابل کے پہاڑوں کے درمیان کچل دیا جائے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں میں ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جو اللہ کی عبادت کریں گے اور ان کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں بنائیں گے^(۱)۔

اس حدیث میں قریش کی جانب سے عقبہ کے دن آپ ﷺ کی دعوت کو ٹھکرانے اور آپ کو ایذا پہنچانے سے متعلق تفصیل بیان کی گئی ہے، اور یہ بتایا گیا ہے کہ فرشتہ نے آپ ﷺ سے اُس دن اس بات کی اجازت مانگی تھی کہ وہ ان کافروں کو مکہ کے دو پہاڑوں کے درمیان کچل دیں۔

آپ ﷺ کے ساتھ طائف میں جو کچھ ہوا اس سے اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں۔ اس میں اس بات کی صراحت کر دی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے موسم حج میں عقبہ کے دن اپنی دعوت ابن عبدیلیل کے سامنے پیش کی تھی۔

(۱) صحیح البخاری: حدیث (۳۲۳۱)، صحیح مسلم: حدیث (۱۷۹۵)۔

اور یہ بات بعید نہیں کہ آپ ﷺ نے اپنی دعوت ابن عبدیلیل کے سامنے موسم حج میں پیش کی ہو، اور عبدیلیل اور اس کے دونوں بھائیوں کے سامنے اپنی دعوت اُس وقت پیش کی ہو جب آپ ﷺ طائف گئے تھے بلکہ یہی بات زیادہ قرین قیاس ہے۔

طائف سے واپسی:

جب اہل طائف نے آپ کی دعوت قبول نہیں کی تو آپ مغموم و مہوم مکہ واپس آ گئے، یہ واقعہ ماہ ذی القعدہ ۱۰ نبوی کا ہے، اُس وقت زید بن حارثہ نے آپ ﷺ سے کہا: آپ دوبارہ مکہ میں کیسے داخل ہوں گے؟ اہل مکہ نے تو آپ کو نکال دیا ہے، تو آپ نے فرمایا: اے زید! تم دیکھو گے کہ اللہ تعالیٰ میرے لئے کشادگی فرام کرے گا، اور میری دعوت کے لئے راہ ہموار کر دے گا، بے شک اللہ اپنے دین کا حامی و ناصر اور اپنے نبی کو غالب بنانے والا ہے۔

جب آپ غار حرا کے پاس پہنچے، تو خزاعہ کے ایک آدمی کو اخنس بن شریق کے پاس بھیجا اور اس سے طلب کیا کہ وہ آپ کو پناہ دے، تاکہ آپ اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچائیں، تو اس نے معذرت کر دی، پھر آپ نے اسے سہیل بن عمرو کے پاس بھیجا، اس نے بھی معذرت کر دی، تو آپ نے اسے مطعم بن عدی کے پاس بھیجا، اس نے آپ ﷺ کی طلب کو قبول کر لیا، اور کہا: ہاں، ان سے کہو کہ وہ مکہ میں داخل ہو جائیں، چنانچہ آپ زید بن حارثہ کے ساتھ ۲۳ ذی القعدہ کو مکہ میں داخل ہوئے، اور مسجد حرام میں آکر دو رکعت نماز پڑھی، پھر اپنے گھر چلے گئے، اور مکہ میں اللہ نے جب تک چاہا قیام پذیر رہے، یہاں تک کہ ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔

ایام حج میں قبائل عرب کو اسلام کی دعوت:

جیسا کہ میں نے ابھی اوپر لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ ماہ ذی القعدہ ۱۰ نبوی میں موسم حج کے قریب ہونے کے سبب طائف سے مکہ واپس آ گئے، اس لئے کہ دعوت اسلامیہ کے اعلان کے بعد آپ ﷺ کا طریقہ یہ ہو گیا تھا کہ جو لوگ حج یا عمرہ کے لئے مکہ آتے ان کے سامنے اپنی دعوت پیش کرتے، اور ہجرت سے قبل کے آخری سالوں میں حج کے زمانہ میں جب اشخاص و قبائل سے ملتے تو جہاں ان سے اپنی دعوت کو قبول کرنے کی بات کرتے، ان سے یہ بھی کہتے کہ وہ آپ کا ساتھ دیں، اور دشمنوں سے آپ کی حفاظت و حمایت کریں، اس لئے کہ کفار قریش نے اعلانیہ آپ کو قتل کرنے کی دھمکی دے دی تھی۔

اسی لئے ماہ ذی القعدہ کے آخری دنوں میں آپ ﷺ طائف سے مکہ آ گئے، تاکہ قبائل عرب اور ان کے

زعما سے مل کر ان کے سامنے اپنی دعوت رکھیں اور اپنی ضرورت بیان کریں، آپ ان سے کہا کرتے تھے: ”کیا کوئی ایسا آدمی ہے جو مجھے اپنی قوم کے پاس لے چلے، اس لئے کہ قریش والوں نے مجھے میرے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچانے سے روک دیا ہے۔“ انہیں بتاتے تھے کہ آپ ﷺ اللہ کے بھیجے ہوئے نبی ہیں، اور کہتے تھے کہ وہ آپ کی تصدیق کریں، اور آپ کا دفاع کریں، تاکہ آپ اللہ کا پیغام کھل کر پیش کر سکیں۔

ایام حج میں قبائل عرب کے سامنے دعوتِ اسلامیہ کو پیش کرنے سے متعلق بعض تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں:

۱- امام احمد، بیہقی اور ابو نعیم نے ربیعہ الدیلی سے روایت کی ہے کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں رسول اللہ ﷺ کو بازار ذی الحجاز میں یہ کہتے ہوئے سنا: لوگو! تم لا الہ الا اللہ کہو، کامیاب ہو جاؤ گے، اور لوگ آپ کے ارد گرد جمع ہوتے اور آپ کے پیچھے ایک بھینگا آدمی لگا ہوتا جس کے رخسار آگ کی مانند سرخ ہوتے، وہ کہتا: یہ آدمی بے دین اور جھوٹا ہے، آپ جہاں جاتے وہ شخص آپ کے پیچھے لگا رہتا۔ میں نے لوگوں سے اس کے بارے میں پوچھا تو بتایا کہ یہ اُس کا چچا بولہب ہے۔

۲- ابن شہاب زہری کہتے ہیں: آپ ﷺ ایک بار قبیلہ کندہ کے خیموں میں آئے، ان کے درمیان ان کا ایک سردار بھی تھا، جس کا نام ملیح تھا، آپ ﷺ نے ان سب کو اللہ کے دین کی دعوت دی، اور اپنے ساتھ لے جانے کو کہا تو انہوں نے انکار کر دیا۔

۳- اور قبیلہ کلب کی ایک شاخ بنی عبد اللہ کے خیموں میں آئے، انہیں اللہ کے دین کی دعوت دی، اور اپنے ساتھ لے جانے کو کہا تو انہوں نے آپ کی مانگ کو قبول نہیں کیا۔

۴- اسی طرح بنی حنیفہ کے خیموں میں آئے، انہیں بھی اللہ کے دین کی دعوت دی اور ان سے اپنے قبیلے میں لے جانے کی درخواست کی تو آپ کو عربوں میں کسی کا جواب بھی ان کے جواب سے بُرا نہ ملا۔

۵- اور آپ ﷺ بنی عامر بن صعصعہ کے پاس آئے اور ان کو بھی اسلام کی دعوت دی اور طلب کیا کہ وہ آپ کو اپنے ساتھ لے جائیں تو ان میں سے ایک آدمی نے کہا جس کا نام بیحورہ بن فراس تھا: اللہ کی قسم! میں اگر اس قریشی جوان کو لے چلوں تو اس کے ذریعے سارے عرب کو کھا جاؤں، پھر اُس نے آپ ﷺ سے کہا: اگر ہم نے تمہاری اتباع کی، پھر اللہ نے تمہیں تمہارے مخالفین پر غالب بنا دیا تو کیا تمہارے بعد سیادت ہمارے حصے میں آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ معاملہ تو اللہ کے اختیار میں ہے، وہ جہاں چاہتا ہے اُسے جگہ دیتا ہے۔ بیحورہ نے کہا: کیا ہم تمہیں بچانے کے لئے اپنی گردنیں عربوں کو پیش کر دیں، اور جب تم غالب آ جاؤ تو سیادت و حکمرانی دوسروں کو مل جائے، ہمیں تمہاری پیروی کرنے کی ضرورت نہیں۔

کلبی نے اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ عامر بن حصصہ کے خیمے میں پہنچے، اس وقت لوگ بازارِ عکاظ میں خرید و فروخت کر رہے تھے، اسی اثناء میں بنجرہ بن فراس قشیری ان کے پاس آیا، اور پوچھا: یہ آدمی کون ہے؟ مجھے تو یہ آدمی تمہارے پاس اجنبی سالگ رہا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ محمد بن عبد اللہ قرشی ہے، اس نے کہا: تمہارے ساتھ اس کا کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے کہا: اس کا خیال ہے کہ یہ اللہ کا رسول ہے، اور اس نے ہم سے طلب کیا ہے کہ ہم اس کا دفاع اور اس کی حفاظت کریں، تاکہ یہ اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچائے۔ اس نے پوچھا: تم لوگوں نے اسے کیا جواب دیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہم نے اس کو خوش آمدید کہا ہے، اور ہم اسے لے کر اپنے علاقے میں جائیں گے، اور اپنی جانوں کی طرح اس کی جان کی حفاظت کریں گے۔ بنجرہ نے کہا: اس بازار میں موجود لوگوں میں سے کوئی شخص بھی اس سے زیادہ مشکل چیز کو لے کر اپنے علاقے میں نہیں لوٹے گا، جسے لے کر تم لوٹو گے، تم نے لوگوں کی مخالفت مول لی ہے۔ اب سارے عرب ایک تیر کے ذریعہ تمہیں نشانہ بنائیں گے، اس کی قوم کے لوگ اسے زیادہ جانتے ہیں، اگر انہیں اس سے کسی خیر کی امید ہوتی تو وہ لوگوں میں سب سے زیادہ اس کے مستحق ہوتے، کیا تم ایسے شکست خوردہ آدمی کو اپنے گلے لگا رہے ہو جسے اس کی قوم نے نکال بھگایا ہے، اور اس کی تکذیب کی ہے، اور تم اسے پناہ دینا چاہتے اور اس کی مدد کرنا چاہتے ہو، تمہاری یہ رائے بہت ہی بُری ہے۔

پھر وہ آدمی رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہوا اور کہا: اُٹھو! اپنی قوم کے پاس جاؤ، اللہ کی قسم! اگر تم میری قوم کے پاس نہ ہوتے تو میں تمہاری گردن اڑا دیتا، یہ سُن کر رسول اللہ ﷺ اپنی اونٹنی کے پاس آئے، اور اس پر سوار ہو کر جانے لگے، تو خبیث بنجرہ نے اس کے پہلو میں لکڑی لگا کر اسے بدکا دیا۔ اونٹنی تیزی کے ساتھ اُچھل پڑی اور آپ ﷺ زمین پر گر پڑے۔

اُنہی دنوں ضبامہ بنت عامر بن فرط نام کی ایک عورت بنی عامر کے پاس آئی تھی، یہ مکہ میں دیگر عورتوں کے ساتھ ابتدا ہی میں اسلام میں داخل ہو گئی تھی۔ اور اپنے چچا زادوں سے ملنے کے لئے ان کے پاس آئی تھی، اس نے کہا: اے آلِ عامر! تمہارا ستیاناس ہو، تمہارے سامنے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایسا کچھ کیا جا رہا ہے، اور تم میں سے کوئی ان کی حمایت نہیں کر رہا ہے، چنانچہ اس کے چچا زادوں میں سے تین جوانوں نے بنجرہ کو پکڑ لیا، اور اسے زمین پر دے مارا، پھر ان میں سے ایک اس کے سینے پر بیٹھ گیا، پھر تینوں نے مل کر اس کے چہرے پر خوب طمانچہ لگائے، رسول اللہ ﷺ نے کہا: اے اللہ! تو ان کی زندگی میں برکت دے، اور بیحشرہ اور اس کے لوگوں کو اپنی رحمت سے دور کر دے، چنانچہ وہ تینوں اشخاص جنہوں نے آپ کی مدد کی، اسلام لے آئے، اور

شہادت کی موت پائی، وہ تینوں سہل کے دو بیٹے غطف اور غطفان اور عروہ یا عذرہ بن عبد اللہ بن سلمہ رضی اللہ عنہم تھے، اور جن پر اللہ نے لعنت بھیجی تھی وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے۔ ان کے نام یہ ہیں: بجرہ، حزن بن عبد اللہ بن سلمہ بن قشیر اور معاویہ بن عبادہ بنی عقیل کا ایک فرد۔

۶- اور آپ ﷺ بکر بن وائل کے پاس گئے اور ان سے پوچھا: تم لوگ کون ہو؟ انہوں نے کہا: ہم قبیلہ بکر بن وائل کے بنی قیس بن ثعلبہ سے تعلق رکھتے ہیں، آپ نے پوچھا: تمہاری تعداد کتنی ہے؟ انہوں نے کہا: بہت زیادہ، مٹی کے ذروں کی مانند۔ آپ نے پوچھا: تمہاری قوتِ دفاع کیسی ہے؟ انہوں نے کہا: ہم کسی کی پناہ میں زندگی نہیں گزارتے ہیں، ہمارے پڑوسی فارس والے ہیں، جن سے ہم کو کوئی شکایت نہیں، اور نہ ہم ان کے مخالفین کو پناہ دیتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم لوگ مجھ سے یہ وعدہ کرو گے کہ اگر اللہ نے تمہیں باقی رکھا، یہاں تک کہ تم فارس والوں کے گھروں پر قبضہ کر لو، ان کی عورتوں سے شادی کر لو، اور ان کے بیٹوں کو اپنا غلام بنالو، تو تم لوگ تینتیس (۳۳) مرتبہ سبحان اللہ کہو گے اور تینتیس (۳۳) مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس (۴۴) مرتبہ اللہ اکبر؟ انہوں نے پوچھا: تم کون ہو؟ آپ ﷺ نے کہا: میں اللہ کا رسول ہوں، پھر آپ آگے بڑھ گئے۔

۷- اس کے بعد آپ ﷺ بنی شیبان بن ثعلبہ کے پاس گئے اُس وقت آپ کے ساتھ ابو بکر بھی تھے، آپ نے ان سے بات کرنی چاہی، ان لوگوں میں مفروق بن عمرو، ہانی بن قبیصہ، مثنیٰ بن حارثہ اور نعمان بن شریک تھے۔ مفروق رسول اللہ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا: اے قریشی جوان! تم کس بات کی دعوت دیتے ہو؟ رسول اللہ ﷺ آگے بڑھ کر بیٹھ گئے اور ابو بکر اپنے کپڑے سے آپ کے سر پر سایہ کر رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں یہ دعوت دیتا ہوں کہ تم لوگ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اور یہ کہ تم لوگ مجھے اپنے پاس لے چلو، اور میری مدد کرو، تاکہ میں اللہ کے اس پیغام کو لوگوں تک پہنچاؤں جس کا اُس نے مجھے حکم دیا ہے۔ قریش نے اللہ کے حکم کی مخالفت کی ہے، اس کے رسول کو جھٹلایا اور باطل کو اپنا کر حق سے اعراض کیا ہے، حالانکہ اللہ بے نیاز اور ساری تعریفوں کا مستحق ہے۔

مفروق نے آپ ﷺ سے پھر پوچھا: اے قریشی! تم اور کس بات کی طرف بلا تے ہو؟ تو رسول اللہ ﷺ نے مندرجہ ذیل آیتیں تلاوت فرمائیں: ﴿قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذِكْرُكُمْ

وَصَاحُكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۱﴾ (آپ کہئے، آؤ، میں پڑھ کر سناؤں وہ چیزیں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کر دی ہیں، وہ یہ ہیں کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ بناؤ، اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اور محتاجی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، ہم تمہیں اور انہیں سب کو روزی دیتے ہیں، اور برائیوں کے قریب نہ جاؤ جو ظاہر ہوں اور جو پوشیدہ ہوں، اور اس جان کو قتل نہ کرو، جسے اللہ نے حرام کر دیا ہے، مگر یہ کہ کسی شرعی حق کی وجہ سے کسی کو قتل کرنا پڑے، اللہ نے تمہیں ان باتوں کا حکم دیا ہے، تاکہ تم عقل سے کام لو) [الأنعام: ۱۵۱]۔ مفروق نے آپ سے پھر کہا: اے قریشی! اور کس بات کی طرف تم بلا تے ہو؟ اللہ کی قسم! یہ اہل زمین کا کلام نہیں ہے۔ اگر یہ کلام انسانوں کا ہو تا تو ہم اسے پہچان لیتے، تو آپ ﷺ نے مندرجہ ذیل آیت پڑھی: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾ (بے شک اللہ انصاف اور احسان اور رشتہ داروں کو (مالی) تعاون دینے کا حکم دیتا ہے، اور بے حیائی اور ناپسندیدہ افعال اور سرکشی سے روکتا ہے، وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم اسے قبول کر لو) [النحل: ۹۰]۔

مفروق نے آپ ﷺ سے کہا: اللہ کی قسم! تم نے اخلاقی حسہ اور نیک اعمال کی طرف بلایا ہے، اور یقیناً وہ قوم جھوٹی ہے جس نے تمہیں جھٹلایا ہے، اور تمہاری مخالفت کی ہے، پھر ہانی بن قبیصہ نے بات کی اور کہا: اے قریشی! میں نے تمہاری بات سنی اور تمہارے قول کی تصدیق کی، پھر اُس نے آپ ﷺ سے کہا کہ آپ انہیں مہلت دیں، تاکہ غور و فکر کرنے کے بعد آپ ﷺ کی دعوت کو قبول کرنے کی سوچیں۔

پھر مثنیٰ بن حارثہ نے بات کی اور ہانی کے مانند بات کہی، اور کہا: ہم لوگ عراق اور سرزمین عرب کے دیہی علاقوں اور ملک فارس اور کسریٰ کی نہروں کے درمیان رہتے ہیں، اگر تم چاہتے ہو کہ ہم تمہارا دفاع ان لوگوں سے کریں جو سرزمین عرب سے متصل رہتے ہیں تو اس کے لئے تیار ہیں۔ البتہ کسریٰ اور ہمارے درمیان یہ عہد ہے کہ ہم کسی نئی بات پیدا کرنے والے کو پناہ نہ دیں، اور جس بات کی تم دعوت دے رہے ہو، اسے بادشاہ لوگ پسند نہیں کرتے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم پسند کرو گے کہ جب کچھ ہی دنوں کے بعد اللہ تعالیٰ ان کی سرزمین اور ان کا مال و متاع تمہارے قبضے میں کر دے، اور ان کی بیٹیوں کو تمہارے حوالے کر دے، تو تم سجان اللہ کا ورد کرو گے اور اللہ کی پاکی بیان کرو گے؟ نعمان بن شریک نے کہا: اے قریشی! اس کا ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے مندرجہ ذیل آیت کی تلاوت کی: ﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَهِيدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا﴾ (۴۵) وَذَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِآذِنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا ﴿۴۶﴾ (اے میرے نبی! ہم نے آپ کو گواہ بنا کر اور جنت کی خوشخبری

دینے والا اور جہنم سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، اور اللہ کے حکم کے مطابق لوگوں کو اس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے) [الاحزاب: ۴۵، ۴۶] پھر آپ ﷺ ابو بکر کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے اٹھ کر آگے بڑھ گئے۔

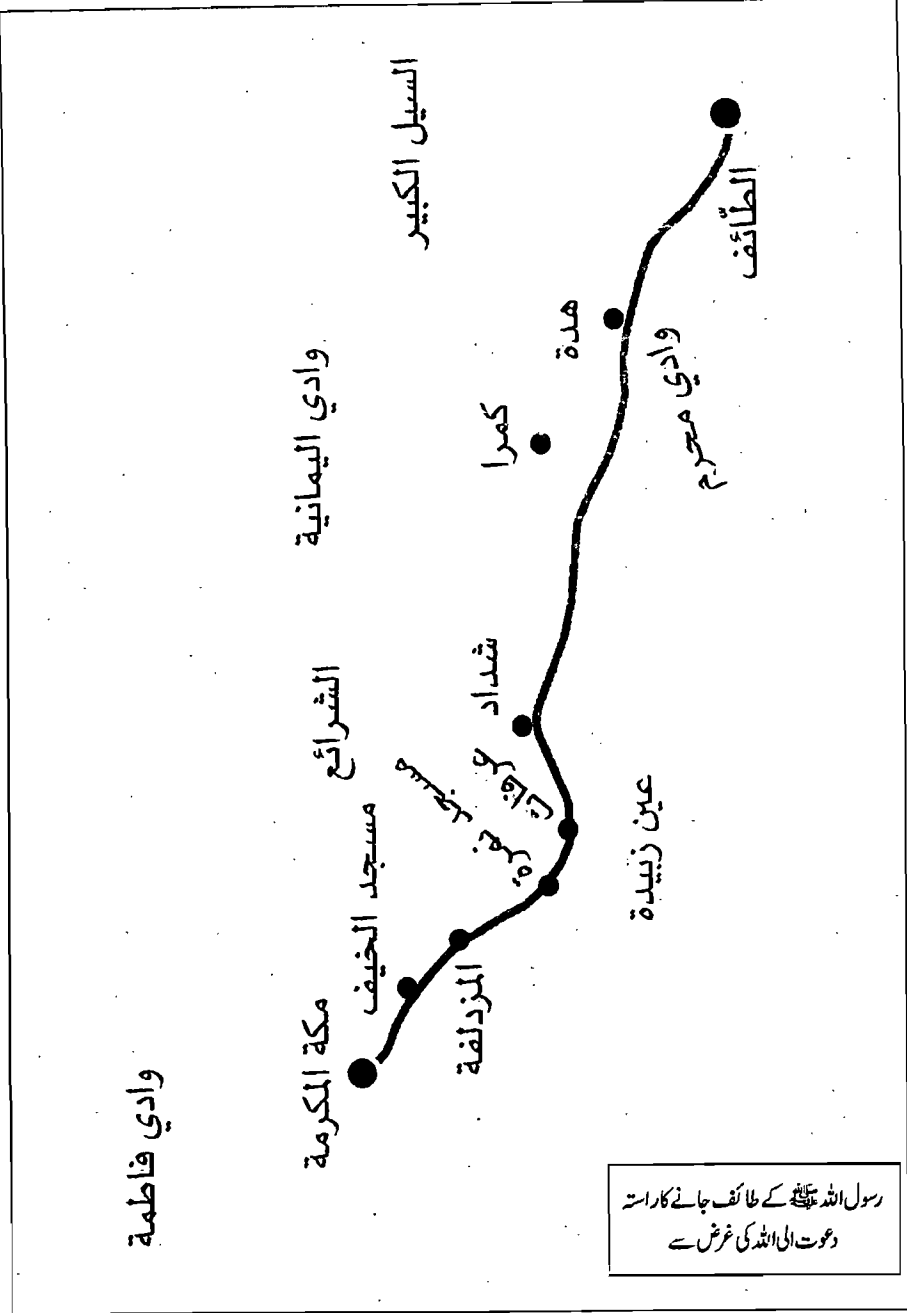
۸- حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: واقندی نے ہر اس قبیلے کا نام ذکر کیا ہے، جن کے پاس نبی کریم ﷺ اسلام کی دعوت لے کر گئے۔ آپ مندرجہ ذیل قبائل کے پاس گئے:

بنی عامر، غسان، بنی فزارہ، بنی مرہ، بنی حنیفہ، بنی سلیم، بنی عبس، بنی نصر بن ہوازن، بنی ثعلبہ بن عکابہ، کندہ، کلب، بنی حارث بن کعب، بنی عذرہ، قیس بن حطیم وغیرہم۔ اور ان کو اسلام کی دعوت دی۔

۹- اور قبیلہ ہمدان کا ایک آدمی آپ ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: تم کس قبیلہ کے ہو؟ اس نے کہا: قبیلہ ہمدان کا، آپ ﷺ نے کہا: کیا تمہاری قوم پناہ دینے کی طاقت رکھتی ہے؟ اس نے کہا: ہاں، پھر وہ آدمی ڈر گیا کہ کہیں اس کی قوم اس سے ناراض نہ ہو جائے، اس لئے وہ دوبارہ آپ ﷺ کے پاس آیا، اور کہا: میں پہلے ان کے پاس جا کر انہیں تمہارے بارے میں بتاتا ہوں، پھر تمہارے پاس آئندہ سال آؤں گا، آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے، پھر وہ آدمی چلا گیا اور اسی سال ماہ رجب میں انصار کا وفد آکر آپ سے ملا۔

زہری کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ اُن سالوں میں ہر موسم حج میں اپنے آپ کو قبائل کے سامنے پیش کرتے اور ہر سردار قوم سے بات کرتے، اور ان سے صرف یہی سوال کرتے کہ وہ آپ کو پناہ دیں، اور آپ کا دفاع کریں۔ اور آپ یہ بھی کہتے کہ میں تم میں سے کسی کو بھی کسی بات پر مجبور نہیں کرتا، جو شخص میری دعوت پسند کرتا ہے، قبول کرے، اور جو ناپسند کرتا ہے تو میں اسے مجبور نہیں کرتا، میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ قتل کئے جانے سے میرا دفاع کیا جائے، تاکہ میں اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچا سکوں، لیکن ان قبائل میں سے کسی نے بھی آپ کی طلب منظور نہیں کی، اور آپ جب بھی کسی قبیلہ کے پاس جاتے تو وہ لوگ یہی کہتے کہ کسی آدمی کا قبیلہ اس کو زیادہ جانتا ہے، کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک ایسا آدمی ہماری اصلاح کرے، جس نے اپنی قوم کو بگاڑ دیا ہے، اس لئے انہوں نے اسے الگ کر دیا ہے۔ زہری کہتے ہیں کہ دراصل اللہ نے یہ سعادت انصار کے لئے لکھی تھی، چنانچہ اس کے ذریعہ اللہ نے انہیں عزت بخشی^(۱)۔

(۱) دیکھئے: اتحاف الوری: ۳۱۴-۳۲۲، السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۱۵۵-۱۷۲، صحیح السیرۃ النبویہ، ابراہیم علی ص ۱۳۹-۱۴۲۔



دعوتِ اسلام اور اہل مدینہ

سوید بن صامت کا اسلام:

بنی عمرو بن عوف کے سوید بن صامت حج یا عمرہ کے لئے مدینہ سے مکہ آئے، یہ اپنی قوم میں کبر سنی، صبر و شکیبائی، شعر گوئی اور اپنے شرف و نسب کی وجہ سے ”کامل“ کے نام سے جانے جاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب ان کی آمد کی خبر ہوئی تو ان سے جا کر ملے اور انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، تو سوید نے آپ سے کہا: شاید تمہارے پاس اسی جیسی چیز ہے جو میرے پاس ہے، رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: تمہارے پاس کون سی چیز ہے؟ انہوں نے کہا: حکمت لقمان۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا: اُسے میرے سامنے پیش کرو، تو انہوں نے اُسے پیش کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کلام اچھا ہے، لیکن جو میرے پاس ہے، وہ اس سے بہتر ہے، میرے پاس قرآن ہے، جسے اللہ نے مجھ پر نازل کیا ہے، اور وہ اللہ کی ہدایت اور اس کا نور ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے قرآن کی تلاوت کی اور انہیں اسلام کی دعوت دی، تو انہوں نے اس کا انکار نہیں کیا اور کہا: یہ بات اچھی ہے۔ پھر وہاں سے چلے گئے۔

اور جب مدینہ واپس لوٹے تو کچھ ہی دنوں کے بعد خزرج والوں نے انہیں قتل کر دیا۔ ان کی قوم کے لوگ کہا کرتے تھے کہ ہمارے یقین ہے، وہ قتل ہونے سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ اُن کا قتل جنگِ بعاث سے پہلے ہوا تھا^(۱)۔

ایاس بن معاذ کا اسلام:

اور ابو حیسر انس بن رافع مکہ آیا تو اس کے ساتھ بنی عبد الاشہل کے کچھ جوان تھے، انہی میں سے ایاس بن معاذ بھی تھے۔ یہ لوگ اپنی قوم خزرج والوں کی طرف سے قریش کی تائید و نصرت حاصل کرنے کے لئے آئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کی خبر ہوئی تو ان کے پاس گئے اور کہا: کیا تمہیں اُس چیز سے زیادہ اچھی شے چاہئے جس کے لئے تم آئے ہو؟ انہوں نے کہا: وہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں، اللہ کے بندوں کو اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور مجھ پر اللہ نے اپنی کتاب نازل کی ہے، پھر آپ ﷺ نے ان کے سامنے اسلام کی تشریح کی اور قرآن کی تلاوت کی۔

ایاس بن معاذ نے کہا: (جو ایک کم عمر نو جوان تھے) اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی قسم! یہ اس سے بہتر ہے

(۱) السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۲/۲۳۳، ۱/۲۳۴، ۱/۲۳۵، ۱/۲۳۶، ۱/۲۳۷، ۱/۲۳۸، ۱/۲۳۹، ۱/۲۴۰، ۱/۲۴۱، ۱/۲۴۲، ۱/۲۴۳، ۱/۲۴۴، ۱/۲۴۵، ۱/۲۴۶، ۱/۲۴۷، ۱/۲۴۸، ۱/۲۴۹، ۱/۲۵۰، ۱/۲۵۱، ۱/۲۵۲، ۱/۲۵۳، ۱/۲۵۴، ۱/۲۵۵، ۱/۲۵۶، ۱/۲۵۷، ۱/۲۵۸، ۱/۲۵۹، ۱/۲۶۰، ۱/۲۶۱، ۱/۲۶۲، ۱/۲۶۳، ۱/۲۶۴، ۱/۲۶۵، ۱/۲۶۶، ۱/۲۶۷، ۱/۲۶۸، ۱/۲۶۹، ۱/۲۷۰، ۱/۲۷۱، ۱/۲۷۲، ۱/۲۷۳، ۱/۲۷۴، ۱/۲۷۵، ۱/۲۷۶، ۱/۲۷۷، ۱/۲۷۸، ۱/۲۷۹، ۱/۲۸۰، ۱/۲۸۱، ۱/۲۸۲، ۱/۲۸۳، ۱/۲۸۴، ۱/۲۸۵، ۱/۲۸۶، ۱/۲۸۷، ۱/۲۸۸، ۱/۲۸۹، ۱/۲۹۰، ۱/۲۹۱، ۱/۲۹۲، ۱/۲۹۳، ۱/۲۹۴، ۱/۲۹۵، ۱/۲۹۶، ۱/۲۹۷، ۱/۲۹۸، ۱/۲۹۹، ۱/۳۰۰، ۱/۳۰۱، ۱/۳۰۲، ۱/۳۰۳، ۱/۳۰۴، ۱/۳۰۵، ۱/۳۰۶، ۱/۳۰۷، ۱/۳۰۸، ۱/۳۰۹، ۱/۳۱۰، ۱/۳۱۱، ۱/۳۱۲، ۱/۳۱۳، ۱/۳۱۴، ۱/۳۱۵، ۱/۳۱۶، ۱/۳۱۷، ۱/۳۱۸، ۱/۳۱۹، ۱/۳۲۰، ۱/۳۲۱، ۱/۳۲۲، ۱/۳۲۳، ۱/۳۲۴، ۱/۳۲۵، ۱/۳۲۶، ۱/۳۲۷، ۱/۳۲۸، ۱/۳۲۹، ۱/۳۳۰، ۱/۳۳۱، ۱/۳۳۲، ۱/۳۳۳، ۱/۳۳۴، ۱/۳۳۵، ۱/۳۳۶، ۱/۳۳۷، ۱/۳۳۸، ۱/۳۳۹، ۱/۳۴۰، ۱/۳۴۱، ۱/۳۴۲، ۱/۳۴۳، ۱/۳۴۴، ۱/۳۴۵، ۱/۳۴۶، ۱/۳۴۷، ۱/۳۴۸، ۱/۳۴۹، ۱/۳۵۰، ۱/۳۵۱، ۱/۳۵۲، ۱/۳۵۳، ۱/۳۵۴، ۱/۳۵۵، ۱/۳۵۶، ۱/۳۵۷، ۱/۳۵۸، ۱/۳۵۹، ۱/۳۶۰، ۱/۳۶۱، ۱/۳۶۲، ۱/۳۶۳، ۱/۳۶۴، ۱/۳۶۵، ۱/۳۶۶، ۱/۳۶۷، ۱/۳۶۸، ۱/۳۶۹، ۱/۳۷۰، ۱/۳۷۱، ۱/۳۷۲، ۱/۳۷۳، ۱/۳۷۴، ۱/۳۷۵، ۱/۳۷۶، ۱/۳۷۷، ۱/۳۷۸، ۱/۳۷۹، ۱/۳۸۰، ۱/۳۸۱، ۱/۳۸۲، ۱/۳۸۳، ۱/۳۸۴، ۱/۳۸۵، ۱/۳۸۶، ۱/۳۸۷، ۱/۳۸۸، ۱/۳۸۹، ۱/۳۹۰، ۱/۳۹۱، ۱/۳۹۲، ۱/۳۹۳، ۱/۳۹۴، ۱/۳۹۵، ۱/۳۹۶، ۱/۳۹۷، ۱/۳۹۸، ۱/۳۹۹، ۱/۴۰۰، ۱/۴۰۱، ۱/۴۰۲، ۱/۴۰۳، ۱/۴۰۴، ۱/۴۰۵، ۱/۴۰۶، ۱/۴۰۷، ۱/۴۰۸، ۱/۴۰۹، ۱/۴۱۰، ۱/۴۱۱، ۱/۴۱۲، ۱/۴۱۳، ۱/۴۱۴، ۱/۴۱۵، ۱/۴۱۶، ۱/۴۱۷، ۱/۴۱۸، ۱/۴۱۹، ۱/۴۲۰، ۱/۴۲۱، ۱/۴۲۲، ۱/۴۲۳، ۱/۴۲۴، ۱/۴۲۵، ۱/۴۲۶، ۱/۴۲۷، ۱/۴۲۸، ۱/۴۲۹، ۱/۴۳۰، ۱/۴۳۱، ۱/۴۳۲، ۱/۴۳۳، ۱/۴۳۴، ۱/۴۳۵، ۱/۴۳۶، ۱/۴۳۷، ۱/۴۳۸، ۱/۴۳۹، ۱/۴۴۰، ۱/۴۴۱، ۱/۴۴۲، ۱/۴۴۳، ۱/۴۴۴، ۱/۴۴۵، ۱/۴۴۶، ۱/۴۴۷، ۱/۴۴۸، ۱/۴۴۹، ۱/۴۵۰، ۱/۴۵۱، ۱/۴۵۲، ۱/۴۵۳، ۱/۴۵۴، ۱/۴۵۵، ۱/۴۵۶، ۱/۴۵۷، ۱/۴۵۸، ۱/۴۵۹، ۱/۴۶۰، ۱/۴۶۱، ۱/۴۶۲، ۱/۴۶۳، ۱/۴۶۴، ۱/۴۶۵، ۱/۴۶۶، ۱/۴۶۷، ۱/۴۶۸، ۱/۴۶۹، ۱/۴۷۰، ۱/۴۷۱، ۱/۴۷۲، ۱/۴۷۳، ۱/۴۷۴، ۱/۴۷۵، ۱/۴۷۶، ۱/۴۷۷، ۱/۴۷۸، ۱/۴۷۹، ۱/۴۸۰، ۱/۴۸۱، ۱/۴۸۲، ۱/۴۸۳، ۱/۴۸۴، ۱/۴۸۵، ۱/۴۸۶، ۱/۴۸۷، ۱/۴۸۸، ۱/۴۸۹، ۱/۴۹۰، ۱/۴۹۱، ۱/۴۹۲، ۱/۴۹۳، ۱/۴۹۴، ۱/۴۹۵، ۱/۴۹۶، ۱/۴۹۷، ۱/۴۹۸، ۱/۴۹۹، ۱/۵۰۰، ۱/۵۰۱، ۱/۵۰۲، ۱/۵۰۳، ۱/۵۰۴، ۱/۵۰۵، ۱/۵۰۶، ۱/۵۰۷، ۱/۵۰۸، ۱/۵۰۹، ۱/۵۱۰، ۱/۵۱۱، ۱/۵۱۲، ۱/۵۱۳، ۱/۵۱۴، ۱/۵۱۵، ۱/۵۱۶، ۱/۵۱۷، ۱/۵۱۸، ۱/۵۱۹، ۱/۵۲۰، ۱/۵۲۱، ۱/۵۲۲، ۱/۵۲۳، ۱/۵۲۴، ۱/۵۲۵، ۱/۵۲۶، ۱/۵۲۷، ۱/۵۲۸، ۱/۵۲۹، ۱/۵۳۰، ۱/۵۳۱، ۱/۵۳۲، ۱/۵۳۳، ۱/۵۳۴، ۱/۵۳۵، ۱/۵۳۶، ۱/۵۳۷، ۱/۵۳۸، ۱/۵۳۹، ۱/۵۴۰، ۱/۵۴۱، ۱/۵۴۲، ۱/۵۴۳، ۱/۵۴۴، ۱/۵۴۵، ۱/۵۴۶، ۱/۵۴۷، ۱/۵۴۸، ۱/۵۴۹، ۱/۵۵۰، ۱/۵۵۱، ۱/۵۵۲، ۱/۵۵۳، ۱/۵۵۴، ۱/۵۵۵، ۱/۵۵۶، ۱/۵۵۷، ۱/۵۵۸، ۱/۵۵۹، ۱/۵۶۰، ۱/۵۶۱، ۱/۵۶۲، ۱/۵۶۳، ۱/۵۶۴، ۱/۵۶۵، ۱/۵۶۶، ۱/۵۶۷، ۱/۵۶۸، ۱/۵۶۹، ۱/۵۷۰، ۱/۵۷۱، ۱/۵۷۲، ۱/۵۷۳، ۱/۵۷۴، ۱/۵۷۵، ۱/۵۷۶، ۱/۵۷۷، ۱/۵۷۸، ۱/۵۷۹، ۱/۵۸۰، ۱/۵۸۱، ۱/۵۸۲، ۱/۵۸۳، ۱/۵۸۴، ۱/۵۸۵، ۱/۵۸۶، ۱/۵۸۷، ۱/۵۸۸، ۱/۵۸۹، ۱/۵۹۰، ۱/۵۹۱، ۱/۵۹۲، ۱/۵۹۳، ۱/۵۹۴، ۱/۵۹۵، ۱/۵۹۶، ۱/۵۹۷، ۱/۵۹۸، ۱/۵۹۹، ۱/۶۰۰، ۱/۶۰۱، ۱/۶۰۲، ۱/۶۰۳، ۱/۶۰۴، ۱/۶۰۵، ۱/۶۰۶، ۱/۶۰۷، ۱/۶۰۸، ۱/۶۰۹، ۱/۶۱۰، ۱/۶۱۱، ۱/۶۱۲، ۱/۶۱۳، ۱/۶۱۴، ۱/۶۱۵، ۱/۶۱۶، ۱/۶۱۷، ۱/۶۱۸، ۱/۶۱۹، ۱/۶۲۰، ۱/۶۲۱، ۱/۶۲۲، ۱/۶۲۳، ۱/۶۲۴، ۱/۶۲۵، ۱/۶۲۶، ۱/۶۲۷، ۱/۶۲۸، ۱/۶۲۹، ۱/۶۳۰، ۱/۶۳۱، ۱/۶۳۲، ۱/۶۳۳، ۱/۶۳۴، ۱/۶۳۵، ۱/۶۳۶، ۱/۶۳۷، ۱/۶۳۸، ۱/۶۳۹، ۱/۶۴۰، ۱/۶۴۱، ۱/۶۴۲، ۱/۶۴۳، ۱/۶۴۴، ۱/۶۴۵، ۱/۶۴۶، ۱/۶۴۷، ۱/۶۴۸، ۱/۶۴۹، ۱/۶۵۰، ۱/۶۵۱، ۱/۶۵۲، ۱/۶۵۳، ۱/۶۵۴، ۱/۶۵۵، ۱/۶۵۶، ۱/۶۵۷، ۱/۶۵۸، ۱/۶۵۹، ۱/۶۶۰، ۱/۶۶۱، ۱/۶۶۲، ۱/۶۶۳، ۱/۶۶۴، ۱/۶۶۵، ۱/۶۶۶، ۱/۶۶۷، ۱/۶۶۸، ۱/۶۶۹، ۱/۶۷۰، ۱/۶۷۱، ۱/۶۷۲، ۱/۶۷۳، ۱/۶۷۴، ۱/۶۷۵، ۱/۶۷۶، ۱/۶۷۷، ۱/۶۷۸، ۱/۶۷۹، ۱/۶۸۰، ۱/۶۸۱، ۱/۶۸۲، ۱/۶۸۳، ۱/۶۸۴، ۱/۶۸۵، ۱/۶۸۶، ۱/۶۸۷، ۱/۶۸۸، ۱/۶۸۹، ۱/۶۹۰، ۱/۶۹۱، ۱/۶۹۲، ۱/۶۹۳، ۱/۶۹۴، ۱/۶۹۵، ۱/۶۹۶، ۱/۶۹۷، ۱/۶۹۸، ۱/۶۹۹، ۱/۷۰۰، ۱/۷۰۱، ۱/۷۰۲، ۱/۷۰۳، ۱/۷۰۴، ۱/۷۰۵، ۱/۷۰۶، ۱/۷۰۷، ۱/۷۰۸، ۱/۷۰۹، ۱/۷۱۰، ۱/۷۱۱، ۱/۷۱۲، ۱/۷۱۳، ۱/۷۱۴، ۱/۷۱۵، ۱/۷۱۶، ۱/۷۱۷، ۱/۷۱۸، ۱/۷۱۹، ۱/۷۲۰، ۱/۷۲۱، ۱/۷۲۲، ۱/۷۲۳، ۱/۷۲۴، ۱/۷۲۵، ۱/۷۲۶، ۱/۷۲۷، ۱/۷۲۸، ۱/۷۲۹، ۱/۷۳۰، ۱/۷۳۱، ۱/۷۳۲، ۱/۷۳۳، ۱/۷۳۴، ۱/۷۳۵، ۱/۷۳۶، ۱/۷۳۷، ۱/۷۳۸، ۱/۷۳۹، ۱/۷۴۰، ۱/۷۴۱، ۱/۷۴۲، ۱/۷۴۳، ۱/۷۴۴، ۱/۷۴۵، ۱/۷۴۶، ۱/۷۴۷، ۱/۷۴۸، ۱/۷۴۹، ۱/۷۵۰، ۱/۷۵۱، ۱/۷۵۲، ۱/۷۵۳، ۱/۷۵۴، ۱/۷۵۵، ۱/۷۵۶، ۱/۷۵۷، ۱/۷۵۸، ۱/۷۵۹، ۱/۷۶۰، ۱/۷۶۱، ۱/۷۶۲، ۱/۷۶۳، ۱/۷۶۴، ۱/۷۶۵، ۱/۷۶۶، ۱/۷۶۷، ۱/۷۶۸، ۱/۷۶۹، ۱/۷۷۰، ۱/۷۷۱، ۱/۷۷۲، ۱/۷۷۳، ۱/۷۷۴، ۱/۷۷۵، ۱/۷۷۶، ۱/۷۷۷، ۱/۷۷۸، ۱/۷۷۹، ۱/۷۸۰، ۱/۷۸۱، ۱/۷۸۲، ۱/۷۸۳، ۱/۷۸۴، ۱/۷۸۵، ۱/۷۸۶، ۱/۷۸۷، ۱/۷۸۸، ۱/۷۸۹، ۱/۷۹۰، ۱/۷۹۱، ۱/۷۹۲، ۱/۷۹۳، ۱/۷۹۴، ۱/۷۹۵، ۱/۷۹۶، ۱/۷۹۷، ۱/۷۹۸، ۱/۷۹۹، ۱/۸۰۰، ۱/۸۰۱، ۱/۸۰۲، ۱/۸۰۳، ۱/۸۰۴، ۱/۸۰۵، ۱/۸۰۶، ۱/۸۰۷، ۱/۸۰۸، ۱/۸۰۹، ۱/۸۱۰، ۱/۸۱۱، ۱/۸۱۲، ۱/۸۱۳، ۱/۸۱۴، ۱/۸۱۵، ۱/۸۱۶، ۱/۸۱۷، ۱/۸۱۸، ۱/۸۱۹، ۱/۸۲۰، ۱/۸۲۱، ۱/۸۲۲، ۱/۸۲۳، ۱/۸۲۴، ۱/۸۲۵، ۱/۸۲۶، ۱/۸۲۷، ۱/۸۲۸، ۱/۸۲۹، ۱/۸۳۰، ۱/۸۳۱، ۱/۸۳۲، ۱/۸۳۳، ۱/۸۳۴، ۱/۸۳۵، ۱/۸۳۶، ۱/۸۳۷، ۱/۸۳۸، ۱/۸۳۹، ۱/۸۴۰، ۱/۸۴۱، ۱/۸۴۲، ۱/۸۴۳، ۱/۸۴۴، ۱/۸۴۵، ۱/۸۴۶، ۱/۸۴۷، ۱/۸۴۸، ۱/۸۴۹، ۱/۸۵۰، ۱/۸۵۱، ۱/۸۵۲، ۱/۸۵۳، ۱/۸۵۴، ۱/۸۵۵، ۱/۸۵۶، ۱/۸۵۷، ۱/۸۵۸، ۱/۸۵۹، ۱/۸۶۰، ۱/۸۶۱، ۱/۸۶۲، ۱/۸۶۳، ۱/۸۶۴، ۱/۸۶۵، ۱/۸۶۶، ۱/۸۶۷، ۱/۸۶۸، ۱/۸۶۹، ۱/۸۷۰، ۱/۸۷۱، ۱/۸۷۲، ۱/۸۷۳، ۱/۸۷۴، ۱/۸۷۵، ۱/۸۷۶، ۱/۸۷۷، ۱/۸۷۸، ۱/۸۷۹، ۱/۸۸۰، ۱/۸۸۱، ۱/۸۸۲، ۱/۸۸۳، ۱/۸۸۴، ۱/۸۸۵، ۱/۸۸۶، ۱/۸۸۷، ۱/۸۸۸، ۱/۸۸۹، ۱/۸۹۰، ۱/۸۹۱، ۱/۸۹۲، ۱/۸۹۳، ۱/۸۹۴، ۱/۸۹۵، ۱/۸۹۶، ۱/۸۹۷، ۱/۸۹۸، ۱/۸۹۹، ۱/۹۰۰، ۱/۹۰۱، ۱/۹۰۲، ۱/۹۰۳، ۱/۹۰۴، ۱/۹۰۵، ۱/۹۰۶، ۱/۹۰۷، ۱/۹۰۸، ۱/۹۰۹، ۱/۹۱۰، ۱/۹۱۱، ۱/۹۱۲، ۱/۹۱۳، ۱/۹۱۴، ۱/۹۱۵، ۱/۹۱۶، ۱/۹۱۷، ۱/۹۱۸، ۱/۹۱۹، ۱/۹۲۰، ۱/۹۲۱، ۱/۹۲۲، ۱/۹۲۳، ۱/۹۲۴، ۱/۹۲۵، ۱/۹۲۶، ۱/۹۲۷، ۱/۹۲۸، ۱/۹۲۹، ۱/۹۳۰، ۱/۹۳۱، ۱/۹۳۲، ۱/۹۳۳، ۱/۹۳۴، ۱/۹۳۵، ۱/۹۳۶، ۱/۹۳۷، ۱/۹۳۸، ۱/۹۳۹، ۱/۹۴۰، ۱/۹۴۱، ۱/۹۴۲، ۱/۹۴۳، ۱/۹۴۴، ۱/۹۴۵، ۱/۹۴۶، ۱/۹۴۷، ۱/۹۴۸، ۱/۹۴۹، ۱/۹۵۰، ۱/۹۵۱، ۱/۹۵۲، ۱/۹۵۳، ۱/۹۵۴، ۱/۹۵۵، ۱/۹۵۶، ۱/۹۵۷، ۱/۹۵۸، ۱/۹۵۹، ۱/۹۶۰، ۱/۹۶۱، ۱/۹۶۲، ۱/۹۶۳، ۱/۹۶۴، ۱/۹۶۵، ۱/۹۶۶، ۱/۹۶۷، ۱/۹۶۸، ۱/۹۶۹، ۱/۹۷۰، ۱/۹۷۱، ۱/۹۷۲، ۱/۹۷۳، ۱/۹۷۴، ۱/۹۷۵، ۱/۹۷۶، ۱/۹۷۷، ۱/۹۷۸، ۱/۹۷۹، ۱/۹۸۰، ۱/۹۸۱، ۱/۹۸۲، ۱/۹۸۳، ۱/۹۸۴، ۱/۹۸۵، ۱/۹۸۶، ۱/۹۸۷، ۱/۹۸۸، ۱/۹۸۹، ۱/۹۹۰، ۱/۹۹۱، ۱/۹۹۲، ۱/۹۹۳، ۱/۹۹۴، ۱/۹۹۵، ۱/۹۹۶، ۱/۹۹۷، ۱/۹۹۸، ۱/۹۹۹، ۱/۱۰۰۰، ۱/۱۰۰۱، ۱/۱۰۰۲، ۱/۱۰۰۳، ۱/۱۰۰۴، ۱/۱۰۰۵، ۱/۱۰۰۶، ۱/۱۰۰۷، ۱/۱۰۰۸، ۱/۱۰۰۹، ۱/۱۰۱۰، ۱/۱۰۱۱، ۱/۱۰۱۲، ۱/۱۰۱۳، ۱/۱۰۱۴، ۱/۱۰۱۵، ۱/۱۰۱۶، ۱/۱۰۱۷، ۱/۱۰۱۸، ۱/۱۰۱۹، ۱/۱۰۲۰، ۱/۱۰۲۱، ۱/۱۰۲۲، ۱/۱۰۲۳، ۱/۱۰۲۴، ۱/۱۰۲۵، ۱/۱۰۲۶، ۱/۱۰۲۷، ۱/۱۰۲۸، ۱/۱۰۲۹، ۱/۱۰۳۰، ۱/۱۰۳۱، ۱/۱۰۳۲، ۱/۱۰۳۳، ۱/۱۰۳۴، ۱/۱۰۳۵، ۱/۱۰۳۶، ۱/۱۰۳۷، ۱/۱۰۳۸، ۱/۱۰۳۹، ۱/۱۰۴۰، ۱/۱۰۴۱، ۱/۱۰۴۲، ۱/۱۰۴۳، ۱/۱۰۴۴، ۱/۱۰۴۵، ۱/۱۰۴۶، ۱/۱۰۴۷، ۱/۱۰۴۸، ۱/۱۰۴۹، ۱/۱۰۵۰، ۱/۱۰۵۱، ۱/۱۰۵۲، ۱/۱۰۵۳، ۱/۱۰۵۴، ۱/۱۰۵۵، ۱/۱۰۵۶، ۱/۱۰۵۷، ۱/۱۰۵۸، ۱/۱۰۵۹، ۱/۱۰۶۰، ۱/۱۰۶۱، ۱/۱۰۶۲، ۱/۱۰۶۳، ۱/۱۰۶۴، ۱/۱۰۶۵، ۱/۱۰۶۶، ۱/۱۰۶۷، ۱/۱۰۶۸، ۱/۱۰۶۹، ۱/۱۰۷۰، ۱/۱۰۷۱، ۱/۱۰۷۲، ۱/۱۰۷۳، ۱/۱۰۷۴، ۱/۱۰۷۵، ۱/۱۰۷۶، ۱/۱۰۷۷، ۱/۱۰۷۸، ۱/۱۰۷۹، ۱/۱۰۸۰، ۱/۱۰۸۱، ۱/۱۰۸۲، ۱/۱۰۸۳، ۱/۱۰۸۴، ۱/۱۰۸۵، ۱/۱۰۸۶، ۱/۱۰۸۷، ۱/۱۰۸۸، ۱/۱۰۸۹، ۱/۱۰۹۰، ۱/۱۰۹۱، ۱/۱۰۹۲، ۱/۱۰۹۳، ۱/۱۰۹۴، ۱/۱۰۹۵، ۱/۱۰۹۶، ۱/۱۰۹۷، ۱/۱۰۹۸، ۱/۱۰۹۹، ۱/۱۱۰۰، ۱/۱۱۰۱، ۱/۱۱۰۲، ۱/۱۱۰۳، ۱/۱۱۰۴، ۱/۱۱۰۵، ۱/۱۱۰۶، ۱/۱۱۰۷، ۱/۱۱۰۸، ۱/۱۱۰۹، ۱/۱۱۱۰، ۱/۱۱۱۱، ۱/۱۱۱۲، ۱/۱۱۱۳، ۱/۱۱۱۴، ۱/۱۱۱۵، ۱/۱۱۱۶، ۱/۱۱۱۷، ۱/۱۱۱۸، ۱/۱۱۱۹، ۱/۱۱۲۰، ۱/۱۱۲۱، ۱/۱۱۲۲، ۱/۱۱۲۳، ۱/۱۱۲۴، ۱/۱۱۲۵، ۱/۱۱۲۶، ۱/۱۱۲۷، ۱/۱۱۲۸، ۱/۱۱۲۹، ۱/۱۱۳۰، ۱/۱۱۳۱، ۱/۱۱۳۲، ۱/۱۱۳۳، ۱/۱۱۳۴، ۱/۱۱۳۵، ۱/۱۱۳۶، ۱/۱۱۳۷، ۱/۱۱۳۸، ۱/۱۱۳۹، ۱/۱۱۴۰، ۱/۱۱۴۱، ۱/۱۱۴۲، ۱/۱۱۴۳، ۱/۱۱۴۴، ۱/۱۱۴۵، ۱/۱۱۴۶، ۱/۱۱۴۷، ۱/۱۱۴۸، ۱/۱۱۴۹، ۱/۱۱۵۰، ۱/۱۱۵۱، ۱/۱۱۵۲، ۱/۱۱۵۳، ۱/۱۱۵۴، ۱/۱۱۵۵، ۱/۱۱۵۶، ۱/۱۱۵۷، ۱/۱۱۵۸، ۱/۱۱۵۹، ۱/۱۱۶۰، ۱/۱۱۶۱، ۱/۱۱۶۲، ۱/۱۱۶۳، ۱/۱۱۶۴، ۱/۱۱۶۵، ۱/۱۱۶۶، ۱/۱۱۶۷، ۱/۱۱۶۸، ۱/۱۱۶۹، ۱/۱۱۷۰، ۱/۱۱۷۱، ۱/۱۱۷۲، ۱/۱۱۷۳، ۱/۱۱۷۴، ۱/۱۱۷۵، ۱/۱۱۷۶، ۱/۱۱۷۷، ۱/۱۱۷۸، ۱/۱۱۷۹، ۱/۱۱۸۰، ۱/۱۱۸۱، ۱/۱۱۸۲، ۱/۱۱۸۳، ۱/۱۱۸۴، ۱/۱۱۸۵، ۱/۱۱۸۶، ۱/۱۱۸۷، ۱/۱۱۸۸، ۱/۱۱۸۹، ۱/۱۱۹۰، ۱/۱۱۹۱، ۱/۱۱۹۲، ۱/۱۱۹۳، ۱/۱۱۹۴، ۱/۱۱۹۵، ۱/۱۱۹۶، ۱/۱۱۹۷، ۱/۱۱۹۸، ۱/۱۱۹۹، ۱/۱۲۰۰، ۱/۱۲۰۱، ۱/۱۲۰۲، ۱/۱۲۰۳، ۱/۱۲۰۴، ۱/۱۲۰۵، ۱/۱۲۰۶، ۱/۱۲۰۷، ۱/۱۲۰۸، ۱/۱۲۰۹، ۱/۱۲۱۰، ۱/۱۲۱۱، ۱/۱۲۱۲، ۱/۱۲۱۳، ۱/۱۲۱۴، ۱/۱۲۱۵، ۱/۱۲۱۶، ۱

جس کے لئے تم آئے ہو۔ ابو حیسر نے ایک مٹھی مٹی اٹھائی اور ایاس بن معاذ کے چہرہ پر ماردی، اور کہا: تم اس بات کو چھوڑو، اللہ کی قسم! ہم کسی اور کام کے لئے آئے ہیں، ایاس پچھ ہو گئے، اور رسول اللہ ﷺ وہاں سے چلے گئے، اور وہ لوگ مدینہ واپس چلے گئے، اور اس کے بعد ہی اوس و خزرج کے درمیان بھٹا کی جنگ چھڑ گئی، اور ایاس بن معاذ کی وفات ہو گئی۔ وفات سے پہلے ان کی قوم ان کی زبان سے تہلیل و تکبیر اور اللہ کی حمد و ثنا کے کلمات سنتی رہی، یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی، ان لوگوں کو اس بارے میں ذرہ برابر بھی شک نہیں تھا کہ ان کی وفات حالتِ اسلام میں ہوئی تھی^(۱)۔

چھ اہل مدینہ کی اسلام پر بیعت:

اللہ نبوی کے موسم حج میں آپ حسبِ عادت قبائلِ عرب سے ملنے کے لئے نکلے، تو عقبہ کے پاس آپ کی ملاقات قبیلہ خزرج کے چھ اشخاص سے ہوئی اللہ کے علم کے مطابق اب اعلانِ اسلام اور نبیِ اسلام ﷺ کے اعزاز کا وقت بالکل قریب ہو چکا تھا، ان حضرات کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

بنی نجار کے ابو امامہ، اسعد بن زرارہ، عوف بن حارث بن عفراء، بنی زریق کے رافع بن مالک بن عجلان، بنی سلمہ کے قطبہ بن عامر بن حدیدہ، بنی حرام بن کعب کے عقبہ بن عامر بن نابی، اور عبید بن عدی ابن سلمہ کے جابر بن عبد اللہ بن رباب۔

آپ ﷺ ان کے پاس گئے اور کہا: آپ لوگ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: ہم قبیلہ خزرج کے ہیں، آپ نے پوچھا: کیا وہی جو یہودیوں کے ساتھ معاہدہ رکھتے ہیں، انہوں نے کہا: ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم لوگ بیٹھنا چاہو گے تاکہ میں تم سے بات کروں، انہوں نے کہا: ہاں، پھر وہ سب آپ کے ساتھ بیٹھ گئے تو آپ ﷺ نے انہیں بتایا کہ اللہ نے آپ کو اپنی نبوت کے لئے چن لیا ہے، اور انہیں اللہ کی طرف بلایا، اور ان کے سامنے اسلام کی تشریح کی اور قرآن کی تلاوت کی۔

یہ لوگ یہودیوں سے سنا کرتے تھے کہ ایک نبی کی بعثت کا زمانہ قریب آچکا ہے، اور یہ کہ وہ بنی غالب کا ایک فرد ہوگا، جب رسول اللہ ﷺ کی بات ختم ہوئی تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: اے قوم کے لوگو! جان لو کہ یہی وہ نبی ہیں جن کا نام لے کر یہود تمہیں دھمکی دیتے ہیں، دیکھو، ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ تم سے پہلے ان پر ایمان لے آئیں، چنانچہ وہ سب نبی کریم ﷺ پر ایمان لے آئے، اور ان کی تصدیق کی اور آپ ﷺ نے اسلام سے متعلق جو باتیں ان کے سامنے پیش کی تھیں انہیں قبول کر لیا، اور ان کی اتباع کا وعدہ کیا، اور کہنے لگے کہ ہم اپنی

(۱) صحیح السیرۃ النبویہ، ابن الجیم علی: ص ۱۴۳، مسند احمد: ۵/۱۵۲، اس کی سند حسن ہے، سیرۃ ابن ہشام: ۱/۴۲۸، ۴۲۷۔

قوم کو اس حال میں چھوڑ کر آئے ہیں کہ ان سے زیادہ دنیا کی کسی قوم کے درمیان دشمنی اور بغض و حسد کی آگ نہ بھڑکی ہوگی، اور امید ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ متحد کر دے گا ہم مدینہ پہنچتے ہی ان کے سامنے آپ ﷺ کی دعوت کو رکھیں گے، اور انہیں اسے قبول کرنے کی رغبت دلائیں گے، اگر اللہ نے ان سب کو آپ کی دعوت پر اکٹھا کر دیا تو آپ سے زیادہ کوئی معزز آدمی نہیں ہوگا، اور آئندہ سال موسم حج میں آپ سے ملنے کا وعدہ کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ اس پر راضی ہو گئے۔ پھر وہ لوگ اپنے وطن چلے گئے اور اپنی قوم کو خفیہ طور پر اسلام کی دعوت دینے لگے، انہیں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بتایا اور ان کے سامنے اس دعوت کی تشریح کی جس کے ساتھ اللہ نے آپ کو مبعوث کیا تھا، اور انہیں قرآن بھی سنایا، یہاں تک کہ انصار کے گھروں میں سے کوئی گھر ایسا باقی نہ رہا جس کے کچھ لوگوں نے اسلام کو قبول نہ کیا ہو، اس طرح اسلام بڑی تیزی کے ساتھ ان میں پھیلنے لگا، اور ہر گھر میں نبی کریم ﷺ کا ذکر خیر ہونے لگا^(۱)۔

دوسرے سال موسم حج میں انصار کے بارہ آدمی مکہ آئے، ان میں سے پانچ (جابر کے سوا) تو وہی تھے جن کا ذکر آچکا، اور ان کے علاوہ مندرجہ ذیل لوگ تھے:

معاذ بن عفراء، ذکوان بن عبد قیس، عبادہ بن صامت، یزید بن ثعلبہ، عباس بن عبادہ۔ یہ دسوں قبیلہ خزرج کے تھے، اور قبیلہ اوس کے دو تھے، اویم بن ساعدہ اور ابو الہیثم مالک بن تہیان۔ یہ بارہ آدمی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عقبہ میں جمع ہوئے، اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ امام بخاری نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں ان لوگوں کے ساتھ تھا جو عقبہ کے پاس پہلی بیعت میں موجود تھے، اور ہم بارہ آدمی تھے، اور ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت النساء جیسی بیعت کی (یعنی ان عورتوں کی بیعت جیسی جس کا حکم فتح مکہ کے وقت نازل ہوا تھا) کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کریں گے، چوری نہیں کریں گے، زنا نہیں کریں گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے، بہتان تراشی نہیں کریں گے، اور کسی نیکی کے کام میں اللہ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم نے اس عہد کو پورا کیا تو تمہیں جنت ملے گی اور اگر تم نے ان گناہوں میں سے کسی کا ارتکاب کیا تو تمہارا معاملہ اللہ کے حوالے ہوگا، چاہے گا تو تمہیں عذاب دے گا، اور چاہے گا تو تمہیں معاف کر دے گا^(۲)۔

(۱) دیکھئے: سیرۃ ابن ہشام: ۴۲۸-۴۳۰، السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۱۷۶/۲، اتحاف الوری: ۳۱۵-۳۱۸۔

(۲) صحیح البخاری، حدیث (۳۸۹۳)، صحیح مسلم، حدیث (۱۷۰۹)، السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۱۷۹/۲۔

مصعب بن عمیر مدینہ میں بحیثیت داعی و معلم:

جب وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے لوٹ کر مدینہ جانے لگے تو ان کے ساتھ مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف کو بھیجا، اور انہیں حکم دیا کہ وہ انہیں قرآن پڑھنا سکھائیں اور اسلام کی تعلیم دیں۔ مصعب مدینہ میں اسعد بن زرارہ کے پاس رہنے لگے اور مقرئ کے نام مشہور ہو گئے، اور نماز میں ان کی امامت کرنے لگے، اس لئے کہ اس وقت خورج نے اسے پسند نہیں کیا کہ ان میں سے کوئی ان کی امامت کرے۔

ایک دن اسعد بن زرارہ انہیں لے کر بنی عبد الاشہل کے علاقہ میں گئے اور بنی ظفر کے ایک باغ میں داخل ہوئے، وہاں اسعد بن معاذ کو ان کے آنے کی خبر ہوئی، اسعد بن زرارہ ان کے خالہ زاد بھائی تھے۔ اسعد بن معاذ نے اسید بن حفیر سے کہا: تم اسعد بن زرارہ کے پاس جاؤ اسے ڈانٹ پلاؤ اور کہو کہ کوئی بھی ایسا کام نہ کرے جسے ہم پسند نہیں کرتے، مجھے خبر ملی ہے کہ وہی اس اجنبی آدمی کو اپنے ساتھ لایا ہے جو ہمارے نادانوں اور کمزوروں کو بے وقوف بنا رہا ہے، اگر میرے اور اس کے درمیان قربت نہ ہوتی تو تمہارے بجائے میں خود ہی اس سے نمٹ لیتا۔ اسید بن حفیر نے اپنا نیزہ لیا اور چل کر ان دونوں کے پاس آئے، جب اسعد بن زرارہ نے انہیں دیکھا تو مصعب بن عمیر سے کہا: یہ اپنی قوم کا سردار تمہارے پاس آ رہا ہے، تم اسے اسلام میں داخل ہونے کے لئے پوری محنت کرو۔ مصعب نے کہا: اگر وہ بیٹھ جائے گا تو میں اس سے بات کروں گا۔ اسید ان دونوں کے سامنے کھڑے ہو کر بُرا بھلا کہنے لگے، نیز کہا: اے اسعد! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اس اجنبی آدمی کو ہمارے پاس لائے ہو جو ہمارے نادانوں اور کمزوروں کو بے وقوف بناتا ہے؟ انہوں نے کہا: کیا تم بیٹھ کر بات سننا پسند کرو گے، اگر تمہیں میری بات اچھی لگے تو اسے قبول کر لینا اور اگر بُری لگے تو پھر ہمیں اس بات سے روک دینا۔ اسید نے کہا: تم نے انصاف سے کام لیا ہے، پھر اپنا نیزہ زمین میں گاڑ کر بیٹھ گئے۔ تب ان سے مصعب بن عمیر نے بات کی اور ان کے سامنے اسلام کی تشریح کی اور قرآن کی تلاوت کی، تو اللہ کی قسم! ہم نے اسید کے چہرے پر قبول اسلام کی نشانی پڑھ لی، قبل اس کے کہ وہ کوئی بات کرتا، پھر اسید نے کہا: یہ کیا ہی اچھی اور پیاری بات ہے۔ جب تم لوگ اس دین میں داخل ہونا چاہتے ہو تو کیا کرتے ہو؟ ان دونوں نے کہا: پہلے تم غسل کرو گے، اپنے کپڑے پاک کرو گے، اور کلمہ توحید کی شہادت دو گے، اور دو رکعت نماز پڑھو گے۔ اسید نے ایسا ہی کیا۔

پھر ان دونوں سے کہا: میرے پیچھے میری قوم کا ایک اہم آدمی ہے، اگر اس نے تم دونوں کی بات مان لی تو اس کے بعد کوئی بھی تمہاری مخالفت نہیں کرے گا، اسید وہاں سے لوٹ کر اسعد بن معاذ کے پاس آئے، جب اسعد

نے انہیں آتا ہوا دیکھا تو اپنے لوگوں سے کہا: اللہ کی قسم! اُسید بن جھیر تمہارے پاس اس چہرہ کے ساتھ لوٹ کر نہیں آرہا ہے جس کے ساتھ وہ یہاں سے گیا تھا۔ اُسید تم نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا: میں نے ان دونوں کو ڈانٹا ہے اور مجھے خبر ملی ہے کہ بنی حارثہ والے اسعد بن زرارہ کو پکڑ کر قتل کر دینا چاہتے ہیں تاکہ اس طرح وہ لوگ تمہارے ساتھ دھوکہ نہ کریں، اس لئے کہ اسعد تمہارا خالہ زاد بھائی ہے، اسعد ناراض ہو کر اٹھے، اپنا نیزہ سنبھالا، اور اُسید سے کہا: اللہ کی قسم! تم نے کوئی مفید کام نہیں کیا، پھر وہاں سے چل کر اسعد کے پاس آئے، اسعد نے جب انہیں دیکھا تو مصعب سے کہا: اللہ کی قسم! یہ اپنی قوم کا بڑا سردار آرہا ہے، اگر اس نے تمہاری بات مان لی، تو اس کی قوم کا کوئی آدمی تمہاری مخالفت نہیں کرے گا، تم اس پر پورے اخلاص کے ساتھ محنت کرو۔ مصعب بن عمیر نے کہا: اگر میری بات سننے کے لئے تیار ہو گا تو میں اس سے بات کروں گا۔ اسعد جب اُن کے سامنے پہنچے تو کہا: اے اسعد! کیا وجہ ہے کہ تم ایسا کام کرتے ہو جسے میں پسند نہیں کرتا؟ اللہ کی قسم! اگر میرے اور تمہارے درمیان قرابت نہ ہوتی تو تمہیں مجھ سے ایسی لالچ نہ ہوتی۔ اسعد نے کہا: کیا تم بیٹھ کر میری بات سنو گے، اگر تمہیں پسند آئے تو قبول کر لینا اور اگر ناپسند ہو تو مجھے معاف کر دینا۔

سعد نے کہا: تم دونوں نے انصاف کی بات کی ہے، پھر انہوں نے اپنا نیزہ زمین میں گاڑ دیا اور بیٹھ گئے، تب مصعب نے ان سے بات کی، اسلام کی تشریح کی اور قرآن کی تلاوت کی، تو اللہ کی قسم ہم نے ان کے چہرے پر قبول اسلام کی علامت پڑھ لی، قبل اس کے کہ وہ بات کرتے، پھر سعد نے کہا: یہ کتنی اچھی بات ہے۔ جب تم لوگ اس دین میں داخل ہونا چاہتے ہو تو کیا کرتے ہو؟ ان دونوں نے کہا: تم غسل کرو گے، اپنے کپڑے پاک و صاف کرو گے، توحید کی شہادت دو گے، اور دو رکعت نماز پڑھو گے، سعد نے ایسا ہی کیا، پھر اپنا نیزہ لے کر اپنی قوم کے پاس واپس گئے۔

جب بنی عبد الاشہل والوں نے ان کو دیکھا تو کہنے لگے: اللہ کی قسم! اسعد تم لوگوں کے پاس اس چہرے کے ساتھ نہیں لوٹ رہا ہے جس کے ساتھ وہ تمہارے پاس سے گیا تھا، سعد جب ان کے پاس پہنچے تو کہنے لگے: بنی عبد الاشہل! تم مجھے اپنے درمیان کیسا آدمی سمجھتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم اللہ کی قسم! آپ کو اپنا سب سے بہتر اور اپنے درمیان سب سے زیادہ دانش مند سمجھتے ہیں۔ سعد نے کہا: تو تمہاری عورتوں اور تمہارے مردوں کے لئے مجھ سے بات کرنا حرام ہے، یہاں تک کہ تم ایک اللہ پر ایمان لاؤ اور محمد ﷺ کی تصدیق کرو، چنانچہ اللہ کی قسم، اس دن کی شام تک بنی عبد الاشہل کے گھروں میں کوئی مرد یا عورت ایسا باقی نہ رہا جس نے اسلام کو قبول نہیں کیا۔ مصعب بن عمیر اس کے بعد اسعد بن زرارہ کے گھر لوٹ آئے، اور لوگوں کو پوری تندہی کے ساتھ اسلام

کی دعوت دیتے رہے، یہاں تک کہ انصار کا کوئی گھرایا باقی نہیں رہا جس میں مسلمان مرد اور عورتیں نہ پائی جاتی ہوں، سوائے بنی اُمیہ بن زید، خلمہ، وائل اور واقف کے گھروں کے۔

اور ایسا اس لئے ہوا کہ اُن میں ابو قیس بن اسلت نامی ایک شاعر تھا، جس کی بات وہ لوگ سنتے تھے اور اس کی اطاعت کرتے تھے، یہ شخص ان کے اسلام لانے کی راہ میں حائل ہو گیا اور انہیں اسلام میں داخل ہونے سے روکتا رہا، غزوہ خندق کے بعد تک ان کا یہی حال رہا۔ اور اس شاعر کو اسلام سے عبد اللہ بن ابی بن سلول روکتا رہا، جس کو اسی شاعر نے ہی نبی کریم ﷺ کے بارے میں بتایا تھا کہ یہی وہ آدمی ہے جس کی بشارت یہودیوں نے دی تھی۔

اسی سبب سے رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی صداقت کا علم رکھتے ہوئے، اس نے قبولِ حق سے اعراض کیا۔ یہ شخص زمانہ جاہلیت میں تارکِ دنیا ہو گیا تھا، بُت پرستی کو چھوڑ دیا تھا، اور ناپاکی کے بعد غسل کرتا تھا، اس نے نصرانیت کو قبول کرنا چاہا، پھر ایسا نہیں کیا، اس نے اپنے لئے ایک خاص مسجد بنائی تھی اور کہتا تھا: لوگو! ابراہیم کے اللہ کی عبادت کرو۔

ابن اثیر نے اُسد الغابہ میں لکھا ہے: جب اس کی موت کا وقت قریب ہوا تو نبی کریم ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی تو وہ کہتے ہوئے سا گیا: لا اِلٰهَ اِلاَّ اللہ۔

مصعب بن عمیر موسمِ حج آنے سے پہلے ہی مکہ لوٹ گئے، اور نبی کریم ﷺ کو مدینہ میں تیزی کے ساتھ اسلام پھیلنے کی خوشخبری دی، اور بتایا کہ وہاں اسلام ہر گھر میں داخل ہو چکا ہے۔ مصعب پہلے آدمی ہیں جنہوں نے اسعد بن زرارہ کی مدد سے مدینہ میں مسلمانوں کو جمعہ کی نماز پڑھائی۔ یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کے مدینہ آنے سے پہلے کا ہے، اُس دن اُن نمازیوں کی تعداد چالیس تھی^(۱)۔



(۱) السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۱۷۶-۱۹۰، دلائل النبوة: ۴۳۰-۴۴۰، عیون الاثر: ۳۶۱-۳۶۸، صحیح السیرۃ النبویہ، ابراہیم علی: ص ۱۲۶-۱۵۰۔

معراج نبوی

انہی دنوں جب اسلام کی دعوت کفارِ قریش کے گوناگوں مظالم کے باوجود مکہ، یثرب اور دیگر عرب قبائل کے درمیان تیزی کے ساتھ پھیل رہی تھی۔ ۱۲ نبوی میں معراج نبوی کا واقعہ ہوا، اور پانچوں نمازیں فرض کی گئیں، نیز موسم حج میں اشخاص و قبائل کے سامنے دعوتِ اسلامیہ کو پیش کرنے کے بہت سارے مثبت نتائج ظاہر ہوئے۔

اسی لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس عظیم واقعہ سے متعلق یہاں کچھ لکھتا چلوں جو اسی سال وقوع پذیر ہوا، جس سال مقامِ عقبہ پر مدینہ والوں نے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر پہلی بار بیعت کی، اس کے بعد ان شاء اللہ مقامِ عقبہ پر دوسری بیعت نیز نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کی مدینہ کی طرف ہجرت کے بارے میں لکھوں گا:

علامہ ابن الجوزی نے واقدی سے ان کے مشائخ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا آسمانی سفر سنچر کی رات ۱۷/۱ رمضان المبارک ۱۲ نبوی میں ہجرت سے اٹھارہ (۱۸) ماہ پہلے ہوا تھا^(۱)۔

واقدی نے اپنے اساتذہ و مشائخ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو معراج ہجرت سے ایک سال پہلے ۱۷/۱ ربیع الاول کی رات میں ہوئی اور یہی ابن عباس اور عائشہ کا قول ہے اور اسی کو قاضی عیاض نے اپنی کتاب الشفاء میں رائج قرار دیا ہے^(۲)۔

اور کچھ لوگوں نے کہا ہے: معراج کا واقعہ رمضان میں ہجرت سے چھ ماہ پہلے ہوا، ایک قول یہ بھی ہے کہ ہجرت سے آٹھ ماہ پہلے ہوا، اس قول کے مطابق معراج ماہِ رجب میں ہوا تھا، اور ابن الجوزی نے اپنے شیخ ابوالفضل بن ناصر کے حوالے سے اسی کو ترجیح دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ معراج ۱۷/۲ رجب کی رات میں ہوئی۔

اور بخاری، مسلم، احمد، نسائی اور ترمذی نے انس بن مالک سے روایت کی ہے کہ مالک بن صعصعہ نے ان سے حدیث بیان کی کہ نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کے سامنے معراج کی رات کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: میں عظیم میں لیٹا ہوا تھا۔ یا شاید کہا کہ میں حجر میں لیٹا ہوا تھا۔ تو ایک آنے والا میرے پاس آیا، اور میرے جسم کو یہاں سے یہاں تک چاک کر دیا، میں نے جارود سے پوچھا جو میرے بغل میں تھے کہ اس سے کیا مراد ہے، تو انہوں

(۱) الوقاء: ۳۳۹/۱۔

(۲) الشفاء: ۱۰۸/۱۔

نے کہا: آپ کے سینے سے آپ کی ناف تک، اور میں نے ان سے یہ کہتے ہوئے سنا: آپ کے سینے کی بالائی ہڈی سے آپ کی ناف تک، پھر اس نے میرا دل نکالا، پھر اس کے لئے سونے کا بنا ایک طشت جو ایمان سے بھرا ہوا تھا، لایا گیا، پھر میرے دل کو دھویا گیا، پھر ایمان سے بھر دیا گیا، پھر اُسے جوں کا توں لوٹا دیا گیا، پھر میرے لئے ایک سفید جانور لایا گیا، جو خنجر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا۔ جارود نے ان سے پوچھا: اے ابو حمزہ! کیا وہ براق تھا، تو انس نے کہا: ہاں، وہ اپنی ٹاپ انسان کی منتہائے نگاہ کے پاس رکھتا تھا، پھر میں اس پر سوار کر دیا گیا، پھر جبریل مجھے لے کر چلے، یہاں تک کہ میں آسمان دنیا پر آگیا، وہاں دروازہ کھولنے کے لئے کہا گیا: پوچھا گیا یہ کون ہے؟ کہا: جبریل، پوچھا گیا: اور آپ کے ساتھ کون ہیں؟ کہا: محمد، پوچھا گیا: کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ کہا: ہاں، کہا گیا: ان کو خوش آمدید کہتا ہوں، کیا ہی اچھا آنے والا آیا ہے، پھر دروازہ کھول دیا گیا، جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں آدم تھے۔ جبریل نے کہا: یہ آپ کے باپ آدم ہیں، انہیں سلام کیجئے، تو میں نے انہیں سلام کیا، اور انہوں نے سلام کا جواب دیا، پھر کہا: خوش آمدید کہتا ہوں، نیک بیٹے اور نیک نبی کو۔

پھر مجھے اُپر لے جایا گیا، یہاں تک کہ دوسرا آسمان آگیا، اس کا دروازہ کھولنے کے لئے کہا گیا، تو پوچھا گیا: کون ہے؟ کہا: جبریل۔ پوچھا گیا: اور آپ کے ساتھ کون ہیں؟ کہا: محمد، پوچھا گیا: کیا انہیں بلا بھیجا گیا ہے؟ جبریل نے کہا: ہاں، کہا: انہیں میں خوش آمدید کہتا ہوں، بہت ہی اچھا آنے والا آیا ہے، پھر دروازہ کھول دیا گیا، جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں یحییٰ اور عیسیٰ ملے، یہ دونوں آپس میں خالہ زاد بھائی تھے، جبریل نے کہا: یہ یحییٰ اور عیسیٰ ہیں، انہیں آپ سلام کیجئے، میں نے سلام کیا، تو دونوں نے جواب دیا، اور کہا: ہم خوش آمدید کہتے ہیں اپنے نیک بھائی اور نیک نبی کو۔

پھر مجھے تیسرے آسمان تک لے جایا گیا، اور دروازہ کھولنے کے لئے کہا گیا، تو پوچھا گیا: یہ کون ہے؟ کہا: جبریل۔ پوچھا گیا: اور آپ کے ساتھ کون ہیں؟ کہا: محمد، پوچھا گیا: کیا انہیں بلا بھیجا گیا ہے؟ کہا: ہاں، کہا گیا: انہیں خوش آمدید کہتا ہوں، بہت ہی اچھا آنے والا آیا ہے، پھر دروازہ کھول دیا گیا، جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں یوسف ملے، جبریل نے کہا: یہ یوسف ہیں، انہیں سلام کیجئے، میں نے انہیں سلام کیا، تو انہوں نے جواب دیا، اور کہا: خوش آمدید ہو نیک بھائی اور نیک نبی کو۔

پھر مجھے چوتھے آسمان تک لے جایا گیا، اور دروازہ کھولنے کے لئے کہا گیا، تو پوچھا گیا: یہ کون ہے؟ کہا: جبریل۔ پوچھا گیا: اور آپ کے ساتھ کون ہیں؟ کہا: محمد، پوچھا گیا: کیا انہیں بلا بھیجا گیا ہے؟ کہا: ہاں، کہا گیا: ان کو خوش آمدید کہتا ہوں، بہت ہی اچھا آنے والا آیا ہے، پھر دروازہ کھول دیا گیا، جب میں اندر داخل ہوا تو

وہاں اور لیس ملے، جبریل نے کہا: یہ اور لیس ہیں، انہیں سلام کیجئے، میں نے انہیں سلام کیا، تو انہوں نے جواب دیا، اور کہا: خوش آمدید ہونیک بھائی اور نیک نبی کو۔

پھر مجھے پانچویں آسمان تک لے جایا گیا، اور دروازہ کھولنے کے لئے کہا گیا، تو پوچھا گیا: یہ کون ہے؟ کہا: جبریل۔ پوچھا گیا: اور آپ کے ساتھ کون ہیں؟ کہا: محمد، پوچھا گیا: کیا انہیں بلا بھیجا گیا ہے؟ کہا: ہاں، کہا گیا: انہیں میں خوش آمدید کہتا ہوں، بہت ہی اچھا آنے والا آیا ہے، پھر دروازہ کھول دیا گیا، جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں ہارون ملے، جبریل نے کہا: یہ ہارون ہیں، انہیں سلام کیجئے، میں نے انہیں سلام کیا، تو انہوں نے جواب دیا، اور کہا: خوش آمدید ہونیک بھائی اور نیک نبی کو۔

پھر مجھے چھٹے آسمان تک لے جایا گیا، اور دروازہ کھولنے کے لئے کہا گیا، تو پوچھا گیا: یہ کون ہے؟ کہا: جبریل۔ پوچھا گیا: اور آپ کے ساتھ کون ہیں؟ کہا: محمد، پوچھا گیا: کیا انہیں بلا بھیجا گیا ہے؟ کہا: ہاں، کہا گیا: انہیں میں خوش آمدید کہتا ہوں، بہت ہی اچھا آنے والا آیا ہے، پھر دروازہ کھول دیا گیا، جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں موسیٰ ملے، جبریل نے کہا: یہ موسیٰ ہیں، انہیں سلام کیجئے، میں نے انہیں سلام کیا، تو انہوں نے جواب دیا، اور کہا: خوش آمدید ہونیک بھائی اور نیک نبی کو۔ جب میں ان سے آگے بڑھا، تو رونے لگے اُن سے پوچھا گیا: آپ کیوں روتے ہیں؟ موسیٰ نے کہا: میں اس لئے روتا ہوں کہ ایک لڑکا جو میرے بعد مبعوث ہوا، اس کی امت کے لوگ میری امت سے زیادہ جنت میں داخل ہوں گے۔

پھر مجھے ساتویں آسمان تک لے جایا گیا، وہاں جبریل نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا، تو پوچھا گیا: یہ کون ہے؟ کہا: جبریل۔ پوچھا گیا: اور آپ کے ساتھ کون ہیں؟ کہا: محمد، پوچھا گیا: کیا انہیں بلا بھیجا گیا ہے؟ کہا: ہاں، کہا: انہیں میں خوش آمدید کہتا ہوں، بہت ہی اچھا آنے والا آیا ہے، جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں ابراہیم ملے، جبریل نے کہا: یہ آپ کے باپ ہیں، انہیں سلام کیجئے، میں نے انہیں سلام کیا، تو انہوں نے جواب دیا، اور کہا: خوش آمدید ہونیک بیٹے اور نیک نبی کو۔

پھر مجھے اوپر اٹھا کر سدرة المنتہی کے قریب کر دیا گیا، جس کے پھل بجر کے پانی کے مشکوں کے مانند تھے، اور جس کے پتے ہاتھیوں کے کانوں کے مانند جبریل نے کہا: یہ سدرة المنتہی ہے، وہاں چار نہریں تھیں، دو اندر اور دو باہر، میں نے پوچھا: یہ نہریں کیسی ہیں؟ کہا: اندر کی دو نہریں جنت میں بہہ رہی ہیں، اور باہر کی دو نہریں، نیل اور فرات ہیں۔

پھر مجھے بیت معمور تک اٹھا کر لے جایا گیا، اور وہاں میرے لئے شراب کا ایک پیالہ، اور ایک پیالہ دودھ کا،

اور ایک پیالہ شہد کا لایا گیا، میں نے دودھ کا پیالہ لے لیا، تو جبریل نے کہا: یہی وہ فطرت ہے جس پر آپ، اور آپ کی امت کے لوگ ہیں۔

نماز کا فرض ہونا:

پھر مجھ پر روزانہ پچاس نمازیں فرض کی گئیں، لوٹتے ہوئے موسیٰ کے پاس سے گزرا، تو انہوں نے پوچھا: آپ کو کیا حکم دیا گیا ہے؟ میں نے کہا: مجھے روزانہ پچاس نمازوں کا حکم دیا گیا ہے، انہوں نے کہا: آپ کی امت روزانہ پچاس نمازیں ادا نہیں کر سکتی۔ اللہ کی قسم! میں نے آپ سے پہلے لوگوں کا خوب تجربہ کیا ہے، اور بنی اسرائیل کے ساتھ بہت جھیلا ہے، آپ اپنے رب کے پاس واپس جائیے اور اپنی امت کے لئے تخفیف طلب کیجئے، میں واپس گیا، تو اللہ نے دس نمازیں کم کر دی، پھر لوٹ کر موسیٰ کے پاس آیا تو انہوں نے اپنی پہلی بات دہرائی، میں واپس گیا، تو اللہ نے دس نمازیں اور کم کر دی، میں پھر موسیٰ کے پاس لوٹ کر گیا تو انہوں نے پھر وہی بات کہی، میں پھر لوٹ کر اپنے رب کے پاس گیا تو اس نے پھر دس نمازیں کم کر دی، میں پھر لوٹ کر موسیٰ کے پاس گیا تو انہوں نے پھر وہی بات کہی، میں پھر لوٹ کر گیا تو مجھے روزانہ دس نمازوں کا حکم دیا گیا، میں لوٹ کر گیا تو موسیٰ نے پھر وہی بات کہی، تو میں پھر لوٹ کر گیا تو مجھے روزانہ پانچ نمازوں کا حکم دیا گیا، موسیٰ نے کہا: آپ کی امت روزانہ پانچ نمازوں کی استطاعت نہیں رکھتی، میں نے آپ سے پہلے لوگوں کا خوب تجربہ کیا ہے، اور بنی اسرائیل کے ساتھ بہت جھیلا ہے، آپ پھر لوٹ کر اپنے رب کے پاس جائیے، اور اپنی امت کے لئے تخفیف طلب کیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے بار بار طلب کیا، یہاں تک کہ اب مجھے شرم آنے لگی ہے، میں اس آخری بات پر راضی ہوں اور اسے تسلیم کرتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب میں آگے بڑھا تو ایک منادی نے آواز لگائی، میں نے اپنا حکم نافذ کر دیا، اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی^(۱)۔

معراج جسمانی ہوئی:

علامہ ابن القیم نے لکھا ہے: صحیح یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو آپ کے جسد مبارک کے ساتھ رات کے وقت مسجد حرام سے بیت المقدس براق پر سوار کر کے لے جایا گیا، آپ کے ساتھ جبریل علیہ السلام تھے، وہاں آپ اترے اور انبیاء کرام کو امام بن کر نماز پڑھائی، اور براق کو مسجد کے دروازے کی کنڈی کے ساتھ باندھ دیا، پھر آپ کو اسی رات بیت المقدس سے آسمان دینا کی طرف لے جایا گیا^(۲)۔

(۱) صحیح البخاری: حدیث (۳۸۷۸)، صحیح مسلم، حدیث (۱۶۳)، منہاج احمد (۲۱۰، ۲۰۸/۳) نسائی: ۲۱۷، ترمذی، حدیث (۳۳۴۶)۔

(۲) زاد المعاد: ۳۲/۳۔

ابن القیم کہتے ہیں: صحابہ کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا آپ نے اس رات اپنے رب کو دیکھا تھا؟ ابن عباس سے مروی صحیح قول یہی ہے کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا، اور ان سے یہ بھی صحیح مروی ہے کہ انہوں نے کہا: آپ ﷺ نے اللہ کو اپنے دل کے ذریعہ دیکھا، اور عائشہ اور ابن مسعود نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ (۱۳) عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ﴾ (اور انہوں نے اس فرشتہ کو دوسری بار بھی دیکھا، سدرۃ المنتہی کے پاس) [النجم: ۱۳-۱۴] سے مراد جبریل ہیں۔ اور ابو ذر رضی اللہ عنہ سے صحیح حدیث مروی ہے، انہوں نے آپ ﷺ سے پوچھا: کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ایک نور دیکھا، اللہ کو کہاں دیکھ سکتا تھا^(۱)۔ یعنی میرے اور اللہ کی رویت کے درمیان ایک نور حائل تھا، جیسا کہ ایک دوسری روایت میں آیا ہے، میں نے ایک نور کو دیکھا ہے۔ ابن القیم کہتے ہیں: عثمان بن سعید دارمی نے صحابہ کا اتفاق نقل کیا ہے کہ آپ نے اللہ کو نہیں دیکھا۔

واقعہ معراج اور کفار قریش کا موقف:

نبی کریم ﷺ نے جب مکہ میں صبح کی تو اس معاملے سے بہت گھبرائے اور سوچنے لگے کہ لوگ یقیناً انہیں جھٹلا دیں گے، اس لئے سب سے الگ تھلگ مہنوم و مغموم بیٹھ گئے۔ آپ کے پاس سے ابو جہل گزرا، اور آپ کے پاس بیٹھ گیا، اور استہزاء آمیز انداز میں کہنے لگا، کیا کوئی نئی بات ہوئی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اس نے کہا: وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: مجھے گزشتہ رات یہاں سے لے جایا گیا تھا، اس نے کہا: کہاں، آپ نے فرمایا: بیت المقدس، اس نے کہا: پھر صبح کے وقت یہاں پہنچ گئے، آپ نے فرمایا: ہاں۔ ابو جہل نے سوچا کہ اگر میں نے اسے ابھی جھٹلادیا تو لوگوں کے آنے کے بعد اپنی بات کا انکار کر بیٹھے گا، اس نے کہا: اگر میں تمہاری قوم کے لوگوں کو بلاؤں تو کیا تم انہیں وہ سب کچھ بتاؤ گے جو تم نے مجھے بتایا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اس نے کہا: اے بنی کعب بن لوی کے لوگو! یہاں آؤ، یہ سنتے ہی لوگ اس کے پاس آکر بیٹھ گئے، ابو جہل نے کہا: اپنی قوم کے لوگوں کو بتاؤ، آپ نے فرمایا: مجھے رات کو یہاں سے دور لے جایا گیا تھا، لوگوں نے پوچھا: کہاں، کہاں: بیت المقدس، لوگوں نے پوچھا: پھر صبح کے وقت تم ہمارے درمیان پہنچ گئے، آپ نے کہا: ہاں، پھر تو کوئی تالی بجانے لگا، اور کسی نے اس جھوٹ پر تعجب کرتے ہوئے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیا، پھر سب نے مل کر کہا: کیا تم بیت المقدس کے بارے میں ہمیں بتا سکتے ہو؟ اور حاضرین میں ایسے لوگ موجود تھے، جنہوں نے فلسطین کا سفر کیا تھا، اور بیت المقدس کو دیکھا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اس کا وصف بیان

کرنے لگا، تو بعض باتوں کے سلسلہ میں شبہ میں پڑ گیا، اچانک بیت المقدس کو میرے سامنے کر دیا گیا، اور میں اُسے دیکھنے لگا، اسے دار عقیل سے بھی زیادہ قریب لا کر رکھ دیا گیا، میں اُسے دیکھ رہا تھا، اور اس کا وصف بیان کر رہا تھا، لوگوں نے کہا: اللہ کی قسم! وصف تو بالکل صحیح ہے^(۱)۔

اور امام بخاری نے جابر بن عبد اللہ سے روایت کی ہے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا: جب قریش والوں نے مجھے جھٹلادیا تو میں حجر میں تھا، اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے کر دیا، میں اسے دیکھ کر اس کی نشانیاں بیان کرنے لگا، اس حدیث کو مسلم، ترمذی اور نسائی نے بیان کیا ہے^(۲)۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا موقف:

حاکم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ جب آپ ﷺ کو رات کے وقت مسجد اقصیٰ لے جایا گیا، تو مکہ میں لوگ آپس میں خوب باتیں کرنے لگے، اور کئی لوگ ایمان سے پھر گئے، اور دوڑ کر ابوبکر کے پاس پہنچے اور اُن سے کہا: کیا تمہیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارا دوست یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ اسے رات میں بیت المقدس لے جایا گیا ہے؟ ابوبکر نے کہا: کیا انہوں نے ایسا کہا ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں، تو ابوبکر نے کہا: اگر انہوں نے یہ بات کہی ہے تو سچ ہے، لوگوں نے کہا: کیا تم اس کی اس بات کو مانتے ہو کہ وہ رات میں بیت المقدس گیا اور صبح سے پہلے واپس آگیا؟ انہوں نے کہا: ہاں، میں تو ان کی اس سے زیادہ اہم اور تعجب خیز بات کو مانتا ہوں، میں مانتا ہوں کہ صبح یا شام کسی وقت بھی آپ کے پاس آسمان سے خبر آتی ہے۔ اسی لئے اُن کا نام ابوبکر صدیق پڑ گیا^(۳)۔

نبی کریم ﷺ کے اس مبارک آسمانی سفر میں جن معجزات اور مفید نتائج کا ظہور ہوا وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱- آپ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا، پھر آپ کے دل کو نکال کر دھویا گیا اور اسے ایمان سے بھر دیا گیا، پھر آپ کے سینہ مبارک میں اُسے لوٹا دیا گیا۔

۲- آپ کے سامنے شراب، شہد اور دودھ لایا گیا، تو آپ نے دودھ کو پسند کیا، اس میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ نبی کریم ﷺ نے اس فطرت کو پسند کیا، جس پر آپ قائم ہیں، اور آپ کے بعد آپ کی امت اس پر قائم رہے گی۔

۳- آپ نے جنت میں چار نہریں دیکھیں؛ دو نہریں اندر کی طرف سے اور دو باہر کی طرف سے، اور وہ

(۱) دلائل النبی: ۳۶۳/۲، اور اس کے بعد، السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۱۰۷/۲۔

(۲) السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۱۰۸/۲۔

(۳) المسند رک: ۶۳، ۶۲/۳۔ حاکم کہتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے، اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے، اور اس حدیث کو ابن مردویہ نے بھی روایت کی ہے۔

دونوں دریائے نیل و فرات تھے۔

۴- آپ نے داروغہ جہنم مالک کو دیکھا جو ہنستا نہیں تھا، اور اس کے چہرے پر خوشی اور شادمانی کا کوئی نشان نہیں تھا، اور آپ نے جنت اور جہنم کو دیکھا۔

۵- اور آپ نے ان لوگوں کو دیکھا جو یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں، ان کے ہونٹ اونٹ کے ہونٹوں کے مانند تھے، وہ اپنے منہ میں آگ کے ٹکڑے ڈالتے جاتے تھے جو ان کے پیچھے کے راستے سے نکل رہے تھے۔

۶- اور آپ نے سود کھانے والوں کو دیکھا، ان کے پیٹ بڑے بڑے تھے، جن کے سبب وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتے تھے، اور ان کے پاس سے آل فرعون کے لوگ گزرتے تھے جنہیں آگ میں لے جایا جا رہا تھا، وہ انہیں اپنے پاؤں سے روند رہے تھے۔

۷- اور آپ نے زنا کاروں کو دیکھا، ان کے ہاتھوں میں اچھا، تازہ گوشت تھا اور اس کے پاس ہی سڑا ہوا بدبودار گوشت تھا، وہ سڑا ہوا بدبودار گوشت کھاتے تھے، اور تروتازہ گوشت چھوڑ دیتے تھے۔

۸- اور ایسی عورتوں کو دیکھا جو اپنے شوہروں کی اولاد میں ان بچوں کو داخل کرتی تھیں، جو ان کے نہیں ہوتے تھے، وہ اپنی چھاتیوں کے ذریعہ لٹکائی ہوئی تھیں۔

۹- اور آپ نے اس مبارک سفر میں جاتے اور لوٹتے ہوئے اہل مکہ کے ایک تجارتی قافلہ کو دیکھا، اور قافلہ والوں کو ایک اونٹ کے بارے میں بتایا جو ان سے نکھڑ گیا تھا، اور آپ نے ایک ڈھکے ہوئے برتن میں موجود ان کے پانی میں سے پیاء، اُس وقت وہ لوگ سوئے ہوئے تھے، پھر آپ نے برتن کو اسی طرح ڈھکا ہوا چھوڑ دیا، اور یہ بات معراج کی صبح آپ کے دعوے کی صداقت کی دلیل بنی۔

۱۰- اور آپ ﷺ اپنے رب کے قریب ہوئے، یہاں تک کہ دو کمان کی مسافت سے بھی زیادہ قریب ہو گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو جو چاہا وحی کی۔

۱۱- آپ ﷺ اور آپ کی امت پر ہر روز پچاس نمازیں فرض کی گئیں، پھر اللہ کی جانب سے بطور تخفیف ہر روز پانچ نمازیں کر دی گئیں۔

۱۲- آپ ﷺ کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے جایا گیا، پھر آپ اپنے جسم و روح کے ساتھ حالت بیداری میں آسمانوں کی طرف لے جائے گئے۔ جمہور ائمہ مسلمین کے نزدیک یہی رائج ہے۔

۱۳- آپ ﷺ جب جنت کی سیر کر رہے تھے تو آپ کا گزر ایک نہر کے پاس سے ہوا جس کے دونوں کنارے موتی کے قبوں کے تھے، آپ نے پوچھا: اے جبریل! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ کوثر ہے، جسے آپ

کے رب نے آپ کے لئے تیار کیا ہوا ہے، اس کی مٹی مشک کی مانند خوشبودار تھی (بخاری و ترمذی)۔

۱۴- آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو ان کے چھ سو پروں کے ساتھ دیکھا (بخاری و مسلم)۔

۱۵- آپ ﷺ کو اُس رات تین چیزیں دی گئیں؛ پانچوں نمازیں، سورۃ البقرہ کی آخری آیتیں، اور یہ خوشخبری

کہ آپ کی امت میں سے جو شخص اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائے گا اسے معاف کر دیا گیا (مسلم)۔

۱۶- آپ ﷺ براق پر سوار ہو کر مکہ سے چلے اور اسے مسجد اقصیٰ کے دروازے کی کنڈی میں بندھا ہوا

چھوڑ کر آسمانوں کی سیر کے لئے روانہ ہو گئے، پھر اسی رات کی صبح مکہ واپس آ گئے، درانحالیکہ آپ کے دل و دماغ

سے ہر تکلیف اور ہر حزن و ملال زائل ہو گیا تھا اور پہلے سے کہیں زیادہ آپ کو سکون و اطمینان حاصل ہو چکا تھا۔

ان نتائج و نصائح کے آخر میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ واقعہ معراج عقبہ کی پہلی بیعت کے بعد ہوا تھا،

جب اسلام عرب قبائل میں مشہور ہو گیا تھا، اور مدینہ کے ہر گھر میں داخل ہو گیا تھا، اور فضاء میں ایسی علامتیں

ظاہر ہونے لگی تھیں کہ اب عنقریب ہی اسلام کا مرکز مکہ سے مدینہ منتقل ہو جائے گا۔ اور انصارِ مدینہ کو کئی سوسائٹی

میں نبی کریم ﷺ پر ظلم و زیادتی کی خبریں غایت درجہ تکلیف پہنچا رہی تھیں۔ وہ آپس میں باتیں کرتے تھے کہ نبی

کریم ﷺ کب تک مشرکینِ قریش کے ذریعہ مکہ کے پہاڑوں میں بھگائے اور دوڑائے جائیں گے، اور انہیں

آئندہ موسم حج کا شدید انتظار تھا، تاکہ مکہ پہنچ کر آپ سے ملاقات کریں، آپ کی دل دہی کریں، آپ کو اطمینان

دلائیں، اور آپ کے ساتھ عہد و پیمان کریں کہ وہ تمام مشرکینِ عرب سے آپ کی حفاظت و حمایت کریں گے،

اور اس دین کا دفاع کریں گے، جس کے ساتھ آپ ﷺ اللہ کی جانب سے مبعوث ہوئے ہیں۔

اور آپ کو اس بات کا یقین دلائیں کہ وہ اپنی جانوں، اپنے مال اور ہر ممکن ذرائع و وسائل کو آپ کی خاطر

لگانے کے لئے تیار ہیں۔

معراجِ نبوی کا یہ عظیم واقعہ اللہ کی جانب سے اعلان تھا کہ دعوتِ اسلامیہ کا ایک دور عنقریب ختم ہونے والا

ہے جس میں اسلام کمزور اور مظلوم تھا، اور ایک نیا دور شروع ہونے والا ہے جس میں آپ ﷺ اور آپ کی

مبارک دعوت کو پے درپے کامیابیاں ملیں گی، اور ان سب میں اہم کامیابی یہ کہ اب دعوتِ اسلامیہ مکہ سے باہر

نکلنا ہی چاہتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا یہ آسمانی سفر اللہ تعالیٰ سے آپ کا قرب شدید اور مسجد اقصیٰ اور وہاں سے

آسمانوں کی طرف جاتے ہوئے اور مکہ لوٹتے ہوئے آپ کا اللہ کی بہت سی نشانیوں کا مشاہدہ کرنا، مسجد اقصیٰ میں

انبیاء کرام کی امامت کرانی، یہ ساری باتیں اس بات کا بین ثبوت تھیں کہ یہ دین عنقریب تمام اویان پر غالب

آجائے گا، اور سارے عالم میں پھیل جائے گا۔

اسی لئے جب ہم سورۃ الاسراء کی تلاوت کرتے ہیں، تو صرف پہلی آیت میں واقعہ معراج کا ذکر پاتے ہیں، اس کے بعد مسلسل یہود کی فضیحتوں اور ان کی بد اعمالیوں کا بیان ہے۔ اس اسلوب میں اشارہ تھا اس بات کی طرف کہ یہود مدینہ بھی مشرکین عرب کی طرح مخاطب ہیں، اور یہ کہ اب نصرانیوں اور یہودیوں کا دور دینی اور روحانی قیادت کے میدان میں ختم ہو چکا، اور یہ کہ شرک باللہ کا عنقریب جزیرہ عرب سے خاتمہ ہو جائے گا، اور اب اس جزیرہ میں دین اسلام کے سوا کسی مذہب و فکر کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہی، اور یہ کہ یہ دین بڑی تیزی کے ساتھ عالم عرب سے نکل کر سارے عالم میں پھیل جائے گا، اور تاریخ شاہد ہے کہ ایسا ہی کچھ ہوا، جیسا کہ ہمیں عنقریب دعوتِ اسلامیہ کی تاریخ اور نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کو بیان کرتے ہوئے معلوم ہو گا۔ واللہ التوفیق۔

دوسری بیعت عقبہ

۳۱ نبوی میں جب حج کا وقت آیا تو وہ مسلمان جو مدینہ میں اسلام لائے تھے، انہوں نے اس سال حج کے لئے جانے اور وہاں رسول اللہ ﷺ سے ملنے کا ارادہ کیا، اور آپس میں بات کی کہ ہم کب تک رسول اللہ ﷺ کو اس طرح چھوڑ دیں گے کہ انہیں مکہ کے پہاڑوں میں بھگایا جائے اور انہیں ڈرایا جائے، چنانچہ وہ لوگ تقریباً ستر (۷۰) مرد یا اس سے ایک یا دو زیادہ اور دو عورتیں (نسبیہ بنت کعب امّ عمارہ اور اساء بنت عمرو امّ منیع) اپنی قوم کے مشرک حجاج کے ساتھ۔ جن کی تعداد پانچ سو تھی۔ مکہ آئے، اور براء بن معرور جو قوم کے سردار تھے اور کعب بن مالک رسول اللہ ﷺ کا پیہ لگانے کے لئے نکلے، یہاں تک کہ مسجد حرام میں داخل ہو گئے، وہاں رسول اللہ ﷺ اور عباس مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھے تھے، دونوں نے انہیں سلام کیا، اور آپ کے ساتھ بات کرنے لگے۔ پھر اس وعدہ کے ساتھ نکل کر حج کے لئے چلے گئے کہ ایام تشریق کے دوسرے دن عقبہ کے پاس رسول اللہ ﷺ سے ملیں گے، جب وہ رات آئی تو انصار کے ساتھ جابر کے والد عبد اللہ بن عمرو بن حرام بھی گئے، جو سردار ان مدینہ میں سے تھے، لوگوں نے ان سے کہا: اے ابو جابر! آپ ہمارے سرداروں اور معزز لوگوں میں سے ہیں اور ہم نہیں چاہتے کہ آپ کل قیامت کے دن جہنم کا اندھن بنیں، یہ کہہ کر انہیں اسلام کی طرف بلایا اور ان کو عقبہ کے مقام پر رسول اللہ ﷺ سے اپنے ملنے کے وعدے کی خبر دی۔ وہ فوراً اسلام لے آئے اور ان کے ساتھ عقبہ کے اجتماع میں شریک ہوئے۔ یہ ابو جابر ان بارہ نقیبوں میں سے منتخب ہوئے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے بیعت کے وقت موجود انصار میں سے چنا تھا۔

شب موعود کی جب ایک تہائی گزر گئی تو ایک ایک، دو دو اور تین تین کر کے سب لوگ عقبہ کے پاس گھاٹی میں جمع ہوئے اور رسول اللہ ﷺ ان کے پاس اپنے چچا عباس بن عبد المطلب کے ساتھ آئے، ان دنوں وہ اپنی قوم کے دین پر تھے۔ انہوں نے خود چاہا کہ وہ اپنے بھتیجا کے ساتھ اس خفیہ اجتماع میں شریک ہوں اور ان کی جانب سے حالات کے بارے میں اطمینان کریں۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ان دونوں کے ساتھ ابو بکر اور علی بھی تھے۔ عباس نے علی کو گھاٹی کے دہانے پر اور ابو بکر کو دوسرے راستے کی ابتدا میں بطور جاسوس کھڑا کر دیا۔ جب نبی کریم ﷺ بیٹھ گئے تو سب سے پہلے عباس بن عبد المطلب نے بات کی، اور کہا: اے خزر ج والو! (اس وقت تمام خزر جی اور اسی انصار کو خزر ج ہی کہا جاتا تھا) محمد کا ہمارے دلوں میں جو مقام ہے وہ تم سب جانتے ہو، ہم نے اپنی قوم کی طرف سے ان کی حفاظت کی ہے، جو ہمارے ہی دین پر ہیں، اس لئے محمد اپنے شہر اور اپنی قوم

کے درمیان باعزت رہ رہے ہیں، لیکن انہوں نے خود تمہارے پاس جانا چاہا ہے، اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ ان سے اپنا وعدہ نبھاؤ گے اور ان کے مخالفین سے ان کا دفاع کرو گے تو پھر ٹھیک ہے، اور اگر مدینہ جانے کے بعد ان کو اکیلا چھوڑ دو گے اور انہیں ان کے دشمنوں کے حوالہ کر دو گے تو ابھی سے انہیں چھوڑ دو، وہ اپنی قوم اور اپنے شہر میں باعزت اور محفوظ زندگی گزار رہے ہیں۔

بیعت کی شرطیں:

یہ سن کر انصار نے عباس سے کہا: آپ نے جو کہا وہ ہم نے سن لیا، اب اے اللہ کے رسول! آپ جو کہنا چاہتے ہیں کہئے، اور اپنے اور اپنے رب کے سلسلے میں جو ہم سے عہد و پیمان کرنا چاہتے ہیں بیان کیجئے، تو رسول اللہ ﷺ نے پہلے قرآن کی تلاوت کی، حاضرین اجتماع کو اللہ کی دعوت دی، اور سب کو دین اسلام کی ترغیب دلائی، پھر کہا: میں تم سب سے اس شرط پر بیعت کرتا ہوں کہ تم میری حفاظت ان سب لوگوں سے کرو گے جن سے تم اپنی عورتوں اور بچوں کی حفاظت کرتے ہو۔ اور طبرانی کی ایک روایت میں ہے (جس کے رجال ثقاہ ہیں) کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں اپنے رب کے لئے تم سے یہ مانگتا ہوں کہ تم اسی کی عبادت کرو گے اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ گے، اور اپنے لئے یہ طلب کرتا ہوں کہ تم مجھے ان تمام لوگوں سے بچاؤ گے جن سے اپنے آپ کو بچاتے ہو۔ انصار نے کہا: اگر ہم نے ایسا کیا تو ہمیں کیا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جنت^(۱)۔ اور بیہقی نے عبادہ بن صامت سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی:

۱- چستی اور سستی ہر حال میں آپ کی بات سنیں گے، اور فرمانبرداری کریں گے۔

۲- تنگی اور کشادگی ہر حال میں اللہ کی راہ میں خرچ کریں گے۔

۳- بھلائی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔

۴- ہم اللہ کے لئے حق بات کہیں گے، اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے۔

۵- رسول اللہ ﷺ جب میثرب پہنچیں گے تو ان کی مدد کریں گے، اور اپنی جانوں، روحوں اور اپنے بیٹوں کے ذریعہ ان کا دفاع کریں گے، اور ہمیں جنت ملے گی۔

ابن کثیر کہتے ہیں: اس روایت کی سند جید اور قوی ہے، اگرچہ دوسرے لوگوں نے اس حدیث کی روایت نہیں کی ہے۔ اور عبادہ بن صامت کی مروی ایک دوسری حدیث میں ہے:

(۱) طبرانی کبیر: حدیث (۱۷۵۷) طبرانی صغیر: ۱۱۰۲، طبرانی اوسط، جیسا کہ بیہقی کے مجمع میں آیا ہے (۴۹، ۴۸، ۶)۔

۶۔ ہم حصول حکومت کے لئے سابق حکومت کے ساتھ نزاع نہیں کریں گے^(۱)۔
یہ سن کر براء بن معرور نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا: ہاں! اُس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے، ہم آپ کا دفاع ان سب لوگوں سے کریں گے جن سے اپنی عورتوں کا دفاع کرتے ہیں، اس لئے اے اللہ کے رسول! ہمارے ساتھ بیعت کیجئے، ہم اللہ کی قسم! ماہرین جنگ اور اسلحہ والے ہیں، ہم نے پشتہا پشت سے اسے وراثت میں پایا ہے۔

جب براء رسول اللہ ﷺ سے بات کر رہے تھے تو ابو الہیثم بن تیہان نے مداخلت کرتے ہوئے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے اور یہودیوں کے درمیان تعلقات ہیں، جنہیں ہمیں ختم کرنا پڑے گا، کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم ایسا کر گزریں، پھر اللہ آپ کو غلبہ دے دے تو ہمیں چھوڑ دیں گے، اور اپنی قوم کے پاس لوٹ جائیں گے؟ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور کہنے لگے: نہیں، بلکہ تمہارے عہود اور موافقت میرے ہوں گے، اور تمہارا شرف و ناموس میرا ہو گا، میں تم میں سے ہوں گا، اور تم لوگ میرے وجود کا ایک حصہ۔ تم لوگ جس سے لڑو گے اس سے میں لڑوں گا، اور جس سے صلح کرو گے اُس سے میں بھی صلح کروں گا۔

براء نے کہا: یا رسول اللہ! اپنا ہاتھ بڑھائیے تاکہ ہم لوگ بیعت کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ اپنے درمیان سے بارہ نقیبوں کا انتخاب کرو جو اپنی قوم کے نمائندے ہوں گے۔ موسیٰ نے بھی بنی اسرائیل میں سے بارہ نقیبوں کو چنا تھا۔ اور تم میں سے کوئی اپنے بارے میں یہ نہ سوچے کہ اسے کیوں نہیں چنا گیا۔ اس لئے کہ یہ پسند جبریل کی ہے، چنانچہ ان لوگوں نے اپنے درمیان سے بارہ نقیبوں کا انتخاب کیا، نو خزر ج میں سے اور تین اوس میں سے۔ ان حضرات کو نبی کریم ﷺ نے دیگر تمام انصار مدینہ کا نقیب بنا دیا: (۱) بنی نجار کے نقیب اسعد بن زرارہ چنے گئے۔ (۲) اور بنی سلمہ کے نقیب براء بن معرور اور عبد اللہ بن عمرو بن حزام ہوئے۔ (۳) اور بنی ساعدہ کے نقیب سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو ہوئے۔ (۴) اور بنی زُرَیق کے نقیب رافع بن مالک بن عجمان ہوئے۔ (۵) اور بنی حارث ابن خزر ج کے نقیب عبد اللہ بن رواحہ اور سعد بن ربیع ہوئے۔ (۶) اور بنی عوف ابن الخزرج کے نقیب عبادہ بن صامت ہوئے۔

اور قبیلہ اوس کے بنی عبد الاشہل سے (۱) اُسید بن حضیر (۲) ابو الہیثم بن تیہان اور بعض نے ابو الہیثم کے بجائے رفاعہ بن عبد المنذر کا نام بتایا ہے۔ (۳) اور بنی عمرو بن عوف کے نقیب سعد بن خثیمہ ہوئے۔
ان نقیبوں کی تعداد بارہ ہوئی، ان سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم لوگ اپنی قوم کے ذمہ دار ہو، جیسے عیسیٰ

بن مریم اپنے مددگاروں کے ذمہ دار تھے اور میں اپنی قوم کا ذمہ دار ہوں۔
 سب سے پہلے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی وہ براء بن معرور تھے۔ ایک دوسرا قول ہے کہ سب سے پہلے اسعد بن زرارہ نے بیعت کی۔ تیسرا قول ہے کہ وہ ابوالہشیم بن تہیان تھے۔ پھر سب لوگ پے در پے آنے لگے اور آپ ﷺ کے دست مبارک میں اپنا ہاتھ دینے لگے۔ ان سب نے آپ سے اس شرط پر بیعت کی کہ وہ سب آپ کی حفاظت ان تمام لوگوں سے کریں گے جن سے وہ اپنے آپ کی، اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کی کرتے ہیں، اور یہ کہ وہ لوگ کالے اور سُرخ تمام سے جنگ کرنے میں آپ کا ساتھ دیں گے، اور یہ کہ نبی کریم ﷺ اور ان کے اصحاب کرام سب کے سب مکہ سے ہجرت کر کے ان کے پاس مدینہ چلے جائیں گے۔
 جب سب لوگ بیعت سے فارغ ہو گئے تو شیطان نے عقبہ کی چوٹی سے اپنی پوری قوت کے ساتھ جج کر اعلان کیا:

اے جنگجوؤں والے! کیا تم لوگ برائیوں سے بھرے (یعنی محمد ﷺ) اور اس کے ساتھ دیگر بے دینوں کو یونہی چھوڑ دو گے جنہوں نے تم سے جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ عقبہ پہاڑی کا ”ازب“ نامی شیطان ہے، یہ ازب شیطان کا بیٹا ہے، اے اللہ کے دشمن! کیا تم سن رہے ہو، اللہ کی قسم! میں ضرور تمہارے لئے فارغ ہوں گا۔

پھر آپ ﷺ نے لوگوں سے کہا: تم لوگ اپنی رہائش گاہوں میں چلے جاؤ، تو عباس بن عبدہ بن نضلہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو دین حق دے کر بھیجا ہے، اگر آپ ﷺ چاہیں گے تو کل ہم اپنی تلواروں کے ساتھ اہل منی پر پل پڑیں گے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے اس بات کا حکم نہیں دیا گیا ہے، تم لوگ اپنی رہائش گاہوں میں چلے جاؤ، چنانچہ وہ لوگ فوراً واپس جا کر اپنے بستر پر سو گئے۔
 اور سیرت حلبیہ میں آیا ہے کہ جبریل نبی کریم ﷺ کے دائیں طرف کھڑے تھے، اور بیعت کے وقت وہ سفید لباس پہنے ہوئے تھے، انہیں حارثہ بن نعمان نے ایک آدمی کی شکل میں دیکھا، تو آپ ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا: آپ نے فرمایا: تم نے اچھی چیز دیکھی ہے، وہ جبریل تھے، اور جب انصار نبی کریم ﷺ کے پاس سے رخصت ہوئے تو آپ ﷺ نفسیاتی طور پر بہت ہی مطمئن تھے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اب آپ کو ایک ایسی قوم کی صورت میں قوت و دفاع دے دی تھی جو جنگجو اور ہتھیاروں اور اسباب و اسلحہ والے تھے (۱)۔

(۱) دیکھئے، حیرۃ ابن ہشام: ۴۳۸، ۴۳۷، ۴۳۶، ۴۳۵، ۴۳۴، ۴۳۳، ۴۳۲، ۴۳۱، ۴۳۰، ۴۲۹، ۴۲۸، ۴۲۷، ۴۲۶، ۴۲۵، ۴۲۴، ۴۲۳، ۴۲۲، ۴۲۱، ۴۲۰، ۴۱۹، ۴۱۸، ۴۱۷، ۴۱۶، ۴۱۵، ۴۱۴، ۴۱۳، ۴۱۲، ۴۱۱، ۴۱۰، ۴۰۹، ۴۰۸، ۴۰۷، ۴۰۶، ۴۰۵، ۴۰۴، ۴۰۳، ۴۰۲، ۴۰۱، ۴۰۰، ۳۹۹، ۳۹۸، ۳۹۷، ۳۹۶، ۳۹۵، ۳۹۴، ۳۹۳، ۳۹۲، ۳۹۱، ۳۹۰، ۳۸۹، ۳۸۸، ۳۸۷، ۳۸۶، ۳۸۵، ۳۸۴، ۳۸۳، ۳۸۲، ۳۸۱، ۳۸۰، ۳۷۹، ۳۷۸، ۳۷۷، ۳۷۶، ۳۷۵، ۳۷۴، ۳۷۳، ۳۷۲، ۳۷۱، ۳۷۰، ۳۶۹، ۳۶۸، ۳۶۷، ۳۶۶، ۳۶۵، ۳۶۴، ۳۶۳، ۳۶۲، ۳۶۱، ۳۶۰، ۳۵۹، ۳۵۸، ۳۵۷، ۳۵۶، ۳۵۵، ۳۵۴، ۳۵۳، ۳۵۲، ۳۵۱، ۳۵۰، ۳۴۹، ۳۴۸، ۳۴۷، ۳۴۶، ۳۴۵، ۳۴۴، ۳۴۳، ۳۴۲، ۳۴۱، ۳۴۰، ۳۳۹، ۳۳۸، ۳۳۷، ۳۳۶، ۳۳۵، ۳۳۴، ۳۳۳، ۳۳۲، ۳۳۱، ۳۳۰، ۳۲۹، ۳۲۸، ۳۲۷، ۳۲۶، ۳۲۵، ۳۲۴، ۳۲۳، ۳۲۲، ۳۲۱، ۳۲۰، ۳۱۹، ۳۱۸، ۳۱۷، ۳۱۶، ۳۱۵، ۳۱۴، ۳۱۳، ۳۱۲، ۳۱۱، ۳۱۰، ۳۰۹، ۳۰۸، ۳۰۷، ۳۰۶، ۳۰۵، ۳۰۴، ۳۰۳، ۳۰۲، ۳۰۱، ۳۰۰، ۲۹۹، ۲۹۸، ۲۹۷، ۲۹۶، ۲۹۵، ۲۹۴، ۲۹۳، ۲۹۲، ۲۹۱، ۲۹۰، ۲۸۹، ۲۸۸، ۲۸۷، ۲۸۶، ۲۸۵، ۲۸۴، ۲۸۳، ۲۸۲، ۲۸۱، ۲۸۰، ۲۷۹، ۲۷۸، ۲۷۷، ۲۷۶، ۲۷۵، ۲۷۴، ۲۷۳، ۲۷۲، ۲۷۱، ۲۷۰، ۲۶۹، ۲۶۸، ۲۶۷، ۲۶۶، ۲۶۵، ۲۶۴، ۲۶۳، ۲۶۲، ۲۶۱، ۲۶۰، ۲۵۹، ۲۵۸، ۲۵۷، ۲۵۶، ۲۵۵، ۲۵۴، ۲۵۳، ۲۵۲، ۲۵۱، ۲۵۰، ۲۴۹، ۲۴۸، ۲۴۷، ۲۴۶، ۲۴۵، ۲۴۴، ۲۴۳، ۲۴۲، ۲۴۱، ۲۴۰، ۲۳۹، ۲۳۸، ۲۳۷، ۲۳۶، ۲۳۵، ۲۳۴، ۲۳۳، ۲۳۲، ۲۳۱، ۲۳۰، ۲۲۹، ۲۲۸، ۲۲۷، ۲۲۶، ۲۲۵، ۲۲۴، ۲۲۳، ۲۲۲، ۲۲۱، ۲۲۰، ۲۱۹، ۲۱۸، ۲۱۷، ۲۱۶، ۲۱۵، ۲۱۴، ۲۱۳، ۲۱۲، ۲۱۱، ۲۱۰، ۲۰۹، ۲۰۸، ۲۰۷، ۲۰۶، ۲۰۵، ۲۰۴، ۲۰۳، ۲۰۲، ۲۰۱، ۲۰۰، ۱۹۹، ۱۹۸، ۱۹۷، ۱۹۶، ۱۹۵، ۱۹۴، ۱۹۳، ۱۹۲، ۱۹۱، ۱۹۰، ۱۸۹، ۱۸۸، ۱۸۷، ۱۸۶، ۱۸۵، ۱۸۴، ۱۸۳، ۱۸۲، ۱۸۱، ۱۸۰، ۱۷۹، ۱۷۸، ۱۷۷، ۱۷۶، ۱۷۵، ۱۷۴، ۱۷۳، ۱۷۲، ۱۷۱، ۱۷۰، ۱۶۹، ۱۶۸، ۱۶۷، ۱۶۶، ۱۶۵، ۱۶۴، ۱۶۳، ۱۶۲، ۱۶۱، ۱۶۰، ۱۵۹، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۵۶، ۱۵۵، ۱۵۴، ۱۵۳، ۱۵۲، ۱۵۱، ۱۵۰، ۱۴۹، ۱۴۸، ۱۴۷، ۱۴۶، ۱۴۵، ۱۴۴، ۱۴۳، ۱۴۲، ۱۴۱، ۱۴۰، ۱۳۹، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۵، ۱۳۴، ۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۲۹، ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۲۵، ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱

قریش انصار کے تعاقب میں :

جب صبح ہوئی تو سردارانِ قریش میں سے بہت سے لوگ انصارِ مدینہ کے خیموں میں آئے اور کہا: اے خزرج والو! ہمیں خبر ملی ہے کہ تم لوگ ہمارے اس آدمی (رسول اللہ ﷺ) سے ملے ہو، اور اسے ہمارے پاس سے نکال کر لے جانا چاہتے ہو، اور تم نے ہم سے جنگ کرنے کے لئے اس کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ اللہ کی قسم! ہمارے لئے اس سے زیادہ کوئی مبغوض بات نہیں کہ ہمارے اور تمہارے درمیان جنگ ہو۔ یہ سُن کر وہاں موجود بعض مشرکینِ مدینہ قسم کھانے لگے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی ہے، اور نہ ہمیں کسی ایسے ارادے کا علم ہے۔ ان مشرکین نے سچ ہی کہا، اس لئے کہ انصار نے جو کچھ کیا اس کی خبر ان کو نہیں تھی، پھر وہ لوگ عبد اللہ بن ابی بن سلول کے پاس آئے اور اس سے بات کی تو اس نے کہا: یہ تو بہت ہی خطرناک معاملہ ہے، میری قوم اس طرح کی کوئی جھوٹی بات میرے بارے میں نہیں کہہ سکتی ہے، اگر میں یثرب میں ہوتا تو میری قوم ایسا نہیں کرتی، یہ سن کر قریش والے لوٹ گئے۔

اور منیٰ کے میدان میں موجود سارے لوگ بکھر گئے، اور براء بن معرور بھی وہاں سے مدینہ کے لئے کوچ کر گئے، جب بطنِ یانج کے پاس پہنچے جو مکہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے تو ان کے دوسرے مسلمان ساتھی اُن سے جا ملے، اور کفارِ قریش نے بیعت کے بارے میں کریدنا شروع کیا تو اُسے سچ پایا، اس لئے دوبارہ ان کی تلاش میں نکل پڑے، ان کو اذخر کے مقام پر سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو ملے یہ دونوں ہی نقیبوں میں سے تھے۔ منذر نے تو ان کا فروں کو عاجز بنا دیا یعنی ان کی گرفت میں نہیں آئے، البتہ سعد بن عبادہ کو انہوں نے پکڑ کر ان کے دونوں ہاتھوں کو ان کی گردن سے لگا کر باندھ دیا، اور مارتے پیٹتے اور سر کے بال کھینچتے مکہ لے آئے۔ سعد کہتے ہیں: جب میں ان کے ہاتھوں میں گرفتار تھا تو قریش کے کچھ لوگوں کا وہاں سے گزر ہوا، ان میں ایک خوبصورت سفید رنگ والا آدمی تھا، میں نے اپنے دل میں کہا: اگر ان میں سے کسی کے اندر کچھ بھلائی ہے تو اسی کے اندر ہے، لیکن جب وہ مجھ سے قریب ہوا تو مجھے ایک شدید مُگامارا، میں نے دل میں کہا: اللہ کی قسم! اس آدمی کے بعد تو اب ان میں سے کسی کے اندر کوئی بھلائی نہیں ہوگی۔

اللہ کی قسم! میں اسی طرح ان کے ہاتھوں میں قیدی تھا، مجھے وہ لوگ گھسیٹ رہے تھے کہ اُن میں سے ایک آدمی میرے قریب آیا اور مجھ سے پوچھا: کیا تمہارے اور کسی قریشی کے درمیان کوئی معاہدہ ہے؟ تو میں نے جبیر بن مطعم اور حارث بن حرب بن اُمیہ بن عبد شمس کا نام لیا۔ وہ آدمی وہاں سے نکل کر اُن کے پاس گیا، اور اُن

کو میرا نام بتایا۔ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! اس نے سچ کہا ہے، وہ تو ہمارے تاجروں کو پناہ دیتا تھا، اور اپنے شہر میں ان پر ظلم کرنے سے لوگوں کو روکتا تھا۔ وہ دونوں فوراً آئے اور سعد کو ان کے ہاتھوں سے رہائی دلا دی۔ سعد بن عبادہ وہاں سے فوراً بھاگے، اور ادھر انصار انہیں تلاش کر رہے تھے، اور اہل قریش پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے تھے کہ وہ اچانک ان کے سامنے آ گئے، پھر سب مل کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے^(۱)۔



(۱) تحف الوری: ۱/ ۳۵۰-۳۵۲، دلائل البیہقی: ۲/ ۳۵۵، السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۲/ ۲۰۵-۲۱۲

اصحاب رسول (ﷺ) کی مدینہ کی طرف ہجرت

قریش کو جب بیعت عقبہ کی خبر کا یقین ہو گیا تو وہ بہت زیادہ ذہنی پریشانی میں مبتلا ہو گئے، اس لئے کہ انہیں اوس وغزرج کی عسکری قوت اور ان کے عزائم کی پختگی کا خوب علم تھا، انہوں نے سمجھ لیا کہ اب نبی کریم ﷺ کو قوت حاصل ہو گئی، اور پناہ لینے کی ایک اچھی جگہ مل گئی، اسی لئے انہوں نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کرنا، انہیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچانا، اور ظلم و ستم کے ایسے پہاڑ ان پر توڑنا شروع کر دیا جن کا مسلمان پہلے سے تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ مسلمانوں نے اپنی اس پریشان حالی کا نبی کریم ﷺ سے ذکر کیا اور آپ سے کہیں دوسری جگہ ہجرت کر کے چلے جانے کی اجازت مانگی، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ابھی مجھے اس کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کا دارالہجرت دکھلادیا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے تم لوگوں کا دارالہجرت دیکھ لیا ہے، مجھے ایک ایسی سرزمین دکھائی گئی ہے جو نمک والی ہے اور دو جلع ہوئے پہاڑوں کے درمیان کھجوروں کے باغات والا ایک شہر ہے“، چنانچہ اس خواب کے بعد جن لوگوں نے چاہا ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ اور بعض وہ مسلمان جو ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے، مدینہ لوٹ آئے، اور ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی ہجرت کے لئے تیار ہو گئے، رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا: ابھی انتظار کیجئے، امید ہے کہ مجھے اجازت مل جائے گی، تو ابو بکر نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، کیا آپ کو اس کی امید ہو چلی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اس لئے ابو بکر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت کے ارادہ سے رُک گئے، اور اپنے گھر میں چار ماہ تک سواری کے دو جانوروں کو بول کے پتے کھلاتے رہے^(۱)۔

ابو موسیٰ اشعری کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ مکہ سے ہجرت کر کے ایک ایسی سرزمین کی طرف جارہا ہوں جس میں کھجور کے باغات ہیں، شروع میں میرا ذہن بے یار و مددگار تھا، لیکن اچانک معلوم ہوا کہ وہ تو یثرب ہے“^(۲)۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیتیں نازل کیں: ﴿أَذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَلَمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ﴾ (۳۹) الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا

(۱) مسند احمد ۶/۱۹۸، مسند صحیح، مسند رک حاکم: ۴/۳۲، حاکم نے اسے صحیح کہا ہے، اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے اور بخاری نے اسے کتاب الکفالہ میں حدیث معلق کے طور پر روایت کیا ہے۔

(۲) صحیح البخاری: حدیث (۳۰۸۱)، صحیح مسلم: حدیث (۲۲۷۲)۔

دَيْنَا اللّٰهُ (جن مومنوں کے خلاف جنگ کی جارہی ہے، انہیں اب جنگ کی اجازت دے دی گئی، اس لئے کہ اُن پر ظلم ہوتا رہا ہے، اور بے شک اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے، جو لوگ اپنے گھروں سے ناحق اس لئے نکال دیئے گئے کہ انہوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے) [الحج: ۳۹-۴۰]۔ اور مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دے دی، اور انصارِ مدینہ نے آپ کی، اور مسلمان مہاجرین کی تائید و نصرت کا برملا اعلان کر دیا، تو اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے اصحاب کو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے جانے کا حکم دے دیا، تاکہ وہاں اپنے انصار بھائیوں کے جوار میں باعزت زندگی گزار سکیں۔ آپ ﷺ نے ان سے کہا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دینی بھائی پیدا کر دیئے ہیں، اور تمہیں ایک دارالہجرت عطا کیا ہے، جہاں تم سب پناہ لے سکو گے، اس لئے جو چاہے یہاں سے نکل کر مدینہ چلا جائے، جو یہاں سے قریب ہے، اور تم لوگ اسے اچھی طرح جانتے ہو، اس لئے کہ وہ تمہارے تجارتی قافلوں کے شام جانے کے راستے پر ہے۔ یہ سن کر صحابہ کرام مل کر سفر کی تیاری کرنے لگے، اور مال و اسباب اور سواری کا انتظام کرنے لگے، اور پوری کوشش کی کہ مکہ سے ان کا نکلنا پوشیدہ رہے، چنانچہ وہ چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں نکلنے لگے، اور رسول اللہ ﷺ مکہ میں رہ کر ہجرتِ مدینہ کے لئے اللہ کی اجازت کا انتظار کرنے لگے۔

ابو سلمہ اور اُمّ سلمہ کی ہجرت:

قریشی مسلمانوں میں سے سب سے پہلے مدینہ کی طرف ابو سلمہ عبد اللہ بن عبد الاسد بن ہلال مخزومی نے ہجرت کی۔ اُمّ سلمہ کہتی ہیں: جب ابو سلمہ نے مدینہ سے نکلنے کا فیصلہ کر لیا، تو انہوں نے اپنا اونٹ میری سواری کے لئے تیار کیا اور اس پر مجھ کو سوار کر دیا، اور میرے ساتھ میرے بیٹے سلمہ بن ابو سلمہ کو میری گود میں بٹھادیا، پھر اونٹ کی رسی پکڑ کر پھل پڑے، جب بنی مخزوم کے کچھ لوگوں نے ان کو دیکھا تو ان کے راستے میں کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے تم اپنے آپ کے مالک ہو، لیکن ہم تمہیں کیوں اجازت دے دیں کہ تم اپنی اس بیوی کو اپنے ساتھ در بدر کی ٹھو کریں کھلاؤ۔

چنانچہ انہوں نے ان کے ہاتھ سے اونٹ کی رسی چھین لی اور مجھے اپنے قبضے میں کر لیا، پھر ابو سلمہ کے قبیلہ بنو عبد الاسد والے ناراض ہو کر کہنے لگے: جب تم لوگوں نے میرے قبیلہ کے آدمی سے اس کی بیوی کو چھین لیا ہے تو ہم اپنے قبیلہ کے بیٹے کو اس (عورت) کے پاس نہیں چھوڑیں گے۔ اُمّ سلمہ کہتی ہیں: وہ لوگ میرے بیٹے سلمہ کو ایک دوسرے سے چھینتے رہے یہاں تک کہ اس کا ہاتھ اکھاڑ دیا، اور بنو عبد الاسد اسے لے کر چلے گئے اور بنو مغیرہ والوں نے مجھے اپنے پاس روک لیا، اور میرے شوہر ابو سلمہ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے، اس طرح میرے، میرے شوہر اور میرے بیٹے کے درمیان جدائی ڈال دی گئی۔

امّ سلمہ کہتی ہیں: میں ہر صبح نکل کر مقام اطح میں آکر بیٹھ جاتی اور شام تک روتی رہتی، تقریباً ایک سال تک میرا یہی حال رہا، یہاں تک کہ میرا ایک چچا زاد میرے پاس سے گزرا، اور میرا حال زار دیکھ کر اسے مجھ پر رحم آیا، اس نے بنی مغیرہ سے جا کر کہا: کیا تم اس بے چاری کو مکہ سے نکلنے کی اجازت نہیں دو گے، تم نے اس کے اور اس کے شوہر اور بیٹے کے درمیان جدائی پیدا کر دی ہے، تب لوگوں نے مجھ سے کہا: اگر تم چاہو تو اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ۔

امّ سلمہ کہتی ہیں: یہ جان کر بنو عبدالاسد نے میرا بیٹا مجھے لوٹا دیا تو میں اپنے اونٹ پر سوار ہو کر اور اپنے بیٹے کو گود میں بٹھا کر اپنے شوہر کے پاس مدینہ جانے کے لئے روانہ ہو گئی، اُس وقت کوئی آدمی میرے ساتھ نہیں تھا، میں نے دل میں سوچا کہ کسی راہی سے مدلوں کی، تاکہ اپنے شوہر کے پاس پہنچ سکوں، جب تنہیم کے پاس پہنچی تو میری ملاقات عثمان بن طلحہ بن ابوطلحہ سے ہوئی، انہوں نے مجھ سے پوچھا: اے ابوامیہ کی بیٹی! کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا: میں اپنے شوہر کے پاس مدینہ جانا چاہتی ہوں، انہوں نے پوچھا: کیا تمہارے ساتھ کوئی نہیں ہے؟ میں نے کہا: اللہ کی قسم! نہیں۔ مگر اللہ کی ذات اور میرا یہ بیٹا۔

عثمان نے کہا: اللہ کی قسم! میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑوں گا، پھر انہوں نے اونٹ کی رسی تھام لی اور چل پڑے، اللہ کی قسم! میں نے اپنی زندگی میں اُن سے زیادہ کسی دوسرے عربی کو کریم النفس اور شریف النفس نہیں دیکھا۔ جب وہ کسی جگہ رکتے تو اونٹ کو بیٹھا کر مجھ سے الگ ہو جاتے اور جب میں اُتر جاتی تو اونٹ کو الگ لے جاتے اس سے زائے سفر اُتار دیتے اور اسے درخت میں باندھ دیتے، پھر مجھ سے دور کسی درخت کے پاس چلے جاتے اور اس کے نیچے لیٹ جاتے۔ جب روانگی کا وقت قریب ہوتا تو میرے اونٹ کو تیار کر کے میرے قریب کر دیتے، پھر مجھ سے الگ ہٹ جاتے اور کہتے: سوار ہو جاؤ، اور جب میں سوار ہو جاتی تو آکر اس کی رسی پکڑ لیتے اور آگے چل پڑتے، یہاں تک کہ کسی آگے کی منزل پر رکتے، تو وہاں اسی طرح کرتے، اور اس طرح انہوں نے مجھے مدینہ پہنچا دیا، جب ان کی نظر قبا میں بنی عمرو بن عوف کی بستی پر پڑی تو کہا: تمہارا شوہر اسی بستی میں ہے، ابوسلمہ وہیں ٹھہرے ہوئے تھے، جاؤ ان کے پاس چلی جاؤ، پھر وہ مکہ واپس چلے گئے۔

امّ سلمہ کہتی تھیں، اللہ کی قسم مجھے مسلمانوں کا کوئی ایسا گھرانہ نہیں معلوم جسے آل ابوسلمہ جیسی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا ہو، اور میں نے اپنی زندگی میں عثمان بن طلحہ سے زیادہ کریم و شریف انسان نہیں دیکھا^(۱)۔

یہ عثمان بن طلحہ صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لے آئے، اور خالد بن ولید کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ

آگئے، فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کی کنجی ان کے اور ان کے چچا زاد بھائی شیبہ کے حوالے کر دی، اور جس طرح ان کے پاس وہ کنجی زمانہ جاہلیت میں رہی، اسی طرح اسلام آنے کے بعد بھی ان کے پاس رہنے دینے کا آپ نے حکم دیا، اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا قول نازل ہوا: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾ (بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مالکوں تک پہنچا دو) [النساء: ۵۸]۔

ہجرتِ عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ):

عمر بن خطاب کہتے ہیں کہ میں نے عیاش بن ربیعہ اور ہشام ابن العاص کے ساتھ یہ بات طے کی کہ ہم لوگ میصفاۃ نامی بنی غفار کے تالاب کے پاس (جو مقام سرف کے اوپر مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے) اکٹھے ہوں گے اور وہاں سے ایک ساتھ ہجرت کے لئے روانہ ہوں گے، اور ہمارے درمیان یہ بات طے ہو گئی کہ ہم میں سے جو شخص صبح کے وقت وہاں نہیں پہنچے گا اسے محبوس مان لیا جائے گا، اور اس کے دونوں ساتھیوں کو آگے بڑھ جانے کا اختیار ہوگا، چنانچہ ہشام بن العاص کو مکہ میں محبوس کر دیا گیا۔ مدینہ پہنچ کر ہم لوگ بنی عمرو بن عوف میں ٹھہر گئے، اور ابو جہل بن ہشام اور حارث بن ہشام، عیاش بن ابی ربیعہ کی تلاش میں نکلے جو ان دونوں کے چچا زاد اور ماں کی طرف سے سوتیلے بھائی تھے۔ وہ دونوں ہمارے پاس مدینہ آئے اور عیاش سے کہا: تمہاری ماں نے نذر مان لی ہے کہ جب تک وہ تمہیں دیکھ نہیں لے گی اپنے سر میں کنگھی نہیں کرے گی۔ عیاش کا دل یہ سن کر نرم پڑ گیا۔ میں نے عیاش سے کہا: اللہ کی قسم! دیکھو، یہ لوگ تمہیں کہیں تمہارے دین سے پھرنے پر مجبور نہ کر دیں، اللہ کی قسم! اگر بچوں سے تمہاری ماں کو تکلیف پہنچے گی تو وہ ضرور کنگھی کرے گی، اور اگر مکہ کی گرمی اسے ستائے گی تب بھی وہ ضرور کنگھی کرے گی۔ عیاش نے کہا: میرا وہاں کچھ مال ہے میں اسے لانا چاہتا ہوں۔ عمر کہتے ہیں: میں نے اس سے کہا: تم جانتے ہو کہ میں اہل قریش میں سب سے زیادہ مالدار ہوں، میں تمہیں اپنا آدھا مال دے دوں گا، تم ان کے ساتھ مت جاؤ، لیکن اس نے انکار کر دیا، تو میں نے اس سے کہا: جب تم ایسا کرنے پر بضد ہو، تو میری یہ اونٹنی لے لو، جو بہت ہی تابعدار اونٹنی ہے، اور اس کی پیٹھ سے چپکے رہو۔ عیاش اس پر سوار ہو کر ان دونوں کے ساتھ چل پڑے، جب کچھ راستہ طے ہو گیا تو ابو جہل نے کہا: میری یہ اونٹنی سست پڑ گئی ہے، کیا تم مجھے اپنی اونٹنی پر نہیں بیٹھاؤ گے؟ عیاش نے کہا: ہاں، پھر ان تینوں نے اپنی اونٹیوں کو بیٹھا دیا تاکہ ابو جہل عیاش کے ساتھ سوار ہو جائے، جب تینوں زمین پر اتر گئے تو ان دونوں نے عیاش کو پکڑ کر رسی سے باندھ دیا، اور اسی حال میں انہیں مکہ لے کر آئے، اور انہیں شدید آزمائش میں مبتلا کیا، جس سے وہ مغلوب ہو گئے۔

عمر کہتے ہیں: ہم یہ کہا کرتے تھے کہ اللہ کی قسم! اللہ اس آدمی کی طرف سے کسی صدقہ و خیرات کو قبول نہیں کرے گا، جو اللہ کے دین کی خاطر آزمائش سے شکست کھا گیا۔ اللہ ان لوگوں کی توبہ کو قبول نہیں کرے گا، جنہوں نے اللہ کو پہچانا پھر آزمائشوں کی تاب نہ لا کر کفر کی طرف لوٹ گئے۔

عیاش مکہ میں اسی حال میں رہے، یہاں تک کہ ان لوگوں کے ساتھ نکل کر مدینہ پہنچے جو فتح مکہ سے پہلے وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان کے لئے ہمیشہ نجات کی دعا کرتے تھے۔

عمر کہتے ہیں: آزمائشوں سے شکست کھا جانے والے مسلمان بھی اپنے بارے میں یہی کچھ کہتے تھے۔ جب

رسول اللہ ﷺ مدینہ پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان جیسے اقوال و افکار کے بارے میں نازل فرمایا: ﴿قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ (۵۳) وَأَنْبِئُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ (۵۴) وَأَتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے: اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنے آپ پر (گناہوں کا ارتکاب کر کے) زیادتی کی ہے، تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، بے شک اللہ تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا، بے حد مہربان ہے۔ اور تم سب اپنے رب کی طرف رجوع کرو، اور اُسی کی طاعت و بندگی میں لگے رہو، اس کے قبل کہ تم پر عذاب نازل ہو جائے، پھر کسی جانب سے تمہاری مدد نہ کی جائے۔ اور تم سب اس بہترین کلام کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی جانب سے تم پر نازل کیا گیا ہے، قبل اس کے کہ عذاب الہی تمہیں اچانک آ لے، اور تمہیں اس کا احساس بھی نہ ہو سکے﴾ [الزمر: ۵۳-۵۵]

عمر کہتے ہیں: میں نے ان آیتوں کو ایک کاغذ پر لکھ کر ہشام بن العاص کے پاس بھیج دیا۔ ہشام کہتے ہیں کہ میں ہمیشہ ان آیتوں کو ذی الطویٰ کے مقام پر بیٹھ کر پڑھتا رہا، یہاں تک کہ ان کا مفہوم سمجھ لیا، پھر میرے دل میں یہ بات ڈال دی گئی کہ یہ آیتیں ہم جیسے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، اور ہمارے ان اقوال و افکار کے بارے میں جو ہمارے دل و دماغ میں گردش کرتے تھے، چنانچہ میں اپنی اونٹنی پر بیٹھا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ آ گیا^(۱)۔

(۱) بخاری نے (صحیح ۶/۶۱۶ میں) لکھا ہے: اسے بزار نے روایت کی ہے اور اس کے رجال ثقات ہیں، اور حاکم نے روایت کی ہے اور اسے صحیح کہا ہے، اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے۔ اور دیکھئے سیرۃ ابن ہشام: ۴/۷۴، اور اس کے بعد، اس سند کے رجال بھی ثقات ہیں، ابن اسحاق نے اس میں حدیث روایت کرنے کی صراحت کر دی ہے، اس لئے یہ حدیث صحیح ہے۔

مہاجرین سابقین:

امام بخاری نے براء بن عازب سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں: سب سے پہلے ہمارے پاس مصعب بن عمیر، اور ابن ام مکتوم آئے، یہ دونوں ہمیں قرآن پڑھانے لگے، پھر ہمارے پاس عمار، بلال اور سعد آئے، پھر میں صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ عمر بن خطاب آئے، پھر نبی کریم ﷺ تشریف لائے، تو میں نے اہل مدینہ کو کبھی کسی بات سے اتنا خوش ہوتے نہیں دیکھا جتنا وہ آپ ﷺ کی آمد سے ہوئے۔ میں نے عورتوں اور بچوں کو کہتے سنا: رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے^(۱)۔

اور عبد الرحمن بن عوف، عثمان بن عفان، طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن عوام، اور دوسرے لوگ آئے، اور براء بن عازب نے مسلم کی ایک روایت میں صراحت کر دی ہے کہ سعد بن ابی وقاص نبی کریم ﷺ کی مدینہ آمد سے پہلے ہجرت کر کے آگئے تھے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: پھر مہاجرین پے در پے آنے لگے، طلحہ بن عبید اللہ اور صہیب بن سنان، خبیب بن اساف کے پاس سُنَّح میں ٹھہرے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ طلحہ اسعد بن زرارہ کے پاس ٹھہرے۔

ہجرتِ صہیب (رضی اللہ عنہ):

ابن اسحاق نے ابو عثمان النہدی کے حوالے سے لکھا ہے کہ صہیب نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو کفارِ قریش نے ان سے کہا: تم ہمارے پاس ایک بھوکے حقیر آدمی کی حیثیت سے آئے تھے، تم نے ہمارے پاس آکر مال کمایا ہے، اور اپنی اس حیثیت کو پہنچے، اور اب اپنی جان و مال دونوں کے ساتھ یہاں سے نکل جانا چاہتے ہو، اللہ کی قسم! ایسا نہیں ہوگا، تو صہیب نے اُن سے کہا: اگر میں اپنا مال تمہارے حوالے کر دوں تو کیا تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ گے، انہوں نے کہا: ہاں، صہیب نے کہا: میں اپنا مال تمہارے لئے چھوڑتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ خبر ملی تو فرمایا: صہیب کامیاب ہو گئے، صہیب کامیاب ہو گئے۔

اور بیہقی کی ایک روایت میں ہے، صہیب نے کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھ ابو بکر مکہ سے نکلے تو میرا بھی ان کے ساتھ نکلنے کا ارادہ تھا، لیکن قریش کے جوانوں نے مجھے روک دیا۔ میں نے وہ رات بے چینی میں گزاری، تو اہل قریش نے کہا: اللہ نے اسے تمہارے پاس آنے سے پیٹ کی بیماری میں مشغول کر دیا ہے،

(۱) صحیح البخاری، حدیث (۳۹۲۴، ۳۹۲۵)، مسند احمد بخوالہ فتح ربانی: ۲۷۶/۲۰، مستدرک حاکم: ۶۳۴/۳۔ اور اس حدیث کے رجال

حالانکہ مجھے کوئی تکلیف نہیں تھی، جب سب لوگ سو گئے تو میں نکل پڑا، کچھ دور چلنے کے بعد ان کے کچھ لوگوں نے مجھے آگیا، تاکہ مجھے واپس کر دیں، میں نے ان سے کہا: اگر میں تمہیں چند اوقیہ سونا دوں تو کیا تم میرا راستہ چھوڑ دو گے اور میرے ساتھ بد عہدی نہیں کرو گے؟ تو وہ میری بات مان گئے اور میں ان کے ساتھ مکہ واپس گیا، اور اپنے گھر کے پاس پہنچ کر ان سے کہا: تم لوگ دروازہ کی چوکھٹ کے نیچے کھودو، وہاں تمہیں سونے کے اوقیے ملیں گے، اور فلاں عورت کے پاس جاؤ اس سے دو پو شاک لے لو، پھر وہاں سے نکل کر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس قبا پہنچ گیا، ابھی رسول اللہ ﷺ قبا سے روانہ نہیں ہوئے تھے، جب آپ نے مجھے دیکھا تو کہا: اے ابویحییٰ! تمہاری بیچ بہت نفع بخش رہی، میں نے کہا: یا رسول اللہ! مجھ سے پہلے آپ کے پاس کوئی نہیں آیا، یقیناً آپ کو اس بات کی خبر جبریل علیہ السلام نے دی ہے۔

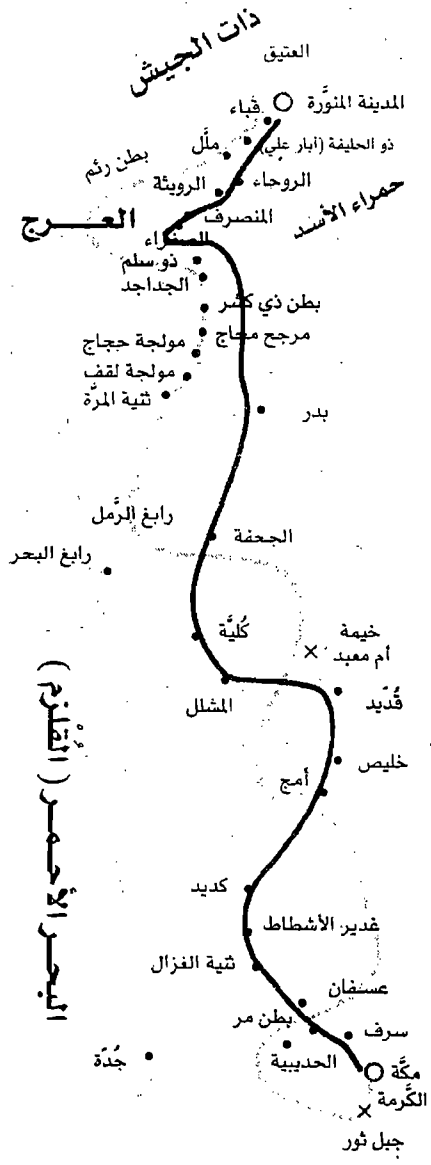
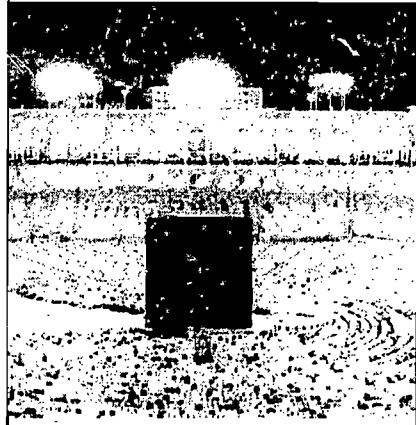
ہجرتِ علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ):

ابن اسحاق نے ان صحابہ کرام کے نام ذکر کئے ہیں جو ہجرت کے لئے مکہ سے نکلے تھے، اس کے بعد لکھا ہے: سب سے آخری آدمی جو مدینہ آئے اور جنہیں مکہ میں نہ آزمائش میں ڈالا گیا اور نہ محبوس کیا گیا، وہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے، ایسا اس لئے ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں مکہ میں رہنے کو کہا تھا، اور انہیں اپنے بستر پر سوجانے کا حکم دیا تھا، اور اس کے بعد تین دن تک رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود لوگوں کی امانتیں واپس کرتے رہے، پھر وہاں سے نکل کر رسول اللہ کے پاس آ گئے^(۱)۔

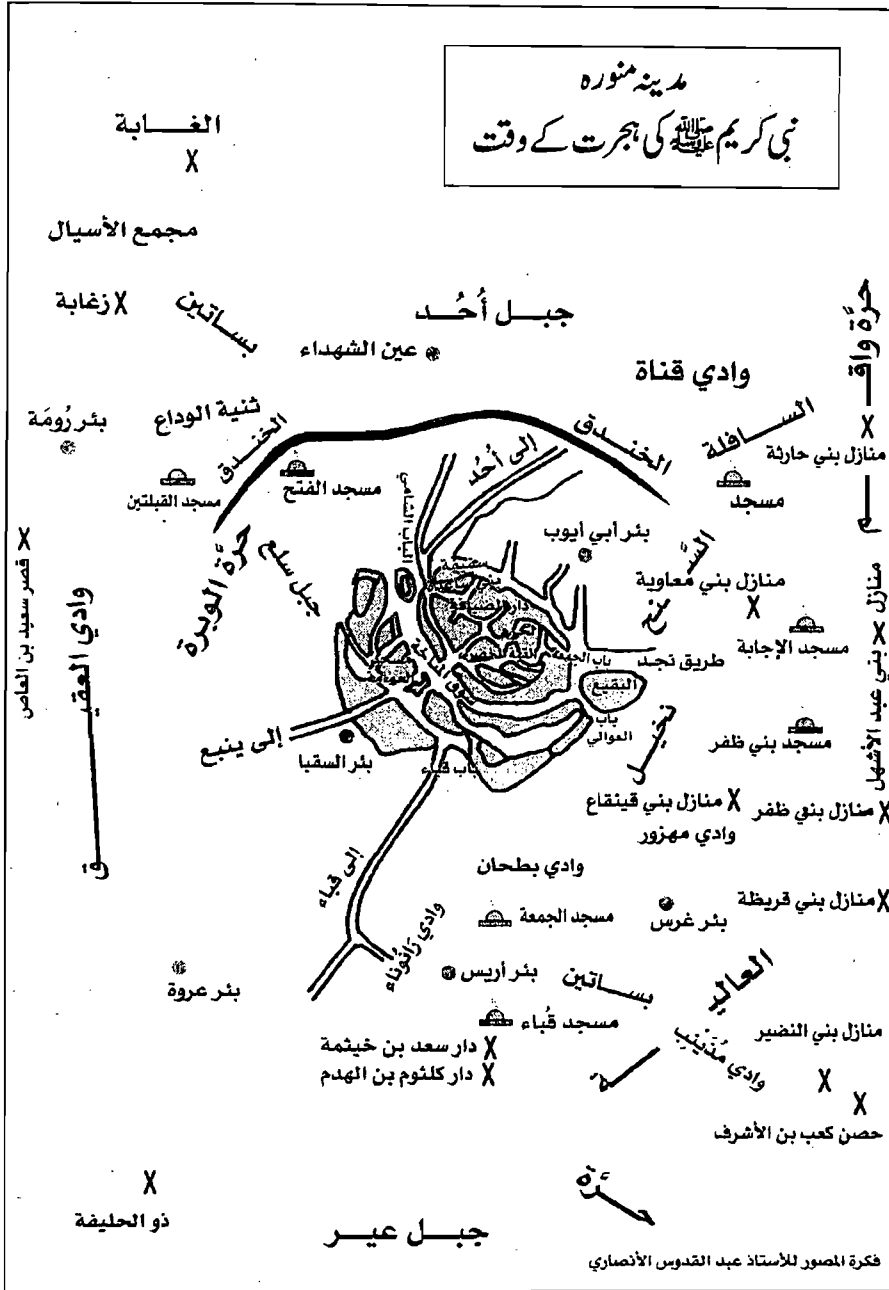


(۱) السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۲/۲۱۳-۲۲۴، دلائل البیہقی: ۲/۴۵۸-۴۶۴، اتحاف الوری: ۱/۳۵۶-۳۵۷۔

مدينة منوره كراسته
نبی کریم ﷺ کی ہجرت کے وقت



البحر الأحمر (الخليج)



ہجرت رسول اللہ ﷺ

رسول اللہ ﷺ حج کے بعد مکہ میں باقی ذی الحجہ اور ۱۲؎ نبوی محرم و صفر کے مہینوں میں اللہ کے حکم کا انتظار کرتے رہے، جب مکہ سے مدینہ کے لئے آپ کی روانگی کا وقت قریب آیا تو اللہ نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَقُلْ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاَجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا﴾ (آپ کہئے کہ اے میرے رب! مجھے عمدہ طریقہ سے (مدینہ) پہنچادے، اور مجھے عمدہ طریقہ سے (مکہ سے) رخصت کردے، اور تو میرے لئے اپنے پاس سے مدد کرنے والی قوت مہیا کردے) [الاسراء: ۸۰]۔ اور آپ کو یہ دعا کرنے کا الہام کیا تاکہ جلد ہی اللہ تعالیٰ آپ کے لئے مکہ سے نکلنے کے اسباب مہیا کر دے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی، جہاں انصار اور دیگر احباب موجود تھے اور آپ کے لئے وہاں ایک گھر اور ایک پناہ گاہ مہیا ہو چکی تھی، اور وہاں کے رہنے والے آپ پر جان چھڑکنے والے بن چکے تھے، اور آپ کے ساتھ مکہ میں صرف وہی لوگ رہ گئے تھے جنہیں آزمائش میں ڈالا گیا اور مجبوس کر دیا گیا، سوائے علی بن ابوطالب اور ابوبکر بن ابوقحافہ کے۔ رضی اللہ عنہما۔

نبی کریم ﷺ کو قتل کرنے کی سازش:

جب مشرکین نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام اپنا سامان اپنے ساتھ لے کر مدینہ کے لئے رخصت ہو گئے، اور اپنے ساتھ اپنے اہل و عیال اور اپنا مال لے کر اوس و خزرج والوں کے پاس پہنچ گئے، اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اب آپ ﷺ کے یار و مددگار اور اچھے ساتھی مکہ سے باہر مدینہ میں موجود ہیں، اور مدینہ اب مسلمانوں کے لئے ایک محفوظ گھر بن گیا ہے، اور اوس و خزرج والے بڑی قوت و عزیمت اور عسکری شان و شوکت والے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ کے ان کے پاس پہنچنے کا سوچ سوچ کر بہت ہی گھبرانے لگے، اور انہیں یقین ہو چلا کہ اب نبی کریم ﷺ نے اہل مکہ کے خلاف اعلان جنگ کا فیصلہ کر لیا ہے۔

اس لئے تمام اہل قریش دارالندوہ میں جمع ہوئے، تاکہ رسول اللہ ﷺ کے معاملہ میں سنجیدگی کے ساتھ آپس میں رائے مشورہ کریں۔ اس اجتماع سے کوئی بھی صاحب عقل و رائے پیچھے نہیں رہا، اور ان سب کا دوست اور سردار ابلیس اہل نجد کے ایک عمر دراز بوڑھے کی شکل میں اپنے بدن پر عبا ڈالے شریک ہوا۔ اس اجتماع میں ہر ایک نے اپنی رائے دی، اور ابلیس ہر رائے کی تردید کرتا رہا، یہاں تک کہ ابو جہل نے کہا: میرے ذہن میں ایک ایسی رائے آئی ہے جو تم میں سے کسی کے ذہن میں نہیں آئی۔ انہوں نے پوچھا: وہ کیا ہے؟

ابو جہل نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ ہم ہر قریشی قبیلہ سے ایک مضبوط قوی اور بہادر نوجوان کو جنیں، اور ان سب کو ایک ایک تیز تلوار دیں، اور سب مل کر یکبارگی محمد (ﷺ) پر وار کر کے اس کا قصہ تمام کر دیں، تاکہ اس کا خون تمام قبائل کے درمیان متفرق ہو جائے، اور بنو عبد مناف کچھ کرنے سے قاصر رہیں۔ اس لئے کہ تمام قبائل کی دشمنی مول لینا ان کے لئے ممکن نہ ہوگا، اور ہم انہیں اس کی دیت دے دیں گے۔

بڑھے ابلیس نے کہا: اس نوجوان نے کمال کیا ہے، یہی صحیح رائے ہے، اس کے بعد سب لوگ اسی بات پر اتفاق کر کے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے، اور جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس ان کے رب کی طرف سے وحی لے کر آئے، اور انہیں اس سازش کی اطلاع دی اور آپ کو حکم دیا کہ اس رات کو آپ اپنے بستر پر نہ سوئیں^(۱)۔

اور رسول اللہ ﷺ دو پہر کی چلچلاتی دھوپ میں ابو بکر کے پاس اپنے چہرہ پر نقاب ڈالے پہنچے، اور ان سے کہا: آپ کے پاس جو لوگ ہیں، انہیں ہٹ جانے کو کہئے، ابو بکر نے کہا: یا رسول اللہ! یہ سب آپ کے گھر والے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اللہ نے یہاں سے نکل جانے کی اجازت دے دی ہے، ابو بکر نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کے ساتھ نکلوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ عائشہ کہتی ہیں: اللہ کی قسم! اس دن سے پہلے میں نہیں جانتی تھی کہ کوئی خوشی کے مارے بھی روتا ہے، یہاں تک کہ میں نے ابو بکر کو روتے ہوئے دیکھا، پھر ابو بکر نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپ میری ان دو سوار یوں میں سے ایک لے لیجئے، میں نے انہیں اسی دن کے لئے تیار کیا تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیمت کے ذریعہ لوں گا۔

جب رات کی تاریکی گہری ہوئی تو نوجوانانِ قریش آپ ﷺ کے دروازے پر جمع ہو کر آپ کے سو جانے کا انتظار کرتے رہے، تاکہ وہ سب یکبارگی آپ پر ٹوٹ پڑیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ان سب کو دیکھا تو علی بن ابوطالب سے کہا: تم میرے بستر پر سوجاؤ، اور میری یہ حضرمی سبز چادر اوڑھ لو، اور بے خوف سوجاؤ، یہ لوگ تمہیں ہر گز نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ کی عادت تھی کہ جب آپ سوتے تو چادر اوڑھ کر سوتے۔

ابو جہل نے ان نوجوانوں سے کہا، جب وہ آپ کے دروازے پر تھے: محمد کا گمان ہے کہ اگر تم اس کی پیروی کرو گے تو عرب و عجم کے بادشاہ ہو جاؤ گے، اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جاؤ گے تو تمہیں اُردن کے باغات کی مانند باغات ملیں گے، اور اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو تمہیں ذبح کر دیا جائے گا، پھر مرنے کے بعد جب دوبارہ زندہ اٹھائے جاؤ گے تو تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا جس میں تم جلائے جاؤ گے۔

رسول اللہ ﷺ وہاں سے نکلے تو اپنے ہاتھ میں ایک مُشت مٹی لی اور کہا: ہاں، میں یہ بات کہتا ہوں اور تم

ان میں سے ایک ہو، اور اللہ نے ان کی قوت بصارت چھین لی، اس لئے وہ سب آپ کو دیکھ نہیں پا رہے تھے، آپ ان کے سروں پر اس مٹی کو ڈال رہے تھے اور یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے: ﴿وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ﴾ (اور ہم نے ایک دیوار ان کے آگے اور ایک دیوار ان کے پیچھے کھڑی کر دی ہے، پس ہم نے انہیں ہر طرف سے ڈھانک دیا ہے، اس لئے اب وہ کچھ بھی نہیں دیکھ پاتے ہیں) [س: ۹]۔ وہاں سے نکل کر رسول اللہ ﷺ ابو بکر کے گھر پہنچے اور ان کے گھر کے پائین دروازے سے رات کو ہی نکل گئے۔ ان کافروں کے پاس ایک آدمی آیا جو ان کے ساتھ پہلے سے نہیں تھا، اور کہا: یہاں تم لوگ کس کا انتظار کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا: محمد کا، تو اس آدمی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تم سب کی امیدوں پر پانی پھیر دیا، اللہ کی قسم! محمد تو کب تمہارے سامنے سے نکل کر چلا گیا، اور تم میں سے ہر ایک کے سر پر مٹی ڈال کر یہاں سے نکل گیا، کیا تم اپنی حالت نہیں دیکھتے ہو؟ جب ان میں سے ہر ایک نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھا تو اس پر مٹی ملی، وہ لوگ اسے جھاڑنے لگے۔ وہ مندرجہ ذیل لوگ تھے: ابو جہل، حکم بن العاص، عقبہ بن ابی معیط، نصر بن حارث، امیہ بن خلف، زمعہ بن اسد، طعیمہ بن عدی، ابولہب، ابی بن خلف اور حجاج کے دونوں بیٹے نبیہ اور منبہ۔ پھر ان سب نے جھانکا تو بستر پر علی کو دیکھا جو رسول اللہ ﷺ کی چادر اوڑھے ہوئے تھے، انہوں نے کہا: یہ تو محمد اپنی چادر اوڑھے سویا ہوا ہے، اس لئے وہ اسی طرح صبح تک انتظار کرتے رہے، اور جب علی بستر سے اٹھے تو انہوں نے ان سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھا: تو کہا: مجھے ان کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے علی کو حکم دیا تھا کہ وہ مکہ میں رہ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود لوگوں کی امانتیں انہیں واپس کر دیں، مکہ والوں کی عادت تھی کہ جب انہیں اپنے کسی چیز کی چوری کا ڈر ہو تا تو اسے آپ ﷺ کے پاس بطور امانت رکھ دیتے، اس لئے کہ ان سب کو آپ ﷺ کی صداقت و امانت کا حال خوب معلوم تھا۔

رسول اللہ ﷺ ابو بکر کے ساتھ غارِ ثور میں:

رسول اللہ ﷺ کے مکہ سے نکلنے کی خبر علی بن ابوطالب اور ابو بکر اور ان کے گھرانے والوں کے سوا کسی کو نہیں تھی، آپ ﷺ اور ابو بکر نے عبد اللہ بن ارقط لیشی کو کرایہ پر اپنے ساتھ کر لیا تھا، اس لئے کہ وہ راستہ کا بڑا ماہر آدمی تھا، وہ شخص اب تک اپنی قوم قریش کے دین پر تھا، آپ نے اس کو امین بنایا اور اس کے حوالے اپنی دونوں سواریاں کر دیں، اور تین دن کے بعد غارِ ثور میں ملنے کا وعدہ کیا، چنانچہ وہ دونوں سواریاں اسی کے پاس رہیں، انہیں وہ چراتارہا، اور وعدے کے وقت کا انتظار کرتا رہا۔

اور ابو بکر صدیق نے اپنے بیٹے عبد اللہ کو حکم دیا کہ وہ پتہ چلاتے رہیں کہ لوگ دن میں آپ دونوں کے

بارے میں کیا کہتے ہیں؟ پھر جب شام ہو تو آکر اس دن کی خبر انہیں سنائیں، اور اپنے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ کو حکم دیا کہ وہ دن بھر ان کی بکریاں چرائے اور شام کے وقت انہیں غار کے پاس لے آئے، عبد اللہ بن ابوبکر جب آپ دونوں کے پاس سے مکہ واپس جاتے تو عامر بن فہیرہ ان کے رہ گزر سے بکریاں لے جاتا، تاکہ ان کے قدم کے نشانات مٹ جائیں۔

عائشہ کہتی ہیں: ہم نے ان دونوں سوار یوں کو اچھی طرح تیار کیا، اور آپ دونوں کے لئے ایک تھیلے میں کھانے کا سامان رکھا، اور اسماء بنت ابی بکر نے اپنے دو بچے کا ایک حصہ کاٹ کر اس سے اس تھیلے کے منہ کو باندھا، اسی وجہ سے ان کا نام ذات الطاقین پڑ گیا^(۱)۔

رسول اللہ ﷺ غار ثور کی طرف چل پڑے جو مکہ کے نچلے حصہ کے ایک پہاڑ میں تھا، اور ابوبکر ان کے ساتھ تھے، ابوبکر کبھی آپ ﷺ کے آگے چلتے اور کبھی پیچھے، رسول اللہ ﷺ نے یہ دیکھ کر کہا: اے ابوبکر! کیا بات ہے کہ آپ کبھی میرے آگے اور کبھی میرے پیچھے چل رہے ہیں؟ ابوبکر نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے دشمنوں کا آپ کو ڈھونڈنا یاد آتا ہے، تو آپ کے پیچھے چلنے لگتا ہوں اور کبھی آپ کے گھات میں بیٹھے ہوئے کسی دشمن کا خیال آتا ہے تو آپ کے آگے چلنے لگتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: اے ابوبکر! کیا آپ پسند کرتے ہیں کہ اگر کوئی مصیبت آتی تو میرے بجائے آپ پر آتی۔ انہوں نے کہا: ہاں، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر مبعوث کیا ہے، میں یہ پسند کرتا ہوں کہ کوئی بھی تکلیف آپ کے بجائے مجھے پہنچے۔

جب دونوں غار کے پاس پہنچے تو ابوبکر نے کہا: یا رسول اللہ! آپ اپنی جگہ پر رُکئے، تاکہ میں غار کی طرف سے آپ کے بارے میں اچھی طرح مطمئن ہو جاؤں، پھر غار میں داخل ہوئے اور اچھی طرح اطمینان کیا، جب نکل کر باہر آنے لگے تو انہیں یاد آیا کہ اس میں ایک سوراخ ہے جس کو انہوں نے ٹھیک سے نہیں دیکھا ہے، اس لئے دوبارہ کہا: یا رسول اللہ! آپ اپنی جگہ رُکئے، تاکہ میں سوراخ کی طرف سے اطمینان کر لوں، پھر داخل ہوئے اور اطمینان کر کے نکلے اور کہا: یا رسول اللہ! اب اندر چلئے۔

اور یہ روایت سند صحیح سے ثابت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب ہجرت کی رات ابوبکر کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کی تفصیلات کو سنا تو کہنے لگے، اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ابوبکر کی وہ ایک رات تمام آل عمر کی زندگیوں سے بھرے^(۲)۔

(۱) صحیح البخاری، حدیث: (۳۹۰۵)۔

(۲) مستدرک حاکم: ۶/۳۳، حاکم نے لکھا ہے: یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق سند کے اعتبار سے صحیح ہے، اگر یہ مرسل نہ ہوتی، اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے اور کہا ہے: یہ مرسل حدیث صحیح ہے جو محمد بن سیرین کی مرسل احادیث میں سے ہے۔

جب مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو بستر پر نہیں پایا تو بھراٹھے اور آپ کے نقش قدم کے مطابق آپ کو تلاش کرتے ہوئے جبل ثور کے پاس پہنچے، وہاں پہنچ کر انہیں کچھ سمجھ میں نہ آیا تو پہاڑ پر چڑھے اور غار کے پاس سے گزرے اور اس کے دروازے پر مکڑی کا جالہ دیکھا تو کہنے لگے: اگر محمد اس غار میں داخل ہوا ہوتا تو اس کے دروازے پر مکڑی کا یہ جالہ نہ ہوتا، رسول اللہ ﷺ اس غار میں تین رات رہے^(۱)۔

حافظ ابن عساکر اور حافظ ابو نعیم ابو مصعب مکی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک، زید بن ارقم اور مغیرہ بن شعبہ کی زبان سے سنا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب غار میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے ایک درخت کو اس کے دہانہ پر آگادیا جس سے آپ چھپ گئے، اور دو جنگلی کبوتریوں کو حکم دیا جو غار کے دہانہ پر کھڑی ہو گئیں، اور نوجوانان قریش اپنی لاٹھیوں، نیزوں اور اپنی تلواروں کے ساتھ آپ کو تلاش کرتے ہوئے جب وہاں پہنچے اور آپ سے چالیس گز کے فاصلے پر تھے تو ان میں بعض نے غار کی طرف دیکھ کر کہا: میں نے دو کبوتریوں کو غار کے دہانے پر دیکھا ہے اس لئے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اس کے اندر کوئی نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جب اسے یہ کہتے سنا تو آپ کو یقین ہو گیا کہ اللہ عزوجل نے ان دونوں کبوتریوں کے ذریعہ اس دشمن کے رخ کو آپ سے پھیر دیا ہے۔

ابن عساکر کی ایک روایت میں ہے کہ جب مشرکین مکہ آپ سے دو سو گز کے فاصلے پر تھے تو ان کے رہنما سراقہ بن مالک بن عجم مدلجی نے کہا: سراقہ ہے، مجھے معلوم نہیں کہ محمد نے اپنا پاؤں کہاں رکھا ہے، قریشی نوجوانوں نے کہا: تم نے آج کی رات کوئی غلط رہنمائی نہیں کی ہے، جب صبح ہوئی تو سراقہ نے کہا: تم لوگ غار میں دیکھو، چنانچہ سب لوگ اس کی طرف دوڑ پڑے اور جب نبی کریم ﷺ سے پچاس گز کے فاصلے پر تھے تو وہاں دو کبوتریوں کو دیکھ کر سراقہ لوٹ آئے، لوگوں نے کہا: کیا وجہ ہے کہ تم نے غار میں نہیں دیکھا، اس نے کہا: میں نے غار کے دہانے پر دو جنگلی کبوتریوں کو دیکھا ہے، اس لئے یقین ہو گیا ہے کہ اس کے اندر کوئی نہیں ہے^(۲)۔

اور بخاری و مسلم نے انس بن مالک سے روایت کی ہے کہ ابو بکر نے ان سے بیان کیا: جب ہم غار میں تھے تو میں نے نبی کریم ﷺ سے کہا: اگر ان میں سے کوئی اپنے قدموں کی طرف جھانک لے تو ہمیں دیکھ لے گا، آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو بکر آپ کا ایسے دو کے بارے میں کیا خیال ہے جس کے ساتھ تیسرا اللہ ہے^(۳)۔

(۱) مسند احمد: ۳۲۸/۱، مصنف عبدالرزاق: ۳۸۹/۵، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے: اس کی سند حسن ہے، اور زر قافی نے شرح المواہب: ۳۲۳/۱ میں اسے حسن کہا ہے، اور ابن کثیر نے اپنی سیرۃ (۲۳۹/۲) میں لکھا ہے: مکڑی کے جالے کے قصہ سے متعلق جتنی روایتیں آئی ہیں، ان میں یہ سب سے زیادہ بہتر ہے، دیگر محدثین نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی اسناد حسن ہے۔

(۲) السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۲۳۰/۲-۲۳۲، دلائل النبوة، ابو نعیم: ۴۱۹/۲۔

(۳) صحیح البخاری، حدیث: (۳۶۵۳)، صحیح مسلم، حدیث: (۲۳۸۱)۔

رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر غار میں تین رات رُکے رہے، یہاں تک کہ کافروں کی جستجو کی آگ سرد پڑ گئی، اس وقت آپ دونوں کے پاس عبد اللہ بن ارقط دونوں سواریاں لے کر آیا، وہاں سے دونوں چل پڑے، اور ابو بکر نے اپنے پیچھے عامر بن فہیرہ کو بٹھالیا اور راستہ بتانے والا ان کے آگے چلتا رہا اور اللہ کی نگاہ ان کی حفاظت کرتی رہی۔

قیس بن نعمان رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ جب نبی کریم ﷺ اور ابو بکر خفیہ طور پر نکلے تو آپ کا گزر ایک غلام کے پاس سے ہوا جو بکریاں چرا رہا تھا، آپ دونوں نے اس سے دودھ پلانے کو کہا: تو اس نے کہا: میرے پاس دودھ دینے والی کوئی بکری نہیں ہے، یہاں تو صرف میرے پاس ایک اونٹنی ہے جو ابھی ابتدائے سرما میں حاملہ ہوئی تھی اور اس کا بچہ گر گیا ہے، وہ دودھ نہیں دیتی، آپ ﷺ نے فرمایا: اسے لے آؤ، وہ غلام اسے لے آیا، تو آپ نے اس کے پاؤں کو رسی سے ہلکا باندھ دیا اور اس کی تھن پر ہاتھ پھیر کر دعا کی یہاں تک کہ دودھ اُتر آیا۔ قیس کہتے ہیں: ابو بکر ایک ڈھال لے کر آئے، اس میں آپ نے اسے دُوبا، پہلے ابو بکر کو پلایا پھر دُودھ کر خود پیا، چرواہے نے کہا: اللہ کی قسم! تم کون ہو؟ میں نے تو تمہارے جیسا آدمی کبھی نہیں دیکھا، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا تم میری بات پوشیدہ رکھو گے، تاکہ میں تمہیں بتاؤں؟ اس نے کہا: ہاں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں محمد ہوں، اللہ کا رسول، اس چرواہے نے کہا: آپ ہی کے بارے میں قریش والے کہتے ہیں کہ آپ بے دین ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ ایسا ہی کہتے ہیں، اس نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نبی ہیں، اور گواہی دیتا ہوں کہ آپ جو دین لے کر آئے ہیں وہ برحق ہے اور یہ کہ آپ نے جو ابھی کر دکھایا ہے وہ نبی کے سوا کوئی دوسرا نہیں کر سکتا، اور میں آپ کی پیروی کرنا چاہتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم آج یہ کام نہیں کر سکتے ہو، لیکن جب تمہیں خبر ملے کہ میری دعوت غالب ہو گئی ہے تو ہمارے پاس آ جانا^(۱)۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے سفر کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے کہا ہے: ہم دونوں غار سے نکل کر مدینہ کی طرف صبح اندھیرے منہ نکل پڑے، اور سارا دن اور اس کے بعد ساری رات تیز چلتے رہے، یہاں تک کہ دوسرے دن دوپہر کا وقت آگیا، تو میں نے اپنی نظر چاروں طرف دوڑائی تاکہ کوئی سایہ دیکھ کر اس کے نیچے آرام کریں۔ میری نظر ایک چٹان پر پڑی، اس کے قریب گیا تو اس کا کچھ سایہ تھا، میں نے اس جگہ کو رسول اللہ ﷺ کے لئے برابر کر دیا، اور آپ کے لئے چمڑے کا بنا ایک فرش بچھا دیا، اور کہا: یا رسول اللہ! آپ یہاں لیٹ جائیے، رسول اللہ ﷺ لیٹ گئے، پھر میں کچھ الگ ہٹ کر دیکھنے لگا کہ کوئی ہماری تلاش میں تو نہیں آ رہا ہے،

(۱) مستدرک حاکم: ۸، ۹، ۳، حاکم نے کہا ہے اس حدیث کی سند صحیح ہے اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، اور ابویعلیٰ، بزار اور طبرانی اسے صحیح سندوں سے روایت کی ہے، اور حافظ ابن حجر نے الإصابۃ: (۵۰۶/۵) میں اسے صحیح کہا ہے۔

اچانک میری نظر بکری کے ایک چرواہے پر پڑی، میں نے پوچھا: اے غلام! تمہارا آقا کون ہے؟ اس نے ایک قریشی آدمی کا نام بتایا، جسے میں نے پہچان لیا، میں نے اس سے پھر پوچھا: کیا تمہارے پاس دودھ دینے والی بکری ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ میں نے کہا: کیا تم اسے میرے لئے ڈوہ سکتے ہو، اس نے کہا: ہاں پھر میں نے اس کو ان بکریوں میں سے ایک بکری کا پاؤں باندھ کر اس کی تھن کو صاف کرنے کو کہا۔ پھر میں نے اس سے کہا کہ وہ اپنے دونوں ہاتھ بھی صاف کر لے، اور میرے پاس ایک برتن تھا، جس کے منہ پر کپڑے کا ایک ٹکڑا بندھا تھا، اس میں اس نے تھوڑا سا دودھ دوہا پھر میں نے پیالے پر پانی بہایا، یہاں تک کہ اس کا نچلا حصہ ٹھنڈا ہو گیا، پھر میں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نوش فرمائیے، آپ نے پیا یہاں تک کہ میں خوش ہو گیا، پھر ہم لوگ وہاں سے چل پڑے اور قریش والے ہمیں ڈھونڈتے رہے، لیکن ان میں سے کوئی ہمیں نہ پاسکا، سوائے سراقہ بن مالک بن جشم کے، جو اپنے گھوڑے پر سوار تھا، میں نے کہا: یا رسول اللہ! اس آدمی نے ہمیں آلیا، آپ نے فرمایا: غم نہ کرو، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے (۱)۔

واقعہ سراقہ بن مالک:

سراقہ بن مالک بن جشم کہتے ہیں: ہمارے پاس کفار قریش کے قاصد یہ خبر لے کر آئے کہ رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر کو قتل کرنے والے یا انہیں قید کر کے لانے والے کو ان دونوں کی دیت کے برابر رقم دی جائے گی، میں اپنی قوم بنی مدلج کے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھا تھا تو ان میں سے ایک آدمی نے کہا: اے سراقہ! میں نے ابھی ساحل کی طرف کچھ لوگوں کو دور سے دیکھا ہے، میرا خیال ہے کہ وہ محمد اور اس کے ساتھی ہیں۔

سراقہ کہتے ہیں: مجھے یقین ہو گیا کہ وہی لوگ ہیں، لیکن میں نے اس سے کہا: نہیں، وہ لوگ نہیں ہیں، شاید تم نے فلاں اور فلاں آدمی کو دیکھا ہے جو ابھی ہماری نگاہوں کے سامنے سے گزرے ہیں، میں وہاں تھوڑی دیر زکار ہا، پھر اپنے گھر گیا اور اپنی لونڈی کو حکم دیا کہ وہ میرے گھوڑے کو نکال کر ٹیلہ کے پیچھے لے جائے اور میرا انتظار کرے، اور میں نے اپنا نیزہ لیا اور گھر کے پائیں دروازے سے نکلا، در انحالیکہ میں اپنے نیزے کے ذریعہ زمین میں نشان بنارہا تھا، اور اس کے بالائی حصہ کو جھکا رکھا تھا، یہاں تک کہ میں اپنے گھوڑا کے پاس پہنچ گیا، اس پر سوار ہوا، اور اسے ہمیز لگا دی، وہ مجھے لے کر دوڑنے لگا، جب ان کے قریب پہنچا تو میرے گھوڑے کا پاؤں پھسل گیا، اور میں نیچے گر گیا، میں اٹھا، اور اپنا ہاتھ تیروں کے تھیلے تک لے گیا اور اس میں سے تیر نکال کر قسمت کا حال معلوم کرنے لگا کہ میں انہیں نقصان پہنچا سکوں گا یا نہیں، تو میری ناپسندیدہ بات نکلی، لیکن میں نے تیروں کی

(۱) السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۲/۲۵۱، ۲۵۲، مسند احمد: ۳/۲۰۱، صحیح البخاری، حدیث: (۳۶۵۲)، صحیح مسلم، حدیث: (۲۰۰۹)۔

بات نہیں مانی اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

میرا گھوڑا مجھے ان سے قریب کرنے لگا، یہاں تک کہ میں رسول اللہ ﷺ کی قراءت کی آواز سننے لگا، اور آپ ﷺ اُدھر اُدھر نہیں دیکھتے تھے، جب کہ ابو بکر بار بار ہر چار جانب دیکھ رہے تھے۔ اُس وقت میرے گھوڑے کے دونوں اگلے پاؤں زمین میں ٹخنوں تک دھنس گئے، اور میں نیچے گر گیا، اُٹھ کر میں نے گھوڑے کو ڈانٹا تو وہ اُٹھ کھڑا ہوا، اس نے اپنے دونوں پاؤں بڑی مشکل سے نکالا، جب گھوڑا سیدھا کھڑا ہو گیا تو اس کے پاؤں کی رگڑ سے شہد کی مانند ایک چمکدار غبار اُڑ کر آسمان کی طرف بلند ہو رہا تھا، میں نے دوبارہ تیروں کے ذریعہ قسمت کا حال معلوم کرنا چاہا، تو وہی بات نکلی جسے میں ناپسند کرتا تھا۔

تب میں نے ان لوگوں کو امان دینے کے لئے پکارا، تو وہ کھڑے ہو گئے، میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے پاس آیا، اور اس وقت میرے دل میں یہ بات یقین کی حد تک بیٹھ گئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کا دین غالب ہو کر رہے گا۔ میں نے آپ ﷺ سے کہا: آپ کی قوم نے آپ کو گرفتار کرنے کے لئے بڑے معاوضہ کا اعلان کیا ہے، اور دوسری تمام تفصیلات بتائی، اور آپ اور آپ کے ساتھیوں کو زائیسفر اور دیگر سامان کی پیشکش کی، تو انہوں نے مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچائی اور مجھ سے کوئی مطالبہ نہیں کیا، سوائے اس کے کہ میں ان کی بات کسی کو نہ بتاؤں۔ میں نے آپ سے طلب کیا کہ مجھے ایک پروانہ امن لکھ کر دیں، تو آپ کے حکم سے عامر بن فہیر ہ نے وہ بات چڑے کے ایک ٹکڑے پر لکھ کر مجھے دیا، پھر رسول اللہ ﷺ آگے بڑھ گئے۔

سیرۃ حلبیہ اور شرح المواہب میں آیا ہے کہ جب سُرّاقہ آپ ﷺ کے پاس سے لوٹنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے سُرّاقہ! وہ دن تمہارے لئے کیسا ہو گا جب تم کسریٰ کے دونوں کنگن پہنو گے؟ سُرّاقہ نے پوچھا: کسریٰ بن ہرمز؟ آپ نے فرمایا: ہاں، اور سُرّاقہ نے آپ سے ایک تحریر لکھ دینے کی درخواست کی تو ابو بکر نے انہیں لکھ کر دے دیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ انہیں وہ تحریر عامر بن فہیر ہ نے چڑے کے ایک ٹکڑے پر لکھ کر دیا تھا، پھر وہ لوٹ گئے اور لوگوں سے کہتے گئے کہ اس طرف سے میں ڈھونڈ کر آ گیا ہوں، اور اس طرح انہیں اُدھر جانے سے روک دیا۔

زہری نے روایت کی ہے کہ سُرّاقہ نبی کریم ﷺ کی وہ تحریر لے کر آپ کے پاس مقام جعرانہ پر ملے جب آپ طائف سے لوٹ رہے تھے، تو آپ نے ان سے کہا: یہ دن وفاداری اور بھلائی کا ہے، قریب آ جاؤ، تو میں آپ کے قریب ہو گیا، اور اسلام لے آیا۔

سُرّاقہ جب لوٹے تو ہر ایک کو آپ کی تلاش میں اُس طرف جانے سے یہ کہہ کر روکتے رہے کہ میں اُدھر

سے تلاش کر کے آگیا ہوں، اب کسی کو اُدھر جانے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ کی مشیت دیکھئے کہ جو سُر اُتارے صبح کے وقت آپ کی تلاش میں اپنی جان کھپا رہے تھے، شام کے وقت آپ کی حفاظت کر رہے تھے^(۱)۔

واقعہ اُمّ معبد:

نبی کریم ﷺ غارِ ثور سے نکل کر سیدھے جنوب میں یمن کی طرف چل پڑے، پھر مغرب کی سمت ساحل کا رخ کیا، یہاں تک کہ جب آپ ایک ایسے راستے پر پہنچ گئے جس پر لوگ عام طور پر نہیں چلتے تھے، تو بحرِ احمر کے ساحل سے لگے شمال کا رخ کیا، اور اس طرح آپ نے ایک ایسا راستہ اختیار کیا جس پر کوئی آدمی شاذ و نادر ہی چلتا تھا۔ ابنِ اسحاق نے اُن مقامات کے نام ذکر کئے ہیں جہاں سے رسول اللہ ﷺ مدینہ جاتے ہوئے گزرے تھے، یہاں تک کہ آپ قبا پہنچ گئے۔

اور رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ اس سفرِ ہجرت میں اُمّ معبد بنت کعب خزاعیہ کے دو خیموں کے پاس سے گزرے، یہ ایک پاکدامن، نیک دل، عمر رسیدہ اور بہادر خاتون تھیں، جو مردوں کے سامنے آتی تھیں، اپنے خیمہ کے باہر بیٹھی رہتیں اور وہاں سے گزرنے والوں کو کھلاتی پلاتی تھیں۔

آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب نے ان سے اپنی میزبانی کی خواہش ظاہر کی، تو انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہمارے پاس نہ کھانا ہے اور نہ دودھ دینے والی کوئی اونٹنی یا بکری، سوائے ایک غیر حاملہ بکری کے، وہ زمانہ قحطِ سالی کا تھا، رسول اللہ ﷺ کی نظر خیمے کے اندر بندھی ایک بکری پر پڑی، آپ ﷺ نے فرمایا: اے اُمّ معبد! یہ بکری کیسی ہے؟ انہوں نے کہا: ایک کمزور اور تھکی ہاری بکری ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا وہ دودھ دیتی ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم مجھے اسے دُونے کی اجازت دو گی؟ انہوں نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اگر آپ سمجھتے ہیں کہ وہ دودھ دے سکتی ہے تو اسے دُونے۔ آپ ﷺ نے اس بکری کو منگایا اور اس کی تھن پر اپنا ہاتھ پھیرا، اور بسم اللہ پڑھ کر اس کے حق میں دعا کی، تو اچانک وہ بکری دُونے جانے کے لئے تیار ہو گئی۔ اور اُس کی تھن میں دودھ اُتر آیا، آپ ﷺ نے ایک بڑا برتن منگایا، اور اس میں دُونے لگے، یہاں تک کہ دودھ کی جھاگ اس برتن کے اوپر آگئی، آپ ﷺ نے پہلے اُمّ معبد کو پلایا، پھر اپنے اصحاب کو، اور آخر میں خود پیا۔ سب نے بار بار پیا، یہاں تک کہ اچھی طرح سیراب ہو گئے، پھر آپ نے اس میں دوبارہ دُونے، یہاں تک کہ برتن کو بھر دیا، اور اسے اُمّ معبد کے پاس رکھ دیا۔ پھر آپ ﷺ نے اُمّ معبد سے اسلام پر بیعت لی اور وہاں سے

(۱) دلائلِ الیقینی: ۴۸۷/۲، اور اس کے بعد۔ السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۲۴۷-۲۴۹، زاد المعاد: ۴۸/۳، صحیح البخاری، حدیث:

(۳۹۰۶)، صحیح مسلم، حدیث: (۲۰۰۹) مسند احمد: ۱۷۶/۱۔

چل پڑے، کچھ ہی دیر کے بعد امّ معبد کے شوہر ابو معبد اپنی دہلی پتلی بکریوں کو ہانکتے ہوئے آئے۔ ابو معبد نے جب دودھ دیکھا تو انہیں بڑی حیرت ہوئی، کہنے لگے: اے امّ معبد! یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا ہے، جب کہ خیمے میں موجود بکری چراگاہ سے دور ہے اور نہ حاملہ ہے، اور نہ گھر میں کوئی دودھ دینے والی بکری ہے۔

امّ معبد نے کہا: اللہ کی قسم! ہمارے پاس سے ایک بہت ہی مبارک آدمی کا گزر ہوا ہے جن کی حالت ایسی ایسی تھی، ابو معبد نے کہا: اے امّ معبد! مجھے ان کی صفت بیان کرو، تو انہوں نے کہا: میں نے ایک ایسا آدمی دیکھا جن کا حلیہ یہ تھا؛ چمکتا رنگ، تابناک چہرہ، خوبصورت ساخت، نہ بڑی توند والا نہ گنچے سرو والا، جمال جہاں تاب کے ساتھ ڈھلا ہوا پیکر، سرگی آنکھیں، لمبی پلکیں، بھاری آواز، لمبی گردن، سفید و سیاہ آنکھیں، سیاہ سرگی پلکیں، باریک اور باہم ملے ہوئے ابرو، چمکدار کالے بال، خاموش رہیں تو باوقار، گفتگو کریں تو پرکشش، دور سے دیکھنے میں سب سے تابناک و پر جمال، قریب سے سب سے خوبصورت و حسین، گفتگو میں چاشنی، بات میں وضاحت اور دو ٹوک، نہ مختصر نہ فضول، انداز ایسا کہ گویا لڑی سے موتی جھڑ رہے ہیں، درمیانہ قد، نہ ناکا نہ نگاہ میں نہ نیچے اوز نہ لمبا کہ ناگوار لگے، دو شاخوں کے درمیان ایسی شاخ کی طرح جو سب سے زیادہ تازہ اور خوش منظر ہے۔ آپ کے رفقاء آپ کے گرد حلقہ بنائے ہوئے، کچھ فرمائیں تو توجہ سے سنتے ہیں، کوئی حکم دیں تو لپک کر اسے بجالاتے ہیں، مطاع و مکرّم نہ ترش رو، نہ لغو گو۔

ابو معبد نے کہا: یہ تو اللہ کی قسم! وہی آدمی ہیں جنہیں قریش والے ڈھونڈ رہے ہیں، اگر وہ مجھے مل گئے تو میں ان کا ساتھی بن جاؤں گا، اور میں اس کے لئے پوری کوشش کروں گا۔

آپ ﷺ کی زبیر بن عوام سے ملاقات:

امام بخاری نے زہری سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں: مجھے عروہ بن زبیر نے خبر دی ہے کہ مدینہ جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی ملاقات زبیر سے ہوئی جو مسلمان تاجروں کی ایک جماعت کے ساتھ شام سے واپس آرہے تھے، زبیر نے آپ ﷺ کو اس وقت سفید کپڑے پہنائے تھے^(۱)۔

آپ ﷺ کی ملاقات بُریدہ بن حصیب سے:

اسی ہجرت مدینہ کے سفر میں آپ ﷺ کی ملاقات بُریدہ بن حصیب سے اُن کے قبیلہ بنی ہبم کے ستر سواروں کے ساتھ ہوئی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: تم کون ہو؟ کہا: بُریدہ۔ آپ ﷺ نے ابو بکر صدیق سے کہا: اے ابو بکر!

ہمارا معاملہ ٹھنڈا اور مناسب ہے۔ آپ ﷺ نے پھر پوچھا: تم کس خاندان کے ہو؟ کہا: خاندانِ اسلام کا۔ آپ ﷺ نے ابوبکر سے کہا: ہم محفوظ ہو گئے۔ آپ ﷺ نے پھر پوچھا: تم کس قبیلہ سے ہو؟ کہا: بنی سہم کا۔ آپ ﷺ نے کہا: اے ابوبکر! آپ کی خوش بختی کا تیر نکلا ہے۔ تب بریدہ نے پوچھا: آپ کون ہیں؟ کہا: میں محمد بن عبد اللہ، اللہ کا رسول ہوں۔ بریدہ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔

چنانچہ بریدہ اور وہ تمام لوگ اسلام لے آئے جو ان کے ساتھ تھے، وہ تقریباً اسی (۸۰) گھرانے کے لوگ تھے، آپ نے اُس وقت عشاء کی نماز پڑھی اور اُن تمام لوگوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ جب صبح ہوئی تو بریدہ نے نبی کریم ﷺ سے کہا: آپ مدینہ میں اس حال میں داخل ہوں کہ آپ کے ساتھ جھنڈا ہو، پھر بریدہ نے اپنا عمامہ کھول کر اپنے نیزے کے اوپر باندھ لیا اور آپ ﷺ کے آگے چلنے لگے۔ پھر پوچھا: اے اللہ کے نبی! کیا آپ میرے مہمان بنیں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: میری یہ اونٹنی اللہ کی مامور ہے، بریدہ نے کہا: اللہ کا شکر ہے کہ بنو سہم والے تمام کے تمام برضا و رغبت بغیر کسی دباؤ کے اسلام لے آئے^(۱)۔

مکہ میں ایک آواز:

جب تین راتیں گزر گئیں اور اللہ تعالیٰ نے اہل قریش کو نبی کریم ﷺ اور آپ کے ساتھی ابوبکر کے بارے میں اندھا بنا دیا، اور انہیں کوئی خبر نہ ہوئی کہ وہ دونوں کدھر نکل گئے؟ تو مکہ میں آسمان وزمین کے درمیان ایک اونچی آواز گونجی جسے اہل مکہ سن تو رہے تھے، لیکن انہیں معلوم نہ تھا کہ آواز دینے والا کون ہے؟ یہ آواز مکہ کے نچلے علاقے سے آرہی تھی کوئی شخص چند اشعار پڑھ رہا تھا، لوگ اس کے پیچھے تھے، اس کی آواز کو سن رہے تھے، اور اسے دیکھ نہیں رہے تھے، پھر وہ آواز دینے والا نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب کے بارے میں اُمّ معبد کے خیمے میں اُترنے اور وہاں ان کی ایک بکری کو دوہنے اور پھر وہاں سے مدینہ کی طرف روانہ ہو جانے کی خبر دیتا ہوا مکہ کے بالائی علاقہ سے باہر نکل گیا۔

جب لوگوں نے اس کی بات سنی اور جان گئے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے ہیں، تو بہت سے مسلمان تیزی کے ساتھ اُمّ معبد کے خیمے کی طرف نکل پڑے اور جلد ہی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا ملے۔

جندب بن ضمرہ کا ہجرت کے لئے نکلنا اور تنعم میں وفات:

جب جندب بن ضمرہ جندی کو خبر ہوئی کہ نبی کریم ﷺ ہجرت کر گئے تو اپنے دل میں سوچا کہ اب مکہ میں

رُکے رہنے کے لئے میرے پاس کوئی عذر نہیں رہا، حالانکہ وہ اس وقت کمزور تھے، انہوں نے اپنے گھر والوں کو حکم دیا کہ وہ انہیں مکہ سے نکال کر تنہا لے جائیں، وہاں پہنچنے کے بعد ان کا انتقال ہو گیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں نازل فرمایا: ﴿وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكُهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ (اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہجرت کی نیت سے نکلتا ہے، پھر اُس کی موت آجاتی ہے، تو اس کا اجر اللہ کے نزدیک ثابت ہو جاتا ہے، اور اللہ بڑا مغفرت کرنے والا اور نہایت مہربان ہے) [النساء: ۱۰۰]، جب مکہ میں باقی ماندہ مسلمانوں نے جو سفر کی طاقت رکھتے تھے، یہ بات سنی تو وہ سب کے سب نکل پڑے۔ ابوسفیان مشرکوں کی ایک جماعت کے ساتھ انہیں گرفتار کرنے کے لئے نکلا، انہیں پکڑ کر واپس لے آیا اور سب کو پابندِ سلاسل کر دیا، ان میں سے کئی لوگ اس ابتلاء و آزمائش سے مغلوب ہو گئے (۱)۔

علی بن ابی طالب نبی کریم ﷺ سے جا ملے:

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے مکہ سے نکل جانے کے بعد تین راتیں وہاں ٹھہرے رہے، لوگوں کی ان امانتوں کو واپس کر دیا جو رسول اللہ ﷺ کے پاس تھیں، اور آپ ﷺ کے قرضوں کی ادائیگی کی، پھر نبی کریم ﷺ سے جا ملے، رات میں چلتے تھے اور دن میں چھپ جاتے تھے، یہاں تک کہ مدینہ پہنچ گئے۔ انہوں نے آپ ﷺ کو قباء میں جالیا (۲)۔

ابو قحافہ ابو بکر کی اولاد کی دیکھ بھال کرتے رہے:

اُسماء کہتی ہیں: جب رسول اللہ ﷺ اور آپ (ﷺ) کے ساتھ ابو بکر مکہ سے نکلے تو ابو بکر نے سارا مال ساتھ لے لیا تھا، ان کے پاس پانچ یا چھ ہزار درہم تھے، ان کی روانگی کے بعد میرے دادا ابو قحافہ ہمارے پاس آئے، اس وقت ان کی بینائی جاچکی تھی، انہوں نے پوچھا: میں نہیں سمجھتا ہوں کہ تمہارے والد اپنی جان کے ساتھ اپنا مال بھی لے کر چلے گئے، اور تم سب کو پریشانی میں ڈال دیا؟ میں نے کہا: دادا ایسا ہرگز نہیں ہوا ہے۔ وہ تو ہمارے لئے بہت کچھ چھوڑ کر گئے ہیں، پھر میں نے کئی پتھر لئے اور انہیں گھر کے ایک کونے میں رکھ دیا جہاں میرے والد اپنا مال رکھا کرتے تھے، پھر اس پر ایک کپڑا ڈال دیا، پھر ان کا ہاتھ پکڑ کر وہاں لے گئی اور کہا: دادا آپ اپنا ہاتھ اس

(۱) الوقاء: ۱/۳۸۶، ۳۸۷، اتحاف الوری: ۱/۳۹۳، مستدرک حاکم: ۱۰، ۹، ۳، حاکم نے کہا ہے: اس کی سند صحیح ہے اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے، اور کہا ہے: یہ حدیث صحیح ہے

(۲) سیرۃ ابن ہشام: ۱/۳۹۴-۳۸۵، اتحاف الوری: ۱/۳۹۳-۳۹۵۔

مال پر رکھے، انہوں نے اپنا ہاتھ اس پر رکھا تو کہنے لگے: پھر کوئی حرج نہیں، اگر وہ تمہارے لئے اتنا کچھ چھوڑ کر گیا ہے تو بہت اچھا کیا ہے، اس سے تم لوگ اپنا گزراوقات کرو گے۔ اسماء کہتی ہیں: حالانکہ اللہ کی قسم! والد نے ہمارے لئے کچھ بھی نہیں چھوڑا تھا، میں نے تو اس طرح اپنے دادا کو اطمینان دلانا چاہا تھا۔

ابوبکر کا آپ ﷺ کی شخصیت کو چھپانا:

انس بن مالک کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے جب ہجرت کی تو آپ ﷺ کی سواری پر آپ کے پیچھے ابوبکر سوار تھے، راستہ میں لوگ ابوبکر کو پہچان لیتے تھے، اس لئے کہ وہ بارہا اپنے تجارتی کاموں کے لئے شام جاتے رہے تھے، اور ان لوگوں کے پاس سے ان کا گزر ہوتا تھا، لوگ ان سے پوچھتے: اے ابوبکر! آپ کے آگے کون ہے؟ وہ کہتے: ایک راستہ دکھلانے والا ہے، جب مدینہ کے قریب ہوئے تو آپ ﷺ نے انصار مدینہ اور ابوامامہ اور ان کے ساتھیوں کو خبر بھیجی، وہ سب نکل کر آپ دونوں کے پاس آئے اور کہا: آپ امن و سلامتی کے ساتھ، اور بحیثیت ہمارے سردار اور فرمانروا داخل ہو جائیے، چنانچہ دونوں مدینہ میں داخل ہو گئے۔

انس کہتے ہیں: میں نے آج تک کوئی دن اُس دن سے زیادہ پر رونق اور پر بہار نہیں دیکھا، جس دن رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر مدینہ میں داخل ہوئے، اور میں نے آپ کی وفات کا منظر بھی دیکھا، تو کوئی دن اُس دن سے زیادہ تاریک اور بد شکل نہیں دیکھی، جس دن رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی^(۱)۔

رسول اللہ ﷺ کا مدینہ میں استقبال:

محمد بن اسحاق نے بعض انصاری صحابہ کرام سے روایت کی ہے کہ جب ہمیں نبی کریم ﷺ کے مکہ سے نکلنے کی خبر ملی اور آپ کی آمد کی امید ہو گئی تو ہم لوگ ہر روز صبح کی نماز پڑھنے کے بعد حرّہ کے علاقے میں نکل کر آپ کا انتظار کرنے لگے۔ اللہ کی قسم! جب تک دھوپ ہمیں ستانے نہ لگتی ہم وہیں انتظار کرتے، اور ہمیں جب کوئی سایہ نہ ملتا تو اپنے گھروں کو واپس آ جاتے، اس لئے کہ وہ زمانہ سخت گرمی کا تھا، یہاں تک کہ وہ دن آگیا جس دن رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، اور ہم ہر روز کی طرح انتظار میں بیٹھے رہے اور جب کوئی سایہ باقی نہ رہا تو اپنے گھروں میں داخل ہو گئے، تب رسول اللہ ﷺ پہنچے، اور پہلا آدمی جس نے آپ کو دیکھا، ایک یہودی تھا، وہ اونچی آواز کے ساتھ پکارنے لگا، اے بنی قیس! یہ دیکھو! تمہاری خوش قسمتی آگئی۔

(۱) مسند احمد: ۱۲/۳، اس حدیث کے تمام راوی صحیح کے راوی ہیں، مقدمہ سنن دارمی: ۴۱/۱، اس کی سند صحیح ہے، مستدرک حاکم: ۱۲/۳، حاکم نے کہا ہے: یہ مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے۔

ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی طرف دوڑ پڑے، آپ اُس وقت ایک کھجور کے سایے میں تھے، اور آپ کے ساتھ ابو بکر بھی تھے، جو آپ ہی کی عمر کے آدمی تھے، اور ہم میں سے اکثر لوگوں نے اس سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا تھا، لوگ آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے، لیکن نہیں جانتے تھے کہ آپ کون ہیں اور ابو بکر کون؟ یہاں تک کہ سایہ آپ کے سر سے ڈھل گیا، تو ابو بکر اُٹھے اور آپ کے سر پر اپنی چادر سے سایہ کرنے لگے، تب ہم نے آپ ﷺ کو پہچانا^(۱)۔

مسجد قبا کی تعمیر:

صحیح بخاری میں انس بن مالک اور عروہ بن زبیر سے مروی احادیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ ماہ ربیع الاول میں سموار کے دن مدینہ کے کعبہ بالائی علاقے میں بنی عمرو بن عوف کے پاس تشریف فرما ہوئے، آپ ان کے پاس چودہ رات رہے، اور اس مسجد کی بنیاد رکھی جس کی بنیاد تقویٰ پر ہے۔ اور آپ نے اس میں نماز پڑھی، پھر اپنی سواری پر سوار ہوئے اور لوگ آپ کے ساتھ چلنے لگے، یہاں تک کہ مدینہ آکر مسجد رسول کے پاس اونٹنی بیٹھ گئی۔ اور انس بن مالک کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھی جب اہل مدینہ کے سامنے پہنچے تو تمام اہل مدینہ یکبارگی نکل پڑے، یہاں تک کہ دہنیں چھتوں کے اوپر سے آپ کو دیکھ کر پوچھنے لگیں، ان میں رسول اللہ کون ہیں، ہم نے اس سے پہلے ایسا منظر کبھی نہیں دیکھا تھا۔

اور صحیحین میں ابو بکر سے مروی حدیث ہجرت میں ہے کہ جب ہم لوگ مدینہ آئے تو لوگ راستوں اور چھتوں پر نکل آئے، اور غلام اور نوکر چاکر کہنے لگے: اللہ اکبر، رسول اللہ آگئے، اللہ اکبر، محمد آگئے، اللہ اکبر، رسول اللہ آگئے، اللہ اکبر، محمد آگئے۔ اور جب صبح ہوئی تو جہاں جانے کا اللہ کی طرف سے حکم تھا وہاں چلے گئے۔ اور بیہقی نے ابن عائشہ سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو عورتیں اور بچے کہنے لگے:

طلع البدر علینا	من ثنّیات الوداع
وجب الشکر علینا	ما دعا للہ داع
أيها المبعوث فینا	جئت بالأمر المطاع

ان اشعار کا مختصر مفہوم یہ ہے: ہمارے اوپر ثنّیۃ الوداع پہاڑی کے اوٹ سے چودھویں کا چاند طلوع ہوا۔ ہم پر اللہ کا شکر واجب ہے، جب تک پکارنے والا اللہ کو پکارتا رہے گا۔ اے ذات پاک جنہیں اللہ نے ہمارے لئے نبی

بنکر بھیجا ہے، آپ ایک ایسا دین لے کر آئے ہیں جس کی اطاعت کی جائے گی۔

نبی کریم ﷺ بنی عمرو بن عوف والوں کے پاس سے جمعہ کے دن نکلے، اور جب آپ بنی سالم بن عوف کے علاقے میں پہنچے تو جمعہ کا وقت ہو گیا، چنانچہ آپ نے وادی را نونا میں واقع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھی۔ یہ پہلا جمعہ تھا جو آپ نے مدینہ میں پڑھا، اور اسی دن سے یثرب کا نام مدینۃ الرسول رکھ دیا گیا۔ پھر مختصر ہو کر مدینہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔

اور آپ ﷺ کے پاس عتبہ بن مالک، اور عباس بن عبدہ بن نضلسہ بنی سالم کے دیگر کچھ لوگوں کے ساتھ آئے، اور کہا: یا رسول اللہ! آپ ہمارے پاس قیام کیجئے، ہم نفری قوت اور اسلحہ اور ساز و سامان والے لوگ ہیں تو آپ نے فرمایا: تم لوگ اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو، یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے، تو وہ لوگ الگ ہٹ گئے، اور اونٹنی چلتی ہوئی جب دار بنی بیاضہ کے سامنے آئی تو بنی بیاضہ کے کچھ لوگ آئے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! آپ ہمارے پاس تشریف لائیے، ہم نفری قوت، اسلحہ اور ساز و سامان والے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو، یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے، تو وہ لوگ اس کے راستے سے ہٹ گئے۔

اونٹنی چل پڑی یہاں تک کہ دار بنی ساعدہ کے سامنے آئی، تو وہ لوگ کہنے لگے: یا رسول اللہ! آپ ہمارے پاس تشریف لائیے، ہماری تعداد بڑی ہے اور ہم آپ کی حفاظت کی طاقت رکھتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ اس اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو، یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے، تو وہ الگ ہٹ گئے۔

اونٹنی آگے چل پڑی، یہاں تک کہ دار بنی الحارث بن خزرج کے سامنے پہنچی تو کچھ لوگ آگے بڑھ کر کہنے لگے: یا رسول اللہ! آپ ہمارے پاس تشریف لائیں، ہم تعداد، ہتھیار اور قوتِ دفاع میں زیادہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا راستہ چھوڑ دو، یہ مامور ہے، تو لوگوں نے اس کا راستہ چھوڑ دیا۔

اونٹنی آگے چل پڑی یہاں تک کہ عدی بن نجار والوں کے علاقے میں پہنچی، یہ رسول اللہ ﷺ کے نانہالی لوگ تھے، اس لئے کہ عبدالمطلب کی ماں سلمہ بنت عمرو انہی لوگوں کی بیٹی تھی، وہاں کچھ لوگ آگے بڑھے اور کہا: یا رسول اللہ! آپ اپنے ماموں زادوں کے پاس تشریف لائیے، ہم لوگ تعداد، اسبابِ جنگ اور دفاعی قوت میں زیادہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا راستہ چھوڑ دو، یہ مامور ہے، تو لوگوں نے اس کا راستہ چھوڑ دیا۔

اونٹنی چلتی ہوئی جب بنی مالک بن نجار والوں کے پاس پہنچی تو آج کی مسجد نبوی کے دروازے کے پاس بیٹھ گئی۔ اُس وقت وہ جگہ بنی مالک بن نجار کے دو یتیم لڑکوں سہل اور سہیل کی بکریوں کا باڑا تھی، اور یہ دونوں معاذ بن عفراء کی گود میں پلے بڑھے تھے، بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ دونوں اسعد بن زرارہ کی گود میں پلے بڑھے

تھے، واللہ اعلم (۱)۔

اور موسیٰ بن عقبہ نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ راستہ میں عبد اللہ بن ابی بن سلول کے پاس سے گزرے، وہ اس وقت اپنے ایک گھر میں تھا، رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر انتظار کرنے لگے کہ وہ آپ کو گھر کے اندر بلائے، ان دنوں وہ خزر ج کا سردار تھا۔ عبد اللہ نے کہا: ان لوگوں کے پاس جاؤ، جنہوں نے تمہیں بلایا ہے، ان کے پاس جا کر ٹھہرو، آپ ﷺ نے یہ بات چند انصاری صحابہ سے کہی، تو سعد بن عبادہ اس کی طرف سے معذرت پیش کرتے ہوئے کہنے لگے: یا رسول اللہ! اللہ نے آپ کو بھیج کر ہم پر احسان کیا ہے، ہم عنقریب ہی اس کے سر پر تاج رکھ کر اسے اپنا بادشاہ بنانے والے تھے۔

موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں: انصارِ مدینہ آپ ﷺ کے بنی عمرو بن عوف والوں کے پاس سے روانہ ہونے سے پہلے جمع ہو چکے تھے، سب آپ کی اونٹنی کے گرد چلنے لگے، ان میں سے ہر ایک رسول اللہ ﷺ کی تکریم و تعظیم کے لئے کوشش کر رہا تھا کہ وہ اونٹنی کا لگام تھامے، اور آپ جب کسی انصاری کے گھر کے پاس سے گزرتے تو وہ آپ کو اپنے گھر کے اندر تشریف لانے کی درخواست کرتا، تو آپ ﷺ فرماتے، اسے چھوڑ دو، یہ مامور ہے، میں وہیں ٹھہروں گا، جہاں مجھے اللہ ٹھہرائے گا۔

آپ ﷺ کا قیام ابو ایوب کے گھر میں:

جب اونٹنی ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے گھر کے پاس پہنچی تو ان کے دروازے پر بیٹھ گئی، آپ اتر کر ابو ایوب کے گھر میں داخل ہو گئے اور وہیں قیام پذیر ہو گئے، یہاں تک کہ آپ کی مسجد اور آپ کے کمرے بنائے گئے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں: اونٹنی جب وہاں بیٹھی تو آپ اس سے نہیں اترے، وہ پھر دوبارہ کھڑی ہو گئی اور تھوڑی دور چلی، اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی تھی، اونٹنی پھر پیچھے کی طرف مڑی اور جہاں پہلی بار بیٹھی تھی وہیں لوٹ گئی، اور دوبارہ اسی جگہ بیٹھ گئی، پھر اونٹنی نے آواز نکالی اور آرام کے ساتھ وہیں پھیل گئی، تب آپ ﷺ اتر گئے اور ابو ایوب خالد بن زید نے آپ کا سامان سفر اُتار کر اپنے گھر میں رکھا، اور رسول اللہ ﷺ وہاں قیام پذیر ہو گئے۔

آپ ﷺ نے بکری کے باڑا کے بارے میں پوچھا: یہ کس کا ہے؟ تو معاذ بن عفران نے کہا: یا رسول اللہ! یہ عمرو کے دونوں بیٹوں اہل اور سہیل کا ہے، یہ دونوں یتیم میرے زیر نگرانی ہیں، اور میں ان دونوں کو اس زمین کے لئے راضی کر لوں گا، آپ اسے مسجد بنالیجئے گا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے تعمیر مسجد کا حکم دے دیا (۲)۔

(۱) السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۲۶۸/۵-۲۷۲، سیرۃ ابن ہشام: ۴۹۳-۴۹۵۔

(۲) سیرۃ ابن ہشام: ۴۹۶۔

اور بیہوشی نے دلائل النبوة میں لکھا ہے: جب اونٹنی ابوایوب کے دروازے پر بیٹھ گئی تو بنی نجار کی کچھ چھوٹی لڑکیاں دُف بجاتی ہوئی اور یہ کہتی ہوئی نکلیں:

نحن جوار من بني النجار يا حبيذا محمد من جار

ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں، محمد ہمارے کتنے اچھے پڑوسی بن گئے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ یہ سن کر نکلے اور کہا: کیا تم لوگ مجھ سے محبت کرتی ہو، تو انہوں نے کہا: ہاں، اللہ کی قسم! رسول اللہ، آپ ﷺ نے فرمایا: اور میں بھی اللہ کی قسم! تم سب سے محبت کرتا ہوں، آپ نے یہ جملہ تین بار دُہرایا، اسے حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہے اور اسی جیسی ایک حدیث ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔ اور صحیح بخاری میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انصار کی عورتوں اور بچوں کو کسی شادی سے واپس آتے دیکھا، تو رسول اللہ ﷺ ان کے سامنے کھڑے ہو گئے اور کہا: اللہ گواہ ہے کہ تم لوگ مخلوق میں سب سے زیادہ مجھے محبوب ہو، آپ نے یہ بات تین بار کہی۔

اور ابن اسحاق نے ابوایوب سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں رہنے لگے تو آپ نیچے ٹھہرے، اور میں اور ام ایوب بالائی منزل پر، میں نے آپ سے کہا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، مجھے اچھا نہیں لگ رہا ہے کہ میں آپ کے اوپر رہوں اور آپ میرے نیچے، اس لئے آپ اوپر تشریف لے چلیں، اور ہم نیچے آجاتے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوایوب! ہمارے لئے اور ہمارے پاس آنے والوں کے لئے مناسب یہی ہے کہ میں نیچے رہوں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نیچے رہنے لگے اور ہم اوپر۔ ایک دن اوپر ہمارے پانی کا ایک مٹکا ٹوٹ گیا، تو میں اور ام ایوب فوراً اپنا ایک کمر لے کر پانی کو خشک کرنے لگے (ہمارے پاس اس کے سوا کوئی لحاف نہ تھا) تاکہ پانی کا کوئی حصہ آپ کے اوپر ٹپک کر آپ کی تکلیف کا سبب نہ بنے۔ ابوایوب کہتے ہیں: ہم آپ ﷺ کے لئے رات کا کھانا تیار کر کے آپ کے پاس بھیج دیتے تھے، اور جب اس کا باقی ماندہ حصہ واپس کرتے تو میں اور ام ایوب آپ کے ہاتھ کے نشان کی جگہ سے لے کر بطور تبرک کھایا کرتے۔ ایک رات ہم نے آپ کا کھانا بھیجا جس میں پیاز یا لہسن ملا تھا، آپ ﷺ نے اُسے جب واپس کیا تو اس میں ہم نے آپ ﷺ کے ہاتھ کا نشان نہیں پایا، میں گھبرا ہوا آپ کے پاس آیا اور پوچھا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپ نے کھانا واپس کر دیا اور اس میں ہم نے آپ کے ہاتھ کا نشان نہیں دیکھا؟ تو آپ ﷺ نے کہا کہ مجھے اس درخت (پیاز یا لہسن) کی بو اس سے آئی تھی، اور میں (جبریل سے) سرگوشی کرتا ہوں۔ اس لئے تم لوگ وہ کھانا کھاؤ۔ چنانچہ وہ کھانا ہم لوگوں نے کھالیا، اور پھر اس کے بعد کبھی آپ کے کھانا میں پیاز یا لہسن نہیں ڈالا^(۱)۔

امام مسلم نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں اس حدیث کو احمد بن سعید سے روایت کی ہے، اور حافظ ابن کثیر نے بھی اپنی کتاب السیرۃ النبویہ (۲/۲۷۸) میں اسے ذکر کیا ہے، اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا: جب آپ ﷺ ابو ایوب کے گھر مہمان بنے، تو پہلا ہدیہ جو آپ کے لئے آیا وہ دودھ، گھی اور روٹی سے تیار کردہ شرید کا پیالہ تھا۔ میں نے آپ ﷺ سے کہا: یہ میری ماں نے بھیجا ہے، تو آپ ﷺ نے برکت کی دعا کی، اور اپنے اصحاب کو بلا کر سب کے ساتھ اسے کھلایا۔ پھر دوسرا پیالہ سعد بن عبادہ کے گھر سے آیا جس میں شرید اور گوشت تھا۔ اس طرح ہر رات آپ ﷺ کے دروازہ پر تین چار آدمی باری باری کھانا لے کر آتے۔ آپ ﷺ کا قیام ابو ایوب کے گھر میں سات ماہ تک رہا^(۱)۔

ہجرت نبوی کی ان مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ مکہ سے نکلنے کے بعد مدینہ پہنچنے میں آپ ﷺ کو پندرہ دن لگے تھے، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ آپ مکہ سے سُموار کے دن نکلے تھے، اور مدینہ سُموار کے دن بارہ ربیع الاول کو پہنچے تھے، اور مدینہ میں آپ ﷺ دس سال رہے^(۲)، اور غار ثور میں تین دن تک چھپے رہے، وہاں سے نکل کر ساحل کے راستہ سے جو عام راستہ سے طویل ہے، قبا پہنچے تھے۔

ہجرت نبوی، تاریخ اسلامی کی ابتدا:

ہجرت نبوی سے تاریخ اسلامی کی ابتدا کا واقعہ یوں ہے کہ سن ۱۸ یا ۱۷ ہجری میں امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک دستاویز پیش ہوا، جو ایک آدمی کے دوسرے پر کسی حق یا قرض کا ثبوت تھا، اور اس میں یہ لکھا تھا کہ یہ شعبان میں واجب الاداء ہوگا، تو عمر نے پوچھا: کونسا شعبان، اس سال کا شعبان یا گزشتہ یا آئندہ سال کا، پھر انہوں نے صحابہ کرام کو جمع کیا اور ان سے ایک اسلامی تاریخ کے وضع کرنے سے متعلق مشورہ کیا جس کے ذریعہ لوگوں کے قرضوں اور دیگر حقوق کی ادائیگی کی صحیح تاریخ معلوم ہو سکے۔ کسی نے کہا: فارس والوں کی تاریخ استعمال کی جائے کسی نے کہا: روم والوں کی تاریخ، اور کسی نے کہا: رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کے دن سے ہماری تاریخ کی ابتدا ہو، اور کچھ لوگوں نے کہا: آپ کی بعثت کی تاریخ سے اور کچھ نے کہا: بلکہ آپ ﷺ کی ہجرت کے دن سے اور کچھ لوگوں نے کہا: بلکہ آپ ﷺ کی وفات کے دن سے۔ عمر رضی اللہ عنہ خود ہجرت کے دن سے ابتدائے تاریخ کی طرف مائل ہوئے، پھر سب نے اسلامی سوسائٹی کی بناء و تعمیر میں ہجرت نبوی کی عظیم اہمیت کے پیش نظر اسی رائے پر اتفاق کر لیا، اور اس لئے بھی سب نے اس رائے کو ترجیح دی کہ ہجرت نبوی

(۱) السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۲/۲۷۸-۲۷۹۔

(۲) مجمع البیہقی: (۶/۶۳) میں ہے کہ اسے طبرانی نے روایت کی ہے اور اس کے رواۃ ثقہ ہیں۔

حق و باطل، روشنی و تاریکی، خیر و شر اور مشرکین مکہ کے ظلم و طغیان اور کبر و غرور اور مظلوم مسلمانوں کے عہد جدید کی ابتدا کے درمیان حد فاصل تھی۔ جب سب نے ہجرت سے ابتدائے تاریخ پر اتفاق کر لیا تو کہنے لگے: کس مہینے سے اس کی ابتدا ہو پھر ماہِ محرم پر سب کا اتفاق ہو گیا، اس لئے کہ اسی مہینے میں لوگ حج سے واپس آتے ہیں، یہ شہر حرام ہے اور سال کی ابتدا اسی سے ہوتی ہے^(۱)۔

خاندانِ نبوی اور خاندانِ ابو بکر مدینہ میں:

نبی کریم ﷺ نے مدینہ پہنچنے کے بعد زید بن حارثہ اور ابو رافع کو مکہ بھیجا، تاکہ وہ دونوں آپس کے تعاون سے آپ ﷺ کی بیٹیوں (فاطمہ، ام کلثوم اور زینب) اور آپ کی بیوی سودہ بنت زمعہ اور ان کے لڑکے اور اسماءہ بن زید اور ان کی ماں ام ایمن برکہ کو۔ جنہوں نے آپ ﷺ کو پالا تھا۔ مدینہ لے آئیں، اور آپ ﷺ نے ان دونوں کے ساتھ دو اونٹنی اور پانچ سودرہم بھیجا جو آپ ﷺ نے ابو بکر سے لیا تھا، تاکہ واپسی کے وقت ان سب کی ضرورت کا سامان خرید لیں۔

اور ابو بکر نے ان دونوں کے ساتھ عبداللہ بن ارقطہ دہلی کو دو یا تین اونٹ دے کر بھیجا، اور اپنے بیٹے عبداللہ بن ابی بکر کو لکھا کہ وہ ان کی بیوی ام رومان اور دونوں بیٹیوں عائشہ اور اسماء کو مدینہ بھیج دیں، چنانچہ زید نے مکہ جاتے ہوئے قدید کے مقام پر پانچ سودرہم کے تین اونٹ خریدے اور مکہ پہنچے، اس وقت طلحہ بن عبید اللہ ہجرت کی تیاری کر رہے تھے۔ زید اور ابو رافع آپ ﷺ کی دونوں بیٹیوں (فاطمہ اور ام کلثوم) آپ کی بیوی سودہ، اسماءہ بن زید اور ان کی ماں ام ایمن کو لے کر مدینہ واپس چلے گئے، رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ اپنے شوہر عثمان بن عفان کے ساتھ پہلے ہی ہجرت کر گئی تھیں اور ابو العاص بن ربیع نے اپنی بیوی زینب بنت رسول اللہ ﷺ کو روک لیا۔ اور ان سب کے ساتھ عبداللہ بن ابی بکر بھی اپنے والد کے بال بچوں کے ساتھ جن میں عائشہ بھی تھیں مدینہ آ گئے۔

عبداللہ بن سلام کا اسلام:

عبداللہ بن سلام یہودیوں کے ایک بڑے عالم تھے، انہوں نے جب رسول اللہ ﷺ کے مدینہ آنے اور بنی نجار میں رہائش پذیر ہونے کی خبر سنی تو فوراً آپ کے پاس آئے اور آپ سے کچھ ایسی باتیں پوچھیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا تھا، اور آپ ﷺ کے جوابات سن کر اسی وقت مسلمان ہو گئے۔

امام بخاری نے انس بن مالک سے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن سلام کو جب آپ کے مدینہ آنے کی خبر

(۱) السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۲۸۷-۲۸۹، جامع صحیح، السیرۃ النبویہ: ۱۰۱، ۱۰۰۔

ہوئی تو آپ کے پاس آکر انہوں نے آپ سے کچھ سوالات کئے، کہا: میں آپ سے تین چیزوں کے بارے میں پوچھوں گا، جنہیں صرف ایک نبی ہی جان سکتا ہے، قیامت کی پہلی نشانی کیا ہے؟ اہل جنت کا پہلا کھانا کیا ہوگا؟ لڑکا اپنے باپ یا ماں کے مشابہ کس وجہ سے ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے ابھی جبریل نے ان سوالات کے جوابات بتائے ہیں، عبد اللہ نے کہا: وہ تو یہودیوں کا دشمن فرشتہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت کی پہلی نشانی یہ ہے کہ مشرق سے ایک آگ نکلے گی جو تمام لوگوں کو گھیر کر مغرب کی طرف لے جائے گی، اور اہل جنت کا پہلا کھانا مچھلی کی کلیجی ہوگی۔ اور جب مرد کی منی عورت کی منی سے سبقت کر جاتی ہے تو بچہ باپ کے مشابہ ہوتا ہے، اور اگر عورت کی منی مرد کی منی سے سبقت کر جاتی ہے تو بچہ ماں کے مشابہ ہوتا ہے۔ ابن سلام نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔

عبد اللہ نے کہا: یا رسول اللہ! یہودی افترا پرداز لوگ ہوتے ہیں، اس لئے آپ ان سے میرے بارے میں میرے اسلام کی خبر پھیلنے سے پہلے ہی پوچھ لیجئے، چنانچہ کچھ یہودی آئے تو آپ نے ان سے پوچھا: عبد اللہ بن سلام تمہاری نظر میں کیسے آدمی ہیں؟ انہوں نے کہا: ہم میں سب سے بہتر، سب سے بہتر کے لڑکے اور ہم میں سب سے افضل اور افضل کے بیٹے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: اگر عبد اللہ بن سلام اسلام لے آئیں، تو تم کیا کہو گے؟ انہوں نے کہا: اللہ انہیں اس سے بچائے۔ آپ ﷺ نے دوبارہ اپنا سوال دہرایا، تو انہوں نے پہلے جیسا جواب دیا، تب عبد اللہ نکل کر ان کے سامنے آئے، اور کہا: "أشهد أن لا إله إلا الله وأنّ محمداً رسول الله" یہ سن کر وہ کہنے لگے: یہ تو ہم میں سب سے بُرا آدمی ہے، اور ہمارے سب سے بُرے آدمی کا لڑکا ہے، اور ان کی عیب جوئی کرنے لگے، تو عبد اللہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں اسی بات سے ڈر رہا تھا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ عبد اللہ نے کہا: اے قوم یہود! اللہ سے ڈرو، اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، تم سب خوب جانتے ہو کہ یہ اللہ کے رسول ہیں، اور دینِ برحق لے کر آئے ہیں، تو یہودیوں نے کہا: تم جھوٹے ہو^(۱)۔

رسول اللہ ﷺ کا یہود کے ساتھ یہ پہلا تلخ تجربہ تھا، جس میں اُن کے خُبثِ باطن، افترا پردازی اور باطل پر ہٹ دھرمی کا پتہ چلا۔

تعمیر مسجد نبوی:

صحیح بخاری میں ابن شہاب زہری کی روایت ابھی کچھ ہی دیر پہلے گزری ہے کہ وہ جگہ جہاں رسول اللہ ﷺ

کی اونٹنی بیٹھی تھی بنی نجار کے دو بیتیم لڑکوں کی کھجور خشک کرنے کی جگہ تھی، اور کچھ مسلمان وہاں نماز بھی پڑھتے تھے، آپ ﷺ نے دونوں لڑکوں کو بلا کر ان سے اس کی قیمت معلوم کی، تاکہ آپ اس جگہ مسجد بنائیں، انہوں نے کہا: نہیں، ہم تو اسے آپ کو اے اللہ کے رسول! ہبہ کر دیں گے، چنانچہ انہوں نے وہ زمین آپ کو دے دی، آپ نے وہیں مسجد بنانا شروع کیا، آپ اور آپ کے اصحاب کچی اینٹیں ڈھوتے تھے اور آپ ﷺ کہتے جاتے تھے:

هَذَا الْحِمَالُ لِحِمَالٍ خَيْرٌ هَذَا اَبْرُ رَيْنَا وَاَطْهَرُ

یہ بوجھ ہر طرح سے بھلائی کا بوجھ ہے، اے ہمارے رب! یہ سب سے زیادہ پاکیزہ اور نیک کام ہے، اور آپ ﷺ یہ بھی کہتے تھے:

اللَّهُمَّ إِنَّ الْأَجْرَ أَجْرُ الْآخِرَةِ فَارْحَمْ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ

اے اللہ! اصل اجر تو آخرت کا اجر ہے، تو انصار اور مہاجرین پر رحم کر دے (۱)۔ اور بخاری و مسلم نے انس بن مالک سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ جہاں نماز کا وقت آجاتا وہیں نماز ادا کر لیتے۔ اور بکری کے پاڑوں میں بھی نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ پھر آپ کو مسجد بنانے کا حکم دیا گیا تو آپ نے بنی نجار والوں کو بلا بھیجا، اور کہا: اے بنی نجار کے لوگو! تم لوگ یہ باغ میرے ہاتھ قیمت لے کر بیچ دو، انہوں نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! ہم صرف اللہ سے اس کی قیمت مانگتے ہیں۔ انس کہتے ہیں: اس جگہ مشرکین کی قبریں، اور کوڑا کرکٹ جمع کرنے کی جگہ تھی، اور اس میں کھجور کے درخت بھی تھے، آپ (ﷺ) نے مشرکین کی قبروں کو کھود دیئے اور خرابہ کو برابر کر دینے اور کھجور کے درختوں کو کاٹ دینے کا حکم دیا۔ کھجوروں کو صحابہ کرام نے قبلہ کی طرف رکھ دیا، اور اس کی طول کو قبلہ سے لے کر پیچھے تک رکھ دیا، جس کی لمبائی سو گز تھی، اسی طرح سے اس کے دونوں طرف سے یا پیچھے سے بھی بنایا، اور اس کی بنیاد تقریباً تین گز گہری کھودی، پھر اس پر کچی اینٹوں سے مسجد بنانا شروع کر دیا، اور اس کی چوکھٹ کے نیچے پتھر رکھ دیئے۔ صحابہ کرام پتھر ڈھوتے وقت مندرجہ ذیل شعر گنگاتے تھے، اور آپ ﷺ ان کے ساتھ ہوتے تھے:

اللَّهُمَّ إِنَّهُ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُ الْآخِرَةِ فَاغْضَرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةِ

اے اللہ! آخرت کی بھلائی کے سوا کوئی بھلائی نہیں ہے، اے اللہ! تو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما دے۔ صحابہ نے مسجد کا قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا، اور اس کے تین دروازے بنائے، ایک پیچھے کی طرف سے، دوسرا باب الرحمہ اور تیسرا وہ دروازہ جس سے رسول اللہ ﷺ مسجد میں داخل ہوتے تھے۔ مسجد سے متصل ہی

اسی طرح کچی اینٹوں سے آپ کی بیگمات کے گھر بنائے گئے جن کی چھت کھجور کے پتوں اور اس کے تنوں سے بنائی گئی، اس سے فارغ ہونے کے بعد ہی رسول اللہ ﷺ عائشہ رضی اللہ عنہا کو رخصت کر کے اس گھر میں لے آئے جسے آپ نے ان کے لئے مسجد کے مشرقی جانب بنایا تھا، اور آج تک وہی ان کے حجرہ کی جگہ ہے، اور آپ ﷺ نے اپنی بیوی سودہ بنت زمعہ کے لئے ایک دوسرا گھر بنایا^(۱)۔

اور عبد اللہ بن عمر نے صحیح بخاری کی ایک روایت میں مسجد نبوی کی صفت یوں بیان کی ہے کہ یہ مسجد نبی کریم ﷺ کے زمانے میں کچی اینٹوں سے بنائی گئی تھی، اور اس کی چھت کھجور کے پتوں سے اور اس کے کھمبے کھجور کی لکڑیوں سے۔ ابو بکر نے اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں اضافہ کیا اور رسول اللہ ﷺ کے زمانے کی بنیاد پر ہی کچی اینٹوں اور کھجور کے پتوں سے اسے بنایا، اور لکڑی کے کھمبوں کو دوبارہ لگا دیا، البتہ عثمان رضی اللہ عنہ نے اس میں کافی اضافہ کیا اور اس کی دیواروں کو منقش پتھروں اور چاندی سے بنایا اور اس کے کھمبوں کو منقش پتھروں سے اور اس کی چھت کو ساج نامی درخت کے بڑے بڑے پتوں سے^(۲)۔

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ابو داؤد کی ایک روایت میں آیا ہے جسے بیہقی نے بھی ذکر کیا ہے کہ مسجد نبوی کے کھمبے عہد نبوی میں کھجور کے تنوں کے تھے، جس کے بالائی حصہ پر کھجور کے پتے ڈال کر مسجد کو سایہ دار بنادیا گیا تھا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں وہ کھمبے دیمک خوردہ ہو گئے تو ان کی جگہ کھجور کے دوسرے کھمبے گاڑ کر ان پر دوبارہ کھجور کے پتے ڈال دیئے گئے۔ وہ کھمبے پھر عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں دیمک خوردہ ہو گئے تو انہوں نے ان کی جگہ پتھروں کے ستون بنادیئے جو اب تک موجود ہیں^(۳)۔

اور بیہقی نے حسن بصری سے روایت کی ہے کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے صحابہ کی مدد سے مسجد بنائی تو آپ ان کے ساتھ اینٹ اور پتھر ڈھوتے رہے، یہاں تک کہ آپ کا سینہ مبارک غبار آلود ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ اسے موسیٰ کی چھتری کی مانند ایک چھتری بناؤ۔ اسماعیل بن مسلم کہتے ہیں: میں نے حسن سے پوچھا: موسیٰ کی چھتری کیسی تھی؟ تو آپ نے فرمایا: جب وہ اپنا ہاتھ اٹھاتے تو چھت کو لگتا۔ ابن کثیر کہتے ہیں: یہ حدیث مرسل ہے۔

اور عباده بن صامت سے مروی ہے کہ انصار نے مال جمع کیا اور اسے آپ ﷺ کے پاس لے کر آئے، اور

(۱) دیکھئے زاد المعاد: ۵۶، ۵۵/۳۔

(۲) صحیح البخاری، حدیث: (۴۴۶)۔

(۳) دلائل التبیہتی: ۵۴۱/۲۔

کہا: اے اللہ کے رسول! آپ اس مسجد کو بنائیے اور اسے خوبصورت بنائیے، ہم کب تک کھجور کے پتوں کی بنی اس چھتری کے نیچے نماز پڑھتے رہیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اپنے بھائی مونی کی چھتری کے علاوہ کسی دوسری عمارت کی رغبت نہیں رکھتا^(۱)۔

رسول اللہ ﷺ نے عمار بن یاسر کا غبار جھاڑا:

بخاری و مسلم نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں: ہم لوگ ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے، اور عمار دودو، آپ نے جب انہیں دیکھا تو ان کے جسم سے مٹی جھاڑنے لگے اور کہنے لگے: عمار کامیاب ہو گیا، اسے ایک باغی جماعت قتل کر دے گی؟ یہ انہیں جنت کی طرف بلائے گا، اور وہ لوگ اسے جہنم کی طرف۔ عمار نے یہ سُن کر کہا: میں اللہ کے ذریعہ آزمائشوں سے پناہ مانگتا ہوں^(۲)۔ اور عمار کے ساتھ ایسا ہی ہوا، واقعہ صفین میں شام والوں نے انہیں قتل کر دیا۔ عمار، علی اور عراق والوں کے ساتھ تھے۔

مدنی سوسائٹی میں مسجد نبوی کا کردار:

نبی کریم ﷺ کا مدینہ پہنچنے کے بعد فوراً ہی مسجد کی تعمیر کرنا اس بات کی دلیل تھی کہ ہر زمان و مکان میں مسلم سوسائٹی کی تعمیر میں مسجد کا کردار بنیادی ہوگا۔ ہم جب عہد نبوی میں مسجد نبوی کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ وہ مسجد صرف پنجگانہ نمازیں ادا کرنے کی جگہ نہیں تھی، بلکہ اس کے ذریعہ بہت سے عظیم اسلامی اغراض و مقاصد پورے ہوئے، جنہیں میں اختصار کے ساتھ یہاں بیان کرتا ہوں:

۱- بلاشبہ یہ مسجد پہلے درجہ میں وہ جگہ تھی جو پنجگانہ نماز کے لئے خاص کی گئی تھی، جو بندہ مسلم کو اس کے آقا و مالک سے جوڑتی ہے، اس کے دل کو گندگیوں سے پاک و صاف کرتی ہے، اسے زمین سے اٹھا کر عالم بالا تک لے جاتی ہے، اور روحانی فضاؤں میں اسے اڑاتی ہے، اور اسے یاد دلاتی ہے کہ بندہ مومن کو ہر حال میں اپنے اللہ کی بندگی اور اس کے سامنے خشوع و خضوع میں مشغول رہنا چاہئے۔

۲- یہ مسجد ایک مدرسہ تھی جس میں صحابہ کرام نے قرآن کریم اور سنت نبوی کی تعلیم حاصل کی، جو اسلام، اُس کے احکام و شرائع، اخلاقِ حمیدہ اور اُن تمام بنیادی باتوں کی اساس ہے جن پر اسلام کا وجود قائم ہے۔

(۱) السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۳۰۴/۲۔

(۲) صحیح البخاری، حدیث: (۴۴۷)، صحیح مسلم، حدیث: (۲۹۱۵)، مسند احمد: ۵/۳، دلائل الصیغی: ۵۴۸، ۵۴۶/۲۔

۳- اسی مسجد میں وہ تمام مسلمان جمع ہوتے تھے جو اسلام سے قبل کے بکھرے قبائل سے ایمان لانے کے بعد رسول ہاشمی کی صحبت سے فیض یاب ہونے کے لئے آتے تھے، دین کی باتیں سیکھتے تھے، ایک دوسرے سے ذہنی اور فکری طور پر قریب ہوتے تھے، زمانہ جاہلیت کے قبائلی اونچ نیچ، جنگوں اور اختلافات کو بھول کر وحدتِ اسلامیہ کی لڑی میں یکجا ہو جاتے تھے، اور ایک ایسی لازوال اور سیسہ پلائی دیوار کی طرح قوی اور مضبوط امت میں ڈھل جاتے تھے جن کی زندگی حصولِ رضاۃِ الہی اور دعوتِ دین کے لئے وقف ہوتی تھی۔

۴- یہ مسجد حکومتِ اسلامیہ کے تمام سیاسی اور عسکری امور کی نگرانی کی ہڈ آفس تھی۔

۵- یہی وہ جگہ تھی جہاں نبی کریم ﷺ اپنے اربابِ فکر و نظر صحابہ کرام کے ساتھ جمع ہو کر اسلام اور مسلمانوں کے تمام اہم امور، مدنی سوسائٹی اور اس کے گوناگوں اجتماعی، امنی، اقتصادی، اور دیگر امور پر تبادلہ خیال کرتے تھے۔

۶- مسجد نبوی دار القضاء کی حیثیت بھی رکھتی تھی، یہیں مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان فیصلے ہوتے تھے۔ اور اس کی حیثیت دار الافتاء کی بھی تھی جہاں سے مسلمانوں کے روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والے مسائل میں اللہ کی جانب سے نازل وحی متلو اور غیر متلو کے مطابق فتوے صادر ہوتے تھے۔

۷- اسی مسجد میں عرب اور غیر عرب وفد آکر نبی کریم ﷺ سے ملتے تھے، آپ ﷺ اُن کو اسلام کی دعوت دیتے تھے، اور حسبِ ضرورت یہیں اُن کے ساتھ عہود و موافق طے پاتے تھے۔

یہ مبارک مسجد تھی تو بڑی سادہ سی، اس کا فرش ریت اور کنکریوں کا، اس کی چھت کھجور کے پتوں کی، اور اس کے ستون کھجور کے تنوں کے تھے، لیکن اپنے اغراض و مقاصد میں نہایت بلند و بالا تھی۔ اسی عظیم مسجد میں نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کی تربیت کی جنہوں نے کافروں، مشرکوں، طاغیوں اور باغیوں کے سروں کے اوپر سے گزر کر دنیا کے چپے چپے میں توحید کی شمع کو فروزاں کیا^(۱)۔

ہجرتِ نبوی سے قبل یثرب کی حالت:

یہ بات پہلے لکھی جا چکی ہے کہ یثرب کا نام ”مدینۃ الرسول“ رکھ دیا گیا، اور یہ شہر نبی کریم ﷺ اور آپ کے اُن اصحاب کرام کے لئے مسکن و موطن بن گیا جو مکہ اور اس کے مضافات سے ہجرت کر کے یہاں جمع ہو گئے تھے، تاکہ اسلام اور دعوتِ اسلامیہ کے لئے مخلص فوجی کی حیثیت سے کام کریں، اور اس مرکزِ اسلام سے اسلام کی دعوت لے کر سارے عالم میں پھیل جائیں۔ اور زیر بحث موضوع کی تکمیل کا تقاضا ہے کہ میں اُس مدنی سوسائٹی

(۱) دیکھئے: دلائل النبیؐ: ۵۳۸، ۵۳۹، اور اس کے بعد السیرۃ النبویہ: ۳۰۲، اور اس کے بعد۔

پر بھی کچھ روشنی ڈالتا چلوں جس میں رسول اللہ ﷺ مکہ سے آکر رہائش پذیر ہو گئے تھے، اور دیکھوں کہ وہ کون لوگ تھے جو اس شہر کے پُرانے مکین تھے، ان کی اصل اور فصل کیا تھی، اور اُن کے عادات و اطوار کیسے تھے؟ تاکہ ہم اس بنیادی انقلاب کی گہرائی اور گیرائی کو سمجھ سکیں جو اسلام کے ذریعہ وہاں رونما ہوا تھا، اور وہ کون سی رکاوٹیں تھیں جو قرآن و سنت پر مبنی صحیح عقیدہ اور سچی اخوت و محبت کی بنیاد پر ایک جدید اسلامی سوسائٹی کی تعمیر کی راہ میں آپ ﷺ کو پیش آئی تھیں:

شہر یثرب کا علاقہ قدیم زمانہ سے سرسبز و شاداب، ہر ابھرا، زرخیز اور وافر مقدار میں پانی والا تھا، اور چاروں طرف سے خروں (جلے ہوئے پہاڑوں) سے گھرا ہوا تھا اور اس میں یہود اور اوس و خزرج کے دونوں قبیلے آباد تھے۔ غالب گمان کے مطابق کہا جاتا ہے کہ یہود پہلی اور دوسری صدی عیسوی میں شام سے ہجرت کر کے یہاں آگئے تھے، جب پہلی صدی قبل مسیح میں سوریا اور مصر پر اور دوسری صدی عیسوی میں یہودیوں اور نبطیوں کی حکومتوں پر رومانیوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔

سب سے پہلے یہی یہود یثرب اور حجاز کے علاقے میں آئے؛ بنو نضیر اور بنو قریظہ کے یہود یہاں آکر سب سے زرخیز علاقوں میں رہائش پذیر ہو گئے، جو شام کی طرف جانے والے تجارتی قافلوں کے راستے کے قریب تھے، اس لئے تجارتی حیثیت سے بھی وہ علاقہ اہم تھا۔ دیگر یہودی قبائل جو ہجرت نبوی سے پہلے اس علاقے میں رہائش پذیر تھے وہ بنو قریظہ کے یہودی تھے، جن کے بارے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ اصل میں عرب تھے، جنہوں نے یہودی مذہب کو قبول کر لیا تھا، اور انہی یہودی قبائل میں بنو عکرمہ، بنو مخمر، بنو عوراء، بنو شطبہ، بنو جشم، بنو بہدل، بنو عوف، بنو معاویہ، بنو مرید، بنو القیس اور بنو ثعلبہ کے لوگ تھے^(۱)۔

اور یہ یہود لباس، زبان اور تہذیب میں عربوں کے رنگ میں رنگ گئے، اور ان کے اور عربوں کے درمیان شادی بیاہ کے تعلقات پیدا ہو گئے، لیکن ان سب کے باوجود انہوں نے اپنی عبرانی اصل کے لئے عصیت کو ہمیشہ اپنے دل و دماغ میں زندہ رکھا، اور کبھی بھی کلی طور پر عربوں کے ساتھ نہیں ملے، یہ لوگ عربوں کو حقیر جانتے تھے اور انہیں امی کہتے تھے، یعنی وحشی، بے وقوف، رذیل اور پسماندہ لوگ، اور ہمیشہ اوس و خزرج اور یثرب کے پڑوس میں رہنے والے دیگر قبائل کے درمیان دشمنی اور جنگ کی آگ بھڑکاتے رہتے تھے۔

اس لئے جب انہیں معلوم ہوا کہ اسلام اوس و خزرج کے درمیان جنگ کی آگ کو بجھا دینا چاہتا ہے تو وہ اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف اپنے دلوں میں شدید بغض و عداوت رکھنے لگے۔

(۱) وقائع الوفا: ۱۱۲-۱۱۶، المفصل فی تاریخ العرب قبل الإسلام: ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹، ۱۶۱۰، ۱۶۱۱، ۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، ۱۶۱۵، ۱۶۱۶، ۱۶۱۷، ۱۶۱۸، ۱۶۱۹، ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، ۱۶۲۲، ۱۶۲۳، ۱۶۲۴، ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۲۷، ۱۶۲۸، ۱۶۲۹، ۱۶۳۰، ۱۶۳۱، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۴، ۱۶۳۵، ۱۶۳۶، ۱۶۳۷، ۱۶۳۸، ۱۶۳۹، ۱۶۴۰، ۱۶۴۱، ۱۶۴۲، ۱۶۴۳، ۱۶۴۴، ۱۶۴۵، ۱۶۴۶، ۱۶۴۷، ۱۶۴۸، ۱۶۴۹، ۱۶۵۰، ۱۶۵۱، ۱۶۵۲، ۱۶۵۳، ۱۶۵۴، ۱۶۵۵، ۱۶۵۶، ۱۶۵۷، ۱۶۵۸، ۱۶۵۹، ۱۶۶۰، ۱۶۶۱، ۱۶۶۲، ۱۶۶۳، ۱۶۶۴، ۱۶۶۵، ۱۶۶۶، ۱۶۶۷، ۱۶۶۸، ۱۶۶۹، ۱۶۷۰، ۱۶۷۱، ۱۶۷۲، ۱۶۷۳، ۱۶۷۴، ۱۶۷۵، ۱۶۷۶، ۱۶۷۷، ۱۶۷۸، ۱۶۷۹، ۱۶۸۰، ۱۶۸۱، ۱۶۸۲، ۱۶۸۳، ۱۶۸۴، ۱۶۸۵، ۱۶۸۶، ۱۶۸۷، ۱۶۸۸، ۱۶۸۹، ۱۶۹۰، ۱۶۹۱، ۱۶۹۲، ۱۶۹۳، ۱۶۹۴، ۱۶۹۵، ۱۶۹۶، ۱۶۹۷، ۱۶۹۸، ۱۶۹۹، ۱۷۰۰، ۱۷۰۱، ۱۷۰۲، ۱۷۰۳، ۱۷۰۴، ۱۷۰۵، ۱۷۰۶، ۱۷۰۷، ۱۷۰۸، ۱۷۰۹، ۱۷۱۰، ۱۷۱۱، ۱۷۱۲، ۱۷۱۳، ۱۷۱۴، ۱۷۱۵، ۱۷۱۶، ۱۷۱۷، ۱۷۱۸، ۱۷۱۹، ۱۷۲۰، ۱۷۲۱، ۱۷۲۲، ۱۷۲۳، ۱۷۲۴، ۱۷۲۵، ۱۷

اور ان یہودیوں میں بالغ اور قتال کی صلاحیت رکھنے والوں کی تعداد دو ہزار سے کچھ زیادہ تھی، یہ قلعوں کی تعمیر، زراعت و صنعت، مویشی پالنے، پارچہ بانی (کپڑا بنانا) اور آلات زراعت و جنگ کی صنعت میں طویل تجربہ رکھتے تھے، ان کے مزاجوں میں اپنی عبرانی اصل کی عصبیت رچی بسی تھی، اور ان کا اکثر و بیشتر کاروبار سود پر مبنی تھا، اور اس معاملہ میں وہ خاص مہارت رکھتے تھے، اسی لئے وہ ہمیشہ عربوں کے کندھوں پر بھاری سودی قرضوں کا بوجھ لادے رکھتے تھے، تاکہ تنگلی مال کی وجہ سے آپس میں جنگ نہ بند کر دیں۔ اس طرح وہ اپنے یہودی وجود کی ہمیشہ حفاظت میں لگے رہتے تھے اور سودی کاروبار کو ہمیشہ تیز رکھتے تھے۔

اور اوس و خزرج کے دونوں قبیلے یمن کے قدیم بڑے قبیلے ”ازد“ سے نکل کر یہودیوں کے بعد مدینہ آئے، اور یہودیوں کی چھوڑی چھاڑی زمینوں میں آباد ہونے پر مجبور ہوئے۔

قبیلہ اوس کے لوگ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے پڑوس میں، اور قبیلہ خزرج کے لوگ بنو قیقاع کے پڑوس میں مدینہ کے نچلے علاقے میں رہائش پذیر ہوئے۔ اور قبیلہ اوس کا علاقہ خزرج کے علاقے سے زیادہ زرخیز تھا، اسی وجہ سے ان دونوں قبیلوں کے درمیان ہمیشہ مقابلے اور آپسی اختلافات کی بات پائی گئی۔

اور یہودیوں نے ہمیشہ ہی اوس و خزرج کے درمیان نفاق و اختلاف پیدا کر کے جنگ کی آگ کو بھڑکانے کی کوشش کی، اور اس کی آخری کڑی جنگ بعثت تھی، جو ہجرت نبوی سے پانچ سال پہلے ہوئی تھی، جس میں اوس والوں نے خزرج والوں کو شکست دے دی تھی جو اس سے پہلے ہمیشہ اپنی عسکری طاقت میں برتری کے سبب اوس والوں پر غالب آتے رہے تھے۔ اس جنگ کے موقع سے اوس والوں نے بنو نضیر اور بنو قریظہ کے ساتھ جنگی تعاون کا معاہدہ کر لیا تھا، اسی لئے وہ جنگ بعثت میں خزرج والوں پر غالب آگئے، لیکن انہیں خزرج والوں کو یکسر ہلاک کر دینے کی خطرناکی کا پورا احساس تھا، اس لئے کہ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ خود ہی یہودیوں کو بیڑ پر قبضہ کر لینے کا موقع فراہم کریں گے، اور اس مثبت سوچ کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام اوس و خزرج والوں نے عبداللہ بن ابی بن سلول کو اپنا بادشاہ بنا کر اس کی تاج پوشی کرنی چاہی، اس لئے کہ اس کا موقف جنگ بعثت کے موقع سے نہایت مخلصانہ تھا، اسی کی کوششوں سے بالآخر جنگ بند ہوئی تھی، اور قتل و غارت گری کی آگ سرد پڑی تھی۔

اوس و خزرج والے اب تک ان خطرناک جنگوں کی تلخی کو اپنے دل و دماغ میں اچھی طرح محسوس کر رہے تھے، جو سالہا سال سے ان کے درمیان جاری تھی، اور جن میں ان کے بہت سے جوان کام آگئے تھے، اور جن جنگوں نے ان تمام کی حالت کو بد سے بدتر بنادیا تھا، انہیں تتر بتر کر دیا تھا اور انہیں ہلاکت و بربادی کے دہانے پر پہنچا دیا تھا، انہی حالات و اسباب کے پیش نظر یہ عرب اسلام کی دعوت کو قبول کرنے کے لئے ذہنی طور پر بالکل

تیار تھے، گویا اللہ تعالیٰ نے ان کے حال پر رحم کرنا چاہا، اور ان کی بگڑی بنا کر ایک امتِ راشدہ کی صورت میں دنیا والوں کے سامنے داعیانِ اسلام بنا کر پیش کرنا چاہا۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصود اسی طرف اشارہ کرنا تھا، جب انہوں نے کہا: جنگِ بُعاث کا دن ایک ایسا دن تھا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی دعوت کے لئے نصرت و تائید کا سبب بنایا، چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو ان دونوں جنگجو قبائل کی حالت دیگر گوں ہو چکی تھی، اور ان کے تمام زعماء اور سردار یا تو قتل کئے جا چکے تھے، یا بُری طرح زخمی ہو چکے تھے، اور یہی سبب تھا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی تو فوراً اسے قبول کر لیا^(۱)۔

جنگِ بُعاث کے بعد اللہ کا ایسا کرنا ہوا کہ دونوں قبیلوں کے کچھ لوگ حج کے لئے مکہ آئے، اور اللہ کی مشیت کے مطابق ان میں سے چھ کی ملاقات نبی کریم ﷺ سے ہو گئی، انہوں نے اسلام کی دعوت کو قبول کر لیا، پھر یثرب واپس آ گئے، جب دوسرے سال حج کے لئے آئے تو ان میں سے بارہ (۱۲) نے آپ سے ملاقات کی، اور اسلام کی دعوت کو قبول کر لیا، یہ لوگ پہلے سے مسلمان نہیں ہوئے تھے، انہوں نے عقبہ کے پاس نبی کریم ﷺ کے دستِ مبارک پر پہلی بیعت کی، پھر اپنے شہر کو لوٹ گئے، اس کے بعد فوراً ہی رسول اللہ ﷺ نے ان کے پاس مصعب بن عمیر قرشی کو بحیثیت داعی و معلم بھیجا اور مدینہ میں اسلام تیزی کے ساتھ پھیلنے لگا، اور ہر گھر میں داخل ہونے لگا، پھر یہ مسلمان تیسرے سال اپنے قبیلوں کے مشرک حاجیوں کے ساتھ آئے اور آپ ﷺ کے دستِ مبارک پر دوسری بیعت کی (ان دونوں بیعتوں کی تفصیل گزر چکی ہے)، پھر یثرب واپس چلے گئے، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی، پھر جب آپ کو اللہ کی طرف سے ہجرت کی اجازت مل گئی تو آپ بھی مدینہ چلے گئے۔ اور اس وقت یثرب کا نام مدینۃ الرسول رکھ دیا گیا، پھر تو اسلام نے اس سوسائٹی میں ایک گہرا اور کامیاب انقلاب پیدا کیا، جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی، اور جس کی مختصر تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

مدنی سوسائٹی اسلام کے بعد:

اب تک کی تفصیلات سے ہمیں معلوم ہوا کہ اسلام سے پہلے یثرب کی سوسائٹی یہود اور قبائلِ اوس و خزرج کے عرب مشرکین سے بنی تھی، پھر یہاں مسلمان مہاجرین مکہ سے آئے، اور ان کے بعد ہر جگہ سے نئے مسلمانوں کی آمد کا تانتا بندھ گیا، اور نئے اسلامی اسٹیٹ کو ان مہاجرین کی ضرورت بھی تھی تاکہ مدینہ میں ان کی

(۱) صحیح البخاری، حدیث: (۳۷۷۷)، مسند احمد: ۶/۶۱۶۔

کثرت ہو اور بآسانی مدینہ اور وہاں کے رہنے والے مسلمانوں اور ان کے اہل و عیال کا دفاع ہو سکے، نیز سماجی، اقتصادی اور سیاسی طور پر مسلمان اپنی کثرت کی بنیاد پر مضبوط ہو سکیں۔

جزیرہ عرب کے تمام اطراف و جوانب سے نئے مسلمانوں کی آمد نے مدنی سوسائٹی کی بنیاد میں ایک بہت بڑی تبدیلی پیدا کر دی۔ بالکل ابتدائے اسلام میں وہاں کے رہنے والے یہودی، انصاری مسلمان اور بعض وہ عرب مشرکین تھے جو ابھی اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے، بلکہ اپنے کفر و شرک پر اعلانیہ قائم تھے، لیکن جب اسلامی اسٹیٹ مضبوط ہوا اور مدنی سوسائٹی میں رہنے والے اکثر لوگوں کا دینِ اسلام ہو گیا، اور جنہیں اپنے کفر و شرک پر اصرار تھا، انہیں یقین ہو گیا کہ اب ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ اسلام میں داخل ہونے کا اعلان کر دیں، تاکہ اس مسلم سوسائٹی میں زندہ رہ سکیں، اسی لئے انہوں نے ظاہر میں تو اسلام میں داخل ہونے کا اعلان کر دیا، لیکن اپنے دلوں میں کفر و شرک چھپائے رکھا، تاکہ اپنے سماجی، اقتصادی منافع کی حفاظت کر سکیں، اور مدینہ میں زندگی گزار سکیں۔

وہ اپنے اس ظاہر و باطن فرق و اختلاف کی وجہ سے نفاق میں مبتلا ہو گئے اور اسلام اور نبی کریم ﷺ کے خلاف اپنے دلوں میں دشمنی اور بغض و کینہ کو جگہ دے دی۔ پھر تو مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا ان کی عادت بن گئی، اور اس طرح کفر صریح اور شرک ظاہر کی راہ چھوڑ کر نفاق کی راہ اختیار کر لی۔ اور مدنی سوسائٹی میں وہ اس طرح در آئے کہ انہوں نے یہود اور مخلص انصاری مسلمانوں کے علاوہ ایک تیسرے خبیث عنصر کو جنم دیا، جنہیں اسلامی تاریخ منافق کا نام دیتی ہے۔ اور ان تمام منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔



مدنی سوسائٹی میں بنیادی انقلاب

مدینہ میں اسلام کے داخل ہونے کے بعد مدنی سوسائٹی میں جو تبدیلی پیدا ہوئی وہ نہایت بنیادی تبدیلی تھی، جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

۱- عقیدہ توحید اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان:

اسلام سے پہلے مدینہ میں رہنے والے عرب مشرکین تھے جو بتوں اور ستاروں کی پرستش کرتے تھے، جب اللہ تعالیٰ نے انہیں نعمت اسلام سے سرفراز کیا تو انہوں نے اپنے باطل عقیدہ کو یکسر چھوڑ دیا، اپنے بتوں کو توڑ دیا، اپنے جھوٹے معبودوں کو ترک کر دیا، اور ایک اللہ پر ایمان لے آئے، جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے اور اس کے جیسا کوئی نہیں، انسان کی آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں، اور وہ تمام آنکھوں کا ادراک کرتا ہے۔

۲- شریعت اسلامیہ کے لئے مکمل سپردگی:

مدینہ کے عرب باشندے دیگر عربوں کی طرح اپنے آپ کو معاملات اور سماجی تعلقات میں کسی ضابطہ اور قانون کا پابند نہیں سمجھتے تھے، لیکن جب دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تو جاہلیت کے تمام ظالمانہ قوانین اور قبائلی بُرے عادات کو یکسر ترک کر دیا، اور اپنے تمام انفرادی اور اجتماعی معاملات میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام و شریعت اسلامیہ کے ضوابط کے پابند ہو گئے، اسلامی اخلاق و عادات کو اپنالیا، اور خرید و فروخت، شادی اور طلاق، اکل و شرب اور سونے اور جاگنے جیسے تمام احوال زندگی میں قرآن و سنت سے رہنمائی حاصل کرنے لگے، اور اپنی ان تمام بُری عادتوں سے چھٹکارا حاصل کر لیا جنہیں ان کے نئے دین کی تائید حاصل نہیں ہوئی، اور دور جاہلیت کے تشخص کی تمام صفات سے کنارہ کشی کر کے اسلامی تشخص کے تمام اوصاف و خصائل کو اپنا لیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنی زندگی میں اللہ کی عبادت کے عادی بن گئے اور پنجگانہ نماز کے شدید پابند ہو گئے جو دین اسلام کا ستون ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے انہیں روزہ اور زکوٰۃ کا حکم دیا تو اس کی اطاعت کی اور رمضان اور غیر رمضان میں روزہ رکھنے لگے اور اپنے اموال کی زکوٰۃ ادا کرنے لگے، اور دور جاہلیت کی تمام بُری عادتوں سے چھٹکارا پالیا، جو زمانہ بعید سے ان کی گھٹی میں پڑی تھی، جیسے شراب پینا، دور جاہلیت کی حرام شادیاں، سودی کاروبار اور اسی طرح کی دیگر تمام فتنہ عادتیں جو ان کی سوسائٹی میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اور یہ سب کچھ انہوں نے اللہ کے حکم کی بجا آوری میں کیا۔ اللہ تعالیٰ

نے نازل فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (۹۰) إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقَعَ بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ﴿﴾ (اے اہل ایمان! بے شک شراب اور جوا، اور وہ پتھر جن پر بتوں کے نام سے جانور ذبح کئے جاتے ہیں، اور فال نکالنے کے تیر ناپاک ہیں، اور شیطان کے کام ہیں، پس تم ان سے بچو شاید کہ تم کامیاب ہو جاؤ، بے شک شیطان شراب اور جوا کی راہ سے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض پیدا کرنا چاہتا ہے، اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دینا چاہتا ہے، تو کیا تم لوگ (اب) باز آ جاؤ گے) [المائدہ: ۹۰-۹۱]۔

ان آیاتِ کریمہ کا انصار برابرا اثر ہوا کہ انہیں سننے کے بعد فوراً شراب کے مٹکے توڑ دیا اور شراب کو گلیوں میں پانی کی طرح بہا دیا، اور کہنے لگے: اے ہمارے رب! ہم رُک گئے، اے ہمارے رب! ہم رک گئے۔

۳۔ جاہلی عصیتوں کا خاتمہ:

اسلام سے پہلے یثرب اور دیگر عرب علاقوں میں عرب قبائل کی سیاسی اور سماجی وحدت کی بنیاد قبائلی عصیت پر تھی، اور وہ جنگ جو برسہا برس سے اوس و خزرج کے درمیان جاری رہی اور جس میں بہت سے عرب جوان قتل کر دیئے گئے اس کا سبب یہی قبائلی عصیت ہی تھی جس کی آگ کو یہود ہمیشہ تیز کرتے رہتے تھے، جیسا کہ میں نے ابھی اوپر بیان کیا ہے، اور انہیں ان معمولی اختلافی باتوں کو یاد دلاتے رہتے تھے جو کبھی ماضی میں ان کے درمیان پائی گئی تھیں۔

جب اسلام آیا تو اس نے اسلامی اسٹیٹ کی بنیاد کو مضبوط کیا اور اس اسٹیٹ سے ان تمام قبائل، جماعتوں اور افراد کو مربوط کیا جو ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے، اور اس ربط کی بنیاد اسلامی عقیدہ تھا جو ان کے ذہنوں اور دماغوں میں دیگر تمام روابط سے اونچی حیثیت کا مالک بن گیا تھا، اس طرح یہ تمام عرب مسلمان اسلام کی لڑی میں پرو دیئے گئے، اور تمام قبائلی امتیازات اور عصیتیں یکسر مٹا دی گئیں، جس کے نتیجے میں امت مسلمہ وجود میں آئی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ﴾ (بے شک یہ تمہاری جماعت ہے، جو ایک جماعت ہے، اور میں تم سب کا رب ہوں، پس تم لوگ صرف میری عبادت کرو) [الانبیاء: ۹۲] نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ﴾ (اور بے شک یہی تم سب کا دین ہے، جو ایک ہی دین ہے، اور میں تم سب کا رب ہوں، پس تم لوگ مجھ سے ڈرتے رہو) [المؤمنون: ۵۲]۔

معلوم ہوا کہ نئی سوسائٹی جسے اسلام نے مدینہ منورہ میں وجود بخشا اس کی بنیاد عقیدہ توحید، ایمان باللہ و ان رسول، اللہ، اس کے رسول اور اس کے دین کے لئے کامل و خالص وفاداری، شریعت اسلامیہ کی مکمل اتباع، پنجگانہ نماز کی پابندی، رمضان کا روزہ، زکاۃ کی ادائیگی اور دیگر اسلامی شرائع پر تھی، نیز اس جدید سوسائٹی کی بڑی خوبی یہ تھی کہ اس میں رہنے والے تمام مسلمان ہر قسم کی عصبیتوں سے بالاتر ہو کر ایک اسلامی اتحاد کے افراد بن گئے تھے۔

۴۔ رابطہ اسلام واحد رابطہ :

اب مدینہ میں رہنے والے عرب قبائل کے آپسی تعلقات کی بنیاد قبائلی، لسانی اور اسی طرح کے دیگر عصبیاتی روابط پر نہیں تھی، بلکہ صرف عقیدہ توحید ہی ان کے درمیان تعلق، اخوت اور محبت کا پہلا سبب بنا، باقی دیگر اسباب و روابط جن کی اسلام نے تائید کی ان کی حیثیت ثانوی تھی، جیسے صلہ رحمی، جس پر اسلام نے مسلمانوں کو بہت زیادہ ابھارا ہے، قربت داری، پڑوسی کا حق، ایک شہر میں رہنے والے لوگوں کا ایک دوسرے پر حق وغیرہ۔ اسی وجہ سے جب عقیدہ بدلتا ہے تو اسلامی مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے کہ آدمی اور اس کے باپ، اس کے بیٹے، اس کی بیوی، اور اس کے خاندان و قبیلہ کے درمیان تفریق ہو جائے۔ اور یہی وہ عظیم مصلحت تھی جس کی بنیاد پر ابو عبیدہ بن جراح نے معرکہ بدر میں اپنے باپ کو قتل کر دیا، اور ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اسی جنگ کے بعد دیکھا کہ اُن کے مشرک باپ کی لاش گھسیٹ کر کنواں میں ڈالی جا رہی ہے، اور اُن کے دل پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا^(۱) اور میدان بدر میں نصر بن حارث کے قتل کے بعد ابو عزیز مشرکوں کا پرچم اٹھائے ہوئے تھے، اُسے ابو الیسر انصاری نے پابند سلاسل کر لیا، تو اس کے بھائی مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اس کے پاس سے گزرے، اور انصاری سے کہا: اسے جانے نہ دینا، اس کی ماں بہت مال و متاع والی ہے، وہ تمہیں پیسے دے کر اسے آزاد کرائے گی۔ ابو عزیز نے کہا: اے میرے بھائی! یہی میرے لئے تمہاری خیر خواہی ہے، تو انہوں نے کہا: تم نہیں، میرا بھائی یہ ہے^(۲)۔ اور ایک مہاجر صحابی نے غزوہ بنی المصطلق میں ایک انصاری کو پیچھے سے ایک لات مار دیا، اور اس کی خبر عبد اللہ بن ابی بن سلول کو ہوئی تو اُس نے کہا: کیا واقعی مہاجرین نے ایسا کیا؟ اللہ کی قسم! ہم جب مدینہ لوٹیں گے تو زیادہ عزت و شرف والا نہایت ذلیل آدمی کو وہاں سے نکال دے گا، جب اُس منافق کے بیٹے عبد اللہ نے یہ

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۱/۶۴۰-۶۴۱۔

(۲) البدایہ والنہایہ: ۳/۳۰۶، ۳۰۷۔

بات سنی، تو اُس سے کہا: اللہ کی قسم! تم اس وقت تک مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک اس بات کا اعتراف نہ کر لو کہ تم ذلیل ہو، اور رسول اللہ ﷺ عزت و شرف والے ہیں، اور اس کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ اس کا اعتراف کرتا (۱)۔ حالانکہ عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابی بن سلول اپنے باپ ابن سلول کا مطیع و فرمانبردار تھا، اور اس کا بڑا احترام کرتا تھا، لیکن عقیدہ کا تقاضا اُس کے نزدیک اول درجہ میں معتبر تھا، اس لئے جب انہوں نے دیکھا کہ ان کا باپ نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کو ایذا پہنچاتا ہے تو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو میں اُسے قتل کر کے اس کا سر آپ کے قدموں میں لا کر ڈال دوں (۲)۔

صحابہ کرام کا اپنے کافر رشتہ داروں کے بارے میں ایسا رویہ کچھ حیرت انگیز نہ تھا، اس لئے کہ اسلام نے اخوت اور دوستی کو صرف مؤمنوں کے درمیان محصور کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ (بے شک مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں،) [الحجرات: ۱۰] نیز فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ (اے ایمان والو! اگر تمہارے باپ اور تمہارے بھائی ایمان کے بجائے کفر کو پسند کر لیں تو انہیں اپنا دوست نہ بناؤ، اور تم میں سے جو لوگ انہیں اپنا دوست بنائیں گے وہی ظالم ہوں گے)۔

[التوبہ: ۲۳]۔

خلاصہ یہ کہ مدینہ کی اسلامی سوسائٹی کی بنیاد سب کچھ سے قبل اسلامی عقیدہ پر تھی، اور اس سوسائٹی کے لوگ صرف اللہ، اُس کے رسول اور مؤمنوں سے محبت کرنا جانتے تھے۔ اور انصار و مہاجرین کے دلوں میں اسی راسخ عقیدہ سے ان کے آپس کی محبت و اخوت اور اجتماعی تعاون و تکافل کے سوتے پھوٹے تھے، اور ایک دوسرے کے ساتھ یہی محبت و شفقت اور خوشگوار رشتہ اخوت اس سوسائٹی میں رہنے والے تمام بڑے اور چھوٹے، مالدار و فقیر اور حاکم محکوم کے درمیان تعلق کی بنیاد تھا۔ نہ مالدار فقیر پر اپنی برتری کا اظہار کرتا تھا، نہ حاکم محکوم پر اور نہ قوی کمزور پر، اس لئے کہ مسلمان درحقیقت سب کے سب برابر ہیں ویسے ہی جیسے کنگھی کے دندانے برابر ہوتے ہیں، کسی کو کسی پر اگر اللہ کے نزدیک برتری مل سکتی ہے تو صرف تقویٰ کی بنیاد پر۔

۵- مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارہ:

ہر چہار طرف سے مہاجرین کی مدینہ الرسول میں آمد کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ مدنی سوسائٹی میں اجتماعی

(۱) سنن ترمذی، کتاب التفسیر: ۹۰/۵۔

(۲) مسند الحمیدی: ۵۲۰/۲۔

اور اقتصادی مشکلات رونما ہوتے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اس لئے کہ اکثر مہاجرین جو مکہ سے نکل کر یہاں آئے تھے انہیں مشرکین قریش نے ان کا مال و اسباب ساتھ لانے کی اجازت نہیں دی تھی۔ اور بہت سے تو مشرکوں کی نگاہ بچا کر مکہ سے خفیہ طور پر نکلے تھے، اس لئے وہ اپنے سامان و اسباب کے ساتھ نہیں نکلے تھے، اور جب مدینہ پہنچے تو ان کی حالت ناگفتہ بہ تھی، نہ اُن کے پاس مال تھا اور نہ ہی سر چھپانے کی جگہ۔

ان حالات کا تقاضا تھا کہ رسول اللہ ﷺ اُن کے لئے ایسے لوگوں کو تلاش کرتے جو انہیں اپنے گھروں میں پناہ دیں، اور انہیں اپنے کھانا اور پانی میں شریک کریں، یہاں تک کہ اُن کے حالات کچھ درست ہو جائیں، اور ان کے گھبرائے دل کو وحشت و پریشانی کے بعد ایک گونہ سکون مل جائے۔

مکہ میں مسلمانوں کے درمیان بھائی چارہ:

مکی دور میں دعوتِ اسلامیہ کے حالات پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہجرت سے قبل مکہ میں ہی محسوس کر لیا تھا کہ مسلمان خود اپنے شہر میں نہایت غربت و اجنبیت کی زندگی گزار رہے ہیں، اور اس پریشانی کو کسی حد تک دور کرنا لازماً ضروری ہے، اس لئے آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے درمیان اسلامی رشتہ اخوت کی طرح ڈالی، اور حمزہ اور زید بن حارثہ، ابوبکر و عمر، عثمان بن عفان اور عبدالرحمن بن عوف، زبیر بن عوام اور عبداللہ بن مسعود، عبیدہ بن حارث اور بلال حبشی، مصعب بن عمیر اور سعد بن ابی وقاص، ابو عبیدہ بن جراح اور سالم (ابو حذیفہ کے آزاد کردہ غلام) سعید بن زید بن عمرو بن نفیل اور طلحہ بن عبید اللہ، اور خود اپنے اور علی بن ابی طالب کے درمیان ایمان و اسلام کی بنیاد پر اخوت قائم کی^(۱)۔

اور اس بھائی چارہ کا مقصد اعلیٰ و ادنیٰ کے درمیان تعاونِ باہمی کا جذبہ پیدا کرنا تھا، تاکہ ادنیٰ کی حالت میں اعلیٰ کے ذریعہ سدھار پیدا ہو، اور اعلیٰ کو ادنیٰ کے ذریعہ مدد ملے، اور اس اسلامی بھائی چارہ کی بنیاد پر آپس میں کوئی حق میراث ثابت نہیں ہونا تھا۔

مدینہ میں مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارہ:

مہاجرین جب مکہ سے مدینہ آئے تو انہیں گونا گوں اقتصادی اور سماجی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، جنہیں حل کرنے کی فوری ضرورت تھی، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے مہاجرین اور انصار صحابہ کرام کے درمیان ایمان و اسلام کی بنیاد پر بھائی چارہ قائم کیا، تاکہ مہاجرین کے ذہنوں سے غربت و اجنبیت اور اہل و اقارب کی دوری کا احساس ختم

(۱) دیکھئے: انساب الاشراف، بلاذری: ۲۷۰/۱، فتح الباری: ۲/۷۱۔

ہو، اور ان میں سے بعض بعض کے لئے دست و بازو بن جائیں۔

اور انصار صحابہ کرام نے اپنے مہاجر بھائیوں کے لئے اپنی طرف سے کسی طرح کا بخل نہیں دکھایا، بلکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو پیشکش کی کہ آپ اُن کے کھجور کے باغات ان کے اور مہاجر بھائیوں کے درمیان تقسیم کر دیں، لیکن آپ ﷺ نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ اپنے باغات کی نگرانی خود کریں، اور انہیں اپنے لئے باقی رکھیں، اور اپنے مہاجر بھائیوں کو کھجور کا ایک حصہ دیا کریں^(۱)۔

انصار نے رسول اللہ ﷺ کو یہ پیشکش بھی کی کہ آپ ان کے مکانات ان سے لے کر ان میں جس طرح چاہیں تصرف کریں، تو آپ ﷺ نے ان کے حق میں کلمہ خیر کہا اور مہاجر صحابہ کرام کے لئے ایسی زمینوں میں گھر بنایا جنہیں انصار نے ان کے لئے ہبہ کیا تھا، نیز ایسی زمینوں میں جن کا کوئی مالک نہیں تھا^(۲)۔

انصار کے اس برادرانہ و کریمانہ برتاؤ کا مہاجرین کے دل و دماغ پر بہت ہی اچھا اثر پڑا، جیسا کہ امام احمد نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ مہاجرین نے کہا: یا رسول اللہ! ہم نے حسنِ برتاؤ میں آج تک انصارِ مدینہ جیسے لوگ نہیں دیکھے کہ اگر کسی کے پاس تھوڑا سا ہے تو اس میں ہمیں شریک کر لیا، اور زیادہ ہے تو اس میں سے دل کھول کر ہمارے اوپر خرچ کیا ہے، ہمارے ان بھائیوں نے ہماری ضرورتیں پوری کی، اور ہمیں اپنی خوشیوں میں شریک کیا، یہاں تک کہ ہمیں ڈر ہونے لگا کہ یہ حضرات پورا کا پورا ثواب لے لیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا نہیں ہو گا جب تک تم لوگ اُن کی تعریف کرتے رہو گے اور اُن کے لئے دعائے خیر کرتے رہو گے^(۳)۔

امام بخاری کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے انصار و مہاجرین کے درمیان اس بھائی چارہ کی داغ بیل ہجرت کے پانچ ماہ بعد انس بن مالک کے گھر میں ڈالی تھی^(۴)۔

بھائی چارہ کے اسی عمل کے مطابق آپ ﷺ نے جب عبدالرحمن بن عوف اور سعد بن ربیع انصاری کے درمیان اخوت قائم کی، تو انصاری بھائی نے عبدالرحمن کو پیشکش کی کہ وہ اُن کے اہل و مال کا آدھا حصہ لے لیں، عبدالرحمن نے کہا: اللہ تعالیٰ تمہارے اہل و مال میں برکت دے، مجھے بازار کا راستہ دکھا دو، چنانچہ عبدالرحمن کو بطور نفع کچھ پنیر اور گھی حاصل ہوا، اور آپ ﷺ نے ان کو چند دنوں کے بعد دیکھا تو ان کے جسم پر زرد قسم کی خوشبو

(۱) صحیح البخاری، حدیث: (۳۷۸۲)۔

(۲) النسب الأشراف، بلاذری: ۲۷۰/۱۔

(۳) مسند احمد: ۴۰۳/۳، سنن ترمذی، حدیث: (۲۳۸۷)، سنن ابی داؤد، حدیث: (۴۸۱۲)، ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح، غریب کہا ہے۔

(۴) صحیح البخاری، حدیث: (۲۲۹۴)۔

کے آثار پائے تو آپ ﷺ نے پوچھا: اے عبدالرحمن! یہ کیسی خوشبو ہے؟ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے ایک انصاری عورت سے شادی کر لی ہے، آپ ﷺ نے پوچھا: اسے مہر میں کیا دیا ہے؟ انہوں نے کہا: ایک گٹھلی کے برابر سونا، آپ ﷺ نے فرمایا: ولیمہ کرو، چاہے ایک ہی بکری ذبح کر کے (۱)۔

اسی طرح آپ ﷺ نے ابو عبیدہ اور ابو طلحہ، سلمان فارسی اور ابو درداء، ابو بکر اور خارجہ بن زید، عمر بن خطاب اور ایک انصاری صحابی، عثمان اور بنو زریق کے ایک آدمی، اور زبیر اور کعب بن مالک کے درمیان رشتہ اخوت قائم کیا۔

یہ رشتہ اخوت تقریباً نوے (۹۰) افراد کے درمیان قائم ہوا، پینتالیس (۲۵) مہاجر اور پینتالیس (۲۵) انصار کے درمیان، اور اس اخوت کی بنیاد پر مہاجر اپنے انصاری بھائی کا اس کے رشتہ داروں کے بجائے وارث بننے لگا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿وَيَكُلُّ جَعَلْنَا مَوَالِي﴾ (ہم نے ہر شخص کے ورثہ بنائے ہیں) [النساء: ۳۳]۔ اس کے بعد مہاجرین و انصار کے درمیان وراثت منسوخ ہو گئی اور نصرت و خیر خواہی اور ایک دوسرے کو کھانا کھلانا باقی رہ گیا۔

ابن ابی حاتم نے سند حسن کے ذریعہ زبیر بن عوام سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم مہاجرین و انصار کے بارے میں خاص طور سے نازل فرمایا: ﴿وَأَوْثُوا الْأَرْحَامَ بَعْضُهُمْ أَوْثَىٰ بِبَعْضٍ﴾ (اور رشتہ دار لوگ ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں) [الأنفال: ۷۵]، اور یہ اس لئے کہ ہم قریشی مسلمان جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو ہمارے پاس کوئی مال نہ تھا، ہم نے مدینہ میں اپنے انصار بھائیوں کو پاپا ان کے ساتھ ہمارا بھائی چارہ قائم ہوا اور ہم ان کے وارث بننے لگے۔ اور میں کعب بن مالک کا بھائی بنا، تو ان کے پاس آکر رہنے لگا، میں نے ان کے پاس بہت سارے ہتھیار دیکھے، اللہ کی قسم! اگر وہ اس دن مر جاتے تو میرے سوا ان کا کوئی وارث نہ ہوتا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تو ہم اپنے قدیم طریقہ میراث کی طرف لوٹ گئے (۲)۔

انصار و مہاجرین کے درمیان اس بھائی چارہ سے متعلق احادیث و آثار کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد بھی صحابہ کرام کے درمیان باہمی ہمدردی، اخلاص اور تعاون کی بنیاد پر بھائی چارہ قائم کرتے رہے، تاکہ مہاجرین کو پیش آنے والے مشکلات کا فوری حل ڈھونڈھا جاسکے۔ اور یہ بات ہر مسلمان کے ملحوظ خاطر رہنی چاہئے کہ مومنوں کے درمیان رشتہ اخوت و محبت قیامت تک

(۱) دیکھئے: عیون الآثار: ۱/۲۳۱، السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۳/۳۲۸۔

(۲) تفسیر ابن کثیر: ۳/۳۶۸۔

باقی رہے گا، اس لئے ہر دور کے مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ آپس میں ہمدردی، تعاون باہمی اور خلوص و محبت کی بنیاد پر ایک دوسرے کے بھائی بنیں۔

مہاجرین و انصار کے درمیان قائم کردہ اخوت کی بنیاد پر کئی ایسے خاص حقوق و مصالح مرتب ہوئے تھے جو مسلمانوں کے درمیان عام اخوت و ہمدردی پر مرتب نہیں ہوتے۔

صفۃ اور رشتہ اخوت:

بعض غریب مہاجرین کو مدینہ آنے کے بعد کوئی ایسا کام نہیں ملا جس سے ان کی روزی کا بندوبست ہوتا، اور نہ انہیں کوئی پناہ کی جگہ ملی، اس لئے کہ مہاجرین مسلسل مدینہ آرہے تھے، اور ان میں سے بہت سے لوگ اہل مدینہ میں سے کسی کو نہیں جانتے تھے، بہت سے کھیتوں میں کام کرنے کا تجربہ نہیں رکھتے تھے، اور بہتوں کے پاس تجارت کے لئے پیسے نہیں تھے۔

نبی کریم ﷺ ان غریب مہاجرین کی رہائش کے بارے میں مسلسل سوچتے رہے، چنانچہ ہجرت کے سولہ ماہ بعد جب قبلہ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف پھیر دیا گیا، جیسا کہ امام بخاری نے کتاب الصلاة (۱۰۴/۱) میں روایت کی ہے، اور مسجد نبوی کے پچھلے حصے میں قبلہ اولیٰ کی دیوار باقی رہ گئی تو آپ ﷺ نے اس پر چھت بنانے کا حکم دیا اور اس کا نام صفۃ یا ظلہ (یعنی سایہ دار جگہ) رکھا، اور اُس کے ارد گرد کوئی دیوار نہیں بنائی۔

رسول اللہ ﷺ نے اس صفۃ میں ان غریب و نادار مہاجرین کو جگہ دی جو رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنے اسلام اور طاعت و فرمانبرداری کا اعلان کرتے تھے، اسی طرح سے اس میں بعض ان انصار کو بھی جگہ ملی جو زہد و عبادت کی زندگی گزارنا چاہتے تھے، حالانکہ مدینہ میں ان کے مکانات موجود تھے، جیسے کعب بن مالک انصاری، حنظلہ بن ابو عامر انصاری (غسیل الملائکہ یعنی جنہیں فرشتوں نے نہلایا) اور حارثہ بن نعمان انصاری وغیرہ، اور ان صحابیوں کی تعداد کم و بیش ہوتی رہتی تھی، و فود کی آمد پر ان کی تعداد بڑھ جاتی، اور جب وہاں بسے وہ کوچ کر جاتے تو ان کی تعداد کم ہو جاتی، البتہ وہاں مستقل طور پر قیام کرنے والوں کی تعداد عام طور پر ستر سے اسی ہوتی تھی^(۱)۔

یہ حضرات زہد و عبادت کی زندگی میں راغب اور حصول علم کے لئے ہمہ وقت فارغ رہتے تھے، قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے، اس کے فہم معانی کا درس لیتے تھے، اور احادیث نبویہ کو یاد کرتے تھے، اور جب جہاد کا وقت آتا تو اس میں حصہ لیتے۔ ان میں سے بعض بدر واحد میں شہید ہو گئے اور بعض صلح حدیبیہ میں شریک ہوئے اور

(۱) دیکھئے: وفاء الوفاء: ۳۲۱/۱، اور اس کے بعد، حلیۃ الاولیاء، ابونعیم: ۳۳۹/۱، ۳۴۱/۱، ۳۴۸/۱، ۳۴۷/۱، اور ابن ابی حاتم: ج ۳، ق ۲، ص ۱۶۰۔

بعض خیر، تبوک اور یمامہ میں شہید ہوئے۔ یہ لوگ رات میں اپنے رب کی عبادت کرتے تھے، اور دن میں گھوڑوں کی پشت پر جہاد کرتے تھے۔

ان کے پاس اتنا کپڑا نہیں ہوتا تھا جو انہیں ٹھنڈک سے بچائے یا پورے طور پر ان کی ستر پوشی کرے، ان کا کھانا عام طور پر کھجور ہوتی تھی۔ نبی کریم ﷺ ان میں سے ہر دو آدمی کو روزانہ ایک منہ کھجور دیا کرتے تھے۔ انہوں نے مسلسل کھجور کھانے کے سبب اپنے پیٹ میں جلن کی شکایت کی، لیکن نبی کریم ﷺ ان کے لئے اس کے سوا کسی اور کھانے کا بندوبست نہیں کر سکے، آپ انہیں صبر کرنے کی نصیحت کرتے تھے ^(۱) اور بسا اوقات آپ ﷺ انہیں کھانے کے لئے اپنے گھر میں بلاتے، انہیں عمدہ کھانا اسی وقت میسر آتا جب کوئی مالدار صحابی انہیں اپنے گھر میں دعوت دے کر بلاتے، اور ایسا بہت ہوتا تھا ^(۲)، لیکن بسا اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ انہیں کھانے کے لئے کچھ بھی نہیں ملتا تھا، اور بھوک کی شدت سے نماز کی حالت میں گر جاتے تھے۔

نبی کریم ﷺ ہمیشہ ان کے حالات دریافت کرتے رہتے، مریضوں کی عیادت کرتے، ان کی رہنمائی کرتے، ان کی دل دہی کرتے، اور قرآن کریم کی تلاوت، ذکر اللہ، فکر آخرت اور دنیا کو حقیر جاننے کی نصیحت کرتے۔

نبی کریم ﷺ کبھی ایسا بھی کرتے کہ عشاء کی نماز کے بعد اہل صفہ کو اپنے صحابہ کے درمیان تقسیم کر دیتے، تاکہ ان کے ساتھ رات کا کھانا کھائیں اور فرمایا کرتے جس کے پاس دو آدمی کا کھانا ہو وہ تیسرے کو لے جائے اور چار آدمی کا کھانا ہو تو پانچوے یا چھٹے کو لے جائے، چنانچہ صحابہ کرام ان میں سے بعض کو اپنے ساتھ لے جاتے اور جو باقی بچ جاتے انہیں نبی کریم ﷺ اپنے گھر لے جاتے اور انہیں اپنے ساتھ کھانا کھلاتے۔ ایسا عام طور پر ہجرت کے ابتدائی دنوں میں ہوا، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی اقتصادی حالت کو بہتر بنا دیا تو اہل صفہ کو صحابہ کے گھروں پر تقسیم کرنے کی ضرورت باقی نہ رہی ^(۳)

اللہ تعالیٰ اُن اہل صفہ پر رحمت کی بارش کرے جنہوں نے اپنے دین کی راہ میں ان کٹھنائیوں کو برداشت کیا، قرآن و سنت کی تعلیم حاصل کی، اور اسلام کا پرچم دنیا کے چبے چبے پر لہرایا۔

مہاجرین اور مدینہ کی بیماری:

نبی کریم ﷺ اور ان کے مہاجرین صحابہ کرام مدینہ آئے تو وہاں کی آب و ہوا ان کی صحت کے لئے بہت

(۱) وقائع الوفاء: ۳/۲۳۳، حلیہ: ۳/۳۹۱، ۳/۷۷، منہاج احمد: ۳/۳۸۷۔

(۲) صحیح البخاری، کتاب المواقیت، باب السمر مع الضیف والاحل، الحلیہ، ابونعیم: ۳/۴۱۱۔

(۳) صحیح البخاری، مصدر سابق، طبقات ابن سعد: ۲/۵۵۱، حلیہ: ۳/۳۸۱، ۳/۷۷، ۳/۷۸۔

ہی نقصان دہ ثابت ہوئی، مہاجرین کو وہاں کے بخار کے سبب بڑی تکلیفیں اٹھانی پڑیں، البتہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس سے محفوظ رکھا، آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہاں کے بخار کو مجھ کی طرف منتقل کر دے، اور یہ دعا بھی کی کہ اللہ تعالیٰ مدینہ کی محبت ان کے دلوں میں مکہ کی محبت کی طرح یا اس سے زیادہ ڈال دے، تو اللہ نے آپ ﷺ کی دعا قبول فرمائی۔

بخاری و مسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے وہ کہتی ہیں: ہم جب مدینہ آئے تو وہاں وبا پھیلی ہوئی تھی، ابو بکر بیمار پڑ گئے اور بلال بیمار پڑ گئے، آپ ﷺ نے جب بیماری کے سبب اپنے صحابہ کی یہ حالت دیکھی تو دعا کی: اے اللہ! ان کے دل میں مدینہ کی محبت کو مکہ کی محبت کی طرح یا اس سے زیادہ ڈال دے، اور یہاں کی آب و ہوا کو ان کی صحت کے لئے مفید و نافع بنا دے، اور ہمارے لئے یہاں کے صاع اور مد میں برکت دے، اور یہاں کے بخار کو مجھ کی طرف پھیر دے۔

اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ بلال نے کہا: اے اللہ! توشیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف پر لعنت بھیج دے، جس طرح انہوں نے ہمیں ہمارے شہر سے نکال کر بیماری والی سر زمین میں پہنچا دیا ہے۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مروی امام بخاری کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ جیسے ایک کالی عورت سر کے بال بکھیرے مدینہ سے نکل گئی، یہاں تک کہ وہ ایک کشادہ اور پھیلی ہوئی زمین میں جا کر رُک گئی اور وہ مقام مجھ ہے۔ میں نے اس کی تعبیر یہ نکالی کہ مدینہ کی وبا وہاں منتقل کر دی گئی۔

دو عہد نامے:

ابن اسحاق کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین و انصار کے درمیان ایک دستاویز لکھا اور اس میں یہود مدینہ کے ساتھ صلح کے معاہدے کی بات بھی لکھی، اور انہیں اپنے دین پر برقرار رہنے اور اپنے مال و متاع کے ساتھ مدینہ میں رہنے کی منظوری دی، آپ ﷺ نے اپنی کچھ شرطیں اُن پر لگائیں اور اُن کی کچھ شرطوں کو قبول کیا۔ ابن اسحاق نے اس دستاویز کا نص ذکر کیا ہے جو بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع ہوتا ہے، اس میں کچھ دفعات مسلمانوں کے ساتھ خاص ہیں، اور کچھ یہود کے ساتھ۔ اور محققین کے نزدیک رائج یہ ہے کہ یہ دستاویز دو عہد ناموں کا مجموعہ ہے جو دو وقتوں میں لکھے گئے، ایک کا تعلق یہود کے ساتھ مصالحت سے ہے جو رسول اللہ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد جلد ہی لکھا گیا، اور دوسرے کا تعلق مہاجرین اور انصار کے آپس کے تعلقات، حقوق اور واجبات سے ہے جو غزوہ بدر کے بعد لکھا گیا، لیکن مؤرخین نے ان دونوں کو یکجا کر دیا ہے،

جیسا کہ ابن اسحاق نے کیا ہے۔

اور بعض لوگوں نے اس عہد نامہ کے تاریخی طور پر صحیح ہونے میں شبہ کا اظہار کیا ہے، لیکن رائج بات یہی ہے کہ یہ دو الگ الگ صحیح عہد نامے ہیں جنہیں ابو عبید القاسم بن سلام نے اپنی سند کے ذریعہ زہری سے روایت کی ہے^(۱) جیسا کہ ابن زنجویہ نے کتاب الأموال میں ان دونوں عہد ناموں کو زہری کے واسطے سے ایک دستاویز میں ملا کر ذکر کیا ہے^(۲)۔ اور ابن سید الناس نے ذکر کیا ہے کہ حافظ امام ابن خیشمہ نے اس دستاویز کو اپنی تاریخ میں اپنی سند سے یوں ذکر کیا ہے کہ کثیر بن عبد اللہ بن عمرو المزنی نے اپنے باپ، انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین و انصار کے درمیان ایک دستاویز اسی قسم کا لکھوایا جیسا ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے^(۳)۔

اور ان تمام روایتوں کے درمیان، عبارتوں میں بعض تقدیم و تاخیر یا بعض کلمات میں اختلاف، یا بعض دفعات کے اضافے کے باوجود بہت حد تک مطابقت ہے، اور بالعموم مضمون ایک ہے۔ اور اس دستاویز کے صحیح ہونے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس کے بہت سے دفعات احادیث کی کتابوں میں صحیح اور متصل سندوں سے مروی موجود ہیں، ان میں سے بعض کو امام بخاری، امام مسلم، امام احمد ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے، نیز یہ کہ سیرت نبوی ﷺ سے متعلق اہم ترین کتابوں اور تاریخ اسلامی کے دیگر مصادر میں یہود کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی مصالحت کا ذکر آیا ہے اور آپ ﷺ نے اپنے اور یہود کے درمیان ایک دستاویز لکھوایا تھا، اسی طرح سیرت و تاریخ کی ان کتابوں میں مہاجرین و انصار کے درمیان ایک الگ عہد نامے کا ذکر ملتا ہے۔

یہ اور اس طرح کے دوسرے دلائل جن کا ذکر ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری عراقی نے اپنی کتاب ”عہد نبوت میں مدنی سوسائٹی“ میں کیا ہے، اس بات کو پایہ ثبوت تک پہنچا دیتے ہیں کہ مذکورہ بالا دستاویز تاریخی حیثیت کا حامل ہے، اور اصل میں یہ دو عہد ناموں سے عبارت ہے، جنہیں بعض مؤرخین نے ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے^(۴)۔

(۱) ابو عبید: الأموال رقم: ۵۱۷۔

(۲) کتاب الأموال، ابن زنجویہ، تحقیق: ڈاکٹر شاکر ذیاب فیاض رقم: ۷۵۰۔

(۳) بحیون الآثار: ۱۹۸۔

(۴) التّجمع المدنی: ص ۷۰، ۱۰۷، اور اس کے بعد۔

مسلمانوں سے متعلق دفعات:

- ۱- یہ وثیقہ محمد رسول اللہ ﷺ کی جانب سے قریشی مسلمانوں اور یثرب کے مسلمانوں کے درمیان ایک عہد نامہ ہے، اور اس ضمن میں وہ سب لوگ آئیں گے جو ایمان و اسلام کی بنیاد پر ان کے ساتھ آلیں گے اور اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے۔
- ۲- تمام مسلمان غیر مسلموں سے الگ ایک امت ہیں۔
- ۳- قریش کے مہاجرین اپنی قرابت داریوں پر قائم رہیں گے اور دیت دینے کے لئے آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے، اور اپنے پریشان حال افراد کا بھلائی اور انصاف کے ساتھ مالی تعاون کریں گے۔
- ۴- اور بنو عوف اپنی قرابت داریوں پر باقی رہیں گے اور حسب سابق دیت دینے میں آپس میں تعاون کریں گے، اور ہر جماعت اپنے کمزور اور محتاج کے لئے بھلائی اور انصاف کے ساتھ مالی تعاون پیش کرے گی۔
- ۵- اور بنو حارث بن خزرج اپنی قرابت داریوں پر باقی رہیں گے، اور حسب سابق دیت دینے میں آپس میں تعاون کریں گے اور ہر جماعت اپنے کمزور اور محتاج کے لئے بھلائی کے ساتھ مالی تعاون پیش کرے گی۔
- ۶- اور بنو ساعدہ اپنی قرابت داریوں پر باقی رہیں گے، اور حسب سابق دیت دینے میں آپس میں تعاون کریں گے اور ہر جماعت اپنے کمزور اور محتاج کے لئے بھلائی کے ساتھ مالی تعاون پیش کرے گی۔
- ۷- اور بنو جشم اپنی قرابت داریوں پر باقی رہیں گے، اور حسب سابق دیت دینے میں آپس میں تعاون کریں گے اور ہر جماعت اپنے کمزور اور محتاج کے لئے بھلائی کے ساتھ مالی تعاون پیش کرے گی۔
- ۸- بنو نجار اپنی قرابت داریوں پر باقی رہیں گے، اور حسب سابق دیت دینے میں آپس میں تعاون کریں گے اور ہر جماعت اپنے کمزور اور محتاج کے لئے بھلائی کے ساتھ مالی تعاون پیش کرے گی۔
- ۹- اور بنو عمرو بن عوف اپنی قرابت داریوں پر باقی رہیں گے، اور حسب سابق دیت دینے میں آپس میں تعاون کریں گے اور ہر جماعت اپنے کمزور اور محتاج کے لئے بھلائی کے ساتھ مالی تعاون پیش کرے گی۔
- ۱۰- اور بنو عیبط اپنی قرابت داریوں پر باقی رہیں گے، اور حسب سابق دیت دینے میں آپس میں تعاون کریں گے اور ہر جماعت اپنے کمزور اور محتاج کے لئے بھلائی کے ساتھ مالی تعاون پیش کرے گی۔
- ۱۱- اور بنو اوس اپنی قرابت داریوں پر باقی رہیں گے، اور حسب سابق دیت دینے میں آپس میں تعاون کریں گے اور ہر جماعت اپنے کمزور اور محتاج کے لئے بھلائی کے ساتھ مالی تعاون پیش کرے گی۔

۱۲- اور مسلمان آپس میں کسی ایسے مقتول کے خون کو ضائع نہیں ہونے دیں گے جس کا قاتل معلوم نہ ہو، بلکہ اس کے مناسب حال اس کا فدیہ یا اس کی دیت اس کے ورثاء کو دیں گے اور کوئی مسلمان کسی مسلمان کے آزاد کردہ غلام کو اس مسلمان سے الگ اپنا حلیف نہیں بنائے گا۔

۱۳- اور اللہ سے ڈرنے والے مسلمان متحد ہو کر اس کے خلاف کھڑے ہوں گے جو ان میں سے بغاوت پر آمادہ ہو جائے یا بطور ظلم کسی سے کوئی عطیہ لینا چاہے، یا اور کوئی گناہ کرے، یا مسلمان کے درمیان شر و فساد پھیلانا چاہے، اگرچہ ایسا آدمی ان میں سے کسی ایک کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔
۱۴- کوئی مسلمان کسی مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہیں کرے گا، اور نہ کسی مسلمان کے خلاف کسی کافر کی مدد کرے گا۔

۱۵- اور اللہ کے لئے تمام مسلمانوں کا عہد ایک ہوگا، جس کے مطابق ایک ادنیٰ مسلمان کسی کو پناہ دینے کا مجاز ہوگا، اور مسلمان غیر مسلموں سے الگ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہوں گے
۱۶- اور جو یہود ہماری پیروی کریں گے، ان کی مدد کی جائے گی، اور ان کے خلاف دوسروں کی مدد نہیں کی جائے گی، بشرطیکہ وہ یہود ظالم نہ ہوں۔
۱۷- تمام مسلمانوں کا صلح نامہ ایک ہوگا، اللہ کے لئے جہاد کی راہ میں کوئی مسلمان دوسرے مسلمان سے الگ ہٹ کر کسی سے صلح نہیں کرے گا۔

۱۸- اور ہر وہ جماعت جو ہمارے ساتھ غزوات میں شریک ہوگی اس کے افراد ہمارے ساتھ غزوات میں شریک ہوتے رہیں گے۔

۱۹- اور مسلمانوں کا خون ایک دوسرے کے برابر ہے، ان کی اس قربانی کے سبب کہ انہوں نے اپنا خون اللہ کی راہ میں بہایا ہے۔

۲۰- اور اللہ سے ڈرنے والے مسلمان سب سے بہترین راستے پر گامزن ہیں اور کوئی مشرک قریش کے مال یا اس کی جان کو پناہ نہیں دے گا، اور اسے بچانے کے لئے کسی مسلمان کی راہ میں حائل نہیں ہوگا۔

۲۱- جو کوئی کسی مسلمان کو عمداً قتل کر دے گا، اور اس کا ثبوت فراہم ہو جائے گا تو اسے اس کے بدلے قتل کر دیا جائے گا، الا یہ کہ مقتول کے ورثاء دیت لینے پر راضی ہو جائیں، اور تمام مسلمان اس کے خلاف ایک ہوں گے، ان کے لئے اس کے سوا اور کوئی بات حلال نہیں۔

۲۲- اور جو مسلمان اس صحیفے کا اعتراف کرے گا اور اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہوگا، اس کے لئے

حلال نہیں کہ وہ کسی بدعتی کی مدد کرے یا اسے پناہ دے، اور جو کوئی اس کی مدد کرے گا یا اسے پناہ دے گا، اس پر قیامت کے دن اللہ کی لعنت اور اس کا غضب نازل ہوگا، جس دن چھٹکارے کے لئے کوئی معاوضہ قبول نہیں کیا جائے گا۔
۲۳- اور مسلمانوں کے درمیان اگر کسی بات پر اختلاف ہوگا تو اس کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق ہوگا۔

یہودِ مدینہ سے متعلق دفعات:

نبی کریم ﷺ نے اپنے اور یہودِ مدینہ کے درمیان وفاقی امن و امان کے طور پر ایک دوسرا عہد نامہ لکھوایا، جس کا مقصد مدنی سوسائٹی میں رہنے والے تمام مسلمانوں اور یہود کے لئے امن و امان کو بحال رکھنا تھا، اور بلاشبہ یہ عہد نامہ اس بات کی بہترین دلیل ہے کہ اسلام خیر سگالی والا دین ہے اور لوگوں کو ان کے دین اور مال و جائداد کے سلسلے میں پوری آزادی دیتا ہے، اور یہ کہ یہاں کے رہنے والے سب لوگ اسلام کے سایے میں خوش و خرم زندگی گزاریں، بشرطیکہ وہ بدعہدی نہ کریں۔

ذیل میں اس عہد نامے کے اُن دفعات کو ذکر کرتا ہوں جن کی ابتدا اس دستاویز میں (جسے ڈاکٹر حمید اللہ نے اپنی کتاب مجموع الوثائق السیاسیہ میں تسلسل کے ساتھ ذکر کیا ہے) - ۲۴ نمبر سے ہوتی ہے:

۱- یہود مسلمانوں کے ساتھ مل کر امن و امان کی بحالی پر خرچ کریں گے جب تک مسلمانوں کے خلاف دشمنوں کی جنگ جاری رہے گی۔

۲- بنو عوف کے یہود مسلمانوں کے ساتھ ایک امت کی حیثیت رکھتے ہیں، یہود کا دین ان کے لئے اور مسلمانوں کا دین اور ان کی جان و مال ان کے لئے ہے، سوائے اس شخص کے جو اپنے آپ پر ظلم کرے اور ارتکاب گناہ کرے گا تو وہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو ہلاکت میں ڈالے گا۔

۳- اور بنی نجار کے یہود، بنی حارث کے یہود، بنی ساعدہ کے یہود، بنی شہم کے یہود، بنی اوس کے یہود اور بنی ثعلبہ کے یہود کے ساتھ بھی بنی عوف کے یہود جیسا معاملہ ہوگا، سوائے اس شخص کے جو ظلم و معصیت کا مرتکب ہوگا تو وہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو ہلاکت میں ڈالے گا۔

۴- جہنہ جو قبیلہ ثعلبہ کی ایک شاخ ہے وہ ایک دوسرے کی مانند ہیں۔

۵- بنو خطیبہ کے ساتھ بھی بنو عوف کے یہودیوں جیسا معاملہ ہوگا۔

۶- قبیلہ ثعلبہ کے آزاد کردہ لوگ ان ہی کے مانند ہوں گے۔

۷- اور یہود کے مؤیدین کے ساتھ انہی جیسا برتاؤ ہوگا۔

- ۸- اور ان میں سے کسی کو محمد ﷺ کی اجازت کے بغیر نہیں نکالا جائے گا۔
- ۹- اور کسی کو کسی کے زخم کا بدلہ لینے کے لئے مجبوس نہیں کیا جائے گا، اور جو کوئی کسی کو قتل کرے گا، تو اس کا انجام اسے اور اس کے گھر والوں کو بھگتنا ہوگا، سوائے اس آدمی کے جو مظلوم ہو۔
- ۱۰- اور یہود اپنا خرچ خود برداشت کریں گے، اور مسلمان اپنا خرچ، اور جو کوئی اس عہد نامے والوں کے خلاف جنگ کرے گا اس کے خلاف سب ایک ساتھ اٹھ کھڑے ہوں گے اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں گے۔
- ۱۱- کوئی آدمی اپنے حلیف کے جرم یا گناہ کا ذمہ دار نہیں ہوگا، اور ہمیشہ مظلوم کی مدد کی جائے گی۔
- ۱۲- اور اس صحیفہ کے مطابق معاہدہ کرنے والوں کے لئے یشرب کے اندر شر انگیزی اور خون و خرابہ کرنا حرام ہوگا۔
- ۱۳- اور پڑوسی کی حیثیت آدمی کی اپنی حیثیت جیسی ہوگی، بشرطیکہ وہ نقصان پہنچانے والا اور کسی جرم کا مرتکب نہ ہو۔
- ۱۴- اور کسی آدمی کو کسی جگہ اس کے مالک کی اجازت کے بغیر پناہ نہیں دی جائے گی۔
- ۱۵- اور اگر اس صحیفہ والوں کے درمیان کوئی نئی بات پیدا ہو جائے یا کوئی اختلاف رونما ہو جس سے شر انگیزی کا ڈر ہو تو ایسا معاملہ اللہ اور محمد رسول اللہ ﷺ کے حوالے ہوگا، اور فیصلہ ہمیشہ اس صحیفہ میں موجود اچھی باتوں کے مطابق ہوگا۔
- ۱۶- قریش کو پناہ نہیں دی جائے گی، اور نہ کسی ایسے آدمی کو جو ان کی مدد کرے گا۔
- ۱۷- یشرب پر حملہ ہونے کی صورت میں یہاں کے رہنے والے آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔
- ۱۸- اگر انہیں کسی صلح کی دعوت دی جائے گی تو اسے قبول کریں گے، اور عمل میں لائیں گے، اور جب کسی ایسی صلح کی طرف انہیں دعوت دی جائے گی تو وہ تمام مسلمانوں پر نافذ العمل ہوگی، سوائے اس کے جو اللہ کے دین کی مخالفت میں جنگ کرے گا تو اس سے صلح نہیں کی جائے گی۔
- ۱۹- ہر جماعت پر اس کی اور اس کی طرف رہنے والے لوگوں کی مالی ذمہ داری ہوگی۔
- ۲۰- قبیلہ اوس کے یہودی ان کے دوست سمجھے جائیں گے اور ان پر وہ تمام ذمہ داریاں ہوں گی جو اس عہد نامے والوں پر ہوں گی، اگر کوئی گناہ یا جرم کا ارتکاب کرے گا تو اس کا خمیازہ اسے بھگتنا پڑے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اس عہد نامہ کی تمام اچھی اور سچی باتوں کی تائید میں ہے۔

الْفَلَاحِ، اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ".

عبداللہ بن زید نے کہا: پھر وہ آدمی مجھ سے تھوڑی دور گیا اور کہنے لگا: اور جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو گے تو یوں کہو گے: اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ، قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ".

عبداللہ کہتے ہیں: جب میں نے صبح کی تور رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اور آپ ﷺ کو اپنے خواب کی اطلاع دی، آپ ﷺ نے فرمایا: ان شاء اللہ یہ خواب سچا ہے۔ تم بلال کے پاس جاؤ، اور اسے جو دیکھا ہے بتادو، تاکہ وہ اس کے مطابق اذان دے، اس لئے کہ اس کی آواز تمہاری آواز سے زیادہ اچھی ہے۔

اور امام احمد کی ایک روایت میں آیا ہے: میں بلال کے پاس گیا اور انہیں اذان کے کلمات بتانے لگا، اور وہ اس کے مطابق اذان دینے لگے۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ عمر بن خطاب نے اذان کی آواز اپنے گھر میں سنی تو اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے باہر نکلے اور کہنے لگے، اے اللہ کے رسول! اُس ذات کی قسم جس نے آپ کو دین برحق دے کر بھیجا ہے! میں نے بھی دیا ہی دیکھا ہے، جیسا کہ عبداللہ نے دیکھا ہے، تور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فَلِلَّهِ الْحَمْدُ، یعنی تمام تعریفیں صرف اللہ کے لئے ہیں ^(۱) اور بلال نے فجر کی اذان میں اضافہ کیا: "الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" یعنی نماز نیند سے بہتر ہے، تو ان کے اس اضافے کو نبی کریم ﷺ کی طرف سے تائید حاصل ہو گئی۔

عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی زوجیت میں:

اسے ۷ کے واقعات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ اپنی بیوی عائشہ بنت ابوبکر صدیق کو اپنے گھر لے آئے آپ ﷺ نے ان سے ماہ شوال ۱۱ھ نبوی میں نکاح کیا تھا، اس وقت ان کی عمر ۶ سال تھی، اور ہجرت کے سات ماہ بعد ماہ شوال میں اپنے گھر رخصت کر کے لے آئے، اس وقت ان کی عمر ۹ سال تھی، آپ ﷺ نے ان کے علاوہ کسی دوشیزہ سے شادی نہیں کی، اور وہ آپ ﷺ کے نزدیک مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب، اور امت کی عورتوں میں سب سے بڑی فقیہہ اور سب سے زیادہ صاحبِ علم تھیں ^(۲)۔

(۱) البخاری، خلق افعال العباد ص: ۳۳۵، ابوداؤد، حدیث: (۳۹۹)، ترمذی، حدیث: (۱۸۹)، اور ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے، ابن ماجہ

حدیث (۷۰۶)، دارمی، (۲۶۹/۱)، مسند احمد، ۴/۳۳، دارقطنی، ۳/۳۱۱، ابن خزیمہ، حدیث: (۳۷۱)، عبدالرزاق، حدیث: (۱۷۸۷)۔

(۲) صحیح البخاری، حدیث: (۵۱۳۳)۔

مشر وعیت جہاد:

نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے مدینہ کی طرف ہجرت کر جانے سے اہل قریش کی ان کے خلاف عداوت ختم نہیں ہو گئی، بلکہ مزید تیز ہو گئی، ان کی سازشوں میں شدت آ گئی اور مشرکین عرب کو آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کے خلاف برا بھلا کرنے میں ان کی کارگزاریاں اور بڑھ گئیں، یہاں تک کہ شہر مدینہ کا تعلق دیگر علاقوں سے تقریباً منقطع ہو گیا، اور عرب اور یہود سب نے مل کر ان کے خلاف محاذ آرائی شروع کر دی۔ اور ہر طرف سے ان کے خلاف آوازیں آنے لگیں۔ ذیل میں اہل قریش، یہود اور منافقین کی کھلی عداوت کی بعض مثالیں پیش کرتا ہوں:

۱- مکہ کے مشرکوں نے عبداللہ بن ابی بن سلول (جو اس وقت علی الاعلان مشرک تھا) اور اس کے دیگر مشرک ساتھیوں کو دھمکی آمیز خط لکھا کہ تم لوگوں نے ہمارے آدمی کو پناہ دی ہے، اور ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یا تو تم اس سے قتال کرو گے یا اسے نکال دو گے، یا ہم لوگ اپنی پوری قوت کے ساتھ تم سے جنگ کرنے کے لئے نکل پڑیں گے، اور تمہارے نوجوانوں کو قتل کر دیں گے، اور تمہاری عورتوں کو اٹھالائیں گے۔ اس خط کے پہنچنے کے فوراً بعد عبداللہ اور اس کے دیگر مشرک ساتھی نبی کریم ﷺ سے جنگ کرنے کے لئے اکٹھا ہو گئے، آپ ﷺ کو جب یہ خبر ملی تو ان سے ملاقات کر کے کہا: اہل قریش کی دھمکی نے تم پر بڑا گہرا اثر ڈالا ہے، وہ لوگ تمہارے خلاف اتنی بڑی سازش نہیں کر رہے تھے، جتنی بڑی تم اپنے خلاف کر رہے ہو، تم اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے جنگ کرنا چاہتے ہو۔ جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کی زبان سے یہ بات سنی تو فوراً ہی تتر بتر ہو گئے، اس رعب و خوف کی وجہ سے جو اللہ نے ان کے دل میں داخل کر دیا، یا شاید انہیں نبی کریم ﷺ کی بات سن کر ہوش آ گیا، جس کا مقصد ان کی اور اس و خزر ج والوں کی خیر خواہی تھی (۱)۔

۲- سعد بن معاذ عمرہ کی نیت سے مکہ گئے، اور امیہ بن خلف کے مہمان بنے، انہوں نے امیہ سے کہا: میرے لئے کسی تنہائی کا وقت دیکھو، تاکہ میں خانہ کعبہ کا طواف کر لوں۔ وہ انہیں دوپہر کے قریب لے کر نکلا، راستے میں دونوں سے ابو جہل کی ملاقات ہو گئی، اس نے پوچھا: اے ابو صفوان! تمہارے ساتھ یہ کون ہے؟ اس نے کہا: یہ سعد ہیں، تو ابو جہل نے ان سے کہا: تم مامون و محفوظ مکہ آ کر طواف کرنا چاہتے ہو، حالانکہ تم لوگوں نے ہمارے بے دینوں کو پناہ دے رکھا ہے، اور تمہارا خیال ہے کہ تم ان کی مدد کرو گے۔ اللہ کی قسم! اگر تم ابو صفوان کے ساتھ نہ ہوتے تو اپنے اہل و عیال کے پاس بچ کر نہ لوٹ پاتے۔ سعد نے اپنی اونچی آواز میں اس سے کہا: اللہ کی

قسم! اگر تم نے مجھے اس سے روک دیا تو میں تمہیں اس سے زیادہ اہم چیز سے روک دوں گا۔ میں مدینہ سے تمہارے گزرنے کے راستے کو تم پر بند کر دوں گا^(۱)۔

۳۔ نبی کریم ﷺ کے مدینہ آنے کے بعد یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ مشرکین قریش اور یہود آپ ﷺ کی جان کے درپے ہیں، اسی لئے آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے طلب کیا کہ وہ رات کے وقت آپ کی نگرانی کریں۔ امام مسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ آنے کے بعد ایک رات بیدار رہے، اور فرمایا: کاش میرے صحابہ میں سے ایک نیک آدمی آج کی رات میری نگرانی کرتا۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ہم ابھی یہی باتیں کر رہے تھے کہ ہتھیار کی سرسراہٹ سنی، آپ ﷺ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ آواز آئی سعد بن ابی وقاص، آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: کس لئے آئے ہو، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے آپ (ﷺ) کے بارے میں ڈر ہوا، اسی لئے آپ کی نگرانی کے لئے آگیا ہوں، آپ ﷺ نے ان کے لئے دعا کی، پھر سو گئے^(۲)۔

۴۔ مشرکین قریش نے خفیہ طور پر یہود یثرب کے ساتھ سازش کی اور مسلمانوں کے خلاف کارروائی کرنے کا معاہدہ کیا، اور نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کو یہ خبر بھیج دی کہ تمہیں اس بات سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے کہ بچ کر یثرب چلے گئے ہو، ہم عنقریب تمہارے پاس آئیں گے، تم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے، اور تمہیں یکسر ختم کر دیں گے^(۳)۔

انہی مشکل ترین حالات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دی، اور نازل فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكُفْرَانَ هِبَةً لَّكُمْ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنَّهُمْ ظَلَمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ﴾ (۳۹) الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ﴾ (جن مومنوں کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے، انہیں اب جنگ کی اجازت دے دی گئی اس لئے کہ اُن پر ظلم ہو تا رہا ہے، اور بے شک اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے، جو لوگ اپنے گھروں سے ناحق اس لئے نکال دیئے گئے کہ انہوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے) [الحج: ۳۹-۴۰]، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے مشرکین قریش کے ناخن تراشنے اور ان کے استکبار کو لگام لگانے کے لئے تدبیر کی جس کے دو حصے تھے: پہلا حصہ تو یہ تھا کہ آپ ﷺ نے مدینہ کے گرد ونواح میں رہنے والے ان قبائل کے ساتھ معاہدے کئے

(۱) مصدر سابق، کتاب المغازی: ۲/۵۶۳۔

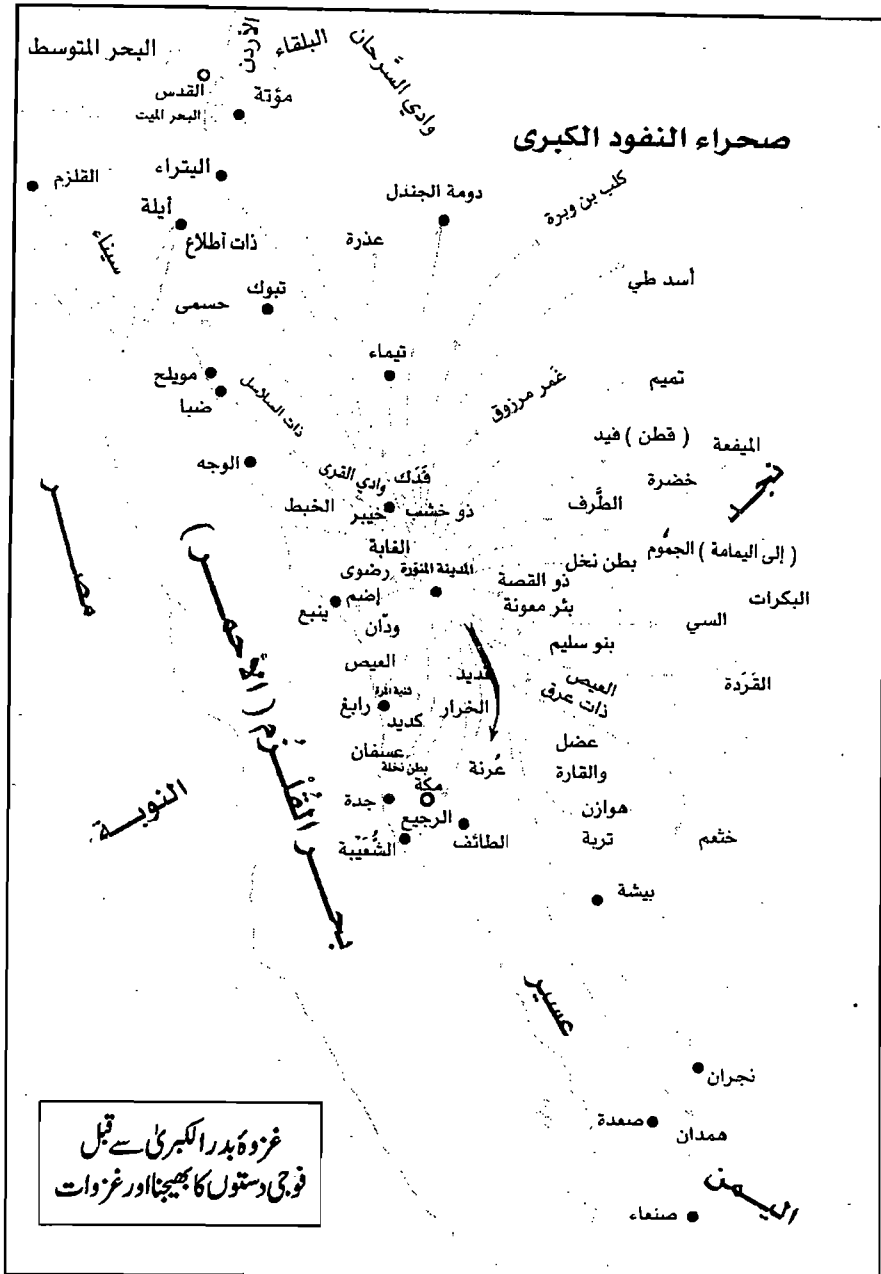
(۲) صحیح البخاری، باب الحراسة فی الغزو: ۴۰۴، صحیح مسلم، فضل سعد بن ابی وقاص: ۲۸۰/۲۔

(۳) رحمۃ للعالمین (عربی): ۱۱۰/۱۔

جو مشرکین قریش کے شام کی طرف جانے والے تجارتی راستوں پر رہتے تھے، ویسا ہی معاہدہ جیسا کہ آپ ﷺ نے قبیلہ جہینہ کے ساتھ کیا تھا، جس کا مقصد یہ تھا کہ کوئی ایک دوسرے پر حملہ نہیں کرے گا۔ یہ قبیلہ جہینہ مدینہ سے تین مرحلوں کی دوری پر رہتا تھا، اور اس سے پہلے ہم نے جان لیا ہے کہ آپ ﷺ نے یہود کے ساتھ بھی مصالحت کا معاہدہ کیا تھا۔

دوسرا حصہ یہ تھا کہ آپ ﷺ فوجی دستوں کو مدینہ کے اطراف و جوانب میں بھیجنے لگے، تاکہ وہ حالات کا جائزہ لیتے رہیں، اور مدینہ میں رہنے والے یہود اور مشرکین عرب اور قرب و جوار میں رہنے والے دیہاتیوں کے سامنے اس بات کا مظاہرہ کریں کہ اب مسلمان طاقتور ہو گئے ہیں، اس لئے عقل کے خلاف یہ بات ہوگی کہ انہیں کوئی حیثیت نہ دی جائے یا ان پر حملہ کر دیا جائے، نیز اس کا مقصد مشرکین قریش کو بھی دھمکی دینی تھی کہ وہ اپنے طیش اور نا عقلی سے باز آجائیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی بے وقوفی کے نتیجہ میں مسلمانوں سے جنگ پر آمادہ ہو جائیں، حالانکہ اب حالت بالکل بدل چکی ہے اور وہ مہاجرین جن کا سب کچھ ان سے چھین لیا گیا ہے وہ پوری بے صبری کے ساتھ اس دن کا انتظار کر رہے ہیں، جب وہ مشرکین قریش، ان کے سرداروں اور ان کے بڑے مجرموں پر اپنے انصاری بھائیوں کے ساتھ مل کر یکبارگی پل پڑیں گے اور انہیں ختم کر دیں گے۔





فوجی دستوں کے لئے رسول اللہ ﷺ کی وصیتیں

فوجی دستوں کی خبریں بیان کرنے سے پہلے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی ان وصیتوں کا ذکر کروں جو آپ ﷺ انہیں ان کے سفر سے پہلے کیا کرتے تھے، تاکہ ان عظیم جنگی اخلاقی تعلیمات کا علم ہو جو دین اسلام کی امتیازی خوبی ہے، اور تاکہ معلوم ہو کہ اسلام ایسا دین ہے جو سارے عالم میں رحمت پھیلانے کے لئے آیا ہے، اس دین میں اس امر کے لئے کوئی گنجائش نہیں کہ انسانوں کو بے سبب قتل کیا جائے، انہیں دھوکا دیا جائے اور ان کے ساتھ کسی قسم کی خیانت کو روا رکھا جائے۔ وہ وصیتیں مندرجہ ذیل ہیں:

سلیمان بن برید نے اپنے باپ برید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی صحابی کو کسی فوج یا فوجی دستہ کا امیر بناتے تو اسے وصیت کرتے کہ وہ اپنے بارے میں اللہ عز و جل سے ڈرتا رہے، اور اپنے ساتھ جانے والے مسلمانوں کی خیر خواہی کرتا رہے، پھر آپ ﷺ فرماتے: تم لوگ اللہ کی راہ میں، اللہ کے نام سے جہاد کرو، ہر اس شخص سے قتال کرو، جو اللہ کا انکار کرتا ہے، جہاد کرو، اور خیانت نہ کرو، اور دھوکا نہ دو، اور مظلہ نہ کرو (یعنی مقتول کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کرو) اور تنہا آدمی کو قتل نہ کرو، اور جب تم مشرک دشمنوں سے ملو، تو ان کے سامنے تین باتیں رکھو، ان میں جس بات کو وہ مان لیں اسے تم قبول کر لو، اور جنگ سے رُک جاؤ۔

تم انہیں اسلام کی دعوت دو، اگر وہ قبول کر لیں تو مان جاؤ اور جنگ سے رُک جاؤ، اور انہیں کہو کہ وہ اپنی جگہ سے مہاجرین کی جگہ یعنی شہر مدینہ منتقل ہو جائیں، اور انہیں بتاؤ کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو ان کا حق مہاجرین جیسا ہوگا اور ان پر ذمہ داری مہاجرین جیسی ہوگی، اور اگر وہ وہاں سے منتقل ہونے سے انکار کر دیں تو انہیں بتاؤ کہ پھر ان کی حیثیت عام دیہاتی مسلمانوں کی ہوگی، ان کا حکم عام مومنوں کا ہوگا، اور مال غنیمت یا مال فئی میں اُن کا کوئی حصہ نہیں ہوگا، مگر یہ کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جہاد کریں، اور اگر وہ انکار کر دیں تو ان سے جزیہ کا مطالبہ کرو، اگر وہ مان جائیں تو قبول کر لو اور جنگ نہ کرو، اور اگر انکار کر دیں تو اللہ عز و جل سے مدد مانگو اور جہاد کرو^(۱)۔

اور جب تم کسی قلعہ کا محاصرہ کرو، اور اہل قلعہ چاہیں کہ تم انہیں اللہ اور اس کے نبی کی طرف سے عہد دو تو ایسا نہ کرو، بلکہ ان کو اپنا عہد اور اپنے ساتھیوں کا عہد دو، اس لئے کہ اگر تم اپنے اور اپنے ساتھیوں کے عہد کی خلاف ورزی کرو گے تو یہ بات اللہ اور اس کے رسول کے عہد سے زیادہ ملکی ہوگی، اور اگر کسی قلعہ کا محاصرہ کرو، اور اس

(۱) صحیح مسلم: ۱/۲۱۲، ابوداؤد، حدیث: (۲۶۱۳)، ترمذی: (۱۳۰۸)، ابن ماجہ، حدیث: (۲۸۵۸)، مسند احمد: ۳/۱۴۰، ۵/۳۵۲، ۳۵۸۔

میں رہنے والے تم سے چاہیں کہ تم انہیں اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرنے کا عہد دو تو ایسا نہ کرو، بلکہ اپنے فیصلے کا عہد دو، اس لئے کہ تم نہیں جانتے کہ ان کے سلسلے میں تم اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرو گے یا تم سے غلطی ہوگی (۱)۔

بعض فوجی دستوں کے امیر کی کارروائیوں کا انکار:

اسی ضمن میں نبی کریم ﷺ کا بعض فوجی دستوں کے امیر کے بعض کاموں کا انکار بھی آتا ہے، اس لئے کہ وہ کام اسلام کے مزاج کے منافی تھے۔ سالم نے اپنے باپ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید کو بنو جذیمہ کی طرف بھیجا، انہوں نے ان کو اسلام کی دعوت دی، تو جواب میں یہ نہیں کہا کہ ہم اسلام لے آئے، بلکہ کہنے لگے: ہم اپنے دین سے نکل گئے، ہم اپنے دین سے نکل گئے، تو خالد بعض کو قتل اور بعض کو پابند سلاسل کرنے لگے۔ اور خالد نے ہم میں سے ہر ایک کے حوالے ایک قیدی کیا، اور دوسرے دن حکم دیا کہ ہر آدمی اپنے قیدی کو قتل کر دے، میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں اپنے قیدی کو قتل نہیں کروں گا، اور نہ میرے ساتھیوں میں سے کوئی اپنے قیدی کو قتل کرے گا، جب ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، اور آپ ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا، تو آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ اٹھا کر فرمایا: اے اللہ! میں خالد کے کر قوت سے اپنی براءت کا اعلان کرتا ہوں، اے اللہ! میں خالد کے کر قوت سے اپنی براءت کا اعلان کرتا ہوں (۲)۔

فوجی دستوں کی خبریں:

۱- سریہ (فوجی دستہ) سیف البحر:

سب سے پہلا علم جہاد جو رسول اللہ ﷺ نے بلند کیا وہ حمزہ بن عبد المطلب کی قیادت میں تھا، جسے لے کر وہ ہجرت کے سات مہینے کے بعد ماہ رمضان میں نکلے تھے، اور اس کا رنگ سفید تھا، اور اس کے اٹھانے والے ابو مرثد کناز بن حصین غنوی تھے، جو حمزہ کے حلیف تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حمزہ کو تیس مہاجر صحابہ کے ساتھ بھیجا تھا، تاکہ شام سے آنے والے قریش کے ایک تجارتی قافلہ کا راستہ روکیں، جو تین سو افراد پر مشتمل تھا، اور ان کے ساتھ ابو جہل بن ہشام بھی تھا، یہ فوجی دستہ عیص کے علاقے میں سیف البحر تک پہنچا، وہاں دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے سامنے آگئیں، اور جنگ کے لئے صف بستہ ہو گئیں، اُس وقت مجدی بن عمرو الجہنی آڑے آگیا، جو دونوں جماعتوں کا حلیف تھا، اس لئے جنگ نہیں ہوئی (۳)۔

(۱) صحیح مسلم، حدیث: (۱۷۳۱)، مسند احمد: ۳۵۸/۵۔

(۲) صحیح البخاری: ۴/۱۴۳، ۵/۲۰۳، ۸/۹۲، ۹۲/۸، ۲۳۷/۸، مسند احمد: ۱۵۱/۲، مصنف عبد الرزاق: (۱۸۷۲، ۹۲۳۵)۔

(۳) زاد المعاد: ۱۲۷/۳۔

۲- سر یہ رابع:

پھر آپ ﷺ نے عبیدہ بن حارث بن مطلب کو ایک دستہ کا سردار بنا کر ہجرت کے سات مہینے بعد ماہ شوال میں رابع کی طرف اسی (۸۰) مہاجرین کے ساتھ بھیجا، ان کے ساتھ کوئی انصاری نہیں تھا، آپ ﷺ نے ان کو ایک سفید علم دیا، جسے مطح بن اثاثہ نے اٹھایا ہوا تھا، تاکہ یہ لوگ قریش کے دو سو افراد پر مشتمل ایک قافلہ کا راستہ روکیں، انہوں نے رابع میں اس قافلے کو جالیا اور دونوں جماعتوں کے درمیان تیر اندازی ہوتی رہی، لیکن بالآخر مشرکین ڈر گئے کہ کہیں باقی مسلمان گھات میں نہ بیٹھے ہوں، اس لئے شکست کھا کر بھاگ گئے، اور مسلمانوں نے ان کا پیچھا نہیں کیا، مشرکین کے قافلے کا سردار ابوسفیان تھا^(۱)۔

اور مشرکین کے اس قافلے کے دو آدمی مسلمانوں سے مل گئے، وہ دونوں مقداد بن عمرو و بہرانی، اور عتبہ بن غزو ان بن جابر مازنی تھے، یہ دونوں مسلمان تھے، اور کافروں کے ساتھ اس لئے مکہ سے نکلے تھے، تاکہ بھاگ کر مسلمانوں کے پاس پہنچ جائیں، اس لئے کہ مشرکوں نے ان دونوں کو ہجرت سے روک دیا تھا۔ ابواسحاق کہتے ہیں: اس قافلہ کا سردار عکرمہ بن ابو جہل تھا۔

سر یہ الخرار:

پھر آپ ﷺ نے ماہ ذی القعدہ ۱ھ میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو خرار کی طرف بھیجا، اور انہیں سفید علم دیا، جسے مقداد بن عمرو نے اٹھا رکھا تھا، یہ لوگ بیس (۲۰) مہاجرین تھے، اور قریش کے ایک قافلے کا راستہ روکنے کے لئے بھیجے گئے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کو نصیحت کی تھی کہ وہ خرار سے آگے نہ بڑھیں، یہ لوگ وہاں پہنچنے کے لئے پیدل چلے، دن میں چھپ جاتے تھے اور رات میں راستہ طے کرتے تھے، یہاں تک کہ جمعرات کی صبح کو وہاں پہنچے، لیکن کافروں کا وہ قافلہ ایک دن پہلے ہی وہاں سے آگے جا چکا تھا^(۲)۔

(۱) السیرۃ النبویہ، ابن کثیر ۳/۳۳۸۔

(۲) مصدر سابق ۳/۳۳۹، زاد المعاد ۳/۱۲۸۔

یہود اور مشرکین کا نفاق

یہود کے شان و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد مدنی سوسائٹی یکسر بدل جائے گی، اسلام اس کی گہرائیوں تک اتر جائے گا، اور قبائل اوس و خزرج (سوائے چند بد نصیبوں کے) اسلام کے تابع و فرمان ہو جائیں گے، اور ایک مضبوط اور متحد امت بن کر ظاہر ہوں گے، اور یہ کہ یہود کی حیثیت وہاں کی زندگی میں ثانوی ہو جائے گی۔ چونکہ اتنے بڑے انقلاب کا وہ پہلے سے سوچ بھی نہیں سکتے تھے، اس لئے ابتدائے ہجرت نبوی میں ان کا موقف مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے حق میں تقریباً غیر جانب دارانہ تھا، اگرچہ یہ بات ان کے بارے میں سب کو معلوم تھی کہ ان کا باطن خبیث ہوتا ہے اور انہوں نے ہر دور میں انبیاء و رسل اور آسمانی مذاہب سے کھلی اور پوشیدہ دشمنی رکھی ہے، اور یہ بات حبیب بن اخطب کے قول سے بالکل ظاہر ہو گئی، جب وہ نبی کریم ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد آپ کی مجلس میں گیا، اور آپ کی نبوت کی تصدیق کرنے کے بعد اپنے بھائی کے استفسار کا جواب دیتے ہوئے کہا تھا: ہاں، یہ وہی نبی ہے جس کا ذکر تورات میں ہے، لیکن میں جب تک زندہ رہوں گا، اللہ کی قسم! اس سے دشمنی رکھوں گا^(۱)۔

جب یہود نے دیکھا کہ اسلام مدنی سوسائٹی کا دین غالب ہو گیا ہے، اور مسلمانوں کی عزت اور شان و شوکت دن بدن بڑھتی جا رہی ہے، اور رسول اللہ ﷺ اسلامی اسٹیٹ کی بنیاد رکھنے میں اللہ کی توفیق سے کامیاب ہو گئے ہیں، اور مہاجرین و انصار سے بنی اسلامی فوج مدینہ، مکہ اور حجاز کے دیگر علاقوں میں کفر اور شرک کے وجود کے لئے خطرہ بن گئی ہے، تو ان کا موقف اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں یکسر بدل گیا، اور بسا اوقات کھل کر اور کبھی بطور نفاق دشمنی کرنے لگے۔

اور ان کی عداوت اور بغض اور کینہ کو اس بات نے زیادہ ہوا دی کہ ان کے بعض بڑے بڑے علماء اُن سے ٹوٹ کر مسلمانوں کے زمرے میں داخل ہونے لگے، جیسا کہ ابھی کچھ پہلے ہم نے عبد اللہ بن سلام کے بارے میں جانا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ آنے کے بعد آپ ﷺ کے پاس آئے اور اپنے اسلام کا اعلان کر دیا، اور پھر چھپ گئے اور یہود آئے تو نبی کریم ﷺ نے ان سے ان کے بارے میں پوچھا تو پہلے ان کی خوب تعریف کی اور جب سامنے آکر اپنے اسلام کا اعلان کیا تو فوراً اپنی بات بدل کر کہنے لگے کہ یہ آدمی تو ہم میں سب سے بُرا اور ہمارے سب سے بُرے آدمی کا بیٹا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اسی بغض و کینہ اور اللہ کے دین سے عداوت کی وجہ سے ان کی بصیرت چھین لی، چنانچہ وہ مشرکوں کی بُت پرستی کو مسلمانوں کی عبادت پر ترجیح دینے لگے۔ ابن اسحاق روایت کرتے ہیں کہ قریش نے علمائے یہود سے پوچھا جو مکہ گئے تھے کہ اے یہود! تم پہلے سے اہل کتاب ہو، اور ان باتوں کو خوب جانتے ہو، جن میں ہمارا اور محمد کا اختلاف ہے، بتاؤ کہ ہمارا دین بہتر ہے یا اس کا دین؟ انہوں نے کہا: تمہارا دین اس کے دین سے بہتر ہے، اور تم زیادہ صحیح راستہ پر ہو^(۱)۔ اسی طرف باری تعالیٰ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿اَلَمْ تَرَ اِتٰى الَّذِيْنَ اٰتَوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاَنْجِبٰتِ وَالطّٰغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰؤُلَاءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا﴾ (کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب الہی کا ایک حصہ دیا گیا ہے، کہ وہ بتوں اور شیطانوں پر ایمان رکھتے ہیں، اور کافروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں کے مقابلہ میں زیادہ صحیح راستہ پر ہیں) [النساء: ۵۱]۔

اور بہت سے علمائے یہود نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں سے اپنی عداوت کا اعلان اس لئے کیا کہ عربوں کو نبی کریم ﷺ کی نبوت کے سبب ایک گونا گونا فضیلت مل گئی تھی۔ اور ان میں سب سے خبیث اور بدترین مندرجہ ذیل لوگ تھے: حُصَیّ بن اخطب اور اس کے دونوں بھائی ابویاسر اور جدی، سلام بن مشکم، کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق، رافع الأور۔ جو خیبر میں قتل کیا گیا۔ ربیع بن ربیع بن ابی الحقیق، عمرو بن حشا، قبیلہ طی کا کعب بن اشرف، اور اس کی ماں نصیرہ، اور اس کے دونوں حلیف؛ حجاج بن عمر اور کر دم بن قیس۔ یہ سب کے سب بنو نصیر کے تھے۔ اور بنو ثعلبہ بن فطیون کا عبد اللہ بن سورہ۔ کہتے ہیں کہ حجاز میں اس سے زیادہ تورات کا جاننے والا کوئی نہیں تھا، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ شخص اسلام لے آیا تھا۔

اور بنو قبیقاع سے: سعد بن حنیف، محمود بن سحان، عزیز بن ابی عزیز، عبد اللہ بن حنیف، رفاعہ بن قیس، فحاص، اشع، نعمان بن أضاء، بحری بن عمرو، شاس بن عدی، شاس بن قیس، زید بن حارث، نعمان بن عمرو، سکین بن ابی سکین، رافع بن ابی رافع، مالک بن عوف، کعب بن راشد اور عازر، اور انہی میں سے عبد اللہ بن سلام تھے جو اسلام لے آئے تھے۔

اور بنو قریظہ سے: زبیر بن باطا، عزال بن شمیل، کعب بن راشد، وہب بن یہودا، اسامہ بن حبیب، رافع بن حریمہ، نافع بن ابی نافع، اور عدی بن زید۔

اور بنو زُرَیق سے: ولید بن عاصم جس نے رسول اللہ ﷺ پر اپنی بیٹیوں کے ذریعہ جادو کروایا تھا، اور

بنو حارثہ سے: کنانہ بن صوریہ اور بنو عمرو بن عوف کے یہودیوں میں سے: قردم بن عمرو، اور بنی نجار کے یہودیوں میں سے: سلسلہ بن برہام۔

یہ ہیں شر پسند یہود اور ان کے علماء جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام سے کھلی عداوت رکھتے تھے۔ اور ذیل میں ان یہودیوں کے نام لکھے جاتے ہیں جو نفاق کے ساتھ مشہور تھے، یعنی درحقیقت یہودی تھے، لیکن اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازش کرنے کے لئے اسلام کا اظہار کرتے تھے:

۱- زید بن اللصیت: اسی نے غزوہ تبوک میں جب نبی کریم ﷺ کی اونٹنی کھو گئی تو کہا تھا: محمد دعویٰ کرتا ہے کہ اس کے پاس آسمان کی خبریں آتی ہیں اور وہ نہیں جانتا کہ اس کی اونٹنی کہاں ہے؟ جب یہ بات رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں وہی کچھ جانتا ہوں، جس کی اللہ مجھے خبر دیتا ہے، اور ابھی اللہ نے مجھے اونٹنی کی خبر دے دی ہے کہ وہ اس گھاٹی میں ہے، اس کی رسی ایک درخت سے الجھ گئی ہے، چنانچہ چند مسلمان گئے تو وہاں اسے اسی حال میں پایا۔

۲- اور رافع بن حریملہ: جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے اس کے ہلاک ہونے کے دن کہا تھا: آج ایک بہت بڑا منافق ہلاک ہو گیا۔

۳- اور رفاعہ بن زید بن تابوت ۴- اور سوید بن حارث: ان دونوں نے بطور نفاق مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لئے اسلام کا اعلان کیا تھا، اور ان کے ظاہر سے دھوکا کھا کر بعض مسلمانوں کی ان سے دوستی تھی، انہی دونوں اور ان جیسوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُؤًا وَنَعِيًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكَفَّارَ أَوْلِيَاءَ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ (اے ایمان والو! جن اہل کتاب اور کافروں نے تمہارے دین کا مذاق اڑایا اور اس کا تماشا بنایا، انہیں اپنا دوست نہ بناؤ، اور اگر تم اہل ایمان ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو) [المائدہ: ۵۷]۔

اور یہی رفاعہ اپنی زبان مروڑ کر کہا کرتا تھا، اے محمد! تم ہمارے سننے کا خیال کرو، تاکہ ہم تمہاری بات سمجھ سکیں۔ یہ شخص اسلام پر طعن اور عیب جوئی کرتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں نازل فرمایا: ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يَشْتُرُونَ الضَّلَالَةَ وَيُرِيدُونَ أَن تَضِلُّوا السَّبِيلَ﴾ (۴۴) وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ وَكَفَى بِاللَّهِ وَلِيًّا وَكَفَى بِاللَّهِ نَصِيرًا (۴۵) مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَأَقْوَمَ

وَلَكِنْ تَعَنَّهُمُ اللَّهُ بِكَفَرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا) (کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں اللہ کی کتاب کا ایک حصہ دیا گیا ہے کہ وہ گمراہی کو خریدتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم مسلمان بھی راہِ راست سے بھٹک جاؤ، اور اللہ تمہارے دشمنوں کو زیادہ جانتا ہے، اور اللہ بحیثیت دوست کافی ہے، اور اللہ بحیثیت مددگار کافی ہے، بعض یہود، کلمات کو ان کی جگہوں سے ہٹا کر ان میں تحریف پیدا کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا، اور ہم نے نافرمانی کی، (اور کہتے ہیں کہ) تم سنو، تمہیں نہ سنایا جائے (یعنی تم بہرے ہو جاؤ) اور ہماری رعایت کرو، زبان موڑ کر، اور دین میں عیب نکالنے کے لئے، اور اگر وہ کہتے کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی، اور سنئے اور ہمیں مہلت دیجئے، تو ان کے لئے بہتر اور زیادہ مناسب ہوتا، لیکن اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت بھیج دی ہے، اس لئے وہ صرف برائے نام ایمان کا اظہار کرتے ہیں) [النساء: ۴۴-۴۶]۔

۵- اور سعد بن حنیف ۶- اور نعمان بن اوفی بن عمرو ۷- اور اس کا بھائی عثمان بن اوفی ۸- اور سلسلہ بن برہام ۹- اور کنانہ بن صوریہ۔

یہ تمام علمائے یہود میں سے تھے اور مسلمانوں کے درمیان فتنہ و فساد پیدا کرنے اور مسلمانوں کے خفیہ حالات کو جان کر اسلام اور دعوتِ اسلامیہ کے خلاف سازشیں کرنے کے لئے بطور نفاق اپنے اسلام کا اظہار کرتے تھے^(۱)۔

اوس و خزرج کے منافقین:

حافظ ابن کثیر نے ابن اسحاق کے حوالے سے اوس و خزرج کے ایک گروہ کا ذکر کیا ہے جو نفاق میں مشہور تھے اور ان میں سے اکثر کا نفاق منافق یہودیوں سے متاثر ہونے کے سبب تھا جو اپنے آپ کو ان کا خیر خواہ ظاہر کرتے تھے۔ اور ان کے ذہنوں میں یہ بات بٹھادی تھی کہ یثرب کی سوسائٹی میں ان کا ایک مقام ہے، جس کی انہیں حفاظت کرنی چاہئے اور انہیں اوس و خزرج کے ان لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا نہیں چاہئے جنہوں نے محمد کے سامنے اپنے آپ کو ذلیل و خوار کر رکھا ہے، اور اسی طرح بہت سی باتیں کیا کرتے تھے، جب بھی ان کی ملاقات اوس و خزرج کے ایسے لوگوں سے ہوتی جن سے اپنی تائید کی امید ہوتی، ذیل میں مشرکینِ مدینہ کے بعض منافقین کے نام درج کرتا ہوں:

قبیلہ اوس میں سے: (۱) ذؤی بن حارث (۲) اور حبشہ بن سہید بن صامت: یہ شخص ان لوگوں میں سے تھا جو غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہوا تھا۔ اسی نے کہا تھا کہ اگر یہ آدمی (یعنی رسول اللہ ﷺ) سچا ہے تو ہم

گدھے سے بھی زیادہ بُرے ہیں، اور اس کی ناپاک گفتگو کو اس کی بیوی کے لڑکے عمیر بن سعد نے سن لیا اور اس سے کہا: اللہ کی قسم! اے جلاس! تم لوگوں میں سب سے زیادہ میرے نزدیک محبوب ہو، اور مجھ پر تمہارا بڑا احسان ہے اور میں ہر گز گوارہ نہیں کروں گا کہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچے، اور تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر میں نے وہ بات ظاہر کر دی تو میں تمہیں رسوا کر ڈالوں گا، اور اگر میں اس پر خاموش رہا تو میرا دین برباد ہو جائے گا، اور میرے نزدیک دونوں میں سے پہلی بات زیادہ آسان ہے، پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور آپ کو جسٹاس کی بات بتادی۔ جلاس رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر قسم کھانے لگا، اور کہنے لگا کہ عمیر نے میرے بارے میں جھوٹ کہا ہے، میں نے وہ بات نہیں کہی جو اُس نے آپ کو بتائی ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں نازل فرمایا:

﴿يَخْلِضُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ فَإِنْ يَتُوبُوا يَكُ خَيْرًا لَهُمْ وَإِنْ يَتَوَلَّوْا يَعَذَّبْهُمْ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ﴾ (منافقین اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے کوئی بات نہیں کہی ہے، حالانکہ کفر کا کلمہ اپنی زبان پر لا چکے ہیں، اور اسلام لانے کے بعد دوبارہ کافر ہو گئے ہیں، اور وہ کام کرنا چاہا جو وہ نہ کر سکے اور انہوں نے اس وجہ سے (رسول اللہ) پر عیب لگایا کہ اللہ اور اس کے رسول نے اللہ کے فضل سے انہیں مالدار بنادیا تھا، پس اگر وہ توبہ کر لیں گے تو ان کے لئے بہتر ہوگا، اور اگر وہ منہ پھیر لیں گے تو اللہ انہیں دنیا و آخرت میں دردناک عذاب دے گا، اور زمین پر کوئی ان کا یار و مددگار نہیں ہوگا) [التوبہ: ۷۴]۔

سیرت نگاروں کا خیال ہے کہ یہ شخص اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد تائب ہو گیا اور اپنی توبہ میں مخلص ثابت ہوا۔ اسی لئے اس کے بارے میں صدق اسلام اور خیر و صلاح کی خبریں ملتی ہیں۔

۳- اور جلاس کا بھائی حارث بن سويد: اسی نے مذر بن زیاد بنکوی اور قیس بن زید (جو بنی زبیعہ کا تھا) کو غزوہ اُحُد کے دن قتل کر دیا تھا۔ یہ منافق شخص مسلمانوں کے ساتھ گیا تھا، اور جب لوگ جنگ کرنے لگے تو موقع پا کر ان دونوں کو قتل کر دیا، اور اہل قریش سے جا ملا، اور رسول اللہ ﷺ نے عمر بن خطاب کو اسی کے بارے میں حکم دیا تھا کہ وہ جہاں ملے اسے قتل کر دیا جائے۔ بعد میں اس حارث نے اپنے بھائی جلاس کو خبر بھیجا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے اس کی توبہ قبول کر لینے کی درخواست کرے، تاکہ وہ اپنی قوم کے پاس لوٹ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ابن عباس کی روایت کے مطابق نازل فرمایا: ﴿كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرُّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ ”اللہ تعالیٰ کیسے

ہدایت دے گا ایسے لوگوں کو جو ایمان لانے کے بعد دوبارہ کافر ہو گئے، اور اپنی اس گواہی کے بعد کہ رسول برحق ہے، اور اُن کے پاس کھلی نشانیاں آجانے کے بعد، اور اللہ تعالیٰ ظالم قوموں کو ہدایت نہیں دیتا [آل عمران: ۸۶]۔

۴- اور انہی منافقین میں سے بجاہ بن عثمان بن عامر تھا۔ ۵- اور نبتل بن حارث: جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو شخص شیطان کو دیکھنا چاہتا ہے، اسے دیکھ لے۔ یہ شخص بھاری بھر کم جسم والا، کالا کلوٹا، سر کے بال بکھرے ہوئے، سرخ آنکھوں والا، اور سرخ و سیاہ گالوں والا تھا، یہ رسول اللہ ﷺ کی باتیں سن کر منافقین کو بتایا کرتا تھا۔ اسی نے کہا تھا، کہ محمد کان کا کچا ہے، جب بھی کوئی بات سنتا ہے تو اسے مان لیتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں نازل فرمایا: ﴿وَمِنْهُمْ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أَدْنُ قُلٍّ أَدْنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يَوْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (اور ان منافقین میں بعض ایسے ہیں جو نبی کو ایذا پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ کان کا ہلکا ہے (ہر ایک کی سن لیتا ہے) آپ کہتے کہ وہ تمہارے لئے خیر کی باتیں سنتا ہے، اللہ پر یقین رکھتا ہے، اور مومنوں کی باتوں پر بھروسہ کرتا ہے، اور تم میں سے ایمان والوں کے لئے وہ سرِ پاپا رحمت ہے، اور جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے) [التوبہ: ۶۱]۔

۶- اور ابو حبیہ بن الازعر یہ: ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے مسجدِ ضرار بنائی تھی۔ ۷- اور ثعلبہ بن حاطب

۸- اور معتب بن قشیر: ان دونوں نے عہد کیا تھا کہ اگر اللہ نے ہمیں اپنے فضل و کرم سے نوازا تو ہم ضرور صدقہ کریں گے، پھر اپنے عہد سے منکر گئے، اور اسی معتب نے جنگِ اُحد کے دن کہا تھا: اگر ہماری کوئی بات سنی جاتی تو یہاں قتل نہیں کئے جاتے، اور اسی نے غزوہٴ احزاب کے دن کہا تھا: محمد ہم سے وعدہ کرتا تھا کہ ہمیں کسریٰ اور قیصر کے خزانے ملیں گے، اور آج حال یہ ہے کہ ہم قضائے حاجت کے لئے بھی اگر باہر جاتے ہیں تو ہماری جان محفوظ نہیں ہے، تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿وَإِذْ يَقُولُ اٰمَنَّا هَٰٓؤُلَآءِ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اِلَّا غُرُوْرًا﴾ (اور جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دل بیمار تھے کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جھوٹا وعدہ کیا تھا) [الاحزاب: ۱۲]۔

۹- اور عباد بن حنیف: (سہل بن حنیف کا بھائی) ۱۰- اور مخزج: یہ بھی مسجدِ ضرار بنانے والوں میں سے تھا۔

۱۱- اور عمرو بن جذام (۱۲) اور عبد اللہ بن نبتل ۱۳- اور جاریہ بن عامر بن عطف اور اس کے دونوں بیٹے ۱۴- اور یزید ۱۵- اور مجع، یہ سب مسجدِ ضرار بنانے والوں میں سے تھے۔ ۱۶- اور ودیعہ بن ثابت: یہ بھی مسجدِ ضرار بنانے

میں شریک تھا، اسی نے کہا تھا کہ ہم تو بس ہنسی مذاق کر رہے تھے تو اس کے بارے میں قرآن نازل ہوا۔ ۱۷- اور خدام بن خالد: اسی نے اپنے گھر کا ایک حصہ مسجد ضرار بنانے کے لئے دیا تھا۔ ۱۸- اور بشر بن زید۔ ۱۹- اور اس کا بھائی رافع بن زید۔

۲۰- اور مربع بن قنظی: یہ شخص اندھا تھا، اسی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا، جب آپ اس کے باغ سے ہو کر اُحد کی طرف جاتے ہوئے گزر رہے تھے کہ اگر تم نبی ہو تو میں تمہارے لئے اس بات کو حلال نہیں کرتا ہوں کہ میرے باغ سے گزرو، اور اس نے اپنے ہاتھ میں مٹی لی اور کہا: اللہ کی قسم! اگر میں جانتا کہ اس کے ذریعہ میں تمہارے سوا کسی کو تکلیف نہیں پہنچاؤں گا، تو تمہیں اس کے ذریعہ ضرور مارتا۔ صحابہ کرام اس کی طرف تیزی کے ساتھ بڑھے تاکہ اسے قتل کر دیں، لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو، یہ اندھا دل کا اندھا ہے، اللہ نے اس کی بصیرت چھین لی ہے اور سعد بن زید اللہ شہلی نے اسے کمان سے مار کر زخمی کر دیا۔

۲۱- اور اس کا بھائی اوس بن قنظی: جس نے کہا تھا کہ ہمارے گھر عریاں ہیں تو اللہ نے نازل فرمایا: ﴿وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ إِنْ يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا﴾ ”حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں تھے، وہ تو بس بھاگنا چاہتے تھے“ [الاحزاب: ۱۳]۔

۲۲- اور حاطب بن امیہ بن رافع: یہ شخص بوڑھا اور موٹے بدن کا تھا، اور اس کا ایک بیٹا بہت ہی اچھا مسلمان تھا جس کا نام یزید بن حاطب تھا، اور جنگِ اُحد کے دن شدید زخمی ہو گیا تھا، تو اسے دار بنی ظفر میں اُٹھا کر لے جایا گیا، اور جب وہ جان کنی کی حالت میں تھا تو کچھ مسلمان مرد اور عورتیں اس کے پاس گئے اور کہنے لگے: اے ابنِ حاطب! تمہارے لئے جنت کی خوشخبری ہے، اس وقت اس کے باپ کا نفاق ظاہر ہوا اور کہنے لگا: ہاں، حرمِ ل کے درختوں کی جنت (حرمِ ایک صحرائی پودا کا نام ہے) اللہ کی قسم! تم لوگوں نے اس مسکین کو دھوکے میں رکھا۔

۲۳- اور بشر بن امیرق ابوطعمہ: (دو درہوں کا چوری کرنے والا)، اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنْفُسَهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَانًا أَثِيمًا﴾ (اور آپ ان لوگوں کے لئے نہ جھگڑیے جو خود اپنے ساتھ خیانت کرتے ہیں، بے شک اللہ اسے پسند نہیں کرتا جو بڑا خائن اور گناہ گار ہو) [النساء: ۱۰۷]۔

۲۴- اور قزمان (بنی ظفر کا حلیف): اسی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: وہ جہنمی ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس نے اُحد کے دن، بڑی سخت جنگ کی اور کئی مشرکوں کو قتل کیا، اس کے بعد زخموں کی وجہ سے حرکت کرنے سے عاجز ہو گیا، اور سخت تکلیف اٹھانے لگا تو اپنے آپ کو ہلاک کر لیا اور کہا: اللہ کی قسم! میں نے

تو صرف اپنی قوم کی حمیت میں جنگ کی ہے، پھر مر گیا۔ چنانچہ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی بات سچی ہو گئی کہ وہ جہنمی ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: بنو عبد الأشہل میں کوئی معروف منافق مرد یا عورت نہیں تھی، سوائے ضحاک بن ثابت کے جسے نفاق اور حُبِ یہود کے ساتھ متہم کیا جاتا تھا۔ ۲۵- اور خزرج میں رافع بن ودیعہ ۲۶- اور زید بن عمرو ۲۷- اور عمرو بن قیس ۲۸- اور قیس بن عمرو بن سہیل ۲۹- اور جَدِ بن قیس: جس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا: مجھے اجازت دے دو، اور آزمائش میں نہ ڈالو۔

۳۰- اور عبد اللہ بن ابی بن سلول: جو منافقین کا سردار اور خزرج اور اوس کا رئیس تھا۔ جاہلیت میں تمام اوس و خزرج والے اسے اپنا بادشاہ بنانے پر متفق ہو گئے تھے۔ اسی وقت اسلام آگیا اور سب کے سب اس میں داخل ہو گئے، جس کے سبب اس ملعون کو شدید تکلیف ہوئی اور اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف اس کا دل غیظ و غضب سے بھر گیا۔ اسی نے کہا تھا کہ جب ہم مدینہ واپس جائیں گے تو وہاں کا سب سے معزز آدمی، سب سے ذلیل (یعنی نبی کریم ﷺ) کو وہاں سے نکال دے گا۔ اور اس کے اور اس کی جماعت کے بارے میں پوری سورۃ المنافقون نازل ہوئی۔ اور یہی لوگ بنو نضیر والوں سے خفیہ طور پر مل کر (جب آپ ﷺ نے ان کا محاصرہ کیا تھا) کہتے تھے: تم لوگ ثابت قدم رہو، اللہ کی قسم: ﴿لَنُيْخِرَنَّكُمْ لِنَخْرِجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نَطِيعُ فَيْكُمْ أَحَدًا أَبَدًا وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ﴾ (اگر تم (اپنے گھروں سے) نکالے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے، اور تمہارے بارے میں ہرگز کسی کی بات نہیں مانیں گے، اور اگر تم پر جنگ مسلط کی گئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ بلاشبہ جھوٹے ہیں) [الحشر: ۱۱] اس لئے کہ یہ لوگ باطن میں بنو نضیر کے خیر خواہ تھے^(۱)۔

بعض منافقین یہود و عرب کا مسجد نبوی سے نکالا جانا:

یہ منافقین یہود و عرب مسجد نبوی میں آکر مسلمانوں کی باتیں سنتے اور ان کے دین کا مذاق اڑاتے تھے۔ ایک دن اس قسم کے لوگ مسجد میں جمع ہوئے تو انہیں رسول اللہ ﷺ نے آپس میں چپکے چپکے ایک دوسرے سے چپک کر باتیں کرتے دیکھا، تو آپ ﷺ نے انہیں مسجد سے سختی کے ساتھ نکال دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ ابو ایوب، بنو نجار کے عمرو بن قیس کے پاس گئے اور اسے پاؤں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے مسجد سے نکال دیا، پھر ابو ایوب رافع بن ودیعہ نجاری کے پاس آئے اور اس کی چادر اس کی گردن میں ڈال کر پکڑ لیا، پھر اُسے زمین پر دے مارا، اور اس کے

(۱) السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۳۴۵-۳۴۸۔

چہرے پر گھونسلوں کی بارش شروع کر دی، پھر اسے مسجد سے یہ کہتے ہوئے نکال دیا: بُھف ہو تم پر اے منافق خبیث!! اور عمارہ بن حزم زید بن عمرو کے پاس گئے، جو لمبی داڑھی والا تھا، اسے اس کی داڑھی سے پکڑ کر سختی کے ساتھ کھینچتے ہوئے مسجد سے باہر نکال دیا، پھر عمارہ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو جمع کر کے پوری قوت کے ساتھ ان دونوں سے اس کے سینے میں مارا، جس کی تاب نہ لا کر وہ گر گیا، پھر کہنے لگا: اے عمارہ! تم نے مجھے زخمی کر دیا، تو عمارہ نے کہا: اللہ تجھے دور کرے اے منافق! اللہ نے تمہارے لئے جو عذاب تیار کر رکھا ہے وہ اس سے زیادہ شدید ہے، آج سے رسول اللہ ﷺ کی مسجد کے قریب بھی نہ آنا۔ اور ابو محمد مسعود بن اوس نجاری جو بدری صحابی تھے، قیس بن عمرو بن سہل کے پاس گئے جو ایک جوان آدمی تھا، اور منافقوں میں اس کے سوا کوئی جوان نہیں تھا، پھر اس کی گردن پکڑ کر دھکا دینے لگے، یہاں تک کہ اسے مسجد سے نکال دیا۔ اور بنو خدرہ کے ایک صحابی حارث بن عمرو نامی ایک منافق کے پاس پہنچے، جس کے سر کے بال لمبے تھے، انہوں نے اُسے سر کے بال سے پکڑ لیا اور سختی کے ساتھ گھسیٹتے ہوئے باہر کر دیا، تو منافق کہنے لگا: اے ابو الحارث! آپ نے میرے ساتھ بہت سخت برتاؤ کیا ہے، تو انہوں نے کہا: تم اسی کے حقدار ہو، اے اللہ کے دشمن! اس آیت کے سبب جو تمہارے بارے میں نازل ہوئی ہے، آج سے تم مسجد رسول کے قریب نہ آنا، اس لئے کہ تم ناپاک ہو۔

اور بنی عمرو بن عوف کے ایک صحابی اپنے بھائی زُوی بن حارث کے پاس گئے اور اسے سختی کے ساتھ پکڑ کر باہر کر دیا، اور اس کے نفاق پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا: تم پر شیطان کا غلبہ ہو گیا ہے۔ ان تفصیل سے اُن مشکلات کا اندازہ ہوتا ہے جن کا دعوتِ اسلامیہ کو مدنی سوسائٹی میں سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس لئے کہ خفیہ عداوت کی خطرناکی کھلی عداوت کی خطرناکی سے زیادہ سخت اور نقصان دہ ہوتی ہے۔ مکی سوسائٹی کے دشمنانِ اسلام جانے پہچانے لوگ تھے، اور وہ کبر و غرور کے ساتھ معاملہ کرتے تھے، اس لئے عام حالات میں مسلمانوں کے خلاف ان کی کارروائیوں کا علم ہو تا رہتا تھا، تو نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام ممکن حد تک احتیاط کر لیا کرتے تھے، اگرچہ ان کے ظلم و استکبار کا معاملہ بہت ہی سخت ہوتا تھا، جیسا کہ ہم نے جان لیا ہے۔

لیکن مدنی سوسائٹی کے دشمنانِ اسلام ان سے مختلف تھے، وہ ظاہر میں اپنے آپ کو اسلام کا وفادار بتاتے تھے اور ان کے دل میں اس کے خلاف عداوت اور بغض و نفرت کی آگ بھڑکتی رہتی تھی، جس کا پہلا ضرر رساں نتیجہ یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام عام حالات میں ان سے دھوکا کھا جاتے تھے۔ اور ملعون یہود رات دن مدنی سوسائٹی میں اس لا علاج مرض کے پھیلانے میں لگے رہتے تھے۔ یہ لوگ اپنی خفیہ سازشوں پر اکتفا نہیں کرتے تھے، بلکہ مشرکینِ عرب کے درمیان ہمیشہ کوشاں رہتے تھے کہ وہ ان ہی کی طرح منافق بن جائیں۔ بظاہر

رسول اللہ ﷺ اور دین اسلام کے لئے اپنی طاعت گزاری کا اعلان کرتے تھے، تاکہ اس سوسائٹی میں اچھوت بن کر نہ رہ جائیں اور دل میں عداوت چھپائے رہتے تھے، اور کبھی یہود کے ساتھ مل کر اور اکثر اوقات آپس میں ہی جمع ہو کر سازشیں گھڑتے رہتے تھے۔ اور ہم نے اب تک ان کی بعض سازشوں کو جان لیا ہے، اور ان شاء اللہ سیرت نبوی کی تفصیلات پڑھتے ہوئے قدم بقدم ان کی مزید سازشوں کو جانیں گے، اور نفاق کے اُن خطرناک نتائج کا بھی علم ہو گا جن سے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام دوچار تھے۔

ان تمام سازشوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنے دین اور اپنے نبی ﷺ کی حفاظت فرمائی اور اس نور کو پورا کیا، جسے ظالموں نے بھجا دینا چاہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس نور کے ذریعہ پورے جزیرہ عرب کو روشن کر دیا، بلکہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی عرب علاقوں سے نکل کر پڑوس کے غیر عرب علاقوں میں بھی وہ روشنی پھیل گئی، اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد خلفائے راشدین کے زمانوں میں نور اسلام نے پورے عالم کو روشن کر دیا۔

یہاں ایک بات قابل توجہ ہے کہ عہد نبوی میں دعوتِ اسلامیہ کی زندگی میں اس خبیث نفاق کی تاریخ اور اس سے متعلق واقعات شہد ہیں کہ دعوتِ اسلامیہ جہاں کہیں بھی اُن بنیادوں پر قائم ہو گی، جن پر عہد نبوی میں قائم ہوئی تھی، تو اُس کا سابقہ اُس عہد کے منافقین اور اُن کی سازشوں سے پڑے گا، وہ منافقین بھی مساجدِ ضرار بنائیں گے، اور اللہ کے مخلص داعیوں پر ایسے اتہامات دھریں گے جن سے اُن کا دامن بالکل پاک ہو گا، اور وہ منافقین ہمیشہ اونچی آواز میں کہا کریں گے کہ وہی امتِ اسلامیہ کے لئے مخلص ہیں اور وہی عقل مند ہیں جو تمام امور اور ان کے انجام کار کو اچھی طرح سمجھتے ہیں، اور یہ کہ اللہ کے دین کی طرف بلانے والے، اور دینِ اسلام پر قائم رہنے والے بیوقوف، سخت گیر اور انتہاء پسند لوگ ہوتے ہیں۔

منافقوں کا ہر زمان و مکان میں یہی وطیرہ رہا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان پر غالب رہا ہے، اور اپنے دین اور اس کی طرف دعوت دینے والوں کا حامی و ناصر رہا ہے، اور غلبہ ہمیشہ نیک مومنوں کو حاصل ہو تا رہا ہے جو اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کرتے ہیں۔ اللہ نے سچ کہا ہے: ﴿يُذِيبُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَهْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مَتِّمُ نُورِهِ وَتَوَكَّرَ الْكَافِرُونَ﴾ (کفار اللہ کے نور کو اپنے منہ سے پھونک مار کر بجھانا چاہتے ہیں، اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنا چاہتے ہیں، چاہے کفار کو یہ بات کتنی ہی ناگوار گزرے) [الفہم: ۸]۔

غزوات اور فوجی دستوں سے متعلق باقی تفصیلات:

میں نے اس سے پہلے اُن اسباب و وسائل کا ذکر کیا ہے، جنہیں نبی کریم ﷺ نے کفارِ قریش کے کبر و غرور کو لگام لگانے کے لئے اختیار فرمایا تھا۔ آپ ﷺ نے مدینہ اور مکہ میں رہنے والے یہود اور مشرکینِ عرب کے

سامنے مسلمانوں کی قوت کے مظاہرے کے لئے فوجی دستے بھیجنا شروع کر دیا تھا، تاکہ مشرکین قریش عقل کے ناخن لیں اور مہاجرین و انصار مدینہ کے بارے میں اپنے ظالمانہ رویہ پر نظر ثانی کریں، اب میں مدنی سوسائٹی میں نفاق اور منافقین کی حالت بیان کرنے کے بعد دوبارہ باقی غزوات اور فوجی دستوں کی تفصیلات کی طرف عود کرتا ہوں، وباللہ التوفیق:

غزوہ ابواء یا غزوہ وڈان:

ماہ صفر ۲ء میں مدینہ آنے کے بعد بارہویں مہینہ میں نبی کریم ﷺ کو خبر ملی کہ اہل قریش کا ایک قافلہ مقام ابواء سے گزرنے والا ہے، اس لئے آپ ﷺ سعد بن عبادہ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ بنا کر ستر (۷۰) مہاجرین کے ساتھ نکل پڑے۔ اس غزوہ کا علم سفید تھا، اور اس کے اٹھانے والے حمزہ بن عبدالمطلب تھے، یہاں تک کہ آپ ﷺ وڈان یا ابواء پہنچے، ان دونوں کے درمیان صرف چھ میل کا فاصلہ ہے، لیکن قافلہ گزر چکا تھا، اس لئے آپ ﷺ کی کسی سے مدد بھیڑ نہیں ہوئی۔ اور آپ ﷺ اپنے اس سفر میں بنی ضمرہ بن بکر بن عبدمنہ بن کنانہ تک پہنچے، اور ان کے ساتھ معاہدہ امن کیا، اور ان کی طرف سے آپ ﷺ کے ساتھ معاہدہ کرنے والا خثی بن عمرو ضمری تھا، جو اس زمانے میں ان کا سردار تھا، پھر آپ مدینہ واپس آ گئے، اور وہاں ماہ صفر کے باقی ایام اور ماہ ربیع الاول کے ابتدائی دنوں میں قیام فرمایا۔ یہ نبی کریم ﷺ کا پہلا غزوہ تھا:

غزوہ بواط:

ماہ ربیع الاول ۲ء میں نبی کریم دو سو (۲۰۰) سواروں کے ساتھ قریش کے ایک قافلہ کا پیچھا کرنے کے لئے نکلے، جو سو (۱۰۰) آدمی پر مشتمل تھا، انہی میں امیہ بن خلف جمی تھا، اور ان کے ساتھ دو ہزار پانچ سو اونٹ تھے، اس غزوہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں اپنا خلیفہ سائب بن عثمان بن مظعون کو اور ایک قول کے مطابق سعد بن معاذ کو بنایا تھا، اور اس جنگ کا علم سعد بن ابی وقاص کے پاس تھا، آپ ﷺ جب رضویٰ کی طرف سے بواط پہنچے تو وہاں کسی کو نہیں پایا، آپ ﷺ نے وہاں ربیع الثانی کے باقی ایام اور جمادی الاولیٰ کے بعض ابتدائی ایام میں قیام کیا، پھر مدینہ لوٹ آئے^(۱):

غزوہ عشیمرہ:

اسی ۲ء ماہ جمادی الاولیٰ کے آخر میں آپ ﷺ ڈیرہ یادو سو مہاجرین کے ساتھ نکلے، اور کسی کو نکلنے پر

(۱) السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۳۵۶، ۲، دلائل البیہقی: ۱۰، ۳۔

مجبور نہیں کیا، یہ سب تیس اونٹوں پر باری باری سوار ہو کر سفر کرتے رہے۔ آپ ﷺ کو خبر ملی تھی کہ قریش کا ایک سے زیادہ قافلہ شام جا رہا ہے، اسی لئے آپ ﷺ نے ارادہ کیا کہ ان میں سے بعض قافلوں کو جالیں، اور مدینہ میں اپنا خلیفہ ابوسلمہ بن عبد الاسد کو بنایا اور عکرم جہاد حمزہ بن عبد المطلب کو دیا، اور سفر جاری رکھا، یہاں تک ینبع کی وادی میں مقام عثیرہ پہنچے، وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ قافلہ تو کئی دن پہلے یہاں سے آگے جا چکا ہے۔

آپ ﷺ وہاں جمادی الاولیٰ اور جمادی الآخرہ کی چند راتیں ٹھہرے رہے۔ اس مدت میں بنی مدلج اور ان کے حلیفوں سے معاہدہ امن کیا، پھر مدینہ لوٹ آئے^(۱)۔

غزوہ بدر اولیٰ:

ابن اسحاق کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کو غزوہ عثیرہ سے مدینہ واپس ہوئے ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ کرز بن جابر فہری نے مدینہ کے چراگاہ پر حملہ کر دیا، تو آپ ﷺ نے مدینہ کا خلیفہ زید بن حارثہ کو بنا کر خود اس کی تلاش میں نکل پڑے یہاں تک کہ بدر کے علاقے میں صفوان نامی وادی تک پہنچ گئے۔ اور اس غزوہ کا عکرم علی بن ابوطالب کے پاس تھا، لیکن آپ ﷺ کی کرز اور اس کے ساتھیوں سے مڈ بھڑ نہیں ہوئی، اس لئے رسول اللہ ﷺ بغیر جنگ کے ہی مدینہ واپس آ گئے اور اس غزوہ کا نام غزوہ بدر اس لئے رکھ دیا گیا کہ آپ ﷺ اس موقع سے بدر کے قریب پہنچ گئے تھے اور اس کو ”اولیٰ“ کے ساتھ اس لئے متصف کیا گیا تاکہ اس میں اور غزوہ بدر الکبریٰ میں تفریق کیا جائے، جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مومنوں کو ابوسفیان اور مشرکوں پر نصرت عطا کی تھی^(۲)۔

سریہ عبد اللہ بن جحش:

یہ فوجی دستہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے غزوہ بدر الکبریٰ کا ایک پیش خیمہ تھا، اس لئے کہ یہ سریہ ماہ رجب ۲ھ میں نکلا تھا، اور غزوہ بدر الکبریٰ اسی سال ماہ رمضان میں ہوا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ابو عبیدہ عامر بن جراح کو آٹھ آدمی کے ساتھ مقام نخلہ کی طرف بھیجے کا ارادہ کیا، جو مکہ اور طائف کے درمیان ہے۔ جب سریہ کی تیاری ہو گئی اور سفر کا ارادہ کیا تو ابو عبیدہ، رسول اللہ ﷺ سے جدائی کے تصور سے رونے لگے۔ اس لئے وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رک گئے اور آپ ﷺ نے ان آٹھوں اشخاص کو عبد اللہ بن جحش اسدی کے ساتھ بھیجا جو اوائل مسلمین میں سے تھے اور پہلے ہجرت کر کے حبشہ گئے تھے، پھر مدینہ آ گئے۔ آپ ﷺ نے ان کے لئے ایک پوشیدہ خط لکھا اور حکم دیا کہ وہ اسے فلاں

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۵۹۹، ۶۰۰، السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۳۶۱/۲-۳۶۳، صحیح السیرۃ النبویہ، ابراہیم: ۲۱۴۔

(۲) سیرۃ ابن ہشام: ۶۰۱/۱۔

جگہ پہنچنے سے پہلے نہ پڑھیں، نیز یہ کہا: تم اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو خط سننے کے بعد اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہ کرنا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں: جب عبد اللہ نے دودن کا راستہ طے کر لیا تو خیل کو کھولا، لکھا تھا کہ جب تم میرا یہ خط دیکھو، تو آگے چلو، یہاں تک کہ مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ نامی مقام تک پہنچ جاؤ، وہاں پہنچ کر کفار قریش کے بارے میں معلومات جمع کرو۔

عبد اللہ بن جحش نے خط پڑھنے کے بعد کہا: ہم نے آپ ﷺ کی بات سنی اور ہم آپ ﷺ کے فرمانبردار ہیں، اور اپنے ساتھیوں کو خط کے مضمون سے آگاہ کیا، اور کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے تم میں سے کسی کو آگے چلنے پر مجبور کرنے سے منع فرمایا ہے، اس لئے تم میں سے جو شخص شہادت کی تمنا رکھتا ہے، وہ آگے بڑھے، اور جو اسے ناپسند کرتا ہے وہ لوٹ جائے، البتہ میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کو بجالانے کے لئے آگے بڑھوں گا۔

چنانچہ وہ اور ان کے تمام ساتھی آگے بڑھے، کوئی بھی پیچھے نہ رہا، اور حجاز کی طرف بڑھتے رہے، یہاں تک کہ جب فرع نامی مقام کے بالائی علاقہ میں بحران نام کے معدن کے پاس پہنچے تو سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوہ کا ایک اونٹ گم ہو گیا، جس پر یہ دونوں باری باری سوار ہوتے تھے، اس لئے وہ دونوں اس کی تلاش میں پیچھے رہ گئے، اور عبد اللہ بن جحش باقی ساتھیوں کے ساتھ نخلہ پہنچ گئے۔

وہاں سے قریش کا ایک قافلہ گزرا جس میں عمرو بن الحضرمی، عثمان بن عبد اللہ بن مغیرہ مخزومی، اس کا بھائی نوفل اور حکم بن کیسان (ہشام بن مغیرہ کا آزاد کردہ غلام) تھے۔ ان لوگوں نے ابن الحضرمی کو قتل کر دیا، اور عثمان بن عبد اللہ اور حکم بن کیسان کو قیدی بنالیا، اور نوفل بن عبد اللہ بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ واقعہ ماہ رجب کی پہلی تاریخ کو ہوا تھا، اور یہ لوگ جان نہ سکے کہ وہ دن ماہ رجب کا تھا یا جمادی الثانیہ کا۔

اور عبد اللہ بن جحش اور ان کے ساتھی قافلے کا ساز و سامان اور دونوں قیدیوں کو لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ واپس آ گئے۔ اور عبد اللہ بن جحش نے اس مال غنیمت کا پانچواں حصہ رسول اللہ ﷺ کے لئے الگ کر کے باقی کو اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔ اور یہ رسول اللہ ﷺ کے لئے مال غنیمت کا پانچواں حصہ دیئے جانے کے نزول حکم سے پہلے کا ہے، اور جب یہ حکم اللہ کی طرف سے نازل ہوا تو عبد اللہ بن جحش کی تقسیم کے مطابق تھا۔

ابن ہشام کہتے ہیں: یہ پہلا مال غنیمت تھا جو مسلمانوں کو حاصل ہوا، اور عمرو بن حضری پہلا کافر تھا جسے مسلمانوں نے قتل کیا اور عثمان بن عبد اللہ اور حکم بن کیسان پہلے دو قیدی تھے جنہیں مسلمانوں نے قید کیا۔

جب یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے تمہیں شہر حرام میں جنگ کی اجازت نہیں دی تھی، پھر آپ ﷺ نے اس ساز و سامان اور دونوں قیدیوں کے سلسلے میں توقف کیا، اور اس میں سے کچھ

لینے سے انکار کر دیا، تو ان مجاہدین کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے، اور انہیں گمان ہوا کہ وہ ہلاک ہو گئے، اور اہل قریش کہنے لگے: محمد اور اس کے ساتھیوں نے شہر حرام کو حلال بنا لیا، اور اس میں خون بہانے کو مباح کر لیا، انہوں نے ماہ حرام میں ہمارا مال لوٹ لیا، اور ہمارے لوگوں کو قیدی بنالیا تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا﴾ (لوگ آپ سے حرمت والے مہینے کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس میں قتال کرنا کیسا ہے، آپ کہہ دیجئے کہ اس میں قتال کرنا بڑا گناہ ہے، اور اللہ کی راہ سے (لوگوں کو) روکنا ہے، اور اس کا انکار کرنا ہے، اور مسجد حرام سے روکنا، اور مسجد حرام والوں کو وہاں سے نکال باہر کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ بڑا گناہ ہے، اور (اہل توحید کو ان کے دین و عقیدہ کے بارے میں) آزمائش میں ڈالنا قتل سے بڑا گناہ ہے، اور (اے مسلمانو!) اہل کفر تم سے جنگ کرتے رہیں گے، حتیٰ کہ اگر ان کی استطاعت میں ہو تو تمہیں تمہارے دین سے مرتد کر دیں گے) [البقرہ: ۲۱۷]۔ یعنی اے مومنو! اگر تم لوگوں نے شہر حرام میں ان کے ایک آدمی کو قتل کر دیا ہے تو انہوں نے تمہیں اللہ کے راستے سے روکا ہے، اور اللہ کا انکار کیا ہے، اور مسجد حرام سے روکا ہے، اور وہاں سے تمہیں اور تمہارے اہل و عیال کو نکال دیا ہے، اور یہ سب جرائم اللہ کے نزدیک ان میں سے ایک کے تمہارے ذریعہ قتل کئے جانے سے کہیں زیادہ بڑے ہیں، اور مسلمانوں کو آزمائش میں ڈالنا تو قتل سے زیادہ بڑا ظلم ہے، یعنی وہ لوگ مسلمانوں کو ان کے دین کے سلسلے میں ابتلاء و آزمائش میں ڈالتے رہے ہیں، تاکہ انہیں ایمان کے بعد دوبارہ کفر کی طرف لوٹا دیں، اور یہ جرم اللہ کے نزدیک قتل سے زیادہ بڑا ہے۔

جب قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ نے مسلمانوں کے دل و دماغ سے اللہ کی ناراضگی کا خوف نکال دیا تو رسول اللہ ﷺ نے قریشی قافلہ کا ساز و سامان اور دونوں قیدیوں کو رکھ لیا اور قریش نے جب ان دونوں کے بدلے فدیہ دینا چاہا تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، یہاں تک کہ ہمارے دونوں ساتھی واپس آجائیں۔ ہم ان کے بارے میں تم سے ڈرتے ہیں، اگر تم انہیں قتل کر دو گے، تو ہم تمہارے دونوں آدمیوں کو قتل کر دیں گے، پھر سعد اور عتبہ واپس آئے، تو آپ ﷺ نے ان دونوں قیدیوں کے بدلے فدیہ قبول کر لیا، اس کے بعد حکم اسلام لے آئے اور اپنے اسلام پر ثابت قدم رہے، اور رسول اللہ ﷺ کے پاس رہنے لگے یہاں تک کہ بزمعونہ کے دن شہید ہو گئے، البتہ عثمان مکہ چلا گیا اور وہاں حالت کفر میں مر گیا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: جب عبد اللہ بن جحش اور ان کے ساتھیوں کا غم نزول قرآن کے بعد زائل ہوا تو اللہ

سے اجر کی لالچ کرنے لگے، اور کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم اس بات کی توقع رکھیں کہ ہمیں اس غزوہ کے بدلے مجاہدین کا اجر ملے گا، تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَةَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (بے شک جو لوگ ایمان لائے، اور اللہ کے لئے اپنا گھر بار چھوڑا، اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، وہی لوگ اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں، اور اللہ بڑا مغفرت کرنے والا اور بڑا مہربان ہے) [البقرہ: ۲۱۸]۔ اس آیت کو سن کر مجاہدین کو اللہ کی جانب سے بڑے اجر کی امید ہو گئی۔

اور امام احمد نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے اس سریہ کے واقعہ کی روایت کی ہے اور بیان کیا ہے کہ اس سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے سعد بن ابی وقاص کو بنو کننہ کے ایک محلے پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا تھا، اور وہ سب مدینہ الگ الگ واپس آئے تھے، تو آپ ﷺ نے انہی سب کو جمع کر کے عبد اللہ بن جحش کی امارت میں نخلہ نامی مقام کی طرف بھیجا تھا، چنانچہ عبد اللہ عبد اسلام میں پہلے امیر ہوئے تھے ^(۱)۔

تبدیلِ قبلہ :

رسول اللہ ﷺ مدینہ آنے کے بعد سولہ ماہ تک اپنی نمازیں بیت المقدس کی طرف رخ کر کے ادا کرتے رہے، اور دل سے چاہتے تھے کہ آپ ﷺ کا رخ کعبہ کی طرف پھیر دیا جائے، اور آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے کہا: میں چاہتا ہوں کہ اللہ میرے چہرے کو یہود کے قبلہ سے پھیر دے، تو جبریل نے کہا: میں اللہ کا صرف ایک بندہ ہوں، آپ اپنے رب سے دعا کیجئے اور اس سے مانگئے، اس کے بعد آپ ﷺ اپنا چہرہ مبارک امید لگائے آسمان کی طرف بار بار اٹھانے لگے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر نازل فرمایا: ﴿قَدْ نَرَى تَصَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ (ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ کا چہرہ بار بار آسمان کی طرف اٹھ رہا ہے، اس لئے ہم آپ کو اُس قبلہ کی طرف ضرور پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں، پس آپ اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر لیجئے) [البقرہ: ۱۴۴]۔ اور اللہ نے آپ کا چہرہ مبارک بیت الحرام کی طرف پھیر دیا۔ یہ واقعہ جنگ بدر سے دو ماہ پہلے کا ہے۔

بیت المقدس سے کعبہ کی طرف تبدیلی قبلہ میں بہت سی عظیم حکمتیں تھیں، نیز اس میں مسلمانوں، مشرکوں اور یہود و منافقین کے لئے بڑی آزمائش تھی، مسلمانوں نے کہا: ہم نے سن لیا اور اطاعت کی اور کہا: ﴿أَمَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾ (ہم اُس پر ایمان لے آئے، سب ہمارے رب کی طرف سے ہے) [آل عمران: ۷۷]۔ اور مشرکوں نے کہا: جب محمد ہمارے قبلہ کی طرف لوٹ گیا ہے تو عنقریب ہے کہ وہ ہمارے دین کی طرف بھی لوٹ

(۱) دیکھیے: دلائل النبوی: ۱۳/۳، السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۳/۲۳۶، سیرۃ ابن ہشام: ۶۰۱/۱۔

جائے گا، اور یہود نے کہا: محمد نے گزشتہ انبیاء کی مخالفت کی ہے، اگر وہ نبی ہوتا تو گزشتہ انبیاء کے قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتا، اور منافقین نے کہا: محمد کو پتہ ہی نہیں کہ وہ اپنا رخ کدھر کرے، اگر پہلا قبلہ حق تھا تو اسے اس نے چھوڑ دیا، اور اگر دوسرا حق ہے تو پہلے سے وہ باطل پر تھا، اس طرح بے وقوفوں کے قیل و قال کی کثرت ہو گئی، اور قبلہ کا موضوع اللہ کی طرف سے اس کے بہت سے بندوں کی آزمائش کا سبب بن گیا، تاکہ پتہ چلے کہ کون رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرتا ہے اور کون اُن کی مخالفت کرتا ہے^(۱)۔

رمضان کے روزے، صدقہ فطر، عیدین کی نماز اور قربانی:

اسی ۲ھ ماہ شعبان میں اللہ تعالیٰ نے ماہ رمضان کے روزے فرض کئے، اس سے پہلے رسول اللہ ﷺ ہر ماہ میں تین روزے رکھتے تھے۔ اور ابن سید الناس نے عائشہ ابن عمر اور ابو سعید خدری کے حوالے سے لکھا ہے کہ رمضان کے روزے تبدیلی قبلہ کے ایک ماہ بعد، اور رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے اٹھارہویں ماہ کی ابتدا میں شعبان میں فرض ہوئے، اور اللہ کے رسول نے اسی سال صدقہ فطر کا حکم دیا۔ یہ حکم زکاة کی فرضیت سے پہلے صادر ہوا، اور آپ ﷺ نے عید کے دن خطبہ سے پہلے دو رکعت نماز پڑھی، اور قربانی کے دن بھی عید کی نماز پڑھی اور قربانی کا حکم دیا، اور آپ ﷺ مدینہ میں دس سال تک رہے اور ہر سال قربانی کرتے رہے۔ اور آپ ﷺ عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے بغیر اذان و اقامت کے پڑھتے تھے^(۲)۔

فرضیت زکاة:

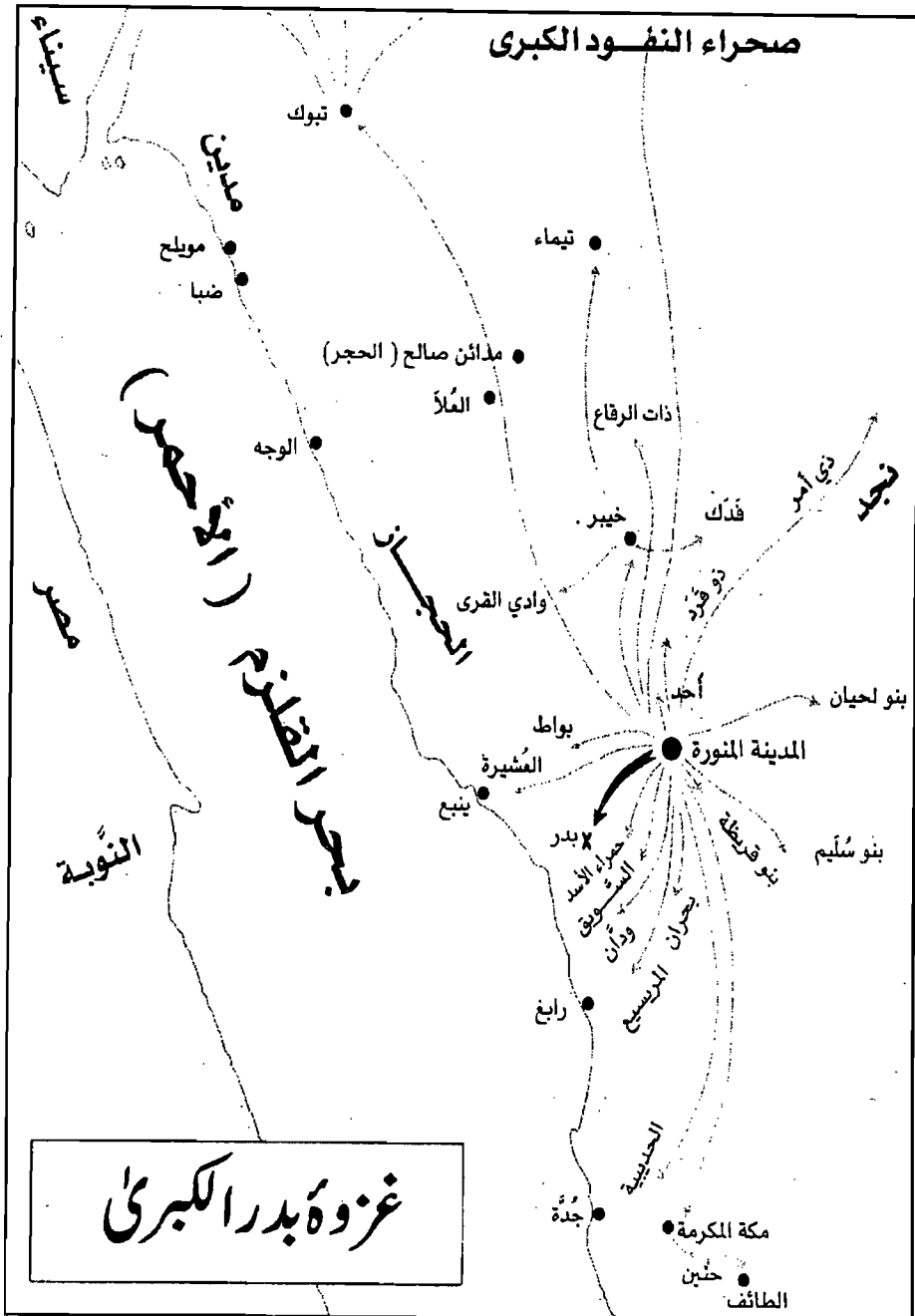
ابن کثیر کہتے ہیں: اور اسی ۲ھ میں بہت سے متاخرین علماء کے قول کے مطابق مال میں زکاة فرض کی گئی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا﴾ (آپ ان کے اموال کی زکاة وصول کیجئے تاکہ اُن کو پاک کیجئے، اور اُس کے ذریعہ اُن کے باطن کا تزکیہ کیجئے) [التوبہ: ۱۰۳]۔ اور نبی کریم ﷺ نے زکاة کا وقت، اُس کی مقدار اور اس کا نصاب بیان فرمایا، اور یہ کہ زکاة کس پر واجب ہوتی ہے اور کسے دی جائے؟ پھر آپ ﷺ نے چار قسم کے مال میں زکاة فرض کیا:

۱- کاشتکاری اور پھلوں کے باغات۔ (۲) جانور یعنی اونٹ، گائے اور بکری۔ (۳) وہ دونوں قیمتی جواہر جن پر دنیا اعتماد کرتی ہے یعنی سونا اور چاندی۔ (۴) مالی تجارت (مختلف اقسام کے) اور اللہ نے اسے ہر سال ایک بار واجب کیا ہے اور کھیتوں کی پیداوار اور پھلوں کا سال اس کے تیار ہونے اور پک جانے کو بتایا۔

(۱) دیکھئے: تبدیلی قبلہ سے متعلق احادیث، صحیح البخاری، کتاب التفسیر میں، اور صحیح مسلم، کتاب المساجد میں، اور دیکھئے زاد المعاد: ۳/۵۷-۵۸،

اور السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۲/۴۲۳، ۳/۴۳، اور عیون الآثار: ۱/۲۳۸-۲۳۹۔

(۲) السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۲/۴۸۸-۴۸۹، ۳/۴۹، عیون الآثار: ۱/۳۸۸۔



غزوہ بدر الکبریٰ^(۱)

غزوہ بدر نام رکھے جانے کا سبب:

یہ معرکہ ”بئر بدر“ کے پاس واقع ہوا، جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے، اس کنواں کو بنی غفار کے ایک آدمی بدر ابن قریش نے کھودا تھا، اسی لئے اس نام سے مشہور ہو گیا، بلکہ وہ جگہ بھی اسی نام سے مشہور ہو گئی، اور ایمان اور کفر کے درمیان یہ فیصلہ کن جنگ بھی اسی نام سے مشہور ہو گئی۔ یہ جگہ مدینہ سے ایک سو ساٹھ کیلو میٹر دور ہے۔

بدر کی جغرافیائی حالت:

یہ ریتیلی نرم زمین ہے، اس وادی میں پانی کی ایک نہر بہتی ہے جو مشرق سے مغرب کی طرف جاتی ہے، یہی نہر کہیں کہیں کٹ کر بہت سے کنوؤں کی شکل اختیار کر لئے ہوئی ہے، جنہیں مسافر لوگ اپنی ضرورت کے مطابق پتھروں سے گھیر کر حوض کی شکل دیتے رہے ہیں۔

اس غزوہ کی اہمیت:

۱- یہی وہ غزوہ ہے جس میں مسلمانوں کو حقیقی فتح و نصرت حاصل ہوئی، اور جس میں بہت کم مسلمان مارے گئے، اور انہیں کوئی رعب و خوف لاحق نہیں ہوا، برخلاف غزوہ خندق کے۔

۲- اسی غزوہ کے ذریعہ دعوتِ اسلامیہ کے انجام کا اس کی نئی جگہ (مدینہ منورہ) میں صحیح تعین و تقرر ہوا اور یہی معرکہ درحقیقت تاریخِ دعوتِ اسلامیہ کے دو دور کے درمیان حد فاصل ہے، یعنی آزمائش و صبر اور قوت و حرکت کے درمیان، اور اسی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کے درمیان واضح تفریق پیدا کر دی۔

۳- اس معرکہ کی اہمیت کا علم اس سے ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اُس دن قبلہ رخ ہو کر اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر - جب جنگ جاری تھی - اپنے اللہ سے مناجات کرتے ہوئے کہا: اے میرے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اسے آج پورا کر دکھا، اے میرے اللہ! تو نے جو مجھ سے وعدہ کیا ہے وہ مجھے آج عطا کر، اے میرے اللہ! اگر تو نے اہل اسلام کی اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر زمین میں تیری عبادت نہیں ہوگی۔ آپ ﷺ مسلسل اپنے رب سے نہایت گریہ و زاری کے ساتھ دعا کرتے رہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی چادر آپ کے کندھے

(۱) اس غزوہ کی تفصیلات سیرۃ ابن ہشام، دلائل النبوت، سیرۃ ابن کثیر، الاکتفاء، الحیاء العسکریہ، السیرۃ النبویۃ، الصحیحہ و اکثر اکرام ضیاء عمری، غزوات النبی و اکثر سید جمہلی، اور کتاب سرایا اور غزوات الرسول کمال، مختصر سے ماخوذ ہیں۔

سے نیچے گر گئی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور چادر آپ ﷺ کے کندھے پر ڈال دی، پھر آپ کے پیچھے چپک گئے اور کہا: اے اللہ کے نبی (ﷺ)! آپ نے اپنے رب سے بہت مانگ لیا، وہ یقیناً آپ سے کئے گئے وعدے کو پورا کرے گا، تو اللہ عز و جل نے نازل فرمایا: ﴿إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَنْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدَفِينَ﴾ (جب تم لوگ اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، تو اس نے تمہاری سن لی اور کہا کہ میں ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ تمہاری مدد کروں گا جو یکے بعد دیگرے اترتے رہیں گے) [الأنفال: ۹۰]۔

۴- اور اس غزوہ کے دُور رس نتائج میں سے یہ تھا کہ اس کے ذریعہ اہل قریش پر اقتصادی پابندی لگ گئی، اور وہ راستہ بند ہو گیا جس پر چل کر وہ اپنی تجارت کے لئے ملکِ شام جایا کرتے تھے، وہ راستہ مکہ سے ساحلِ بحرِ احمر اور تبوک ہوتا ہوا دمشق تک جاتا تھا^(۱)۔

غزوہ کا سبب:

نبی کریم ﷺ کو خبر ملی کہ قریشیوں کا ایک بڑا تجارتی قافلہ شام سے لوٹ رہا ہے، جس کی قیادت ابوسفیان کر رہا ہے، اور جس کے پاس قریش کی بھاری دولت موجود ہے آپ ﷺ نے مسلمانوں کو ان کا پیچھا کرنے کے لئے بھیجا اور فرمایا: یہ قریشیوں کا قافلہ ہے، اس میں ان کی بہت بڑی دولت ہے، تم لوگ اس کا پیچھا کرو، شاید اللہ تعالیٰ وہ دولت تمہیں دلا دیں۔

اس قافلہ میں ایک ہزار اونٹ انواع و اقسام کے اموال سے لدے بھرے تھے، جن کی قیمت پچاس ہزار سونے کے دینار سے کم نہیں تھی، اور قافلہ کے ساتھ صرف چالیس کے قریب گنران تھے۔

صحابہ کرام چل پڑے، بعض لوگ بغیر ہتھیار لئے چل پڑے، اور بعض لوگ ہتھیاروں کے ساتھ، اس لئے کہ ان کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو دشمنوں سے جنگ کی نوبت آئے گی۔ ابوسفیان جب حجاز سے قریب ہوا تو خبروں کی ٹوہ میں رہنے لگا، اور مارے ڈر کے ہر آنے جانے والے سے پوچھنے لگا، یہاں تک کہ بعض مسافروں کے ذریعہ اس کو یہ خبر مل گئی کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو اس کے اور اس کے قافلے کی تلاش میں بھیجا ہے، اس لئے وہ بہت ہی محتاط ہو گیا، اور ضمضم بن عمرو غفاری کو اجرت دے کر مکہ بھیجا، تاکہ قریشیوں کو اس کی خبر دے، اور انہیں اپنا مال بچانے کے لئے جلدی آنے کو کہے۔ ضمضم تیزی کے ساتھ مکہ پہنچا، اور اپنے دونوں کان زخمی کر کے اپنے اونٹ پر کھڑا ہو گیا، اور اپنی قمیص آگے اور پیچھے سے پھاڑ دی، اور اپنی سواری کا رخ

پھیر دیا اور کہنے لگا: اے اہل قریش! اللطیمہ، اللطیمہ (یعنی اپنے چہروں پر طمانچہ لگاؤ) تمہارے اموال جو ابوسفیان کے ساتھ ہیں، انہیں لوٹنے کے لئے محمد اپنے ساتھیوں کے ساتھ نکل پڑا ہے، میرا خیال ہے کہ اب تم لوگ اس قافلے کو نہیں پاسکو گے، دوڑو، مدد کے لئے دوڑو!

اس طریقہ سے ضمیمہ پورے اہل مکہ کو گھبرا دینے میں کامیاب ہو گیا، ان سب کے دل اپنے قافلے اور اپنی تجارت کے بارے میں خوف و ناامیدگی سے بھر گئے، اور مسلمانوں کے خلاف ان کا کینہ بڑھ گیا، چنانچہ اہل قریش فوراً تیار ہوئے اور مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے نکل پڑے، اور ان کے لیڈروں میں سے کسی نے بھی سستی نہیں کی۔

قریشی قافلہ کی مزید خبریں:

نبی کریم ﷺ نے مدینہ سے نکلنے سے پہلے اپنے دو صحابی طلحہ بن عبید اللہ اور سعید بن زید کو قریشی قافلے کی مزید خبریں لانے کے لئے بھیجا، یہ دونوں بنیع کے قریب مقام خوراء میں ایک دیہاتی کے پاس گئے، اور اس کے پاس چھپ کر قیام کیا، اور جب قافلہ وہاں سے گزرا تو وہ دونوں فوراً مدینہ واپس آئے، ان کا خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ اب تک مدینہ ہی میں ہیں، تاکہ آپ ﷺ کو قافلے سے متعلق تفصیلات بتائیں۔

لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کا اور قافلے سے متعلق مزید خبروں کا انتظار نہیں کیا، بلکہ ۸ رمضان المبارک سن دو ہجری کو تین سو تیرہ (۳۱۳) صحابہ کرام کے ساتھ روانہ ہو گئے، اُن کے پاس ستر اونٹ اور دو گھوڑے تھے۔

ابوسفیان قافلہ سے آگے بڑھ کر ”بدر“ نامی کنواں کے پاس پہنچا، اور مجدی بن عمرو سے پوچھا: کیا تم نے کسی آدمی کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا: میں نے کسی اجنبی آدمی کو نہیں دیکھا ہے، البتہ دو سوار کو دیکھا جنہوں نے اس ٹیلے کے پاس اپنی اونٹنی بیٹھائی، پھر اپنے گھڑا سے پانی پیا، پھر چل پڑے۔ یہ سن کر سفیان اس جگہ پہنچا اور اونٹوں کا گوبر لے کر اسے توڑا تو اس میں اونٹ کی گٹھلی ملی، اس نے کہا: اللہ کی قسم یہ میگنیاں یثرب کی نشانیاں ہیں، چنانچہ وہ فوراً اپنے ساتھیوں کے پاس واپس گیا، اور قافلے کے رخ کو ساحل سمندر کے راستے سے پھیر دیا، اور مقام بدر کو چھوڑ کر تیزی کے ساتھ آگے بڑھا۔ اور جب ابوسفیان کو یقین ہو گیا کہ اس نے اپنے قافلے کو بچالیا، تو فوراً قریش کو خبر بھیجی کہ تم لوگ اپنے قافلے، اپنے لوگوں اور اپنے اموال کو بچانے کے لئے نکلے تھے، اللہ نے ان سب کو نجات دے دی، اس لئے تم لوگ لوٹ جاؤ، لیکن انہوں نے اس کی بات نہیں مانی اور جذبات میں آکر کہنے لگے: کیا محمد اور اس کے ساتھی سمجھتے ہیں کہ ہمارا قافلہ بھی ابن الحضرمی کے قافلہ جیسا ہوگا؟ اللہ کی قسم! ہرگز نہیں، وہ جلد ہی حقیقت کو جان لے گا۔ چنانچہ تمام اہل قریش کی حالت یہ تھی کہ یا تو ہر شخص جنگ کے لئے خود نکلا، یا اپنی جگہ

کسی آدمی کو بھیجا قریش نے جنگ کی خوب تیاری کی، اور لوگوں کو خوب ابھارا، اسی وجہ سے ان کے سرداروں میں سے ابو لہب کے سوا کوئی پیچھے نہ رہا۔ ابو لہب نے اپنے بدلے ایک آدمی کو بھیجا جو اس کا مقروض تھا، اور اہل قریش نے اپنے ارد گرد رہنے والے قبائل عرب کو بھی جمع کیا، اور قریشی خاندانوں میں سے کوئی پیچھے نہ رہا سوائے بنی عدی کے، ان کا کوئی آدمی ان کے ساتھ نہیں نکلا۔

اور امیہ بن خلف نے پیچھے رہنا چاہا جو ان میں ایک محترم عمر رسیدہ اور بھاری بھر کم جسم والا آدمی تھا، لیکن عقبہ بن ابی معیط نے اسے عار دلایا، اور اس کے سامنے جب وہ لوگوں کے ساتھ کعبہ کے پاس بیٹھا تھا، ایک عود دان رکھ کر کہا: اے ابو علی! یہ لو عود کی خوشبو سونگھو، اس لئے کہ تم عورت ہو، یہ سن کر وہ بھی تیار ہو کر لوگوں کے ساتھ نکل پڑا، اور عقبہ بن ربیعہ (جو مشرکوں کا سردار تھا) نے بھی مکہ میں رُک جانا چاہا، تو اس کے بھائی شبہ نے کہا: اگر ہم اپنی قوم سے جدا ہوئے تو یہ ہمارے لئے گالی ہوگی، اس لئے تم اپنی قوم کے ساتھ ضرور چلو، چنانچہ وہ بھی ان کے ساتھ چل پڑا۔

اور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو ابوسفیان کے تجارتی قافلہ کو پالینے کے لئے جلد نکلنے کا حکم دیا، اور فرمایا کہ جس کے پاس سواری موجود ہے، وہ فوراً نکل چلے، اور کوئی خاص اہتمام نہیں کیا، اس لئے کہ آپ نے مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان فوجی ٹڈ بھڑکی نہیں سوچی تھی۔ اور آپ ﷺ نے مدینہ میں پنجگانہ نماز کے لئے ابن ام مکتوم کو نائب بنادیا، جب آپ ﷺ مقام روحاء پر پہنچے تو ابو لہب بن عبد المذکر کو مدینہ کا نائب بنا کر واپس بھیج دیا۔ اور علم جہاد مصعب بن عمیر کو تھمایا، اور ایک جھنڈا علی بن ابوطالب کو، اور انصار کا جھنڈا اسعد بن معاذ کو دیا، اور فوج کے پیچھے حصہ پر قیس بن ابی صعصعہ کو متعین کیا، اور تیز تیز چلنے لگے تاکہ قریشی قافلہ نکل نہ جائے۔

یہی وجہ ہے کہ معرکہ بدر میں مسلمانوں کی فوج ان کی پوری عسکری طاقت کی نمائندگی نہیں کر رہی تھی۔ اور عکرمہ نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عدی بن زغباء اور بسبس بن عمرو کو راستہ کی دیکھ بھال کرنے والے فوجی دستہ کے طور پر بدر روانہ کر دیا تھا، تاکہ یہ دونوں قافلہ کی خبریں جمع کریں، چنانچہ وہ دونوں آپ ﷺ کے پاس تفصیلات لے کر لوٹ گئے تھے^(۱)۔

عاتکہ بنت عبد المطلب کا خواب:

ابن عباس اور عروہ بن زبیر کی روایت ہے کہ عاتکہ بنت عبد المطلب نے خواب دیکھا کہ ایک آدمی نے قریش کو آگاہ کیا، اور جبل ابی قیس کی چوٹی سے ایک چٹان نیچے گرایا جو ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا، اور اس کے ذرات تمام

اہل قریش کے گھروں میں داخل ہو گئے۔ عاتکہ نے اپنا یہ خواب عباس اور ابو جہل کو سنا کر ان کے اعصاب کو برا بیچنے کر دیا، نیز مضمضہ نے آکر وہ اعلان کیا جو ابھی گزر چکا ہے، اور تمام اہل مکہ کو خوفزدہ کر دیا۔

قریشیوں نے اپنی پوری فوجی طاقت اکٹھی کی، اور وہ شدید غصہ کی حالت میں تھے، اور سمجھتے تھے کہ ان کے قافلے کا راستہ روکنا ان کی بے عزتی ہے، اور سارے عرب میں ان کے رعب و دبدبہ کو چیلنج کرنا ہے۔ اور مشرکین کی فوج کی تعداد ایک ہزار تھی، اور ان کے ساتھ دو سو گھوڑے تھے، اور ان کے ساتھ ان کی لونڈیاں بھی تھیں، جو دف بجا کر مسلمانوں کی ہجو میں گیت گارہی تھیں، اور اہل قریش کے مالدار لوگ فوج کو کھانا کھلانے کے لئے روزانہ کبھی نو اور کبھی دس اونٹ ذبح کرتے تھے^(۱)۔

جہیم بن الصلت کا خواب:

قریش کے لوگ جب مقام جُحہ پر پہنچے تو جہیم بن الصلت بن مخرمہ بن المطلب بن عبد مناف نے ایک خواب دیکھا کہ میں نے ایک گھوڑ سوار کو دیکھا جو سامنے آکر رُک گیا، اور اس کے ساتھ اس کا ایک اونٹ بھی تھا، پھر کہا: قتل کر دیئے گئے، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالحکم بن ہشام، امیہ بن خلف اور فلاں اور فلاں۔ اس نے ان سرداران قریش کے نام گنائے جو غزوہ بدر میں قتل کر دیئے گئے۔ پھر دیکھا کہ اس نے اپنے اونٹ کی گردن پر چابک مارا اور اسے فوج میں چھوڑ دیا، تو اس کے خون کے چھینٹے فوج کے ہر خیمے میں پہنچے۔ جہیم کا بیان ہے کہ جب ابو جہل کو اس خواب کی خبر ملی تو اس نے کہا: اور یہ دیکھو، اب بنو المطلب میں بھی ایک نبی نکلا، کل اُسے معلوم ہو جائے گا جب ہماری مڈ بھیڑ ہوگی کہ مقتول کون ہے^(۲)۔

مشرکین مکہ کو اخنس بن شریق کی نصیحت:

جب مشرکوں کی فوج رابغ کے مشرق میں جُحہ کے مقام پر پہنچی تو انہیں اخنس بن شریق ثقفی نے (جو بنی زہرہ کا حلیف تھا) ان کو نصیحت کی کہ وہ مکہ لوٹ جائیں، اس لئے کہ تجارتی قافلہ مکہ پہنچ چکا ہے، لیکن انہوں نے اس کی نصیحت پر دھیان نہیں دیا، سوائے بنی زہرہ کے جنہوں نے اخنس بن شریق کی بات مان لی، جو ان کے درمیان قابل احترام آدمی تھا، اور واپس چلے گئے، چنانچہ ایک زہری بھی معرکہ بدر میں شریک نہیں ہوا۔ اسی طرح بنو عدی ابن کعب کے لوگ بھی نہیں نکلے۔ اور طالب بن ابوطالب مکہ لوٹ جانے کے بارے میں پس و پیش میں تھا،

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۱/۶۰۸، ۶۰۹۔

(۲) سیرۃ ابن ہشام: ۱/۶۱۸، الخیۃ العسکریہ: ص ۳۴۔

چنانچہ بعض قریشیوں کے ساتھ اس بارے میں اس کی تلخ کلامی بھی ہوئی۔ قریشیوں نے کہا: اے بنو ہاشم! ہم تمہیں اچھی طرح جانتے ہیں، اگرچہ تم ہمارے ساتھ نکلے ہو، لیکن دل سے تم محمد کے ساتھ ہو۔ اس بات پر طالب ناراض ہوا اور مکہ لوٹ جانے والوں کے ساتھ لوٹ گیا۔

مختصر یہ کہ مشرکین کی فوج آگے بڑھی، یہاں تک کہ بدر کے علاقے میں پہنچ گئی^(۱)۔

صحابہ کرام سے آپ ﷺ کا مشورہ:

اور جب بسبس اور عدی جنہیں آپ ﷺ نے ابوسفیان اور اس کے قافلے کی خبریں جمع کرنے کے لئے بھیجا تھا، رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آگئے، تو آپ مقام صفاء سے جہاں آپ ٹھہرے تھے، آگے چلے، یہاں تک کہ ذفران نامی وادی میں پہنچے، وہاں آپ نے قیام کیا، اور آپ کو قریش کے بارے میں خبر مل چکی تھی کہ وہ اپنے قافلے کی حمایت کے لئے نکل پڑے ہیں، آپ ﷺ نے صحابہ کو یہ خبر سنائی اور ان سے مشورہ کیا، پہلے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور اچھی بات کہی، پھر عمر بن الخطاب کھڑے ہوئے اور اچھی بات کہی، پھر مقداد بن عمرو کھڑے ہوئے اور کہا: یا رسول اللہ! آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو خبر دی ہے، اس پر عمل کیجئے، ہم آپ کے ساتھ ہیں، اللہ کی قسم! ہم آپ سے وہ بات نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ تم اور تمہارا رب جاؤ، اور جنگ کرو، ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے۔ ہم تو یہ کہتے ہیں: آپ اور آپ کا رب آگے بڑھیئے، قتال کیجئے، ہم سب آپ ﷺ کے ساتھ قتال کریں گے، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو دین برحق دے کر بھیجا ہے، اگر آپ ہمیں لے کر برک الغماؤ کی طرف چلیں گے تو ہم آپ ﷺ کے ساتھ صبر و ثبات قدمی کے ساتھ آگے بڑھیں گے، یہاں تک کہ آپ وہاں پہنچ جائیں گے، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے اچھے کلمات کہے، اور دعا کی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ مجھے مشورہ دو (اور آپ ﷺ کی مراد انصار سے تھی) اور ایسا آپ ﷺ نے اس لئے کہا کہ اس فوج میں انہی کی تعداد زیادہ تھی، اور انہوں نے بیعت العقبہ کے وقت کہا تھا: یا رسول اللہ (ﷺ)! ہم آپ کی حفاظت ویسے ہی کریں گے جیسے اپنی اولاد اور اپنی عورتوں کی کرتے ہیں، دراصل رسول اللہ ﷺ کو ڈر تھا کہ کہیں انصارِ مدینہ کے ذہن میں یہ بات نہ ہو کہ وہ آپ کی مدد اس وقت کریں گے جب آپ کا دشمن مدینہ پر حملہ کر دے، اور یہ کہ بیعت العقبہ کے دفعات کے مطابق ان پر یہ ضروری نہیں کہ رسول اللہ ﷺ انہیں ان کے شہر سے نکال کر کسی دشمن سے لڑنے کے لئے لے جائیں، اس لئے جب رسول اللہ ﷺ نے یہ بات کہی تو سعد بن معاذ نے کہا: اللہ کی قسم! گویا آپ کی مراد ہم ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، تو سعد نے کہا: ہم آپ پر ایمان لائے ہیں اور آپ کی تصدیق کی ہے اور ہم نے گواہی دی ہے کہ آپ جو

دین لے کر آئے ہیں، وہ برحق ہے اور ہم نے آپ سے فرمانبرداری اور طاعت گزاری کا عہد و پیمان کیا ہے، اس لئے اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ اپنے ارادے کے مطابق آگے بڑھئے، ہم آپ کے ساتھ ہیں، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو دین برحق کے ساتھ بھیجا ہے، اگر آپ ﷺ ہمارے ساتھ اس سمندر کے پاس چلیں گے، اور اس میں چھلانگ لگائیں گے تو ہم بھی آپ کے ساتھ چھلانگ لگائیں گے، ہمارا کوئی آدمی پیچھے نہیں رہے گا، اور ہم اس بات کو بُرا نہیں سمجھیں گے کہ کل آپ ہمارے ساتھ مل کر ہمارے دشمن سے ٹکرائیں، ہم جنگ میں صبر کرنے والے اور دشمن سے ڈبھڑکے وقت اخلاص کے ساتھ لڑائی کرنے والے ہیں، مجھے امید ہے کہ اللہ آپ کو ہماری جانب سے وہ کچھ دکھائے گا، جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، آپ اللہ کا نام لے کر ہمارے ساتھ آگے بڑھئے۔

رسول اللہ ﷺ سعد کی اس بات سے بہت زیادہ خوش ہوئے اور اس بات نے آپ کے نشاط میں اضافہ کر دیا، پھر فرمایا: چلو آگے بڑھو، اور تمہارے لئے اللہ کی طرف سے خوشخبری ہے، اللہ تعالیٰ نے مجھے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کیا ہے، اللہ کی قسم! میں اس وقت گویا اپنی آنکھوں سے مشرکین قریش کی لاشوں کی جگہیں دیکھ رہا ہوں^(۱)۔

خفیہ فوجی اطلاعات:

۱- رسول اللہ ﷺ و فرات سے چل کر بدر کے قریب پہنچ گئے، اور وہاں قیام فرمایا: اور آپ ایک صحابی کے ساتھ جو غالباً ابوبکر صدیق تھے سوار ہو کر ایک سن رسیدہ عربی کے پاس پہنچے اور اس سے قریش اور محمد اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں دریافت کیا، تو اس نے کہا: جب تک تم دونوں مجھے نہیں بتاؤ گے کہ کون ہو، میں تمہیں کچھ بھی نہیں بتاؤں گا، تو اس سے آپ ﷺ نے کہا: جب تم ہمیں بتاؤ گے تب ہم تمہیں بتائیں گے، اس نے کہا: کیا یہ اس کے بدلے میں ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، تو اس بوڑھے نے کہا: مجھے اطلاع ملی ہے کہ محمد ﷺ اور اس کے ساتھی فلاں دن نکلے ہیں، اگر خبر دینے والا آدمی سچا تھا، تو وہ لوگ آج فلاں جگہ ہوں گے۔ یعنی اس جگہ جہاں اس وقت رسول اللہ ﷺ موجود تھے، اور مجھے خبر ملی ہے کہ اہل قریش فلاں دن نکلے ہیں، اگر خبر پہنچانے والا آدمی سچا تھا، تو وہ لوگ آج فلاں جگہ ہوں گے، یعنی اس جگہ پر جہاں اس وقت قریش والے موجود تھے، جب اس نے اپنی بات ختم کی، تو پوچھا: تم دونوں کس قبیلہ کے ہو، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہم لوگ پانی کے ہیں، پھر رسول اللہ ﷺ اس کے پاس سے لوٹ گئے^(۲)۔

(۱) فتح الباری: ۷/۲۸۷، مسند احمد: ۵/۲۵۹، البدایہ والنہایہ: ۳/۳۶۲، ۲۶۳۔

(۲) الاستکفاء: ۱۸/۲، الحیۃ العسکرۃ: ص ۳۸۔

۲- رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کے پاس واپس آگئے اور شام کے وقت علی بن ابی طالب، زبیر بن عوام، اور سعد بن ابی وقاص کو چند دیگر صحابہ کے ساتھ بدر کے کنواں کے پاس ٹوہ لگانے کے لئے بھیجا، وہاں اُن لوگوں کو قریش کے دو غلام مل گئے جنہیں پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے اور پوچھنے لگے: اس وقت آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، انہوں نے کہا کہ ہم قریش کو پانی پلانے والے ہیں، انہوں نے ہمیں پانی لانے کے لئے بھیجا تھا، صحابہ کو ان کی یہ بات اچھی نہیں لگی اور انہیں شبہ ہوا کہ شاید یہ دونوں ابوسفیان کے آدمی ہیں، اس لئے ان دونوں کو مارنے لگے، جب ان دونوں کی خوب پٹائی ہو گئی، تو کہنے لگے: ہم ابوسفیان کے آدمی ہیں، تب ان دونوں کو چھوڑ دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے جب سلام پھیرا تو فرمایا: جب ان دونوں نے تم سے سچ کہا: تو ان کی پٹائی کی، اور جب جھوٹ کہا: تو ان کو چھوڑ دیا، اللہ کی قسم!! ان دونوں نے سچ کہا کہ وہ قریش کے آدمی ہیں، اور انہوں نے مجھے قریش کے بارے میں بتایا ہے، پھر آپ ﷺ نے ان دونوں سے کہا: مجھے تم قریش کے بارے میں بتاؤ، انہوں نے کہا: وہ لوگ اس ٹیلے کے پیچھے ہیں جسے آپ دیکھ رہے ہیں، آپ ﷺ نے پوچھا: وہ لوگ کتنے ہیں، انہوں نے کہا: بڑی تعداد میں، آپ ﷺ نے پوچھا: ان کی تعداد کیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہم نہیں جانتے، آپ ﷺ نے پوچھا: وہ لوگ روزانہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں، انہوں نے کہا: کبھی نو اور کبھی دس، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان کی تعداد ۹ سو اور ایک ہزار کے درمیان ہے۔

پھر آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: ان میں سرداران قریش میں سے کون ہیں؟ انہوں نے کہا: عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالجہری بن ہشام، حکیم بن حزام، نوفل بن خویلد، حارث بن عامر، طعیمہ بن عدی، نصر بن حارث، زمعہ بن اسود، ابوجہل بن ہشام، امیہ بن خلف، نبیہ اور منبہ (حجاج کے دونوں بیٹے)، سہیل بن عمرو اور عمرو بن عبدود۔ تب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: یہ لو، مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو تمہارے سامنے لا کر ڈال دیا ہے^(۱)۔

مسلمان اور مشرکین قریش آمنے سامنے:

مشرکین قریش آگے بڑھ کر وادی بدر کے مدینہ سے دور کے کنارہ پر پہنچ گئے، اور بدر کے سارے کنوے مدینہ سے قریبی جہت میں تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ وادی بدر کے قریب اترے تھے، آپ کے پاس مجاب بن امندر بن جموح انصاری آئے، اور کہا: یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے جہاں قیام فرمایا ہے، یہ جگہ اللہ نے آپ کے

لئے اختیار کیا ہے جس سے آپ آگے پیچھے نہیں ہو سکتے، یا یہ آپ ﷺ کی رائے اور جنگی تدبیر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بلکہ یہ میری ذاتی رائے اور جنگی تدبیر ہے۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! پھر یہ جگہ مناسب نہیں ہے۔ آپ ہمارے ساتھ اٹھئے اور کفارِ قریش سے جو کنواں سب سے زیادہ قریب ہے، وہاں تشریف لے چلئے، اور قیام کیجئے، اور اس کے پیچھے جتنے کنویں ہیں ان سب کو ہم بھر دیں، پھر اس پر ایک حوض بنادیں اور اسے پانی سے بھر دیں، پھر ہم کفارِ قریش سے قتال کریں تو ہم پانی پئیں گے اور انہیں پانی نہیں ملے گا، آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے بہت اچھا مشورہ دیا ہے، پھر آپ ﷺ اور صحابہ کرام کفارِ قریش سے جو کنواں سب سے زیادہ قریب تھا وہاں آکر ٹھہر گئے، پھر دیگر کنوؤں کو بھر دینے کا حکم دیا گیا، اور جس کنواں کے پاس ٹھہرے تھے اس کے قریب ایک حوض بنا کر اسے پانی سے بھر دیا گیا، اور اس میں ڈول ڈال دیا گیا۔

اور اللہ عزوجل نے بارش بھیجی اور وادی کی زمین ایسی تھی جس میں پاؤں دھنتے تھے، بارش کے بعد وہ زمین ذرا سخت ہو گئی جس پر چلنا آسان ہو گیا، اور کافروں کی طرف کی زمین پر چلنا مشکل ہو گیا۔

اور سعد بن معاذ نے کہا: اے اللہ کے نبی (ﷺ)! کیا ہم آپ کے لئے ایک سایہ دار جگہ نہ بنادیں جس میں آپ قیام کریں، اور ہم آپ کے پاس آپ کی سوار یوں کو تیار کر کے رکھیں، پھر دشمن کا مقابلہ کریں، اگر اللہ نے ہمیں عزت دی اور دشمنوں پر ہم کو غالب بنایا تو ہماری تمنا یہی ہے، اور اگر دوسری بات ہوئی تو آپ اپنی سواری پر بیٹھ کر ہماری قوم کے باقی ماندہ لوگوں کے پاس چلے جائیں گے، اس لئے کہ ہماری قوم کے ایسے لوگ آپ سے پیچھے رہ گئے ہیں جن کے مقابلے میں ہم آپ سے زیادہ محبت کرنے والے نہیں ہیں، اگر انہیں گمان ہو تا کہ آپ کو جنگ کرنے کی نوبت آجائے گی تو وہ آپ سے پیچھے نہیں رہتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ آپ کی حفاظت کرے گا، اور وہ آپ کی خیر خواہی کریں گے اور آپ کے ساتھ جہاد کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے کلماتِ خیر کہے اور بھلائی کی دعا کی، پھر آپ ﷺ کے لئے ایک چوٹی پر ایک سایہ دار جگہ بنادی گئی، جہاں سے معرکہ کی جگہ دیکھی جا رہی تھی، اور آپ ﷺ معرکہ کی جگہ میں چلتے ہوئے اپنے ہاتھ سے اشارہ کرنے لگے کہ یہ جگہ فلاں کے قتل کی ہے اور یہ جگہ فلاں کے قتل کی، اور یہ فلاں کے قتل کی، چنانچہ ان کافروں میں سے ایک کی لاش بھی آپ کے اشارہ کی جگہ سے الگ نہیں تھی۔

اور رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام کو اللہ کی تائید و نصرت کا یقین دلانے لگے اور دعا کرنے لگے کہ اے اللہ! قریش کے یہ مشرکین اپنے پورے کبر و غرور کے ساتھ آگئے ہیں، یہ تیری مخالفت کرتے ہیں اور تیرے

رسول کو جھٹلاتے ہیں، اے اللہ! میں تجھ سے اُس نصر مبین کا سوال کرتا ہوں جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ پھر آپ ﷺ کھڑے ہو گئے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ سے طلبِ نصرت کی مزید دعا کرنے لگے کہ اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے، اسے پورا کر دے، اے اللہ! میں تجھ سے تیرے عہد اور وعدہ کے پورا کرنے کا سوال کرتا ہوں۔

پھر آپ ﷺ صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں ثابتِ قدمی کی ترغیب دلائی۔ یہ واقعہ منگل کے دن ۱۷ رمضان کا ہے، اور آپ ﷺ نے اپنی فوج کی صفوں کو جنگ کی صفوں کی طرح منظم کیا اور جنگ کا یہ نیا طریقہ عربوں کے طریقہ جنگ سے مختلف تھا، جس کے مطابق وہ زمانہ قدیم سے کروفر کا طریقہ اختیار کرتے تھے، اور اسی کے مطابق مشرکین نے میدانِ بدر میں بھی جنگ کی۔

قریشیوں نے عمیر بن وہب الجمحی کو مکلف کیا کہ وہ مسلمانوں کی تعداد کا صحیح اندازہ لگائے، اس لئے وہ اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر اسلامی فوج کے ارد گرد چکر لگانے لگا، اور وادی میں نیچے اتر اور کبھی یہ کہتا ہوا اوپر چڑھا کہ شاید مسلمانوں کا کوئی فوجی دستہ گھات لگائے بیٹھا ہو، پھر واپس آ کر کہنے لگا: نہ کوئی فوجی دستہ ہے اور نہ کوئی گھات لگائے بیٹھا ہے، ان کی تعداد تین سو یا اس سے کچھ زیادہ ہے، اور ان کے پاس ستر اونٹ اور دو گھوڑے ہیں۔ پھر عمیر نے کہا: اے قریش کے لوگو! مردہ کی قبر پر باندھی گئی اونٹنیاں موت کو ڈھوئے پھرتی ہیں، یثرب کی اونٹنیاں بھی خطرناک موت کو ڈھوئے پھر رہی ہیں۔ ان لوگوں کے پاس ان کی تلواروں کے سوانہ کوئی اسبابِ دفاع ہے اور نہ کوئی پناہ کی جگہ۔ کیا تم انہیں دیکھ نہیں رہے ہو کہ کیسے خاموش جنگ کا انتظار کر رہے ہیں؟ بول نہیں رہے ہیں اور سانپوں کے مانند اپنی زبانوں کو اپنی ہونٹوں پر پھیر رہے ہیں، اللہ کی قسم! میں نہیں سمجھتا کہ ان میں سے کوئی آدمی قتل کیا جائے گا، جب تک کہ اس کے ہاتھوں ہمارا ایک آدمی قتل نہ کیا جائے، تو اگر تم میں سے ان کی تعداد کے مانند موت کے گھاٹ اتار دیا جائے تو پھر ایسی زندگی میں کوئی بھلائی نہیں^(۱)۔

قریش کو جنگ سے باز رکھنے کے لئے حکیم بن حزام کی کوشش:

جب حکیم بن حزام نے عمیر کی یہ بات سنی تو لوگوں سے ملا، پہلے عتبہ بن ربیعہ کے پاس آیا اور کہا: اے ابوالولید، آپ قریش کے سردار ہیں اور آپ کی بات مانی جاتی ہے، کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کو آپ کی قوم ہمیشہ بھلائی کے ساتھ یاد کرتی رہے؟ آپ لوگوں کو لے کر مکہ واپس چلیے، اور اپنے حلیف عمرو بن حفص کی دیت خود برداشت کیجئے۔ اس نے کہا: میں تیار ہوں، آپ ابن الحظلیہ یعنی ابو جہل کے پاس جاییے، مجھے اس کے

سوا کسی سے ڈر نہیں ہے کہ وہ لوگوں کی بات نہیں مانے گا۔

پھر عقبہ نے قریش کے سامنے تقریر کی اور انہیں واپس لوٹ چلنے کی نصیحت کی، اس لئے کہ اگر انہوں نے قتل کیا، تو وہ اپنے کسی چچا زاد یا خالہ زاد یا اپنے خاندان کے کسی فرد کو قتل کریں گے، ان سے یہ بھی کہا: تم لوگ لوٹ جاؤ، اور محمد اور تمام عربوں کے درمیان سے ہٹ جاؤ، اگر ان لوگوں نے اس کا کام تمام کر دیا تو تم یہی چاہتے ہو، اور اگر اس کے علاوہ دوسرا نتیجہ سامنے آیا تو تم اس سے اس حال میں ملو گے کہ وہ تمہیں اس بات کا عار نہیں دلانے کا جو تم چاہتے ہو۔

حکیم ابو جہل کے پاس گیا اور اس کو عقبہ کی رائے سے مطلع کیا، تو اس نے اس کے بارے میں کہا: اللہ کی قسم! جب سے اس نے محمد اور اس کے ساتھیوں کو دیکھا ہے، مارے خوف کے کانپنے لگا ہے اور بزدل ہو گیا ہے، اللہ کی قسم! ہم ہرگز واپس نہیں جائیں گے، یہاں تک کہ اللہ ہمارے اور محمد کے درمیان فیصلہ کر دے، اور عقبہ کی بات کا کوئی اعتبار نہیں، اس نے تو دیکھا ہے کہ محمد اور اس کے ساتھی اونٹ کا گوشت کھانے والے ہیں اور ان کے درمیان اس کا بیٹا بھی ہے، وہ دراصل تم سے اپنے بیٹے کے بارے میں ڈر رہا ہے۔

اور ابو جہل نے عمرو بن الحضرمی کے بھائی کو حکم دیا کہ وہ اپنے بھائی عمرو کا خون طلب کرے، چنانچہ اس نے سرین کھول دیا، اور چیخنے لگا، ہائے میرا بھائی عمرو! یہ سن کر کافروں کی حمیت جاگ اُٹھی اور ابو جہل نے اس رائے کو بگاڑ دیا جسے عقبہ نے لوگوں کے سامنے پیش کی تھی^(۱)۔

اسی اثناء میں اسود بن عبدالأسد مخزومی نکلا، جو ایک سرکش، تند مزاج اور بد اخلاق آدمی تھا، اور کہا: میں اللہ سے عہد کرتا ہوں کہ ان کے حوض کا پانی ضرور پیوؤں گا، یا اسے منہدم کر دوں گا، یا اپنی جان دے دوں گا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ مشرکین کے پیاسے وہاں سے پانی پیئیں، لیکن مسلمانوں کی صفوں میں تکبر کے ساتھ داخل ہونے کا مقابلہ سختی کے ساتھ ہی کرنا تھا، چنانچہ حمزہ بن عبدالمطلب صف سے آگے بڑھے اور اسے ایک کاری ضرب لگا کر اس کا پاؤں حوض پر پہنچنے سے پہلے ہی کاٹ ڈالا، اور وہ اپنی بیٹھ کے بل گر گیا، پھر وہ حوض کی طرف گھسٹتا ہوا اس میں داخل ہو گیا، پیچھے سے حمزہ آئے پھر دوسری کاری ضرب لگا کر حوض میں ہی اسے قتل کر دیا۔

معمر کے کی ابتدا:

عربوں کا طریقہ تھا کہ جنگی معرکے جانبین کے گھوڑ سواروں کے درمیان مقابلے کے ذریعہ ہوتے تھے،

چنانچہ عتبہ بن ربیعہ اور اس کا بیٹا ولید اور اس کا بھائی شیبہ مقابلے کی آواز لگاتے ہوئے آگے بڑھے اور انصار کے کچھ نوجوان یعنی حارث اور عفراء کے دو بیٹے عوف اور معوذ اور عبد اللہ بن رواحہ اُن کے سامنے آئے انہوں نے پوچھا: تم کون ہو؟ جوانوں نے کہا: انصار کے کچھ افراد، انہوں نے کہا: ہمیں تم سے مقابلہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ پھر اُن میں سے ایک نے پکارا، اے محمد! ہمارے مقابلے کے لئے ہماری قوم کے ہم پلہ لوگوں کو آگے بھیجو، رسول اللہ ﷺ نے کہا: اُٹھو اے عبیدہ بن حارث اور اُٹھو اے حمزہ اور اُٹھو اے علی! جب یہ لوگ اُٹھ کر اُن کے قریب گئے تو انہوں نے پھر پوچھا: تم کون ہو؟ عبیدہ نے کہا: عبیدہ، اور حمزہ نے کہا: حمزہ، اور علی نے کہا: علی، تب انہوں نے کہا: ہاں، تم ہمارے ہم پلہ اور باعزت لوگ ہو، پھر عبیدہ نے عتبہ کا مقابلہ کیا، عبیدہ تینوں میں بڑی عمر کے تھے، اور حمزہ نے شیبہ کا مقابلہ کیا، اور علی نے ولید کا مقابلہ کیا، حمزہ نے شیبہ کو بغیر کوئی مہلت دیئے قتل کر دیا، اور علی نے بھی ولید کو بغیر کوئی مہلت دیئے قتل کر دیا، اور عبیدہ اور عتبہ کے درمیان جھڑپیں ہوئیں اور ہر ایک نے اپنے مقابل کو ٹھنڈا کر دینا چاہا، تب حمزہ اور علی نے اپنی تلواروں سے عتبہ پر حملہ کر دیا اور اس کا کام تمام کر دیا، پھر اپنے ساتھ عبیدہ کو اُٹھا کر اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچایا^(۱)۔

مقابلہ کے اس نتیجے نے قریش کی فوج پر بہت بُرا اثر ڈالا اور حملہ شروع کر دیا اور لوگ ایک دوسرے کی طرف بڑھے، اور رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ مشرکوں پر تیروں کی بارش کی جائے اگر وہ قریب ہونے کی کوشش کریں، اور فرمایا: اگر مشرکین تمہارے قریب آنا چاہیں تو انہیں تیر اندازی کے ذریعہ اپنے آپ سے دور کرو۔ اور رسول اللہ ﷺ اپنی چھاؤنی میں تھے، اور ان کے پاس ابو بکر تھے، اور صحابہ رسول کا اس جنگ میں شعار ”أحد أحد“ تھا۔

نبی کریم ﷺ نے اُس دن اپنے صحابہ کی صفوں کو درست کیا، آپ کے ہاتھ میں ایک تیر تھا، جس سے آپ صفیں سیدھی کر رہے تھے، پھر آپ چھاؤنی میں لوٹ گئے، اور اس میں آپ کے ساتھ ابو بکر تھے، ان کے سوا اور کوئی آپ کے ساتھ نہیں تھا، آپ ﷺ اپنے رب سے اس وعدے کو پورا کرنے کا سوال کر رہے تھے جو اللہ نے اُن سے کیا تھا، کہتے تھے: اے اللہ! آج مومنوں کی یہ جماعت ہلاک ہو جائے گی تو زمین پر تیری عبادت نہیں کی جائے گی، اور ابو بکر کہتے تھے: اے اللہ کے نبی! آپ نے اپنے رب سے بہت دعا کر لی، اللہ یقیناً آپ سے کیا گیا اپنا وعدہ پورا کرے گا۔

رسول اللہ ﷺ کی ایک بار آنکھ چھلکی، پھر آنکھ کھول کر فرمایا: اے ابو بکر! خوش ہو جائیے، اللہ کی مدد آپ

(۱) السیرۃ النبویہ الصحیحہ: ۲/۲۶۳، غزوات النبی ﷺ: ص ۱۳۶، الحیاۃ العسکرۃ: ص ۵۱۔

کے لئے آگئی، یہ جبریل اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے آرہے ہیں، اور اس کی ٹاپوں سے غبار اُڑ رہا ہے، اُس وقت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِالْفِئَةِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُرَوِّفِينَ﴾ (جب تم لوگ اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، تو اس نے تمہاری سن لی اور کہا کہ میں ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ تمہاری مدد کروں گا جو یکے بعد دیگرے اُترتے رہیں گے) [الأنفال: ۹]۔ چنانچہ اللہ نے فرشتوں کے ذریعہ اپنے نبی کی مدد کی۔

بنو سلمہ کا عمیر بن حمام نامی آدمی اپنے ہاتھ میں موجود کھجوریں کھاتا ہوا آگے بڑھا اور کہنے لگا: بَخَّخْ! (ہائے ہائے!) میرے اور دخول جنت کے درمیان اتنا ہی وقفہ ہے کہ مجھے یہ لوگ قتل کر دیں، پھر اس نے اپنے ہاتھ سے کھجوریں پھینک دیں اور اپنی تلوار لے کر لڑنے لگا، یہاں تک کہ قتل کر دیا گیا۔

اُس دن عفراء کے بیٹے عوف بن حارث نے کہا: اے اللہ کے رسول! بندے کی کس بات سے رب کو ہنسی آتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: دشمن کے خون میں ہاتھ کو ڈبو نے سے۔ یہ سنتے ہی عوف نے اپنا زہ نکال پھینکا اور اپنی تلوار سے لگا تار لڑتے رہے، یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے، اور عکاشہ بن حصن اُسدی میدان بدر میں اپنی تلوار کے ذریعہ جنگ کرتے رہے، یہاں تک کہ وہ تلوار ان کے ہاتھ میں ٹوٹ گئی، تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، آپ نے انہیں لکڑی کا ایک ٹکڑا دیا اور فرمایا: اے عکاشہ! اس سے لڑو، جب انہوں نے اسے ہاتھ میں لے کر ہلایا تو وہ لکڑی ایک لمبی مضبوط اور سفید چمکدار تلوار بن گئی، اس سے وہ جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و نصرت سے نوازا، اور اس تلوار کا نام ”العون“ پڑ گیا، جو اُن کے پاس رہی، اسی کے ذریعہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام معرکوں میں جنگ کرتے رہے، یہاں تک کہ یمامہ کے مرتد ہونے والوں سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے، انہیں طلحہ اُسدی نے قتل کر دیا تھا۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے مٹھی بھر کنکری لے کر قریش کی طرف رخ کر کے کہا: یہ چہرے بدنما ہو جائیں، پھر اسے کافروں کی طرف پھونک دیا، جس سے ان میں سے ہر ایک کی آنکھیں بھر گئیں، اور مسلمان کافروں کو گاجر مولیٰ کی طرح قتل کرنے لگے، اور آپ ﷺ اپنے صحابہ سے کہتے جاتے تھے: ان پر حملہ کرو، اب ان کی قسمت میں صرف شکست رہ گئی ہے، چنانچہ اللہ نے ان کے سرداروں میں سے جس کو چاہا قتل کر دیا، اور جس کو چاہا پابند سلاسل بنایا، اور اللہ نے اسی مٹھی بھر کنکری کے پھینکنے کے بارے میں نازل فرمایا: ﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى﴾ (اور (اے میرے رسول!) آپ نے ان کی طرف مٹی نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی) [الأنفال: ۷۰] (۱)۔

فرشتوں نے مشرکوں کو قتل کیا:

قرآن کریم اور حدیث نبوی میں یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر میں مسلمانوں کی مدد فرشتوں کے ذریعہ کی، اور فرشتوں نے کافروں سے جنگ کی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ (۱۲۳) اِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ اَلَنْ يَكْفِيَكُمْ اَنْ يُمَدِّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ اَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزِلِينَ (۱۲۴) بَلَى اِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُمْ مِنْ فَوْرِهِمْ هَذَا يُمَدِّدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ (۱۲۵) وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ اِلَّا بُشْرَى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ﴾ (اور اللہ نے میدان بدر میں تمہاری مدد کی، جبکہ تم نہایت کمزور تھے، پس تم لوگ اللہ سے ڈرو، تاکہ تم (اللہ کی اس نعمت کا) شکر ادا کرو، جب آپ مومنوں سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تین ہزار فرشتے اتار کر تمہاری مدد کرے، ہاں، اگر تم لوگ صبر کرو گے، اور اللہ سے ڈرو گے، اور تمہارے دشمن جوش میں آکر تم تک آجائیں گے، تو تمہارا رب پانچ ہزار نشان لگے ہوئے فرشتوں کے ذریعہ تمہاری مدد کرے گا، اور اللہ تعالیٰ نے اسے تمہارے لئے محض خوشخبری بنائی ہے، اور تاکہ اس سے تمہارے دلوں کو اطمینان ہو، ورنہ مدد تو صرف اللہ کے پاس سے آتی ہے، جو بڑی عزت و حکمت والا ہے) [آل عمران: ۱۲۳-۱۲۶]۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبُّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّي مُمَدِّدُكُمْ بِاَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ (۹) وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ اِلَّا بُشْرَى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ اِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (جب تم لوگ اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، تو اس نے تمہاری سہیلی اور کہا کہ میں ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ تمہاری مدد کروں گا جو یکے بعد دیگرے اترتے رہیں گے، اور اللہ نے ملائکہ کو محض تمہاری خوشی کے لئے بھیجا تھا، اور تاکہ اس سے تمہارے دلوں کو اطمینان ملے، ورنہ فتح و نصرت تو صرف اللہ کی جانب سے ہوتی ہے، بے شک اللہ زبردست بڑی حکمتوں والا ہے) [الأنفال: ۹-۱۰] نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِذْ يُوحِي رَبُّكَ اِلَى الْمَلَائِكَةِ اَنِّي مَعَكُمْ فَثَبَّتُوا الَّذِينَ اٰمَنُوا سَأَلْتُ فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ﴾ (جب آپ کے رب نے فرشتوں کو بذریعہ وحی بتایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، تو تم اہل ایمان کو ثابت قدم رکھو، میں عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا، پس تم لوگ ان کی گردنوں اور ان کے ہر جوڑ پر کاری ضرب لگاؤ) [الأنفال: ۱۲]۔

اور امام مسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک مسلمان اس دن ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا، تو اس نے اپنے اوپر کوڑے کے ذریعہ ضرب لگانے کی آواز سنی، اور گھوڑ سوار کہہ رہا تھا، آگے بڑھو، (حیذوم) (فرشتہ کے گھوڑے کا نام) پھر اس نے دیکھا کہ وہ مشرک فوراً اپنی پیٹھ کے بل گر گیا، جب مسلمان نے اسے دیکھا، تو اس کی ناک پر ضرب کا نشان پایا، اور اس کا چہرہ کوڑے کی ضرب سے پھٹ گیا تھا، اور پورا چہرہ زرد پڑ گیا تھا، وہ انصاری رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ کو اس کی خبر دی تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم سچ کہہ رہے ہو، یہ تو تیسرے آسمان سے اللہ کی مدد آئی تھی (۱)۔

اور ایک انصاری صحابی نے عباس بن عبدالمطلب کو قید کر لیا، تو عباس نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ کی قسم! اس نے مجھے قید نہیں کیا ہے، مجھے تو ایک ایسے آدمی نے قید کیا ہے جس کے سر کے بال دونوں طرف سے اڑ گئے تھے، اور وہ بہت ہی خوبصورت آدمی تھا، جو ایک سفید و سیاہ نشان والے گھوڑے پر سوار تھا، اسے میں مسلمانوں کے ساتھ نہیں دیکھ رہا ہوں۔ انصاری نے کہا: میں نے اسے قید کیا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: چپ رہو، اللہ نے ایک معزز فرشتہ کے ذریعہ تمہاری مدد کی تھی (۲)۔

اور صحیح بخاری میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور پوچھا: آپ لوگوں کی نظر میں اہل بدر کا کیا مقام ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: تمام مسلمانوں سے افضل، جبریل نے کہا: یہی مقام ان فرشتوں کا ہے جو معرکہ بدر میں شریک ہوئے (۳)۔

اور ابو داؤد مازنی کہتے ہیں: میں ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا تا کہ اسے ماروں، اچانک دیکھا کہ اس کا سر الگ ہو گیا ہے، قبل اس کے کہ میری تلوار اس تک پہنچے، میں نے سمجھ لیا کہ اسے میرے سوا کسی اور نے قتل کیا ہے (۴)۔

اور مغازی اموی میں اسناد حسن کے ساتھ مروی ہے کہ جب چھاونی میں نبی کریم ﷺ کی آنکھ جھپکی، پھر متنبہ ہوئے تو فرمایا: اے ابو بکر! خوش ہو جائیے، اللہ کی مدد آپ تک آچکی ہے، یہ جبریل ہیں جو سر پر عمامہ باندھے اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے آگے آرہے ہیں اور غبار اُڑ رہا ہے، اللہ کی مدد اور اس کا وعدہ آگیا (۵)۔

(۱) شرح النووی علی صحیح مسلم: ۸۶، ۸۵/۲۔

(۲) مسند احمد: ۱۹۳/۲، اس کی سند صحیح ہے۔

(۳) فتح الباری: ۳۱۱/۷، ۳۱۲۔

(۴) مسند احمد: ۳۰/۱۔

(۵) البدایہ والنہایہ، ابن کثیر: ۲۸۳/۳، البانی نے اسے حدیث حسن کہا ہے۔

مشرکین کی لاشیں ہر طرف گرنے لگیں، یہاں تک کہ ان میں سے ستر قتل کر دیئے گئے اور ستر قید کر لئے گئے، اور ان میں سے بعض اپنی انہی جگہوں میں گرے تھے جن کی نشان دہی رسول اللہ ﷺ نے معرکہ سے پہلے کر دی تھی، اور ان مقتولین کے نام بھی بتا دیئے تھے۔

ابلیس کا میدان جنگ سے فرار:

امام ابن القیم نے لکھا ہے کہ جب کفار نے مکہ سے نکلنے کا پختہ ارادہ کر لیا، تو انہوں نے اپنے اور بنو کنانہ کے درمیان جنگی حالت کا ذکر کیا، اُس وقت ابلیس ان کے پاس سراقہ بن مالک مدجی کی شکل میں ظاہر ہوا، جو کنانہ کے سرداروں میں سے تھا، اور ان سے کہا: آج کوئی بھی تم پر غالب نہیں آسکتا، اور میں تمہیں ضمانت دیتا ہوں کہ بنی کنانہ کی طرف سے تمہیں نقصان نہیں پہنچے گا، چنانچہ اہل قریش نکلے اور شیطان ان کے ساتھ ساتھ رہا، کبھی بھی ان سے الگ نہیں ہوا، اور جب معرکہ کا وقت آیا اور اللہ کے دشمن ابلیس نے اللہ کی فوج کو آسمان سے اترتے دیکھا، تو پیٹھ پھیر کر بھاگ پڑا، کفار نے کہا: اے سراقہ! کہاں جا رہے ہو، کیا تم نے کہا نہیں تھا کہ تم ہمارے ساتھ رہو گے، ہم سے کبھی الگ نہیں ہو گے؟ اس نے کہا: میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے ہو، میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ کا عذاب بہت سخت ہوتا ہے^(۱)۔

اور طبرانی نے رفاعہ بن رافع سے روایت کی ہے کہ جب ابلیس نے میدان بدر میں مشرکین کے ساتھ فرشتوں کا معاملہ دیکھا تو اسے ڈر ہوا کہ کہیں اس کی بھی باری نہ آجائے۔ اس وقت حارث بن ہشام اس سے چمٹا ہوا تھا، اور اس کا خیال تھا کہ یہ سراقہ بن مالک ہے، تب ابلیس نے حارث کے سینے پر مگمارا اور بھاگتا ہوا وہاں سے نکل گیا، یہاں تک کہ اپنے آپ کو سمندر میں ڈال دیا^(۲)۔

اور ابن کثیر نے دلائل البیہقی کے حوالے سے لکھا ہے کہ جبریل ابلیس کی طرف بڑھے، اور جب اس نے انہیں دیکھا تو اس کا ہاتھ ایک مشرک کے ہاتھ میں تھا، ابلیس نے اپنا ہاتھ فوراً چھڑایا اور پیچھے مڑ کر وہ اور اس کے مددگار شیطانیں بھاگ پڑے، مشرک نے کہا: اے سراقہ! کیا تم کہتے نہیں تھے کہ تم ہمارے ساتھ رہو گے؟ اس نے کہا: میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے ہو، میں اللہ سے ڈرتا ہوں، اور اللہ کا عذاب سخت ہوتا ہے۔ اور یہ اس وقت ہوا جب اس نے فرشتوں کو دیکھا^(۳)۔

(۱) زاد المعاد: ۱۲۰/۳۔

(۲) سیرۃ ابن کثیر: ۲/۴۳۳۔

(۳) مصدر سابق

اللہ کا دشمن ابو جہل:

اور میدان بدر میں اللہ کے دشمن ابو جہل کے حالات میں آتا ہے کہ جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے آئیں، اور لوگ ایک دوسرے سے قریب ہوئے تو اس نے کہا: اے اللہ! اس نے رشتہ داریوں کو کاٹ دیا ہے اور ایسا دین ہمارے سامنے لایا ہے جسے ہم نہیں جانتے، اس لئے تو آج کے دن اسے (نبی کریم ﷺ کو) ہلاک کر دے، پھر اسی نے جنگ کی ابتدا کی۔ اور کہا جاتا ہے کہ پہلے مجاہد جو اس کے سامنے آئے بنو سلمہ کے معاذ بن عمرو بن الجموح تھے، وہ کہتے ہیں: میں نے کافروں کو کہتے سنا (اور اس وقت ابو جہل کچھ کافر فوجیوں کے بیچ میں کھڑا تھا) کہ ابو الجحکم کے قریب کوئی نہ آئے۔ جب میں نے یہ بات سنی تو اسے اپنا نشانہ بنالیا، اور اس کی طرف بڑھا اور جب میں بالکل قریب ہو گیا تو اس پر حملہ کر دیا، اور ایک کاری ضرب کے ذریعہ اُس کی آدھی پنڈلی الگ کر دی، اس کے بیٹے عکرمہ نے میرے کندھے پر ضرب لگائی اور میرا ہاتھ صرف چڑے سے لگا ہوا لٹکنے لگا، اور جنگ نے مجھے اس ہاتھ سے مشغول کر دیا، پھر میں سارا دن جنگ کرتا رہا، اور اپنے ہاتھ اپنے پیچھے گھسیتا رہا، اور جب میری تکلیف زیادہ بڑھ گئی تو اپنے پاؤں کے نیچے اسے دبا کر کھینچ کر الگ کر دیا۔ معاذ اس کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک زندہ رہے۔

اس کے بعد ابو جہل کے پاس سے (جبکہ اس کا پاؤں کٹ چکا تھا) معوذ بن عفراء گزرے، اور ایک ضرب لگا کر اسے ٹھنڈا کر دیا، معوذ جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

پھر عبد اللہ بن مسعود ابو جہل کے پاس سے گزرے، جب رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ابو جہل کو مقتولین کے درمیان تلاش کیا جائے تو انہوں نے اسے اس حال میں پایا کہ معاذ اور معوذ کی کاری ضربوں نے اسے ٹھنڈا کر دیا تھا، لیکن ابھی تک اس کی سانس چل رہی تھی۔ عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اسے پہچان لیا، تو اس کی گردن پر اپنا پاؤں رکھ کر اس سے کہا: اے اللہ کے دشمن! آخر کار اللہ نے تمہیں رسوا کیا، ابو جہل نے کہا: کیا تم ایک ایسے آدمی کے اوپر پاؤں رکھ کر یہ بات کہہ رہے ہو جسے اس کی قوم نے قتل کر دیا ہے۔ مجھے بتاؤ، آج کون غالب رہا؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول، پھر میں نے اس کا سر الگ کیا، اور اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آیا، اور کہا: یا رسول اللہ! یہ ہے اللہ کے دشمن ابو جہل کا سر، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ ﷺ نے یہ بات تین بار دہرائی اور میں نے ہر بار کہا: ہاں، اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ساری تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں، جس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اور اپنے بندے کی مدد کی،

اور دشمن کے گروہوں کو اکیلا شکست دیا، پھر فرمایا: یہ شخص اس امت کا فرعون تھا^(۱)۔

اور بخاری و مسلم نے عبدالرحمن بن عوف سے روایت کی ہے کہ میں میدان بدر میں صف میں کھڑا اپنے دائیں اور بائیں دیکھنے لگا تو اپنے آپ کو دو کمن انصاری لڑکوں کے درمیان پایا، میرے دل میں تمنا ہوئی کہ کاش! میں ان دونوں سے زیادہ طاقتور لوگوں کے درمیان ہوتا، ان میں سے ایک نے مجھے اپنی طرف متوجہ کر کے پوچھا: کیا آپ ابو جہل کو پہچانتے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں لیکن بھتیجے تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟ اس نے کہا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دیتا ہے، اور اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر میں نے اسے دیکھ لیا تو میرا جسم اس کے جسم سے الگ نہیں ہوگا، یہاں تک کہ ہم دونوں میں سے کوئی ایک مر جائے۔ عبدالرحمن کہتے ہیں: مجھے اس پر بڑا تعجب ہوا، پھر دوسرے لڑکے نے مجھے متوجہ کیا اور اسی جیسی بات اس نے بھی کی۔

عبدالرحمن کہتے ہیں کہ میں نے کچھ ہی دیر کے بعد ابو جہل کو لوگوں کے درمیان آتے جاتے دیکھا، تو میں نے کہا: کیا تم دونوں دیکھ نہیں رہے ہو؟ یہی تو ہے وہ ابو جہل جس کے بارے میں تم مجھ سے پوچھ رہے تھے۔ پھر وہ دونوں اس پر جھپٹ پڑے اور اپنی تلواروں سے اس پر کاری ضرب لگائی یہاں تک کہ اسے قتل کر دیا، پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور آپ کو اس کی خبر دی، تو آپ ﷺ نے پوچھا: تم دونوں میں سے کس نے اسے قتل کیا ہے؟ ہر ایک نے کہا: میں نے اسے قتل کیا ہے، آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تم دونوں نے اپنی تلواروں سے خون کو صاف کر دیا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ تو آپ نے دونوں کی تلواروں کو دیکھ کر فرمایا: تم دونوں نے اسے قتل کیا ہے، اور پھر ابو جہل سے چھینے گئے سامان کا فیصلہ معاذ بن عمرو بن الجوح کے لئے کیا، اور وہ دونوں معاذ بن عمرو بن الجوح اور معاذ بن عفراء تھے^(۲)۔

کفر کا سرغنہ اُمیہ بن خلف:

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اُمیہ بن خلف مکہ میں میرا دوست تھا، اور میرا نام عبدالعمر تھا، بدر کے دن میں اس کے پاس سے گزرا، اس وقت وہ اپنے بیٹے علی کے ساتھ اس کا ہاتھ پکڑے کھڑا تھا، اور میرے پاس کچھ زر ہیں جنہیں میں نے کافروں سے چھینا تھا، جب اس نے مجھے دیکھا تو کہا: اے عبدالعمر! کیا تم مجھ سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو؟ میں ان زر ہوں سے تمہارے لئے زیادہ بہتر ہوں، میں نے کہا: ہاں، اور میں نے اپنے ہاتھ سے زر ہیں پھینک دیں، اور اس کا اور اس کے بیٹے کا ہاتھ پکڑ لیا، اس وقت وہ کہہ رہا تھا: میں نے اپنی زندگی

(۱) صحیح مسلم، حدیث: (۱۸۰۰)، اور امام بخاری نے اس حدیث کو اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے، مسند احمد: ۱۱۵/۳۔

(۲) صحیح البخاری، حدیث (۳۹۸۸)، صحیح مسلم، حدیث: (۱۷۶۲) دلائل لیتیجی: ۸۳/۳۔

میں آج تک ایسا دن نہیں دیکھا، کیا تمہیں فدیہ نہیں چاہئے؟

عبدالرحمن کہتے ہیں: امیہ نے مجھ سے کہا: تم میں وہ کون سا آدمی ہے جس کے سینے پر شتر مرغ کے پر کا نشان ہے؟ میں نے کہا: وہ حمزہ بن عبدالمطلب ہیں، اس نے کہا: اسی نے ہمارا یہ حال کیا ہے۔

عبدالرحمن کہتے ہیں: اللہ کی قسم! میں ان دونوں کو کھینچنے لئے آ رہا تھا کہ بلال نے اسے دیکھ لیا۔ امیہ مکہ میں انہیں سخت عذاب دیتا تھا، تاکہ وہ اسلام چھوڑ دیں، انہیں وہ مکہ کے ریتیلے علاقے میں لے جاتا جب ریت تیز گرم ہوتی پھر انہیں ان کی پیٹھ کے بل ڈال دیتا، پھر ایک بھاری چٹان لانے کا حکم دیتا، جسے ان کے سینے پر رکھ دیا جاتا اور کہتا: تم اسی حال میں رہو گے، یہاں تک کہ محمد کا دین چھوڑ دو، بلال کہتے: اُحد، اُحد۔ اس لئے بلال نے جب اسے دیکھا تو کہنے لگے: اے کفر کے سرغنہ! امیہ بن خلف، اگر تم نجات پا گئے تو میری نجات نہیں، عبدالرحمن کہتے ہیں، میں نے کہا: اے بلال! کیا تم میرے دونوں قیدیوں کو ایسی بات کہہ رہے ہو؟ انہوں نے کہا: اگر وہ نجات پا گیا تو میں نجات نہیں پاؤں گا، میں نے کہا: اے کالی لونڈی کے بیٹے! کیا تم میری بات سن رہے ہو؟ انہوں نے کہا: اگر یہ نجات پا گیا تو میں نجات نہیں پاؤں گا، پھر اپنی اونچی آواز سے پکار کر کہا: اے اللہ کے انصار! یہ ہے کفر کا سرغنہ امیہ بن خلف، اگر یہ نجات پا گیا تو میں نجات نہیں پاؤں گا، پھر بہت سے فوجیوں نے مجھے گھیر لیا، یہاں تک کہ انہوں نے میرے گرد گھیرا کو تنگ کر دیا، اور میں اسے بچا رہا تھا، پھر ایک آدمی نے اس کے بیٹے پر ضرب لگائی اور وہ گر گیا، اور امیہ نے ایسی چیخ ماری جیسی میں نے کبھی نہیں سنی تھی۔ میں نے اس سے کہا: جلد اپنی جان بچاؤ، (حالانکہ اب وہ کہاں بچ سکتا تھا) اللہ کی قسم! میں آج تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ پھر مجاہدین نے ان دونوں کو اپنی تلواروں کی آنی پر لے لیا، یہاں تک کہ ان دونوں سے فارغ ہو گئے۔ عبدالرحمن کہا کرتے تھے: اللہ رحم کرے بلال پر، میری زر ہیں بھی گئیں، اور میرے دونوں قیدیوں کو مروا کر مجھے پریشان کر دیا^(۱)۔

قیدیوں کے بارے میں سعد بن معاذ کا موقف:

جب مسلمان کچھ دشمنوں کو قتل اور کچھ کو قید کر رہے تھے اُس وقت سعد بن معاذ رسول اللہ ﷺ کی چھاونی کے دروازے پر اپنی تلوار گردن سے لٹکائے کچھ انصار کے ساتھ آپ ﷺ کی حفاظت کر رہے تھے، اس ڈر سے کہ کہیں دشمن ان پر حملہ نہ کر دے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے چہرے پر ناگواری کے آثار دیکھ کر ان سے پوچھا: اے سعد! شاید تم اسے اچھا نہیں سمجھ رہے ہو، جو ابھی مجاہدین کر رہے ہیں۔ سعد نے کہا: ہاں، یا رسول اللہ! یہ تو اہل شرک کے خلاف پہلی جنگ ہے، اس میں تو ان کی بڑی تعداد کو قتل کرنا میرے نزدیک ان کا استقبال کرنے سے

زیادہ بہتر ہے (۱)۔

کچھ لوگوں کا مکہ سے مشرکین کے ساتھ مجبوراً نکلنا:

رسول اللہ ﷺ نے بدر کے دن اپنے صحابہ سے فرمایا: میں جانتا ہوں کہ بنی ہاشم اور بعض دیگر خاندانوں کے کچھ لوگ نکلنے پر مجبور کئے گئے ہیں، وہ ہم سے جنگ کرنا نہیں چاہتے تھے، اگر بنی ہاشم کا کوئی آدمی تمہیں ملے تو اسے قتل نہ کیا جائے، اور ابوالبختری بن ہشام اگر کسی کو مل جائے تو اسے قتل نہ کرے، اور رسول اللہ ﷺ کے چچا عباس مل جائیں تو انہیں قتل نہ کیا جائے، وہ یہاں زبردستی لائے گئے ہیں، ابو حذیفہ بن عتبہ نے کہا: کیا ہم اپنے باپوں، بیٹوں، بھائیوں اور اہل خاندان کو قتل کریں اور عباس کو چھوڑ دیں، اللہ کی قسم! اگر وہ مجھے مل گیا تو میں اسے اپنی تلوار کی آنی میں پرو لوں گا، جب یہ بات رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوئی تو عمر بن خطاب سے فرمایا: اے ابو جحش! کیا رسول اللہ ﷺ کے چچا کے چہرے پر تلوار سے ضرب لگائی جائے گی؟ عمر نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے چھوڑ دیجئے، تاکہ میں تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں، اللہ کی قسم! یہ منافق ہو گیا۔

ابو حذیفہ کہا کرتے تھے: میں اس کلمہ کی وجہ سے اپنے آپ کو مامون نہیں سمجھتا ہوں، جو میں نے اس دن کہا تھا، اور میں اس سلسلے میں ہمیشہ ڈرا رہتا ہوں، الایہ کہ اللہ کی راہ میں میری شہادت اس کا کفارہ بن جائے، چنانچہ وہ معرکہ یمامہ میں شہید ہو گئے۔

اور ابوالبختری کے قتل سے رسول اللہ ﷺ نے اس لئے روکا تھا کہ مکہ میں وہ آپ کی بہت حمایت کرتا تھا، آپ کو تکلیف نہیں پہنچاتا تھا، اور اس کی طرف سے آپ کو اپنے سلسلے میں کسی تکلیف دہ بات کا علم نہیں ہوتا تھا، اور یہ ان لوگوں میں سے تھا، جنہوں نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کے خلاف قریش کی جانب سے نوشتہ صحیفہ کو پھاڑا تھا۔ میدان جنگ میں اس کی ملاقات انصار کے حلیف مجذر بن زیاد البلوی سے ہو گئی، انہوں نے اس سے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تمہیں قتل کرنے سے روک دیا ہے۔ اس کے ساتھ اس کا ایک ساتھی تھا جو مکہ سے اس کے ساتھ آیا تھا، اس نے کہا: اور میرے ساتھی کا کیا ہوگا؟ مجذر نے کہا: اللہ کی قسم! ہم تمہارے ساتھی کو نہیں چھوڑیں گے، ہمیں تو رسول اللہ ﷺ نے صرف تمہیں چھوڑ دینے کا حکم دیا ہے، اس نے کہا: پھر تو اللہ کی قسم! میں اور وہ دونوں ایک ساتھ مرے گا، تاکہ مکہ کی عورتیں میرے بارے میں یہ نہ کہیں کہ میں نے اپنی جان بچانے کے لئے اپنے ساتھی کو چھوڑ دیا تھا، پھر دونوں جنگ کرنے لگے اور مجذر نے اسے قتل کر دیا، وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو دینِ برحق دے کر بھیجا ہے، میں نے پوری کوشش کی کہ

وہ قیدی بننے کو منظور کر لے تاکہ میں اسے آپ کے پاس لے آؤں، لیکن اس نے انکار کر دیا، تو میں نے اس سے جنگ کی اور اسے قتل کر دیا۔

موسیٰ بن عقبہ نے ذکر کیا ہے کہ مجذّر نے ابوالبحتری سے بہت کہا کہ وہ قیدی بن جائے، اور انہوں نے اس کو بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے قتل کرنے سے ہمیں روک دیا ہے، لیکن ابوالبحتری نے قیدی بننے سے انکار کر دیا، تب مجذّر نے اس پر اپنی تلوار سے وار کیا، اور ابو داؤد مازنی انصاری نے اس کی چھاتی میں نیزہ مارا اور اس کا کام تمام کر دیا^(۱)۔

مقتولین کفار کنویں میں ڈال دیئے گئے:

جب جنگ ختم ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ کفار مقتولین کے پاس آئے جن کی تعداد ستر تھی، اور کہا: تم لوگ اپنے نبی کے بڑے ہی بُرے رشتہ دار تھے، تم لوگوں نے مجھے جھٹلایا، جبکہ دوسروں نے میری تصدیق کی، اور تم لوگوں نے مجھے اکیلے چھوڑ دیا، اور دوسرے لوگوں نے میری مدد کی، اور تم لوگوں نے مجھے میرے گھر اور میرے شہر سے نکال دیا، اور لوگوں نے مجھے پناہ دی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے تمام کفار مقتولین کو کنویں میں پھینک دینے کا حکم دیا، چنانچہ وہ سب کے سب اس میں پھینک دیئے گئے، سوائے امیہ بن خلف کے جس کا جسم زرہ میں پھول گیا تھا، جب مجاہدین نے اسے ہلانا چاہا تو اس کے کھڑے ہونے لگے، اس لئے اسے وہیں چھوڑ دیا، اور اس پر مٹی اور پتھر ڈال دیا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کنویں کے کنارے کھڑے ہو کر کہا: اے عتبہ بن ربیعہ، اور اے شیبہ بن ربیعہ، اور اے فلاں اور اے فلاں! کیا تمہارے رب نے جو تم سے وعدہ کیا تھا، اسے سچ پایا؟ مجھ سے تو میرے رب نے جو وعدہ کیا تھا، اسے میں نے سچ پایا، عمر بن خطاب نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ ایسے لوگوں سے مخاطب ہیں جو مر چکے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم لوگ ان سے زیادہ میری بات نہیں سن رہے ہو^(۲)۔

غزوہ بدر کے قیدی:

نبی کریم ﷺ نے قیدیوں کے بارے میں ابو بکر و عمر سے مشورہ کیا جن کی تعداد ستر تھی، تو ابو بکر نے ان سے فدیہ لینے کا مشورہ دیا، اور اس کا سبب یہ بتایا کہ اس سے مسلمانوں کو کافروں کے خلاف قوت حاصل ہوگی، اور

(۱) الاکتفاء: ۲۷۶، ۲۷۷۔

(۲) صحیح البخاری، حدیث (۳۹۷۹)، اور دیکھئے صحیح مسلم اور سنن نسائی، کتاب الجنائز اور السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۴۴۹، ۴۵۳۔

ممکن ہے کہ اس احسان کے سبب وہ اسلام لے آئیں۔ اور عمر نے انہیں قتل کر دینے کا مشورہ دیا، اس لئے کہ یہ سب کفر کے سردار اور سرغنہ ہیں۔ اور نبی کریم ﷺ کا جھکاؤ ابو بکر کی رائے کی طرف ہوا، تو عمر کی رائے کی تائید میں قرآن نازل ہوا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ تُرِيدُونَ عَرَصَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (۶۷) ﴿لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ (۶۸) ﴿فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا﴾ (نبی کے لئے مناسب نہ تھا کہ ان کے پاس قیدی ہوتے قبل اس کے کہ وہ زمین میں کافروں کا خوب قتل کر لیتے، تم لوگ دنیاوی فائدہ چاہتے تھے، اور اللہ تمہارے لئے آخرت کی بھلائی چاہتا تھا، اور اللہ زبردست، بڑی حکمتوں والا ہے، اور اگر اللہ کی طرف سے ایک بات پہلے سے نوشتہ نہ ہوتی تو تم نے جو مال قیدیوں سے لیا ہے اس کے سبب سے ایک بڑا عذاب تمہیں آ لیتا، پس غنائم میں سے حلال اور طیب کو کھاؤ) [الأنفال: ۶۷-۶۹]۔

اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اس مال کو حلال کر دیا جو انہوں نے قیدیوں سے بطور فدیہ لیا تھا، اور تمام قیدیوں کا فدیہ یکساں نہیں تھا، بلکہ مالدار سے چار ہزار درہم لیا گیا، اور ان میں جو بالکل محتاج اور فقیر تھے، بغیر فدیہ لئے انہیں آزاد کر دیا گیا، اور جو پڑھنا لکھنا جانتے تھے ان سے یہ طلب کیا گیا کہ وہ دس مسلمان بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھادیں۔

اور رسول اللہ ﷺ کا مقصد ان سے مال لینا نہیں تھا، بلکہ انہیں معنوی طور پر کمزور کرنا تھا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور مجھ سے ان بدبودار لوگوں کے بارے میں بات کرتا تو میں اس کی خاطر انہیں چھوڑ دیتا۔

اور انصار نے عباس بن عبدالمطلب کو فدیہ دینے سے مستثنیٰ کرنا چاہا، اس لئے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے چچا تھے، اور ان کی دادی بنی نجار کی تھیں، لیکن رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے سے منع کیا اور کہا: ان کا ایک درہم بھی معاف نہ کرو، اس معاملے میں کسی طرف داری کے لئے کوئی گنجائش نہیں، چاہے رسول اللہ ﷺ کے چچا ہی کیوں نہ ہوں۔

سہیل بن عمرو بحیثیت قیدی:

سہیل بن عمرو بھی قید کیا گیا تھا، لیکن مقام روحاء پر مالک بن دُحشم کے پاس سے بھاگنے میں کامیاب ہو گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی اسے پالے اسے قتل کر دے، پھر نبی کریم ﷺ نے اسے بولوں کے درختوں کے درمیان چھپا ہوا پایا۔ جب آپ ﷺ لوگوں کے ساتھ اس کی تلاش میں نکلے، تو عمر بن خطاب نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ اس کے دونوں اگلے دانٹ توڑ دوں تاکہ اس کی زبان نکلی رہے، اور آپ کے خلاف پھر

کبھی بات نہ کر سکے، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں اس کا منظرہ نہیں کروں گا (یعنی اس کی شکل نہیں بدلوں گا) تاکہ اللہ میرا منظرہ نہ کرے، اگرچہ میں نبی ہوں، اور ممکن ہے کہ وہ ایک دن ایسا کام کر جائے جسے تم پسند کرو گے، چنانچہ وہ اسلام لے آیا، اور نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد مکہ جا کر ابو بکر کا خطبہ لوگوں کے سامنے اسی طرح دہرایا جیسا اس نے مدینہ میں سنا تھا۔ عمر کو جب سہیل کے بارے میں یہ خبر ملی تو کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، ان کی مراد نبی کریم ﷺ کی گزشتہ بات تھی کہ شاید وہ کوئی ایسا کام کر جائے جسے تم پسند کرو گے (۱)۔

ابن کثیر کہتے ہیں: یہی وہ کام ہے جو سہیل نے رسول اللہ کی وفات کے بعد مکہ میں کیا، جب کئی سارے عرب مرتد ہو گئے اور مدینہ اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں نفاق پھوٹ پڑا تھا، اُس وقت سہیل نے مکہ میں لوگوں کے سامنے خطبہ دیا، اور انہیں دین حنیف پر ثابت قدم رکھا (۲)۔

رسول اللہ ﷺ کے داماد ابو العاص بحیثیت قیدی:

قیدیوں میں زینب بنت الرسول ﷺ کے شوہر ابو العاص بن ربیع بھی تھے، جنہیں فرات بن صممہ نے قید کیا تھا، اور ابو العاص مال اور امانت و تجارت کے اعتبار سے مکہ کے معدودے چند لوگوں میں سے تھے، اور ان کی ماں خدیجہ بنت خویلد کی بہن ہالہ بنت خویلد تھیں، اور کفار مکہ نے ابو لہب کے بہکانے میں آکر ابو العاص سے کہا تھا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو، اور ہم تمہاری شادی قریش کے اس عورت سے کر دیں گے جس سے تم شادی کرنا چاہو گے، تو انہوں نے کہا تھا: نہیں، اللہ کی قسم! میں اپنی بیوی کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا، اور رسول اللہ ﷺ اپنے دامادوں میں ان کی تعریف کرتے تھے، اور اسلام نے زینب اور ابو العاص کے درمیان تفریق کر دی تھی، لیکن ان دونوں کے درمیان عملی طور پر جدائی نہیں ہوئی تھی، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ مکہ میں حلال اور حرام کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے، بلکہ اپنے حال میں خود پریشان رہتے تھے۔

جب اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کو آزاد کرانے کے لئے فدیہ بھیجا تو زینب نے بھی اپنے شوہر کے فدیہ کے لئے مال اور اپنا وہ ہار بھیجا جو ان کی ماں خدیجہ نے ابو العاص کے گھر انہیں رخصت کرتے وقت دیا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے وہ ہار دیکھا تو آپ پر شدید رقت طاری ہو گئی اور فرمایا: اگر تم چاہو تو زینب کے قیدی کو چھوڑ دو، اور اس کا مال اور ہار اسے واپس کر دو، لوگوں نے کہا: ہاں، یا رسول اللہ! پھر آپ ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا، اور زینب کی چیز انہیں واپس بھیج دی۔

(۱) إتحاف الوری: ۱/۲۲۳۔

(۲) السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۲/۳۸۲۔

ہجرتِ زینب بنت الرسول ﷺ:

رسول اللہ ﷺ نے ابو العاص سے یہ وعدہ لے لیا تھا کہ وہ زینب کو مدینہ ہجرت کر کے آنے کی اجازت دے دیں گے، اس لئے وہ مکہ آئے تو زینب کو اپنے باپ کے پاس چلے جانے کی اجازت دے دی، چنانچہ انہوں نے سفر کی تیاری کر لی، اور ان کے شوہر کے بھائی کنانہ بن ربیع نے انہیں ایک اونٹ دیا، جس پر وہ سوار ہو گئیں، اور کنانہ نے اپنا تیر، کمان اور تیروں کا تھیلا لیا اور زینب کو لے کر دن دھاڑے اونٹنی کو ہانکتے ہوئے نکلے، زینب ہودج میں بیٹھی ہوئی تھیں، جب یہ بات قریشیوں کو معلوم ہوئی تو ان کے چند آدمی ان کی تلاش میں نکلے اور مقام ذی طویٰ پر انہیں جالیا، اور سب سے پہلے جو ان کے پاس پہنچا، وہ حبار بن اسود تھا جو اپنے نیزے کے ذریعہ ان کے اونٹ کو بدکانے لگا، یہاں تک کہ زینب نیچے گر گئیں، اور ان کا حمل ساقط ہو گیا، اور بہت زیادہ خون بہا، جس کی وجہ سے وہ بیمار ہو گئیں اور مدینہ آنے کے بعد وفات پا گئیں۔

ان کا یہ حال دیکھ کر کنانہ بن ربیع اپنے اونٹ سے نیچے اترے اور تیر کمان درست کر کے کہنے لگے: اللہ کی قسم! اگر کوئی آدمی مجھ سے قریب ہوگا تو میں اس پر تیر چلا دوں گا، یہ سن کر سب لوگ الگ ہو گئے، اس وقت ابوسفیان آیا اور کہنے لگا، تمہارا بڑا بہو، تم ہماری مصیبت جانتے ہو، اور پھر ایک عورت کو لے کر اعلانیہ نکلے ہو، اس لئے لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ایسا ہماری ذلت و کمزوری کے سبب ہو رہا ہے، اللہ کی قسم! ہمیں اسے (زینب) اس کے باپ کے پاس جانے سے روکنے کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن ابھی تم اسے واپس لے جاؤ، اور جب لوگوں کی آواز دھیمی پڑ جائے اور آپس میں کہنے لگیں کہ ہم نے اسے واپس کر دیا اس وقت اسے خفیہ طور پر لے کر نکلو، اور اسے اس کے باپ کے پاس پہنچا دو، کنانہ نے پھر ایسا ہی کیا^(۱)۔

اور ابن اسحاق نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک فوجی دستہ بھیجا جس میں میں بھی تھا، اور فرمایا کہ اگر حبار بن اسود تمہارے ہاتھ آجائے اور وہ آدمی جو اس کے ساتھ زینب کی طرف بڑھا تھا، تو ان دونوں کو آگ میں جلا دو، پھر آپ ﷺ نے اپنی رائے بدل دی اور ان کو دوبارہ خبر بھیجی کہ اگر وہ دونوں تمہارے ہاتھ آجائیں تو انہیں قتل کر دو۔ ابو العاص فتح مکہ سے کچھ دنوں پہلے اسلام لے آئے جیسا کہ آگے آئے گا، اور مدینہ آگئے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی زینب کو ان کے پاس بھیج دیا^(۲)۔

اور سیرتِ نبوی سے متعلق تمام کتابوں میں ہے کہ مسلمانوں نے اپنے قیدیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا، ان

(۱) السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۲/۴۸۳، ۴۸۴، اتحاف الوری: ۱/۴۲۳، ۴۲۴۔

(۲) السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۵۱۹/۲۔

میں سے نہ کسی کو کوئی تکلیف پہنچی اور نہ کسی نے ان کے ساتھ بد سلوکی کی، بلکہ بعض صحابہ تو اپنے قیدیوں کو روٹی کھلاتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے حکم سے خود کھجور کھاتے تھے^(۱)۔

اموالِ غنیمت:

امام احمد نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ مدینہ سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے اور معرکہ بدر میں شریک ہوئے، جب دونوں فوجیں ٹکرائیں تو اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست دی، اور مسلمانوں کی ایک جماعت نے ان کا پیچھا کیا اور ان میں سے کئی کو قتل کیا، اور ایک جماعت کا فرعون کا مال و متاع جمع کرنے لگی، اور ایک جماعت نے رسول اللہ ﷺ کے گرد گھیرا ڈالے رکھا، تاکہ کوئی دشمن اچانک آکر آپ کو نقصان نہ پہنچا دے، جب رات ہوئی اور لوگ ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے تو جن لوگوں نے مالِ غنیمت جمع کیا تھا وہ کہنے لگے کہ ہم نے اسے جمع کیا اور اس میں کسی دوسرے کا کوئی حصہ نہیں ہے، اور جن لوگوں نے دشمن کا پیچھا کیا تھا، انہوں نے کہا کہ تم لوگ ہم سے زیادہ مالِ غنیمت کے حقدار نہیں ہو، ہم رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرتے رہے، اس ڈر سے کہ کہیں دشمن آپ کو اچانک نقصان نہ پہنچا دے اور ہم اسی کام میں مشغول رہے، تو آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرُّسُولِ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ﴾ (لوگ آپ سے اموالِ غنیمت کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ کہئے کہ اموالِ غنیمت اللہ اور رسول کے لئے ہیں، پس تم لوگ اللہ سے ڈرو، اور اپنے آپس کے تعلقات کو ٹھیک رکھو) [الأنفال: ۱] (۲)۔

اور آثارِ صحیحہ سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ نکال لینے کے بعد باقی کو مسلمان مجاہدین کے درمیان برابر تقسیم کر دیا، اور پانچویں حصہ سے متعلق آیت کریمہ غزوہ بدر کے بارے میں نازل شدہ آیت کے سیاق میں نازل ہو چکی تھی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرُّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَلِالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ﴾ (اور جان لو کہ تمہیں جو کچھ بھی مالِ غنیمت ہاتھ آئے گا، اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے، اور (رسول اللہ کے) رشتہ داروں، اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہوگا) [الأنفال: ۴۱] (۳)۔

(۱) صحیح السیرۃ النبویہ: ص ۲۵۴، ۲۵۵، السیرۃ النبویہ: ابن کثیر: ۲/ ۳۵۷-۳۶۳۔

(۲) الفتح الربانی: ۱۳/ ۷۳۔

(۳) صحیح السیرۃ النبویہ: ص ۲۵۲، مسند احمد: ۵/ ۳۲۳، حاکم: ۲/ ۱۳۵، ۱۳۶، ۳۲۶۔

عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے مالِ غنیمت میں حصہ :

اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے نو صحابہ کرام کو مالِ غنیمت میں سے حصہ دیا جو کسی عذر شرعی یا رسول اللہ ﷺ کی طرف سے انہیں مدینہ میں کسی کام کے لئے مکلف کئے جانے کے سبب غزوہ میں شریک نہیں ہوئے، انہی میں سے عثمان بن عفان تھے، جنہیں رسول اللہ ﷺ نے ان کی مریض بیوی رقیہ بنت الرسول ﷺ کی دیکھ بھال کے لئے مدینہ میں رہنے کا حکم دیا تھا، اور اسی مرض میں رقیہ کی وفات بھی ہو گئی^(۱)۔ رضی اللہ عنہا

شکستِ کفار کی خبریں مکہ میں :

مکہ میں موجود قریشیوں نے اپنے بھاگنے والے فوجیوں کے ساتھ بہت ہی بُرا برتاؤ کیا، پہلے تو یہ سمجھا کہ وہ فوج کے ساتھ خیانت کر کے میدانِ معرکہ سے بھاگ آئے ہیں، ان کے شان و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کی ایک چھوٹی سی جماعت کے ساتھ قریشیوں کی اتنی بڑی اسلحہ سے لدی بھری فوج پر غالب آجائیں گے، لیکن جب انہوں نے یہ بُری خبر ان فوجیوں پہم سنی تو مبہوت ہو گئے اور انہیں گمان ہوا کہ جو قاصد شکست کی خبر اور اپنے سرداروں کے قتل کی خبر لے کر آیا ہے، اس کی عقل ماری گئی ہے، اسی لئے وہ بکواس کر رہا ہے۔ پہلا آدمی جو قریش کی تباہی و بربادی کی خبریں لے کر مکہ آیا تھا وہ حسیمان بن عبد اللہ الخزاعی تھا، قریش نے اس سے پوچھا: تمہارے پاس کیا خبریں ہیں، اس نے کہا: عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابو الحکم بن ہشام (ابو جہل) امیہ بن خلف، زمعہ بن اسود، حجاج کے دونوں بیٹے؛ نبیہ اور منبہ اور ابوالختری بن ہشام یہ سب کے سب قتل کر دیئے گئے۔ جب وہ شخص سردارانِ قریش کو گنانے لگا تو صفوان بن امیہ نے کہا جو کعبہ کے پاس حجر کے حصے میں بیٹھا تھا: اللہ کی قسم! اگر اس کے پاس عقل ہے تو اس سے آپ لوگ میرے بارے میں پوچھئے، انہوں نے پوچھا: صفوان بن امیہ کا کیا ہوا، تو حسیمان نے کہا: یہ تو حجر میں بیٹھا ہوا ہے، اللہ کی قسم میں نے اُس کے باپ اور بھائی کو قتل ہوتے دیکھا ہے۔

قریش کی شکست کی خبر سردارِ مکہ ابوسفیان پر بجلی بن کر گری، اور اس کے غصے کی آگ بھڑک اُٹھی، اور اس کی بیوی ہند اپنے باپ، بھائی اور سچا کے غم میں چیخ و پکار کرنے لگی، اور رات دن سینہ پیٹنے اور واویلا کرنے لگی۔ اور کہنے لگی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے چچا حمزہ بن عبدالمطلب اور علی بن ابوطالب سے عنقریب انتقام لے گی^(۲)۔

(۱) صحیح مسلم، حدیث: (۳۶)، الحیاة العسكرية: ص ۳۲، الاکتفاء: ۵۰۲۔

(۲) سیرۃ ابن ہشام: ۶۰۶/۱۔

ابولہب کا انجام:

رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام ابورافع کہتے ہیں: میں عباس بن عبدالمطلب کا غلام تھا، اور اسلام ہمارے گھر میں داخل ہو گیا تھا، اور عباس اور ام الفضل اسلام لایچکے تھے، اور میں بھی مسلمان ہو چکا تھا، اور عباس اپنی قوم سے ڈرتے تھے، اور ان کی مخالفت کو ناپسند کرتے تھے۔ مگر میں نے اپنے اسلام کو چھپا رکھا تھا، اور وہ مالدار آدمی تھے، ان کا مال ان کی قوم میں مختلف لوگوں کے پاس تھا، اور ابولہب معرکہ بدر میں شریک نہیں ہوا تھا، جب اس کو بدر میں قریشیوں کے مارے جانے کی خبر ملی تو وہ نہایت رنجیدہ ہوا، اور اللہ نے اسے ذلیل و رسوا کیا، اور ہم نے اپنے اندر قوت اور غلبہ کا احساس کیا، ابولہب ہمارے گھر آیا، اس وقت ام الفضل بیٹھی تھیں، اور ابولہب کے چہرہ پر خباثت اور شرارت کے آثار ظاہر تھے، وہ کمرے کے پردے سے قریب بیٹھ گیا، اس کی پیٹھ میری پیٹھ کی طرف تھی، پھر ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب داخل ہوا، یہ ان لوگوں میں سے تھا جو میدان بدر سے بھاگ آنے میں کامیاب ہو گیا تھا، اس نے کہا: اللہ کی قسم! جوں ہی ہماری مڈبھیڑ مسلمانوں سے ہوئی، انہوں نے ہمیں قتل کرنا اور قید کرنا شروع کر دیا، تو ہم پیچھے مڑ کر بھاگ پڑے، اور اللہ کی قسم! ہم نے اپنے لوگوں کو ایسا کرنے پر ملامت نہیں کی، اس لئے کہ ہماری مڈبھیڑ ایسے سفید پوش لوگوں سے ہوئی تھی جو سفید و سیاہ گھوڑوں پر سوار آسمان وزمین کے درمیان پھیلے ہوئے تھے، اللہ کی قسم! ان کے سامنے کوئی چیز نہیں نکلتی تھی۔

ابورافع کہتے ہیں: میں نے یہ سن کر اپنے ہاتھ سے پردے کو اٹھایا اور کہا: اللہ کی قسم! وہ فرشتے تھے، تو ابولہب نے اپنا ہاتھ اٹھا کر میرے چہرے پر ایک زوردار طمانچہ مارا، اور میں اس کے ساتھ گھم گھما ہوا گیا، تو اس نے مجھے اٹھا کر زمین پر دے مارا، پھر میرے اوپر بیٹھ کر مارنے لگا، اس لئے کہ میں ایک کمزور آدمی تھا، یہ دیکھ کر ام الفضل انٹھیں اور حجرہ کا ایک کھمبالے کر اس پر ایسی ضربیں لگائی کہ اس کا سر بُری طرح زخمی ہو گیا، اور کہا: کیا اس کا مالک نہیں ہے تو تم اسے کمزور سمجھ رہے ہو، وہ ذلیل و رسوا ہو کر بھاگ پڑا، اللہ کی قسم! اس واقعہ کے بعد ابولہب نے صرف سات رات گزاری تھی کہ اسے اللہ نے طاعون جیسے ایک مرض میں مبتلا کر دیا، جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔

اور ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ اس کے معدے میں ایک ایسا زخم ہو گیا جس سے عرب لوگ بدشگونئی لیتے تھے، اور کہتے تھے کہ یہ بیماری بہت تیزی کے ساتھ دوسروں کو لگ جاتی ہے۔ چنانچہ ابولہب کی اس بیماری کا جب اس کے گھر والوں کو علم ہوا، تو اس کے لڑکے تیک اس سے الگ ہو گئے، اور مرنے کے بعد تین دن تک اس کی لاش پڑی رہی، کوئی شخص اس کے قریب نہیں جاتا تھا، اور نہ اسے دفن کرنے کی کوشش کرتا تھا، لیکن جب ان کو ڈر ہوا کہ لوگ ان کی برائیاں بیان کریں گے تو سب نے مل کر ایک گڈھا کھودا اور ایک لمبی لکڑی کے ذریعہ اسے

دھکا دے کر اسے گڈھے میں گرا دیا اور دور سے پتھر پھینک کر اسے بھر دیا^(۱)۔

رسول اللہ ﷺ کی مدینہ واپسی:

صحیحین میں ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو جب کسی قوم پر غلبہ حاصل ہوتا تو وہاں تین دن تک قیام کرتے، اور یہ بات گزر چکی ہے کہ معرکہ بدر جمعہ کے دن ۱۷ ار رمضان المبارک سن دو ہجری کو ہوا، اس کے بعد آپ ﷺ وہاں تین دن تک ٹھہرے رہے، اور سموار کے دن وہاں سے کوچ کیا، اور جب آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے تو بدر کے کنویں پر کھڑے ہوئے اور ان کفار مقتولین کو جو اس میں ڈالے گئے تھے، مخاطب کر کے وہ بات کہی جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، پھر آپ ﷺ وہاں سے چل پڑے اور آپ کے ساتھ ستر (۷۰) جنگی قیدی تھے، جن میں نصر بن حارث اور عقبہ بن ابو معیط بھی تھے، اور بہت سے اموال غنیمت بھی۔ جب آپ مقام صفراء کی تنگ نالی سے نکلے تو ریت کے ایک ٹیلے پر اترے اور وہاں مسلمان مجاہدین کے درمیان مالی غنیمت تقسیم کر دیا۔

نصر بن حارث اور عقبہ بن ابو معیط کا قتل:

مدینہ واپس جاتے ہوئے، آپ ﷺ نے نصر بن حارث اور عقبہ بن ابو معیط کو قتل کرنے کا حکم دیا، اس لئے کہ یہ دونوں اللہ اور اس کے رسول کے شدید ترین دشمنوں، کفر کے سرداروں اور جنگی مجرموں میں سے تھے، جب آپ ﷺ صفراء پہنچے تو نصر بن حارث کے قتل کا حکم دیا، جسے علی بن ابوطالب نے قتل کر دیا، پھر آپ آگے بڑھے اور عرق الصبیہ نامی مقام پر پہنچے تو وہاں آپ نے عقبہ بن ابو معیط کے قتل کا حکم دیا، عقبہ نے کہا: اے محمد! میرے بچوں کا کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جہنم۔ پھر اُسے عاصم بن ثابت بن ابوالأحقر نے قتل کر دیا، اور ایک روایت کے مطابق علی بن ابوطالب نے اسے قتل کیا^(۲)۔

مدینہ میں فتح و نصرت کی خبر:

جنگ ختم ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے عبد اللہ بن رواحہ کو فتح و نصرت کی خبر کے ساتھ مدینہ کے بالائی علاقے میں رہنے والے مسلمانوں کے پاس بھیجا، اور زید بن حارثہ کو اس کے نشیبی علاقے میں رہنے والوں کے پاس۔

اسامہ بن زید کہتے ہیں: ہمیں یہ خوشخبری اس وقت ملی جب ہم رقیہ بنت الرسول ﷺ کو دفن کر چکے تھے،

(۱) الاکتفاء: ۳۸۸، تاریخ الطبری: ۴۶۲، الحیاة العسکریہ: ص ۶۵، ۶۳۔

(۲) السیرۃ النبویہ الصحیحہ: ۳۷۰، ۳۷۲، الاکتفاء: ۳۵۲۔

(آپ ﷺ نے مجھے رقیہ کے شوہر عثمان کے ساتھ ان کی دیکھ بھال کے لئے مدینہ میں رہنے دیا تھا) میں اپنے والد زید بن حارثہ کے پاس پہنچا تو وہ مصلیٰ پر کھڑے تھے، اور ان کے چاروں طرف لوگوں کا ازدہام تھا، وہ کہہ رہے تھے: عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابو جہل بن ہشام، زمعہ بن اسود، ابو البختری بن ہشام، امیہ بن خلف اور حجاج کے دونوں بیٹے نبیہ اور منبہ، یہ سب کے سب قتل کر دیئے گئے، میں نے کہا: اے ابا! کیا یہ بات صحیح ہے؟ انہوں نے کہا: اے بیٹے! ہاں، اللہ کی قسم۔

اور ایک روایت میں ہے کہ اسامہ نے کہا: لوگوں کی آواز سن کر جب میں باہر نکلا تو دیکھا کہ زید فتح و نصرت کی خبریں لائے ہیں، اللہ کی قسم! میں نے پہلے اس بات کو نہیں مانا، یہاں تک کہ ہم نے قیدیوں کو دیکھ لیا، اور عبد اللہ بن رواحہ اپنی سواری کے اوپر سے آواز لگا رہے تھے: اے انصاریو! خوش ہو جاؤ کہ رسول اللہ ﷺ سلامتی کے ساتھ ہیں، اور بہت سے مشرکین قتل کر دیئے گئے، اور بہت سے قیدی بنائے گئے، پھر انہوں نے سردار ان کفر کے قتل کئے جانے کی خبر سنائی۔

عاصم بن عدی کہتے ہیں: میں ان کے قرب گیا اور پوچھا: اے ابن رواحہ! کیا یہ بات صحیح ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں اللہ کی قسم! اور رسول اللہ ﷺ کل قیدیوں کو لے کر آئیں گے۔ پھر عبد اللہ بن رواحہ ایک ایک انصاری کے دروازے پر پہنچے اور انہیں خوشخبری دی، اور بچے ان کے ساتھ کہتے جا رہے تھے: ابو جہل فاسق مارا گیا، یہاں تک کہ عبد اللہ بن رواحہ بنو امیہ کے گھر تک پہنچ گئے^(۱)۔

بدری مجاہدین و شہداء:

وہ تمام مجاہدین و انصار جو غزوہ بدر میں شریک ہوئے ان کی تعداد تین سو چودہ تھی، مجاہدین میں سے تراسی (۸۳)، ان میں سے تین وہ تھے جو غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے، لیکن مال غنیمت سے ان کو حصہ ملا، اور وہ عثمان بن عفان تھے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے ان کی بیوی رقیہ بنت الرسول کی دیکھ بھال کے لئے مدینہ میں چھوڑ دیا تھا اور جو رسول اللہ ﷺ کے بدر سے واپسی کے پہلے ہی وفات پا گئیں، اور طلحہ بن عبید اللہ اور سعید بن زید جو ان دونوں شام میں تھے، اور رسول اللہ ﷺ کی واپسی کے بعد وہاں سے لوٹے تو اللہ کے رسول ﷺ نے ان دونوں کو بھی مال غنیمت میں سے حصہ دیا، اور قبیلہ اوس کے اکٹھ (۶۱) آدمی اور قبیلہ خزرج کے اکہتر (۷۱) آدمی تھے۔ اور اس معرکہ میں چودہ مجاہدین شہید ہوئے، مجاہدین میں سے چھ (۶) خزرج میں سے چھ (۶) اور اوس میں سے دو (۲) (۲)۔

(۱) الحیاة العسکریہ: ص ۶۵، و صحیح السیرۃ النبویہ: ۲۵۵۔

(۲) الحیاة العسکریہ: ص ۵۷-۵۹، الاکتفاء: ۵۰/۲، غزوات النبی ﷺ: ص ۲۲۔

نبی کریم ﷺ مدینہ میں داخل ہوئے:

نبی کریم ﷺ راستہ میں تیز گام چلتے رہے، یہاں تک کہ قیدیوں سے ایک دن پہلے مدینہ پہنچ گئے، اور آپ نے ان قیدیوں کو راستہ میں ہی اپنے صحابہ کے درمیان تقسیم کر دیا تھا اور ان سے کہا تھا کہ قیدیوں کے ساتھ تم لوگ اچھا معاملہ کرنا۔

معمرہ بدر اسلام کی تاریخ میں ایک فیصلہ کن جنگ کی حیثیت رکھتا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اسے ”یوم الفرقان“ کا نام دیا ہے، اس لئے کہ اللہ نے اس کے ذریعہ حق اور باطل کے درمیان تفریق کر دیا۔ اور عقیدہ اسلامیہ کو اس جنگ کے ذریعہ بڑی زبردست کامیابیاں حاصل ہوئیں، اور دشمنان اسلام جو مدینہ اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں تھے، خوف زدہ ہو گئے، چنانچہ بہت سے اہل مدینہ اس معمرہ کے بعد اسلام لے آئے، اور عبد اللہ بن ابی بن سلول اور اس کے دیگر منافق ساتھیوں نے ظاہری طور پر اسلام لانے کا اعلان کر دیا، اور منافقین کی ایک جمعیت بنالی، جنہوں نے ظاہر میں اسلام کا اعلان کر دیا اور باطن میں کفر کو اپنے دلوں میں چھپائے رکھا۔ اور یہود تو اس جنگ کے بعد نہایت ذلیل و رسوا ہوئے، اور اپنے دلوں میں چھپے کینوں کو ظاہر کر دیا، اس لئے کہ جنگ کے نتیجے نے انہیں بہت زیادہ ناراض کر دیا تھا، جس کی وہ توقع نہیں کرتے تھے، اور ان کے اقوال و افعال سے غیظ و غضب اور بغض و کینہ کی بھڑکتی آگ کے شعلے اٹھنے لگے، اور شعوری اور غیر شعوری طور پر حد سے تجاوز کرنے لگے، اور ان کی انہی خبیث حرکات کا نتیجہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے بنی قینقاع کو مدینہ سے جلا وطن کر دیا^(۱)۔

شہدائے بدر کی فضیلت:

اسلام کی تاریخ میں شہدائے بدر کی بہت بڑی فضیلت آئی ہے، اس سلسلے کی بعض صحیح احادیث کا ذیل میں مطالعہ کیجئے:

۱- امام بخاری نے معاذ بن رفاعہ الزرقی کے حوالے سے ان کے باپ رفاعہ سے روایت کی ہے کہ (ان کے باپ رفاعہ بدری صحابہ میں سے تھے، اور ان کے دادا بیعتہ العقبہ والوں میں سے) جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور پوچھا: آپ لوگوں کے درمیان مجاہدین بدر کا کیا مقام ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ مسلمانوں میں افضل اور اچھے ہیں، جبریل نے کہا: اسی طرح وہ فرشتے بھی فرشتوں میں افضل ہیں جو غزوہ بدر میں شریک ہوئے^(۲)۔

(۱) السیرۃ النبویہ: ۳۷۱/۲، غزوات النبی ﷺ: ص ۴۲۔

(۲) صحیح البخاری، حدیث: (۳۹۹۳)۔

۲- امام بخاری نے حمید سے روایت کی ہے، انہوں نے انس سے کہ حارثہ معرکہ بدر میں شہید ہو گئے تو ان کی ماں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور پوچھا: یا رسول اللہ! آپ کو معلوم ہے کہ حارثہ کا میرے دل میں کیا مقام تھا، اگر وہ جنت میں ہے تو میں اس اجر کی امید میں صبر کروں گی، اور اگر ایسا نہیں ہے تو آپ جانتے ہیں کہ پھر میں کیا کروں گی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تمہیں ہدایت دے، کیا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے، تم ایک جنت کی بات کرتی ہو، جنتیں تو بہت ساری ہیں، اور حارثہ تو جنت الفردوس میں ہے۔ امام بخاری کہتے ہیں: یہ حدیث اگرچہ شہید کے بارے میں ہے، لیکن غزوہ بدر کی فضیلت میں سبھی شریک ہیں، جو شہید ہو گئے وہ بھی اور جو نہیں شہید ہوئے وہ بھی (۱)۔

۳- اور بخاری و مسلم نے حاطب بن ابولبتعہ کا واقعہ بیان کیا ہے، جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے اہل مکہ کو خط بھیج کر جنگ کی خبر دینی چاہی تھی، اور عمر نے رسول اللہ ﷺ سے ان کی گردن مار دینے کی اجازت مانگی تھی، اس لئے کہ انہوں نے اللہ، اس کے رسول اور مومنوں کے ساتھ خیانت کی تھی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ غزوہ بدر میں شریک ہوئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ یقیناً اہل بدر کے دلوں پر مطلع تھا، اسی لئے کہا: اے اہل بدر! تم جو چاہو کرو، تمہارے لئے جنت واجب ہو گئی، یا تمہیں بخش دیا گیا۔ راوی کہتے ہیں: یہ سن کر عمر کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گیا، اور کہنے لگے: اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے (۲)۔

۴- اور مسلم نے جابر بن عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ حاطب بن ابولبتعہ کا ایک غلام رسول اللہ ﷺ کے پاس ان کی شکایت لے کر آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! حاطب ضرور جہنم میں جائے گا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم جھوٹ بولتے ہو، وہ جہنم میں نہیں داخل ہوں گے، وہ تو غزوہ بدر اور صلح حدیبیہ میں شریک ہوئے ہیں (۳)۔

۵- اور امام مسلم و ترمذی نے جابر سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ آدمی ہرگز جہنم میں داخل نہیں ہو گا جو غزوہ بدر اور صلح حدیبیہ میں شریک ہوا ہے (۴)۔

قتل رسول ﷺ کی سازش:

عمیر بن وہب مکہ کے شیطانوں میں سے ایک شیطان تھا، اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کو ایذا پہنچا تھا، اور معرکہ بدر سے بچ کر بھاگنے والے مشرکین جب مکہ واپس پہنچے تو معلوم ہوا کہ اُس کا بیٹا وہب بن عمیر قیدی

(۱) فتح الباری: ۷/۳۰۳، ۳۰۵، النووی: ۵۵/۱۶۔

(۲) صحیح البخاری، حدیث: (۳۹۸۳)، صحیح مسلم، فضائل الصحابہ، حدیث: (۱۶۲)۔

(۳) مصدر سابق، حدیث (۱۶۲)۔

(۴) صحیح مسلم، فضائل الصحابہ، حدیث: (۲۴۴۹۶)، سنن ترمذی، حدیث: (۳۸۶۴)۔

بنالیا گیا ہے۔ ایک دن وہ صفوان بن امیہ کے ساتھ حجر میں بیٹھا تو صفوان نے کہا کہ اللہ کی قسم! ہمارے قیدیوں اور مقتولین کی خبروں کے بعد اب زندگی میں کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ عمیر نے کہا: تم نے سچ کہا، اللہ کی قسم! اگر مجھ پر لوگوں کا قرض نہ ہوتا، اور بچے نہ ہوتے جن کے میرے بعد ضائع ہو جانے کا ڈر ہے، تو میں مدینہ جا کر محمد کو قتل کر دیتا، اور میرے پاس وہاں جانے کا ایک معقول بہانہ یہ ہے کہ میرا بیٹا وہاں مسلمانوں کے پاس قیدی ہے۔ صفوان نے کہا: میں تمہارے قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری لیتا ہوں، اور تمہارے بچے میرے بچوں کے ساتھ زندگی بھر رہیں گے، میں اُن کی دیکھ بھال کروں گا۔ عمیر نے کہا: پھر ہم دونوں کی اس بات کو تیسرا نہ جانے، صفوان نے کہا: میں ایسا ہی کروں گا۔

پھر عمیر نے اپنی تلوار کو تیز اور زہر آلود بنایا، اور مدینہ پہنچ گیا، سب سے پہلے اُسے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ وہ اپنی اونٹنی کو مسجد کے دروازہ پر بیٹھا رہا ہے، اور اُس کی گردن میں تلوار لٹک رہی ہے۔ عمر نے دل میں کہا کہ یہ عمیر اللہ کا دشمن یقیناً بُری نیت سے آیا ہے، اسی نے بدر کے دن کافروں کو ہمارے خلاف بھڑکایا تھا، اور ہماری تعداد کا اندازہ لگایا تھا۔

عمر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے اور کہا: اے اللہ کے نبی! اللہ کا دشمن عمیر اپنی تلوار گردن میں لٹکائے آیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اُسے میرے پاس لے آؤ، عمر گئے، اور اُسے اُس کی گردن میں لٹکتی تلوار کے نیام سے پکڑ کر لے آئے، رسول اللہ ﷺ نے کہا: عمر! اسے چھوڑ دو۔ پھر کہا: عمیر، میرے قریب آؤ۔ وہ قریب ہوا اور اہل جاہلیت کی عادت کے مطابق سلام کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمیر! اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہارے اس نتیجے سے بہتر اہل جنت کا نتیجہ السلام علیکم عطا فرمایا ہے، اے عمیر! تم کس لئے آئے ہو؟ اس نے کہا: میں اپنے بیٹے کا فدیہ لے کر آیا ہوں جو آپ لوگوں کے پاس قیدی ہے، آپ لوگ اس کا فدیہ لے کر ہم پر احسان کیجئے، آپ ﷺ نے پوچھا: تمہاری گردن میں یہ تلوار کیوں لٹک رہی ہے؟ اُس نے کہا: اِن تلواروں کا بُرا ہو، انہوں نے ہمیں کیا فائدہ پہنچایا ہے، میں اونٹنی سے اترتے وقت اپنی گردن میں ہی اسے لٹکتا ہوا بھول گیا تھا، نبی کریم ﷺ نے اُس سے کہا: سچ بتاؤ، تم کس لئے آئے ہو؟ اُس نے کہا: میں صرف اسی کام لئے آیا ہوں، آپ ﷺ فرمایا: بلکہ تم اور صفوان بن امیہ حجر میں بیٹھے بدر کے کنواں میں ڈالے گئے قریشی مقتولین کو یاد کر رہے تھے، تم نے کہا: اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا، اور میرے چھوٹے بچے نہ ہوتے تو مدینہ جا کر محمد کو قتل کر دیتا، اور صفوان نے تمہارے قرض اور بال بچوں کی ذمہ داری لے لی تاکہ تم مجھے قتل کر دو، لیکن اللہ میرے اور تمہارے درمیان حائل ہے۔

عمیر نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اور آپ سچے ہیں، آپ جب آسمان کی خبریں

ہمارے پاس لاتے تھے تو ہم سب آپ کو جھٹلاتے تھے، اور اس گفتگو کے وقت تو میرے اور صفوان کے سوا کوئی نہ تھا، اللہ کی قسم، مجھے یقین ہے کہ اس کی خبر آپ کو اللہ نے دی ہے، اور اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اسلام لانے کی ہدایت دی، اور آپ کے پاس پہنچا دیا، پھر اس نے کلمہ حق اپنی زبان سے ادا کیا، تب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: تم لوگ اپنے بھائی کو دین کی تعلیم دو، اور اسے قرآن پڑھنا سکھاؤ، اور اس کے قیدی کو چھوڑ دو۔ صحابہ نے ایسا ہی کیا۔

عمیر نے کہا: یا رسول اللہ! میں اللہ کے نور کو بجھانے کی کوشش کرتا رہا ہوں، اور اللہ کے بندوں کو بڑی تکلیف پہنچاتا رہا ہوں، میں پسند کروں گا کہ آپ مجھے مکہ جانے کی اجازت دیجئے تاکہ میں اہل مکہ کو اللہ اور اسلام کی طرف بلاؤں، شاید کہ اللہ انہیں ہدایت دے دے۔

اور اُدھر صفوان قریشیوں سے کہتا پھرتا تھا: تمہیں ایک واقعہ کی خوشخبری دیتا ہوں جو چند ہی دنوں میں ہونے والا ہے، اُسے سن کر تم بدر کی مصیبتوں کو بھول جاؤ گے، اور صفوان ہر دن عمیر کے بارے میں مدینہ کی طرف سے آنے والوں سے پوچھتا رہتا تھا، یہاں تک کہ ایک قافلہ نے اُسے عمیر کے اسلام لانے کی خبر دی، یہ سُن کر اس نے قسم کھائی کہ وہ اس سے کبھی بات نہیں کرے گا، اور اس کو کوئی نفع نہیں پہنچائے گا، عمیر مکہ پہنچ کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے لگا، اور اس کے مخالفین کو تکلیف پہنچانے لگا، چنانچہ بہت سے لوگ اس کے ہاتھ پر اسلام لے آئے^(۱)۔

رُقیۃ بنت الرسول ﷺ کی وفات:

اسی سال ماہ رمضان میں، جس دن زید بن حارثہ اور عبد اللہ بن رواحہ مومنوں کی فتح و نصرت اور مشرکوں کی شکستِ فاش کی خبر لے کر آئے، رُقیۃ بنت الرسول ﷺ وفات پا گئیں اور مسلمانوں نے انہیں دفن کر دیا۔ اسامہ بن زید کہتے ہیں: ہم لوگوں کو مدینہ میں معرکہ بدر میں مسلمانوں کی فتح و نصرت کی خبر اُس وقت ملی جب ہم رُقیۃ بنت الرسول ﷺ کو دفن کر چکے تھے، مجھے رسول اللہ ﷺ نے اُن کے شوہر عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ اُن کی دیکھ بھال کے لئے چھوڑ دیا تھا^(۲)۔

عثمان رضی اللہ عنہ سے اُمّ کلثوم بنت الرسول ﷺ کی شادی:

عثمان بن عفان کہتے ہیں کہ میں نے عمر کو ان کی بیٹی سے شادی کرنے کا پیغام دیا، تو انہوں نے معذرت

(۱) اتحاف الوری: ۳۲۵-۳۲۸، دلائل الیقینی: ۱۳۷-۱۳۹، السیرۃ النبویہ: ابن کثیر: ۳۸۶/۲۔

(۲) صحیح السیرۃ النبویہ: ص/۳۵۵۔

کردی، رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے عمر سے کہا: کیا میں تمہیں عثمان سے بہتر داماد اور عثمان کو تم سے بہتر خسر بناؤں؟ عمر نے کہا: ہاں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کرو، اور میں عثمان کی شادی اپنی بیٹی (ام کلثوم) سے کر دیتا ہوں، چنانچہ آپ ﷺ نے رقیہ کی وفات کے بعد اپنی بیٹی ام کلثوم کی شادی عثمان سے کر دی۔

علی رضی اللہ عنہ سے فاطمہ بنت الرسول ﷺ کی شادی :

بیہقی نے ابن مندہ کی کتاب ”المعرفہ“ کے حوالے سے لکھا ہے کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فاطمہ سے سن ایک ہجری میں نکاح کیا، اور اس کے ایک سال بعد رخصت کر کے لے آئے، یعنی واقعہ بدر کے کچھ ہی دنوں کے بعد سن دو ہجری کے آخر میں۔ اور واقدی نے اسحاق بن عبد اللہ کی ابو جعفر سے ایک روایت کی بنیاد پر صراحت کی ہے کہ علی فاطمہ کو ذی الحجہ سن دو ہجری میں رخصت کر کے اپنے گھر لے آئے۔ اور بیہقی نے دلائل میں علی سے فاطمہ کی شادی کا واقعہ خود علی کی روایت سے بیان کیا ہے، علی کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کو کسی طرف سے فاطمہ سے شادی کا پیغام ملا، تو میری ایک آزاد کردہ باندی نے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو فاطمہ سے شادی کا پیغام دیا گیا ہے؟ میں نے کہا: نہیں، اُس نے کہا: ہاں، پیغام آیا ہے، تو آپ کے لئے کیا مانع ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے بات کیجئے تاکہ وہ آپ سے فاطمہ کی شادی کر دیں؟ میں نے کہا: میرے پاس کہاں کوئی چیز ہے جس کے ذریعہ شادی کر سکوں؟ اُس نے کہا: اگر آپ رسول اللہ ﷺ سے بات کریں گے تو وہ آپ سے کر دیں گے، اسی طرح وہ میری ہمت بڑھاتی رہی، یہاں تک کہ میں آپ ﷺ کے پاس آیا، اور آپ ﷺ کی شخصیت میں رعب و ہیبت تھی، اس لئے جب میں آپ ﷺ کے سامنے بیٹھا، تو میری زبان گنگ ہو گئی، اور بات نہ کر سکا، تو رسول اللہ ﷺ نے خود ہی پوچھا: کس لئے آئے ہو، کیا تمہیں کوئی کام ہے؟ میں خاموش رہا، آپ ﷺ نے پھر پوچھا: کس لئے آئے ہو، کیا کام ہے؟ میں پھر بھی خاموش رہا، تب آپ ﷺ نے کہا: شاید تم فاطمہ کے لئے پیغام دینے آئے ہو؟ میں نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: تمہارے پاس کوئی چیز ہے جس کے عوض تم اُسے حلال بناؤ گے؟ میں نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے پوچھا: تمہارا وہ زہ کہاں گیا جو میں نے دیا تھا؟ (علی کہتے ہیں: اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، وہ ایک ثقیل چوڑی سی زہ تھی جس کی قیمت صرف چار درہم تھی) میں نے کہا: وہ تو میرے پاس ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے تمہارا نکاح اسن سے کر دیا، وہ زہ فاطمہ کے پاس بھیج دو، تاکہ اس کے عوض تم اسے اپنے لئے حلال بنا سکو، چنانچہ وہی زہ فاطمہ بنت

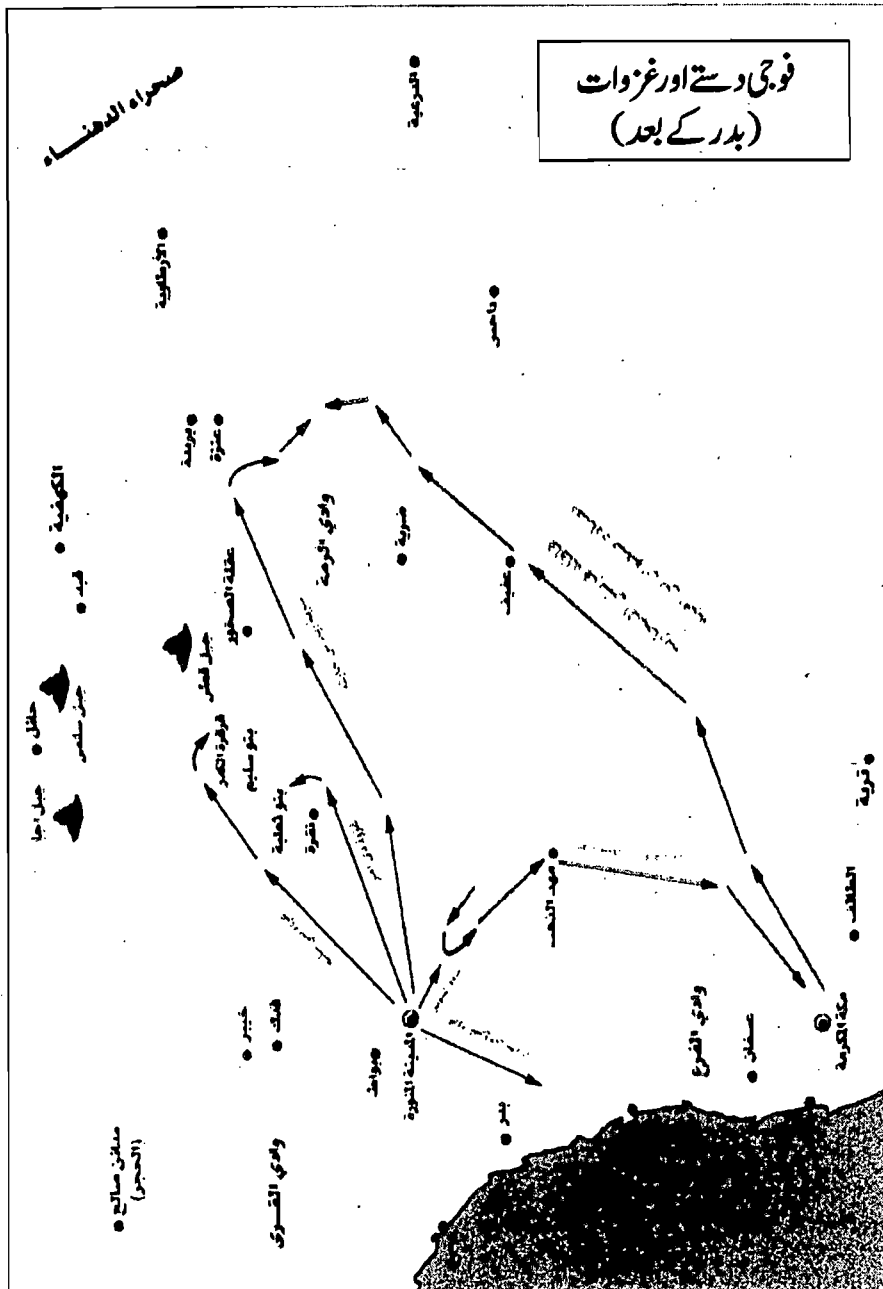
الرسول ﷺ کا مہربانی (۱)

اور امام احمد نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ کو ایک مخملی چادر، ایک گھڑا اور چمڑے کی بنی ایک تکیہ (جس میں اذخر نامی گھاس بھری ہوئی تھی) کے ساتھ رخصت کیا تھا (۲)۔



(۱) البدایہ والنہایہ: ۳/۳۶۶۔

(۲) مسند احمد: ۱/۴۱۸، اس کی سند صحیح ہے۔



فوجی دستے اور غزوات (بدر کے بعد)

غزوہ بنی سلیم:

رسول کریم ﷺ غزوہ بدر سے رمضان کے آخری دنوں میں یا شوال سن دو ہجری کی ابتدا میں فارغ ہوئے اور مدینہ واپس آئے ہوئے ابھی سات دن ہی گزرے تھے کہ آپ کو خبر ملی کہ قبائل غطفان کا قبیلہ بنی سلیم مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے اپنی طاقتیں جمع کر رہا ہے، اور آپ کو یہ خبر بھی ملی کہ بنی سلیم اور غطفان نے مقام قرقرۃ الکدر (بنی سلیم کا ایک کنواں) میں اپنی فوجوں کو جمع کر لیا ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ پر سباع بن عرفطہ غفاری یا ابن ام مکتوم کو اپنا خلیفہ مقرر کیا اور دوسوا افراد پر مشتمل ایک فوج کی خود قیادت کی اور انہیں اس کنواں پر جالیا، لیکن وہ سب بھاگ پڑے اور وادی میں پانچ سواونٹ چھوڑ گئے جن پر اسلامی فوج نے قبضہ کر لیا، اور رسول اللہ ﷺ نے اس کا پانچواں حصہ نکالنے کے بعد باقی مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا، اس طرح ہر مجاہد کو دو اونٹ ملے، اور آپ کو ایک غلام ملا، جس کا نام یسار تھا، بعد میں اسے آپ نے آزاد کر دیا۔ آپ ﷺ وہاں تین دن تک قیام پذیر رہے، پھر مدینہ واپس چلے آئے^(۱)۔

یہود کی سازشیں:

رسول کریم ﷺ نے اہالی مدینہ کے درمیان تعلقات کو منظم کرنے کے لئے دو وثیقے لکھے تھے، جن کا ذکر گزر چکا ہے، وہاں میں نے لکھا ہے کہ دوسرا وثیقہ مدینہ میں رہنے والے یہود سے متعلق تھا، تاکہ مدنی سوسائٹی میں رہنے والے تمام مسلمانوں اور یہود کے لئے امن و سکون کو بحال رکھا جائے، اور مسلمانوں نے اس وثیقہ کی ایک بات کو نافذ العمل بنانے کی ہر ممکن کوشش کی، لیکن یہود جن کی تاریخ دھوکہ دہی، خیانت، بد عہدی، اور قتل انبیاء جیسے گناہوں سے بھری پڑی ہے، انہوں نے اپنی پرانی خبیث عادت کے مطابق اس وثیقہ کا لحاظ نہیں کیا اور نبی کریم ﷺ اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے لگے، اور مشرکوں کے ساتھ خفیہ تعلقات قائم کر کے اپنی پرانی ناپاک مہارت کے مطابق اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے پروگرام بنانے لگے۔ اور میں نے گزشتہ صفحات میں یہ بھی لکھا ہے کہ ان میں سے بعض نے بظاہر اسلام کو قبول کر لیا، لیکن ان کی پوشیدہ دشمنی طویل مدت تک چھپی نہ رہی، اس لئے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اعلانیہ ایذا پہنچانے لگے، اور آپ کے بارے میں بُرے کلمات استعمال کرنے لگے، اور اپنی شاعری میں مسلمان عورتوں کے ساتھ شوقِ تغزل کی تکمیل کرنے لگے، اور

(۱) السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۵۳۹: ۲۔

راستہ چلتے مسلمان عورتوں کو چھیڑنے لگے۔

اور اس عداوت کا اولین سبب ان کے دل میں چھپا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف حسد تھا، اس لئے کہ اسلام سے پہلے مدینہ کے عرب قبائل کے نزدیک یہود کا ایک خاص مقام تھا، عرب اپنے بہت سے معاملات میں ان سے رائے مشورہ لیا کرتے تھے، اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ انہیں انبیاء سے ورثہ میں آسانی علم ملا ہے، چنانچہ جب اسلام آیا اور نبی کریم ﷺ مسلمانوں کے لئے ان کے تمام معاملات میں مرجع بن گئے، تو عرب ان یہود سے مستغنی ہو گئے۔

یہ یہود اللہ کی کتاب تورات میں تحریف کرتے تھے، اور ان کی یہ بات عربوں سے چھپی ہوئی تھی، وہ اپنی رغبت و خواہش کے مطابق تورات اور اس میں موجود احکام شرعیہ میں تصرف کرتے تھے، اور جب اسلام آیا تو اس نے ان کا پردہ فاش کیا، اور قرآن نے ان کے بارے میں انکشاف کیا کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ کتاب کو چھپاتے ہیں، ہدایت کے بدلے گمراہی خریدتے ہیں، اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں، انبیاء کو قتل کرتے ہیں، اور اللہ سے کئے گئے عہد و پیمان کو توڑتے ہیں۔ ان باتوں سے یہود کا غصہ بھڑک اٹھا، اور رسول اللہ ﷺ اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بغض و عداوت کا معاملہ کرنے لگے۔

اسلام اور مسلمانوں سے ان کی عداوت کے ظاہری اسباب میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اسلام سے پہلے مدینہ کے اقتصادی نقل و حرکت پر انہی کا کنٹرول تھا، لیکن جب مہاجرین آئے جو امور تجارت میں خاصی مہارت رکھتے تھے، اس لئے کہ مکہ میں ان کی زندگی کی اساس تجارت پر ہی تھی، تو انہوں نے ان یہود کا تمام تجارتی امور میں مقابلہ کرنا شروع کر دیا، بلکہ ان پر بہت سے تجارتی امور کے دروازے تنگ کر دیئے، اور ان کے مالی اثر و رسوخ کو شدید نقصان پہنچایا، اس لئے وہ ان کے خلاف بغض و کینہ رکھنے لگے۔

نیز اسلامی حکومت جس کی بنیاد نبی کریم ﷺ نے مدینہ آنے کے بعد پہلے دن سے ہی رکھ دی تھی، یہ حکومت دن بدن مضبوط ہوتی گئی، مسلمان متحد ہوتے گئے، اور اپنے تمام دینی اور دنیاوی معاملات میں رسول کریم ﷺ کی طرف رجوع کرنے لگے، اور یہودیوں سے ان کی نفرت دن بدن بڑھتی گئی۔ اس لئے کہ قرآن کریم ہر دن ان کے حبش باطن اور بدینتی کو ظاہر کرنے لگا، اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مدینہ میں رہنے والے انصار عہد بعید سے ان یہود کے لئے ان کے حبش باطن اور عربوں کے درمیان قدیم عداوتوں کو بھڑکانے کے سبب اپنے دلوں میں شدید نفرت رکھتے تھے۔

انہی اسباب کی بنا پر یہود اسلام اور مسلمانوں سے شدید بغض اور کینہ رکھتے تھے، اور اس کے بُرے آثار مدنی

سوسائٹی میں یہودیوں کی سازشوں، نبی کریم ﷺ کو ان کی ایذا رسانی، اور مسلمان عورتوں سے تغزل کی صورت میں ظاہر ہوتے تھے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے کچھ ایسی کارروائیاں ضروری سمجھیں جن کے ذریعہ اُن یہودی کی ناپاک سازشیں روک دی جائیں۔

اسی سلسلے کی کڑی وہ فوجی دستے اور غزوات ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے یہود کے خلاف نافذ کیا تھا، ذیل میں اُن اہم فوجی دستوں اور غزوات کی کچھ تفصیلات درج ہیں:

عصماء بنت مروان یہودیہ کا قتل:

عصماء بنت مروان ایک یہودی عورت تھی، جو اسلام کی عیب جوئی کرتی تھی، اور نبی کریم ﷺ کو ایذا پہنچاتی تھی، اور دوسروں کو آپ کے خلاف برا بھلا کہتی تھی۔ معرکہ بدر کے بعد اُس نے اپنے اشعار میں مسلمانوں کی ہجو کی، عمیر بن عدی بن خرشہ رضی اللہ عنہ نے جب اس کے وہ اشعار سنے تو انہوں نے نذرمانی کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو بدر سے بحفاظت تمام مدینہ واپس پہنچادیں گے تو وہ آپ ﷺ سے اس یہودیہ کو قتل کر دینے کی اجازت لیں گے۔

چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ بحفاظت تمام اور کامیاب وکامران واپس لوٹے تو عمیر رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار نیام سے کھینچ لی اور رات کی تاریکی میں اس عصماء بنت مروان یہودیہ کے گھر میں گھس گئے، اس وقت وہ سوئی تھی، اور اس کے سینے میں اپنی تلوار اُتار دی، پھر لوٹ کر مسجد نبوی میں آئے اور آپ کے ساتھ نماز پڑھی، آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: کیا تم نے مروان کی بیٹی کو قتل کر دیا، انہوں نے کہا: ہاں، یا رسول اللہ! اس کے لئے مجھ پر کچھ ذمہ داری آتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے قتل پر کوئی آدمی اعتراض کرنے والا نہیں ملے گا جو اس کا بدلہ لینا چاہے۔ یہ واقعہ ماہِ رمضان سن دو ہجری کا ہے^(۱)۔

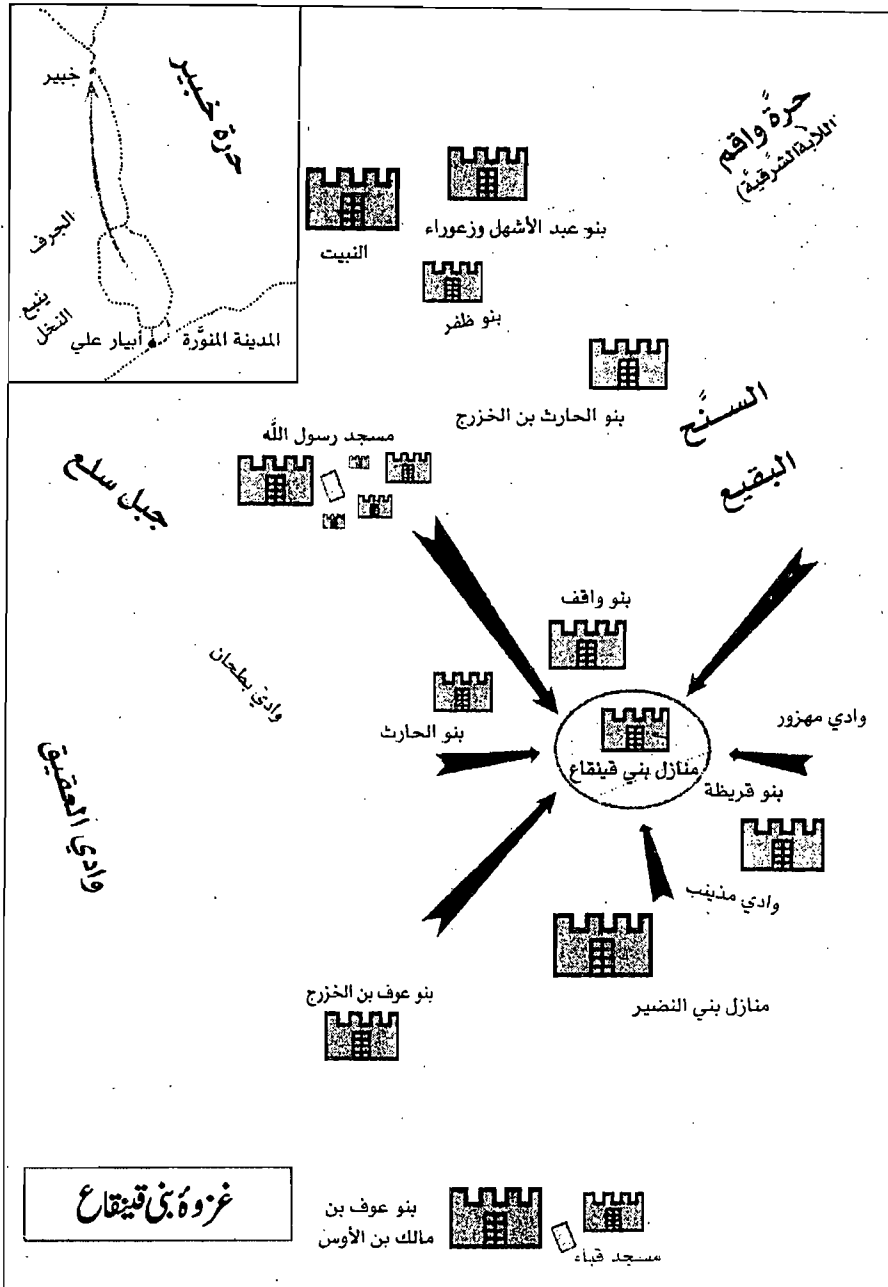
ابو عصفک یہودی کا قتل:

یہ شخص بھی شرانگیزی اور ایذا رسانی کا بہت بڑا سبب تھا، مشرکوں کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف ورغلاتا تھا، اور اپنے اشعار اور کلام میں مسلمانوں کی ہجو کرتا تھا، آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: کون ہے جو اس خبیث کو قتل کر دے؟ سالم بن عمیر نے کہا: میں اس بات کی نذر مانتا ہوں کہ ابو عصفک کو قتل کر دوں گا، یا اس راہ میں اپنی جان دے دوں گا۔

(۱) سرایہ غزوات النبی ﷺ: ص ۳۳۔

سالم بن عمیر اس کام کے لئے موقع کی تلاش میں رہے، یہاں تک کہ ماہ رمضان سن دو ہجری کی ایک رات میں اس کے گھر پہنچے اور اسے قتل کر دیا، اور اپنی نذر پوری کرنے اور رسول اللہ ﷺ کا حکم نافذ کرنے کے بعد اپنے گھر واپس آ گئے۔

یہی ہے بدلہ ان لوگوں کا جو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں، جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ (جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں، اور زمین میں فساد پھیلانے میں لگے رہتے ہیں، ان کا بدلہ یہ ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے، یا انہیں سولی پر چڑھا دیا جائے، یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں، یا انہیں جلا وطن کر دیا جائے، یہ رسوائی ان کے لئے دنیا میں ہے، اور آخرت میں انہیں عذاب عظیم دیا جائے گا) [المائدہ: ۳۳] (۱)۔



غزوہ بنی قینقاع

یہود بنی قینقاع کی بد عہدی:

نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں اور یہود کے درمیان امن وامان قائم رکھنے کے لئے جو وثیقہ لکھا تھا، اس کا یہود مدینہ نے بالعموم کوئی لحاظ نہیں کیا، اور بالخصوص یہود بنی قینقاع جو مدینہ میں انہی کے نام سے ایک محلہ میں رہائش پذیر تھے، یہ لوگ سونار، لوہار، اور گھریلو ساز و سامان اور آلات جنگ بنانے والے تھے، اور ان کے جنگ کرنے والے جوانوں کی تعداد تقریباً سات سو تھی، اور تمام یہود میں اپنی شجاعت و بہادری میں مشہور تھے۔

جب اللہ نے اپنے رسول اور مومنوں کو معرکہ بدر میں فتح و نصرت سے نوازا تو ان کا غیظ و غضب اور بغض و حسد بھڑک اٹھا اور کھل کر شرارت انگیزی، دشمنی اور بغاوت و سرکشی پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ ایک دن نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ بنو قینقاع کے بازار میں گئے، انہیں جمع کیا، نصیحت کی اور انہیں اُن کا عہد و پیمان یاد دلایا، اور ان سے کہا کہ وہ عقل کے ناخن لیں، اور انہیں بغاوت اور تکبر کے بُرے انجام سے ڈرایا، لیکن ان کی شر انگیزی اور کبر و غرور میں مزید اضافہ ہو گیا۔

ابوداؤد نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بازار بنی قینقاع میں جمع کر کے کہا کہ اے جماعتِ یہود! اللہ سے ڈرو، اور اس طرح کے عذاب سے جیسا قریش پر نازل ہوا، اور اسلام لے آؤ، تم سب جانتے ہو کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا نبی ہوں، یہ بات تمہاری کتاب میں لکھی ہوئی ہے، اور اللہ نے تم سے مجھ پر ایمان لانے کا عہد و پیمان لے رکھا ہے۔ انہوں نے کہا: اے محمد! تم ہمیں اپنی قوم جیسا سمجھ رہے ہو، تمہیں یہ بات دھوکے میں نہ ڈال دے کہ تمہاری مدد بھیڑ ایک ایسی قوم سے ہوئی تھی جسے جنگ کرنے کا کوئی علم نہ تھا، تم نے اُن کی اس لاعلمی کا فائدہ اٹھایا ہے، اللہ کی قسم! اگر ہم نے تم سے جنگ کی تو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ جنگ کرنا ہمارا کام ہے، اور یہ کہ ابھی ہم جیسوں سے تمہیں سابقہ نہیں پڑا ہے۔

ابن عباس نے مزید کہا: انہی کے بارے میں مندرجہ ذیل آیتیں نازل ہوئی ہیں: ﴿قُلْ لِللّٰهِ كُفْرُوۡا سَتُغْلِبُوۡنَ وَتُحْشَرُوۡنَ اِلٰی جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمِهَادُ (۱۲)﴾ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰیۃٌ فِیْ فِئْتِنِیۡنِ التَّتَقٰتَا فِیۡنَہٗ تَقٰتَلُ فِیۡ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاٰخَرٰی كَافِرَۃٌ یَّرَوْنَهُمْ مِّثْلِیۡنِہُمْ رَاٰی الْعِیۡنِ وَاللّٰہُ یُؤٰیۡدُ بِنَصْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِیۡ الْاَبْصَارِ ﴿﴾ آپ کافروں سے کہہ دیجئے کہ تم عنقریب مغلوب ہو گے، اور جہنم کی طرف لے جانے کے لئے جمع کئے جاؤ گے، اور وہ بڑا ہی بُرا ٹھکانا ہے، یقیناً تمہارے لئے دونوں گروہوں

میں ایک نشانی تھی، جو ایک دوسرے کے مقابل میں آگئے، ایک گروہ اللہ کی راہ میں قتال کر رہا تھا، اور دوسرا کافروں کا گروہ مسلمانوں کو اپنی ظاہری آنکھوں سے اپنے سے دو گنا دیکھ رہا تھا، اور اللہ اپنی مدد کے ذریعے جس کی چاہتا ہے تائید فرماتا ہے، بے شک اس میں اہل بصیرت کے لئے عبرت ہے) [آل عمران: ۱۲، ۱۳] (۱)۔

انہی دنوں ایک مسلمان عورت جس کی شادی اس کے خاندان سے باہر ایک انصاری سے تھی، بازارِ بنی قینقاع میں آئی، اور ایک سونار کے پاس اس سے اپنا زیور لینے کے لئے بیٹھی، ایک یہودی اس کے پیچھے چپکے سے آکر اُس کے کپڑے کو ایک کانٹے کے ذریعہ اس کی پشت سے اٹکا دیا، عورت جب کھڑی ہوئی تو اس کی شرمگاہ کھل گئی اور یہود ہنسنے لگے، وہ عورت چیخ پڑی، اس کی آواز سن کر ایک مسلمان پہنچ گیا، اور اس نے یہودی کو قتل کر دیا، اور بنو قینقاع کے یہود نے اس مسلمان کو گھیر کر قتل کر دیا، اُس مسلمان کے خاندان والے دیگر مسلمانوں کے پاس گئے اور حقیقتِ حال سے ان کو آگاہ کیا، مسلمان ناراض ہو گئے، اور یہود نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ کئے گئے عہد نامے کی خلاف ورزی کا اعلان کر دیا اور اپنے قلعہ میں بند ہو گئے (۲)۔

یہود بنی قینقاع کی جلا وطنی:

جب انہوں نے نقضِ عہد کا اعلان کر دیا اور کھل کر دشمنی کرنے لگے تو مدینہ کے امن و امان کو برقرار رکھنے کے لئے نبی کریم ﷺ کے لئے اس مشکل کا حل تلاش کرنا ضروری ہو گیا، چنانچہ آپ ﷺ نے مدینہ پر ابولبابہ بن عبدالمنذر کو نائب بنادیا، اور ایک سفید جھنڈا حمزہ بن عبدالمطلب کے ہاتھ میں دے کر بنو قینقاع کے محلّہ کی طرف روانہ ہو گئے، اور ان قلعوں کا پندرہ دن تک محاصرہ کئے رکھا، جب محاصرہ شدید ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں خوف و دہشت ڈال دی، تو کہنے لگے: کیا ہم نیچے اتر جائیں اور یہاں سے نکل کر کسی دوسری جگہ چلے جائیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں، تمہیں میرا فیصلہ ماننا پڑے گا، چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کے مطابق نیچے اترے، تو آپ نے انہیں باندھنے کا حکم دیا، اور اُن سب کے ہاتھ پاؤں خوب اچھی طرح باندھ دیئے گئے، اور اس کام کی نگرانی کے لئے رسول اللہ ﷺ نے منذر بن قدامہ بن عوف انصاری اسی کو مقرر کیا۔

اُن کے پاس سے عبد اللہ بن ابی بن سلول گزرا اور کہنے لگا: ان کو کھول دو، منذر نے کہا: کیا تم ان لوگوں کو کھول دو گے جنہیں اللہ کے رسول ﷺ نے باندھا ہے۔ اللہ کی قسم! جو شخص انہیں کھولے گا، میں اس کی گردن مار دوں گا، اسی ابن ابی نے انہیں قلعہ میں بند ہونے کو کہا تھا، اور کہا تھا کہ وہ بھی اُن کے ساتھ قلعہ میں داخل

(۱) سنن ابوداؤد، حدیث: (۳۰۰۱) اور سیرۃ ابن ہشام: ۴۷/۳۔

(۲) سیرۃ ابن ہشام: ۴۸/۳، مغازی الوائدی: ۱۷۶، ۱۷۷، ابن سید الناس: ۲۹۵/۱۔

ہوگا، لیکن اس نے وعدہ وفا نہیں کیا، اور یہود اپنے قلعہ میں بند رہے، نہ ایک تیر چلایا اور نہ جنگ کی، یہاں تک کہ انہیں اپنی جانوں، اپنے اموال اور اپنی عورتوں اور اپنی اولاد کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ ماننے کا وعدہ کرنے کے بعد قلعہ سے نیچے اترنے کی اجازت ملی (۱)۔

ابن ابی بن سلول کا موقف بنی قیققاع سے متعلق:

ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے بنو قیققاع کا محاصرہ کیا، اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کو ماننے کا وعدہ کر لیا، تو عبد اللہ بن ابی بن سلول جو خزرجی تھا، اور اسلام سے پہلے بنو قیققاع کے حلیفوں میں سے تھا، رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا، اور کہا: اے محمد! میرے حلیفوں کے ساتھ اچھا معاملہ کرو، تو آپ نے اس سے رُخ پھیر لیا، لیکن اس نے آپ ﷺ کے گرتے کے گریبان میں اپنا ہاتھ ڈال دیا، آپ ﷺ نے کہا: مجھے چھوڑ دو، اور آپ ناراض ہو گئے، یہاں تک کہ آپ کے چہرہ مبارک پر اس کا اثر دیکھا جانے لگا، آپ نے اس سے پھر کہا: تمہارا بُرا ہو مجھے چھوڑ دو، اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا، یہاں تک کہ تم میرے حلیفوں کے بارے میں اچھا معاملہ کرنے کا وعدہ کر دو۔ چار سو ننگے سروالے اور تین سوزرہ پوش افراد نے سرخ و سیاہ سے میرا دفاع کیا ہے، تم اُن سب کو ایک دن میں ہلاک کر دینا چاہتے ہو، اللہ کی قسم! میں اِس کے برے نتائج سے ڈرتا ہوں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جاؤ، یہ سب تیرے لئے آزاد ہیں (۲)۔

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا موقف:

عبادہ بن صامت کا تعلق بنو عوف سے تھا، اور اللہ اور اس کے رسول کے لئے نہایت مخلص تھے، اور یہود کے ساتھ ان کی قوم کا ویسا ہی معاہدہ تھا جیسا ابن ابی کا اُن یہود کے ساتھ، لیکن اللہ اور اس کے رسول سے ان کی محبت اور ان دونوں کے لئے ان کی مکمل وفاداری کا یہ تقاضا ہوا کہ انہوں نے اُن یہود سے اعلانِ براءت کر دیا، اور رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر کہا کہ میں اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں سے محبت رکھتا ہوں، اور ان کافروں کے عہد اور ان کی دوستی سے براءت کا اعلان کرتا ہوں۔

ابن ابی نے کہا: تم نے اپنے حلیفوں سے اعلانِ براءت کر دیا، اور انہیں اُن واقعات کی یاد دلائی جن میں یہود نے ان کا ساتھ دیا تھا، تو عبادہ نے کہا: ابوالحباب! دلوں میں فرق آگیا، اور اسلام نے تمام عہد ناموں کو ختم

(۱) غزوات التبی للیہود: ص ۱۶۔

(۲) سیرۃ ابن ہشام: ۲/۱۳۸، اس کی سند صحیح ہے، دلائل البیہقی: ۳/۱۷۴۔

کر دیا۔ اللہ کی قسم! تم ایک ایسی بات پر جمع ہوئے ہو، جس کا برا انجام کل دیکھ لو گے، عبادہ اور ابن ابی کے بارے میں ہی سورۃ المائدہ کی مندرجہ ذیل آیتیں نازل ہوئیں: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ (۵۱) فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَى أَنْ تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ فَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِنْ عِنْدِهِ فَيُصِيبَهُمْ أَوْ يَكُونُ عَلَىٰ مَا أَسَرُّوا فِي أَنْفُسِهِمْ نَادِمِينَ (۵۲) وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ (۵۳) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِيَ اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (۵۴) إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ (۵۵) وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ﴿﴾ (اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ، وہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں، اور تم میں سے جو کوئی انہیں اپنا دوست بنائے گا وہ بے شک انہی میں سے ہو جائے گا، بے شک اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا، اس لئے آپ ان لوگوں کو جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے، دیکھ رہے ہیں کہ ان میں مل جانے کے لئے جلدی کر رہے ہیں، کہتے ہیں، ڈر ہے کہ ہمیں کوئی مصیبت لاحق ہو جائے گی، پس توقع ہے کہ اللہ (مسلمانوں کے لئے) فتح یا اپنے پاس سے کوئی اور چیز بھیج دے، پھر وہ ان باتوں پر نادم ہوں جنہیں اپنے دلوں میں چھپا رکھا تھا، اور ایمان والے کہیں گے، کیا یہی ہیں وہ لوگ جو اللہ کے نام کی بڑی شدید قسمیں کھایا کرتے تھے کہ وہ لوگ یقیناً تمہارے ساتھ ہیں، ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور گھانا اٹھانے والے ہو گئے۔ اے ایمان والو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا، تو اللہ تعالیٰ عنقریب ایسے لوگوں کو لائے گا، جن سے اللہ محبت کرے گا، اور وہ اللہ سے محبت کریں گے، جو مومنوں کے لئے نرم خور اور کافروں کے لئے سخت ہوں گے، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے، اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے، یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے، وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑی بخشش والا، بڑا علم والا ہے۔ بے شک تم لوگوں کے دوست اللہ اور اس کے رسول اور مومنین ہیں، جو نمازوں کو صحیح طریقے پر ان کے اوقات میں ادا کرنے کی پابندی کرتے ہیں، اور زکاۃ ادا کرتے ہیں، اور اللہ کے لئے خشوع و خضوع اختیار کرنے والے ہوتے ہیں، اور جو اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں

سے دوستی رکھے گا، تو بے شک اللہ والے ہی غالب ہوں گے) [المائدہ: ۵۱-۵۲] ^(۱)

بنی قینقاع سے متعلق ابن ابی کے موقف کی مزید تفصیلات:

ابن ابی نے جب ان یہود کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے بات کی تو آپ انہیں قتل کرنے سے رُک گئے اور حکم دیا کہ انہیں مدینہ سے نکال دیا جائے، ابن ابی دوبارہ اپنے دیگر حلیفوں کے ساتھ آیا، اُس وقت یہود نکل رہے تھے، اور رسول اللہ ﷺ سے بات کرنی چاہی کہ انہیں ان کے گھروں میں رہنے دیا جائے، اُس نے رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر عویم بن ساعدہ کو پایا، جب اس نے داخل ہونا چاہا تو عویم نے اسے روک دیا اور کہا: مت داخل ہو، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ تمہیں اجازت دے دیں، یہ سن کر ابن ابی نے ان کو دھکّا دیا، تو عویم اس کے ساتھ سختی پر اُتر آئے، یہاں تک کہ ابن ابی کے چہرے کو دیوار سے ٹکرا کر زخمی کر دیا، اور اس کا خون بہنے لگا، تب اس کے یہود خلفاء چیخنے لگے اور کہنے لگے: اے ابو الحباب! ہم ایسے گھر میں ہرگز نہیں رہیں گے جس میں مسلمانوں نے آپ کے چہرے کو زخمی کر دیا ہے ^(۱)۔

غنائم بنی قینقاع:

جب بنو قینقاع نے نیچے اُتر کر اپنے قلعہ کا دروازہ کھولا، اور باہر نکل گئے، تو محمد بن مسلمہ نے ان کے تمام مال و اسباب کو اپنے قبضے میں کر لیا، اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے ہتھیاروں میں سے تین ”قسی“، دو زہریں، تین تلوار اور تین نیزے لے لئے، اور مسلمانوں کو ان کے قلعوں میں بہت سے ہتھیار اور زرگری کے آلات ملے، اور رسول اللہ ﷺ نے ایک زرہ محمد بن مسلمہ کو اور ایک سعد بن معاذ کو دیا، یہ یہود زمینوں اور کھیتوں کے مالک نہیں تھے، اس لئے کہ ان کا پیشہ زرگری تھا۔

اور رسول اللہ ﷺ نے ان تمام اموالِ غنیمت کے پانچ حصے کئے، ایک حصہ اپنے پاس رکھا، اور باقی صحابہ میں تقسیم کر دیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے عبادہ بن صامت کو حکم دیا کہ وہ ان یہود کو مدینہ سے باہر کر دیں، عبادہ نے اُن سے کہا: تمہارے لئے صرف تین دن کی مہلت ہے اور یہ تو رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے، اگر معاملہ میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں تمہیں سانس لینے کی بھی اجازت نہیں دیتا، چنانچہ تین دن گزرنے کے بعد عبادہ ان کے پیچھے نکلے، یہاں تک کہ وہ تمام کے تمام شام کی طرف جانے والے راستے پر چل پڑے۔ اور انہوں نے اپنے بال بچوں کو

(۱) صحیح السیرۃ النبویہ: ص ۲۶۹، ۲۷۰، اور اس کی سند صحیح ہے، صحیح السیرۃ النبویہ، ابن ہشام: ۳۹/۲، ۵۰، دلائل البیہقی: ۱۷۳، ۱۷۵۔

(۲) غزوات النبی للیہود: ص ۱۸۰۔

اونٹوں پر بیٹھالیا اور خود پیدل چلنے لگے، جب وادی قرقیٰ میں پہنچے تو وہاں ایک مہینہ قیام کیا، وادی قرقیٰ کے یہود نے اُن میں سے پیدل چلنے والوں کو سواریاں مہیا کیں، اور وہ سب کے سب مقام اذرعات میں پہنچ گئے جو بلقاء اور عسکن کے درمیان شام کے علاقے میں واقع ہے، اور وہاں قیام پذیر ہو گئے۔

ابن عباس کہتے ہیں: انہی کے بارے میں مندرجہ ذیل آیتیں نازل ہوئیں: ﴿قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَتْغَلِبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ (۱۲) قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُمْ مِثْلِيهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصَرِهِ مَنْ يَشَاءُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ﴿﴾ (آپ کافروں سے کہہ دیجئے کہ تم عنقریب مغلوب ہو گے، اور جہنم کی طرف لے جانے کے لئے جمع کئے جاؤ گے، اور وہ بڑا ہی بُرا ٹھکانا ہے، یقیناً تمہارے لئے دونوں گروہوں میں ایک نشانی تھی، جو ایک دوسرے کے مقابل میں آگئے، ایک گروہ اللہ کی راہ میں قتال کر رہا تھا، اور دوسرا کافروں کا گروہ مسلمانوں کو اپنی ظاہری آنکھوں سے اپنے سے دو گنا دیکھ رہا تھا، اور اللہ اپنی مدد کے ذریعے جس کی چاہتا ہے تائید فرماتا ہے، بے شک اس میں اہل بصیرت کے لئے عبرت ہے) [آل عمران: ۱۲، ۱۳] (۱)۔

کعب بن اشرف کا قتل:

جمہور علماء کا خیال ہے کہ کعب بن اشرف غزوہ بدر کے بعد اور غزوہ بنی نضیر سے پہلے قتل کیا گیا، اور واقدی نے تو اس کی تعیین کر دی ہے، اور لکھا ہے کہ یہ واقعہ ۱۴ ربیع الاول سن تین ہجری یعنی ہجرت نبوی کے تقریباً پچیس ماہ بعد کا ہے (۲)۔

یہ شخص قبیلہ طلی کا تھا، اور اس کی ماں عقیلہ بنت ابی الحقیق بنی نضیر کی تھی، کعب کا باپ ان کا حلیف تھا، اور انہی لوگوں میں اس نے شادی کی۔ یہ کعب اسلام اور مسلمانوں سے بغض و حسد رکھنے والے یہودیوں میں سب سے زیادہ شدید تھا، اور دیگر یہودیوں کی طرح اسے بھی امید تھی کہ غزوہ بدر میں مسلمانوں کو شکست ہوگی، لیکن معاملہ ایسے تمام بدخواہوں کی توقع کے خلاف رہا، جب اسے سردارانِ قریش کے قتل اور بہتوں کے پابندِ سلاسل کئے جانے کی خبر ملی تو غصہ سے لوٹ پوٹ کھانے لگا، اور شدید غمگین ہوا، اس نے غزوہ بدر سے صرف ایک ماہ پہلے بطور نفاق اپنے اسلام کا اعلان کر دیا تھا، جب اسے مسلمانوں کی فتح و نصرت کی خبر ملی تو اس نے کہا: کیا یہ بات صحیح ہے؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ محمد نے اُن تمام لوگوں کو قتل کر دیا، جن کے نام زید بن حارثہ اور عبد اللہ بن رواحہ نے

(۱) سنن ابی داؤد: ۴۰۴، ۴۰۳، فتح الباری: ۳۳۲/۷، حافظ ابن حجر نے ابن اسحاق کی سند پر ”حسن“ کا حکم لگایا ہے۔

(۲) المغای، واقدی: ۱۸۴۔

بتائے ہیں، یہ لوگ تو سردارانِ عرب اور شاہانِ سرزمین تھے، اللہ کی قسم! اگر محمد نے ان لوگوں کو قتل کر دیا ہے تو پھر ہمارے لئے زمین کا باطن اس کے ظاہر سے بہتر ہے۔

اور جب کعب نے خبر کی تصدیق کر لی اور اپنی آنکھوں سے قیدیوں کو دیکھ لیا، تو اپنے دل میں شر چھپائے مکہ گیا، اور مشرکین مکہ کے ذہنوں کو کینہ اور نفرت کے زہر سے مسموم کرنے لگا، اور مسلمانوں سے انتقام لینے کے لئے انہیں آمادہ کرنے لگا، پھر مدینہ واپس آگیا، تاکہ قریش کے ساتھ کئے گئے معاہدہ کے مطابق عمل کرے، چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کو گالیاں دینے لگا، جھوٹی خبریں پھیلانے لگا، اور مسلمان عورتوں کے ساتھ تغزل اور اُن کا بُرے الفاظ کے ساتھ ذکر کرنے لگا، اور اپنی سرکشی اور بے ادبی میں حد سے آگے بڑھ گیا، اور کسی نصیحت کرنے والے کی نصیحت اسے ان حرکتوں سے باز نہ رکھ سکی، حالانکہ اس سے پہلے اس نے اپنی قوم بنی نضیر کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معاہدہ کیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف کسی کی مدد نہیں کرے گا، اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے گا، جس طرح ایک حلیف اپنے حلیف کے ساتھ کرتا ہے، لیکن خبیث نے عہد توڑ دیا تھا اور شر انگیزی شروع کر دی تھی۔

ان تمام غلط کارروائیوں، بدسلوکیوں، اور مسلمان عورتوں کے لئے بُرے الفاظ کا استعمال سن کر رسول اللہ ﷺ کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہ رہا کہ اس منحوس اور بدتمیز آواز کو خاموش کر دیا جائے اور اس سے نجات حاصل کر لی جائے، قبل اس کے کہ یہ فتنہ مزید سر اٹھائے اور دوسرے منافقین کی ہمت بڑھے جو شب و روز مسلمانوں کی شکست اور ناکامی کا انتظار کرتے رہتے تھے۔

اس لئے رسول اللہ ﷺ نے کعب بن اشرف کا خون مباح کر دیا اور صحابہ کرام سے کہا: کون ہے جو کعب بن اشرف کا کام تمام کر دے، اس لئے کہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو بہت تکلیف پہنچایا ہے۔ یہ سن کر محمد بن مسلمہ کھڑے ہوئے جیسا کہ امام بخاری نے اپنی کتاب الصحیح میں ذکر کیا ہے^(۱) اور کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں اسے قتل کر دوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، ابنِ مسلمہ نے کہا: آپ مجھے کچھ کہنے کی اجازت دے دیجئے۔ محمد بن مسلمہ اس کے پاس آئے، اور کہا: یہ آدمی ہم سے ہمیشہ صدقہ مانگتا رہتا ہے، اور اس نے ہمیں پریشان کر ڈالا ہے، اور میں تمہارے پاس کچھ قرض کے لئے آیا ہوں، کعب نے کہا: ہاں تم لوگ یقیناً اس سے تنگ اور عاجز آ جاؤ گے، ابنِ مسلمہ نے کہا: ہم نے تو اب اس کی پیروی کر لی ہے، اب ہم اسے چھوڑنا نہیں چاہتے، یہاں تک کہ دیکھ لیں کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ اور ہم اس لئے آئے ہیں کہ تم ہمیں قرض دو، اس نے کہا: ہاں، لیکن

(۱) صحیح البخاری، کتاب المغازی، حدیث: ۴۰۳۷، صحیح مسلم، کتاب الجہاد، حدیث: (۱۱۹)، ابوداؤد، حدیث: (۲۷۶۸)۔

میرے پاس کچھ رہن رکھو، میں نے کہا: کیا چیز چاہتے ہو؟ اس نے کہا: تم اپنی عورتیں میرے پاس رہن میں رکھو، انہوں نے کہا: ہم اپنی عورتیں تمہارے پاس کیسے رہن میں رکھیں، اور تم عربوں میں سب سے خوبصورت ہو، اس نے کہا: تو اپنے بیٹے میرے پاس رہن میں رکھو، انہوں نے کہا: ہم اپنے بیٹے تمہارے پاس کیسے رہن میں رکھ دیں، یہ تو ہمارے لئے گالی ہو گی، لوگ کہیں گے، فلاں آدمی ایک یادو و سن کھجور کے بدلے رہن میں رکھا گیا تھا، یہ ہمارے لئے باعثِ عار ہو گا، لیکن ہم تمہارے پاس اپنا ہتھیار بطور رہن رکھ دیں گے۔ سفیان کہتے ہیں: ابنِ مسلمہ کا مقصد یہ تھا کہ جب مسلمان اس کے پاس ہتھیار لے کر پہنچیں تو اسے حیرت نہ ہو۔

محمد نے اس سے رات میں آنے کا وعدہ کیا، اور ان کے ساتھ ابونا نملہ (سلکان بن سلام، کعب کے رضاعی بھائی) بھی آئے، کعب نے انہیں اپنے قلعے کے پاس بلایا، اور وہ اتر کر نیچے آیا، اس کی بیوی نے اس سے کہا: تم اس وقت کہاں جا رہے ہو؟ میں ایسی آواز سن رہی ہوں جس سے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں، اس نے کہا: وہ میرا بھائی محمد بن مسلمہ اور میرا دودھ جانی ابونا نملہ ہیں، کریم آدمی کو اگر رات میں نیزہ مارنے کے لئے بھی بلایا جاتا ہے تو چلا جاتا ہے۔

راوی کہتے ہیں: محمد بن مسلمہ نے اپنے ساتھ مزید دو آدمی لے لئے تھے، اور کہا تھا کہ جب کعب آجائے تو میں اس کے بال پکڑ کر اسے جھکاؤں گا، اور اس کی خوشبو سونگھوں گا، تم لوگ جب دیکھ لو کہ میں نے اس کے سر کو اچھی طرح اپنے قابو میں کر لیا ہے تو تیزی میں بڑھ کر اس پر ضرب لگاؤ۔

کعب ان کے پاس اپنی چادر اوڑھے ہوئے اُتر، اور اس کے جسم سے خوشبو آرہی تھی، محمد نے کہا: میں نے ایسی خوشبو آج سے پہلے کبھی نہیں سونگھی تھی، کعب نے کہا: میرے پاس ان دنوں عرب کی سب سے خوبصورت اور سب سے خوشبودار عورت ہے۔

محمد نے کہا: کیا تم مجھے اپنا سر سونگھنے کی اجازت دو گے، اس نے کہا: ہاں، انہوں نے پہلے خود سونگھا، پھر اپنے ساتھیوں کو سونگھنے کے لئے کہا: محمد نے پھر کہا: کیا تم مجھے دوبارہ اس کی اجازت دو گے، اس نے کہا: ہاں، جب محمد نے اچھی طرح اسے اپنے قابو میں کر لیا تو کہا: تم لوگ جلد اسے قتل کر ڈالو۔ پھر وہ تمام صحابہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ کو اس کے قتل کی خبر سنائی۔

موسیٰ بن عقبہ نے لکھا ہے: کعب بن اشرف جب مکہ میں تھا، تو اس سے ابوسفیان نے کہا: میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں، بتاؤ، ہمارا دین اللہ کو زیادہ پسند ہے یا محمد اور اس کے ساتھیوں کا دین، اور تمہاری رائے میں ہم میں سے کون زیادہ ہدایت یافتہ اور حق سے زیادہ قریب ہے؟ ہم موٹی تازی اونٹنیاں ذبح کر کے لوگوں کو کھانا کھلاتے

ہیں اور یانی کے بعد دودھ پلاتے ہیں اور جب تک شامی ہوا چلتی رہتی ہے لوگوں کو کھانا کھلاتے رہتے ہیں، کعب بن اشرف نے اس سے کہا: تم لوگ ان سے زیادہ سیدھی راہ پر ہو۔

تب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر مندرجہ ذیل آیتیں نازل فرمائیں: ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الدُّنْيَا سَبِيلًا﴾ (۵۱) اُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَمَنْ يَلْعَنِ اللّٰهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ﴿﴾ (کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب الہی کا ایک حصہ دیا گیا ہے کہ وہ بتوں اور شیطانوں پر ایمان رکھتے ہیں، اور کافروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں کے مقابلہ میں زیادہ صحیح راستہ پر ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت بھیج دی ہے، اور جس پر اللہ لعنت بھیج دے، آپ اُس کا کوئی مددگار نہ پائیں گے) [النساء: ۵۱، ۵۲]۔

موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق لکھتے ہیں: کعب بن اشرف مدینہ آنے کے بعد اپنی دشمنی کا اعلان اور لوگوں کو جنگ پر آمادہ کرنے لگا، اور مکہ سے اس وقت تک نہیں نکلا جب تک کہ سب نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ کرنے کا فیصلہ نہیں کر لیا، اور ام الفضل ابن الحارث اور دوسری مسلمان عورتوں کے ساتھ اپنی شاعری میں تغزل کرنے لگا، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کون ہے جو ابن الاشرف کا کام تمام کر دے؟ تو محمد بن مسلمہ (جو بنی عبد الاشہل کے بھائی تھے) نے آپ سے کہا: میں اس کی ذمہ داری لیتا ہوں، اے اللہ کے رسول! میں اسے قتل کر دوں گا۔

اس کے قتل میں مندرجہ ذیل صحابہ کرام نے حصہ لیا: محمد بن مسلمہ اور سلکان بن سلامہ بن دقش ابو نائلہ (جو کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی تھے) اور عبد بن بشر بن دقش اور حارث بن اوس بن معاذ (یہ سب بنو عبد الاشہل کے تھے) اور ابو عبس بن جبر (قبیلہ بنی حارث کے)۔

ان حضرات نے ابو نائلہ کو اللہ کے دشمن کعب کے پاس پہلے بھیجا، وہ گئے اور اس کے ساتھ ایک گھنٹہ تک بات کرتے رہے، اور ایک دوسرے کو اشعار سناتے رہے، ابو نائلہ شاعر تھے، پھر انہوں نے کہا: اے ابن الاشرف! میں تمہارے پاس ایک کام کے لئے آیا ہوں، میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں جسے تم اپنے پاس ہی رکھنا، کعب نے کہا: ہاں، میں ایسا ہی کروں گا، ابو نائلہ نے کہا: اس آدمی کا ہمارے پاس آنا ہمارے لئے مصیبت کا سبب بن گیا ہے، تمام عرب ہمارے دشمن ہو گئے اور سب نے ہمیں ایک تیر سے مارا ہے، اور ہمارے آنے جانے کے راستے بند کر دیئے ہیں، ہمارے بال بچے برباد ہو گئے، ہماری جانیں مصیبت میں ہیں، اور ہم اور ہمارے بال بچے نہایت تنگ دستی کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔

کعب نے کہا: میں ابن الاشرف ہوں، اللہ کی قسم! اے ابن سلامہ! میں تمہیں کہتا تھا کہ معاملہ ویسا ہی

ہو گا جیسا تم بتا رہے ہو۔

پھر اس سے سلکان نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ تم ہمارے ہاتھ کھانے کی چیز بیچو اور ہم تمہارے پاس رہن رکھیں گے اور لکھ کر دیں گے، اور تم ہمارے ساتھ اس بارے میں اچھا برتاؤ کرو گے۔

کعب نے کہا: کیا تم اپنے بیٹوں کو میرے پاس رہن رکھو گے؟ انہوں نے کہا: تم ہمیں ذلیل کرنا چاہتے ہو، میرے ساتھ میرے کچھ اور ساتھی ہیں جن کی رائے میری رائے کی طرح ہے اور میں انہیں بھی تمہارے پاس لانا چاہتا ہوں تاکہ ان کے ہاتھ بھی تم کھانے کا سامان بیچو، اور اچھا معاملہ کرو، اور ہم تمہارے پاس ان چیزوں کی قیمت کے برابر ہتھیار رہن رکھ دیں گے۔

سلکان کا مقصد یہ تھا کہ جب یہ لوگ اس کے پاس ہتھیار لے کر آئیں تو اسے حیرت نہ ہو، پھر اس نے کہا: بے شک ہتھیار کے ذریعہ قیمت ادا ہو جائے گی، سلکان اپنے ساتھیوں کے پاس گئے اور ان کو ساری بات بتائی، اور انہیں کہا کہ وہ لوگ اپنا ہتھیار لے لیں، پھر چلیں اور اس کے پاس جمع ہوں۔

یہ سب صحابہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بقیع الغرقہ تک ایک ساتھ پیدل گئے، پھر آپ ﷺ نے انہیں نصیحت کی اور کہا: اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو، اے اللہ! تو ان کی مدد فرما، پھر آپ ﷺ اپنے گھر واپس آ گئے، وہ ایک چاندنی رات تھی، اور وہ سب چلتے ہوئے اس کے قلعہ کے پاس پہنچ گئے۔ ابونا نکلہ نے اسے آواز دی، اس نے انہی دنوں نئی شادی کی تھی، اس نے اپنے بستر سے چھلانگ لگا دیا، اس کی بیوی نے اپنی پیشانی پکڑ کر کہا: تم ایک ایسے آدمی ہو جس کے خلاف اندرونی طور پر جنگ جاری ہے، اور جنگ کرنے والے لوگ ایسے وقت میں اپنے محل سے نیچے نہیں اترتے۔ اُس نے کہا: یہ تو ابونا نکلہ ہے، اگر وہ مجھے سویا ہوا پاتا تو نہ جگاتا، عورت نے کہا: اللہ کی قسم! میں اس کی آواز میں برائی محسوس کر رہی ہوں، کعب نے کہا: اگر جوان کو نیزہ مار دینے کے لئے بھی بلایا جاتا ہے تو وہ چلا جاتا ہے، پھر وہ نیچے اتر آ، اور ابونا نکلہ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ دیر تک بات کرتا رہا، پھر صحابہ نے اس سے کہا: اے ابن الاثر! کیا تم شعب العجوز نامی مقام تک ہمارے ساتھ چل سکتے ہو، تاکہ وہاں ہم رات کے باقی حصے میں آپس میں بات کریں، اس نے کہا: جیسی تم لوگوں کی مرضی، چنانچہ وہ لوگ وہاں سے نکل کر کچھ دیر تک چلتے رہے۔

پھر ابونا نکلہ نے اپنا ہاتھ اس کے سر کے بال میں داخل کر دیا اور اپنا ہاتھ سونگھ کر کہنے لگے: آج کی رات کے مانند میں نے کبھی خوشبو نہیں سونگھی ہے، پھر کچھ دیر تک وہ چلتے رہے، پھر دوبارہ اسی طرح کہا: یہاں تک کہ

انہیں اطمینان ہو گیا، پھر کچھ دیر تک چلتے رہے، اور پہلے کی طرح اس کے سر کا بال سونگھتے ہوئے اس کے سر کو پوری طرح اپنے قابو میں کر لیا، پھر کہا: مارواللہ کے دشمن کو، یہ سن کر ان سب کی تلواریں اس پر چلنے لگیں، لیکن وہ اب تک مارا نہیں جاسکا تھا، اور محمد بن مسلمہ کی تلوار کی آئی لمبی تھی اسے انہوں نے اس کی ناف اور مسانے کے درمیان گھونپ دیا اور اس کو پوری طاقت سے دیا، یہاں تک کہ پوری آئی اس کے جسم میں داخل ہو گئی، اور اللہ کا دشمن پوری طاقت سے پیچھے لگا، اور اس کے بعد گر گیا، اسی دوران حارث بن اوس کا پاؤں یا سرہم میں سے کسی کی تلوار سے زخمی ہو گیا۔

ہم وہاں سے نکل کر بنو امیہ بن زید کے علاقے سے گزرتے ہوئے بنو قریظہ اور مقام بعثت سے ہوتے ہوئے حرۃ العریض تک پہنچ گئے، ہمارے ساتھی حارث بن اوس کو ہم تک پہنچنے میں تاخیر ہوئی اور ان کا خون بہہ رہا تھا، ہم لوگ ان کا کچھ دیر تک انتظار کرتے رہے، یہاں تک کہ وہ ہمارے پاس ہمارے نقش قدم کو دیکھتے ہوئے پہنچ گئے، ہم نے انہیں اٹھالیا، اور ان کو لے کر آخری رات میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے، اس وقت آپ نماز پڑھ رہے تھے، ہم نے آپ کو سلام کیا، آپ نکل کر ہمارے پاس آئے، ہم نے انہیں اللہ کے دشمن کے قتل کی خبر سنائی اور آپ نے ہمارے ساتھ حارث بن اوس کے زخم پر اپنا لعاب دہن لگا دیا اور ہم سب اپنے گھروں کو واپس چلے گئے، اور اللہ کے دشمن کعب کے ساتھ ہماری اس کارروائی سے تمام یہود ڈر گئے، اور ہر ایک یہودی اپنے بارے میں ڈرنے لگا۔

اور وادی کا خیال ہے کہ وہ صحابہ کرام کعب بن اشرف کا رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے تھے، واللہ اعلم۔ یہ تھا کعب کی غداری اور اس کی بدعہدی کا انجام جو اسے ملا، اور پرانی مثل ہے کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے^(۱)۔

غزوہ سویق:

میدان بدر سے بھاگے ہوئے مشرکین غم سے چور جب مکہ پہنچے، تو ابوسفیان نے نذرمانی کہ وہ جب تک محمد سے جنگ نہیں کرے گا، اپنا سر پانی سے نہیں دھوئے گا، چنانچہ وہ دوسرے قریشی گھوڑ سواروں کے ساتھ اپنی قسم پوری کرنے کے لئے نکلا، یہاں تک کہ مدینہ آیا، اور ایک رات سسلاً بن مشکم یہودی کے پاس ٹھہرا، جس نے اسے شراب پلائی اور لوگوں کی خفیہ خبریں سنائی، یہ آدمی ان دنوں بنی نضیر کا سردار اور ان کا مالدار آدمی تھا۔

(۱) السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۱۵-۹/۳، السیرۃ النبویہ الصحیحہ: ۳۰۲-۳۰۳، الاکتفاء: ۶۲-۶۳، ۶۵، سرایا وغزوات الرسول ﷺ: ۳۵-۳۶، غزوات النبی ﷺ: ۴۵، ۴۳۔

ابوسفیان رات کے آخری پہر میں وہاں سے نکل کر اپنے ساتھیوں کے پاس آیا، اور چند قریشی جوانوں کو بھیجا جو مدینہ کے اطراف میں واقع مقام عریض تک پہنچے، اور کھجور کے درختوں کو جلایا اور دو آدمی کو قتل کر دیا، اور تیزی کے ساتھ مکہ واپس چلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس کی خبر ہوئی تو اس کی تلاش میں نکلے، اور مدینہ میں ابولبابہ بشیر بن عبدالمنذر کو اپنا نائب بنادیا، اور مقام قرقرۃ الکدر تک پہنچ گئے، لیکن ابوسفیان نکل چکا تھا، اور کفار نے اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے بہت سارا ستور استہ میں چھوڑ دیا جو مسلمانوں کے ہاتھ آیا، اسی لئے اس کا نام غزوہ سنویق پڑ گیا (عربی میں سنو کو سنویق کہتے ہیں) یہ واقعہ معرکہ بدر کے بعد ماہ ذی الحجہ سن دو ہجری کا ہے (۱)۔

غزوہ ذی امر:

غزوہ سنویق کے ایک ماہ بعد رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو نائب بنایا اور نجد کی طرف فوج لے کر قبیلہ غطفان سے جنگ کے لئے روانہ ہو گئے جو مقام ذی امر میں جمع تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے ہی سب بھاگ پڑے اور جنگ نہیں ہوئی، آپ وہاں ماہ صفر سن تین ہجری تک ٹھہرے رہے پھر مدینہ واپس آ گئے۔

واقدی اور ابن سعد نے لکھا ہے کہ ذی امر کے کنواں پر جمع ہونے والے قبیلہ غطفان کے لوگ تھے جو بنی ثعلبہ بن محارب کا ایک قبیلہ تھا، اور مسلمان فوجیوں کی تعداد چار سو پچاس تھی۔

ابن اسحاق نے ان حضرات کی مخالفت کی ہے اور لکھا ہے کہ مسلمان ان سے جنگ کے لئے جمعرات کے دن بارہ ربیع الاول سن تین ہجری کو نکلے تھے (۲)۔

رسول اللہ ﷺ مدینہ واپس آنے کے بعد ماہ ربیع الاول کے آخر تک وہیں قیام پذیر رہے، پھر قریش کا پیچھا کرنے کے لئے نکلے، اور مدینہ میں اپنا خلیفہ ابن ام مکتوم کو مقرر کر دیا، اس بار آپ مکہ اور شام کے درمیان تجارتی راستہ پر واقع بحر ان تک پہنچے، لیکن کوئی جنگ نہیں ہوئی، آپ وہاں ربیع الآخر اور جمادی الاولیٰ تک ٹھہرے رہے، پھر مدینہ واپس آ گئے۔

واقدی نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ اس غزوہ کے لئے مدینہ سے دس دن باہر رہے، اور ابن سعد نے لکھا ہے کہ مسلمان فوجیوں کی تعداد تین سو تھی (۳)۔

سریہ زید بن حارثہ:

ہم سب کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ قریش والے اہل شام کے ساتھ اپنے تجارتی کاروبار کے لئے اسی راستہ

(۱) السیرۃ النبویہ: الصحیح: ۲/۴۷۳، زاد المعاد: ۳/۱۳۸، ۱۳۷۔

(۲) زاد المعاد: ۳/۱۳۸، غزوات النبی للحمیل: ص ۴۳، السیرۃ النبویہ: الصحیح: ۲/۴۷۳۔

(۳) زاد المعاد: ۳/۱۳۸، السیرۃ النبویہ: الصحیح: ۲/۴۷۳۔

پر بھروسہ کرتے تھے جس پر بالعموم چل کر شام تک جاتے تھے، اور وہ راستہ ساحل سمندر کا تھا جو مدینہ سے قریب تھا، اور اب وہ مسلمانوں کے زیر نگرانی تھا، نیز نبی کریم ﷺ نے ساحل پر رہنے والے عرب قبائل کے ساتھ مصالحت کر رکھی تھی، اور وہ سب بالعموم اس مصالحت کا پاس و لحاظ رکھتے تھے۔

اور قریشیوں کی زندگی کا انحصار تجارت پر تھا، وہ اس سے مستغنی نہیں ہو سکتے تھے، گرمی کے زمانے میں ان کے تجارتی اسفار شام کی طرف اور سردی میں حبشہ کی طرف ہوتے تھے۔ غزوہ بدر کے بعد جب گرمی کا زمانہ آیا، اور شام کی طرف ان کے سفر کا وقت قریب ہوا، تو انہیں پریشانی لاحق ہوئی، اور کہنے لگے: محمد اور اس کے ساتھیوں نے ہماری تجارت کو بہت بڑا نقصان پہنچایا ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم اصحاب محمد کے ساتھ کس طرح پیش آئیں، اور کس راستے سے ہم اپنی تجارت کے لئے ملک شام تک پہنچیں۔

بعض لوگوں نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ اپنے سرداروں کی ایک جماعت کی قیادت میں عراق کے راستے سے شام جائیں، ان کے وہ سردار ان ابوسفیان بن حرب، صفوان بن امیہ اور حیط بن عبد العزیٰ وغیرہ تھے۔

اور اس قافلے میں مال کثیر اور بہت ساری چاندی تھی، اور انہوں نے اس سفر میں اپنی رہنمائی کے لئے فرات ابن حیان بن عثلیٰ کا انتخاب کیا، تاکہ وہ انہیں ایسے راستے سے لے جائیں جس میں مسلمانوں سے ان کی ٹڈ بھڑ نہ ہو، چنانچہ فرات انہیں عراق کے علاقے میں ذات عرق کے راستے سے لے گیا، لیکن نبی کریم ﷺ کو اس قافلے کی خبر مناسب وقت پر مل گئی، اور وہ اس طرح کہ نعیم بن مسعود مدینہ آیا جسے اس قافلہ کی روانگی کا علم تھا، اور وہ اپنی قوم کے دین پر تھا، اور مدینہ میں کنانہ بن ابی الحقیق نضیری سے ملا، اُس وقت ان کے پاس قبیلہ اسلم کے سلیط ابن نعمان موجود تھے جو مسلمان ہو چکے تھے، ان سب نے مل کر خوب شراب پی، اُس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی، نعیم بن مسعود نے نشہ کی حالت میں اس قافلے اور اس کے پاس موجود مال و اسباب اور قافلے میں صفوان بن امیہ کے ہونے کی بات کی۔

سلیط وہاں سے فوراً نکلے اور رسول اللہ ﷺ کو ان باتوں کی اطلاع دی، آپ نے اسی وقت سو گھوڑ سواروں کا ایک فوجی دستہ زید بن حارثہ الکھمی کی قیادت میں روانہ کیا، زید نے تیزی کے ساتھ چل کر اچانک قافلے کو اُس وقت جا لیا جب وہ سرزمین نجد میں قردہ نامی ایک کنوے پر ٹھہرا ہوا تھا، مسلمانوں کے آنے کا احساس ہوتے ہی مشرکین گھبرا کر بھاگ پڑے اور اپنا سارا مال و اسباب چھوڑ دیا، جن پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا، اور جس کی مالیت ایک لاکھ تھی، مشرکوں میں سے صرف ایک یادو آدمی قید کئے گئے، فرات ابن حیان بھی قید کر لیا گیا جو مشرکوں کو راستہ دکھلا رہا تھا۔ اسے مدینہ لاکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا، آپ ﷺ نے اس سے کہا: اگر تم

اسلام لے آؤ گے تو تمہیں چھوڑ دیا جائے گا، فرات مسلمان ہو گیا اور آپ ﷺ نے اسے چھوڑ دیا۔
 قافلہ سے حاصل کئے گئے مال و اسباب کو رسول اللہ ﷺ نے پانچ حصوں میں تقسیم کیا، اس کے پانچویں حصہ کی مقدار بیس ہزار تھی، ایک حصہ آپ نے اپنے پاس رکھا، اور باقی چار حصوں کو فوجی دستے پر تقسیم کر دیا، اس طرح زید بن حارثہ نے اُن کے ذمہ لگائے گئے جہادی کام کو بطریق احسن انجام دیا، یہ واقعہ ماہ جمادی الثانیہ سن تین ہجری کا ہے۔

حفصہ بنت عمر اور زینب بنت خزیمہ سے رسول اللہ ﷺ کا نکاح:

غزوہ احد سے پہلے سن تین ہجری کے اہم واقعات میں سے رسول اللہ ﷺ کا پہلے حفصہ بنت عمر سے پھر زینب بنت خزیمہ سے نکاح کرنا ہے۔ میں نے اس سے پہلے ام کلثوم بنت الرسول ﷺ سے عثمان کی شادی کے واقعہ میں لکھا ہے کہ عثمان نے عمر کی بیٹی سے شادی کا پیغام دیا تھا، تو عمر نے معذرت کر دی تھی، اور یہ خبر رسول اللہ ﷺ کو ہوئی تو آپ ﷺ نے عمر سے کہا تھا کہ میں تمہیں عثمان سے بہتر داماد اور عثمان کو تم سے بہتر سرسرنہ بتاؤں؟ عمر نے کہا تھا: ہاں یا رسول اللہ! تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کر دو، اور میں اپنی بیٹی کی شادی عثمان سے کر دیتا ہوں۔

چنانچہ آپ ﷺ نے غزوہ احد سے دو ماہ قبل ماہ شعبان میں حفصہ بنت عمر سے شادی کر لی، حفصہ آپ سے پہلے صالح جوان حنیس بن حذافہ کے نکاح میں تھیں، (جو بدر میں شہید ہو گئے تھے) حفصہ کی وفات سن ۴۵ ہجری میں ہوئی اور بقیع میں دفن کی گئیں^(۱)۔

زینب بنت خزیمہ الہمالیہ سے آپ ﷺ کا نکاح:

انہیں ام المساکین کہا جاتا تھا، آپ ﷺ نے ان سے مدینہ میں حفصہ سے نکاح کے بعد ماہ رمضان میں نکاح کیا، اور آپ کے پاس صرف آٹھ ماہ رہ سکیں، اور آپ سے پہلے طفیل بن حارث بن المطلب کے نکاح میں تھیں، آپ نے جب انہیں نکاح کا پیغام دیا تو انہوں نے اپنا معاملہ آپ کے سپرد کر دیا، چنانچہ آپ نے ان سے شادی کی، اور گواہ مقرر کیا، اور انہیں دس اوقیہ اور ایک نش مہر میں دیا، وہ ماہ ربیع الآخر میں ہجرت کے انتالیس مہینہ کے بعد وفات پا گئیں، ان کی نماز جنازہ خود رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی اور انہیں بقیع میں دفن کیا^(۲)۔

(۱) کتاب ازواج النبی ﷺ: ص ۴۶۔

(۲) مصدر سابق: ص ۴۸۔



غزوہ اُحد

غزوہ اُحد:

یہ غزوہ اُس پہاڑ کے نام سے مشہور ہو گیا جس کے دامن میں مسلمانوں اور مشرکین قریش کے درمیان معرکہ ہوا تھا، یہ پہاڑ مدینہ کے شمال میں مسجد نبوی سے تقریباً ساڑھے پانچ کیلو میٹر دور ہے، اس کے جنوب کی طرف سے ”عینین“ نام کی ایک چھوٹی پہاڑی ہے، جو معرکہ کے بعد ”جبل الرماة“ (تیر اندازوں کی پہاڑی) کے نام سے مشہور ہو گئی، اور ان دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک وادی ہے جو وادی ”قناة“ کے نام سے مشہور ہو گئی۔

غزوہ کا سبب:

مشرکین جب بدر سے مکہ واپس گئے تو دیکھا کہ تجارتی قافلہ جو ابوسفیان کی قیادت میں شام گیا تھا، واپس آ کر دار الندوہ کے پاس رکا ہوا ہے، اور ان لوگوں کی یہ عادت قدیم زمانے سے تھی، اور یہ قافلہ ہزاروں اونٹوں پر مشتمل تھا، اس وقت سرداران قریش یعنی اسود بن مطلب بن اسد، جبیر بن مطعم، صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل، حارث بن ہشام، عبداللہ بن ربیعہ، حویطب بن عبد العزی، اور حجر بن ابی اہاب وغیرہم ابوسفیان اور ان قریشیوں کے پاس چل کر گئے جن کا مال تجارت اس قافلے میں تھا، اور کہا کہ ہم لوگ بطیب خاطر اس کے لئے تیار ہیں کہ اس قافلے کے منافع سے ایک زبردست فوج محمد سے جنگ کرنے کے لئے تیار کی جائے۔

ابوسفیان نے کہا: میں سب سے پہلے اس کی منظوری دیتا ہوں، اور میرے ساتھ بنی عبد مناف بھی، چنانچہ سب نے مل کر اس مال تجارت کو بیچ کر سونے میں بدل دیا، اور مال والوں کو ان کا رُکس المال واپس کر دیا، اور نفع نکال لیا، اور اس تجارت میں ان کو ایک دینار کے بدلے ایک دینار نفع ہوا تھا، انہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَنْقُضُونَ أُمُورَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَسَيَنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ﴾ (بے شک اہل کفر اپنی دولت اس لئے خرچ کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روک دیں، پس وہ اُسے خرچ کریں گے، پھر وہ ان کی حسرت کا سبب بن جائے گی، پھر وہ مغلوب ہو جائیں گے، اور اہل کفر جہنم کے پاسبان جمع کئے جائیں گے) [الأنفال: ۳۶] (۱)

(۱) تفسیر الطبری: ۳۹۹، معاری الوائیدی: ۳۰۰، سیرۃ ابن ہشام: ۶۱، ۶۲۔

اور حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اُن قرشی سرداروں نے ابوسفیان اور ان لوگوں سے بات کی جن کا مال تجارت اس قافلے میں تھا، اور کہا: اے اہل قریش! محمد نے تمہیں گاجر مولیٰ کی طرح کاٹ دیا اور تمہارے سرداروں کو قتل کر دیا، اس لئے تم لوگ اس مال کے ذریعہ اس کے خلاف جنگ کرنے کے لئے ہماری مدد کرو، تاکہ ہم اُس سے انتقام لے سکیں، چنانچہ سب نے یہ بات مان لی^(۱)۔

کفارِ قریش کی ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے مدینہ کی طرف روانگی:

کفارِ قریش رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ کے لئے مکہ اور اس کے ارد گرد رہنے والے مختلف الانواع کافروں اور قبائل کنانہ اور اہل تہامہ کے ساتھ مل کر جمع ہوئے اور عمرو بن عاص، ہبیرہ بن ابی وہب، ابن الزبیری اور ابو عذرہ جمحی کو دیگر قبائل عرب کے پاس بھیجا، تاکہ ان سب کو جنگ پر آمادہ کریں، اس طرح کافروں نے تمام عربوں کو مسلمانوں کے خلاف برا بیچنے کیا، اور انہیں مدینہ اور اہل مدینہ کے خلاف جنگ کرنے کے لئے جمع کیا۔ ابو عذرہ جمحی کو نبی کریم ﷺ نے بدر کے دن اس شرط پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ اب کبھی مسلمانوں کے خلاف جنگ نہیں کرے گا اور نہ دوسروں کو ان کے خلاف اکسائے گا، لیکن صفوان بن امیہ نے اُس سے کہا: اے ابو عذرہ! تم ایک شاعر آدمی ہو، اس لئے تم اپنی زبان کے ذریعہ ہماری مدد کرو، اور ہمارے ساتھ نکلو، اس نے کہا: محمد نے مجھ پر احسان کر کے اس شرط پر چھوڑ دیا تھا کہ میں دوسروں کو اس کے خلاف نہیں ورغلاؤں گا، صفوان نے کہا: ہاں، تو تم اپنی ذات کے ذریعہ ہماری مدد کرو، اگر تم بحفاظت واپس آگئے تو تمہیں میں مالدار بنا دوں گا، اور اگر اس جنگ میں کام آگئے تو میں تمہاری بیٹیوں کو اپنی بیٹیوں کے ساتھ رکھ لوں گا، وہ سب تنگی اور آسانی میں ایک ساتھ ہوں گی، چنانچہ ابو عذرہ تہامہ کی طرف نکلا اور قبیلہ کنانہ کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر ابھارنے لگا^(۲)۔

اور نافع بن عبد مناف بن وہب بن حذافہ بنی نجح بن مالک کے پاس انہیں جنگ پر آمادہ کرنے کے لئے گیا، اور جبیر بن مطعم نے اپنے ایک حبشی غلام کو بلایا، جس کا نام وحشی تھا، اور نیزہ اندازی میں اہل حبشہ کی مہارت رکھتا تھا، اور بہت کم خطا کرتا تھا، اور اس سے کہا: تم بھی لوگوں کے ساتھ جنگ کے لئے نکلو، اگر تم نے محمد کے چچا حمزہ کو میرے چچا طعیمہ بن عدی کے بدلے قتل کر دیا تو تم آزاد ہو جاؤ گے۔

اور ابوسفیان لوگوں کو رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف ابھار تارہا، اور مختلف جماعتوں اور قبیلوں کو جمع کرتا رہا، یہاں تک کہ اس نے تقریباً تین ہزار قریشیوں، ان کے حلفاء اور دیگر مختلف الانواع جنگ کرنے

(۱) السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۱۹/۳۔

(۲) غزوہ حراء لانسہ سے واپسی کے وقت اس آدمی کو دوبارہ پکڑ لیا گیا، اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا، اور آپ کے حکم سے اسے قتل کر دیا گیا، جیسا کہ اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

والوں کو جمع کر لیا، نیز دو سو گھوڑوں، تین ہزار اونٹنی، اور سات سو زروں پر مشتمل آلات حرب جمع کیا، اور اپنے ساتھ اپنی عورتوں کو بھی لے گیا، تاکہ ان کے سامنے ان کے مرد بہادری کے ساتھ جنگ کریں۔

اور ابوسفیان اپنے ساتھ اپنی بیوی ہند بنت عتبہ بن ربیعہ کو لے گیا، اور عکرمہ بن ابی جہل اپنی بیوی ام حکیم بنت الحارث بن ہشام کو لے گیا، جو اس کے چچا کی لڑکی تھی، اور اس کا چچا حارث اپنی بیوی فاطمہ بنت الولید بن مغیرہ کو لے گیا۔ اور صفوان بن امیہ برزہ بنت مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفیہ کو لے گیا، اور عمرو بن العاص ربطہ بنت منبہ ابن الحاح کو لے گیا، جو اس کے بیٹے عبد اللہ بن عمرو کی ماں تھی، اور دوسرے قریشی بھی اپنی عورتوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔

اور وحشی جب بھی ہند بنت عتبہ کے پاس سے گزرتا، یا وہ اس کے پاس سے گزرتی تو کہتی: اے ابودسمہ! میری روح کو سکون پہنچادو، تم بھی سکون پاؤ گے، یعنی اُسے حمزہ بن عبد المطلب کے قتل پر ابھارتی تھی، یہ تمام کفار و مشرکین مدینہ کی طرف چل پڑے۔ فوج کی عام قیادت ابوسفیان کر رہا تھا، اور گھوڑ سواروں کی قیادت خالد بن ولید کر رہا تھا، اور اس کی مدد عکرمہ بن ابی جہل کر رہا تھا، اور جنگ کا حکم بنو عبد الدار کے ہاتھ میں تھا^(۱)۔

یہ لوگ سینچر کے دن ۷ ر شوال سن تین ہجری کو جبل احد کے قریب مقام عینین میں خیمہ زن ہوئے، اور عباس بن عبد المطلب نے رسول اللہ ﷺ کے نام ایک خط لکھ کر بنی غفار کے ایک آدمی کے ذریعہ بھیج دیا، جس میں انہوں نے آپ کو تمام حالات سے باخبر کیا، آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ مدینہ سے باہر نکل کر ان کا مقابلہ کیا جائے، یا مدینہ میں ہی رہا جائے، اور آپ کی ذاتی رائے یہ تھی کہ مسلمان مدینہ سے نہ نکلیں، اور یہیں رہیں، اور اگر کفار اس میں داخل ہوں تو مسلمان ان سے محلوں کے راستوں پر نکل کر ان کا مقابلہ کریں اور عورتیں اپنے گھروں کے اوپر سے۔

اور عبد اللہ بن ابی منافق نے بھی اس رائے کی تائید کی، لیکن جو صحابہ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے، انہوں نے مدینہ سے باہر نکل کر ان کا مقابلہ کرنے کا مشورہ دیا، اور اس رائے پر اصرار کیا، تو نبی کریم ﷺ اٹھ کر اپنے گھر میں گئے، اور زرہ پہن کر باہر آ گئے۔ اس درمیان ان صحابہ کرام کی رائے بدل چکی تھی، اور کہنے لگے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو خواہ مخواہ نکلنے پر مجبور کر دیا ہے، اس لئے انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! اگر آپ چاہتے تو مدینہ ہی میں رہتے، آپ ﷺ نے فرمایا: ایک نبی کے لئے جب وہ اپنا زرہ پہن لے مناسب نہیں کہ اُسے اتار دے، یہاں تک کہ اللہ اُس کے اور اس کے دشمن کے درمیان فیصلہ کر دے^(۱)۔

پھر نبی کریم ﷺ ایک ہزار صحابہ کے ساتھ نکل پڑے اور مدینہ میں رہنے والے مسلمانوں کی امامت کے

لئے ابن ام مکتوم کو مقرر کر دیا۔ اور آپ ﷺ نے مدینہ میں ایک خواب دیکھا کہ ان کی تلوار میں ایک سوراخ ہے اور دیکھا کہ ایک گائے ذبح کی گئی، اور دیکھا کہ آپ نے اپنا ہاتھ ایک زرہ میں ڈالا ہے، آپ نے اپنی تلوار میں سوراخ کی تعبیر یہ کی کہ اُن کے اہل بیت کا ایک آدمی قتل کر دیا جائے گا، اور گائے کے ذبح کرنے کی تعبیر یہ نکالی کہ ان کے صحابہ کی ایک جماعت قتل ہو جائے گی اور زرہ کی تعبیر شہر مدینہ سے کی (۲)۔

اسلامی فوج کے تین ڈویژن:

رسول اللہ ﷺ نے احد کی طرف نکلنے سے پہلے اپنی فوج کو تین ڈویژنوں میں تقسیم کر دیا: ۱- قبیلہ اوس کا ڈویژن؛ جس کا علم اُسید بن مخیر کو دیا۔ ۲- قبیلہ خزرج کا ڈویژن؛ جس کا علم خباب بن منذر کو دیا۔ ۳- مہاجرین کا ڈویژن؛ جس کا علم مصعب بن عمیر کو دیا۔

جب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام ثنیۃ الوداع سے آگے بڑھ گئے تو آپ نے ایک اچھا ڈویژن دیکھا، اور اس کے بارے میں پوچھا تو آپ کو بتایا گیا کہ یہ خزرج کے یہودی حلفاء ہیں، جو مشرکوں کے خلاف جنگ میں شریک ہونا چاہتے ہیں، آپ ﷺ نے پوچھا: کیا یہ لوگ اسلام لے آئے ہیں، لوگوں نے کہا: نہیں، تو آپ نے اہل شرک کے خلاف اہل کفر کی مدد لینے سے انکار کر دیا (۳)۔

اسلامی فوج کا معائنہ:

جب نبی کریم ﷺ الشیخان نامی مقام پر پہنچے، تو اپنی فوج کا معائنہ کیا، اور چھوٹی عمر کے افراد کو واپس کر دیا، ان میں مندرج ذیل صحابہ تھے:

عبداللہ بن عمر بن الخطاب، زید بن ثابت، اسامہ بن زید، نعمان بن بشیر، زید بن ارقم، براء بن عازب، اُسید بن ظہیر، عرابہ بن اوس، ابوسعید خدری، سمرہ بن جندب، اور سعد بن حبیبہ انصاری۔

ان تمام کو اللہ کے رسول ﷺ نے واپس کر دیا، پھر رافع بن خدیج کو اس لئے اجازت دے دی کہ وہ ماہر تیر انداز تھے، یہ دیکھ کر سمرہ بن جندب نے اپنی ماں کے شوہر مری بن سنان سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے رافع

(۱) مسند احمد: ۳/۳۵۱، الدارمی: ۲/۲۹۲، زاد المعاد: ۳/۱۵۰۔

(۲) صحیح البخاری، حدیث: (۳۶۲۲)، (۷۰۳۵)، (۷۰۳۱)، صحیح مسلم، حدیث: (۲۲۷۰) ترمذی، حدیث: (۱۵۶۱) ابن ماجہ، حدیث: (۲۸۰۸)۔

مسند احمد: ۲/۲۷۱۔

(۳) الحیۃ العسکرية: ص ۱۰۸۔

بن خدیج کو اجازت دے دی، اور مجھے واپس کر دیا، حالانکہ میں اسے پچھاڑ دیتا ہوں، رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا: تم دونوں میرے سامنے کشتی لڑو، چنانچہ سمرہ نے رافع کو پچھاڑ دیا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو بھی اجازت دے دی^(۱)۔

اُحد پہنچنے سے پہلے کی رات:

رسول اللہ ﷺ جب فوج کے معائنہ سے فارغ ہوئے، اور فوج پوری طرح دشمن سے نبرد آزما کی کے لئے تیار ہو گئی تو رات آگئی، رسول اللہ ﷺ نے مغرب کی نماز پڑھی، پھر عشاء کی اور آپ نے پچاس آدمی کا انتخاب فوج کی نگرانی کے لئے کیا، تاکہ وہ ہر چہار جانب گشت کرتے رہیں، اور ان کا قائد محمد بن مسلمہ انصاری کو مقرر کیا، اور رسول اللہ ﷺ کی نگرانی ذکوان بن عبد قیس نے کی، جو ایک پل کے لئے بھی رسول اللہ ﷺ سے جدا نہ ہوئے، اور آپ ﷺ صبح تک سوتے رہے۔

ابن ابی کی اپنے ساتھیوں کے ساتھ پسپائی:

طلوع فجر سے تھوڑی دیر پہلے ہی آپ ﷺ وہاں سے آگے چل پڑے اور مقام شوط پر پہنچ کر فجر کی نماز ادا کی، یہاں سے دشمن کی فوج بالکل قریب تھی، آپ انہیں دیکھ رہے تھے، اور وہ لوگ آپ کو، یہاں پہنچ کر عبد اللہ بن ابی منافق تقریباً ایک تہائی فوجیوں کے ساتھ پسپا ہو گیا اور آپ سے کہنے لگا: تم میری مخالفت کرتے ہو، اور میرے سوا دوسروں کی بات سنتے ہو، اور کہا: ہم کیوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالیں، اور اُس کی دلیل صرف یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی رائے کے بجائے دوسروں کی بات مانی۔

ابن ابی کا مقصد مسلمانوں کی فوج میں افراتفری پیدا کرنی تھی، اور جب اللہ کا یہ دشمن اپنے لوگوں کے ساتھ واپس ہونے لگا تو ان کے پیچھے جابر بن عبد اللہ کے باپ عبد اللہ بن عمرو بن حرام اسلمی گئے اور اس مشکل گھڑی میں ان کی ذمہ داری کا انہیں احساس دلایا، اور انہیں ملامت کرنے لگے، اور لوٹ کر مسلمانوں کی فوج میں مل جانے کی ترغیب دلانے لگے اور کہنے لگے: اے اللہ کی راہ میں جہاد کرو، یا پھر دور ہو جاؤ، تو منافقوں نے کہا کہ اگر ہمیں علم ہوتا کہ تم لوگ جنگ کرو گے تو ہم نہیں لوٹتے۔ عبد اللہ بن حرام ان کی بات سن کر یہ کہتے ہوئے لوٹ آئے کہ اے اللہ کے دشمنو! اللہ تمہیں اور دور کر دے، اللہ اپنے نبی کو تم سے ضرور بے نیاز کر دے گا۔

ابن کثیر لکھتے ہیں: یہی لوگ مراد ہیں اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل قول میں: ﴿وَيُعْلَمُ الَّذِينَ نَافَقُوا﴾

وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ ادْفَعُوا قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَا تَبْعَنَاكُمْ هُمْ لِلْكَفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ (۱۶۷) الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا قُلْ فَادْرَءُوا عَنْ أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱﴾ (اور تاکہ نفاق کرنے والوں کو جان لے، اور اُن سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو، یا (دشمنوں کو) ہٹاؤ، تو کہنے لگے، اگر ہم جانتے کہ لڑائی ہوگی تو تمہارے پیچھے چلتے، وہ لوگ اُس دن ایمان کی بہ نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے، اپنے منہ سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو اُن کے دلوں میں نہیں ہوتیں، اور وہ جو کچھ چھپاتے ہیں اللہ انہیں زیادہ جانتا ہے، انہی لوگوں نے اپنے بھائیوں سے کہا اور بیٹھ گئے کہ اگر ہماری بات مانتے تو قتل نہ کئے جاتے، آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو پھر موت کو اپنے آپ سے ٹال دو) [آل عمران: ۱۶۷، ۱۶۸] (۱)

عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کے اسلامی فوج سے نکل جانے کی وجہ سے مسلمانوں کو دو بڑے عظیم فائدے پہنچے۔ پہلا فائدہ یہ کہ مسلمانوں کی فوج منافقوں سے پاک ہو گئی، اور اُس میں کوئی ایسا آدمی باقی نہیں رہا جو انہیں ذہنی طور پر پریشان کرتا، یا مسلمانوں کی نفسیات پر منفی اثر ڈالتا۔ دوسرا فائدہ یہ کہ مسلمانوں کو تقریباً تمام منافقین کا علم ہو گیا، تاکہ آئندہ ان کی طرف سے محتاط رہیں، اس لئے کہ اس حادثے کے بعد ایک ایک منافق کی حقیقت کھل کر سامنے آ گئی۔

ابن ابی کے کردار کا منفی اثر:

ابھی تھوڑی دیر پہلے میں نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن ابی کا مقصد مجاہدین کی صفوں میں انتشار پھیلانا تھا، اور یقیناً یہ حادثہ فاجعہ ایسا بارگراں تھا جس سے مسلمان فوج کی کمر ٹوٹنے لگی، اور اس کی صفوں میں غیر شعوری طور پر انتشار پھیلنا شروع ہو گیا، اور مخلص مسلمانوں کی دو جماعت نے پسپا ہونا چاہا، وہ خزر ج کے بنو سلمہ اور اوس کے بنو حارثہ کے لوگ تھے، نیز اوس کے بنو النہیت بھی۔ ان لوگوں نے جب عبداللہ بن ابی اور اس کے منافق ساتھیوں کو واپس جاتے دیکھا تو ان کی صفوں میں انتشار پھیل گیا، اور پسپا ہو کر مدینہ لوٹ جانا چاہا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ثبات بخشا اور لوٹنے کا ارادہ ترک کر دیا، اور نبی کریم ﷺ اور آپ کے پاکباز صحابہ کرام کے ساتھ میدان جنگ

(۱) صحیح البخاری، حدیث (۴۰۵۰)، صحیح مسلم، حدیث: (۲۷۷۶) ترمذی: (۳۰۲۸)، نسائی، تفسیر، حدیث: (۱۳۳)، سیرۃ ابن

میں ثابت قدم رہے، انہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيَهُمَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ (جب تم میں سے دو گروہوں نے پسپائی کا ارادہ کیا، اور اللہ ان کا دوست ہے، اور مومنوں کو صرف اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہئے) [آل عمران: ۱۲۲]۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں جماعتوں کے لئے خیر کی گواہی دی، اور خبر دی کہ اللہ ان کا دوست ہے، اسی لئے امام بخاری نے جابر بن عبد اللہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے: ﴿إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا﴾ (جب تم میں سے دو گروہوں نے پسپائی کا ارادہ کیا) [آل عمران: ۱۲۲] یعنی بنی سلمہ اور بنی حارثہ کے بارے میں۔ اور ہم اس بات کو پسند نہیں کرتے ہیں کہ یہ آیت نازل نہ ہوئی ہوتی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں کہا ہے: ﴿وَاللَّهُ وَلِيَهُمَا﴾ (اور اللہ ان کا دوست ہے) [آل عمران: ۱۲۲] ^(۱)۔

اسلامی فوج کی پیش قدمی:

جب نبی کریم ﷺ نے فجر کی نماز پڑھ لی، تو صحابہ کرام سے کہا: کون ہے وہ شخص جو ہمیں کسی ایسے قریب کے راستے سے آگے لے چلے جو دشمن کے پاس سے نہ گزرتا ہو؟ ابوخیثمہ نے کہا: میں یا رسول اللہ! پھر وہ آپ کو لے کر حرہ بنی حارثہ اور ان کے باغات کے درمیان سے گزر کر آگے بڑھے، یہاں تک کہ مربع بن قیظی کے باغ سے گزرے، جو ایک اندھا منافق آدمی تھا، جب اسے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی آمد کا احساس ہوا تو ان کے چہروں پر مٹی پھینکتے ہوئے کہنے لگا: اگر تم اللہ کے رسول ہو تو میں تمہارے لئے اس بات کو حلال نہیں کرتا ہوں کہ میرے باغ سے گزرو۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: مجھے بتایا گیا ہے کہ اس اندھے منافق نے ایک مٹی مٹی لے کر کہا: اے محمد! اللہ کی قسم، اگر میں جانتا کہ میں تمہارے سوا دوسروں کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا، تو میں یہ تمہارے چہرے پر پھینکتا۔ یہ سن کر صحابہ کرام تیزی کے ساتھ اس کی طرف بڑھے تاکہ اسے قتل کر دیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے قتل مت کرو، یہ اندھا دل کا اندھا ہے، اور آنکھ کا بھی اندھا ہے۔ اور سعد بن زید تو اس کی طرف رسول اللہ ﷺ کے منع کرنے سے پہلے تیزی کے ساتھ بڑھے اور اس کے سر پر اپنے کمان سے کاری ضرب لگائی اور اس کو زخمی کر دیا ^(۱)۔

(۱) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۰۵۱)، صحیح مسلم، حدیث: (۲۵۰۵)۔

رسول اللہ ﷺ میدان کارزار میں :

رسول اللہ ﷺ آگے بڑھے یہاں تک کہ سنیچر کی صبح ۷ شوال سن تین ہجری کو جبل احد کی جانب سے گھاٹی میں پہنچے، اور اپنی پشت اور اپنی فوج کو احد کے بالائی حصہ کی طرف کر دیا، اس طرح دشمن کی فوج مسلمانوں اور مدینہ کے درمیان ہو گئی۔

اور رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کی صف بندی کی اور انہیں جنگ کے لئے تیار کر دیا، اور ان میں سے پچاس تیر اندازوں کا انتخاب کر کے عبد اللہ بن جبر بن نعمان انصاری اوسی کی قیادت میں اس پہاڑ پر مورچہ بند ہو جانے کا حکم دیا جو وادی قتاة کے جنوبی کنارے پر واقع تھا، اور مسلمان فوج کی جگہ سے ایک سو پچاس میٹر کی دوری پر تھا، اور رسول اللہ ﷺ نے ان تیر اندازوں کو حکم دیا کہ جنگ کے وقت وہ مسلمانوں کی پشت کی حفاظت کریں، اور دشمن کو اس گھاٹی سے نہ گزرنے دیں، اور اپنی اس جگہ کو ہرگز نہ چھوڑیں، چاہے مسلمانوں کی فتح ہو یا شکست۔ پھر آپ ﷺ نے انہیں تعلیم دی کہ گھوڑ سوار جب بھی ان سے قریب ہونے کی کوشش کریں ان پر تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دیں، اور انہیں سخت تاکید کی کہ وہ اپنی جگہ کو کسی حال میں بھی نہ چھوڑیں، چاہے وہ اپنے ساتھیوں کو اس حال میں دیکھیں کہ چڑیاں انہیں اچک رہی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے تیر اندازوں کے اس دستہ کے ذریعہ اس تنہا گزرگاہ کو بند کر دیا تھا جس کے بارے میں آپ کو ڈر تھا کہ کہیں اس راستے سے کافروں کے گھوڑ سوار گزر کر مسلمان مجاہدین کی صفوں تک نہ پہنچ جائیں (۲)۔

پھر آپ ﷺ باقی فوج کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے مقدمۃ الجیش اور دائیں اور بائیں حصہ میں تقسیم کر دیا، مقدمہ میں آپ نے اچھے اور مشہور بہادروں کو رکھا، اور دائیں حصہ پر منذر بن عمرو کو اور بائیں حصہ پر زبیر بن عوام کو مقرر کیا، اور مقداد بن اسود کو حکم دیا کہ وہ زبیر کے ساتھ تعاون کریں، اور زبیر کی ذمہ داریوں میں سے یہ تھا کہ وہ خالد بن ولید کے گھوڑ سواروں کی تاک میں لگے رہیں، اگر وہ لوگ گھاٹی سے گزر کر مسلمانوں کی فوج کی طرف آنا چاہیں تو ان کا مقابلہ کریں۔

اس طرح نبی کریم ﷺ نے اللہ کی وحی کی تائید سے ماہر فوجی قائد کی طرح ایک بہت ہی مضبوط اور محکم فوجی پلان بنایا، اور اپنی فوج کو عسکری اعتبار سے میدان کے ایک مناسب ترین جگہ پر صف بند کیا، اور اپنی پشت اور فوج کے دائیں حصہ کو اونچے پہاڑ کے ذریعہ محفوظ کیا، اور فوج کے دائیں حصہ اور اس کی پشت کو معرکہ شروع

(۱) السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۲۹، ۲۸، ۳۔

(۲) الحیاۃ العسکریہ: ص ۱۰۸، ۱۰۹۔

ہو جانے کے بعد اس گزرگاہ کو بند کر کے محفوظ کیا جس طرف سے خالد بن ولید کے گھوڑ سواروں کے حملے کا ڈر تھا، اور آپ نے دشمن کی فوج کو فوجی اعتبار سے پست اور غیر مناسب علاقے میں رکنے پر مجبور کیا^(۱)۔

مشترک فوج کی تیاری:

میں ابھی لکھ آیا ہوں کہ مشرکوں کی فوج چل کر ۷ ر شوال جمعہ کے دن مدینہ کے شمال میں واقع مقام عینین تک پہنچی، مسلمان کاشکاروں نے اس فوج کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، اور انہیں اندازہ ہو گیا کہ وہ خود ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس لئے انہوں نے فوراً اپنے دیگر مسلمان بھائیوں کو اللہ کے دشمنوں کے آنے کی خبر دی۔

اور اہل مدینہ اپنے قلعوں کی فصیلوں پر کھڑے ہو کر اس تکلیف دہ منظر کا مشاہدہ کرنے لگے کہ اہل قریش کے اونٹ ہری بھری کھیتوں کو مڈیوں کی طرح چاٹنے لگے، اور ان کے پیدل فوجی جانوروں کو ذبح کرنے لگے اور اُن کے گھوڑ سوار پکی کھیتوں کو روندنے اور انہیں تباہ و برباد کرنے لگے۔

جب مشرکوں کی فوج اپنی جگہ پر پہنچ گئی تو اُن کے قائدین لشکر کی صف بندی کرنے لگے جس کی قیادت مندرجہ ذیل طریقہ پر تھی:

فوج کا چیف کمانڈر ابوسفیان صحرا بن حرب تھا، اور دائیں حصے کا کمانڈر خالد بن ولید اور بائیں حصہ کا عکرمہ بن ابو جہل تھا، اور پیدل فوجیوں کا کمانڈر صفوان بن امیہ اور تیر اندازوں کا کمانڈر عبداللہ بن ابی ربیعہ تھا، اور علم اٹھانے والا عبدالدار کا مفرزہ نامی ایک آدمی تھا۔

اور دشمن کی فوج کی تعداد تین ہزار تھی، جس میں قریش کے بہترین اور ماہرین جنگ جو ان شامل تھے، اور تمام کے تمام پوری طرح جنگ کے لئے آمادہ اور تیار تھے، اُن میں دو سو گھوڑ سوار بھی تھے جو گھوڑوں کی پشت کے اوپر سے جنگ کرنے کی پوری مہارت رکھتے تھے، سات سو زہرہ بند فوجی تھے، جو مضبوط ترین زرہیں پہنے ہوئے تھے، اور سوار یوں کی ایک بڑی تعداد پر سوار تھے، اور ان کے ساتھ تین ہزار اونٹ اور غلاموں کی ایک بڑی تعداد اور وحشی نام کا وحشی غلام بھی تھا۔

ابوسفیان نے بنو عبدالدار کو مخاطب کر کے میدان بدر میں اہل قریش پر جو مصیبت مسلمانوں کے ہاتھوں نازل ہوئی تھی انہیں یاد دلایا، علم اٹھانے والے ان کے مشہور لیڈر نضر بن حارث کا قید کیا جانا اور پھر اسے قتل کیا جانا بھی انہیں یاد دلایا، اور اُن سے کہا: اے بنی عبدالدار! بدر کے دن ہمارا جھنڈا تمہارے ہی ہاتھوں میں تھا، تو ہم پر وہ مصیبت نازل ہوئی جو تم نے دیکھ لیا، اور ہمیشہ قوموں کے اوپر میدان جنگ میں مصیبت کے پہاڑ اُن کے جھنڈا

(۱) صحیح البخاری، حدیث: (۴۰۴۳)، ابوداؤد، حدیث: (۲۶۶۲)، مسند احمد: ۴/۲۹۳-۲۹۴، دلائل البیہقی: ۳۰۹/۳۔

اٹھانے والوں کی وجہ سے ہی ٹوٹتے ہیں، جب جھنڈا گر جاتا ہے تو لوگوں میں بھگدڑ مچ جاتی ہے، اگر آج تم ہمارے جھنڈے کی حفاظت کر سکتے ہو تو اسے اٹھاؤ، ورنہ چھوڑ دو، تاکہ ہم تمہارے کسی نعم البدل کا انتظام کریں۔

ابوسفیان کی اس بات سے بنو عبدالدار کے لوگ سخت ناراض ہوئے اور کہنے لگے: کیا ہم اپنا جھنڈا کسی اور کو دیدیں؟ کل تمہیں پتہ چل جائے گا جب دشمن سے ہماری مڈبھیڑ ہوگی کہ ہم کیا کر سکتے ہیں؟ چنانچہ جب گھمسان کی لڑائی ہونے لگی تو بنی عبدالدار والے سب کے سب ثابت قدم رہے، یہاں تک کہ ان کا ایک ایک آدمی قتل کر دیا گیا۔

جنگ شروع ہوتی ہے:

سب سے پہلا مشرک جو میدان کارزار میں آگے آیا وہ ابو عامر فاسق تھا جس کا نام عبد بن عمرو بن سیفی تھا، اور جسے زمانہ جاہلیت میں راہب کہا جاتا تھا، اس کا نام رسول اللہ ﷺ نے فاسق رکھ دیا تھا، اور زماہ جاہلیت میں وہ قبیلہ اوس کا سردار تھا، جب اسلام آیا تو وہ حسد کرنے لگا، اور رسول اللہ ﷺ سے اعلانیہ عداوت کرنے لگا، اور مدینہ سے نکل کر قریشیوں کے پاس گیا تاکہ انہیں آپ ﷺ کے خلاف ابھارے، اور آپ سے جنگ کرنے پر انہیں آمادہ کرے، اس نے قریشیوں سے کہا کہ جب اس کی قوم اسے دیکھے گی تو اس کی اطاعت کرے گی، اور اس کے ساتھ ہو جائے گی، اسی لئے وہ پہلا آدمی تھا جو مسلمانوں کے سامنے آیا اور اپنی قوم کو پکار کر ان سے اپنا تعارف کرایا تو ان مسلمانوں نے اس سے کہا: اے فاسق! اللہ کسی آنکھ کو تمہاری دید سے خوشی نہ بخشے، اس نے کہا: میری قوم کو میرے بعد بہت خطرناک بیماری لگ گئی ہے، پھر اُس نے مسلمانوں سے لڑنا شروع کر دیا، کچھ دیر تک ان کی طرف پتھر پھینکتا رہا، پھر بھاگ پڑا۔

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ سے پہلے علی بن ابی طالب اور مشرکوں کا جھنڈا اٹھانے والے طلحہ بن عثمان کے درمیان مقابلہ ہوا، اور علی رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا، اور مسلمانوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا، اور نبی کریم ﷺ اس کے قتل کئے جانے سے بہت خوش ہوئے۔

پھر گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی، اور رسول اللہ ﷺ انصار کے جھنڈے تلے بیٹھے مسلمانوں کی ہمت بڑھاتے رہے، اور صبر و تقویٰ کی نصیحت کے ذریعہ انہیں قلبی اطمینان دلاتے رہے، اور اپنے کسی بھی حکم کی مخالفت سے ڈراتے رہے، تاکہ وہ اپنی جگہیں نہ چھوڑ دیں، اور فتح کے ابتدائی حالات سے دھوکے میں نہ آجائیں، اور دنیاوی مال و متاع کی چمک دیکھ کر ان کی آنکھوں کو خیرہ نہ کر دے، اور مال غنیمت کی لالچ میں بے سوچے سمجھے مشرکین کے پیچھے نہ دوڑنے لگیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق مسلمانوں کو فتح عطا کی، یہاں تک کہ انہوں نے مشرکوں کو ان کی جگہ سے مار بھگایا اور ان کی شکست ان کی آنکھوں کے سامنے منڈلانے لگی، اور ان کی فوج کے بائیں حصہ کے گھوڑ سواروں نے عکرمہ بن ابی جہل کی قیادت میں مسلمانوں کی فوج پر حملہ کرنا چاہا، لیکن مسلمان تیر اندازوں نے انہیں مار بھگایا، اور حمزہ ابن عبدالمطلب معرکہ احد کے لئے جنگی شعار (امت امت) کو بلند آواز سے پکارنے لگے اور وہ اور ان کے فوجی ساتھی مشرکوں کی فوج کی طرف پوری قوت کے ساتھ آگے بڑھے، ابود جانہ حمزہ کے دائیں طرف تھے، اور ان کے ہاتھ میں رسول اللہ ﷺ کی تلوار تھی، اور ان کے سر کے ارد گرد سُرخ پٹی بندھی ہوئی تھی۔

ابود جانہ رضی اللہ عنہ:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احد کے دن ایک تلوار لی اور کہا اس تلوار کو کون مجھ سے اس کی ادائیگی حق کی شرط کے ساتھ لے گا؟ تمام صحابہ نے اپنے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے، ہر آدمی کہنے لگا، میں، میں، آپ نے دوبارہ کہا: اسے کون اس کی ادائیگی حق کی شرط کے ساتھ لے گا؟ لوگ خاموش ہو گئے، اور سماک ابود جانہ نے آپ ﷺ سے کہا: اسے میں اس کی شرط کے ساتھ لوں گا، انس کہتے ہیں: انہوں نے اسے لے لیا اور اس کے ذریعہ مشرکوں کا سر قلم کرنے لگے (۱)

اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احد کے دن ایک تلوار لوگوں کے سامنے پیش کر کے کہا کہ اس تلوار کو کون اس شرط کے ساتھ لے گا کہ وہ اس کا حق ادا کرے گا، میں کھڑا ہوا، اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں، آپ ﷺ نے میری طرف سے رُخ پھیر لیا، اور دوبارہ کہا: کون اس تلوار کو مجھ سے اس شرط کے ساتھ لے گا کہ وہ اس کا حق ادا کرے گا، میں پھر دوبارہ کھڑا ہوا، اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں، آپ ﷺ نے مجھ سے رُخ پھیر لیا، اور تیسری بار کہا: کون اس تلوار کو مجھ سے اس شرط کے ساتھ لے گا کہ وہ اس کا حق ادا کرے گا، تو ابود جانہ سماک بن خرشہ کھڑے ہوئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! اسے میں لوں گا، آپ کی شرط کے ساتھ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس کے ذریعہ کسی مسلمان کو قتل نہیں کرو گے، اور کسی کافر کو اس سے نہیں بچاؤ گے۔ زبیر کہتے ہیں: آپ نے وہ تلوار ان کو دے دی، اور ابود جانہ جب جنگ کرنا چاہتے تو اپنے سر پر ایک پٹی باندھ لیتے تھے۔ راوی کہتے ہیں: میں نے سوچا آج ان کو دیکھتا ہوں کہ وہ کیا کرتے ہیں؟ راوی پھر کہتے ہیں: چنانچہ کوئی بھی چیز ان کے سامنے نہیں آتی تھی، لیکن اسے وہ بھاڑ اور کاٹ دیتے تھے، یہاں تک کہ وہ لڑتے لڑتے پہاڑ کے دامن میں کچھ عورتوں تک پہنچ گئے جن کے پاس دف تھا، انہوں نے اپنی تلوار سے ایک عورت

کو مارنا چاہا، پھر رک گئے، جب جنگ رک گئی تو میں نے اُن سے کہا: آپ کا ہر کام آج مجھے اچھا لگا، سوائے عورت پر تلوار اٹھانے کے، پھر آپ نے اسے نہیں مارا، تو ابودجانہ نے کہا: ہاں اللہ کی قسم! میں نے رسول اللہ ﷺ کی تلوار کی عزت کرتے ہوئے اس سے عورت کو قتل نہیں کیا^(۱)۔

اور مشرکوں کے جھنڈے کے ارد گرد گھسان کی لڑائی ہو رہی تھی، اور بنو عبدالدار کا کمانڈر طلحہ بن ابوطحہ، علی بن ابی طالب کے ہاتھوں قتل کیا جا چکا تھا، اس کے بعد ابوشیبہ عثمان بن طلحہ جھنڈا اٹھائے ہوئے تھا، جس پر حمزہ بن عبدالمطلب نے حملہ کر کے اسے قتل کر دیا، اس کے بعد ابوسعید بن ابی طلحہ نے جھنڈا اٹھالیا، اسے سعد ابن ابی وقاص نے تیر چلا کر قتل کر دیا، اس کے بعد مسافع بن طلحہ بن ابی طلحہ نے جھنڈا اٹھالیا، جسے عاصم بن ثابت نے قتل کر دیا، اس کے بعد اس کے بھائی کلاب بن طلحہ نے جھنڈا اٹھالیا، جسے قزمان نے قتل کر دیا، اس کے بعد حارث بن ابی طلحہ نے جھنڈا اٹھالیا، اُسے بھی قزمان نے قتل کر دیا، اس کے بعد ابوزید بن عمیر بن ہشام بن عبد مناف نے جھنڈا اٹھالیا، اسے بھی قزمان نے قتل کر دیا، اس کے بعد قاسط بن شریح بن ہشام بن عبد مناف نے جھنڈا اٹھالیا، قزمان نے اسے بھی قتل کر دیا، اس کے بعد صواب نامی حبشی غلام نے جھنڈا اٹھالیا، کافروں نے اس سے کہا: ہماری شکست تمہاری وجہ سے ہوگی، اس کا دایاں ہاتھ کٹ گیا تو اس نے اپنے بائیں ہاتھ سے جھنڈا اٹھام لیا، اس کا بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو وہ جھنڈے کی لکڑی سے چمٹ گیا اور کہا: کیا میں نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی، کافروں نے کہا: ہاں پھر اسے قزمان^(۲) نے قتل کر دیا، اور جھنڈا گر گیا اور مشرکین بکھر گئے^(۳)۔

اس کے بعد کافروں کے اس جھنڈے کو عمرہ بنت علقمہ الحارثیہ نے سنبھال لیا، اور مشرکین دوبارہ میدان کارزار کی طرف لوٹ پڑے، کافروں کے جھنڈے اور اس کے یکے بعد دیگرے اٹھانے والوں کا جو انجام ہوا اس نے یقیناً قریشیوں کی ہمت توڑ دی اور ان کے دلوں میں امید کی کوئی کرن باقی نہ رہی، اسی لئے ان کے اکثر فوجی پیٹھ پھیر کر بھاگ پڑے۔

(۱) دلائل البیہقی: ۳/۲۳۳، مسند بزار بحوالہ کشف الاستار، حدیث: (۱۷۸۷)۔ اس حدیث کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

(۲) قزمان: منافقوں میں سے تھا اس نے اپنی قوم کی حمیت میں قتال کیا، اور بری طرح زخمی ہوا، پھر زخم کی تاب نہ لا کر موت میں جلدی کی، اور اپنی تلوار کو زمین میں گاڑ کر اس پر اپنا سینہ رکھ دیا اور اس طرح اس نے اپنے آپ کو قتل کر لیا، تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو اس کے جہنمی ہونے کی خبر دی۔ صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۲۰۲) صحیح مسلم، الإیمان، حدیث: (۱۱۲) و مسند احمد: ۴/۱۳۵،

وسیرۃ ابن ہشام: ۸۸/۳۔

(۳) الحیاۃ العسکرية: ص ۱۱۲، ۱۱۳۔

مصعب بن عمیر کی شہادت رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرتے ہوئے:

مصعب بن عمیر جو مسلمانوں کا علم جہاد اٹھائے ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ کے دفاع میں جنگ کرتے رہے، یہاں تک شہید ہو گئے اور ان کے قاتل ابن تمیز اللیشی نے سمجھا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دیا، اس لئے قریشیوں کے درمیان چیخنے لگا کہ اس نے محمد کو قتل کر دیا۔ ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ میدان احد سے واپس ہوتے ہوئے مصعب بن عمیر کی لاش کے پاس سے گزرے تو وہاں کھڑے ہو گئے اور ان کے لئے دعا کی پھر مندرجہ ذیل آیت پڑھی: ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا﴾ (مومنوں میں سے ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اللہ سے کئے ہوئے عہد و پیمان کو سچ کر دکھایا، پس ان میں سے بعض نے اپنی نذر پوری کر دی، اور بعض وقت کا انتظار کر رہے ہیں، اور ان کے موقف میں ذرا بھی تبدیلی نہیں آئی ہے) [الاحزاب: ۲۳]۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اس معرکہ کے تمام مسلمان مقتولین قیامت کے دن اللہ کے سامنے شہیدوں کی حیثیت سے پیش ہوں گے، اس لئے تم لوگ ان کی زیارت کے لئے آتے رہنا، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جو شخص بھی قیامت تک ان کو سلام کرے گا یہ لوگ اس کا جواب دیں گے^(۱)۔

اور امام بخاری نے خواب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ مصعب بن عمیر غزوہ احد میں جب قتل ہوئے تو ان کے پاس ایک کبیل کے سوا کچھ بھی نہ تھا، جس سے ہم ان کا سر ڈھانکتے تھے، تو ان کے دونوں پاؤں کھل جاتے تھے، اور جب ہم ان کے دونوں پاؤں ڈھانکتے تھے تو ان کا سر کھل جاتا تھا، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کا سر ڈھانک دو، اور اس کے دونوں پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دو^(۲)۔

اور مصعب کے شہید ہو جانے کے بعد علم جہاد علی بن ابی طالب نے سنبھال لیا، اور بے مثال بہادری کے ساتھ جنگ کرتے رہے، اور حمزہ بن عبد المطلب شیروں کی طرح لڑتے ہوئے مشرکوں کی فوج کے اندر گھس گئے، اور دشمنوں کی صفوں میں کشتنوں کے پستے لگا دیئے، اور بالآخر اپنی جان جان آفریں کے حوالے کر دی، وحشی نامی حبشی غلام نے دھوکا دے کر ان کو قتل کر دیا (رضی اللہ عنہ)۔

(۱) اسے حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہے، اور لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح الإسناد ہے، اور حافظ ذہبی نے ان کی تائید کی ہے۔

(۲) صحیح البخاری، حدیث: (۱۲۸۶)، (۳۸۹۷)، (۳۹۱۳)، (۴۰۳۷)، صحیح مسلم، ج ۱، حدیث: (۹۳۰)، ابوداؤد: (۳۱۵۵)، ترمذی: (۳۸۵۴)، نسائی: (۲۸۴۳)، مستدرک: (۱۱۲)۔

اسد اللہ حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت:

یہاں میں اللہ کے شیر اور اللہ کے رسول کے شیر حمزہ بن عبدالمطلب کی شہادت سے متعلق چند سطریں لکھنا مناسب سمجھتا ہوں: امام بخاری نے اپنی کتاب الصحیح میں اور دیگر محدثین نے اپنی کتابوں میں روایت کی ہے کہ حمزہ رضی اللہ عنہ نے میدان بدر میں جبر بن مطعم کے چچا طعیمہ بن عدی ابن الحنظل کو قتل کر دیا تھا، اور جبر کے پاس وحشی نام کا ایک غلام تھا، جبر نے اس سے وعدہ کیا کہ اگر وہ حمزہ کو قتل کر دے گا تو اس کو وہ آزاد کر دے گا، چنانچہ احد کے دن جب جنگ کی صفیں درست ہو گئیں تو سباع بن عبدالعزی نے صف سے نکل کر حمزہ سے مقابلہ کرنا چاہا، حمزہ نے اس کا چیلنج قبول کرتے ہوئے کہا: اے سباع! اے ام انمار عورتوں کا ختنہ کرنے والے کے بیٹے! کیا تم اللہ اور اس کے رسول کو چیلنج کرتے ہو، پھر اس پر وار کر کے اسے قتل کر دیا۔ اسی درمیان وحشی غلام جو ایک چٹان کے پیچھے چھپا گھات میں بیٹھا تھا، ان کے قریب پہنچ گیا اور اپنا نیزہ ان کی طرف پھینکا، جو ان کی ناف اور مسانے کے درمیان جا گھسا، اور ان کے دونوں پہلوؤں کے درمیان سے نکل گیا، اور اس طرح اس نے دھوکا دے کر اللہ کے شیر کو قتل کر دیا۔

بعد میں وحشی مکہ میں مسلمان ہو گیا، اور رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، آپ نے اسے پہچان لیا، تو اس کو حکم دیا کہ وہ آپ کے سامنے نہ آئے، اور جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مسیلمہ کذاب ظاہر ہوا تو وحشی مجاہدین اسلام کے ساتھ اہل بدعت کے خلاف جہاد کرنے کے لئے نکلا، اور مسیلمہ کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گیا، اور اس طرح اس نے حمزہ کو قتل کرنے کا ایک گونا بد لہ پکادیا^(۱)۔

جب نبی کریم ﷺ کو حمزہ کے قتل کئے جانے کی خبر ہوئی تو رونے لگے اور جب آپ نے ان کی لاش کو دیکھا کہ ان کا پیٹ پھاڑ دیا گیا ہے، اور ان کے جسم کے مختلف اعضاء کاٹ دیئے گئے ہیں، تو آپ کے منہ سے ایک کر بناک آہ اٹھی اور دوبارہ ان کی لاش کو دیکھنا پسند نہیں کیا، اور آپ نے مقتولین کے درمیان کھڑے ہو کر فرمایا: میں ان سب کا گواہ ہوں، انہیں تم لوگ ان کے خون کے ساتھ دفن کر دو، اس لئے کہ اللہ کی راہ میں جو زخم بھی لگے گا وہ قیامت کے دن اسی طرح خون ٹپکتا ہوا آئے گا، اس کا رنگ خون کا رنگ ہو گا، اور اس کی خوشبو مشک کی خوشبو ہو گی، ان میں سے جو شخص قرآن کا علم زیادہ رکھتا تھا، اسے جہنم میں جگہ دو^(۲)۔

(۱) صحیح البخاری، حدیث: (۴۰۷۲) مسند احمد: ۵۰/۳، دلائل التبیہ: ۳/۳۱۳۔

(۲) صحیح البخاری، المغازی، باب من قتل المسلمین یا أحد، ابوداؤد، البیہقی، ترمذی، باب ترک الصلوٰۃ علی الشہید، النسائی، ابن ماجہ، البزار۔

فتح شکست میں بدل گئی:

مسلمانوں نے مشرکوں پر زبردست حملہ کیا، اور مشرکوں کی صفوں میں انتشار اور بھگدڑ مچ گئی اور مسلمان ان کے پیچھے دوڑنے لگے جب مسلمان تیر اندازوں نے دیکھا کہ کافروں کو شکست ہو گئی تو اس جگہ کو چھوڑ دیا جہاں انہیں رسول اللہ ﷺ نے ہر حال میں رہنے کا حکم دیا تھا، اور عبد اللہ بن جبیر سے کہا: ہم لوگ چلیں مال غنیمت جمع کریں، ہماری فوج غالب آگئی، اب ہم لوگ کس بات کا انتظار کر رہے ہیں، تو عبد اللہ بن جبیر نے کہا: کیا رسول اللہ ﷺ نے تم لوگوں سے جو بات کہی تھی اسے بھول گئے، انہوں نے کہا: ہم تو ضرور جائیں گے اور مال غنیمت حاصل کریں گے (۱)۔

اس طرح ان لوگوں نے اپنے امیر کی بات نہیں مانی اور سمجھ بیٹھے کہ اب مشرکین واپس نہیں آئیں گے، چنانچہ وہ سب مال غنیمت کے لئے دوڑ پڑے، اور گھائی کو خالی کر دیا، اس طرح مسلمانوں کی پشت غیر محفوظ ہو گئی اور مشرکوں کے گھوڑ سوار اس راستے سے اندر داخل ہو گئے، اور خالد بن ولید نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اور مسلمانوں کی صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھ کر حملہ کرنا شروع کر دیا، اور مشرکوں کے گھوڑ سواروں نے مسلمان تیر اندازوں کے قائد عبد اللہ بن جبیر اور ان کے دیگر ساتھیوں کو قتل کر دیا۔

پھر ان کی ڈبھیڑ دیگر مسلمان مجاہدین سے ہوئی جنہوں نے دشمنوں سے جنگ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، لیکن دشمنوں کے اس اچانک حملے سے ایسا گھبراہٹ کہ انہیں سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اب وہ کیا کریں، اور اسی حال میں بغیر سوچے سمجھے جنگ کرنے لگے، اور مسلمانوں اور کافروں میں تمیز کرنا ان کے لئے مشکل ہو گیا، اور مسلمان مجاہدین میدان کارزار میں قتل کئے جانے لگے، ان حالات کے سبب مسلمانوں کا اتصال رسول اللہ ﷺ سے ختم ہو گیا اور یہ بات پھیل گئی کہ رسول اللہ ﷺ قتل کر دیئے گئے، یہ خبر پھیلتے ہی مسلمانوں کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور بہت سے مجاہدین گھبرا کر میدان جنگ سے بھاگ پڑے، اور ان میں سے بعض میدان سے الگ ہو کر بیٹھ گئے اور جنگ کرنا چھوڑ دیا۔

مسلمانوں کے ساتھ اس جنگ میں جو کچھ ہوا اس سے بے شک انہیں بہت ہی اہم سبق ملتا ہے جو انہیں قیامت تک دو اہم باتوں کی یاد دلاتا رہے گا، جنہیں انہوں نے غزوہ احد میں فراموش کر دیا تھا، اسی لئے ان کو شکست و قتل اور دیگر تمام پریشانیوں میں مبتلا ہونا پڑا، اور جب تک مسلمان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں

ان دونوں باتوں کی پابندی نہیں کریں گے، ہرگز کامیاب نہیں ہوں گے، وہ دونوں باتیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱- رسول اللہ ﷺ کی اطاعت، ان کے ہرام اور نہی میں۔ آپ نے تیر اندازوں سے کہا تھا کہ اگر تم ہمیں کافروں پر غالب ہوتے بھی دیکھ لو تو اپنی جگہ نہ چھوڑو، اور اگر دیکھو کہ وہ ہم پر غالب آگئے تب بھی تم اپنی جگہ نہ چھوڑو، لیکن انہوں نے آپ کے حکم کی نافرمانی کی اور گھاٹی سے نیچے اتر آئے، جس کا انجام شکست کی صورت میں ظاہر ہوا۔

۲- تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص اور صدق نیت، اور یہ کہ بندے کا کوئی کام دنیاوی اغراض و منافع کے لئے نہ ہو، اس لئے کہ بسا اوقات دنیاوی منافع کے حصول کی نیت امت اسلام کے لئے بڑی بڑی مصیبتیں لاتی ہے۔ تیر اندازوں نے مال غنیمت کی لالچ کی، اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کو فراموش کر کے پہاڑ سے نیچے اتر گئے اور گھاٹی کا راستہ خالد کے گھوڑ سواروں کے لئے کھلا چھوڑ دیا، جس کے سبب کافروں کی فوج نے اسلامی فوج پر پیچھے سے حملہ کر دیا، جس کا انجام وہ کچھ ہوا جو ہم نے ابھی جانا، اسی بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ آل عمران میں نازل فرمایا: ﴿بَلَىٰ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّنْ فَوْرِهِمْ هَذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ﴾ (ہاں، اگر تم لوگ صبر کرو گے، اور اللہ سے ڈرو گے، اور تمہارے دشمن جوش میں آکر تم تک آجائیں گے، تو تمہارا رب پانچ ہزار نشان لگے ہوئے فرشتوں کے ذریعہ تمہاری مدد کرے گا) [آل عمران: ۱۲۵]۔

اور بہت سے مجاہدین اسلام میدان جنگ چھوڑ کر نہیں بھاگے اور نہ جہاد چھوڑ کر ایک طرف بیٹھ گئے، بلکہ یہ سننے کے بعد کہ رسول اللہ ﷺ قتل کر دیئے گئے، انہوں نے موت کو زندگی پر ترجیح دی، ان میں سے مندرجہ ذیل مجاہدین اسلام تھے:

انس بن نصر رضی اللہ عنہ:

یہ صحابی جلیل غزوہ بدر میں شریک نہ ہونے کے سبب ہمیشہ افسوس کے ساتھ کہا کرتے تھے: اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آئندہ کسی جنگ میں شریک ہونے کا موقع عطا کیا تو اللہ دیکھ لے گا کہ میں کیا کرتا ہوں، چنانچہ انہوں نے احد کے دن جب بعض مسلمانوں کو مہوت ہو کر بیٹھے ہوئے دیکھا تو چیخ کر کہنے لگے، لوگو! میں احد پہاڑ کے اس طرف سے آنے والی جنت کی خوشبو کو سونگھ رہا ہوں، اور عمر ابن خطاب اور طلحہ بن عبید اللہ کو چند مہاجرین و انصار کے ساتھ بیٹھے دیکھ کر کہنے لگے، آپ لوگ کیوں بیٹھے ہوئے ہیں، انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ قتل کر دیئے گئے، انہوں نے کہا: آپ کے بعد زندہ رہ کر کیا کیجے گا، اٹھئے، اور اسی مقصد کی خاطر جان دے دیجئے، جس کی خاطر رسول اللہ ﷺ کا قتل ہو گیا ہے، پھر دشمن کی طرف آگے بڑھ کر

جنگ کرنے لگے یہاں تک کہ شہید ہو گئے، آپ کے جسم میں اسی (۸۰) سے زیادہ نیزوں، تیروں اور تلواروں کی ضرب کے نشانات ملے، جن کے سبب ان کی بہن الرقیع بنت النضر صرف ان کی انگلیوں کو پہچان سکیں، انہی کے بارے میں اور ان جیسے دیگر مجاہدین صادقین کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا﴾ (مومنوں میں سے ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اللہ سے کئے ہوئے عہد و پیمان کو سچ کر دکھایا، پس اُن میں سے بعض نے اپنی نذر پوری کر دی، اور بعض وقت کا انتظار کر رہے ہیں، اور ان کے موقف میں ذرا بھی تبدیلی نہیں آئی ہے) [الاحزاب: ۲۳] ^(۱)

مسلمانوں کا فرار اور اللہ کی معافی:

قرآن کریم نے مسلمانوں کے فرار ہونے کا ذکر کرتے ہوئے ان کی معافی کی بھی خبر دی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَمَيَّ الْجُمُعَانَ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ﴾ (بے شک تم میں سے جن لوگوں نے پیٹھ دکھلایا، جس دن دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے آ گئیں، شیطان نے اُن کے بعض بُرے کرتوتوں کی وجہ سے اُن کے پاؤں اکھاڑ دیے، اور اللہ نے یقیناً انہیں معاف کر دیا، بے شک اللہ بڑا مغفرت کرنے والا بڑا بردبار ہے) [آل عمران: ۱۵۵]۔

صحابہ کرام جب بھاگ پڑے تو مشرکوں کو نبی کریم ﷺ تک پہنچ جانے کا موقع مل گیا، چنانچہ انہوں نے آپ کے چہرہ مبارک کو زخمی کر دیا، اور آپ کے دائیں اگلے چار دانت توڑ دیے، اور زرہ ٹوٹ کر آپ کے سر میں داخل ہو گیا، اور کافروں نے آپ پر پتھروں کی بوچھاڑ کر دی، جس سے متاثر ہو کر آپ ﷺ اپنے پہلو کے بل گڈھے میں گر گئے، تب علی نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور طلحہ بن عبید اللہ نے آپ کو گود میں اٹھالیا، آپ کے خود کی دو کیلیں آپ کے چہرہ مبارک میں پیوست ہو گئیں، جنہیں عبیدہ بن جراح نے اپنے دانتوں سے پکڑ کر پوری طاقت سے کھینچ کر نکالا، جس کے سبب ان کے دواگلے دانت ٹوٹ گئے، اور ابوسعید خدری کے والد مالک بن سنان نے آپ کے رخسار مبارک سے خون کو چوسا، اور مجاہدین کی ایک چھوٹی سی جماعت رسول اللہ ﷺ کے گرد ثابت قدم رہی، اور خود رسول اللہ ﷺ میدان میں ثابت قدم رہے، اور ان تمام پریشانیوں کے باوجود آپ کے پاؤں میں لغزش نہیں آئی۔

(۱) صحیح البخاری، حدیث: (۴۰۴۸)، صحیح مسلم، حدیث: (۱۹۰۳) سیرۃ ابن ہشام: ۸۳/۲۔

آپ ﷺ صحابہ کرام کو پکارتے رہے، جیسا کہ قرآن کریم نے ذکر کیا ہے: ﴿إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلَوْنُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ وَالرُّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلًا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ (جب تم بھاگے چلے جا رہے تھے، اور کسی کو مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے، اور رسول اللہ ﷺ تمہیں تمہارے پیچھے سے بلا رہے تھے، تو اللہ نے تمہیں غم پر غم پہنچایا، تاکہ تم سے جو کھو گیا اور تمہیں جو مصیبت لاحق ہوئی، اُس پر غم نہ کرو، اور اللہ تمہارے اعمال کی خوب خبر رکھتا ہے) [آل عمران: ۱۵۳]۔

جب نبی کریم ﷺ نے دیکھا کہ جنگ کا نقشہ بدل گیا ہے اور حالت خطرناک ہو گئی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص مشرکوں کو ہم سے دور کرے گا، وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا، یہ سن کر سات انصاری اور دو قریشی آپ کے دفاع میں جنگ کرتے رہے، یہاں تک کہ سات انصاری شہید ہو گئے^(۱)۔ پھر آپ کی طرف سے دفاع میں طلحہ بن عبید اللہ جنگ کرتے رہے، یہاں تک کہ ان کا ہاتھ ایک تیر لگنے کے سبب بے کار ہو گیا^(۲)۔ اور سعد بن ابی وقاص رسول اللہ ﷺ کے سامنے جنگ کرتے رہے، اور آپ ﷺ انہیں تیر دیتے رہے، اور فرمایا: چلاؤ تیر، میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں، سعد مشہور تیر انداز تھے۔

ابو طلحہ رضی اللہ عنہ:

ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے زبردست دفاع کیا، یہ بھی مشہور تیر انداز تھے، نبی کریم ﷺ میدان جنگ کی طرف جھانک کر دیکھتے تھے، تو آپ سے ابو طلحہ کہتے تھے آپ سر اٹھا کر نہ دیکھئے، کہیں آپ کو دشمن کا کوئی تیر نہ لگ جائے، میری گردن آپ کی گردن کی حفاظت کے لئے ہے، اور جب کوئی مسلمان مجاہد وہاں سے گزرتا جس کے پاس تیر ہوتے، تو رسول اللہ کہتے ان تیروں کو ابو طلحہ سے قریب کر دو، رسول اللہ ﷺ نے ان کی جنگی مہارتوں سے خوش ہو کر فرمایا: ابو طلحہ کی آواز مشرکوں پر ایک ہٹالین فوج سے زیادہ اثر انداز ہے^(۳)۔

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ابو دجانہ نے اپنی پیٹھ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ڈھال بنادی، اس میں تیر پیوست کر جاتا تھا، لیکن وہ حرکت نہیں کرتے تھے، قتادہ بن نعمان کی آنکھ اس دن زخمی ہو گئی تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، اور آپ نے اپنے ہاتھ سے اس آنکھ کو دوبارہ اس کی جگہ پر بیٹھا دیا، اس کے بعد ان کی وہ آنکھ

(۱) صحیح مسلم بحوالہ شرح النووی: ۱۳۶/۱۲۔

(۲) صحیح البخاری بحوالہ فتح الباری: ۳۵۹/۷۔

(۳) فتح الباری: ۳۵۸/۷-۳۶۱، فتح الباری: ۵۸۹/۲۲۔

دوسری آنکھ سے زندگی بھر زیادہ صحت مند اور اچھی رہی (۱)۔

حنظلہ غسیل الملائکہ :

حنظلہ بن ابوعامر نے ابوسفیان پر زبردست حملہ کیا، اور جب اسے قتل کرنے پر پوری طرح قادر ہو گئے تو شداد بن اسود نے ان پر دوسری طرف سے حملہ کر کے انہیں قتل کر دیا، حنظلہ اس وقت حالت جنابت میں تھے، اسی رات ان کی شادی ہوئی تھی، جب انہوں نے جہاد کے لئے نکلنے کی آواز سنی تو فوراً نکل پڑے اور غسل نہ کر سکے، رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو خبر دی کہ فرشتے انہیں غسل دے رہے ہیں، پھر کہا: اس کی بیوی سے پوچھو کہ بات کیا ہے؟ انہوں نے ان کی بیوی سے پوچھا تو حقیقت حال کی انہیں خبر دی۔

ام عمارہ میدان احد میں :

ام عمارہ نسیم بنت کعب المازنیہ نے زبردست جنگ کی، اور عمرو بن قمرہ پر اپنی تلوار سے کئی ضرب لگائی، لیکن وہ دوزر ہیں اپنے ہوا تھا، اسی لئے وہ بچ گیا، پھر ابن قمرہ نے ان پر تلوار چلائی اور ان کے کندھے کو شدید زخمی کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کی طرف بڑھے، جبکہ شیطان نے چیخ کر اعلان کر دیا تھا کہ محمد قتل کر دیا گیا، اور اس کا بہت سے مسلمانوں کے دلوں پر بہت ہی گہرا اثر پڑا تھا، چنانچہ جب کعب بن مالک نے آپ ﷺ کو خود کے نیچے سے پہچان لیا تو پوری طاقت کے ساتھ چیخے کہ اے مسلمانو! خوش ہو جاؤ، یہ دیکھو! رسول اللہ زندہ ہیں، تو آپ ﷺ نے انہیں اشارہ سے خاموش رہنے کو کہا: اور مسلمان آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے اور آپ کو لے کر گھاٹی کی طرف چلے گئے ان مجاہدین میں ابو بکر، عمر، علی اور حارث بن صمہ انصاری وغیرہم موجود تھے۔

ابی بن خلف کا قتل :

جب مسلمان مجاہدین نے اپنی پیٹھ پہاڑ کی طرف کر دی تو ابی بن خلف نے اپنے ”العوز“ نامی گھوڑے پر سوار ہو کر رسول اللہ ﷺ کا پیچھا کیا، اور اللہ کے اس دشمن کا خیال تھا کہ وہ آپ کو قتل کر دے گا، اس لئے کہنے لگا، اے محمد! اگر تم آج نجات پا گئے تو میں نجات نہیں پاؤں گا۔ یہ سن کر مجاہدین نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم میں سے کوئی ایک آدمی مڑ کر اس پر حملہ کرے؟ آپ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو، جب وہ قریب ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے حارث بن صمہ سے نیزہ لیا اور اسے ابی بن خلف کی ہنسی کی ہڈی میں گھونپ دیا، اور اللہ کا دشمن شکست

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۸۲/۳، مغازی الواقدی: ۲۴۲/۱۔

کھا کر بھاگ پڑا، یہ شخص رسول اللہ ﷺ سے مکہ میں کہا کرتا تھا: اے محمد! میرے پاس العوذ نامی گھوڑا ہے جسے میں ہر روز بکئی کھلاتا ہوں، میں اسی پر سوار ہو کر تمہیں قتل کر دوں گا، تو رسول اللہ ﷺ کہتے تھے: بلکہ ان شاء اللہ میں تمہیں قتل کروں گا، چنانچہ ابی جب قریشیوں کے پاس واپس گیا تو اس کا خون منجمد ہو گیا اور کہنے لگا: مجھے محمد نے قتل کر دیا۔ لوگوں نے اس سے کہا: اللہ کی قسم! تمہاری عقل ماری گئی ہے، تمہیں تو کوئی تکلیف نہیں ہے۔ تب اس نے کہا: محمد مکہ میں مجھ سے کہا کرتا تھا، میں تمہیں قتل کر دوں گا، اس لئے اللہ کی قسم! اگر وہ مجھ پر تھوک بھی دیتا تو مجھے قتل کر دیتا، چنانچہ اللہ کا دشمن مکہ سے چھ میل پہلے مقام سرف میں ہی مر گیا، جب کفار قریش اسے لے کر مکہ واپس جا رہے تھے^(۱)۔

علی بن ابوطالب رسول اللہ ﷺ کے لئے پانی لے کر آئے، تاکہ آپ اسے پیئیں، لیکن وہ پینے کے لائق نہیں تھا، اس لئے آپ نے اسے واپس کر دیا، اور علی نے آپ کے چہرہ سے خون کو دھویا اور آپ کے سر پر پانی بہایا، اور رسول اللہ ﷺ نے وہاں موجود ایک چٹان پر چڑھنا چاہا تو تکلیف اور تھکن کی وجہ سے ایسا نہ کر سکے، یہ دیکھ کر طلحہ آپ کے قدموں کے نیچے بیٹھ گئے، اور آپ ان کی پشت پر پاؤں رکھ کر چٹان پر چڑھ گئے، اس وقت نماز کا وقت ہو گیا تھا، تو آپ نے بیٹھ کر ان صحابہ کرام کو نماز پڑھائی۔

فرشتوں نے آپ ﷺ کا دفاع کیا:

صحیح روایات سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل اور میکائیل کو بھیجا، تاکہ رسول اللہ ﷺ سے دفاع کرنے کے لئے وہ دونوں جنگ کریں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے آپ ﷺ کی حفاظت کی ذمہ داری لے لی تھی، جیسا کہ بخاری اور مسلم میں سعد بن وقاص سے مروی حدیث میں ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو احد کے دن دیکھا کہ دو آدمی آپ کی طرف سے دفاع میں زبردست جنگ کر رہے تھے، اور وہ سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے، اُن دونوں کو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اور نہ بعد میں کبھی دیکھا^(۲)۔

مجاہدین پر اونگھ طاری ہو گئی:

رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں پر جو بھاری مصیبت آگئی تھی، اس کے سبب مجاہدین بہت ہی زیادہ غم زدہ تھے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اُن کے اوپر کچھ دیر کے لئے اونگھ طاری کر دی، اور جب ان کی آنکھیں کھلیں تو ان کے دلوں سے خوف رخصت ہو چکا تھا اور انہیں نہایت سکون و اطمینان حاصل ہو چکا تھا۔

(۱) الدر المنثور، السيوطي: ۶۹/۵، طبقات ابن سعد: ۳۲/۲، سيرة ابن هشام: ۸۴/۲، غزوات النبی ﷺ: ص ۵۱۔

(۲) صحیح البخاری: ۲۷۷۷/۷، صحیح مسلم، حدیث: (۲۳۰۶)۔

ابو طلحہ انصاری کہتے ہیں: میں اُن لوگوں میں سے تھا، جن پر احد کے دن اونگھ طاری ہوئی تھی، یہاں تک کہ میری تلوار کئی بار میرے ہاتھ سے گرتی رہی اور میں اسے اٹھاتا رہا^(۱)۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ثُمَّ أُنْزِلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمْنَةً نُّعَاسًا يَغْشَى طَائِفَةً مِنْكُمْ وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْحَاہِلِيَّةِ يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ﴾ (پھر اللہ نے غم کے بعد تمہارے اوپر سکون نازل کیا، جو نیند تھی، جو تم میں سے ایک جماعت پر غالب آرہی تھی، اور ایک دوسری جماعت تھی، جس کو صرف اپنی فکر لگی ہوئی تھی، جو اللہ کے بارے میں ناحق دور جاہلیت کی بدگمانیوں میں مبتلا تھی، کہتے تھے کہ کیا ہمیں بھی کسی بات کا اختیار ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ تمام امور اللہ کے اختیار میں ہیں) [آل عمران: ۱۵۴] اور وہ لوگ جن کو صرف اپنی فکر تھی اور مسلمانوں پر نازل شدہ مصیبت اور اسلام کے انجام کی کوئی فکر دامن گیر نہیں تھی وہ منافقین تھے۔

اور مشرکین جب پہاڑ پر چڑھ گئے اور اس کے ایک حصہ پر قابض ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے سعد سے فرمایا: انہیں مار بھگاؤ، سعد نے کہا: میں اکیلے کیسے انہیں مار بھگاؤں؟ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات تین بار کہی، تو سعد نے اپنے تھیلے سے ایک تیر نکالا اور اس کے ذریعہ ایک کافر کو قتل کر دیا۔ سعد کہتے ہیں: میں نے پھر وہی تیر لیا جسے میں پہچانتا تھا، اور اس کے ذریعہ دوسرے کافر کو مارا، اور اسے بھی قتل کر دیا، اس کے بعد وہ لوگ اپنی جگہ سے نیچے بھاگ گئے تو میں نے کہا: یہ تیر تو بڑا ہی مبارک ثابت ہوا، چنانچہ اسے میں نے اپنے تھیلے میں رکھ لیا، وہ تیر زندگی بھر سعد کے پاس رہا، اور ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں کے پاس^(۲)۔

حذیفہ بن یمان اور ان کے والد:

حذیفہ اور ان کے والد رضی اللہ عنہما اس معرکہ میں شریک تھے، حذیفہ نے جب دیکھا کہ مسلمان ان کے والد کو مشرک سمجھ کر قتل کرنا چاہتے ہیں، تو انہوں نے کہا: اے اللہ کے بندو! یہ میرے والد ہیں، لیکن مجاہدین نے ان کی بات نہیں سمجھی اور انہیں قتل کر دیا، حذیفہ نے کہا: اللہ تعالیٰ تم سب کو معاف کر دے، اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی دیت دینی چاہی، تو حذیفہ نے کہا: میں نے ان کی دیت مسلمانوں پر صدقہ کر دی، اس بات سے نبی کریم ﷺ کی نگاہ میں حذیفہ کا مقام بلند ہو گیا^(۳)۔

(۱) فتح الباری: ۳۶۵/۷۔

(۲) زاد المعاد: ۱۶۰/۳، صحیح البخاری، حدیث: (۴۰۵۵-۴۰۵۹) فتح الباری: ۴۱۶/۷، غزوات النبی ﷺ: ص ۵۵۔

(۳) سیرۃ ابن ہشام: ۸۷، متدرک حاکم: ۲۰۲/۳، حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے، اور وہی نے ان کی تائید کی ہے۔

سعد ابن الربیع کی وصیت:

زید بن ثابت کہتے ہیں: مجھے رسول اللہ ﷺ نے احد کے دن سعد ابن الربیع کو تلاش کرنے کے لئے بھیجا اور کہا: اگر وہ تمہیں مل جائے تو میرا سلام کہنا: اور کہنا رسول اللہ ﷺ پوچھ رہے ہیں کہ تم کیسے ہو؟ زید کہتے ہیں: میں متوتلین کے درمیان گھوم کر انہیں تلاش کرنے لگا، یہاں تک کہ میں نے انہیں پالیا، اس وقت وہ اپنی زندگی کی آخری سانس لے رہے تھے، ان کو سترکاری ضربیں لگی تھیں۔ میں نے کہا: اے سعد! رسول اللہ ﷺ نے تم کو سلام بھیجا ہے، اور کہا ہے: مجھے بتاؤ کہ تم کس حال میں ہو؟ سعد نے کہا: رسول اللہ ﷺ پر بھی سلام ہو، ان سے کہنا: اے اللہ کے رسول! میں جنت کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں، اور میری قوم انصار سے کہنا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارے لئے کوئی عذر معافی کا نہیں ہوگا، اگر دشمن رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گیا اور تمہارے درمیان ایک آنکھ بھی دیکھنے والی موجود ہے۔ اور اس کے بعد ہی فوراً انہوں نے اپنی جان جان آفرین کے حوالے کر دی (۱)۔

عمرو بن الجموح کی تمنا:

ابو قتادہ روایت کرتے ہیں: عمرو بن الجموح رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! اگر میں اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہوا قتل کر دیا جاؤں، تو کیا اپنے اس پاؤں کے ذریعہ درست حالت میں جنت میں چل پھر سکوں گا، اس لئے کہ وہ لنگڑے آدمی تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، چنانچہ احد کے دن وہ، ان کا بھتیجا، اور ان کا ایک غلام تینوں کام آگئے، اور جب رسول اللہ ﷺ کا ان کی لاش سے گزر ہوا تو فرمایا: اے عمرو! میں تمہیں جنت میں اپنے انہی پاؤں سے درست حالت میں چلتے دیکھ رہا ہوں، پھر رسول اللہ ﷺ نے ان تینوں کو ایک قبر میں دفن کر دیا (۲)۔

طلحہ بن عبید اللہ نبی کریم ﷺ کا دفاع کرتے ہوئے:

قیس نے روایت کی ہے کہ میں نے طلحہ کا وہ مشلول ہاتھ دیکھا تھا جس کے ذریعہ وہ احد کے دن رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرتے رہے (۳) اور جابر بن عبد اللہ کی ایک روایت میں ہے کہ احد کے دن جب لوگ بھاگ پڑے

(۱) مستدرک حاکم: ۲۰۱/۳، حاکم کہتے ہیں: یہ حدیث صحیح الإسناد ہے، اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے، دلائل التبیح: ۲۸۵/۳، طبقات ابن سعد: ۵۲۳/۳۔

(۲) مستدرک: ۲۹۹/۵، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس کی سند کو حسن کہا ہے، دیکھئے، فتح الباری: ۲۵۷/۳۔

(۳) صحیح البخاری، حدیث: (۳۷۲۴)، مقدمہ ابن ماجہ، حدیث: (۱۲۸)، مستدرک: ۱۶۱/۱۔

تو رسول اللہ ﷺ اپنے بیس صحابہ کرام کے ساتھ ایک طرف ثابت قدم رہے، ان میں طلحہ بھی تھے، مشرکین ان کے پاس جا پہنچے تو آپ ﷺ نے پوچھا: کون ان کافروں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہے؟ طلحہ نے کہا: میں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنی جگہ پر رہو، پھر ایک آدمی نے کہا: میں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں تم مقابلہ کرو، چنانچہ انہوں نے جنگ کی یہاں تک کہ قتل کر دیئے گئے۔ اور آپ ﷺ نے دیکھا کہ مشرکین بڑھتے آرہے ہیں، تو آپ نے پھر پوچھا: کون ہے جو ان کا مقابلہ کرے گا؟ طلحہ نے کہا: میں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اپنی جگہ پر رہو، پھر ایک انصاری نے کہا: میں، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں تم مقابلہ کرو، چنانچہ انہوں نے جنگ کی یہاں تک کہ قتل کر دیئے گئے، اور صحابہ کرام اسی طرح یکے بعد دیگرے مشرکوں سے جنگ کرتے رہے، اور شہید ہوتے رہے، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ صرف طلحہ باقی رہ گئے تو آپ نے فرمایا: کون ہے جو ان کافروں کا مقابلہ کرے گا؟ طلحہ نے کہا: میں، تو پھر طلحہ نے ان گیارہوں شہداء صحابہ کے برابر جنگ کی، یہاں تک کہ ان کی انگلیاں کٹ گئیں، پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو مار بھگایا (۱)۔

مصعب بن عمیر کی شہادت نبی کریم ﷺ کا دفاع کرتے ہوئے:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ معرکہ احد سے واپس لوٹتے ہوئے مصعب بن عمیر کی لاش کے پاس سے گزرے تو وہاں کھڑے ہو کر ان کے لئے دعا کی، پھر پڑھا: ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا﴾ (مومنوں میں سے ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اللہ سے کئے ہوئے عہد و پیمان کو سچ کر دکھایا، پس ان میں سے بعض نے اپنی نذر پوری کر دی، اور بعض وقت کا انتظار کر رہے ہیں، اور ان کے موقف میں ذرا بھی تبدیلی نہیں آئی ہے) [الأحزاب: ۲۳] پھر آپ ﷺ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ تمام مقتول مجاہدین قیامت کے دن اللہ کے سامنے شہیدوں کی حیثیت سے پیش ہوں گے (۲)۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہنے والے صحابہ کرام:

واقدی نے لکھا ہے کہ احد کے دن مہاجرین میں سے مندرجہ ذیل سات صحابہ کرام ثابت قدم رہے: ابو بکر صدیق، علی بن ابی طالب، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن عوام اور

(۱) سنن النسائی: ۳۹۶۰، ۳۹۷۰، ذہبی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں، اور حاکم نے بھی اس معنی کی ایک حدیث روایت کی ہے ۳۶۹۳۔

(۲) مستدرک حاکم: ۲۰۰/۳، اور حاکم نے کہا ہے: یہ حدیث صحیح الإسناد ہے، اسے بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے۔

ابو عبیدہ بن جراح.

اور انصار میں سے مندرجہ ذیل سات صحابہ کرام ثابت قدم رہے: ابو دجانہ، سماک بن خرشہ، حباب بن منذر، عاصم بن ثابت، حارث بن صمہ، سہل بن حنیف، سعد بن معاذ، اسید بن حفیر اور بعض نے آخری دو کے بجائے سعد بن عبادہ اور محمد بن مسلمہ کا نام ذکر کیا ہے^(۱).

میدانِ احد میں مسلمان عورتوں کا کردار:

غزوہ احد میں مجاہدین اسلام کے ساتھ مسلمان عورتوں کا بھی بڑا عظیم کردار رہا ہے:
۱- اُمّ عمارہ نسیبہ بنت کعب المازنیہ کہتی ہیں کہ میں صبح کے وقت اس ارادے سے نکلی کہ دیکھوں مجاہدین کا کیا حال ہے؟ اور میرے پاس پانی کا ایک مٹکا تھا، میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئی، آپ اس وقت صحابہ کرام کے ساتھ تھے، اور جنگ کا رُخ مسلمانوں کے حق میں تھا، لیکن جب مسلمان شکست کھا کر بھاگنے لگے تو میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئی اور جنگ کرنے لگی، اور تلوار کے ذریعہ آپ کا دفاع کرنے لگی، اور دشمنوں کی طرف تیر چلانے لگی، یہاں تک کہ میں زخموں سے چور ہو گئی.

اُمّ سعد بنت سعد بن ربیع کہتی ہیں: میں نے ان کے کندھے پر ایک گہرے زخم کا نشان دیکھا تو پوچھا: یہ ضرب آپ پر کس نے لگائی تھی؟ انہوں نے کہا: ابن قمرہ نے، اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کرے، جب لوگ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگنے لگے تو ابن قمرہ کہنے لگا، کوئی آدمی مجھے محمد کو دکھلا دے، اگر وہ آج نجات پا گیا تو میں نجات نہیں پاؤں گا، یہ سن کر میں، مصعب بن عمیر، اور کچھ دیگر صحابہ نے آگے بڑھ کر اسے روکنے کی کوشش کی، تو اس نے میرے کندھے پر یہ ضرب لگائی، اور میں نے اس کے بعد اس پر کئی ضربیں لگائیں، لیکن اللہ کا دشمن دوزر ہیں پہنچے ہوا تھا^(۲).

۲- اُمّ سلیطہ انصاریہ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، احد کے دن پانی کے گھڑے مجاہدین کے پاس پہنچاتی تھیں، امام بخاری نے روایت کی ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کچھ صحابیات مدینہ کے درمیان لباس تقسیم کیا، اور ایک اچھا لباس باقی رہ گیا تو انہوں نے اُمّ سلیطہ کو دے دیا اور کہا: یہ اس کی زیادہ حقدار ہے، یہ احد کے دن ہمارے لئے پانی کے گھڑے ڈھوتی تھی^(۳).

(۱) الحیاة العسکریہ: ص ۱۱۶، ۱۱۷.

(۲) الکفایہ: ۷۵/۲.

(۳) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۰۷۱).

۳- اور عائشہ بنت ابی بکر امّ المؤمنین اور امّ سلیم رضی اللہ عنہما اپنی پیٹھ پر پانی کے گھڑے ڈھوتی تھیں، اور مجاہدین کو پلاتی تھیں، پھر لوٹ کر آتیں اور گھڑے بھر کر لے جاتیں، پھر آتیں اور مجاہدین کو پانی پلاتیں^(۱)۔

۴- اور ابو حازم کی روایت سے ثابت ہے کہ فاطمہ الزہراءؑ میدانِ معرکہ میں موجود تھیں، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا زخم دھویا اور علی بن ابی طالب نے اپنے ڈھال میں پانی لے کر اس پر انڈیل دیا، اور جب فاطمہ نے دیکھا کہ پانی سے اور زیادہ خون نکل رہا ہے، تو چٹائی کا ایک ٹکڑا لے کر اسے جلایا اور زخم پر چپکا دیا، تو خون بند ہو گیا^(۲)۔

جنگ کے شعلے دھیمے پڑ گئے:

اس طرح صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرنے میں اپنی جانوں کی بازی لگادی، اور بھگدڑ مچ جانے کے بعد دوبارہ انہوں نے اپنے ہوش سنبھالے، اپنی صفوں کو درست کیا، اور کافروں پر دوبارہ زبردست حملہ کر دیا، جس سے مشرکوں کو اپنی شکست کا یقین ہو گیا، اور جنگ کے طول پکڑنے کی وجہ سے تھک کر چور ہو گئے، اور احد کی گھاٹیوں میں مسلمانوں کا پیچھا کرنے سے رُک گئے۔

اور مشرک تو ہمیشہ ہی کینہ پرور اور خبیث فطرت کا ہوتا ہے، اسی لئے مشرکوں نے کئی مسلمان مقتولین کے اعضاء کاٹے، ان کی شکلوں کو بگاڑا، ان کے کان، ناک اور شرمگاہوں کو کاٹا، اور پیٹوں کو پھاڑا، اور ابوسفیان کی بیوی ہند نے حمزہ کا پیٹ پھاڑا اور ان کا کلیجہ چبایا، لیکن اسے حلق سے نیچے نہیں اُتار سکی، تو اسے منہ سے باہر پھینک دیا، اور کافروں نے مجاہدین کے کانوں اور ناکوں کے پازیب اور ہار بنا کر پہنے^(۳)۔

ابن اسحاق نے محمد بن کعب قرظی سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حمزہ کو ان کا مثلہ کئے جانے کے بعد دیکھا تو فرمایا: اگر میں نے قریش کو پالیا تو ان میں سے تیس آدمی کے مٹے کروں گا، اور جب صحابہ رسول نے آپ کی تکلیف کا اندازہ لگایا تو کہنے لگے اگر ہم نے ان کو پالیا تو ان کا ایسا مثلہ کریں گے کہ کسی عربی نے کسی دوسرے کا نہیں کیا ہوگا، تب اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ﴾ اور (مسلمانو!) اگر تم سزا دو تو اتنا ہی دو جتنی سزا تمہیں دی گئی تھی [النحل: ۲۶]۔ اور رسول اللہ ﷺ نے

(۱) صحیح البخاری، باب التَّسْيِط، حدیث: (۴۰۷۱)۔

(۲) صحیح البخاری، حدیث (۴۰۷۵)، صحیح مسلم، حدیث: (۱۷۹۰)، مسند احمد: ۵/۳۳۰، سنن ابن ماجہ، حدیث: (۳۴۶۴)، سنن

ترمذی، حدیث: (۲۰۸۵)۔

(۳) سیرۃ ابن ہشام: ۹۱/۲۔

ظالم کافروں کو معاف کر دیا اور صبر کیا اور مظلہ کرنے سے منع فرمایا^(۱)۔

جب جنگ کی آگ سرد پڑ گئی اور اللہ تعالیٰ نے اس کی چنگاری کو بجھادی تو ابوسفیان نے پہاڑ کے اوپر سے جھانک کر آواز دی اور کہا: کیا تم لوگوں کے درمیان محمد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ اس کا جواب نہ دو، اس نے پھر کہا: کیا تمہارے درمیان ابن ابی قحافہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ اس کا جواب نہ دو، اس نے پھر کہا: کیا تمہارے درمیان ابن الخطاب ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ اس کا جواب نہ دو، ابوسفیان نے ان تینوں کے علاوہ اور کسی کے بارے میں نہیں پوچھا: اس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ اسلام کی عمارت کی بنیاد یہی حضرات ہیں۔ تب ابوسفیان نے کافروں سے کہا: تم لوگوں نے انہیں قتل کر دیا، اگر یہ زندہ ہوتے تو جواب دیتے۔

یہ سن کر عمر سے رہانہ گیا، اور کہا: اے اللہ کے دشمن، اے جھوٹے! جن کے تم نے نام لئے ہیں، وہ سب زندہ ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ان تمام لوگوں کو ابھی باقی رکھا ہے، جن کے نام سن کر تمہاری نیند حرام ہو جاتی ہے، ابوسفیان نے کہا: مسلمان مقتولین کا مظلہ کیا گیا ہے، میں نے ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا تھا، لیکن مجھے اس بات سے کوئی تکلیف بھی نہیں ہوئی ہے، پھر اس نے کہا: ہبل معبود اونچا رہے، تب نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام سے کہا: کیا تم لوگ اس کا جواب نہیں دو گے، صحابہ نے پوچھا: ہم کیا کہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کہو ”اللہ اعلیٰ واجل“ یعنی اللہ سب سے اعلیٰ اور سب سے بلند و بالا ہے۔ صحابہ نے کہا: اللہ اعلیٰ واجل“ تو ابوسفیان نے کہا: ہمارے پاس عزریٰ ہے اور تمہارے پاس عزریٰ نہیں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم لوگ اس کا جواب نہیں دو گے، صحابہ نے پوچھا: ہم کیا کہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کہو، اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں ہے، صحابہ نے کہا: اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں، پھر ابوسفیان نے کہا: آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ ہے، اور جنگ میں ایسا ہی ہوتا ہے، عمر نے کہا: ہماری اور تمہاری جنگ برابر نہیں ہو سکتی، ہمارے مقتولین کا ٹھکانا جنت ہو گا، اور تمہارے مقتولین جہنم کا ایندھن بنیں گے^(۲)۔

ابتداء میں ابوسفیان کا جواب اس کی اہانت اور تذلیل کے طور پر نہیں دیا گیا، یہاں تک کہ جب کفر کا نشہ اس کے دماغ پر چڑھ گیا اور کبر سے اس کا دل و دماغ بھر گیا اور اپنے معبودوں اور شرک اکبر کے ارتکاب پر فخر کرنے لگا تب صحابہ کرام نے اس کو حقیقت امر سے آگاہ کیا، اور پوری شجاعت کے ساتھ اس کی بات کا جواب دیا، تاکہ توحید کا کلمہ بلند ہو اور بت پرستی کی تذلیل ہو، اور اللہ تعالیٰ کے بلند و بالا مقام کا اعلان ہو۔

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۹۶/۲۔

(۲) صحیح البخاری، حدیث (۴۰۴۳)، سنن ابی داؤد، حدیث: (۲۶۶۲)، مسند احمد: ۴/۲۹۳، سنن النسائی، التفسیر، حدیث: (۹۹)۔

ابوسفیان کی طرف سے دوبارہ میدان بدر میں جنگ کی دھمکی:

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ابوسفیان نے مکہ واپس لوٹتے ہوئے پکار کر کہا کہ ہمارا اور تمہارا موعدا آئندہ سال مقام بدر ہے تو رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی سے کہا: کہو، ہاں، ہمیں یہ وعدہ منظور ہے^(۱)۔ اس طرح مشرکین کی فوج ناکام و نامراد اپنے اونٹوں پر سوار ہو کر اور اپنے انتقام کی پیاس ایک گنا بھا کر تیزی کے ساتھ واپس جانے لگی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک ایک دن میں کئی کئی میل کا سفر کرتے تھے، اس لئے کہ انہیں یقین تھا کہ مسلمان ان کا پیچھا کریں گے، اور ان پر حملہ کرنے کی کوشش کریں گے، گویا اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا تھا۔

کفار قریش خائب و خاسر مکہ واپس لوٹے، سوائے انتقام کی پیاس ایک گونا بھانے کے اور کوئی کامیابی ان کو حاصل نہیں ہوئی، نہ انہیں کوئی مال غنیمت حاصل ہوا، جو ان کے لئے دلیل بنتا کہ وہ غزوہ احد سے کامیاب لوٹے ہیں اور نہ ان کے ہاتھوں میں کوئی ایک بھی مسلمان قیدی تھا، تاکہ عربوں میں اعلان کرتے کہ وہ زیادہ طاقتور ہیں اور مسلمانوں پر غلبہ حاصل کر کے لوٹے ہیں، بلکہ اس کے برعکس ان کی فوج کی ایک بڑی تعداد مسلمانوں کی تلواروں اور نیزوں سے قتل کر دی گئی۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ مقتول مشرکین کی تعداد بائیس تھی، اور ایک دوسرے قول کے مطابق ان کی تعداد سستیس (۳۷) تھی۔

صاحب اتحاد الوریٰ نے لکھا ہے کہ پہلا مشرک جو غزوہ احد اور مشرکوں کے نامراد لوٹنے کی خبر لے کر مکہ پہنچا وہ عبداللہ بن امیہ بن مغیرہ تھا، اس نے اچھا نہیں سمجھا کہ اہل قریش کی شکست کی خبر لوگوں کو اسی کے ذریعہ ملے، اسی لئے وہ چپکے سے طائف چلا گیا اور وہاں سے اس نے خبر بھیجی کہ اصحاب محمد جیت گئے ہیں، اور ہم شکست کھا گئے ہیں^(۲)۔

علی رضی اللہ عنہ مشرکوں کی شکست کی خبر لے کر آتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے مشرکوں کے مکہ لوٹ جانے کی خبر کا اطمینان کرنے کے لئے علی بن ابوطالب کو یہ حکم دیا کہ وہ کافروں کے پیچھے جائیں اور دیکھیں کہ وہ کیا کرتے ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟ اگر وہ گھوڑوں کے بجائے

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۲/۹۳۔

(۲) اتحاد الوریٰ: ۱/۳۳۵۔

اونٹوں پر سوار ہوتے ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ مکہ لوٹ رہے ہیں، اور اگر گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں اور اونٹوں کو ہانک رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر انہوں نے ایسا سوچا تو میں مدینہ میں ان کا مقابلہ کروں گا۔ علی کہتے ہیں: میں ان کے پیچھے نکلا تاکہ دیکھوں وہ کیا کرتے ہیں، وہ گھوڑوں کے بجائے اونٹوں پر سوار ہوئے، اور مکہ کی طرف روانہ ہو گئے (۱)۔

شہدائے احد کا دفن:

مشرکین مکہ جب میدانِ معرکہ سے نکل کر مکہ کی طرف چل پڑے تو رسول اللہ ﷺ نے شہداء کو دفن کرنے کا حکم دیا، جن کی تعداد ستر تھی، جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دو شہداء کو ایک کپڑے کا کفن دیتے تھے، پھر فرماتے تھے کہ ان میں قرآن کا علم کس نے زیادہ حاصل کیا تھا، اور جب کسی ایک کی طرف اشارہ کیا جاتا تو آپ اسے لحد میں مقدم کرتے اور کہتے کہ میں قیامت کے دن ان سب کا گواہ بنوں گا، اور آپ نے تمام شہداء کو ان کے خون کے ساتھ دفن کرنے کا حکم دیا، نہ آپ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی اور نہ انہیں غسل دیا گیا (۲)۔

ہشام بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ احد کے دن مجاہدین اسلام کو لگے زخموں کی شکایت رسول اللہ ﷺ سے کی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے مقتولین کے لئے کشادہ قبر کھودو، اور ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرو، اور دو دو اور تین تین کو ایک قبر میں دفن کرو، اور ان میں جو قرآن کا علم زیادہ رکھتے تھے انہیں آگے کرو، چنانچہ میرے باپ بھی زخموں کی تاب نہ لا کر وفات پا گئے تو انہیں دو آدمی پر مقدم کیا گیا (۳)۔

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مقتولین احد زیادہ تھے اور کپڑے کم تھے، اس لئے رسول اللہ ﷺ تین تین اور دو دو کو ایک قبر میں جمع کرتے اور پوچھتے کہ ان میں سے کس کے پاس قرآن کا علم زیادہ تھا، اسے آپ ﷺ لحد میں مقدم کرتے، اور دو دو اور تین تین کو ایک کپڑے کا کفن دیتے (۴)۔

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۹۴/۲، والسیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۷۶/۳۔

(۲) صحیح البخاری، الجنازہ، حدیث (۱۳۴۳)، مسند احمد: ۴۳۱/۵، اور اس حدیث کو ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے کتاب الجنازہ میں روایت کی ہے۔

(۳) سنن الترمذی، کتاب الجہاد، حدیث: (۱۷۱۳) اور ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے، اور اسے ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے کتاب الجنازہ میں روایت کی ہے، اور اس کی سند صحیح ہے۔

(۴) سنن ابی داؤد، حدیث (۳۱۳۷)، مسند احمد: ۱۲۸/۳، مسند رک حاکم: ۳۶۵/۱، اور ذہبی نے ان کی تصدیق کی ہے، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۹۲، ۳۹۱/۱۲۔

جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ شہدائے احد اپنی جگہ سے اٹھائے گئے تو رسول اللہ ﷺ کے منادی نے پکارا کہ تم لوگ شہدا کو ان کی پہلی جگہوں پر لوٹاؤ، اور جابر سے یہ بھی مروی ہے کہ میرے والد معرکہ احد میں شہید ہو گئے تو میری بہنوں نے مجھے اپنی ایک اونٹنی دے کر بھیجا اور کہا کہ جاؤ اپنے باپ کو اس اونٹ پر لاد کر لے آؤ، اور انہیں بنو سہلہ کے مقبرہ میں دفن کر دو۔ جابر کہتے ہیں کہ میں اور میرے کچھ مددگار وہاں پہنچے تو نبی کریم ﷺ کو اس کی خبر ملی، آپ اس وقت میدان احد میں ہی بیٹھے تھے، آپ ﷺ نے مجھے بلایا اور کہا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ اپنے بھائیوں کے ساتھ دفن کئے جائیں گے، چنانچہ وہ مقام احد میں ہی دیگر شہداء کے ساتھ دفن کئے گئے^(۱)۔

نبی کریم ﷺ کی تمنا:

جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی شہدائے احد کا ذکر کرتے تو کہتے اللہ کی قسم! میں نے چاہا کہ مجھے بھی میرے اُن صحابہ کے ساتھ شہید کر دیا جاتا جو پہاڑ کے دامن میں قتل کر دیئے گئے^(۲)۔

صحابیات رسول ﷺ کا موقف:

مدینہ میں مسلمان مردوں اور عورتوں پر میدان احد میں ان کی اتنی بڑی تعداد کے قتل ہو جانے کے سبب بہت بھاری مصبت پڑ گئی تھی، اور ان ہی میں سے رسول اللہ ﷺ بھی تھے، جنہیں مقتولین احد کے سبب بہت ہی گہرا غم لاحق ہو گیا اور خاص طور سے آپ کے چچا حمزہ کی شہادت کا ان کے دل پر زندگی بھر غم کا گہرا اثر رہا، ذیل میں کچھ صحابیات رسول ﷺ کے غموں کا حال بیان کرتا ہوں:

۱- صفیہ بنت عبد المطلب کو اپنے سگے بھائی حمزہ بن عبد المطلب کی شہادت کا بڑا ہی شدید غم ہوا، ان کو جب ان کے قتل کئے جانے کی خبر ہوئی تو دوڑتی ہوئی میدان احد میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئیں، آپ نے ان کے بیٹے زبیر بن عوام سے کہا: جلد جا کر اُن سے ملو، اور انہیں واپس کر دو، تاکہ وہ اپنے مقتول بھائی کو اس حال میں نہ دیکھ پائیں، چنانچہ زبیر نے ان سے کہا: امی جان رسول اللہ ﷺ نے آپ کو لوٹ جانے کا حکم دیا ہے، انہوں نے کہا: کیوں، مجھے خبر ہوئی ہے کہ میرے بھائی کا مظلہ کیا گیا ہے، لیکن ان کے ساتھ ایسا اللہ کی خاطر ہوا ہے، میں

(۱) مسند احمد: ۳/۳۰۸، اور اس حدیث کو ابوداؤد، نسائی، اور ابن ماجہ نے جتائز میں اور ترمذی نے جہاد میں روایت کی ہے، اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۲) مسند احمد: ۳/۳۵۵، السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۸۹/۳، اور بیہقی نے مجمع الزوائد (۶/۱۲۳) میں لکھا ہے کہ اس کے رجال ابن اسحاق کے علاوہ سب حدیث صحیح کے رجال ہیں اور ابن اسحاق نے سبع کی صراحت کر دی ہے اس لئے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

ان شاء اللہ اللہ سے اجر کی امید کروں گی، اور صبر کروں گی، پھر ان کی لاش کے پاس آئیں اور انہیں دیکھ کر ان اللہ وانا لہ راجعون کہا، اور ان کے لئے طلب مغفرت کی دعا کی، پھر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے انہیں دفن کر دیا گیا (۱)۔

۲- جب رسول اللہ ﷺ مدینہ کی طرف لوٹنے لگے تو راستے میں آپ کی ملاقات حمنہ بنت جحش سے ہو گئی جنہیں اُن کے بھائی عبد اللہ بن جحش کی شہادت کی خبر دی گئی تو انہوں نے ان اللہ وانا لہ راجعون پڑھا اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی پھر انہیں ان کے ماموں حمزہ بن عبد المطلب کی شہادت کی خبر دی گئی تو ان اللہ پڑھا اور ان کے لئے مغفرت کی دعا کی، پھر انہیں ان کے شوہر مصعب بن عمیر کی شہادت کی خبر دی گئی تو چیخ پڑیں اور واویلا کرنے لگیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک ہر عورت کے دل میں اس کے شوہر کا ایک خاص مقام ہوتا ہے، یہ بات آپ نے یہ دیکھ کر کہی کہ وہ اپنے بھائی اور اپنے ماموں کی شہادت پر ثابت قدم رہیں، اور اپنے شوہر کی شہادت کی خبر سن کر چیخ پڑیں (۲)۔

۳- نبی کریم ﷺ بنی دینار کی ایک صحابیہ کے پاس سے گزرے جن کے شوہر، بھائی اور باپ تینوں میدانِ احد میں شہید ہو گئے تھے، جب انہیں یہ خبر دی گئی تو پوچھا: رسول اللہ ﷺ کیسے ہیں؟ صحابہ نے کہا: اے امّ فلانہ! رسول اللہ اللہ کے فضل و کرم سے جیسا تم چاہتی ہو ویسے ہی ہیں یعنی بخیر ہیں۔ تو انہوں نے کہا: مجھے آپ ﷺ کو دکھا دو، تاکہ میں آپ کو دیکھ لوں، چنانچہ آپ کی طرف اشارہ کر کے اُن سے کہا گیا کہ یہ ہیں، رسول اللہ ﷺ۔ جب صحابیہ نے آپ کو دیکھ لیا تو کہا: اے اللہ کے رسول! آپ زندہ سلامت ہیں، تو پھر ہر مصیبت ہلکی ہے (۳)۔

۴- سعد بن معاذ کی والدہ دوڑی ہوئی آئیں، اس وقت سعد آپ ﷺ کے گھوڑوں کی لگام پکڑے ہوئے تھے، سعد نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ میری ماں ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: انہیں خوش آمدید کہتا ہوں، اور آپ ان کے لئے کھڑے ہو گئے اور جب وہ قریب ہوئیں تو آپ ﷺ نے اُن سے ان کے بیٹے عمرو بن معاذ کی شہادت پر تعزیت کی تو وہ کہنے لگیں میں نے جب آپ کو بخیر و عافیت دیکھ لیا تو ہر مصیبت میرے لئے ہلکی ہو گئی۔ پھر آپ ﷺ نے شہدائے احد کے رشتہ داروں کو بلایا اور کہا: اے امّ سعد! خوش ہو جائیے، اور ان سب کو خوشخبری دے دیجئے کہ ان کے مقتولین سب جنت میں ایک ساتھ ہیں، اور ان شہداء نے اپنے تمام رشتہ داروں

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۹۷/۲، دلائل البیہقی: ۲۸۶/۳۔

(۲) سیرۃ ابن ہشام: ۹۸/۲۔

(۳) سیرۃ ابن ہشام: ۹۷/۲، دلائل البیہقی: ۳۰۲/۳، تاریخ الطبری: ۵۳۳/۲، اور اس کی سند حسن ہے۔

کے لئے شفاعت کی ہے، امّ سعد نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم راضی ہو گئے، ایسی خوشخبری کے بعد، اب ان پر کون آنسو بہائے گا، پھر کہا: اے اللہ کے رسول! جو لوگ یہاں موجود نہیں ہیں، اُن کے صبر و شکیبائی کے لئے دعا کر دیجئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! ان سب کے دلوں کے غم کو دور کر دے اور ان کی مصیبت کا اچھا بدلہ دے اور ان کے پسماندگان کو ان کا اچھا وارث بنا^(۱)۔

صحابیات رسول ﷺ نے اپنے مقتولین کی مصیبت پر مومنانہ قلب و روح کے ساتھ صبر کیا اور اپنے غم کو فراموش کر کے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھتی رہیں، اس لئے کہ انہیں اپنے شوہروں اور اپنے رشتہ داروں سے زیادہ نبی کریم ﷺ کی زندگی اور خیر و عافیت کی فکر تھی۔

شہدائے احد کے لئے بشارت:

۱- رسول اللہ ﷺ نے انصار و مہاجرین کے مردوں اور عورتوں کو ان کے مقتول بھائیوں اور رشتہ داروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عظیم اجر و ثواب کی خوشخبری دی، آپ نے جابر کے والد عبد اللہ بن حرام کی بیٹی سے کہا: کیوں روتی ہو، تمہارے باپ کے اوپر تو فرشتے سایہ فگن رہے یہاں تک کہ وہ آسمان کی طرف اٹھائے گئے^(۲)۔

۲- ابن عباس نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: جب تمہارے بھائی میدانِ احد میں کام آگئے تو اللہ عز و جل نے ان کی روحوں کو ہری چڑیوں کے جوف (پیٹ) میں رکھ دیا، یہ چڑیاں جنت کی نہروں سے پانی پیتی ہیں اور اس کے پھل کھاتی ہیں، اور عرشِ الہی کے سایہ میں بنی قنیلوں کے ارد گرد اڑتی رہتی ہیں، انہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾ (اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے گئے آپ انہیں مردہ نہ سمجھیں، بلکہ وہ تو اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، اور انہیں روزی دی جاتی ہے) [آل عمران: ۱۶۹]۔

۳- جابر نے روایت کی ہے کہ ایک آدمی نے احد کے دن کہا: اے اللہ کے رسول! اگر میں قتل کر دیا جاؤں تو میرا ٹھکانا کہاں ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جنت میں، چنانچہ اس نے اپنے ہاتھ میں موجود کھجوریں پھینک دیں،

(۱) السيرة الحلبية: ۳/۲۷۳۔

(۲) صحیح مسلم: ۳۸۵/۳۔

اور جنگ کرنے لگے یہاں تک کہ قتل ہو گئے (۱)۔

۴- اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مصعب بن عمیر کی لاش کے پاس سے گزرے تو کھڑے ہو کر ان کے لئے دعا کی پھر پڑھا: ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا﴾ (مومنوں میں سے ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اللہ سے کئے ہوئے عہد و پیمان کو سچ کر دکھایا، پس ان میں سے بعض نے اپنی نذر پوری کر دی، اور بعض وقت کا انتظار کر رہے ہیں، اور ان کے موقف میں ذرا بھی تبدیلی نہیں آئی ہے) [الأحزاب: ۲۳] پھر آپ ﷺ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک یہ سب مقتولین شہداء کی حیثیت سے پیش ہوں گے (۲)۔

رسول اللہ ﷺ مدینہ کی طرف لوٹے ہوئے:

رسول اللہ ﷺ جب شہداء کے دفن سے فارغ ہوئے تو صحابہ کرام کی صف بندی کی اور اللہ کی تعریف بیان کی اور کہا: اللھُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهُ، اللھُمَّ لَا قَابِضَ لِمَا بَسَطْتَ، وَلَا بَاسِطَ لِمَا قَبَضْتَ، وَلَا هَادِيَ لِمَا اضَلَلْتَ، وَلَا مُضِلَّ لِمَنْ هَدَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُقَرَّبَ لِمَا بَاعَدْتَ، وَلَا مُبْعَدَ لِمَا قَرَّبْتَ، واللھُمَّ ابْسِطْ عَلَيْنَا مِنْ بَرَكَاتِكَ وَرَحْمَتِكَ وَفَضْلِكَ وَرِزْقِكَ، اللھُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ النِّعِيمَ الْمُقِيمَ الَّذِي لَا يَحُولُ وَلَا يَزُولُ، اللھُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ النِّعِيمَ يَوْمَ الْعِيلَةِ (الفاقة) وَالْأَمْنِ يَوْمَ الْخَوْفِ. اللھُمَّ عَائِذُكَ مِنْ شَرِّ مَا أَعْطَيْتَنَا وَشَرِّ مَا مَنَعْتَ، اللھُمَّ حَبِّبِ الْإِيمَانَ وَزَيْنَهُ فِي قُلُوبِنَا، وَكَرِّهِ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ، وَاجْعَلْنَا مِنَ الرَّاشِدِينَ، اللھُمَّ تَوْفِنَا مُسْلِمِينَ وَأَخِينَا مُسْلِمِينَ وَالْحِقْنَا بِالصَّالِحِينَ غَيْرَ خِزَايَا وَلَا مُفْتُونِينَ، اللھُمَّ قَاتِلِ الْكُفْرَةَ الَّذِينَ يُكَذِّبُونَ رُسُلَكَ، وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِكَ، وَاجْعَلْ عَلَيْهِمْ رَجْزَكَ وَعَذَابَكَ، اللھُمَّ قَاتِلِ الْكُفْرَةَ الَّذِينَ أَوْتُوا الْكِتَابَ إِلَهُ الْخَلْقِ. (۳)

اس دعا میں رسول اللہ ﷺ نے باری تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی ہے اور اپنے لئے اور اپنے صحابہ کرام کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت، فضل و کرم، روزی اور اس کی برکتوں کی دعا کی ہے، نیز قیامت کے دن کے خوف سے امن کی

(۱) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۰۴۶) صحیح مسلم، حدیث: (۱۸۹۹) سنن النسائی، کتاب الجہاد: ۳۳/۶، مسند احمد: ۳۰۸/۳، دلائل البیہقی: ۲۳۳/۳۔

(۲) مستدرک حاکم: ۲۰۰/۳، اور حاکم نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح الإسناد ہے، اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے۔

(۳) مستدرک حاکم: ۲۳/۳، اور حاکم نے لکھا ہے کہ یہ حدیث شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے، اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے، مسند

دعا کی ہے، اور دعا کی ہے کہ اللہ کفر و فسوق اور محصیت کی ان کے دلوں میں نفرت ڈال دے، اور ان سب کو ہدایت یافتہ بنادے، سب کو دنیا میں مسلمان زندہ رکھے اور جب موت آئے تو اسلام پر آئے، اور آخر میں آپ نے ان کافروں پر بد دعا کی ہے جو اللہ کے رسولوں کی تکذیب کرتے ہیں، اور اس کی سیدھی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں۔

پھر آپ ﷺ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ کے لئے چل پڑے، اور مدینہ کی عورتیں اور بچے اپنے گھروں سے نکل کر مجاہدین کے چہروں میں جھانک کر اپنے شوہروں اور اپنے باپ کو تلاش کر رہے تھے، جبکہ وہ ذہنی طور پر اللہ کی راہ میں ہر مصیبت کو جھیل جانے کے لئے تیار نظر آ رہے تھے۔

حمزہ پر رونے والی کوئی نہیں؟

راستہ میں رسول اللہ ﷺ انصار کے گھروں میں سے ایک گھر کے پاس سے گزرے تو اندر سے شہداء کے قتل کئے جانے پر رونے اور نوحہ کرنے کی آواز آئی، آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہ پڑے اور رونے لگے، پھر فرمایا: لیکن حمزہ پر رونے والی کوئی نہیں ہے، جب سعد بن معاذ اور اُسید بن حضیر بنو عبداللہ شہل کے گھروں کے پاس سے پہنچے تو اپنی عورتوں کو حکم دیا کہ وہ سب جائیں اور رسول اللہ ﷺ کے پیچھا پر روئیں؛ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور جب رسول اللہ ﷺ نے حمزہ پر ان کے رونے کی آواز سنی تو نکل کر ان کے پاس پہنچے، وہ سب مسجد کے دروازے پر رو رہی تھیں، اور کہا: تم لوگ لوٹ جاؤ، اللہ تم پر رحم کرے، تمہارے یہاں آنے سے مجھے ایک گونا تسلی ملی ہے۔

اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ نے جب ان کے رونے کی آواز سنی تو فرمایا: اللہ انصار پر رحم کرے، ان کی طرف سے مجھے تسلی دی جانی تو پرانی بات ہے، انہیں حکم دو کہ وہ لوٹ جائیں اور آپ نے ان سب کو شدت کے ساتھ نوحہ کرنے سے منع فرمایا^(۱)۔

اور ابن عمر اور انس بن مالک نے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ میدان احد سے واپس آئے تو انصار کی عورتوں کو روتے ہوئے سنا، فرمایا: لیکن حمزہ پر رونے والی کوئی نہیں؟ جب یہ بات انصار کی عورتوں کو معلوم ہوئی تو حمزہ پر رونے لگیں، اور رسول اللہ ﷺ سو گئے، پھر جب گئے تو دیکھا کہ اب تک وہ سب رو رہی ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان کا بھلا کرے، اب تک رو رہی ہیں، تو خوب رو لیں اور آج کے بعد کسی مرنے والے پر نہ

(۱) مسند احمد: ۹۸/۷، احمد شاکر نے لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے، مستدرک حاکم: ۳۸۱/۱، اور حاکم نے لکھا ہے کہ یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے، اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے اور طبقات ابن سعد: ۱۶/۳۔

روئیں (۱)

اور ابو اسید ساعدی نے روایت کی ہے کہ میں حمزہ بن عبدالمطلب کی قبر کے پاس رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا، صحابہ کمل کو ان کے چہرے کی طرف کھینچتے تھے تو ان کے دونوں قدم کھل جاتے تھے قدموں کی طرف کھینچتے تھے تو ان کا چہرہ کھل جاتا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: اسے ان کے چہرے پر ڈال دو اور ان کے دونوں قدموں پر درخت کے پتے اور ٹہنیاں ڈال دو، راوی کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنا سر اٹھایا تو آپ کے صحابہ کرام رو رہے تھے (۲)۔

رسول اللہ ﷺ مدینہ میں :

رسول اللہ ﷺ سیچر کے دن ہی شام کو اپنے گھر والوں کے پاس پہنچ گئے اور اپنی تلوار (ذوالفقار) اپنی بیٹی فاطمہ کو دیتے ہوئے کہا: اے بیٹی! اس میں لگے خون کو دھو دو، اللہ کی قسم! آج اس نے اپنے اخلاص کا ثبوت دیا ہے، اور علی بن ابوطالب نے بھی فاطمہ کو اپنی تلوار دی اور کہا: اس میں بھی لگے خون کو دھو دو، اللہ کی قسم! آج اس نے اپنے اخلاص کا ثبوت دیا ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم نے پورے اخلاص کے ساتھ آج جنگ کی ہے تو تمہارے ساتھ سہل بن حنیف اور ابودجانہ نے بھی اپنی جان لگا کر جنگ کی ہے۔

اس دن رسول اللہ ﷺ نے علی بن ابوطالب سے کہا: اب مشرکین آج کی طرح کبھی بھی ہمیں تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمیں فتح و نصرت عطا فرمائے گا (۳)۔

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں بعض ان مسلمانوں سے ملاقات کی، جو شکست خوردہ ہو کر بھاگ آئے تھے، آپ نے ان کے ساتھ سختی کے ساتھ بات نہیں کی، بلکہ بالکل نرم انداز میں گفتگو کی اور ان کی لغزش کو معاف کر دیا، آپ ﷺ کے اسی مشفقانہ اور رحمانہ موقف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ عزوجل نے فرمایا ہے :

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لَنْتَ لَهُمْ وَتَوْكُنْتَ فَظًا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ

(۱) سنن ابن ماجہ، الجامعہ، حدیث: (۱۵۹۱) اور اس کی سند مسلم کی شرط کے مطابق ہے اور مسند احمد، بحوالہ الفتح الربانی: ۷/۱۰۶، ۱۰۷ اور اس کی سند جدید ہے۔

(۲) المطالب العالیہ، حدیث (۴۳۲۲) اور حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو ابو بکر بن ابی شیبہ کی طرف منسوب کیا ہے اور یومی اس سے خاموش رہے ہیں اور بیہوشی نے مجمع الزوائد میں لکھا ہے کہ اسے طبرانی نے روایت کی ہے اور اس کے رجال ثقات ہیں۔

(۳) الاکتفاء: ۸۴/۲۔

اِنَّمَتَوَكَّلِينَ ﴿۱﴾ (آپ محض اللہ کی رحمت سے اُن لوگوں کے لئے نرم ہوئے ہیں، اور اگر آپ بد مزاج اور سخت دل ہوتے تو وہ آپ کے پاس سے چھٹ جاتے، پس آپ انہیں معاف کر دیجئے، اور ان کے لئے مغفرت طلب کیجئے، اور معاملات میں ان سے مشورہ لیجئے، پس جب آپ پختہ ارادہ کر لیجئے تو اللہ پر بھروسہ کیجئے، اللہ توکل کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے) [آل عمران: ۱۵۹] لیکن بدخواہ یہود اور فتنہ انگیز منافقین اور اطرافِ مدینہ میں رہنے والے بادیہ نشین مشرکین نے مسلمانوں کی مصیبت پر خوب خوشی منائی، انہیں معلوم نہیں تھا کہ انجام کار عزت اور غلبہ اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے اور مومنوں کے لئے ہے۔



غزوہ حمراء الاسد

غزوہ احد کے بعد دشمنان اسلام کا موقف:

میں نے ابھی کچھ پہلے ذکر کیا ہے کہ غزوہ احد میں مسلمانوں پر جو مصیبت نازل ہوئی اس کے سبب ان پر غموں کے پہاڑ ٹوٹ گئے، اور مدینہ واپس آنے کے بعد جب انہوں نے یہود، منافقین اور بادیہ نشین مشرکوں کو خوشی مناتے دیکھا اور اندازہ لگایا کہ یہ دشمنان اسلام مدینہ کے پھلوں اور اس کی خیرات و برکات پر تاک لگائے بیٹھے ہیں تو ان کا غم دوہرا ہو گیا۔

منافقین نے لوگوں میں ہر چہار جانب یہ بات پھیلا دی کہ محمد کی فوج شکست کھا گئی، تاکہ عام مسلمانوں کی ہمت ٹوٹ جائے، اور عبداللہ بن ابی بن سلول کے استہزاء اور نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کا مذاق اڑانے کی تو کوئی حد ہی نہیں رہی۔ اس شخص کا پہلے سے طریقہ یہ تھا کہ ہر جمعہ کو ایک جگہ کھڑا ہو کر لوگوں سے خطاب کرتا تھا، اور اس کی قوم میں اس کی قدر و منزلت کے سبب کوئی اس پر اعتراض نہیں کرتا تھا، جمعہ کے دن رسول اللہ ﷺ جب بیٹھ جاتے تو یہ منافق کھڑا ہوتا اور لوگوں سے کہتا لوگو! تمہارے سامنے یہ اللہ کے رسول ہیں، اللہ نے تمہیں ان کے ذریعہ عزت بخشی ہے، اس لئے تم سب ان کی مدد کرو اور ان کی اطاعت کرو، پھر بیٹھ جاتا۔ جب احد کے دن اس کا نفاق کھل کر سامنے آیا، اور نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کا مذاق اڑایا، اور پھر جمعہ کے دن معمول کے مطابق لوگوں سے کچھ کہنے کے لئے کھڑا ہوا تو مسلمانوں نے ہر چہار جانب سے اس کے کپڑے پکڑ کر کھینچا اور کہا: اے اللہ کے دشمن! بیٹھ جاؤ، تم اس کے اہل نہیں ہو، تم نے تو جنگ احد کے موقع سے جو کچھ کیا ہے وہ ہمارے سامنے ہے۔ تو اللہ کا وہ دشمن لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا اور یہ کہتا ہوا نکل گیا، اللہ کی قسم! اگر میں نے لوگوں کو اس کا ساتھ دینے کی تاکید کی ہے تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے میں نے کوئی بُری بات کہہ دی ہے، مسجد کے دروازے پر ایک انصاری کی اس سے مڈ بھیڑ ہو گئی، اس نے پوچھا: تمہیں کیا ہوا ہے؟ اس نے کہا: میں اُٹھ کر اس کی تائید کرنے لگا تو اس کے اصحاب میں سے کچھ میرے خلاف کھڑے ہو گئے اور مجھے برا بھلا کہنے لگے، گویا کہ میں نے کوئی بُری بات کہہ دی۔ انصاری نے کہا: اللہ تم کو ہدایت دے، واپس چلو، تاکہ رسول اللہ ﷺ تمہارے لئے مغفرت کی دعا کریں، اس منافق نے کہا: اللہ کی قسم! میں نہیں چاہتا کہ وہ میرے لئے مغفرت کی دعا کرے۔

قرآن کریم نے منافقوں کے اس رسوا کن موقف کی تصویر کشی کرتے ہوئے کہا ہے: ﴿إِنَّمَا حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ أَنَّ لَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ أَضْغَانَهُمْ﴾ (۲۹) وَلَوْ نَشَاءُ لَأَرَيْنَاكَهُمْ فَتَلَعَهُمُ

بِسَيِّمَاهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ (۳۰) وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِينَ وَنَبْلُوَ أَخْبَارَكُمْ ﴿﴾ (کیا جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے، انہوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ اللہ اُن کے کینوں کو ظاہر نہیں کرے گا، اور اگر ہم چاہتے تو آپ کے لئے اُن کی نشاندہی کر دیتے، تو آپ اُنہیں اُن کے نشان سے پہچان جاتے، اور آپ یقیناً انہیں اُن کے طرز گفتگو سے پہچان لیں گے، اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے، اور یقیناً تمہیں آزمائیں گے، تاکہ ہم تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو جانیں، اور تاکہ ہم تم سے متعلق خبروں کو آزمائیں) [محمد: ۲۹-۳۱] نیز کہا ہے: ﴿إِنَّ تَمَسَّسَكُمْ حَسَنَةً تَسُوهُمْ وَإِنْ تُصِيبَكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ﴾ (اگر تمہیں کوئی بھلائی ملتی ہے تو انہیں تکلیف ہوتی ہے اور اگر تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو اس سے وہ خوش ہوتے ہیں، اور اگر تم صبر کرو گے اور اللہ سے ڈرتے رہو گے، تو ان کا مکر و فریب تمہیں کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکے گا، بے شک اللہ ان کے کرتوتوں کو اچھی طرح جانتا ہے)۔

[آل عمران: ۱۲۰]

اور بدخواہ یہود بھی پہلے سے مسلمانوں پر مصیبت آنے کا انتظار کرتے رہتے تھے، اسی لئے اس جنگ کے بعد وہ بھی بہت زیادہ خوش ہوئے۔

اور یہ احتمال باقی تھا کہ کفار قریش اپنی ناکامی پر شرمندہ ہوں اور دوبارہ واپس آکر مدینہ پر حملہ کر دیں۔ موسیٰ ابن عقبہ نے اس احتمال کی تصدیق کے طور پر لکھا ہے کہ مکہ کا ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے اس سے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں پوچھا، اس نے کہا: میں ان لوگوں سے ملتارہا ہوں، میں نے انہیں آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرتے سنا ہے، وہ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ ”تم لوگوں نے کچھ بھی نہیں کیا، تم لوگوں نے مسلمانوں پر غالب آنے کے بعد انہیں چھوڑ دیا اور ان کو جڑ سے نہیں کاٹا“ اس نے مزید کہا: ابھی ان کے بڑے بڑے سرداران موجود ہیں جو تمہارے خلاف جمع ہوں گے۔

دشمنوں کی ہنسی اور مشرکوں کے دوبارہ مدینہ پر حملہ کے بارے میں سن سن کر مسلمانوں کا غم ہر روز بڑھتا جا رہا تھا، اس لئے رسول اللہ ﷺ کے لئے ایسا موقف اختیار کرنا ضروری تھا جس کے ذریعہ تمام عربوں کے ذہن میں دوبارہ یہ بات ثبت کر دی جائے کہ مسلمان کمزور نہیں ہوئے ہیں، اور وہ اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرنے اور انہیں بری طرح شکست دینے کی پوری قدرت رکھتے ہیں۔

اسی لئے معرکہ احد کے دوسرے دن جو شوال سن تین ہجری کی ۱۶ تاریخ اتوار کا دن تھا، رسول اللہ ﷺ

نے فجر کی نماز پڑھنے کے بعد یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ دشمن کا پیچھا کرنے کے لئے جلد از جلد نکلا جائے اور اس دستہ میں وہی مجاہدین نکلیں جو معرکہ احد میں شریک ہوئے ہیں، اور آپ کے اس حکم کا مقصد مجاہدین معرکہ احد کے مقام کی عظمت کو ظاہر کرنا تھا، نیز یہ کہ مخلص مسلمانوں کے ساتھ کہیں مینا فقین پھر نہ مل جائیں۔ ان نکلنے والوں کی تعداد چھ سو تیس تھی، اور یہی مجاہدین غزوہ احد میں شریک ہوئے تھے، سوائے جابر بن عبد اللہ بن حرام کے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ میرے باپ نے مجھے میری سات بہنوں کا ذمہ دار بنادیا اور کہا: اے بیٹے! مناسب نہیں کہ ہم دونوں ان عورتوں کو اس حال میں چھوڑ دیں کہ ان کے ساتھ کوئی مرد نہ رہے، اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کرنے میں تمہیں اپنے آپ پر ترجیح نہیں دے سکتا ہوں، اس لئے تم اپنی بہنوں کی حفاظت کے لئے ان کے ساتھ رہو۔

چنانچہ میں غزوہ احد میں ان کے ساتھ رہ گیا، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے صرف ان کو اپنے ساتھ کفار قریش کا پیچھا کرنے کے لئے نکلنے کی اجازت دی۔

اور رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے ہزار زخموں اور تکلیفوں کے باوجود دشمن کا پیچھا کرنے کا علی الاعلان حکم دے دیا، تاکہ تمام کفار اس بات کو سن لیں، حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ عبد اللہ بن ابی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میں آپ کے ساتھ چلنا چاہتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔

نبی کریم ﷺ کے اس حکم کی تعمیل میں تمام مخلص مجاہدین اپنے رستے ہوئے زخموں کے ساتھ نکل پڑے، جس کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے: ﴿الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا أَجْرٌ عَظِيمٌ﴾ (جن لوگوں نے کاری زخم لگنے کے بعد بھی اللہ اور اس کے رسول کی بات مانی، ان میں سے جن لوگوں نے اچھے کام کئے اور تقویٰ کی راہ اختیار کی، ان کے لئے اجر عظیم ہے) [آل عمران: ۱۷۲] اور رسول اللہ ﷺ نے غزوہ احد کبھی حکم جہاد منگایا جواب تک کھولا نہیں گیا تھا، اور اسے علی بن ابوطالب کے حوالے کیا، اور ایک روایت کے مطابق ابو بکر صدیق کے حوالے کیا، اور آپ ﷺ مجاہدین اسلام کے ساتھ نکل پڑے، حالانکہ آپ کا چہرہ زخمی تھا، پیشانی میں شدید چوٹ آئی تھی، اگلے چار دانت ٹوٹ گئے تھے، نچلا ہونٹ اندر سے زخمی تھا، دایاں کندھا ابن قمرہ کی ضرب سے کمزور ہوا پڑا تھا اور دونوں گھٹنے پتھروں کی رگڑ سے شدید زخمی تھے۔ عوالی میں رہنے والے مسلمان بھی جمع ہو گئے اور آواز سنتے ہی اپنے گھروں سے نکل پڑے۔ رسول اللہ ﷺ ایک گھوڑے پر سوار ہوئے، اور تمام مجاہدین آپ کے ساتھ نکل پڑے، اور آپ نے مدینہ میں اپنا نائب ابن ام مکتوم کو بنادیا۔

قرآن کریم نے صحابہ کرام کے پوری تیزی کے ساتھ نکلنے کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے: ﴿الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا أَجْرٌ عَظِيمٌ﴾ (جن لوگوں نے کاری زخم لگنے کے بعد بھی اللہ اور اس کے رسول کی بات مانی، ان میں سے جن لوگوں نے اچھے کام کئے اور تقویٰ کی راہ اختیار کی، ان کے لئے اجر عظیم ہے) [آل عمران: ۱۷۲]۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عروہ سے کہا، تمہارے باپ ان مجاہدین میں سے تھے اور ابو بکر بھی۔ احد کے دن جب رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں پر بھاری مصیبت نازل ہوئی، تو مشرکوں کے لوٹ جانے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ان کا پیچھا کرنے کے لئے کون نکلے گا؟ تو ستر مجاہدین ان کا پیچھا کرنے کے لئے نکل پڑے^(۱) اور باقی مجاہدین دوسرے دن ان سے جا ملے، اس طرح ان کی تعداد چھ سو تیس (۶۳۰) تھی۔

صحابہ کرام کی فدایت:

غزوہ احد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بنو عبد الاشہل کے دو بھائی شریک ہوئے تھے جو شدید زخمی ہو کر واپس آئے تھے، جب رسول اللہ ﷺ کے منادی نے اعلان کیا کہ تمام مجاہدین احد دشمن کا پیچھا کرنے کے لئے نکل پڑیں تو ان دونوں بھائیوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: کیا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس غزوہ کا شرف ہم سے فوت کر جائے گا، ہمارے پاس کوئی سواری نہیں تھی اور ہم دونوں سخت زخمی بھی تھے، اس کے باوجود ہم دونوں نکل پڑے۔ ایک بھائی کا بیان ہے کہ میرا زخم کچھ ہلکا تھا، اس لئے جب میرا بھائی زیادہ پریشان ہوتا تو میں اسے اپنے کندھے پر بٹھالیتا اور چل پڑتا، اور کبھی اسے اتار دیتا اور وہ بھی میرے ساتھ پیدل چلنے لگتا، یہاں تک کہ ہم دونوں مسلمان مجاہدین کے ساتھ جا ملے۔

رسول اللہ ﷺ اتوار کے دن حراء الاسد پہنچے، جو مدینہ سے آٹھ میل کی دوری پر ہے، اور وہاں سوار، منگل اور بدھ تین دن قیام کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ اسلم کے تین افراد کو بطور مقدمہ الحیش کفار قریش کا پیچھا کرنے کے لئے بھیجا، ان میں سے دو حراء الاسد کے مقام پر کفار قریش کے پاس پہنچ گئے اور ان کی کرخت آواز سنی وہ آپس میں دوبارہ مدینہ کی طرف لوٹنے کی سازش کر رہے تھے، انہوں نے ان دونوں کو دیکھ لیا اور مڑ کر انہیں جالیا، اور قتل کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ جب حراء الاسد پہنچے تو ان دونوں کو ایک قبر میں دفن کر دیا۔

اسی مقام پر معبد بن ابو معبد الخزاعی رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا، اس وقت وہ مشرک تھا، اس کی قوم اور کفارِ قریش کے درمیان عداوت چلی آرہی تھی، اور اس کی قوم کے لوگ رسول اللہ ﷺ کے لئے مخلص تھے، آپ سے وہ لوگ کچھ بھی نہیں چھپاتے تھے، معبد نے کہا: اے محمد! اللہ کی قسم! آپ کے اصحاب پر احد کے دن جو مصیبت آئی ہے اس سے ہم بہت غمزدہ ہیں اور ہم تمنا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس مصیبت سے بچالیتا۔

معبد وہاں سے چل کر ابوسفیان بن حرب اور اس کے ساتھیوں کے پاس مقام روحاء پر آیا، اس وقت ان سب نے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام سے جنگ کرنے کے لئے دوبارہ لوٹنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ ہم نے محمد کے ساتھیوں اور ان کے سرداروں اور لیڈروں پر غلبہ حاصل کر لیا ہے، اس لئے ان کی جڑ کاٹے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ جب ابوسفیان اور مشرکین احد سے لوٹے اور مقام روحاء پر پہنچے تو ابوسفیان نے اپنے ساتھیوں سے کہا: تم لوگوں نے نہ محمد کو قتل کیا اور نہ ان کی نوجوان عورتوں کو اپنی اونٹنیوں پر پیچھے بیٹھا کر لاسکے، تم لوگوں نے بہت بڑا کیا، رسول اللہ ﷺ کو جب اس کی اطلاع ملی تو لوگوں کو ان کا پیچھا کرنے کا حکم دیا، چنانچہ تمام مجاہدین احد تیزی کے ساتھ نکل پڑے۔

جب ابوسفیان نے معبد کو دیکھا تو پوچھا: اے معبد! تمہارے پاس کیا خبر ہے؟ اس نے کہا: محمد تمہارے پیچھے اپنے ساتھیوں کی اتنی بڑی جماعت کے ساتھ نکل پڑا ہے، میں نے آج سے پہلے ایسی بھاری جماعت نہیں دیکھی، تم پر غصہ کے مارے ان سب کے بدن میں آگ لگی ہوئی ہے اور ان کے ساتھ وہ تمام مسلمان جمع ہو گئے ہیں جو احد میں شریک نہیں ہوئے تھے اور ان کے ساتھ جو کچھ ہوا اس پر بہت زیادہ نادام ہیں۔ اور تم سب کے خلاف ان کے سینوں میں غیظ و غضب کی ایسی آگ بھڑک رہی ہے کہ میں نے اس جیسی کیفیت آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ ابوسفیان نے کہا: تمہارا براہو تم ہمیں کیا مشورہ دیتے ہو؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ان کے گھوڑوں کی پیشانیاں دیکھنے سے پہلے یہاں سے کوچ نہیں کرو گے۔ ابوسفیان نے کہا: اللہ کی قسم! ہم نے تو ان کو جڑ سے ختم کر دینے کے لئے دوبارہ لوٹ کر ان پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے معبد نے کہا: میں تمہیں ایسا کرنے سے منع کرتا ہوں۔ اس طرح معبد نے ابوسفیان کے عزم و ارادے کو پست کر دیا، اور ابوسفیان سوچنے لگا کہ فوراً مکہ لوٹ جانا اور مسلمانوں سے نجات پانا ہی بہتر ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ جب کفارِ قریش نے مدینہ کی طرف لوٹنا چاہا تو ان سے صفوان بن امیہ نے کہا: تم لوگ ایسا نہ کرو، اس لئے کہ مسلمان اس وقت شدید غیظ و غضب کی حالت میں ہیں، اور ہمیں ڈر ہے کہ اس بار

ان کی جنگ پہلے کی طرح نہیں ہوگی، اس لئے ہم لوگ فوراً مکہ لوٹ چلیں۔

نبی کریم ﷺ نے جب حمراء الاسد پہنچنے کے بعد سنا کہ کفار لوٹنے کا ارادہ کر چکے ہیں تو فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، ان کے لئے پتھروں پر اللہ کی طرف سے نشان لگادیئے گئے ہیں، اگر انہیں ان پتھروں کے ذریعہ مارا گیا تو وہ ایسے ہو جائیں گے کہ جیسے کبھی اس دنیا میں موجود نہیں تھے۔

معد الخزاعی (جو اس وقت مسلمان ہو گئے تھے) کی اس کامیاب کوشش کے نتیجے میں کافر فوج کے ارادے متزلزل ہو گئے، ان کے دلوں میں دہشت اور خوف داخل ہو گیا اور عافیت اسی میں سمجھی کہ وہ جلد از جلد مکہ واپس چلے جائیں، لیکن انہوں نے اسلامی فوج کو ڈرانے کے لئے یہ کیا کہ مدینہ جانے والے قبیلہ عبدالقیس کے ایک قافلے سے مل کر ابوسفیان نے پوچھا کہ تم لوگ کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم مدینہ جا رہے ہیں، ابوسفیان نے پوچھا: کیوں جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم کھانے پینے کے سامان کے لئے جا رہے ہیں، ابوسفیان نے کہا: تو کیا تم لوگ میری طرف سے محمد کو ایک پیغام پہنچا دو گے اور اس کے بدلے میں کل تمہیں بازار عکاظ میں کشمش دوں گا، انہوں نے کہا: ہمیں منظور ہے۔ ابوسفیان نے کہا: تم محمد کو کہہ دینا کہ ہم نے لوٹ کر مدینہ پر دو بارہ حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے، تاکہ تمہارے باقی ماندہ لوگوں کو بھی قتل کر دیں۔

یہ قافلہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا، اور آپ کو ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کی بات بتائی، تو مسلمان کہنے لگے: "حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ" "ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہ بہتر کارساز ہے" اسی بات کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیت میں بیان فرمایا ہے: ﴿الَّذِينَ قَالُوا لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ (۱۷۳)﴾ (فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةِ مِنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمَسَّسْهُمْ سُوءٌ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانِ اللَّهِ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ) (جن سے لوگوں نے کہا کہ کفار تم سے جنگ کے لئے جمع ہو گئے ہیں، تم ان سے ڈر کر رہو، تو اس خبر نے ان کا ایمان بڑھا دیا، اور انہوں نے کہا کہ اللہ ہمارے لئے کافی ہے، اور وہ اچھا کارساز ہے، پس وہ اللہ کی نعمت اور فضل لے کر لوٹے، انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچی، اور انہوں نے رضائے الہی کی اتباع کی، اور اللہ عظیم فضل والا ہے) آل عمران: ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵۔

ایک کافر جاسوس کا قتل:

اور رسول اللہ ﷺ نے مدینہ واپس ہونے سے پہلے احد کے علاقے میں معاویہ بن مغیرہ بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس کو گرفتار کر لیا تھا، جو عبد الملک بن مروان کا نانا تھا، اسی طرح آپ ﷺ نے ابو عذرہ الجمحی کو بھی پکڑ لیا جسے آپ ﷺ نے بدر میں قید کرنے کے بعد بطور منت و احسان چھوڑ دیا تھا، اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے

دوبارہ معاف کر دیجئے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! تم اب دوبارہ مکہ میں اپنے دونوں رخسار نہیں صاف کرو گے، اور کہتے نہیں پھرو گے کہ میں نے محمد کو دوبارہ دھوکا دیا، اے زبیر! اس کی گردن مار دو، چنانچہ انہوں نے اس کی گردن مار دی۔ ابن ہشام کہتے ہیں: مجھے سعید بن مسیب کے ذریعہ خبر ملی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے کہا: بے شک مومن ایک سوراخ سے دوسرے نہیں ڈسا جاتا۔ اے عاصم بن ثابت! اس کی گردن مار دو، چنانچہ انہوں نے اس کی گردن اڑا دی^(۱)۔

معاویہ بن مغیرہ مشرکوں کے مکہ واپس چلے جانے کے بعد اپنے چچا زاد بھائی عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے لئے امن کی درخواست کی، تو آپ نے اس شرط پر اسے امن دے دیا کہ اگر وہ تین دن کے بعد مدینہ میں دیکھا جائے گا تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ جب رسول اللہ ﷺ حراء الاسد کے لئے نکل گئے تو وہ شخص چھپ گیا اور وہاں تین دن سے زیادہ رُکا رہا، اور کفارِ قریش کے لئے جاسوسی کرتا رہا، اور جب اسے نبی کریم ﷺ کے واپس آنے کی خبر ہوئی تو وہاں سے نکل کر بھاگ پڑا، اور رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ہو گئی تو آپ نے زید بن حارثہ اور عمار بن یاسر کو اس کا پیچھا کرنے کا حکم دیا، اور فرمایا کہ تم دونوں اسے فلاں جگہ پاؤ گے، چنانچہ ان دونوں نے اسے اسی جگہ پایا، اور اسے قتل کر دیا^(۲)۔

رسول اللہ ﷺ کی واپسی:

جب مسلمانوں کی فوج کشی کی خبر ہر چہار جانب پھیل گئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو نامراد بنایا، اور ذہنی طور پر دشمن مغلوب ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن مدینہ واپس آ گئے۔ آپ ان دنوں پانچ راتیں باہر رہے تھے۔

احد کادن امتحان و آزمائش کا دن:

مندرجہ بالا تفصیل سے ہمیں معلوم ہو گیا کہ غزوہ حراء الاسد کوئی مستقل غزوہ نہیں تھا، بلکہ دشمنوں کو مار بھگانے اور ان کے دلوں میں رعب ڈالنے کے لئے غزوہ احد کا ایک حصہ تھا، تاکہ وہ سب دوبارہ مدینہ پر حملہ کرنے کی نہ سوچیں، اور اللہ کی توفیق و تائید سے یہ بہترین نتیجہ رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہوا۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ احد کادن اللہ کی طرف سے مسلمانوں کی آزمائش و امتحان کا دن تھا، اللہ نے اپنے

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۱۰۴/۲۔

(۲) مصدر سابق: ۱۰۴/۲، الاکتفاء: ۸۵/۲، ۸۷، زاد المعاد: ۱۹۰، ۱۹۱۔

مومن بندوں کو آزمانا چاہا، اور منافقوں کو ذلیل و رسوا کرنا چاہا، تاکہ ان کا نفاق کھل کر سامنے آجائے، نیز احد کا دن ان لوگوں کے لئے اعزاز و اکرام کا دن تھا جو میدانِ معرکہ میں اسلام، نبی اسلام اور امتِ اسلامیہ کی طرف سے دفاع کرتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔

اس غزوہ سے مستفاد احکام اور حکمتیں:

اس غزوہ میں جو حادثات وقوع پذیر ہوئے ان سے علمائے اسلام نے نہایت مفید فقہی احکام کا استنباط کیا ہے، انہی کبار علماء میں سے امام ابن القیم رحمہ اللہ ہیں جنہوں نے اپنی کتاب زاد المعاد میں بہت سے عظیم فوائد اور فقہی احکام اور حکمتوں کا ذکر کیا ہے، میں نے مناسب سمجھا ہے کہ ان میں سے خاص خاص فوائد و احکام کا غایت اختصار کے ساتھ یہاں ذکر کروں۔

احکام فقہیہ:

- ۱- جہاد شروع کرنے کے بعد اس کی تکمیل لازم ہے، چنانچہ جو شخص جہاد کی نیت سے اپنی زرہ پہن لے گا، اس کے لئے واپس ہونا جائز نہیں۔
- ۲- جب مسلمانوں کے دشمن ان کے علاقے میں پہنچ جائیں تو ان سے جہاد کے لئے شہر سے نکل کر باہر جانا واجب نہیں، بلکہ ان کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے گھروں میں رُکے رہیں اور جب دشمن وہاں آجائیں تو ان سے قتال کریں۔
- ۳- غیر بالغ جو قتال کی طاقت رکھتا ہے مسلمانوں کا امام اسے جہاد کی اجازت دے سکتا ہے۔
- ۴- غزوات میں عورتوں کو ساتھ لے جانا اور جہاد میں اُن سے مدد لینا جائز ہے۔
- ۵- امام کو اگر زخم لگ جائے تو وہ مجاہدین کو بیٹھ کر نماز پڑھائے گا، اور مجاہدین اس کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھیں گے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس غزوہ میں کیا تھا۔
- ۶- مسلمان کے لئے یہ دعا کرنا جائز ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جائے، جیسا کہ عبد اللہ بن حبش نے کیا۔
- ۷- جس نے خودکشی کر لی اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا جیسا کہ قرمان نے کیا، جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے خبر دی کہ وہ جہنمی ہے۔
- ۸- شہید کو نہ نہلایا جائے گا اور نہ اس پر جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی، اور اسے اُس کے کپڑوں میں خون اور زخموں کے ساتھ دفن کر دیا جائے گا۔
- ۹- اگر شہید جہنمی ہوگا تو اسے غسل دیا جائے گا، جیسا کہ فرشتوں نے خطلہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا۔

- ۱۰- شہداء اپنی قتل گاہ میں دفن کر دیئے جائیں گے۔
 - ۱۱- دو یا تین آدمی کو ایک قبر میں دفن کرنا جائز ہے۔
 - ۱۲- معذور آدمی جس کے لئے کسی مرض یا لنگڑاپن کے سبب جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت ہے، اگر وہ دیارِ اسلام سے دفاع اور طلبِ شہادت کے لئے شریک ہونا چاہے تو ایسا کرنا اس کے لئے جائز ہے۔
 - ۱۳- اگر مجاہدین کسی مجاہد کو کافر سمجھ کر قتل کر دیں تو اس کی دیت امام المسلمین بیت المال سے ادا کرے گا۔
- دیگر اغراض اور حکمتیں:

- ۱- مسلمانوں کو گناہ کے بُرے انجام، ممنوع اعمال اور آپس کے اختلاف کے بُرے نتائج سے باخبر کرنا، اور انہیں یہ بتانا کہ غزوہٴ احد میں ان پر جو مصیبت آئی، وہ ان کے برے اعمال کا نتیجہ تھی۔
- ۲- اللہ تعالیٰ کا اپنے رسولوں اور ان کے پیروکاروں کے بارے میں یہی طریقہ رہا ہے کہ کبھی وہ غالب آتے ہیں اور کبھی ان کے دشمن ان پر غالب آجاتے ہیں، لیکن بالآخر اچھا انجام انہی کے لئے ہوتا ہے۔
- ۳- اللہ تعالیٰ سچے مسلمانوں کو جھوٹے منافقوں سے الگ کر دکھاتا ہے، غزوہٴ بدر کے بعد بہت سے منافقین بظاہر اسلام میں داخل ہو گئے تو اللہ نے انہیں غزوہٴ احد کے ذریعہ ظاہر کر دیا، اور لوگ کافر، مومن اور منافق تین قسموں میں سامنے آ گئے۔
- ۴- مسلمانوں کی ہر حال میں کامیابی اور ان کے دشمنوں کا مغلوب ہونا فطری طور پر بہت سے مسلمانوں کو طغیان و بغاوت پر آمادہ کرتا ہے، اسی طرح جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی روزی میں حد سے زیادہ وسعت دیتا ہے تو وہ سرکشی پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اس لئے مومن بندوں کے صلاح و اعتدال کے لئے ضروری ہے کہ وہ خوشی اور غم اور وسعت و تنگی دونوں حالتوں سے دوچار ہوتے رہیں۔
- ۵- اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے لئے جنت میں اتنے بلند مرتبے رکھے ہیں جنہیں وہ اپنے اعمال کے ذریعہ نہیں پاسکتے، اس لئے اللہ تعالیٰ انہیں آزمائش و امتحان سے گزرتا ہے تاکہ وہ آزمائشیں بھی جنت کے ان بلند مقامات کو پانے کا سبب بن سکیں۔
- ۶- اللہ کی راہ میں شہادتِ اولیاء اللہ کے اعلیٰ مراتب میں سے ہے، اور اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے بعض بندوں کو شہادت کا درجہ عطا فرمائے، اور اس کا ذریعہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ کبھی اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ان پر غالب آکر انہیں شہید کر دیں۔

۷- واقعہ اُحد، نبی کریم ﷺ کی وفات کی طرف ایک مخفی اشارہ تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے طلب کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی موت کے بعد بھی اپنے دین و توحید پر ثابت قدم رہیں، اور اسی پر جان دیں، اور کسی حال میں بھی اپنے دین سے نہ پھریں۔ اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس واقعہ کے وقت ہی ان پر اپنا یہ احسان یاد دلایا کہ اس نے انہیں میں سے ایک رسول کو ان کی ہدایت کے لئے بھیجا، جو ان کے سامنے اس کی آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں، ان کا تزکیہ کرتے ہیں، انہیں قرآن و سنت کے ذریعہ تاریکی سے نکال کر روشنی تک پہنچایا، اور جہالت سے نکال کر علم کی راہ پر ڈالا، اللہ تعالیٰ کا ان گنت شکر و احسان ہے کہ اس نے امت اسلامیہ پر یہ عظیم احسان کیا^(۱)۔

غزوہ اُحد کے بعد فوجی دستوں کی روانگی:

گزشتہ صفحات میں لکھا گیا ہے کہ غزوہ اُحد میں اسلامی فوج پر جو مصیبت آئی اس کے سبب مسلمانوں کے دشمنوں کے دلوں سے ان کی ہیبت جاتی رہی، اسی لئے بہت سے وہ لوگ جنہوں نے مسلمانوں سے پہلے صلح کی تھی، اب اس سے منکر گئے اور مدینہ الرسول کو ہر چہار جانب سے خطروں نے گھیر لیا، اور یہود و منافقین نے کھل کر عداوت کرنی شروع کر دی، اور مدینہ کے ارد گرد رہنے والے دیہاتی جری ہو گئے اور مدینہ پر حملہ کرنے اور مسلمانوں کا مال و اسباب لوٹ لینے کی سوچنے لگے۔

ان حالات میں رسول اللہ ﷺ کے لئے ضروری تھا کہ وہ ایسی کارروائیاں کریں جن کے سبب پھر دوبارہ دشمنوں کے دلوں میں مسلمانوں کی ہیبت بیٹھ جائے، اسی سلسلے کی ایک کامیاب جنگی کڑی تھی ابوسفیان کی فوج کا پیچھا کرنا اور معبد خزاعی کے ذریعہ مشرکوں کی فوج کے دلوں میں رعب بٹھانا؛ چنانچہ اس واقعہ کے بعد یہود اور منافقین دوبارہ مسلمانوں کا ہزار حساب اپنے دلوں میں رکھنے لگے، اس لئے کہ انہیں یقین ہو گیا کہ اسلامی فوج ہر اس سانپ کا سر کچلنے کی طاقت رکھتی ہے جو مسلمانوں کو ڈسنا چاہے گا، چاہے وہ یہودی ہو یا منافق یا دیہاتی سر پھرا۔

اس کے علاوہ بھی دیگر دشمن جماعتوں کے خلاف رسول اللہ ﷺ نے جنگی کارروائیاں کیں، جن کا مسلمانوں کی نفسیات پر بہت ہی اچھا اثر پڑا، ان کا اپنے آپ پر اعتماد بحال ہو گیا، نیز دشمنوں کے دل و دماغ میں بھی ان کا خوف و رعب بیٹھ گیا اور ان پر شدید دہشت طاری ہو گئی۔ ذیل میں اس ضمن کے فوجی دستوں کا مختصر ذکر کرتا ہوں:

سر یہ ابی سلمہ:

رسول اللہ ﷺ نے حراء الاسد سے واپس آنے کے بعد ماہ شوال کے باقی ایام اور ذی القعدہ اور ذی الحجہ کے مہینوں میں مدینہ ہی میں قیام کیا، ماہ محرم کی ابتدا میں ایک آدمی مدینہ آیا اور رسول اللہ ﷺ کو خبر دی کہ بنی اسد کے طلحہ اور سلمہ نامی دو آدمی جو خویلد کے بیٹے ہیں، اپنی قوم اور اپنے پیروکاروں کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ پر اکسار رہے ہیں، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ابو سلمہ عبد اللہ بن عبد الاسد مخزومی کو بلایا، ان کے ہاتھ میں حکم جہاد دیا، اور ان کے ساتھ ڈیڑھ سو مہاجرین و انصار کو بھیجا، ان میں ابو عبیدہ بن جراح، سعد بن ابی وقاص، اسید بن حضیر اور ابونا نکلہ جیسے کئی مشہور صحابہ کرام بھی تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے ابو سلمہ سے کہا: تم اس فوجی دستہ کو لے کر نکلو، میں نے تمہیں اس کا ذمہ دار بنادیا ہے، اور چلتے رہو یہاں تک کہ بنی اسد کے علاقے میں پہنچ جاؤ، اور ان پر ان سب کے اکٹھا ہونے سے پہلے حملہ کر دو۔

ابو سلمہ نے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر لبیک کہا: اور تیزی کے ساتھ چل پڑے، اور ایک غیر مانوس راستہ اختیار کیا، تاکہ دشمن کو ان کی آمد کی خبر نہ ہو جائے ابو سلمہ نے اچانک انہیں ان کے گھروں میں جالیا اور ان پر حملہ کر دیا اور انہیں شکست فاش دی، چنانچہ وہ سب اپنے اونٹ اور بکریاں چھوڑ کر پہاڑوں پر بھاگ گئے، ابو سلمہ نے ان جانوروں کو اپنے قبضہ میں کر لیا، اور ان لوگوں میں سے ایک تعداد کو قیدی بنالیا، پھر مدینہ واپس چل پڑے ان کے ساتھ غنیمت کے اموال و اسباب بھی تھے۔

ابو سلمہ کو غزوہ احد میں کاری ضرب لگی تھی، جس کا ایک مدت تک علاج کرنے کے بعد مائل بشفاء ہو گئے تھے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس فوجی دستے کا امیر بنا کر بھیج دیا تھا، لیکن جب واپس آئے تو ان کا زخم دوبارہ کھل گیا اور چند ہی دنوں کے بعد وفات پا گئے، رسول اللہ ﷺ ان کی موت سے بہت زیادہ متاثر ہوئے۔

ابو سلمہ رضی اللہ عنہ ان مسلمانوں میں سے تھے جو ابو بکر، عثمان بن عفان اور ارقم بن ابی ارقم کے ساتھ مسلمان ہوئے تھے، اور بدری صحابیوں میں سے تھے، اور ان لوگوں میں سے تھے جو ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ دونوں سے مشرف ہوئے تھے اور ان کے ساتھ ان کی بیوی ام سلمہ ہند بنت ابوامیہ قرشیہ نے بھی پہلے حبشہ کی طرف پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی، رسول اللہ ﷺ نے ام سلمہ سے ان کے شوہر ابو سلمہ کی وفات کے بعد شادی کر لی، اس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی (۱)۔

سریہ عبد اللہ بن انیس جہنی:

محرم سن چار ہجری کی ۵ تاریخ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس خبر آئی کہ خالد بن سفیان بن یحیٰ الہذلی لوگوں کو جمع کر رہا ہے، اور انہیں مسلمانوں کے خلاف ابھار رہا ہے، تو آپ ﷺ نے عبد اللہ بن انیس کو بلایا اور ان سے کہا: مجھے خبر ملی ہے کہ خالد بن سفیان بن یحیٰ میرے خلاف جنگ کرنے کے لئے لوگوں کو جمع کر رہا ہے اور وہ اس وقت وادی عرنہ میں ہے، تم جا کر اسے قتل کر دو۔ عبد اللہ بن انیس کہتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی اس کی نشانی بتا دیجئے تاکہ اسے پہچان لوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم اسے دیکھو گے تو تم اپنے جسم میں ایک قسم کی کپکپی محسوس کرو گے۔

عبد اللہ کہتے ہیں: میں اپنی تلوار لے کر نکل پڑا، یہاں تک کہ میں وادی عرنہ میں اس کے پاس پہنچ گیا، وہاں وہ ایک گھر میں اپنی بیویوں کے ساتھ موجود تھا، اور وہ وقت عصر کی نماز کا تھا، جب میں نے اسے دیکھا تو اپنے جسم میں رسول اللہ ﷺ کے بتانے کے مطابق ایک کپکپی محسوس کی تو میں اس کی طرف بڑھا، اور ڈرا کہ میرے اور اس کے درمیان کشمکش مجھے نماز سے مشغول نہ کر دے، اس لئے میں اس کی طرف چلتا ہوا اپنے سر کے اشارے سے رکوع اور سجدے کرتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا، اس نے پوچھا: تم کون ہو؟ میں نے کہا: ایک عربی آدمی جس نے سنا ہے کہ تم اس آدمی (یعنی نبی کریم ﷺ) کے خلاف جنگ کے لئے لوگوں کو اکٹھا کر رہے ہو، اسی لئے میں تمہارے پاس آیا ہوں، اس نے کہا: ہاں، میں اسی کام میں لگا ہوں، عبد اللہ کہتے ہیں: میں اس کے ساتھ کچھ دیر چلتا رہا، یہاں تک کہ جب اس پر پوری طرح قدرت پالیا تو اس پر تلوار سے حملہ کر کے اسے قتل کر دیا، اور فوراً نکل پڑا، میں نے واپس ہوتے ہوئے دیکھا کہ اس کی بیویاں اس پر جھکی ہوئی تھیں۔

میں عجب واپس رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اور آپ نے مجھے دیکھا تو کہنے لگے، یہ چہرہ کامیاب لوٹا ہے، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے اسے قتل کر دیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم سچ کہتے ہو، عبد اللہ کہتے ہیں: پھر رسول اللہ ﷺ میرے ساتھ چل کر اپنے گھر میں داخل ہوئے اور مجھے ایک لالٹھی دی اور فرمایا: اے عبد اللہ! اسے تم اپنے پاس رکھنا، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ نے یہ لالٹھی مجھے کیوں دی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن یہ لالٹھی میرے اور تمہارے درمیان نشانی ہوگی، بے شک قیامت کے دن اپنے نیک اعمال پر ٹیک لگانے والے یعنی بھروسہ کرنے والے سب سے کم لوگ ہوں گے۔ عبد اللہ نے وہ لالٹھی اپنی تلوار کے ساتھ رکھ دی اور وہ ان کے پاس زندگی بھر رہی، یہاں تک کہ وفات کے وقت اُن کے حکم سے وہ لالٹھی ان کے کفن میں رکھ دی گئی اور دونوں ایک ساتھ دفن کر دیئے گئے^(۱)۔

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، حدیث: (۱۳۹۹) مسند احمد: ۴۹۶/۳، سنن بیہقی: ۲۵۶/۳، اور اس کی سند جید ہے، اور صحیح السیرۃ النبویہ: ص ۳۱۸، ۳۱۹۔

سر یہ یوم الرجیع:

اور ماہ صفر سن چار ہجری میں مضر کے دو قبیلہ عقیل اور قارہ سے ملی جلی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی، اور واقدی کا خیال ہے کہ ان لوگوں نے قبیلہ ہذیل کے ساتھ خالد بن سفیان الہذلی کا انتقام لینے کے لئے اتفاق کیا ہوا تھا، چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے طلب کیا کہ آپ صحابہ کی جماعت کو انہیں دین سکھانے اور قرآن پڑھانے کے لئے بھیج دیں۔ بخاری کی روایت کے مطابق آپ نے اپنے دس صحابہ کرام کو، اور ابن اسحاق کے قول کے مطابق چھ سو صحابہ کو، اور موسیٰ بن عقبہ کے قول کے مطابق سات صحابہ کرام کو ان کے ساتھ بھیج دیا، اور عاصم بن ثابت انصاری کو ان کا امیر بنادیا، اور ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ آپ (ﷺ) نے ان کا امیر مرشد بن ابو مرشد غنوی کو بنایا۔ یہ حضرات ان لوگوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور مقام رجیع پر پہنچے، جو حجاز کے ایک کنارے پر قبیلہ ہذیل کا ایک کنواں تھا، تو انہوں نے صحابہ کے ساتھ غداری کی اور قبیلہ ہذیل کے ایک خاندان بولحیان کو آواز دے کر بلالیا، جنہوں نے آتے ہی صحابہ کرام کو چاروں طرف سے گھیر لیا، ان کی تعداد سو (۱۰۰) تھی جو تمام کے تمام تیر انداز تھے۔

جب عاصم اور ان کے ساتھیوں کو ان کی آمد کا یقین ہو گیا تو ایک اونچی جگہ پر پناہ لے لی، کافروں نے صحابہ سے کہا: تم لوگ اتر کر نیچے آؤ، اور اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو، ہم تم سے عہد و پیمان کرتے ہیں کہ تم میں سے ایک کو بھی قتل نہیں کریں گے۔

عاصم بن ثابت نے کہا: ساتھیو! میں کسی کافر پر اعتماد کر کے نیچے نہیں اتروں گا، پھر انہوں نے کہا: اے اللہ! تو ہمارے بارے میں اپنے نبی کو خبر کر دے۔ اس کے بعد ان کافروں نے تیر اندازی شروع کر دی، اور عاصم اور ان کے چھ ساتھیوں کو قتل کر دیا، اور ان میں سے تین آدمی ان کے عہد و پیمان پر بھروسہ کرتے ہوئے نیچے اتر آئے، وہ حضرات ضعیف، زید بن دشہ اور ایک تیسرے آدمی تھے، جب کافروں نے پوری طرح انہیں اپنے گھیرے میں لے لیا، تو انہیں اپنے کمان کے تاروں سے باندھ دیا۔

تیسرے آدمی نے کہا: یہ بے وفائی کی ابتدا ہے، اللہ کی قسم! میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا، میرے لئے یہ شہداء نمونہ ہیں، چنانچہ کافروں نے ان کو گھسیٹنا اور تکلیف پہنچانا شروع کیا، لیکن پھر بھی انہوں نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ تب کافروں نے انہیں قتل کر دیا، اور ضعیف اور زید بن دشہ کو لے کر چلے گئے، اور مکہ کے بازار میں انہیں بیچ دیا، ان دونوں صحابیوں نے میدان بدر میں مکہ کے سرداروں کو قتل کیا تھا، ضعیف نے حارث بن عامر بن نوفل کو قتل کیا تھا، ضعیف ان کے پاس کچھ دنوں تک قید میں رہے، پھر سب نے ان کے قتل پر اتفاق کر لیا، اور انہیں حرم سے متعیم لے گئے، ضعیف نے ان سے کہا: مجھے دو رکعت نماز پڑھ لینے دو، انہوں نے ان کو

اجازت دے دی، انہوں نے دو رکعت نماز پڑھی، اور کہا: اللہ کی قسم! اگر تمہیں یہ گمان نہ ہوتا کہ مجھے اپنی موت سے گھبراہٹ ہے تو میں اور نماز پڑھتا، پھر انہوں نے دعا کی: اے اللہ! ان تمام کو ایک ایک کر کے گن لے اور ان تمام کو ایک ایک کر کے قتل کر دے، اور ان میں سے کسی ایک کو بھی نہ معاف کر، پھر آپ نے یہ شعر پڑھا:

وَلَسْتُ أَبَالِي حِينَ أَقْتُلُ مُسْلِمًا عَلَى أَيِّ جَنْبٍ كَانَ فِي اللَّهِ مَصْرَعِي

وَذَلِكَ فِي ذَاتِ الْإِلَهِ وَإِنْ يَشَاءُ بِيَارِكَ عَلَى أَوْصَالٍ شَلَوْ مَمْرَعِ
جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر میں بحیثیت مسلمان قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ اللہ کی راہ میں مجھے کس پہلو قتل کیا جائے گا؟ اور یہ جو کچھ میرے ساتھ ہو رہا ہے اللہ کی خاطر ہو رہا ہے، اور اگر اللہ چاہتا ہے تو جسم کے کئے ہوئے ٹکڑوں پر بھی اپنی برکت نازل فرماتا ہے۔

پھر ابو سروہ عقبہ بن حارث بن عامر اٹھ کر ان کے قریب آیا اور انہیں قتل کر دیا۔ حنیب رضی اللہ عنہ نے ہر مسلمان کے لئے جسے عذاب دے کر قتل کیا جاتا ہے نماز پڑھنے کی سنت جاری کی، اور نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو اسی دن اس واقعہ کی خبر دے دی۔

قریشیوں کو جب عاصم بن ثابت کے قتل کئے جانے کی خبر ہوئی تو انہوں نے کچھ لوگوں کو بھیجا کہ وہ عاصم کے جسم کا کوئی حصہ لے آئیں جس سے وہ انہیں پہچان لیں، اس لئے کہ عاصم نے کفار قریش کے ایک بہت بڑے سردار کو قتل کیا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے عاصم کی حفاظت کے لئے بھڑوں کی ایک جماعت بھیج دی، اور کفار ان کے جسم کا کوئی حصہ کاٹ نہیں سکے۔

اور زید بن دشہ کو صفوان بن امیہ نے خرید لیا، اُس نے انہیں اپنے باپ امیہ بن خلف کے بدلے میں قتل کر دیا جو بدر میں قتل کیا گیا تھا، اور ابوسفیان نے ان سے ان کے قتل کئے جانے سے پہلے پوچھا: اے زید! میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، کیا تم پسند کرو گے کہ اس وقت محمد تمہاری جگہ ہوتا؟ اور اس کی گردن مار دی جاتی اور تم اپنے اہل و عیال میں ہوتے؟ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں تو اس کو بھی پسند نہیں کروں گا کہ اس وقت محمد جہاں ہیں ان کے پاؤں میں ایک کانٹا چھ جائے اور میں اپنے بال بچوں میں بیٹھا رہوں۔ ابوسفیان نے کہا: میں نے کسی انسان کو کسی دوسرے سے ایسی محبت کرتے نہیں دیکھا جیسی محبت اصحاب محمد نے محمد سے کی ہے (۱)۔

(۱) دیکھئے: صحیح البخاری، المغازی، حدیث (۳۹۸۹) اور (۴۰۸۶)، سنن ابوداؤد، الجہاد، حدیث (۲۶۶۰، ۲۶۶۱)، مصنف عبدالرزاق،

سر یہ بڑ معونہ :

ماہ صفر سن چار ہجری میں ہی بڑ معونہ کا غناک واقعہ پیش آیا، جس کا سبب یہ تھا کہ ابو براء عامر بن مالک بن جعفر عامری رسول اللہ ﷺ کے لئے ایک ہدیہ لے کر مدینہ آیا، آپ ﷺ نے کہا: اے ابو براء! میں کسی مشرک کا ہدیہ نہیں قبول کرتا، اگر تم چاہتے ہو کہ میں اسے قبول کر لوں، تو اسلام لے آؤ، پھر آپ نے اس کے سامنے اسلام پیش کیا، لیکن وہ اسلام نہیں لایا، اور نہ اس کا انکار کیا اور کہا: اے محمد! آپ جس چیز کی طرف بلارہے ہیں وہ بہت ہی اچھی ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ اپنے کچھ صحابہ کو اہل نجد کے پاس دعوتِ اسلام دینے کے لئے بھیجتے، مجھے امید ہے کہ وہ لوگ آپ کی دعوت قبول کر لیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: میں ان کے بارے میں اہل نجد سے ڈرتا ہوں۔

ابو براء نے کہا: (جو اپنی قوم کا سردار تھا) کہ میں ان کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے ساتھ منذر بن عمرو، اور دیگر ستر صحابہ کرام کو بھیج دیا، جو مسلمانوں کے سردار اور ان کے علماء و فضلاء تھے، یہ حضرات مدینہ سے روانہ ہو کر بڑ معونہ پر پہنچے جو علاقہ بنی عامر اور حرہ بنی سلیم کے درمیان واقع تھا، اور وہاں پڑاؤ ڈال دیا، پھر عامر بن طفیل سردار بنی عامر کے پاس رسول اللہ ﷺ کے خط کے ساتھ حرام بن ملحان کو بھیجا، لیکن اس نے اسے دیکھنا بھی گوارہ نہیں کیا، اور ایک آدمی نے ان پر پیچھے سے نیزے کے ذریعہ حملہ کر دیا، جب نیزہ ان کے جسم میں پیوست ہو گیا اور انہوں نے خون دیکھا تو کہا: رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔

عامر اپنی قوم کو منذر اور ان کے ساتھیوں سے جنگ کرنے پر ابھارنے لگا، لیکن انہوں نے اس کی بات نہیں مانی اور ابو براء سے کئے گئے عہد کی مخالفت کا انکار کر دیا۔ تب اس نے بنی سلیم کو جنگ پر آمادہ کیا اور قبل غصیہ اور رعل اور ذکوان نے اس کی بات مان لی، اور صحابہ کرام کو چاروں طرف سے گھیر کر جنگ شروع کر دی، اور کعب ابن زید بن نجار کے سوا سب کو قتل کر دیا۔

کعب بن زید مقتولین کے درمیان گھس کر چھپ گئے تھے اس لئے وہ بچ گئے اور زندہ مدینہ واپس آنے میں کامیاب ہو گئے، اور غزوہ خندق میں شہید ہوئے۔

اور عمرو بن امیہ ضمری اور منذر بن محمد دور صحابہ کرام کے سامانوں کی حفاظت کر رہے تھے، جب انہوں نے چڑیوں کو ان کی قتل گاہ کے قریب اڑتے دیکھا تو دونوں وہاں پہنچے، منذر مشرکین سے قتال کرتے ہوئے شہید ہو گئے، اور عمرو بن امیہ قید کر لئے گئے، ان کے بارے میں مشرکین کو معلوم ہوا کہ وہ قبیلہ مضر کے ہیں، تو عامر بن طفیل نے ان کی پیشانی کے بال کاٹ دیئے اور ایک غلام کے بدلے آزاد کر دیا۔ عامر کا خیال تھا کہ وہ کفارہ

اس کی ماں پر واجب تھا۔ اس طرح عمر و مدینہ واپس آگئے، اور مسلمانوں نے اپنے ستر بہترین داعیانِ اسلام کو کھودیا۔ اس واقعہ سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ بادیہ نشین دیہاتیوں میں جا کر اسلام کی دعوت کا کام کرنا اس زمانے میں موت کے خطروں سے گھرا ہوتا تھا، لیکن ان خطروں نے کبھی بھی رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کو بادیہ نشینوں کے درمیان تبلیغِ اسلام سے نہیں روکا۔

ابو براء کو جب اس بدعہدی کی خبر ملی تو اسے بہت ہی زیادہ ملال ہوا، اور اپنے بیٹے ربیع کو عامر بن طفیل کے پاس بھیجا، جس نے اسے قتل کر دیا^(۱)۔

اس المناک واقعہ کی خبر رسول اللہ ﷺ کو اسی رات ہوئی جس رات آپ کو یوم الرجیع کے المناک واقعہ کی خبر ہوئی تھی، اس لئے رسول اللہ ﷺ ان دونوں حادثات سے متاثر ہو کر بہت زیادہ غمگین ہوئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک ماہ تک ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی آخری رکعت میں سمع اللہ لمن حمد کہنے کے بعد دعائے قنوت پڑھتے رہے، اور بنی سلیم کے قبائل رعل، ذکوان اور عَصِیَّہ پر بددعا کرتے رہے، اور صحابہ کرام آپ کے پیچھے آمین کہتے رہے^(۲)۔



(۱) زاد المعاد: ۳/ ۱۹۲، ۱۹۵، صحیح السیرۃ النبویہ: ۳۲۱-۳۲۳، السیرۃ النبویہ الصحیحہ: ۳۹۸-۴۰۱، سرایا وغزوات الرسول ﷺ: ۴۵، ۴۶۔

(۲) ابوداؤد، الصلاة، حدیث: (۱۴۴۳) مسند احمد: ۳۰۱/۱، مستدرک حاکم: ۲۲۵/۱، اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے۔



غزوہ بنی نضیر

میں نے سریہ بر معونہ کی تفصیل میں یہ بات لکھی ہے کہ عمرو بن امیہ ضمری ان ستر قراء میں سے تھے، جنہیں رسول اللہ ﷺ نے اہل نجد کے پاس بھیجا تھا، انہیں وہاں قید کر لیا گیا، پھر عامر بن طفیل نے ان کی پیشانی کا بال کاٹ کر آزاد کر دیا، اور وہ مدینہ واپس آ گئے، جب وہ مقام قرقرہ پر پہنچے، تو ایک درخت کے سایے میں آرام کرنے لگے، اسی وقت بنی عامر کے دو آدمی آئے اور وہاں ان کے ساتھ آرام کرنے لگے جب دونوں سو گئے تو عمرو نے ان دونوں کو ہلاک کر دیا، اور ان کا یہ خیال تھا کہ انہوں نے اپنے ساتھیوں کا انتقام لیا ہے، حالانکہ ان دونوں کے پاس رسول اللہ ﷺ کا عہد نامہ تھا، جس کی ان کو خبر نہیں تھی، جب وہ مدینہ پہنچے، اور رسول اللہ ﷺ کو اپنے کئے کی خبر دی، تو آپ غمگین ہو گئے اور آپ پر اس کا بڑا اثر پڑا، اور عمرو کو ان کے کئے پر ڈانٹ پلائی، اور کہا کہ تم نے بہت برا کیا، ان دونوں کے پاس تو ہماری طرف سے عہد و امان تھا، انہوں نے کہا: مجھے معلوم نہیں تھا، میں نے تو دونوں کو مشرک سمجھا تھا، اور ان کی قوم نے ہمارے ساتھ غداری کر کے ہمارے ساتھیوں کو قتل کر دیا تھا۔

اس واقعہ کے بعد عامر بن طفیل نے رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنا قاصد بھیجا کہ تمہارے ساتھیوں میں سے ایک آدمی نے میری قوم کے دو آدمی کو قتل کر دیا ہے، حالانکہ ان کے پاس تمہاری طرف سے عہد و امان تھا، اس لئے تم ہمارے پاس ان دونوں کی دیت بھیج دو۔

نبی کریم ﷺ یہ سن کر بنی نضیر کے پاس گئے تاکہ ان دونوں کی دیت کی ادائیگی میں مدد طلب کریں، بنو نضیر ان دونوں بنو عامر کے حلیف تھے۔ اس کام کے لئے آپ ﷺ سنجہ کے دن نکلے، اور مسجد قباء میں مہاجرین و انصار کی جماعت کے ساتھ نماز پڑھی، پھر بنی نضیر کے پاس گئے، اور ان سے ان دونوں کی دیت کی ادائیگی میں مدد مانگی جنہیں عمرو بن امیہ نے قتل کر دیا تھا۔ انہوں نے کہا: اے ابوالقاسم! آپ جو چاہتے ہیں وہ ہم کریں گے، آپ یہیں بیٹھے، تاکہ ہم آپ کو کھانا کھلائیں، آپ ﷺ اس وقت ان کے گھروں میں سے ایک گھر کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ بنو نضیر نے آپس میں سرگوشی کی اور حنی بن اخطب نے کہا: اے جماعت یہود! محمد تمہارے پاس اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ آیا ہے، ان کی تعداد دس سے بھی کم ہے۔ اس پر اس گھر کے اوپر سے ایک بڑا پتھر گرا کر اسے قتل کر دو، تمہیں اس سے بہتر موقع دوبارہ نہیں ملے گا، اگر وہ قتل کر دیا گیا تو اس کے ساتھی بکھر جائیں گے۔ قریشی مہاجرین مکہ چلے جائیں گے۔ اور یہاں صرف اوس و خزرج والے اور ان کے خلفاء رہ جائیں گے، اس لئے اگر تم کسی دن کچھ کرنا چاہتے ہو تو آج ہی کر ڈالو۔ اس کام کے لئے انہوں نے عمرو بن جحاش بن کعب کو مامور کیا۔ اس نے

کہا: میں اس کام کو انجام دوں گا۔ اُس وقت ان سے سَلَام بن مشکم نے کہا: اے قوم یہود! تم ساری زندگی میری مخالفت کرو، لیکن اس بار میری بات مان جاؤ، اللہ کی قسم! محمد کو تمہارے ارادے کی خبر کر دی جائے گی اور یہ ہمارے اور اس کے درمیان عہد کی خلاف ورزی ہوگی، لیکن یہود نے اس کی بات نہیں مانی، اور عمرو بن جحاش اس گھر پر چڑھتا کہ وہاں سے رسول اللہ ﷺ پر ایک بڑا چٹان گرا دے۔

وہ ایسا کرنے والا ہی تھا کہ جبریل نے رب العالمین کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو اُس کے ارادے کی خبر دے دی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ وہاں سے فوراً یہ کہہ کر اُٹھ گئے کہ اُنہیں قضائے حاجت کی ضرورت ہے، اور مدینہ واپس آ گئے، صحابہ کرام سمجھتے رہے کہ آپ قضائے حاجت کے لئے گئے ہیں، جب کافی دیر ہو گئی تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمارے یہاں رُکے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں، یقیناً رسول اللہ ﷺ کو اللہ کی طرف سے کوئی حکم آ گیا ہے، اس لئے وہ سب وہاں سے چل پڑے، حُییٰ نے کہا: ابو القاسم نے بڑی جلدی کی، ہم تو ان کی ضرورت پوری کرنی چاہتے تھے۔

یہود بنی نضیر اپنے کئے پر بہت زیادہ نادم ہوئے اور ان سے کنانہ بن صویرا یہودی نے کہا: کیا تم لوگ جانتے ہو کہ محمد کیوں چلا گیا؟ محمد کو تمہارے ارادے کی خبر کر دی گئی تھی، اور وہ بلاشبہ آخری نبی ہیں، اور میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک دن تم لوگ یہاں سے کوچ کر جاؤ گے، اور تمہارے بچے بلبلائیں گے اور تمہیں اپنے گھروں اور مال و جائیداد کو چھوڑ کر یہاں سے نکل جانا ہوگا، نیز کہا: تم لوگ اگر اسلام لے آؤ گے اور محمد کے ساتھی بن جاؤ گے تو تمہارے اموال اور تمہاری اولاد محفوظ رہے گی، اور تم لوگ اس کے اونچے مقام والے ساتھیوں میں سے بن جاؤ گے، اور اپنے گھروں سے نکالے نہیں جاؤ گے، انہوں نے اس کی بات کا یہ جواب دیا: ہم تورات اور عہد موسیٰ کو نہیں چھوڑیں گے۔ اس نے کہا: وہ عنقریب ہی تمہیں حکم دے گا کہ تم لوگ میرے شہر سے نکل جاؤ، تو تم لوگ کہو: ہاں، پھر وہ تمہارے خون اور تمہارے مال کو اپنے لئے حلال نہیں بنائے گا، اور تمہارے مال و جائیداد کو تمہارے لئے چھوڑ دے گا، چاہو گے تو بیچ دو گے، اور چاہو گے تو اپنے پاس رکھو گے، انہوں نے کہا: ہاں، ہم ایسا کرنے کے لئے تیار ہیں۔

صحابہ کرام بھی بعد میں بنی نضیر کے علاقہ سے مدینہ لوٹ آئے اور آپ سے کہا کہ آپ اُٹھ کر چلے آئے اور ہمیں اس کا احساس بھی نہ ہوا، ہمیں بتائیے کہ یہود کا کیا ارادہ تھا؟ رسول اللہ ﷺ نے محمد بن مسلمہ کو بلا بھیجا، جب وہ آئے تو ان سے کہا: تم یہود بنو نضیر کے پاس جاؤ، اور ان سے کہو کہ رسول اللہ ﷺ تم سے کہہ رہے ہیں: تم لوگ میرے شہر سے نکل جاؤ، اس لئے کہ تم لوگوں نے بد عہدی کی ہے اور مجھے دھوکا دے کر قتل کرنا چاہا ہے، چنانچہ محمد بن مسلمہ ان کے پاس گئے اور انہیں ان کی غداری اور عمرو بن جحاش کے گھر کے اوپر جانے اور وہاں

سے آپ ﷺ کے سر پر ایک بڑا چٹان گرا بنے کی بات بتائی تو وہ سب کے سب خاموش ہو گئے اور ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکال سکے۔

رسول اللہ ﷺ نے انہیں دس دن کی مہلت دی، اور فرمایا کہ اس کے بعد جو یہاں نظر آئے گا اس کی گردن مار دی جائے گی، وہ کئی دن تک تیاری کرتے رہے۔ اسی اثناء میں ان یہودیوں کے پاس عبداللہ بن ابی بن سلول کا پیغامبر آیا اور ان سے کہا: عبداللہ بن ابی تم سے کہہ رہے ہیں کہ تم لوگ اپنے گھروں سے نہ نکلو، اور اپنے قلعوں میں مقیم رہو، میرے پاس میری قوم اور دیگر عربوں کے دو ہزار افراد موجود ہیں جو تمہارے ساتھ تمہارے قلعہ میں داخل ہو جائیں گے، اور تم سے دفاع کرتے ہوئے اپنی جان دے دیں گے، اور بنو قریظہ کے یہود بھی تمہاری مدد کریں گے، وہ تمہیں اکیلا نہیں چھوڑ دیں گے، اور قبیلہ غطفان کے تمہارے حلفاء بھی تمہاری مدد کریں گے۔ عبداللہ بن ابی نے ان سے یہ بھی کہا کہ ہم تمہیں محمد کے حوالے نہیں کریں گے، اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم تمہارے ساتھ جنگ کریں گے، اور اگر تم نکالے گئے تو ہم تمہارے ساتھ نکل پڑیں گے، ابن ابی اس طرح حییٰ بن اخطب کے پاس اپنے پیغامات بھیجتا رہا، یہاں تک کہ حییٰ نے کہا: ہم اپنے گھروں سے اپنا مال و جائداد چھوڑ کر نہیں نکلیں گے، محمد جو چاہے کرے، اسی بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ (۱۱) لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ وَلَئِنْ قُوتِلُوا لَا يَنْصُرُونَهُمْ وَلَئِنْ نَصَرُوهُمْ لَيُولَيَنَّ الْأَفْبَارُ ثُمَّ لَا يَنْصُرُونَ﴾ (کیا آپ نے منافقین کو نہیں دیکھا، وہ اپنے اہل کتاب کافر بھائیوں سے کہتے ہیں کہ اگر تم (اپنے گھروں سے) نکالے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے، اور تمہارے بارے میں ہرگز کسی کی بات نہیں مانیں گے، اور اگر تم پر جنگ مسلط کی گئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ بلاشبہ جھوٹے ہیں، اگر وہ نکال دیئے گئے، تو منافقین ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے، اور اگر انہیں جنگ کرنی پڑی تو وہ ان کی مدد نہیں کریں گے، اور اگر انہوں نے ان کی مدد کی تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ پڑیں گے، پھر ان کی کسی جانب سے مدد نہیں کی جائے گی) [الحشر: ۱۱-۱۲]۔

سلام بن مشکم نے حییٰ سے کہا: اے حییٰ! اللہ کی قسم! تمہارے نفس نے تمہیں دھوکے میں ڈال دیا ہے، آؤ، محمد نے ہمیں جو امان دیا ہے، اسے قبول کر لیں، اور اس کے شہر سے نکل جائیں۔ ابن ابی کی بات کی کوئی اہمیت نہیں، وہ تمہیں ہلاکت میں ڈالنا چاہتا ہے، تاکہ تم محمد کے خلاف برسرِ پیکار ہو جاؤ، اور وہ تمہیں چھوڑ کر اپنے گھر میں بیٹھا رہے، جیسا کہ اس نے اس سے پہلے اپنے حلفاء بنو قیقاع کے ساتھ کیا تھا، یہاں تک کہ انہوں نے جنگ کی

اور بد عہدی کی اور اپنے آپ کو اپنے گھروں میں بند کر کے ابن ابی کی مدد کا انتظار کرتے رہے، اور وہ جا کر اپنے گھر میں بیٹھ گیا، اور محمد نے ان کا محاصرہ کر لیا، یہاں تک کہ انہیں مجبور ہو کر اس کے فیصلے کو ماننا پڑا، لیکن حُیّی نے اس کی نصیحت نہیں مانی، اور اپنے بھائی جدی بن اخطب کو رسول اللہ کے پاس یہ کہنے کے لئے بھیجا کہ ہم اپنے گھروں اور اپنے اموال کو نہیں چھوڑیں گے، تمہیں جو کرنا ہے کر لو، جب جدی نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے کہی تو آپ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا، اور مسلمانوں نے بھی آپ کی تکبیر کی آواز سن کر اللہ اکبر کہا: اور آپ ﷺ نے فرمایا: یہود جنگ پر آمادہ ہو گئے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ ان کے علاقہ کی طرف چل پڑے، اور بنی نضیر کے میدانی علاقے میں عصر کی نماز پڑھی، جب انہوں نے آپ اور صحابہ کرام کو دیکھا تو اپنے قلعوں کی دیواروں پر تیر اور پتھر لے کر کھڑے ہو گئے، اور یہود بنی قریظہ ان سے الگ ہو گئے، ان کی کوئی مدد نہیں کی، اس دن وہ لوگ رات گئے تک مسلمانوں کی طرف تیر اور پتھر پھینکتے رہے، رسول اللہ ﷺ اپنے دس صحابہ کرام کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد اپنے گھر واپس آ گئے اور مسلمانوں نے صبح تک ان کا محاصرہ کئے رکھا، پھر بلال نے مدینہ میں اذان دی، اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے ان دسوں صحابہ کے ساتھ بنی خطمہ کے میدانی علاقے میں فجر کی نماز ادا کی، اُن دنوں آپ نے مدینہ میں ابن ام مکتوم کو اپنا نائب بنا دیا تھا۔

بنو نضیر کی مدد کے لئے کوئی بھی آگے نہیں آیا، نہ ابن ابی اور نہ ان کا کوئی حلیف، اور جب رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ان کے کھجوروں کے باغات کاٹے اور جلائے جانے لگے، تو حُیّی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم سے تم جو چاہتے ہو اس کے لئے تیار ہیں، اور ہم تمہارے شہر سے نکل جائیں گے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ یہاں سے نکل جاؤ، اور تم اپنے ساتھ ہتھیاروں کے علاوہ اتنا مال و اسباب لے جا سکتے ہو جو اونٹوں پر لاد سکتے ہو۔ انہوں نے آپ کی یہ شرط منظور کر لی، ان میں سے دو آدمی یامین بن عمیر اور ابوسعید بن وہب مسلمان ہو گئے اور اپنا خون اور اپنا مال بچالیا، اور قبیلہ قیس کے ایک آدمی نے اپنے چچا زاد بھائی ابن یامین کے تعاون سے اس عمرو بن جاش کو قتل کر دیا جس نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس سے بڑی خوشی ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ نے پانچ دن تک ان کا محاصرہ کیا، پھر انہیں مدینہ سے جلا وطن کر دیا، اور محاصرہ کے دنوں میں یہود اپنے گھروں کو خراب کرتے رہے، اور مسلمان ان علاقوں کو اللہ کے حکم سے خراب کرتے رہے اور جلاتے رہے جو ان کے پاس تھے، یہاں تک کہ صلح کی بات طے ہو گئی، اور یہود نے اپنی عورتوں، بچوں، گھر کی

لکڑیوں اور دروازوں کو چھ سوانٹوں پر لاد لیا، اور ان کے سردار ان حثیبی بن اخطب اور سلام بن ابی الحقیقی پیدل خیر کی طرف روانہ ہو گئے، اور ان کی ایک جماعت شام کی طرف چلی گئی۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کے مال و اسباب، ہتھیاروں، اراضی اور ان کے گھروں پر قبضہ کر لیا، ان کے گھروں سے پچاس زر ہیں، پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں نکلیں، اور بنو نضیر کا مال و اسباب، ان کی زمین اور ان کے گھر خالص رسول اللہ ﷺ کے لئے ہو گئے، آپ اپنی مرضی سے اس میں تصرف کرتے تھے انہیں پانچ حصوں میں تقسیم نہیں کیا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مال و اسباب اپنے نبی کو بغیر کسی جنگ و قتال کے عطا کیا تھا۔

کھجور کے درختوں کے نیچے رسول اللہ ﷺ کے لئے جو کی اچھی خاصی کھیتی کی جاتی تھی، جس سے آپ کی بیویوں اور بنی عبدالمطلب کا ایک سال کا خرچ پورا ہو جاتا، اور جو بچ جاتا تھا اسے اسلامی فوج کے گھوڑوں اور ہتھیاروں کی خریدگی پر خرچ ہوتا تھا۔ آپ ﷺ نے بنی نضیر کے ان اموال پر اپنے آزاد کردہ غلام ابو رافع کو متعین کر رکھا تھا جو سات باغات پر مشتمل تھے، ان اموال سے اور باغ مخیردق کے اموال سے آپ غریب مسلمانوں کو صدقات دیا کرتے تھے، انہی باغات میں سے ایک میں آپ کے بیٹے ابراہیم علیہ السلام کی ماں (ماریہ قبطیہ) رضی اللہ عنہا قیام پذیر تھیں، جن کے پاس رسول اللہ ﷺ حسب معمول آیا کرتے تھے۔

مہاجرین اس وقت تک انصار کے گھروں میں رہا کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے انصار کو بلایا اور ان سے مہاجرین کے ساتھ ان کے بہترین برتاؤ اور اپنے آپ پر انہیں ترجیح دینے کا ذکر خیر کر کے فرمایا: اگر تم لوگ چاہو تو تمہارے اور مہاجرین کے درمیان اس مال کو تقسیم کر دو جو اللہ نے مجھے بنی نضیر کی طرف سے عطا کیا ہے اور اگر چاہو تو صرف مہاجرین کی مدد کرو اور وہ تمہارے گھروں سے نکل کر اپنے لئے گھر بنالیں، سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ نے کہا: یا رسول اللہ! بہتر یہ ہے کہ آپ اسے مہاجرین کے درمیان تقسیم کر دیجئے، اور وہ ہمارے گھروں میں پہلے کی طرح رہائش پذیر رہیں۔

انصار نے بیک آواز کہا: اے اللہ کے رسول! ہم راضی ہو گئے اور آپ کی اس رائے کو تسلیم کر لیا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے دعا کی اور کہا: اے اللہ! انصار اور ابنائے انصار پر تورحم کر دے، بنی نضیر کے مال کو رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین کے درمیان تقسیم کر دیا، اور انصار کو اس میں سے کچھ بھی نہیں دیا، سوائے ابو دجانہ اور سہل بن حنیف کے جنہیں آپ ﷺ نے ان کے فقر و محتاجی کے سبب اس مال میں سے کچھ عطا کیا۔

یہ غزوہ ربیع الاول سن چار ہجری میں واقع ہوا تھا، اور اسی کی تفصیل بیان کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے پوری سورۃ الحشر نازل فرمائی، جس میں اللہ نے مدینہ سے یہودیوں کو نکالے جانے، منافقین کا پردہ فاش کرنے،

اور مال فنی کے احکام بیان کئے ہیں، اور مہاجرین و انصار کی تعریف کی ہے، نیز بیان کیا ہے کہ جنگی مصلحت کے تقاضے کے مطابق دشمن کی سر زمین میں درختوں کا کاٹنا اور جلانا جائز ہے، جیسا کہ بنی نضیر کے ساتھ کیا گیا تو وہ مجبور ہو کر صلح اور مدینہ سے نکل جانے پر آمادہ ہو گئے۔

غزوہ بدر ثانیہ:

غزوہ احد کے بعد ایک سال گزر گیا اور شعبان کا مہینہ آگیا، اور ایک رائے کے مطابق ماہ ذی القعدہ سن چار ہجری داخل ہو گیا اور وہ وقت آگیا جس کی تعیین ابوسفیان نے احد سے مکہ لوٹتے ہوئے کی تھی، اور کہا تھا کہ اب سے ایک سال بعد ہمارے اور تمہارے درمیان دار الصفراء جنگ کا مقام و موعدہ رہے گا، ہم وہاں ملیں گے اور جنگ کریں گے، تو عمر بن خطاب نے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے کہا تھا: ہاں، ان شاء اللہ۔ لیکن قحط سالی کے سبب قریشیوں کے اقتصادی حالات دیگر گوں ہو گئے، اور ان کی آمدنی کے ذرائع کم ہو گئے، اس لئے ان میں اس متعین وقت پر جنگ کے لئے آنے کی طاقت نہیں رہی، اس لئے ابوسفیان نے مسلمانوں کو دھوکا دینے اور انہیں جنگ کے لئے نکلنے سے باز رکھنے کے لئے نعیم بن مسعود نامی ایک آدمی کو کرایہ پر رکھا اور اس سے کہا کہ وہ مدینہ جائے اور وہاں لوگوں میں اس بات کو خوب پھیلائے کہ قریشیوں نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے ایک ایسا لشکر جمع کر لیا ہے جیسا آج سے پہلے نہیں دیکھا گیا نعیم مدینہ گیا اور مسلمانوں میں اس مبغوض جھوٹ کو اتنا پھیلا دیا کہ مسلمانوں کے دل مرعوب ہو گئے اور معنوی طور پر ان کی قوت بہت کمزور ہو گئی، جس کے نتیجے میں وہ سوچنے لگے کہ مشرکوں کی فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے مقام بدر کی طرف جانے کی ان کے اندر طاقت نہیں۔

اسی طرح یہود اور منافقین نے بھی اسلامی فوج کی معنوی قوت کو کمزور کرنے کی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، اور مسلمانوں کے درمیان درپردہ یہ بات پھیلانے لگے کہ محمد کی فوج کے سامنے ہرگز نہیں ٹک سکتا، اور اسے ہرگز غلبہ حاصل نہیں ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ کو یقین ہو گیا کہ یہ دشمنانِ دین کی ایک سازش ہے تاکہ مسلمانوں کو مدینہ میں ہی رُکے رہنے پر مجبور کر دیا جائے، لیکن یہ خبر عام مسلمانوں میں بہت تیزی کے ساتھ پھیل چکی تھی، اس لئے ابو بکر و عمر فوراً رسول اللہ ﷺ سے ملے اور کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ اپنے دین کو غالب کر کے رہے گا، اور اپنے نبی کو عزت دے گا، اور ہم نے کفارِ مکہ سے ایک وعدہ کر رکھا ہے جس کے خلاف ہم نہیں کرنا چاہتے، ورنہ وہ سمجھیں گے کہ مسلمان بزدل ہیں، اور ہم سے ڈر گئے ہیں، اس لئے آپ ان کے وعدے کے مطابق ضرور چلیں، اللہ کی قسم! یقیناً

حافظ ابن کثیر ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں: یعنی وہ مسلمان جنہیں کافروں نے دشمنوں کی ایک بڑی فوج سے ڈرایا تو انہوں نے اس کی پرواہ نہیں کی، بلکہ اللہ پر توکل کیا، اور اس سے مدد مانگی اور کہا: ہمارے لئے اللہ کافی

ہے، اور وہ بہتر کار ساز ہے، یہ بات ابراہیم علیہ السلام نے کہی تھی جب انہیں آگ میں ڈالا گیا، اور محمد ﷺ نے کہی تھی جب دشمنان اسلام نے مسلمانوں سے کہا کہ کفار قریش نے تم سے جنگ کرنے کے لئے ایک بہت بڑی فوج کو جمع کیا ہے، اس لئے تم لوگ ڈر کر رہو اور ان سے جہاد کے لئے نہ نکلو، تو اس بات نے ان مومنوں کا ایمان بڑھا دیا اور کہا: ہمارے لئے اللہ کافی ہے، اور وہ بہتر کار ساز ہے، بے شک شیطان اپنے اولیاء سے ڈراتا ہے، یعنی شیطان تمہیں اپنے اولیاء کا نام لے کر ڈراتا ہے اور تمہیں وہم میں مبتلا کرتا ہے کہ وہ بڑی طاقت والے ہیں، اس لئے اے مومنو! تم ان سے مت ڈرو، اور اگر مومن ہو تو مجھ سے ڈرو، یعنی اگر شیطان تمہارے لئے کسی جھوٹ کی ملمع سازی کرتا ہے، اور تمہیں کسی وہم میں مبتلا کرتا ہے تو تم لوگ مجھ پر توکل کرو، اور میری جناب میں پناہ لو، بے شک میں تمہارے لئے کافی ہوں، اور میں تمہاری ان کے خلاف مدد کرنے والا ہوں۔

مختصر یہ کہ کفار قریش جنگ کے لئے میدان بدر میں نہیں آئے اور مسلمان وہاں آٹھ دن ان کا انتظار کرتے رہے، اور اس مدت میں وہاں تجارت کرتے رہے، اور جو مالی تجارت اپنے ساتھ لائے تھے اسے بیچ کر ایک درہم کے بدلے دو درہم نفع حاصل کیا، اور سارے عربوں میں یہ بات پھیل گئی کہ مکہ کی فوج نے شکست قبول کر لی، اور جنگ کے لئے نہیں آئی، اور اسلام کا جھنڈا وہاں پورے آب و تاب کے ساتھ لہراتا رہا^(۱)۔

رسول اللہ ﷺ کی ام سلمہ سے شادی:

ماہ شوال سن چار ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے ام سلمہ بنت ابوامیہ سے شادی کی، وہ آپ ﷺ سے پہلے اپنے شوہر ابو سلمہ بن عبد الاسد کے پاس تھیں، جو ان کی اولاد کے باپ تھے، اور اسی سال ماہ جمادی الاولیٰ کے آخری دنوں میں اس زخم سے متاثر ہو کر وفات پا گئے تھے جو انہیں غزوہ احد میں لگا تھا، اور اس سے بظاہر شفا یاب ہو گئے تھے، لیکن سریہ بنی اسد کی قیادت سے واپسی کے بعد وہ زخم دوبارہ تازہ ہو گیا، اور مرض بڑھتا گیا، یہاں تک کہ وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

ام سلمہ کہتی ہیں: جب ابو سلمہ کی وفات ہو گئی تو میں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور دعا کی کہ اے اللہ! میری مصیبت کو برداشت کرنے کی مجھے قوت عطا فرما اور مجھے اس کا بہتر بدل عطا فرما، پھر میں نے اپنے آپ سے کہا: مجھے ابو سلمہ سے بہتر کہاں مل سکتا ہے؟

جب میری عدت پوری ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ملنے کی اجازت مانگی، اس وقت میں ایک چمڑے کی اصلاح کر رہی تھی، میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے قرظ کے پتے کے اثر کو دھویا، انہیں اجازت دی، اور میں

(۱) دیکھئے: زاد المعاد: ۲۰۰، الحیاۃ العسکریہ: ص ۱۵۵-۱۵۷، سرایا وغزوات الرسول ﷺ: ص ۱۳۳-۱۳۵۔

نے چڑے کی بنی ایک تکیہ جس میں پتے بھرے ہوئے تھے، ان کے لئے رکھ دی، آپ ﷺ تشریف لائے اور وہاں بیٹھ گئے اور مجھے شادی کا پیغام دیا، جب آپ ﷺ کی بات پوری ہوئی تو میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں آپ سے شادی کرنے کے لئے کیسے راغب نہیں ہو سکتی ہوں، لیکن میرے اندر شدید غیرت پائی جاتی ہے، اور میں ڈرتی ہوں کہ مجھ سے آپ کے سلسلے میں کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جائے جس کے سبب اللہ مجھے عذاب دے، نیز میں اب ایک بڑی عمر کی عورت ہو گئی اور میرے پاس بچے بھی ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جہاں تک تمہاری شدید غیرت کی بات ہے تو اللہ تعالیٰ اسے تم سے دور کر دے گا، اور کبر سنی کی جو بات تم نے کی ہے تو میں بھی تمہاری طرح اب بڑی عمر کا ہو گیا ہوں، اور اپنے بچوں کے بارے میں جو بات تم نے کہی ہے تو شادی کے بعد تمہارے بچے میرے بچے ہوں گے۔ ام سلمہ کہتی ہیں کہ میں نے پھر اپنا معاملہ رسول اللہ ﷺ کے حوالے کر دیا۔

ام سلمہ کہتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا کے سبب مجھے ابو سلمہ کے بدلے ان سے بہتر عطا کیا، یعنی مجھے رسول اللہ ﷺ مل گئے۔

صحیح روایت کے مطابق ام سلمہ نے سن ۶۱ ہجری میں یزید بن معاویہ کے عہد خلافت میں چوراسی سال کی عمر میں وفات پائی، ان کی نماز جنازہ ابو ہریرہ نے پڑھائی، اور بقیع میں دفن کی گئیں۔

رسول اللہ ﷺ کی شادی زینب بنت جحش اسدیہ سے:

اسی سن چار ہجری ماہ ذی القعدہ میں رسول اللہ ﷺ نے زینب بنت جحش اسدیہ سے شادی کی، نبی کریم ﷺ سے پہلے ان کی شادی زید بن حارثہ سے ہوئی تھی جو رسول اللہ ﷺ کے پروردہ اور ان کے محبوب تھے، پھر انہوں نے ان کو طلاق دے دی، اس لئے کہ شوہر اور بیوی کے درمیان حسب و نسب میں بڑے تفاوت کے سبب زینب اپنے شوہر زید سے محبت نہیں کرتی تھیں، وہ ایک بڑے حسب و نسب والے خاندان کی بیٹی تھیں، اور زید ایک گناہ غلام تھے، اگرچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے محبوب تھے، جب ان کی عدت پوری ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو زید کے واسطے سے اپنی شادی کا پیغام دیا، انہوں نے کہلا بھیجا کہ وہ اپنے رب سے استخارہ کریں گی، اور اس معاملہ میں غور کریں گی، لیکن ان کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا، اور رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوئی: ﴿وَإِذَا تَقُولُ لِّذِي اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَاهُ فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا يَكُنْ لَا يَكُوْنُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْ اَزْوَاجٍ اَدْعٰيَاهُمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا﴾ (اور جب آپ اس شخص سے کہتے تھے جس پر اللہ نے احسان کیا اور آپ نے بھی

اس پر احسان کیا کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو، اور اللہ سے ڈرو، اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا، اور آپ لوگوں سے خائف تھے، حالانکہ اللہ زیادہ حقدار تھا کہ آپ اس سے ڈرتے، پس جب زید نے اس سے اپنی ضرورت پوری کر لی، تو ہم نے اس سے آپ کی شادی کر دی، تاکہ مومنوں کے لئے ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے شادی کرنے میں کوئی حرج باقی نہ رہے، جب منہ بولے بیٹے اپنی بیویوں سے ضرورت پوری کر لیں، اور اللہ کے فیصلے کو بہر حال ہونا ہی تھا (الأحزاب: ۳۰)۔ اس وحی کے نازل ہونے کے بعد نبی کریم ﷺ بغیر اجازت زینب کے پاس چلے گئے۔

اسی لئے زینب نبی کریم ﷺ کی دیگر بیویوں کے سامنے بطور فخر و مباہات کہا کرتی تھیں کہ تمہاری شادیاں تمہارے خاندان والوں نے کی، اور میری شادی اللہ تعالیٰ نے سات آسمان کے اوپر کر دی (۱)۔

انس کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے دن نکلنے کے بعد ہمیں روٹی اور گوشت کھلایا، اور کھانا کھانے کے بعد لوگ نکل گئے، لیکن کچھ لوگ آپ کے گھر میں بیٹھے باتیں کرتے رہے، تو رسول اللہ ﷺ وہاں سے نکل پڑے اور میں ان کے پیچھے چلا، رسول اللہ ﷺ اپنی بیویوں کے کمروں میں جا کر ایک ایک کو سلام کرنے لگے، اور آپ کی بیویاں پوچھتی تھیں: اے اللہ کے رسول! آپ نے اپنی نئی بیوی کو کیا پایا؟ انس کہتے ہیں: مجھے یاد نہیں کہ میں نے آپ کو خبر دی کہ لوگ نکل کر چلے گئے یا آپ نے مجھے خبر دی۔

پردہ کا حکم:

انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے گھر میں داخل ہوئے تو میں نے بھی آپ کے ساتھ داخل ہونا چاہا، اس وقت آپ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ لٹکا دیا، اور اللہ تعالیٰ نے پردہ کی آیت نازل فرمائی: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَلِكَ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُتَخَفُوا أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُمْ مِنْ بَعْدِهِ أَبْدًا إِنَّ ذَلِكَ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا﴾ (اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو، الا یہ کہ تمہیں کھانے کے لئے داخل ہونے کی اجازت دی جائے، لیکن تم (پہلے ہی سے بیٹھ کر) اس کے پکینے کا انتظار نہ کرو، بلکہ تمہیں بلایا جائے تو داخل ہو جاؤ، اور جب کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ، اور آپس میں بات چیت کرنے

میں دلچسپی نہ لو، بے شک تمہاری یہ حرکت نبی کو تکلیف پہنچاتی ہے، لیکن وہ تم سے حیا کرتے ہیں، اور اللہ حق بات بیان کرنے میں حیا نہیں کرتا ہے، اور جب تم ان (امہات المؤمنین) سے کوئی سامان مانگو تو پر دے کے اوٹ سے مانگو، ایسا کرنے سے تمہارے اور ان کے دل زیادہ پاکیزہ رہیں گے، اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ اللہ کے رسول کو ایذا پہنچاؤ، اور نہ یہ جائز ہے کہ اُن کے بعد کبھی بھی ان کی بیویوں سے شادی کرو، تمہارا ایسا کرنا اللہ کے نزدیک بڑے گناہ کی بات ہے) [الاحزاب: ۵۳] (۱)

انس کہتے ہیں: میں نے سب سے پہلے یہ آیت سیکھی، اور اس کے بعد نبی کریم ﷺ کی بیگمات کے لئے پردہ واجب ہو گیا۔ زینب نے ترپن (۵۳) سال کی عمر میں سن ۲۰ ہجری میں وفات پائی۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی یہ پہلی بیوی تھیں جن کی وفات ہوئی (۲)

غزوہ دومتہ الجندل:

رسول اللہ ﷺ غزوہ بدر ثانیہ سے مدینہ واپس لوٹے تو پورے علاقے میں امن وامان قائم ہو چکا تھا، اور رسول اللہ ﷺ کی خواہش کے مطابق دشمنوں کے دل مرعوب ہو چکے تھے، اور مدینہ کے آس پاس کے تمام علاقوں پر مسلمانوں کا رعب و دبدبہ بیٹھ چکا تھا، اس لئے رسول اللہ ﷺ چھ ماہ تک مدینہ میں اسلامی اسٹیٹ کی جڑوں کو مضبوط کرتے رہے، مسلمان مرد اور عورتوں کو قرآن و سنت کی تعلیم دیتے رہے، اور اسلامی رشد و ہدایت کے مطابق ان کی تربیت کرتے رہے، تاکہ مستقبل میں پوری دنیا کے لئے نمونہ بن کر ابھریں۔

اور تقریباً چھ ماہ کے بعد آپ کو خبر ملی کہ شام کی سرحد پر واقع دومتہ الجندل کے ارد گرد رہنے والے قبائل مسافروں کو دن دھاڑے لوٹ لیتے ہیں، اور مدینہ میں موجود مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے عربوں کی ایک بڑی تعداد کو جمع کر رہے ہیں۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے سوچا کہ ان بھیڑیوں کے ناخن کاٹ دینا اور ان کے دانت توڑ دینا نہایت ضروری ہے، اس لئے مدینہ میں سباع بن عرفطہ غفاری کو اپنا نائب مقرر کیا، اور ماہ ربیع الاول سن ۵ ہجری میں ایک ہزار صحابہ کرام کے ساتھ چل پڑے، اور بنی عذرہ کے ایک آدمی کو رہنما کے طور پر اپنے ساتھ لے لیا، جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ راستے کا بڑا ماہر ہے۔

رسول اللہ ﷺ اپنی فوج لے کر خفیہ طور پر غیر مانوس راستے سے چلے، آپ رات کو چلتے تھے اور دن میں کہیں

(۱) دیکھئے: صحیح مسلم، حدیث: (۱۲۲۸)۔

(۲) السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ: ۴۰۲/۲، نساء حول الرسول ﷺ: ص ۱۰۴-۱۱۲، طبقات ابن سعد: ۸/۱۱۴۔

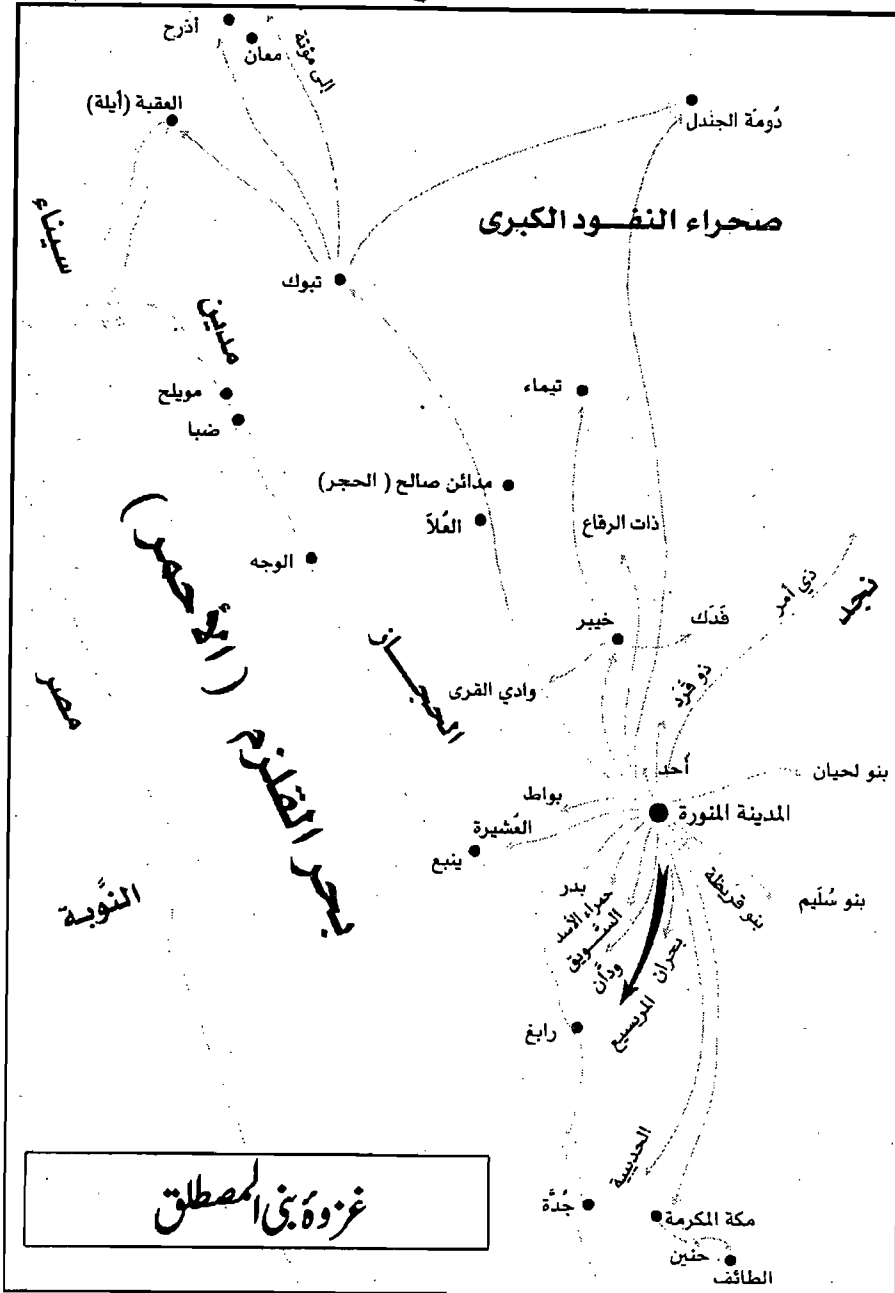
چھپ جاتے تھے اس لئے کہ زمانہ گرمی کا تھا، اس طرح آپ نے تقریباً پندرہ رات میں راستہ طے کیا، جب دومۃ الجندل والوں کو آپ کی آمد کی خبر ہوئی تو بہت زیادہ خوفزدہ ہوئے اور فوراً ہر طرف بکھر گئے، آپ نے ان کے چوپایوں اور چرواہوں پر قبضہ کر لیا، اور کچھ لوگوں کو قتل کیا اور کچھ لوگ بھاگ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس علاقہ میں کئی دن تک قیام کیا، اور کئی فوجی دستے بھیجے، جو بحفاظت تمام آپ کے پاس لوٹ کر آ گئے، ایک دستہ والے نے ایک آدمی کو گرفتار کیا اور اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے، آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی، تو وہ مسلمان ہو گیا۔ اسی غزوہ کے موقع سے رسول اللہ ﷺ نے عیینہ بن حصن الفزاری سے صلح کا معاہدہ کیا تھا، پھر آپ ﷺ غنیمت کے چوپایوں کے ساتھ مدینہ بحفاظت تمام لوٹ آئے^(۱)۔

شراب نوشی کی حرمت:

اسی سن ۲ ہجری میں شراب حرام کر دی گئی جیسا کہ بلاذری نے اپنی کتاب انساب الاشراف (۲/۲۷۱) میں ذکر کیا ہے^(۲)۔

(۱) زاد المعاد: ۳/۲۰۰-۲۰۱، السیرۃ النبویۃ الصحیحہ: ص ۴۰۲، الحیاۃ العسکریۃ: ص ۱۵۸، سرایا وغزوات الرسول ﷺ: ۱۴۶۔

(۲) السیرۃ النبویۃ الصحیحہ: ۴۰۲۔



غزوہ بنی المصطلق

بنی مصطلق قبیلہ خزاعہ اُزدیہ کی ایک شاخ ہے جس کا نسب اوس و خزرج کے ساتھ انصار کے جد ثانی (دوسرے دادا) اور مصطلق کے جد رابع (چوتھے دادا) میں ملتا ہے۔ یہ لوگ قدید اور عسفان کے درمیان مکہ سے تقریباً اسی سے ایک سو بیس کیلو میٹر کے فاصلہ پر رہتے تھے۔ اور قبیلہ خزاعہ کے لوگ مَرُ الظہیران (جو مکہ سے تیس کیلو میٹر کے فاصلے پر ہے) اور ابوا کے درمیان رہتے تھے جو مکہ سے دو سو چالیس کیلو میٹر کی دوری پر ہے۔ اور خزاعہ کا مسلمانوں کے ساتھ صلح پسندی کا موقف سب کے نزدیک معروف تھا، حالانکہ وہ لوگ مشرک تھے اور مکہ سے قریب رہتے تھے، اور غالباً اس کا سبب انصار کے ساتھ ان کی پرانی رشتہ داری اور بعض دیگر مصالح تھے۔ بنی المصطلق کے لوگ غزوہ احد سے پہلے مشرکین مکہ کے جھوٹے پروپیگنڈوں اور عرب قبائل کو مسلمانوں کے خلاف براہیجیت کرنے کے سبب دھوکے میں آ گئے۔ اسی لئے غزوہ احد میں قریش کے مختلف الانواع فوجیوں کے درمیان وہ بھی پائے گئے، اسلام کے خلاف ان کا یہ پہلا موقف تھا، اور جب انہوں نے غزوہ احد میں مسلمانوں کے برے انجام کو دیکھا تو دوسرے عرب قبائل کے مانند ان کی بھی جرأت بڑھ گئی۔

سن ۵ ہجری ماہ رجب کے اواخر میں رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی کہ بنی المصطلق کا سردار حارث بن ابو ضرار اپنی قوم اور دیگر عربوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے کی سوچ رہا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے حالات کا جائزہ لینے اور اس خبر کی تصدیق کے لئے بریدہ بن الحصیب الأسلمی کو بھیجا جنہوں نے جاکر حارث بن ابو ضرار سے ملاقات کی، اور اس سے کہا کہ وہ ان کی مدد کے لئے آیا ہے۔ اسے دو ران گفتگو اس کا یقین ہو گیا کہ وہ لوگ مدینہ جاکر حملہ کرنے کے لئے ہتھیار اور افراد جمع کر رہے ہیں۔ وہ فوراً واپس آئے اور رسول اللہ ﷺ کو واقعہ حال سے باخبر کیا۔

رسول اللہ ﷺ راجح قول کے مطابق سوار کے دن ۲ شعبان سن ۵ ہجری کو مدینہ منورہ سے سات سو مجاہدین پر مشتمل فوج لے کر چل پڑے (۱) آپ کے ساتھ اس سفر میں ام المومنین عائشہ اور ام المومنین ام سلمہ رضی

(۱) یہ قول صحیح موسیٰ بن عقبہ کا ہے جسے انہوں نے زہری اور عروہ سے روایت کی ہے، اور ابو معشر سندی و اقدسی اور ابن سعد نے ان کی تائید کی ہے، اور یہی قول ابن القیم کا ہے جسے انہوں نے زاد المعاد (۲۰/۳) میں، اور ذہبی نے تاریخ الاسلام (۲/۵۸۲) میں اور ابن حجر عسقلانی نے نقل کیا ہے۔ اور اس قول کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ سعد بن معاذ غزوہ بنی المصطلق میں شریک ہوئے اور غزوہ بنی قریظہ میں شہید ہو گئے، جو صحیح قول کے مطابق سن ۵ ہجری میں ہوا تھا، معلوم ہوا کہ غزوہ بنی المصطلق غزوہ بنی قریظہ اور غزوہ خندق کے پہلے ہوا تھا۔ واللہ التوفیق۔

اللہ عنہما تھیں، مدینہ میں آپ ﷺ نے زید بن حارثہ کو اپنا نائب بنادیا، ایک دوسرے قول کے مطابق ابوذر کو، اور تیسرے قول کے مطابق نمیلہ بن عبد اللہ اللیشی کو بنایا، اس سفر میں آپ کے ساتھ منافقین کی ایک جماعت بھی نکلی، جو اس سے پہلے کسی غزوہ میں نہیں نکلی تھی۔

حارث بن ابوضرار اور اس کے ساتھ جمع ہونے والے دیگر عربوں کو جب رسول اللہ ﷺ کے مدینہ سے چل پڑنے کی خبر ہوئی تو بہت زیادہ ڈر گئے، اور عرب قبائل کے بہت سے لوگ ملان سے الگ ہو گئے، رسول اللہ ﷺ مقام مرسیع پر پہنچے جو پانی کی ایک جگہ تھی، اور جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کی صف بندی کی، اور مہاجرین کا جھنڈا ابو بکر صدیق کو اور انصار کا جھنڈا اسعد بن عبادہ کو دیا، اور عمر بن خطاب کو حکم دیا کہ وہ کافروں کے درمیان منادی کرادیں کہ اے لوگو! کہو: لا اِلهَ اِلا اللہ اور اس کلمہ کے ذریعہ اپنی جانوں اور اپنے اموال کی حفاظت کر لو، لیکن انہوں نے انکار کر دیا، اور ایک گھنٹہ تک تیر چلاتے رہے، تب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا، اور انہوں نے یکبارگی متحد ہو کر حملہ کر دیا جس کے نتیجے میں مسلمانوں کو فتح و نصرت حاصل ہوئی اور مشرکین شکست کھا گئے، ان میں سے بہت سے لوگ قتل کئے گئے، اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا، اور ان کے چوپایوں اور بکریوں کو اپنے قبضے میں کر لیا، اور مسلمانوں میں سے ہشام بن صباہ نامی صرف ایک آدمی قتل ہوا، جسے غلطی سے ایک انصاری نے قتل کر دیا۔

یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جس میں انہوں نے ذکر کیا ہے کہ مرسیع نامی کنواں کے پاس جنگ ہوئی، پھر بنی المصطلق کے لوگ شکست کھا گئے^(۱)۔ اور ابن القیم نے لکھا ہے کہ یہ ان کا وہم ہے، ان کے درمیان کوئی جنگ نہیں ہوئی، جیسا کہ بخاری و مسلم نے عبد اللہ بن عمر سے روایت کی ہے جو اس غزوہ میں شریک تھے کہ نبی کریم ﷺ نے بنی المصطلق پر اس وقت حملہ کیا جب وہ بالکل غافل تھے، اور ان کے چوپائے کنواں پر پانی پی رہے تھے، چنانچہ صحابہ کرام نے ان کے جنگ کرنے والے جوانوں کو قتل کیا اور ان کے بال بچوں کو قیدی بنالیا، اسی دن جویریہ رضی اللہ عنہا بھی قید کر لی گئیں^(۲)۔

امام مسلم نے اپنی روایت میں صراحت کر دی ہے کہ بنی المصطلق پر حملہ انہیں بغیر خبر کئے ہوا تھا، اس لئے کہ انہیں اسلام کی دعوت پہنچ چکی تھی، اور غزوہ احد میں قریشیوں کے ساتھ شرکت کے بعد ثابت ہو چکا تھا کہ وہ ہر وقت مسلمانوں کے ساتھ حالت جنگ میں تھے، نیز نبی کریم ﷺ کو ان کے بارے میں یقین خبر پہنچ چکی تھی کہ وہ

(۱) دیکھئے: سیرۃ ابن ہشام: ۲۹۰/۲۔

(۲) صحیح البخاری، العتق، حدیث: (۲۵۴۱)۔

لوگ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے عرب قبائل کو جمع کر رہے ہیں، اسی لئے رسول اللہ ﷺ کی فوج نے انہیں اچانک جالیا، جس کی وہ تاب نہ لاسکے اور زیادہ دیر تک مقابلہ نہ کر سکے۔ یا یہ کہا جائے کہ اسلامی فوج کو ان کی طرف سے کسی قسم کے مقابلے کا سامنا نہیں کرنا پڑا^(۱)۔

حافظ ابن حجر نے ابن اسحاق کی روایت اور ابن عمر کی حدیث کے درمیان تطبیق پیدا کرتے ہوئے لکھا ہے کہ احتمال اس بات کا ہے کہ جب مسلمانوں نے بنی المصطلق پر ان کے مرہب نامی کنواں پر اچانک حملہ کر دیا تو انہوں نے تھوڑی دیر جنگ کی، لیکن پھر پسپا ہو گئے^(۲)۔

واقعی نے لکھا ہے کہ بنی المصطلق کے دس آدمی قتل کئے گئے اور باقی قید کر لئے گئے، ان کا ایک آدمی بھی بھاگنے میں کامیاب نہ ہو سکا، اور اموال غنیمت کے طور پر دو ہزار اونٹ، اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں، اور دو سو گھرانوں کی عورتیں اور بچے گرفتار کر لئے گئے، ایک روایت میں ہے کہ قیدیوں کی تعداد سات سو سے زیادہ تھی، بظاہر ان دونوں اقوال میں کوئی تعارض نہیں، اس احتمال کے سبب کہ دو سو گھرانوں کے افراد کی تعداد سات سو سے زیادہ رہی ہو۔

منافقین کی فتنہ انگیزی:

منافقین مدینہ اس دن کے انتظار میں رہتے تھے جب مسلمان شکست کھا جائیں گے، تاکہ ان کے دل میں لگی حسد کی آگ بجھے، مسلمانوں کو جب بھی فتح و نصرت حاصل ہوتی ان کا بغض و حسد بڑھ جاتا اور ہر دم اس فکر میں لگے رہتے کہ مسلمانوں کے درمیان کسی فتنہ کی آگ کو بھڑکائیں، ان میں سب سے پیش پیش اللہ کا دشمن عبد اللہ بن ابی بن سلول تھا

۱- منافقین کی انہی سازشوں میں سے وہ سازش تھی جو عبد اللہ بن ابی کی زیر نگرانی عمل میں لائی گئی۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں نکلے جس میں مسلمان مختلف تکلیفوں سے دوچار ہوئے^(۳) تو عبد اللہ بن ابی نے اپنے منافق ساتھیوں سے کہا کہ تم لوگ محمد اور اس کے ساتھیوں کے لئے

(۱) صحیح مسلم، کتاب الجہاد، حدیث: (۱۷۳۰)۔

(۲) فتح الباری: ۴/۳۳۰، ۳۳۱۔

(۳) دوسری روایتوں میں صراحت آگئی ہے کہ وہ غزوہ بنی المصطلق کا سفر تھا، دیکھئے مسند احمد: ۳/۳۹۲-۳۹۳، سنن الترمذی: ۹۰/۵، اور ترمذی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اپنا مال خرچ نہ کرو، تاکہ یہ تمام لوگ اس سے الگ ہو جائیں، نیز اس نے کہا: ہم جب مدینہ واپس پہنچ جائیں گے تو وہاں کا سب سے معزز آدمی سب سے ذلیل انسان کو وہاں سے نکال دے گا۔ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اور اس بات کی اطلاع دی، تو آپ نے عبد اللہ بن اُبی کو بلا بھیجا اور اس سے اس بارے میں پوچھا: تو وہ قسم کھا گیا کہ اس نے کوئی ایسی بات نہیں کہی ہے، اور دیگر منافقین نے کہا: زید نے رسول اللہ ﷺ سے جھوٹ کہا ہے، میرے دل پر اس کا بڑا گہرا اثر ہوا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میری تصدیق میں سورۃ المنافقون کی وہ آیتیں نازل کیں جن میں اللہ تعالیٰ نے ان کا پردہ فاش کیا۔ اور اللہ کے نبی نے مجھے بلا کر وہ آیتیں سنائیں اور فرمایا: اے زید! اللہ نے تمہاری تصدیق کر دی ہے^(۱)۔

محمد بن اسحاق نے تین سندوں سے اس واقعہ کی تفصیل بیان کی ہے، اور انصار و مہاجرین کے درمیان ایک جھگڑے کا قصہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عبد اللہ بن ابی بن سلول ناراض ہو گیا۔ اور اس کے پاس اس کی قوم کی ایک جماعت موجود تھی، انہی میں کم سن نوجوان زید بن ارقم بھی تھے۔ ابن اُبی نے کہا: کیا مہاجرین نے انصار کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا ہے، یہ ہمارے شہر میں آکر ہم سے نفرت کا برتاؤ کرتے ہیں اور ہم سے بڑا بننے کی کوشش کرتے ہیں، اور ہمارے احسانات کو بھول گئے ہیں، اللہ کی قسم! جب ہم مدینہ واپس پہنچ جائیں گے تو وہاں کا سب سے معزز آدمی سب سے ذلیل انسان کو وہاں سے نکال دے گا، پھر وہ اپنی قوم کے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا: تم لوگوں نے اپنے ساتھ یہی کچھ کیا ہے؟ تم نے ان لوگوں کو اپنے شہر میں پناہ دیا، اور اپنے مال و جائیداد میں ان کو شریک بنالیا، اللہ کی قسم! اگر تم ان کی مدد کرنا بند کر دو گے تو یہ سب تمہارے شہر سے نکل کر کہیں اور چلے جائیں گے۔

زید بن ارقم نے یہ بات سنی اور جا کر رسول اللہ ﷺ کو بتادیا، یہ واقعہ اس وقت ہوا جب رسول اللہ ﷺ اپنے دشمن کی سرکوبی سے فارغ ہو چکے تھے، اس وقت آپ کے پاس عمر بن خطاب موجود تھے، انہوں نے آپ سے کہا: آپ عباد بن بشر کو حکم دیجئے کہ وہ اس منافق کو قتل کر دے، تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: اے عمر! ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ لوگ بات بنانے لگیں گے کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے، پھر آپ نے وہاں سے کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔

جب عبد اللہ بن ابی کو خبر ہوئی کہ زید بن ارقم نے رسول اللہ ﷺ کو اس کے کہنے کی خبر دے دی ہے، تو وہ

(۱) صحیح البخاری، الشیخ، حدیث (۳۹۰۰) (۳۹۰۱) اور ان کے بعد کی حدیثیں، صحیح مسلم، حدیث: (۲۷۷۲)۔

فوراً رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اور اللہ کی قسم کھا کر کہنے لگا: اس نے جو بات آپ کو بتائی ہے میں نے نہیں کہی ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ وہاں سے چل پڑے تو اسید بن حضیر ان کے پاس آئے، اُن سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہیں اس بات کی خبر نہیں ہوئی ہے، جو تمہارے ساتھی نے کہی ہے، اُنہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! وہ کون آدمی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: عبد اللہ بن ابی، انہوں نے پوچھا: اس نے کیا کہا ہے: آپ نے بتایا: اس کا یہ خیال ہے کہ مدینہ واپس پہنچنے کے بعد سب سے معزز آدمی وہاں سے سب سے ذلیل آدمی کو نکال دے گا۔ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! اگر آپ چاہیں گے تو اسے مدینہ سے نکال دیں گے، اللہ کی قسم! وہ ذلیل ہے، اور آپ معزز انسان ہیں، پھر انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ اس کے ساتھ نرم معاملہ کیجئے، اللہ کی قسم! آپ کو اللہ نے ہمارے پاس اس وقت بھیجا جب اس کی قوم اس کے لئے تاج بنا رہی تھی، تاکہ سب مل کر اس کی تاج پوشی کریں، وہ سمجھ رہا ہے کہ آپ نے اس کی بادشاہت اس سے چھین لی ہے^(۱)۔

زید کی گذشتہ حدیث سنن ترمذی والی روایت میں ہے کہ اس کے بیٹے عبد اللہ بن عبد اللہ نے اس سے کہا: اللہ کی قسم تم بیچ کر نہیں جاسکتے، یہاں تک کہ اقرار کر لو کہ تم ذلیل ہو، اور رسول اللہ ﷺ معزز ہیں، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا^(۲)۔

اور جابر بن عبد اللہ نے روایت کی ہے کہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے، لوگوں کا خیال ہے کہ وہ غزوہ بنی المصطلق تھا، تو ایک مہاجر نے ایک انصاری کو اپنے پاؤں سے ماریا، انصاری نے پکارا، اے انصار! اور مہاجر نے پکارا، اے مہاجرین! رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سن لی، اور فرمایا: کیا بات ہے کہ جاہلیت کا نعرہ لگایا جا رہا ہے، صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ایک مہاجر نے ایک انصاری کو پاؤں سے ماریا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ ایسا نعرہ لگانا بند کرو، یہ چیز تو نہایت ہی بدبودار اور سڑی ہوئی ہے۔ جب عبد اللہ بن ابی کو اس بات کی خبر ہوئی تو اس نے کہا: کیا مہاجرین نے ایسا کیا ہے؟ اللہ کی قسم! ہم جب مدینہ واپس پہنچ جائیں گے تو وہاں کا سب سے معزز آدمی سب سے ذلیل انسان کو وہاں سے نکال دے گا، رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ہو گئی، عمر نے کھڑے ہو کر کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا نہ کرو، کہیں لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔

انصار کی تعداد ابتداء ہجرت کے وقت مہاجرین سے زیادہ تھی، پھر مہاجرین کی تعداد بڑھتی گئی^(۳)۔

(۱) دیکھئے: سیرۃ ابن ہشام: ۲۹۰-۲۹۲، یہ حدیث مرسل ہے، لیکن اس کے رجال ثقافت ہیں۔

(۲) سنن الترمذی، التفسیر، حدیث: (۳۳۱۵)، ترمذی نے لکھا ہے: یہ حدیث حسن صحیح ہے، مسند احمد: ۳/۳۹۲-۳۹۳۔

(۳) صحیح البخاری، التفسیر، حدیث: (۳۹۰۵-۳۹۰۷) اور صحیح مسلم، حدیث: (۲۵۸۳) اور ترمذی، التفسیر، حدیث: (۳۳۱۵)۔

حادثہ اِنک:

۲- دوسرا حادثہ امّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان تراشی کا ہے جو عبد اللہ بن اُبی بن سلول کے نفاق اور حبش باطن کا نتیجہ تھا، اسی نے سب سے پہلے صدیقہ بنت الصّدیق امّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر بے بنیاد اور ظالمانہ بہتان تراشی کی اور ان کی پاک، امنی کے داغدار ہونے کا دعویٰ کیا۔

مشرکین، یہود اور منافقین سب مل کر رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچانے کی جتنی سازشیں کرتے تھے، ان میں یہ حادثہ فاجعہ اپنی نوعیت کا منفرد حادثہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے دل و دماغ پر اس کا بہت ہی گہرا اثر پڑا اور منافقین کی خام خیالی کے مطابق یہ زخم ایسا تھا جس کا کوئی مداوا نہیں تھا، اس لئے کہ اس کا نشانہ رسول اللہ ﷺ کی عزت اور آپ کا شرف تھا جو دنیا میں کسی بھی شریف انسان کی عزیز ترین شے مانی جاتی ہے، اور اس کا رری ضرب کا نشانہ خاتم النبیین، اللہ کے محبوب ترین رسول اور سر زمین پر معزز ترین انسان تھے، اور اس کا خطرناک اور گھناؤنا مقصد رسول اللہ ﷺ کے دین و عقیدہ اور اس عظیم ترین مقصد کو نقصان پہنچانا تھا جس کی خاطر وہ دنیا میں مبعوث ہوئے تھے، ذیل میں اس نہایت تکلیف دہ واقعہ کو بیان کرتا ہوں جس نے مدینہ کی مسلم سوسائٹی کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی کرتے اور جس کا نام نکلتا اسے اپنے ساتھ اس سفر میں لے جاتے۔

چنانچہ آپ ﷺ نے ایک غزوہ کے موقع سے ہمارے درمیان قرعہ اندازی کی (مسند ابو یعلیٰ میں عائشہ سے مروی (۴۵۰/۴) روایت میں مذکور ہے کہ وہ غزوہ بنی المصطلق تھا) تو قرعہ میں میرا نام نکلا، ہم سب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر پر روانہ ہو گئے، اور یہ واقعہ پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد کا ہے، میں دوران سفر اپنے ہودج کے ساتھ اٹھا کر اونٹ پر بیٹھا دی جاتی تھی، پورے سفر میں ایسا ہی ہوتا رہا، یہاں تک کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنے غزوہ سے فارغ ہو کر واپس ہوئے اور ہم لوگ مدینہ کے قریب آ گئے تو آپ نے رات میں ہی چل دینے کا حکم دیا۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار کھو جانا اور فوج سے پیچھے رہ جانا:

جب سفر کا حکم صادر ہو گیا تو میں اٹھ کر چل پڑی یہاں تک کہ فوج سے آگے بڑھ گئی، اور قضائے حاجت سے فراغت کے بعد اونٹ کے کجاوے کے پاس لوٹ کر آئی تو اپنے گلے میں مجھے اپنا ہار نہیں ملا، وہ شاید ٹوٹ کر کہیں گر گیا تھا، میں فوراً واپس گئی اور اپنا ہار تلاش کرنے لگی اور اس کی تلاش میں مجھے دیر ہو گئی۔

اور جن صحابہ کے ذمہ میرے سفر کا اہتمام کرنا تھا، انہوں نے ہودج کو اٹھا کر اس اونٹ پر رکھ دیا جس

میں سوار ہوتی تھی، وہ سمجھ رہے تھے کہ میں ہودج میں ہوں۔

اس زمانے میں عورتیں ہلکی ہوتی تھیں، ان کے جسم پر گوشت اور چربی نہیں ہوتی تھی، اس لئے کہ انہیں قلیل مقدار میں کھانا ملتا تھا، اس لئے جن لوگوں نے ہودج اٹھایا، انہیں میرے اس کے اندر نہ ہونے کا احساس نہ ہوا، میں ایک کم سن لڑکی تھی، پھر انہوں نے اونٹ کو اٹھادیا، اور چل پڑے، فوج کی روانگی کے بعد مجھے اپنا ہار مل گیا تو اپنی جگہ واپس آئی، لیکن وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

اسی لئے میں اپنی سابق جگہ پر بیٹھ گئی، اس خیال سے کہ لوگوں کو جب ہودج میں میرے نہ ہونے کا علم ہوگا تو میرے پاس لوٹ کر آئیں گے، میں اپنی جگہ پر بیٹھی سو گئی، اور صفوان بن معطل السلمی وہاں رات کے آخری پہر میں پہنچ کر آرام کرنے کے لئے سو گئے، جب صبح ہوئی تو انہوں نے وہاں ایک آدمی کو سویا دیکھا، وہ میرے پاس آئے اور مجھے دیکھتے ہی پہچان گئے، اس لئے کہ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے وہ مجھے بارہا دیکھ چکے تھے، میں ان کی زبان سے انا اللہ وانا الیہ راجعون سن کر جاگ اٹھی اور اپنا چہرہ اپنے ذوپٹ سے ڈھانک لیا، اللہ کی قسم، انہوں نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی اور نہ میں نے ان کی زبان سے انا اللہ کے علاوہ کوئی لفظ سنا، انہوں نے اپنی سواری کو بیٹھا دیا، میں اس پر سوار ہو گئی، اور وہ اونٹنی کو ہانکتے ہوئے چل پڑے، یہاں تک کہ ہم فوج کے پاس دو پہر کے وقت پہنچے، اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس کی تقدیر میں میری عزت پر حملہ کر کے ہلاک ہونا لکھا تھا، وہ ہلاک ہو چکا تھا، اس بہتان تراشی کا سب سے پہلا مجرم عبد اللہ بن ابی بن سلول تھا۔

حادثہ اُفک کی خبر مدینہ میں:

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ہم لوگ مدینہ پہنچ گئے، مدینہ پہنچنے کے بعد میں ایک ماہ تک بیمار رہی، اور لوگ بہتان تراشوں کے بارے میں مختلف قسم کی باتیں کرتے رہے، اور مجھے کسی بات کی کوئی خبر نہیں ہوتی تھی، لیکن جو چیز مجھے بیماری کی حالت میں ایک گونا شک و شبہ میں مبتلا کرتی تھی، وہ یہ تھی کہ میں بیماری کی حالت میں پہلے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جس لطف و عنایت کا احساس کرتی تھی، اسے اس بار نہیں پاتی تھی، رسول اللہ ﷺ آتے، سلام کرتے اور پھر کہتے: تم کیسی ہو؟

آپ کا یہ انداز میرے لئے پریشان کن تھا، لیکن میں کسی بری خبر کا احساس نہیں کر پاتی تھی، یہاں تک کہ کچھ اچھی ہونے کے بعد ایک شام میں امّ مسطح کے ساتھ قضائے حاجت کے لئے نکلی، ان دنوں ہم لوگ قضائے حاجت کے لئے ایک رات کے بعد دوسری رات نکلا کرتے تھے، اس زمانے میں ہمارے گھروں میں قضائے حاجت کے لئے باپردہ جگہیں نہیں ہوتی تھیں، ہمارا حال زمانہ گزشتہ کے عربوں جیسا تھا، ہم اپنے گھروں کے

قریب قضائے حاجت کی جگہ میں بنانے کو برا سمجھتے تھے، میں اور امّ مسطح نکلیں، ان کا بیٹا مسطح بن اثاثہ بن عباد بن عبدالمطلب تھا، میں اور امّ مسطح قضائے حاجت کے بعد اپنے گھر کی طرف لوٹیں، تو امّ مسطح کا پاؤں چادر میں الجھ کر پھسل گیا، انہوں نے کہا: مسطح کا برا ہو، میں نے ان سے کہا: آپ ایک ایسے آدمی کو برا کہہ رہی ہیں جو بدری صحابی ہیں۔ انہوں نے کہا: اے مغفل لڑکی! کیا تم نے اس کی بات نہیں سنی؟ میں نے کہا: وہ کیا ہے، تو انہوں نے مجھے بہتان تراشوں کی کذب بیانی کی خبر دی، جسے سن کر میری بیماری اور بڑھ گئی، اور جب میں اپنے گھر لوٹی تو رسول اللہ ﷺ آئے اور کہا: تم کیسی ہو؟ میں نے کہا: کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں اپنے ماں باپ کے گھر جاؤں؟ عائشہ کہتی ہیں: میرا مقصد اپنے والدین کے ذریعہ خبر کی تصدیق کرنی تھی، رسول اللہ ﷺ نے مجھے اجازت دے دی، اور میں اپنے ماں باپ کے پاس آئی، اور اپنی ماں سے کہا: امی جان! لوگ کیا باتیں کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا: بیٹی! پریشان نہ ہو، اللہ کی قسم! جب بھی کسی خوبصورت لڑکی سے اس کا شوہر محبت کرتا ہے، اور اس کی سونکھیں ہوتی ہیں تو سب مل کر اس میں عیب نکالتی ہیں۔ عائشہ کہتی ہیں: میں نے کہا: سبحان اللہ، تو کیا لوگ اس بارے میں باتیں کرتے رہے ہیں؟ عائشہ کہتی ہیں: میں ساری رات روتی رہی، صبح تک میرا آنسو نہیں رُکا، اور صبح کے بعد بھی روتی رہی۔

رسول اللہ ﷺ کا صحابہ کرام سے مشورہ:

رسول اللہ ﷺ نے علی بن ابوطالب اور اسامہ بن زید کو بلایا، تاکہ اپنی بیوی کو طلاق دینے کے بارے میں ان سے مشورہ کریں، اس لئے کہ اس سلسلے میں اب تک کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی، عائشہ کہتی ہیں: اسامہ نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کی بیوی کی براءت اور پاکدامنی کا یقین دلایا، اور تمام اہل بیت سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: اے اللہ کے رسول! وہ آپ کی بیوی ہیں، اور ہم لوگ سوائے اچھی بات کے کوئی بری بات نہیں جانتے۔

لیکن علی بن ابوطالب نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ پر عورتوں کا دروازہ تنگ نہیں کر دیا ہے، اگر آپ لونڈی سے پوچھیں گے، تو وہ آپ کو بچ بتا دے گی، آپ نے بریرہ کو بلایا، اور کہا: اے بریرہ! کیا تو نے عائشہ کی طرف سے شک و شبہ کی کوئی بات دیکھی ہے؟ بریرہ نے کہا: اس اللہ کی قسم! جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں نے ان کی طرف سے کبھی کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جسے میں نے معیوب جانا ہو، سوائے اس کے کہ وہ کم سن لڑکی ہیں، آٹا گوندھ کر سو جاتی ہیں، اور بکری آکر اسے کھا جاتی ہے۔

عائشہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے اور عبد اللہ بن ابی بن سلول کا ذکر کرتے ہوئے

فرمایا: اے مسلمانو! مجھے کون اس آدمی کے بارے میں معذور جانے گا جس کی اذیت میرے گھروالوں کے سلسلے میں انتہاء کو پہنچ چکی ہے، اللہ کی قسم! میں نے اپنی بیوی کے بارے میں سوائے اچھی بات کے کوئی بری بات نہیں جانی ہے، اور لوگوں نے ایک ایسے مسلمان آدمی کا نام لیا ہے جس کے بارے میں بھی میں سوائے اچھی بات کے کوئی بری بات نہیں سنی ہے، اور وہ میرے گھر میں صرف میرے ساتھ داخل ہوتے تھے۔ یہ سن کر سعد بن معاذ انصاری کھڑے ہو گئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کو اس کے بارے میں معذور سمجھتا ہوں، اگر وہ اس کا کوئی آدمی ہے تو ہم اس کی گردن مار دیں گے، اور اگر وہ ہمارے خزر جی بھائیوں میں سے ہے، تو آپ ہمیں حکم دیں گے اور ہم آپ کے حکم کی تعمیل کریں گے۔

عنقریب تھا کہ فتنہ کی آگ بھڑک اُٹھتی:

یہ سن کر خزر ج کے سردار سعد بن عبادہ کھڑے ہو گئے، جو ایک نیک آدمی تھے، لیکن عصبیت ان پر غالب آ گئی اور سعد بن معاذ سے کہنے لگے: اللہ کی قسم! تم جھوٹ بولتے ہو، تم اسے قتل نہیں کر سکتے، یہ سن کر اسید بن حضیر کھڑے ہوئے جو سعد بن معاذ کے چچا زاد بھائی تھے، اور سعد بن عبادہ سے کہا: بلکہ تم جھوٹے ہو، ہم اسے یقیناً قتل کر دیں گے، تم منافق ہو، اور منافقوں کا دفاع کر رہے ہو۔ پھر اس و خزر ج دونوں قبیلے بھرا اُٹھے اور جنگ و قتال پر آمادہ ہو گئے، رسول اللہ ﷺ اس وقت تک منبر پر کھڑے تھے، آپ ﷺ ان سب کو خاموش کرتے رہے، یہاں تک کہ سب چپ ہو گئے اور آپ بھی چپ ہو گئے۔

عائشہ کہتی ہیں: میں سازا دن روتی رہی، نہ آنسو تھتا تھا اور نہ نیند آتی تھی، دوسری رات بھی روتی رہی، نہ آنسو تھا اور نہ نیند آئی، اور میرے والدین کو گمان ہو چلا کہ مسلسل رونے سے میرا کلیجہ پھٹ جائے گا، وہ دونوں میرے پاس بیٹھے تھے اور میں رو رہی تھی کہ ایک انصاری عورت اجازت لے کر میرے پاس آئی اور بیٹھ کر میرے ساتھ رونے لگی۔

عائشہ کہتی ہیں: ہم سب اسی حال میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ آئے، سلام کیا، اور بیٹھ گئے۔ عائشہ کہتی ہیں کہ جب سے یہ جھوٹی خبر پھیلی تھی آپ میرے پاس کبھی نہیں بیٹھے تھے۔

رسول اللہ کا عائشہ سے استفسار:

ایک مہینہ گزر گیا تھا اور میرے بارے میں آپ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی، آپ ﷺ نے پہلے شہادت کا کلمہ پڑھا: پھر کہا: اے عائشہ! تمہارے بارے میں مجھے ایسی اور ایسی خبر ملی ہے، اگر تم پاکدامن ہو تو اللہ

عنقریب تمہاری براءت وپاکدامنی کو ظاہر کر دے گا، اور اگر تم سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے تو اللہ سے مغفرت مانگو، اور اس کی جناب میں توبہ کرو، اس لئے کہ بندہ جب گناہ کا اعتراف کر لیتا ہے اور تائب ہو جاتا ہے تو اللہ اس کی توبہ کو قبول کر لیتا ہے۔

عائشہ کہتی ہیں: جب رسول اللہ ﷺ کی بات ختم ہوئی، تو میرے آنسو ٹھہر گئے، میں اس کا ایک قطرہ بھی اپنی آنکھ میں محسوس نہیں کر رہی تھی، میں نے اپنے والد سے کہا: آپ میری طرف سے رسول اللہ ﷺ کو جواب دیجئے، ابو بکر نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے نہیں معلوم کہ میں رسول اللہ کو کیا کہوں؟ پھر میں نے اپنی والدہ سے کہا: آپ میری طرف سے رسول اللہ ﷺ کو جواب دیجئے، تو انہوں نے بھی کہا: اللہ کی قسم! مجھے نہیں معلوم کہ میں رسول اللہ ﷺ کو کیا کہوں؟

تو میں نے کہا: میں ایک کم سن لڑکی ہوں، زیادہ قرآن پڑھنا نہیں جانتی، میں اللہ کی قسم! جانتی ہوں کہ آپ لوگوں نے یہ بات سنی اور آپ کے دل و دماغ میں بیٹھ گئی اور اسے سچ مان لیا، اگر میں آپ سب سے کہوں کہ میں بری ہوں اور اللہ جانتا ہے کہ میں بری ہوں، تو آپ لوگ میری بات نہیں مانیں گے، اور اگر میں کسی بات کا اعتراف کر لوں، حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ میں بری ہوں تو آپ لوگ فوراً میری تصدیق کر بیٹھیں گے، اللہ کی قسم! میری اور آپ لوگوں کی مثال ویسی ہی ہے جیسی یوسف علیہ السلام کے باپ یعقوب علیہ السلام نے کہی تھی: ﴿فَصَبَّرْ جَمِيلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ﴾ (پس مجھے اچھے صبر سے کام لینا ہے، اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اس پر اللہ سے ہی مدد مانگنی ہے) [یوسف: ۱۸]۔

عائشہ کہتی ہیں: پھر میں وہاں سے اٹھ کر اپنے بستر پر لیٹ گئی، اور اللہ کی قسم! مجھے معلوم تھا کہ میں بری ہوں، اور یقین تھا کہ اللہ ضرور میری براءت کو ظاہر کرے گا، لیکن اللہ کی قسم! میں کبھی بھی یہ نہیں سمجھتی تھی کہ میرے بارے میں وحی نازل ہوگی جس کی تلاوت کی جائے گی، میں تو اپنے آپ کو اس سے حقیر سمجھتی تھی کہ اللہ میرے بارے میں قرآن کریم میں آیت نازل فرمائیں گے، جسے دنیا پڑھا کرے گی، میں تو یہ امید لگائے بیٹھی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کوئی خواب دیکھیں گے جس میں اللہ تعالیٰ انہیں میری براءت کی خبر دیں گے۔

براءتِ عائشہ کے سلسلہ میں نزولِ وحی:

عائشہ کہتی ہیں: اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ ابھی اپنی جگہ سے اٹھے بھی نہیں تھے، اور نہ میرے گھر والوں میں سے کوئی باہر گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر وحی نازل فرمائی، اور آپ ﷺ پر وہ کیفیت طاری ہو گئی جو عام طور پر نزولِ وحی کے وقت طاری ہوتی تھی، اور آپ کی پیشانی پر پسینہ کے قطرے ظاہر ہونے لگے۔

عائشہ کہتی ہیں: جب رسول اللہ ﷺ پر وحی تمام ہو گئی تو آپ ہنسنے لگے، اور پہلا کلمہ جو آپ کی زبان سے نکلا، وہ یہ تھا کہ اے عائشہ! خوش ہو جاؤ، اللہ نے تمہاری براءت بیان کر دی۔

میری والدہ نے مجھ سے کہا: اٹھو، رسول اللہ ﷺ کا شکریہ ادا کرو، میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں آپ ﷺ کا شکریہ ادا نہیں کروں گی، اور اللہ کے سوا کسی کی تعریف نہیں کروں گی، جس نے میری براءت بیان کی ہے، عائشہ کہتی ہیں: اللہ عزوجل نے مندرجہ ذیل دس آیتیں نازل فرمائی تھیں: ﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ (۱۱) وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ (۱۲) وَلَوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَقَوْلُكَ عِنْدَ اللَّهِ هُمْ الْكَاذِبُونَ (۱۳) وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ (۱۴) إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ (۱۵) وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَذَا سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ (۱۶) يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (۱۷) وَيُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (۱۸) إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (۱۹) وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَعُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿﴾ (بے شک جن لوگوں نے (عائشہ پر) تہمت لگائی ہے، وہ تم ہی میں سے ہیں، تم لوگ اس بہتان تراشی کو اپنے لئے برائہ سمجھو، بلکہ اس میں تمہارے لئے خیر ہے، ان میں سے ہر آدمی کو اپنے کئے کے مطابق گناہ ہوگا، اور ان میں سے جس نے اس افترا پر دازی کی ابتدا کی ہے اس کے لئے بڑا عذاب ہے، جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تو مسلمان مردوں اور عورتوں نے اپنے ہی جیسے مسلمان مردوں اور عورتوں کے بارے میں اچھا گمان کیوں نہیں کیا، اور کیوں نہیں کہہ دیا کہ یہ تو کھلم کھلا بہتان ہے، افترا پر دازوں نے اپنی سچائی پر چار گواہ کیوں نہیں پیش کئے، پس جب وہ چار گواہ نہیں لائے تو وہی لوگ اللہ کے نزدیک پکے جھوٹے ہیں، اور اگر تم پر دنیا و آخرت میں اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو اس بارے میں تمہاری چہ میگوئیوں کی وجہ سے تمہیں ایک بڑا عذاب آ لیتا، جب تم لوگ اس بہتان کو ایک دوسرے سے نقل کرتے تھے، اور اپنی زبان پر ایسی بات لاتے تھے جس کا تمہیں کوئی علم نہیں تھا، اور تم لوگ اسے ایک معمولی بات سمجھتے تھے، حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی تھی، اور جب تم

لوگوں نے یہ جھوٹی خبر سنی تو کیوں نہیں کہا: ہمارے لئے یہ مناسب نہیں کہ ایسی بات کریں، اے ہمارے رب! تو تمام عیوب سے پاک ہے، یہ تو بہت بڑا بہتان ہے، اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر تم مسلمان ہو تو دوبارہ کبھی ایسی غلطی نہ کرنا، اور اللہ تمہارے لئے اپنی آیتوں کو کھول کر بیان کرتا ہے، اور اللہ خوب جاننے والا، بڑی حکمتوں والا ہے، جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں کے درمیان بدکاری رواج پائے، ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے، اور اللہ کو سب کچھ معلوم ہے اور تم کچھ بھی نہیں جانتے ہو، اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ یقیناً بہت شفقت کرنے والا، نہایت مہربان ہے۔ [تو تمہیں سخت عذاب دیتا] (النور: ۱۱-۲۰)۔

عائشہ کہتی ہیں: ابو بکر نے سطح کے بارے میں کہا جن پر وہ اس کی قرابت داری اور محتاجی کے سبب خرچ کرتے تھے: اللہ کی قسم! اب میں کبھی اس آدمی پر کچھ خرچ نہیں کروں گا، تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿وَلَا يَأْتِلْ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (اور تم میں سے جو لوگ صاحب فضل اور صاحب حیثیت ہیں، وہ رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہ دینے کی قسم نہ کھالیں، بلکہ معاف کر دیں اور درگزر کر دیں، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے، اور اللہ بڑا معاف کرنے والا، نہایت مہربان ہے) (النور: ۲۲)۔

اس آیت کو سن کر ابو بکر نے کہا: اللہ کی قسم! میں یقیناً اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اللہ میری مغفرت فرمادے، پھر انہوں نے سطح کا نفع دوبارہ جاری کر دیا، اور کہا: میں اب کبھی بھی اسے بند نہیں کروں گا۔ عائشہ کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیوی زینب بنت جحش سے میرے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں اپنے کان اور اپنی آنکھ کی ایسی گندی بات سے حفاظت کرتی ہوں، اللہ کی قسم! میں عائشہ کے بارے میں سوائے اچھائی کے کوئی بری بات نہیں جانتی۔

عائشہ کہتی ہیں: یہی زینب بنت رسول اللہ ﷺ کے پاس فخر و مباہات میں میرا مقابلہ کرتی تھیں، اس کے باوجود اللہ نے ان کے تقویٰ کے سبب ان کی حفاظت فرمائی۔ ان کی بہن حمنہ بنت جحش ان کے بارے میں عائشہ سے لڑتی تھی، اور بہتان تراشی کے اس حادثہ میں ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہو گئی (۱)۔

(۱) صحیح البخاری، المغازی، حدیث (۴۱۳۱) صحیح مسلم، کتاب التوبہ، حدیث: (۲۷۷۰)۔

فتنہ انگیز عبد اللہ بن ابی:

عائشہ کہتی ہیں: اس بارے میں مسطح، حسان بن ثابت اور منافق عبد اللہ بن ابی زیادہ باتیں کرتے تھے، اور ابن ابی ہی زیادہ اس کی کرید میں لگا رہتا تھا، اس نے اور حمہ نے سب سے پہلے اس فتنہ کو ہوا دی تھی^(۱)

تہمت دھرنے والوں پر حدّ قذف:

عائشہ کہتی ہیں: جب میری براءت کی آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے اور ان آیتوں کی تلاوت فرمائی اور منبر سے اترنے کے بعد دو مرد اور ایک عورت پر حدّ قذف جاری کرنے کا حکم صادر فرمایا، چنانچہ ان پر حد جاری کیا گیا^(۲)

ان تینوں مخلص مسلمانوں کے لئے کسی طرح مناسب نہ تھا کہ وہ منافقین کے جال میں پھنستے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ﴾ (جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تو مسلمان مردوں اور عورتوں نے اپنے ہی جیسے مسلمان مردوں اور عورتوں کے بارے میں اچھا گمان کیوں نہیں کیا، اور کیوں نہیں کہہ دیا کہ یہ تو کھلم کھلا بہتان ہے) [النور: ۱۲] اس لئے کہ مومنوں پر واجب ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے گھرانے کے بارے میں پورے طور پر چوکنا رہیں اور ان کا کامل اعتماد اور ایمان ہو کہ نبی کے گھرانے کے افراد ایسے گناہ میں ہرگز مبتلا نہیں ہو سکتے تاکہ اسلامی دعوت کے دل میں خنجر پیوست نہ ہو جائے، اسی لئے ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ نے جب اس جھوٹے بہتان کے بارے میں سنا تو بغیر کسی توقف کے کہا: اللہ کی ذات تمام عیوب سے پاک ہے، ہمارے لئے ایسی بات کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں، یقیناً یہ بہتان عظیم ہے^(۳)

ممکن ہے کوئی شخص کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبد اللہ بن ابی پر حد کیوں نہیں جاری کیا، حالانکہ سب سے پہلا فتنہ انگیز وہی تھا، تو اس سے کہا جائے گا کہ بظاہر حدود جاری کرنے کی سب سے بڑی حکمت گناہ گار کو اس کے گناہ سے پاک کرنا ہے اور اس مجرم و منافق کو تو اللہ تعالیٰ نے آخرت میں بڑے عذاب کی دھمکی دے رکھی ہے، اس لئے اس پر حد جاری نہیں کیا گیا، تاکہ اس کا کندھا اس عظیم گناہ اور اس کے علاوہ دیگر بڑے گناہوں سے بوجھل نہ رہے، جن کا وہ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ آنے کے بعد پوری زندگی میں ارتکاب کرتا رہا تھا، تاکہ قیامت کے

(۱) صحیح البخاری، حدیث: (۴۷۵۷)، صحیح مسلم، حدیث: (۲۷۷۰)

(۲) سنن الترمذی، التفسیر، حدیث: (۳۱۸)، سنن ابن ماجہ، الحمد، حدیث: (۲۷۶۵)، مصنف عبد الرزاق، (۱۹۰۵)، مستدرج: ۶۱۶

(۳) فتح الباری: ۳۴۳/۱۳

دن جب وہ اللہ سے ملے تو عظیم تر ہلاکت و بربادی کا مستحق بنے۔

اس مجرم پر حد جاری نہ کرنے کے ظاہری اور اہم اسباب میں سے یہ بھی تھا کہ اس کے ساتھ منافقین اور یہود کی ایک جماعت ملی ہوئی تھی، جو مسلمانوں کی ابتلاء و آزمائش کا انتظار کرتی رہتی تھی، اور اس و خزر ج کے درمیان نیز مہاجرین اور انصار کے درمیان فتنہ و شر انگیزی کے لئے اوقات و حالات کا انتظار کرتی رہتی تھی، اس لئے دعوت الی اللہ کی حکمت اور اسلامی اسٹیٹ کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کا تقاضا تھا کہ رسول اللہ ﷺ ان منافقین و یہود کو مسلمانوں کی صفوں میں کسی فتنہ انگیزی کا موقع نہ دیں، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے اس بد بخت منافق کی بہت سی شر انگیزیوں کو نظر انداز کرنا اور اس بارے میں خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا تھا۔

اور اللہ تعالیٰ نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ان کے صبر اور حسنِ توکل کا یہ بہتر بدلہ عطا فرمایا کہ ان کی براعت میں قرآن نازل فرمایا جسے مسلمان رہتی دنیا تک تلاوت کرتے رہیں گے، اور بلاشبہ ام المومنین عائشہ کے لئے یہ ایک بہت ہی بڑا شرف و اعزاز تھا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کو زندگی بھر اس کا احساس بھی رہا، اسی لئے وہ کہا کرتی تھیں کہ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میرے بارے میں وحی نازل ہوگی جس کی لوگ تلاوت کریں گے، اس لئے کہ میری حیثیت خود میری نگاہ میں ایسی نہیں تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں کلام کریں گے، اور وحی نازل کریں گے جس کی تلاوت کی جائے گی۔

رسول اللہ ﷺ کی شادی جویریہ بنت الحارث سے :

ان کا نام جویریہ بنت الحارث بن ابی ضرار مصطلقہ خزاعیہ تھا۔ عائشہ کہتی ہیں کہ جب اللہ کے رسول نے بنی مصطلق کے قیدیوں کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کیا تو جویریہ بنت الحارث، ثابت بن قیس بن شماس یا ان کے کسی چچا زاد بھائی کے حصے میں آگئیں، تو جویریہ نے ان کے ساتھ اپنے معاملے میں مکاتبت^(۱) کر لی، وہ نہایت خوبصورت تھیں، انہیں جب بھی کوئی دیکھتا تو ان کے حسن و ملامت سے مسحور ہو جاتا، مکاتبت کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آپ سے اس سلسلے میں مالی تعاون حاصل کرنے کے لئے آئیں، عائشہ کہتی ہیں: اللہ کی قسم! جب میں نے انہیں اپنے کمرے کے دروازے پر دیکھا تو اچھا نہیں سمجھا، اور مجھے یقین ہو گیا کہ آپ ﷺ اس سے ضرور متاثر ہو جائیں گے۔

وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئیں، اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں اپنی قوم کے سردار حارث کی بیٹی جویریہ ہوں، اور مجھ پر وہ مصیبت آپڑی ہے جو آپ سے مخفی نہیں، میں نے اپنے سلسلے میں مکاتبت کی ہے، آپ مکاتبت

(۱) مکاتبت یہ ہے کہ جنگ میں قید کیا گیا غلام، یا قید کی گئی لونڈی اپنے مالک سے سمجھوتہ کر لے کہ وہ ایک متعین رقم اے ادا کر کے آزاد ہو جائے گی۔

کامال ادا کرنے کے لئے میری مدد کیجئے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس سے بہتر معاملہ چاہتی ہو؟ اس نے کہا: وہ کیا ہے، اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: میں تمہاری مکاتبت کی رقم ادا کر دوں اور تم سے شادی کر لوں، انہوں نے کہا: ہاں، اے اللہ کے رسول۔ عائشہ کہتی ہیں: لوگوں میں یہ خبر عام ہو گئی کہ رسول اللہ ﷺ نے جویریہ بنت الحارث سے شادی کر لی ہے، اور لوگ یہ بھی کہنے لگے کہ بنی المصطلق کے قیدی رسول اللہ ﷺ کے رشتہ دار ہو گئے، اس لئے سب نے اپنے اپنے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ عائشہ کہتی ہیں کہ آپ کی جویریہ سے شادی نے بنی المصطلق کے سو گھرانوں کو آزادی دلائی، میں ان سے زیادہ کسی عورت کو اپنی قوم کے لئے بابرکت نہیں جانتی (۲)۔

حارث بن ابی ضرار مدینہ آئے اور رسول اللہ ﷺ سے طلب کیا کہ آپ ان کی بیٹی کو چھوڑ دیں تو آپ نے ان سے کہا کہ وہ اپنی بیٹی کو اختیار دیں، انہوں نے اپنی بیٹی جویریہ کو اختیار دیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنے کو اختیار کر لیا۔ بعد میں حارث بن ابی ضرار اور ان کی قوم کے لوگ اسلام لے آئے، اور آپ ﷺ نے ان کو اپنی قوم سے وصولی زکاۃ کا نگر اں بنا دیا (۱)۔

رسول اللہ ﷺ کی جویریہ سے شادی اور ان کی قوم کے قیدیوں کی آزادی کا بنی المصطلق کے دلوں پر بہت ہی اچھا اور گہرا اثر پڑا، چنانچہ ان تمام نے اسلام قبول کر لیا، اور اللہ اور اس کے رسول کے تابع فرمان بن گئے، اور اسلام کے دفاع میں زندگی بھر جہاد کرتے رہے۔ اس غزوہ سے مستفاد شرعی احکام:

علمائے کرام نے اس غزوہ کی تفصیلات اور اس بارے میں نازل شدہ آیات قرآنیہ سے شرعی احکام مستنبط کئے ہیں، جن میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں:

۱- جن کافروں کو اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہو، ان پر اچانک حملہ کرنا جائز ہے، اور جنہیں اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو ان پر حملہ کرنے سے پہلے اسلام کی دعوت دینی واجب ہے۔

۲- لوٹڈی کی آزادی کو اس کا مہر بنانا صحیح ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے ام المومنین جویریہ بنت الحارث کے ساتھ اور غزوہ خیبر میں صفیہ بنت حبیب بن اخطب کے ساتھ کیا۔

۳- سفر کے وقت بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی مشروع ہے، تاکہ سفر میں اُسے ساتھ لے جایا جائے

(۱) مسند احمد: ۲/۷۷، مستدرک حاکم: ۲/۲۶۸، دلائل التبیح: ۴۹/۴۳۔

(۲) السیرۃ النبویۃ الصحیح: ص ۱۱۳۔

جس کے نام کا قرعہ نکلے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس غزوہ میں کیا، اور قرعہ عائشہ کے نام نکلا۔

۴- جھوٹی تہمت دھرنے والوں اور بہتان تراشوں پر حد جاری کرنا قرآن و سنت سے ثابت ہے۔

۵- عربوں کو غلام بنانا جائز ہے، جیسا کہ اس غزوہ میں بنی المصطلق کو غلام بنالیا گیا، حالانکہ وہ قبیلہ خزاعہ کے عرب تھے۔

۶- علمائے امت کا اجماع ہے کہ جو شخص عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دے گا، اور ان پر منافقین کی طرح تہمت دھرنے گا وہ بلاشبہ کافر ہوگا، اس لئے کہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا اور قرآن کریم کا انکار کیا۔

۷- بیویوں سے عزل کرنا (یعنی خارج رحم انزال کرنا) جائز ہے، اس لئے کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی، اور فرمایا: اگر تم ایسا نہ کرو تب بھی کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ قیامت کے دن تک جس روح کو بھی پیدا ہونا ہے وہ پیدا ہو کر رہے گی۔ اس لئے جمہور علماء نے آزاد بیویوں کی اجازت سے عزل کو جائز قرار دیا ہے۔

۸- حادثہ اُفک اس بات کی صریح دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ غیب کا علم نہیں رکھتے تھے اور کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کہتے تھے، اس حادثہ کے موقع سے ایک ماہ سے زیادہ وحی نازل نہیں ہوئی اور نبی کے گھرانے اور مسلم سوسائٹی میں شدید پریشانی اور اضطراب کا عالم رہا، لیکن آپ ﷺ نے کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کہی، یہاں تک کہ عائشہ کی براءت میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر وحی نازل فرمائی۔ اور آپ نے صحابہ کرام کے سامنے ان آیتوں کی تلاوت فرمائی جن میں عائشہ صدیقہ کی براءت کا بیان آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ کہف میں فرمایا ہے:

﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾ (آپ کہتے کہ میں تو تمہارے ہی جیسا ایک انسان ہوں، مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہے، تو جو شخص اپنے رب سے ملنے کا یقین رکھتا ہے، اسے چاہئے کہ نیک عمل کرے، اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے) [الکہف: ۱۱۰] نیز فرمایا ہے:

﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ (۴۴) لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ (۴۵) ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ (۴۶) فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ﴾ (اور اگر (میرے نبی) بعض باتیں گھڑ کر میری طرف منسوب کر دیتے، تو ہم ان کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے، پھر ہم ان کی شہ رگ کاٹ دیتے، پھر تم میں سے کوئی ہمیں روکنے والا نہ

ہوتا) [الحاقہ: ۴۴-۴۷] (۱)



غزوہ خندق

اس غزوہ کا نام غزوہ خندق اس خندق کی اہمیت کے سبب پڑ گیا جسے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام نے مکی فوج اور ان عرب گردہوں کو روکنے کے لئے کھودا تھا جو اہل مدینہ کے خلاف جنگ کرنے کے لئے کفارِ قریش کے ساتھ جمع ہو گئے تھے، اسے غزوہ احزاب بھی کہا جاتا ہے، اس لئے کہ مشرکین کے بہت سے گردہ جمع ہو کر مدینہ اس لئے آئے تھے کہ وہ اپنے زعمِ باطل کے مطابق مسلمانوں کو یکسر ختم کر دینا چاہتے تھے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان گردہوں کو احزاب یعنی مختلف گردہوں کا نام دے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا﴾ (اور جب مومنوں نے دشمنوں کی فوجوں کو دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ تو وہی چیز ہے جس کا ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ کیا تھا، اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا، اور اس بات نے تو ان کے ایمان اور طاعت و فرمانبرداری کو اور بڑھا دیا) [الاحزاب: ۲۲]۔

یہ غزوہ جمہور علماء کے قول کے مطابق ماہ شوال سن ۵ ہجری میں ہوا، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اسی قول کو ترجیح دی ہے اور ان لوگوں کی تردید کی ہے جو کہتے ہیں کہ یہ غزوہ ماہ شوال سن ۴ ہجری میں ہوا، اور اس کا سبب بیان کیا ہے، نیز کہا ہے کہ یہ قول قابلِ اعتماد نہیں ہے۔

ابن القیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ غزوہ دو قولوں میں سے زیادہ صحیح قول کے مطابق ماہ شوال سن ۵ ہجری میں ہوا تھا، اس لئے کہ اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ غزوہ احد شوال سن ۳ ہجری میں ہوا تھا، اور مشرکوں نے رسول اللہ ﷺ سے آئندہ سال جنگ کرنے کا وعدہ کیا تھا، جو سن ۴ ہجری ہوتا ہے، لیکن انہوں نے اس سال کی قحط سالی کے سبب وعدہ پورا نہیں کیا، اور لوٹ گئے، اور جب پانچواں سال ہوا تو کفارِ قریش آپ سے جنگ کرنے کے لئے مدینہ آ گئے، مؤرخین سیر و مغازی کے نزدیک یہی قول رائج ہے ^(۱)۔

اس غزوہ کے دواہم اسباب:

مؤرخین سیرت اس غزوہ کے دواہم اسباب بتائے ہیں:

پہلا سبب:

مسلمانوں اور مشرکین قریش کے درمیان مستقل جنگی چھیڑ چھاڑ۔ مشرکین کی طرف سے ہر وقت جنگ کا

(۱) دیکھئے: سیرۃ ابن ہشام: ۲/۳۱۴، فتح الباری، المغازی: ۷/۳۹۳، دلائل البیہقی: ۳/۳۹۲، ۳۹۳۔

اعلان رہتا تھا، اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام ہر لمحہ مرکز اسلام مدینہ منورہ اور وہاں رہنے والے مہاجرین و انصار کا دفاع کرنے کے لئے چوکنا اور تیار رہتے تھے۔

ایک اہم سبب جس نے مسلمانوں کے خلاف نئے سرے سے ان کے غیظ و غضب کو بھڑکا دیا تھا وہ غزوہ احد میں ان کی محرومی و نامرادی تھی، ان کا خیال تھا کہ وہ مدینہ منورہ میں داخل ہو کر مسلمان عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل کر دیں گے، لیکن اللہ نے ان کے اس زعم باطل کو یکسر ناکام بنا دیا، اور وہ مکہ لوٹ گئے، اس لئے کہ حقیقت میں ان کے دل رعب اور خوف و دہشت سے بھرے ہوئے تھے اور ایک لمحہ کے لئے بھی انہوں نے مدینہ میں داخل ہونے کی نہیں سوچی، جیسا کہ اس سلسلے کی تفصیل گزر چکی ہے۔

غزوہ احد کے بعد ان کا شام کی طرف جانے والا تجارتی راستہ بند ہو گیا اور ان کے تمام فوجی اور اقتصادی منصوبے ناکام ہو گئے، اس غزوہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فوجی دستوں کو ہر چار طرف بھیجنے میں بہت زیادہ تیزی کی، تاکہ مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کرنے والے ہر کافر کا سر کچل دیا جائے، اس لئے مکہ میں موجود مشرکین کے دل مسلمانوں کی بڑھتی طاقت کو دیکھ کر غم و اندوہ سے بھر گئے، اور جب سے مدینہ سے لوٹ کر مکہ پہنچے، اسی فکر میں لگے رہے کہ وہ عرب قبائل اور خاندانوں کو جمع کریں اور انہیں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے ڈرائیں، اور ان سے جنگ کرنے پر انہیں ابھاریں، اور ان کے دل میں اس بات کو اچھی طرح بٹھادیں کہ اگر وہ مدینہ جا کر مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے مشرکین قریش کے ساتھ جمع نہیں ہوں گے، تو ایک دن یہ مسلمان ان قبائل پر حملہ کر کے ان کا صفایا کر دیں گے، غزوہ خندق کا یہی سب سے پہلا سبب تھا۔

دوسرا سبب:

یہود بنی نضیر کو مدینہ سے نکالنا اور ان کی شرانگیزی اور فتنہ انگیزی سے بچنے کے لئے انہیں وہاں سے خیر کی طرف بھگا دینا۔ لیکن دشمن خاموش نہیں رہتا اور کبھی بھی اپنی سازشوں سے باز نہیں آتا، اور جو شخص اپنے دشمنوں کے بارے میں اس کے سوا کوئی خوش خیالی رکھتا ہے، وہ یقیناً بے وقوف اور مغفل ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ بلاشبہ ذی ہوش اور بیدار مغز انسان تھے اور وحی الہی ان کی تائید کر رہی تھی، اسی لئے آپ کبھی بھی یہود اور ان کی سازشوں کی طرف سے مطمئن نہیں ہوئے۔

یہود بنو نضیر خیر میں رہتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف سازش کرتے رہے اور چپکے چپکے جنگ کی تیاری، اور کافروں اور منافقوں کے ساتھ جوڑ توڑ کرتے رہے، چنانچہ ان کے کئی لیڈر مکہ گئے، تاکہ کفار قریش اور دیگر قبائل عرب کے ساتھ نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے معاہدہ کریں، ان لیڈروں میں بنی

تفسیر کے حیی بن اخطب، سَلَام بن مشکم، سلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق اور ابوہزہ بن قیس وائل، ابوعمار وائل اور حویر بن عامر وغیرہ تھے، جب یہ لوگ مکہ پہنچے، اور زعمائے مشرکین سے مل کر انہیں مسلمانوں کے خلاف جنگ پر ابھارا، اور ان سے وعدہ کیا کہ وہ لوگ ان کی ضرورتیں مدد کریں گے، اور میدانِ کارزار میں ان کے شانہ بشانہ کھڑے ہوں گے، اور جنگ میں پوری طرح ان کا ساتھ دیں گے تو قریشیوں نے ان کی بات مان لی۔

اور اُن سے کہا: اے جماعتِ یہود! تم لوگ پہلی آسمانی کتاب والے ہو، اور جس بارے میں ہمارا اور محمد کا اختلاف ہے اسے خوب جانتے ہو، بتاؤ کہ ہمارا دین بہتر ہے یا اس کا دین؟ انہوں نے کہا: بلکہ تمہارا دین اس کے دین سے زیادہ بہتر ہے اور تم لوگ اس کے مقابلے میں تائیدِ الہی کے زیادہ حقدار ہو، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں نازل فرمایا: ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَالطَّاعُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَؤُلَاءِ أَهْدَى مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا (۵۱) أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ وَمَنْ يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا﴾ (کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتابِ الہی کا ایک حصہ دیا گیا ہے کہ وہ بتوں اور شیطانوں پر ایمان رکھتے ہیں، اور کافروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں کے مقابلے میں زیادہ صحیح راستہ پر ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت بھیج دی ہے، اور جس پر اللہ لعنت بھیج دے، آپ اُس کا کوئی مددگار نہ پائیں گے) [النساء: ۵۱-۵۲]۔

پھر یہ زعمائے یہود مکہ سے دیارِ نجد کی طرف گئے اور غطفان کے بڑے قبیلے کے ساتھ مسلمانوں سے جنگ کرنے کا معاہدہ کیا، پھر قبائلِ عرب میں گھوم گھوم کر سب کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر اکساتے رہے، جس کے نتیجے میں بہت سے قبائل نے ان کی بات مان لی اور یہود کی کوششوں سے مشرکین کی جماعتوں نے مسلمانوں کے خلاف آپس میں ایک زبردست معاہدہ کیا۔

موسیٰ بن عقبہ لکھتے ہیں کہ یہودیوں کے وفد نے قبیلہ غطفان سے خیبر کی آدھی کھجور کا وعدہ کر دیا، تاکہ انہیں بہر حال اس معاہدہ میں شرکت پر مجبور کر دیں^(۱)۔

چنانچہ کفارِ قریش ابو سفیان کی قیادت میں چار ہزار کا لشکر جرار لے کر جنوب کی طرف سے نکلے، اور ان کے ساتھ بنی سلیم، کنانہ اور اہلِ تہامہ سے ان کے حلفاء بھی تھے۔

اور مشرق سے قبائلِ غطفان: بنو فزارہ جن کا قائد عیینہ بن حصن تھا، اور بنو مرہ جن کا قائد حارث بن عوف تھا، اور بنو اشجع جن کا قائد مسعر بن رخیلہ بن مغیرہ تھا وغیرہم نکلے، نیز مشرک قبائل میں سے بنو اسد وغیرہ

(۱) دیکھئے: سیرۃ ابن ہشام: ۲/۲۱۲، صحیح السیرۃ النبویہ، ابراہیم: ص ۳۵۱-۳۵۲۔

بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔

کفار قریش اور ان کے حلفاء کے اکٹھا ہونے کی جگہ مر الظہران مقرر تھی جو مکہ سے چالیس کیلو میٹر کی دوری پر ہے، چنانچہ تمام حلفاء اس جگہ جمع ہو کر ایک ساتھ مدینہ کی طرف چلے، ان کی مجموعی تعداد دس ہزار سے زیادہ تھی، ان تمام عورتوں، بچوں، جوانوں، اور بوڑھوں کی تعداد سے زیادہ جو مدینہ میں رہتے تھے۔ اور حُرف اور زعابہ کے درمیان سیلابی پانی کے جمع ہونے کی جگہ پر خیمہ زن ہو گئے، اور غطفان اور بنو اسد کے لوگ احد کے بغل میں باب نعبان میں خیمہ زن ہوئے۔

خندق کھودنے کی پلاننگ:

جب رسول اللہ ﷺ کو مشرک جماعتوں اور گروہوں کے مر الظہران میں جمع ہو کر مدینہ کی طرف چل پڑنے کی خبر ہوئی، تو آپ نے فوراً صحابہ کرام کو جمع کیا، تاکہ اس مشکل گھڑی سے نمٹنے اور مناسب تر کارروائی کے لئے آپس میں مشورہ کریں، جیسا کہ آپ ﷺ کی ہمیشہ مشکل حالات کے وقت یہ عادت طیبہ تھی، اس میٹنگ میں صحابی جلیل سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے شمالی علاقے میں خندق کھودنے کا مشورہ دیا، تاکہ حرہ واقم اور حرہ ابرہ کے دونوں کناروں کو جوڑ دیا جائے جو کافر حملہ آوروں کے لئے تنہا کھلا ہوا علاقہ تھا۔ مدینہ کے دیگر اطراف ایک قلعہ کی طرح تھے، ان میں مکانات اور کھجور کے درخت ایک دوسرے کے ساتھ گتھے ہوئے تھے، اور حُروں کے ذریعہ ہر طرف سے گھرے ہوئے تھے، جن کے سبب ان علاقوں میں اونٹوں اور پیادہ پانویں کا چلنا مشکل تھا۔

تمام صحابہ کرام نے اس حکیمانہ پلاننگ کی تائید کی جسے عرب پہلے سے نہیں جانتے تھے، اس لئے کہ خندق مسلمانوں اور مشرک جماعتوں کے درمیان ڈائریکٹ جنگی حملوں کی راہ میں ایک روکاؤ بن کر حائل ہو گیا، اور حملہ آوروں کو مدینہ میں داخل ہونے سے روک دیا، اور مسلمانوں کے لئے ایک بہترین دفاعی کارروائی کا کام دینے لگا، اس لئے کہ دشمن جب بھی خندق کے قریب ہوتے اور اس میں اتر کر مسلمانوں کی طرف آنا چاہتے تو مجاہدین اسلام خندق کے پیچھے سے ان پر تیروں کی بارش کرنے لگتے۔

اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فوراً خندق کھودنے کا حکم دیا، اور مسلمان اس کام میں دل و جان سے بٹ گئے اور ہر دس مسلمان کو چالیس گز کھدائی کی ذمہ داری دے دی گئی، مہاجرین نے مشرق میں قلعہ راجح کی طرف سے قلعہ ذباب تک کھودنے کی ذمہ داری سنبھال لی، اور انصار نے قلعہ ذباب سے مغرب میں جبل عبید تک، کھدائی کا کام سخت سردی اور قحط سالی اور بھوک اور پیاس کے باوجود نہایت تیزی کے ساتھ انجام پایا، امام بخاری نے سہل

ابن سعد سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خندق میں موجود تھے، کھودنے والے کھدائی کا کام کرتے تھے اور ہم لوگ اپنے کندھوں پر مٹی اٹھا کر دوسری جگہ منتقل کرتے تھے، آپ ﷺ نے اس وقت فرمایا:

اللهم لا عيش إلا عيش الآخرة فاغفر للأنصار والمهاجرة
اے اللہ! آخرت کی زندگی کے سوا کسی زندگی کی کوئی حقیقت نہیں، اس لئے تو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرمادے۔

انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خندق کی طرف گئے جہاں سخت ٹھنڈک میں مہاجرین و انصار کھدائی کا کام کر رہے تھے، اس لئے کہ ان کے پاس غلام نہیں تھے جو ان کے بدلے یہ کام کرتے۔ جب آپ ﷺ نے تھکن اور بھوک کے سبب ان کا حال زار دیکھا تو فرمایا:

اللهم لا عيش إلا عيش الآخرة فاغفر للأنصار والمهاجرة
اے اللہ! حقیقی زندگی تو صرف آخرت کی زندگی ہے، اس لئے تو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرمادے۔
تو صحابہ نے آپ ﷺ کو یوں جواب دیا:

نحن الذين بايعوا محمداً على الجهاد ما بقينا ابداً
ہم ہی لوگوں نے محمد کے ہاتھ پر بیعت کی ہے جہاد کرنے کے لئے، جب تک ہم اس دنیا میں رہیں گے۔
اور ایک دوسری روایت میں ہے: مہاجرین و انصار مدینہ کے گرد خندق کھودتے تھے، اپنی پیٹھوں پر مٹی ڈھوتے تھے، اور کہتے تھے:

نحن الذين بايعوا محمداً على الإسلام ما بقينا ابداً
ہم ہی لوگوں نے محمد سے اسلام پر بیعت کی ہے، جب تک اس دنیا میں زندہ رہیں گے۔
انس کہتے ہیں: ان صحابہ کرام کے لئے ایک ہتھیلی بھرجو لایا جاتا تھا، جس کی روٹی پرانے بد مزہ تیل میں پکا کر ان کے سامنے رکھ دی جاتی اور بھوک کی شدت سے اسے وہ لوگ کھاتے، حالانکہ وہ اپنی تیز بدبو کی وجہ سے بمشکل حلق سے نیچے اترتی تھی^(۱)۔

اور براء بن عازب روایت کرتے ہیں کہ غزوہ احزاب کے موقع سے میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ خندق کھودتے تھے اور مٹی ڈھوتے تھے یہاں تک کہ مٹی سے آپ کے پیٹ کا چمڑہ ڈھک گیا

(۱) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۰۹۹، ۴۱۰۰)، صحیح مسلم، الجہاد، حدیث: (۱۸۰۵)، البدایہ والنہایہ: (۹۹۶، ۹۹۷)، فتح الباری: ۷/۳۹۵۔

تھا، آپ ﷺ کے جسم پر بال تھے، میں نے آپ کو ابن رواحہ کے یہ کلمات رجزیہ انداز میں پڑھتے ہوئے سنا:

اللَّهُمَّ لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلِّينَا

فَإَنْزِلْ سَكِينَةً عَلَيْنَا وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا

إِنَّ الْأَلَى قَدْ بَغَا عَلَيْنَا وَإِنْ أَرَادُوا فِتْنَةً أَبِينَا

اور آپ ﷺ آخری کلمات پر اپنی آواز کو کھینچتے تھے۔ ﷺ

ان اشعار کا خلاصہ یہ ہے کہ اے اللہ! اگر تو نہ چاہتا تو ہم ہدایت نہیں پاتے اور نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے، تو ہم پر طمانیت نازل فرما اور دشمن سے مڈ بھیڑ کے وقت ہمیں ثابت قدم رکھ، بے شک انہی لوگوں نے ہم پر چڑھائی کر دی ہے، اور اگر انہوں نے کسی فتنہ کا ارادہ کیا تو ہم اس کا انکار کر دیں گے۔

حافظ ابن کثیر نے امام بخاری سے ان کی سند کے ذریعہ جابر سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ خندق کے دن جب کھدائی کر رہے تھے تو ایک سخت چٹان سامنے آگیا، صحابہ نے نبی کریم ﷺ سے کہا: یہ ایک چٹان کھدائی میں زکاوت بنا ہوا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں نیچے اترتا ہوں، پھر آپ کھڑے ہوئے اور آپ کے بطن مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا، اور تین دن سے ہمیں کھانے کو کچھ نہیں ملا تھا، نبی کریم ﷺ نے کدال لی اور اس پر ضرب لگائی تو وہ ریت کے مانند بکھر گیا^(۱)۔

معجزات کا ظہور:

خندق کھودتے وقت نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی کے ذریعہ کئی معجزات کا ظہور ہوا، ان میں سے بعض کا یہاں ذکر کرتا ہوں:

۱- کھانے میں برکت:

جابر بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ جب خندق کھودا جا رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا بطن مبارک بھوک کی شدت سے پیٹھ سے چپک رہا تھا، میں اپنی بیوی کے پاس گیا اور اس سے پوچھا: کیا تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ میں نے رسول اللہ ﷺ کو شدید بھوک کی حالت میں دیکھا ہے، اس نے ایک تھیلی نکالی جس میں ایک صاع جو تھا اور ہمارے پاس گھر میں پٹی ہوئی ایک بکری تھی، میں نے اسے ذبح کیا، اور بیوی نے آٹا پیسا، پھر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس جانے لگا تو بیوی نے کہا: رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کے سامنے

(۲) السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸۔

میری فضیحت نہ کرنا۔ جابر کہتے ہیں: میں آپ کے پاس پہنچا اور چپکے سے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم نے اپنی ایک بکری ذبح کی ہے اور میری بیوی نے ایک صاع جو کا آٹا پیسا ہے، جس کے سوا ہمارے پاس اور کچھ نہیں تھا، آپ اپنے چند صحابہ کے ساتھ تشریف لے چلے، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے زور سے پکارا، اے اہل خندق! جابر نے تمہاری دعوت کی ہے، اس لئے تم سب میرے ساتھ چلو، اور رسول اللہ ﷺ نے جابر سے کہا: تم اپنی ہانڈی چولہے سے نہ اُتارنا، اور جب تک میں نہ آ جاؤں آٹا کی روٹی نہ پکانا، چنانچہ میں آ گیا، اور رسول اللہ ﷺ تمام صحابہ کے ساتھ تشریف لے آئے، میں جب اپنی بیوی کے پاس پہنچا تو وہ صحابہ کرام کی کثرت کو دیکھ کر مجھے ملامت کرنے لگی، میں نے کہا: میں نے تو ویسا ہی کیا ہے جیسا تم نے مجھ سے کہا تھا۔ میری بیوی نے آپ ﷺ کے سامنے آٹا رکھ دیا، آپ نے اس میں ٹھک ٹھکایا اور برکت کی دعا کی، پھر ہانڈی کے پاس گئے اس میں بھی تھک تھکایا اور برکت کی دعا کی، پھر میری بیوی سے کہا: ایک روٹی پکانے والی کو بلا لو، تاکہ وہ تمہارے ساتھ روٹی پکائے اور اپنی ہانڈی سے پیالہ کے ذریعہ سالن نکالتی رہو، اور اسے چولہے سے نہ اُتارو، صحابہ کرام کی تعداد ایک ہزار تھی، میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان سب نے آسودہ ہو کر کھایا، اور گوشت اور روٹی کو اسی طرح چھوڑ دیا اور واپس چلے گئے اور ہماری ہانڈی ویسی ہی بھری ہوئی ابال کھاتی رہی اور ہمارا آٹا اسی طرح موجود تھا^(۱)۔

۲- شاہوں کے محلوں اور ملکوں کی کنجیاں رسول اللہ ﷺ کو دے دی گئیں:

بزاء بن غائب روایت کرتے ہیں کہ خندق کھودتے وقت ایک چٹان کھدائی میں رُکاوٹ بن رہی تھی، کدال اور پھاوڑے کا اس پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا، ہم نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے بتائی تو آپ ﷺ تشریف لائے اور کدال لے کر بسم اللہ کہا: اور ایک ضرب میں اس کا ایک تہائی حصہ توڑ دیا اور کہا: اللہ اکبر! مجھے ملک شام کی کنجیاں دے دی گئیں، اللہ کی قسم! میں اس وقت ان کے سرخ محلوں کو دیکھ رہا ہوں، پھر آپ ﷺ نے دوسری ضرب لگائی اور دوسری تہائی کاٹ دی، اور کہا: اللہ اکبر! مجھے ملک فارس کی کنجیاں دے دی گئیں، اللہ کی قسم! میں مدائن کے سفید محل دیکھ رہا ہوں، پھر آپ ﷺ نے بسم اللہ کہا اور تیسری ضرب لگائی تو آپ نے باقی پتھر کاٹ ڈالا اور کہا: اللہ اکبر! مجھے یمن کی کنجیاں دے دی گئیں، اللہ کی قسم! میں اس وقت اپنی اس جگہ سے صنعاء کو دیکھ رہا ہوں^(۲)۔

۳- رسول اللہ ﷺ نے خندق کھودتے وقت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو ایک غیبی بات کی خبر دی، آپ نے

(۱) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۱۰۱)، (۴۱۰۲)، صحیح مسلم، الأثریہ، حدیث: (۲۰۳۹)۔

(۲) مستدرک احمد: ۳۴/۳۰۳، سنن النسائی، الجہاد: ۶/۴۳، فتح الباری: ۷/۳۹۷، اور حافظ اس کی سند کو حسن کہا ہے۔

ان سے کہا: تمہیں ایک باغی گروہ قتل کر دے گا، چنانچہ وہ صفین میں قتل ہو گئے (۱)۔
ان حالات سے گزر کر صحابہ کرام نے خندق کو صرف چھ دن میں مطلوبہ وسعت و گہرائی کے مطابق دشمنوں کی فوج آنے سے پہلے کھود دیا، اور مدینہ کو خالی کر دیا، اور پورے طور پر دفاع کے لئے تیار ہو گئے اور عورتوں اور بچوں کو فارغ نامی قلعہ میں جمع کر دیا، جو بنو حارثہ کا مسلمانوں کے لئے سب سے قوی قلعہ تھا، تاکہ یہ عورتیں اور بچے اللہ کے حکم سے محفوظ رہیں، اور اس طرح صحابہ کرام نے کافر جماعتوں کی آمد سے پہلے مدینہ کے دفاعی پلان کے تمام لوازمات پورے کر لئے۔

خندق کھودتے وقت منافقین کا کردار:

اب تک جو کچھ لکھا گیا یہ مہاجرین و انصار کا کردار تھا، جو رسول اللہ ﷺ کے حکم سے خندق کھودتے وقت سامنے آیا، یہ صحابہ کرام چھ دن مسلسل کھدائی کرتے رہے، نہ بھوک اور پیاس نے انہیں شکست دی اور نہ سخت ٹھنڈک نے، لیکن منافقین کا کردار بزدلی، خوف و دہشت پھیلانا اور مسلمانوں کی ہمت شکنی تھی، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اہل خندق کے لئے کھانے کی کثرت سے متعلق حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سلمان فارسی کے سامنے ایک چٹان پر ضرب لگا کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ہر ضرب پر کہتے رہے اللہ اکبر! کعبہ کے رب کی قسم! میں روم کے محلوں کو دیکھ رہا ہوں، اللہ اکبر! کعبہ کے رب کی قسم! میں فارس کے محلوں کو دیکھ رہا ہوں، تو منافقین اس وقت کہنے لگے: خندق ہم کھودتے ہیں اور وہ ہم سے فارس اور روم کے محلوں کا وعدہ کر رہا ہے (۲)۔

اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کے بارے میں جو خندق کی کھدائی میں شریک نہیں ہوئے مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی: ﴿لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۚ هَدَىٰ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (مسلمانو! رسول کے بلانے کو تم آپس میں ایک دوسرے کو بلانے کی طرح نہ بناؤ، اللہ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو نظر بچا کر آہستگی کے ساتھ چلے جاتے ہیں، پس جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، انہیں ڈرنا چاہئے کہ ان پر کوئی بلا نہ نازل ہو جائے، یا کوئی دردناک عذاب نہ انہیں

(۱) صحیح مسلم: ۲۲۳۴۔

(۲) دیکھئے: مجمع البیہ: ۱۳۱/۶-۱۳۲، اسے طبرانی نے روایت کی ہے اور اس کے رجال حدیث صحیح کے رجال ہیں، سوائے عبد اللہ بن احمد ابن حنبل اور نعیم عنبری کے، اور یہ دونوں ثقہ ہیں۔

آگھیرے) [النور: ۶۳] نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا﴾ (۱۲) وَإِذْ قَالَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِنْهُمْ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ إِنْ يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا (۱۳) وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سَأِلُوا الْمُفِئَّةَ لَأَتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا (۱۴) وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُولُونَ الدِّبَارَ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا (۱۵) قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمْ الْفِرَارُ إِنْ فَرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذَا لَا تُمْتَعُونَ إِلَّا قَلِيلًا (۱۶) قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُمْ مِنَ اللَّهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا (۱۷) قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمُعَوِّقِينَ مِنْكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمْ إِلَيْنَا وَلَا يَأْتُونَ الْبَاسَ إِلَّا قَلِيلًا (۱۸) أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ بِالنِّسَةِ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ أُولَئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا (۱۹) يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوا وَإِنْ يَأْتِ الْأَحْزَابُ يَوْدُوا لَهُمْ فَأَنْجَاهُ اللَّهُ فِي الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ عَنْ أَنْبَاءِكُمْ وَلَوْ كَانُوا فِيكُمْ مَا قَاتَلُوا إِلَّا قَلِيلًا ﴿﴾ (اور جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دل بیمار تھے کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جھوٹا وعدہ کیا تھا، اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ اے یثرب کے رہنے والو! یہ جگہ تمہارے ٹھہرنے کی نہیں ہے، تم لوگ اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ، اور ان کا ایک گروہ نبی سے اجازت مانگتا تھا، کہتے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں، حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں تھے، وہ تو بس بھاگنا چاہتے تھے، اور اگر ان کے دشمن مدینہ کے چاروں طرف سے گھس آتے، پھر ان منافقوں سے مسلمانوں کے خلاف فتنہ میں شریک ہونے کو کہا جاتا تو اس میں کوہ پڑتے، اور اس بارے میں بہت کم توقف کرتے، حالانکہ اس کے قبل انہوں نے اللہ سے عہد و پیمان کیا تھا کہ وہ پیٹھ پھیر کر نہیں بھاگیں گے، اور اللہ سے کہنے لگے عہد کے بارے میں ان سے سوال ہوگا، اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم موت یا قتل کے ڈر سے راہ فرار اختیار کرو گے تو یہ فرار تمہیں بچا نہیں لے گا، اور تب تمہیں دنیاوی زندگی سے لطف اندوز ہونے کا بہت ہی کم موقع دیا جائے گا، آپ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ تمہیں تکلیف پہنچانا چاہے تو کون بچالے گا، یا تمہیں اپنی رحمت سے نوازا نا چاہے تو کون روک دے گا، اور لوگ اللہ کے سوا اپنا نہ کوئی یار پائیں گے اور نہ بددگار، اللہ تمہارے درمیان ان لوگوں سے خوب واقف ہے جو لوگوں کو شرک و جہاد سے روکتے ہیں، اور جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ تم لوگ ہمارے پاس آ جاؤ، اور جنگ میں برائے

نام حصہ لیتے ہیں، وہ لوگ تم مسلمانوں کا ساتھ دینے میں بڑے بخیل ہیں، اور جب دشمنوں کا خوف لاحق ہوتا ہے تو آپ ان کا مشاہدہ کرتے ہیں، وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں کہ ان کی آنکھیں گھوم رہی ہوتی ہیں، اس آدمی کی طرح جس پر موت کی بیہوشی طاری ہو، پھر جب خطرہ ٹل جاتا ہے تو مالِ غنیمت کے بڑے ہی حریص بن کر اپنی تیز زبانوں کا تمہیں نشانہ بناتے ہیں۔ یہ لوگ ایمان لائے ہی نہیں تھے، اسی لئے اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے، اور ایسا کرنا اللہ کے لئے بڑا آسان تھا، یہ لوگ یہی سمجھ رہے ہیں کہ دشمن کی فوجیں اب تک واپس نہیں گئی ہیں، اور اگر وہ فوجیں دوبارہ مڑ کر آجائیں تو ان کی خواہش ہوگی کہ وہ بادیہ میں چلے جائیں اور وہاں سے تمہارے احوال معلوم کرتے رہیں، اور اگر یہ لوگ تمہارے درمیان ہوتے تو برائے نام ہی جنگ میں شریک ہوتے) [الاحزاب: ۱۲-۲۰]۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کی حالت اور خندق کھودتے وقت اور دشمنوں سے ڈبھٹنے کے وقت منافقین کے کردار کو آشکارا کیا ہے اور یہ باتیں ان کے بارے میں تعجب خیز نہیں تھیں، اس لئے کہ وہ منافقین تھے اور ایمان و اسلام سے یکسر عاری و محروم تھے، اسی لئے غزوہ کی پوری مدت میں ان کی جانیں مصیبت میں رہیں اور بزدلی، شکست خوردگی اور اللہ پر عدم اعتماد کا شعور ان پر غالب رہا، بلکہ وہ پوری کوشش کرتے رہے کہ جھوٹی خبریں پھیلا کر مسلمانوں کو خوف زدہ اور ان کی ہمت شکنی کریں، اور وہ ذہنی طور پر ہر وقت اپنی جانیں بچانے کے لئے میدانِ کارزار سے بھاگنے کے لئے تیار رہتے تھے، اور ہر زمانے اور ہر جگہ منافقین کا ہمیشہ یہی حال رہا ہے، لیکن مخلص مسلمانوں نے منافقین کے اس مجرمانہ کردار کی پرواہ نہیں کی، اور پوری تندہی سے خندق کھودتے رہے، اور جنگی اور دفاعی کارروائیوں کی تکمیل میں لگے رہے، تاکہ مدینہ اور وہاں رہنے والے مسلمان بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کی حفاظت کر سکیں۔

اسلامی فوج:

دفاعی پلان مکمل ہونے کے بعد نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کی تین ہزار پر مشتمل فوج کو غایتِ حکمت و دانائی کے ساتھ مرتب کیا، ان کی پیٹھوں کو جبلِ سلع کی طرف کر دیا، اور ان کے چہروں کو اس خندق کی طرف جو ان کے اور مشرکین کے درمیان حدِ فاصل تھا، اور مسلمانوں نے خندق کے کنارے واقع ریت کے اونچے ٹیلوں کے پیچھے صف بندی کی، تاکہ وہاں سے مشرکین کو اپنے تیروں کا نشانہ بنا سکیں۔

دشمنانِ اسلام کا لشکر:

اس سے پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ کافروں کے لشکر کی تعداد دس ہزار سے زیادہ تھی، اور قریش کے لوگ

سیلاب کا پانی جمع ہونے کی جگہ خیمہ زن ہوئے تھے، اور غطفان اور اہل نجد کے لوگ احد پہاڑی کے کنارے اترے تھے۔

قریش کے لوگ سمجھتے تھے کہ نبی کریم ﷺ اور ان کے صحابہ سے ان کی مڈ بھڑ جبل احد کے پاس ہوگی، لیکن انہوں نے وہاں کسی کو نہیں پایا تو مدینہ کی طرف بڑھتے گئے، اور اچانک انہوں نے اپنے سامنے خندق کو پایا تو وہ اور تمام مشرکین عرب بہت زیادہ حیران و پریشان ہوئے، اس لئے کہ انہیں پہلے سے اس طرح کی کسی دفاعی تدبیر کا کوئی علم نہیں تھا، اور کہنے لگے: اللہ کی قسم! یہ ایک ایسی جنگی چال ہے جس سے عرب نابلد ہیں۔

چنانچہ جب وہ سب خندق کے قریب پہنچے تو مسلمانوں نے ان پر تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی، تو وہ تیزی کے ساتھ پیچھے ہٹ گئے، اور اتنی مسافت پر اپنی صفیں بنائیں جہاں مسلمانوں کے تیر نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اس طرح دونوں فوجیں کئی دن تک ایک دوسرے کے سامنے کھڑی انتظار کرتی رہیں، اور دشمنوں کے دستے رات دن خندق کے آس پاس گھومتے رہے، کہ شاید انہیں کہیں سے کوئی ایسا راستہ مل جائے، جس کے ذریعہ وہ خندق پار کر سکیں، اور مسلمانوں کو دھوکا دے کر ان پر حملہ کر سکیں، لیکن مسلمانوں کی فوج ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہیں تھی، مسلمان جب بھی دشمن کے کسی دستہ کو خندق کے قریب ہوتے دیکھتے تو ان پر تیروں کی بارش شروع کر دیتے، تو وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ جاتے۔

عمر بن عبدوڈ کا قتل:

کفار قریش، یہود اور عرب قبائل کا حصار طول پکڑتا گیا، لیکن کافروں کے لئے وہ کسی طرح بھی نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوا، اس لئے قریش کے بعض جوانوں کا کبر و غرور بھڑک اٹھا، اور طیش میں آکر صف سے نکل گئے اور خندق کی ایک تنگ جگہ سے اس میں داخل ہو گئے ان میں پیش پیش عکرمہ بن ابو جہل، عمر بن عبدوڈ اور ضرار بن خطاب وغیرہ تھے۔ یہ دیکھ کر مسلمانوں نے خطرہ کو تیزی کے ساتھ آگے بڑھتے محسوس کر لیا، اور علی بن ابوطالب کی قیادت میں چند گھوڑ سواروں نے خندق کی اس تنگ جگہ کو بند کرنا چاہا، اور کافر گھوڑ سواروں کا مقابلہ کرنے کے لئے سامنے آئے، عمرو بن عبدوڈ کے بارے میں خیال کیا جاتا تھا کہ وہ تنہا ایک ہزار آدمی کے برابر ہے، یہ شخص آگے بڑھا اور آواز لگائی کہ کون میرا مقابلہ کرے گا؟ تو علی بن ابوطالب کھڑے ہوئے، اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں اس کا مقابلہ کروں گا، آپ نے فرمایا: یہ عمرو بن عبدوڈ ہے، بیٹھ جاؤ، عمرو بن عبدوڈ نے دوبارہ پکارا، کیا تم میں سے کوئی آدمی مقابلہ کے لئے آگے نہیں آئے گا؟ کہاں ہے تمہاری وہ جنت جس کے بارے میں تمہارا خیال ہے کہ تم میں سے جو قتل کیا جائے گا اس میں داخل ہوگا، کیا تم لوگ کسی آدمی

کو بھی میرے مقابلہ کے لئے آگے نہیں بڑھاؤ گے؟ علی بن ابوطالب دوبارہ کھڑے ہوئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے اس کا مقابلہ کرنے دیجئے، عمرو بن وُدّ نے تیسری مرتبہ کچھ اشعار پڑھے جن میں وہ مسلمان گھوڑ سواروں کو اپنے مقابلے کی دعوت دے رہا تھا، تو علی پھر کھڑے ہوئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے اس کا مقابلہ کرنے دیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ عمرو بن وُدّ ہے، علی نے کہا: اگرچہ یہ عمرو ہے، تب آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی، علی اس کی طرف بڑھے، اور اس کے قریب آگئے، تو ان سے عمرو نے پوچھا: تم کون ہو؟ علی نے کہا: میں علی ہوں، عمرو نے کہا: عبد مناف کے بیٹے ہو، علی نے کہا: میں علی بن ابوطالب ہوں، عمرو نے کہا: اے بھتیجے! تمہارے چچوں میں تم سے زیادہ عمرو الے ہیں، میں تمہارا خون بہانا اچھا نہیں سمجھتا، علی نے کہا: لیکن میں اللہ کی قسم! تمہارا خون بہانا اچھا سمجھتا ہوں، اس پر عمرو ناراض ہو گیا، اور گھوڑے سے اتر کر تلوار کھینچ لی جیسے کہ وہ آگ کا ایک شعلہ ہو، پھر علی کی طرف غصہ کی حالت میں بڑھا، اور علی اپنی ڈھال پر اس کا وار روکنے لئے تیار ہو گئے، عمرو نے ان کی ڈھال پر ایسی ضرب لگائی کہ اسے کاٹ ڈالا، اور اس میں تلوار پیوست ہو گئی، اور علی کے سر کو بھی زخمی کر دیا، اور علی نے اس کی گردن اور مونڈھے کے درمیان ایسی کاری ضرب لگائی کہ وہ گر پڑا، اور فضا غبار آلود ہو گئی، اور رسول اللہ ﷺ نے تکبیر کی آواز سنی، اور دشمنوں کے گھوڑے شکست کھا کر بھاگ پڑے، اور ان میں سے بہت سارے خندق میں گر پڑے، اور ان پر ایسا رعب طاری ہوا کہ عکرمہ بھاگتے ہوئے اپنا نیزہ چھوڑ گیا۔ مشرکوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس دس ہزار دے کر کسی کو عمرو بن عبد وُدّ کی لاش خریدنے کی لئے بھیجا تو آپ ﷺ نے کہا: تم لوگ اسے اٹھا کر لے جاؤ، ہم مُردوں کی قیمت نہیں کھاتے^(۱)۔

بعض نمازوں کا وقت نکل جانا:

محاصرہ کے دنوں میں مشرکین مسلسل حملے کرتے رہے، اور ایک دن تو ان کا حصار بہت ہی سخت ہو گیا، جس کے سبب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام عصر کی نماز غروب آفتاب کے بعد پڑھ سکے۔ علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس دن نبی کریم ﷺ نے کہا: اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے، انہوں نے ہمیں عصر کی نماز سے مشغول کر دیا، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا^(۲)۔

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب غزوہ خندق کے ایک دن غروب آفتاب کے بعد آئے اور کفار قریش کو بُرا کہنے لگے، اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں نماز نہیں پڑھ سکا، قریب تھا کہ

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۲/۲۲۳، ۲۲۴، طبقات ابن سعد: ۲/۶۸، صحیح السیرۃ النبویہ، ابراہیم: ص ۳۶۱، ۳۶۲، الحیاة العسکریہ: ص ۱۶۸، ۱۶۹۔

(۲) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۳۱۱۱)، صحیح مسلم، المساجد، حدیث: (۶۲۷)۔

آفتاب غروب ہو جاتا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں نے تو عصر کی نماز اب تک نہیں پڑھی ہے، پھر ہم لوگوں نے آپ کے ساتھ مقام تہان پر جا کر وضو کیا، اور غروب آفتاب کے بعد عصر کی نماز پڑھی، اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی^(۱)۔

بنو قریظہ نے معاہدہ توڑ دیا:

جب مشرکین کے گھوڑے مسلمانوں کی تیروں کی بارش کے سبب شکست کھا کر بھاگنے لگے، اور ابوسفیان خندق عبور کرنے میں ناکام رہا، تو اس نے یہود بنو قریظہ سے اتصال کیا جن کا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ تھا، تاکہ وہ بد عہدی کر کے کفار اور یہود خیبر کے ساتھ مل جائیں اور اسلامی فوج پر پیچھے سے دباؤ ڈالیں تاکہ خندق کی دفاعی اہمیت ختم ہو جائے اور مسلمان پریشان کن حالات سے دوچار ہو جائیں۔

ابوسفیان نے فوراً حُیَی بن اخطب نصیری سے اتصال کیا اور اس سے کہا کہ وہ جلد کعب بن اسد قرظی سے خفیہ طور پر اتصال کرے اور اس سے کہے کہ موقع کو غنیمت جانتے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ کیا گیا معاہدہ توڑ دے اور محمد بن عبد اللہ اور اس کے نئے دین کو ختم کرنے کے لئے ہمارے ساتھ مل جائے۔

حُیَی نے کعب سے مل کر اس سے نقض عہد کی بات کی، تو کعب نے کہا کہ تم بڑے ہی منحوس آدمی ہو، میں نے محمد سے معاہدہ اس لئے نہیں کیا کہ اسے توڑ دوں، اور میں نے اس کی طرف سے وفاداری اور صدق و اخلاص کے سوا کوئی دوسری بات نہیں دیکھی ہے۔

حُیَی نے کہا: تمہارا برا ہو! میں تمہارے پاس زمانے کی عزت اور ٹھانٹھیں مارتے ہوئے سمندر جیسی فوج لے کر آیا ہوں، میں تمہارے پاس قریشیوں کو ان کے سرداروں اور لیڈروں سمیت لے کر آگیا ہوں اور وہ مقام رومہ کے سیلاب کا پانی جمع ہونے کی جگہ خیمہ زن ہیں، اور قبیلے غطفان کو ان کے سرداروں اور لیڈروں کے ساتھ لے کر آگیا ہوں جو سب کے سب احد کے بغل میں فروکش ہیں، اور ان سب نے مجھ سے عہد کر رکھا ہے کہ وہ جب تک محمد اور اس کے ساتھیوں کا قلع قمع نہیں کر دیں گے یہاں سے واپس نہیں جائیں گے۔

کعب نے کہا: اللہ کی قسم! تم زمانے بھر کی ذلت اور ایک ایسا دیکھاوے کا بادل لے کر آئے ہو جس میں پانی کا ایک بوند بھی نہیں ہے، میں نے محمد کی طرف سے وفاداری اور صداقت کے سوا کوئی دوسری بات نہیں دیکھی ہے، لیکن آخر کار حُیَی کعب کو یہ کہہ کر قانع کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ اس وقت عربوں کی طاقت قریش کے ساتھ ہے، اور بنو قریظہ کے مستقبل کے بارے میں اطمینان دلایا اور عہد و پیمان کیا کہ اگر قریش اور غطفان کے

(۱) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۱۱۲)، صحیح مسلم، المساجد، حدیث: (۶۳۱)۔

لوگ محمد کا خاتمہ کئے بغیر واپس چلے گئے تو میں تمہارے ساتھ تمہارے قلعہ میں داخل ہو جاؤں گا تاکہ جو تمہارا انجام ہو وہی میرا بھی انجام ہو، اور اس طرح یہودی بنی قریظہ ان کافروں کے ساتھ مل گئے جو مدینہ پر چڑھ آئے تھے۔

چار صحابہ کرام کی مخبری:

بنو قریظہ کے غدرو خیانت کی خبر ہوتے ہی آپ ﷺ نے فوراً اس خبر کی تصدیق کرنی چاہی چنانچہ آپ نے سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ، عبد اللہ بن رواحہ، اور خوات بن جحیر کو بلایا، اور ان سے کہا: تم لوگ بنو قریظہ کے پاس جاؤ اور معلوم کرو، اگر ان کی خیانت و بد عہدی کی بات صحیح ہے تو واپس آ کر مجھے اشارہ میں بتادو، اور لوگوں کی ہمت کو پست نہ کرو، اور اگر خبر جھوٹی ہے تو لوگوں میں اس کا اعلان کر دو۔ وہ چاروں بنو قریظہ کے پاس گئے اور انہیں اس سے زیادہ خباثت اور شر انگیزی پر آمادہ پایا جس کی آپ ﷺ کو خبر ہوئی تھی، بنو قریظہ نے کہا: اب کیا رہ گیا جبکہ ہمارے پر توڑ دیئے گئے، اور محمد نے بنو نضیر کو یہاں سے نکال دیا، اور رسول اللہ ﷺ کو بُرا کہنے لگے، اور کہا: جاؤ، ہمارے اور اس کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہے۔

یہ سن کر سعد بن معاذ ان سے وفاداری کی التجا کرنے لگے، اور انہیں غداری اور خیانت کے بُرے انجام سے ڈرانے لگے، اور ان سے کہنے لگے، اے بنی قریظہ کے لوگو! ہمارے اور تمہارے درمیان جو جلف اور معاہدہ ہے، اسے تم خوب جانتے ہو، اس لئے مجھے کہنے دو کہ میں تمہارے بارے میں بنو نضیر جیسے یا اس سے بدتر انجام سے ڈرتا ہوں۔

بنی قریظہ سخت کلامی پر اتر آئے، اور انہیں گالیاں دینے لگے، اور وہ بھی ان کو بُرا کہنے لگے، تب سعد بن عبادہ نے سعد بن معاذ سے کہا: ان کے ساتھ منہ نہ لگاؤ، ہمارے اور ان کے درمیان اس سے بڑی بات کا معاہدہ ہے۔

سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، اُس وقت آپ مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ تھے، اور کہا: عضل اور قارہ۔ ان دونوں قبیلوں کی اصحاب رجب کے ساتھ غداری اور خیانت کی طرف اشارہ کر کے یہ بتانا مقصود تھا کہ بنی قریظہ بھی انہی کی طرح غداری اور خیانت پر آمادہ ہو چکے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے مسلمانو! خوش ہو جاؤ، پھر آپ نے اپنے کپڑے سے اپنا منہ ڈھانک لیا اور دیر تک لیٹے رہے، اور صحابہ کرام نے جب آپ کی یہ کیفیت دیکھی تو ان کی حالت دیگرگوں ہونے لگی، اور سمجھ گئے کہ بنو قریظہ کے بارے میں آپ کو کوئی اچھی خبر نہیں ملی ہے، پھر آپ نے سر اٹھایا، اور فرمایا: میں تمہیں اللہ کی طرف سے فتح و نصرت کی خوشخبری دیتا ہوں^(۱)۔

(۱) الحیاء العسکرية: ص ۱۶۸-۱۷۰، النبی ص ۱۲۷، سرایا وغزوات الرسول ﷺ: ص ۱۵۶، ۱۵۷۔

دشمنانِ اسلام کی ہر چہار طرف سے یلغار:

اس طرح مشرکین مکہ و حجاز مدینہ کے بالائی علاقے کی طرف سے چڑھ آئے اور اہل نجد نچلے علاقے کی طرف سے، اور مدینہ کے اندر رہنے والے یہود و منافقین نے آپس میں گٹھ جوڑ کر لی اور مسلمانوں کی صفوں میں خوف و دہشت پھیلاتا شروع کر دیا، اور اُن کی عسکری طاقت کے بارے میں بے سروپا باتیں پھیلانے لگے، اور منافق مغرب بن قشیر جو بنی عمرو بن عوف سے تعلق رکھتا تھا، کہنے لگا کہ محمد تو ہم سے وعدہ کرتا تھا کہ ہم قیصر و کسریٰ کے خزانوں کے مالک بن جائیں گے، اور آج حال یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی اتنا مطمئن نہیں کہ وہ قضائے حاجت کے لئے باہر جاسکے، اور اوس بن قبیلی کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! ہمارے گھر دشمنوں کے لئے بالکل کھلے ہوئے ہیں، آپ ہمیں اپنے گھروں کو لوٹ جانے کی اجازت دیجئے، اور بنو سلمہ نے تو پسپائی کا ارادہ بھی کر لیا تھا۔

قرآن کریم نے اس شدید ترین اور غایت درجہ پریشان کن حالت کی تصویر کشی یوں کی ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا﴾ (۹) ﴿إِذْ جَاءُوكُم مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونُ﴾ (۱۰) ﴿هَٰذَا لِكَيْ ابْتَْلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزَلْزَلُوا زَلْزَلًا شَدِيدًا﴾ (۱۱) ﴿وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا﴾ (۱۲) ﴿وَإِذْ قَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ إِن يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا﴾ (۱۳) ﴿وَلَوْ دَخَلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سَأَلُوا الْفِتْنَةَ لَآتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوا فِيهَا إِلَّا بَسِيرًا﴾ (۱۴) ﴿وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُولُونَ الدِّيَارَ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْنُورًا﴾ (۱۵) ﴿قُلْ لَّنْ يَنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ إِن فَرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذَا لَا تُمْتَمُونَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (۱۶) ﴿قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُم مِّنَ اللَّهِ إِن أَرَادَ بِكُمْ سَوْءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً وَلَا يَجِدُونَ لَهْم مِّنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا﴾ (۱۷) ﴿قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمُعَوِّقِينَ مِنْكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا وَلَا يَأْتُونَ الْبَاسَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (۱۸) ﴿أَشْجَعٌ عَلَيْكُمْ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ بِالنِّسَةِ حِدَادٍ أَشْحَةً عَلَى الْخَيْرِ أُولَٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا﴾ (۱۹) ﴿يَحْسَبُونَ

الْأَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوا وَإِنْ يَأْتِ الْأَحْزَابُ يَوَدُّوا لَوْ أَنَّهُمْ بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ عَنْ أَنْبَائِكُمْ وَلَوْ كَانُوا فِيكُمْ مَا قَاتَلُوا إِلَّا قَلِيلًا (۲۰) لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا (۲۱) وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا (۲۲) مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا (۲۳) لِيَجْزِيَ اللَّهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ إِنْ شَاءَ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا (۲۴) وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا (۲۵) وَأَنْزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ صَيَاصِيهِمْ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا (۲۶) وَأَوْرَثَكُم أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَأَرْضًا لَمْ تَطْنُوهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ﴿

(اے ایمان والو! تم اپنے آپ پر اللہ کا احسان یاد کرو، جب کافروں کی فوجیں تم پر ٹوٹ پڑیں، تو ہم نے ان پر آندھی، اور ایسے لشکر بھیج دیئے جنہیں تم دیکھ نہیں رہے تھے، اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھ رہا تھا، جب دشمن تم پر چڑھ آئے، تمہارے اوپر سے اور تمہارے نیچے سے۔ اور جب آنکھیں پتھر اگیں، اور دل گلے تک پہنچ گئے، اور تم لوگ اللہ کے بارے میں مختلف قسم کے گمان کرنے لگے، اُس موقع سے مومنین بڑی آزمائش میں ڈالے گئے، اور پوری شدت کے ساتھ جھنجھوڑ دیئے گئے، اور جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دل بیمار تھے کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جھوٹا وعدہ کیا تھا، اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ اے یثرب کے رہنے والو! یہ جگہ تمہارے ٹھہرنے کی نہیں ہے، تم لوگ اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ، اور ان کا ایک گروہ نبی سے اجازت مانگتا تھا، کہتے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں، حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں تھے، وہ تو بس بھاگنا چاہتے تھے، اور اگر ان کے دشمن مدینہ کے چاروں طرف سے گھس آتے، پھر ان منافقوں سے مسلمانوں کے خلاف فتنہ میں شریک ہونے کو کہا جاتا تو اس میں کوئی پریشانی نہ تھی، اور اس بارے میں بہت کم توقف کرتے، حالانکہ اس کے قبل انہوں نے اللہ سے عہد و پیمان کیا تھا کہ وہ پیٹھ پھیر کر نہیں بھاگیں گے، اور اللہ سے کہنے لگے عہد کے بارے میں ان سے سوال ہوگا، اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم موت یا قتل کے ڈر سے راہ فرار اختیار کرو گے تو یہ فرار تمہیں بچا نہیں لے گا، اور تب تمہیں دنیاوی زندگی سے لطف اندوز ہونے کا بہت ہی کم موقع دیا جائے گا، آپ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ تمہیں تکلیف پہنچانا چاہے تو کون بچالے گا، یا تمہیں اپنی رحمت سے نوازا نا چاہے تو کون روک دے گا، اور لوگ اللہ کے سوا اپنا نہ

کوئی یار پائیں گے اور نہ مددگار، اللہ تمہارے درمیان ان لوگوں سے خوب واقف ہے جو لوگوں کو شرکتِ جہاد سے روکتے ہیں، اور جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ تم لوگ ہمارے پاس آ جاؤ، اور جنگ میں برائے نام حصہ لیتے ہیں، یہ لوگ تم مسلمانوں کا ساتھ دینے میں بڑے بخیل ہیں، اور جب دشمنوں کا خوف لاحق ہوتا ہے تو آپ ان کا مشاہدہ کرتے ہیں، وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں کہ ان کی آنکھیں گھوم رہی ہوتی ہیں، اس آدمی کی طرح جس پر موت کی بیہوشی طاری ہو، پھر جب خطرہ ٹل جاتا ہے تو مالِ غنیمت کے بڑے ہی حریص بن کر اپنی تیز زبانوں کا تمہیں نشانہ بناتے ہیں۔ یہ لوگ ایمان لائے ہی نہیں تھے، اسی لئے اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے، اور ایسا کرنا اللہ کے لئے بڑا آسان تھا، یہ لوگ یہی سمجھ رہے ہیں کہ دشمن کی فوجیں اب تک واپس نہیں گئی ہیں، اور اگر وہ فوجیں دوبارہ مُڑ کر آجائیں تو ان کی خواہش ہوگی کہ وہ بادیہ میں چلے جائیں اور وہاں سے تمہارے احوال معلوم کرتے رہیں، اور اگر یہ لوگ تمہارے درمیان ہوتے تو برائے نام ہی جنگ میں شریک ہوتے، فی الحقیقت تم مسلمانوں کے لئے رسول اللہ کا قول و عمل ایک بہترین نمونہ ہے، ان کے لئے جو اللہ اور یومِ آخرت کا یقین رکھتے ہیں، اور اللہ کو بہت یاد کرتے رہتے ہیں، اور جب مومنوں نے دشمنوں کی فوجوں کو دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ تو وہی چیز ہے جس کا ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ کیا تھا، اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا اور اس بات نے تو ان کے ایمان اور طاعت و فرمانبرداری کو اور بڑھا دیا، مومنوں میں ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اللہ سے کئے ہوئے عہد و پیمان کو سچ کر دکھایا، پس ان میں سے بعض نے اپنی نذر پوری کر دی، اور بعض وقت کا انتظار کر رہے ہیں، اور ان کے موقف میں ذرا بھی تبدیلی نہیں آئی ہے، یہ سب کچھ اس لئے پیش آیا تاکہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے، اور منافقوں کو چاہے تو عذاب دے، یا چاہے تو ان کی توبہ قبول کر لے، بے شک اللہ بڑا مغفرت کرنے والا، بے حد مہربان ہے، اور اللہ نے کافروں کو غیظ و غضب بھرے دلوں کے ساتھ واپس کر دیا، اپنی کوئی بھی مراد حاصل نہ کر سکے، اور اللہ مومنوں کی طرف سے قتال کے لئے کافی ہو گیا، اور اللہ بڑی قوت والا، زبردست ہے، اور اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے ان کی تائید کی تھی، اللہ نے انہیں ان کے قلعوں سے نیچے اتار لیا، اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، تم لوگ ان میں سے ایک جماعت کو قتل کرنے لگے، اور دوسری جماعت کو قید کرنے لگے، اور اللہ نے تمہیں ان کی زمین، ان کے مکانات اور ان کے مال کا مالک بنا دیا، اور اس زمین کا بھی جس پر تم نے ابھی قدم نہیں رکھا ہے، اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے) [الاحزاب: ۹-۱۲]۔

بنی غطفان کے ساتھ معاہدہ صلح کی کوشش : جب رسول اللہ ﷺ کی پریشانی بہت زیادہ بڑھ گئی تو آپ نے بنی غطفان کے دونوں لیڈروں، عیینہ بن حصن،

اور حارث بن عوف کو پیغام بھیجا کہ وہ دونوں مدینہ کے ایک تہائی پھل کے بدلے آپ سے معاہدہ صلح کر لیں، اور اپنی قوم کو لے کر واپس چلے جائیں جب ان دونوں نے اپنی رضامندی ظاہر کی تو آپ نے سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ، سعد بن سعود اور سعد بن خثیمہ کو بلایا، اور فرمایا: میں جانتا ہوں کہ سارے عرب نے تم اہل مدینہ پر بیک وقت حملہ کر دیا ہے، اور حارث بن عوف غطفانی نے تم سے مدینہ کی ایک تہائی کھجور کے بدلے صلح کر لینی چاہی ہے، اگر تم چاہو تو اس سال اس سے یہ معاہدہ کر لو، انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ کو آسمان سے اس بات کی وحی آئی ہے تو پھر ہم اللہ کے حکم کے سامنے تسلیم خم کرتے ہیں، یا یہ آپ کی رائے ہے؟ تاکہ ہم غور کر کے آپ کی رائے کو قبول کر لیں۔ اگر آپ ہماری حفاظت کے لئے ایسا کرنا چاہتے ہیں، تو اللہ کی قسم! آپ نے ہمیں اور ان کو ایک جیسا دیکھا ہے، انہوں نے کبھی بھی ہماری طرف سے ایک کھجور بھی بغیر خریدے یا بغیر میزبانی کے نہیں حاصل کی ہے، تو کیا اب جبکہ اللہ نے ہمیں اسلام کے ذریعہ عزت دی ہے، ہم انہیں اپنے اموال یوں ہی دے دیں، اللہ کی قسم! ہمیں ایسے معاہدہ صلح کی ضرورت نہیں، اللہ کی قسم! ہمارے پاس ان کے لئے ننگی تلوار کے سوا کچھ بھی نہیں، یہاں تک کہ اللہ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو پھر ایسا ہی کرو۔

لشکر کفار اور بنو قریظہ کے درمیان اختلاف:

ان مشکل حالات میں نعیم بن مسعود انجمنی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور بتایا کہ وہ اسی وقت اسلام میں داخل ہوئے ہیں، اور ان کی قوم کے لوگ ان کے اسلام کے بارے میں نہیں جانتے، اور وہ کوئی ایسا کام کرنے کے لئے تیار ہیں جو رسول اللہ ﷺ ان سے لینا چاہیں۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ان کو یہودی بنی قریظہ اور مشرکین مکہ و غطفان کے درمیان اختلاف ڈالنے کی ذمہ داری سونپی، اس لئے کہ جنگ نام ہے دھوکا دہی کا، نعیم فوراً بنو قریظہ کے پاس گئے، جن کے وہ دور جاہلیت میں حلیف تھے، اور کہا کہ تم لوگ اپنے آپ سے میری محبت اور میرے اور تمہارے درمیان خوشگوار تعلقات کو خوب جانتے ہو، انہوں نے کہا: تم سچ کہتے ہو، نعیم نے کہا کہ قریش تمہارے جیسے نہیں، یہ شہر تمہارا شہر ہے، یہاں تمہارے اموال، تمہاری اولاد اور تمہاری عورتیں رہتی ہیں، تم یہاں سے کسی دوسری جگہ نہیں جاسکتے۔ قریش و غطفان کے لوگ محمد اور اس کے اصحاب سے جنگ کرنے کے لئے یہاں آئے ہیں، اور تم نے محمد کے خلاف ان کی مدد کرنے کا وعدہ کر دیا ہے، ان کا شہر اور ان کے اموال اور ان کی عورتیں یہاں نہیں ہیں، اس لئے وہ تمہاری

طرح نہیں ہیں، اگر انہیں کوئی فائدہ نظر آیا تو اسے حاصل کرنے کی کوشش کریں گے، اور اگر کوئی نقصان والی بات انہیں نظر آئی تو وہ اپنے اپنے شہروں اور بستیوں میں چلے جائیں گے، اور تم لوگوں کو تنہا اس آدمی (یعنی محمد) کے ساتھ نمٹنے کے لئے چھوڑ دیں گے، اور تم لوگ تنہا محمد سے نمٹنے کی طاقت نہیں رکھتے، اس لئے ان کے ساتھ مل کر محمد کے خلاف جنگ نہ کرو، یہاں تک کہ تم ان کے بعض سرداروں کو اپنے پاس رہن کے طور پر رکھو، اس بات کا یقین کرنے کے لئے کہ وہ تمہارے ساتھ مل کر محمد سے فیصلہ کن جنگ کریں گے، اور تم لوگ ایک نتیجہ پر پہنچ جاؤ گے۔

اس کے بعد نعیم قریش کے پاس گئے اور ان سے کہا: تم لوگ اپنے آپ سے میری دوستی اور اپنے لئے میری خیر خواہی کا خوب علم رکھتے ہو، انہوں نے کہا: ہاں، نعیم نے کہا: یہود محمد اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ بدعہدی پر سخت نادم ہیں، اور محمد کو اپنے کئے پر نادم ہونے کی خبر بھیج دی ہے، اور انہوں نے یہ بات طے کی ہے کہ وہ تم سے تمہارے کچھ لوگوں کو رہن کے طور پر لے کر محمد کے حوالے کر دیں گے، پھر تمہارے خلاف اس کے ساتھ مل جائیں گے، اس لئے اگر وہ تم سے رہن مانگیں تو انہیں نہ دو۔

پھر نعیم غطفان کے پاس گئے اور ان سے بھی ایسی ہی بات کہی، چنانچہ شوال سن ۵ ہجری سنہر کی رات میں کفار مکہ نے یہود کو خبر بھیجی کہ ہم لوگ اپنے شہر میں نہیں ہیں، اور ہمارا مال و متاع اور ہمارے جانور ہلاک ہو گئے، اس لئے اب بغیر کسی تاخیر کے ہمارے ساتھ اٹھ کھڑے ہو، تاکہ ہم ایک ساتھ مل کر محمد سے جنگ کریں، تو یہود نے انہیں خبر بھیج دی کہ آج سنہر کا دن ہے اور ہم سنہر کے دن جنگ نہیں کر سکتے، دوسری بات یہ ہے کہ ہم تمہارے ساتھ مل کر اس وقت تک جنگ نہیں کریں گے جب تک ہمارے پاس اپنے کچھ لوگوں کو رہن کے طور پر نہ بھیج دو، جب ان کا قاصد یہ خبر لے کر قریشیوں اور قبیلہ غطفان کے پاس پہنچا، تو انہوں نے کہا: نعیم نے سچ کہا تھا، اور یہود کو خبر بھیج دی کہ ہم تمہارے پاس اپنا کوئی آدمی نہیں بھیجیں گے، تم لوگ جلد از جلد محمد سے جنگ کرنے کے لئے ہمارے ساتھ نکلو، قریش نے کہا: نعیم نے سچ کہا تھا۔ اس طرح دونوں جماعتوں میں اختلاف پیدا ہو گیا، ان کے ارادے پست ہو گئے اور متحد ہو کر مسلمانوں سے جنگ کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا^(۱)۔

رسول اللہ ﷺ کی دعا:

ابن ابی عوفہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی، اور کہا: "اللَّهُمَّ مَنْزِلَ الْكِتَابِ، سَرِيعَ الْحِسَابِ، اهْزِمِ الْأَحْزَابَ، اللَّهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزَلْهُمْ" اے اللہ! قرآن کے نازل کرنے والے، جلد حساب

(۱) السيرة النبوية الصحيحة: ۲/۳۳۰، الحیاة العسكرية: ص ۱۷۱، ۱۷۲، سرایا وغزوات الرسول ﷺ: ص ۱۵۷، ۱۵۸۔

لینے والے، ان کافروں کی جماعتوں کو تو شکست دے دے، اے اللہ! تو انہیں شکست دے اور ان کے عزم و ثبات کو متزلزل کر دے^(۱)۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کہا کرتے تھے: "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ، أَعَزُّ جُنْدِهِ وَنَصْرُ عَبْدِهِ، وَغَلَبَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ، فَلَا شَيْءَ بَعْدَهُ" اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے اپنے لشکر کو عزت دی، اور اپنے بندے (محمد) کی مدد کی، اور اکیلا کافروں کی تمام جماعتوں پر غالب آگیا، اس کی ذات سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں^(۲)۔

ہوا بھی اللہ کی ایک فوج ہے:

جب کافروں میں اختلاف پیدا ہو گیا اور ان کے ارادے پست ہو گئے، تو اللہ تعالیٰ نے ہوا کو اپنی ایک فوج کی حیثیت سے سخت سردی کی راتوں میں بھیج دیا، جس نے ان کی ہانڈیوں کو الٹ دیا، ان رہائش گاہوں اور خیموں کو زمین بوس کر دیا، اور ان کے اندر ہر طرح کی بے قراری پیدا کر دی، اور اللہ تعالیٰ نے اپنی فوج کے طور پر فرشتوں کی ایک جماعت بھیج دی جس نے ان کے ارادوں کو متزلزل کر دیا، اور ان کے دلوں میں خوف و رعب ڈال دیا۔ کافروں کی ایک ناکام کوشش:

ان تمام مشکل حالات کے باوجود جن سے مشرکین گزر رہے تھے، اپنی ضلالت و گمراہی میں آگے ہی بڑھتے گئے جس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسلمان عورتوں اور بچوں کو بنی حارثہ کے قلعہ میں جمع کر دیا تھا، جو ایک مضبوط ترین قلعہ مانا جاتا تھا، اور ان سے کہہ دیا تھا کہ اگر تم اپنے آس پاس کسی دشمن کی آمد کا احساس کرو تو اپنی تلوار کی چمک کے ذریعہ ہماری طرف اشارہ کرو، چنانچہ بنی ثعلبہ کا نجد ان نامی ایک شخص اُن کے قریب پہنچا اور عورتوں سے کہنے لگا، تمہارے لئے بہتر یہ ہے کہ نیچے اتر کر میرے پاس آؤ، تو مسلمان عورتوں نے اپنی تلوار کو حرکت دی جس کی چمک کو اصحاب رسول ﷺ نے دیکھ لیا، اور کچھ مسلمان فوراً قلعہ کے پاس پہنچ گئے، جن میں بنی حارثہ کا ظہیر بن رافع نامی ایک مسلمان تھا، اس نے کہا: اے نجد ان! سامنے آؤ، وہ سامنے نکل کر آیا، اور ظہیر نے اس کے گھوڑے پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا اور اس کا سر لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گیا^(۳)۔

(۱) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۳۱۱۵)، صحیح مسلم، الجہاد، حدیث: (۱۷۴۲)۔

(۲) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۳۱۱۴)، صحیح مسلم، الذکر، حدیث: (۲۷۲۳)۔

(۳) مجمع الزوائد، المبتدئ، ۶/۱۳۳، پیشی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو طبرانی نے روایت کی ہے، اور اس کے رجال ثقاہ ہیں۔

سعد بن معاذ شدید زخمی ہو گئے:

ابن اسحاق اور ابن سعد نے روایت کی ہے کہ اس غزوہ میں آٹھ مسلمان شہید ہوئے، انہی میں سے قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ تھے۔ امام احمد نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ میں خندق کے دن لوگوں کے نقش قدم کا پیچھا کرتی ہوئی چل پڑی، تو میں نے اپنے پیچھے کسی آدمی کی آہٹ محسوس کی، مڑ کر دیکھا تو وہ سعد بن معاذ اور ان کے ساتھ ان کے بھتیجے حارث بن اوس تھے جو ایک ڈھال اٹھائے ہوئے تھے، میں فوراً زمین پر بیٹھ گئی اور سعد گزر گئے، وہ لوہے کا ایک زرہ پہنے ہوئے تھے جس سے ان کے جسم کے بعض حصے نکلے ہوئے تھے، میں سعد کے جسم کے ان حصوں کے بارے میں ڈرنے لگی، سعد ایک بھاری بھر کم اور لمبے آدمی تھے، عائشہ نے پوری حدیث روایت کرنے کے بعد کہا: قریش کے ابن العرقہ نامی ایک مشرک نے سعد پر تیر چلایا اور کہا: یہ لو، میں ہوں ابن العرقہ، وہ تیر سعد کے بازو میں جا کر لگا اور اسے کاٹ ڈالا، سعد نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے اس وقت تک موت نہ دے جب تک میری آنکھیں قریطہ کی طرف سے ٹھنڈی نہ ہو جائیں (بنو قریطہ کے لوگ جاہلیت میں سعد بن معاذ کے حلیف تھے) چنانچہ آپ کا زخم بھر گیا اور اللہ عز و جل نے مشرکوں پر ایک تیز ہوا بھیج دی جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مومنوں کی طرف سے میدان کارزار میں کافی ثابت ہوا، اور اللہ تو بہر حال بڑی قوت اور بڑی عزت والا ہے، چنانچہ ابوسفیان اور اس کے ساتھی تہامہ کی طرف جا پہنچے، اور عینہ بن حصن اور اس کے ساتھی نجد سے جا لگے^(۱)۔

نبی کریم ﷺ نے سعد کے لئے مسجد نبوی میں ایک خیمہ ڈال دیا، تاکہ آپ ہر کچھ دیر کے بعد ان کی عیادت کرتے رہیں، سعد غزوہ بنو قریطہ کے بعد اسی زخم کے خراب ہونے اور دوبارہ کھل جانے کے سبب وفات پا گئے۔ وہ نبی کریم ﷺ کے بہترین صحابہ کرام میں سے تھے، ان کے فضائل و مناقب بہت ہیں اور اسلام کی خاطر ان کی قربانیاں عظیم ہیں^(۲)۔

حدیفہ بن الیمان کی مختصری:

اسی سخت بریلی رات میں رسول اللہ ﷺ نے حدیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو مشرکوں کی خبریں لانے کے

(۱) مسند احمد: ۱/۶، ۱۳۲۱، ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس کی سند جید ہے اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری: (۱۱/۵۳) میں لکھا ہے کہ اس کی سند حسن ہے۔

(۲) دیکھئے: صحیح البخاری اور صحیح مسلم، باب مناقب الانصار، مناقب سعد بن معاذ۔

لئے بھیجا۔ حذیفہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رات نماز پڑھی پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: کون ہے جو جا کر کافروں کی خبریں جمع کر کے لائے، اور میں اللہ تعالیٰ سے سوال کروں گا کہ وہ آدمی جنت میں میرا ساتھی ہو، تو بھوک اور ٹھنڈک کی شدت کے سبب کوئی آدمی بھی کھڑا نہیں ہوا، تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا، اور میرے لئے آپ کے پکارنے کے بعد کوئی چارہ کار نہ رہا، آپ نے کہا: اے حذیفہ! جاؤ کافروں کے اندر گھس جاؤ اور دیکھو کہ وہ کیا کرتے ہیں؟ اور جب تک تم ہمارے پاس نہ آ جاؤ، اپنی طرف سے کوئی کام نہ کرنا۔ حذیفہ کہتے ہیں: میں گیا اور کافروں کے بیچ داخل ہو گیا، اور ہوا اور اللہ کے دوسرے لشکر اپنا کام کر رہے تھے، اور کافروں کو کسی طرح قرار حاصل نہیں تھا، نہ ان کی آگ روشن ہوئی، اور نہ کوئی مکان و خیمہ اپنی جگہ محفوظ رہا۔

میں نے ابو سفیان کو کہتے سنا: اے اہل قریش! تم لوگ اپنے شہر میں نہیں ہو، اور ہمارے اونٹ اور دیگر جانور ہلاک ہو گئے، اور بنو قریظہ نے معاہدہ توڑ دیا، اور ہمیں ان کے بارے میں بُری خبریں مل چکی ہیں، اور اس ہوانے ہمارا حال بُرا بنادیا ہے، نہ ہماری ہانڈی چولہے پر رہتی ہے اور نہ آگ جلتی ہے اور نہ ہمارا کوئی خیمہ اپنی جگہ پر قائم ہے، اس لئے تم لوگ جلد از جلد یہاں سے کوچ کر جاؤ، میں بھی یہاں سے کوچ کر رہا ہوں۔

پھر اپنے اونٹ کے پاس گیا، جو رسی سے بندھا ہوا تھا، اور اس پر بیٹھ کر اسے چابک سے مارنے لگا، جس کے سبب اونٹ نے تین پاؤں پر چھلانگ لگا دیا، اگر رسول اللہ ﷺ نے مجھے پابند نہ کیا ہو تا کہ میں ان کے پاس آنے سے پہلے اپنی طرف سے کوئی حرکت نہ کروں تو میں اسے قتل کر دیتا۔

میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اور آپ کو تمام حالات سے باخبر کیا، تو آپ نے مجھ پر اس شال کا ایک حصہ ڈال دیا جسے آپ اوڑھ کر نماز پڑھ رہے تھے، اس کے بعد میں صبح تک سوتا رہا، صبح کو جب بیدار ہوا تو آپ نے کہا: اٹھو، اے بہت سونے والے^(۱)

لشکرِ کفار کی واپسی:

اس طرح کافروں کی صفوں میں یاس و ناامیدی پھیل گئی، اور تیز و تند ہوا کے سبب ان کی حالت اتنی ناگفتہ بہ ہو گئی کہ صحرا کی تاریکی میں سر چھپاتے پھرتے تھے، اور بالآخر خراب و خاسر ہو کر مدینہ سے پیٹھ پھیر کر اپنے اپنے شہروں اور بستیوں کی طرف واپس چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی اسی حالت کو یوں بیان فرمایا ہے: ﴿وَرَدَّ اَبْنَهُ﴾

(۱) مسند احمد: ۵/۳۹۲، ۳۹۳، صحیح مسلم، الجامع، حدیث: (۱۷۸۸) متدرک حاکم: ۳/۳۱۳، اور حاکم نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح الإسناد ہے

اور حافظ ذہبی نے ان کی تائید کی ہے۔

الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا (اور اللہ نے کافروں کو غیظ و غضب بھرے دلوں کے ساتھ واپس کر دیا، اپنی کوئی بھی مراد حاصل نہ کر سکے، اور اللہ مومنوں کی طرف سے قتال کے لئے کافی ہو گیا، اور اللہ بڑی قوت والا، زبردست ہے) [الاحزاب: ۲۵] جب صبح ہوئی اور مسلمانوں نے خندق کی دوسری طرف نظر ڈالا تو چند بکھرے خالی خیموں کے سوا کچھ بھی نظر نہ آیا، اور رسول اللہ ﷺ اور مسلمان اپنے گھروں کو کامیاب و بامراد واپس آ گئے۔

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب کافروں کی فوج کا پیچھا کرنے کے بعد واپس لوٹے تو اپنا زہرہ اتار دیا، غسل فرمایا اور خوشبو لگائی (۱)۔

معمر کہ خندق نے طاقت کا توازن بدل دیا:

اس غزوہ کی تفصیلات سے ہمیں اس بات کا بخوبی علم ہو گیا کہ یہ معرکہ اُس دور میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سب سے خطرناک معرکہ تھا، اور دشمنانِ اسلام تھک ہار کر اور نہایت خائب و خاسر ہو کر واپس چلے گئے، اور انہیں اس بات کا پورا یقین ہو گیا کہ یہ چھوٹی سی اسلامی طاقت جو بڑی تیزی کے ساتھ مدینہ میں نشوونما پا رہی ہے اسے اللہ تعالیٰ نے اس لئے نہیں پیدا کیا ہے کہ کافر طاقتیں جمع ہو کر اس کا خاتمہ کر دیں۔

یہ معرکہ ایسا فیصلہ کن تھا جس نے مسلمانوں اور کافروں کے درمیان طاقت کے توازن کو یکسر بدل دیا، چنانچہ کفر و شرک کی طاقت اس معرکہ کے بعد زوال پذیر ہو گئی، اور اسلام کی طاقت روز افزوں ترقی کرتی گئی۔

سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے لشکرِ انِ کفار کی واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا: اب ہم آگے بڑھ کر ان پر حملہ کریں گے، وہ ہم پر حملہ نہیں کریں گے، جنگ کرنے کے لئے ہم ان کی طرف چل کر جائیں گے (۲)۔

(۱) مجمع الزوائد، بیہقی: ۱۴۰، بیہقی کہتے ہیں، اسے طبرانی نے المعجم الاوسط میں روایت کی ہے اور اس کے رجال ثقات ہیں۔

(۲) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۱۰۹، ۴۱۱۰)، مسند احمد: ۳/۲۶۲۔



غزوہ بنی قریظہ

جبریل علیہ السلام بنو قریظہ کے خلاف جنگ میں:

ہم نے یہ بات جان لی ہے کہ غزوہ خندق کی ابتدا اشوال سن ۵ ہجری میں ہوئی تھی اور کافروں کا محاصرہ ابتداء ذی القعدہ میں ختم ہوا تھا، اور جب رسول اللہ ﷺ غزوہ سے لوٹ کر مدینہ آئے، تو عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہوئے، اپنا سر دھویا اور نہائے اور ظہر کی نماز پڑھی، اسی وقت جبریل علیہ السلام ایک نجر پر ہوار ہو کر آئے جس پر چمڑے کا زین اور اس پر ایک چادر پڑی تھی، جس کے کناروں پر غبار چمک رہا تھا۔ جبریل نے جنازہ پڑھنے کی جگہ پر کھڑے ہو کر آواز لگائی، اے جہاد کرنے والے! لایئے اس آدمی کو جو آپ کو معذور سمجھتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ گھبرا کر باہر نکلے تو جبریل نے کہا: کیا میں آپ کو دیکھ نہیں رہا ہوں کہ آپ نے جنگ کا لباس اتار دیا ہے، حالانکہ فرشتوں نے ابھی نہیں اتارا ہے، ہم نے دشمنوں کو حمراء الاسد سے آگے بھگا دیا ہے۔ اللہ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ بنو قریظہ تک چل کر جاییے، میں بھی ان کے پاس جا رہا ہوں، اور ان کے قلعوں کو متزلزل کرنے والا ہوں۔

علم اسلام علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں:

رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان کے ہاتھ میں اسلام کا علم دیا، یہ وہی علم تھا جو غزوہ خندق کے لئے بلند کیا گیا تھا، اور رسول اللہ ﷺ نے بلال کو بھیجا تاکہ لوگوں میں اعلان کر دیں کہ آپ ﷺ انہیں حکم دیتے ہیں کہ وہ عصر کی نماز بنو قریظہ میں پڑھیں، رسول اللہ ﷺ نے زہرہ اور خود اور جنگی لباس پہن لیا، اور اپنے ہاتھ میں نیزہ لے لیا اور ڈھال سنبھال لی، اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئے (۱)۔

(۱) ایک علمی فقہی فائدہ:

اس حدیث کو بخاری و مسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے غزوہ احزاب کے دن فرمایا: کوئی شخص عصر کی نماز بنو قریظہ کے سوا کسی دوسری جگہ نہ پڑھے، بعض لوگوں کی نماز کا وقت راستہ میں ہی ہو گیا، تو کسی نے کہا کہ ہم بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے نماز نہیں پڑھیں گے، اور کسی نے کہا: ہم پڑھیں گے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا مقصد یہ نہیں تھا جو کچھ لوگوں نے سمجھا ہے، یہ بات نبی کریم ﷺ کو بتائی گئی تو آپ نے ان میں سے کسی کو ڈانٹ نہیں پلائی (صحیح البخاری، المغازی، حدیث: ۳۱۱۹)، صحیح مسلم، المہجاء، حدیث: (۱۷۷۰)۔ اور طبرانی نے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو تاکید کی کہ وہ عصر کی نماز بنو قریظہ میں پڑھیں، چنانچہ وہ جنگی ہتھیار و لباس پہن کر نکل پڑے، اور بنو قریظہ آفتاب غروب ہونے کے بعد پہنچے، راستہ میں عصر کی نماز کے بارے میں لوگوں میں اختلاف ہو گیا، کسی نے کہا: وقت آگیا ہے تو ہمیں راستہ میں ہی نماز پڑھ لینا چاہئے، اس لئے کہ =

صحابہ کرام نے بھی ایسا ہی کیا، اپنے ہتھیار اور جنگی لباس پہن کر گھوڑوں پر سوار ہو گئے، جن کی تعداد چھتیس تھی اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھ دو گھوڑے لئے اور ایک پر سوار ہو گئے۔ اور مدینہ میں اپنا نائب عبد اللہ بن ام مکتوم کو بنایا اور صحابہ کرام کے ساتھ چل پڑے اور گھوڑ سوار پیدل چلنے والے آپ کے چاروں طرف سے چل پڑے، راستہ میں رسول اللہ ﷺ بنو نجار کے کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے، ان میں حارثہ بن نعمان بھی تھے، یہ سب کے سب ہتھیار سے لیس ہو کر صف بنائے کھڑے تھے، آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: کیا تمہارے پاس سے کوئی گزرا ہے، انہوں نے کہا: ہاں، وجیہ کلبی ایک خنجر پر سوار یہاں سے گزرے ہیں، اور ہمیں جنگی لباس پہننے کا حکم دیا ہے، اس لئے ہم نے اپنے ہتھیار سنبھال لیے ہیں اور صف بنا کر کھڑے ہو گئے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بتایا کہ وہ جبریل تھے (۱)۔

بنو قریظہ کا حصار:

رسول اللہ ﷺ بنو قریظہ پہنچ کر ”انا“ نامی کنواں کے پاس فروکش ہوئے جو حرہ بنی قریظہ کے دامن میں واقع ہے، علی رضی اللہ عنہ مہاجرین و انصار کی ایک جماعت کے ساتھ بنو قریظہ پہلے پہنچ چکے تھے، جنہیں دیکھ کر یہود رسول اللہ ﷺ اور آپ کی بیویوں کو گالیاں دینے لگے، لیکن مسلمان خاموش رہے، بس صرف اتنا کہا کہ

= رسول اللہ ﷺ کا مقصد نماز کو فوت کرنا نہیں تھا، اور کسی نے کہا آپ نے ہمیں تاکید کی تھی کہ ہم بنو قریظہ میں ہی نماز پڑھیں، اس لئے اگر ہم رسول اللہ کی عزیمت پر عمل کریں گے تو ہمیں کوئی گناہ نہیں ہوگا، چنانچہ ایک گروہ نے راستہ میں ہی عصر کی نماز پڑھ لی، اور دوسرے گروہ نے غروب آفتاب کے بعد بنو قریظہ پہنچ کر نماز پڑھی تو رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں گروہوں میں سے کسی کو نہیں ڈانٹا، بدیہی نے مجمع الزوائد (۶/۱۳۰) میں لکھا کہ اسے طبرانی نے ۱۹/۷۹، ۸۰) حدیث (۱۶۰) کے تحت روایت کی ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں، ابن ابی ہریرل کے سوا جو ثقہ راوی ہیں۔

یہ دلیل ہے اس بات کی کہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں جماعتوں کے عمل کی تائید کی وہ جماعت جس نے ظاہری نص پر عمل کیا اور بنو قریظہ پہنچنے کے بعد ہی نماز پڑھی، اور وہ جماعت جس نے نبی کریم ﷺ کے حکم سے یہ سمجھا کہ آپ نے صحابہ کرام کے بنو قریظہ جلد از جلد پہنچنے کا شدید اہتمام کیا، تاکہ ان پر اچانک حملہ کر دیں، اور آپ کا مقصد نماز کو ضائع کرنا اور اسے اس کے وقت مقرر سے مؤخر کرنا ہرگز نہیں تھا۔

اس تفصیل سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جو شخص ظاہر نص پر عمل کرے گا، اس کا عمل صحیح ہوگا، اور اللہ کی جانب سے اجر کا مستحق ہوگا، اور جو شخص رسول اللہ ﷺ کے حکم کی حکمت کو جاننا چاہے گا اور قرآن و سنت کی روشنی میں اس کے غایت و مقصد کو پانا چاہے گا وہ بھی اللہ کی جانب سے اجر کا مستحق ہوگا، اگرچہ اس نے ظاہر کی مخالفت کی جو فہم انسانی کے زیادہ قریب اور واضح ہے، واللہ ولی التوفیق۔

(۱) مسند احمد: ۱۳۱/۶، ۱۳۲/۱، ابن کثیر کہتے ہیں: اس حدیث کی سند جید ہے اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری: ۱۱/۵۳ میں لکھا ہے کہ اس کی سند حسن ہے، اور ابن حبان نے اپنی کتاب الصحیح میں حدیث: (۶۹۸۹) کے تحت روایت کی ہے۔

ہمارے اور تمہارے درمیان اب تلوار ہی فیصلہ کرے گی، اور جب رسول اللہ ﷺ کی ملاقات علی بن ابوطالب سے ہوئی تو انہوں نے آپ سے کہا کہ آپ یہود کے قلعوں کے قریب نہ جائیں، آپ ﷺ نے پوچھا: کیوں، شاید تم نے میرے بارے میں ان کی زبان سے کوئی تکلیف دہ بات سنی ہے، علی نے کہا: ہاں، تو رسول اللہ ﷺ نے کہا: جب وہ مجھے دیکھ لیں گے تو ایسی کوئی بات نہیں کہیں گے۔

رسول اللہ ﷺ ان کے قلعہ کے پاس اترے، (اُس وقت وہ سب قلعہ کے بالائی حصہ میں تھے) تو آپ نے بلند آواز سے اُن کے سرداروں میں سے کچھ کے نام لے کر پکارا، اور کہا: اے جماعتِ یہود! اے ہندروں کے بھائی! میری بات کا جواب دو، اللہ عزوجل کی رسوائی تم پر نازل ہو چکی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے پچیس رات ان کا محاصرہ کیا، اس درمیان کسی طرف سے نہ تیر چلا، اور نہ پتھر، اور بنو قریظہ نے اس پوری مدت میں اپنے قلعوں سے نکلنے کی ہمت نہیں کی۔

انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بات کرنی چاہی، تو آپ نے ان کو اجازت دیدی، انہوں نے نباش بن قیس کو اتر کر آپ کے پاس جانے کے لئے کہا، وہ شخص آپ سے ایک گھڑی بات کرتا رہا، اور کہا کہ ان کے ساتھ بھی بنو نضیر جیسا معاملہ کیا جائے، تو آپ ﷺ نے انکار کر دیا، اس نے پھر کہا: ہماری جان بخشی کر دی جائے اور ہماری عورتیں اور بچے ہمیں دے دیئے جائیں، ہمیں اونٹوں پر لادے گئے مال و اسباب کی ضرورت نہیں، تو آپ نے پھر انکار کر دیا، اور کہا کہ اب تو انہیں میرا فیصلہ کو ہی ماننا پڑے گا۔

ان کے سردار کعب بن اسد نے کہا: اے جماعتِ بنی قریظہ! اللہ کی قسم! اتم جانتے ہو کہ محمد اللہ کے نبی ہیں، اور ہمیں صرف حسد نے اس کے دین میں داخل ہونے سے روک رکھا ہے، اور میں بدعہدی کا مخالف تھا، لیکن ہمیں اس بد بخت کی نحوست لگ گئی ہے جو ہمارے پاس بیٹھا ہوا ہے (یعنی حُیّی بن اخطب) اس لئے آؤ ہم اس کی اتباع کر لیں، اس کی بات مان لیں، اور اس پر ایمان لے آئیں، تاکہ ہم اپنی جانوں، اپنے بچوں، اپنی عورتوں اور اپنے مال و اسباب کو بچالیں، لیکن ان یہود نے اس کی بات نہیں مانی، تب کعب نے کہا: پھر آؤ، پہلے ہم اپنے بچوں اور عورتوں کو قتل کر دیں، پھر تلوار لے کر محمد اور اس کے ساتھیوں کے سامنے نکل پڑیں، اگر ہم قتل کر دیئے جائیں گے تو ہمارے پیچھے کوئی ایسی چیز باقی نہیں رہے گی جس کی ہمیں فکر ہوگی، اور اگر ہم کامیاب ہو گئے تو دوبارہ عورتیں اور بچے حاصل کر لیں گے، لیکن یہود نے اس کی یہ بات بھی رد کر دی، تب اس نے کہا: اب صرف ایک رائے رہ گئی ہے، اگر تم نے اُسے بھی قبول نہیں کیا تو تم جانو۔ انہوں نے کہا: وہ کیا ہے؟ کہا آج کی رات سنبڑ ہے، اور محمد اور اس کے ساتھی ہماری طرف سے مطمئن ہیں کہ آج کی رات ہم ان سے قتال نہیں کریں گے، اس لئے ہم

نکل پڑیں، شاید انہیں دھوکا دے کر شکست دے سکیں۔

اسی رات سحیہ کے دونوں بیٹے ثعلبہ اور اُسید اور ان کے چچا اسد بن عبید قلعہ سے نیچے اتر آئے اور اسلام قبول کر لیا، جس کے نتیجے میں ان کی جانیں، ان کے بال بچے اور ان کے مال و اسباب محفوظ ہو گئے۔

اور اسی رات سحیہ کے بیٹوں کے ساتھ عمرو بن سعدؓ نکلا اور مسجد نبویؐ میں آیا اور وہیں صبح تک سویا رہا پھر پتہ نہیں چلا کہ اس کا کیا ہوا، رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کے وفائے عہد کے سبب نجات دے دی (اس لئے کہ وہ بدعہدی کرنے والوں کے ساتھ نہیں تھا) ^(۱)۔

بنو قریظہ نے ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ مانگا:

جب محاصرہ ان پر شدید تنگ ہو گیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو خبر بھیجی کہ وہ ہمارے پاس ابولبابہ بن عبد المذکر کو بھیج دیں، تاکہ ہم ان سے اپنے بارے میں مشورہ کریں۔ ابولبابہ بنی عمرو بن عوف میں سے تھے جو بنو قریظہ کے حلیف اور ان کے بہت ہی خیر خواہ تھے، اور ان کا مال و عیال انہی کے علاقے میں تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا کہ تم اپنے حلیفوں کے پاس جاؤ، اس لئے کہ انہوں نے قبیلہ اوس میں سے تم ہی کو بلایا ہے، جب وہ ان کے پاس پہنچے، تو تمام مردان کے ارد گرد کھڑے ہو گئے، اور عورتیں اور بچے دھاڑیں مار مار کر رونے لگے، یہ کیفیت دیکھ کر ابولبابہ متاثر ہو گئے، بنو قریظہ انہیں چاروں طرف سے گھیر کر پوچھنے لگے، اے ابولبابہ! آپ کا خیال ہے؟ محمدؐ نے تو کوئی بات اس کے سوا ماننے سے انکار کر دیا کہ ہم اس کا فیصلہ قبول کر لیں۔

ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ:

ابولبابہ نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ تم لوگ قلعہ سے نیچے اترو گے تو ذبح کر دیئے جاؤ گے، اس کے فوراً بعد ہی ابولبابہ کو احساس ہو گیا کہ انہوں نے اس اشارہ کے ذریعہ مسلمانوں کا ایک راز فاش کر دیا ہے، اور اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کی ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ کے پاس دوبارہ جانے کی انہیں جرأت نہیں ہوئی، بلکہ سیدھے مسجد نبویؐ میں گئے اور ایک بھاری زنجیر کے ذریعہ اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ دیا، اور قسم کھالی کہ وہ مرجائیں گے لیکن نہ کھانا کھائیں گے اور نہ پانی پیئیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کر لے، اور اللہ سے عہد کیا کہ اب وہ زندگی میں کبھی بھی بنو قریظہ کے علاقے میں نہیں جائیں گے، اور اس بستی میں نہیں دیکھے جائیں گے جس میں انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ

کو جب یہ خبر ہوئی تو فرمایا: اگر وہ میرے پاس آتا تو میں اس کے لئے مغفرت کی دعا کرتا، لیکن اب جبکہ اس نے اپنی سمجھ کے مطابق ایسا کیا ہے تو میں اس کی زنجیر نہیں کھولوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لے۔

اللہ تعالیٰ نے ابولبابہ کے بارے میں مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (اے ایمان والو! اللہ اور رسول اللہ کے ساتھ خیانت نہ کرو، اور جانتے ہوئے تمہارے پاس موجود امانتوں میں خیانت نہ کرو) [الأنفال: ۲۷] ابولبابہ چھ رات اسی طرح زنجیر میں بندھے ہوئے رہے، نہ کھانا کھاتے تھے اور نہ پانی پیتے تھے اور ان کی بیوی ہر نماز کے وقت آکر انہیں کھول دیتی تھیں، تاکہ وہ نماز پڑھ لیں، پھر وہ ستون کے پاس آجاتے اور ان کی بیوی انہیں اس ستون سے باندھ دیتی۔

ابولبابہ نے کہا: میں اسی طرح بندھا رہوں گا، یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہو جاؤں، یا اللہ میری توبہ قبول کر لے، وہ اسی طرح رہے یہاں تک کہ سخت کمزوری کے سبب ان کی آواز نہیں سنائی دیتی تھی، اور رسول اللہ ﷺ صبح و شام انہیں دیکھتے رہتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ نازل فرمائی: ﴿وَآخِرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللَّهُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (اور کچھ دوسرے لوگ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا، انہوں نے نیک اور برے کام ملا دیئے، امید ہے کہ اللہ ان پر توجہ فرمائے گا، بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے) [التوبہ: ۱۰۲]۔

یہ آیت نازل ہوتے ہی منادی کرا دی گئی کہ اللہ نے ابولبابہ کی توبہ قبول کر لی، اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو خبر بھیج دی کہ وہ اپنے آپ کو ستون سے کھول لیں، لیکن انہوں نے انکار کر دیا، اور کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کوئی نہیں کھولے گا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور ان کی زنجیر کھول دی۔

بنو قریظہ نے شکست قبول کر لی:

جب بنو قریظہ کے گرد مسلمانوں کا حصار سخت تنگ ہو گیا، اور ان کی مصیبت ان کے لئے بلائے جان ہو گئی تو بالآخر شکست کا اعلان کر کے رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو ماننے کا اعلان کر دیا، تب رسول اللہ ﷺ نے قیدیوں کو رسیوں سے باندھنے کا حکم دیا، اور اس کی ذمہ داری محمد بن مسلمہ کو سونپی، تمام مرد ایک طرف کر دیئے گئے اور عورتیں اور بچے قلعوں سے نکال کر ایک طرف کر دیئے گئے، اور ان سب کی نگرانی عبد اللہ بن سلام کو سونپی گئی، اور آپ ﷺ کے حکم سے ان کے مال و اسباب، ہتھیار، اور کپڑے وغیرہ اور جو کچھ ان کے قلعوں میں ملا، سب

ایک جگہ جمع کر دیئے گئے۔

اور قبیلہ اوس کے لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! یہ لوگ ہمارے حلفاء ہیں، اور آپ نے گزشتہ کل ہمارے بھائی اہل خزرج کے ساتھ اچھا معاملہ کیا ہے جو سب کو معلوم ہے، آپ نے ان کے حلیف یہودیوں کو عبد اللہ بن ابی کو دے دیا تھا، آپ نے اسے تین سو ننگے سر مقابل اور چار سو زورہ پہنے ہوئے مقابل دے دیئے تھے، اور ہمارے حلفاء اپنے نقض عہد پر بہت نادم ہیں، اس لئے آپ انہیں ہمیں عطا کر دیجئے، رسول اللہ ﷺ خاموش ان کی باتیں سنتے رہے، جب ان کا الحاح واصرار بہت بڑھ گیا اور قبیلہ اوس کے تمام لوگ بولنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس بات کو پسند کرو گے کہ ان کا معاملہ تم میں سے ایک آدمی کے حوالے کر دیا جائے، انہوں نے کہا: ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: میں یہ معاملہ سعد بن معاذ کے حوالے کرتا ہوں، سعد اس دن مسجد نبوی میں کعبیہ بنت سعد بن عتبہ کے خیمہ میں زیر علاج تھے، یہ کعبیہ زنجیوں کا علاج اور ان کی دیکھ بھال کرتی تھیں، اور گرم شدہ چیزوں کی نگرانی بھی کرتی تھیں، اسی لئے مسجد نبوی میں ان کا ایک خیمہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے سعد کو اسی خیمے میں علاج کے لئے رکھا تھا۔

جب آپ ﷺ نے بنو قریظہ کے معاملے میں فیصلہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا، تو ان کے پاس ان کی قوم قبیلہ اوس کے لوگ آئے، انہیں ایک گدھے پر بٹھایا اور ان کے لئے چمڑے کی ایک تکیہ رکھ دی، اس لئے کہ سعد ایک کچم و شیم اور خوبصورت آدمی تھے، پھر سب مل کر ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، وہ سب کہہ رہے تھے، اے ابو عمرو! آپ اپنے حلیفوں پر احسان کیجئے۔ اور انہوں نے جب بہت ہی الحاح سے کام لیا، تو سعد نے کہا: سعد کے لئے وہ گھڑی آگئی ہے کہ اللہ کے معاملے میں وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی فکر نہ کرے، یہ سن کر ضحاک بن خلیفہ نے کہا: ہائے میری قوم کے لوگ! پھر ضحاک اوس والوں کے پاس گیا اور ان کو بنو قریظہ کی ہلاکت و بربادی کی خبر سنائی۔

سعد بن معاذ کا فیصلہ:

سعد رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو لوگ آپ کے گرد بیٹھے تھے، سعد قریب پہنچے تو آپ نے صحابہ کرام سے کہا: تم لوگ اپنے سردار کے استقبال کے لئے کھڑے ہو جاؤ، چنانچہ سب کے سب ان کے احترام میں کھڑے ہو گئے، جب انہیں گدھا سے اتارا گیا تو لوگوں نے کہا: اے سعد! ان لوگوں نے آپ کا فیصلہ ماننے کی رضامندی دے دی ہے۔

سعد نے کہا: کیا تم سب بنو قریظہ کے معاملے میں میرے فیصلے پر متفق ہو، انہوں نے کہا: ہاں، ہم آپ کے

فیصلہ پر آپ کے غائبانہ میں راضی ہو چکے ہیں، اس امید کے ساتھ کہ آپ ہم پر احسان کیجئے گا، جیسا کہ خزر ج کے لوگوں نے اپنے حلیف بنو قینقاع پر احسان کیا تھا، سعد نے کہا: کیا تم اللہ سے عہد و پیمان کرتے ہو کہ ان کے بارے میں میں جو فیصلہ کروں گا اسے تم لوگ مان لو گے، انہوں نے کہا: ہاں، پھر سعد نے اس جانب اشارہ کر کے جدھر رسول اللہ ﷺ تھے کہا: اور کیا جو لوگ اس طرف ہیں انہیں بھی میرا فیصلہ منظور ہے، تو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ نے کہا: ہاں۔

سعد نے کہا: میں ان کے بارے میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ ان تمام کو قتل کر دیا جائے، جن کے زیر ناف بال اگ چکے ہیں، اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا جائے، اور مال و اسباب مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دئے جائیں رسول اللہ ﷺ نے کہا: اے سعد! تمہارا فیصلہ وہی ہے جو اللہ عز و جل کا فیصلہ سات آسمان کے اوپر ہوا ہے^(۱)۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے وہ تمام مقتولین بنو قریظہ اسامہ بن زید کے گھر میں ہانک کر لے جائے گئے، اور عورتیں اور بچے حارث کی بیٹی کے گھر میں، اور آپ کے حکم سے ان قیدیوں کے ساتھ کھجوریں بکھیر دی گئیں جنہیں وہ رات بھر گدھوں کی طرح کھاتے رہے، اور تورات پڑھتے رہے۔

اور رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ان کے ہتھیار، مال و اسباب اور کپڑے وغیرہ حارث کی بیٹی کے گھر میں جمع کر دیئے گئے، اور اونٹ اور بکریاں درختوں کے درمیان چرنے کے لئے چھوڑ دی گئیں۔
بالغ یہودیوں کا قتل:

رسول اللہ ﷺ صبح سویرے بازار مدینہ میں گئے، اور آپ کے حکم سے وہاں ابو جہم عدوی کے گھر اور تیل کی دکانوں کے درمیان گہرا خندق کھودا گیا، پھر قیدیوں کو لا کر ان کی گردنیں مار دی گئیں، انہیں وہاں یکے بعد دیگرے لایا جاتا تھا، انہی میں اللہ کے دشمن حُیَی بن اخطب اور کعب بن اسد بھی تھے، یہودیوں نے کعب بن اسد سے پوچھا جب اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے جایا جا رہا تھا کہ تمہارا کیا خیال ہے، محمد ہمارے ساتھ کیا معاملہ کرے گا؟ کعب نے کہا: کیا ہر جگہ تمہاری عقل ماری جاتی ہے، تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ بلانے والا یکے بعد دیگرے بلارہا ہے، اور تم میں سے جو جاتا ہے وہ واپس نہیں آتا۔ اللہ کی قسم! تمہارا انجام تلوار ہے۔ چنانچہ یہ تمام قیدی رسول اللہ ﷺ کے سامنے قتل کر دیئے گئے، اور انہیں قتل کرنے والے علی اور زبیر تھے۔

(۱) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۱۴۱، ۴۱۴۲، ۳۸۰۴، ۶۲۶۲)، صحیح مسلم، الجہاد، حدیث: (۱۷۶۸)، سنن ابی داؤد، الاذنب، حدیث:

(۵۲۱۵)، مسند احمد: ۲۲۷/۳، دلائل السبہ: ۱۸/۱۳، سیرۃ ابن ہشام: ۳۵۲/۳-۲۴۰۔

پھر حبیب بن اخطب کو لایا گیا، جس کے دونوں ہاتھ اس کی گردن کے ساتھ بندھے ہوئے تھے، اور اس نے ایک سرخ رنگ کا لباس پہنا ہوا تھا، اس نے اسے قتل کئے جانے کے لئے پہن لیا تھا، جب وہ سامنے آیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے کہا: اے اللہ کے دشمن! کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں میرے قبضے میں نہیں پہنچا دیا؟ اس نے کہا: ہاں، اللہ کی قسم! میں نے تم سے عداوت کر کے کبھی اپنے آپ کو ملامت نہیں کی، اور میں نے عزت تلاش کی، لیکن اللہ نے اس کے سوا ہر بات کا انکار کر دیا کہ اس نے مجھے تمہارے قبضے میں کر دیا، اور میں تمہاری دشمنی میں ہر جگہ پہنچا، لیکن اللہ جس کو رسوا کرنا چاہے وہ رسوا ہو کر رہتا ہے۔ پھر اس کی گردن مار دی گئی۔

پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس کعب بن اسد کو لایا گیا جس کے دونوں ہاتھ اس کی گردن کے ساتھ بندھے ہوئے تھے، یہ خوبصورت آدمی تھا، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: تم کعب بن اسد ہو؟ اس نے کہا: ہاں، اے ابو القاسم! اگر مجھے یہودیوں نے تلوار سے خوف کھا جانے کا عار نہ دلایا ہو تا تو میں تمہاری اتباع کر لیتا، میں اب بھی یہود کے دین پر ہوں، آپ ﷺ نے کہا: اسے آگے لے جاؤ، اور اس کی گردن مار دو، چنانچہ اس کی گردن مار دی گئی (۱)۔ اور نباتہ نضیر یہ (عورت) کو قتل کیا گیا، اس لئے کہ اس نے خلد بن سویدہ پر کسی مکان کے اوپر سے چکی گرا کر ان کا سر پھل دیا تھا، جس کے سبب وہ شہید ہو گئے تھے۔

بالغ و نابالغ کے درمیان تمیز:

نبی کریم ﷺ نے نابالغوں اور بالغوں کے درمیان تمیز کرنے کے لئے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ وہ دیکھیں، جس کے زیر ناف بال اُگ آئے ہیں اسے قتل کر دیا جائے، اور جس کے بال نہیں اُگے ہیں اسے نہ قتل کیا جائے۔ عطیہ قرظی کہتے ہیں: میرے بال نہیں اُگے تھے (اس لئے مجھے قتل نہیں کیا گیا)۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ لوگوں نے میرا زیر ناف کھول کر دیکھا تو انہیں کوئی بال اُگا ہوا نہیں ملا اس لئے مجھے قیدیوں میں شمار کر لیا گیا (۲)۔

مقتولین کی تعداد:

بنو قریظہ کے مقتولین کی تعداد میں اختلاف ہے، امام احمد نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ان کی تعداد چار سو تھی، اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ ابن اسحاق کے نزدیک ان کی تعداد چھ سو تھی، اور ابن عائد نے قتادہ کی ایک مرسل روایت نقل کی ہے کہ ان کی تعداد سات سو تھی۔

(۱) الحیاة العسکرية: ص ۱۸۲، ۱۸۳، غزوات النبی ﷺ للیبود: ص ۷۹-۸۰، صحیح السیرۃ النبویہ، یرایم: ص ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶

(۲) سنن ابوداؤد، الحدود، حدیث: (۴۳۰۵، ۴۳۰۶)، سنن الترمذی، الجہاد، حدیث: (۱۵۸۳)، اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے، اور اسے نسائی اور ابن ماجہ نے اور امام احمد نے مسند میں روایت کیا ہے۔

اور سہیلی نے لکھا ہے: سب سے زیادہ ان کی تعداد بتانے والے کہتے ہیں کہ وہ آٹھ سوا اور نو سو کے درمیان تھے، اور ترمذی، نسائی اور ابن حبان کے نزدیک جابر بن عبد اللہ سے سند صحیح کے ساتھ مروی حدیث کے مطابق اُن مقتولین کی تعداد چار سو تھی۔ ان تمام اقوال کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کے لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کے مقتولین کی تعداد چار سو تھی اور باقی مقتولین اُن کے دوسرے لوگ تھے، اور ابن اسحاق نے ایک قول نقل کیا ہے کہ تمام مقتولین نو سو تھے^(۱)۔

زبیر بن باطا ثابت بن قیس کو ہبہ کر دیا گیا:

زبیر بن باطا نے جنگ بعاث کے دن ثابت بن قیس پر احسان کیا تھا، اس لئے ثابت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! زبیر نے بعاث کے دن مجھ پر احسان کیا تھا، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس موقع سے اس کے اس احسان کا بدلہ چکا دوں، آپ اسے میرے لئے ہبہ کر دیجئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ تمہارے لئے ہے، زبیر نے کہا: میں ایک بوڑھا آدمی ہوں، یشرب میں نہ میرے اہل و عیال ہیں اور نہ مال و اسباب، میں زندہ رہ کر کیا کروں گا، یہ سن کر ثابت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، اور کہا: اے اللہ کے رسول! آپ مجھے اس کا لڑکا بھی دے دیجئے، چنانچہ آپ نے اس کا لڑکا ان کے حوالے کر دیا، ثابت نے پھر کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے اس کے بال بچے اور اس کا مال بھی دے دیجئے، آپ نے انہیں اس کا مال اور اس کے بال بچے بھی دے دیئے ثابت زبیر کے پاس گئے، اور اس کو ان تمام باتوں کی اطلاع دی، زبیر نے ثابت سے کعب بن اسد، حیسی بن اخطب، عزال بن سموال، نباش بن قیس، وہب بن زید، عقبہ بن زید اور دونوں عمرو کے بارے میں پوچھا جو ایک ساتھ بیٹھ کر تورات پڑھا کرتے تھے۔ ثابت نے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں اسے بتایا کہ وہ قتل کر دیا گیا، زبیر نے کہا: اے ثابت! ان تمام کے قتل کر دیئے جانے کے بعد اب زندہ رہنے میں کوئی خیر نہیں، کیا میں اکیلا اس گھر میں واپس جاؤں جس میں یہ لوگ رہا کرتے تھے، اور کیا مجھے ان سب کے بعد اس گھر میں ہمیشہ کی زندگی مل جائے گی؟ مجھے ایسی زندگی کی ضرورت نہیں۔ یہ سن کر ثابت نے اسے زبیر بن عوام کی طرف بڑھا دیا، اور انہوں نے اس کی گردن مار دی، اور رسول اللہ ﷺ نے زبیر کا مال اور اس کے بال بچے اس کے لڑکے کے حوالے کر دیا، اور اس کی بیوی کو آزاد کر دیا، اور ہتھیار کے سوا ان کے تمام مال و اسباب یعنی کھجور کا باغ اور اونٹ وغیرہ بھی ان کو لوٹا دیئے، اور یہ سب لوگ ثابت بن قیس کے خاندان والوں کے ساتھ رہنے لگے۔

شُبہ کا ازالہ :

بعض معاصر مؤلفین نے بخاری و مسلم اور دیگر محدثین کی روایت کردہ ان صحیح احادیث کا انکار کیا ہے جن میں بنو قریظہ کے بالغ مردوں کے قتل کا ذکر آیا ہے، اور وہ اس خام خیالی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ انہوں نے اپنے اس انداز فکر کے ذریعہ اسلام کا دفاع کیا ہے، ان کے زعم باطل کے مطابق ان یہود کے قتل کا اعتراف انسانی احساسات کو مجروح کرنے کے مترادف ہے اور رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف صہیونی طاقتوں کی تائید کرنی ہے۔ سنت نبوی کے بارے میں اس قسم کی تحریریں اس بات کی دلیل ہیں کہ وہ مؤلفین ذہنی طور پر شکست خوردہ ہیں اور اسلام میں سنت نبوی کی اہمیت سے ناواقف ہیں، نیز اللہ تعالیٰ پر عدم اعتماد اور فہم قرآن و سنت میں ان کی سطحیت کی دلیل ہے۔

بنو قریظہ کے بالغ مرد اس خیانت عظمیٰ کے سبب قتل کئے گئے جن کا انہوں نے ارتکاب کیا تھا، اگر اللہ تعالیٰ کا فضل خاص اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام اور ان کے اہل و عیال پر اللہ کی نظر کرم نہ رہی ہوتی تو دشمنان اسلام نے یہود بنی قریظہ کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے وجود کو ہی ختم کر دیا ہوتا، اور انہیں انہی جیسے خندقوں میں ذبح کر دیا جاتا جو خندق یہود کے لئے کھودے گئے تھے، اور دنیا سے اسلام کا وجود ہمیشہ کے لئے مٹ جاتا۔ اور ان تمام مہلک اور خطرناک نتائج کا بنیادی سبب بنو قریظہ کی غداری اور ان کی خیانت ہوتی، اس لئے کہ مسلمانوں نے خندق اس لئے کھودا تھا کہ دشمنان اسلام مدینہ میں نہ داخل ہو سکیں، اور بنو قریظہ کی طرف سے انہیں کلی طور پر اطمینان تھا، چونکہ مسلمانوں کے ساتھ اُن کا دفاعی معاہدہ تھا، لیکن جب انہوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی تو مدینہ مجاہدین اسلام کے پیچھے سے بالکل کھل گیا، اور مدینہ میں رہنے والے بوڑھوں، عورتوں، اور بال بچوں کو ایسا خطرہ لاحق ہو گیا جس کے بارے میں مسلمانوں نے سوچا بھی نہ تھا، اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل خاص نہ ہوتا تو تمام مسلمان ختم کر دیئے جاتے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے جب اپنے رسول اور مسلمانوں کو غلبہ عطا کیا، اور تمام دشمنان اسلام کو شکست دی، اور یہود کے دلوں میں خوف و دہشت ڈال دی، اور سب دشمن شکست خوردہ ہو کر بکھر گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں کو اپنے رسول اور مسلمانوں کے ذریعہ ان کے بُرے کرتوت کے بُرے انجام تک پہنچا دیا، اور بنو قریظہ کے تمام مقتاتلین قتل کر دیئے گئے، اس لئے کہ سانپ کو قبل اس کے کہ وہ ڈنک مارے قتل کر دیا جاتا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی وحی کے مطابق اس محکم فیصلہ کے ذریعہ مدینہ میں موجود یہودیوں کا آخری قلع قمع کر دیا، اور مدینہ کو ان کے وجود سے پاک کر دیا، اور آئندہ کے لئے یہ خوف جاتا رہا کہ کوئی مسلمانوں پر ان کی پیٹھ کی طرف سے حملہ کرے گا، جیسا کہ بنو قریظہ نے چاہا تھا۔

اس محکم فیصلے کے بعد منافقین کی آواز بھی پست ہو گئی، اور وہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کی کھلی مخالفت سے باز آ گئے، اور انسان نما سانپ اپنے سوراخوں میں گھس گئے، اور مسلمانوں کو راحت و سکون مل گیا۔
ریحانہ بنت زید نبی کریم ﷺ کے گھر میں:

ریحانہ بنت زید بنی نصیر کی تھیں، اور بنو قریظہ میں بیاہی گئی تھیں، جب قیدی رسول اللہ کے سامنے پیش کئے گئے تو آپ نے ریحانہ کو اپنے لئے پسند کر لیا، اور انہیں ام منذر بنت قیس کے گھر بھیج دیا، کچھ دیر بعد آپ ان کے پاس گئے اور کہا: اگر تم اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کر لو گی تو اللہ کا رسول تمہیں اپنے لئے اختیار کر لے گا، انہوں نے کہا: میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں۔ جب انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا اور بارہ اوقیہ اور ایک نش مہر کے بدلے ان سے شادی کر لی۔ اور ام منذر کے گھر میں آپ نے ریحانہ سے ملاقات کی، اور آپ نے ان کے لئے اپنی دیگر بیویوں کی طرح باری مقرر کر دی، اور ان کے لئے پردہ ضروری کر دیا، آپ نے ان سے محرم سن ۶ ہجری میں شادی کی تھی۔ اس کے بعد ریحانہ آپ ہی کے پاس رہیں یہاں تک کہ سن ۱۰ ہجری میں حجۃ الوداع سے آپ کی واپسی کے بعد وفات پا گئیں، اور آپ ﷺ نے انہیں بقیع میں دفن کر دیا^(۱)۔

بہت سے مورخین نے لکھا ہے کہ ریحانہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس بحیثیت لونڈی تھیں، اور آپ ان سے بحیثیت لونڈی ہی ملتے رہے، حافظ ابن کثیر کا بھی یہی خیال ہے، لیکن ابن ابی ذئب کا قول ہے کہ میں نے زہری سے ریحانہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ وہ ابتدا میں رسول اللہ ﷺ کی لونڈی تھیں، پھر آپ نے انہیں آزاد کر کے ان سے شادی کر لی، یہی راجح قول ہے^(۲)۔

اموال غنیمت اور قیدی:

دیاربنی قریظہ میں جتنے ہتھیار اور مال و اسباب موجود تھے وہ سب مسلمانوں کے لئے اموال غنیمت ہو گئے، وہاں مسلمانوں کو ایک ہزار پانچ سو ہتھیار، تین سو زورہ، دو ہزار نیزے اور پانچ سو ڈھال ملے، اور بہت سے اونٹ اور چوپائے بھی ہاتھ آئے، نیز ان کی اراضی اور ان کے گھر اور باغات بھی اموال غنیمت میں شامل کر دیئے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے تمام اموال اور عورتوں اور بچوں کا پانچواں حصہ نکالنے کے بعد باقی مسلمانوں پر تقسیم کر دیا، اور آپ ﷺ نے سعد بن زید انصاری کی مگرانی میں بنو قریظہ کے قیدیوں کو بازار نجد و شام میں بیچ دینے کے لئے

(۱) عیون الاثر: ۳۰۶/۳۔

(۲) دیکھئے: الاستیعاب: ۸۴۷/۴، طبقات ابن سعد: ۸/۲۹۸، التیسیر النبیۃ، ابن کثیر: ۲۴۳/۳، ۲۴۴/۳۔

بھیج دیا، چنانچہ انہوں نے ان سب کو بیچ کر ان کی قیمتوں کے ذریعہ اسلامی فوج کے لئے ہتھیار اور گھوڑے خریدے۔ اور یہ بات قابل ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے تقسیم کرتے اور بیچتے وقت عورتوں اور ان کے بچوں کے درمیان جدائی ڈالنے سے منع فرمایا، اور کہا: ماں اور بچے کے درمیان جدائی نہیں ڈالی جائے گی یہاں تک کہ وہ بچے بالغ ہو جائیں^(۱)۔

سعد بن معاذ کی وفات سے اللہ کا عرش ہلنے لگا:

عائشہ رضی اللہ عنہا ایک طویل حدیث کے ضمن میں روایت کرتی ہیں کہ سعد بن معاذ جب مسجد نبوی میں واقع کعبہ بنت سعد کے خیمے میں واپس آئے تو آپ ﷺ نے ان کے اس زخم کو داغا جو انہیں غزوہ خندق میں تیر سے لگا تھا، تو ان کا ہاتھ سوج گیا، آپ نے پھر اسے دوبارہ داغا، لیکن ان کا ہاتھ پھر سوج گیا، تو سعد نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ! اگر تو نے کفار قریش کے خلاف اپنے نبی پر کوئی جنگ باقی رکھی ہے تو مجھے اس میں شرکت کے لئے باقی رکھ، اور اگر اپنے نبی اور ان کے درمیان جنگ کا سلسلہ تو نے ختم کر دیا تو مجھے اپنے پاس بلا لے۔ اس دعا کے بعد ان کا زخم کھل گیا حالانکہ اس سے پہلے وہ زخم تقریباً مندمل ہو گیا تھا، تو رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر و عمر ان کے پاس فوراً مسجد میں آئے، مسجد نبوی میں بنی غفار کا بھی ایک خیمہ تھا، جب سعد کے زخم سے خون بہ کر ان تک پہنچا تو وہ پکار اٹھے: اے اہل خیمہ! تمہاری طرف سے ہمارے پاس یہ کیسا خون بہہ کر رہا ہے؟ سعد کے زخم سے خون بہتا رہا یہاں تک کہ وفات پا گئے۔ اور ایک روایت میں آتا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، میں اپنے حجرہ میں بیٹھی عمر اور ابو بکر کے رونے کی آواز سنتی رہی^(۲)۔

بخاری و مسلم اور دیگر محدثین نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سعد بن معاذ کی وفات سے اللہ کا عرش ہلنے لگا تھا۔

اور ہزار نے دوسندوں کے ذریعہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے جن میں سے ایک کی سند کے رجال حدیث صحیح کے رجال ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سعد بن معاذ کی وفات پر ستر ہزار فرشتے زمین پر اترے، اُن فرشتوں نے اس سے پہلے کبھی زمین پر قدم نہیں رکھا تھا۔ اور بخاری و مسلم وغیرہم نے براء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دیباچ (ریشم) کا ایک کپڑا دیکھ کر کہا: اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، جنت میں سعد بن معاذ کے رومال اس سے

(۱) الاکتفاء: ۱۳۸، ۱۳۹۔

(۲) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۳۰) مسند احمد: ۱۳۱/۶، ۱۳۲، صحیح ابن حبان، حدیث: (۶۹۸۹)۔

زیادہ اچھے ہیں، اور ابن سعد نے سعد بن ابراہیم سے بروایت مرسل روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تمام رونے والی عورتیں جھوٹی ہیں، سوائے ام سعد کے^(۱)۔

اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، اور پوچھا: یہ کون اللہ کا نیک بندہ ہے، جس کے مرنے کے بعد اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں، اور اللہ کا عرش ملنے لگا ہے؟ جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے نکل کر دیکھا تو سعد بن معاذ وفات پا چکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ دفن کے وقت ان کی قبر کے پاس بیٹھے تھے کہ اچانک آپ نے دوبار سبحان اللہ کہا: تو صحابہ نے بھی سبحان اللہ کہا: پھر آپ نے اللہ اکبر کہا: تو صحابہ نے بھی تکبیر کہی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اللہ کے اس نیک بندے کی حالت پر تعجب ہوا کہ پہلے ان کی قبر ان پر تنگ ہوئی پھر کشادہ کر دی گئی^(۲)۔

اور معاذ بن رفاعہ بن رافع زرقی کی روایت ہے کہ مجھے میری قوم کے کچھ لوگوں نے بتایا کہ جبریل علیہ السلام آدھی رات کو نبی کریم ﷺ کے پاس استبرق کا عمامہ باندھے آئے اور پوچھا: اے محمد! یہ کون مر گیا ہے جس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں، اور اللہ کا عرش ملنے لگا ہے؟ یہ سنتے ہی رسول اللہ ﷺ اپنا کپڑا اٹھٹیتے ہوئے سعد بن معاذ کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ان کی روح پرواز کر چکی تھی^(۳)۔

اور محمد بن لبید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس جگہ تشریف لائے جہاں سعد بن معاذ کا علاج ہو رہا تھا، تو آپ سے کہا گیا کہ انہیں بنو عبد الاشہل میں لے جایا جائے، چنانچہ آپ ﷺ اور آپ کے ساتھ ہم سب تیز رفتاری کے ساتھ چلنے لگے، یہاں تک کہ ہمارے جو توں کے تھے ٹوٹ گئے اور ہماری چادریں گر گئیں۔ اور صحابہ کرام نے جب آپ کو یہ بات بتائی تو آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے ڈر ہوا کہ کہیں فرشتے ہم سے سبقت نہ لے جائیں اور سعد کو غسل کرادیں جیسا کہ فرشتوں نے حظلہ کو غسل کرایا تھا، جب آپ ان کے گھر پہنچے تو انہیں غسل دیا جا رہا تھا، اور ان کی ماں رو رہی تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ہر رونے والی عورت جھوٹی ہے سوائے ام سعد کے۔ پھر آپ ان کا جنازہ لے کر نکلے تو صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم نے کبھی بھی ان کے جنازہ سے ہلکا اپنے کندھوں پر نہیں ڈھویا، تو آپ ﷺ نے فرمایا، اس میں تعجب کی کیا بات ہے، تمہارے ساتھ مل کر ان کا جنازہ اٹھانے کے لئے اتنے اور اتنے فرشتے آسمان سے اترے ہیں، جو آج سے پہلے کبھی نہیں اترے تھے^(۴)۔

(۱) دیکھئے: الصحابہ فی مناقب القراءہ والصحابہ: ص ۳۸۲، ۳۸۳۔

(۲) مسند احمد: ۳/۳۲۷۔

(۳) سیرۃ ابن ہشام: ۲/۲۵۱۔

(۴) طبقات ابن سعد: ۸-۷/۳۳۸، سنن ترمذی، مناقب سعد، حدیث: (۳۹۳۸) اور ترمذی نے اسے صحیح غریب کہا ہے، مشدک حاکم: ۲/۲۰۷۔

اور کہا ہے کہ یہ حدیث شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے، اور ذہبی نے اس پر خاموشی اختیار کی ہے، اس لئے یہ حدیث صحیح ہے۔

اور عبد اللہ بن شداد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب سعد کے پاس پہنچے تو وہ جان کنی کی حالت میں تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: اے قوم کے سردار! اللہ تعالیٰ تمہیں بہترین بدلہ عطا فرمائے، تم نے اللہ سے جو وعدہ کیا اسے پورا کیا، اور یقیناً اللہ بھی تم سے کئے گئے وعدے پورے کرے گا^(۱)۔

ابورافع سلام بن ابی الحقیق کا قتل:

ابورافع سلام بن ابی الحقیق رسول اللہ ﷺ کا بڑا دشمن تھا، اور ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے آپ کے خلاف قبائل عرب کو جنگ کے لئے آمادہ کیا تھا، اسی شخص نے غطفان اور دیگر مشرکین عرب سے مل کر انہیں رسول اللہ ﷺ سے جنگ پر ابھارا تھا، اور انہیں بہت بڑی لالچ دی تھی۔

اور قبیلہ اوس کے انصار نے جنگ اُحد سے پہلے کعب بن اشرف کو رسول اللہ ﷺ سے اس کی دشمنی اور لوگوں کو آپ کے خلاف ابھارنے کے سبب قتل کر دیا تھا۔ اس لئے انصار خزرج نے رسول اللہ ﷺ سے سلام بن ابی الحقیق کو قتل کر دینے کی اجازت مانگی، جو خیبر میں رہتا تھا، تو آپ ﷺ نے انہیں اس کی اجازت دے دی، اور اس کے لئے عبد اللہ بن عتیک بن قیس بن اسود، عبد اللہ بن انیس، سعود بن سنان الاسود، اسعد بن حرام، ابو قتادہ ابن رہی اور اسود خزاعی کو بھیجا، اور ان کا امیر عبد اللہ عتیک کو بنادیا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر یہ کرم بھی کیا تھا کہ اوس و خزرج کے انصار ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی خیر خواہی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا چاہتے تھے، ان دونوں قبیلوں میں سے کوئی اگر کچھ کرتا تو دوسرا بھی ویسا ہی کرتا، اسی لئے جب قبیلہ اوس والوں نے کعب بن اشرف کو قتل کر دیا تو خزرج والوں نے رسول اللہ ﷺ کے ایک دوسرے بڑے دشمن کو تلاش کیا، لوگوں نے خیبر میں رہنے والے ابن ابی الحقیق کا نام بتایا، چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ سے اسے قتل کر دینے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی^(۲)۔

اور امام بخاری نے براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابورافع یہودی کو قتل کرنے کے لئے چند انصار کو بھیجا اور ان کا امیر عبد اللہ بن عتیک کو مقرر کیا، ابورافع رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچاتا تھا، اور آپ کے دشمنوں کی مدد کرتا تھا، وہ خیبر میں اپنے ایک قلعہ میں رہتا تھا، جب یہ صحابہ کرام اس کے قریب پہنچے تو آفتاب غروب ہو چکا تھا، اور لوگ اپنے گھروں میں چلے گئے تھے۔ عبد اللہ نے اپنے ساتھیوں سے

(۱) ابن سعد نے طبقات (۹/۲۳) میں اسے روایت کی ہے، اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۲) سیرۃ ابن ہشام: ۲/۲۷۴، اور اس کے بعد، دلائل التہقیق: ۳۳، ۳۴۔

کہا: تم لوگ اسی جگہ بیٹھو، میں آگے بڑھ کر دربان سے نرمی کے ساتھ کہتا ہوں، شاید کہ وہ دروازہ کھول دے۔
 عبد اللہ دروازہ کے قریب ہوئے تو اپنا کپڑا اپنے چہرہ پر اس طرح ڈال لیا کہ جیسے قضائے حاجت کر رہے
 ہیں، لوگ اندر داخل ہو گئے، تب دربان نے پکارا اے عبد اللہ! اگر تم داخل ہونا چاہتے ہو تو داخل ہو جاؤ، میں
 دروازہ بند کرنا چاہتا ہوں۔ میں داخل ہو کر گھات لگا کر بیٹھ گیا، جب لوگ داخل ہو گئے تو دربان نے دروازہ بند
 کر لیا، اور چابیاں ایک لکڑی پر لٹکادیں، میں نے وہ چابیاں لے لیں، اور دروازہ کھول دیا، اس وقت ابورافع کے
 پاس محفلِ سرود و غنا منعقد تھی، جب لوگ اس کے پاس سے چلے گئے تو میں اس کے پاس پہنچنے کے لئے سیڑھی
 چڑھنے لگا اور جب میں ایک دروازہ کھولتا تو اسے اندر سے بند کر دیتا۔ میں نے دل میں سوچا کہ اگر لوگوں کو میرا پتہ
 چل بھی گیا تب بھی ان کے میرے پاس پہنچنے سے پہلے میں اسے قتل کر دوں گا۔ میں اس کے پاس پہنچ گیا، وہ ایک
 تاریک کمرہ میں اپنے بچوں کے بیچ میں تھا، پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ کہاں ہے؟ میں نے پکارا اے ابورافع! اس نے
 پوچھا: کون ہے؟ میں فوراً آواز کی سمت میں دوڑا اور پریشانی کے عالم میں اس پر تلوار چلا دی، لیکن اسے کاری
 ضرب نہیں لگی، وہ چیخنے لگا اور میں کمرہ سے نکل کر قریب ہی ایک جگہ رک گیا، میں پھر داخل ہوا اور پوچھا: اے
 ابورافع! یہ کیسی آواز تھی؟ اس نے کہا: تمہاری ماں ہلاک ہو، ایک آدمی نے ابھی تھوڑی دیر پہلے مجھ پر تلوار سے
 حملہ کیا ہے، میں نے دوبارہ اس پر وار کیا اور اسے کاری ضرب لگائی، لیکن اسے قتل نہیں کر سکا، اس لئے میں نے
 تلوار کو اس کے پیٹ میں داخل کر دیا، جو اس کی پیٹھ سے نکل گئی، تب مجھے یقین ہو گیا کہ میں نے اسے قتل کر دیا،
 پھر میں ایک ایک دروازہ کھولتا ہوا ایک سیڑھی کے پاس پہنچا، اور اپنا پاؤں یہ سمجھ کر رکھا کہ اب زمین آگئی ہے،
 لیکن چاندنی رات میں گر پڑا، اور میری پنڈلی ٹوٹ گئی۔ میں نے اسے اپنے عمامہ سے باندھ دیا، اور چل پڑا، لیکن
 دروازہ کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور سوچا کہ جب تک مجھے یقین نہ ہو جائے کہ میں نے اسے قتل کر دیا ہے یہاں سے
 آگے نہیں جاؤں گا۔

جب مرغ نے بانگ لگائی تو ایک شخص نے محل کی دیوار کے اوپر سے پکار کر کہا: لوگو! میں تمہیں ابورافع کی
 موت کی خبر دیتا ہوں۔ میں وہاں سے چل کر اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور کہا یہاں سے جلد نکل چلو، اللہ تعالیٰ
 نے ابورافع کو قتل کر دیا۔ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچے اور ان کو سارا قصہ سنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنا
 پاؤں پھیلاؤ، میں نے اسے پھیلا دیا، اور آپ نے اس پر اپنا ہاتھ پھیرا تو وہ ایسا درست ہو گیا جیسے اسے کچھ ہوا ہی
 نہیں تھا^(۱)۔

(۱) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۰۳۸، ۴۰۳۹)۔

ابن القیم نے لکھا ہے کہ وہ صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ اُس نے ابو رافع کو قتل کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے تم سب اپنی تلواریں دکھاؤ، جب انہوں نے آپ کو اپنی تلواریں دکھائیں تو آپ نے عبد اللہ بن اُنیس کی تلوار دیکھ کر کہا: اسی نے اسے قتل کیا ہے، اسی میں خون کا اثر دیکھ رہا ہوں^(۱)۔

سریر محمد بن مسلمہ:

محرم سن ۶ ہجری کے دس ایام گزر جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے محمد بن مسلمہ انصاری کو تیس گھوڑ سواروں کے ساتھ قبیلہ بنی بکر پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا، جو بصرہ کے راستے میں مدینہ سے سات دن کی دوری پر نجد کے علاقے ضریہ میں رہتا تھا۔ یہ صحابہ کرام رات میں چلتے اور دن میں سخت گرمی سے بچنے کے لئے کہیں چھپ جاتے تھے، تاکہ دشمن کے پاس اچانک پہنچ جائیں۔ وہاں پہنچ کر ان پر اچانک حملہ کر دیا اور ان میں سے دس کو قتل کر دیا اور باقی اپنے گھر چھوڑ کر بھاگ پڑے، اس لئے کوئی جنگ نہیں ہوئی، اور مسلمانوں نے ان کے اونٹوں اور بکریوں پر قبضہ کر لیا، اور انیس راتوں کے بعد مدینہ واپس پہنچ گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان اونٹوں اور بکریوں کے پانچ حصے لگائے، پانچواں حصہ اپنے پاس رکھا، اور باقی ان مجاہدین پر تقسیم کر دیا، اور ایک اونٹ دس بکریوں کے برابر مانا گیا، اور اونٹوں کی تعداد ایک سو پچاس اور بکریوں کی تعداد تین ہزار تھی^(۲)۔

ثمامہ بن اُثال مسلمان ہو گئے:

مذکور بالا مجاہدین نے مدینہ واپس آتے ہوئے بنو حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اُثال کو قید کر لیا، جو مسیلہ کذاب کے حکم سے بھیس بدل کرنی کریم ﷺ کو قتل کرنے کے لئے نکلا تھا، مجاہدین اسے نہیں پہچانتے تھے، جب اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر آئے تو آپ نے اسے پہچان لیا، اور صحابہ نے اسے مسجد کے ایک ستون میں باندھ دیا، رسول اللہ ﷺ اس کے پاس آئے اور پوچھا: اے ثمامہ، تمہارا کیا ماجرا ہے، اس نے کہا: اے محمد! میرے پاس بھلائی ہے، اگر تم مجھے قتل کر دو گے تو تم سے میرے خون کا انتقام لیا جائے گا، اور اگر مجھ پر احسان کر کے چھوڑ دو گے تو ایک شکر گزار انسان پر احسان کرو گے، اور اگر تمہیں مال چاہئے تو مانگو، جو مانگو گے تمہیں دیا جائے گا۔

(۱) طبقات ابن سعد: ۹۱/۲، سیرۃ ابن ہشام: ۲۵۵/۲۔

(۲) مغازی الواقعی: ۵۳۳، ۵۳۴، طبقات ابن سعد: ۷۸/۲، سیرۃ وغزوات الرسول ﷺ: ص ۳۸، ۳۷۔

آپ نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا، دوسرے دن آپ نے پھر اس سے پوچھا: اے ثمامہ! تمہارا کیا ماجرا ہے؟ اس نے پہلے جیسا جواب دیا، آپ تیسری بار اس کے پاس سے گزرے اور ثمامہ نے اپنی پہلی بات دہرائی، تو آپ نے صحابہ کرام سے کہا: ثمامہ کو چھوڑ دو، صحابہ نے اسے آزاد کر دیا۔ وہ مسجد نبوی کے قریب ایک نخلستان میں گیا، وہاں نہایا اور مسجد میں واپس آ گیا، اور کہا: "أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمداً عبده ورسوله"۔ نیز کہا: اے محمد! اللہ کی قسم، سر زمین پر کوئی چہرہ آپ کے چہرہ سے زیادہ میرے نزدیک مبغوض نہیں تھا، اب آپ کا چہرہ دنیا کے سارے چہروں سے زیادہ میرے نزدیک محبوب ہو گیا ہے۔ اللہ کی قسم! کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ میرے نزدیک مبغوض نہیں تھا، اب آپ کا شہر دنیا کے سارے شہروں سے زیادہ میرے نزدیک محبوب ہو گیا ہے۔ اور آپ کے گھوڑ سواروں نے مجھے اس وقت گرفتار کر لیا جب میں عمرہ کے لئے جا رہا تھا، اب آپ کا کیا خیال ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اسے خوشخبری دی، اور اسے عمرہ کرنے کی اجازت دے دی، جب ثمامہ مکہ پہنچے تو کسی نے ان سے پوچھا: کیا تم بے دین ہو گئے؟ انہوں نے کہا: نہیں، بلکہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دائرۃ اسلام میں داخل ہو گیا ہوں، اللہ کی قسم! اب تمہارے پاس یمامہ سے گیہوں کا ایک دانہ بھی نہیں پہنچے گا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اس کی ہمیں اجازت دے دیں^(۱)۔

غزوہ بنی لحيان:

ماہ ربیع الاول یا جمادی الاولیٰ سن ۶ ہجری میں رسول اللہ ﷺ بنی لحيان کی سرکوبی کے لئے نکلے، جنہوں نے مقام رجیع پر چچہ اصحاب رسول کے ساتھ غداری و خیانت کی تھی، ان میں سے چار کو قتل کر دیا تھا، اور دو کو قید کر دیا تھا، یہ دونوں خبیث بن عدی، اور زید بن دُغْنۃ تھے، دشمنوں نے ان دونوں کو قریش کے ہاتھوں بیچ دیا، اور انہیں پھانسی دے دی گئی۔ رسول اللہ ﷺ کو ان صحابہ کرام کے قتل کی خبر سے بہت زیادہ تکلیف ہوئی تھی، اسی لئے آپ ﷺ اپنے دو سو صحابہ کرام کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لئے نکل پڑے، اور مدینہ میں ابن ام مکتوم کو اپنا نائب بنادیا۔ ان مجاہدین کے پاس بیس گھوڑے تھے۔ آپ ﷺ نے اس موقع سے ظاہر کیا کہ آپ شام کی طرف جارہے ہیں، پھر تیز چل کر بطنِ عُرّان تک پہنچ گئے جو عقبہ اور عسفان کے درمیان دشمنوں کی وادیوں میں سے وہ وادی تھی جہاں مذکورہ بالا صحابہ کرام قتل کئے گئے تھے، آپ نے وہاں ان کے لئے دعا کی۔ بنو لحيان کو مجاہدین کی آمد کی خبر ہو گئی تو وہ بھاگ پڑے، اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر جا کر پناہ لے لی، اس لئے

(۱) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۳۷۲)، صحیح مسلم، الجہاد، حدیث: (۱۷۶۳)۔

اُن میں سے کوئی گرفتار نہ ہو سکا، آپ ﷺ وہاں ایک یا دو دن قیام پذیر رہے، اور ہر طرف اپنے فوجی دستے بھیجے، پھر وہاں سے چل کر عسفان پہنچ گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر سے کہا: قریش کو میرے مدینہ سے چلنے کی خبر پہنچ گئی ہے، اور اب میں مقام عسفان تک آ گیا ہوں، اور اہل قریش کو ڈر ہے کہ میں اُن تک آپہنچوں گا، اس لئے آپ دس گھوڑ سواروں کے ساتھ نکلے، چنانچہ ابوبکر ان کے ساتھ نکلے، مقام غمیم تک آ کر لوٹ گئے، انہیں کوئی آدمی نہ ملا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قریش کو یہ خبر ضرور پہنچے گی، اور وہ خوف زدہ ہو جائیں گے کہ ہم ان پر حملہ کرنے کے ارادے سے آئے ہیں، خبیب بن عدی اُن دنوں اُن کے پاس قیدی تھے، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ یہ کہتے ہوئے مدینہ لوٹ گئے "اثبون تائبون عابدون لربنا حامدون" اس سفر میں آپ چودہ دن مدینہ سے باہر رہے (۱)۔

عسفان میں پہلی بار صلاۃ الخوف:

ابو عیاش زرقی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ مقام عسفان میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، دشمن ہمارے سامنے آ گئے اور ان کا قائد خالد بن ولید تھا، اور دشمنوں کی فوج ہمارے اور قبلہ کے درمیان تھی، رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھی تو دشمنوں نے کہا: مسلمان ایسی حالت میں تھے کہ ہم ان پر اچانک حملہ کر سکتے تھے، پھر کہا: ابھی ان کی ایک ایسی نماز کا وقت آئے گا جو ان کے نزدیک ان کی اولاد اور ان کی جان سے زیادہ محبوب ہے۔

تب جبریل علیہ السلام ظہر اور عصر کے درمیان مندرجہ ذیل آیتیں لے کر نازل ہوئے ﴿وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلَتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَرَائِكُمْ وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ وَذَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْنِيَّتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذَىٰ مِنْ مَطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا﴾ (اور جب آپ اُن کے ساتھ ہوں، اور اُن کے لئے نماز کھڑی کریں، تو اُن میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہو، اور اپنے ہتھیار لئے رہیں، پس جب وہ سجدہ کر لیں تو آپ کے پیچھے ہو جائیں، اور دوسرا گروہ آجائے جس نے نماز نہیں پڑھی ہے، وہ آپ کے ساتھ

(۱) مغازی الواقدی: ۵۳۵-۵۳۶، زاد المعاد: ۲۱۷/۳، سرایا وغزوات الرسول ﷺ: ۱۶۶-۱۶۷۔

نماز پڑھے، اور اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لئے رہیں، کفار تو چاہتے ہیں کہ تم لوگ اپنے ہتھیاروں اور سامانوں سے ذرا غافل ہو جاؤ تاکہ وہ تم پر یکبارگی چڑھ آئیں، اور اگر تمہیں بارش کی وجہ سے تکلیف ہو، یا تم مریض ہو، تو تمہارے لئے کوئی حرج کی بات نہیں کہ اپنے ہتھیار اُتار دو، اور اپنے بچاؤ کا سامان لئے رہو، بے شک اللہ نے کافروں کے لئے رُسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے) [النساء: ۱۰۲]۔ اس کے بعد عصر کی نماز کا وقت آگیا، صحابہ کرام نے آپ کے حکم سے ہتھیار لے لئے، اور دو صفوں میں گھڑے ہو گئے۔ پھر صحابی نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ کس طرح صلاۃ الخوف پڑھی، پھر واپس آگئے، صحابی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صلاۃ الخوف دوبار پڑھی، ایک بار عسفان میں اور دوسری بار بنی سلیم کے علاقے میں^(۱)۔

غزوہ ذی القرد (غزوہ غابہ):

اس غزوہ کا نام غزوہ ذی القرد اس کنواں کی نسبت سے پڑ گیا جو غطفان کے علاقے سے قریب مدینہ سے چند میل کی دوری پر ہے۔ اور اسے غزوہ غابہ اس جگہ کی نسبت سے کہا جاتا ہے جو مدینہ کے قریب شام کے راستے میں ہے۔

یہ غزوہ ماہ ربیع الثانی سن ۶ ہجری میں واقع ہوا تھا، اور اس کا سبب یہ تھا کہ قبیلہ غطفان کے سردار عسینہ بن حصن فزاری نے رسول اللہ ﷺ کی دودھ دینے والی اونٹنیوں پر حملہ کر دیا تھا، جو بنی غفار کے ایک آدمی کی نگرانی میں مقام غابہ میں چر رہی تھیں اور ان کی تعداد بیس تھی، اور اس چرواہے کے ساتھ اس کی بیوی بھی تھی، عسینہ اور اس کے ساتھیوں نے اس چرواہے کو قتل کر دیا، اس کی بیوی کو قید کر لیا، اور اونٹنیوں کو ہانک کر لے گئے۔

اور پہلا آدمی جسے عسینہ اور اس کے ساتھیوں کی خبر ہوئی وہ سلمہ بن عمرو بن اکوع اسلمی تھے، جو اپنا تیر لکان لئے غابہ کی طرف جا رہے تھے، جب ثنیۃ الوداع کے اوپر پہنچے تو ان کی نظر دشمنوں کے بعض گھوڑوں پر پڑ گئی، تو انہوں صلح کے ایک کنارے جا کر زور سے آواز لگائی، واصباحا! (یعنی دشمن آگئے ہیں) پھر دشمنوں کے پیچھے تیز دوڑنے لگے، یہاں تک کہ ان کے پاس پہنچ گئے اور ان پر تیر چلانے لگے، جب گھوڑ سوار ان کی طرف رخ کرتے تو وہ بھاگ پڑتے، اور پھر دوبارہ ان کا پیچھا کرتے اور ان پر تیر چلاتے، اسی طرح انہیں مشغول رکھا، یہاں تک اُن کی خبر رسول اللہ ﷺ کو ہو گئی تو آپ نے صحابہ کرام کو نکلنے کے لئے کہا: چنانچہ آپ کے صحابہ کرام اور گھوڑ سوار جمع ہو گئے، آپ نے ان کا امیر سعد بن زید کو بنایا، اور ان سے کہا: تم لوگ دشمنوں کی تلاش میں فوراً نکل جاؤ، اور

(۱) مستدرج: ۶۰، ۵۹، سنن ابی داؤد، حدیث: (۱۲۳۶)، سنن النسائی، صلاۃ الخوف: ۱۷۶، ۱۷۸۔

میں بعد میں مزید مجاہدین کے ساتھ تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا، سعد بن زید گھوڑ سواروں کے ساتھ فوراً نکل گئے، اور حملہ آوروں کو جالیا، اور انہیں شکست دے کر اونٹنیوں کو حاصل کر لیا، نیز ان کے تیس کھیل ان کے ہاتھ لگے، اور مسلمانوں کے صرف ایک آدمی شہید ہوئے، اور حملہ آوروں نے بھاگ کر بنی غطفان کے پاس پناہ لے لی۔ رسول اللہ ﷺ نکلنے کے لئے فوراً تیار ہو گئے اور مدینہ میں اپنا نائب ابن ام مکتوم کو مقرر کر کے چل پڑے، یہاں تک کہ خیبر کے سمت میں مقام فرد تک پہنچ گئے، آپ اس سفر میں پندرہ دن مدینہ سے باہر رہے۔

کہا جاتا ہے کہ غفاری چرواہے کی بیوی موقع پا کر ایک اونٹنی پر سوار ہوئی اور تیزی کے ساتھ ان کے پاس سے بھاگ نکلی، دشمنوں نے اس کا پیچھا کیا، لیکن اسے نہیں پکڑ سکے، اور اس نے ان سے نجات پالی^(۱)۔

سر یہ عکاشہ بن محسن (الغمر):

”غمر“ مرزوق بن اسد کا ایک کنواں تھا جو مدینہ کے راستے میں مقام ”فید“ سے دو دن کی مسافت پر واقع تھا، اور رسول اللہ ﷺ نے سن ۴ ہجری کی ابتدا میں ابوسلمہ بن عبد اللہ اسدی کو ان کی تادیب کے لئے بھیجا تھا، لیکن مسلمان جب دوبارہ ان کے علاقے سے گزرے تو انہوں نے ان مسلمانوں کو نقصان پہنچایا، اس لئے ماہ ربیع الاول سن ۶ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے عکاشہ بن محسن اسدی کو چالیس گھوڑ سواروں کے ساتھ ان پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔

یہ مجاہدین تیزی میں نکلے، لیکن دشمنوں کو ان کے آنے کی خبر ہو گئی، اس لئے وہ اپنے کنواں کے پاس سے بھاگ پڑے اور اپنے علاقے کے بالائی حصوں میں چلے گئے، عکاشہ جب اپنے ساتھیوں کے ساتھ کنواں کے پاس پہنچے تو وہاں انہیں کوئی آدمی نہیں ملا، انہوں نے چند لوگوں کو ان کی تلاش میں بھیجا، ان میں سے شجاع بن وہب نے آکر خبر دی کہ انہوں نے قریب ہی جانوروں کے نشانات دیکھے ہیں، چنانچہ مجاہدین نے ان پر حملہ کر دیا اور ان کے دو سواؤں پر قبضہ کر لیا، جنہیں لے کر مدینہ واپس آ گئے، اور مجاہدین میں سے کوئی قتل نہیں ہوا، اور نہ وہاں کوئی جنگ ہوئی^(۲)۔

سر یہ محمد بن مسلمہ (ذی القصة):

نبی کریم ﷺ نے محمد بن مسلمہ کو دس مجاہدین کے ساتھ مقام ذی قصہ میں رہائش پذیر بنی ثعلبہ پر حملہ کرنے کے لئے ماہ ربیع الآخر میں بھیجا، یہ سر یہ ان کے پاس رات میں پہنچا، اور دشمنوں کے گھات میں بیٹھ گئے،

(۱) صحیح البخاری، حدیث: (۳۰۳۱، ۳۰۳۲)، صحیح مسلم، حدیث: (۱۸۰۷)، ابن سید الناس: ۲/۴۵، مغازی الواقدی: ۲/۵۳۷-۵۳۹۔

(۲) مغازی الواقدی: ۲/۵۵۰، زاد المعاد: ۲۲۰، سرایا وغزوات الرسول ﷺ: ص ۴۹۔

لیکن محمد بن مسلمہ اور ان کے ساتھیوں کو جب نیند آگئی تو دشمنوں نے جن کی تعداد سو (۱۰۰) تھی، مسلمانوں کو گھیر لیا، اور ان پر تیر چلانا شروع کیا، تب محمد بن مسلمہ کی آنکھ کھلی اور اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے چیخ پڑے، اپنے ہتھیار سنبھالو، یہ سنتے ہی سب کے سب یکبارگی اٹھ کھڑے ہوئے اور کافی دیر دونوں طرف سے تیر اندازی ہوئی رہی، پھر دیہات سے آنے والے مشرکوں نے نیزے سنبھال لئے اور مسلمانوں میں سے تین کو قتل کر دیا، یہ دیکھ کر محمد بن مسلمہ کے ساتھیوں نے ان پر ایک زبردست حملہ کیا اور ان میں سے ایک کو قتل کر دیا، اس کے بعد پھر دشمنوں نے حملہ کیا اور محمد بن مسلمہ کے باقی ساتھیوں کو بھی قتل کر دیا، اور محمد بن مسلمہ بُری طرح زخمی ہو گئے، اس واقعہ کے کچھ دیر بعد ایک مسلمان مقتولین کے پاس سے گزرا اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، محمد بن مسلمہ نے جب یہ آواز سنی تو حرکت کرنے لگے، تو وہ مسلمان آدمی انہیں دیکھ کر ان کے قریب گیا اور انہیں کھانا اور پانی دیا، اور اٹھا کر مدینہ لے آیا۔

سریہ ابی عبیدہ (ذی القصة):

رسول اللہ ﷺ کو محمد بن مسلمہ کے ساتھیوں کے قتل کئے جانے کی خبر ہوئی تو آپ نے ابو عبیدہ ابن الجراح کو چالیس مجاہدین کے ساتھ ماہ ربیع الثانی میں ان کے قتل کئے جانے کی جگہ پر بھیجا، یہ لوگ رات میں سفر کرتے رہے، اور صبح کے وقت بنی ثعلبہ کی جگہ پر پہنچے، اور ان پر اچانک حملہ کر دیا، لیکن وہ سب کے سب بھاگ کر پہاڑوں میں پھیل گئے، ابو عبیدہ نے ان میں سے ایک آدمی کو گرفتار کیا، اور ان کے جانور ہاتھ آئے، جنہیں وہ ہانک کر مدینہ لے آئے، اور کچھ پرانے اسباب و سامان بھی ہاتھ آئے، مدینہ پہنچنے کے بعد وہ آدمی مسلمان ہو گیا، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اسے چھوڑ دیا اور باقی مال و اسباب کے پانچ حصے کر کے ایک حصہ اپنے پاس رکھا اور باقی کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا (۱)۔

سریہ زید بن حارثہ (حجوم):

بنی سلیم کا ”حجوم“ نامی ایک کنواں مدینہ سے چار میل کی دوری پر مرالظہران کے مقام پر پایا جاتا تھا، رسول اللہ ﷺ نے زید بن حارثہ کو چند مسلمانوں کے ساتھ بنی سلیم کے پاس بھیجا، یہ واقعہ ماہ ربیع الثانی سن ۶ ہجری کا ہے، اس لئے کہ یہ لوگ غزوہ خندق میں دشمنان اسلام کے ساتھ تھے، اور اُس علاقے میں مسلمانوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھتے تھے، اور انہیں پریشان کرتے تھے، جب یہ صحابہ کرام ان کے علاقے میں پہنچے تو وہ فوراً منتشر ہو گئے صحابہ کو وہاں قبیلہ مزینہ کی حلیمہ نامی ایک عورت ملی، جس نے انہیں بنی سلیم کے مکانات کا پتہ دیا، انہوں نے

(۱) مغازی الواقعی: ۵۵۲/۲، زاد المعاد: ۲۳۰/۳، الحیۃ العسکریہ: ص ۱۹۳۔

ان پر حملہ کر دیا، اور بہت سے اموال غنیمت، اور اونٹ اور بکریوں پر قبضہ کر لیا، اور ان کے کچھ لوگوں کو قید کر لیا، انہی قیدیوں میں اس عورت کا شوہر بھی تھا، جب صحابہ مدینہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کو اور اس کے شوہر کو آزاد کر دیا^(۱)۔

سریہ زید بن حارثہ (العص):

ماہ جمادی الاولیٰ سن ۶ ہجری میں رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی کہ قریشیوں کا ایک تجارتی قافلہ شام سے مکہ واپس جا رہا ہے، مسلمانوں کے لئے ایک بہت ہی اچھا موقع تھا کہ وہ اس قافلے کے مال و اسباب پر قبضہ کر لیں، اور مشرکوں کے دلوں میں ہمیشہ کے لئے خوف و دہشت بٹھادیں، اس تجارتی قافلہ کے پاس صفوان بن امیہ کا بہت سا مال چاندی کی شکل میں تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس قافلہ کا پیچھا کرنے کے لئے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک سو ستر (۱۷۰) گھوڑ سواروں کو روانہ کیا، زید اور ان کے ساتھی تیز چل کر مقام عیس پر پہنچ گئے، جو سمندر کے قریب مدینہ سے چار میل کی دوری پر واقع تھا۔ مجاہدین نے قافلہ کے پاس موجود مال اور چاندی پر قبضہ کر لیا، اور بہتوں کو گرفتار کر لیا، انہی میں زینب بنت الرسول ﷺ کے شوہر ابو العاص ابن الربیع بھی تھے۔

زید بن حارثہ جب مدینہ پہنچے تو ابو العاص نے اپنی بیوی زینب سے پناہ مانگی، انہوں نے ان کو پناہ دے دی، اور رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ اس قافلہ کے تمام مال و اسباب واپس کر دیں، آپ ﷺ نے مسلمانوں کو اس کا مشورہ دیا اور ان میں سے کسی کو اس پر مجبور نہیں کیا، چنانچہ صحابہ نے اس قافلہ کا سب کچھ واپس کر دیا۔

ابو العاص مکہ گئے اور ہر مال والے کو اس کا مال واپس کر دیا، پھر پوچھا، کیا تم میں سے کسی کا کچھ مال میرے پاس باقی رہ گیا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں، تو ابو العاص نے کہا: کیا میں نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی؟ لوگوں نے کہا: ہاں، آپ کو اللہ تعالیٰ اچھا بدلہ دے، ہم نے آپ کو ہمیشہ ہی وفادار اور کریم النفس پایا ہے۔

تب ابو العاص نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے بندہ اور رسول ہیں، اللہ کی قسم! جب میں رسول اللہ ﷺ کے پاس تھا، تو اسلام لانے سے مجھے اس ڈر کے سوا کسی چیز نے نہیں روکا کہ کہیں تم لوگ یہ گمان نہ کرنے لگو کہ میں تمہارے اموال کو ہڑپ جاتا جا رہا تھا، اب جبکہ اللہ نے تمہارے مال تمہیں واپس کر دیئے ہیں اور میں فارغ ہو گیا ہوں تو اپنے اسلام کا اعلان کرتا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی زینب سے کہا تھا جب انہوں نے اپنے شوہر کو پناہ دی تھی: اے بیٹی! ان کا خیال کرو، لیکن یہ تمہارے ساتھ خلوت نہ اختیار کرے، اس لئے کہ تم اس کے لئے حلال نہیں ہو، ابو العاص جب مسلمان ہو کر مدینہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے تین سال اور کچھ دنوں کے بعد نکاح اول کے بموجب ہی ان کی بیوی ان کے حوالے کر دی (۱)۔

اور زید بن ہارون نے عمرو بن شعیب سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ابو العاص کو اپنی بیٹی مہر جدید اور نکاح جدید کے بعد لوٹائی تو یہ حدیث سند اور متن دونوں ہی اعتبار سے صحیح نہیں ہے (۲)۔

سریہ زید بن حارثہ (الطرف):

جمادی الثانیہ سن ۶ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے زید بن حارثہ کو پندرہ مجاہدین کے ساتھ مقام طرف کی طرف بھیجا جو مدینہ سے چھتیس میل کی دوری پر ایک کنواں کے نام سے مشہور تھا، اور انہیں بنو ثعلبہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا، جنہوں نے محمد بن مسلمہ کے ساتھیوں کو قتل کر دیا تھا، اور ان دنوں مقام طرف میں رہائش پذیر تھے۔ دشمنان اسلام نے جب مجاہدین کو دیکھا تو فوراً بھاگ پڑے اور یہ سمجھا کہ یہ دستہ رسول اللہ ﷺ کی بڑی فوج کا پیش خیمہ ہے، اور بھاگتے ہوئے اپنے بیس اونٹ چھوڑ گئے جنہیں مجاہدین مدینہ ہانک کر لے آئے، اور کوئی جنگ نہیں ہوئی، یہ فوجی دستہ مدینہ سے چار دن باہر رہا۔

سریہ زید بن حارثہ (الحسمی):

جمادی الثانیہ سن ۶ ہجری میں ہی دحیہ کلبی قیصر شاہ روم کے پاس سے واپس آ رہے تھے، ان کو قیصر نے بہت سارا مال اور کپڑے دیئے تھے، جب مقام حسمی پر پہنچے تو قبیلہ جذام کے کچھ لوگوں نے انہیں گھیر لیا اور ان کا سب کچھ چھین لیا، دحیہ خالی ہاتھ مدینہ واپس آئے اور اپنے گھر جانے سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور ہر قل کی مجلس میں جو کچھ ہوا تھا، اس سے آپ کو مطلع کیا، پھر قبیلہ جذام والوں نے ان کے ساتھ جو برابر تادوا کیا، اس کی تفصیل بتائی۔

انہی دنوں رفاعہ بن زید جذامی رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے، اور مدینہ میں ہی قیام پذیر تھے، رسول اللہ ﷺ نے ایک خط لکھ کر انہیں ان کی قوم کے پاس روانہ کیا اور بالخصوص ان لوگوں کو

(۱) سنن ابی داؤد، الطلاق، حدیث: (۲۳، ۲۲)۔

(۲) تحفۃ الاحوذی: ۱۹۵، ۱۹۶۔

مخاطب کیا جو مسلمان ہو چکے تھے، اور لکھا کہ اُن میں سے جو مسلمان ہو گئے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول کی جماعت میں داخل ہو گئے، اور جو مرتد ہو گیا ہے انہیں دو ماہ کا امان دیا جاتا ہے، اس خط کو سننے کے بعد رفاعہ کی قوم نے فوراً اپنے اسلام کا اعلان کر دیا، اور اُس جگہ پہنچے جہاں دحیہ کا مال و اسباب لٹ گیا تھا، لیکن قبیلہ جذام کے لوگ وہاں سے منتشر ہو چکے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے دحیہ کلبی کی بات سن کر زید بن حارثہ کو پانچ سو مجاہدین کے ساتھ بھیجا، اور ان کے ساتھ دحیہ کلبی بھی گئے، زید اور ان کے ساتھیوں نے قبیلہ جذام پر صبح کے وقت حملہ کر دیا، اُن میں سے بہتوں کو قتل کر دیا، اور ان کے بہت سے چوپایوں، جانوروں اور عورتوں کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اُن میں اونٹوں کی تعداد ایک ہزار، بکریوں کی تعداد پانچ ہزار، اور قیدی عورتوں اور بچوں کی تعداد ایک سو تھی۔ اس واقعہ کے بعد رفاعہ جذامی رسول اللہ ﷺ کے پاس فوراً واپس گئے، اور زید بن حارثہ نے جو کچھ کیا تھا، اس سے آپ کو باخبر کیا۔ زید کو رفاعہ کے اسلام لانے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اُن کو آپ ﷺ کے خط کے ساتھ قبیلہ جذام کے پاس بھیجنے کی کوئی اطلاع نہیں تھی۔

اس لئے رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو اپنی تلوار کے ساتھ زید کے پاس بھیجا، اور انہیں حکم دیا کہ مجاہدین کے ہاتھوں میں ان کا جو بھی مال و اسباب ہے، اسے واپس کر دیں، علی جب رسول اللہ ﷺ کی تلوار لے کر زید کے پاس پہنچے، اور زید نے تلوار پہچان لی تو لوگوں میں فوراً منادی کرائی، سب جمع ہوئے تو زید نے کہا: جس کسی کے پاس بھی کوئی قیدی یا مال ہے اسے فوراً واپس کر دے، رسول اللہ ﷺ کے قاصد یہ حکم لے کر آئے ہیں، چنانچہ مجاہدین کے پاس جو کچھ تھا انہوں نے فوراً واپس کر دیا^(۱)۔

سریرہ زید بن حارثہ (وادئ قرئی):

ماہِ رجب سن ۶ ہجری میں زید بن حارثہ نے شام کی سرزمین وادی قرئی میں رہائش پذیر بنی فزارہ پر حملہ کیا، یہ علاقہ مدینہ سے پندرہ دن کی مسافت پر واقع ہے، اس جنگ میں ورد بن مرداس صحابی کام آگئے، اور زید بن حارثہ مقتولین کے درمیان چھپ کر اپنی جان بچا سکے، اور ایک قول یہ ہے کہ زید تجارت کے لئے شام جا رہے تھے کہ انہیں بنی فزارہ نے گھیر لیا تھا۔

زید جب واپس آئے تو انہوں نے قسم کھالی کہ جب تک بنی فزارہ پر حملہ نہیں کریں گے، اپنا سر نہیں دھوئیں گے،

جب ان کا زخم اچھا ہو گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک فوج کا امیر بنا کر بنی فزارہ پر حملہ کے لئے بھیجا، زید نے انہیں وادی قریٰ میں پالیا، ان میں سے بہتوں کو قتل کیا، اور اُمّ قرظہ نامی ایک بوڑھی عورت کو بھی قتل کر دیا، اور اس کی بیٹی جاریہ بنت مالک بن حذیفہ بن بدر کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے، جو سلمہ بن اکوع کے حصہ میں آئی، رسول اللہ ﷺ نے اسے سلمہ سے مانگ کر حزن بن ابودہب کو ہبہ کر دیا، جس سے عبدالرحمن بن حزن پیدا ہوئے^(۱)۔

سریتہ الخبط:

ماہ رجب سن ۶ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے ابو عبیدہ بن جراح کی قیادت میں اس سریتہ کو مقام سیف البحر کی طرف بھیجا جو مدینہ سے پانچ دن کی مسافت پر واقع تھا، تاکہ قریشیوں کے ایک قافلے پر حملہ کریں، اس فوج کو سفر میں سخت بھوک کا سامنا کرنا پڑا، یہاں تک کہ سلم نامی درخت کے پتے کھانے کی نوبت آئی۔ بخاری اور مسلم نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس دستہ میں بھیجا اور ہمارا امیر ابو عبیدہ کو بنایا تاکہ ہم قریش کے ایک قافلہ پر حملہ کریں، اور آپ ﷺ نے ہمیں کھجور کی ایک تھیلی دی، آپ کے پاس ہمارے لئے اس کے سوا کچھ بھی نہ تھا، ابو عبیدہ ہمیں ایک کھجور دیا کرتے تھے، ہم اسے اس طرح چوستے تھے جیسے بچہ چوستا ہے۔ اور اس کے بعد پانی پی لیتے جو ہمیں ایک دن کے لئے کافی ہوتا تھا، اور ہم اپنی لاثیموں کے ذریعہ سلم کے پتے توڑ کر اسے پانی میں بھگو دیتے پھر اسے کھاتے تھے، اور ہم سمندر کے کنارے پہنچے تو ایک اونچے ٹیلے کی مانند ایک چیز اللہ کی طرف سے ہمارے سامنے ڈال دی گئی، جب اس کے قریب پہنچے تو وہ غنبر نامی ایک بحری جانور تھا، جسے ہم ایک مہینہ تک کھاتے رہے، اور ہماری تعداد تین سو تھی، یہاں تک کہ ہم سب موٹے ہو گئے، ہم اس کی آنکھ کے گڈھے سے پیالوں کے ذریعہ تیل نکالا کرتے تھے، اور اس گڈھے کی ہانڈیاں بنایا کرتے تھے، اور اس کے ٹکڑے کرتے تھے، اور تیل کے گوشت کے ٹکڑوں کے مانند اس کے ٹکڑے بناتے تھے، ایک بار ابو عبیدہ نے ہم میں سے تیرہ آدمی کو اس کی دونوں آنکھوں کے گڈھے میں بٹھا دیا، اور اس کی پسلیوں میں سے ایک پسلی لے کر اسے گڈھے میں کھڑا کر دیا، اور ہمارے سب سے بڑے اونٹ کو اس کے نیچے سے گزارا تو وہ گزر گیا، اور ہم نے اس کے گوشت کے ٹکڑے بنا کر خشک کر لئے اور جب مدینہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ کو سب کچھ بتایا، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ روزی تھی جسے اللہ نے تمہارے لئے بھیج دی تھی، کیا تمہارے پاس اس کا کچھ گوشت ہے تو ہمیں بھی کھلاؤ، تو ہم نے آپ کے پاس اس کا کچھ گوشت بھیج دیا جسے آپ نے کھایا^(۲)۔

(۱) عیون الاثر: ۱۴۶/۱۵۵، طبقات ابن سعد: ۸۹/۲۔

(۲) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۳۶۰-۴۳۶۲)، صحیح مسلم، حدیث: (۱۹۳۵)۔

سرّیہ عبدالرحمن بن عوف (دُومۃ الجندل):

شعبان سن ۶ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے عبدالرحمن بن عوف کو بلایا، انہیں اپنے سامنے بٹھایا، اور اپنے ہاتھ سے ان کے سر پر عمامہ باندھا اور فرمایا: اللہ کے نام سے اور اللہ کی راہ میں جنگ کرو، اور کافروں کو قتل کرو، اور خیانت نہ کرو، اور دھوکہ نہ دو، اور کسی بچے کو قتل نہ کرو۔ چنانچہ عبدالرحمن سات سو مجاہدین کے ساتھ نکلے اور مقام دُومۃ الجندل (بادیہ شام اور بادیہ عراق کے درمیان ایک شہر) میں مقیم بنی کلب کے پاس پہنچ گئے، اور وہاں تین دن تک لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتے رہے، تیسرے دن اصغ بن عمرو کلبی اسلام لے آیا جو نصرانی اور بنو کلب کا سردار تھا، اور اس کے ساتھ اس کی قوم کے بہت سے لوگ بھی اسلام لے آئے، اور باقی لوگ اپنے دین پر باقی رہتے ہوئے جزیہ دینے کے لئے تیار ہو گئے۔

عبدالرحمن بن عوف نے اصغ کی بیٹی تماضر سے شادی کر لی، اور اسے مدینہ لے آئے، جس سے سلمہ بن عبدالرحمن پیدا ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے انہی کے پاس سن ۶ ہجری کی ابتدا میں محمد بن مسلمہ انصاری کی قیادت میں ایک فوجی دستہ بھیجا تھا، اس لئے کہ وہ لوگ اپنے علاقے سے گزرنے والے مسلمانوں پر زیادتی کرتے تھے، اور مدینہ پر حملہ کرنے کی سازش بھی کر رہے تھے، انہیں جب مسلمانوں کی آمد کی اطلاع ہوئی تو فوراً تتر بتر ہو گئے، انہی لوگوں کی طرف اس بار عبدالرحمن بن عوف اور سات سو مجاہدین کو بھیجا، تاکہ ان کا محاصرہ کر کے انہیں اسلام کی دعوت دیں، چنانچہ وہ کچھ ہوا جس کا ذکر ابھی گزرا^(۱)۔

سرّیہ علی بن ابی طالب (سعد بن بکر):

ماہ شعبان سن ۶ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ایک سو مجاہدین کے ساتھ مقام فدک (مدینہ سے چھ دن کی مسافت کی دوری پر) میں مقیم بنی سعد بن بکر کی طرف بھیجا، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر ملی تھی کہ ان کے پاس مقاتلین کی ایک جماعت ہے جنہیں بھیج کر وہ یہود خیبر کی مدد کرنا چاہتے ہیں، یہ فوجی دستہ رات میں سفر کرتا تھا، اور دن میں کہیں چھپ جاتا تھا، یہاں تک کہ خیبر اور فدک کے درمیان واقع چچ نامی کنواں کے پاس پہنچے، وہاں انہیں ایک جاسوس مل گیا، جسے بنو سعد نے خیبر بھیجا تھا، تاکہ یہود خیبر سے وہ اس بارے میں گفت و شنید کرے کہ بنو سعد کے لوگ ان کی مدد کے لئے اس شرط پر تیار ہیں کہ اہل خیبر انہیں کھجوروں کا ایک حصہ دیا کریں جیسا کہ انہوں نے ان کے علاوہ دوسروں کے ساتھ کیا ہے۔

(۱) مغازی الواقدی: ۲/ ۵۶۰-۵۶۲، طبقات ابن سعد: ۸۹/ ۲، عیون الاثر: ۱۳۹/ ۲، زوائد المعاد: ۲۲۳/ ۳۔

علی رضی اللہ عنہ نے اس جاسوس کو اس شرط پر امن دینے کا وعدہ کیا کہ وہ بنی سعد کے گھروں اور ان کے جانوروں اور چوپایوں کی جگہ بتا دے، اس نے مجاہدین کی اس شرط کے مطابق رہنمائی کی اور انہوں نے ان پر اچانک حملہ کر دیا، اور ان کے پانچ سوانٹ اور دو ہزار بکریوں پر قبضہ کر لیا، اور بنی سعد کے لوگ اپنی عورتوں کو لے کر بھاگ پڑے، ان کا سردار و بر بن عکرم تھا۔ علی رضی اللہ عنہ نے پہلے تو رسول اللہ ﷺ کے لئے ایک اونٹنی الگ کر لی، جس نے کچھ ہی دنوں قبل بچہ دیا تھا، پھر انہوں نے پانچواں حصہ الگ کیا، اور باقی اموال غنیمت کو مجاہدین میں تقسیم کر دیا^(۱)۔

سریرہ عبد اللہ بن رواحہ :

ابو رافع سلام بن ابی الحقیق کے قتل کئے جانے کے بعد یہود خیبر نے اپنا سردار اُسیر بن زرام کو بنالیا، یہ شخص غطفان اور دیگر قبائل کے پاس گیا اور انہیں رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے کے لئے ابھارا اور جمع کیا، رسول اللہ ﷺ کو جب یہ خبر ملی تو آپ نے عبد اللہ بن رواحہ کو تین دیگر مجاہدین کے ساتھ ماہ رمضان میں خفیہ طور پر بھیجا، انہوں نے وہاں پہنچ کر اس کے بارے میں دریافت کیا، تو انہیں پتہ چلا کہ اس نے اپنی قوم سے کہا ہے: میں محمد کے ساتھ وہ کروں گا جو مجھ سے پہلے کسی نے اس کے ساتھ نہیں کیا۔ میں قبیلہ غطفان کے پاس جاؤں گا، اور انہیں محمد سے جنگ کرنے کے لئے جمع کروں گا، چنانچہ اس نے اس کے لئے کوشش بھی کی۔

تب رسول اللہ ﷺ نے تین انصار مجاہدین کو اس پر حملہ کرنے کے لئے تیار کیا، اور ان کا قائد عبد اللہ بن رواحہ کو بنالیا، یہ مجاہدین اُسیر کے پاس گئے، اور کہا: ہم امن میں ہوں گے جب تک تمہارے سامنے اس بات کو نہ پیش کر دیں جس کے لئے ہم آئے ہیں، اس نے کہا: ہاں، اور یہی شرط میری بھی ہے، تو مجاہدین نے اس کی شرط کو منظور کر لیا، اور اس سے کہا کہ اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے جنگ کے ارادے سے باز آجائے، اور رسول اللہ ﷺ کے پاس چل کر وہ یہ بات کر لے تاکہ آپ ﷺ اسے خیبر کے لئے اپنا عامل مقرر کر دیں، اور اس کے ساتھ اچھا معاملہ کریں، تاکہ اہل خیبر سلامتی کے ساتھ زندگی گزارتے رہیں، اُسیر کو یہ بات اچھی لگی اور وہ تیس دیگر یہود کے ساتھ مدینہ کی طرف چل پڑا، اور ان میں سے ہر یہودی کے پیچھے ایک مسلمان کو اس کی اونٹنی پر سوار کر دیا گیا، لیکن راستہ میں اُسیر کی نیت بدل گئی، اور اپنے کئے وعدے پر نادم ہوا، اور اس کی ندامت کا اثر اس کے چہرے سے ظاہر ہونے لگا۔

عبد اللہ بن انیس جہنی جو اس فوجی دستہ میں موجود تھے، کہتے ہیں کہ اس نے اپنا ہاتھ میری تلوار کی طرف

(۱) مغازی الواقدی: ۵۶۲/۲، طبقات ابن سعد: ۹۰، ۸۹/۲، عیون الآثار: ۱۵۰/۲۔

بڑھانا چاہیں نے یہ سمجھ لیا اور اپنی اونٹنی کو مہمیز لگائی اور کہا: اے اللہ کے دشمن! تم دھوکا دینا چاہتے ہو، پھر میں نے ظاہر کیا کہ مجھے نیند آرہی ہے، اور اس کے قریب ہوا، تاکہ دیکھوں کہ وہ کیا کرتا ہے؟ اس نے میری تلوار لے لی، تو میں نے اپنی اونٹنی کو مہمیز لگائی اور کہا: کیا کوئی شخص ہے جو اتر کر ہماری اونٹنیوں کو آگے بڑھائے، تو کوئی نہیں اُترا، تب میں خود ہی اپنی اونٹنی سے اتر کر لوگوں کی سواریوں کو ہانکنے لگا، یہاں تک کہ اُسیر تنہا رہ گیا، تو میں نے اس پر اپنی تلوار چلا دی، اور اس کے پاؤں کا پچھلا حصہ کاٹ ڈالا، جس سے متاثر ہو کر وہ اپنی اونٹنی سے گر پڑا اور اس کے ہاتھ میں ایک پہاڑی درخت سے بنی لاشی تھی، جس کا سراٹھڑھا تھا، اس نے مجھے اس سے مارا، اور میرے سر کو زخمی کر دیا، اور اس کے بعد ہم تمام مجاہدین اس کے ساتھیوں پر پیل پڑے اور ان تمام کو قتل کر دیا سوائے ایک آدمی کے جو تیز دوڑتا ہوا بھاگ گیا، اور مسلمانوں میں سے کوئی قتل نہیں ہوا، پھر ہم سب رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تم سب کو عالم قوم سے نجات دی ہے^(۱)۔

سریہ گرز بن جابر فہری:

اس فوجی دستہ کو اللہ کے رسول نے قبیلہ عرینہ والوں کے پاس شوال سن ۶ ہجری میں بھیجا تھا، اور اس کا سبب یہ تھا کہ قبیلہ عکّل اور قبیلہ عرینہ کے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ آئے اور اسلام کی بات کی، اور کہا: اے اللہ کے نبی! ہم لوگ جانور پالنے والے لوگ تھے، شہر میں کبھی نہیں رہے، اس لئے ہمیں مدینہ کی آب و ہوا اس نہیں آئی، رسول اللہ ﷺ نے ان کی بات سُن کر ان کے لئے کچھ اونٹنی اور ایک چرواہے کا حکم دیا، اور ان سے کہا کہ اس چرواہے کے ساتھ وہ شہر سے باہر جا کر رہیں، اور اونٹنی کا دودھ اور پیشاب پیئیں، وہ لوگ وہاں سے نکل کر جب حرہ کے کنارے پہنچے تو اپنے کفر کا اعلان کر دیا، چرواہے کو قتل کر دیا، اور اونٹنیوں کو ہانک کر لے گئے، نبی کریم ﷺ کو جب خبر ہوئی تو ان کو پکڑنے کے لئے کچھ لوگوں کو بھیجا، وہ سب پکڑ لئے گئے، اور ان کی آنکھوں میں گرم لوہا پھیر دیا گیا، اور ان کے ہاتھ کاٹ لئے گئے اور حرہ کے ایک کنارے چھوڑ دیئے گئے، اور اسی حال میں وہ سب مر گئے^(۲)۔

ابن سعد نے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں پکڑنے کے لئے بیس گھوڑ سواروں کو گرز بن جابر فہری کی قیادت میں بھیجا، انہوں نے ان سب کو گھیر کر قید کر لیا، اور باندھ کر اپنے گھوڑوں پر بٹھا کر مدینہ لے آئے۔ ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے گئے، اور ان کی آنکھوں میں گرم سلاخ پھیر دی گئی، اور پھر انہیں لٹکا دیا گیا، انہی کے

(۱) مغازی الواقدی: ۵۶۸، ۵۶۷، طبقات ابن سعد: ۹۳، ۹۲، ۹۱، عیون الأثر: ۱۵۱، ۱۵۲۔

(۲) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۱۹۳)، صحیح مسلم، القسامہ، حدیث: (۱۶۷۱)۔

بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمایا: ﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ (جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں، اور زمین میں فساد پھیلانے میں لگے رہتے ہیں، ان کا بدلہ یہ ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے، یا انہیں سولی پر چڑھا دیا جائے، یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں، یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے۔ یہ رسوائی ان کے لئے دنیا میں ہے، اور آخرت میں انہیں عذاب عظیم دیا جائے گا) [المائدہ: ۳۳]۔

اس آیت کے نزول کے بعد پھر کسی کی آنکھ میں گرم سلاخ نہیں پھیری گئی^(۱)۔

سریہ عمرو بن أمیہ ضمری:

شوال سن ۶ ہجری میں ابوسفیان بن حرب ایک دن اپنی قوم کی مجلس میں بیٹھ کر یہ کہتا سنا گیا کہ کیا کوئی ایسا نہیں جو محمد کو قتل کر دے، وہ تو بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، یہ سن کر ایک دیہاتی آگے بڑھا اور کہا: تمہیں ایک ایسا آدمی مل گیا ہے جو بڑے دل گردے والا اور زبردست طاقت والا اور سب سے تیز دوڑنے والا ہے۔ اگر تم مجھے تقویت پہنچاؤ گے تو میں اس کے پاس جا کر اسے قتل کر سکتا ہوں، اور میرے پاس چیل کے پر کے مانند باریک خنجر ہے جسے میں کنگن بنا کر پہن لوں گا، اور میں تیز دوڑ کر لوگوں سے آگے بڑھ جاؤں گا، اس لئے کہ میں راستے کا زبردست ماہر ہوں۔

ابوسفیان نے کہا: تم ہی ہمارے مطلوب شخص ہو، پھر اسے ایک اونٹنی اور زور راہ دیا اور کہا: اپنی بات کو سب سے پوشیدہ رکھو، وہ شخص رات میں نکلا، اور اپنی سواری پر سفر کرتا ہوا چھٹے دن صبح کے وقت مدینہ پہنچا، اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں دریافت کیا، اس وقت آپ بنی عبدالاشہل کی مسجد میں تھے، جب آپ نے اس آدمی کو دیکھا تو فوراً کہا کہ یہ آدمی دھوکا دے کر مجھے قتل کرنا چاہتا ہے، اور اللہ اس سے میری حفاظت کریں گے، وہ آدمی آگے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کی طرف جھٹکنا چاہا تو اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اس کا پکڑا پکڑ کر پیچھے کھینچا اور اس کا خنجر اچانک ظاہر ہو گیا، اور وہ آدمی حیران و ششدر رہ گیا اور کہنے لگا: میرا خون، میرا خون، اُسید نے اسے دبوچ کر اس پر قابو پالیا، وہ آدمی اپنے کئے پر سخت نادم ہوا جب اسے یقین ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی اللہ کی طرف سے حفاظت کی جاتی ہے، آپ کو کوئی آدمی دھوکا دے کر نہیں قتل کر سکتا، چنانچہ وہ شخص مسلمان ہو گیا۔

اس واقعہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن أمیہ ضمری اور سلمہ بن اسلم کو ابوسفیان بن حرب کو قتل

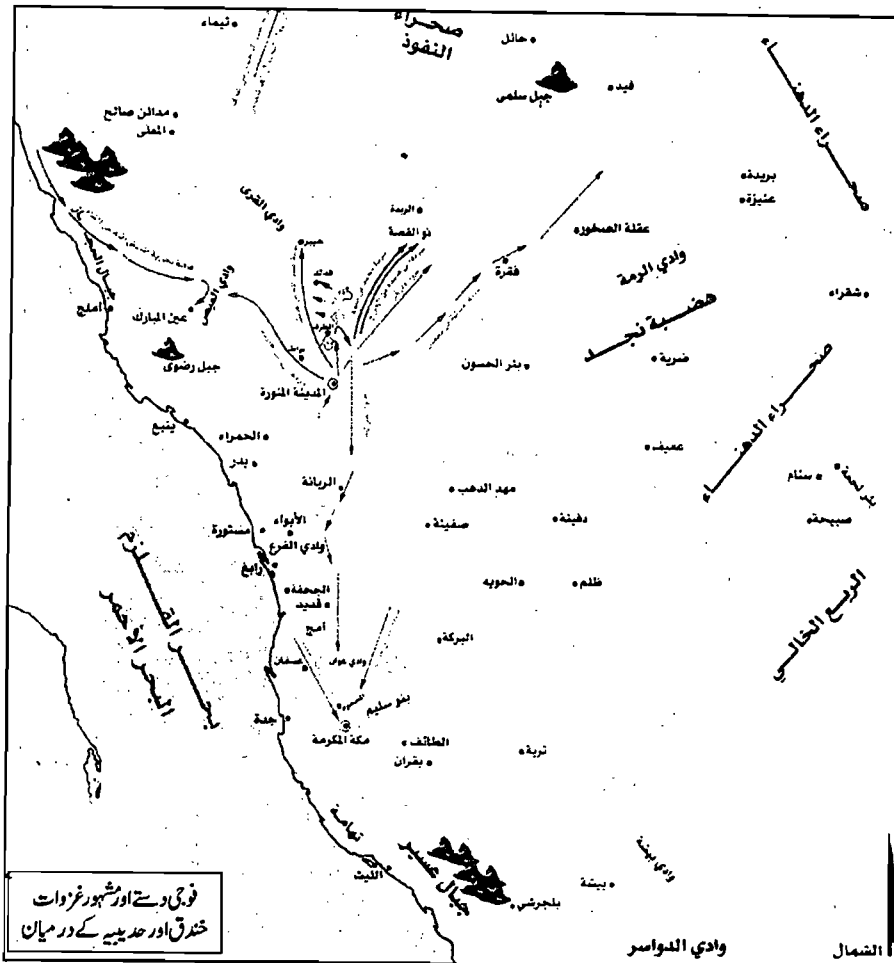
کرنے کے لئے بھیجا، اور کہا: اگر تم دونوں اس پر اچانک حملہ کر کے اسے قتل کر سکتے ہو تو قتل کر دو۔ یہ دونوں مکہ میں داخل ہوئے، عمرو بن امیہ رات کے وقت خانہ کعبہ کا طواف کرنے کے لئے گئے، وہاں انہیں معاویہ بن ابی سفیان نے دیکھ لیا اور انہیں پہچان لیا، اور قریش کو خبر کر دی، وہ سب سن کر فکر مند ہوئے اور انہیں طلب کیا، اور کہنے لگے کہ عمرو کسی اچھی نیت سے نہیں آیا ہے، تمام اہل مکہ یہ بات سن کر جمع ہو گئے، اور عمرو اور سلمہ بھاگ پڑے، عمرو کی ملاقات عبید اللہ بن مالک تمیمی سے ہو گئی جسے انہوں نے قتل کر دیا اور بنی الدیل کے ایک آدمی کو بھی قتل کر دیا جو یہ شعر پڑھ رہا تھا:

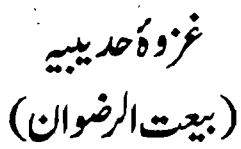
ولست بمسلم ما دمت حياً ولست ادين دين المسلمينا

”میں جب تک زندہ رہوں گا، اسلام کو قبول نہیں کروں گا، اور میں مسلمانوں کے دین کو اپنا دین بنانا پسند نہیں کروں گا۔“

اور عمرو کی قریش کے دو قاصدوں سے بھی ملاقات ہوئی جنہیں ان دونوں سے متعلق خبریں جمع کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا، عمرو نے ان دونوں میں سے ایک کو قتل کر دیا، اور دوسرے کو قیدی بنالیا، اور مدینہ واپس آ گئے۔ رسول اللہ ﷺ عمرو سے اس واقعہ کی تفصیلات سن کر ہنستے تھے^(۱)۔







غزوہ حدیبیہ

حدیبیہ:

ایک کنواں کا نام ہے جو مکہ کے شمال مغرب میں بائیس (۲۲) کیلو میٹر کی دوری پر واقع ہے، ان دنوں اس جگہ کا نام ”شمسی“ ہے، اور یہاں حدیبیہ کے باغات اور مسجد الرضوان پائی جاتی ہے۔ اس کے کنارے حدود حرم میں داخل ہیں، اور اس کا اکثر و بیشتر حصہ حدود حرم سے باہر ہے۔ اس غزوہ کا نام غزوہ حدیبیہ اس لئے پڑ گیا کہ مشرکین قریش نے اسی جگہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا، اور یہیں پر ”بیۃ الرضوان“ ہوئی تھی۔

تاریخ و سبب:

صحیح قول کے مطابق یہ غزوہ ماہ ذی القعدہ سن ۶ ہجری میں ہوا تھا۔ انس، عائشہ، اور براء بن عازب سے مروی حدیث میں اس کی تصریح آگئی ہے، اور زہری، نافع، قتادہ، موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق وغیرہم کا یہی قول ہے، اور جمہور کی بھی یہی رائے ہے^(۱)۔

امام بخاری، امام مسلم اور دیگر محدثین نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چار عمرے کئے، سب کے سب ماہ ذی القعدہ میں کئے، سوائے اس عمرہ کے جو آپ نے حجۃ الوداع میں کیا تھا، پہلا عمرہ ماہ ذی القعدہ میں حدیبیہ سے کیا، دوسرا عمرہ ماہ ذی القعدہ میں دوسرے سال کیا، تیسرا عمرہ جعرانہ سے کیا جہاں آپ نے ماہ ذی القعدہ میں غزوہ حنین کے اموال غنیمت تقسیم کئے تھے، اور چوتھا حجۃ الوداع کے ساتھ کیا^(۲)۔

حافظ ابن کثیر وغیرہ نے اس غزوہ کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سن ۶ ہجری میں مدینہ میں خواب دیکھا کہ آپ صحابہ کرام کے ساتھ امن و سلامتی کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہو رہے ہیں، اور عنقریب ایسا ہوگا، اور صحابہ کرام اپنے سرمنڈائیں گے، اور ان میں سے کچھ اپنے بال کٹائیں گے، اور کسی ایسے دشمن کا انہیں ڈر نہیں ہوگا جو انہیں اس کام سے روک دے۔

(۱) زاد المعاد، ۲/۳۲۴، السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۳/۳۱۲۔

(۲) صحیح البخاری، الحج، حدیث: (۱۷۸۰)، المغازی، حدیث: (۴۱۳۸)، صحیح مسلم، الحج، حدیث: (۱۲۵۳)۔

رسول اللہ ﷺ نے اس خواب کے بعد مسلمانوں کو اطلاع دی کہ آپ عمرہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، اور اس کا اعلان تمام بادیہ نشینوں اور دیہات میں رہنے والے مسلمانوں میں کروادیا، تاکہ مسلمانوں کی بڑی تعداد آپ کے ساتھ عمرہ کرے، اس لئے کہ آپ کو قریش کی طرف سے ڈر تھا کہ کہیں وہ جنگ پر نہ آمادہ ہو جائیں اور آپ کو اور صحابہ کرام کو بیت اللہ سے روک نہ دیں۔ اسی لئے آپ نے ماہ ذی القعدہ کو پسند کیا جو ماہ حرام ہے، تاکہ قریش والے خوفزدہ نہ ہوں، اور بہانہ نہ بنائیں کہ محمد ماہ حلال میں قریشیوں سے جنگ کرنا چاہتا ہے، اور اس بہانے مسلمانوں کو بیت الحرام تک پہنچنے سے روک نہ دیں۔

نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو خواب کی اطلاع اُس وقت دی جب آپ مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہو گئے، اس سے مسلمانوں کو بہت زیادہ خوشی ہوئی اور انہیں یقین ہو گیا کہ وہ عنقریب طویل غیر حاضری کے بعد مکہ میں داخل ہوں گے، بیت اللہ کی زیارت کریں گے، عمرہ کریں گے اور اپنے محبوب وطن اور خویش واقارب کو دیکھیں گے۔ لیکن جب صلح نامہ کی شرط کے مطابق مکہ میں داخل ہوئے بغیر مدینہ واپس ہو گئے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے آپ کے خواب کی تعبیر پوچھی۔ منافقین کہنے لگے: یہ کیسا عمرہ ہے جس میں نہ ہم نے اپنے بال منڈتے یا کٹائے اور نہ مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ اس وقت پوری سورۃ الفتح نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خبر دی کہ اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا ہے، اور وہ عنقریب پورا ہوگا، لیکن ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے، اور اللہ اس تاخیر کی مصلحت کو خوب جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ عَامِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا﴾ (اللہ نے اپنے رسول کا برحق خواب سچ کر دکھایا، اگر اللہ نے چاہا تو تم یقیناً مسجد حرام میں داخل ہو گے، درانحالیکہ تم امن میں ہو گے، اپنے سروں کے بال منڈائے یا کٹائے ہو گے، تم خوف زدہ نہیں ہو گے، پس اُسے وہ معلوم تھا جو تم نہیں جانتے تھے، چنانچہ اُس نے اس سے پہلے تمہیں ایک قریب کی فتح عطا کی) [الفتح: ۲۷]۔

نبی کریم ﷺ کے ساتھ نکلنے والوں کی تعداد:

نبی کریم ﷺ کے اعلان پر مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے لبیک کہا، اور کچھ لوگوں نے اس بدگمانی کے سبب آپ ﷺ کے ساتھ سفر نہیں کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو کفار قریش کی طرف سے ایسی شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا جس کا اندازہ مسلمانوں کو نہیں ہے۔ انہی بدگمانوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفتح میں نازل فرمایا: ﴿سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا يَقُولُونَ

بِأَسْنَتِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا (۱۱) بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَى أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَزُيِّنَ ذَلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنُّ السَّوْءِ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا ﴿﴾ (آپ سے پیچھے رہ جانے والے دیہاتی کہیں گے کہ ہمارے مال و دولت اور ہمارے بال بچوں نے ہمیں مشغول کر دیا، اس لئے آپ ہمارے لئے مغفرت کی دعا کر دیجئے، وہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کے مقابلے میں کون تمہارے لئے کسی چیز کا مالک ہے، اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے، یا تمہیں کوئی فائدہ پہنچانا چاہے، بلکہ اللہ تمہارے کاموں کی پوری خبر رکھتا ہے، بلکہ تم نے گمان کر لیا تھا کہ رسول اللہ اور مومنین اپنے اہل و عیال کے پاس کبھی بھی واپس نہ آسکیں گے، اور یہ بات تمہارے دلوں کے لئے خوبصورت بنادی گئی، اور تم نے نہایت بُرا گمان کر لیا (کہ اللہ اپنے رسول کی مدد نہیں کرے گا) اور تم تھے ہی ہلاک ہونے والے لوگ) [الفتح: ۱۱، ۱۲]۔

نبی کریم ﷺ سن ۶ ہجری یکم ذی القعدہ بروز سوموار سفر پر روانہ ہوئے، اور مدینہ میں اپنا نائب ابن امّ مکتوم کو مقرر کر دیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ جانے والے مسلمانوں کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے، کسی نے لکھا ہے کہ اُن کی تعداد تیرہ سو (۱۳۰۰) تھی، اور کسی نے چودہ سو (۱۴۰۰) کہا ہے، اور کسی نے پندرہ سو (۱۵۰۰)، اور یہ سب روایتیں صحیحین میں ہیں۔ حافظ ابن حجر نے سب پر غور کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اُن کی تعداد چودہ سو سے زائد تھی، اور امام نووی نے اس رائے کی تائید کی ہے۔ اور علامہ ابن القیم نے چودہ سو کی تعداد کو ترجیح دی ہے جو براء ابن عازب، معقل بن یسار اور سلمہ بن الأكوع کی رائے ہے، سعید بن المسیب نے اپنے والد مسیب سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ درخت کے نیچے ہماری تعداد چودہ سو (۱۴۰۰) تھی (۱) سفر سے پہلے آپ ﷺ نے کچھ ایسے کام کئے جن سے مقصود لوگوں کو یہ باور کرانا تھا کہ اس سفر کا مقصد عمرہ ادا کرنا اور مسجد حرام کی زیارت ہے، چنانچہ آپ نے اپنی قصواء نامی اونٹنی پر سوار ہو کر اپنے دروازہ کے پاس سے ماہ ذی القعدہ میں سفر کا آغاز کیا، اور اپنے ساتھ ہدی کے جانور لے لئے جنہیں قلاذے پہنادیئے، اور میانوں میں بند تلواریں کے سوا کوئی دوسرا سامان جنگ نہیں لیا۔

ذوالحلیفہ سے عمرہ کا احرام:

جب آپ ﷺ ذوالحلیفہ پہنچے جو مدینہ سے چھ میل کی دوری پر ہے، تو ظہر کی نماز پڑھی، اور عمرہ کا احرام

(۱) صحیح البخاری، ص ۴۱۵، ۴۱۵۲ (صحیح مسلم، الإمامۃ، حدیث: ۱۸۵۶، ۱۸۵۷، ۱۸۵۸، ۱۸۵۹، ۱۸۶۰، ۱۸۶۱، ۱۸۶۲، ۱۸۶۳، ۱۸۶۴، ۱۸۶۵، ۱۸۶۶، ۱۸۶۷، ۱۸۶۸، ۱۸۶۹، ۱۸۷۰، ۱۸۷۱، ۱۸۷۲، ۱۸۷۳، ۱۸۷۴، ۱۸۷۵، ۱۸۷۶، ۱۸۷۷، ۱۸۷۸، ۱۸۷۹، ۱۸۸۰، ۱۸۸۱، ۱۸۸۲، ۱۸۸۳، ۱۸۸۴، ۱۸۸۵، ۱۸۸۶، ۱۸۸۷، ۱۸۸۸، ۱۸۸۹، ۱۸۹۰، ۱۸۹۱، ۱۸۹۲، ۱۸۹۳، ۱۸۹۴، ۱۸۹۵، ۱۸۹۶، ۱۸۹۷، ۱۸۹۸، ۱۸۹۹، ۱۹۰۰، ۱۹۰۱، ۱۹۰۲، ۱۹۰۳، ۱۹۰۴، ۱۹۰۵، ۱۹۰۶، ۱۹۰۷، ۱۹۰۸، ۱۹۰۹، ۱۹۱۰، ۱۹۱۱، ۱۹۱۲، ۱۹۱۳، ۱۹۱۴، ۱۹۱۵، ۱۹۱۶، ۱۹۱۷، ۱۹۱۸، ۱۹۱۹، ۱۹۲۰، ۱۹۲۱، ۱۹۲۲، ۱۹۲۳، ۱۹۲۴، ۱۹۲۵، ۱۹۲۶، ۱۹۲۷، ۱۹۲۸، ۱۹۲۹، ۱۹۳۰، ۱۹۳۱، ۱۹۳۲، ۱۹۳۳، ۱۹۳۴، ۱۹۳۵، ۱۹۳۶، ۱۹۳۷، ۱۹۳۸، ۱۹۳۹، ۱۹۴۰، ۱۹۴۱، ۱۹۴۲، ۱۹۴۳، ۱۹۴۴، ۱۹۴۵، ۱۹۴۶، ۱۹۴۷، ۱۹۴۸، ۱۹۴۹، ۱۹۵۰، ۱۹۵۱، ۱۹۵۲، ۱۹۵۳، ۱۹۵۴، ۱۹۵۵، ۱۹۵۶، ۱۹۵۷، ۱۹۵۸، ۱۹۵۹، ۱۹۶۰، ۱۹۶۱، ۱۹۶۲، ۱۹۶۳، ۱۹۶۴، ۱۹۶۵، ۱۹۶۶، ۱۹۶۷، ۱۹۶۸، ۱۹۶۹، ۱۹۷۰، ۱۹۷۱، ۱۹۷۲، ۱۹۷۳، ۱۹۷۴، ۱۹۷۵، ۱۹۷۶، ۱۹۷۷، ۱۹۷۸، ۱۹۷۹، ۱۹۸۰، ۱۹۸۱، ۱۹۸۲، ۱۹۸۳، ۱۹۸۴، ۱۹۸۵، ۱۹۸۶، ۱۹۸۷، ۱۹۸۸، ۱۹۸۹، ۱۹۹۰، ۱۹۹۱، ۱۹۹۲، ۱۹۹۳، ۱۹۹۴، ۱۹۹۵، ۱۹۹۶، ۱۹۹۷، ۱۹۹۸، ۱۹۹۹، ۲۰۰۰، ۲۰۰۱، ۲۰۰۲، ۲۰۰۳، ۲۰۰۴، ۲۰۰۵، ۲۰۰۶، ۲۰۰۷، ۲۰۰۸، ۲۰۰۹، ۲۰۱۰، ۲۰۱۱، ۲۰۱۲، ۲۰۱۳، ۲۰۱۴، ۲۰۱۵، ۲۰۱۶، ۲۰۱۷، ۲۰۱۸، ۲۰۱۹، ۲۰۲۰، ۲۰۲۱، ۲۰۲۲، ۲۰۲۳، ۲۰۲۴، ۲۰۲۵، ۲۰۲۶، ۲۰۲۷، ۲۰۲۸، ۲۰۲۹، ۲۰۳۰، ۲۰۳۱، ۲۰۳۲، ۲۰۳۳، ۲۰۳۴، ۲۰۳۵، ۲۰۳۶، ۲۰۳۷، ۲۰۳۸، ۲۰۳۹، ۲۰۴۰، ۲۰۴۱، ۲۰۴۲، ۲۰۴۳، ۲۰۴۴، ۲۰۴۵، ۲۰۴۶، ۲۰۴۷، ۲۰۴۸، ۲۰۴۹، ۲۰۵۰، ۲۰۵۱، ۲۰۵۲، ۲۰۵۳، ۲۰۵۴، ۲۰۵۵، ۲۰۵۶، ۲۰۵۷، ۲۰۵۸، ۲۰۵۹، ۲۰۶۰، ۲۰۶۱، ۲۰۶۲، ۲۰۶۳، ۲۰۶۴، ۲۰۶۵، ۲۰۶۶، ۲۰۶۷، ۲۰۶۸، ۲۰۶۹، ۲۰۷۰، ۲۰۷۱، ۲۰۷۲، ۲۰۷۳، ۲۰۷۴، ۲۰۷۵، ۲۰۷۶، ۲۰۷۷، ۲۰۷۸، ۲۰۷۹، ۲۰۸۰، ۲۰۸۱، ۲۰۸۲، ۲۰۸۳، ۲۰۸۴، ۲۰۸۵، ۲۰۸۶، ۲۰۸۷، ۲۰۸۸، ۲۰۸۹، ۲۰۹۰، ۲۰۹۱، ۲۰۹۲، ۲۰۹۳، ۲۰۹۴، ۲۰۹۵، ۲۰۹۶، ۲۰۹۷، ۲۰۹۸، ۲۰۹۹، ۲۱۰۰، ۲۱۰۱، ۲۱۰۲، ۲۱۰۳، ۲۱۰۴، ۲۱۰۵، ۲۱۰۶، ۲۱۰۷، ۲۱۰۸، ۲۱۰۹، ۲۱۱۰، ۲۱۱۱، ۲۱۱۲، ۲۱۱۳، ۲۱۱۴، ۲۱۱۵، ۲۱۱۶، ۲۱۱۷، ۲۱۱۸، ۲۱۱۹، ۲۱۲۰، ۲۱۲۱، ۲۱۲۲، ۲۱۲۳، ۲۱۲۴، ۲۱۲۵، ۲۱۲۶، ۲۱۲۷، ۲۱۲۸، ۲۱۲۹، ۲۱۳۰، ۲۱۳۱، ۲۱۳۲، ۲۱۳۳، ۲۱۳۴، ۲۱۳۵، ۲۱۳۶، ۲۱۳۷، ۲۱۳۸، ۲۱۳۹، ۲۱۴۰، ۲۱۴۱، ۲۱۴۲، ۲۱۴۳، ۲۱۴۴، ۲۱۴۵، ۲۱۴۶، ۲۱۴۷، ۲۱۴۸، ۲۱۴۹، ۲۱۵۰، ۲۱۵۱، ۲۱۵۲، ۲۱۵۳، ۲۱۵۴، ۲۱۵۵، ۲۱۵۶، ۲۱۵۷، ۲۱۵۸، ۲۱۵۹، ۲۱۶۰، ۲۱۶۱، ۲۱۶۲، ۲۱۶۳، ۲۱۶۴، ۲۱۶۵، ۲۱۶۶، ۲۱۶۷، ۲۱۶۸، ۲۱۶۹، ۲۱۷۰، ۲۱۷۱، ۲۱۷۲، ۲۱۷۳، ۲۱۷۴، ۲۱۷۵، ۲۱۷۶، ۲۱۷۷، ۲۱۷۸، ۲۱۷۹، ۲۱۸۰، ۲۱۸۱، ۲۱۸۲، ۲۱۸۳، ۲۱۸۴، ۲۱۸۵، ۲۱۸۶، ۲۱۸۷، ۲۱۸۸، ۲۱۸۹، ۲۱۹۰، ۲۱۹۱، ۲۱۹۲، ۲۱۹۳، ۲۱۹۴، ۲۱۹۵، ۲۱۹۶، ۲۱۹۷، ۲۱۹۸، ۲۱۹۹، ۲۲۰۰، ۲۲۰۱، ۲۲۰۲، ۲۲۰۳، ۲۲۰۴، ۲۲۰۵، ۲۲۰۶، ۲۲۰۷، ۲۲۰۸، ۲۲۰۹، ۲۲۱۰، ۲۲۱۱، ۲۲۱۲، ۲۲۱۳، ۲۲۱۴، ۲۲۱۵، ۲۲۱۶، ۲۲۱۷، ۲۲۱۸، ۲۲۱۹، ۲۲۲۰، ۲۲۲۱، ۲۲۲۲، ۲۲۲۳، ۲۲۲۴، ۲۲۲۵، ۲۲۲۶، ۲۲۲۷، ۲۲۲۸، ۲۲۲۹، ۲۲۳۰، ۲۲۳۱، ۲۲۳۲، ۲۲۳۳، ۲۲۳۴، ۲۲۳۵، ۲۲۳۶، ۲۲۳۷، ۲۲۳۸، ۲۲۳۹، ۲۲۴۰، ۲۲۴۱، ۲۲۴۲، ۲۲۴۳، ۲۲۴۴، ۲۲۴۵، ۲۲۴۶، ۲۲۴۷، ۲۲۴۸، ۲۲۴۹، ۲۲۵۰، ۲۲۵۱، ۲۲۵۲، ۲۲۵۳، ۲۲۵۴، ۲۲۵۵، ۲۲۵۶، ۲۲۵۷، ۲۲۵۸، ۲۲۵۹، ۲۲۶۰، ۲۲۶۱، ۲۲۶۲، ۲۲۶۳، ۲۲۶۴، ۲۲۶۵، ۲۲۶۶، ۲۲۶۷، ۲۲۶۸، ۲۲۶۹، ۲۲۷۰، ۲۲۷۱، ۲۲۷۲، ۲۲۷۳، ۲۲۷۴، ۲۲۷۵، ۲۲۷۶، ۲۲۷۷، ۲۲۷۸، ۲۲۷۹، ۲۲۸۰، ۲۲۸۱، ۲۲۸۲، ۲۲۸۳، ۲۲۸۴، ۲۲۸۵، ۲۲۸۶، ۲۲۸۷، ۲۲۸۸، ۲۲۸۹، ۲۲۹۰، ۲۲۹۱، ۲۲۹۲، ۲۲۹۳، ۲۲۹۴، ۲۲۹۵، ۲۲۹۶، ۲۲۹۷، ۲۲۹۸، ۲۲۹۹، ۲۳۰۰، ۲۳۰۱، ۲۳۰۲، ۲۳۰۳، ۲۳۰۴، ۲۳۰۵، ۲۳۰۶، ۲۳۰۷، ۲۳۰۸، ۲۳۰۹، ۲۳۱۰، ۲۳۱۱، ۲۳۱۲، ۲۳۱۳، ۲۳۱۴، ۲۳۱۵، ۲۳۱۶، ۲۳۱۷، ۲۳۱۸، ۲۳۱۹، ۲۳۲۰، ۲۳۲۱، ۲۳۲۲، ۲۳۲۳، ۲۳۲۴، ۲۳۲۵، ۲۳۲۶، ۲۳۲۷، ۲۳۲۸، ۲۳۲۹، ۲۳۳۰، ۲۳۳۱، ۲۳۳۲، ۲۳۳۳، ۲۳۳۴، ۲۳۳۵، ۲۳۳۶، ۲۳۳۷، ۲۳۳۸، ۲۳۳۹، ۲۳۴۰، ۲۳۴۱، ۲۳۴۲، ۲۳۴۳، ۲۳۴۴، ۲۳۴۵، ۲۳۴۶، ۲۳۴۷، ۲۳۴۸، ۲۳۴۹، ۲۳۵۰، ۲۳۵۱، ۲۳۵۲، ۲۳۵۳، ۲۳۵۴، ۲۳۵۵، ۲۳۵۶، ۲۳۵۷، ۲۳۵۸، ۲۳۵۹، ۲۳۶۰، ۲۳۶۱، ۲۳۶۲، ۲۳۶۳، ۲۳۶۴، ۲۳۶۵، ۲۳۶۶، ۲۳۶۷، ۲۳۶۸، ۲۳۶۹، ۲۳۷۰، ۲۳۷۱، ۲۳۷۲، ۲۳۷۳، ۲۳۷۴، ۲۳۷۵، ۲۳۷۶، ۲۳۷۷، ۲۳۷۸، ۲۳۷۹، ۲۳۸۰، ۲۳۸۱، ۲۳۸۲، ۲۳۸۳، ۲۳۸۴، ۲۳۸۵، ۲۳۸۶، ۲۳۸۷، ۲۳۸۸، ۲۳۸۹، ۲۳۹۰، ۲۳۹۱، ۲۳۹۲، ۲۳۹۳، ۲۳۹۴، ۲۳۹۵، ۲۳۹۶، ۲۳۹۷، ۲۳۹۸، ۲۳۹۹، ۲۴۰۰، ۲۴۰۱، ۲۴۰۲، ۲۴۰۳، ۲۴۰۴، ۲۴۰۵، ۲۴۰۶، ۲۴۰۷، ۲۴۰۸، ۲۴۰۹، ۲۴۱۰، ۲۴۱۱، ۲۴۱۲، ۲۴۱۳، ۲۴۱۴، ۲۴۱۵، ۲۴۱۶، ۲۴۱۷، ۲۴۱۸، ۲۴۱۹، ۲۴۲۰، ۲۴۲۱، ۲۴۲۲، ۲۴۲۳، ۲۴۲۴، ۲۴۲۵، ۲۴۲۶، ۲۴۲۷، ۲۴۲۸، ۲۴۲۹، ۲۴۳۰، ۲۴۳۱، ۲۴۳۲، ۲۴۳۳، ۲۴۳۴، ۲۴۳۵، ۲۴۳۶، ۲۴۳۷، ۲۴۳۸، ۲۴۳۹، ۲۴۴۰، ۲۴۴۱، ۲۴۴۲، ۲۴۴۳، ۲۴۴۴، ۲۴۴۵، ۲۴۴۶، ۲۴۴۷، ۲۴۴۸، ۲۴۴۹، ۲۴۵۰، ۲۴۵۱، ۲۴۵۲، ۲۴۵۳، ۲۴۵۴، ۲۴۵۵، ۲۴۵۶، ۲۴۵۷، ۲۴۵۸، ۲۴۵۹، ۲۴۶۰، ۲۴۶۱، ۲۴۶۲، ۲۴۶۳، ۲۴۶۴، ۲۴۶۵، ۲۴۶۶، ۲۴۶۷، ۲۴۶۸، ۲۴۶۹، ۲۴۷۰، ۲۴۷۱، ۲۴۷۲، ۲۴۷۳، ۲۴۷۴، ۲۴۷۵، ۲۴۷۶، ۲۴۷۷، ۲۴۷۸، ۲۴۷۹، ۲۴۸۰، ۲۴۸۱، ۲۴۸۲، ۲۴۸۳، ۲۴۸۴، ۲۴۸۵، ۲۴۸۶، ۲۴۸۷، ۲۴۸۸، ۲۴۸۹، ۲۴۹۰، ۲۴۹۱، ۲۴۹۲، ۲۴۹۳، ۲۴۹۴، ۲۴۹۵، ۲۴۹۶، ۲۴۹۷، ۲۴۹۸، ۲۴۹۹، ۲۵۰۰، ۲۵۰۱، ۲۵۰۲، ۲۵۰۳، ۲۵۰۴، ۲۵۰۵، ۲۵۰۶، ۲۵۰۷، ۲۵۰۸، ۲۵۰۹، ۲۵۱۰، ۲۵۱۱، ۲۵۱۲، ۲۵۱۳، ۲۵۱۴، ۲۵۱۵، ۲۵۱۶، ۲۵۱۷، ۲۵۱۸، ۲۵۱۹، ۲۵۲۰، ۲۵۲۱، ۲۵۲۲، ۲۵۲۳، ۲۵۲۴، ۲۵۲۵، ۲۵۲۶، ۲۵۲۷، ۲۵۲۸، ۲۵۲۹، ۲۵۳۰، ۲۵۳۱، ۲۵۳۲، ۲۵۳۳، ۲۵۳۴، ۲۵۳۵، ۲۵۳۶، ۲۵۳۷، ۲۵۳۸، ۲۵۳۹، ۲۵۴۰، ۲۵۴۱، ۲۵۴۲، ۲۵۴۳، ۲۵۴۴، ۲۵۴۵، ۲۵۴۶، ۲۵۴۷، ۲۵۴۸، ۲۵۴۹، ۲۵۵۰، ۲۵۵۱، ۲۵۵۲، ۲۵۵۳، ۲۵۵۴، ۲۵۵۵، ۲۵۵۶، ۲۵۵۷، ۲۵۵۸، ۲۵۵۹، ۲۵۶۰، ۲۵۶۱، ۲۵۶۲، ۲۵۶۳، ۲۵۶۴، ۲۵۶۵، ۲۵۶۶، ۲۵۶۷، ۲۵۶۸، ۲۵۶۹، ۲۵۷۰، ۲۵۷۱، ۲۵۷۲، ۲۵۷۳، ۲۵۷۴، ۲۵۷۵، ۲۵۷۶، ۲۵۷۷، ۲۵۷۸، ۲۵۷۹، ۲۵۸۰، ۲۵۸۱، ۲۵۸۲، ۲۵۸۳، ۲۵۸۴، ۲۵۸۵، ۲۵۸۶، ۲۵۸۷، ۲۵۸۸، ۲۵۸۹، ۲۵۹۰، ۲۵۹۱، ۲۵۹۲، ۲۵۹۳، ۲۵۹۴، ۲۵۹۵، ۲۵۹۶، ۲۵۹۷، ۲۵۹۸، ۲۵۹۹، ۲۶۰۰، ۲۶۰۱، ۲۶۰۲، ۲۶۰۳، ۲۶۰۴، ۲۶۰۵، ۲۶۰۶، ۲۶۰۷، ۲۶۰۸، ۲۶۰۹، ۲۶۱۰، ۲۶۱۱، ۲۶۱۲، ۲۶۱۳، ۲۶۱۴، ۲۶۱۵، ۲۶۱۶، ۲۶۱۷، ۲۶۱۸، ۲۶۱۹، ۲۶۲۰، ۲۶۲۱، ۲۶۲۲، ۲۶۲۳، ۲۶۲۴، ۲۶۲۵، ۲۶۲۶، ۲۶۲۷، ۲۶۲۸، ۲۶۲۹، ۲۶۳۰، ۲۶۳۱، ۲۶۳۲، ۲۶۳۳، ۲۶۳۴، ۲۶۳۵، ۲۶۳۶، ۲۶۳۷، ۲۶۳۸، ۲۶۳۹، ۲۶۴۰، ۲۶۴۱، ۲۶۴۲، ۲۶۴۳، ۲۶۴۴، ۲۶۴۵، ۲۶۴۶، ۲۶۴۷، ۲۶۴۸، ۲۶۴۹، ۲۶۵۰، ۲۶۵۱، ۲۶۵۲، ۲۶۵۳، ۲۶۵۴، ۲۶۵۵، ۲۶۵۶، ۲۶۵۷، ۲۶۵۸، ۲۶۵۹، ۲۶۶۰، ۲۶۶۱، ۲۶۶۲، ۲۶۶۳، ۲۶۶۴، ۲۶۶۵، ۲۶۶۶، ۲۶۶۷، ۲۶۶۸، ۲۶۶۹، ۲۶۷۰، ۲۶۷۱، ۲۶۷۲، ۲۶۷۳، ۲۶۷۴، ۲۶۷۵، ۲۶۷۶، ۲۶۷۷، ۲۶۷۸، ۲۶۷۹، ۲۶۸۰، ۲۶۸۱، ۲۶۸۲، ۲۶۸۳، ۲۶۸۴، ۲۶۸۵، ۲۶۸۶، ۲۶۸۷، ۲۶۸۸، ۲۶۸۹، ۲۶۹۰، ۲۶۹۱، ۲۶۹۲، ۲۶۹۳، ۲۶۹۴، ۲۶۹۵، ۲۶۹۶، ۲۶۹۷، ۲۶۹۸، ۲۶۹۹، ۲۷۰۰، ۲۷۰۱، ۲۷۰۲، ۲۷۰۳، ۲۷۰۴، ۲۷۰۵، ۲۷۰۶، ۲۷۰۷، ۲۷۰۸، ۲۷۰۹، ۲۷۱۰، ۲۷۱۱، ۲۷۱۲، ۲۷۱۳، ۲۷۱۴، ۲۷۱۵، ۲۷۱۶، ۲۷۱۷، ۲۷۱۸، ۲۷۱۹، ۲۷۲۰، ۲۷۲۱، ۲۷۲۲، ۲۷۲۳، ۲۷۲۴، ۲۷۲۵، ۲۷۲۶، ۲۷۲۷، ۲۷۲۸، ۲۷۲۹، ۲۷۳۰، ۲۷۳۱، ۲۷۳۲، ۲۷۳۳، ۲۷۳۴، ۲۷۳۵، ۲۷۳۶، ۲۷۳۷، ۲۷۳۸، ۲۷۳۹، ۲۷۴۰، ۲۷۴۱، ۲۷۴۲، ۲۷۴۳، ۲۷۴۴، ۲۷۴۵، ۲۷۴۶، ۲۷۴۷، ۲۷۴۸، ۲۷۴۹، ۲۷۵۰، ۲۷۵۱، ۲۷۵۲، ۲۷۵۳، ۲۷۵۴، ۲۷۵۵، ۲۷۵۶، ۲۷۵۷، ۲۷۵۸، ۲۷۵۹، ۲۷۶۰، ۲۷۶۱، ۲۷۶۲، ۲۷۶۳، ۲۷۶۴، ۲۷۶۵، ۲۷۶۶، ۲۷۶۷، ۲۷۶۸، ۲۷۶۹، ۲۷۷۰، ۲۷۷۱، ۲۷۷۲، ۲۷۷۳، ۲۷۷۴، ۲۷۷۵، ۲۷۷۶، ۲۷۷۷، ۲۷۷۸، ۲۷۷۹، ۲۷۸۰، ۲۷۸۱، ۲۷۸۲، ۲۷۸۳، ۲۷۸۴، ۲۷۸۵، ۲۷۸۶، ۲۷۸۷، ۲۷۸۸، ۲۷۸۹، ۲۷۹۰، ۲۷۹۱، ۲۷۹۲، ۲۷۹۳، ۲۷۹۴، ۲۷۹۵، ۲۷۹۶، ۲۷۹۷، ۲۷۹۸، ۲۷۹۹، ۲۸۰۰، ۲۸۰۱، ۲۸۰۲، ۲۸۰۳، ۲۸۰۴، ۲۸۰۵، ۲۸۰۶، ۲۸۰۷، ۲۸۰۸، ۲۸۰۹، ۲۸۱۰، ۲۸۱۱، ۲۸۱۲، ۲۸۱۳، ۲۸۱۴، ۲۸۱۵، ۲۸۱۶، ۲۸۱۷، ۲۸۱۸، ۲۸۱۹، ۲۸۲۰، ۲۸۲۱، ۲۸۲۲، ۲۸۲۳، ۲۸۲۴، ۲۸۲۵، ۲۸۲۶، ۲۸۲۷، ۲۸۲۸، ۲۸۲۹، ۲۸۳۰، ۲۸۳۱، ۲۸۳۲، ۲۸۳۳، ۲۸۳۴، ۲۸۳۵، ۲۸۳۶، ۲۸۳۷، ۲۸۳۸، ۲۸۳۹، ۲۸۴۰، ۲۸۴۱، ۲۸۴۲، ۲۸۴۳، ۲۸۴۴، ۲۸۴۵، ۲۸۴۶، ۲۸۴۷، ۲۸۴۸، ۲۸۴۹، ۲۸۵۰، ۲۸۵۱، ۲۸۵۲، ۲۸۵۳، ۲۸۵۴، ۲۸۵۵، ۲۸۵۶، ۲۸۵۷، ۲۸۵۸، ۲۸۵۹، ۲۸۶۰، ۲۸۶۱، ۲۸۶۲، ۲۸۶۳، ۲۸۶۴، ۲۸۶۵، ۲۸۶۶، ۲۸۶۷، ۲۸۶۸، ۲۸۶۹، ۲۸۷۰، ۲۸۷۱، ۲۸۷۲، ۲۸۷۳، ۲۸۷۴، ۲۸۷۵، ۲۸۷۶، ۲۸۷۷، ۲۸۷۸، ۲۸۷۹، ۲۸۸۰، ۲۸۸۱، ۲۸۸۲، ۲۸۸۳، ۲۸۸۴، ۲۸۸۵، ۲۸۸۶، ۲۸۸۷، ۲۸۸۸، ۲۸۸۹، ۲۸۹۰، ۲۸۹۱، ۲۸۹۲، ۲۸۹۳، ۲۸۹۴، ۲۸۹۵، ۲۸۹۶، ۲۸۹۷، ۲۸۹۸، ۲۸۹۹، ۲۹۰۰، ۲۹۰۱، ۲۹۰۲، ۲۹۰۳، ۲۹۰۴، ۲۹۰۵، ۲۹۰۶، ۲۹۰۷، ۲۹۰۸، ۲۹۰۹، ۲۹۱۰، ۲۹۱۱، ۲۹۱۲، ۲۹۱۳، ۲۹۱۴، ۲۹۱۵، ۲۹۱۶، ۲۹۱۷، ۲۹۱۸، ۲۹۱۹، ۲۹۲۰، ۲۹۲۱، ۲۹۲۲، ۲۹۲۳، ۲۹۲۴، ۲۹۲۵، ۲۹۲۶، ۲۹۲۷، ۲۹۲۸، ۲۹۲۹، ۲۹۳۰، ۲۹۳۱، ۲۹۳۲، ۲۹۳۳، ۲۹۳۴، ۲۹۳۵، ۲۹۳۶، ۲۹۳۷، ۲۹۳۸، ۲۹۳۹، ۲۹۴۰، ۲۹۴۱، ۲۹۴۲، ۲۹۴۳، ۲۹۴۴، ۲۹۴۵، ۲۹۴۶، ۲۹۴۷، ۲۹۴۸، ۲۹۴۹، ۲۹۵۰، ۲۹۵۱، ۲۹۵۲، ۲۹۵۳، ۲۹۵۴، ۲۹۵۵، ۲۹۵۶، ۲۹۵۷، ۲۹۵۸، ۲۹۵۹، ۲۹۶۰، ۲۹۶۱، ۲۹۶۲، ۲۹۶۳، ۲۹۶۴، ۲۹۶۵، ۲۹۶۶، ۲۹۶۷، ۲۹۶۸، ۲۹

باندھا، اور مسلمانوں نے بھی آپ کے ساتھ احرام باندھا، اور اپنے ساتھ ہدی کے جانور لے لئے، انہوں نے بھی آپ ﷺ ہی کی طرح عمل کیا، اور سب کے سب مکہ کی طرف حالت احرام میں لبیک کہتے ہوئے روانہ ہو گئے۔

ابوقنادہ کی ساحل سمندر کی طرف خبر گیری کے لئے روانگی:

جب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام مقام ”روحاء“ پر پہنچے جو مدینہ سے تہتر (۷۳) کیلو میٹر کی دوری پر ہے، تو آپ ﷺ نے ابوقنادہ انصاری کو (جنہوں نے عمرہ کا احرام نہیں باندھا تھا) صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ ساحل بحر احمر پر واقع غیقہ نامی مقام کی طرف روانہ کیا، آپ کو خبر ملی تھی کہ وہاں کچھ مشرکین ہیں جن کی طرف سے ڈر ہے کہ کہیں وہ اچانک مسلمانوں پر حملہ نہ کر دیں۔ اُس سفر میں ابوقنادہ نے اپنے محرم ساتھیوں کے لئے ایک جنگی گدھے کا شکار کیا، جس کا گوشت سب نے کھایا، لیکن پھر انہیں اُس کے حلال ہونے میں شبہ ہو گیا، اس لئے جب اُن کی ملاقات رسول اللہ ﷺ سے مقام سقیاء پر ہوئی جو مدینہ سے ایک سو اسی (۱۸۰) کیلو میٹر کی دوری پر ہے، تو آپ ﷺ سے پوچھا، اور آپ نے محرم صحابہ کو اس کا گوشت کھانے کی اجازت دے دی، اس لئے کہ انہوں نے اس کا شکار کرنے میں ابوقنادہ کی مدد نہیں کی تھی^(۱)۔

بشر خزاعی جاسوس رسول اللہ ﷺ مکہ میں:

رسول اللہ ﷺ نے بشر بن سفیان بن عویر خزاعی کو اپنے جاسوس کے طور پر پہلے ہی مکہ روانہ کر دیا تھا، جب آپ ﷺ عسفان کے قریب مقام غدیر الا شطاط پر پہنچے تو آپ کا خزاعی جاسوس آیا اور خبر دی کہ کعب بن لوی اور عامر بن لوی نے مختلف الانواع لشکر کو آپ سے جنگ کرنے اور خانہ کعبہ کی زیارت سے روک دینے کے لئے جمع کر لیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ مانگا اور پوچھا کہ کیا جو لوگ وہاں جمع ہیں، ہم اُن کے اہل و عیال پر حملہ کر کے اُن کا صفایا کر دیں، تاکہ وہ اپنی جگہ پر خائب و خاسر اور محزون و مغموں بن کر پڑے رہیں، یا جنگ کے لئے حرکت کریں تو اُن کی مثال کئی ہوئی گردنوں کی ہو۔ یا تم لوگ یہ مناسب سمجھتے ہو کہ ہم بیت اللہ کا قصد کر کے آگے بڑھیں، اور کوئی ہماری راہ روکے تو ہم اُس سے جنگ کریں؟

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے نبی! اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں، ہم لوگ عمرہ کے لئے آئے ہیں، ہمارا مقصد کسی سے جنگ کرنا نہیں ہے، لیکن اگر کوئی ہمیں بیت اللہ کی زیارت سے روکے گا تو ہم اس

(۱) صحیح البخاری، کتاب جزاء الصيد، حدیث: (۱۸۲۱، ۱۸۲۲، ۱۸۲۳)، صحیح مسلم، حدیث: (۶۹۱۱)۔

سے جنگ کریں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”پھر تم لوگ آرام سے رہو“^(۱)، رسول اللہ ﷺ کی عادت تھی کہ آپ ﷺ صحابہ کرام سے بہت زیادہ مشورے کیا کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کا دخول مکہ سے روک دیا جانا:

قریشیوں کو جب رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام کی مکہ کے لئے روانگی کا علم ہوا تو وہ نہایت خوفزدہ ہوئے اور معاملہ پر بہ تمام وجوہ غور کرنے کے بعد اس بات پر متفق ہوئے کہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا جائے، چاہے جیسے بھی حالات کا سامنا کرنا پڑے، چنانچہ وہ اپنی پوری فوجی طاقت کے ساتھ مسلمانوں سے نمٹنے کے لئے تیار ہو گئے۔

اور نبی کریم ﷺ کو جب معلوم ہوا کہ اہل قریش نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دینے اور آپ سے جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو آپ نے فرمایا: ہائے قریش کی نصیبی کہ جنگ انہیں کھا گئی، اگر یہ میرے اور لوگوں کے درمیان رکاوٹ نہ بنتے تو ان کا کیا بگڑ جاتا۔ اگر لوگ میرا قصہ تمام کر دیتے تو ان کا مقصد پورا ہو جاتا، اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے لوگوں پر غلبہ اور برتری عطا کرتا تو یہ لوگ فوراً دائرۃ اسلام میں داخل ہو جاتے۔ اور اگر انہوں نے ایسا نہیں کیا، اور اپنی رہی سہی طاقت کے غرور میں مبتلا رہے، تو قریش والے کیا سمجھتے ہیں؟ میں اُس کلمہ کو غالب کرنے کے لئے جس کے ساتھ اللہ نے مجھے بھیجا ہے، اُن سے جہاد کرتا رہوں گا، یہاں تک کہ اللہ کا دین مکہ میں غالب ہو جائے، یا اسی راہ میں میری موت آجائے۔

خالد بن ولید کا دستہ مسلمانوں کی راہ میں رُکاوٹ^(۲):

رسول کریم ﷺ جب عسفان پہنچے جو مکہ کے شمال میں اسی (۸۰) کیلومیٹر کی دوری پر ہے، تو آپ کو خبر ملی کہ قریش نے خالد بن ولید کی قیادت میں گھوڑ سواروں کا ایک دستہ مسلمانوں کا راستہ روکنے کے لئے بھیجا ہے، آپ ﷺ نے صحابہ سے کہا: خالد بن ولید قریشی گھوڑ سواروں کے ایک دستہ کے ساتھ مقام غمیم میں موجود ہے، (جو مکہ کے قریب رابغ اور حقفہ کے درمیان ہے) اس لئے تم لوگ یہاں سے دائیں طرف چلو، اور آپ عام راستہ چھوڑ کر غیر ہموار راہ پر چل پڑے جس کے سبب آپ اور صحابہ کرام کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، تاکہ مشرکین مکہ کے ساتھ فوجی مڈ بھیڑ کی نوبت نہ آجائے، اور اس کارروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ خالد کو آپ اور

(۱) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۱۷۸، ۴۱۷۹، ۴۱۸۰، ۴۱۸۱)، ابوداؤد، الجہاد: (۲۷۶۵)، سنن الترمذی: (۲۱۵/۵، ۷۰/۷، ۱۳۴/۹، ۱۳۴/۱۰)

(۲) مسند احمد: (۱۰۹/۱۰، ۲۲۱، ۲۱۸) مسند احمد: (۳۲۸/۳، ۳۳۱، ۳۳۲)

(۲) دیکھئے مسند احمد: ۳۲۳/۲، اس کی سند حسن ہے، سیرۃ ابن ہشام: ۳۰۹/۲

صحابہ کی آمد کی اطلاع مسلمان فوجیوں کے گرد و غبار سے ہوئی، اور مشرکین گھبرا کر مکہ کی طرف دوڑ پڑے تاکہ قریشیوں کو خبر کریں۔

نبی کریم ﷺ آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ جب آپ اُس شنیہ پر پہنچے جس سے نیچے اُتر کر مکہ والوں کے پاس پہنچ جانا تھا تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ لوگوں نے اُسے اٹھانا چاہا، لیکن وہ نہیں اُٹھی، لوگوں نے کہا: فُصواء تھک کر بیٹھ گئی ہے۔ آپ ﷺ نے کہا: فُصواء تھکی نہیں ہے، اور نہ یہ اس کی عادت ہے، بلکہ جس نے ہاتھی کو روک دیا تھا اسی نے اسے بھی روک دیا ہے^(۱)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اُس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اہل قریش کوئی بھی ایسا سمجھوتہ پیش کریں گے جس میں اللہ کے حرام کردہ شعائر کی تعظیم ہوگی، تو میں اُسے منظور کر لوں گا، پھر آپ ﷺ نے اونٹنی کو ڈانٹا تو وہ اُنھ کھڑی ہوئی، اور آپ ﷺ نے اپنی راہ بدل دی، اور حدیبیہ کے بعد ترین مقام ”نمہ“ نامی کنواں کے پاس پڑاؤ ڈال دیا جس میں پانی کم پایا جاتا تھا۔

خشک کنواں سے پانی اُبلنا:

صحابہ کرام اپنی پیاس بجھانے کے لئے اس کنواں کا پانی بمشکل جمع کرتے اور اپنی ضرورت پوری کرتے، یہاں تک کہ کنواں بالکل خشک ہو گیا، لوگوں نے رسول کریم ﷺ سے پیاس کی شدت کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے ایک تیر لیا اور صحابہ کرام کو حکم دیا کہ اسے کنواں میں ڈال دیں۔ راوی کہتے ہیں: اللہ کی قسم! کنواں میں پانی اُبلتا رہا یہاں تک کہ سارے صحابہ سیراب ہو گئے^(۲)۔

مذکور بالا کنواں سے پانی کا اُبلنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی حدیث سے بھی ثابت ہے جسے بخاری نے کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیہ میں روایت کی ہے، براء کہتے ہیں: تم لوگ فتح مکہ کو ”فتح“ کہتے ہو، اور بلاشبہ فتح مکہ تو ”فتح“ تھی ہی، لیکن ہم لوگ حدیبیہ کے دن بیعت الرضوان کو ”فتح“ شمار کرتے ہیں۔ ہماری تعداد نبی کریم ﷺ کے ساتھ چودہ سو (۱۴۰۰) تھی، اور حدیبیہ کے کنواں کا پانی ایک ایک قطرہ ختم ہو گیا، جب رسول کریم ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ کنواں کے پاس آئے، اور اُس کی منڈیر پر بیٹھ گئے، پھر آپ نے اسی کنواں سے ایک بالٹی پانی منگایا، اس سے وضو کیا، گلّی کی، اور دعا کی، اور اسے اسی کنواں میں انڈیل دیا، کچھ ہی دیر کے بعد اس کا پانی

(۱) صحیح البخاری، کتاب الشروط، حدیث: (۲۷۳۲، ۲۷۳۱) مسند احمد: ۴/۳۲۸-۳۳۱۔

(۲) اس حدیث کی تخریج (خالد بن ولید کا دستہ) کے ضمن میں ہو چکی ہے۔

اس طرح اُبلنے لگا کہ ہم تمام لوگوں نے اور ہمارے سواری کے جانوروں نے خوب سیر ہو کر پانی پیا^(۱)۔
کثرتِ طعام:

سلمہ بن الأكوع رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ ہم لوگ رسول کریم ﷺ کے ساتھ غزوہ حدیبیہ کے موقع سے نکلے، ہم سب کو شدید بھوک اور پیاس کا سامنا کرنا پڑا، یہاں تک کہ ہم لوگوں نے سواری کے جانوروں کو ذبح کرنے کا ارادہ کر لیا، نبی کریم ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم سب اپنے کھانے کے برتن جمع کریں، ہم نے ایک چادر بچھا کر اُس پر اپنی تھیلیوں میں موجود کھانے کی چیزوں کو ڈال دیا، میں نے آگے بڑھ کر اندازہ لگایا تو وہ ایک بیٹھی ہوئی بکری کے مانند اونچ ڈھیر تھی، اور ہماری تعداد چودہ سو (۱۴۰۰) تھی، ہم سب کھانے لگے، یہاں تک کہ آسودہ ہو گئے اور اپنی تھیلیوں کو بھی اچھی طرح بھر لیا^(۲)۔

بدیل بن ورقاء خزاعی کا مشورہ:

رسول کریم ﷺ جب مقام حدیبیہ میں خیمہ زن ہو گئے تو بدیل بن ورقاء خزاعی اور اس کے ساتھ خزاعہ کے کچھ لوگ آپ کے پاس آئے، یہ لوگ آپ ﷺ کے لئے مخلص تھے، بدیل نے آپ ﷺ سے کہا کہ ہم آپ کی قوم کعب بن لؤی اور عامر بن لؤی کے پاس سے آرہے ہیں، انہوں نے آپ سے جنگ کرنے کے لئے مختلف الانواع جنگجوؤں اور دیگر اپنے تابع فرمان لوگوں کو جمع کر لیا ہے، اور اُن کے ساتھ عورتیں اور بچے بھی ہیں، انہوں نے قسم کھائی ہے کہ وہ آپ خانہ کعبہ تک اسی حال میں پہنچ سکتے ہیں کہ آپ انہیں یکسر ختم کر دیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: ہم کسی سے جنگ کرنے کے لئے نہیں آئے ہیں، ہم تو صرف بیت اللہ کا طواف کرنے کے لئے آئے ہیں، اور اگر کوئی ہمیں روکے گا تو ہم اس سے جنگ کریں گے، اور قریشیوں کو جنگ نے بہت ہی نقصان پہنچایا ہے، اور انہیں نڈھال کر دیا ہے، اگر وہ چاہیں گے تو میں صلح کی مدت بڑھا دوں گا، بشرطیکہ وہ میرے اور لوگوں کے درمیان رُکاوٹ نہیں بنیں گے، اور جب میں لوگوں پر غالب آ جاؤں گا، تو انہیں اختیار ہوگا، چاہیں گے تو دین اسلام میں داخل ہو جائیں گے، اور اگر جنگ کرنی چاہیں گے تو انہیں ایک گونہ راحت پانے کا موقع مل چکا ہوگا۔ اللہ کی قسم! میں اپنے اس مشن کی تکمیل میں پوری قوت صرف کروں گا، یہاں تک کہ اللہ اپنے دین کو غالب کر دے گا، یا اسی راہ میں میری موت آ جائے گی۔

(۱) صحیح البخاری، حدیث: (۴۱۵۰، ۴۱۵۱)

(۲) صحیح البخاری، حدیث: (۲۹۸۴، ۲۹۸۵)، صحیح مسلم، اللفظ، حدیث: (۱۷۲۹)۔

بدیل نے کہا: میں اہل قریش تک آپ کی یہ بات پہنچا دیتا ہوں، پھر وہ وہاں سے چل کر قریش کے پاس آیا اور اُن سے کہا: ہم تمہارے پاس اُس آدمی سے بات کر کے آئے ہیں، اگر تم چاہو تو ہم وہ بات تمہارے سامنے پیش کریں، اُن کے نادانوں نے کہا: ہم اُس کی کوئی بات سننے کے لئے تیار نہیں ہیں، اور اُن کے ہوشمندوں نے کہا، اچھا، بتاؤ، تم سے اس نے کیا کہا ہے، بدیل نے کہا: میں نے اسے ایسا اور ایسا کہتے سنا ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی پوری بات اُن کو سنائی۔

عروہ بن مسعود ثقفی، قریش کا ایلچی:

بدیل کی پوری بات سننے کے بعد عروہ بن مسعود ثقفی نے کہا کہ بدیل مفاہمت کی بڑی اچھی شکل لے کر آیا ہے، جو شخص بھی اسے نہیں مانے گا وہ اس سے کوئی زیادہ بُری شکل پیش کرے گا، اس لئے اے اہل قریش! تم اسے مان لو، اور مجھے اپنا جاسوس بنا کر محمد کے پاس بھیجو تاکہ میں اس کی تصدیق کر کے آؤں۔

قریشیوں نے اُس سے کہا: تم جاؤ، وہ آیا، اور کہا: اے محمد! میں تمہاری قوم کو حدیبیہ کنواں کی لکڑیوں کے پاس چھوڑ کر آیا ہوں، وہ سب تم سے جنگ کے لئے بالکل تیار ہیں، اور قسم کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تمہیں خانہ کعبہ تک نہیں جانے دیں گے، یہاں تک کہ تم ان کا خاتمہ کر دو، اور اُن سے جنگ کرنے کی صورت میں، یا تو تم اپنی قوم کو ختم کر دو گے، اور ہم نے سنا نہیں ہے کہ تم سے پہلے کسی نے اپنی قوم کو ختم کر دیا ہو، یا یہ لوگ جنہیں میں تمہارے ساتھ دیکھ رہا ہوں، تمہارا ساتھ چھوڑ دیں گے، اس لئے کہ میں ان مختلف الانواع لوگوں کے نہ چہروں کو پہچانتا ہوں نہ ہی ان کے حسب و نسب کو۔ کوئی بعید نہیں کہ یہ لوگ تمہیں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوں گے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم لات بُہنی کی شرمگاہ چوسو، کیا ہم لوگ نبی کریم ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟ عروہ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: ابوبکر۔ عروہ نے کہا: اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم نے مجھ پر ایک احسان نہ کیا ہوتا جس کا میں نے تمہیں کوئی بدلہ نہیں دیا ہے، تو میں تمہیں جواب دیتا۔ راوی کہتے ہیں: پھر نبی کریم ﷺ اُس سے وہی باتیں کہنے لگے جو آپ ﷺ نے بدیل بن ورقاء سے کہی تھی، اور آپ ﷺ جب بھی کوئی لفظ اپنی زبان سے ادا کرتے تو عروہ آپ ﷺ کی داڑھی پکڑ لیتا۔ اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ تلوار لئے آپ ﷺ کے سر پر کھڑے تھے، اور سر پر خود پہنے ہوئے تھے۔ جب بھی عروہ اپنا ہاتھ نبی کریم ﷺ کی داڑھی کی طرف بڑھاتا مغیرہ اس کے ہاتھ پر تلوار کے دستے سے مارتے اور کہتے: اپنا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کی داڑھی سے الگ رکھو۔

ایک روایت میں ہے، مغیرہ کہتے: اپنا ہاتھ الگ رکھو، ورنہ تمہارا ہاتھ دوبارہ تمہاری طرف واپس نہیں جائے گا، اور مغیرہ اپنی تلوار اپنی گردن میں لٹکائے ہوئے تھے، عروہ نے اپنا سر اٹھایا اور پوچھا: یہ کون ہے؟ مغیرہ نے کہا: مغیرہ بن شعبہ۔ عروہ نے کہا: اے دھوکہ باز، کیا میں تمہاری دھوکہ دہی کے نتیجہ سے تمہیں بچانے کی کوشش نہیں کرتا رہا ہوں؟ مغیرہ زمانہ جاہلیت میں کچھ لوگوں کے ساتھ سفر میں تھے۔ انہوں نے ان سب کو قتل کر دیا، اور اُن کے مال و اسباب لے کر بھاگ آئے، اور اسلام قبول کر لیا، نبی کریم ﷺ نے اُن سے کہا: تمہارا اسلام قبول کرتا ہوں۔ البتہ اس مال سے مجھے کوئی مطلب نہیں۔

عروہ صحابہ رسول کو بغور دیکھتا رہا، اُس نے دیکھا کہ اگر رسول کریم ﷺ اپنے منہ کا بلغم پھینکتے ہیں تو وہ کسی صحابی کے ہاتھ میں ہوتا ہے، اور صحابی اسے اپنے چہرہ اور اپنے بدن پر مل لیتے ہیں، اور رسول کریم ﷺ اگر انہیں کوئی حکم دیتے ہیں تو سب اسے بجالانے کے لئے دوڑ پڑتے ہیں، اور آپ ﷺ وضو کرتے ہیں تو اس پانی کو حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی انتہائی کوشش کرتے ہیں، اور آپ ﷺ کے نزدیک پست آواز میں بات کرتے ہیں، اور غایت تعظیم میں آپ ﷺ کو نظر بھر کر نہیں دیکھتے ہیں۔

عروہ قریش کے پاس واپس آیا اور اُن سے کہا: لوگو! میں بادشاہوں کے درباروں میں گیا ہوں۔ میں قصر و کسریٰ اور نجاشی سے ملاقات کی ہے۔ اللہ کی قسم! میں نے آج تک کوئی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا جس کے ماننے والے اس سے ایسی محبت کرتے ہوں جیسی محمد کے ساتھی محمد سے کرتے ہیں، اللہ کی قسم! وہ منہ کا بلغم بھی پھینکتا ہے تو وہ اُن میں سے ایک کے ہاتھ میں گرتا ہے جسے وہ اپنے چہرہ اور بدن پر مل لیتا ہے۔ اور وہ انہیں کوئی حکم دیتا ہے تو سب یک بارگی اس کی تعمیل کے لئے دوڑ پڑتے ہیں، اور وہ وضو کرتا ہے تو اس پانی کو حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے سبقت کرنے کی انتہائی کوشش کرتے ہیں، اور وہ بات کرتا ہے تو سب اپنی آوازیں پست کر لیتے ہیں، اور اس کی تعظیم میں اسے نظر بھر کر نہیں دیکھتے، اس لئے اُس نے مفاہمت کی جو اچھی شکل پیش کی ہے اسے تم لوگ قبول کر لو (۱)۔

مکرز بن حفص نمائندہ قریش:

اہل قریش کو بدیل اور عروہ کی بات سے اطمینان نہیں ہوا تو انہوں نے مکرز بن حفص بن الاخیف کو بھیجا، اس آدمی پر جب رسول اللہ ﷺ کی نظر پڑی تو فرمایا کہ یہ شخص دھوکہ باز ہے، اور اس سے بھی آپ نے وہی بات

(۱) اسے ہزار نے روایت کی ہے، دیکھئے: کشف الاستار: (۱۸۱۲) بیہقی نے مجمع: (۱۳۴/۶) میں کہا ہے: اسے ہزار نے روایت کی ہے، اور اس کے رجال ثقافت ہیں۔

کبھی جو بدیل و عمر وہ سے کبھی تھی، پھر وہ قریش کے پاس واپس چلا گیا۔

حلیس بن علقمہ نمائندہ قریش:

تب قریش نے ایک تیسرا نمائندہ بھیجا جس کا نام حلیس بن علقمہ تھا، اور جو احابیش (قریش، کنانہ اور خزاعہ کے وہ لوگ جنہوں نے مکہ کے حبشی نامی پہاڑ کے پاس جمع ہو کر آپس میں اور قریش کے ساتھ تحالف و تعاون کا معاہدہ کیا تھا) کا سردار تھا۔ جب رسول کریم ﷺ نے اسے دیکھا تو فرمایا: یہ شخص ایک ایسی قوم کا فرد ہے جو ہدی کے جانور کی تعظیم کرتی ہے، اس لئے تم لوگ اس کے سامنے ہدی کا جانور پیش کر دو تاکہ وہ دیکھ لے، صحابہ نے ایسا ہی کیا۔ اور اسے دیکھ کر تلبیہ پکارنے لگے۔

صحابہ کرام چونکہ چند روزہ دن سے اسی حال میں تھے، اُن کے جسموں کی بوبدل گئی تھی، اور اُن کے بال غبار آلود اور آپس میں چپک گئے تھے، حلیس نے اُن کا یہ حال دیکھ کر نبی کریم ﷺ سے ملنے کی ضرورت نہیں محسوس کی، اور یہ کہتا ہوا لوٹ گیا: ان لوگوں کو خانہ کعبہ کے طواف سے روکنا کسی طرح مناسب نہیں ہے، کیا یہ مناسب ہے کہ قبائل لخم و جذام اور حمیر توجہ کریں، اور ابن عبدالمطلب خانہ کعبہ سے روک دیئے جائیں؟! کعبہ کے رب کی قسم! قریش کے لوگ ہلاک ہو گئے، یہ مسلمان عمرہ کے لئے آئے ہیں۔

اُس نے قریش والوں سے جا کر کہا: میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے کہ جنہیں روکنا کسی طرح جائز نہیں، میں نے ہدی (قربانی) کے جانوروں کی گردنوں میں پٹے دیکھے ہیں جو اپنے ذبح ہونے کی جگہ پر پہنچنے سے روک دیئے جانے کے سبب اپنے بالوں کو کھا چکے ہیں، اور اُن لوگوں کے جسموں کی بوبدل چکی ہے، اور اُن کے بالوں اور کپڑوں میں جوئیں پڑ چکی ہیں، اور وہ صرف خانہ کعبہ کا طواف کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ کی قسم! ہم نے تمہارے ساتھ اس پر معاہدہ نہیں کیا تھا کہ تم اُن لوگوں کو خانہ کعبہ تک آنے سے روک دو جو اس کی تعظیم کرتے ہیں، اور اس کا حق ادا کرنا چاہتے ہیں، اور ہدی کے جانوروں کو ان کے ذبح ہونے کی جگہ پہنچنے سے روک دو، اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم ان کا راستہ چھوڑ دو گے ورنہ میں تمام احابیش (مختلف الانواع فوجی) کے ساتھ تم لوگوں سے الگ ہو جاؤں گا۔

قریش نے جب حلیس کی یہ بات سنی تو اُس سے کہا: بیٹھ جاؤ، تم دیہاتی ہو، تمہیں معلوم نہیں کہ سازشیں کس طرح رچی جاتی ہیں۔ جو کچھ تم دیکھ کر آئے ہو وہ محمد اور اس کے ساتھیوں کی سازش ہے۔ تم خاموش بیٹھے رہو تاکہ ہم اپنی مرضی کے مطابق کوئی کارروائی کر سکیں۔

خرّاش بن امیہ نما سندہ رسول اللہ ﷺ:

رسول کریم ﷺ نے قریش کے پاس اپنے مبعوث خاص خراش بن امیہ خزاعی کو معاہدہ صلح کی بات مکمل کرنے کے لئے پہلے ہی بھیج دیا تھا تاکہ حالات نبی کریم ﷺ کی خواہش کے خلاف رخ نہ اختیار کر لیں، اس کام کے لئے آپ ﷺ نے خراش کو ثعلب نامی اونٹنی پر سوار کیا تاکہ وہ زعمائے قریش کو یہ پیغام پہنچائیں کہ رسول کریم ﷺ صرف عمرہ کے لئے آئے ہیں۔ خراش جب مکہ پہنچے تو عکرمہ بن ابوجہل نے ان کی اونٹنی کا پاؤں کاٹ دیا، اور قریش نے خراش کو بھی قتل کرنا چاہا، لیکن احابیش نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا، اور خراش رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آ گئے۔

عثمان بن عفان نما سندہ رسول کریم ﷺ:

خرّاش جب واپس آ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیجنا چاہا، عمر نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں اپنے بارے میں قریش سے ڈرتا ہوں، وہاں بنی عدی کا کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جو مجھے اُن سے بچا سکے۔ اور قریش کو میری اُن سے شدید عداوت کی پوری خبر ہے۔ میں آپ کو ایک ایسا آدمی بتاتا ہوں جو قریشیوں کے نزدیک مجھ سے زیادہ معزز ہیں، وہ ہیں عثمان بن عفان۔

چنانچہ آپ ﷺ نے عثمان کو بلایا، اور انہیں قریش کے پاس بھیجا اور کہا: آپ اُن سے کہئے کہ ہم جنگ کے لئے نہیں آئے ہیں ہم تو صرف عمرہ کی نیت سے آئے ہیں، اور آپ انہیں اسلام کی دعوت دیجئے۔ رسول کریم ﷺ نے عثمان کو یہ مشورہ بھی دیا کہ وہ مکہ میں موجود مسلمان مردوں اور عورتوں سے ملیں اور انہیں فتح مکہ کی خوشخبری دیں اور بتائیں کہ اللہ عزوجل عنقریب ہی مکہ میں اپنے دین کو غالب کرنے والا ہے تاکہ وہاں کسی مومن مرد یا عورت کو اپنا ایمان چھپانے کی ضرورت باقی نہ رہے۔

عثمان وہاں سے چلے، اور مقام بلدح میں قریش کے پاس سے گزرے، انہوں نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ عثمان نے کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا ہے تاکہ تمہیں اللہ اور دین اسلام کی طرف بلاؤں، اور تمہیں خبر دوں کہ ہم جنگ کے لئے نہیں آئے ہیں، ہم تو عمرہ کی نیت سے آئے ہیں۔

قریش نے کہا: ہم نے تمہاری بات سُن لی، اب تم اپنا کام کرو، اور ابان بن سعید بن العاص نے اُٹھ کر عثمان کا استقبال کیا، اپنے گھوڑے کی زین درست کی، اور عثمان کو اُس پر سوار کیا، انہیں پناہ دی، اور اپنے پیچھے بیٹھا کہ مکہ لے آیا۔ عثمان وہاں ابوسفیان اور دیگر عظمائے قریش سے ملے، اور انہیں رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچایا۔ انہوں نے

عثمان سے کہا: اگر تم چاہو تو خانہ کعبہ کا طواف کر لو۔ عثمان نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ سے پہلے طواف نہیں کر سکتا۔ عثمان اور قریش کے درمیان دیر تک گفت و شنید ہوتی رہی، اور عثمان اس دوران اُن لوگوں سے اتصال کرتے رہے جن کے گھروں میں خفیہ طور پر اسلام پھیل چکا تھا، قریش نے کہا کہ عثمان کا یہ رویہ حد سے تجاوز ہے، اور عثمان کو آئندہ ایسا کرنے سے روک دیا، بلکہ انہیں مجبوس کرنے کا حکم دے دیا، اور اُن کو رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس جانے سے روک دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی کہ قریش نے عثمان کو قتل کر دیا ہے^(۱)۔

بیعة الرضوان:

اس خبر کے ملتے ہی آپ ﷺ نے فرمایا: ہم اس جگہ سے واپس نہیں جائیں گے جب تک قریش سے نہ منٹ لیں، اور صحابہ کرام کو مشرکین مکہ سے جنگ کرنے کے لئے بیعت کی دعوت دی، جس کا نام ”بیعة الرضوان“ پڑ گیا، اور اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں مندرجہ ذیل آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا﴾ (یقیناً اللہ مومنوں سے راضی ہو گیا، جب وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے، پس وہ جان گیا اس اخلاص کو جو اُن کے دلوں میں تھا، اس لئے اُن پر سکون و اطمینان نازل کیا، اور بطور جزا ایک قریبی فتح سے نوازا) [فتح: ۱۸]۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم نے اس کی تفصیلات اُن سے مروی احادیث میں بیان فرمائی ہیں۔

معقل بن یسار اور درخت کی ڈالیاں:

امام احمد اور امام مسلم نے معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ جب لوگوں سے بیعت لے رہے تھے تو میں اُس درخت کی ایک ڈالی آپ کے سر سے اوپر اٹھائے ہوئے تھا جس کے سایہ تلے آپ بیعت لے رہے تھے، اور ہماری تعداد چودہ سو (۱۴۰۰) تھی، ہم نے آپ سے بیعت موت پر نہیں کی، بلکہ اس پر کہ ہم بھاگیں گے نہیں^(۲)۔

جس نے سب سے پہلے بیعت کی:

حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب ”الإصابة“ میں بحوالہ متدرک حاکم شععی سے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے ابوسنان عبد اللہ بن وہب اسدی نے بیعت کی، انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اپنا ہاتھ دیجئے تاکہ میں

(۱) مسند احمد (۳/۳۲۳-۳۲۶) طبقات ابن سعد: ۹۶/۲، ۹۷، ۱۰۹، ۱۱۵، ۳۰۸، ۳۱۵، زاد المعاد: ۳/۲۲۳-۲۲۷۔

(۲) صحیح مسلم، الإمامہ، حدیث (۷۶)، مسند احمد بحوالہ الفتح الربانی: ۱۰۶/۲۱۔

بیعت کروں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کس بات پر؟ انہوں نے کہا: اُس بات پر جو میرے دل میں ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا فتح و شہادت پر؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ تو آپ نے اُن سے بیعت لے لی۔ پھر سب لوگ ابوسنان کی بیعت کے مطابق آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے^(۱)۔

سلمہ بن الأكوع نے تین بار بیعت کی:

بخاری و مسلم اور دیگر محدثین نے سلمہ بن الأكوع سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں درخت کی جڑ کے نزدیک بیعت کے لئے بلایا، تو میں نے سب سے پہلے بیعت کی، پھر لوگ مسلسل بیعت کرتے رہے، یہاں تک کہ جب تقریباً آدھے لوگوں نے بیعت کر لی، تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے سلمہ! بیعت کرو، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے تو سب سے پہلے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر کر لو، اور رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے، تو آپ نے مجھے ڈھال کا ایک چمڑا دیا، اور مجھ سے بیعت کر لی۔ پھر لوگوں کی بیعت لیتے رہے، یہاں تک کہ جب چند افراد باقی رہ گئے تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے سلمہ! کیا تم بیعت نہیں کرو گے؟ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے تو آپ سے دوبار بیعت کر لی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر کر لو، چنانچہ میں نے تیسری بار بیعت کی، آپ نے پوچھا: ڈھال کا وہ چمڑا کہاں ہے جو میں نے تمہیں دیا تھا؟ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے عامر کو دیکھا کہ اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا تو اسے دے دیا، رسول اللہ ﷺ ہنسنے لگے اور فرمایا: تمہاری مثال اس آدمی کی ہے جس نے کہا: اے اللہ! مجھے ایک ایسا دوست اور حبیب عطا فرما جو مجھے میری ذات سے زیادہ محبوب ہو^(۲)۔

جد بن قیس نے بیعت نہیں کی:

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حدیبیہ کے دن ہماری تعداد چودہ سو (۱۴۰) تھی، تمام صحابہ نے بیعت کی، اور عمر درخت کے نیچے آپ ﷺ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے، اور وہ بول کا درخت تھا، جد بن قیس کے سوا سب نے بیعت کی، وہ اپنی اونٹنی کے پیٹ کے نیچے چھپ گیا تھا^(۳)۔

عمر بن خطاب نے بیعت کی:

نافع ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ حدیبیہ کے دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ درخت

(۱) الإصابۃ: ۱۹۵/۳، رقم ترجمہ: ۵۷۱، دلائل التبیح: ۱۳۷/۴۔

(۲) صحیح البخاری، الشریک، حدیث: (۲۹۸۲، ۲۳۸۳) صحیح مسلم، اللقطۃ، حدیث: (۱۷۲۹)۔

(۳) صحیح مسلم، الإمارہ، حدیث: (۱۸۵۶)۔

کے سایہ میں تھے۔ صحابہ آپ ﷺ کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے۔ عمر نے کہا: اے عبد اللہ! دیکھ تو سہی، کیا بات ہے کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو گھیرے ہوئے ہیں، عبد اللہ نے دیکھا کہ لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں، انہوں نے بیعت کی، پھر اپنے والد عمر کے پاس آئے اور بتایا کہ لوگ بیعت کر رہے ہیں، تو عمر نکلے اور جا کر بیعت کی (۱)۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ درخت کے نیچے لوگوں سے بیعت لے رہے تھے اور عمر کو خبر نہیں تھی، عبد اللہ بن عمر نے بیعت کی، پھر جا کر عمر کو خبر کی کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں سے بیعت لے رہے ہیں۔ عمر تیزی میں آپ ﷺ کے پاس گئے اور بیعت کی۔ اور صحیح مسلم میں جابر بن عبد اللہ کی روایت سے ثابت ہے کہ عمر بیعت کے وقت درخت کے نیچے آپ ﷺ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے۔ یعنی جب انہیں بیعت کا علم ہوا تو فوراً آکر بیعت کی اور رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ تھام لیا تاکہ بیعت کے وقت آپ کی مدد کریں۔

رسول اللہ ﷺ نے عثمان بن عفان کے لئے خود بیعت کی:

عثمان چونکہ قریش کے پاس محبوبس تھے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اُن کی طرف سے خود بیعت کی اور فرمایا: عثمان اللہ اور اس کے رسول کے کام سے گئے ہیں، اس لئے اُن کی طرف سے میں بیعت کرتا ہوں، اور اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر مار کر فرمایا: یہ عثمان کی بیعت ہے۔

عثمان بن وہب نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: بیعت الرضوان سے عثمان کی غیر حاضری کے بارے میں عرض ہے کہ اگر وادی مکہ میں عثمان بن عفان سے زیادہ کوئی آدمی زیادہ معزز ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اسی کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجتے، آپ ﷺ نے عثمان کو جب مکہ روانہ کر دیا تب بیعت الرضوان واقع ہوئی، اسی لئے آپ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کے بارے میں فرمایا: یہ عثمان کا ہاتھ ہے، اور اسے اپنے دوسرے ہاتھ پر مار کر فرمایا: یہ عثمان کی بیعت ہے (۲)۔

عثمان کی بیعت کس بات کی تھی؟

حدیبیہ کے دن صحابہ کرام کی رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کس بات کے لئے تھی، اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔ بخاری نے سلمہ بن الأكوع سے روایت کی ہے کہ صحابہ نے موت پر بیعت کی تھی، اور مسلم اور ترمذی نے جابر بن عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ سب نے اس بات پر بیعت کی تھی کہ وہ میدان جنگ سے فرار

(۱) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۳۱۸۶)۔

(۲) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۳۰۶۶)، الترمذی، حدیث: (۳۰۶۶)، مسند احمد: ۵۹۱۔

نہیں اختیار کریں گے، موت پر بیعت نہیں کی تھی۔ اور بخاری نے نافع کے ذریعہ ابن عمر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے صبر کرنے کی بیعت کی تھی۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ان اقوال کے درمیان توافق پیدا کرنے کی یوں کوشش کی ہے کہ بیعت مطلق اور عام تھی، اور موت پر اور عدم فرار پر بیعت کے درمیان کوئی تعارض نہیں پایا جاتا، اس لئے کہ موت پر بیعت سے مراد یہی تو ہے کہ وہ میدان جنگ سے ہرگز فرار نہیں اختیار کریں چاہے اُن کی موت آجائے، یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ مرجانا ضروری ہے، اور نافع نے اسی کا انکار کیا ہے، اور کہا ہے کہ صحابہ نے صبر کرنے کی بیعت کی تھی۔ یعنی ثبات قدمی، استقامت اور نہ بھاگنے کی، چاہے یہ عمل انہیں موت تک پہنچا دے۔ واللہ اعلم^(۱)۔

اصحاب بیعت رضوان اہل زمین میں سب سے اچھے تھے:

صحابہ رسول کریم ﷺ پوری قوت اور جذبہ کامل کے ساتھ بیعت کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت کرتے رہے، اور برضا و رغبت انہوں نے اپنی جانوں کو اللہ کے ہاتھ بیچ دیا، اسی لئے اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو گیا، اور اُن کے بارے میں قرآن میں نازل فرمایا: ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا (۱۸) وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ (یقیناً اللہ مومنوں سے راضی ہو گیا، جب وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے، پس وہ جان گیا اس اخلاص کو جو اُن کے دلوں میں تھا، اس لئے اُن پر سکون و اطمینان نازل کیا، اور بطور جزا ایک قریبی فتح سے نوازا، اور بہت سے اموال غنیمت جنہیں وہ حاصل کریں گے، اور اللہ زبردست، بڑی حکمتوں والا ہے) [الفتح: ۱۸-۱۹]۔ اور رسول اللہ ﷺ نے اُن کے اس تاریخی موقف و کردار اور بیعت کرنے میں تیزی کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: تم لوگ اہل زمین میں سب سے اچھے ہو^(۲)۔ اور فرمایا: جن لوگوں نے درخت کے نیچے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے، ان شاء اللہ اُن میں سے کوئی آگ میں داخل نہیں ہوگا^(۳)۔

قریش کا نمائندہ سہیل بن عمرو نبی کریم ﷺ کے پاس:

عثمان بن عفان بیعت مکمل ہونے کے بعد واپس آئے، اور آپ ﷺ کو خبر دی کہ قریش کے دل میں اب

(۱) فتح الباری: ۱۱۸/۶، کتاب الجہاد، باب البیعة فی الحرب علی اَن لا یفرّوا۔

(۲) صحیح البخاری، المغزی، حدیث: (۴۱۵۴)۔

(۳) صحیح مسلم، فضائل الصحابہ، حدیث: (۲۴۹۶)۔

کوئی شک و شبہ نہیں کہ رسول کریم ﷺ اور اُن کے صحابہ کرام مکہ مکرمہ صرف بیت اللہ کی تعظیم کے لئے آئے ہیں، لیکن اس سال وہ انہیں مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے، تاکہ عرب کے لوگ یہ نہ کہیں کہ قریش مسلمانوں کی دھمکی سے شکست کھا گئے ہیں، لیکن انہوں نے اس پر بھی خوب غور کر لیا ہے کہ انہیں اپنے کبر و غرور پر اصرار نہیں کرنا چاہئے، اور اپنے بعض اُن شروط سے تنازل اختیار کر لینا چاہئے جو جنگ کا باعث بن سکتی ہیں، جس کی اب فی الواقع اہل مکہ میں طاقت نہیں ہے۔ اور خاص طور پر اس خبر کے پھیل جانے کے بعد کہ صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر موت یا شہادت کی بیعت کر لی ہے، ان کے اندر رعب داخل ہو گیا ہے اور ڈر گئے ہیں۔ اسی لئے قریش نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ بنی عامر بن لؤی کے سہیل بن عمرو کو اپنا قاصد بنا کر بھیجیں۔ قریشیوں نے اس سے کہا کہ تم محمد کے پاس جاؤ، اور اس سے صلح کی بات کرو، اور اس میں یہ شرط رکھو کہ وہ اس سال واپس چلا جائے، ورنہ اللہ کی قسم! عرب کے لوگ ہمیشہ یہ کہیں گے کہ محمد مکہ میں طاقت کے بل پر داخل ہو گیا تھا۔ سہیل کے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچنے سے پہلے قریش کے نمائندہ کی حیثیت سے کمرز بن حفص آیا تھا جو ابھی بات کر رہا تھا کہ سہیل پہنچ گیا۔ رسول کریم ﷺ نے اسے دیکھتے ہی صحابہ کرام سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارا معاملہ آسان کر دیا، سہیل نے کہا: تم اپنے اور ہمارے درمیان ایک معاہدہ نامہ لکھ دو، تو نبی کریم ﷺ نے کاتب کو بلایا^(۱)۔

مشرکین کا مسلمانوں پر اچانک حملہ کا ارادہ:

رسول اللہ ﷺ جب سہیل بن عمرو کے ساتھ صلح کی بات مکمل کر رہے تھے، مشرک جوانوں کے ایک گروپ نے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کی مشغولیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں پر اچانک حملہ کرنا چاہا، انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مکہ کے اسی (۸۰) جوانوں نے ہتھیاروں سے لیس ہو کر جبل تنعیم کی طرف سے اچانک رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچ جانا چاہا تاکہ دھوکہ دے کر رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام پر حملہ کر دیں، لیکن وہ پکڑ لئے گئے، تو آپ ﷺ نے انہیں قتل نہیں کیا، اسی بارے میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ﴾ (اور اسی اللہ نے وادی مکہ میں اُن کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا، اور تمہارے ہاتھ اُن سے روک دیئے، اس کے بعد کہ اُس نے تمہیں اُن پر غالب بنا دیا تھا) [الف: ۲۳]۔

اور مسند احمد میں مروی عبد اللہ بن مغفل کی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ یہ واقعہ اس وقت رونما ہوا جب رسول اللہ ﷺ اور سہیل بن عمرو کے درمیان صلح نامہ لکھا جا رہا تھا۔ اور اللہ کے رسول نے حملہ کرنے والوں پر بددعا

(۱) صحیح البخاری، المغازی، احادیث: (۴۱۷۸، ۴۱۷۹، ۴۱۸۰، ۴۱۸۱)، ابوداؤد، الجہاد، حدیث: (۲۷۶۵)۔

کردی تو اللہ نے ان کی آنکھوں کی بصارت چھین لی، اور مسلمانوں نے ان پر قبضہ کر لیا، اور وہ قریش کے تیس جوان تھے، پھر رسول اللہ ﷺ نے انہیں چھوڑ دیا۔

عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے ساتھ مقام حدیبیہ پر اس درخت کے نیچے تھے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کیا ہے، اور اس درخت کی شاخیں رسول اللہ ﷺ کی پیٹھ سے لگ رہی تھیں، اور علی بن ابی طالب اور سہیل بن عمرو آپ ﷺ کے سامنے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لکھو، یہ وہ عہد نامہ ہے جس کے مطابق محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب نے صلح کی ہے، اور میں اللہ کا رسول ہوں، علی نے لکھ لیا، اور ہم ابھی اسی حال میں تھے کہ اچانک قریش کے تیس (۳۰) جوان ہتھیاروں کے ساتھ ہمارے سامنے آگئے، اور ہم پر حملہ کرنا چاہا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان پر بددعا کر دی، اور اللہ نے ان کی بصارت چھین لی، تو ہم نے انہیں قید کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: کیا تم کسی کے عہد اور ذمہ میں یہاں آئے ہو؟ اور کیا کسی نے تمہیں امان دیا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں، تو آپ ﷺ نے انہیں چھوڑ دیا، اور اللہ نے آیت: ﴿وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ...﴾ نازل فرمائی۔

حملہ آور قریشیوں کی تعداد میں اختلاف کسی راوی کی غلطی ہو سکتی ہے، ان کی صحیح تعداد اسی (۸۰) تھی، لیکن چونکہ وہ مسلمانوں کے پڑاؤ کی جگہ پر بکھر گئے تھے، اسی لئے جس نے ان کی تعداد تیس (۳۰) بتائی ہے، انہوں نے باقی حملہ آوروں کو نہیں دیکھا تھا، اور غالب گمان یہی ہے کہ یہ کسی راوی کی غلطی ہے۔ واللہ اعلم۔

قیدیوں کا تبادلہ:

جب سہیل نے دیکھا کہ قریشی جوانوں کی ایک بڑی تعداد مسلمانوں کے ہاتھوں میں قیدی بن گئی ہے (جو یقیناً اللہ کی حکمت و مصلحت تھی تاکہ عثمان بن عفان اور دس مہاجرین کو آزاد کرایا جاسکے) تو اس نے کہا: اے محمد! جن جوانوں کو تمہارے ساتھیوں نے قیدی بنا لیا ہے، وہ کسی جنگ کا نتیجہ نہیں تھا، اور نہ اُن کی یہ حرکت ہمارے اصحاب عقل و خرد کی رائے تھی، بلکہ ہم نے اُن کے اس کړتوت کو بُرا جانا ہے، ہمیں اس کی خبر پہلے سے نہیں تھی، اور ہمارے نادانوں کی حرکت تھی، اس لئے ہمارے ان تمام لوگوں کو ہمارے پاس پہنچا دو جنہیں پہلی اور دوسری بار قید کر لیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں انہیں نہیں چھوڑ سکتا جب تک تم لوگ میرے ساتھیوں کو نہ چھوڑ دو گے، سہیل بن عمرو نے کہا: تم نے ہمارے ساتھ انصاف کیا ہے۔

اور سہیل بن عمرو اور اس کے قریشی ساتھیوں نے شتیم بن عبد مناف تیمی کو اپنا نمائندہ بنا کر مکہ بھیجا جس کی بات سن کر قریش نے عثمان بن عفان اور دسوں مہاجرین کو چھوڑ دیا، اور رسول اللہ ﷺ نے قریشی قیدیوں کو چھوڑ دیا۔

صلح کی شرطیں:

سہیل نے صلح کی وہ شرطیں پیش کیں جو وہ قریش کی جانب سے لے کر آیا تھا۔ وہ شرطیں مسند احمد میں مسور بن مخرمہ اور مردان بن حکم کی احادیث میں تقریباً آچکی ہیں، اسی طرح ابن اسحاق کی روایت سے سیرت ابن ہشام میں بھی مذکور ہیں، اور دیگر متعدد صحیح احادیث میں بھی متفرق طور پر موجود ہیں۔ وہ شرطیں مندرجہ ذیل تھیں:

۱- دس سال کے لئے جنگ بندی، تاکہ اس مدت میں لوگ امن کی زندگی گزار سکیں، اور کوئی کسی پر حملہ نہ کرے۔

۲- رسول اللہ ﷺ کے پاس کافروں میں سے جو کوئی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر آئے گا، رسول اللہ ﷺ اسے واپس کر دیں گے، اور قریش کے پاس مسلمانوں میں سے جو کوئی چلا جائے گا اسے قریش واپس نہیں کریں گے۔ اور جانبین کے دل اور سینے کینہ اور دھوکہ دہی سے پاک رہیں گے، اور صلح نامہ کی پابندی کریں گے، اور طرفین کے درمیان نہ کوئی خفیہ سازش ہوگی، نہ ہی بغض و کینہ۔

۳- جو کوئی محمد کے ساتھ عہد نامہ میں شامل ہونا چاہے گا، شامل ہوگا، اور جو کوئی قریش کے ساتھ شامل ہونا چاہے گا، شامل ہوگا۔

۴- رسول اللہ ﷺ اس سال واپس چلے جائیں گے، مکہ میں داخل نہیں ہوں گے۔ آئندہ سال قریش کے لوگ مکہ سے نکل جائیں گے، تب رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ میں داخل ہوں گے، وہاں تین دن قیام کریں گے، اور ان کے ساتھ سواروں کا ہتھیار ہوگا، اور اپنی تلواروں کو میانوں میں رکھے بغیر مکہ میں داخل نہیں ہوں گے۔

سہیل نے یہ شرطیں پیش کیں، اور مسلمان رسول اللہ ﷺ کے چاروں طرف سے انہیں سُن رہے تھے۔ بعض صحابہ انہیں سُن کر کبیدہ خاطر ہوئے، اور رسول اللہ ﷺ قریشیوں کے لئے نرمی کا اظہار کر رہے تھے، اور ان شرطوں کی منظوری دیئے جا رہے تھے، اور صحابہ سرِ پاد ہشت و حیرت بنے ہوئے تھے، اور اگر انہیں رسول کریم ﷺ پر مکمل اعتماد اور بھروسہ نہ ہوتا تو ان شرطوں کا انکار کر دیتے، اور مکہ میں داخل ہونے کے لئے قریش سے جنگ کرتے۔

صلح سے متعلق بعض صحابہ کی رائے:

صلح کے بارے میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی رائے سخت تھی، انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا

ہم حق پر اور قریش باطل پر نہیں ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ انہوں نے کہا: کیا ہمارے مقتولین جنت میں، اور ان کے مقتولین جہنم میں نہیں جائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، انہوں نے کہا: پھر ہم اپنے دین کے معاملے میں کم تر پر کیوں راضی ہو جائیں، اور واپس چلے جائیں، حالانکہ اللہ نے ابھی ہمارے اور اُن کے درمیان فیصلہ نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابن خطاب! میں اللہ کا رسول ہوں، اور اللہ مجھے ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔

عمر وہاں سے غصہ کی حالت میں چل پڑے، اور ابو بکر کے پاس آئے، اور اُن سے کہا: اے ابو بکر! کیا ہم حق پر اور کفار قریش باطل پر نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ عمر نے کہا: کیا ہمارے مقتولین جنت میں، اور ان کے مقتولین جہنم میں نہیں ہوں گے؟ انہوں نے کہا: ہاں، عمر نے کہا: پھر ہم اپنے دین کے معاملے میں کم تر پر کیوں راضی ہو جائیں اور واپس چلے جائیں، اور ابھی تک اللہ نے ہمارے اور اُن کے درمیان کوئی فیصلہ بھی نہیں کیا ہے؟ ابو بکر نے کہا: اے ابن خطاب! وہ اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ انہیں ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔

راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہی رسول اللہ ﷺ پر فتح کے بارے میں قرآن نازل ہوا۔ تو آپ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا، آپ ﷺ نے انہیں وہ آیت سنائی۔ عمر نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا یہ فتح ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ یہ سن کر عمر کا دل مطمئن ہو گیا اور اپنی جگہ پر لوٹ گئے۔ صلح کی سب سے سخت شرط یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ اُن مسلمانوں کو قریش کے پاس لوٹادیں گے جو اس صلح کے بعد مسلمان ہو کر آئیں گے^(۱)۔ اور قریش اُن لوگوں کو نہیں لوٹائیں گے جو مرتد ہو کر ان کے پاس چلے جائیں گے۔ اس ظالمانہ شرط سے مسلمانوں کے دلوں کو بڑی چوٹ لگی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو مسلمان ہو کر ہمارے پاس آئے گا، ہم انہیں قریش کے پاس لوٹادیں گے تو اللہ تعالیٰ اُن کے لئے عنقریب آسانی پیدا کرے گا اور راستہ نکال دے گا، اور ہم میں سے جو مرتد ہو کر اُن کے پاس چلا جائے گا، اُسے اللہ ہم سے دور کر دے گا۔

عمر نے ابو بکر سے اس بارے میں استفسار کیا کہ کافروں نے مسلمانوں کو خانہ کعبہ کے طواف سے روک دیا ہے، حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کو اپنا خواب سنایا تھا کہ وہ عنقریب ہی پورے امن و سکون کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف کریں گے، تو ابو بکر نے کہا: کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ ایسا اسی سال ہوگا؟ یہ سن کر مسلمانوں کے دل مطمئن ہو گئے، اور اُن پر راحت و سکینت غالب آ گئی۔

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجزیہ، حدیث: (۳۱۸۲)، صحیح مسلم، الجہاد، حدیث: (۱۷۸۵)، مسند احمد: ۴/۳۸۶۔

صلح نامہ کی کتابت :

جب دونوں فریق صلح کی شرطوں پر متفق ہو گئے، تو نبی کریم ﷺ نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: بسم اللہ الرحمن الرحیم سہیل نے کہا: میں ”رحمان“ کو نہیں جانتا کہ یہ کیا ہے۔ اس لئے لکھو: ”باسمک اللہم“ جیسا کہ تم پہلے لکھا کرتے تھے، مسلمانوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم بسم اللہ الرحمن الرحیم ہی لکھیں گے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لکھو: ”باسمک اللہم“ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: یہ وہ عہد نامہ ہے جس پر ”محمد رسول اللہ (ﷺ)“ نے اتفاق کیا ہے۔ تو سہیل نے کہا: اللہ کی قسم! اگر ہم جانتے کہ تم اللہ کے رسول ہو تو تمہیں اللہ کے گھر سے نہیں روکتے اور نہ تم سے جنگ کرتے۔ اس لئے ”محمد بن عبد اللہ“ لکھو۔ نبی کریم ﷺ نے علی سے فرمایا: ”رسول اللہ“ کو مٹا دو۔ علی نے کہا: میں اپنے ہاتھ سے ان کلمات کو نہیں مٹاؤں گا۔ تو نبی کریم ﷺ نے خود اپنے ہاتھ سے مٹا دیا۔ زہری کہتے ہیں: آپ ﷺ نے ایسا اپنے اس سابقہ قول کے مطابق کیا کہ وہ مجھ سے ایسی کسی بات کا بھی مطالبہ کریں گے جس میں اللہ کی حرمات کی تعظیم ہوگی، اسے میں قبول کر لوں گا۔

نبی کریم ﷺ نے سہیل سے کہا: میری شرط یہ ہے کہ تم لوگ ہمارے اور خانہ کعبہ کے درمیان رُکاوٹ نہ بنو تاکہ ہم اس کا طواف کریں۔ سہیل نے کہا: ہم نہیں چاہتے کہ عرب کے لوگ کہیں کہ ہم پر دباؤ ڈال کر یہ شرط منظور کرائی گئی ہے۔ اس لئے تم لوگ آئندہ سال خانہ کعبہ کا طواف کرو گے۔ علی نے اسے لکھ لیا۔ سہیل نے کہا: اگر تمہارے پاس ہمارا کوئی آدمی چلا جائے گا تو اسے تم واپس کر دو گے چاہے وہ تم لوگوں کے دین پر ہو گا۔ مسلمانوں نے کہا: سبحان اللہ! مسلمان ہو گا تو اسے کیسے واپس کر دیا جائے گا، سہیل نے کہا: اور جو کوئی چاہے گا محمد کے ساتھ عہد نامہ میں داخل ہو گا، اور جو کوئی چاہے گا قریش کے ساتھ عہد نامہ میں داخل ہو گا۔ یہ سنتے ہی خزاعہ والوں نے کہا: ہم اس عہد نامہ میں محمد کے ساتھ رہیں گے۔ اور بنو بکر والوں نے کہا: ہم لوگ قریش کے ساتھ رہیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے صلح نامہ کی اصل کاپی لے لی۔ پھر اس کی ایک دوسری کاپی تیار کی گئی جسے سہیل بن عمرو نے لے لیا۔

ابو جندل بن سہیل بن عمرو مسلمان ہو گئے :

ابو جندل مکہ سے نکل کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آ گئے، اُس وقت رسول اللہ ﷺ سہیل کے ساتھ صلح نامہ تیار کر رہے تھے۔ مسلمان انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے سہیل نے جب سر اٹھا کر دیکھا تو اس کے سامنے ابو جندل کھڑے تھے۔ وہ کھڑا ہوا اور اُن کے چہرہ پر ایک خاردار ڈالی سے مارا، اور انہیں ان کے گریبان سے پکڑ لیا۔ ابو جندل اونچی آواز سے چیخنے لگے کہ اے مسلمانو! کیا مجھے مشرکوں کے پاس بھیج دیا جائے گا تاکہ وہ میرے دین اسلام میں

داخل ہونے کی وجہ سے مجھے قتل کر دیں؟ مسلمان ابو جندل کی بات سن کر رونے لگے سہیل نے کہا: اے محمد! یہ تو میری پہلی شرط ہے تمہارے ساتھ، اس لئے اسے لوٹا دو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابھی تک ہم نے عہد نامہ پر دستخط نہیں کیا ہے۔ سہیل نے کہا: اللہ کی قسم! میں تمہارے ساتھ کسی بات پر معاہدہ نہیں کر سکتا جب تک تم اسے واپس نہ کر دو گے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ابو جندل کو واپس کر دیا۔ اور اُن سے کہا: ابو جندل صبر سے کام لو، اور اللہ سے اجر کی نیت کر لو۔ یقیناً اللہ تمہارے لئے اور تمہارے دیگر مسلمان ساتھیوں کے لئے وسعت پیدا کرے گا، اور کوئی راہ نکالے گا۔ ہم نے مشرکوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر لیا ہے، اور ہم لوگ کسی کو دھوکہ نہیں دیتے^(۱)۔

رسول اللہ ﷺ نے قربانی کی، بال منڈایا اور حلال ہو گئے:

رسول اللہ ﷺ جب صلح نامہ کی کتابت و دستخط سے فارغ ہو گئے، تو صحابہ کرام سے فرمایا: مسلمانو! اُٹھو، قربانی کرو، اور بال منڈاؤ۔ راوی کہتے ہیں: اللہ کی قسم! ایک آدمی بھی نہیں اُٹھا، حالانکہ آپ ﷺ نے اپنی بات تین بار دہرائی۔ جب کوئی نہ اُٹھا، تو آپ ﷺ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور اُن کو سارا ماجرا سنایا۔ ام سلمہ نے کہا: اے اللہ کے نبی! اگر آپ چاہتے ہیں کہ صحابہ آپ کی اس بات پر عمل کریں تو آپ کسی سے بات نہ کریں، بلکہ باہر نکل کر جائیے، اپنی قربانی کیجئے، اور نائی کو بلوا کر بال منڈا لیجئے۔ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ جب صحابہ نے آپ کا عمل دیکھا، تو سب لوگ قربانی کرنے لگے، اور ایک دوسرے کا بال مونڈنے لگے، اور غم کے مارے اُن کا حال یہ تھا کہ قریب تھا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگتے۔

کچھ مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں نہیں لوٹایا:

صلح نامہ کے لکھ جانے کے بعد وفائے عہد کے طور پر رسول اللہ ﷺ نے ہر اُس مسلمان مرد کو واپس کر دیا جو آپ ﷺ کے پاس مکہ سے بھاگ کر آیا۔ البتہ مومن عورتوں کو آپ ﷺ نے واپس نہیں کیا۔ ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط اُس دن رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں، اُس وقت وہ سن بلوغت کو پہنچ چکی تھیں۔ اُن کے پیچھے اُن کے گھر والے آئے اور رسول اللہ ﷺ سے انہیں لوٹا دینے کو کہا: تو آپ ﷺ نے انہیں نہیں لوٹایا، اس لئے کہ اُس وقت مندرجہ ذیل آیت نازل ہو چکی تھی: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ مِهْجَرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ ۚ إِنَّهُنَّ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ وَءَاتُوهُنَّ مَا أَنفَقُوا وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجزیہ، حدیث: (۳۱۸۲)، صحیح مسلم، الجہاد، حدیث: (۱۷۸۵)، مسند احمد: ۴/۸۶۳، تفسیر ابن جریر: ۲۰/۲۶۶۔

تَنْكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْأَلُوا مَا أَنْفَقْتُمْ وَلَيْسَ أَلَا مَا أَنْفَقُوا ذَلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۰﴾ (اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں، تو تم انہیں آزمایا کرو، اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے، پس اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں، تو انہیں کافروں کے پاس واپس نہ بھیجو، وہ مسلمان عورتیں کافروں کے لئے حلال نہیں ہیں، اور نہ وہ کفار مرد ان مسلمان عورتوں کے لئے حلال ہیں، اور ان کافروں نے (شادی میں) جو خرچ کیا ہے، انہیں واپس کر دو، اور تمہارے لئے کوئی حرج کی بات نہیں کہ ان عورتوں کا مہر دے کر ان سے نکاح کر لو، اور تم لوگ اپنی کافر بیویوں کو اپنے پاس نہ رکھو، اور تم نے (نکاح پر) جو خرچ کیا تھا، اس کا مطالبہ کرو، اور کافروں نے جو خرچ کیا تھا، اس کا وہ مطالبہ کریں، یہ اللہ کا حکم ہے، وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے، اور اللہ بڑا جاننے والا ہے، بڑی حکمتوں والا ہے) [الممتحنہ: ۱۰]۔ چنانچہ اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد کوئی بھی ہجرت کی نیت سے آنے والی مسلمان عورت اس کے ولی کے پاس نہیں لوٹائی گئی، اس لئے کہ اس آیت کے بموجب صلح نامہ کی شرطوں کی تخصیص کے طور پر مسلمان عورتیں مشرکوں پر ہمیشہ کے لئے حرام کر دی گئیں۔ اسلام کا یہ حکم بلاشبہ مسلمان عورتوں کی قدر و منزلت کی قطعی اور واضح دلیل ہے۔

ابو بصیر اور ابو جندل کی جماعت:

رسول کریم ﷺ حدیبیہ میں بیس دن قیام کرنے کے بعد جب مدینہ واپس آ گئے تو ابو بصیر نامی ایک قرشی مسلمان بھاگ کر مدینہ آ جانے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کے پیچھے اخنس بن شریق نے بنی عامر بن لوی کے ایک کافر شخص کو ایک دوسرے آدمی کے ساتھ ایک خط دے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا جس میں وفائے عہد کا مطالبہ کیا۔ آپ ﷺ نے خط سننے کے بعد ابو بصیر کو ان دونوں کے حوالے کر دیا۔ وہ دونوں انہیں لے کر جب ذوالحلیفہ پہنچے تو اپنی سواری سے اتر کر کھجور کھانے لگے۔ ابو بصیر نے ان میں سے ایک سے کہا: اے فلاں! تمہاری تلوار تو بہت عمدہ قسم کی لگ رہی ہے۔ یہ سن کر اُس نے اپنی وہ تلوار میان سے نکال کر کہا: ہاں، اللہ کی قسم! یہ بہت ہی عمدہ تلوار ہے۔ میں نے بارہا اس کا تجربہ کیا ہے۔ ابو بصیر نے کہا: ذرا مجھے دکھاؤ تو سہی۔ اُس نے وہ تلوار اُن کے ہاتھ میں دے دی۔ انہوں نے فوراً اُس پر وار کر کے اُسے قتل کر دیا، یہ دیکھ کر دوسرا شخص بھاگ کھڑا ہوا، اور دوڑتا ہوا مدینہ آیا اور مسجد نبوی میں داخل ہوا۔ آپ ﷺ نے اسے دیکھ کر فرمایا: یہ آدمی نہایت خوفزدہ معلوم ہو رہا ہے۔ اُس نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ کر کہا: میرا ساتھی قتل کر دیا گیا، اور اب میں بھی قتل کر دیا جاؤں گا۔ اس کے بعد ابو بصیر آئے اور کہا: اے اللہ کے نبی! اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذمہ داری پوری کر دی ہے، آپ نے مجھے

اُن کے پاس لوٹا دیا تھا، پھر اللہ نے مجھے اُن سے نجات دے دی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ تو جنگ کی آگ بھڑکانے والا ہے۔ ابو بصیر نے جب یہ بات سنی تو سمجھ گئے کہ رسول اللہ ﷺ دوبارہ انہیں مشرکوں کے پاس لوٹا دیں گے۔ اس لئے فوراً وہاں سے چل پڑے، اور ساحل سمندر پر واقع سیف البحر نامی مقام پر آگئے جو شام جانے کے لئے قریشیوں کا راستہ تھا۔ اُدھر ابو جندل بن سہیل اپنے رشتہ داروں کے پاس سے بھاگ کر نکلنے میں کامیاب ہو گئے، اور ابو بصیر سے آئے۔ اُس کے بعد ایسا ہوا کہ جو کوئی قریشی مسلمان ہوتا، ابو بصیر کے پاس آ جاتا، یہاں تک کہ اُن کی ایک جماعت بن گئی، اور جو بھی قریشی تجارتی قافلہ اس راستہ سے شام جاتا ہوا ملتا، اُس کی راہ کو روک کر سب کو قتل کر دیتے اور اُن کا مال و اسباب چھین لیتے۔

قریش نے رسول اللہ ﷺ کو اللہ اور رشتہ کا واسطہ دے کر پیغام بھیجا کہ وہ آئندہ ایسے مسلمانوں کو واپس نہ کریں، بلکہ اُن میں سے جو کوئی آپ ﷺ کے پاس آئے گا وہ امن میں ہوگا۔ آپ ﷺ نے یہ خبر ابو بصیر اور اُن کے ساتھیوں کو بھیج دی۔ اُس وقت اللہ عزوجل نے مندرجہ ذیل آیتیں نازل فرمائیں: ﴿وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا (۲۴) هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيِ مَعْكُوفًا أَنْ يَبْلُغَ مَحَلَّهُ وَلَوْ لَا رِجَالٌ مُؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُؤْمِنَاتٌ لَمْ تَعْلَمُوهُمْ أَنْ تَطْلُتُوهُمْ فَتُصِيبَكُمْ مِنْهُمْ مَعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ لِيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا (۲۵) إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ الْحَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةَ﴾ (اور اسی اللہ نے وادی مکہ میں اُن کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا، اور تمہارے ہاتھ اُن سے روک دیئے، اس کے بعد کہ اُس نے تمہیں اُن پر غالب بنا دیا تھا، اور اللہ تمہارے کاموں کو اچھی طرح دیکھ رہا ہے، یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا، اور تمہیں مسجد حرام سے روکا، اور قربانی کے جانور کو اس کی جگہ پر پہنچنے سے روکا، اور اگر (مکہ میں) چند مومن مرد اور چند مومن عورتیں نہ ہوتیں جن کی تمہیں خبر نہ ہونے کی وجہ سے تم انہیں روند ڈالتے، پھر لاعلمی میں (ایسا کر گزرنے سے) تمہیں اُن کے بارے میں رنج ہوتا (تو تمہیں لڑائی سے نہ روکا جاتا، اور جنگ اس لئے بھی نہیں ہوتی) تاکہ اللہ جسے چاہے اپنی رحمت (دین اسلام) میں داخل کر دے، اگر وہ مسلمان الگ ہوتے تو ہم مکہ کے کافروں کو دردناک عذاب دیتے، جب کافروں نے اپنے دلوں میں جاہلیت کے تعصب کو جگایا) [الفتح: ۲۴-۲۵] اور مشرکین مکہ کی حمیت یہ تھی کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کے نبی ہونے کا اقرار نہیں کیا، بسم اللہ الرحمن الرحیم کا اقرار نہیں کیا، اور مسلمانوں اور طواف بیت اللہ کے درمیان رُکاوٹ بنے (۱)۔

(۱) یہ تفصیلات مسور بن مخرمہ اور مردان بن حکم سے مروی حدیث کا ایک حصہ ہے جس کی تخریج پہلے ہو چکی ہے۔

صلح حدیبیہ مسلمان کی فتح:

براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: تم لوگ فتح مکہ کو فتح کہتے ہو، اور بلاشبہ فتح مکہ اسلام کی فتح تھی، اور ہم (صحابہ) حدیبیہ کے دن بیعت الرضوان کو فتح مانتے ہیں^(۱)۔

مجمع بن جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم لوگ حدیبیہ کے دن موجود تھے، جب وہاں سے لوٹے تو رسول اللہ ﷺ کو مقام کراع النمیم کے پاس دیکھا کہ لوگ آپ کے گرد جمع تھے، اور آپ ﷺ نے ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا﴾ [سورۃ الفتح] کی تلاوت فرمائی۔ ایک صحابی نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا یہ فتح ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اللہ کی قسم! یہ فتح ہے^(۲)۔

اور قتادہ نے روایت کی ہے کہ انس بن مالک نے اُن سے حدیث روایت کی: جب حدیبیہ سے واپسی میں آیاتِ کریمہ: ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا﴾ (۱) لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا (۲) وَيَنْصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيمًا (۳) هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَعَ إِيمَانِهِمْ وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا (۴) لِيَدْخُلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفِّرُ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَكَانَ ذَلِكَ عِنْدَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿ (اے میرے نبی! ہم نے بے شک آپ کو کھلی اور صریح فتح دی ہے، تاکہ اللہ آپ کے اگلے اور پچھلے گناہوں کو معاف کر دے، اور اپنی نعمت آپ پر تمام کر دے، اور آپ کو صراطِ مستقیم پر ڈال دے، اور تاکہ آپ کی زبردست نصرت فرمائے، اُسی نے مومنوں کے دلوں میں سکون و اطمینان اُتار دیا تھا تاکہ اُن کے ایمانِ سابق میں مزید ایمان کا اضافہ ہو جائے، اور آسمانوں اور زمین کی فوجیں اللہ ہی کی ہیں، اور اللہ بڑا جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے، تاکہ وہ مومن مردوں اور عورتوں کو اُن جنتوں میں داخل کر دے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہاں وہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے، اور تاکہ وہ ان کے گناہوں کو معاف کر دے، اور یہ اللہ کے نزدیک عظیم کامیابی ہے) [الفتح: ۱-۵] نازل ہوئی، اُس وقت صحابہ کے دل حُور و ملال سے بھرے ہوئے تھے، اس لئے رسولِ کریم ﷺ اور صحابہ نے حدیبیہ میں ہی قربانی کر دی تھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو

(۱) صحیح البخاری، المغازی، باب غزوۃ الحدیبیہ، حدیث: (۴۱۵۰، ۴۱۵۱)۔

(۲) ابوداؤد، الجہاد، حدیث: (۲۷۳۶) مستدرک حاکم، ۴/۵۹۲، اور کہا ہے: یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے، مسند احمد: ۳/۴۲۰۔

میرے نزدیک دنیا اور اس کی تمام نعمتوں سے زیادہ محبوب ہے^(۱)۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں براء بن عازب کی مذکور بالا حدیث سے متعلق لکھا ہے کہ ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾ میں فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے، اس لئے کہ یہ فتح مبین کی ابتدا تھی، اُن بہتر نتائج کے سبب جو صلح پر مرتب ہوئے، یعنی حصول امن، جنگ کا ٹل جانا، اور جو لوگ اسلام میں داخل ہونے اور مدینہ آنے سے ڈرتے تھے، اُن کے لئے حالات کا سازگار ہونا، جیسا کہ خالد بن الولید اور عمرو بن العاص اور ان جیسے دیگر لوگوں کے ساتھ ہوا۔ پھر فتح مبین کے اسباب یکے بعد دیگرے مہیا ہوتے گئے یہاں تک کہ فتح مکہ کا مرحلہ مکمل ہو گیا^(۲)۔

اور ابن اسحاق نے اپنی کتاب المغازی میں زہری سے روایت کی ہے کہ اسلام میں فتح حدیبیہ سے قبل اس سے بڑی کوئی فتح نہیں تھی، کفر تھا اور اُس سے جنگ تھی، اور اب جب تمام لوگ امن میں آگئے تو لوگ ایک دوسرے کے ساتھ بات کرنے لگے، اور آپس کے مسائل و اختلافات سے متعلق کھل کر گفت و شنید کرنے لگے۔ اور جن لوگوں نے اسلام سے متعلق کچھ بھی علم حاصل کر لیا تھا وہ تیزی کے ساتھ اسلام میں داخل ہونے لگے، اور دو سال میں اتنے لوگ مسلمان ہوئے جتنے اب تک ہوئے تھے، یا غالباً اس سے بھی زیادہ۔ ابن ہشام کہتے ہیں: اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیبیہ کے لئے رسول کریم ﷺ کے ساتھ چودہ سو صحابہ گئے تھے، اور صرف دو سال کے بعد فتح مکہ کے لئے آپ ﷺ دس ہزار مسلمانوں کے ساتھ گئے^(۳)۔

اور علامہ ابن القیم کہتے ہیں: یہ جنگ بندی عظیم ترین فتوحات میں سے تھی، اس کے نتیجے میں لوگ اپنے آپ کو امن میں محسوس کرنے لگے، مسلمان کافروں کے ساتھ کھل مل گئے، انہیں اسلام لانے کی دعوت دینے لگے، قرآن پر ہر کرا نہیں سنانے لگے، اور علی الاعلان پورے اطمینان کے ساتھ ان سے اسلام کے عقائد و اعمال پر بحث و مناظرہ کرنے لگے، اور جو لوگ اب تک اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھے، ظاہر ہو گئے، اور اللہ تعالیٰ نے جن کے لئے خیر کا فیصلہ کیا تھا وہ لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے، اسی لئے اللہ نے اسے فتح مبین سے تعبیر کیا ہے^(۴)۔

خلاصہ کلام:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کی حیثیت اسلام اور مسلمانوں کے لئے فتح مبین تھی۔ قریش کے لوگ انہی

(۱) صحیح البخاری، المغازی، باب غزوۃ المدینہ، حدیث: (۴۱۷۲)، صحیح مسلم، الجہاد، المدینہ: ۱۷۸۶۔

(۲) فتح الباری: ۴۴۲/۷۔

(۳) سیرۃ ابن ہشام: ۳۲۲/۲۔

(۴) زاد المعاد: ۳۴۲/۳۔

مذہبی سیادت اور دنیوی ریاست کے سبب مسلمانوں کے وجود کا اعتراف کرنے کے لئے ذہنی طور پر ہرگز تیار نہیں تھے، اور اس معاہدہ کے پہلے تک اُن کی پوری کوشش رہی کہ وہ اسلام کے وجود کو ختم کر دیں، اور اب حال یہ تھا کہ وہ اپنی سیادت و قیادت کو یکسر بھول گئے، اور انہیں اپنی جان بچانے کی فکر دامن گیر ہو گئی، اور حتی المقدور اُن کی کوشش ہونے لگی کہ کفار عرب مسلمانوں سے جنگ میں نہ الجھیں۔ اس لئے یہ معاہدہ مسلمانوں کے لئے ”فتحِ مبین“ تھا۔ مسلمانوں نے قریش کے کبر و غرور کا خاتمہ کر دیا تھا، اور دس سال کے لئے انہیں معاہدہٴ صلح پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ تمام باتیں اس بات کی قطعی دلیل تھیں کہ قریشوں کا غرور ٹوٹ چکا تھا، اندر سے نہایت کمزور ہو گئے تھے، اور مسلمانوں کے خلاف خونریز جنگوں کی اُن کے اندر طاقت باقی نہیں رہی تھی، اور صلح کی یہ شرط کہ جو کوئی مسلمان ہو کر رسولِ کریم ﷺ کے پاس آجائے گا اُسے لوٹا دیا جائے گا، اور اسلام سے برگشتہ ہونے والوں کو مسلمانوں کے پاس نہیں لوٹایا جائے گا، مسلمانوں کو اس کی ضرورت نہیں، اور جس کے دل میں اسلام کی محبت جاگزیں ہو جائے گی، اس کے بارے میں کوئی اندیشہ نہیں، اللہ اس کا حامی و ناصر ہو گا۔ اور اس کی تصدیق ابو بصیر اور ابو جندل کی جماعت اور ان کے حالات سے ہوتی ہے کہ انہوں نے مشرکینِ قریش کا ناطقہ بند کر دیا، اور ان کی زندگی اجیرن بنا دی، یہاں تک کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اللہ اور صلہ رحمی کا واسطہ دے کر رحم کی بھیک مانگنی شروع کر دی، تاکہ رسول اللہ ﷺ اُن مسلمانوں کو واپس نہ کریں جو مکہ سے نکل کر آپ ﷺ کے پاس مدینہ آجاتے ہیں، تاکہ ابو بصیر کی جماعت دن بہ دن طاقت ورنہ ہوتی جائے، اور قریشیوں کے خلاف ایک دوسرا محاذ نہ کھول دیں۔

واقعہ حدیبیہ کے بعض فقہی فوائد اور حکمتیں:

۱- رسول اللہ ﷺ نے کعب بن عُجرہ کو اجازت دے دی، (حالانکہ وہ حالتِ احرام میں تھے) کہ وہ اپنے سر کے بال منڈالیں، اُس تکلیف کے سبب جو انہیں جوئیں ہونے کے سبب لاحق ہو گئی تھی۔ اور بطور فدیہ ایک بکری ذبح کریں، یا تین دن روزے رکھیں، یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائیں، اسی بارے میں سورۃ البقرہ کی آیت نمبر (۱۹۶) نازل ہوئی: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ﴾ (اگر تم میں سے کوئی مریض ہو، یا اُس کے سر میں کوئی تکلیف ہو (تو بال منڈالے اور) فدیہ دے، چاہے تو روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے) (متفق علیہ)۔

۲- رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے چشموں کے مانند پانی اُبلنا۔ جابر کہتے ہیں: حدیبیہ کے دن لوگوں کو شدید پیاس لگی۔ رسول اللہ کے سامنے پانی کا ایک پیالہ تھا جس سے آپ وضو کر رہے تھے کہ لوگ تیزی میں آپ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمارے

پاس پینے کے لئے پانی نہیں ہے، اور نہ وضو کے لئے پانی ہے، سوائے اس پانی کے جو آپ کے سامنے ہے۔ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ اس میں ڈالا، اور آپ کی انگلیوں کے درمیان سے چشموں کے مانند پانی اُبلنے لگا۔ تمام صحابہ نے پانی پیا اور وضو کیا۔

۳۔ قربانی میں گائے اور اونٹ سات سات آدمی کی طرف سے کافی ہوتے ہیں، اور جن اونٹوں کی قربانی رسول اللہ ﷺ نے کی، اُن میں ابو جہل کا بھی وہ اونٹ تھا جس کی ناک میں چاندی کا چھلہ پڑا تھا، تاکہ اس سے مشرکوں کو تکلیف ہو۔

۴۔ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا جائز ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ مدینہ سے ماہ ذی القعدہ میں نکلے تھے۔ اور حج اور عمرہ کا احرام میقات سے افضل ہے، اور صرف عمرہ میں ہدی کا جانور لے جانا مسنون ہے، اور ہدی کے جانور پر نشان لگا دینا مسنون ہے۔

۵۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو بارش کے وقت گھروں میں نماز پڑھنے کی اجازت دی (سنن ابن ماجہ بسند صحیح)۔

۶۔ رسول کریم ﷺ نے عقیدہ کے ایک مسئلہ کی وضاحت فرماتے ہوئے اُس شخص کے کفر کو واضح کیا ہے جو کہتا ہے کہ فلاں اور فلاں ستارے کے سبب ہماری زمین پر بارش ہوئی ہے (بخاری، کتاب الاذان)۔ اور نیک فال نکالنے کو مستحب بنایا ہے۔ آپ ﷺ نے جب سہیل بن عمرو کو آتے دیکھا تو صحابہ کرام سے فرمایا، تمہارا معاملہ آسان ہو گیا۔

۷۔ نبی کریم ﷺ کے آغاز سے تبرک حاصل کرنا جائز ہے، جیسے آپ ﷺ کے وضو کے پانی سے وضو کرنا۔ اور یہ جواز آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہے، آپ ﷺ کی امت کے صالح لوگ اس میں داخل نہیں ہیں (دیکھئے الاَعْصَامُ لِلشَّاطِطِيِّ ص ۸۲)۔

۸۔ مسلمان صبح کی نماز کے لئے بیدار نہ ہو سکے، دھوپ کی گرمی سے اُن کی آنکھ کھلی، اور رات میں قافلہ والوں کی نگرانی اور صبح کی نماز کے لئے جگانا بلال کے ذمہ لگائی گئی تھی، لیکن اُن پر نیند غالب آگئی۔ اس لئے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام نے طلوع آفتاب کے بعد نماز پڑھی، اور ہر اس مسلمان کے لئے جو نماز سے سویا رہ جائے یا بھول جائے، سنت ہو گئی کہ نیند سے بیدار ہونے اور یاد آ جانے کے بعد نماز پڑھ لے (ابوداؤد و نسائی)۔

۹۔ مسلمانوں کا امام اگر دشمن کے ساتھ صلح کر لینے میں مصلحت سمجھتا ہے، تو اس میں بعض قباحتوں کے باوجود اُس کے لئے ایسا کرنا جائز ہے۔

۱۰۔ جس مُحْرَم کو مکہ جانے سے روک دیا جائے، وہ اپنے ہدی کا جانور اسی جگہ ذبح کر دے گا جہاں اسے روک دیا جائے، چاہے وہ حدودِ حرم سے باہر ہو یا اندر۔

۱۱- منہ کا بلغم اور استعمال شدہ پانی طاہر ہے۔

۱۲- اصل یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی امت کے لوگ آپ ﷺ کے ساتھ احکام میں شریک ہیں، سوائے اُن احکام کے جو دلائل کے ذریعہ آپ کے ساتھ خاص ہوں۔ اس کی دلیل اُمّ سلمہ کا یہ قول ہے کہ ”آپ باہر نکلنے اور کسی سے بات نہ کیجئے، یہاں تک کہ آپ اپنا بال منڈا لیجئے اور اپنی قربانی کر لیجئے۔ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو معلوم تھا کہ لوگ آپ ﷺ کی اتباع ضرور کریں گے۔

۱۳- اگر مسلمانوں کا امام کافروں کے ساتھ معاہدہ صلح کر لے، اس کے بعد مسلمانوں کا ایک گروہ نکل کر اُن کافروں سے جنگ کرے، ان کے اموال پر بطور غنیمت قابض ہو جائے، اور امام کے پاس نہ جائے، تو اُس امام پر واجب نہیں کہ ان معاہدہ کرنے والے کافروں کا دفاع کرے اور اُس مسلمان جماعت کو اُن پر حملہ کرنے سے روکے (۱)۔

فرضیت حج:

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اسی سن چھ ہجری میں زمانہ حدیبیہ میں حج کی فرضیت نازل ہوئی، جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کی تحقیق ہے، اور سورۃ البقرۃ کی آیت کریمہ (۹۶): ﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ﴾ (اور حج و عمرہ اللہ کے لئے پورا کرو) نازل ہوئی، امام شافعی رحمہ اللہ کی یہی تحقیق ہے اور اسی لئے ان کا خیال ہے کہ حج کی فرضیت کے شرعاً پائے جانے کے بعد اسے فوراً ہی ادا کرنا ضروری نہیں، بلکہ تاخیر کرنا جائز ہے۔

اور امام مالک اور امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ حج کی فرضیت سن نو یا دس ہجری میں ہوئی، اور حج فرض ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فوراً بلاتا تاخیر حج کیا۔ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے اسی رائے کو رائج قرار دیا ہے، اور لکھا ہے کہ باری تعالیٰ کا قول: ﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ﴾ اگرچہ سن چھ ہجری حدیبیہ کے سال نازل ہوا، لیکن اُس میں حج کی فرضیت کی کوئی بات نہیں ہے، بلکہ اس میں صرف اتمام حج کا حکم دیا گیا ہے کہ ان دونوں کو شروع کرنے کے بعد انہیں پورا کیا جائے، اور یہ بات اُن کی ابتدا کے وجوب کا تقاضا نہیں کرتی۔

بہت سے علمائے امت نے امام شافعی کی رائے کو ترجیح دی ہے، یعنی حج کی فرضیت اللہ کی طرف سے سن چھ ہجری میں نازل ہوئی، اور حج اسلام کا ایک رکن ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی ادائیگی کو صاحب استطاعت پر فوراً ہی واجب نہیں کہا ہے، بلکہ تاخیر کرنا جائز ہے، اور امت اسلامیہ کے لئے اسی میں آسانی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فتح مکہ کے سال حج نہیں کیا، بلکہ عمرہ کر کے مدینہ واپس چلے گئے، اور مسلمانوں نے سن آٹھ

(۱) مزید احکام اور حکمتوں کو جاننے کے لئے دیکھئے: زاد المعاد: ۲۳۳-۲۳۴ اور السیرۃ النبویۃ الصحیحہ: ۴۴۷-۴۴۸-۴۴۹۔

ہجری میں مشرکوں کے ساتھ حج کیا۔ اور سن نو ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر کو امیر الحج بنا کر بھیجا۔ وہ ماہ ذی الحجہ میں مکہ کی طرف روانہ ہوئے، جیسا کہ ابن سعد نے طبقات میں اور ابن اسحاق نے اپنی کتاب السیرۃ میں بیان کیا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے سن دس ہجری میں حج کا ارادہ کیا، اور ذی القعدہ کی پچیس تاریخ کو مدینہ سے نکلے، اور عرفہ میں وقوف کیا، اور مسلمانوں کے ایک جم غفیر کے ساتھ اپنا حج پورا کیا، اور عرفہ کے میدان میں الوداعی خطبہ دیا، اور صحابہ کرام سے فرمایا: مجھ سے تم لوگ اپنے حج کے اعمال سیکھ لو۔ اس طرح نبی کریم ﷺ کا مبارک حج بہت سارے شرعی احکام، نصائح و وصایا اور دین اسلامی کے بے شمار احکام کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تمام ہوا۔

بادشاہوں اور امراء کے نام رسول اللہ ﷺ کے خطوط:

صلح حدیبیہ کے مثبت نتائج کا ذکر کرتے ہوئے میں نے پہلے لکھا ہے کہ اس معاہدہ صلح نے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کو اسلام کی نشر و اشاعت کا زرین موقع عطا کیا، اور دعوت اسلامیہ کا دائرہ جزیہ عربیہ کے داخل اور خارج میں پھیلتا چلا گیا۔

اسی ضمن میں رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ سے واپس آنے کے بعد بہت سے شاہان عالم کو خطوط لکھے، ان کے پاس اپنے قاصد بھیجے، اور انہیں اللہ کے دین برحق دین اسلام کو قبول کر لینے کی دعوت دی جسے اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے نازل کیا ہے۔ اور رسول کریم ﷺ کا یہ اقدام یقیناً پیغام اسلام کی عالمیت کی عملی تعبیر تھی، جس کی وضاحت باری تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء کی آیت (۱۰۷) ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (اور ہم نے آپ کو سارے جہان والوں کے لئے سرپارِ رحمت بنا کر بھیجا ہے) اور قرآن کریم کی دیگر آیتوں میں فرمادی ہے۔

یہ بات ثابت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ذی الحجہ سن چھ ہجری یا محرم سن سات ہجری میں ایک ہی دن مندرجہ ذیل صحابہ کرام کو اپنے خطوط کے ساتھ مختلف بادشاہوں اور امراء کے پاس بھیجا تھا: ۱- دحیہ بن خلیفہ کلبی کو قیصر کے پاس ۲- عبد اللہ بن حذافہ سہمی کو کسریٰ کے پاس ۳- عمرو بن امیہ ضمری کو حبشہ کے نجاشی کے پاس ۴- حاطب بن ابی بلتعہ نعمی کو حاکم مصر مقوقس کے پاس ۵- سلیط بن عمر عامری کو یمامہ کے ہوزہ بن علی حنفی کے پاس ۶- اور شجاع بن وہب اُسدی کو بلقاء کے شاہ حارث بن ابی شمر غسانی کے پاس (۱)۔

اور ذی القعدہ سن آٹھ ہجری میں عمرو بن العاص کو جلدی کے دونوں بیٹوں جعفر اور عباد کے پاس بھیجا،

چنانچہ دونوں نے اسلام کو قبول کر لیا۔

اور علاء بن حضرمی کو جعرانہ سے واپسی سے قبل شاہ بحرین منذر بن سادی عبدی کے پاس بھیجا۔ ایک رائے ہے کہ انہیں بحرین کے لئے فتح مکہ سے قبل روانہ کیا تھا، تو وہاں کے بادشاہ نے اسلام کو قبول کر لیا۔ اور رسول کریم ﷺ نے مہاجر بن ابوامیہ مخزومی کو یمن کے حارث بن عبد گھال حمیری کے پاس بھیجا، تو اُس نے کہا: میں اس بارے میں غور کروں گا۔ اور تبوک سے واپسی کے وقت آپ ﷺ نے ابو موسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل کو یمن بھیجا۔ اور ایک قول ہے کہ یہ دونوں ربیع الاول سن دس ہجری میں یمن گئے، اور وہاں کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، تو ان لوگوں نے اپنی خوشی سے اسلام کو قبول کر لیا۔ ان دونوں کے بعد آپ ﷺ نے علی بن ابی طالب کو یمن بھیجا، جو وہاں اپنا کام کر کے مکہ کے لئے روانہ ہو گئے، اور حجۃ الوداع میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے۔

اور آپ ﷺ نے جریر بن عبد اللہ بجلي اور ذی عمرو کو ذی الکلاع حمیری کے پاس دعوت اسلام دینے کے لئے بھیجا، اس نے ان کی دعوت قبول کر لی، اور اسلام میں داخل ہو گیا۔ اور جریر ابھی اُسی کے پاس تھے کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے۔

اور آپ ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمری کو مسلّمہ کذاب کے پاس ایک خط دے کر بھیجا، اور دوسرے خط کے ساتھ اس کے پاس زبیر بن عوام کے بھائی سائب بن عوام کو بھیجا، لیکن وہ بد قسمت اسلام نہیں لایا۔ اور آپ ﷺ نے ایک آدمی کو فروہ بن عمرو جذامی کے پاس بھیجا تاکہ اسے اسلام کی دعوت دی جائے۔ بعض مورخین سیرت کا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے پاس کسی کو نہیں بھیجا۔ یہ فروہ عثمان میں قیصر کا گورنر تھا۔ اس نے اسلام کو قبول کر لیا، اور اس کی خبر رسول کریم ﷺ کو دی، اور آپ ﷺ کے لئے تحائف بھیجے۔ اور آپ ﷺ نے عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی کو ایک خط کے ساتھ عبد گھال حمیری کے بیٹوں حارث، مسروح اور نعیمہ کے پاس بھیجا^(۱)۔

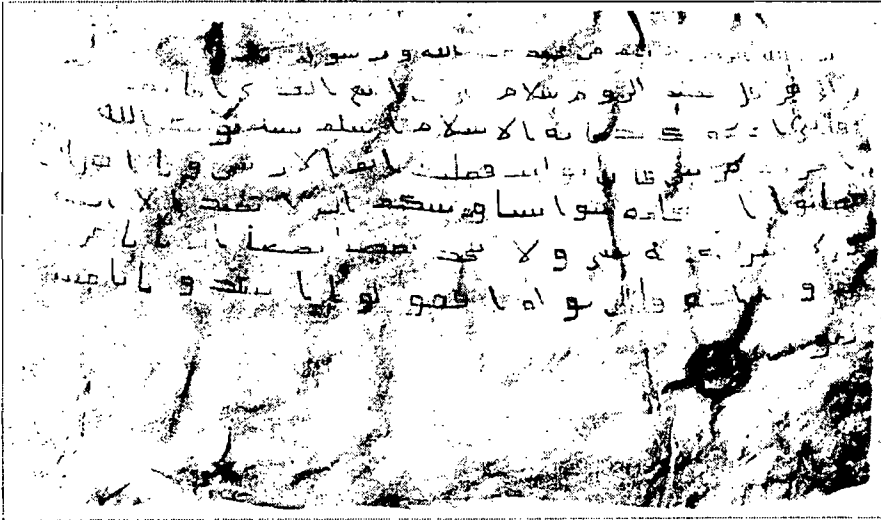
رسول اللہ ﷺ کا مکتوب قیصر شاہ روم کے نام:

امام بخاری نے اپنی کتاب الصحيح میں رسول اللہ ﷺ کے اُس خط کی عبارت روایت کی ہے جسے دے کر آپ ﷺ نے دحیہ کلبی کو بصری کے گورنر کے پاس بھیجا۔ اور اُس نے وہ خط ہرقل کے پاس پہنچا دیا۔ رسول کریم ﷺ نے جب شاہ روم کو خط لکھنا چاہا تو صحابہ کرام نے آپ سے کہا کہ وہ لوگ غیر مہر کردہ خط کو نہیں پڑھتے، تو

آپ ﷺ نے چاندی کی مہربنائی جس پر اس طرح: (محمد رسول اللہ) لکھا تھا۔ ہر قل کو بھیجے گئے خط کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے ہر قل عظیم روم کے نام۔ اللہ کی سلامتی ہو اُس پر جس نے ہدایت قبول کر لی۔ میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ تم مسلمان ہو جاؤ تو سلامتی پالو گے۔ اور اللہ تمہیں دو ہزار اجر دیں گے۔ اور اگر تم نے منہ پھیر لیا تو تم پر اریسوں^(۱) کا گناہ بھی لا دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: ﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾ (اے اہل کتاب! اکو ایک کلمہ پر جمع ہو جائیں، جس میں ہم اور تم برابر ہیں، وہ یہ کہ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں، اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا معبود نہ بنائے، پس اگر وہ اعراض کریں تو (مسلمانو!) تم کہہ دو، گواہ ہو کہ ہم مسلمان ہیں) [آل عمران: ۶۴]۔^(۲)



نبی کریم ﷺ کا مکتوب ہر قل کے نام

(۱) یہ لوگ آریوس مصری مسیحی کے ماننے والے تھے جس نے توحید باری تعالیٰ اور خالق و مخلوق اور (مسیحیوں کی اصلاح کے مطابق) باپ اور بیٹے کے درمیان تیز کی دعوت دی تھی، اور یہ کہ صرف اللہ ازل وابدی ہے، اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

(۲) صحیح البخاری، الجہاد، حدیث: (۲۹۳۱)، صحیح مسلم، الجہاد، حدیث: (۱۷۷۳)۔

اور امام بخاری نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب قیصر کو رسول اللہ ﷺ کا خط ملا، تو اُس نے اُسے پڑھا، اور رسول اللہ ﷺ کی قوم کے کسی آدمی کو تلاش کر لانے کا حکم دیا تاکہ اس سے آپ ﷺ کے بارے میں دریافت کرے۔ اُن دنوں ابوسفیان کچھ دیگر حُجّارِ قریش کے ساتھ بلادِ شام میں ہی تھا۔ قیصر کے آدمی کو ان لوگوں کی خبر ہوئی۔ وہ ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو لے کر ایلیاء گیا جہاں اُن دنوں قیصر تھا۔ اور انہیں اُس کے پاس لے گیا۔ اُس وقت وہ تاج پہنے ہوئے تھا، اور اُس کے گرد عظمائے روم جمع تھے۔

قیصر نے اُن قریشیوں سے ترجمان کے واسطے سے پوچھا: تم لوگوں میں نسب کے اعتبار سے اُس آدمی سے سب سے زیادہ کون قریب ہے، جو نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے؟ ابوسفیان نے کہا: میں اس کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہوں۔ وہ میرا چچا زاد ہے (اُس قافلہ میں ابوسفیان کے سوا بنی عبد مناف کا کوئی آدمی نہیں تھا)۔

قیصر نے اپنے لوگوں سے کہا: اسے میرے قریب کرو، اور اس کے ساتھیوں کو اُس کی پیٹھ کے پیچھے رکھو، پھر اپنے ترجمان سے کہا: اِس کے ساتھیوں سے کہو کہ میں اِس سے اُس آدمی کے بارے میں پوچھوں گا جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، اگر یہ جھوٹ بولے تو تم لوگ اس کی تکذیب کرو۔ ابوسفیان نے کہا: اللہ کی قسم! اگر مجھے اس بات سے حیا نہ آتی کہ میرے ساتھی مجھے جھوٹا کہیں گے، تو میں محمد کے بارے میں اس سے جھوٹ کہتا، اسی لئے میں نے اس سے سچ کہا۔

قیصر نے پھر اپنے ترجمان سے کہا: اِس سے پوچھو کہ وہ آدمی نسب کے اعتبار سے تم میں کیسا ہے؟ میں نے کہا: وہ ہم میں حسب و نسب والا ہے۔ اِس نے پوچھا: اِس سے قبل تم میں سے کسی نے یہ بات کہی تھی؟ میں نے کہا: نہیں۔ اُس نے پوچھا: کیا اِس کے دعوائے نبوت سے پہلے تم لوگ اسے جھوٹ سے متہم کرتے تھے؟ میں نے کہا: نہیں۔ اِس نے پوچھا: کیا اِس کے آباء و اجداد میں سے کوئی بادشاہ ہوا ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ اُس نے پوچھا: اُس کی پیروی شرفاء لوگ کرتے ہیں یا کمزور لوگ؟ میں نے کہا: کمزور لوگ۔ اُس نے پوچھا: اُن کی تعداد بڑھتی ہے یا گھٹتی ہے؟ میں نے کہا: ان کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔

اُس نے پوچھا: کیا اُن میں سے کوئی اپنے دین سے بیزار ہو کر اس سے نکل جاتا ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ اُس نے پوچھا: کیا وہ کسی کو دھوکہ دیتا ہے؟ میں نے کہا: نہیں، لیکن ان دنوں ہم ایک ایسے زمانہ میں ہیں کہ ہمیں اس سے غداری کا خوف لاحق رہتا ہے۔ اس کلمہ کے سوا اور کوئی کلمہ میری زبان سے نہ نکلا جس کے ذریعہ میں محمد کی عیب جوئی کر سکوں، اور میری طرف جھوٹ نہ منسوب کیا جائے۔

قیصر نے پوچھا: کیا تم لوگوں نے اُس سے جنگ کی ہے، یا اُس نے تم لوگوں سے جنگ کی ہے؟ میں نے کہا:

ہاں۔ اس نے پوچھا: تمہاری اور اس کی جنگ کی کیا کیفیت تھی؟ میں نے کہا: کبھی وہ غالب آتا تھا، اور کبھی ہم۔ اُس نے پوچھا: وہ تمہیں کس بات کا حکم دیتا ہے؟ ابوسفیان نے کہا: وہ حکم دیتا ہے کہ ہم صرف ایک اللہ کی بندگی کریں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں، اور وہ ہمیں اُن معبودوں کی پرستش سے منع کرتا ہے جس کی پرستش ہمارے آباء کرتے تھے، اور ہمیں نماز، صدقہ، پاکدامنی، پابندی عہد اور ادا سیگی امانت کا حکم دیتا ہے۔

قیصر نے اپنے ترجمان سے کہا: اس سے کہو: میں نے تم سے اُس آدمی کے نسب کے بارے میں پوچھا: تو تم نے بتایا کہ وہ خاندانی آدمی ہے۔ اسی طرح انبیائے کرام ہمیشہ اپنی قوم میں اصحابِ نسب ہوا کئے ہیں۔ اور میں نے پوچھا کہ اُس سے پہلے تم میں سے کسی نے یہ بات کہی تھی، تو تم نے کہا: نہیں۔ میں نے پوچھا: اگر تم میں سے کسی نے اِس جیسی بات کہی ہوتی، تو میں کہتا: وہ وہی بات کہہ رہا ہے جو اس کے پہلے کہی گئی ہے۔ اور میں نے تم سے پوچھا: کیا دعویٰ نبوت سے پہلے تم لوگ اسے جھوٹا کہتے رہے ہو، تو تم نے کہا: نہیں۔ اِس سے مجھے معلوم ہوا کہ جو آدمی لوگوں سے جھوٹ نہیں بول سکتا وہ اللہ کے بارے میں کیسے جھوٹ بول سکتا ہے؟ اور میں نے تم سے پوچھا: کیا اُس کے آباء میں سے کوئی بادشاہ ہوا ہے، تم نے کہا: نہیں۔ میں نے سوچا اگر اس کے آباء واجداد میں کوئی بادشاہ ہوا ہوتا، تو کہتا کہ وہ اپنے باپ دادوں کی بادشاہت کو واپس لینا چاہتا ہے۔

اور میں نے تم سے پوچھا: اِس کی اتباع شرفائے قوم کرتے ہیں یا کمزور لوگ۔ تو تم نے کہا: کمزور لوگ اِس کی اتباع کرتے ہیں، اور رسولوں کے پیروکار کمزور لوگ ہی ہوتے ہیں، اور میں نے پوچھا: وہ زیادہ ہو رہے ہیں یا کم، تو تم نے کہا: ان کی تعداد بڑھ رہی ہے، اور ایمان کا حال ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ پورا ہو جاتا ہے۔ اور میں نے تم سے پوچھا: کیا اُن میں کا کوئی اپنے دین سے بیزار ہو کر اسے جھوٹ بھی دیتا ہے۔ تو تم نے کہا: نہیں۔ اور ایمان کا حال ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے، جب اُس کی بشارت و فرحت دلوں میں سرایت کر جاتی ہے تو ایسا آدمی کبھی اُس سے بیزار نہیں ہوتا۔ اور میں نے تم سے پوچھا: کیا وہ دھوکہ دیتا ہے۔ تو تم نے کہا: نہیں۔ اور اسی طرح اللہ کے رسول دھوکہ نہیں دیتے۔

اور میں نے تم سے پوچھا: کیا تم لوگوں نے اِس سے قتال کیا، اور اِس نے تم لوگوں سے قتال کیا، تو تم نے کہا: ہاں، ایسا ہوا ہے، اور کبھی تم غالب آتے ہو اور کبھی وہ۔ اور انبیائے کرام اسی طرح آزمائے جاتے ہیں، اور انجام کار غلبہ انہی کو حاصل ہوتا ہے۔ اور میں نے تم سے پوچھا: وہ تمہیں کس بات کا حکم دیتا ہے۔ تو تم نے کہا: وہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، اور تمہیں ان معبودوں سے روکتا ہے جن کی تمہارے باپ دادا عبادت کرتے تھے۔ اور وہ تمہیں نماز، صدقہ، پاکدامنی، ایقانے عہد اور ادا امانت کا حکم دیتا ہے۔ قیصر نے کہا: اور نبی کی یہی صفت ہوتی ہے۔ اور میں جانتا تھا کہ وہ نبی ظاہر ہونے والا ہے، لیکن یہ گمان نہیں

کر تا تھا کہ وہ تم میں سے ہو گا۔ اور تم نے جو کچھ کہا ہے اگر صحیح ہے، تو عنقریب وہ میرے ان دونوں قدموں کی جگہ کا مالک بن جائے گا۔ اور اگر مجھے امید ہوتی کہ میں اس کے پاس پہنچ جاؤں گا تو اس سے ملنے کی ہر ممکن کوشش کرتا، اور اگر میں اُس کے پاس ہوتا تو اس کے دونوں پاؤں دھوتا۔

ابوسفیان کا بیان ہے: قیصر نے پھر رسول اللہ ﷺ کا خط منگایا، جو اسے پڑھ کر سنایا گیا، جب قیصر نے اپنی بات ختم کی تو عظمائے روم جو اس کے گرد جمع تھے اونچی آوازوں میں باتیں کرنے لگے اور شور و شغب ہونے لگا، اور کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہہ رہے تھے، اور ہم وہاں سے نکال دیئے گئے۔ ابوسفیان کہتے ہیں: جب میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ نکل کر باہر آیا تو میں نے اُن سے کہا: ابن ابی کبشہ (یعنی محمد) کا معاملہ تو بہت آگے جا چکا ہے۔ دیکھو، بنی اصفہر (یعنی اہل روم) کا بادشاہ اس سے خوف کھا رہا ہے۔ ابوسفیان کہتے ہیں: اللہ کی قسم! اس کے بعد میں ذلیل و خوار ہو کر اس یقین کے ساتھ زندگی گزارا تا رہا کہ محمد غالب ہو کر رہیں گے، یہاں تک کہ اللہ نے میرے دل میں، نہ چاہتے ہوئے بھی اسلام کو داخل کر دیا^(۱)۔

ابن القیم رحمہ اللہ نے اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قیصر شاہ روم کا نام ہرقل تھا، اور اس نے اسلام لانے کا ارادہ کیا تھا، اور عنقریب تھا کہ قبول کر لیتا، لیکن ایسا نہیں کیا، بعض کا خیال ہے کہ وہ اسلام لے آیا تھا، لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے^(۲)۔

رسول اللہ ﷺ کا نامہ گرامی کسریٰ شاہ فارس کے نام:

امام بخاری نے ابن شہاب زہری کے ذریعہ عبد اللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا خط کسی صحابی کو دے کر بھیجا اور قاصد کو حکم دیا کہ وہ اسے بحرین کے گورنر کو پہنچائے تاکہ وہ اسے کسریٰ تک پہنچا دے۔ کسریٰ نے جب اسے پڑھا تو اُسے جلا دیا۔ زہری کہتے ہیں، غالباً سعید بن المسیب کا قول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بددعا کر دی کہ اللہ فارس والوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے^(۳)۔

اور امام مسلم نے انس بن مالک سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہر جابر حکمران کو لکھا اور انہیں دین اسلام کی دعوت دی، اور اُن میں کسریٰ، قیصر اور نجاشی کے نام خصوصی طور پر لئے^(۴)۔

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجہاد، حدیث: (۲۹۳۰، ۲۹۳۱)، صحیح مسلم، حدیث: (۱۷۷۳)۔

(۲) نزاد المعاد: ۸۳۔

(۳) صحیح البخاری، کتاب الجہاد، باب دعوة الیہود والنصارى، حدیث: (۲۹۳۹)۔

(۴) صحیح مسلم، کتاب الجہاد، حدیث: (۱۷۷۴)۔

اور ابن سید الناس نے کسریٰ کو بھیجے گئے خط کی عبارت شفاء بنت عبد اللہ کی روایت سے واقدی کی سند کے ذریعہ نقل کی ہے۔ اُس میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ سے واپسی کے بعد عبد اللہ بن حذافہ سہمی کو ایک خط دے کر کسریٰ کے پاس بھیجا، پھر اُس خط کی عبارت نقل کی ہے۔

اور ابن اسحاق نے یزیدی بن حبیب سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسریٰ کو ایک خط لکھا، اور اسے عبد اللہ بن حذافہ کو دے کر اس کے پاس بھیجا۔ خط کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے:

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ کے رسول محمد کی طرف سے کسریٰ شاہ فارس کے نام۔ اللہ کی سلامتی ہو اُس آدمی پر جس نے اللہ کی طرف سے بھیجی گئی ہدایت کی پیروی کی، اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا، اور گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اس کا کوئی ساجھی نہیں، اور گواہی دی کہ محمد اللہ کے بندہ اور اس کے رسول ہیں۔ میں تمہیں اللہ کے دین کی طرف بلاتا ہوں، اس لئے کہ میں تمام بنی نوع انسان کے لئے اللہ کا رسول ہوں، تاکہ اللہ تعالیٰ اس کو ڈرائے جس کا دل زندہ ہے، اور کافروں کے لئے اس کا عذاب ثابت ہو جائے۔ اسلام لے آؤ تو سلامتی پاؤ گے، اور اگر تم نے انکار کر دیا تو تم پر سارے مجوسیوں کا گناہ لا دیا جائے گا۔“



نبی کریم ﷺ کا مکتوب کسریٰ کے نام

راوی کا بیان ہے کہ کسریٰ نے خط پڑھنے کے بعد اسے پھاڑ ڈالا اور کہا: میرا غلام ہو کر مجھے ایسا خط لکھتا ہے، پھر یمن میں اپنے نائب باذان کو خط لکھا کہ جاز میں رہنے والے اس آدمی کے پاس تم اپنے دو قوی آدمی کو بھیجو تاکہ اسے پکڑ کر میرے پاس لے آئیں۔

چنانچہ باذان نے اپنے خصوصی قاصد کو جو ایک مشہور فارسی کاتب و محاسب تھا، ایک دوسرے فارسی شخص کے ساتھ مدینہ بھیجا، اور انہیں ایک خط لکھ کر دیا، جس میں اس نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ وہ خط پڑھتے ہی دونوں کے ساتھ کسریٰ کے پاس چلے جائیں۔ دونوں مدینہ آئے، اور باذان کا خط رسول اللہ ﷺ کو دیا۔ آپ ﷺ مسکرانے لگے، اور دونوں کو اسلام کی دعوت دی، مارے ڈر کے اُن کا برا حال تھا۔ آپ ﷺ نے اُن سے کہا: تم دونوں آج واپس جاؤ، اور کل آؤ تاکہ میں تم سے جو کہنا چاہتا ہوں وہ کہوں۔ دونوں کل ہو کر آئے، تو آپ ﷺ نے ان سے کہا: تم باذان کو بتا دینا کہ میرے رب نے اُس کے رب کسریٰ کو آج کی رات کے سات گھنٹے گزرنے کے بعد قتل کر دیا ہے، وہ منگل کی رات سن سات ہجری جمادی الاولیٰ کی دس تاریخ تھی، اللہ تعالیٰ نے کسریٰ کے بیٹے شرویہ کو اُس پر مسلط کر دیا جس نے اسے قتل کر دیا۔ دونوں اس خبر کے ساتھ باذان کے پاس واپس چلے گئے۔ یہ خبر سن کر باذان اور یمن میں موجود اس کے بیٹے اسلام لے آئے^(۱)۔

رسول اللہ ﷺ کا نامہ گرامی نجاشی شاہ حبشہ کے نام:

امام مسلم نے انس بن مالک سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کسریٰ، قیصر، نجاشی، اور ہر جابر حکمران کو خط لکھا، اور سب کو اللہ کے دین کی دعوت دی۔ ابن سعد نے طبقات (۱۵۸/۱) میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ سے واپسی کے بعد ایک ہی دن اپنے چھ قاصد روانہ کئے۔ اُن میں سے پہلے عمرو بن امیہ ضمری تھے جو نجاشی کے پاس بھیجے گئے۔ یہ نجاشی اسلام لے آیا، اور ثابت قدم رہا یہاں تک کہ سن سات ہجری میں وفات پائی، تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کے ساتھ اُس کی نماز جنازہ پڑھی۔

صحیح مسلم کی انس رضی اللہ عنہ سے مروی وہ روایت رائج نہیں ہے جس میں آیا ہے کہ وہ نجاشی جس کے نام رسول اللہ ﷺ نے خط بھیجا تھا، یہ وہ نجاشی نہیں تھا جس کی نماز جنازہ رسول اللہ ﷺ نے پڑھی تھی، اور اس کی دلیل اسی حدیث کی دوسری اور تیسری روایت ہے، جن میں یہ بات نہیں کہی گئی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عبد اللہ بن ابی اسد کا وہ نام ہے جس نے یہ حدیث سعید کے ذریعہ قتادہ سے روایت کی ہے۔

ابن سعد کے نزدیک یہی رائج ہے، وہ لکھتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے اسے (یعنی نجاشی اصمہ بن ابجر کو) دو خطوط لکھے، ایک میں اسے اسلام کی دعوت دی، اور اسے قرآن سنایا، اور دوسرے میں اسے حکم دیا کہ وہ آپ ﷺ کی شادی ام حبیبہ بنت ابی سفیان بن حرب سے کر دے۔

(۱) طبقات ابن سعد: ۱/۲۵۹، ۲/۲۶۰، ابن سید الناس: ۳۲۸/۲، السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۵۰۷/۳۔

ابن سید الناس نے واقعہ کی حوالہ سے اس خط کی عبارت لکھی ہے جس کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے: بسم اللہ الرحمن الرحیم، اللہ کے رسول محمد کی طرف سے نجاشی شاہ حبشہ کے نام، تم اسلام لے آؤ، میں تمہارے سامنے اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو بادشاہ ہے، پاک ہے، سراپا سلامتی ہے، ایمان والا ہے، ہر چیز پر غالب ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم اللہ کی روح اور اس کے کلمہ تھے جسے اُس نے مریم بتول و پاکدامن کے بطن میں ڈال دیا، جس سے ان کو عیسیٰ کا حمل قرار پایا گیا، اس طرح اللہ نے انہیں اپنی روح سے پیدا کیا، اور اس میں اپنی روح ڈال دی۔ جیسا کہ اللہ نے آدم کو اپنے ہاتھ سے بنایا۔ اور میں تمہیں ایک اللہ کی طرف بلاتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں۔ اور میں تمہیں اللہ کی بندگی کی بنیاد پر دوستی کی دعوت دیتا ہوں، اور یہ کہ تم میری اتباع کرو، اور جو دین مجھ پر نازل ہوا ہے اس پر ایمان لے آؤ۔ اس لئے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اور میں تمہیں اور تمہارے لاؤ لشکر کو اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہوں، اور میں نے تمہیں پیغام پہنچا دیا، اور تمہارے لئے خیر خواہی کر دی، تم میری نصیحت کو قبول کر لو۔ اللہ کی سلامتی ہو اس آدمی پر جس نے راہِ حق کی اتباع کی^(۱)۔



نبی کریم ﷺ کا مکتوب نجاشی کے نام

ابن سعد نے ابن عباس سے اپنی روایت میں ذکر کیا ہے کہ نجاشی نے رسول اللہ ﷺ کا خط لے کر اپنی آنکھوں سے لگایا، اور تخت سے اتر کر غایتِ تواضع میں زمین پر بیٹھ گیا، اور اسلام کا اعلان کر دیا اور کلمہ شہادت

(۱) عیون الاثر: ۲۳۰، طبقات ابن سعد: ۲۵۸/۱

پڑھ لیا اور کہا: اگر میں اُن کے پاس پہنچ سکتا تو ضرور جاتا۔ اور پھر اُس نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے قبولِ اسلام سے متعلق خط لکھا اور جعفر بن ابی طالب کے ذریعہ آپ ﷺ کو بھیجا۔ جعفر پہلے سے ہی حبشہ میں موجود تھے۔ اس خط کی عبارت سیرت کی کتابوں میں محفوظ ہے اور اس کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے: بسم اللہ الرحمن الرحیم، اللہ کے رسول محمد کے نام نجاشی احمہ کی طرف سے۔ اے اللہ کے نبی! آپ پر اللہ کی سلامتی ہو، اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں، اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اما بعد: اے اللہ کے رسول! مجھے آپ کا وہ خط مل گیا ہے جس میں آپ نے عیسیٰ سے متعلق لکھا ہے، آسمان و زمین کے رب کی قسم! بے شک عیسیٰ بن مریم ایک رائی کے دانا کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں جو آپ نے ذکر کیا ہے، وہ ویسے ہی ہیں جیسا آپ نے ذکر کیا ہے، اور آپ نے ہمارے پاس جو پیغام بھیجا ہے اسے سمجھ لیا ہے، اور ہم نے آپ کے چچا زاد بھائی اور اُن کے ساتھیوں کو اپنے آپ سے قریب کیا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں، سچے ہیں، اور سچ مانے گئے ہیں۔ نیز لکھا: میں نے آپ سے بیعت کر لی ہے، اور آپ کے چچا زاد بھائی سے بھی بیعت کر لی ہے، اور ان کے ہاتھ پر رب العالمین کی رضا کے لئے اسلام لے آیا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ کی شادی ام حبیبہ سے:

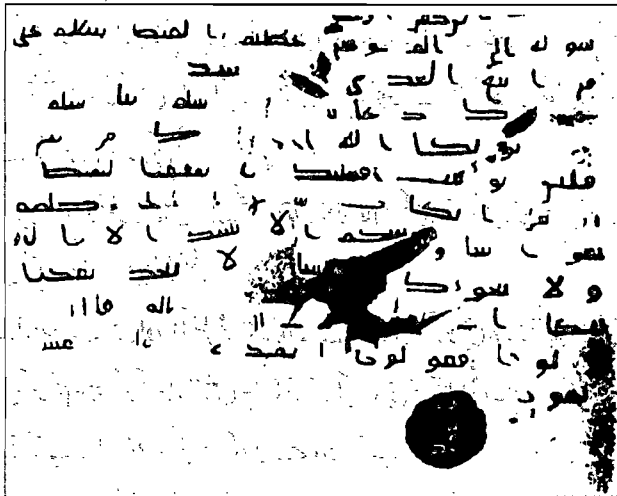
ابن عباس کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دوسرے خط میں نجاشی کو حکم دیا کہ وہ آپ ﷺ کی شادی ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے کر دے، اور انہیں آپ ﷺ کے پاس جانے والے صحابہ کے ساتھ بھیج دے، اور انہیں زادِ سفر دے دے۔ نجاشی نے ایسا ہی کیا۔ آپ ﷺ کی شادی ام حبیبہ سے کر دی، اور آپ ﷺ کی طرف سے اُن کو چار سو دینار مہر دیا، اور دیگر مسلمانوں کو زادِ سفر اور دوسری چیزیں دیں، اور اُن سب کو دو سفینوں میں سوار کر کے عمر بن امیہ ضمیری کے ساتھ مدینہ بھیج دیا۔ اور نجاشی نے ہاتھی کے دانت کے بنے ایک ورق دان میں رسول اللہ ﷺ کے دونوں خطوط رکھ دیئے اور کہا: جب تک یہ دونوں خطوط ہمارے پاس رہیں گے حبشہ کی سرزمینِ خیریت کے ساتھ رہے گی^(۱)۔

رسول اللہ ﷺ کا نامہ گرامی مصر کے قبطی حاکم مقوقس کے نام:

میں نے اوپر ذکر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حدیبیہ سے واپسی کے بعد صحابہ کرام کو چھ شاہانِ سرزمین کے پاس بھیجا، انہی میں سے اسکندریہ کا بادشاہ مقوقس بھی تھا۔ اُس کے پاس آپ ﷺ نے حاطب بن ابی بلتعہ

(۱) عیون الاثر: ۲۰۲، ۳۳۱، ۳۳۲، زاد المعاد: ۵۵۹، ۵۶۰، طبقات ابن سعد: ۲۵۸، ۲۵۹، مجموعۃ الوثائق السیاسیہ: ص ۷۳-۸۰۔

رضی اللہ عنہ کو بھیجا؛ اس کا نام جریج بن میناء تھا، جیسا کہ ابن سید الناس نے دار قطنی کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ اور اس مکتوب گرامی کی عبارت ابن سید الناس اور حافظ ابن القیم نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کی ہے۔ اور ریسرچ اسکالر ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے بھی الوثائق السیاسیہ میں ذکر کیا ہے، اور قزوینی، مقریزی، سیوطی، زیلعی، زرقانی اور حلبی وغیرہم کے حوالے دیئے ہیں۔ ابن مکتوب کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے: بسم اللہ الرحمن الرحیم، اللہ کے رسول محمد بن عبد اللہ کی طرف سے مقوقس عظیم قبط کے نام۔ اللہ کی سلامتی ہو اس پر جس نے راجہ کی اتباع کی، اما بعد: میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسلام لے آؤ، سلامتی پالو گے، اور اللہ تمہیں دو گنا اجر دے گا۔ اور اگر تم نے منہ پھیر لیا تو تم پر قبطیوں کا گناہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾ (اے اہل کتاب! کو ایک کلمہ پر جمع ہو جائیں، جس میں ہم اور تم برابر ہیں، وہ یہ کہ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں، اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا معبود نہ بنائے، پس اگر وہ اعراض کریں تو (مسلمانو!) تم کہہ دو، گوہر ہو کہ ہم مسلمان ہیں) [آل عمران: ۶۴] (۱)



نبی کریم ﷺ کا مکتوب مقوقس کے نام

بیہقی نے اپنی سند کے ذریعہ عبد الرحمن بن عبد القاری سے روایت کی ہے کہ مقوقس نے مکتوب کو چوما

حاطب کی تکریم کی اور ان کی خاطر تواضع کی، اور پھر انہیں نبی کریم ﷺ کے پاس واپس بھیج دیا، اور آپ ﷺ کے لئے کپڑے، ایک خچر اُس کی زین کے ساتھ اور دو لونڈیاں بطور ہدیہ روانہ کیا، انہی لونڈیوں میں سے ایک ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کی ماں تھیں۔ دوسری لونڈی رسول اللہ ﷺ نے جہم بن قیس عبدی کو دے دی جس کے بطن سے زکریا بن جہم پیدا ہوئے جو بڑے ہو کر مصر میں عمرو بن العاص کے نائب مقرر ہوئے۔

اور بیہقی نے اپنی سند کے ذریعہ حاطب بن ابی بلتعہ سے روایت کی ہے کہ مقوقس نے آپ ﷺ کا خط پڑھنے کے بعد اپنے پادریوں کو بلایا، اور حاطب سے کہا: میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اُسے اچھی طرح سمجھ لو۔ پھر کہا: کیا تم سمجھتے ہو کہ محمد نبی ہیں؟ میں نے کہا: ہاں، وہ یقیناً نبی ہیں۔ اس نے کہا: جب بات ایسی ہے تو اس نے اپنی قوم پر کیوں بددعا کر دی جنہوں نے اسے اس کے شہر سے نکال دیا؟ میں نے کہا: کیا تم عیسیٰ بن مریم کے بارے میں اعتقاد نہیں رکھتے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں؟ پھر جب اُن کی قوم نے انہیں پکڑ لیا، اور انہیں قتل کرنا چاہا، تو انہوں نے ان لوگوں پر کیوں نہ بددعا کر دی کہ اے اللہ ان لوگوں کو ہلاک کر دے، اس کے بجائے اللہ نے انہیں آسمان دنیا پر اٹھا لیا؟ مقوقس نے کہا: تم حکیم ہو اور حکیم کے قاصد بن کر آئے ہو۔ یہ چند تحفے ہیں جنہیں میں تمہارے ساتھ محمد کے لئے بھیج رہا ہوں، اور تمہارے ساتھ ایک نگران کو بھیج رہا ہوں جو تمہیں محفوظ مقام تک پہنچا دے گا۔ چنانچہ اُس نے رسول اللہ ﷺ کے لئے تین لونڈیاں روانہ کیں۔ انہی میں سے ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کی ماں تھیں۔ اور ایک لونڈی آپ ﷺ نے ابو جہم بن حذیفہ عدوی کو ہبہ کر دی، اور تیسری حسان بن ثابت انصاری کو ہبہ کی^(۱)۔

ابن کثیر لکھتے ہیں: اور تحفوں میں ایک خسی شدہ کالا غلام بھی تھا جس کا نام مابور تھا، اور دوسرا دھالے موزے اور دلدل نامی ایک سفید خچر تھا^(۲)۔

اور ابن سعد نے طبقات میں اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے زُر قانی، قزوینی اور زلیعی وغیرہم کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ مقوقس نے نبی کریم ﷺ کو لکھا: ”میں جانتا تھا کہ ایک نبی کا آنا باقی ہے، اور میرا خیال تھا وہ نبی شام میں ظاہر ہوگا۔ اور میں نے آپ کے قاصد کی تکریم کی ہے، اور آپ کے لئے دو لونڈیاں بھیج رہا ہوں جن کی یہاں قبطیوں میں بڑی حیثیت ہے۔ اور کپڑوں کا ایک جوڑا اور سواری کے لئے ایک خچر بھی ہدیہ بھیج رہا ہوں۔“

اس سے زیادہ اس نے کچھ نہیں لکھا، اور نہ اسلام لایا۔

(۱) دلائل البیہقی: ۳۹۵، ۳۹۶۔

(۲) السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۵۱۵/۳۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کا ہدیہ قبول کر لیا، اور دونوں لونڈیاں بھی، ابراہیم بن رسول اللہ کی ماں ماریہ، اور اُن کی بہن سیرین، اور سفید نجر جس کا نام ذُلْدُل تھا، جس کے سوا بلادِ عربیہ میں اُن دنوں کوئی نجر نہیں تھا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: غبیث نے اپنی بادشاہت کو بچانا چاہا ہے، حالانکہ اس کی بادشاہت اب باقی نہیں رہے گی^(۱)۔

رسول اللہ ﷺ کا نامہ گرامی حارث بن ابی شمر غسانی کے نام:

رسول اللہ ﷺ نے جن بادشاہوں کے نام خطوط لکھے، اُن میں ایک حارث بن ابی شمر غسانی بھی تھا۔ اس کے نام کا خط لے کر اس کے پاس شجاع بن وہب اُسدی گئے تھے۔ اس خط کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے: بسم اللہ الرحمن الرحیم، اللہ کے رسول محمد کی طرف سے حارث بن ابی شمر کے نام۔ اللہ کی سلامتی ہو اُس پر جس نے دینِ حق کی اتباع کی، اور اللہ پر ایمان لایا، اور تصدیق کی۔ اور میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ ایک اللہ پر ایمان لے آؤ جس کا کوئی شریک نہیں، تو تمہاری بادشاہت باقی رہے گی۔

شجاع یہ خط لے کر حارث بن ابی شمر کے پاس گئے، جو اُن دنوں دمشق میں تھا، اور حمص سے چل کر ایلیاء آیا تھا تاکہ وہاں قیصر کا استقبال کرے۔ شجاع اس کے دروازہ پر دو یا تین دن ٹھہرے رہے۔ بالآخر اس کے دربان سے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہوں۔ اُس نے کہا: تمہاری رسائی اُس تک نہیں ہو سکتی یہاں تک کہ وہ فلاں اور فلاں دن باہر نکلے گا۔ وہ رومی دربان شجاع سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں مختلف باتیں پوچھتا رہا، اور وہ آپ ﷺ کی صفات اور آپ ﷺ کی دعوت کے بارے میں اُسے بتاتے رہے، جس سے وہ متاثر ہو کر رونے لگتا، اور کہتا: میں نے انجیل پڑھا ہے، اُس میں اِس نبی کی صفات مذکور ہیں، اور میں اُن پر ایمان لاتا ہوں، اور اُن کی تصدیق کرتا ہوں، لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں حارث مجھے قتل نہ کر دے۔ شجاع کہتے ہیں: وہ دربان میری بہت عزت کرتا، اور میری میزبانی کرتا۔

دربان کے کہنے کے مطابق حارث ایک دن نکلا، اور اپنے سر پر تاج رکھ کر لوگوں کے لئے بیٹھا، مجھے اس سے ملنے کی اجازت ملی۔ میں نے اُسے رسول اللہ ﷺ کا مکتوب دیا۔ اُس نے اُسے پڑھ کر ایک طرف پھینک دیا اور کہنے لگا: یہ کون ہے جو مجھ سے میری بادشاہت چھین لینا چاہتا ہے۔ میں چل کر اسے دیکھتا ہوں۔

ابن سعد نے یہ اضافہ کیا ہے: اگر وہ یمن میں ہوتا، تو میں اس کے پاس جاتا، میرے سامنے لوگوں کو پیش کرو، چنانچہ اس کے لاؤشکر کے لوگ اس کے سامنے پیش کئے جاتے رہے، یہاں تک کہ وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اُس نے گھوڑوں کو تیار کرنے کا حکم دیا۔ پھر شجاع سے کہا: جا کر اپنے آدمی کو جو کچھ دیکھا ہے بتا دینا۔

حارث نے قیصر کو سب کچھ لکھ بھیجا، اور اُسے اپنے ارادہ سے مطلع کر دیا، قیصر نے اسے فوراً لکھا کہ وہ مدینہ کی طرف جانے کا ارادہ ترک کر دے۔ اور ایلیاء میں اس سے آکر ملے۔ شجاع کہتے ہیں: میں ابھی دمشق میں ہی تھا کہ قیصر کی طرف سے اس کے خط کا جواب آگیا۔ اُس نے اُسے پڑھنے کے بعد مجھے فوراً بلایا، اور پوچھا: تم کب اپنے آدمی کے پاس جانا چاہتے ہو؟ میں نے کہا: کل۔ اُس نے میرے لئے سومنٹال سونے کا حکم دیا، اور اُس کے دربان نے مجھے زادِ سفر اور کپڑے دیئے، اور کہا: رسول اللہ ﷺ کو میرا سلام کہہ دینا۔

میں جب رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا، تو آپ ﷺ کو سارا ماجرا کہہ سنایا، آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی بادشاہت ختم ہو گئی۔ اور میں نے رسول کریم ﷺ کو دربان کا سلام سنایا اور وہ بات سنائی جو اس نے کہی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس نے سچ کہا ہے۔ حارث بن ابی شمر فتح مکہ کے سال مر گیا^(۱)۔

رسول اللہ ﷺ کا نامہ گرامی یمامہ کے ہوزہ بن علی کے نام:

حدیبیہ سے واپسی کے بعد آپ ﷺ نے جن بادشاہوں کے نام خطوط لکھے، اُن میں یمامہ کا ہوزہ بن علی تھا، آپ ﷺ نے اپنا خط دے کر اس کے پاس سلیط بن عامر عامری کو روانہ کیا۔ آپ ﷺ کے مکتوب گرامی کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے: بسم اللہ الرحمن الرحیم، اللہ کے رسول محمد کی طرف سے ہوزہ بن علی کے نام۔ اللہ کی سلامتی ہو اس پر جس نے راہِ حق کی اتباع کی۔ اور جان لو کہ میرا دین وہاں تک پہنچے گا جہاں تک کوئی جاندار پایا جاتا ہے۔ اس لئے تم اسلام لے آؤ، سلامتی پاؤ گے اور جو کچھ تمہارے پاس ہے اُس کا تمہیں مالک بنادوں گا۔

سلیط جب رسول اللہ ﷺ کا سرِ بھر خط لے کر ہوزہ کے پاس پہنچے، تو اس نے انہیں اپنا مہمان بنایا، انہیں مرحبا کہا: اور جب آپ ﷺ کا خط اسے پڑھ کر سنایا گیا، تو اُس نے اس کا ایک موہوم سا جواب دیا، اور رسول اللہ ﷺ کو لکھا: کیا ہی اچھی ہے وہ بات جس کی طرف تم لوگوں کو بلاتے ہو۔ اور عرب لوگ مجھ سے بہت ہی خائف رہتے ہیں۔ اس لئے اپنی حکومت کا کچھ حصہ مجھے دے دو تو میں تمہاری اتباع کرنے کے لئے تیار ہوں اُس نے سلیط کو قیمتی ہدیہ، اور بلادِ ہجر میں تیار شدہ کپڑوں کے جوڑے دیئے۔

سلیط یہ سب چیزیں لئے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، اور ساری باتیں بتائیں، جب رسول اللہ ﷺ نے اس کا خط سُن لیا تو فرمایا: اگر وہ زمین کا ایک ٹکڑا بھی مانگے گا تو اُسے نہیں دوں گا، وہ ہلاک ہو گیا، اور اُس کے پاس جو کچھ ہے وہ سب ہلاک ہو گئے۔ چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ فتح مکہ سے واپس آئے تو جبریل نے آکر آپ کو خبر دی کہ ہوزہ مر گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: یمامہ سے ایک جھوٹا شخص ظاہر ہو گا جو نبوت کا دعویٰ کرے گا، اور

(۱) المصباح الحنفی: ۳۱۶-۳۱۷، عیون الآثار: ۳۲۹، ۳۳۰، طبقات ابن سعد: ۲۶۱/۱۔

میرے بعد قتل کر دیا جائے گا۔ ایک صحابی نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! اُسے کون قتل کرے گا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم اور تمہارے ساتھی، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

واقعی نے لکھا ہے کہ دمشق کا جاگیردار جو نصرانیوں کا ایک عظیم آدمی تھا، ہوذہ کے پاس اُس وقت موجود تھا، اُس نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اُس سے دریافت کیا تو کہا کہ اُس کا میرے پاس خط آیا ہے، جس میں اس نے مجھے اسلام کی دعوت دی ہے، لیکن میں نے اسے قبول نہیں کیا ہے۔ جاگیردار نے کہا: تم اس کی دعوت کیوں نہیں قبول کر لیتے ہو؟ اُس نے کہا: میں نے اپنے دین کی حفاظت کی ہے، اور میں اپنی قوم کا بادشاہ ہوں، اور اگر میں اس کی اتباع کر لوں گا تو میری بادشاہت جاتی رہے گی۔ جاگیردار نے کہا: ہاں، اللہ کی قسم! اگر تم اُس پر ایمان لے آؤ گے، تو وہ تمہارا بادشاہ بن جائے گا، لیکن تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ تم اس کی پیروی کر لو، اور وہ وہی نبی عربی ہیں جن کی بشارت عیسیٰ بن مریم نے دی ہے، اور اُن کے بارے میں ہماری انجیل میں لکھا ہوا ہے کہ ”محمد اللہ کے رسول ہیں“ (۱)۔

رسول اللہ ﷺ کا نامہ گرامی شاہِ بحرین منذر بن ساوی عبدی کے نام:

رسول اللہ ﷺ نے علاء بن حضری کو شاہِ بحرین منذر بن ساوی عبدی کے پاس اپنا خط دے کر بھیجا جس میں آپ ﷺ نے اُسے اسلام کی دعوت دی۔ الوثائق السیاسیہ میں اُس خط کی پوری عبارت مختلف کتابوں کے حوالے سے مذکور ہے، جس کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے: بسم اللہ الرحمن الرحیم، اللہ کے رسول محمد کی طرف سے منذر بن ساوی کے نام، سلامتی ہو اس پر جس نے حق کی اتباع کی، اما بعد: میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، تم اسلام لے آؤ، سلامتی پا جاؤ گے، اور جو کچھ تمہارے پاس ہے، اللہ تمہیں اس کا مالک بنا دے گا۔ اور یہ جان لو کہ میرا دین وہاں تک پہنچے گا جہاں تک کوئی جاندار پہنچا ہے۔

اور وثائق سیاسیہ کے مؤلف نے زر قانی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جعرانہ سے واپسی کے بعد علاء حضری کو بحرین کے بادشاہ منذر کے پاس بھیجا۔ منذر نے آپ کو جواب لکھا: اما بعد! اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کا خط اہلِ بحرین کو سنا دیا ہے۔ اُن میں کچھ نے اسلام کو پسند کیا ہے اور اس میں داخل ہو گئے ہیں، اور کچھ نے اسے ناپسند کیا ہے۔ اور میری سرزمین پر مجوس و یہود بھی رہتے ہیں۔ اُن کے بارے میں آپ اپنے حکم سے مجھے مطلع فرمائیے۔

رسول اللہ ﷺ نے اُسے لکھا: بسم اللہ الرحمن الرحیم، اللہ کے رسول محمد کی طرف سے منذر بن ساوی کے

(۱) عیون الآخر: ۳۳۸/۲، طبقات ابن سعد: ۲۶۲/۱، اور المصباح المصنی: ۳۵۴، ۳۵۵، الوثائق السیاسیہ: ص ۱۲۳۔

نعم الله الرّحم الرّحم قد رسول الله
 الصّرير ساوى سلاه قد فاي حقد الله
 الد الرّولا له سره و لسك الا لا
 الله و اممك سكه و ربه ممما سكه فاي ا
 الله كرو حرا ه ه ه ه ه ه ه ه ه ه
 لسل و نا مرع قد اظ و و م سكه
 ا ر سكه قد ا سوا كلف ك ر الله اى مد س
 و قد ما ر - للمسلمين ما اسلموا لله و
 ا ر سكه ر سلاه و ا د ه ه ه ه ه ه ه ه ه ه
 ما ر على ك لله و لسمه و لسا العرب

رسول اللہ ﷺ کا نامہ گرامی عثمان کے دونوں بادشاہ جیفر و عبد کے نام:

(١) الوثائق السياسية: ص ١٢٨، طبقات ابن سعد: ١/ ٢٦٢، ٢٦٣، عيون الأثر: ٢/ ٣٣٥، ٣٣٦.

بیٹوں جیفر اور عبد کے پاس بھیجا۔ اس خط کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے: بسم اللہ الرحمن الرحیم، اللہ کے رسول محمد کی طرف سے جلدی کے دونوں بیٹوں جیفر و عبد کے نام۔ اللہ کی سلامتی ہو اس پر جس نے حق کی اتباع کی، اما بعد: میں تم دونوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں تم دونوں اسلام لے آؤ سلامتی پاؤ گے، میں تمام لوگوں کے لئے اللہ کا رسول ہوں، تاکہ جس میں زندگی ہو اُسے میں ڈراؤں، اور کافروں پر اللہ کا عذاب ثابت ہو جائے۔ اگر تم دونوں اسلام کا اقرار کر لو گے تو میں تم دونوں کو وہاں کا حاکم بنادوں گا، اور اگر تم نے انکار کر دیا تو تمہاری بادشاہت ختم ہو جائے گی، اور میرے گھوڑے تمہارے پاس پہنچ جائیں گے، اور میری نبوت تمہاری بادشاہت پر غالب آجائے گی۔

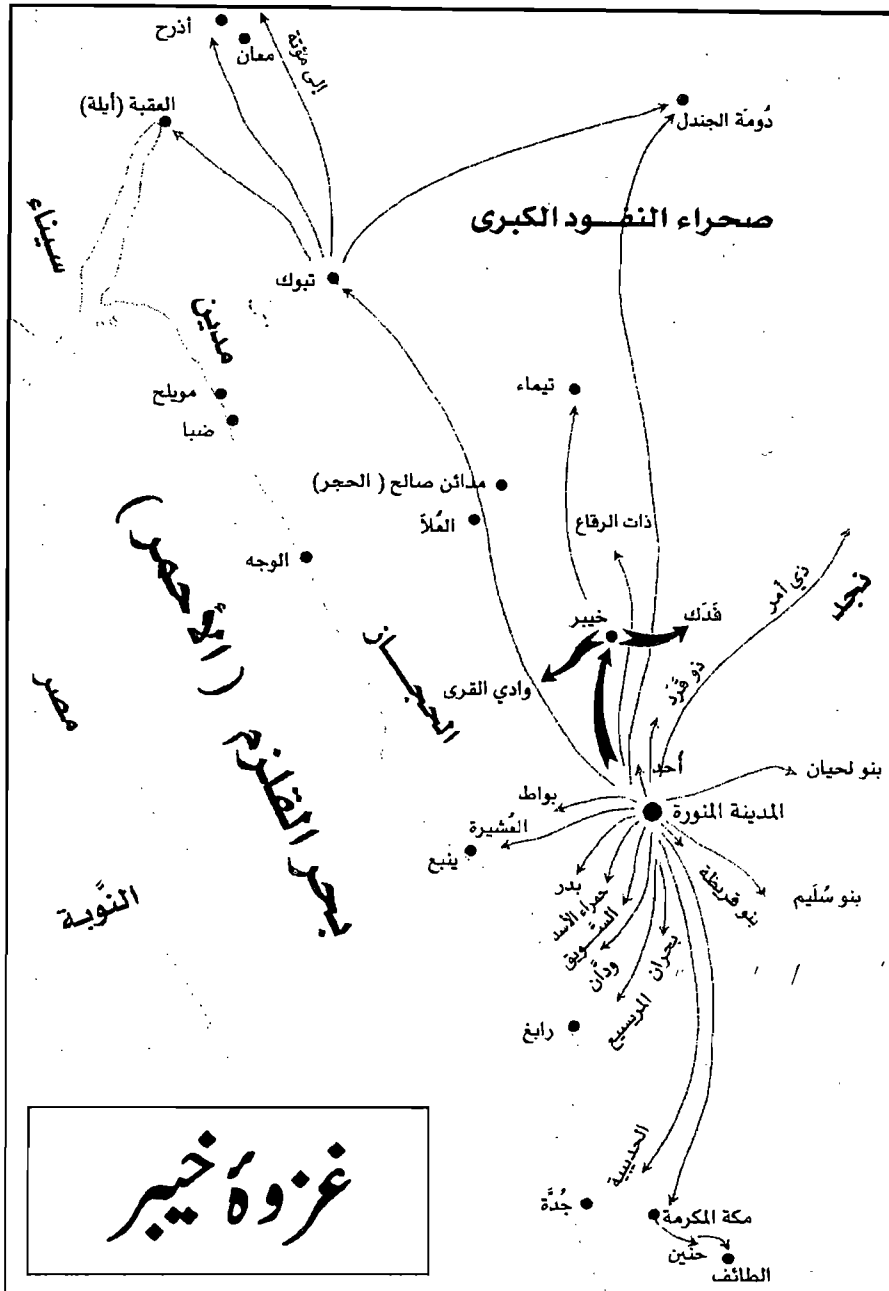
رسول کریم ﷺ کا یہ خط ابی بن کعب نے لکھا، اور آپ ﷺ نے اُس پر مہر لگائی۔ عمرو بن العاص کہتے ہیں: جب میں عثمان پہنچا، تو (عبد) سے ملنے کا قصد کیا، اس لئے کہ وہ اپنے بھائی سے زیادہ بردبار اور اچھے اخلاق کا تھا۔ میں نے اس کو بتایا کہ میں اللہ کے رسول کا قاصد ہوں۔ اُس نے کہا: میرا بھائی مجھ سے عمر میں بڑا ہے اور حق بادشاہت میں بھی مجھ پر مقدم ہے۔ اور میں تمہیں اُس کے پاس پہنچا دیتا ہوں تاکہ تمہارا خط پڑھے، میں اُس کے دروازہ پر کئی دن تک رکا رہا، تب اُس نے مجھے بلایا۔ میں اس کے پاس پہنچا اور اُسے سر بمبر خط دیا۔ اُس نے اُسے کھول کر پڑھا، اور پھر اسے اپنے بھائی کو دے دیا، اُس نے بھی اسے پڑھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس کا بھائی اس سے زیادہ نرم دل ہے۔ اُس نے مجھ سے کہا: آج تم یہاں سے مت جاؤ، اور کل میرے پاس آؤ، دوسرے دن میں اُس کے پاس واپس گیا۔

اُس نے کہا: میں نے اس بات پر بہت غور کیا ہے جس کی تم نے دعوت دی ہے، اگر میں نے اپنی چیزوں کا مالک کسی اور کو بنادیا تو میں عربوں میں سب سے کمزور مانا جاؤں گا، میں نے کہا: پھر میں کل واپس چلا جاتا ہوں۔ جب اُس کو واپسی کا یقین ہوگا، تو صبح کے وقت مجھے بلا بھیجا۔ میں اُس کے پاس گیا، تو اُس نے اور اُس کے بھائی نے اسلام قبول کر لیا، اور نبی کریم ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی، اور مجھے زکاۃ جمع کرنے اور وہاں کے مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کرنے کی اجازت دے دی، اور دونوں میری مخالفت کرنے والوں کے مقابلہ میں میری مدد کرنے لگے۔ چنانچہ میں نے اُن کے مالداروں سے زکاۃ وصول کر کے ان کے غریبوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیا، اور میں انہی کاموں میں مشغول اُن کے درمیان قیام پذیر رہا یہاں تک کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر ملی (۱)۔

مذکورہ بالا خطوط اور انہی جیسے دیگر خطوط بھیج کر اللہ کے نبی ﷺ نے عرب و عجم کے بیشتر بادشاہوں کو

اسلام کی دعوت دی، اُن میں سے بعض ایمان لے آئے، اور دین اسلام میں داخل ہو گئے، اور بعض نے کفر و عناد کی راہ اختیار کی، اور اللہ اور اس کے رسول کے خلاف کبر و غرور سے کام لیا، تو اُن کے خلاف جہت قائم ہو گئی، اُن کی حکومتیں ختم ہو گئیں، اور اُن ممالک میں نبی کریم ﷺ کی مبارک دعوت بڑی تیزی کے ساتھ پھیل گئی، اور اللہ کی یہی مرضی تھی۔ اور ساری کائنات پر حقیقی حکومت تو ہر دور میں اللہ کی رہی ہے، اور رہے گی یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔





غزوہ خیبر

محل وقوع اور باشندے:

خیبر کا علاقہ مدینۃ الرسول ﷺ کے شمال میں ۱۶۵ کیلو میٹر کی دوری پر واقع ہے، اور اپنی زرخیزی، پانی کی فراوانی اور کھجور کے درختوں نیز دیگر پھلوں اور کاشتوں کے سبب مشہور ہے۔ اور عہد نبوی میں اُس علاقہ میں یہودیوں کے بڑے بڑے قلعے پائے جاتے تھے۔

فتح خیبر سے قبل وہاں عربوں اور یہودیوں کی مخلوط آبادی تھی، اور مدینہ سے بنی نضیر کے یہودیوں کی جلاوطنی اور خیبر میں اُن کے سکونت پذیر ہو جانے کے بعد وہاں یہود کی تعداد زیادہ ہو گئی تھی۔

غزوہ خیبر کے اسباب:

غزوہ احزاب کی تفصیلات سے ہمیں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ یہود خیبر نے ہی اقوام عرب کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف ابھارا تھا، اور قریش، بنی سلیم، اور قبائل غطفان کو مسلمانوں سے جنگ کرنے اور انہیں ختم کر دینے کے لئے اکسایا تھا، اور انہی یہود خیبر نے ہی بنو قریظہ کو غدر و خیانت پر آمادہ کیا تھا، اور رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کی تھی۔

مدینہ سے بنی نضیر کی جلاوطنی کے بعد اُن کی عداوت کی آگ زیادہ بھڑک گئی تھی، اور بنی نضیر کی بڑی تعداد اور ان کے خاص لوگ خیبر میں جمع ہو گئے تھے۔ اس طرح تمام ہی فتنے خیبر میں جمع ہو گئے تھے، اور سب مل کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں گھڑنے لگے، شرانگیزی کی تدبیریں سوچنے لگے، اور پوری فضا کو زہر آلود کرنے لگے، اور خیبر کا پورا علاقہ بدعہدی اور خباثت و خیانت کے سبب مسموم ہو گیا تھا۔

اور رسول اللہ ﷺ اور کفار قریش کے درمیان صلح حدیبیہ کے بعد مسلمانوں کے خلاف اُن یہود کی عداوت اور اُن کا بغض کھل کر سامنے آ گیا تھا۔ اور یہود خیبر کا لیڈر سلام بن مشکم ہمیشہ یہودیوں کو مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے اتحاد بنانے کی دعوت دیتا تھا۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد اس نے تمام زعمائے یہود کو اکٹھا کیا، اور اُن سے کہا کہ پورے حجاز میں رہنے والے یہودیوں کے وجود کے خلاف خطرہ کی کھنٹی بجنے لگی ہے، اس لئے خیبر، وادی قریٰ اور تبعا کے یہودیوں کو متحد ہو کر یثرب پر چڑھ دوڑنے کی انتہائی شدید ضرورت پیش آ گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو یہودیوں کی اس سازش کا علم ہو گیا، اور قبل اس کے کہ وہ حرکت میں آتے، آپ ﷺ

نئے خیبر پر حملہ کرنے اور یہود کو اچانک جالینے کی تیاری شروع کر دی۔ منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول کو ان باتوں کی اطلاع ہو گئی، اُس نے یہود کو خبر کر دی کہ محمد عنقریب تم پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، اس لئے تم لوگ اپنے بچاؤ کی تدبیر کر لو۔

جب یہود خیبر کو رسول اللہ ﷺ کے ارادہ کی اطلاع ہوئی، تو وہ مقابلہ کی تیاری کرنے لگے، اور اپنی جنگی قوتوں کا جائزہ لینے لگے، اور ہر روز دس ہزار مقاتلین کے ساتھ گھر سے باہر نکل کر صف آرا ہوتے اور کہتے: محمد ہم سے جنگ کرے گا، یہ تو بڑی دور کی بات ہے، اور اپنے اموال و اولاد کو کتبیبہ کے قلعوں میں داخل کرنے لگے، اور مقاتلین کو نطاة کے قلعوں میں۔

ان حالات کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ کے لئے ضروری ہو گیا کہ وہ جلد از جلد ان سے نمٹنے کی تدبیر کرتے، اور اس شر اور فتنہ کو ختم کرنے کی سوچتے۔

مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفتح میں جو حدیبیہ سے واپسی کے وقت نازل ہوئی تھی، مسلمانوں سے فتح خیبر کا وعدہ کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ۖ وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۖ وَعَدَكُمْ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هَذِهِ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُونَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۖ وَأُخْرَى لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا﴾

”یقیناً اللہ مومنوں سے راضی ہو گیا، جب وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے، پس وہ جان گیا اس اخلاص کو جو اُن کے دلوں میں تھا، اس لئے اُن پر سکون و اطمینان نازل کیا، اور بطور جزا انہیں ایک قریبی فتح سے نوازا، اور بہت سے اموال غنیمت جنہیں وہ حاصل کریں گے، اور اللہ زبردست، بڑی حکمتوں والا ہے۔ اللہ نے تم سے بہت سے اموال غنیمت کا وعدہ کیا ہے جنہیں تم حاصل کرو گے، پس اُس نے تمہیں یہ (صلح حدیبیہ یا فتح خیبر) جلدی دے دی، اور لوگوں کے ہاتھوں کو تمہاری طرف بڑھنے سے روک دیا، اور تاکہ یہ کامیابی مومنوں کے لئے ایک نشانی بن جائے، اور تمہیں سیدھی راہ پر ڈال دے۔ اور وہ تمہیں ایک دوسرا مالی غنیمت بھی دے گا، جس پر ابھی تم نے قدرت نہیں پائی ہے، اللہ نے اسے گھیر رکھا ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے“ [الف: ۱۸-۲۱]۔

انہی اسباب کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کیا کہ یہود خیبر کو جلد از جلد جالیا جائے، اور ان کے خلاف مناسب کارروائی کی جائے، اور رسول کریم ﷺ کو یقین تھا کہ اُن کا رب اپنا وعدہ پورا کرے گا، اُن کے لئے

کافی ہوگا، اور اُن کی مدد فرمائے گا۔

موسیٰ بن عقبہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ سے واپسی کے بعد تقریباً بیس دن مدینہ میں قیام کیا، پھر غزوہ خیبر کی نیت سے نکل پڑے، اس لئے کہ اللہ نے آپ ﷺ سے خیبر کی فتح کا وعدہ حدیبیہ میں ہی کر دیا تھا^(۱)۔

عروہ نے مروان بن حکم اور مسور بن مخرمہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب حدیبیہ سے روانہ ہوئے تو مکہ اور مدینہ کے درمیان سورۃ الفتح نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو خیبر عطا فرمایا^(۲)۔

آپ ﷺ ماہ ذی الحجہ میں مدینہ پہنچے، اور وہاں ذی الحجہ کے باقی ایام اور ماہ محرم کے کچھ دن قیام فرمایا، پھر خیبر کے لئے روانہ ہو گئے۔ اور آپ ﷺ نے اپنا فوجی پروگرام بالکل صیغہ راز میں رکھا، اسی لئے یہودیوں کو مسلمانوں کی آمد کی اطلاع اُس وقت ہوئی جب وہ اپنے قلعوں میں ہر چہار جانب سے مسلمانوں کے ذریعہ محصور تھے۔

سباع بن عرفطہ مدینہ میں خلیفۃ الرسول ﷺ:

ابن خزیمہ نے اور بخاری نے تاریخ صغیر میں اور طحاوی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں جب مدینہ پہنچا تو رسول اللہ ﷺ خیبر میں تھے، اور مدینہ میں آپ ﷺ کے خلیفہ سباع بن عرفطہ تھے جن کے پیچھے ہم نے صبح کی نماز پڑھی، انہوں نے ہمیں زاد سفر دیا، اور ہم وہاں سے روانہ ہو کر آپ ﷺ کے پاس خیبر آ گئے۔ اور یہی نے اپنی سند کے ذریعہ بنی غفار کے چند اشخاص کا قول نقل کیا ہے کہ ابو ہریرہ جب مدینہ پہنچے تو آپ ﷺ خیبر کے لئے روانہ ہو چکے تھے، اور مدینہ میں اپنا خلیفہ بنی غفار کے ایک آدمی کو مقرر کر دیا تھا جس کا نام سباع بن عرفطہ تھا۔ ابو ہریرہ نے اُن کے پیچھے نماز صبح ادا کی جس کی پہلی رکعت میں انہوں نے ”کہیص“ اور دوسری میں ”ویل للمطففین“ کی تلاوت کی^(۳)۔

لشکرِ اسلام میدانِ خیبر میں:

رسول اللہ ﷺ نے پہلے ہی اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص آپ ﷺ کے ساتھ حدیبیہ میں شریک نہیں ہوا وہ آپ ﷺ کے ساتھ لشکرِ خیبر میں نہ جائے، چنانچہ آپ ﷺ کے ساتھ وہی صحابہ کرام گئے جو عمرہ حدیبیہ کے

(۱) دلائل البیہقی: ۱۹۳/۳۔

(۲) دلائل البیہقی: ۱۹۷/۳۔

(۳) دلائل البیہقی: ۱۹۸/۳۔

لئے گئے تھے، اسی بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَى مَغَائِمٍ لِنَا خَذُوهَا ذُرُونَا نَتَّبِعْكُمْ﴾ ”عنقریب جہاد سے پیچھے رہ جانے والے کہیں گے جب تم لوگ اموالِ غنیمت لینے کے لئے چلو گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ جانے دو“ [الف: ۱۵]۔ گویا رسول اللہ ﷺ کو حکم ملا کہ وہ لشکرِ خیبر میں اپنے ساتھ ایسے لوگوں کو نکلنے کی اجازت نہ دیں جو سفرِ حدیبیہ میں آپ ﷺ کے ساتھ نہیں تھے، اس لئے کہ غنائمِ خیبر کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے صرف اُن صحابہ کرام سے کیا تھا جو حدیبیہ میں گئے تھے، اور اُن کی تعداد ایک ہزار چار سو تھی، اُن میں سے دو سو گھوڑ سوار تھے۔

رسول کریم ﷺ انہی مجاہدینِ حدیبیہ کے ساتھ روانہ ہوئے، اور اپنے ساتھ دو ماہرینِ راہ لے لئے، اور سفر کر کے خیبر و غطفان کے درمیان وادیِ رَجِج میں فروکش ہوئے۔ آپ ﷺ کو ڈر تھا کہ قبیلہ غطفان کے لوگ کہیں یہود کی مدد کے لئے نہ اُٹھ کھڑے ہوں۔ آپ ﷺ نے اُسی وادی میں رات گزاری، اور صبح کے وقت خیبر کی طرف چل پڑے۔

رسول اللہ ﷺ نے رات کے وقت منزل کی طرف چلتے ہوئے عامر بن سنان سے کہا: اے ابنِ الاکوع ہمیں کوئی ترانہ سناؤ، تو انہوں نے مندرجہ ذیل اشعار سنائے:

اللَّهُمَّ لَوْ لَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَالْقَيْنَ سَكْنِيَّةً عَلَيْنَا وَثَبَّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَا قَيْنَا
إِنَّا إِذَا صَبَحَ بَنَّا أَتَيْنَا وَبِالصَّبَاحِ عَوَّلُوا عَلَيْنَا

”اے اللہ! اگر تو نہ چاہتا تو ہمیں ہدایت نہ ملتی، نہ صدقہ کرتے اور نہ نماز پڑھتے۔ اے اللہ! تو ہم پر سکون و اطمینان نازل فرما، اور جب دشمن سے ہماری مدد بھیڑ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ، اور جب ہمیں پکارا جاتا ہے تو ہم آ پہنچتے ہیں، اور جب لوگ ہمیں پکارتے ہیں تو ہم پر بھروسہ کرتے ہیں۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تم پر رحم کرے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! واجب ہو گیا، چنانچہ عامر معرکہ خیبر میں شہید ہو گئے۔

اور رسول اللہ ﷺ جب خیبر کے بالکل قریب پہنچ گئے تو صحابہ کرام سے فرمایا: بھڑ جاؤ۔ پھر دعا کی: ”اللَّهُمَّ رَبَّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَمَا أَظْلَلْنَ، وَرَبَّ الْأَرْضِينَ السَّبْعِ وَمَا أَقْلَلْنَ، وَرَبَّ الشَّيَاطِينِ وَمَا أَضْلَلْنَ، وَرَبَّ الرِّيَّاحِ وَمَا أَدْرَيْنَ، فَإِنَّا نَسْأَلُكَ خَيْرَ هَذِهِ الْقَرْيَةِ وَخَيْرَ أَهْلِهَا وَخَيْرَ مَا فِيهَا، وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ أَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا“ ”اے ساتوں آسمانوں کے رب اور جن پر وہ سایہ لگن ہیں، اور ساتوں

زمینوں کے رب اور جنہیں وہ اُٹھائے ہوئی ہیں، اور شیاطین کے رب اور جنہیں وہ گمراہ کرتے ہیں، اور ہواؤں کے رب اور جنہیں وہ بکھیرتی ہیں، ہم تجھ سے اس بستی کی اور اس میں جو کچھ ہے اس کی اور اس کے رہنے والوں کی بھلائی مانگتے ہیں، اور ہم تیرے ذریعہ اس کی برائی سے، اس کے رہنے والوں کی برائی اور اس میں جو کچھ ہے، اس کی برائی سے پناہ مانگتے ہیں۔“ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو۔ رسول کریم ﷺ ہمیشہ یہ دعا کسی بستی میں داخل ہوتے وقت پڑھا کرتے تھے^(۱)۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے رات گزاری یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور اذان کی آواز نہیں سنی تو آپ ﷺ سوار ہوئے اور ہم لوگ بھی سوار ہوئے، میں ابو طلحہ کے پیچھے سوار ہوا، اور میرا قدم رسول اللہ ﷺ کے قدم کو چھو رہا تھا، اور ہم نے خیبر کے مزدوروں کو لدالوں اور پھاڑوں کے ساتھ گھروں سے نکلتے دیکھا۔ جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور فوج کو دیکھا تو پکار اُٹھے: یہ تو محمد ہے، اور اس کے ساتھ فوج ہے۔ اور پھر پیچھے مڑ کر بھاگ پڑے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ اکبر۔ آج خیبر کی بربادی ہے، ہم جب کسی قوم کی زمین پر پہنچ جاتے ہیں تو ان ڈرائے جانے والوں کی صبح بہت بُری ہوتی ہے^(۲)۔

قبائل غطفان نے جب رسول اللہ ﷺ کے سر زمین خیبر پر آدھمکنے کی خبر سنی تو فوراً مجتمع ہو کر آپ ﷺ کے خلاف اپنے یہودی حلیفوں کی مدد کے لئے نکل پڑے، اور یہودیوں نے اُن سے وعدہ کیا کہ اگر وہ مسلمانوں پر غالب آگئے تو وہ خیبر کا آدھا پھل اُن کو دے دیں گے۔ غطفانی جب کچھ دور گئے تو اپنے پیچھے اپنے اموال و اہل میں کچھ آواز سنی جس سے اُن کو شبہ ہوا کہ لوگوں نے شاید ان کے آل و دیار پر حملہ کر دیا ہے، اسی لئے فوراً ہی واپس ہو گئے، اور اپنے اہل و عیال اور مال و متاع کے پاس پہنچ گئے، اور رسول اللہ ﷺ اور اہل خیبر کو ان کے حال پر چھوڑ دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک جگہ اتر کر مسجد بنائی، اور آخری پہر رات میں اس میں نفل نماز ادا کرنے لگے، اُس وقت آپ کی اونٹنی پھڑک کر ایک طرف چل پڑی، بعض صحابہ نے اُس کا پیچھا کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ اُسے چھوڑ دو، وہ اللہ کی طرف سے مامور ہے، وہ ایک چٹان پر پہنچ گئی، تب رسول اللہ ﷺ اور تمام صحابہ کرام وہیں پہنچ گئے۔ جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ کے پاس حباب بن المنذر آئے، اور کہا: اے اللہ کے رسول! اس جگہ قیام کا حکم آپ کو اللہ سے ملا ہے یا آپ ﷺ کی ذاتی رائے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ میری ذاتی رائے ہے۔ حباب نے

(۱) دلائل البیہقی: ۴/۲۰۳، ۲۰۴۔

(۲) صحیح البخاری، کتاب المغازی، حدیث: (۳۱۹۷)۔

کہا: اے اللہ کے رسول! یہ قلعہ قلعہ نطاۃ سے بہت ہی قریب ہے، اور خیبر کے تمام فوجی اسی میں ہیں، اور وہ ہمارے حال سے واقف ہیں، اور ہم اُن کے حال سے بالکل ناواقف ہیں، اور اُن کے تیر ہم تک باسانی پہنچیں گے۔ اور ہمارے تیر اُن تک نہیں پہنچیں گے، اور ہم اُن کے شیخوں مارنے سے محفوظ و مامون نہیں رہیں گے۔ نیز یہ کہ یہ جگہ گھوڑے کے درختوں کے درمیان ہے، اور نشیبی زمین ہے، اور خوشگوار نہیں ہے۔ اس لئے کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ ایسی جگہ پڑاؤ ڈالنے کا ہمیں حکم دیتے جو ان خرابیوں سے پاک ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری رائے بہتر ہے، پھر آپ ﷺ دوسری جگہ منتقل ہو گئے۔

خیبر میں جنگی مقامات:

یہودیوں نے خیبر کے جنگی مقامات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا: علاقہ نطاۃ، علاقہ شق، اور علاقہ کتیبہ، اور ہر علاقہ میں کئی کئی قلعے تھے۔ علاقہ نطاۃ میں تین قلعے تھے: قلعہ ناعم، قلعہ صعب بن معاذ اور قلعہ زبیر جسے قلعہ قلہ بھی کہا جاتا تھا۔ اور علاقہ شق میں دو قلعے تھے: قلعہ ابی اور قلعہ نزار، اور علاقہ کتیبہ میں تین قلعے تھے: قلعہ وطح، قلعہ سلامہ اور قلعہ قموص۔ اہل خیبر صبح سویرے جب اپنے کھیتوں کی طرف نکلے تو ان کا سامنا رسول اللہ ﷺ کی فوج سے ہوا، دیکھتے ہی وہ مارے ڈر کے پیٹھ پھیر کر بھاگے اور اپنے قلعوں میں داخل ہو گئے۔ بزدلی اور شدتِ خوف کی وجہ سے اُن میں اسلامی فوج کے مقابلہ کی جرأت نہیں تھی، اور رسول کریم ﷺ نے اُن پر حملہ کرنا شروع کر دیا۔

سب سے پہلے آپ ﷺ نے قلعہ ناعم پر حملہ کیا جو مرحب نامی یہودی پہلوان کا قلعہ تھا جسے ایک ہزار فوجیوں کے برابر مانا جاتا تھا، قلعہ کا محاصرہ کئی دن تک جاری رہا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر صدیق کو بھیجا تاکہ اس کے کھولنے کی کوئی جنگی تدبیر کریں، انہوں نے زبردست جنگ کی لیکن قلعہ کو نہ کھول سکے، دوسری صبح آپ ﷺ نے عمر بن خطاب کو بھیجا لیکن وہ بھی قلعہ کا دروازہ نہ کھول سکے۔

سلمہ بن اکوع کہتے ہیں کہ علی بن ابی طالب کی آنکھ میں تکلیف کے سبب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیبر نہیں جاسکے تھے، ایک دن اُن کو شدید احساس ہوا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیبر کیوں نہیں گئے، چنانچہ فوراً روانہ ہوئے، اور آپ ﷺ سے جا ملے۔ جب وہ رات گزر گئی جس کی صبح کو خیبر فتح کیا گیا، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کل میں جھنڈا ایک ایسے آدمی کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے، اور اللہ اور اس کے رسول اس سے محبت کرتے ہیں^(۱)۔

(۱) صحیح البخاری، فضائل الصحابہ، مناقب علی، حدیث: (۳۰۷۱)۔

سہیل بن سعد کی روایت کے مطابق، جب صحابہ کرام صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، تو ہر صحابی کی تمنا تھی کہ کاش جھنڈا انہیں دیا جاتا، نبی کریم ﷺ نے پوچھا: علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ آپ کو بتایا گیا کہ اے اللہ کے رسول! ان کی دونوں آنکھوں میں تکلیف ہے۔ آپ ﷺ نے ان کو بلا بھیجا، اور ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگا دیا، اور دعا کی جس کی برکت سے اُن کی آنکھیں فوراً ٹھیک ہو گئیں جیسے پہلے سے اُن میں کوئی تکلیف ہی نہیں تھی، پھر آپ ﷺ نے جھنڈا اُن کو دے دیا۔

علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا میں اُن سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ ہم جیسے ہو جائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اطمینان کے ساتھ آگے بڑھو یہاں تک کہ اُن کے پاس پہنچ جاؤ، پھر انہیں اسلام کی دعوت دو، اور ان پر واجب اللہ کے حق کی یاد دلاؤ، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ ایک آدمی کو ہدایت دے دے، اللہ کی قسم! یہ کام تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ تمہارے پاس بہت سے سرخ اونٹ ہوں^(۱)۔

علی بن ابی طالب اس آرڈر کے ساتھ یہودیوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے نکلے، لیکن انہوں نے اس دعوت کا انکار کر دیا، اور جنگ کے لئے آمادہ ہو گئے، اور اُن کے بادشاہ مرحب نے مقابلہ کرنے کے لئے چیخ کر دیا، تو عامر بن اکوع آگے بڑھے، ان کی تلوار چھوٹی تھی، انہوں نے مرحب کی پینڈی پر ضرب لگانی چاہی، لیکن وہ پلٹ کر اُن کے گھٹنے پر جا لگی جس کے اثر سے ان کی وفات ہو گئی۔ جب صحابہ کرام مدینہ واپس آئے تو عامر رضی اللہ عنہ کے بھتیجا سلمہ کو رسول اللہ ﷺ نے کچھ ملول خاطر دیکھ کر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر سبب پوچھا، تو انہوں نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، لوگوں کا خیال ہے کہ عامر کے اعمالِ صالحہ ضائع ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جھوٹا ہے وہ آدمی جس نے یہ بات کہی ہے، اُن کے لئے تو دو گنا اجر ہے، اور آپ ﷺ نے اپنی دو انگلیوں کو اکٹھا کر کے اشارہ کیا، نیز کہا: وہ تو اللہ کی راہ میں انتہائی محنت کرنے والے مجاہد تھے، بہت کم عرب اُن کی طرح تلوار لے کر چلے ہوں گے^(۲)۔

موسیٰ بن عقبہ نے جابر بن عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ مرحب قلعہ خیبر سے ہتھیاروں سے لیس ہو کر رجزیہ اشعار پڑھتا ہوا نکلا اور کہنے لگا: کون مجھ سے مقابلہ کرے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کون اس کا مقابلہ کرے گا؟ محمد بن مسلمہ نے کہا: میں، اے اللہ کے رسول! میں اللہ کی قسم، بچھڑا ہوا اور جذبہ انتقام سے پھٹا پڑ رہا ہوں۔ کل ہی ان لوگوں نے میرے بھائی محمود بن مسلمہ کو قتل کر دیا ہے: (ان پر قلعہ کے اوپر سے مرحب نے چٹکی کا پتھر

(۱) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۲۱۰) صحیح مسلم، فضائل الصحابہ، حدیث: (۳۲)۔

(۲) صحیح البخاری، المغازی، غزوہ خیبر، حدیث: (۴۱۹۵) صحیح مسلم، کتاب الجہاد، حدیث: (۱۳۳)۔

گرا دیا تھا، جب وہ اہل نطاۃ سے جنگ کے پہلے دن ہی قلعہ ناعم کے نیچے آرام کر رہے تھے، اور اُن کا خیال تھا کہ قلعہ کے اندر کوئی یہودی مقاتل موجود نہیں ہے (رسول اللہ ﷺ نے اُن سے کہا: اٹھو، اس کا مقابلہ کرو۔ اے اللہ! تو اس کی مدد فرما۔ دونوں ایک دوسرے کے خلاف پینتر ابدلتے رہے یہاں تک کہ محمد بن مسلمہ نے اس پر ضرب لگائی، اور اس کے دونوں پاؤں کاٹ کر چھوڑ دیا، اور کہا: اب موت کا مزا چکھو، جس طرح میرے بھائی محمود نے چکھا ہے۔ تب اس کے پاس سے علی گزرے اور اس کی گردن الگ کر دی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے محمد بن مسلمہ کو اس کی تلوار، اس کا نیزہ اور اس کی خود دے دی^(۱)۔

مرحب کے بعد اس کا بھائی یا سر نکلا، تو اس کے مقابلہ کے لئے زبیر آگے بڑھے، اُن کی ماں صفیہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا میرا بیٹا قتل ہو جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بلکہ آپ کا بیٹا ان شاء اللہ اُسے قتل کر دے گا۔ چنانچہ زبیر نے اسے قتل کر دیا۔ امام مسلم نے سلمہ بن اکوع سے روایت کی ہے کہ مرحب کو علی بن ابی طالب نے قتل کیا تھا، محمد بن مسلمہ نے نہیں۔

روایت میں یوں آیا ہے کہ مرحب نے نکل کر کہا: سارا خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، جب جنگ کی آگ بھڑکتی ہے تو میں ہتھیاروں سے لیس تجربہ کار پہلوان ثابت ہوتا ہوں، تو علی نے کہا: میرا نام میری ماں نے حیدر رکھا ہے، میں جنگل کا وحشی شیر ہوں، میں دشمن کو اس کا پورا حساب چکاتا ہوں۔ سلمہ کہتے ہیں: پھر انہوں نے مرحب کے سر پر کاری ضرب لگا کر اسے قتل کر دیا۔ چنانچہ انہی کے ہاتھوں قلعہ فتح ہوا^(۲)۔

حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے کہ بہت سی اسانید کے ذریعہ متواتر خبروں سے ثابت ہے کہ مرحب کو امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا، اور حافظ ذہبی نے ان کے قول کی تائید کی ہے^(۳)۔

اور محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ خیبر میں مرحب یہودی کو محمد بن مسلمہ نے قتل کیا تھا۔ اور امام شافعی نے اپنی کتاب المختصر میں لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خیبر کے دن مرحب کا سلاح و متاع محمد بن مسلمہ کو دیا تھا، انہوں نے یہ بات جامع السیر کے پہلے باب میں بیان کی ہے۔ گویا یہ ان کی تصریح ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہ نے قتل کیا تھا، اور اس سلسلہ کی حدیث ثابت اور صحیح ہے جیسا کہ جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کی تخریج میں ذکر کیا گیا ہے۔

(۱) مستدرک: ۳/۳۸۳، مستدرک حاکم ۱۴۳۶/۲، بن ہشام: ۲/۳۳۳، ۳۳۴۔ اس کی سند صحیح ہے۔ بیہقی نے لکھا ہے: امام احمد کی روایت

کے نزوات ثقات ہیں۔ زاد المعاد: ۳/۵۵۲، ۵۵۳۔

(۲) صحیح مسلم، الجہاد، حدیث: (۱۸۰۷)۔

(۳) مستدرک حاکم: ۳/۴۳۷۔

حدیث جابر اور حدیث سلمہ بن الأكوع کے درمیان توفیق امام و اقدی کے قول کے مطابق اس طرح ممکن ہے کہ پہلے محمد بن مسلمہ نے مرحب کی دونوں پنڈلیوں کو کاٹ کر چھوڑ دیا تاکہ وہ انتہائی اذیت ناک موت مرے۔ اس لئے کہ اُن کا مرحب سے مقابلہ کرنا اور اس سے اپنے بھائی محمود کا انتقام لینے کا شدید ترین جذبہ ثابت ہے، جسے مرحب نے اسی طرح کاری ضرب لگا کر مرنے کے لئے چھوڑ دیا تھا، پھر اس کے پاس سے علی بن ابی طالب گزرے اور اس کا سراگ کر دیا۔ اور چونکہ جابر سے مروی حدیث بھی صحیح ہے، اس لئے دونوں حدیثوں میں توفیق پیدا کرنا ہی صحیح ہے۔

واقدی نے لکھا ہے کہ قلعہ ناعم کے گرد دس دن تک سخت جنگ ہوتی رہی، اور مجاہدین اسلام نے جہاد اسلامی کا حق ادا کر دیا، اور سردار ابن یہود کی ایک جماعت کا صفایا کر دیا، بالآخر یہودیوں کی طاقت کمزور پڑ گئی، اور اس قلعہ کے پاس مسلمانوں کا حملہ روکنے سے کئی طور پر عاجز ہو گئے۔ اس لئے وہ اس قلعہ سے نکل کر ”صعب“ نامی قلعہ میں چلے گئے، اور مسلمان ”ناعم“ نامی قلعہ میں داخل ہو گئے اور اس پر قبضہ کر لیا، اور یہودیوں کی شکست کی ابتدا ہو گئی۔

قلعہ صعب کی فتح:

اس قلعہ میں انواع و اقسام کے کھانے، گھی، چوپائے اور دیگر اسباب و متاع اور پانچ سو جنگی فوجی تھے، نیز قلعہ ناعم میں موجود جنگی فوجی بھی اسی میں کھسک آئے تھے۔ مسلمانوں نے اس قلعہ کا محاصرہ اپنے قائد حباب بن منذر انصاری کی قیادت میں کیا، جو تین دن تک رہا۔ مسلمان مجاہدین ان ایام میں بہت پریشان ہوئے، اُن کے پاس کھانے پینے کو کچھ بھی نہ رہا: رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور کہا: اے اللہ! مسلمان مجاہدین کی حالت سے تو خوب واقف ہے کہ وہ نہایت کمزور ہو چکے ہیں، اور میرے پاس انہیں دینے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے، اس لئے خیر کے اس سب سے بڑے اور مال و متاع کے اعتبار سے سب سے مالدار قلعہ کو اُن کے لئے کھول دے۔

دوسری صبح کو یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف زبردست جنگ کی اور ان پر خطرناک حملہ کیا، جس کے نتیجے میں مسلمانوں کی صفیں بکھر گئیں اور پسپا ہو کر رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گئے جو اپنے گھوڑے سے اتر کر ایک طرف کھڑے تھے اور حباب بن منذر علم جہاد لئے اپنے گھوڑے پر سوار دشمنوں کی طرف تیر چلا رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں باواز بلند پکارا اور جہاد پر ابھارا، اور انہیں خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے خیر اور اس کے اموال غنیمت کا وعدہ کیا ہے۔ مجاہدین آپ کی آواز سن کر، اپنے علم جہاد کے ارد گرد جمع ہو گئے اور حباب انہیں ساتھ لئے آگے بڑھنے لگے اور یہود پیٹھ پیچھے مڑ کر بھاگے، اور قلعہ بند ہو کر مسلمانوں پر دیوار کے اوپر سے زبردست سنگ باری کرنے لگے، اس لئے مسلمان دوبارہ پیچھے ہٹ گئے۔

یہودیوں نے مسلمانوں پر دوبارہ حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا، اور اپنی جان ہتھیلی میں لے کر باہر نکل پڑے اور قلعہ کے دروازے پر گھمسان کی جنگ ہونے لگی، لیکن مسلمان ثابت قدم رہے، اور یہود دوبارہ پیٹھ پھیر کر قلعہ کے اندر چلے گئے۔ اس بار مسلمان بھی ان کے پیچھے قلعہ میں داخل ہو گئے اور یہودیوں کو قتل اور قید و بند کرنے لگے، یہاں تک کہ انہوں نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور یہودیوں کے لئے راہ فرار کو آسان کر دیا، اور اس کی دیوار پر چڑھ کر آواز بلند تکبیر کہنے لگے، اور مالی غنیمت جمع کرنے لگے جس کی رسول اللہ ﷺ نے انہیں بشارت دی تھی۔ یہ سب دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کو ڈر ہوا کہ کہیں مسلمان مالی غنیمت کو دیکھ کر جہاد سے غافل نہ ہو جائیں، اس لئے فوراً ایک منادی کو بھیجا کہ مجاہدین جو چاہیں کھائیں اور اپنے جانوروں کو کھلائیں، لیکن کوئی چیز اٹھا کر اپنے شہر لے جانے کی کوشش نہ کریں۔

اُس دن اس قلعہ کے پاس جنگ میں عامر بن سنان شہید ہو گئے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے جن کے لئے بھلائی کی بشارت دی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ عامر کے لئے دواجر ہے۔ قلعہ کے دروازے کے پاس تین دیگر مجاہدین بھی جان بحق ہوئے۔ ابوسایح، جو بدری صحابی تھے، اور عدی بن مرہ بن سراقہ اور حارث ابن حاطب جو بدری صحابی تھے۔

گھریلو گدھوں کی حرمت:

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، اس قلعہ کے فتح کرنے سے پہلے مسلمان سخت بھوک سے دوچار ہوئے، اس لئے کچھ فوجی گھریلو گدھوں کو ذبح کر کے ان کا گوشت پکانے لگے، جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے فوراً گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔ صحیحین میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن عورتوں کے ساتھ نکاحِ متعہ اور گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمادیا^(۱)۔

بخاری و مسلم کی انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ایک دوسری حدیث ہے کہ اُس دن ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ گھریلو گدھوں کا گوشت کھایا جا رہا ہے، تو آپ ﷺ خاموش رہے، پھر ایک دوسرا آدمی آیا اور کہا: گدھوں کا گوشت کھایا جا رہا ہے، تو آپ ﷺ خاموش رہے۔ پھر ایک تیسرا آدمی آیا اور کہا کہ گدھے ختم کر دیئے گئے، تو آپ ﷺ نے ایک منادی کو بھیجا، جس نے لوگوں میں اعلان کیا کہ اللہ اور اس کے رسول تم لوگوں کو گھریلو گدھوں کے گوشت کھانے سے روکتے ہیں۔ اس اعلان کے بعد ہانڈیاں اُلٹ دی گئیں جن میں

(۱) البخاری، المغازی، حدیث: (۴۲۱۶)، صحیح مسلم، النکاح، حدیث: (۱۴۰۵) وغیرہا۔

گوشت پک رہے تھے^(۱)۔

قلعہ زیر کی فتح:

قلعہ ناعم، قلعہ صعب اور قلعہ نطاة میں موجود یہودی بھاگ کر قلعہ زیر میں جمع ہو گئے تھے، اس لئے کہ یہ قلعہ ایک بلند چوٹی پر واقع تھا، جہاں تک گھوڑ سواروں اور دیگر مجاہدین کا پہنچنا مشکل تھا۔ رسول اللہ ﷺ اُس قلعہ تک پہنچے اور اس کا محاصرہ کر لیا، اور یہودیوں نے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا، مسلمان تین دن تک اس کا محاصرہ کئے رہے، چوتھے دن ایک یہودی آپ ﷺ کے پاس آیا، اور کہا: اے ابوالقاسم! آپ مجھے امان دیتے ہیں، اس شرط پر کہ میں آپ کو اس قلعہ والوں کے بارے میں ایک راز بتاتا ہوں، اور آپ قلعہ شق والوں کی طرف نکل جائیے جو آپ کے رعب و دہشت سے ہلاک ہو گئے۔ آپ نے اُسے اس کے بال بچوں اور مال و جائیداد کا امان دیا، تو یہودی نے کہا کہ اگر آپ ایک ماہ بھی یہاں ٹھہرے رہے تو اس قلعہ کے مکین پر واہ نہیں کریں گے، اس لئے کہ ان کے لئے زمین کے نیچے نہریں جاری ہیں، یہ لوگ رات میں نکل کر وہاں سے پانی پی کر آ جاتے ہیں، اگر آپ نے ان کے پانی کے سوتے کو کاٹ دیا تو یہ پریشان ہو کر نکل پڑیں گے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ ان نہریوں تک پہنچے اور ان کے سوتے بند کر دیئے، تو یہودی پیاس کی تاب نہ لا کر باہر نکل پڑے، اور شدید جنگ کی، اس دن کئی مسلمان شہید ہوئے، اور تقریباً دس یہودی زخمی ہوئے، اور بالآخر رسول اللہ ﷺ نے اسے فتح کر لیا، جو نطاة کا آخری قلعہ تھا۔ اس قلعہ کے سقوط کے بعد نطاة کا پورا علاقہ مسلمانوں کے زیرِ نگیں آ گیا۔ اور یہودی وہاں سے بھاگ کر شق کے علاقے میں چلے گئے، اور وہاں کے پہلے قلعہ قلعہ اُبی میں بند ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے مسلمان فوجیوں کو ان کے پہلے پڑاؤ کی طرف چلے جانے کا حکم دیا، جہاں خیبر میں آنے کے بعد سب سے پہلے پڑاؤ ڈالا تھا، اور اس میں ایک مسجد بنا کر رات کے آخری پہر میں تہجد کی نماز پڑھی تھی، اس طرح دشمنوں کے شبِ خوں مارنے اور دیگر تمام قسم کے خوف و ہراس سے محفوظ ہو گئے، اس لئے کہ نطاة میں رہنے والے یہودی سب سے زیادہ قوی اور مضبوط تھے^(۲)۔

(۱) البخاری، المغازی، حدیث: (۲۳۱۹۹) صحیح مسلم، حدیث: (۲۱۳۶۵) اور (۱۹۳۰)۔

(۲) دلائل النبیؐ بروایت واقدی: ۲۲۶، ۲۲۵، ۲۲۴۔

قلعہ اُبی کی فتح:

میں نے ابھی اوپر لکھا ہے کہ تمام یہود بھاگ کر قلعہ اُبی میں جمع ہو گئے تھے، اس لئے رسول اللہ ﷺ شق کے علاقے کی طرف متوجہ ہوئے جس میں کئی قلعے پائے جاتے تھے، اور وہاں کے سب سے پہلے قلعہ اُبی کا محاصرہ کر لیا، نیز مسلمانوں نے سمران نامی ایک قلعہ کا بھی محاصرہ کیا، جس میں رہنے والے یہودیوں نے زبردست جنگ کی، اور ایک یہودی نے اس سے نکل کر جنگ کرنے کا چیلنج کیا، اس کے چیلنج کا جواب حباب بن منذر نے دیا، اور نصف بازو سے اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا، جس کی تاب نہ لا کر قلعہ کی طرف بھاگ گیا، حباب نے اس کا پیچھا کر کے اس کی پنڈلی کاٹ ڈالی، اور اس کا قصہ تمام کر دیا، ایک دوسرا یہودی چیلنج کرتا ہوا باہر نکلا، جس سے جنگ کرنے کے لئے آلِ حِش کا ایک آدمی سامنے آیا جو شہید کر دیا گیا، اور وہ یہودی اپنی جگہ کھڑا دوبارہ مسلمانوں کو چیلنج کرنے لگا چنانچہ ابودجانہ اس کے سامنے آئے اور اس پر حملہ کر کے اس کی دونوں ٹانگیں کاٹ ڈالی، اور اسے قتل کر دیا، اور اس کی تلوار اور ڈھال لے لیا۔ اور نبی کریم ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے انہیں وہ دونوں چیزیں دے دیں۔ مسلمانوں نے بلند آواز میں تکبیر کہی اور قلعہ پر زبردست حملہ کر کے اس میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے، مجاہدین میں سب سے آگے ابودجانہ تھے، اس قلعہ میں مسلمانوں کو بہت سارے مال و متاع، بکریاں اور کھانے کی چیزیں ملیں، اور وہاں سے جنگ کرنے والے یہودی نکل کر بھاگ پڑے، اور قلعہ نزار میں جا کر بند ہو گئے۔

قلعہ نزار کی فتح:

یہ قلعہ علاقہ شق کا سب سے مضبوط قلعہ تھا، اس میں تمام یہود جمع ہو گئے اور ان کا گمان ہوا کہ مسلمان کسی بھی حال میں اس میں داخل نہیں ہو سکتے، اس لئے کہ یہ ایک بلند پہاڑ پر واقع مضبوط ترین قلعہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کے ساتھ اس کی طرف پیش قدمی کی اور وہاں پہنچ کر ان سے جنگ کرنے لگے۔ اور یہود تیر اندازی اور سنگ باری کے ذریعہ سخت مقابلہ کرنے لگے۔ یہاں تک کہ بعض تیر رسول اللہ ﷺ کے کپڑے کو چھو گیا، اور بعض اس میں لٹک گیا، تب رسول اللہ ﷺ نے متحین نصب کرنے کا حکم دیا اور اس کی مسلسل ضربوں سے قلعہ کی دیواروں میں شکاف ڈال دیا، اور اس میں داخل ہو گئے، اور قلعہ کے اندر شدید جنگ ہونے لگی، لیکن یہود اسلامی فوج کے زبردست حملہ کے زیر اثر بالآخر شکست خوردہ ہو کر بھاگ پڑے اور اپنی عورتوں اور اپنی اولاد کو مسلمانوں کے لئے چھوڑ گئے۔ انہیں میں صفیہ بنت حبیبہ اور اُن کی بیچازاد بہن تھیں۔

یہود بھاگ کر خیبر کے جنوب مغربی علاقے میں واقع قلعہ قنوص میں جا کر بند ہو گئے اور ان میں سے بعض طح اور سلام نامی دو قلعوں میں بند ہو گئے، رسول اللہ ﷺ نے قلعہ نزار کو دیکھ کر فرمایا کہ خیبر کا یہ آخری قلعہ ہے جہاں جنگ ہوئی ہے، محمد بن مسلمہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد جنگ نہیں ہوئی، یہاں تک کہ آپ ﷺ خیبر سے واپس چلے گئے۔

کتنیہ، طح اور سلام نامی قلعوں کی فتح:

رسول اللہ ﷺ نے کتنیہ، طح اور سلام نام کے قلعوں کا رخ کیا، سلام ابن ابی الحقیق کا قلعہ تھا، اور کچھ یہود جیسا کہ اوپر ذکر ہوا قنوص نام کے قلعہ میں بند ہو گئے جو ایک مضبوط قلعہ تھا، اور کچھ یہود طح اور سلام نام کے قلعوں میں بند ہو گئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان پر منجیق کے ذریعہ سنگ باری کرنی چاہی، لیکن جب یہودیوں کو چودہ دن تک محصور رہنے کے بعد اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ سے صلح کی بھیک مانگنے لگے۔

چنانچہ کنانہ بن ابی الحقیق نے شاخ نامی ایک یہودی کو آپ ﷺ کے پاس بھیجا، جس نے کنانہ کی طرف سے صلح کی درخواست پیش کی، تو رسول اللہ ﷺ موافق ہو گئے۔ کنانہ چند یہودیوں کے ساتھ قلعہ سے نکل کر آیا، اور آپ ﷺ سے اس شرط پر صلح کر لی کہ قلعہ میں باقی ماندہ مقاتلین کو قتل نہ کیا جائے، اور ان کے بال بچوں کو ان کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ وہ لوگ خیبر سے اپنے بال بچوں کے ساتھ نکل جائیں گے، اور اپنے تمام اموال اور اراضی اور سونے اور چاندی، اور ہتھیار رسول اللہ ﷺ کے لئے چھوڑ دیں گے، ان کا ہر آدمی اپنے بدن پر موجود کپڑے کے ساتھ چلا جائے گا۔ اور اگر انہوں نے کوئی چیز رسول اللہ ﷺ سے چھپائی تو اللہ اور اس کے رسول ان سے اپنی براءت کا اعلان کرتے ہیں، ان تمام شروط کو یہودیوں نے منظور کر لیا، اور ان کے مطابق ان کے ساتھ صلح ہو گئی، اور تمام قلعے مسلمانوں کے حوالے کر دیئے گئے اور خیبر کی فتح تمام ہو گئی۔

رسول اللہ ﷺ نے کچھ صحابہ کو بھیجا جنہوں نے فوراً ہی ان کے اموال، اسباب و متاع اور ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا۔ ایک سو زہرہیں، چار سو تلواریں، ایک ہزار نیزے اور پانچ سو عربی تیر و کمان ہاتھ آئے (۱)۔

لیکن ان لوگوں نے ایک بڑی تجوری چھپالی جس میں حبیب بن اخطب کا مال اور زیورات موجود تھے جسے وہ اپنے ساتھ بنو نضیر کی جلا وطنی کے بعد خیبر لے گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حبیبی کے چچا سعیہ سے پوچھا کہ حبیبی کی وہ تجوری کیا ہوئی جسے وہ اپنے ساتھ یہاں لایا تھا؟ اس نے کہا: اخراجات اور جنگی ضرورتوں میں خرچ ہو گئی، تو

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابھی کچھ دنوں پہلے کی بات ہے اور مال اس سے زیادہ تھا، جس کا تم صرف بتا رہے ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے زیر (رضی اللہ عنہ) کے حوالے کیا، جنہوں نے اس کی پٹائی کی، تو اس نے بتایا کہ حبیبی کچھ دن پہلے ایک ویران جگہ میں تنہا گیا تھا، مسلمان وہاں گئے اور تلاش کیا تو ایک جھاڑی میں وہ تجوری مل گئی۔ ابو الحقیق کے خاندان والوں کا خزانہ مشہور تھا، وہ لوگ اپنے زیورات عربوں کو کرایہ پر دیتے تھے، اور چونکہ کنانہ نے رسول اللہ ﷺ سے صلح کر لی تھی، اس لئے آپ ﷺ نے اس سے اُس خزانہ کے بارے میں پوچھا: جو صلح کے شروط کے مطابق مسلمانوں کی چیز ہو گئی تھی، کنانہ اور اس کے بھائی ربیع نے جواب دیا کہ وہ خزانہ جنگی اخراجات پورے کرنے کے لئے بیچ دیا گیا، اور اس بات پر دونوں نے قسم کھالی، تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا کہ اگر وہ خزانہ تمہارے پاس پایا گیا تو اللہ اور اس کے رسول تم دونوں سے بری ہوں گے۔ انہوں نے کہا: ہاں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اور میں تم دونوں کا جو مال بھی لوں اور تمہارے خاندان کے جن لوگوں کا خون بہاؤں وہ میرے لئے حلال ہوگا اور تم دونوں میرے عہد و ذمہ سے خارج ہو جاؤ گے؟ دونوں نے کہا: ہاں، اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی ان تمام باتوں پر ابو بکر، عمر، علی، زبیر اور دس یہودیوں کو گواہ بنایا۔

رسول اللہ ﷺ نے ثعلبہ بن سلام بن ابی الحقیق سے کنانہ اور ربیع کے خزانہ کے بارے میں پوچھا: یہ شخص ایک کمزور آدمی تھا، اس نے کہا: مجھے کوئی خبر نہیں، بس اتنی بات جانتا ہوں کہ میں ہر صبح کنانہ کو اس ویران جگہ میں چلتے پھرتے دیکھتا تھا، اور ایک ویران جگہ کی طرف اشارہ کیا۔ اگر اس نے کوئی چیز زمین میں گاڑی ہے تو اسے اس جگہ ہونا چاہئے، چنانچہ آپ ﷺ نے ثعلبہ کے ساتھ زبیر بن عوام اور کچھ دیگر مسلمانوں کو اس ویرانے کی طرف بھیجا۔ انہوں نے ثعلبہ کی رائے کے مطابق ایک جگہ کھودی اور وہاں سے وہ خزانہ نکال لیا۔

کنانہ اور ربیع کا قتل:

جب خزانہ نکال لیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ کنانہ بن ابی الحقیق کو سزا دے تاکہ اس نے جو چھپا رکھا ہے اُسے نکالے۔ زبیر نے اُسے سزا دینی شروع کی، اور اس کے سینے سے چقماق کی چنگاری لگائی، پھر آپ ﷺ نے اسے محمد بن مسلمہ کے حوالے کرنے کا حکم دیا، تاکہ وہ اُسے اپنے بھائی کے بدلے قتل کر دیں یہ کنانہ صفیہ بنت حبیب کا شوہر تھا۔ اور ربیع ابن ابی الحقیق کو بھی سزا دینے کا آپ ﷺ نے حکم دیا، اور اُسے بشر بن براء کے وارثوں کے حوالے کر دیا گیا، جنہوں نے اُسے بشر کے بدلے قتل کر دیا، اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی بد عہدیوں کے سبب ان کے مال و اسباب کو مسلمانوں کے لئے حلال کر دیا، اور ان کے بال بچے قیدی بنا لئے گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہود کی بد عہدی کے سبب ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا، اور ان کے مال و اسباب کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا، اور انہیں خیبر سے جلا وطن کرنا چاہا تو وہ کہنے لگے: اے محمد! ہمیں اسی سر زمین پر رہنے دیجئے، ہم اس کی دیکھ بھال کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے پاس ایسے غلام نہیں تھے جو زمینوں کی کاشت کا کام کرتے اور خود صحابہ کرام کے پاس اس کے لئے وقت نہیں تھا۔ اس لئے انہیں خیبر میں اس شرط پر رہنے دیا کہ انہیں کاشت اور دیکھ بھال کے بدلے کھجور اور دیگر زرعی اشیاء کا ایک حصہ ملے گا^(۱)۔

خیبر کے غنائم:

رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے غنائم کی نگرانی کے لئے فروہ بن عمرو بیاضی کو مقرر کیا، انہوں نے قلعہ نطاہ، قلعہ شق اور قلعہ کتیہ سے حاصل کردہ غنائم کو بھی جمع کیا، اور بہت سے اثاثے، کپڑے، چادریں، ہتھیار، گائے اور بکرے اور بہت سے کھانے کی چیزیں اکٹھا کیں، جب یہ ساری چیزیں جمع ہو گئیں، تو آپ ﷺ نے ان کے پانچ حصے کرنے کا حکم دیا۔ اور ایک حصہ پر اللہ کا نام لکھ دیا گیا، اور باقی چار حصوں کو بیچ دینے کا حکم دیا، چنانچہ فروہ انہیں بیچنے لگے، اور نبی کریم ﷺ ہر خریدار کے لئے برکت کی دعا کرنے لگے۔ فروہ کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ انہیں خریدنے کے لئے ایک دوسرے سے سبقت کرنے لگے، یہاں تک کہ دو دن میں وہ ساری چیزیں بک گئیں جبکہ میں پہلے سمجھتا تھا کہ ان اشیاء کی کثرت کے سبب ان سے ہم چھٹکارا حاصل نہیں کر سکیں گے۔

اور وہ پانچواں حصہ جو رسول اللہ کے لئے مختص ہوا، اس میں سے آپ ﷺ ہتھیار اور کپڑے اپنی مرضی کے مطابق تقسیم کرتے رہے، اور اپنے اہل بیت کو بھی کپڑے اور دیگر اثاثے دیئے، اور بنو عبد المطلب کے کچھ مردوں، عورتوں اور دیگر یتیموں اور مانگنے والوں کو بھی دیا^(۲)۔

خیبر کی زمینیں:

خیبر کی زمینوں کو رسول اللہ ﷺ نے ۳۶ حصوں میں تقسیم کیا، اور ہر حصے کو سو حصوں میں، اس طرح کل تین ہزار چھ سو حصے بن گئے۔ ان میں سے آدھا رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے لئے مختص کر دیا گیا، اور رسول اللہ ﷺ کو دیگر مسلمانوں کی طرح صرف ایک حصہ ملا، اور باقی کو جن کی تعداد ایک ہزار آٹھ سو حصے تھی مسلمانوں کی ناگہانی اور عام ضرورتوں کے لئے مختص کر دیا گیا۔

(۱) دلائل السبقتی: ۳/۲۲۹، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳،

یہ زمینیں ایک ہزار آٹھ سو حصوں میں اس لئے تقسیم کی گئیں کہ یہ اللہ کی طرف سے اہل حدیبیہ کے لئے عطیہ تھیں، چاہے وہ سب خیبر میں حاضر ہوئے ہوں یا نہیں، اور ان کی تعداد ایک ہزار چودہ تھی، اور ان کے پاس دو گھوڑے تھے، اور ہر گھوڑے کے لئے دو حصے تھے، اسی لئے ایک ہزار آٹھ سو حصوں میں زمینیں تقسیم ہوئیں، اس طرح ہر گھوڑا سوار کو تین حصہ اور پیدل مجاہد کو ایک حصہ ملا^(۱)۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے خیبر کی زمین یہود کو اس شرط پر دی کہ وہ اس میں کاشت کریں گے اور اس بدلے انہیں اُس کا ایک حصہ ملے گا^(۲)۔

ابوداؤد کی روایت ہے کہ یہود نے کہا کہ اے محمد! ہمیں اس زمین میں کام کرنے دیجئے اور اس کے بدلے ہمیں آپ اپنی صواب دید کے مطابق ایک حصہ دیجئے گا۔ رسول اللہ ﷺ اپنی بیگمات میں سے ہر ایک کو اُسی (۸۰) وسق کھجور اور بیس (۲۰) وسق جو دیا کرتے تھے^(۳)۔

چنانچہ آپ ﷺ نے خیبر کی زمینیں ایک حصہ کھجور اور کاشت کے بدلے انہی یہودیوں کو دے دی، وہاں کھجور کے درختوں کے نیچے کاشت کی جاتی تھی، آپ ﷺ نے اُن سے کہا: میں تمہیں اس شرط کے مطابق یہاں رہنے دیتا ہوں جو شرط اللہ نے تمہارے لئے رکھی ہے، آپ ﷺ عبداللہ بن رواحہ کو کھجوروں کا اندازہ لگانے کے لئے بھیجتے تھے، انہوں نے چالیس ہزار وسق کا اندازہ لگایا، تو یہودیوں نے ان کے لئے اپنی عورتوں کے زیورات جمع کئے اور کہا کہ یہ آپ کے لئے ہے، آپ ذرا تقسیم کرتے وقت ہمارا خیال کیجئے گا۔ عبداللہ نے کہا: اے یہود کی جماعت! اللہ کی قسم! تم لوگ میرے نزدیک اللہ کی مبغوض ترین مخلوق ہو، لیکن یہ بات مجھے ہرگز تمہارے ساتھ زیادتی کرنے پر نہیں ابھارے گی۔ یہود نے کہا: آسمانوں اور زمین کا قیام اسی عدل و انصاف پر ہے۔

انہی دنوں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ آئے، رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں اپنا نائب سباع بن عرفطہ کو بنایا تھا، ابو ہریرہ نے ان کے پیچھے نماز پڑھی، انہوں نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو کچھ زادِ راہ دے کر خیبر کے لئے روانہ کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے مجاہدین سے بات کی اور ان حضرات کو اموالِ غنیمت میں شریک کر لیا گیا^(۴)۔

(۱) زاد المعاد: ۳/۲۵۸، ۲۵۹، دلائل البیہقی: ۴/۲۳۵، ۲۳۹، ۲۴۰، سنن ابی داؤد، حدیث: (۳۰۱۰، ۳۰۱۲، ۳۰۱۳، ۳۰۱۴، ۳۰۱۵)۔

(۲) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۲۳۸)، صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، حدیث: (۳)۔

(۳) سنن ابی داؤد، الخراج، حدیث: (۲۹۹۰)۔

(۴) مسند احمد: ۴/۳۴۶، ۳۴۵، سند جید کے ساتھ، دلائل البیہقی: ۴/۱۵۸، متدرک حاکم: ۳/۳۶۳-۳۶۴، حاکم نے صحیح کہا، اور ذہبی نے

اُمّ المؤمنین صفیہ بنت حبیب رضی اللہ عنہا:

صفیہ بنت حبیب بن اخطب ان قیدی عورتوں میں سے تھیں جنہیں مسلمانوں نے خیبر کے ایک قلعہ میں گرفتار کیا تھا، صفیہ اپنے اسلام اور نبی کریم ﷺ سے شادی کا واقعہ یوں بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ہمیں مدینہ سے جلا وطن کیا، تو خیبر میں جا کر رہنے لگے۔ اور کنانہ بن ابی الحقیق نے مجھ سے شادی کر لی، اور رسول اللہ ﷺ کے خیبر آنے سے چند دن قبل میری رخصتی ہو گئی، کنانہ نے اونٹ ذبح کئے اور یہودیوں کو ولیمہ کی دعوت دی، اور مجھے سلام میں واقع اپنے قلعہ میں پہنچا دیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک چاندی ثوب سے چلتا ہوا آکر میری گود میں پڑ گیا، میں نے اپنے شوہر کنانہ سے اس بات کا ذکر کیا، تو اس نے میری آنکھ پر ایسا طمانچہ رسید کیا کہ میری آنکھ سوج گئی، میں جب رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچی تو انہوں نے میری آنکھ دیکھ کر مجھ سے پوچھا اور میں نے انہیں واقعہ بتایا۔

صفیہ کہتی ہیں کہ یہود نے اپنے بال بچوں کو کتبیہ کے علاقے میں پہنچا دیا، اور نطاع نامی قلعہ کو مقاتلین کے لئے خالی کر دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ خیبر پہنچے اور نطاع کے قلعوں کو فتح کر لیا تو کنانہ میرے پاس آیا اور کہا کہ محمد نطاع کے قلعوں پر قابض ہو گیا ہے اور یہاں اب کوئی اس سے جنگ کرنے والا نہیں رہا۔ یہاں بہت سے یہود قتل کر دیئے گئے، عربوں نے ہمارے ساتھ جھوٹا وعدہ کیا تھا۔ پھر اس نے مجھے شق کے علاقے میں واقع قلعہ نزار میں پہنچا دیا، یہ قلعہ زیادہ مضبوط تھا۔ رسول اللہ ﷺ قلعہ نزار کی طرف بڑھے، اور آپ کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی میں دیگر مجاہدین کے ذریعہ قید کر لی گئی اور آپ کے خیمے میں بھیج دی گئی۔

آپ شام کے وقت آئے اور مجھے بلایا، میں ان کے پاس چہرے پر نقاب ڈالے شرماتی ہوئی آئی اور سامنے بیٹھ گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم اپنے دین پر باقی رہنا چاہو گی تو میں تمہیں مجبور نہیں کرتا، اور اگر اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کر دو گی تو وہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ صفیہ نے کہا: میں اللہ اور اس کے رسول اور دین اسلام کو اختیار کرتی ہوں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے آزاد کر دیا، اور مجھ سے شادی کر لی، اور میری آزادی کو میری مہر قرار دی۔ رسول اللہ ﷺ نے جب مدینہ کے لئے روانہ ہونا چاہا تو صحابہ کرام نے آپس میں کہا: ہم آج جان لیں گے کہ صفیہ بیوی ہے یا لونڈی، اگر وہ آپ ﷺ کی بیوی ہو گی تو اسے پردے میں رکھیں گے ورنہ وہ لونڈی ہو گی۔ چنانچہ جب آپ نکلے تو پردہ کے انتظام کا حکم دیا، اور میں پردہ میں بیٹھا دی گئی، اور سمجھ لیا گیا کہ میں بیوی ہوں، پھر آپ ﷺ نے اونٹ کو میرے قریب کیا اور اپنے ران کو آگے بڑھایا، تاکہ میں اس پر اپنا پاؤں رکھ کر سوار ہو جاؤں، میں نے ایسا کرنا بڑی بات سمجھی اور اپنی ران اُن کی ران پر رکھ کر سوار ہو گئی۔

رسول اللہ ﷺ کی بیویاں میرے خلاف بطور فخر کہا کرتی تھیں کہ یہ تو یہودی کی بیٹی ہے، اور میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھتی کہ وہ میرے ساتھ لطف و مہربانی کا معاملہ کرتے۔ ایک دن آپ ﷺ میرے پاس آئے تو میں رو رہی تھی، آپ ﷺ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ میں نے کہا: آپ کی بیویاں میرے سامنے بطور فخر کہا کرتی ہیں: اے یہودی کی بیٹی! صفیہ کہتی ہیں: میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ناراض ہو گئے، پھر کہا: اگر وہ سب دوبارہ تم سے ایسا کہیں، یا تمہارے خلاف فخر کریں تو کہو: میرے باپ ہارون اور میرے چچا موسیٰ تھے^(۱)۔

وہ مسلمان عورتیں جو غزوہ خیبر میں شریک ہوئیں:

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ خیبر میں کچھ مسلمان عورتیں بھی شریک ہوئیں جنہیں آپ ﷺ نے مالِ فی میں سے حصہ دیا۔ ابوصلت کی بیٹی نے ایک غفاری عورت سے روایت کی ہے کہ میں بنی غفار کی کچھ عورتوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی، آپ خیبر کے لئے روانہ ہو رہے تھے، عورتوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم بھی آپ کے ساتھ چلنا چاہتے ہیں، ہم زخمیوں کا علاج کریں گے اور حسب استطاعت مجاہدین کی مدد کریں گے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ اللہ کا نام لے کر نکل پڑو، غفاریہ کا بیان ہے کہ ہم آپ کے ساتھ خیبر گئے، اور ہمیں مالِ فی میں سے ایک حصہ ملا، اور یہ ہار جو میرے گلے میں لٹک رہا ہے وہ مجھے آپ ﷺ نے دیا، اور اپنے ہاتھ سے میرے گلے میں ڈال دیا، اللہ کی قسم! یہ ہار کبھی بھی مجھ سے جدا نہیں ہوگا، چنانچہ جب ان کا انتقال ہوا تو وہ ان کے گلے میں تھا، اور انہوں نے وصیت کی کہ اسے ان کے ساتھ ہی دفن کر دیا جائے^(۲)۔

زہر آلود بکری کا واقعہ:

رسول اللہ ﷺ نے جب خیبر کو فتح کر لیا، اور مطمئن ہو گئے تو سلام بن مشکم کی بیوی زینب بنت حارث نے صحابہ سے پوچھا: محمد کو بکری کا کون سا گوشت پسند ہے، انہوں نے کہا: بازو اور شانہ، وہ اپنے گھر گئی، ایک بکری ذبح کیا، اور اس میں ایک خاص قسم کا زہر ملایا، پھر اس نے یہودیوں سے انواع و اقسام کے زہر کے بارے میں مشورہ کیا، تو سب نے اس کو اسی زہر کا مشورہ دیا جو اس نے بکری کے گوشت میں ملایا تھا، اور دونوں بازوؤں اور شانوں میں زیادہ زہر ملایا۔

جب آفتاب غروب ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ مغرب کی نماز ادا کر کے اپنی اقامت کی جگہ لوٹ گئے، وہاں

(۱) مغازی الواقدی: ص ۶۷۵، ۶۷۴، صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۲۱۱، ۴۲۱۳، ۴۲۰۱) صحیح مسلم، الکاح، حدیث: (۱۳۶۵)۔

(۲) الاکتفاء: (۱۹۴/۲)۔

آپ نے خیمے کے پاس اسی زینب کو بیٹھی دیکھا تو اس سے آنے کا سبب پوچھا: اس نے کہا: ابو القاسم میں آپ کے لئے ایک ہدیہ لائی ہوں، رسول اللہ ﷺ ہدیہ کھاتے تھے، اور صدقہ نہیں کھاتے تھے، آپ نے اس عورت سے ہدیہ لے لینے کو کہا جو اس کے سامنے رکھا تھا۔

پھر آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے کہا: قریب آؤ اور رات کا کھانا کھاؤ۔ سب قریب ہوئے اور اپنے ہاتھ بڑھا دیئے، آپ نے بازو لیا اور بشر بن براء نے ایک ہڈی لی، آپ نے ایک بار دانت سے نوچا اور بشر نے بھی نوچا، اور جب آپ نے چبلیا تو بشر نے بھی چبلیا، آپ نے فوراً کہا: تم لوگ رُک جاؤ، یہ بازو مجھے بتا رہا ہے کہ یہ زہر آلود ہے۔ بشر نے کہا: یا رسول اللہ، اللہ کی قسم! میں نے بھی اپنے لقمے میں آپ ہی جیسا ذائقہ پایا ہے، لیکن میں نے اسے اس لئے نہیں اگلا کہ میں آپ کے کھانے کو بد مزہ نہیں کرنا چاہتا تھا، اور جب آپ نے اپنے ہاتھ میں موجود گوشت کو کھانا شروع کیا تو میں نے بھی ویسا ہی کیا، بشر اپنی جگہ سے ابھی کھڑے بھی نہیں ہوئے تھے کہ ان کا رنگ بدل گیا اور اس زہر کا درد ایک سال تک انہیں پریشان کرتا رہا جس کے زیر اثر وہ اپنی جگہ سے بذات خود ہل بھی نہیں سکتے تھے، پھر اسی کے زیر اثر ان کی وفات ہو گئی، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی جگہ سے اٹھ بھی نہیں سکے یہاں تک کہ وفات پا گئے، اور رسول اللہ ﷺ اس کے بعد تین سال تک زندہ رہے۔

رسول اللہ ﷺ نے زینب کو بلا کر پوچھا: کیا تم نے بکری کے بازو میں زہر ملا دیا تھا، اس نے کہا: آپ کو کس نے خبر دی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: بازو نے۔ اس عورت نے کہا: ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں کس بات نے ایسا کرنے پر ابھارا؟ اس نے کہا: تم نے میرے باپ، میرے چچا، اور میرے شوہر کو قتل کر دیا (اس کا باپ حارث، چچا یاسر اور شوہر سلام بن مشکم تھا) اور میری قوم کو اتنا زبردست نقصان پہنچایا، اس لئے میں نے سوچا، اگر وہ نبی ہوگا، تو بکری اُسے زہر کے بارے میں بتا دے گی، اور اگر بادشاہ ہوگا تو ہمیں اس سے راحت مل جائے گی۔

اس عورت کے بارے میں صحابہ کی مختلف رائے ہوئی، کسی نے کہا: اسے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے قتل کر دیا گیا، پھر سولی پر لٹکا دی گئی، کسی نے کہا: آپ نے اُسے معاف کر دیا۔ اور آپ کے ساتھ تین صحابہ نے کھانے میں ہاتھ ڈالا تھا، اور اسے بذائقہ پایا تھا، آپ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اپنے سروں میں پھینچی لگالیں، اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے بائیں مونڈھے کے نیچے پھینچی لگوائی، ایک خیال یہ بھی ہے کہ ہند نے آپ کی گردن کے قریب مونڈھے کے اوپر پھینچی لگائی تھی۔

محدثین نے ان مختلف روایتوں کے درمیان مطابقت پیدا کرتے ہوئے کہا ہے کہ نبی کریم ﷺ پہلے تو اس عورت کے بارے میں خاموش رہے، پھر بشر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اسے بحق قصاص قتل کر دیا، ابوداؤد کی

ایک روایت میں جابر کا قول ہے کہ نبی کریم ﷺ کے حکم سے اُسے قتل کر دیا گیا، یعنی بشر بن براء کی وفات کے بعد، جیسا کہ ابو ہریرہ سے مروی ایک متصل روایت میں آیا ہے۔^(۱)

جعفر بن ابوطالب اور ان کے ساتھیوں کی حبشہ سے آمد اور انہیں مالِ غنیمت سے حصہ دیا جانا: ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم جب یمن میں تھے تو رسول اللہ ﷺ کے مدینہ کے لئے نکلنے کی خبر ہوئی، چنانچہ ہم لوگ ہجرت کی نیت سے نکل پڑے، ہم تین بھائی تھے، میں دونوں سے چھوٹا تھا، ایک ابو بردہ اور دوسرے ابو زہم تھے، اور ہمارے ساتھ ہماری قوم کے دیگر باون یا تیرپن آدمی تھے، ہم تمام ایک کشتی میں سوار ہوئے، جس نے ہمیں حبشہ کے نجاشی کے پاس پہنچا دیا، وہاں ہماری ملاقات جعفر اور ان کے ساتھیوں سے ہوئی۔ جعفر نے کہا: ہمیں یہاں رسول اللہ نے بھیجا ہے اور یہیں اقامت پذیر ہونے کا حکم دیا ہے، اس لئے تم لوگ بھی ہمارے ساتھ رہ جاؤ۔ چنانچہ ہم سب ان کے ساتھ رہنے لگے اور انہی کے ساتھ مدینہ آئے، اُس وقت رسول اللہ ﷺ نے خیبر کو فتح کر لیا تھا، آپ نے ہمیں بھی وہاں کے مالِ غنیمت سے حصہ دیا۔ جو لوگ فتح خیبر سے غیر حاضر رہے ان میں سے کسی کو آپ نے کوئی حصہ نہیں دیا، سوائے جعفر اور ان کے ساتھیوں کے، اور ان کے ساتھ کشتی میں سوار ہونے والے ہمارے ساتھیوں کے، ان تمام لوگوں کو آپ نے حصہ دیا۔

ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ کچھ لوگ ہم اہل سفینہ سے کہتے تھے کہ ہم لوگ ہجرت کرنے میں تم سے سبقت لے گئے ہیں، چنانچہ ایک دن اسماء بنت عمیس نبی کریم ﷺ کی بیوی حفصہ کے پاس گئیں، یہ اسماء بھی مکہ سے ہجرت کر کے نجاشی کے پاس گئی تھیں، عمر اپنی بیٹی حفصہ کے پاس آئے تو اسماء کو ان کے پاس بیٹھی دیکھا، عمر نے پوچھا: یہ کون ہے؟ حفصہ نے کہا: اسماء بنت عمیس، عمر نے کہا: کیا یہی ہے حبشہ والی؟ کیا یہی ہے سمندر میں سفر کرنے والی؟ اسماء نے کہا: ہاں، عمر نے کہا: ہم لوگ ہجرت میں تم لوگوں سے سبقت کر گئے، اس لئے ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے تم سے زیادہ حقدار ہیں، اس بات پر اسماء ناراض ہو گئیں اور کہا: اے عمر! آپ جھوٹ بولتے ہیں۔ اللہ کی قسم! ایسا ہرگز نہیں ہے، آپ لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے وہ آپ میں سے بھوکے کو کھانا کھلاتے تھے، اور جاہل کو نصیحت کرتے تھے، اور ہم تو دور دراز سرزمین حبشہ میں تھے، اور صرف اللہ اور اس کے رسول کے لئے یہ سب برداشت کرتے رہے، اللہ کی قسم! میں نہ کھانا کھاؤں گی اور نہ پانی پیوں گی یہاں تک کہ میں رسول اللہ ﷺ کو آپ کی بات بتاؤں، اور ہم تو وہاں ستائے جاتے تھے، اور ہر وقت خوف و ہراس دامن گیر رہتا تھا، میں رسول اللہ ﷺ کو

(۱) دلائل النبی: ۴/۲۶۱، ۲۶۲، مغازی الواقفی: ۲/۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸

یہ سب باتیں بتاؤں گی اور آپ سے پوچھوں گی۔ اللہ کی قسم! نہ میں جھوٹ بولوں گی اور نہ میں انحراف کروں گی اور نہ میں اس میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ کروں گی۔ ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو اسماء نے کہا: اے اللہ کے نبی! عمر نے ایسا اور ایسا کہا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ تم لوگوں سے زیادہ میرے حقدار نہیں ہو سکتے، اُن کو اور اُن کے ساتھیوں کو تو ایک ہجرت کا ثواب ملے گا۔ اور تم اہل سفینہ نے تو دوبار ہجرت کی ہے^(۱)۔

مہاجرین نے انصار کو ان کے عطیات واپس کر دیئے:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب مہاجرین مکہ سے مدینہ آئے تو اُن کے پاس کچھ بھی نہ تھا، اور انصار مدینہ کے پاس زمین اور جائیدادیں تھیں، انہوں نے مہاجرین کو اپنی زمینیں اس شرط پر دیں کہ وہ انہیں آباد کریں گے اور پھلوں اور اناجوں کا نصف حصہ لے لیں گے۔ انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ نے رسول اللہ ﷺ کو کھجور کا ایک درخت عطیہ کیا تھا، آپ ﷺ نے وہ درخت اپنی آزاد کردہ باندی اُمّ ایمن کو دے دیا جو اُسامہ بن زید کی بھی ماں تھیں۔ رسول ﷺ جب غزوہ خیبر سے مدینہ واپس تشریف لائے، اور مہاجرین نے انصار کو اُن کے عطیات واپس کر دیئے تو آپ ﷺ نے بھی اُمّ انس کو اُن کا درخت واپس کر دیا، اور اُمّ ایمن کو اُس کے عوض اپنے باغ کا ایک درخت عطا کیا^(۲)۔

اور امام بخاری نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ جب خیبر فتح ہوا تو ہم کہنے لگے: اب ہم پیٹ بھر کر کھجوریں کھائیں گے^(۳)۔

معمر کہ خیبر میں شہدائے اسلام:

ابن اسحاق کی روایت کے مطابق مسلمان شہداء کی تعداد بیس تھی، چار مہاجرین اور سولہ انصار۔ اور واقدی نے لکھا ہے کہ ان کی تعداد پندرہ تھی، اور ان کے نام اور اُن جگہوں کے نام لکھے ہیں جہاں یہ صحابہ کرام شہید ہوئے تھے۔ واقدی نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہود مقتولین کی تعداد تیرانوے تھی، اور اُن کی عورتیں اور بچے قیدی بنائے گئے، اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو ذلیل و رسوا کیا کہ وہ اپنے مضبوط قلعوں سے دفاع کرتے ہوئے مسلمان شہداء سے کہیں

(۱) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۲۳۱، ۴۲۳۰) صحیح مسلم، فضائل الصحابہ، حدیث: (۲۵۰۳، ۲۵۰۲) وغیرہ۔

(۲) صحیح مسلم، الجہاد، حدیث: (۱۷۷۱) صحیح البخاری، کتاب الہیۃ، حدیث: (۲۶۳۰)

(۳) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۲۴۲، ۴۲۴۳)

زیادہ تعداد میں قتل ہوئے جبکہ مسلمان کھلے میدانوں میں تھے اور وہ لوگ بند قلعوں میں۔

یہودِ فدک:

رسول کریم ﷺ جب خیبر کے لئے روانہ ہوئے تو مخیصہ بن مسعود کو ”فدک“ بھیجا جو خیبر کے شمال میں مدینہ سے دودن کی مسافت پر واقع تھا، تاکہ وہ انہیں اسلام کی دعوت دیں اور جنگ کے نتائج سے ڈرائیں۔ مخیصہ وہاں دو دن رہے، اور یہود آپ کی فوج کا انتظار کرنے لگے اور کہنے لگے: ”ہم نہیں سمجھتے کہ محمد ہمارے علاقہ میں پہنچ سکے گا، خیبر میں دس ہزار یہودی فوجی موجود ہیں۔“

وہ اسی گونگو میں رہے یہاں تک کہ ان کو قلعہ ناعم میں پناہ گزینوں کے قتل کئے جانے کی خبر ملی تو ان کے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے، اور بالآخر رسول اللہ ﷺ سے اس شرط پر مصالحت کر لی کہ آپ ﷺ انہیں قتل نہیں کریں بلکہ انہیں صرف جلاوطن کرنے پر اکتفا کریں گے، اور ان کی جائیدادیں رسول اللہ ﷺ کے زیر تصرف ہو جائیں گی۔ شروطِ صلح کے مطابق یہ بات طے پائی کہ آدھی زمینیں ان کی ہوں گی، اور آدھی رسول اللہ کی۔ فدک کی یہ زمینیں رسول اللہ ﷺ کے پاس رہیں، اس لئے کہ یہ بغیر کسی جنگی کارروائی کے حاصل ہوئی تھیں۔

یہودِ وادیِ قریٰ:

رسول اللہ ﷺ نے خیبر سے واپسی کے وقت وادیِ قریٰ کا ارادہ کیا جو خیبر اور یمام کے درمیان چند بستیاں تھیں۔ آپ ﷺ جب صہباء پہنچے تو وہاں سے مضافاتِ مدینہ میں واقع ”برمہ“ کی طرف چل پڑے (جو خیبر اور وادیِ قریٰ کے درمیان واقع ہے، اور جہاں چشمے اور کھجور کے باغات ہیں) وہاں سے آپ ﷺ وادیِ قریٰ پہنچے جہاں یہود کی آبادی تھی، اور کچھ عرب بھی رہائش پذیر تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو جنگ کے لئے تیار کیا اور ان کی صف بندی کر دی، پھر یہود کو اسلام کی دعوت دی اور انہیں بتایا کہ اگر وہ مسلمان ہو جائیں گے تو ان کے اموال اور ان کی جانیں محفوظ ہو جائیں گی، اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے حوالے ہوگا۔ انہوں نے انکار کر دیا اور جنگ کے لئے آمادہ ہو گئے۔ اُس دن شام تک جنگ ہوتی رہی، دوسرے دن صبح کے وقت سورج چڑھنے کے بعد یہود نے شکست قبول کر لی۔ جنگ میں گیارہ یہود قتل کئے گئے، اس طرح رسول اللہ ﷺ نے وادیِ قریٰ کو جنگ کے ذریعہ فتح کیا۔ اسی لئے ان یہود کے اموال کو مسلمان مجاہدین کے لئے اموالِ غنیمت قرار دیا۔ مسلمانوں کو وہاں بہت سے اموال و متاع ہاتھ آئے۔

آپ ﷺ نے وہاں چار دن قیام کیا، اموالِ غنیمت کو صحابہ کرام کے درمیان تقسیم کر دیا، اور زراعتی زمینوں

اور کھجوروں کی کاشت کا کام یہود کے ذمہ لگا دیا جس طرح آپ ﷺ نے اہل خیبر اور ان کی زمینوں کے ساتھ معاملہ کیا تھا۔

یہود یتیماء:

یہود یتیماء کو جب رسول کریم ﷺ کے خیبر، فدک اور وادیِ قرئی کے یہود کے ساتھ حسن معاملہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے فوراً ہی ادائیگیِ جزیہ کی شرط پر مصالحت کر لی، اور اپنے شہر میں ہی رہنے لگے، اور ان کی زمینیں انہی کے زیرِ تصرف رہیں۔ جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے خیبر و فدک کے یہود کو تو وہاں سے نکال دیا، اور یتیماء اور وادیِ قرئی والوں کو ان کے علاقوں سے نہیں نکالا اس لئے کہ یہ دونوں علاقے سر زمینِ شام میں داخل ہیں، اُن کا خیال تھا کہ مدینہ سے وادیِ قرئی تک کا علاقہ حجاز ہے، اور اس کے بعد شام کی سرحد شروع ہو جاتی ہے۔

عمر بن عبدالعزیز کی ایک روایت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اہل فدک و یتیماء اور اہل خیبر کو جلا وطن کر دیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ اواخر صفر یا اوائل ربیع الاول سن سات ہجری میں مدینہ واپس آ گئے (۱)۔

فجر کی نماز کے لئے عدمِ بیداری:

نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام مدینہ واپس آتے ہوئے رات کے وقت ایک جگہ نیند سے مغلوب ہو کر سو گئے، اور آپ ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ کو مکلف کیا کہ وہ فجر کی نماز کے لئے سب کو بیدار کریں، لیکن اُن کو نیند آ گئی اور رسول اللہ ﷺ کو بھی نیند آ گئی، نہ آپ ﷺ کی آنکھ کھلی، نہ بلال کی، اور نہ کسی دوسرے صحابی کی، یہاں تک کہ آفتاب نکل آیا، اور فجر کی نماز کا وقت جاتا رہا۔

امام مسلم اور دیگر محدثین نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غزوہ خیبر سے واپس لوٹے تو رات کے وقت آپ کو نیند آنے لگی، چنانچہ آپ ﷺ نے ایک جگہ پڑاؤ ڈال دیا، اور بلال سے فرمایا کہ وہ پہرہ دیں۔ بلال سے جب تک ہوس کا نماز پڑھتے رہے، اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام سو گئے، صبح جب قریب ہوئی تو بلال فجر کے مطلع کی طرف رخ کر کے اپنی سواری سے ٹیک لگا کر آرام کرنے لگے، لیکن ان کو نیند آ گئی، اور رسول اللہ ﷺ بیدار نہ ہو سکے، نہ بلال رضی اللہ عنہ اور نہ کوئی دیگر صحابی، یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے بیدار ہوئے، تو گھبرا کر اُٹھے، اور فرمایا: اے بلال یہ تم نے کیا کیا؟ بلال نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں، مجھے بھی نیند آگئی، جس طرح آپ کو آگئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہاں سے چلو، چنانچہ سب اپنی اپنی سواریوں کے ساتھ کچھ آگے بڑھ گئے۔ پھر آپ ﷺ نے وضو کیا اور بلال کو اقامت کہنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی، اور نماز کے بعد فرمایا: جو شخص نماز پڑھنا بھول جائے، جب اسے یاد آئے تو پڑھ لے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾ (مجھے یاد کرنے کے لئے نماز کو قائم کرو) [طہ: ۱۳]۔

تمام یہودی مراکز پر قبضہ، اور فتح خیبر کے نتائج:

تمام یہودی قلعے اپنی بے حد مضبوطی اور مقاتلین واسلحہ اور دیگر جنگی اسباب کی فراوانی کے باوجود مسلمانوں کی ایمانی طاقت کے سامنے دھڑام سے گر گئے، اور فتح خیبر کی بازگشت تمام قبائل عرب میں تیزی کے ساتھ پھیل گئی، سب کو اس خبر نے حیرت میں ڈال دیا اور کبھی مرعوب ہو گئے، اور رسول اللہ ﷺ سے دشمنی کرنے سے باز آ گئے، سب آپ ﷺ سے صلح و آشتی کی بھیک مانگنے لگے، اور دعوتِ اسلامیہ کے لئے نئی راہیں ہموار ہو گئیں۔ فتح خیبر کا مسلمانوں کے اقتصادی احوال کو درست کرنے میں بڑا کردار رہا۔ چنانچہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اب ہم پیٹ بھر کر کھوریں کھائیں گے۔ اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم فتح خیبر کے بعد ہی سیر ہو کر کھا سکے۔ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کا ان جنگی کارروائیوں سے مقصود شر و فساد کی جڑ کو کاٹ دینا، اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یہود کی سازشوں کا خاتمہ کرنا تھا، جیسا کہ غزوہ خیبر کے اسباب کے بیان میں گزر چکا ہے۔

ہمیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آپ ﷺ نے بہر حال حصولِ اموالِ غنیمت پر یہود کے اسلام لانے کو ترجیح دی، اسی لئے کسی بھی جنگی کارروائی سے قبل آپ ﷺ یہود کو اسلام کی دعوت دیتے تھے، لیکن اللہ نے ان کے دل کی طرف جانے والے اسلام کے تمام راستوں کو بند کر دیا تھا۔ اسی لئے انہوں نے اسلام کو قبول نہیں کیا، اور قتل کئے جانے، ذلت و رسوائی اور در بدر کی ٹھوکریں کھانے کو قبول کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے: ﴿وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ (اور تم کچھ چاہ نہیں سکتے جب تک کہ اللہ نہ چاہے جو سارے جہان کا رب ہے) [التکویر: ۲۹]۔

اس طرح یہود کی جنگی سازشوں نے دم توڑ دیا اور زمانہ بعید سے حجاز میں عربوں کے خلاف اُن کی ظالمانہ اقتصادی کارروائیوں کا خاتمہ ہو گیا، مسلمان یہودی مکرو فریب سے نجات پا کر جزیرہ عرب کو اسلام کے جھنڈے

تلے یکجا کرنے میں لگ گئے، اور اللہ کی توفیق سے جلد ہی یہ کام ہو گیا، اور علم اسلام جزیرہ عرب میں ہر جگہ لہرانے لگا۔ سچ ہے کہ بہر حال اللہ کا حکم ہی غالب ہوتا ہے۔

غزوہ خیبر سے مستفاد فقہی احکام:

غزوہ خیبر کی تفصیلات سے بہت سارے فقہی احکام مأخوذ ہیں، جن میں سے بعض کا ذکر واقعات کے ضمن میں ہو چکا ہے۔ مزید کچھ دیگر اہم احکام یہاں بیان کئے جاتے ہیں۔

(۱) کافروں سے حرام مہینوں میں بھی جنگ کرنی جائز ہے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ یہود خیبر سے نمٹنے کے لئے ماہ محرم میں روانہ ہوئے تھے۔

(۲) جس قوم کو پہلے اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہو، اس پر بغیر کسی اطلاع دیئے حملہ کیا جاسکتا ہے۔

(۳) اموال غنیمت کی تقسیم بایں طور ہوگی کہ گھوڑ سوار کو تین حصہ اور پیدل مجاہد کو ایک حصہ ملے گا۔

(۴) بعض افراد فوج کو اگر دشمنوں کی سرزمین پر کوئی کھانے کی چیز ملے تو اس کے لئے اس کا کھانا جائز ہے۔

(۵) اگر جنگ ختم ہونے کے بعد کوئی فوجی دستہ میدان جنگ میں پہنچے تو اس کے لئے فوج کی اجازت کے بغیر مال غنیمت میں کوئی حصہ نہیں۔

(۶) پالتو گدھے کا گوشت حرام ہے، اس لئے کہ وہ ناجائز و ناپاک ہے۔

(۷) نکاح مضعہ حرام ہے، جیسا کہ بخاری و مسلم میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(۸) کاشت کے لئے کسی کو زمین دینی اس کے بعض پھل یا نالج کے عوض جائز ہے۔

(۹) معاہدہ صلح و امن کو کسی شرط کے ساتھ مشروط کرنا جائز ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود خیبر کے

ساتھ معاہدہ صلح کو اس شرط کا پابند کیا تھا کہ وہ لوگ کسی چیز کو نہ چھپائیں، اور یہ کہ اُن میں سے جو کوئی اس شرط کی مخالفت کرے گا اس کا معاہدہ ٹوٹ جائے گا، اور اس کا قتل کرنا جائز ہو جائے گا۔

(۱۰) فقہی احکام میں علامات و قرائن کا اعتبار ہوتا ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے کنانہ بن ابی الحقیق

سے کہا تھا: مال زیادہ تھا، اور زمانہ بالکل قریب ہے۔ آپ ﷺ نے اس قرینہ سے اس کی کذب بیانی پر استدلال کیا کہ جنگوں اور دیگر مصارف میں مال ختم ہو گیا۔

(۱۱) جو علاقہ فوج کشی کر کے فتح کیا گیا ہو، اس میں امام کو اختیار ہے، چاہے تو اسے مجاہدین کے درمیان

تقسیم کرے، اور چاہے تو ایسا نہ کرے، یا کچھ کو تقسیم کرے، اور کچھ کو نہیں۔

(۱۲) مسلمان کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی لونڈی کو آزاد کر کے اس سے اس کی آزادی کے عوض شادی کر لے۔ اور ایسا کرنے کے لئے نہ اس لونڈی کی اجازت کی ضرورت ہے، نہ ہی اس کے سوا کسی دوسرے ولی کی، اور نہ زواج و نکاح کا لفظ استعمال کرنے کی، جیسا کہ آپ ﷺ نے صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کیا۔

(۱۳) اہل کتاب کا بیچہ اور ان کا کھانا جائز ہے۔

(۱۴) کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔

سرِیہ عمر بن خطاب تر بہ کے قبیلہ ہوازن کی طرف:

شعبان بن سات ہجری میں رسول کریم ﷺ کو خبر ملی کہ ہوازن کی ایک جماعت جو مکہ سے دودن کی مسافت پر واقع مقام تر بہ میں رہائش پزیر تھی، مسلمانوں سے اظہارِ عداوت کرتی ہے، آپ ﷺ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو تیس آدمی پر مشتمل ایک سرِیہ کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ عمر رضی اللہ عنہ بنی ہلال کے ایک رہنما کے ساتھ نکلے، رات کو چلتے اور دن کو چھپ جاتے۔ لیکن ہوازن والوں کو خبر ہو گئی اور وہ بھاگ پڑے، عمر رضی اللہ عنہ ان کے مقام رہائش پر پہنچے تو وہاں کسی کو نہ پایا، اور مدینہ واپس آ گئے^(۱)۔

سرِیہ ابوبکر دیار نجد کے قبیلہ بنی کلاب کی طرف:

رسول اللہ ﷺ نے اسی سال ماہ شعبان میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فزارہ کی طرف بھیجا۔ سلمہ بن الأكوع کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر کو فزارہ کی طرف بھیجا، ہم جب ان کے پانی کے قریب پہنچے، تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پڑاؤ ڈال دیا، جب ہم نے فجر کی نماز پڑھ لی تو انہوں نے اُن پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ جب ان کے پانی کے پاس پہنچے تو ابوبکر اور ہم نے دشمنوں میں سے کچھ کو قتل کیا۔ سلمہ کہتے ہیں: ہماری نظر کچھ گردنوں پر پڑی تو میں ڈرا کہ یہ لوگ کہیں سبقت کر کے ہم سے پہلے پہاڑ تک نہ پہنچ جائیں، چنانچہ میں نے اُن کے اور پہاڑ کے درمیان ایک تیر پھینکا، انہوں نے جب تیر دیکھا تو کھڑے ہو گئے، اور میں اُن سب کو ہانک کر ابوبکر کے پاس لے آیا۔^(۲)

سرِیہ بشیر بن سعد انصاری فدک کے بنی مرہ کی طرف:

اسی ماہ شعبان میں ہی رسول اللہ ﷺ نے بشیر بن سعد انصاری کو تیس آدمی کے ساتھ فدک میں مقیم بنی مرہ کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ جب وہاں پہنچے تو کوئی نہیں ملا، صرف ان کے اونٹ اور بکریاں ملیں جنہیں وہ ہانک کر

(۱) مغازی الواقدی: ۷۲۲/۲، عیون الاثر: ۱۸۸/۲۔

(۲) صحیح مسلم، الجہاد، حدیث: (۱۷۵۵) ابوداؤد، الجہاد، حدیث: (۲۶۹۷)، مسند احمد: ۳۶۱/۳، مغازی الواقدی: ۷۲۲/۲۔

مدینہ کی طرف چل پڑے، لیکن ابھی بشیر وادی میں ہی تھے کہ بنی مُرہ کے ایک آدمی نے چیخ کر اپنی قوم کو آواز دی۔ اور انہوں نے بشیر کو آگیا، اور دونوں طرف سے تیر اندازی شروع ہو گئی یہاں تک کہ بشیر اور ان کے ساتھیوں کے تیر ختم ہو گئے، اور صبح ہو گئی، صبح کے وقت دونوں جماعتوں کے درمیان سخت لڑائی ہوئی جس میں اکثر مسلمان شہید ہو گئے، اور بشیر بُری طرح زخمی ہو کر مسلمان مقتولین کے درمیان پڑے رہے جب شام ہوئی تو بڑی مشکل سے چل کر فدک پہنچے، اور ایک یہودی کے پاس چند دن رُکے رہے یہاں تک کہ اُن کا زخم کچھ مندمل ہو گیا تب کسی طرح مدینہ پہنچے۔

پھر آپ ﷺ نے غالب بن عبد اللہ کو دو سو آدمیوں کی معیت میں بھیجا، اُن کے ساتھ اُسامہ بن زید تھے، جب یہ لوگ بشیر اور ان کے ساتھیوں کی جگہ پر پہنچے، تو بنی مُرہ کے آدمی برسرِ پیکار ہو گئے، ایک گھنٹہ تک جنگ ہوتی رہی، اس کے بعد مسلمان مجاہدین نے اپنے دشمنوں کو اپنی تلواروں کی آبی پر لے لیا، انہیں قتل کیا، اور اُن کی عورتوں اور جانوروں پر قبضہ کر لیا۔ اس جنگ کے غنائم سے ہر ایک مجاہد کو دس دس اونٹ یا اسی کے مساوی بکریاں ملیں (۱)۔

سریہ غالب بن عبد اللہ لیشی مقام مِیْفَعہ کی طرف:

رمضان سن سات ہجری میں اللہ کے رسول ﷺ نے غالب بن عبد اللہ کو مِیْفَعہ والوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا جو بطنِ نخل کے بعد نجد کے علاقہ میں واقع تھا، اُن کے ساتھ ایک سو تیس سوار تھے، اور اُن کے رہنما نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام یسار تھے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے کافروں پر حملہ کر دیا، اُن میں سے کچھ کو قتل کیا اور کچھ کو قیدی بنالیا۔ اور جب معرکہ جاری تھا تو اُسامہ بن زید نے ایک مشرک کا پیچھا کیا، جب اس آدمی نے موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے رقص کرتے دیکھا تو پکار اُٹھا: لا الہ الا اللہ، لیکن اُسامہ نے یہ سمجھ کر اسے قتل کر دیا کہ اس نے محض اپنی موت کے ڈر سے کلمہ پڑھا ہے۔ یہ خبر جب رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو فرمایا: اے اسامہ! تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھا کہ وہ صادق تھا یا کاذب۔ اُسامہ نے کہا: میں اب کسی ایسے آدمی کو ہرگز قتل نہیں کروں گا جو اس بات کی گواہی دے گا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اور صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اسامہ! کیا تم نے اس کی زبان سے کلمہ لا الہ الا اللہ سننے کے بعد اُسے قتل کر دیا؟ اُسامہ نے کہا: اس نے اپنی جان بچانے کی کوشش کی تھی، اُسامہ کہتے ہیں:

رسول اللہ اس بات کو بار بار دہراتے رہے یہاں تک کہ میں نے تمنا کی کاش میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا (۱)۔
 سریہ بشیر بن سعد انصاری یمن و بجاہ کی طرف:

یہ سریہ ماہ شوال سن سات ہجری میں بھیجا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی کہ مقام حجاب میں رہائش پذیر قبیلہ غطفان کے کچھ لوگوں سے عسینہ بن حصن الفزاری نے وعدہ کیا ہے کہ سب اکٹھا ہو کر رسول اللہ ﷺ پر مدینہ میں حملہ کریں گے۔ آپ ﷺ نے بشیر بن سعد کو بلا کر ایک جھنڈا دیا، اور تین سو آدمی کی معیت میں ان کو روانہ کیا، یہ لوگ رات کو سفر کرتے اور دن کو چھپ جاتے، یہاں تک کہ یمن و بجاہ پہنچے، پھر دشمنوں کے قریب پہنچے، اور ان کے بہت سارے جانوروں پر قابض ہو گئے، چرواہے بھاگ پڑے، اور جا کر سب کو خبر کر دی، پھر کبھی بھاگ پڑے اور علاقہ کی بالائی جگہوں پر جا کر پناہ گزیں ہو گئے۔ بشیر اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان کی جگہ پہنچے تو وہاں کوئی نہ تھا۔ اس لئے جانوروں کو لے کر واپس چل پڑے، جب مقام ”سلاح“ پر پہنچے تو عسینہ کا ایک جاسوس ملا، انہوں نے اُسے پکڑ کر قتل کر دیا۔ پھر عسینہ کو اچانک جالیا اور ان کے ساتھ جھڑپیں ہونے لگیں، اور آخر میں عسینہ کی جماعت بھاگ پڑی، صحابہ کرام نے ان کا پیچھا کیا، اور ایک دو آدمی کو قیدی بنا کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے حاضر کیا، وہاں وہ مسلمان ہو گئے، تو آپ ﷺ نے انہیں چھوڑ دیا (۲)۔

عمرة القضاء:

سن سات ہجری میں جب ماہ ذی القعدہ کا چاند طلوع ہوا، یعنی خیبر سے واپسی کے تقریباً چار ماہ بعد، تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو عمرہ کرنے کا حکم دیا، اور فرمایا کہ جو لوگ صلح حدیبیہ میں شریک ہوئے تھے ان میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہے، سوائے ان کے جو معرکہ خیبر میں شہید ہو گئے، یا وہ لوگ جو وفات پا گئے، اور ان حضرات کے ساتھ کچھ دیگر مسلمان بھی ہو لئے جو صلح حدیبیہ میں شریک نہیں ہوئے تھے، اس طرح عورتوں اور بچوں کے علاوہ ان کی تعداد دو ہزار ہو گئی۔

رسول کریم ﷺ نے گزشتہ سال کے قریشیوں کے ساتھ معاہدہ صلح کے مطابق عمرہ ادا کرنے کے لئے مکہ کا قصد کیا، اور مدینہ میں اپنا خلیفہ ابوہریرہ غفاری کو مقرر کر دیا۔ ایک دوسرے قول کے مطابق ابوذر غفاری کو، اور تیسرے قول کے مطابق عوف بن اضمہلمی کو مقرر کیا۔

(۱) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۳۶۶۹) عیون الاثر: (۱۹۰/۲)۔

(۲) مغازی الواقدی: ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، عیون الاثر: (۱۹۱/۲)۔

آپ ﷺ اپنے ساتھ ساٹھ اونٹ لے گئے، اور ان کانگراں ناجیہ بن بجدب اسلمی کو بنادیا، جو ان کو ہانکتے اور ان کے چرنے کے لئے درختوں کی تلاش کرتے۔ آپ ﷺ نے اپنے ساتھ ہتھیار، زرہیں، تلوار اور نیزے وغیرہ بھی لے لیا، اور سو گھوڑے بھی ساتھ لے گئے، اور جب آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ اپنے ساتھ ہتھیار بھی لے جا رہے ہیں حالانکہ انہوں نے یہ شرط لگائی تھی کہ ہم اپنے ساتھ کوئی ہتھیار نہیں لیں گے، سوائے اس ہتھیار کے جو ایک مسافر کے پاس ہوتا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہم انہیں لے کر حرم میں داخل نہیں ہوں گے۔ اگر راہ میں کافروں کی کوئی جماعت ہمارے خلاف اٹھے گی تو ہمارے ہتھیار ہمارے قریب ہوں گے۔

جب آپ ﷺ بطن یاجج پہنچے تو وہاں سارا اسلحہ چھوڑ دیا اور اوس بن خولی انصاری کو دو سو مجاہدین کے ساتھ اسی مقام پر رہنے دیا، اور مسافر کے ہتھیار کے ساتھ حدود حرم میں داخل ہوئے۔ جب قریشیوں کو خبر ملی تو وہ مکہ سے نکل کر پہاڑ کی چوٹیوں پر چلے گئے۔ اور کہنے لگے کہ ہم نہ محمد کو دیکھیں گے اور نہ اس کے ساتھیوں کو۔ اور رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہدی کے جانور مقام ذی طوی میں ہی روک دیئے جائیں۔ اور رسول اللہ ﷺ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر صحابہ کرام کے ساتھ تلبیہ کہتے ہوئے آگے بڑھتے گئے یہاں تک کہ آپ ﷺ بیت اللہ کے پاس پہنچ گئے۔ اُس وقت عبد اللہ بن رواحہ آپ کی اونٹنی کی باگ ڈور پکڑے ہوئے تھے۔ جب آپ حجر اسود کے پاس پہنچے تو اپنی چھڑی کے ذریعہ اسے چھو اور انحالیکہ آپ اپنی سواری پر سوار تھے اور اپنی چادر کو دائیں بغل سے گزار کر اس کے دونوں کناروں کو بائیں کندھے پر ڈال رکھا تھا۔ بعض مشرکین مقام قعیعان میں بیٹھ کر مسلمانوں کو طواف کرتے دیکھتے رہے۔

نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو دوران طواف جھٹک کر چلنے کا حکم دیا تاکہ مشرکین دیکھیں کہ مسلمانوں میں قوت ہے، اس لئے کہ مہاجرین کے بارے میں مشرکین مکہ کہا کرتے تھے کہ یثرب کے بخار نے اُن کو توڑ دیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے خود دوڑ لگائی اور صحابہ نے بھی لگائی، اور آپ ﷺ جب رکن یمانی کے پاس پہنچے، اور قریشیوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو آپ ﷺ اور صحابہ کرام نے عام رفتار اختیار کر لی یہاں تک کہ آپ ﷺ نے حجر اسود کا استلام کیا، اسی طرح آپ نے تین چکر لگایا۔ اب یہ فعل مسلمانوں کے لئے آپ کی سنت بن گیا ہے۔ پھر آپ ﷺ اور صحابہ کرام نے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی، آپ ﷺ سعی کے دوران اپنی سواری پر تھے، اور ہدی کے جانور کو آپ ﷺ نے مروہ کے پاس ٹھہرا رکھا تھا، اور فرمایا: یہ ذبح کرنے کی جگہ ہے، اور مکہ کی تمام گلیاں اور راستے قربانی کی جگہیں ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے مروہ کے پاس ہدی کا جانور ذبح کیا اور سر کے بال منڈوائے، اور مسلمانوں نے بھی ایسا ہی کیا اور اللہ نے آپ کا وہ عمرہ پورا کر دیا جس کا ذکر سورہ الفتح کی آیت (۲۷) میں یوں آیا

ہے: ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ عَامِنِينَ مُحْلَقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا﴾ (اللہ نے اپنے رسول کا برحق خواب سچ کر دکھایا، اگر اللہ نے چاہا تو تم یقیناً مسجد حرام میں داخل ہو گے، دریں حالیکہ تم امن میں ہو گے، اپنے سروں کے بال منڈائے یا کٹائے ہو گے، تم خوف زدہ نہیں ہو گے، پس اُسے وہ معلوم تھا جو تم نہیں جانتے تھے، چنانچہ اُس نے اس سے پہلے تمہیں ایک قریب کی فتح عطا کی) [الفتح: ۲۷]۔

پھر آپ ﷺ نے کچھ صحابہ کرام کو حکم دیا کہ وہ بطن یمن جائیں اور ہتھیاروں کی نگرانی کریں، اور وہ صحابہ کرام آجائیں جنہوں نے اب تک عمرہ نہیں کیا تھا تاکہ عمرہ ادا کر لیں، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں تین رات قیام فرمایا، چوتھے دن ظہر کے وقت سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبد العزیٰ آئے اور کہنے لگے کہ آپ کو دی گئی مہلت ختم ہو گئی ہے، اس لئے آپ یہاں سے نکل جائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے یہاں ایک عورت سے شادی کر لی ہے، اگر میں یہاں رُک کر اس سے ملاقات کر لوں اور تم لوگ اور ہم لوگ اس مناسبت سے ایک ساتھ کھانا کھالیں تو تمہارا کوئی نقصان تو نہیں ہوگا۔ (آپ ﷺ نے مکہ پہنچ کر میمونہ بنت حارث سے نکاح کر لیا تھا۔ اور اُن سے آپ کی شادی عباس بن عبد المطلب نے کرائی تھی اس لئے کہ میمونہ کی بہن ام الفضل عباس کی بیوی تھیں) دونوں قاصدوں نے کہا: ہم اللہ کا اور عہد کا واسطہ دیتے ہیں کہ تم لوگ یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔ آپ ﷺ نے ابورافع کو حکم دیا کہ وہ مسلمانوں میں رخصت سفر باندھنے کا اعلان کر دیں، اور کہا: اب یہاں کوئی مسلمان شام تک نہ رُکے، اور آپ ﷺ نے ابورافع رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ چلتے وقت میمونہ رضی اللہ عنہا کو اونٹنی پر سوار کر کے لے آئیں۔

رسول اکرم ﷺ نے مقام سرف میں قیام فرمایا، یہاں تک کہ میمونہ آپ کے پاس وہاں آ گئیں، آپ ﷺ نے اُن سے اُسی جگہ پہلی بار ملاقات کی۔ مکہ سے چلتے وقت نادان مشرکوں اور ان کے بچوں نے میمونہ اور ان کے ساتھ رہ جانے والے صحابہ کرام کو اذیت پہنچائی تھی۔ پھر سرف سے روانہ ہو کر رسول اللہ مدینہ آ گئے۔

عمرۃ القضاء کے مفید نتائج میں سے یہ بھی تھا کہ مکہ کے بہت سے کفار آپ ﷺ اور مسلمانوں کے خوشگوار احوال سے بہت متاثر ہوئے اور اسلام کی دعوت کو قبول کرنے کے لئے سنجیدگی سے سوچنے لگے۔ انہوں نے دیکھا کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ جو کل مکہ میں ذلیل کئے جاتے تھے، آج اسی مکہ میں سر اٹھا کر بے خوف و خطر چل رہے ہیں، تو بڑے متاثر ہوئے۔ سچ ہے کہ عزت صرف اللہ، اُس کے رسول اور مومنوں کے لئے ہے۔

میمونہ رضی اللہ عنہا کی رسول اللہ ﷺ سے شادی:

قنادہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں عمرہ کے وقت میمونہ بنت الحارث سے نکاح کیا تھا، انہوں نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے لئے ہبہ کر دیا تھا۔ انہی کے بارے میں آیت نازل ہوئی تھی: ﴿وَأَمْرًاؤَ مُؤْمِنَةٍ إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (اور اس مسلمان عورت کو بھی جو اپنے آپ کو نبی کے لئے ہبہ کر دے، اگر نبی اس سے شادی کرنی چاہیں، یہ حکم آپ کے لئے خاص ہے، عام مسلمانوں کے لئے نہیں ہے) [الأحزاب: ۵۰]۔ میمونہ پھر آپ ﷺ کے ساتھ مدینہ چلی آئیں۔ آپ ﷺ سے پہلے اُن کی شادی فروة بن عبد العزیٰ سے ہوئی تھی (۱)۔

ابو عبیدہ معمر بن المثنیٰ کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ خیبر سے فارغ ہوئے، تو سن سات ہجری میں عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے، انہی دنوں جعفر بن ابی طالب حبشہ سے آئے تھے، آپ ﷺ نے میمونہ رضی اللہ عنہا سے شادی کرنے کے لئے ان کو پیغام دیا، چونکہ ماں کی طرف سے ان کی بہن اسماء بنت عمیس جعفر کے نکاح میں تھیں۔ میمونہ نے جعفر کو اپنی منظوری کی خبر کر دی، اور اپنی شادی کا معاملہ عباس بن عبد المطلب کے حوالے کر دیا، چنانچہ عباس نے ان کا نکاح نبی کریم ﷺ سے کر دیا، آپ ﷺ اس وقت حالت احرام میں تھے، اور جب آپ ﷺ مدینہ کے لئے لوٹے تو مقام سرف میں میمونہ سے پہلی بار ملے، اس وقت میمونہ چھبیس سال کی بیوہ تھیں (۲)۔

لیکن راجح یہی ہے کہ آپ ﷺ نے ان سے حلال ہونے کے بعد شادی کی تھی، جیسا کہ ابو داؤد نے میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے (۳)، اور ترمذی نے ابورافع سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اُن سے نکاح حلال ہونے کے بعد کیا تھا، اور رخصتی بھی حالت حلال میں کی تھی، اور دونوں کے درمیان واسطہ خیر میں بنا تھا (۴)۔ اور ابن عباس کا یہ قول کہ رسول اللہ ﷺ نے میمونہ سے جب شادی کی تو آپ ﷺ حالت احرام میں تھے، اور جب وہ رخصت ہو کر آپ ﷺ کے پاس گئیں تو آپ حلال ہو چکے تھے۔ یہ صحیح نہیں ہے، اُن کو وہم ہوا ہے۔ سعید ابن مسیب کہتے ہیں کہ ابن عباس سے وہم ہوا ہے، اگرچہ میمونہ اُن کی خالہ تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے

(۱) الاستیعاب: ۱۹۱/۷، اسد الغایۃ: ۷۲۳/۷، الإصابۃ: ۱۹۷/۸۔

(۲) ابو عبیدہ فی تسمیۃ أزواج النبی ﷺ: ص ۶۷، الاستیعاب: ۱۹۶/۳۔

(۳) صحیح مسلم، حدیث: (۱۳۱۱)، سنن ابی داؤد، حدیث: (۱۸۳۳)، الترمذی، حدیث: (۸۳۵)، ابن ماجہ، حدیث: (۱۹۶۳)۔

(۴) الترمذی: ۸۳۱/۱، التمهید: ۱۵۲/۳۔

اُن سے نکاح عمرہ سے حلال ہونے کے بعد کیا تھا، سعید کا یہ قول بخاری نے روایت کی ہے (۱)۔
میمونہ کی وفات قول رائج کے مطابق سن ۵۱ ہجری میں ہوئی، اور ان کی وصیت کے مطابق مقام سرف میں اسی قبہ کی جگہ دفن کی گئیں جسے رسول اللہ ﷺ نے رخصتی کی رات اُن کے لئے تیار کروایا تھا۔ وفات کے وقت اُن کی عمر اسی سال تھی، رحمہما اللہ ورضی عنہما۔

سریہ ابن ابی العوجاء ذی الحجہ سن ۷ ہجری میں:

رسول اللہ ﷺ سن سات ہجری میں عمرۃ القضاء کی ادائیگی کے بعد واپس آئے، تو ابن ابی العوجاء کو پچاس مجاہدین کے ساتھ بنی سلیم کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا جو خیبر کے قریب نجد کے بالائی علاقہ میں ایک عرب قبیلہ تھا، اس لئے کہ وہ لوگ مسلمانوں کو ایذا پہنچاتے تھے، اور غیر مسلموں کو ان کے خلاف ابھارتے تھے، لیکن مجاہدین سے پہلے اُن کے پاس اُن کا ایک جاسوس پہنچ گیا اور انہیں مجاہدین کی آمد کی اطلاع دے دی، اس لئے انہوں نے علاقہ کے بہت سے مشرکوں کو اکٹھا کر لیا، چنانچہ ابن ابی العوجاء ان کے پاس پہنچے تو وہ ان کا مقابلہ کرنے کی زور شور سے تیاری کر رہے تھے، صحابہ کرام نے جب ان کو دیکھا تو انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، انہوں نے تیر اندازی شروع کر دی، اور ان کی دعوت کو قبول نہیں کیا، اور کہنے لگے کہ ہمیں تمہاری دعوت کی ضرورت نہیں۔ تقریباً ایک گھنٹہ تک تیر چلاتے رہے، اور ہر طرف سے ان کے امدادی دستے آتے رہے، یہاں تک کہ انہوں نے مسلمان مجاہدین کے گرد ہر چہار جانب سے گھیرا تنگ کر دیا۔ مسلمانوں نے زبردست جنگ کی یہاں تک کہ ان کے اکثر لوگ شہید ہو گئے، اور ابن ابی العوجاء بُری طرح زخمی ہو گئے، اور بڑی مشکل سے مدینہ واپس آ سکے، اور رسول اللہ ﷺ کو سارا ماجرا سنایا، آپ ﷺ نے سن کر بہت زیادہ اثر لیا، ابن ابی العوجاء ماہ صفر سن ۸ ہجری کی پہلی تاریخ کو مدینہ واپس پہنچے تھے (۲)۔

سریہ غالب بن عبد اللہ لیشی مقام کدید کے بنی الملوّح کی طرف:

ماہ صفر سن ۸ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے غالب بن عبد اللہ لیشی کو دس سے زیادہ مجاہدین کے ساتھ بنی الملوّح کی طرف روانہ کیا جو مسلمانوں کو اذیت دیتے تھے اور دیگر غیر مسلموں کو اُن کے خلاف ابھارتے تھے۔ غالب جب اپنے ساتھیوں کے ساتھ مقام کدید پر پہنچے تو ان کو حارث بن مالک لیشی مل گیا جو ابن البرصاء کے نام

(۱) زاد المعاد: ۲/۲۹۴۔

(۲) عیون الاثر: ۲/۱۹۳، مغازی الواقعی: ۲/۷۴۱۔

سے مشہور تھا، اور مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا، انہوں نے اس کو قید کر لیا، اس نے کہا کہ میں تو اسلام قبول کرنے کے لئے ہی آیا ہوں، اور رسول اللہ ﷺ سے ملنے کے قصد سے نکلا ہوں، مجاہدین نے اس سے کہا: اگر تم مسلمان ہو تو ایک رات کی قید تمہیں نقصان نہیں دے گی، اور اگر تم جھوٹ بول رہے ہو تو ہمیں اندازہ ہو جائے گا، چنانچہ اسے اچھی طرح باندھ دیا، اور اس کی نگرانی کے لئے ایک آدمی کو اس کے پاس چھوڑ دیا، اور باقی لوگ بنی الملوح کے علاقہ میں پہنچ گئے اور صبح ہوتے ہی اُن پر حملہ کر دیا، اور اُن میں سے کچھ لوگوں کو قتل کر دیا، اور ان کے اوٹھوں اور بکریوں کو ہانک کر مدینہ واپس آنے لگے، لیکن دشمنوں کا ایک آدمی جلد ہی علاقہ کے دیگر کافروں کے پاس پہنچ گیا اور انہیں چیخ چیخ کر حالت سے باخبر کیا، چنانچہ اُن کی ایک بڑی تعداد جمع ہو گئی اور مجاہدین پر حملہ کرنے کے لئے دوڑ پڑے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے حال پر رحم کیا اور اچانک ایک سیلاب اُٹھ پڑا جو ان کے اور کافروں کے درمیان حائل ہو گیا، اور مسلمان مجاہدین کافروں کے جانوروں کو ہانکتے ہوئے مدینہ آ گئے (۱)۔

خالد بن ولید، عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ کا اسلام:

صفر سن ۸ ہجری میں ہی تین عظمائے قریش اسلام میں داخل ہوئے جنہوں نے جیوش اسلامیہ کی تاریخ ساز قیادت کی۔ یہ تینوں خالد بن الولید، عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ تھے۔ ان حضرات کے اسلام لانے سے رسول اللہ ﷺ بہت خوش ہوئے۔

ان کے اسلام لانے کے واقعہ کو نبیہتی، واقدی اور احمد و حاکم وغیرہم نے بیان کیا ہے، جس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

خالد بن ولید کی روایت ہے کہ جب اللہ عز و جل نے میرے لئے بھلائی کا ارادہ کیا تو میرے دل میں اسلام کی محبت ڈال دی، اور مجھے رشد و ہدایت کی بات سمجھ میں آنے لگی، اور سوچا کہ میں محمد کے خلاف جتنی جنگوں میں حصہ لیتا رہا ہوں، جب بھی ان میں سے کسی جنگ سے واپس آیا تو دل نے گواہی دی کہ میری سعی لا حاصل ہے، اور محمد عنقریب غالب ہو کر رہیں گے۔

جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ کے لئے روانہ ہوئے تو میں مشرکوں کے گھوڑ سواروں کے ساتھ نکلا، اور رسول اللہ ﷺ سے ان کے صحابہ کرام کے ساتھ مقام عسفان میں ملاقات ہو گئی، اور میں آپ ﷺ کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا، اور جب آپ ﷺ عمرہ القضاء کے لئے مکہ تشریف لائے، تو میں غائب ہو گیا، اور مکہ میں ان کے داخلہ کا مشاہدہ نہ کر سکا۔ اور میرے بھائی ولید نے بحیثیت مسلمان نبی کریم ﷺ کے ساتھ عمرہ کیا، اور مجھے تلاش

کیا، میں انہیں نہیں ملا، تو مجھے ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ ”مجھے اسلام کے سلسلہ میں تمہاری بے عقلی سے زیادہ کسی بات سے تعجب نہیں، حالانکہ تمہاری عقل تو بڑی ہے، اور اب اسلام سے تو کوئی آدمی ناواقف نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے تمہارے بارے میں پوچھا ہے کہ خالد کہاں ہے؟ میں نے کہا ہے کہ عنقریب اللہ اسے لے آئے گا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”خالد جیسا آدمی اب اسلام سے ناواقف نہیں ہے، اور اگر وہ اپنی کوششوں کو مسلمانوں کے لئے مشرکوں کے خلاف استعمال کرتا تو اس کے لئے بہتر تھا، اور ہم اسے دوسروں پر ترجیح دیتے۔ اس لئے اے بھائی! اب بھی تلافی مافات کر لو، بہت سے مفید مواقع سے تم محروم ہو گئے ہو۔“

خط ملنے کے بعد میں نے ننگے میں جلدی کی، اور دخول اسلام کی رغبت بڑھ گئی، اور رسول اللہ کے میرے بارے میں سوال سے میں خوش ہوا، اور میں نے تب خواب دیکھا کہ ”میں ایک خشک اور تنگ سرزمین میں ہوں، اور وہاں سے نکل کر ایک کشادہ اور سرسبز و شاداب علاقہ میں آ گیا ہوں۔“ میں نے سوچا: یقیناً یہ ایک اہم خواب ہے، ہم جب مدینہ آئے تو سوچا کہ میں اس کا ذکر ابوبکر سے ضرور کروں گا، چنانچہ میں نے اُن سے بیان کیا، تو انہوں نے کہا کہ اس میں تمہارے مکہ سے نکلنے کی طرف اشارہ ہے جس کے بعد تم کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی ہدایت دی ہے، اور اُس تنگی سے مراد جس میں تم تھے، شرک ہے۔

خالد نے جب مکہ سے روانگی کا ارادہ کیا تو وہ صفوان بن امیہ کے پاس گئے، اور اس سے کہا کہ وہ بھی ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس چلے، لیکن اس نے پوری شدت کے ساتھ انکار کر دیا، پھر وہ عکرمہ بن ابی جہل کے پاس گئے، اور صفوان کی طرح اس سے بھی ساتھ چلنے کو کہا، لیکن اس نے بھی صفوان کی طرح انکار کر دیا۔

پھر وہ عثمان بن طلحہ کے پاس گئے، اور اُن سے صفوان و عکرمہ کی طرح چلنے کو کہا، وہ فوراً تیار ہو گئے، دونوں الگ الگ رات کے وقت نکلے اور مقام یانج پر جا ملے، اور وہاں سے ایک ساتھ چلے، دونوں کی مقام ”الہدۃ“ میں عمرو بن العاص سے ملاقات ہوئی، انہوں نے بتایا کہ وہ بھی اسلام قبول کرنے کی نیت سے نکلے ہیں، وہاں سے تینوں ایک ساتھ چلے اور ماہ صفر میں مدینہ پہنچے، اور جب رسول اللہ ﷺ کو اُن کی آمد کی خبر ہوئی تو بہت خوش ہوئے۔

خالد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آپ کو سلام کیا، آپ ﷺ نے مسکراتے چہرہ کے ساتھ اُن کے سلام کا جواب دیا، خالد نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے جس نے تم کو ہدایت دی۔ میں سمجھتا تھا کہ تم عقلمند انسان ہو، اور امید تھی کہ تمہاری عقل تمہیں خیر پہنچائے گی۔ ان کے بعد عمرو اور عثمان بھی آگے بڑھے اور سب نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ خالد کہتے ہیں: اللہ کی قسم! اُس دن کے بعد رسول اللہ ﷺ مہماتی امور میں

میرے برابر کسی دوسرے صحابی کو اہمیت نہیں دیتے تھے (۱)۔

سریہ شجاع بن وہب اسدی بنی عامر کی طرف:

سن ۸ ہجری ماہ ربیع الاول میں رسول اللہ ﷺ نے شجاع بن وہب کو چوبیس مجاہدین صحابہ کے ساتھ ہوازن کی ایک جماعت بنی عامر پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ یہ لوگ مدینہ سے پانچ رات کی مسافت پر مقام رکبہ کی جہت میں ”سی“ نامی جگہ میں رہتے تھے، اور مسلمانوں کو نقصان اور اذیت پہنچاتے تھے۔

شجاع اپنے ساتھیوں کے ساتھ نکلے، رات کو چلتے، اور دن کے وقت ٹھپ جاتے، یہاں تک کہ صبح کے وقت اُن کے پاس پہنچے جبکہ وہ مجاہدین کی آمد سے بالکل غافل تھے، اور اُن پر حملہ کر دیا، اور اُن کے بہت سارے اونٹنوں اور بکریوں پر قبضہ کر لیا، اور انہیں ہانک کر مدینہ لے آئے جنہیں بطور مالی غنیمت مجاہدین نے آپس میں تقسیم کر لیا۔ یہ لوگ مدینہ سے پندرہ دن تک باہر رہے تھے (۲)۔

سریہ کعب بن عمیر انصاری ذات اطلاق کی طرف:

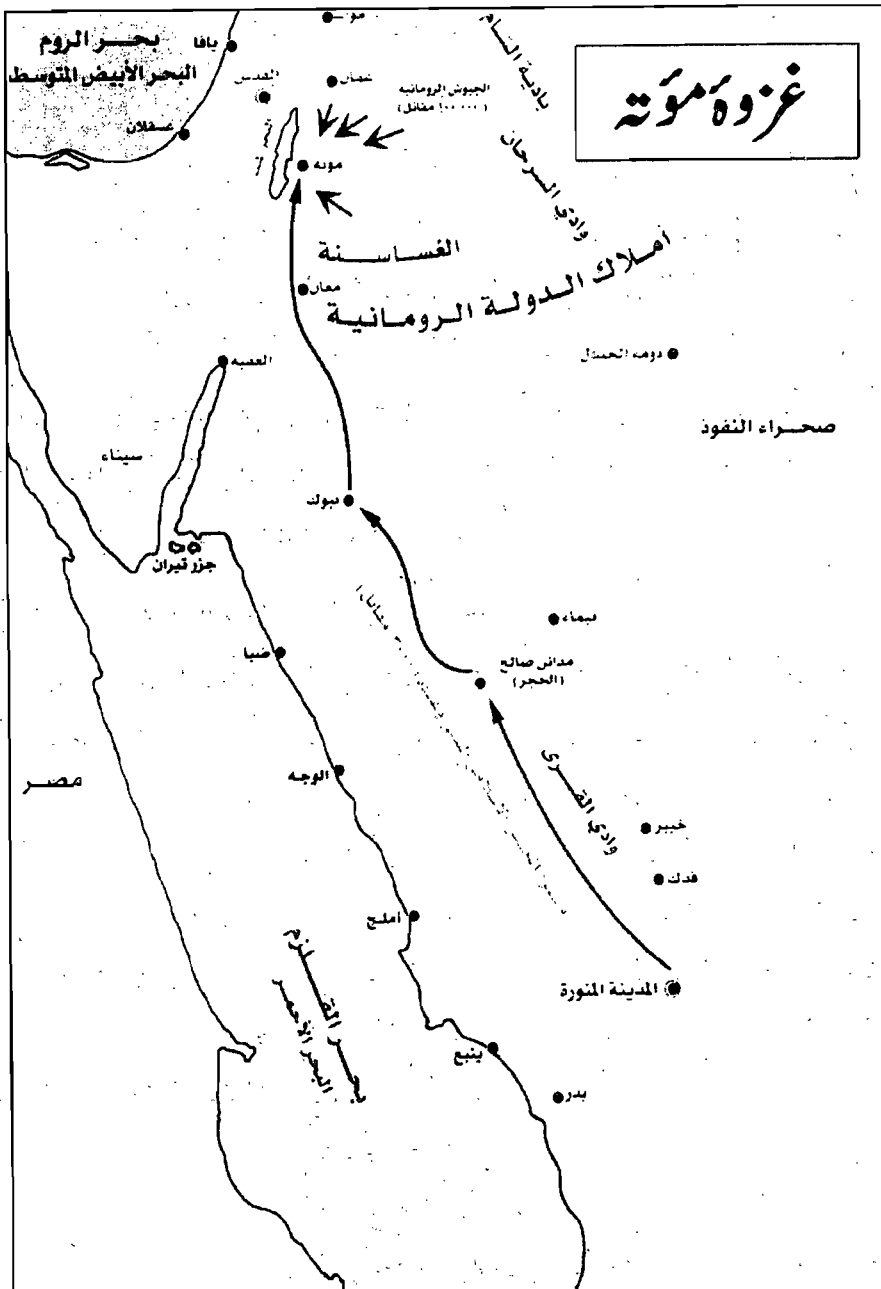
سن ۸ ہجری میں ہی رسول اللہ ﷺ نے کعب بن عمیر غفاری کو پندرہ مجاہدین کے ساتھ شام کے علاقہ میں ”ذات اطلاق“ نامی مقام کی طرف روانہ کیا، جو دادی قریٰ کے بعد واقع ہے، یہ لوگ جب وہاں پہنچے تو دشمنوں کے ایک آدمی نے اُن کو دیکھ لیا، اور فوراً اپنی قوم کے پاس جا کر ان کو مجاہدین کی آمد کی اطلاع دی اور ان کو بتایا کہ اُن کی تعداد تھوڑی ہے، جب مسلمان اُن کے قریب پہنچے تو اُن کو اسلام کی دعوت دی لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا بلکہ برسرِ پیکار ہو گئے اور زبردست جنگ کرنے لگے، چنانچہ سب کے سب مسلمان شہید ہو گئے صرف ان کے امیر کعب بن عمیر کسی طرح نجات پا گئے اور مدینہ واپس آنے میں کامیاب ہو گئے۔ رسول اللہ کو اس اندوہناک خبر سے بڑی تکلیف ہوئی اور ان سے بدلہ لینے کے لئے ایک دوسری جماعت کو بھیجنا چاہا، لیکن آپ ﷺ کو خبر ملی کہ وہ سب اپنی جگہ سے بھاگ گئے، اس لئے ان کی سرکوبی کا ارادہ ملتوی کر دیا (۳)۔

(۱) مغازی الواقدي: ۲۳۶/۲-۲۳۸، دلائل التبیحی: ۳۴۹/۲-۳۵۲، مسند احمد: ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۳، ۲۰۵، مستدرک حاکم: ۳/۳۵۳،

صحیح مسلم، الإیمان، حدیث: (۱۲۱)۔

(۲) طبقات ابن سعد: ۱۲/۲، وعیون الأثر: ۱۹۵/۲۔

(۳) مغازی الواقدي: ۲۳۶/۲-۲۳۸، دلائل التبیحی: ۳۵۸، ۳۵۷، طبقات ابن سعد: ۱۲/۲، ۱۲۸، ۱۲۷۔



غزوہ موتہ

وجہ تسمیہ:

معروف جنگی اصطلاحات کے مطابق یہ بھی ایک بڑا سریہ تھا، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے اس میں شرکت نہیں کی تھی، لیکن اسلامی جنگوں کی تاریخ میں چونکہ اس کی بڑی اہمیت ہے، اور صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد نے اس میں شرکت کی، اور غزوہ خندق کے بعد اس سریہ کی فوج بڑی فوج تھی، اس لئے اسے غزوہ کہا جاتا ہے۔

مقام:

”موتہ“ مشرقی اردن میں ایک بستی ہے، جو کرک کے جنوب میں گیارہ کیلو میٹر کے فاصلہ پر ہے۔ اور آج کل یہ بستی رہنے والوں سے خوب آباد ہے۔ اس کے قریب ہی ”مزار“ نام کی ایک بستی ہے جہاں اس غزوہ میں شہید ہونے والوں کی قبریں ہیں۔ یہ حضرات زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب اور عبد اللہ بن رواحہ وغیرہم تھے۔

تاریخ و اسباب:

یہ غزوہ ماہ جمادی الاولیٰ سن ۸ ہجری میں ہوا تھا۔ اور سبب یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ نے حارث بن عمیر آزدی کو ایک خط دے کر بصری کے بادشاہ کے پاس بھیجا۔ جب وہ موتہ بستی کے پاس پہنچے تو قیصر روم کا مقام بلقاء کے لئے حاکم شرجبیل بن عمرو غسانی نے راستہ روک کر پوچھا کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا: شام۔ اس نے پھر پوچھا کہ شاید تم محمد کے قاصدوں میں سے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں، میں رسول اللہ ﷺ کا اپچی ہوں۔ یہ سنتے ہی اس نے ان کو باندھ کر اس کے سامنے پیش کرنے کا حکم دیا، اور ان کی گردن مار دی۔ ان کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی قاصد اب تک مارا نہیں گیا تھا، رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ پر بڑا ہی شاق گزرا، صحابہ کرام کو جمع ہونے کا حکم دیا، اور رومیوں سے جنگ کرنے کے لئے تین ہزار مجاہدین صحابہ پر مشتمل ایک فوج کی تشکیل دی^(۱)۔

اور اس فوج کا امیر زید بن حارثہ کو بنایا، اور فرمایا: اگر زید شہید ہو جائے، تو قیادت جعفر کے ہاتھ میں چلی جائے گی، اور اگر جعفر بھی شہید ہو جائیں تو عبد اللہ بن رواحہ قائد جیش ہوں گے^(۲)۔ جب فوج کی روانگی کا وقت آیا تو لوگوں نے رسول اللہ کے امراء کو الوداع کہا، انہیں سلام کیا۔ عبد اللہ بن رواحہ رونے لگے، تو لوگوں نے سبب

(۱) مغازی الواقدی: ۲/ ۷۵۵-۷۵۶۔

(۲) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۲۶۱)، مسند احمد: ۲۵۶/۱، ۳۰۴، حاکم: ۳/ ۲۱۲۔

دریافت کیا، انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! نہ میں دنیا کی محبت میں رویا ہوں، نہ ہی تم لوگوں سے تعلق خاطر کے سبب۔ بلکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان سے ایک آیت سنی ہے جس میں جہنم کی آگ کا بیان ہے: ﴿وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَقْضِيًّا﴾ (اور تم میں سے ہر شخص اُس پر سے ضرور گزرے گا یہ آپ کے رب کا حتمی فیصلہ ہے) [مریم: ۷۱]۔ مجھے یاد آگیا ہے کہ اس آگ کا سامنا کرنے کے بعد اس سے نجات کیسے ملے گی۔ صحابہ کرام نے کہا: اللہ تم سب کے ساتھ ہو، تمہیں ہر آزمائش سے بچائے، اور تم سب کو بخیر و عافیت ہم سے ملائے۔ عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کی یہ بات سن کر تین اشعار پڑھے، جن میں شہادت کی تمنا کی، اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے رحمت و مغفرت کی دعا کی۔

رسول اللہ ﷺ کی وصیت:

رسول اللہ ﷺ نے سپہ سالار ابن جیش کو وصیت کی کہ وہ حارث بن عمیر کے قتل کئے جانے کی جگہ پہنچیں اور وہاں موجود مشرکین کو اسلام کی دعوت دیں، اگر قبول کر لیں تو اُن پر حملہ نہ کریں، اور اگر نہ قبول کریں تو اللہ سے مدد مانگیں اور اُن سے قتال کریں۔ آپ ﷺ نے ان سے یہ بھی کہا کہ تم لوگ اللہ کا نام لے کر اس کی راہ میں جہاد کرو اور ہر اس شخص سے قتال کرو جو کفر کی راہ اختیار کرتا ہے، کسی کو دھوکہ نہ دو، اور کسی بچہ کو قتل نہ کرو، اور اگر تمہارے مشرک دشمن سامنے آئیں تو انہیں تین باتوں میں سے ایک کی طرف بلاؤ، اور ان میں سے جس بات پر بھی راضی ہو جائیں اسے اُن کی طرف سے قبول کر لو، اور ان پر حملہ نہ کرو، اور ان کے مسلمان ہو جانے کی صورت میں ان سے کہو کہ وہ دارالمہاجرین مدینہ منقل ہو جائیں، اور ایسا کرنے کی صورت میں اُن کے حقوق دیگر مہاجرین جیسے ہوں گے، اور اُن کی ذمہ داریاں مہاجرین جیسی ہوں گی۔ اور اگر اسلام لانے کے بعد اپنے شہر و قریہ میں ہی رہنا چاہیں تو ان کی حیثیت دیہاتی مسلمانوں کی ہوگی، اور ان پر اللہ کے احکام نافذ ہوں گے، اور مال فنی اور غنیمت میں سے انہیں اسی حال میں حصہ ملے گا کہ وہ بھی دیگر مجاہدین اسلام کے ساتھ جہاد کریں گے۔ اور اگر دائرۃ اسلام میں داخل ہونے سے انکار کر دیں تو ان سے جزیہ دینے کو کہو، اگر مان جائیں تو اُن سے جزیہ لینا قبول کر لو اور ان پر حملہ نہ کرو، اور اگر جزیہ دینے سے انکار کر دیں تو اللہ سے مدد طلب کرو اور اُن سے قتال کرو۔ اور اگر تم کسی قلعہ یا شہر کا محاصرہ کرو، اور دشمن تم سے اللہ کے حکم کے مطابق معاملہ کرنے کی بات کریں تو ایسا نہ کرو، بلکہ اپنے فیصلہ اور صوابدید کے مطابق معاملہ کی پیش کش کرو، اس لئے کہ تم نہیں جانتے کہ تم اللہ کے حکم اور فیصلہ کے مطابق معاملہ کر سکو گے یا نہیں۔ اور اگر تم کسی قلعہ یا شہر کا محاصرہ کرو، اور مشرکین چاہیں کہ تم انہیں اللہ اور اس کے رسول کے

نام سے عہد و پیمان دے دو تو ایسا نہ کرو، بلکہ اپنے آپ اور اپنے ساتھیوں کے نام سے عہد و ذمہ دو، اس لئے کہ اگر اللہ نہ کرے تم اس ذمہ کو نباہ نہ سکو گے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کے نام کا ذمہ نہ نباہ سکو (۱)۔

اسلامی فوج معان میں:

اسلامی فوج پیش قدمی کرتی ہوئی سرزمین شام معان تک پہنچ گئی، وہاں لوگوں کو معلوم ہوا کہ ہر قل علاقہ بلقاء کے مقام مآب میں ایک لاکھ فوجیوں کے ساتھ فروکش ہے، اور قبائل عرب لخم و جذام اور قین و بہراء کے ایک لاکھ جنگجوؤں کے ساتھ آکر مل گئے ہیں۔

مسلمانوں کو جب یہ خبر ہوئی تو وہ مقام معان پر دو رات ٹھہرے رہے، اور حالات پر سر جوڑ کر غور کرتے رہے، لوگوں نے کہا: ہمیں رسول اللہ ﷺ کو لکھ کر حالات سے آگاہ کرنا چاہئے اور دشمنوں کی بڑی تعداد کی خبر دینی چاہئے، تاکہ یا تو آپ ﷺ ہماری مدد کے لئے مزید فوج بھیجیں گے، یا ہمیں جیسا حکم دیں گے ویسا کریں گے۔ لیکن عبد اللہ بن رواحہ نے مجاہدین کی ہمت بڑھاتے ہوئے کہا: لوگو! تم جس چیز کو ناپسند کر رہے ہو، وہ تو وہی ہے جس کی خاطر تم نکلے ہو یعنی اللہ کی راہ میں شہادت۔ اور ہم مسلمان اسباب جنگ اور قوت و کثرت کے بل بوتے پر مشرکوں سے جنگ نہیں کرتے ہیں، بلکہ ہم اپنی طاقت تو اس دین سے حاصل کرتے ہیں جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزت بخشی ہے۔ اس لئے ہمیں پیش قدمی کرنی چاہئے اس امید کے ساتھ کہ ہمیں دو نعمتوں میں سے ایک ضرور ملے گی، یا تو ہم غالب ہوں گے یا شہید ہو جائیں گے۔ لوگوں نے کہا: اللہ کی قسم! ابن رواحہ ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں۔

جنگ شروع ہوتی ہے:

اور بالآخر مقام مؤتہ پر جو جزیرہ عرب کے شمالی علاقہ میں واقع ہے، اور جو شمالی افریقہ اور ایشیائے کوچک اور یورپ کے لئے اسلام کا بوابہ و مدخل ہے، جنگ شروع ہو جاتی ہے، مومنوں اور حق پرستوں (جو اسلام کی بالادستی کے لئے اپنی جانیں اپنی ہتھیلیوں پر لئے پھرتے تھے) اور باطل و طاغوت کی فوج کے درمیان جن کی تعداد دو لاکھ تھی۔ اور سچ تو یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کے وجود و بقا کی جنگ تھی۔

مسلمانوں کے قائد زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اسلامی فوج کے میمنہ (دائیں حصہ) کا قائد قطبہ بن قنادہ کو مقرر کیا جو بنی عذرہ کا ایک فرد تھا، اور میسرہ (بائیں حصہ) کا کمانڈر عبادہ بن مالک انصاری کو مقرر کیا۔

واقدی نے اپنی سند کے ذریعہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں غزوہ موتہ میں شریک تھا، جب ہم نے مشرکوں کو دیکھا تو اُن کے پاس اتنے سارے اسباب واسلحہ اور دیباچ و حریر اور سونے کی چیزیں دیکھیں کہ میری آنکھیں چکاچوند ہو گئیں۔ ثابت بن اقرم نے میری حالت دیکھ کر مجھ سے کہا: اے ابو ہریرہ! کیا بات ہے، کیا آپ دشمنوں کی بڑی تعداد سے گھبرا گئے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں۔ ثابت نے کہا: آپ میرے ساتھ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے، ہم کثرت کے ذریعہ فتیاب نہیں ہوئے تھے^(۱)۔

اور ابن اسحاق نے اپنی سند کے ذریعہ عروہ سے روایت کی ہے کہ مسلمانوں نے زبردست جنگ کی، یہاں تک کہ زید بن حارثہ شہید ہو گئے، پھر جھنڈا جعفر نے لے لیا، اور قتال کرتے رہے، یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے^(۲)۔ اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اس جنگ میں شریک تھا۔ ہم نے جب جعفر بن ابی طالب کو تلاش کیا تو وہ ہمیں مقتولین میں ملے، اور ان کے جسم پر نیزوں اور تیروں کے نوے سے زیادہ زخم ملے^(۳)۔

اور ابن اسحاق نے بنی مرہ بن عوف کے ایک آدمی سے روایت کی ہے کہ ایسا لگتا ہے جعفر بن ابی طالب کو موتہ کے دن ابھی بھی دیکھ رہا ہوں، جب انہوں نے اپنے گھوڑے کا کوچ کاٹ کر اسے چھوڑ دیا، پھر آگے بڑھ کر قتال کرتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ ابن اسحاق لکھتے ہیں: وہ پہلے مسلمان گھوڑ سوار تھے جنہوں نے اپنے گھوڑے کا کوچ کاٹ کر جنگ کی، اور عربی کے دو اشعار پڑھے جس کا مفہوم یہ تھا کہ ”جنت کی قربت کتنی اچھی بات ہے، اور اس کا پانی کتنا ٹھنڈا اور میٹھا ہے، اور رومیوں کو اُن کی بدبختی میرے قریب لائی ہے، جب میں اُن کے قریب ہو کر اُن پر حملے کروں گا“۔

جعفر جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ اُن کا دایاں ہاتھ کٹ گیا، تو انہوں نے بائیں ہاتھ سے جھنڈا پکڑ لیا اور جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ بائیں ہاتھ بھی کٹ گیا، تو انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں کے باقی ماندہ حصہ سے جھنڈا کو سنبھال لیا، اور اسے بلند رکھا یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ اُس وقت اُن کی عمر تینتیس سال تھی۔ اور اپنے دونوں بازوؤں کے بدلے جنت میں دو پروں کے ذریعہ اُڑنے لگے۔ امام بخاری نے عامر سے روایت کی ہے کہ ابن عمر جب جعفر کے بیٹے سے مخاطب ہوتے تو کہتے: اے دو پروں والے جنتی کے بیٹے، السلام علیکم^(۴)۔ اور حاکم

(۱) الواقدی: ۶۶۰/۲، دلائل البیہقی: ۳۶۲/۴۔

(۲) دلائل البیہقی: ۳۶۳/۳۔

(۳) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۲۶۱)۔

(۴) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۳۷۰۹، ۴۲۶۳)۔

نے مستدرک میں اور طبرانی نے معجم کبیر میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے جعفر کو جنت میں ایک فرشتہ کی شکل میں دیکھا ہے۔ ان کے پاؤں خون میں آلودہ تھے اور وہ جنت میں اُڑ رہے تھے^(۱)۔ جعفر کے شہید ہو جانے کے بعد جھنڈے کو عبد اللہ بن رواحہ نے سنبھال لیا، اور گھوڑے پر سوار آگے بڑھے، اور اپنے آپ کو قتال کے لئے آمادہ کرنے لگے اور کہنے لگے: اے میری جان! یا تو تو میدانِ کارزار میں برضا اُترے گی یا پھر اس پر میں تجھے مجبور کر دوں گا۔ جب لوگ ہر چہار طرف سے جمع ہو گئے ہیں اور جنگ کی چیخ و پکار شروع ہو گئی ہے تو پھر تو جنت سے کیوں اعراض کر رہی ہے۔ تو بہت دن اطمینان سے رہ چکی، اور تو پانی کے ایک پُرانے تھیلے میں ایک قطرہ کے سوا کیا ہے۔ نیز کہا: اے میری جان! اگر تو قتل نہیں کی جائے گی تو بھی ایک دن ضرور مرے گی، اور اب تو وہ گھڑی آپہنچی ہے جس کی تو تمنا کرتی تھی، اور اگر تو بھی اپنے سابق دونوں شہیدوں کے نقش قدم پر چلے گی تو ہدایت پا جائے گی۔

پھر میدان میں اُتر گئے، تو اُن کے ایک چچا زاد اُن کے لئے ہڈی کا ایک ٹکڑا لے کر آئے اور انہیں پیش کیا اور کہا: آپ ذرا اسے کھا لیجئے، آج آپ نے سارا دن اپنی جان جو ہم میں ڈال رکھا تھا۔ انہوں نے اس ہڈی کو لے کر جوں ہی ایک بار گوشت کو نوچا، انہوں نے ایک طرف لوگوں کا ازدحام دیکھا۔ اپنی جان سے مخاطب ہو کر کہا: تو اب تک دنیا میں ہے، پھر ہڈی کو پھینک کر تلوار سے جنگ کرنے لگے یہاں تک کہ شہید ہو گئے^(۲)۔

اُن کے بعد جھنڈا ثابت بن اقرم رضی اللہ عنہ نے سنبھال لیا اور کہا: اے مسلمانو! ہم لوگ اپنے درمیان سے ایک آدمی پر اتفاق کر لیں۔ لوگوں نے کہا: ہم لوگ تمہیں اپنا قائد مانتے ہیں۔ انہوں نے کہا: یہ کام مجھ سے نہیں ہوگا۔ پھر تمام مسلمان خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر متفق ہو گئے۔ جب انہوں نے جھنڈا لیا تو مسلمان تتر بتر ہو چکے تھے اور اُن کی معنوی قوت کمزور ہو چکی تھی۔ خالد ماہر و تجربہ کار قائد تھے، انہوں نے فوراً مسلمانوں کی صفوں کو ایک دوسرے سے ملایا، اور سارا دن شدید جنگ کرتے رہے۔ دوسرے دن انہوں نے ایک زبردست مضبوط جنگی پلان کو نافذ کیا، اور اسلامی فوج کی ایک بڑی تعداد کو ایک طویل لائن کی شکل میں فوج کے آخری حصہ میں لے جا کر منظم کیا، اور انہیں حکم دیا کہ صبح کے وقت پوری قوت کے ساتھ شور و شغب مچائیں۔ انہوں نے ایسا

(۱) المستدرک: (۲۰۹/۳)، طبرانی، حدیث: (۱۳۶۶) اور اس حدیث کی سند جید ہے، اور سنن ترمذی میں، مناقب جعفر میں ابو ہریرہ سے مروی ایک حدیث اس کی تائید کرتی ہے۔

(۲) سیرۃ ابن ہشام: (۳۷۸/۲)، اور اس کی سند ثقات کے ذریعہ ہے۔ ابوداؤد، کتاب الجہاد، حدیث: (۲۵۷۳) بدیع اشعار، احمد شاکر نے اسے صحیح کہا ہے، دلائل اللہ تعالیٰ: ۳۶۳۔

ہی کیا، اور نتیجہ کے طور پر دشمنوں کے دل مارے خوف کے کانپنے لگے۔ خالد نے یہ بھی کیا کہ انہوں نے فوج کی جگہ بدل دی، دشمنوں نے سمجھا کہ مسلمانوں کے لئے مدینہ سے امدادی فوج آگئی ہے۔ ایک گھنٹہ تک دشمنوں کے ساتھ مذبھیر کے بعد خالد نہایت ہوشیاری اور نظام کی پابندی کے ساتھ فوج کو پیچھے لے جانے لگے، اور رومیوں نے اُن کا پیچھا نہیں کیا، وہ سمجھتے رہے کہ مسلمان کوئی چال چل رہے ہیں اور ان کو صحراء میں دھکیل دینے کی کوشش کر رہے ہیں، اسی لئے مسلمانوں پر حملہ نہیں کیا، بلکہ مارے رعب و خوف کے خوش ہوئے کہ مسلمانوں نے اُن پر حملہ نہیں کیا اور واپس مدینہ چلے گئے۔ اس جنگی مہارت و تجربہ کے ذریعہ خالد نے اسلامی فوج کو ایک افسوسناک انجام سے بچالیا، اور واپس مدینہ چلے آئے، اور اُن کے صرف بارہ آدمی نے جام شہادت نوش کیا۔

اور رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں صحابہ کرام کو زید، جعفر اور ابن رواحہ کی شہادت کی خبر فوج کی واپسی سے پہلے سناتے ہوئے فرمایا: پہلے جھنڈا زید نے لیا، اور کام آگئے، پھر جعفر نے لیا اور کام آگئے، پھر ابن رواحہ نے لیا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ خبر سناتے وقت آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، پھر فرمایا: تینوں کے بعد جھنڈا اللہ کی ایک تلوار نے سنبھالا، اور اللہ نے اُن کے ہاتھوں پر مسلمانوں کو فتح عطا کی ^(۱)۔

اور قیس بن ابی حازم نے روایت کی ہے کہ میں نے خالد بن ولید کو کہتے ہوئے سنا: غزوہ مؤتہ میں نو تلواریں میرے ہاتھ میں ٹوٹ گئیں، میرے ہاتھ میں صرف یمن کی لوہے کی بنی ہوئی ایک چادر رہ گئی ^(۲)۔

معمر کہ میں مسلمان ہی فتیاب ہوئے:

معمر کہ مؤتہ کے بارے میں مؤرخین مغازی و سیرتین قسموں میں بٹے ہوئے نظر آتے ہیں، بعض نے کہا ہے کہ مسلمانوں کو اس معرکہ میں شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ رائے بالکل غلط ہے۔ ابن سعد نے اپنی کتاب ”الطبقات“ میں اس قول کا ذکر کیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ دونوں ہی فوجیں ایک دوسرے سے الگ ہو گئیں۔ معمر کی ظاہری تفصیلات کے پیش نظر یہ رائے صائب معلوم ہوتی ہے۔

اور رائج قول یہ ہے کہ رومیوں کو شکست ہوئی اور مسلمانوں کو فتح و کامرانی۔ واقدی، زہری، بیہقی اور ابن کثیر کی یہی رائے ہے، اور قوی دلیل سے اسی رائے کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی امام بخاری کی روایت سے ثابت ہوتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: جھنڈے کو زید نے سنبھالا اور وہ کام آگئے،

(۱) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۲۶۲)۔

(۲) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۲۶۵)۔

پھر اسے جعفر نے سنبھالا اور وہ بھی کام آگئے، پھر اسے ابن رواحہ نے سنبھالا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ یہ کہتے ہوئے آپ ﷺ کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے، پھر جھنڈے کو اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے سنبھالا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے رومیوں پر غلبہ نصیب کیا^(۱)۔

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے معرکہ خالد کو رومیوں پر مسلمانوں کے غلبہ سے تعبیر کیا ہے، اور دوسری دلیل خالد رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ غزوہ مؤتہ کے دن میرے ہاتھ میں نو تلواں ٹوٹ گئیں^(۲)۔ یہ قول دلیل صریح ہے کہ خالد نے اس دن رومیوں کی بڑی تعداد کو قتل کیا بلکہ رومی قتل کئے جا رہے تھے، اور بھاگتے ہوئے ان کے پیچھے سے مسلمان انہیں قتل کر رہے تھے۔ اور تیسری دلیل یہ ہے کہ مسلمان اس معرکہ میں بہت سے اموال غنیمت پر قابض ہوئے اور کوئی فوج دشمن کے مال پر اسی وقت قابض ہو سکتی ہے جب وہ غالب ہو^(۳)۔

معرکہ کے مثبت نتائج:

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس معرکہ میں اسلامی فوج نے رومیوں اور یہود و نصاریٰ کے دلوں میں رعب و دہشت اور خوف پیدا کر دیا اس لئے کہ اسلام کے صرف تین ہزار شیر ایک ایسی فوج کے سامنے ڈٹے رہے جن کی تعداد دو لاکھ رومی اور عرب مشرکین پر مشتمل تھی اور مسلمان کسی بڑے جانی خسارہ کے بغیر مدینہ بحیثیت فاتح واپس آئے۔

مؤرخین سیرت نے لکھا ہے کہ اُس معرکہ میں مسلمان شہداء کی تعداد صرف بارہ تھی جبکہ قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ رومی مقتولین کی تعداد بہت بڑی تھی۔ صرف خالد بن ولید کے ہاتھ میں نو تلواں ٹوٹ گئیں، اور اس بہادرانہ مقابلہ کا اثر یہ ہوا کہ رومی مسلمانوں کے قتال سے بھاگنے لگے۔ حالانکہ اس وقت رومے زمین پر ان کی طاقت سب سے بڑی تھی۔ اس جنگ کے بعد رومیوں کو یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کو ان کے رب کی غیبی تائید حاصل ہے، اور یہ کہ ان کے قائد محمد ﷺ اللہ کے برحق رسول اور نبی ہیں، اور اب دنیا میں کوئی ایسی طاقت نہیں جو اسلامی فوج کی پیش رفت کو روک سکے۔

اور یہ بات صرف رومیوں کے ساتھ خاص نہیں رہی بلکہ وہ کافر قبائل عرب جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے تھے، اور مدینہ جاکر مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے عربوں کی بھیڑ جمع کر رہے تھے ان

(۱) اس حدیث کی تخریج گزر چکی ہے۔

(۲) اس حدیث کی تخریج گزر چکی ہے۔

(۳) صحیح مسلم، الجہاد، حدیث: (۱۷۵۳)، ابوداؤد، الجہاد، حدیث: (۲۷۱۹)، سند احمد: ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱۔

کی طاقت نے بھی جواب دے دیا، اُن کے اعصاب مضطرب ہو گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ اگر وہ اسلام میں داخل نہ ہوئے تو عنقریب پکڑ لئے جائیں گے اور قتل کر دیئے جائیں گے، اس لئے انہوں نے اپنے اسلام کے اعلان میں تیزی دیکھائی۔ وہ مشہور قبائل قبائل بنو سلیم، اشجع، غطفان، ذبیان وغیرہم تھے جو اسلامی فوج کے ساتھ ہمیشہ جھڑپوں میں مشغول رہتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ اس عظیم تاریخی معرکہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام شام اور عراق سے متصل نجدی قبائل میں تیزی کے ساتھ پھیلنے لگا، اور ہزاروں لوگ اسلام میں داخل ہو گئے۔

سریہ ذاتِ سلاسل:

یہ سریہ غزوہ موتہ کے بعد ماہ جمادی الثانیہ سن ۸ ہجری میں بھیجا گیا، اور اس کا نام ذاتِ السلاسل تبوک کے علاقہ میں جذام نامی سرزمین پر واقع ایک کنواں کے نام پر رکھا گیا جسے وہاں السلسل کہا جاتا تھا۔ ایک دوسرا قول ہے کہ سلاسل داوی قرنی سے ماوراء ایک زمینی ٹکڑا تھا جو مدینہ سے دس دن کی مسافت پر واقع تھا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی کہ قضاہ کے کچھ لوگ اپنے علاقہ میں جمع ہو رہے ہیں تاکہ مسلمانوں پر حملہ کریں، اور وہ لوگ مدینہ کے قریب آجانا چاہتے ہیں، آپ ﷺ نے عمرو بن عاص کو بلایا، ان کے ہاتھ میں جھنڈا اٹھایا اور ساداتِ مہاجرین و انصار پر مشتمل تین سو مجاہدین کے ساتھ ان کو بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ وہ جاتے ہوئے جن قبائل عرب کو اپنے ساتھ کر سکیں کر لیں۔ عاص بن وائل کی ماں قضاہ کے قبیلہ یثلیٰ کی تھی۔ آپ ﷺ نے مجاہدین سے طلب کیا کہ وہ شام کی سرحدوں پر پہنچ کر بنی قضاہ اور ان قبائل کے خلاف تادبی کارروائی کریں جنہوں نے معرکہ موتہ میں مسلمانوں کے خلاف رویوں کا ساتھ دیا تھا^(۱)۔

یہ لوگ رات میں چلتے تھے اور دن میں چھپ جاتے تھے، جب دشمن کے قریب پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ اُن کی تعداد بڑی ہے، اس لئے عمرو نے رافع بن مکیت الکھنی کو مزید فوجی امداد طلب کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ابو عبیدہ بن الجراح کو دو سو صحابہ کرام کے ساتھ بھیجا ان میں ابو بکر و عمر بھی تھے اور انہیں ایک جھنڈا بھی دیا اور حکم دیا کہ وہ عمرو کے پاس چلے جائیں اور یہ کہ باہمی اتفاق سے کام لیں اور اختلاف نہ کریں۔ اس طرح وہاں مسلمان مجاہدین کی تعداد پانچ سو ہو گئی۔ عمرو نے اپنی پیش قدمی جاری رکھی، یہاں تک کہ بلادِ قضاہ اور بلادِ عذرہ اور بالیقین کی آخری سرحد تک پہنچ گئے۔ لیکن دشمنانِ اسلام بھاگ گئے اور تتر بتر ہو گئے۔ چنانچہ عمرو بن عاص اور ان کے ساتھی مدینہ واپس آ گئے، عوف بن مالک اشجعی نے خط بھیج کر رسول اللہ ﷺ کو پہلے ہی سے صحابہ کرام کے محفوظ اور کامیاب لوٹنے کی خبر دے دی تھی۔

(۱) مغازی الواقدی: ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱

عمر بن عاص کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو جب سریہ ذات السلاسل کے امیر کی حیثیت سے بھیجا تو ان کے ساتھیوں نے ان سے آگ جلانے کی اجازت مانگی انہوں نے ان کو روک دیا، سب نے اس بارے میں ابو بکر سے بات کی تو ابو بکر نے ان سے بات کی لیکن انہوں نے کہا: جو شخص آگ جلائے گا میں اس کو اسی میں ڈال دوں گا۔ اور جب دشمن سے مسلمانوں کی ٹڈ بھڑ ہوئی تو انہوں نے دشمنوں کو شکست دے دی، اور جب مجاہدین نے ان کا پیچھا کرنا چاہا تو عمرو نے ان کو روک دیا^(۱)۔

عمرو نے یہ بھی روایت کی ہے کہ غزوہ ذات السلاسل کی ایک سخت سردرات میں مجھے احتلام ہو گیا، اور خوف ہوا کہ اگر نہاؤں گا تو ہلاک ہو جاؤں گا، اسی لئے میں نے اپنے ساتھیوں کو صبح کی نماز تیمم کر کے پڑھائی۔ اور مدینہ واپس آنے کے بعد صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ کو تینوں باتیں بتائیں۔ آپ ﷺ نے عمرو سے پوچھا تو انہوں نے آگ جلانے سے ممانعت کی وجہ یہ بتائی کہ میں نے یہ مناسب نہیں سمجھا کہ آگ کی روشنی میں دشمنوں کو ہماری قلتِ عدد کا اندازہ ہو جائے، اور دشمنوں کا پیچھا کرنے سے اس لئے روکا کہ شاید ان کے لئے فوجی کمک آجائے، اور مسلمانوں کا نقصان ہو جائے۔ آپ ﷺ نے ان کے فیصلوں کو سراہا، اور غسل نہ کرنے کا اُن سے سب دریافت کیا، تو انہوں نے کہا: میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول سنا ہے: ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ الْمَلَائِكَةَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾ (اور تم اپنے آپ کو (یا ایک دوسرے کو) قتل نہ کرو، اللہ تم پر بڑا رحم کرنے والا ہے) [النساء: ۲۹]۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ ہنس پڑے، اور کچھ نہ کہا^(۲)۔

سریہ ابی قتادہ بن ربیعہؓ کی طرف:

یہ سریہ سن ۸ ہجری میں ہضہ کی طرف بھیجا گیا تھا، جو نجد کے علاقہ میں ہے، آپ ﷺ نے ابو قتادہ بن ربیعہ انصاری کو پندرہ مجاہدین کے ساتھ بھیجا، اور اُن کو بنی غطفان پر حملہ کرنے کا حکم دیا، اس لئے کہ وہ لوگ اُس مقام پر مسلمانوں کے خلاف جمع ہو رہے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے اُن سے کہا تھا کہ وہ رات میں سفر کریں اور دن میں چھپ جایا کریں، اور جب حملہ کریں تو عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کریں۔ چنانچہ ابو قتادہ اور ان کے ساتھی رات کو سفر کرتے اور دن کو چھپ جاتے، اور وہاں پہنچ کر اُن کی ایک بڑی آبادی پر حملہ کیا، بہتوں کو قتل کیا، اور مالِ غنیمت

(۱) الترمذی، المناقب، حدیث: (۳۸۸۶)، ابن حبان بحوالہ الإحسان: ۳۶۷/۷، حدیث: (۲۵۲۳) بخاری اختصار کے ساتھ، فضائل صحابہ، حدیث: (۳۶۲۳)، صحیح مسلم، فضائل صحابہ، حدیث: (۲۳۸۴)، مسند احمد: ۲۰۳/۴۔

(۲) ابوداؤد، الطبارة، حدیث: (۳۳۵، ۳۳۴)، صحیح البخاری (تعلیقاً): ۳۸۵/۱، حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو قوی کہا ہے، اور حاکم نے صحیح کہا ہے، اور ذہبی نے اُن کی موافقت کی ہے۔ اور دیکھئے مسند احمد: ۲۰۴، ۲۰۳/۴۔

حاصل کیا۔ اونٹوں کی تعداد دو سو اور بکریاں دو ہزار تھیں۔ اور اُن کے بہت سے لوگوں کو قیدی بنالیا، اور دیگر بہت سے اموال غنیمت پر قبضہ کر لیا۔ اور تمام اموال کا پانچواں حصہ الگ کر کے باقی مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا۔ چنانچہ ہر آدمی کو بارہ بارہ اونٹ ملے۔ یہ فوجی دستہ مدینہ سے باہر پندرہ دن رہا^(۱)۔

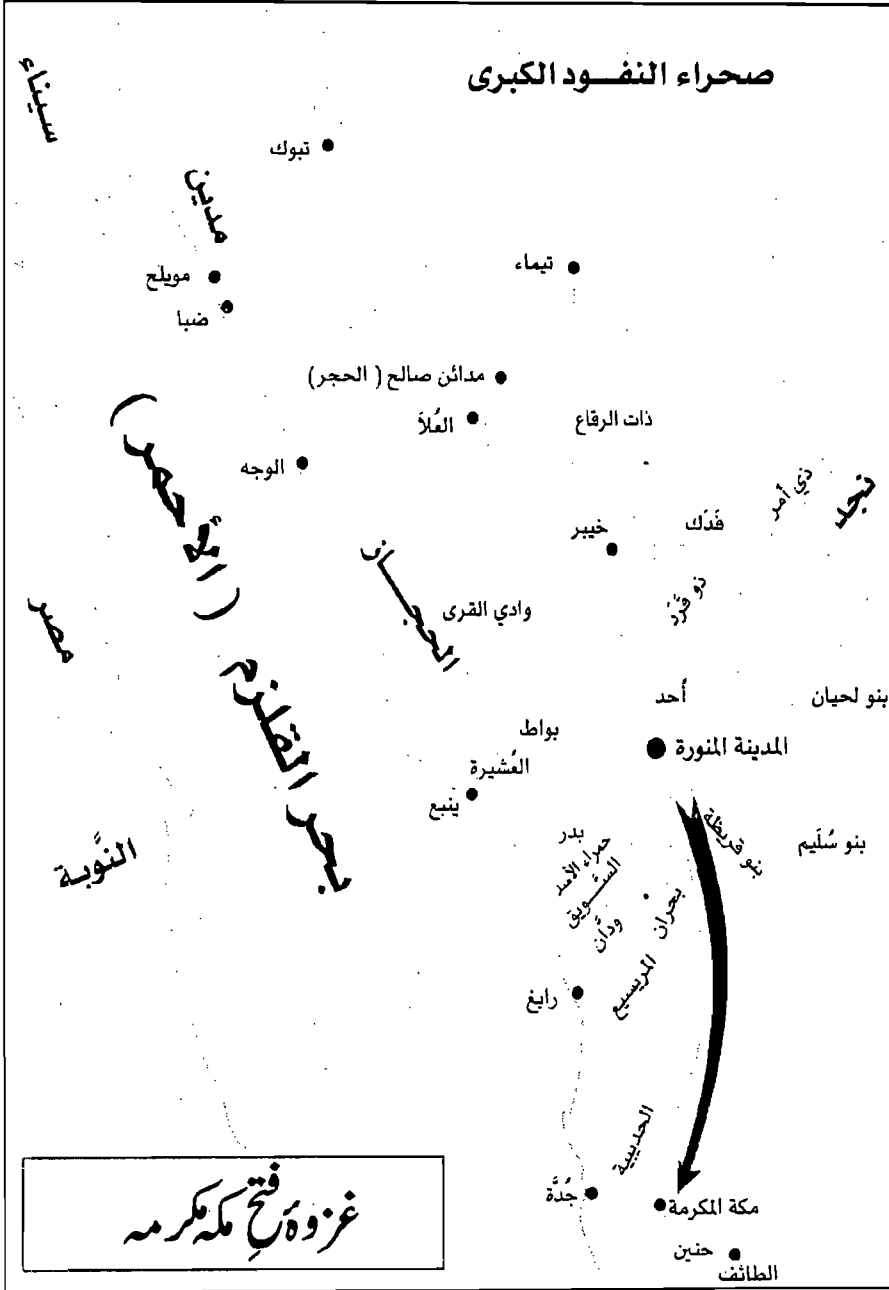
سریہ ابو قتادہ بطنِ اضم کی طرف:

سن ۸ ہجری ماہ رمضان میں رسول کریم ﷺ نے جب غزوہ مکہ کا ارادہ کیا، تو ابو قتادہ بن ربیع کو آٹھ مجاہدین کے ساتھ بطنِ اضم کی طرف بھیجا (جو مکہ اور یمامہ کے درمیان مقامِ سمنیہ کے پاس پانی کی ایک جگہ ہے) تاکہ عام لوگ یہ سمجھیں کہ رسول اللہ ﷺ کی توجہ اسی علاقہ کی طرف ہے، اور یہ خبر لوگوں میں پھیل جائے۔ اس فوجی دستہ میں محکم بن بختامہ لیثی نام کے ایک صحابی تھے، انہوں نے اُس علاقہ کے عامر بن اضبط اشجعی نامی ایک شخص کو اس کے سلام کرنے کے باوجود قتل کر دیا، اور اس کا مال و متاع چھین لیا۔ جب یہ مجاہدین واپس رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تو قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَافِرٌ كَثِيرَةٌ﴾ (اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کر رہے ہو، تو تحقیق کر لیا کرو، اور اگر کوئی تمہیں سلام کرے، تو اس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے، تمہارا مقصد دنیاوی زندگی کا سامان حاصل کرنا ہوتا ہے، جبکہ اللہ کے پاس بہت ساری غنیمتیں ہیں) [النساء: ۹۴]۔

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ قبیلہ غطفان کے سردار عیینہ بن حصن نے رسول اللہ ﷺ سے عامر کی دیت طلب کی۔ اُس وقت آپ ﷺ ایک درخت کے سایہ میں تشریف فرما تھے، اور اقرع بن حابس محکم کا دفاع کر رہا تھا۔ بالآخر عامر کے خاندان والے دیت دینے پر راضی ہو گئے^(۲)۔

(۱) عیون الآثار: ۲/۲۰۶، ۲۰۷، مغازی الواقعی: ۷۷۸/۲۔

(۲) عیون الآثار: ۲/۲۰۸، ۲۰۹، طبقات ابن سعد: ۱۳۳/۲، دسر لیاوغزوات الرسول ﷺ: ص ۷۰۔



غزوہ فتح مکہ (فتح اعظم)

مکہ کو بچوں سے پاک کرنے کی گھڑی آگئی:

یہ بات ہم سب جان چکے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کے حکم سے خانہ کعبہ کی تعمیر کی تاکہ وہ اللہ کا گھر ہو، اور لوگ دنیا کے گوشہ گوشہ سے اس کی زیارت کے لئے آئیں، اُس کا طواف کریں اور حج کریں، جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس دور کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی وحی کے مطابق ان باتوں کی تعلیم دی۔ اس لئے بعثت نبوی کے بعد اس گھر کو اُن بتوں سے پاک کرنا غایت درجہ ضروری تھا جنہیں قریشیوں نے اُس کے گرد رکھ دیا تھا، اور اس کام کے لئے رسول کریم ﷺ کا مکہ لوٹ کر آنا ضروری تھا، تاکہ وہ اس کام کو کریں اور سر زمین مکہ پر توحید کی بنیادوں کو راسخ کریں۔

چنانچہ جب نبی کریم ﷺ بُت پرستی اور اس کے اثرات، اور یہودیت اور اس کی سازشوں سے مدینہ و مکہ اور مدینہ کے گرد و نواح کو پاک کرنے سے فارغ ہو چکے، اور مکہ سے باہر کے علاقوں میں آپ ﷺ نے توحید کی بنیادوں کو مضبوط کر دیا، تو اب وقت آچکا تھا کہ آپ ﷺ اپنے رب کے حکم سے مکہ پر توجہ دیتے تاکہ اسے بچوں سے یکسر پاک کر دیتے، اور اُس کی قدیم طہارت و پاکیزگی عود کر آئی، اور اللہ کا گھر موحّد مسلمانوں کی زیارت کے لئے تیار ہو جاتا جو مدت سے وہاں آنے اور بیت اللہ کا طواف کرنے کی تمنا دل میں لئے زندگی گزار رہے تھے۔ اور چونکہ قریش کے باقی ماندہ لوگ اب تک انکارِ حق اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار ہونے کے لئے اصرار کر رہے تھے، اس لئے ضروری تھا کہ نبی کریم ﷺ اپنے مہاجرین و انصار صحابہ کرام کے ساتھ بحیثیت فاتح داخل ہوں۔

فتح مکہ فتح اعظم تھا:

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے فتح مکہ کو فتح اعظم قرار دیا ہے، اور لکھا ہے کہ یہی وہ فتح تھی جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین و رسول اور لشکرِ اسلام کو عزت بخشی، اور اپنے بلدِ حرام کو کفار و مشرکین کے قبضہ سے نجات دی۔ یہی وہ فتح تھی جس کی خوشی آسمان والوں نے بھی منائی، اور جس کے بعد لوگ بوق بوق اللہ کے دین میں داخل ہوئے، اور اللہ کی سر زمین نور و ضیاء اور فرحت و شادمانی سے بھر گئی۔ اسی فتح مبین کے حصول کے لئے اللہ کے رسول ﷺ لشکرِ اسلام لے کر نکلے، اور دیکھتے ہی دیکھتے سر زمین مکہ کی کاپلاٹ گئی^(۱)۔

(۱) دیکھئے زاد المعاد: ۲/ ۳۱۲، ۳۱۳۔

فتح کے لئے تائیدِ غیبی:

صلحِ حدیبیہ کی تفصیلات میں یہ بات آچکی ہے کہ صلح کی ایک اہم شرط یہ تھی کہ دس سال تک جنگ قطعی طور پر بند رہے گی، تاکہ لوگ اس مدت میں امن و چین کی زندگی گزار سکیں، اور ایک بات اس عہد نامہ میں یہ تھی کہ جو کوئی محمد کے ساتھ اس عہد نامہ میں شریک ہونا چاہے گا، ہوگا، اور جو کوئی قریشیوں کے ساتھ ہونا چاہے گا، اسے اختیار ہوگا۔ چنانچہ قبیلہ خزاعہ کے لوگ رسول کریم ﷺ کے ساتھ ہو گئے، اور بنی بکر کے لوگ قریش کے ساتھ۔ خزاعہ اور بنی بکر کے درمیان اسلام آنے کے پہلے سے قدیم انعاموں کے جذبے کا فرما تھے۔ لیکن اسلام آنے کے بعد مسلمان اور کفار سبھی لوگ اسی قضیہ کبریٰ میں مشغول ہو گئے۔ صلح حدیبیہ کے بعد حالات کافی حد تک پرسکون ہو گئے، اور مذکورہ بالا دونوں قبیلے دونوں فریقوں (مسلمان اور قریش) کی طرف مائل ہو گئے، اور اس طرح عہد نامہ صلح کے بعد تمام لوگ تقریباً سترہ یا اٹھارہ ماہ تک پرسکون رہے۔

البتہ قبیلہ بنی بکر کی شاخ (الدیل) کے لڑکوں نے صلح سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنا بغض قدیم انتقام لینا چاہا، اور رات کے وقت خزاعہ والوں پر حملہ کر دیا، اور ان کے بعض افراد کو قتل کر دیا۔ قریشیوں نے سوچا کہ محمد کو اس کی خبر نہیں ہوگی، اور رات کا وقت ہے، اور ہمیں کوئی نہیں دیکھ رہا ہے، اس لئے انہوں نے بنی بکر کی ہتھیاروں اور دیگر اسباب جنگ کے ذریعہ مدد کی، اور اُن کے ساتھ مل کر خزاعہ کے خلاف جنگ کی۔ خزاعہ کے لوگ گھبرا کر مکہ کی طرف بھاگے اور حرم کے حدود میں واقع یذیل بن ورقاء کے گھر میں داخل ہو گئے، اور اُس سے قریش اور بنی بکر کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بدعہدی کی شکایت کی۔ اُدھر عمرو بن سالم خزاعی چالیس سواروں کے ساتھ فوراً ہی مدینہ کے لئے روانہ ہو گیا، اور مسجد نبوی میں داخل ہو کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے پہنچ گیا، اُس وقت آپ ﷺ صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ عمرو نے تمام حالات بتا کر آپ ﷺ سے مدد کی درخواست کی۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کی تمام باتیں سن کر فرمایا: اے عمرو! تمہاری مدد یقیناً کی جائے گی۔ اُسی وقت بادل کا ایک ٹکڑا رسول اللہ ﷺ کے سر کے اوپر سے گزرا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بادل بنی کعب کی نصرت و تائید کی خبر دے رہا ہے^(۱)۔

ابوسفیان مدینہ میں:

چونکہ یہ حادثہ قریشیوں کی جانب سے صلح کی خلاف ورزی تھی، اسی لئے بعد میں وہ ڈرے اور اس بدعہدی

(۱) مغازی ابن اسحاق، اور اس کی سند صحیح ہے، الاصابہ: ۵۲۹/۲، ترجمہ عمرو بن سالم: (۵۸۳)، دلائل البیہقی: ۵/۵-۷۔

کے بُرے نتائج کے بارے میں سوچنے لگے، اور انہیں یقین ہو گیا کہ کسی بڑے خطرہ کی گھنٹی بجنے لگی ہے، اس لئے کہ محمد بن عبد اللہ اُن سے خزانہ والوں کا انتقام ضرور لے گا، اسی لئے زعمائے مکہ نے فیصلہ کیا کہ ابوسفیان کی نگرانی میں ایک وفد مدینہ بھیجیں تاکہ صلح نامہ کی تجدید کر لیں، اور اس کی مدت بھی بڑھوا لیں۔ ابوسفیان اس کام کے لئے نکلا تو راستہ میں اس کی ملاقات مقام عسفان پر بدیل بن ورقاع سے ہو گئی جو مدینہ سے مکہ واپس جا رہا تھا۔ ابوسفیان نے اس سے پوچھا کہ وہ کہاں سے آرہا ہے؟ (اور اسے پہلے سے گمان تھا کہ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس سے آرہا ہے) اس نے کہا کہ میں ساحل کے کنارے وادی میں رہنے والے خزانہ کے لوگوں کے پاس گیا تھا۔ اس نے دوبارہ پوچھا: کیا تم محمد کے پاس نہیں گئے تھے؟ اس نے کہا: نہیں۔

بدیل جب مکہ کی طرف چل پڑا تو ابوسفیان نے کہا: اگر یہ شخص مدینہ گیا تھا تو اس کی سواری نے کھجور کی گٹھلی ضرور کھائی ہوگی۔ چنانچہ وہ اُس جگہ آیا جہاں اس کی سواری بیٹھی تھی، اور اس کے گوبر کو گریدا، تو اس میں اُسے گٹھلی ملی۔ اس نے قسم کھا کر اپنے ساتھیوں سے کہا: یہ آدمی محمد کے پاس ضرور گیا تھا۔

ابوسفیان جب مدینہ پہنچا تو سیدھا نبی کریم ﷺ کے پاس گیا، اور کہا: اے محمد! میں صلح حدیبیہ کے موقع پر غیر حاضر تھا، اس لئے تم اب عہد نامہ کو مزید پختہ کر دو اور مدت بھی بڑھا دو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابوسفیان، کیا تم اسی لئے آئے ہو؟ اس نے کہا: ہاں۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: کیا تمہاری طرف کوئی نیا حادثہ وقوع پزیر ہوا ہے؟ ابوسفیان نے کہا: اللہ ہمیں ایسے کاموں سے پناہ میں رکھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہم حدیبیہ کے دن کے عہد نامہ صلح اور اس کی مدت کے پابند ہیں، اُس میں کوئی تبدیلی نہیں کریں گے۔

ابوسفیان یہ جواب سُن کر اپنی بیٹی اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا، اور نبی کریم ﷺ کے بستر پر بیٹھنا چاہا، تو اُم حبیبہ نے اُسے لپیٹ دیا، ابوسفیان نے کہا: اے بیٹی! کیا تم نے اس بستر کو میرے لائق نہیں سمجھا، یا مجھے اس لائق نہیں سمجھا کہ اس پر بیٹھوں؟ انہوں نے کہا: یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے، اور تم مشرک و نجس ہو۔ ابوسفیان نے کہا: اے بیٹی! مجھ سے جدا ہونے کے بعد تم بُری ہو گئی ہو۔ اُم حبیبہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام لانے کی توفیق دی ہے، اور تم اے میرے بابا! سرِ دائرِ قریش ہونے کے باوجود کیسے اسلام لانے سے چوک گئے؟ کس عقل سے تم پتھر کو پوجتے ہو، جو نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے۔ ابوسفیان نے کہا: حیرت ہے کہ تم مجھے ایسی بات کہہ رہی ہے، کیا میں اُن معبودوں کو چھوڑ دوں جنہیں میرے آباء و اجداد پوجتے تھے، اور دین محمد کی پیروی کر لوں؟ پھر ناراض ہو کر وہاں سے نکلا، اور دوبارہ رسول کریم ﷺ سے عہد نامہ کے بارے میں بات کی، لیکن آپ ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ابوسفیان ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، اور اُن سے استدعا کی کہ وہ آپ ﷺ سے بات کریں،

لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ وہاں سے اُٹھ کر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، اُن کا جواب زیادہ سخت تھا، کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس تم لوگوں کے لئے سفارش کروں گا؟ اگر مجھے ذروں کے سوا کچھ بھی نہ ملتا تو میں اسی کے ذریعہ تم لوگوں سے جہاد کرتا۔ پھر وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور کہا: یہاں کے لوگوں میں تم سے زیادہ کوئی مجھ سے قریب نہیں ہے۔ کوشش کرو کہ صلح کی مدت بڑھادی جائے، تمہارا ساتھی (محمد) تمہاری بات کا ضرور خیال رکھے گا، عثمان نے کہا: میرا معاہدہ رسول اللہ ﷺ کے معاہدہ کا ایک حصہ ہے۔ تب ابوسفیان علی بن ابی طالب کے پاس آیا، اُس وقت اُن کے پاس فاطمہ بیٹی تھیں، اور حُسن بن علی دونوں کے سامنے کھیل رہے تھے، ابوسفیان نے اپنی آمد کا مشایان کیا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس سفارش طلب کی۔ علی نے کہا: اے ابوسفیان! رسول اللہ ﷺ نے جب ایک فیصلہ کر لیا ہے تو ہم لوگ آپ ﷺ سے اس بارے میں دوبارہ کوئی بات نہیں کر سکتے۔ ابوسفیان فاطمہ سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا: کیا تم اپنے اس بیٹے کو کہو گی کہ وہ لوگوں کے درمیان صلح و امن کے لئے واسطہ بنے، تاکہ وہ آگے چل کر عربوں کا سردار بن جائے؟ فاطمہ نے کہا: میرا بیٹا ابھی اس عمر کو نہیں پہنچا ہے کہ وہ یہ کام کر سکے۔

ابوسفیان پر یہ حالات بہت سخت گزرے، چنانچہ اس نے علی بن ابی طالب سے کہا: اے ابوالحسن! میں ابھی بڑی مشکل گھڑی سے گزر رہا ہوں، اس لئے تم مجھے کوئی مشورہ دو۔ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میرے پاس تمہارے لئے کوئی مفید رائے نہیں ہے، لیکن تم تو بنی کنانہ کے سردار ہو، آگے بڑھو، اور لوگوں کے درمیان صلح و آشتی کی بات کرو، پھر اپنے شہر چلے جاؤ۔ ابوسفیان نے کہا: کیا تم سمجھتے ہو کہ ایسا کرنا مفید رہے گا؟ علی نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! میں ایسا نہیں سمجھتا ہوں، لیکن میرے پاس تمہارے لئے اور کوئی رائے نہیں ہے۔

ابوسفیان مسجد نبوی میں گیا، اور لوگوں سے مخاطب ہو کر گویا ہوا، میں لوگوں کے درمیان امن و صلح کا اعلان کرتا ہوں۔ پھر اپنے اونٹ پر سوار ہو کر روانہ ہو گیا۔ جب مکہ پہنچا تو قریشیوں نے اس سے احوال پوچھا۔ اس نے کہا: میں نے محمد سے بات کی تو اُس نے کوئی جواب نہیں دیا، پھر ابو بکر کے پاس آیا، تو اس کے پاس بھی کوئی بھلائی نہیں ملی، پھر عمر بن خطاب کے پاس آیا تو اسے سب سے بڑا دشمن پایا، پھر علی کے پاس آیا تو اسے دوسروں سے نرم پایا، اور اس کے مشورہ سے ایک کام کیا، لیکن مجھے نہیں معلوم کہ اس کا کوئی فائدہ ہو گا یا نہیں۔

قریشیوں نے پوچھا: اس نے تمہیں کیا مشورہ دیا؟ کہا: اس نے مجھے لوگوں کے درمیان امن و صلح کے اعلان کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ تو میں نے ویسا ہی کیا۔ لوگوں نے پوچھا: کیا محمد نے اس کی توثیق کر دی تھی؟ اس نے کہا: نہیں۔ قریشیوں نے کہا: اللہ کی قسم! اس نے تمہارے ساتھ کھیل کھیلا ہے۔ ابوسفیان نے کہا: اللہ کی قسم! اس کے سوا

وہاں سے مجھے کچھ بھی ہاتھ نہیں آیا۔ یہ سُن کر اس کی قوم کے لوگوں نے سمجھ لیا کہ جس مقصد کی خاطر وہ مدینہ گیا تھا، اس میں اسے کوئی کامیابی نہیں ملی ہے، چنانچہ سب اس سے ناراض ہز گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ اب جنگ یقینی ہو گئی ہے۔

ابوسفیان کے مدینہ سے واپس ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیوی عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ہمارے لئے اسبابِ سفر تیار کرو اور دیکھو کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو، اور فرمایا: اے اللہ! قریشیوں کو خبر نہ ہو یہاں تک کہ ہم انہیں اچانک جا لیں۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی عائشہ کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے لئے بعض سامانِ سفر تیار کر رہی ہیں۔ انہوں نے پوچھا: اے بیٹی! کیا رسول اللہ نے اسے تیار کرنے کا حکم دیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں، آپ بھی تیار ہو جائیے۔ انہوں نے پوچھا: تمہارے خیال میں رسول اللہ ﷺ کدھر کا ارادہ رکھتے ہیں؟ عائشہ نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے کچھ معلوم نہیں (۱)۔

ابن اسحاق نے عائشہ سے روایت کی ہے کہ ابوبکر جب عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے تو وہ گیہوں صاف کر رہی تھی۔ انہوں نے پوچھا: یہ کیا کر رہی ہو، کیا رسول اللہ ﷺ نے کسی سفر کی تیاری کا حکم دیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں، آپ بھی تیار ہو جائیے۔ ابوبکر نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ عائشہ نے کہا: آپ ﷺ نے مجھے کوئی بات نہیں بتائی ہے؟ صرف سفر کی تیاری کا حکم دیا ہے (۲)۔

نبی کریم ﷺ اندر تشریف لائے تو ابوبکر عائشہ کے پاس تھے، ابوبکر نے آپ ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے سفر کا ارادہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ پوچھا: کیا میں بھی تیاری کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ ابوبکر نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: قریش کا ارادہ ہے، لیکن آپ اس بات کو راز میں ہی رکھئے۔ ابوبکر نے پوچھا: کیا ہمارے اور اُن کے درمیان مدت مقرر نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: انہوں نے غداری اور بدعہدی کی ہے۔ اس لئے اُن پر حملہ کرنے والا ہوں۔ لیکن آپ اس بات کو مخفی رکھئے، تاکہ کوئی شام کا گمان کرے، کوئی ثقیف کا، اور کوئی ہوازن کا۔

اور ابھی کچھ ہی پہلے بتا چکا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے قبل ابوقحادہ بن ربیعہ کو آٹھ مجاہدین کے ساتھ بطنِ اضم کی طرف اسی خیال سے بھیجا تھا، تاکہ لوگ سمجھیں کہ رسول اللہ ﷺ اُسی جہت کا ارادہ رکھتے ہیں،

(۱) مغازی الواقدي: ۷۹۵-۷۹۶، دلائل البیہقی: ۱۲-۹/۵۔

(۲) مغازی ابن اسحاق بسند صحیح، طبرانی، المعجم الصغیر بسند ضعیف۔

اور یہ خبر لوگوں میں پھیل جائے۔

حاطب کا خط اہل مکہ کے نام:

جب رسول اللہ ﷺ نے قریش پر حملہ کا پختہ ارادہ کر لیا، اور مدینہ میں لوگوں کو یہ بات بتادی، اور صحابہ کرام کو پوری طرح تیار ہو جانے کا حکم دے دیا، تو حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے قریشیوں کو لکھ بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے، یہ بات انہوں نے تین اشخاص کو لکھ بھیجی۔ صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابوجہل کو۔ اور وہ خط انہوں نے ایک مُزنی عورت کو دیا، اور کہا کہ اگر وہ اسے قریش تک پہنچا دے گی تو اس کو وہ ایک اچھا معاوضہ دیں گے۔ اور اس کو تاکید کر دی کہ وہ خط کی خبر کسی کو نہ ہونے دے، اور عام رہ گزر سے نہ جائے اس لئے کہ اس راہ کی نگرانی ہو رہی ہے۔ چنانچہ اس عورت نے وہ خط اپنے بال کے جوڑے میں رکھ لیا، اور مدینہ سے ایسے راستہ پر چلی جس کے لوگ عادی نہیں تھے۔

ادھر رسول اللہ ﷺ کو بذریعہ وحی حاطب کے کئے کی خبر دے دی گئی، اور آپ نے فوراً اعلیٰ اور زیر کو روانہ کیا، اور دونوں سے کہا کہ اُس مُزنی عورت تک جلد پہنچ جاؤ جسے حاطب نے اہل مکہ کے نام خط دے کر بھیجا ہے، اور قریشیوں کو جنگ کی خبر سے آگاہ کیا ہے۔ دونوں کو وہ عورت ”خلیفہ“ نام کے مقام پر مل گئی، انہوں نے اسے سواری سے اتارا، تو اُس کے پاس کچھ بھی نہ ملا۔ انہوں نے اس سے کہا: ہم اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جھوٹے نہیں ہیں، اور ہم بھی جھوٹ نہیں بول رہے ہیں، اس لئے تم وہ خط نکالو، ورنہ ہم تمہارے کپڑے اُتروادیں گے۔ عورت نے جب ان دونوں کا اصرار دیکھا تو کہنے لگی: تم دونوں مجھ سے الگ ہٹ جاؤ، وہ دونوں الگ ہو گئے تو اس نے اپنا جوڑا کھول کر اُس میں سے خط نکالا، اور اُن کے حوالہ کر دیا۔ دونوں اُسے لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آ گئے۔

آپ ﷺ نے حاطب کو بلایا اور پوچھا کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں اللہ اور اس کے رسول پر کامل ایمان رکھتا ہوں، میں نے اپنے ایمان میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا کی ہے، لیکن میں ایک ایسا آدمی ہوں جس کی مکہ میں کوئی اصل اور خاندان نہیں ہے، اور وہاں میرے بال بچے ہیں، اس لئے میں نے اہل مکہ کے ساتھ بھلائی کرنی چاہی تھی۔ (تاکہ وہ میرے اہل و عیال کا خیال رکھیں)۔

عمر بن خطاب نے کہا: اللہ تم سے سمجھے، دیکھ رہے ہو کہ رسول اللہ ﷺ مکمل رازداری سے کام لے رہے ہیں، اور تم قریش کو لکھ کر انہیں آگاہ کر رہے ہو؟ اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجئے کہ اس کی گردن مار دوں،

یہ تو منافق ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمر! کیا تمہیں خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ بدر کے دن اہل بدر کی حقیقت پر پوری طرح مطلع ہو گیا تھا، اسی لئے انہیں مخاطب کر کے فرمایا: ”اب تم جو چاہو کرو، میں نے تمہیں معاف کر دیا۔“ اس کے بعد اللہ عز و جل نے حاطب کے بارے میں نازل فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ﴾ (اے ایمان والو! تم لوگ میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ، تم ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہو، حالانکہ وہ دین برحق کا انکار کرتے ہیں جو تمہیں ملا ہے، انہوں نے رسول اللہ کو اور تمہیں صرف اس وجہ سے (مکہ سے) نکال دیا ہے کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لے آئے ہو، اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے اور میری خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنے شہر سے نکلے ہو، تو پھر ان سے چپکے چپکے دوستی کیوں کرتے ہو، میں تو وہ سب جانتا ہوں جو تم چھپاتے ہو، اور جو ظاہر کرتے ہو، اور تم میں سے جو کوئی ایسا کرتا ہے، وہ (اللہ کی) سیدھی راہ سے بھٹک جاتا ہے) [الممتحنہ: (۱)]

مسلمانوں کی فوج رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں دس ہزار مجاہدین مہاجرین و انصار پر مشتمل سن ۸ ہجری دس رمضان المبارک بروز بدھ مکہ کی طرف روانہ ہوئی، اور آپ ﷺ نے مدینہ میں اپنا خلیفہ ابو رہم کلثوم بن الحصین الغفاری کو متعین کر دیا، اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے منادی نے اعلان کر دیا کہ جو روزہ رکھنا چاہے رکھے اور جو افطار کرنا چاہے افطار کرے۔ اور خود آپ ﷺ نے روزہ رکھا، اور جب مقام ”عرج“ پر پہنچے تو پیاس کی شدت کم کرنے کے لئے اپنے سر اور چہرہ پر پانی ڈالا، اور جب آپ ظہر اور عصر کے مابین عسکان و قدید کے درمیان ”الکدید“ نام کے مقام پر پہنچے تو پانی سے بھر ایک پیالہ اپنے ہاتھ میں لیا جسے تمام مسلمانوں نے دیکھا، پھر روزہ توڑ دیا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے عصر کے بعد افطار کیا تھا، اور جب آپ کو کچھ لوگوں کے بارے میں خبر ملی کہ انہوں نے روزہ نہیں توڑا ہے، تو فرمایا: وہ لوگ نافرمان ہیں (۲)۔

(۱) دیکھئے، صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۳۹۸۳)، (۳۲۷۳) صحیح مسلم، فضائل الصحابة، حدیث: (۲۳۹۳) ابو داؤد، حدیث: (۲۶۵۱، ۲۶۵۰)،

ترمذی، حدیث: (۳۳۰۵) وغیرہم۔

(۲) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۳۲۷۶)، صحیح مسلم، حدیث: (۲۳۲۳)، ترمذی، الصوم، حدیث: (۷۱۰)۔

نبی کریم ﷺ مَرَّ الظَّهْرَانِ میں:

آپ ﷺ آگے بڑھے یہاں تک کہ مَرَّ الظَّهْرَانِ (وادئ فاطمہ) پہنچ گئے، اور آپ کے ساتھ دس ہزار صحابہ کرام تھے، آپ کے ساتھ تمام ہی مہاجرین و انصار لٹکے تھے، کوئی پیچھے نہیں رہا تھا۔ اور اُن کے ساتھ قبائل سلیم و مزینہ اور غطفان اور دیگر قبائل بھی تھے۔ اور یہ ساری خبر قریش سے بالکل مخفی رہی، رسول اللہ ﷺ کی کوئی خبر اُن کو نہیں مل رہی تھی، انہیں پتہ نہیں تھا کہ آپ کا کیا ارادہ ہے، اسی لئے قریش والے ہر وقت خوف و ہراس میں تھے۔ عباس بن عبدالمطلب کی آمد:

عباس بن عبدالمطلب اپنے اہل و عیال کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے سفر شروع کرنے سے پہلے ہی ہجرت کی نیت سے مکہ سے نکل چکے تھے، اسی لئے مقامِ مجھ پر آپ سے اُن کی ملاقات ہو گئی۔

ابوسفیان بن الحارث اور عبد اللہ بن امیہ کا اسلام:

مکہ پہنچنے سے پہلے راستہ میں آپ سے آپ کے چچا زاد ابوسفیان بن الحارث اور عبد اللہ بن امیہ مقامِ ابواء پر آئے، یہ دونوں آپ کے چچا زاد اور پھوپھی زاد تھے۔ آپ نے دونوں کی طرف سے اپنا چہرہ مبارک پھیر لیا، اُس اذیت و استہزاء کو یاد کر کے جو آپ کو یہ دونوں مکی زندگی میں پہنچاتے تھے۔ آپ سے اُم سلمہ نے دونوں کے لئے بات کی اور کہا: اے اللہ کے رسول! دونوں آپ کے چچا زاد اور پھوپھی زاد ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے ان کی ضرورت نہیں۔ میرا چچا زاد میری بے عزتی کرتا تھا، اور میرے پھوپھی زاد نے مکہ میں مجھے بڑی تلخ بات کہی۔

دونوں کو یہ بات معلوم ہوئی، اُس وقت ابوسفیان کے ساتھ اُن کا ایک لڑکا بھی تھا تو ابوسفیان نے کہا: اللہ کی قسم! رسول اللہ مجھے ملنے کی اجازت نہیں دیں گے، تو میں اپنے اس بیٹے کے ساتھ کہیں نکل جاؤں گا، یہاں تک کہ ہم دونوں پیاس اور بھوک کی شدت سے مرجائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ اور اُسی وقت علی بن ابوطالب نے ابوسفیان سے کہا: تم رسول اللہ ﷺ کے پاس اُن کے سامنے سے آؤ، اور وہی بات کہو جو یوسف کے بھائیوں نے یوسف سے کہی تھی: ﴿قَالَ لِلَّهِ لَقَدْ عَاشَرَكَ اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِنْ كُنَّا لَخَاطِبِينَ﴾ (اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر فوقیت دی، اور ہم لوگ بے شک گناہ گار تھے) [یوسف: ۹۱]۔ رسول اللہ یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی اُن سے بہتر بات کہے۔ ابوسفیان نے ایسا ہی کیا، تو آپ ﷺ نے اُن سے فرمایا: ﴿لَا تَحْزَبْ عَلَیْكُمْ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾ (آج تمہارا

کوئی مواخذہ نہیں ہوگا، اللہ تمہیں معاف کر دے، وہ سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔ [یوسف: ۹۲]۔

اس کے بعد ابوسفیان بن حارث نے رسول اللہ ﷺ کو چند اشعار سنائے جن میں انہوں نے اپنی خطاؤں کا اعتراف کیا، اپنے اسلام کا اعلان کیا، اور اپنی پریشانی اور دردِ بدر کی ٹھوکریں کھانے کا اظہار کیا۔ اُن اشعار کو سُن کر رسول اللہ ﷺ نے اُن کے سینہ پر ایک ٹھوکر لگائی، اور فرمایا: تم نے مجھے دَر دَر کی ٹھوکر کھلائی ہے۔

ابوسفیان اس کے بعد صدقِ دل سے مسلمان ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے شرمندگی کے سبب کبھی آپ کے سامنے اپنا سر نہیں اٹھایا۔ رسول اللہ ﷺ اُن سے محبت کرتے تھے، اور اُن کے لئے جنت کی گواہی دی، اور فرمایا: مجھے امید ہے کہ یہ حمزہ کی جگہ لے گا۔ اور جب ان کی وفات کا وقت آیا تو کہنے لگے: میری موت پر تم لوگ آنسو نہ بہاؤ۔ اللہ کی قسم! جب سے مسلمان ہوا ہوں زبان سے کوئی غلط بات نہیں کہی ہے^(۱)۔

اسلامی فوج نے دس ہزار آگ جلائی:

رسول کریم ﷺ جب مَرَّ الظَّهْرَانِ میں فروکش ہوئے، تو عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے کہا: اب قریش کی خیر نہیں۔ اگر رسول اللہ ﷺ مکہ میں بزورِ طاقت داخل ہو گئے تو قریشی یکسر ہلاک و برباد ہو جائیں گے۔ چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سفید خچر پر سوار ہو کر مقام ”أَرَاك“ تک آئے، اور دل میں سوچا کہ شاید کوئی آدمی مل جائے جو مکہ والوں کو رسول اللہ ﷺ کی آمد کی اطلاع دے اور اُن سے کہے کہ وہ آکر آپ سے امن کی درخواست کریں قبل اس کے کہ آپ بزورِ طاقت مکہ میں داخل ہوں۔ وہ ابھی یہ بات سوچ رہے تھے کہ انہوں نے ابوسفیان بن حرب اور بَدِیل بن ورقاء کی آواز سنی۔ ابوسفیان کہہ رہا تھا: میں نے آج کی طرح کبھی نہ کوئی آگ دیکھی اور نہ فوج۔ اور بَدِیل کہہ رہا تھا: اللہ کی قسم! یہ خزاعہ والوں کی آگ ہے، جنگ کی خواہش نے ان کے جذبات کو برا بھلا سمجھ کر دیا ہے۔ ابوسفیان نے کہا: اللہ کی قسم! خزاعہ والے ایسے ذلیل و قلیل ہیں کہ یہ اُن کی آگ اور فوج نہیں ہو سکتی۔ ابوسفیان حکیم بن حزام اور بَدِیل بن ورقاء کے ساتھ خبروں کی ٹوہ میں نکلا تھا^(۲)۔

ابوسفیان بن حرب کا اسلام:

عباس کہتے ہیں: میں نے ابوسفیان کی آواز پہچان لی، اور کہا: اے ابو خظلمہ! کیا تم نے میری آواز پہچان لی؟ اس نے پوچھا: کیا یہ ابو الفضل ہیں؟ میں نے کہا: ہاں۔ اس نے پوچھا: کیا بات ہے، میرے ماں باپ آپ پر فدا

(۱) مستدرک حاکم: ۳/۳۳۳، مسلم کے شرط کے مطابق صحیح ہے، اور ذہبی نے تائید کی ہے، دلائل التبیہتی: ۲۸۲/۲۸۵۔

(۲) اسے طبرانی نے روایت کی ہے، اور سند صحیح ہے، المطالب العالیہ، ابن حجر، حدیث: (۴۳۶۲) اور لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، دلائل التبیہتی:

ہوں؟ میں نے کہا: اللہ کی قسم! یہ رسول اللہ ہیں اپنے اصحاب کے ساتھ، قریشیوں کے لئے یہ صبح بُری ہے، ابوسفیان نے پوچھا: پھر کیا کرنا چاہئے، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں؟ عباس نے کہا: اللہ کی قسم! اگر رسول اللہ ﷺ نے تم کو پالیا تو تمہاری گردن اڑادی جائے گی، آؤ، اس خنجر پر میرے پیچھے سوار ہو جاؤ۔ ابوسفیان سوار ہو گیا، اور اُس کے دونوں ساتھی (بدیل اور حکیم) واپس چلے گئے۔ عباس کہتے ہیں: میں انہیں لے کر چلا، اور جب جب کسی آگ کے پاس سے گزرتا، لوگ پوچھتے: یہ کیا ہے؟ پھر رسول اللہ ﷺ کے خنجر پر آپ کے چچا عباس کو دیکھ کر کہتے: یہ رسول اللہ ﷺ کا خنجر ہے جس پر آپ کے چچا جا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ہم عمر بن خطاب کی آگ کے پاس سے گزرے تو انہوں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ اور میرے پاس آگئے، اور ابوسفیان کو پہچان کر کہنے لگے: یہ تو اللہ کا دشمن ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے آج تمہیں ہمارے پاس پہنچادیا، اور تیزی کے ساتھ دوڑ کر رسول اللہ کے پاس پہنچ گئے، اور میں نے بھی خنجر کو چابک لگایا، اور تیزی کے ساتھ رسول اللہ کے پاس پہنچ گیا، اُسی وقت عمر بھی پہنچ گئے اور کہنے لگے: اللہ کا دشمن ابوسفیان ہمارے پاس بغیر کسی معاہدہ امن و صلح کے پہنچ گیا ہے، مجھے اجازت دیجئے کہ اس کی گردن مار دوں۔ میں نے فوراً کہا: یا رسول اللہ! میں نے اسے پناہ دے دی ہے۔ پھر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھ گیا، آپ کا سر پکڑ لیا، اور بلند آواز سے کہا: اللہ کی قسم! آج کی رات میرے سوا کوئی آپ سے سرگوشی نہیں کرے گا۔ اور جب عمر کا اصرار بڑھ گیا، تو میں نے کہا: اے عمر! اب بس کرو، اگر بنی عدی کا کوئی آدمی ہوتا تو آپ یہ بات نہ کہتے، لیکن ابوسفیان بنی عبد مناف کا ہے (اسی لئے آپ اتنا اصرار کر رہے ہیں) عمر نے کہا: اے عباس! بلکہ آپ بس کیجئے، اور ایسا نہ کہئے، اللہ کی قسم! جب آپ اسلام لائے تو آپ کا اسلام میرے لئے خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ محبوب تھا، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کو آپ کا اسلام لانا خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ پسند تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عباس! آپ اسے اپنے خیمہ میں لے جائیے، اور صبح ہونے کے بعد اسے ہمارے پاس لے آئیے۔ عباس کہتے ہیں: میں اُسے اپنے خیمہ میں لے گیا، اور صبح ہوتے ہی اسے آپ ﷺ کے پاس لے آیا۔

جب رسول اللہ ﷺ نے اُسے دیکھا تو کہا: اے ابوسفیان! کیا اب بھی وہ گھڑی نہیں آئی کہ تمہیں یقین ہو جاتا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں؟ اُس نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپ کتنے بُر دبار، کتنے کریم النفس، کیسی صلہ رحمی کرنے والے اور کیسے عظیم درگزر کرنے والے ہیں، عنقریب ہے میرے دل میں یہ بات بیٹھ جائے کہ اگر اللہ کے سوا کوئی دوسرا معبود ہوتا تو اب تک کبھی تو کام آیا ہوتا۔ آپ ﷺ نے پھر کہا: اے ابوسفیان! کیا اب بھی تمہیں یقین نہیں آیا کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ اُس نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپ کتنے

بردار، کتنے کریم النفس، کیسی صلہ رحمی کرنے والے اور کیسے عظیم درگزر کرنے والے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ اب تک اس بارے میں میرا ذہن صاف نہیں ہوا ہے۔

عباس نے فوراً کہا: تمہارا بھلا ہو، جلدی سے اسلام لاؤ اور کلمہ شہادت پڑھو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد اللہ کے رسول ہیں، قبل اس کے کہ تمہاری گردن مار دی جائے۔ ابوسفیان نے فوراً کلمہ پڑھ لیا۔ تب عباس نے کہا: اے اللہ کے رسول! ابوسفیان فخر و مباہات کو پسند کرتا ہے، آپ اس کے لئے ایسی ہی بات کا اعلان کر دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا وہ مامون ہوگا، اور جو کوئی اپنا دروازہ بند کر لے گا، وہ مامون ہوگا۔

عباس جب اسے لے کر مکہ کی طرف جانے لگے، تاکہ لوگوں کو اس بات کی خبر دیں تو آپ ﷺ نے عباس سے فرمایا: اسے وادی کی کسی تنگ جگہ پر روک رکھئے تاکہ اسلام کا لشکر اس کے سامنے سے گزرے۔ عباس نے آپ ﷺ کے کہنے کے مطابق اسے روک رکھا، اور قبائل مسلمین ایک ایک کر کے گزرتے رہے، جب ایک قبیلہ گزرا تو ابوسفیان نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ میں نے کہا: بنی سلیم۔ ابوسفیان نے کہا: میرا بنی سلیم سے کیا واسطہ۔ پھر دوسرا قبیلہ گزرا۔ اس نے پوچھا: یہ کون سا قبیلہ ہے؟ میں نے کہا: قبیلہ مزینہ، اُس نے کہا: قبیلہ مزینہ سے میرا کیا واسطہ۔ ابوسفیان اسی طرح بولتا رہا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کا عظیم فوجی دستہ گزرا جو مہاجرین و انصار سے اُمڈ رہا تھا، تو اس نے کہا: ان کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ اللہ کی قسم! تمہارے بھتیجے کی بادشاہت اب بڑی عظیم ہو چکی ہے۔ عباس نے کہا: ابوسفیان اللہ تمہیں سمجھ دے، یہ نبوت ہے۔ اُس نے کہا: ہاں، تب بات دوسری ہے۔ عباس نے کہا: جلدی کرو اور اپنی قوم کی نجات کا سوچو۔

عروہ بن زبیر کی ایک مُرسل روایت میں آیا ہے: یہاں تک کہ ایک بے مثال فوجی دستہ گزرا، تو ابوسفیان نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ عباس نے کہا: یہ انصارِ مدینہ ہیں جن کی قیادت سعد بن عبادہ کر رہے ہیں۔ سعد بن عبادہ نے کہا: اے ابوسفیان! آج معرکہ کا دن ہے، آج کعبہ کو حلال کر دیا جائے گا۔ ابوسفیان نے کہا: اے عباس! آج اپنے خاندان والوں اور اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کا دن ہے۔

اس کے بعد ایک اور فوجی دستہ آیا جو دیگر دستوں سے چھوٹا تھا، اُسی میں رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام تھے، اور نبی کریم ﷺ کا جھنڈا زبیر بن عوام کے ہاتھ میں تھا۔ رسول کریم ﷺ جب ابوسفیان کے پاس سے گزرے، تو اُس نے کہا: آپ نے سنا نہیں سعد بن عبادہ نے کیا کہا ہے؟ آپ نے پوچھا: کیا کہا ہے؟ اس نے بتایا: ایسا اور ایسا کہا ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سعد نے جھوٹ بولا ہے۔ آج کے دن اللہ تعالیٰ کعبہ کی عظمت کو

دوبالا کرے گا، اور کعبہ کو لباس پہنایا جائے گا^(۱)۔

ابوسفیان وہاں سے چل کر مکہ آیا، اور پوری طاقت کے ساتھ چیخ کر اعلان کرنے لگا: اے قریشیو! محمد ایک ایسا لشکر جزار لے کر آیا ہے جس کی مانند تم لوگوں نے کبھی نہیں دیکھا ہے۔ اُس وقت اس کی بیوی ہند بنت عتبہ کھڑی ہوئی اور اس کی مونچھ پکڑ کر کہنے لگی: لوگو! اس کمینے کا لے گھڑے کو قتل کر دو، یہ اپنی قوم کا بڑا ہی بُرا پیش رو ہے۔ تو ابوسفیان نے کہا: یہ عورت تم لوگوں کو دھوکہ میں نہ ڈال دے۔ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا وہ مامون ہوگا۔ لوگوں نے کہا: تمہارا بُرا ہو، تمہارا گھر کتنوں کے کام آئے گا؟ ابوسفیان نے کہا: اور جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا وہ مامون ہوگا، اور جو کوئی مسجد حرام میں داخل ہو جائے گا وہ بھی مامون ہوگا۔ چنانچہ لوگ فوراً اپنے گھروں اور مسجد کی طرف دوڑ گئے^(۲)۔

رسول اللہ ﷺ مکہ میں:

رسول کریم ﷺ اپنے لشکر کے ساتھ سترہ رمضان المبارک کو مقام ذی طویٰ پر پہنچ گئے، یہاں آپ نے اپنی فوج کو تقسیم کیا، خالد بن الولید کو دائیں حصہ پر مقرر کیا، اور زبیر بن عوام کو بائیں پر، انہی کے پاس رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا تھا۔ اور خالد اور اُن کے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ مکہ میں اس کے بائیں طرف سے داخل ہوں۔ اور ان سے کہا کہ اگر کوئی قریشی تمہارے سامنے آئے تو اسے گھیر لو، یہاں تک کہ تم سب مجھ سے جبل صفا کے پاس ملو، چنانچہ جو کوئی اُن کے آڑے آیا اسے اس دستہ والوں نے سُلا دیا۔ اور آپ ﷺ نے زبیر کو حکم دیا کہ وہ مکہ کے بالائی علاقہ کداء کی طرف سے داخل ہوں، اور جوں میں جا کر رُک جائیں، اور وہاں رُکے رہیں یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اُن کے پاس پہنچ جائیں۔ اور ابو عبیدہ بن الجراح پیدل چلنے والوں کی قیادت پر متعین تھے، جن کے پاس اسلحہ نہیں تھے۔ آپ ﷺ نے اُن کو حکم دیا کہ وہ بطنِ وادی کے راستہ سے رسول اللہ ﷺ کے سامنے مکہ پہنچیں۔ رسول اللہ ﷺ آگے بڑھتے رہے، آپ نے احرام نہیں باندھا تھا، اور ایک سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے، اور مکہ کے بالائی علاقہ کداء سے سورۃ الفتح پڑھتے ہوئے داخل ہوئے۔

بعض مشرکوں کا خون حلال کر دیا گیا:

انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ میں جب داخل ہوئے تو آپ کے سر پر خود تھا۔ آپ

(۱) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۳۲۸۰)۔

(۲) اس کی تخریج گزر چکی ہے کہ اسے طبرانی نے روایت کی ہے، اور حافظ ابن حجر نے اسے اپنی کتاب المطالب العالیہ میں روایت کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

نے جب اسے اپنے سر سے اتار تو آپ کو بتایا گیا کہ ابنِ خطل کعبہ کی چادر سے لٹکا ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے قتل کر دو^(۱)۔ اور مصعب بن سعد نے سعد بن ابی وقاص کے لڑکے سے روایت کی ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے تمام لوگوں کے لئے امن کا اعلان کر دیا سوائے چار مردوں اور دو عورتوں کے، ان کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ انہیں قتل کر دو چاہے کعبہ کی چادر سے لٹکے ہوئے پائے جائیں عکرمہ بن ابی جہل، عبد اللہ ابنِ خطل، مقیس بن صبابہ اور عبد اللہ بن سعد بن ابی السرح۔

عبد اللہ بن خطل کعبہ کی چادر کے ساتھ لٹکا ہوا پایا گیا، تو سعید بن حریت اور عمار بن یاسر دونوں اس کی طرف لپکے، سعید عمار سے سبقت کر کے اس کے پاس پہنچ گئے اور اسے قتل کر دیا۔ مقیس بن صبابہ کو لوگوں نے بازار میں قتل کر دیا۔ عکرمہ کشتی پر سوار ہو کر بھاگ نکلا۔ کشتی آندھی کی زد میں آگئی تو کشتی والوں نے کہا: تم سب اس وقت صرف اللہ کو پکارو، تمہارے معبود اس وقت کام نہیں آئیں گے۔ عکرمہ نے کہا: اگر ہمیں کشتی سے اللہ کے سوا کوئی چیز نجات نہیں دلا سکتی، تو کشتی میں بھی اس کے سوا کوئی چیز نجات نہیں دلا سکتی۔ اے اللہ! میرا تجھ سے یہ عہد ہے کہ اگر تو نے مجھے اس مصیبت سے نجات دے دی تو میں محمد کے پاس پہنچ کر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دوں گا، مجھے یقین ہے کہ وہ میرے ساتھ غفور کرم کا معاملہ کریں گے۔ چنانچہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ اور عبد اللہ بن سعد بن ابی السرح عثمان بن عفان کے پاس جا کر چھپ گیا، اور جب رسول اللہ ﷺ نے عام بیعت کا اعلان کیا، تو عثمان نے اسے لا کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑا کر دیا، اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! اس کی بیعت لے لیجئے۔ آپ ﷺ نے سر اٹھا کر اُس کی طرف تین بار دیکھا، اور ہر بار اس کی بیعت سے اعراض کیا، بالآخر تین بار کے بعد اس کی بیعت لے لی، اور صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: کیا تم میں کوئی ایسا سمجھدار نہیں تھا جو دیکھتا کہ میں نے اس کی بیعت سے اعراض کیا ہے، اس لئے اسے قتل کر دیتا؟ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! ہم آپ کے دل کی بات کیسے جان سکتے تھے، آپ نے اپنی آنکھوں سے اشارہ کیوں نہیں کر دیا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کسی نبی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنی آنکھوں سے اشارہ کرے^(۲)۔

ابوبکر کے والد ابو قحافہ کا قبولِ اسلام:

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے موقع سے جب مکہ کے قریب مقامِ طُویٰ

(۱) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۲۸۶) صحیح مسلم، الحج، حدیث: (۱۳۵۷) وغیرہم۔

(۲) النساء، تحریم الدم، باب حکم المرتد: (۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴)، ابوداؤد، الجہاد، باب قتل الأسیر، حدیث: (۲۶۸۳)، الحاکم فی المستدرک: ۴۵/۳، صحیح

دوافع الذہبی، وغیرہم۔

میں ٹھہرے ہوئے تھے، تو ابوقحافہ نے اپنی سب سے چھوٹی بیٹی سے کہا: بیٹی مجھے جبل ابوتیس پر لے چلو، اس لئے کہ وہ نابینا تھے۔ جب وہ اس کے اوپر پہنچ گئے تو کہا: بیٹی، کیا دیکھ رہی ہو؟ اس نے کہا: میں لوگوں کی ایک بھیڑ دیکھ رہی ہوں۔ ابوقحافہ نے کہا: یہ گھوڑ سوار ہیں۔ لڑکی نے کہا: ایک آدمی اُس بھیڑ کے آگے آگے آتے جاتے دوڑ رہا ہے۔ ابوقحافہ نے کہا: بیٹی، وہ گھوڑ سواروں کا قائد ہے، تھوڑی دیر کے بعد لڑکی نے کہا: سارے گھوڑ سوار بکھر گئے۔ انہوں نے کہا: جب گھوڑ سوار آگے بڑھنے لگیں تو مجھے فوراً گھر لے چلو۔ لڑکی ان کو لے کر واپس چل پڑی، اور گھوڑ سواروں نے ابوقحافہ کو گھر پہنچنے سے پہلے آلیا، لڑکی کے گلے میں چاندی کا ایک طوق تھا جسے ایک آدمی نے نکال لیا۔

رسول اللہ ﷺ جب مکہ میں داخل ہوئے، اور مسجد حرام آئے، تو ابو بکر اپنے والد کو آپ ﷺ کے پاس لے آئے۔ آپ ﷺ نے جب اُن کو دیکھا تو کہا: اِن کو گھر میں ہی کیوں نہیں رہنے دیا، میں خود ان کے پاس آتا۔ ابو بکر نے کہا: یا رسول اللہ! ان کے لئے آپ کے پاس چل کر آنا زیادہ مناسب تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اُن کو اپنے سامنے بیٹھایا، ان کے سینہ پر ہاتھ پھیرا، پھر کہا: اسلام لے آئیے، تو وہ اسلام لے آئے۔ اور ابو بکر جب اپنے والد کو لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے، تو اُن کے سر کا بال بالکل سفید تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِن کے بال میں خضاب لگا دیجئے^(۱)۔

رسول اللہ ﷺ کا مکہ میں داخل ہونا:

مکہ کے کچھ گنوار اور کم اندیش افراد نے عکرمہ بن ابوجہل، صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو کے ساتھ خندمہ محلہ میں بیٹھ کر مسلمانوں سے قتال کرنے کی بات کی، اور جب مسلمانوں سے مدد بھیڑ ہوئی تو کچھ دیر تک ڈٹے رہے، پھر پسپا ہو گئے۔ اُسی درمیان مسلمانوں میں سے کرز بن جابر فہری اور خنیس بن خالد بن ربیعہ شہید کر دیئے گئے، یہ دونوں خالد بن ولید کے گھوڑ سواروں میں شامل تھے، لیکن راستہ بھٹک گئے اور کسی دوسری طرف نکل گئے، اور قتل کر دیئے گئے۔ مشرکوں میں سے تقریباً بارہ اشخاص مارے گئے، پھر شکست کھا کر بھاگ پڑے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مکہ میں داخل ہوئے، تو دیکھا کہ قریش نے اپنے کچھ اوباشوں کو آگے کر رکھا ہے، اُن کا خیال تھا کہ ہم انہیں آگے رکھتے ہیں، اگر قریش کو ان کے ذریعہ کچھ کامیابی ملی تو ہم ان کے ساتھ ہو جائیں گے، اور اگر یہ مارے گئے تو محمد ہم سے جو مانگے گا اسے پورا کریں گے۔

(۱) الموارد، ابن حبان، حدیث: (۱۷۰۰)، المغازی، ابن اسحاق، مسند صحیح، المسند رک للحاکم، حاکم نے کہا ہے: یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے، اور ذہبی نے سکوت اختیار کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے کہا: اے ابو ہریرہ! ابو ہریرہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ذرا انصار کو آواز دو۔ اور دیکھو انصار کے سوا کوئی نہ آئے۔ چنانچہ انصار آپ کے گرد جمع ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ قریش کے اوباشوں اور اُن کے پیچھے چلنے والوں کو دیکھ رہے ہو۔ پھر اپنے دونوں طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ان کا صفایا کر کے تم سب مجھ سے صفا پہاڑی پر ملو۔ پھر تو جس نے بھی کسی کو قتل کرنا چاہا، اسے قتل کر دیا، اُن کی طرف سے ہمارے خلاف کوئی مزاحمت نہیں ہوئی^(۱)۔

اور رسول اللہ ﷺ کا عَلمِ جہاد مسجدِ فتح کے قریب مقامِ جَوْن میں گاڑ دیا گیا، جیسا کہ عُروہ بن زبیر سے امام بخاری نے روایت کی ہے۔

بُتَّانِ کعبہ منہ کے بل گرنے لگے:

پھر رسول اللہ ﷺ اُٹھ کھڑے ہوئے، اور مہاجرین و انصار آپ کے چاروں طرف چل رہے تھے، یہاں تک کہ آپ ﷺ مسجدِ حرام میں داخل ہوئے، حجرِ اسود کو بوسہ دیا، پھر بیت اللہ کا طواف کیا، اُس وقت آپ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی، اور کعبہ کے گرد اور اُس کے اوپر تین سوساٹھ بت تھے، آپ اُن میں سے ہر ایک کو اُس لکڑی سے ٹوکتے اور کہتے: اب حق آگیا، اور باطل سرنگوں ہو گیا، اب حق آگیا اور باطل اب سر نہیں اٹھائے گا اور نہ واپس آئے گا^(۲)۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ طواف کرتے ہوئے کعبہ کے بغل میں ایک بُت کے پاس سے گزرے جس کی مشرکین عبادت کرتے تھے، آپ لکڑی اس کی آنکھ میں گھونپتے ہوئے کہنے لگے: اب حق آگیا، اور باطل سرنگوں ہو گیا۔ آپ ﷺ طواف سے فارغ ہونے کے بعد صفا پہاڑی کے پاس آئے، اس کے اوپر چڑھ گئے، یہاں تک کہ کعبہ کو دیکھنے لگے، پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور دعا کرنے لگے^(۳)۔

جابر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے، اس وقت بیت اللہ کے اندر اور اس کے گرد تین سوساٹھ بُت تھے، جن کی عبادت کی جاتی تھی۔ آپ ﷺ کے حکم سے ان سب کو اوندھے منہ گرادیا گیا۔ پھر آپ ﷺ نے پڑھا: ﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾ (حق آگیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل تو مٹنے کی چیز ہوتی ہی ہے) [الاسراء: ۸۱]۔ پھر آپ ﷺ بیت اللہ کے

(۱) صحیح مسلم، الجہاد، باب فتح مکہ، حدیث: (۱۷۸۰)، ابوداؤد، باب خبر مکہ، حدیث: (۳۰۲۳)، مسند احمد: ۵۳۸/۲ وغیرہم۔

(۲) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۳۲۸۷)، صحیح مسلم، الجہاد، حدیث: (۱۷۸۱)، ترمذی، تفسیر، حدیث: (۳۱۳۸)۔

(۳) صحیح مسلم، الجہاد، باب فتح مکہ، حدیث: (۱۷۸۰)، ابوداؤد، باب خبر مکہ، حدیث: (۳۰۲۳)، مسند احمد: ۵۳۸/۲۔

اندر داخل ہوئے اور دو رکعت نماز پڑھی۔ آپ نے اس میں ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق علیہم السلام کے مجسمے دیکھے۔ مشرکوں نے ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ میں قسمت کا حال معلوم کرنے والی لکڑیاں دے رکھی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ انہیں ہلاک کرے، ابراہیم کبھی لکڑیوں کے ذریعہ قسمت کا حال معلوم نہیں کرتے تھے^(۱)۔

آپ ﷺ حالت طواف میں اپنی سواری پر تھے۔ طواف پورا کرنے کے بعد آپ ﷺ نے عثمان بن طلحہ کو بلایا، اُن سے کعبہ کی کُنجی لی، دروازہ کھولا، اور اندر داخل ہو گئے، وہاں آپ ﷺ کو لکڑی سے بنی ایک کبوتری ملی، آپ ﷺ نے اسے توڑ کر پھینک دیا، صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ جب تک کعبہ کے اندر موجود مجسمے اور تصویریں توڑ نہیں دی گئیں آپ اندر نہیں گئے^(۲)۔

آپ ﷺ نے کعبہ میں نماز پڑھی:

ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے تو آپ کے ساتھ اسامہ بن زید، بلال حبشی اور عثمان بن طلحہ تھے، آپ بہت دیر تک اندر رہے، پھر نکلے تو دیگر صحابہ کرام داخل ہونے کے لئے دوڑ پڑے۔

عبداللہ بن عمر پہلے آدمی تھے جو داخل ہوئے، دروازہ کے پیچھے اُن کو بلال ملے، اُن سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کہاں نماز پڑھی ہے، انہوں نے اس جگہ کی طرف اشارہ کر دیا جہاں آپ ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔ ابن عمر کہتے ہیں: میں یہ پوچھنا بھول گیا کہ آپ ﷺ نے کتنی رکعت پڑھی تھیں۔ بخاری و مسلم کی روایت سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اندرون کعبہ دو رکعت دونوں اگلے ستونوں کے درمیان پڑھی تھی (کعبہ چھ متوازی ستونوں پر بنا ہوا تھا) اور کعبہ کا دروازہ آپ کی پیٹھ کی طرف تھا^(۳)۔

نماز کے بعد آپ ﷺ کعبہ کے اندر گھومتے رہے، ہر طرف تکبیر اور اللہ کی توحید کا اعلان کرتے رہے۔ پھر آپ ﷺ نے دروازہ کھول دیا، اُس وقت قریش کے لوگ مسجد حرام میں جمع ہو کر انتظار کر رہے تھے کہ رسول اللہ آگے کیا کرتے ہیں۔ آپ ﷺ دروازہ کا دونوں پٹ پکڑ کر کھڑے ہو گئے، اور لوگ نیچے کھڑے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "لا اِلهَ اِلاَّ اللهُ وحده لا شَرِيكَ لَهُ، صدق وعدہ، ونصر عبده، وهزم الأحزاب وحده" "یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اُس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندہ کی مدد کی، اور دشمنوں

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث: (۱۸۷۵۱)۔

(۲) سیرۃ ابن ہشام: ۴۱۲، ۴۱۱/۲، اس کی سند قوی ہے، حافظ ابن حجر نے فتح الباری: (۱۵/۸) میں اسے حسن کہا ہے اور حافظ مزی نے بھی)۔

(۳) صحیح البخاری، الجہاد، حدیث: (۲۹۸۸)، صحیح مسلم، الحج، حدیث: (۱۳۲۹) وغیرہا۔

کے گروہوں کو اکیلا شکست دی۔ لوگو! آگاہ رہو کہ ہر خاندانی اعزاز یا مال یا خون کا انتقام میرے ان دونوں قدموں کے نیچے ہے، سوائے بیت اللہ کی نگہداشت اور حُجّاج کو پانی پلانے کے۔ لوگو! جان لو کہ قتلِ خطّابِ عہد (یعنی کسی کی موت ڈنڈے یا کوڑے کی مار سے ہو جائے) کی دیت سواونٹ ہے، اُن میں چالیس اونٹیاں حاملہ ہوں۔

اے قریش کے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے دورِ جاہلیت کے غرور اور آباء و اجداد پر فخر کو پاش پاش کر دیا ہے، تمام انسان آدم سے پیدا ہیں، اور آدم مٹی سے۔ پھر آپ ﷺ نے مندرجہ ذیل آیت پڑھی: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتِّقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ (لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت کے ملاپ سے پیدا کیا ہے، اور ہم نے تمہیں قوموں اور قبیلوں میں اس لئے بانٹ دیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے معزز وہ ہیں جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہیں، بے شک اللہ بڑا جاننے والا، ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے) [الحجرات: ۱۳]۔

نیز آپ ﷺ نے فرمایا: اے قریش کے لوگو! تمہارا کیا خیال ہے، میں تمہارے ساتھ کیسا برتاؤ کروں گا؟ انہوں نے کہا: آپ کرم فرما بھائی اور کرم فرما بھائی کے بیٹے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی: آج تم سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی، جاؤ، تم سب آزاد ہو^(۱)۔

باب کعبہ کی کنجی اور کعبہ پر اذانِ بلالی:

رسول اللہ ﷺ کعبہ سے نکلنے کے بعد مسجد حرام میں بیٹھ گئے۔ آپ کے پاس علی بن ابی طالب کعبہ کی کنجی لئے آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! حاجیوں کو پانی پلانے کی ذمہ داری کے ساتھ ہمیں کعبہ کی دربانی بھی دے دیجئے، آپ پر اللہ کا درود ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: عثمان بن طلحہ کہاں ہے؟ انہیں بلایا گیا، آپ ﷺ نے اُن سے کہا: عثمان، یہ لو کنجی، آج بھلائی اور محبت و وفاداری کا دن ہے^(۲)۔

کعبہ کی دربانی کا شرف زمانہ جاہلیت سے بنی شیبہ کو حاصل تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے اسے انہی کے لئے رہنے دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے بلال کو حکم دیا کہ کعبہ کے اوپر چڑھ کر اذان دیں۔ اُس وقت ابو سفیان بن حرب، عتاب

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۴۱۲/۲۔ اسے ابن اسحاق نے بعض اہل علم سے روایت کی ہے، حافظ عراقی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ زاد المعاد، ابن القیم: ۴۲۴/۳، بہر حال اسے حافظ ابن کثیر، حافظ ذہبی اور ابن القیم جیسے ائمہ حدیث نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے، اس لئے تاریخ فتح مکہ کے ضمن میں اسے بیان کرنا مناسب معلوم ہوا۔

(۲) مصدر سابق: (۴۱۲/۲)۔

ابن اُسید، حارث بن ہشام اور دیگر اشراف قریش صحنِ کعبہ میں بیٹھے تھے، عتاب نے کہا: اللہ نے اُسید کو عزت بخشی کہ اُس نے یہ اذان نہیں سنی، ورنہ وہ بہت رنجیدہ ہوتے۔ حارث نے کہا: اللہ کی قسم! اگر مجھے یقین ہو جاتا کہ یہ دین حق ہے، تو اسے قبول کر لیتا۔ ابوسفیان نے کہا: میں کچھ بھی نہیں کہنا چاہتا۔ اگر میں کچھ بولوں گا تو یہ کنکریاں میرے بارے میں محمد کو بتا دیں گی۔ نبی کریم ﷺ اُن کے قریب آئے اور کہا کہ تم لوگوں نے جو کچھ کہا ہے، مجھے اس کی خبر ہو گئی ہے، پھر آپ ﷺ نے وہ سب باتیں اُن کو بتا دیں۔ تو عتاب اور حارث نے کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اللہ کی قسم! ہماری باتیں کسی دوسرے نے نہیں سنی تھی تاکہ ہم کہہ سکیں کہ اس نے آپ کو بتا دیا ہے^(۱)۔

فتح مکہ کے دن آپ ﷺ کی نماز:

بخاری و مسلم نے اُمّ ہانی سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے دن اُن کے گھر میں داخل ہوئے، غسل فرمایا، اور آٹھ رکعت نماز پڑھی، میں نے کبھی اس سے ہلکی نماز نہیں دیکھی تھی، لیکن رکوع اور سجدہ اچھی طرح کرتے تھے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن چاشت کے وقت آٹھ رکعت نماز پڑھی^(۲)۔ قاضی عیاض نے کچھ لوگوں سے نقل کیا ہے کہ وہ نماز فتح کا شکرانہ تھی، چاشت کی نماز نہیں تھی۔ اُمّ ہانی نے تو صرف نبی کریم ﷺ کی نماز کا وقت بتایا ہے۔ حافظ ابن القیم نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے اور لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے اُمّ ہانی کے گھر میں چاشت کے وقت آٹھ رکعت نماز پڑھی، جیسا کہ صحیح بخاری میں آیا ہے، جسے بعض لوگوں نے چاشت کی نماز سمجھ لی۔ حالانکہ وہ تو فتح مکہ کا شکرانہ تھی۔

ابتدائے اسلام میں جب امراء اسلام کوئی قلعہ یا شہر فتح کرتے تو فتح کے بعد رسول اللہ ﷺ کی اقتداء کرتے ہوئے یہ نماز ادا کرتے تھے^(۳)۔

فتح مکہ کے دن کا خطبہ:

فتح مکہ کے دوسرے دن رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا، اللہ کی حمد و ثنایان کی پھر فرمایا: مکہ کو اللہ نے حرام بنایا ہے، لوگوں نے اسے حرام نہیں بنایا ہے، کوئی آدمی جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے حلال نہیں کہ یہاں کسی کا خون بہائے، یا کسی درخت کو کاٹے۔ اگر کوئی آدمی رسول اللہ ﷺ کے قتال کو

(۱) مصدر سابق: (۲/۲۱۳)۔

(۲) صحیح البخاری، الطّووس، حدیث: (۱۱۷۶)، صحیح مسلم، صلاۃ المسافرین، حدیث: (۳۳۶) وغیرہا۔

(۳) زاد المعاد: (۳/۳۲۵، ۳۲۶)۔

اپنے لئے حجت بنائے تو اس سے تم لوگ کہو کہ اللہ نے صرف اپنے رسول کو اجازت دی تھی، تم کو اجازت نہیں دی ہے، اور اپنے رسول کو بھی صرف چند ساعت کے لئے اجازت دی تھی، اور آج اس کی حرمت کل کی طرح عود کر آئی ہے۔ ہر حاضر و شاہد غائب کو خبر کر دے۔ اس خطبہ کا سبب یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن بنی خزاعہ کو بنی بکر سے قتال کی اجازت دی تھی، چنانچہ انہوں نے بنی بکر والوں سے اپنا انتقام لے لیا، آپ ﷺ اُس وقت مکہ میں تھے۔ پھر آپ ﷺ نے تلوار چلانے کو منع فرمادیا۔

اس کے بعد ایسا ہوا کہ بنی خزاعہ والوں کو حرم میں بذیل کا ایک آدمی مل گیا جو رسول اللہ ﷺ کو سلام کرنے کے لئے جا رہا تھا، اس آدمی نے خزاعہ والوں کو دورِ جاہلیت میں نقصان پہنچایا تھا، اور خزاعہ کے لوگ اس کی تلاش میں تھے، خزاعہ نے اسے قتل کر دیا، اور تیزی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی طرف بڑھے تاکہ آپ انہیں اس کی اجازت دے دیں۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس کی خبر ہوئی تو شدید ناراضگی کا اظہار کیا، صحابہ نے آپ ﷺ کو ایسا ناراض ہوتے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ خزاعہ کے لوگ دوڑ کر ابو بکر و علی کے پاس گئے، اور اُن سے سفارش کرنے کی درخواست کی، انہیں ڈر ہوا کہ وہ ہلاک ہو گئے، اور رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا کرنے کے بعد مندرجہ بالا خطبہ دیا۔ اس حدیث کی ایک دوسری روایت میں آیا ہے: اللہ کے نزدیک سب سے سرکش تین قسم کے لوگ ہیں؛ ایک وہ آدمی جو حرم میں قتل کر دیا گیا، دوسرا وہ جس نے اپنے قاتل کے سوا کسی اور کو قتل کر دیا، اور تیسرا وہ جس نے دورِ جاہلیت کا انتقام اسلام کے بعد طلب کیا۔ اللہ کی قسم! میں اس آدمی کی دیت دوں گا جسے تم لوگوں نے ابھی قتل کیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی دیت ادا کی^(۱)۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مکہ میں داخل ہونے سے ہاتھی کو روک دیا، اور اپنے رسول اور مؤمنوں کو اس پر مسلط کر دیا۔ مکہ مجھ سے قبل کسی کے لئے حلال نہیں کیا گیا، اور نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہو گا، اس کا شکار بدکار یا نہیں جائے گا، نہ اس کا کوئی کاٹا توڑا جائے گا، اور نہ ہی اس میں کوئی گم شدہ چیز کسی کے لئے حلال ہو گی، البتہ وہ آدمی اسے اٹھا سکتا ہے جو اس کے مالک کی تلاش کا ارادہ رکھتا ہو۔ اور جس کا کوئی آدمی قتل کر دیا جائے اسے اختیار ہے کہ یا تو اس کی دیت لے لے، یا قاتل کے قتل کئے جانے کا مطالبہ کرے۔ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! اذخر گھاس کو مستثنیٰ کر دیجئے، اس لئے کہ ہم لوگ اسے اپنی قبروں میں بچھاتے ہیں، اور اپنے گھروں میں استعمال کرتے ہیں^(۲)۔

(۱) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۳۲۹۵)، صحیح مسلم، الحج، حدیث: (۱۳۵۳) وغیرہا۔

(۲) صحیح البخاری، القطع، حدیث: (۲۳۳۳)، صحیح مسلم، الحج، حدیث: (۱۳۵۵)۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن مکہ میں خطبہ دیا تو آپ ﷺ نے تین بار اللہ اکبر کہا پھر کہا: "لا اِلهَ اِلاَ اللہ وحدہ، صدق وعدہ، ونصر عبده، وهزم الأحزاب وحده" "یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اُس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اور اپنے بندہ کی مدد کی، اور دشمن کے گروہوں کو اکیلا شکست دی" (۱)۔

اے انصار کے لوگو! ہمارا تمہارا زندگی اور موت کا ساتھ ہے:

اللہ تعالیٰ نے جب رسول اللہ ﷺ کو فتح مکہ سے نوازا، جو آپ ﷺ کا پیدائشی اور آبائی وطن تھا، تو آپ ﷺ نے جبل صفا کے اوپر چڑھ کر کعبہ کی طرف دیکھا، اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر اللہ کو خوب یاد فرمایا اور دعا کی، انصار اس وقت پہاڑی کے نیچے جمع تھے، ان میں سے کچھ لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے: رسول اللہ ﷺ شاید اپنے شہر اور خاندان والوں کی محبت سے مغلوب ہو گئے ہیں۔ اُسی وقت آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی، آپ ﷺ نے فرمایا: اے انصار کے لوگو! کیا تم لوگوں نے آپس میں کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے شہر اور خاندان والوں کی محبت سے مغلوب ہو گئے ہیں؟ انصار نے کہا: ہاں، اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے کہا: پھر میرا نام کیا ہے؟ بے شک میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، میں نے اللہ اور تمہاری طرف ہجرت کی ہے، میرا جینا اور مرنا تمہارے ساتھ ہوگا۔ انصاریہ سن کر آپ کی طرف بڑھ کر رونے لگے، اور کہنے لگے: اللہ کی قسم! ہم نے جو بھی کہا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول سے شدید لگاؤ اور محبت کی وجہ سے کہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول تمہاری تصدیق کرتے ہیں اور تمہیں معذور جانتے ہیں (۲)۔

فتح مکہ کے دن کی بیعت:

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ لوگ آپ ﷺ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کرنے لگے۔ اسی دن معاویہ بن ابی سفیان نے بھی اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ ایک آدمی مارے ڈر کے کانپتا ہوا آیا تو آپ ﷺ نے اس سے کہا: ڈرو نہیں، میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں، میں تو ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کھایا کرتی تھی (۳)۔

أسود بن خلف رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فتح مکہ کے دن لوگوں کو آپ ﷺ کے ہاتھ پر

(۱) ابوداؤد، الدیات، حدیث: (۴۵۴۷)، ابن ماجہ، الدیات، حدیث: (۲۶۲۷)، مسند احمد: ۱/۶۶۲، ۶۶۱، اس حدیث کی سند صحیح ہے، وغیرہم۔

(۲) صحیح مسلم، الجہاد، حدیث: (۱۷۸۰)، ابوداؤد، الخراج والإمارہ، حدیث: (۳۰۲۳)، مسند احمد: ۲/۵۳۸، وغیرہم۔

(۳) ابن ماجہ، الأظمتہ، حدیث: (۳۳۱۲)۔

بیعت کرتے دیکھا، آپ ﷺ سرہ کے گھر کے قریب تشریف فرما تھے، چھوٹے بڑے اور عورتیں آتی تھیں اور آپ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کرتی تھیں، اور کلمہ شہادت کا اعلان کرتی تھیں، اسود کہتے ہیں: میں نے پوچھا: اسلام کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ پر ایمان لانا، میں نے پھر پوچھا: کلمہ شہادت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: گواہی دینی کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، اور محمد اللہ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں^(۱)۔

عائشہ بنت قدامہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ میں اپنی ماں رابطہ بنت سفیان خزاعیہ کے ساتھ تھی، جب رسول اللہ ﷺ عورتوں سے بیعت لے رہے تھے، آپ ﷺ فرما رہے تھے: میں تم سے اس پر بیعت کرتا ہوں کہ تم سب اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں بناؤ گی، چوری نہیں کرو گی، زنا نہیں کرو گی، اپنے بچوں کو قتل نہیں کرو گی، کسی پر بیہجان نہیں دھرو گی، کسی نیک کام کے کرنے میں نا فرمانی نہیں کرو گی۔ عائشہ کہتی ہیں: سب عورتوں نے اپنے سر جھکائے، تو نبی کریم ﷺ نے اُن سے کہا: تم سب کہو: ہاں، ہم اپنی استطاعت بھرا یا ہی کریں گے۔ تو ساری عورتوں نے یہ بات اپنی زبان سے دہرائی اور میں نے بھی کہی۔ میری ماں نے مجھ سے کہی: بیٹی کہو، اپنی استطاعت بھرا یا ہی کروں گی^(۲)۔

ہند بنت عتبہ نے بیعت کے وقت رسول اللہ ﷺ سے کہا: اب تک سر زمین پر کوئی گھرانہ ایسا نہیں تھا جس کی تذلیل و اہانت آپ کے گھرانے سے زیادہ میرے نزدیک مرغوب ہوتی، اور اب سر زمین پر کوئی گھرانہ ایسا نہیں جس کی عزت میرے نزدیک آپ کے گھرانے سے زیادہ میرے نزدیک محبوب ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے (یہ بات صحیح ہے)^(۳)۔

مکہ میں آپ ﷺ کے قیام کی مدت:

امام بخاری وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ مکہ میں اُنیس دن ٹھہرے، اس پوری مدت میں آپ دو رکعت نماز پڑھتے رہے^(۴)۔ آپ ﷺ نے تمیم اسید خزاعی کو حکم دیا کہ وہ حدودِ حرم کی علامات کی تجدید کا کام کریں، تو انہوں نے اس کام کو کیا، آپ ﷺ نے چھوٹے چھوٹے فوجی دستے اُن بُجوں کو

(۱) مسند احمد: (۳/۱۵۸، ۴/۱۶۸) اس کی سند حسن ہے۔ مستدرک حاکم: (۳/۲۹۶) حافظ ذہبی نے سکوت اختیار کیا ہے۔ اس کے رجال ثقات ہیں۔

(۲) مسند احمد: (۶/۳۶۵) اس کی سند حسن ہے، الإصابیہ: (۴/۳۵۱)۔

(۳) صحیح البخاری، الإیمان والذکر، حدیث: (۶۶۴)، صحیح مسلم، الأفضیہ، حدیث: (۱۷۱۴) وغیرہا۔

(۴) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۲۹۹، ۴۲۹۸)۔

توڑنے کے لئے بھیجے جو کعبہ کے گرد موجود تھے، چنانچہ لات و عزیٰ اور منات سمیت سبھی بُت توڑ دیئے گئے۔ اور آپ ﷺ کے منادی نے پورے مکہ میں اعلان کر دیا کہ جو شخص بھی اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ اپنے گھر میں کوئی بُت نہ رہنے دے، اسے توڑ دے^(۱)۔



مکہ سے بھیجے گئے دستے

سرِیہ خالد بن الولید:

رسول اللہ ﷺ نے ۲۵ رمضان المبارک سن ۸ ہجری کو خالد بن ولید کو بھیجا کہ ”عُزَی“ نامی صنم کو توڑ کر آئیں، چنانچہ وہ تیس گھوڑسواروں کے ساتھ وہاں پہنچے، اور اسے توڑ دیا۔ قریشیوں کا یہ سب سے بڑا بت تھا جو بطنِ نخلہ میں تھا۔ خالد جب رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آئے اور آپ ﷺ کو اس کے توڑ دینے کی اطلاع دی تو آپ ﷺ نے اُن سے پوچھا: کیا تم نے کوئی چیز دیکھی؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تب تم نے اسے نہیں توڑا ہے، واپس جاؤ اور اسے اچھی طرح توڑ کر آؤ۔ خالد غصہ کی حالت میں دوبارہ وہاں پہنچے، اور تلوار نیام سے کھینچ لی، اچانک ایک کالی نگلی عورت اپنے سر کے بال بکھیرے باہر نکلی۔ مندر کا پجاری اسے دیکھ کر چیخنے لگا، خالد نے اپنی تلوار کی ضرب سے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے، اور واپس آکر رسول اللہ ﷺ کو امر واقع کی اطلاع دی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہی ”عُزَی“ تھی، اور ناامید ہو گئی تھی کہ اب کبھی بھی تمہارے اس دیار میں اس کی عبادت کی جائے گی^(۱)۔

سرِیہ عمرو بن العاص:

رسول کریم ﷺ نے ماہ رمضان میں ہی عمرو بن العاص کو بھیجا کہ وہ جا کر قبیلہ ہذیل کے صنم ”سُواع“ کو توڑ دیں۔ وہ جب وہاں پہنچے، تو اس کا تجارتی وہاں موجود تھا۔ اس نے پوچھا: تم کس لئے آئے ہو؟ انہوں نے کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے اسے توڑنے کے لئے بھیجا ہے۔ اُس نے کہا: تم اس کی قدرت نہیں رکھتے ہو۔ عمرو نے پوچھا: کیوں؟ اُس نے کہا: تمہیں ایسا کرنے سے روک دیا جائے گا۔ عمرو نے کہا: تم اب تک اپنی باطل پرستی پر مصر ہو، تمہارا بُرا ہو، کیا وہ سُنتا اور دیکھتا ہے؟ پھر اس کے قریب گئے اور اسے پاش پاش کر دیا، اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ وہ اس صنم کے خزانے کے گھر کو منہدم کر دیں، اُن کو اُس میں کچھ بھی نہیں ملا۔ عمرو نے تجارتی سے پوچھا: تم نے کیا دیکھا؟ پھر وہ تجارتی مسلمان ہو گیا^(۲)۔

سرِیہ سعد بن زید اشہلی:

اسی رمضان کے مہینہ میں آپ ﷺ نے سعد بن زید اشہلی کو دس گھوڑسواروں کی معیت میں ”منات“

(۱) زاد المعاد: ۳/۳۲۸، طبقات ابن سعد: ۲/۱۳۶، ۱۳۷۔

(۲) طبقات ابن سعد: ۲/۱۳۶۔

نامی صنم کو توڑنے کے لئے بھیجا۔ یہ بُت قدید کے قریب مقامِ مثلث میں اوس و خزرج اور غسان وغیرہم کا تھا۔ یہ دستہ جب وہاں پہنچا تو اس کے پاس ایک بھاری کو پایا۔ اُس نے پوچھا: تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ سعد نے کہا: ہم ”منات“ کو توڑنے کے لئے آئے ہیں۔ اُس نے کہا: تم لوگ جو چاہو کرو۔ چنانچہ سعد چلتے ہوئے اس کے قریب پہنچے تو ایک ننگی کالی عورت سر کے بال بکھیرے اُن کے سامنے آگئی جو واویلا کر رہی تھی اور اپنا سینہ پیٹ رہی تھی۔ سعد نے اپنی تلوار کی ایک ہی ضرب سے اس کا قصہ تمام کر دیا، پھر صنم کی طرف اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ بڑھے اور اسے منہدم کر کے پاش پاش کر دیا۔ اس کے خزانہ میں کچھ بھی نہ ملا^(۱)۔

سریہ خالد بن ولید (بنی جذیمہ کی طرف):

سالم نے اپنے والد (عبداللہ بن عمر) سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے شوال سن ۸ ہجری میں خالد ابن ولید کو بنی جذیمہ کی طرف بھیجا، انہوں نے اُن کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی، تو ”اسلمنا“ یعنی ہم اسلام لے آئے کے بجائے ”صبانا صباناً“ ہم نے اپنا دین بدل دیا کہنے لگے۔ یہ اُن کی تعبیر کی غلطی تھی جسے خالد رضی اللہ عنہ نے نہیں سمجھا، اور انہیں قتل اور پابند سلاسل کرنے لگے۔ اور ہم میں سے ہر ایک نے اپنے قیدی کو اپنے ساتھ رکھا۔ دوسرے دن خالد نے حکم دیا کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے قیدی کو قتل کر دے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں اپنے قیدی کو قتل نہیں کروں گا، اور نہ میرے ساتھیوں میں سے کوئی اپنے قیدی کو قتل کرے گا۔ جب ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ کو اس واقعہ کی اطلاع دی، آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا: اے اللہ! میں خالد کے اس کرتوت سے تیری جناب میں اپنی براءت کا اعلان کرتا ہوں^(۲)۔

اس فوجی دستہ کے دوران سفر خالد اور عبدالرحمن بن عوف کے درمیان تھوڑی سی ناراضگی ہو گئی، خالد نے عبدالرحمن کو گالی دے دی۔ آپ ﷺ کو جب اطلاع ہوئی تو فرمایا: تم لوگ میرے کسی صحابی کو گالی نہ دو، تم میں سے کوئی اگر احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرے گا تو ان میں سے کسی کے مد یا نصف مد کے برابر بھی نہیں ہوگا^(۳)۔

(۱) مصدر سابق: (۱۳۶/۲-۱۳۷)۔

(۲) صحیح البخاری، حدیث: (۴۳۳۹-۴۱۸۹)۔

(۳) صحیح البخاری، حدیث: (۳۶۷۳)، صحیح مسلم، حدیث: (۲۵۳۰-۲۵۴۱)۔

قبائلِ عربِ جوقِ درجوقِ اسلام میں داخل ہونے لگے:

اسلام و کفر اور توحید و شرک کی اس فیصلہ کن جنگ کے بعد جزیرہ عرب میں بُت پرستی نے دم توڑ دیا اور اس کا خاتمہ ہو گیا، اور جو چند قبائل اب تک بُت پرستی پر قائم تھے، انہوں نے فوراً اپنے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا، گویا انہیں مسلمانوں اور قریش کے درمیان جنگی محاذ آرائیوں کے خاتمہ کا انتظار تھا۔

اسی لئے فتح مکہ کے بعد باقی تمام مشرک قبائل نے فوراً اسلام کا اعلان کر دیا۔ عمر بن سلمہ جرمی کہتے ہیں: عرب کے لوگ فتح مکہ کا انتظار کر رہے تھے۔ کہتے تھے: اگر محمد مکہ والوں پر غالب آ گیا تو ثابت ہو جائے گا کہ وہ سچا نبی ہے۔ چنانچہ جوں ہی مکہ فتح ہوا، سب نے اسلام قبول کرنے میں تیزی دکھائی۔ اس لئے کہ قریش ہی تو لوگوں کے امام و ہادی اور بیتِ حرام کے پاسبان تھے۔ عربوں کا عقیدہ تھا کہ حرم پر اسی کا قبضہ ہو گا جو حق پر ہو گا، اور یہ بات اصحابِ فیل کی ہلاکت سے تو پایہ یقین کو پہنچ چکی تھی۔ اسی لئے جب مکہ فتح ہو گیا، اور قریش کے لوگ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جھک گئے، تو دیگر قبائلِ عرب جوقِ درجوق ہر چہار جانب سے آکر اللہ کے دین میں داخل ہونے لگے۔ اسی بات کی خبر اللہ تعالیٰ نے سورہ النصر میں دی ہے: ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۖ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ۖ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ ۖ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا﴾ (اے میرے نبی! جب اللہ کی مدد آگئی ہے، اور مکہ فتح ہو گیا ہے، اور آپ لوگوں کو دیکھ رہے ہیں کہ وہ گروہ درگروہ اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں، تو آپ اپنے رب کی پاکی بیان کیجئے، اس کی حمد و ثنا کیجئے اور اس سے مغفرت طلب کیجئے، بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے)۔

اس فتحِ اعظم کے فطری نتائج میں سے یہ تھا کہ پورے جزیرہ عرب میں سیاسی اور دینی دونوں محاذوں پر مسلمانوں کا پوری طرح کنٹرول ہو گیا، اور عربوں کے لئے دائرہ اسلام میں داخل ہو جانے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ رہا، اور فتح کے بعد آنے والے دو سالوں میں یہ کام مکمل ہو گیا، اور امتِ اسلامیہ اسلام کا پیغام لے کر پورے عالم میں پھیل جانے کے قابل ہو گئی، اور اللہ کے جس فیصلہ کو پورا ہونا تھا وہ ہو کر رہا، اس راہ میں کون روڑا اٹھا سکتا تھا۔

غزوہ حنین

تاریخ و موقع:

یہ معرکہ ۶ شوال سن ۸ ہجری کو وادی حنین میں ہوا تھا۔ یہ جگہ وادی طائف کے قریب ہے، اس کے اور مکہ کے درمیان تین دن کی مسافت ہے۔ اس کا یہ نام قبیلہ جبرہم کے حنین بن قانیہ بن مہملہ کی طرف نسبت کی وجہ سے ہے۔ اس غزوہ کو غزوہ اوطاس بھی کہتے ہیں، اُس وادی اوطاس کی طرف نسبت کے سبب جہاں یہ جنگ ہوئی تھی، جو ہوازن کی وادیوں میں سے ایک وادی ہے۔

معرکہ کا سبب:

اس کا سبب یہ تھا کہ قبیلہ ہوازن اور اس کی شاخیں بالخصوص قبیلہ ثقیف والے اسلامی فوج کی نقل و حرکت پر پوری پابندی کے ساتھ نظر رکھتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بحیثیت فاتح مکہ میں داخل کر دیا اور اہل شرک کی قریشی لیڈر شپ ختم ہو گئی، تو ہوازن والوں نے شرک کا جھنڈا سنبھال لینا چاہا، اور حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیزی کے ساتھ حرکت میں آ گئے، تاکہ کہیں اسلامی فوج اُن کی طرف پیش قدمی کر کے ان کے علاقہ پر قابض نہ ہو جائے۔

ہوازن و ثقیف مسلمانوں سے جنگ کے لئے آمادہ:

رسول کریم ﷺ کو مکہ میں یہ خبر ملی کہ ہوازن و ثقیف والے ایک دوسرے سے مل رہے ہیں، اور ان کے سردار مالک بن عوف نصری نے (جو ابھی تیس سال کا جوان تھا) بنی نصر، بنی جشم، بنی سعد بن بکر اور بنی ہلال کے کچھ افراد، بنی عمرو بن عامر کے کچھ افراد اور عوف بن عامر وغیرہم کو جمع کیا ہے، اور قبیلہ ثقیف نے اپنے تمام حلیفوں کو بھی جنگ کرنے کے لئے آمادہ کر لیا ہے، اور سب کے سب وادی اوطاس میں جمع ہو گئے ہیں، اور اپنے ساتھ اپنے مال و اسباب، اپنی عورتوں اور اہل و عیال کو بھی لے کر آئے ہیں۔

اُن کے ساتھ دُرید بن الصَّمَّة بھی آیا جو ایک سو ساٹھ سال کا ایک بوڑھا تھا، تاکہ اس کی حکمت و دانائی اور تجربات سے فائدہ اٹھائیں۔ اس نے وادی میں اونٹوں، گدھوں اور بکریوں کی آوازیں اور بچوں کے رونے کی آوازیں سنی تو پوچھا کہ تم لوگ کس وادی میں ہو؟ لوگوں نے اسے بتایا: وادی اوطاس میں۔ دُرید نے کہا: یہ جگہ گھوڑوں کے لئے مناسب ہے۔ نہ زیادہ سخت زمین ہے اور نہ ہی ایسی کہ اس میں گھوڑوں کے گھر ڈھکیں گے۔ اس

نے پھر پوچھا: کیا بات ہے کہ میں اونٹوں، گدھوں اور بکریوں کی آوازیں سن رہا ہوں؟ لوگوں نے اس سے کہا: مالک لوگوں کے ساتھ ان کے مال و اسباب، بال بچے اور عورتیں بھی لایا ہے۔ اس نے پوچھا: مالک کہاں ہے؟ مالک کو بلایا گیا۔ دُرید نے اس سے کہا: تم اپنی قوم کے سردار بن گئے ہو۔ اور اس دن کے بعد دیگر ایام کا بھی سامنا کرنا ہے، تو تم لوگوں کے ساتھ اُن کے مال و اسباب، بال بچوں اور عورتوں کو کیوں لائے ہو؟ اس نے کہا: میں نے چاہا کہ ہر شخص کے پیچھے اس کے اہل و اموال رہیں تاکہ اُن کی طرف سے دفاع میں جنگ کرے۔ یہ سن کر دُرید اُس پر ٹوٹ پڑا اور کہنے لگا: اے بکری کے چرواہے! کیا کسی شکست خوردہ کو کوئی چیز روک سکتی ہے؟ اگر میدان تمہارے ہاتھ رہا تو لوگوں کی تلواریں اور اُن کے نیزے ہی تمہارے کام آئیں گے۔ اور اگر شکست کا منہ دیکھنا پڑا تو تمہیں اپنے اہل و عیال اور مال و اسباب کے سلسلہ میں ذلت و رسوائی اٹھانی پڑے گی۔ اس لئے مال و اسباب اور عورتوں اور بچوں کو ماموں و محفوظ جگہ پر پہنچا دو۔

دُرید نے پھر پوچھا: کعب و کلاب کی کیا خبر ہے؟ لوگوں نے کہا: اُن میں سے کوئی بھی یہاں نہیں آیا ہے۔ دُرید نے کہا: خوش قسمتی اور بہادری دونوں ہی موجود نہیں ہے۔ اگر رفعت و بلندی کا دن ہو تا تو کعب و کلاب کے لوگ ضرور آتے۔ کاش! تم لوگ بھی کعب و کلاب کی طرح نہ آتے۔ اُس نے پوچھا: پھر کون لوگ آئے ہیں؟ لوگوں نے اسے بتایا: عمرو بن عامر اور عوف بن عامر۔ اُس نے کہا: یہ دونوں کمزور قبیلے ہیں، یہ لوگ نہ نقصان پہنچائیں گے نہ ہی نفع۔

یہ تمام باتیں سن کر مالک نے بُرا سامنہ بنالیا، اور کہا: تم بوڑھے ہو گئے ہو اور تمہارا علم بھی بوسیدہ ہو گیا ہے۔ پھر ہوازن والوں سے گویا ہوا: اے اہل ہوازن! اگر تم میری اطاعت نہیں کرو گے تو میں اس تلوار پر اپنا وزن ڈال دوں گا یہاں تک کہ وہ میری پیٹھ سے نکل جائے۔ انہوں نے یہ سن کر کہا: ہم تمہاری بات مانیں گے۔ مالک نے لوگوں سے کہا: جب تم لوگ مسلمانوں کو دیکھو تو اپنی تلواروں کے نیام توڑ ڈالو اور یک بارگی اُن پر حملہ کر دو^(۱)۔

مالک نے اپنے جاسوسوں کو مسلمانوں کی خبر لانے کے لئے بھیجا، وہ آئے تو کانپ رہے تھے۔ مالک نے پوچھا: تمہارا بُرا ہو، کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا: ہم نے سفید پوشوں کو چھتے رنگ کے گھوڑوں پر دیکھا ہے۔ اُن کو دیکھ کر ہماری یہ حالت ہو گئی ہے۔ یہ سب سننے کے باوجود مالک اپنے فیصلہ جنگ پر قائم رہا^(۲)۔

(۱) دلائل النبوة، بیہقی: ۱۲۰/۵-۱۲۳، مسند احمد: ۳۷۶/۳، مستدرک حاکم: ۴۸۳/۳، ۴۹، اور کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے، اور حافظ ذہبی

نے ان کی موافقت کی ہے۔

(۲) دلائل النبوة، بیہقی: (۱۲۳-۱۹۱)۔

عبداللہ بن ابی حدر در رسول اللہ ﷺ کے اخبار رساں:

رسول اللہ ﷺ جب اُن کے قریب ہوئے تو اُن کے پاس عبداللہ بن حدر داسلمی کو یہ سکھا کر بھیجا کہ تم اُن کے درمیان گھس جاؤ، تاکہ اُن کی صحیح خبریں جان سکو۔ چنانچہ وہ اُن کے درمیان گھس گئے، اور وہاں ایک یاد و دن رہے، پھر واپس آکر رسول اللہ ﷺ کو خبر دی کہ انہوں نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کی ٹھان لی ہے، نیز مالک اور ہوازن والوں سے متعلق تمام تفصیلات بتائی۔

رسول اللہ ﷺ نے بالآخر اُن کی طرف پیش قدمی کا فیصلہ کر لیا۔ آپ کو معلوم ہوا کہ صفوان بن امیہ کے پاس ڈھالیں اور دیگر اسلحہ ہیں، آپ ﷺ نے اس کے پاس آدمی بھیج کر اس سے سو ڈھالیں مانگیں۔ تو اس نے کہا: اے محمد! کیا آپ زبردستی لینا چاہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، بطور عاریت اور با ضمانت چاہئے یہاں تک کہ ہم تمہیں وہ واپس کر دیں۔ صفوان نے کہا: پھر کوئی حرج نہیں^(۱)۔

اور نوفل بن حارث بن عبدالمطلب نے تین ہزار نیزوں سے آپ کی مدد کی۔ آپ ﷺ نے اس سے کہا: اے ابو الحارث! تمہارے نیزے مشرکوں کی پٹھیں توڑ رہے ہیں^(۲)۔

نبی کریم ﷺ نے اس غزوہ میں انہی صحابہ کے ساتھ شرکت کی جو فتح مکہ میں شریک تھے، مکہ کے مسلمانوں میں سے صرف دو ہزار افراد شریک ہوئے، اس طرح اُن کی کل تعداد بارہ ہزار تھی۔ آپ ﷺ نے اُس وقت مکہ کا امیر عتاب بن اسید کو مقرر کر دیا تھا^(۳)۔

ایک مشرک جاسوس کا قتل:

سلمہ بن اکوع کہتے ہیں کہ ہم جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ ہوازن میں شریک ہوئے، اور ایک دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ناشتہ کر رہے تھے کہ ایک آدمی ایک سُرخ اونٹ پر سوار ہو کر آیا، اونٹ سے اُتر کر اسے ایک رستی سے باندھ دیا، اور ہمارے ساتھ کھانے لگا، اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ہمارے پاس سواریاں کم تھیں بعض مجاہدین پیدل چل کر آئے تھے۔ اچانک وہ آدمی تیز دوڑتا ہوا اپنے اونٹ کے پاس آیا، اسے کھولا، بیٹھا کر سوار ہوا اور اسے ہمیں لگائی تو وہ دوڑنے لگا۔ میں اُس کے پیچھے دوڑنے لگا، یہاں تک کہ اونٹ کے پہلو کے قریب پہنچ گیا، پھر

(۱) ابوداؤد، البیہق، حدیث: (۳۵۶۲)، مسند احمد: (۴۰۱/۳، ۳۶۵/۳)۔

(۲) اتحاف الوری: ۵۲/۱، بحوالہ سیرۃ الخلیفۃ: ۷۶/۳، شرح المواہب: ۷۶/۳۔

(۳) دلائل التبیح: ۱۲۱/۵، زاد المعاد: ۳۷۲/۳۔

آگے بڑھا، اور آگے بڑھا، یہاں تک کہ میں نے اونٹ کی لگام تھام لی، اور اسے بیٹھا دیا، جب اُس نے اپنا گھٹنا زمین پر رکھا، میں نے اپنی تلواریں سونت لی، اور اُس آدمی کے سر پر ضرب لگائی وہ آدمی گر گیا، اور میں اونٹ کو ہانکتا ہوا رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آیا، آپ ﷺ کے پاس صحابہ کرام بھی تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: اُس آدمی کو کس نے قتل کیا ہے؟ صحابہ نے کہا: ابنِ اکوع نے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اُس کا سب کچھ ابنِ اکوع کا ہے^(۱)۔

رسول اللہ ﷺ کی وادی حنین کی طرف روانگی:

۶ شوال سن ۸ ہجری ہفتہ کے دن رسول اللہ ﷺ ہوازن کے ارادہ سے روانہ ہوئے، شام کے وقت ایک مسلمان گھوڑ سوار آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں آپ لوگوں سے پہلے نکل گیا تھا، اور مختلف پہاڑیوں کے اوپر سے گزرتا رہا کہ اچانک میں ہوازن والوں کے سامنے آ گیا تو دیکھا کہ وہ لوگ اپنے تمام مال و اسباب اور جانوروں کے ساتھ وادی حنین میں جمع ہیں۔ اللہ کے رسول نے پھر فرمایا: آج کی رات کون ہماری نگرانی کرے گا؟ انس بن ابی مرثد غنوی نے کہا: میں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے کہا: تو سوار ہو جاؤ۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے اُن سے کہا: اس گھاٹی کی چوٹی پر پہنچ جاؤ، اور دیکھو آج کی رات تمہاری جانب سے کوئی دھوکہ دے کر ہم پر حملہ نہ کر دے۔

صبح کے وقت جب آپ ﷺ نماز کے لئے باہر نکلے، تو دو رکعت ادا کرنے کے بعد صحابہ سے پوچھا: کیا تم لوگوں نے اپنے گھوڑ سوار کو دیکھا ہے؟ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! ہم لوگوں نے اسے اب تک نہیں دیکھا ہے۔ یہ سُن کر آپ سیدھے ہو گئے اور نماز پڑھنے لگے، اور بار بار گھاٹی کی طرف دیکھتے رہے یہاں تک کہ آپ نے نماز پوری کر لی اور سلام پھیر دیا۔ پھر فرمایا: لوگو! خوش ہو جاؤ، تمہارا گھوڑ سوار آ گیا۔ ہم لوگ گھاٹی میں درختوں کی طرف دیکھنے لگے، اتنے میں اچانک وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آ گئے اور آپ ﷺ کو سلام کیا۔

انہوں نے بتایا کہ میں چلتا رہا یہاں تک کہ اس گھاٹی کی بلندی پر پہنچ گیا جہاں رسول اللہ ﷺ نے مجھے پہنچنے کا حکم دیا تھا۔ جب صبح ہوئی تو دونوں گھاٹیوں پر گیا، چاروں طرف نظر دوڑائی، لیکن کوئی نظر نہیں آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اُن سے پوچھا: کیا تم رات کے وقت نیچے اترے تھے؟ انہوں نے کہا: نہیں یا رسول اللہ! یا تو نماز پڑھتا رہا، یا قضاے حاجت کی۔ آپ ﷺ نے اُن سے کہا: تمہارے لئے جنت واجب ہو گئی۔ اب اس کے بعد چاہے تم جو عمل کرو^(۲)۔

(۱) صحیح مسلم، الجہاد، حدیث: (۱۷۵۳)، ابوداؤد، الجہاد، حدیث: (۲۶۵۳)۔

(۲) ابوداؤد، الجہاد، حدیث: (۲۵۰۱)، دلائل التبیح: (۱۲۶/۵) اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری: (۲۷۸/۸) میں

اہل مکہ کے جاہلی عادات و اطوار:

فتح مکہ کے بعد وہاں کے آزاد کردہ لوگوں میں موجود جاہلی عادات و اطوار کے منفی اثرات وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہتے تھے، شاید اُن میں سے بہتوں کے دلوں میں ایمان نے ابھی گھر نہیں کیا تھا، انہوں نے اپنے ذہنوں میں موجود جاہلی عادات و اطوار سے اب تک پورے طور سے چھٹکارا نہیں حاصل کیا تھا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مکہ کے آزاد کردہ نو مسلموں نے راستہ میں میری کاہرا بھرا ایک عظیم درخت دیکھا جسے لوگ ”ذات انواط“ کہتے تھے، عرب کے لوگ اُس پر اپنے اسلحے لٹکایا کرتے تھے، وہاں جانور ذبح کیا کرتے تھے اور اُس کے گرد بیٹھتے تھے بعض افراد فوج نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ہمارے لئے بھی آپ ایک ”ذات انواط“ بنا دیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ، یہ تو وہی بات ہے جو قوم موسیٰ نے کہی تھی کہ اے موسیٰ! ہمارے لئے بھی ایک معبود بنا دو جیسا اُن کے بہت سارے معبود ہیں۔ اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ تم یقیناً گزشتہ قوموں کے عادات و اطوار کو اپناؤ گے۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کی ہے، اور کہا ہے کہ یہ حسن صحیح ہے (۲)۔

ثابت قدم رہنے والے صحابہ کرام:

رسول اللہ ﷺ دس شوال سوموار کی شام کو حنین پہنچے۔ اُدھر مالک بن عوف نے اپنے ساتھیوں کو پوری طرح جنگ کے لئے تیار کر دیا تھا، اور انہیں یکبارگی حملہ کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ مشرکوں نے اپنی دو صفیں بنائی تھی تاکہ بڑی تعداد میں نظر آئیں۔

رسول اللہ ﷺ نے بھی صحابہ کرام کو صبح کے وقت جنگ کے لئے پورے طور سے تیار کر دیا، ان کی صفیں درست کیں، مہاجرین و انصار اور قبائل عرب کو اُن کے جھنڈے دے دیئے۔ رسول اللہ ﷺ نے مکہ سے نکلتے وقت بنی سلیم کو آگے کیا تھا، اور اُن کا قائد خالد بن ولید کو مقرر کیا تھا، یہاں تک کہ آپ جعرانہ پہنچ گئے۔

رسول اللہ ﷺ پوری تیاری کے ساتھ وادی حنین میں آگے بڑھتے رہے، آپ کے ہاتھوں میں دوزر ہیں تھیں اور خود پہن رکھا تھا، اور دُلہل نامی خچر پر سوار تھے۔

بعض صحابہ نے اپنی تعداد کثیر کو دیکھ کر کہا: آج ہم لوگ قلتِ عدد کے سبب شکست نہیں کھائیں گے۔ شدہ شدہ یہ بات رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوئی، اور اللہ عز و جل نے نازل فرمایا: ﴿وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ﴾ (غزوہ حنین کے دن مدد کی جب تمہاری کثرت نے تمہارے اندر عجب پیدا کر دیا تھا) [التوبہ: ۲۵]۔

(۱) الترمذی، کتاب الفتن حدیث: (۲۱۸۰)، مسند احمد: ۲۱۸/۵، سنن کبریٰ السنائی بحوالہ تہذیب الاشراف، حدیث: (۱۵۵۱۶)۔

صبح کے وقت نبی کریم ﷺ نے جنگ شروع کی۔ ابتداء میں ہوازن کے پیش قدمی کرنے والے مقاتلین مسلمانوں کے حملہ کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹے، جس کے بعد اسلامی فوج کے افراد اموال غنیمت جمع کرنے لگے، انہیں گمان ہوا کہ ہوازن شکست کھا کر بھاگ پڑے ہیں، اب واپس نہیں آئیں گے۔ لیکن دشمنوں نے وادی کی گھاٹیوں اور تنگنائیوں میں مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے فوجی دستے چھپا رکھے تھے، ان دستوں نے مسلمانوں پر یکبارگی حملہ کر دیا، اور پھر فجر سے عشاء تک بلکہ ساری رات جنگ ہوتی رہی، بالآخر مسلمان بکھر گئے، پہلے بنی سلیم کے گھوڑ سوار بھاگے، ان کے پیچھے اہل مکہ اور دیگر لوگ شکست کھا کر بھاگ پڑے۔ لیکن نبی کریم ﷺ مسلسل اپنی سواری کو کافروں کی طرف بڑھاتے رہے، اور عباس اس خچر کی لگام پکڑ کر کھینچتے رہے تاکہ وہ تیزی نہ کرے۔ اور ابوسفیان بن الحارث رسول اللہ ﷺ کا رکاب تھامے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ اُس وقت کہہ رہے تھے: میں نبی ہوں، یہ جھوٹ نہیں ہے، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ دائیں طرف مڑے اور فرمایا: لوگو! میرے پاس آؤ، میں اللہ کا رسول ہوں، میں محمد بن عبد اللہ ہوں۔ اور اونٹوں نے آپس میں ایک دوسرے کو دھکا دیا، تو لوگ بھاگنے لگے، لیکن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مہاجرین و انصار اور اہل بیت کی ایک جماعت ڈٹی رہ گئی، جن کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ ان میں ابوبکر و عمر اور اہل بیت میں سے علی بن ابی طالب، عباس بن عبدالمطلب، ان کے بیٹے فضل بن عباس، ابوسفیان بن حارث، ربیعہ بن حارث، ایمن بن عبید (ام ایمن کے بیٹے) اور اسامہ بن زید تھے۔

گھمسان کی لڑائی:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عباس! حدیبیہ کے دن بیعت الرضوان والوں کو آواز دیجئے؟ عباس رضی اللہ عنہ کی آواز بلند تھی۔ انہوں نے اونچی آواز میں پکارا: اے بیعت الرضوان والو! یہ آواز سنتے ہی وہ سب رسول اللہ ﷺ کی طرف ایسا مڑے جس طرح گائے اپنے چھڑوں کی طرف مڑتی ہے، اور کہنے لگے: ہم آگئے اے اللہ کے رسول! ہم آگئے۔ پھر وہ سب کافروں پر پل پڑے، اور انہیں گاجرمولی کی طرح کاٹنے لگے، اور رسول اللہ ﷺ اپنے خچر پر سوار گردن اٹھا کر جنگ کا جائزہ لیتے رہے، اور فرمایا: جب لڑائی گھمسان کی ہوتی ہے تو ایسا ہی منظر ہوتا ہے۔ پھر ایسا ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ کنکریاں اٹھائیں، اور ان سے کافروں کے چہروں کو نشانہ بنایا، اور فرمایا: رب محمد کی قسم! شکست کھا کر بھاگو۔ عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! آپ نے جوں ہی کنکریاں ان کی طرف پھینکا، ان کا کرو فرمات پڑ گیا، اور پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے۔ ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ آپ ﷺ

نے خچر سے اتر کر ایک مٹھی مٹی لی اور اسے کافروں کے چہروں کی طرف اُچھال دیا اور کہا: یہ چہرے پامال ہوں، یہ کہتے ہی دشمنوں میں سے ہر ایک کی دونوں آنکھیں مٹی سے بھر گئیں، اور سب بیٹھ پھیر کر بھاگ پڑے^(۱)۔

حاکم نے مستدرک میں بسند صحیح انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جنگ حنین کے دن اہل مکہ اور اہل مدینہ جمع ہوئے، اور جنگ نے شدت اختیار کی تو سب بھاگنے لگے۔ اُس وقت رسول اللہ ﷺ نے انصار مدینہ کو آواز دی اور کہا: اے مسلمانو! میں اللہ کا رسول ہوں۔ انصار نے کہا: اللہ کی قسم! ہم آپ کے پاس آگئے، پھر انہوں نے اپنے سر جھکا کر جو جنگ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں مسلمانوں کو فتح و نصرت عطا کی^(۲)۔

معرکہ میں ہوازن کے آگے ایک بھاری بھر کم آدمی سرخ اونٹ پر سوار تھا، اس کے ہاتھ میں ایک کالا جھنڈا تھا، جب اپنے دشمن پر قابو پالیتا تو اسے بھونک دیتا، ورنہ اپنے پیچھے والوں کے لئے اسے اٹھائے رکھتا۔ علی بن ابوطالب اور ایک انصاری اس کی تاک میں لگ گئے۔ علی رضی اللہ عنہ نے اس کے اونٹ کے کوچ پر ضرب لگائی، وہ آدمی چوتڑے کے بل گر پڑا، اور انصاری نے اس کی پنڈلی پر ضرب لگائی، اور اس کا قدم نصف پنڈلی سے الگ ہو گیا، اور وہ گر گیا^(۳)۔

مشرکوں کی شکست فاش:

دونوں فوجوں کے درمیان گھسان کی جنگ ہوئی، بالآخر مشرکین شکست کھا کر بھاگے، نبی کریم ﷺ نے اپنے خچر پر سوار اُن کا پیچھا کیا، اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ ابوالسائب اس موقف پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں کہ یزید بن عامر سہلوانی مشرکوں کی طرف سے معرکہ حنین میں شریک ہوئے تھے، پھر اسلام لے آئے۔ ہم نے اُن سے اس خوف و دہشت سے متعلق دریافت کیا جو اللہ نے معرکہ حنین میں اُن کے دلوں میں ڈال دیا تھا، تو انہوں نے ایک کنکری طشت میں پھینکا جس سے ”ٹن“ کی آواز نکلی۔ انہوں نے کہا: ہم لوگ مارے دہشت کے اپنے پیٹ میں ایسی ہی آواز سنتے تھے^(۴)۔

(۱) صحیح مسلم، الجہاد، حدیث: (۱۷۷۷، ۱۷۷۸)، مستدرک: ۲۰۷/۱، مصنف عبدالرزاق، حدیث: (۹۷۴۱) وغیرہم۔

(۲) مستدرک حاکم: ۳۸/۳۔

(۳) دلائل التبیح: ۱۲۵-۱۲۳، مستدرک: ۳۷۶/۳، اور اس کے رجال ثقات ہیں، حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے، اور کہا ہے کہ

اس کی سند صحیح ہے، اور ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے۔

(۴) معجم کبیر، طبرانی: ۲۲۷/۲، ۲۳۸، ۲۳۳، بیہقی نے لکھا ہے کہ اس روایت کے رجال ثقات ہیں۔

اس کے بعد مشرکین ایسا بھاگے کہ وہ مڑ کر دیکھتے ہی نہ تھے، اور ہر طرف بکھر گئے، اور نبی کریم ﷺ نے حکم دے دیا کہ اُن میں سے جو لوگ بھی قابو میں آجائیں انہیں قتل کر دیا جائے۔ بزار نے سند صحیح کے ساتھ روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے غزوہ حنین کے دن کہا: اِن کافروں کا صفایا کرو، اور آپ نے اپنے ہاتھ سے حلق کی طرف اشارہ کیا^(۱)۔

پھر تو مسلمانوں کو کافروں پر طیش آگیا، انہیں گھیر گھیر کر قتل کرنے لگے یہاں تک کہ ان کی اولاد کو بھی قتل کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس کی خبر ملی تو اس سے منع فرمایا، اور کہا: جو کسی کافر کو قتل کرے گا اس سے چھینا ہوا مال اسی کا ہو گا۔ مسلمانوں نے اس دن بیانوں (۹۲) کافروں کو قتل کیا۔ ابو طلحہ نے تنہا اُس دن بیس کافروں کو قتل کیا، اور اُن کا مال واسباب لے لیا^(۲)۔

ابوقادہ رضی اللہ عنہ نے ایک مشرک کے کندھے پر ضرب لگائی جو ایک مسلمان کے اوپر بیٹھا ہوا تھا، وہ مشرک مر گیا۔ جنگ ختم ہونے کے بعد جب مسلمان اپنی جگہ پر واپس آ گئے، اور رسول اللہ ﷺ آرام کر رہے تھے تو فرمایا: جس نے کسی مشرک کو قتل کیا، اور اس کے پاس اس کی دلیل ہے تو اس کا چھینا ہوا مال اسی مسلمان کا ہو گا۔ یہ سن کر ابوقادہ کھڑے ہوئے اور کہا: کون میرے لئے گواہی دے گا۔ پھر بیٹھ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر اپنی بات دہرائی۔ تو ابوقادہ پھر کھڑے ہوئے اور کہا: کون گواہی دے گا؟ پھر بیٹھ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب تیسری بار کہا، تو ابوقادہ پھر کھڑے ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے کہا: اے ابوقادہ! کیا بات ہے؟ تو انہوں نے پورا واقعہ بیان کیا۔ تب ایک آدمی نے کھڑے ہو کر کہا: اے اللہ کے رسول! یہ سچ کہتے ہیں، ان کے مقتول کا مال مسلوب میرے پاس ہے۔ آپ انہیں اپنے حق سے دست بردار ہونے پر راضی کر دیجئے۔ ابوبکر نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! رسول اللہ ایسا نہیں کریں گے کہ اللہ کے ایک شیر کا حق تم کو دے دیں گے جو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے قتال کرتا رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سچ ہے، تم اس کا مال اسے دے دو۔ چنانچہ اُس نے اُن کا حق واپس کر دیا۔ لیث کی حدیث میں ہے: ہرگز نہیں، رسول اللہ ﷺ ایسا نہیں کریں گے کہ وہ قریش کے ایک معمولی انسان کو دیں گے، اور اللہ کے ایک شیر کو محروم کر دیں گے^(۳)۔

(۱) کشف الاستار، حدیث: (۱۸۳۰)۔

(۲) ابوداؤد، الجہاد، حدیث: (۲۷۱۸)، الدراری: (۲۲۹/۲)، مستدرج: (۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱

اُمّ سلیم کی ثبات قدمی:

اُمّ سلیم (امّ انس) اُن صحابہ کرام کے ساتھ تھیں جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ غزوہ حنین میں وہ ایک خنجر لئے ہوئی تھیں۔ ابو طلحہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ دیکھئے، اُمّ سلیم کے پاس خنجر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: یہ خنجر کا ہے کس لئے ہے؟ اُمّ سلیم نے کہا: اگر کوئی مشرک میرے قریب آئے گا تو اُس کا پیٹ پھاڑ دوں گی۔ رسول اللہ ﷺ ہنسنے لگے۔ اُمّ سلیم نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم ان لوگوں کو قتل نہ کر دیں جو فتح مکہ کے دن اسلام لائے ہیں، اور آپ نے اُن پر احسان کر کے انہیں چھوڑ دیا تھا، اور آج وہ سب آپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ نکلے ہیں، کیا وہ لوگ منافق ہیں اور قتل کئے جانے کے مستحق ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے اُمّ سلیم، اللہ ہمارے لئے کافی ہوا، اور ہم پر احسان کیا ہے^(۱)۔

مختصر یہ کہ مشرکین وادی حنین سے اپنے پیچھے بہت سے مقتولین اور بہت سارے مال و اسباب چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور بھاگتے ہوئے ان کا جانی نقصان میدان کارزار میں نقصان سے زیادہ ہوا، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسلامی فوج کو حکم دیا تھا کہ وہ دشمنوں کا پیچھا کریں اور جو بھی ملے اسے قتل کر دیں، اور اُن کی قوت و معنویت کو کاری ضرب لگائی جائے، تاکہ وہ دوبارہ جمع ہو کر مسلمانوں سے جنگ کرنے کی نہ سوچیں۔

میں نے اوپر ذکر کیا ہے کہ میدانِ معرکہ میں ان میں سے بیانوے (۹۲) قتل کئے گئے، اور بھاگتے ہوئے صرف بنی مالک کے تین سو (۳۰۰) آدمی قتل کئے گئے۔ ان لوگوں کو مسلمان مجاہدین نے وادیِ اوطاس میں زبیر بن عوام کی قیادت میں قتل کیا تھا۔ ان کے علاوہ بھی وادیِ اوطاس میں دیگر مشرکین قتل ہوئے، اور سیکڑوں بنی نصر بن معاویہ اور بنی ربیع کے لوگ قتل کر دیئے گئے، یہ لوگ ہوازن کی بڑی اہم شاخوں سے تعلق رکھتے تھے^(۲)۔

اس طرح ہوازن و ثقیف کا بہت بڑا جانی نقصان ہوا، اور بہت سے لوگ زخمی ہوئے۔ اور سعید بن مسیب کی روایت کے مطابق قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تھی۔ عروہ کہتے ہیں کہ عورتوں اور بچوں کے ساتھ اُن کی تعداد چھ ہزار تھی۔ ابن اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔ زہری کہتے ہیں کہ مکہ میں لکڑیوں کے بنے مکانات اُن قیدیوں سے بھر گئے۔ اموالِ غنیمت میں چار ہزار اوقیہ چاندی، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زائد بکریاں، نیز گھوڑے، گائیں اور گدھے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ تمام اموالِ غنیمت مقامِ جعرانہ میں جمع کئے جائیں، یہاں تک کہ آپ ﷺ حصارِ طائف سے فارغ ہونے کے بعد واپس آجائیں۔

(۱) صحیح مسلم، الجہاد، حدیث: (۱۸۰۹)، مسند احمد: ۳/۱۹۰، اس کی سند مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

(۲) مغازی الوائدی: ۳/۹۱۳، طبقات ابن سعد: ۲/۱۵۲۔

مسلمان مقتولین صرف چار تھے جن کے نام ابن اسحاق نے ذکر کئے ہیں۔ کچھ صحابہ کرام کو زخم بھی لگے، اُن میں ابوبکر، عمر، عثمان، علی، عبداللہ بن ابی اؤفی اور خالد بن ولید تھے^(۱)۔

مشرکوں کی بھگدڑ:

مشرکین شکست کھا کر پہاڑوں اور وادیوں کی طرف بھاگ پڑے۔ مالک بن عوف نصری مشرکین کے ایک جتھہ کے ساتھ طائف بھاگا، اور ثقیف کے قلعہ میں بند ہو گیا، بعض مشرکین نے وادی اوطاس میں پہنچ کر مورچہ بندی کر لی، یہ وادی طائف اور حنین کے درمیان ہے۔ اور ثقیف کے بنو غیرہ نے وادی نخله میں پناہ لی۔ نبی کریم ﷺ نے ابو عامر کی قیادت میں ایک فوج اوطاس کی طرف روانہ کیا، وہاں انہیں دُرید بن صمہ مل گیا، اسے انہوں نے قتل کر دیا، اور اس کے دیگر ساتھی شکست کھا کر وہاں سے بھی بھاگ پڑے۔ وہاں ابو عامر کے گھٹنے میں دشمن کا ایک تیر آکر لگا، ابو موسیٰ اشعری نے اس کا فرکا پیچھا کر کے اسے قتل کر دیا، اور واپس آکر ابو عامر کو اطلاع دی کہ انہوں نے اس تیر انداز کو قتل کر دیا۔ پھر انہوں نے وہ تیر ان کے گھٹنے سے نکالا۔ ابو عامر نے اُن سے کہا: بھتیجے، تم رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ، انہیں میرا سلام پہنچاؤ اور کہو کہ وہ میرے لئے مغفرت کی دعا کریں۔ اس کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔

ابو موسیٰ نے جب واپس آکر رسول اللہ ﷺ کو ان کی بات بتائی تو آپ نے وضو کیا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور کہا: اے اللہ! تو اپنے بندہ ابو عامر کی مغفرت فرما دے، اے اللہ! قیامت کے دن تو اسے اپنے بہت سے بندوں سے اعلیٰ مقام عطا فرما۔ ابو موسیٰ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے لئے بھی مغفرت کی دعا کر دیجئے تو آپ ﷺ نے کہا: اے اللہ! تو عبداللہ بن قیس کے گناہ معاف کر دے، اور قیامت کے دن اسے بہترین مقام عطا فرما^(۲)۔

رسول اللہ ﷺ کی دودھ جانی بہن شیماء کا اسلام:

فتح ہوازن کے دن جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر اپنے اسلام کا اعلان کیا، اُن میں اُن کی دودھ جانی بہن شیماء بھی تھیں، جیسا کہ علامہ ابن القیم نے ابن اسحاق وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے آکر کہا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کی رضاعی بہن ہوں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: تمہارے پاس اس کی کوئی نشانی ہے؟ شیماء نے کہا: ہاں، آپ نے میری پیٹھ میں ایک بار دانت سے کاٹ لیا تھا، جب میں آپ کو اپنی پیٹھ پر بیٹھائے

(۱) السیرۃ النبویۃ الصغیرۃ، ذاکٹر عمری، ص ۵۰۳، ۵۰۴۔

(۲) البخاری، المغازی، حدیث: (۴۳۲۳) صحیح مسلم، فضائل الصحابہ، حدیث: (۲۴۹۸) وغیرہا۔

ہوئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس نشانی کو پہچان لیا، اور اپنی چادر اُن کے لئے بچھادی، اس پر انہیں بیٹھایا اور انہیں اختیار دیا۔ ابو عمر کہتے ہیں کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا، اور رسول اللہ ﷺ نے اُن کو تین غلام ایک لونڈی اور اونٹ اور بکریاں دیں، اور اُن کا نام حذافہ رکھا۔ ابو عمر کہتے ہیں کہ ”شیماء“ اُن کا لقب رہا^(۱)۔

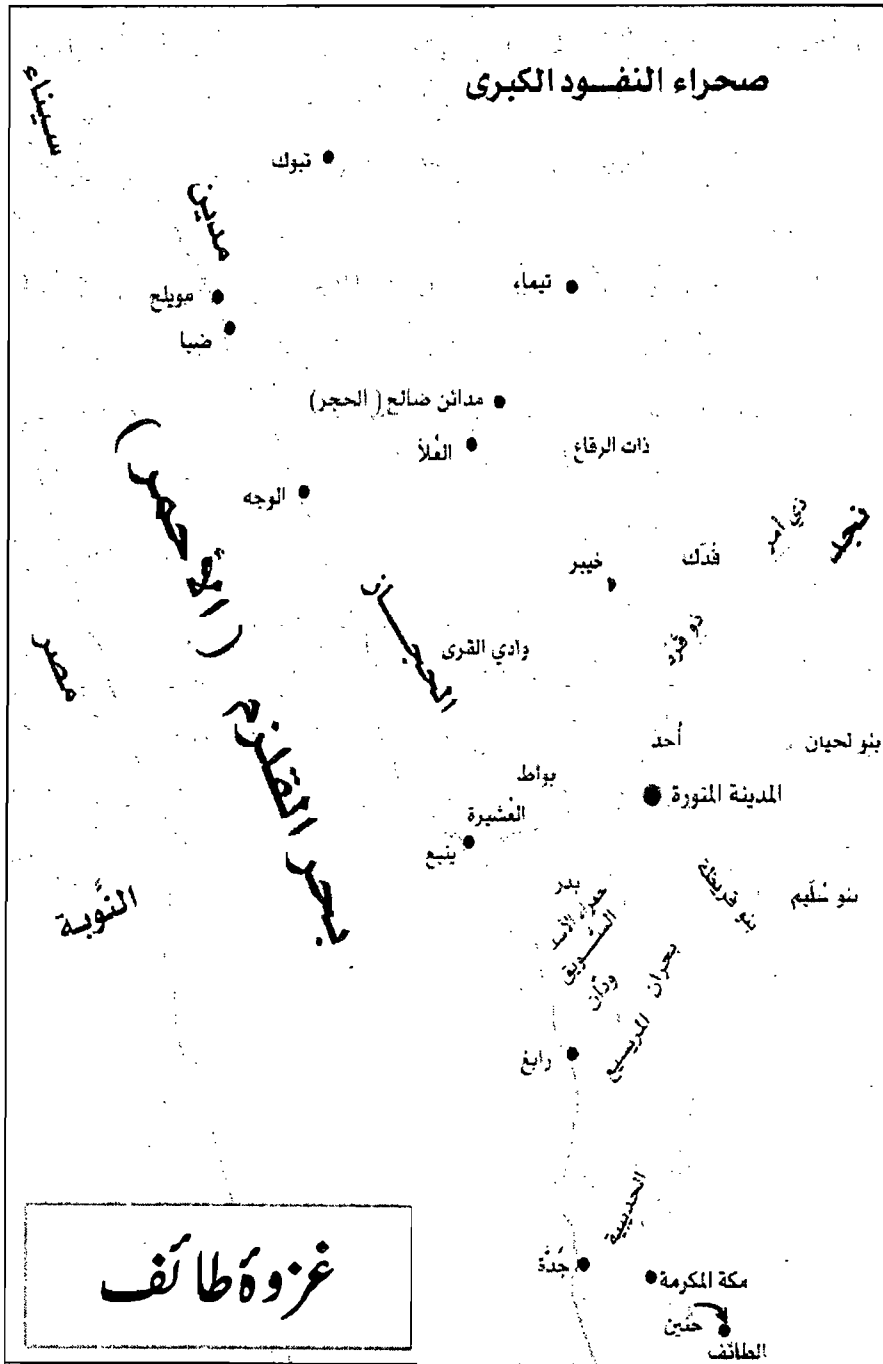
نبیہتی نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ فتح ہوا زن کے دن ایک عورت نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کی بہن شیماء بنت الحارث ہوں۔ آپ ﷺ نے اُن سے کہا: اگر تم سچی ہوگی تو تمہارے پاس کوئی نشانی ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے اپنا بازو کھول دیا، پھر کہا: ہاں، یا رسول اللہ! میں آپ کو گود میں اٹھائے تھی تو آپ نے مجھے یہاں پر دانت سے کاٹ لیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کے لئے اپنی چادر بچھادی۔ اور کہا: مانگو تم کو ملے گا، اور سفارش کرو قبول کی جائے گی^(۲)۔

معمر کہ حنین کا دور رس نتیجہ:

اسلام کے حق میں اس معمر کہ کے دور رس نتائج میں سے ایک اہم نتیجہ یہ تھا کہ دیہاتوں میں رہنے والے عرب اور وہ قبائل عرب جو اس معمر کہ کے آخری انجام کا انتظار کر رہے تھے تاکہ اسلام سے متعلق اپنے آخری موقف کا اعلان کریں، اُن سب نے ہوا زن کی اس بدترین شکست کے بعد اپنے دخول اسلام کا اعلان کر دیا، اور طائف اور اس کے مضافات میں اسلام نہایت تیزی کے ساتھ پھیلنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا علاقہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۲/۳۵۸۔

(۲) دلائل النبوت (۲۰۰، ۹۹/۵)، اس روایت کو یحییٰ بن معین نے ضعیف کہا ہے۔



غزوہ طائف

ماہ شوال سن ۸ ہجری میں رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ طائف کی طرف روانہ ہوئے جہاں غزوہ حنین کے بعد شکست خوردہ مشرکین نے پناہ لے لی تھی۔ انہی کے ساتھ ہوازن کا قائد مالک بن عوف بھی تھا، اور سب وہاں قلعہ بند ہو گئے، اُس زمانہ میں طائف شہر ایک قلعہ کے مانند تھا جس کے کئی دروازے تھے۔ مشرکوں نے ایک سال کا غلہ وہاں جمع کر لیا اور تمام دروازے بند کر لئے۔

رسول اللہ ﷺ نے طفیل بن عمرو والدوسی کو ذی الکفین نامی صنم کو منہدم کرنے کے لئے بھیجا جو عمرو بن حنمہ کا صنم تھا اور لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اپنی قوم کے لوگوں سے مدد لیں، اور یہ کام کرنے کے بعد طائف میں آکر ملیں۔ طفیل فوراً روانہ ہوئے، اپنی قوم کے پاس آ گئے، وہاں سے انہوں نے چار سو افراد لئے، اور جا کر ذوالکفین نامی بُت کو توڑ دیا، پھر انہوں نے اُس کے چہرہ میں آگ لگا کر اُسے جلا دیا۔

طائف کی ناکہ بندی:

رسول اللہ ﷺ نے مقدمۃ الجیش کا قائد خالد بن ولید کو بنایا۔ وہ نخلہ یمانیہ، قرن، مُلَح ہوتے ہوئے وادی لیمہ میں مقام نحرۃ الرثاء پہنچے۔ وہاں ایک مسجد بنائی، اس میں نماز پڑھی، پھر اُن کے حکم سے مالک بن عوف کا قلعہ منہدم کیا گیا، پھر آگے بڑھے اور طائف کے قریب وادی عقیق میں فوج کو منظم کیا، پھر ثقیف کے قلعہ کا محاصرہ کیا جس کی نظیر بلادِ عرب میں نہیں تھی۔ مشرکوں نے اندر سے تیر اندازی شروع کر دی جس کے نتیجہ میں کئی مسلمان زخمی ہو گئے، اس لئے وہاں سے ہٹ کر اس مقام پر مورچہ بندی کی جہاں اب مسجد عبد اللہ بن عباس ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کی بیگمات میں سے اُم سلمہ اور زینب رضی اللہ عنہما تھیں۔ آپ نے دونوں کے لئے الگ الگ دو خیمے لگائے، اور جب تک ناکہ بندی رہی، آپ اُن دونوں کے درمیان نماز پڑھتے رہے۔ عروہ بن زبیر اور موسیٰ بن عقبہ کے بیان کے مطابق آپ ﷺ نے دس دن سے زیادہ محاصرہ جاری رکھا۔

طفیل بن عمرو دوسی اپنی قوم والوں کے ساتھ اُس زمانہ کا ٹینک اور منجنیق لے کر آئے تھے۔ آپ ﷺ نے اس کے ذریعہ طائف کے قلعہ پر گولے برسانا شروع کیا، کچھ صحابہ کرام ٹینک کے نیچے گھس گئے اور قلعہ کی طرف ریٹگنے لگے تاکہ اس میں آگ لگا دیں لیکن اہل طائف نے ان پر پگھلا ہوا الو ہانڈیل دیا، اس لئے وہ گھبرا کر باہر نکل آئے۔ پھر مسلمانوں نے بھی ان پر تیر چلانا شروع کیا، اور دشمنوں کی ایک جماعت کو زخمی کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ

نے اس معرکہ میں بذاتِ خود حصہ لیا۔ مسلمانوں میں سے بھی کئی آدمی زخمی ہوئے، اور بارہ آدمی شہید ہو گئے، جبکہ مشرکین میں سے صرف تین آدمی قتل کئے گئے اس لئے کہ وہ لوگ قلعہ بند ہو گئے تھے۔ بالآخر رسول اللہ ﷺ نے ان کے انگور کی کھیتوں کو کاٹنے اور جلانے کا حکم دے دیا اور مسلمان تیزی کے ساتھ اس پر عمل کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر طائف والے اللہ اور رشتہ داریوں کی دُہائی دینے لگے، تو مسلمان ایسا کرنے سے رُک گئے، ان جنگی کاروائیوں نے کافروں کی نفسیات پر گہرا اثر ڈالا۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کارروائیوں کے دوران طائف کے غلاموں کے لئے اعلان کر دیا کہ اُن میں سے جو بھی قلعہ سے نکل کر مسلمانوں کے پاس آجائے گا وہ آزاد ہو جائے گا، چنانچہ تیس (۲۳) غلام باہر آ گئے، انہی میں سے ابوبکرہ ثقیفی تھے، اور سب مسلمان ہو گئے۔ تو اللہ کے رسول نے اُن سب کو آزاد کر دیا، اور انہیں ثقیف والوں کو نہیں لوٹایا^(۱)۔

حصار طویل ہو گیا، اور رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو مشقت میں نہیں ڈالنا چاہتے تھے، اس لئے آپ نے نوفل ابن معاویہ دہلی سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا: لومڑی بیل میں گھس گئی ہے۔ اگر آپ قیام کریں گے تو اسے پکڑ لیں گے، اور اگر اُسے چھوڑ دیں گے تو وہ آپ کو نقصان نہیں پہنچائے گی۔ آپ ﷺ نے عمر بن خطاب کو حکم دیا کہ وہ یہاں سے کوچ کرنے کا اعلان کر دیں۔ چنانچہ مسلمان کوچ کرنے لگے، آپ ﷺ نے اُن سے فرمایا: تم لوگ کہو: "لا اِلهَ اِلاَ اللّٰهُ وحده، صدق وعده، ونصر عبده، واعزّٰ جُنْدُه، وهزمَ الاحْزابَ وحده" یعنی "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندہ کی مدد کی، اپنے لشکر کو عزت بخشی، اور دشمن کے تمام گروہوں کو تباہ شکست دی"۔

جب مسلمان روانہ ہو گئے اور راستہ پر لگ گئے تو نبی کریم ﷺ نے کہا: تم لوگ کہو: ہم لوگ اللہ کی طرف لوٹنے والے ہیں، اس کی طرف رجوع کرنے والے ہیں، اپنے رب کی عبادت کرنے والے ہیں، اور اس کی تعریف بیان کرنے والے ہیں۔ کسی نے آپ ﷺ سے کہا: اے اللہ کے رسول! ثقیف والوں پر بددعا کر دیجئے۔ تو آپ ﷺ نے کہا: اے اللہ! ثقیف والوں کو ہدایت دے، اور انہیں میرے پاس بھیج دے^(۲)۔

حجرانہ میں تقسیم غنائم:

پانچ ذی القعدہ کو رسول اللہ ﷺ حجرانہ پہنچے جہاں اموالِ غنائم جمع کئے گئے تھے۔ سب سے پہلے اس میں

(۱) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۳۳۲۷، ۳۳۲۸)، اتحاف الوری: ۵۳۶-۵۳۹۔

(۲) مغازی الواقعی: ۳/۹۳، طبقات ابن سعد: ۱۵۹/۲، عمون الاثر: (۲۰۱/۲، ۲۰۲)۔

سے نئے مسلمانوں کو دیا۔ ابوسفیان بن حرب کو چالیس اوقیہ چاندی اور سواونٹ دیا۔ ابوسفیان نے کہا: میرے بیٹے معاویہ کو بھی دیجئے۔ آپ ﷺ نے اسے چالیس اوقیہ اور سواونٹ دیا۔ حکیم بن حزام کو سواونٹ دیا تو انہوں نے دوبارہ مانگا، انہیں آپ ﷺ نے دوبارہ دیا۔ نصر بن حارث بن کلدہ کو بھی سواونٹ دیئے۔ اور علاء بن حارثہ ثقفی کو پچاس اونٹ دیئے، ان کے علاوہ دوسروں کو ایک سو پچاس اونٹ کے حساب سے دیا۔ اور عباس بن مرداس کو چالیس اونٹ دیئے۔

اس داد و دہش نے ان عرب لیڈروں اور ان کے ماننے والوں کے دل موہ لئے، اسلام سے ان کی دلچسپی بڑھ گئی، چنانچہ آئندہ زندگی میں ان لوگوں نے اسلام کے لئے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے اور اپنی جانوں اور مالوں کے ذریعہ اسلام کی خدمت کی سوائے چند ایک کے، مثال کے طور پر عیینہ بن حصن فزاری جس کے بارے میں امام ابن حزم نے اپنی کتاب جوامع السیرۃ میں لکھا ہے کہ یہ شخص ہمیشہ ہی اپنے ایمان و عقیدہ کے سلسلہ میں مشکوک رہا۔

غیر مقرب لوگوں کو دینے میں حکمت۔

رسول اللہ ﷺ نے اس داد و دہش کی حکمت بیان فرمائی تاکہ بعض نہایت مقرب صحابہ کرام کے دل پر کوئی بُرا اثر نہ پڑے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں ایک کو دیتا ہوں اور ایک کو چھوڑ دیتا ہوں، اور جسے چھوڑ دیتا ہوں وہ میرے نزدیک زیادہ محبوب ہوتا ہے اس سے جس کو میں دیتا ہوں۔ میں کچھ لوگوں کو اس لئے دیتا ہوں کہ ان کے دل اموال غنیمت دیکھ کر حرص و طمع سے بھرے ہوتے ہیں اور کچھ دوسروں کو نظر انداز کر دیتا ہوں اُس دولتِ غنائم و خیر کے سبب جس سے اللہ نے انہیں نوازا ہے^(۱)۔

نبی کریم ﷺ نے یہ بھی کہا کہ میں ایک شخص کو دیتا ہوں، حالانکہ کوئی دوسرا شخص میرے نزدیک اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے، اس ڈر سے کہ کہیں اللہ اسے اوندھے منہ آگ میں نہ ڈال دے^(۲)۔

تقسیم غنائم کے وقت انصار کی گفتگو:

رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی کہ انصار چاہتے ہیں دوسروں کی طرح انہیں بھی غنائم میں سے حصہ ملے۔ اور انس بن مالک کی ایک روایت میں ہے کہ انصار نے کہا: اللہ اپنے رسول کی مغفرت فرمائے، آپ قریش کو دیتے ہیں،

(۱) صحیح البخاری، المجمع، حدیث: (۵۳۵، ۳۱۳۵، ۹۲۳)، مسند احمد: ۶۹/۵۔

(۲) صحیح البخاری، الإیمان، حدیث: (۲۷)، الزکاة، حدیث: (۱۳۷۸)، صحیح مسلم، حدیث: (۱۵۰)، الزکاة، حدیث: (۱۳۱)۔

اور ہمیں نظر انداز کرتے ہیں، حالانکہ ہماری تلواروں سے اب تک قریشیوں کا خون ٹپک رہا ہے^(۱)۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ باتیں سن کر خطبہ دیا، اللہ کی حمد و ثناء بیان کی، پھر کہا: اے انصار کے لوگو! کیا تم لوگ گمراہ نہیں تھے تو اللہ نے تمہیں میرے ذریعہ ہدایت دی، کیا تم محتاج و تنگ حال نہیں تھے تو اللہ نے تمہیں میرے ذریعہ مالدار بنادیا، اور کیا تم متفرق اور بکھرے ہوئے نہیں تھے تو اللہ نے تمہیں میرے ذریعہ جمع اور متحد کر دیا؟ انصار کہتے تھے: اللہ اور اس کے رسول کا ہم پر سب سے بڑا احسان ہے۔ رسول اللہ نے کہا: کیا تم لوگ میری بات کا جواب نہیں دو گے؟ تو انصار کہتے: اللہ اور اس کے رسول کا ہم پر سب سے زیادہ احسان ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو کہہ سکتے ہو: ایسا اور ایسا۔ اور معاملہ اس طرح اور اس طرح تھا۔ آپ ﷺ نے انصار کے بہت سے تاریخی واقعات کو گنا دیا۔ عمرو اور ابی حدیث کہتے ہیں کہ وہ ساری باتیں مجھے یاد نہیں رہیں۔ اس حدیث کو احمد اور عبد الرزاق نے الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ روایت کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ لوگ تو اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں، اور تم اپنے گھروں کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ واپس جاؤ۔ انصار کی حیثیت میرے نزدیک رازداروں، خاص لوگوں اور مجھ سے سب سے قریب لوگوں کی ہے۔ اور دوسرے لوگوں کی حیثیت عام سی ہے۔ اگر اللہ نے میرے لئے ہجرت کرنے کا شرف نہ مقدّر کیا ہوتا تو میں انصار میں پیدا ہوتا۔ اگر لوگ ایک وادی اور گھاٹی میں چلیں گے تو میں انصار کی گھاٹی اور وادی میں چلوں گا۔ اے انصار کے لوگو! تم میرے بعد دیکھو گے کہ لوگ اپنے آپ کو تم پر ترجیح دیں گے، ایسے وقت میں صبر کرنا یہاں تک کہ تم حوض پر مجھ سے ملو^(۲)۔

انس بن مالک کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمام انصار کو بلا بھیجا، سب کو چمڑے کے ایک خیمہ میں جمع کیا۔ جب جمع ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ آئے اور کہا: مجھے تمہارے بارے میں کیا بات معلوم ہوئی ہے؟ تو فقہائے انصار نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے ہوشمند لوگوں نے کوئی بات نہیں کہی ہے۔ البتہ کچھ نوجوانوں نے کہا ہے: ”اللہ اپنے رسول کو معاف کر دے، قریش کو دیتے ہیں اور ہم کو نظر انداز کرتے ہیں، حالانکہ ہماری تلواروں سے اب تک ان کا خون ٹپک رہا ہے“۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں کچھ نو مسلموں کو ان کے تالیف قلب کے لئے دیتا ہوں۔ کیا تم لوگ یہ پسند نہیں کرو گے کہ لوگ مال و اسباب لے کر جائیں، اور تم اپنے گھروں کو اللہ کے رسول کو لے کر جاؤ۔ اللہ کی قسم! تم

(۱) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۳۳۰، ۴۳۳۱)، صحیح مسلم، الزکاة، حدیث (۱۰۶۱، ۱۰۵۹) وغیرہا۔

(۲) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۳۳۰)، صحیح مسلم، الزکاة، حدیث: (۱۰۶۱)، مسند احمد: ۴/۴۲۴۔

جولے کر جاؤ گے اس سے کہیں بہتر ہے جو دوسرے لوگ لے کر جائیں گے۔

انصار نے کہا: ہاں، یا رسول اللہ! ہمیں یہ منظور ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم دیکھو گے کہ لوگ اپنے آپ کو ناحق تم پر ترجیح دیں گے، تو صبر کرنا، یہاں تک کہ تمہاری ملاقات اللہ اور اس کے رسول سے ہو، میں حوض پر بلوں گا۔ انصار نے کہا: ہم صبر کریں گے (۱)۔

پھر آپ ﷺ نے زید بن ثابت کو حکم دیا کہ وہ غنائم اور لوگوں کا شمار کریں، جیسا کہ ابن القیم نے لکھا ہے، پھر وہ غنائم لوگوں میں تقسیم کر دیئے گئے۔ ہر آدمی کو چار اونٹ اور چالیس بکریاں ملیں، اور گھوڑ سوار کو بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بکریاں (۲)۔

ایک منافق کی گستاخی:

جیسا کہ معلوم ہوا، رسول اللہ ﷺ نے دعوتی مصلحت کے مطابق کچھ لوگوں کو تقسیم غنائم کے وقت ترجیح دی۔ اقرع بن حابس کو سو اونٹ دیئے، اور اتنا ہی عیینہ بن حصن کو۔ اسی طرح کچھ اشراف عرب کو بھی زیادہ دیا۔ تو ایک آدمی نے کہا: اللہ کی قسم! اس تقسیم میں انصاف نہیں برتا گیا ہے، اور اللہ کی خوشنودی مقصود نہیں تھی۔ عبد اللہ بن مسعود راوی حدیث کہتے ہیں: میں نے دل میں سوچا کہ اس بات کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو ضرور دوں گا۔ چنانچہ میں نے آپ ﷺ کو یہ بات بتائی تو آپ کا چہرہ مبارک بدل گیا، اور فرمایا: اگر اللہ اور اس کے رسول انصاف نہیں کریں گے تو پھر کون کرے گا۔ اللہ موسیٰ پر رحم کرے، انہیں مجھ سے زیادہ تکلیف پہنچائی گئی تو صبر سے کام لیا (۳)۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اُس دیہاتی کی بات سے بہت ناراض ہوئے، اور رسول اللہ ﷺ سے اجازت مانگی تاکہ اسے قتل کر دیں۔ لیکن آپ نے ان کو اجازت نہیں دی اور فرمایا: اللہ کی پناہ، لوگ کہیں گے کہ میں اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہوں (۴)۔

تقسیم غنائم کے وقت دیہاتیوں کا سوء ادب:

ایک دیہاتی جعرانہ میں رسول اللہ کے پاس آیا اور کہا: آپ نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا کیا اس کو پورا نہیں

(۱) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۳۳۴)، صحیح مسلم، الزکاة، حدیث: (۱۰۵۹، ۱۳۳)، مسند احمد ۱۶۵/۳۔

(۲) زاد المعاد: ۳۷۶/۳۔

(۳) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۳۳۶)، صحیح مسلم، الزکاة، حدیث: (۱۰۶۲)، مسند احمد: ۳۸۰/۱ وغیرہم۔

(۴) صحیح مسلم، باب ذکر الخوارج، حدیث: (۱۰۶۳)، صحیح البخاری مختصر: (۳۱۳۸)۔

کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ابشرو" یعنی خوش ہو جاؤ۔ میں ضرور پورا کروں گا۔ دیہاتی نے کہا: آپ بہت بار مجھ سے یہ جملہ کہہ چکے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ ابو موسیٰ (راوی حدیث) اور بلال کی طرف ناراضگی کی حالت میں متوجہ ہوئے اور فرمایا: اس شخص نے خوشخبری قبول نہیں کی، تو تم دونوں قبول کر لو۔ دونوں نے کہا: ہم نے قبول کر لیا۔ آپ ﷺ نے پھر پانی کا ایک پیالہ منگایا، اس میں اپنے دونوں ہاتھ اور چہرہ دھویا، اور اسی میں ٹکٹی کی۔ پھر آپ نے دونوں سے کہا: تم دونوں اس میں سے پیو، اور اپنے چہروں اور گردنوں پر بہاؤ، اور خوشخبری قبول کرو۔ چنانچہ دونوں نے پیالہ لیا اور ویسا ہی کیا^(۱)۔

تقسیم غنائم کے وقت رسول اللہ ﷺ کے گرد لوگوں کی بھیڑ لگ گئی یہاں تک کہ آپ کی چادر ایک درخت کی ڈالی میں لٹک گئی، آپ ﷺ نے کہا: تم لوگ میری چادر دو۔ اگر میرے پاس بول کے ان درختوں کی تعداد کے برابر جانور ہوتے تو ان سب کو تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا (اُس جگہ بول کے بے شمار درخت تھے)۔ اور تم مجھے بخیل، جھوٹا اور بزدل نہ پاتے۔ آپ نے پھر اونٹ کے کھان کا ایک بال لیا اور کہا: اللہ کی قسم! تمہارے ان اموالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ کے سوا اس بال کے برابر بھی میرے لئے نہیں ہے، اور وہ پانچواں حصہ بھی تم پر ہی خرچ ہو گا۔ پھر آپ ﷺ نے تقسیم غنائم سے پہلے اس میں سے کچھ لینے کی حرمت کو بیان فرمایا۔ یہ سن کر ایک انصاری بال سے بٹے کچھ دھاگے لے کر آئے، جنہیں انہوں نے تقسیم سے پہلے لے لیا تھا، اور اموالِ غنیمت میں ڈال دیا^(۲)۔

وفدِ ہوازن:

مقامِ ہجرانہ میں چودہ اشخاص پر مشتمل ہوازن کا ایک وفد ابو جردل زہیر بن صُرَد کی قیادت میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، انہی میں رسول اللہ ﷺ کے رضاعی چچا ابو برقان بھی تھے، ان سب نے اپنے اسلام کا اعلان کیا، اور کہا: اے اللہ کے رسول! ہم اہل وعیال اور خاندان والے لوگ ہیں، اور ہم پر جو مصیبت آئی ہے وہ آپ سے مخفی نہیں ہے۔ ہم پر احسان کیجئے اللہ آپ پر احسان کریں گے۔ اس کے بعد اُن کا خطیب زہیر بن صُرَد کھڑا ہوا اور کہا: باڑوں میں بہت سی قیدی عورتیں آپ کی خالائیں، پھوپھیاں اور آپ کی دایائیں ہیں جو آپ کی کفالت کرتی تھیں۔

(۱) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۳۲۸)، صحیح مسلم، فضائل الصحابة، حدیث: (۲۴۹۷)۔

(۲) مسند احمد، حدیث: (۶۷۲۹)، دلائل الیمینی: (۳۳۷، ۳۳۶)، صحیح البخاری: ۶۱، ۱۹۳، ۱۹۴، مستدرک الحاکم: ۳/۳۹، علامہ البانی نے

اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ دیکھئے تلیق الشیخ علی فقہ السیر والمغزالی: ص ۲۶۶۔

رسول اللہ ﷺ نے اُن سے پوچھا: تمہاری عورتیں تمہیں زیادہ عزیز ہیں یا مال و اسباب؟ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے ہمیں اختیار دیا ہے، تو ہمارے بچے اور ہماری عورتیں ہمارے نزدیک زیادہ عزیز ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو میرے اور بنی عبدالمطلب کے پاس ہیں وہ تمہارے لئے ہیں۔ اور جب میں لوگوں کے ساتھ نماز سے فارغ ہو جاؤں تو تم لوگ اٹھ کر کہو: ”ہم اپنے بچوں اور عورتوں کے لئے اللہ کے رسول کو مسلمانوں کے نزدیک سفارشی بناتے ہیں، اور مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کے نزدیک“۔ تب میں تم لوگوں کی مدد کروں گا، اور لوگوں سے تمہارے لئے طلب کروں گا۔

چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھ لی تو ہوازن والے کھڑے ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی سکھائی ہوئی بات لوگوں سے کہی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے کہا: جو میرے اور بنی عبدالمطلب کے پاس ہے، انہیں اللہ کو اور تمہیں دیتا ہوں، یہ سن کر قریش نے کہا: اور جو ہمارے پاس ہے وہ بھی اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے۔ اور انصار نے کہا: اور جو ہمارے پاس ہے وہ سب بھی اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں۔

أقرع بن حابس نے کہا: لیکن میں اور بنی تمیم اس کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اسی طرح عباس بن مرداس نے کہا: میں اور بنو سلیم بھی اس کے لئے تیار نہیں ہیں۔ بنو سلیم نے کہا: نہیں، بلکہ جو ہمارا حصہ ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے لئے ہے۔ عیینہ بن حصن نے کہا: میں اور بنو فزارہ بھی اپنا حصہ دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ سب کچھ سُن کر کہا: یہ لوگ مسلمان ہو کر آئے ہیں، اور مجھے ان لوگوں کا انتظار تھا۔ میں نے انہیں ان کی عورتوں، بچوں اور مال و اسباب کے درمیان اختیار دیا تھا، تو انہوں نے اپنے اہل و عیال کے مقابلہ میں کسی چیز کو کوئی حیثیت نہیں دی ہے۔ اس لئے جن لوگوں کے پاس ان کے اہل و عیال میں سے کوئی ہو، اور وہ بطیب خاطر انہیں واپس کر دینا چاہیں، تو یہ اچھی بات ہوگی، اور جو کوئی انکار کرتا ہے، وہ بھی ان کو واپس کر دے، اور یہ ہم پر قرض ہوگا۔ ہم پہلی فرصت میں اس کا قرض چکا دیں گے۔ سب نے کہا: ہم اس پر راضی ہیں، چنانچہ سبھوں نے واپس کر دیا، سوائے عیینہ بن حصن کے، اس نے اس کے پاس موجود ایک بوڑھی عورت کو واپس کرنے سے پہلے انکار کر دیا، پھر اس نے بھی اُسے واپس کر دیا۔^(۱)

رسول اللہ ﷺ ہوازن والوں کے اسلام لانے سے خوش ہوئے، اور ان کے قائد مالک بن عوف نصری کے بارے میں دریافت کیا تو لوگوں نے آپ کو بتایا کہ وہ ثقیف والوں کے ساتھ طائف میں ہے۔ آپ ﷺ نے

(۱) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۳۱۸، ۴۳۱۹)، مسند احمد: ۴/۴۲۶، ۴۲۷، ابوداؤد، حدیث: (۲۶۹۳)۔

اُن سے وعدہ کیا کہ اگر وہ مسلمان ہو جائے گا تو آپ اس کے بال بچے اور اموال اسے واپس کر دیں گے، اور مزید سواونٹ دے کر اس کا اکرام کریں گے۔ یہ سن کر وہ جلد ہی مسلمان ہو گیا اور جعرانہ میں آپ سے آکر ملا، اور رسول اللہ ﷺ نے اس کے لئے کیا گیا اپنا وعدہ وفا کیا، اور وہ مخلص مسلمان ہو گیا۔ بعد میں آپ نے اسے اس کی قوم اور مضافات کے بعض دیگر قبائل کا ذمہ دار بنادیا^(۱)۔

جعرانہ میں قیام، اور ادائیگی عمرہ:

رسول کریم ﷺ نے جعرانہ میں تیرہ دن قیام فرمایا، اور ۱۸ ذی القعدہ ہجری کی رات میں چند صحابہ کرام کے ساتھ عمرہ کا احرام باندھ کر رات میں مکہ گئے۔ اضطباع (دائیں کندھے کو کھول کر چادر کو بغل کے نیچے سے نکالنا) کے ساتھ طواف کیا، تین ابتدائی اشواط میں رمل کیا (تیز دوڑے) اور باقی چار اشواط میں چلتے رہے، پھر صفامروہ کے درمیان سعی کی، اور بال منڈولیا، معاویہ نے آپ کا بال مونڈا، پھر رات میں ہی جعرانہ واپس آگئے، اور وہاں باقی رات گزار کر صبح کی۔

اسی لئے آپ کا یہ عمرہ بہت سے لوگوں سے مخفی رہا، انہی میں سے ابن عمر تھے جیسا کہ اُن کے آزاد کردہ غلام نافع نے ان سے روایت کی ہے۔ بخاری نے نافع سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جعرانہ سے عمرہ نہیں کیا۔ اگر آپ ﷺ نے عمرہ کیا ہوتا تو یہ بات عبد اللہ بن عمر سے مخفی نہیں رہی ہوتی۔ اسی طرح مسلم نے نافع سے روایت کی ہے کہ ابن عمر کے نزدیک رسول اللہ کے جعرانہ سے عمرہ کرنے کا ذکر آیا تو انہوں نے کہا: آپ ﷺ نے وہاں سے عمرہ نہیں کیا۔

لیکن جس بات کی ابن عمر نے نفی کی ہے، دوسروں نے اس کا اثبات کیا ہے۔ امام نووی نے کہا ہے کہ ابن عمر کا یہ قول ان کی لاعلمی پر محمول ہوگا، اس لئے کہ یہ بات ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جعرانہ سے عمرہ کیا تھا، اور اثبات نفی پر مقدم ہوتا ہے، اس لئے کہ اثبات میں زائد علم ہوتا ہے۔

احمد، شیخین، ابوداؤد اور ترمذی نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حنین کے سال نبی کریم ﷺ نے مقام جعرانہ سے عمرہ کیا تھا۔ انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے چار عمرے کئے، کبھی ذی القعدہ میں کئے، سوائے اس عمرہ کے جو حج کے ساتھ کیا تھا۔ پہلا عمرہ حدیبیہ سے ذی القعدہ میں، دوسرا اس کے بعد والے سال کے ذی القعدہ میں، تیسرا جعرانہ سے ذی القعدہ میں جب آپ ﷺ نے حنین کے غنائم تقسیم کئے، اور چوتھا حجۃ الوداع کے ساتھ

ذی القعدہ میں (۱)

مدینہ واپسی:

جمعرات کے دن جب آفتاب ڈھل گیا تو رسول اللہ ﷺ جحرانہ سے روانہ ہوئے، اور سرف پہنچے، وہاں سے سرف الظہران کے راستہ پر چل پڑے، اور مدینہ جمعہ کے دن ستائیس ذی القعدہ کو پہنچے، آپ ﷺ نے مکہ میں اپنا خلیفہ عتیب بن اُسید کو مقرر کر دیا تھا، اور اُن کے ساتھ معاذ بن جبل اور ابو موسیٰ اشعری کو رہنے دیا تاکہ یہ دونوں مکہ والوں کو قرآن پڑھنا سکھائیں اور قرآن و سنت کی تعلیم دیں۔

عروہ بن مسعود ثقفی کا قبول اسلام:

نبی کریم ﷺ کی جحرانہ سے روانگی کے بعد عروہ بن مسعود ثقفی آپ سے ملنے کے لئے نکلے، اور مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے راستہ میں آپ سے جا ملے اور اپنے اسلام کا اعلان کر دیا، اور آپ ﷺ سے اپنی قوم کے پاس لوٹ جانے کی اجازت مانگی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ لوگ تمہیں قتل کر دیں گے۔ بہر کیف وہ واپس اپنی قوم کے پاس گئے اور انہیں اسلام کی دعوت دینی شروع کی۔ لیکن ان لوگوں نے انہیں اپنے تیروں کا نشانہ بنایا اور انہیں قتل کر دیا۔ مرنے سے پہلے انہوں نے وصیت کی کہ انہیں طائف سے باہر اُن مسلمانوں کے ساتھ دفن کیا جائے جو طائف کی ناکہ بندی کے وقت شہید ہوئے تھے، چنانچہ وہ شہداء کے ساتھ دفن کر دیئے گئے (۲)

عرب جنگوں کا خاتمہ:

سیرت نبوی کے مؤرخین تقریباً اس بات پر متفق ہیں کہ غزوہ حنین کے ساتھ جزیرہ عرب میں جنگوں کا خاتمہ ہو گیا، اللہ نے اس کے بعد مشرکین کے جتھوں کو بکھیر دیا، اُن کی طاقت کو توڑ دیا، اور اسلام کے دشمنوں کو ذلیل و رسوا کر کے مسلمانوں کو عزت بخشی۔ اب جزیرہ عرب میں کوئی ایسا نہ رہا جو شرک کا دفاع کرتا سوائے بعض گروہوں کے جن کا طیش و غضب انہیں اسلامی فوج یا داعیان اسلام کے سامنے ہتھیار اٹھانے پر ابھارتا تھا۔ لیکن جوں ہی حق کی قوت اُن کے سامنے آتی تھی وہ اپنی تلواریں میانوں میں ڈال کر بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔ اس طرح اسلام بڑی تیزی میں طائف اور اس کے قریبی علاقوں میں پھیلنے لگا، اور اُن علاقوں میں رہنے والے

(۱) صحیح البخاری، الحج، حدیث: (۱۷۸۰)، المغازی، حدیث: (۳۱۳۸)، صحیح مسلم، الحج، حدیث: (۱۲۵۳)، ابوداؤد، الحج، حدیث: (۱۹۹۳)، ترمذی، الحج، حدیث: (۸۱۵)، مسند احمد: ۶۵۲، ۱۳۴، ۳۔

(۲) اتحاف الوری: ۱/۵۶۰، المغازی الواقعی: ۹۶۰-۹۶۲، عیون الاثر: ۲۲۸/۲۔

قبائل رسول اللہ ﷺ کے پاس برضا و رغبت آکر اللہ اور اس کے رسول کے لئے اپنی طاعت و فرمانبرداری کا اعلان کرنے لگے۔

کعب بن زہیر^(۱) حضور نبوی میں:

بیہوشی کی روایت ہے کہ زہیر بن ابی سلمیٰ (مشہور زمانہ شاعر) کے دونوں بیٹے کعب و نجیر (رسول اللہ ﷺ کی طائف سے واپسی کے بعد) جب مقام ابرق العراف پر پہنچے تو نجیر نے کعب سے کہا: تم یہاں رُکے رہو، اور میں اس آدمی (یعنی رسول اللہ) کے پاس جاتا ہوں اور سنتا ہوں کہ وہ کیا کہتا ہے۔ نجیر جب رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی، وہ فوراً مسلمان ہو گیا۔ کعب کو جب یہ خبر ملی تو اس نے چند اشعار کہے جن میں اُس نے نجیر کی کم عقلی کا ردِ نار دیا اور ابوبکر اور رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑایا۔ رسول اللہ ﷺ نے جب وہ اشعار سنے تو اُس کے خون کو حلال کر دیا اور فرمایا: جسے کعب مل جائے وہ اسے قتل کر دے۔ نجیر نے اپنے بھائی کعب کو خط لکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اُس کا خون حلال کر دیا ہے، اور اسے نصیحت کی کہ کسی طرح نجات پانے کی کوشش کرے لیکن میں نہیں سمجھتا کہ تم بیچ سکو گے۔ اس کے بعد دوسرا خط لکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب کوئی شخص آکر اعلان کرتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد اللہ کے رسول ہیں تو اس کی شہادت کو قبول کر لیتے ہیں، اور اس سے پہلے کی خطاؤں کو درگزر کر دیتے ہیں۔ اس لئے جب تمہیں میرا یہ خط ملے تو فوراً مسلمان ہو جاؤ اور رسول اللہ ﷺ کے پاس آ جاؤ۔

چنانچہ کعب نے اسلام قبول کر لیا، اور وہ قصیدہ کہا جس میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی تعریف کی، پھر مدینہ آئے، مسجد میں داخل ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر بیٹھ گئے، اور اسلام کا اعلان کر کے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: میں کعب بن زہیر ہوں۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے: کعب نے پھر اپنا وہ قصیدہ سنایا جس کا پہلا شعر مندرجہ ذیل ہے:

بانت سعاد فقلبي اليوم متبول مُتَيْمٌ اِثْرَهَا لَمْ يُفِدْ مَكْبُول

قسطلانی نے اپنی کتاب ”المواہب“ میں ابوبکر ابن الانباری کے حوالے سے کعب کا قول نقل کیا ہے کہ میں

(۱) کعب بن زہیر دیار نجد کا ایک عالی مقام شاعر تھا، وہ جاہلیت میں ہی مشہور ہو چکا تھا۔ اس نے ظہور اسلام کے بعد نبی کریم ﷺ کی جوگی، اور مسلمان عورتوں کے بارے میں عشقیہ اشعار کہے، اس لئے نبی کریم ﷺ نے اس کا خون حلال کر دیا۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد وہ اسلام لے آیا تو نبی کریم ﷺ نے اسے معاف کر دیا، اور اس کا مشہور نعتیہ قصیدہ (بانت سعاد) سن کر اسے اپنی چادر مبارک عطا کر دی۔

نے جب مندرجہ ذیل شعر پڑھا:

”إِنَّ الرُّسُولَ لَنُورٍ يُسْتَضَاءُ بِهِ مَهْنَدٌ مِنْ سَيُوفِ اللَّهِ مَسْلُورٍ
”بے شک رسول اللہ ﷺ کا نور ہیں جس سے دنیا روشنی حاصل کرتی ہے، بے شک آپ ﷺ اللہ کی
تلواروں میں سے ایک ہندی تلوار ہیں جو باطل کا سر قلم کرنے کے لئے ہر دم نیام سے باہر رہتی ہے۔“
تو نبی کریم ﷺ نے اپنی چادر مبارک میرے بدن پر ڈال دی، کعب کو اس چادر کے لئے معاویہ رضی اللہ عنہ
نے دس ہزار دینار کی پیش کش کی، تو انہوں نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کی چادر مبارک کسی آدمی کو کسی بھی قیمت
میں نہیں دوں گا۔

کعب کا جب انتقال ہو گیا تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے خاندان والوں کو بیس ہزار کی پیش کش کر کے وہ
چادر حاصل کر لی۔ اور پھر وہ چادر سلاطین بنی امیہ کے پاس یکے بعد دیگرے منتقل ہوتی رہی (۱)۔

أَمْرَاءُ وَعُمَاسِلُ كِي تَعِينُ:

سن ۹ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے وصولی زکاۃ کے لئے امراء اور عماسل کو مختلف علاقوں میں روانہ فرمایا:
بریدہ بن الحصیب کو قبائل اسلم وغفار کے پاس، عباد بن بشر اشہلی کو قبائل سلیم اور مزینہ کے پاس، رافع بن ملکیت
کو ٹھسینہ کے پاس، عمرو بن العاص کو فزارہ کے پاس، ضحاک بن سفیان کو کلاب کے پاس، بسر بن سفیان کعسی کو
بنی کعب کے پاس، اور ابن اللثیبہ ازدی کو ذبیان کے پاس بھیجا۔

رسول اللہ ﷺ نے ان تمام عماسل کو حکم دیا کہ وہ زکاۃ لوگوں کے عام اموال میں سے لیں، اُن کے سب
سے اچھے اموال لینے سے بچیں۔ ابن اسحاق کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مہاجر بن ابی امیہ کو صنعاء بھیجا، وہ وہیں
تھے کہ عسّی ظاہر ہوا۔ اور آپ ﷺ نے زیاد بن لبید کو حضرموت، عدی بن حاتم کو طی اور بنی اسد اور مالک بن نویرہ
کو بنی حنظلہ کے پاس بھیجا۔ اور بنی سعد کے صدقات کا معاملہ دو شخصوں کے سپرد کیا، ایک علاقہ میں برقان بن بدر
کو، اور دوسرے علاقہ میں قیس بن عاصم کو بھیجا۔ اور علاء بن الحضرمی کو بحرین، اور علی رضی اللہ عنہ کو نجران کے علاقہ
میں بھیجا، تاکہ یہ سب اُن علاقوں کے صدقات، اور جو اسلام نہ لائیں اُن کا جزیہ وصول کر کے آپ ﷺ کے پاس
لے آئیں (۲)۔

(۱) دیکھئے دلائل البیہقی: ۲۰۷-۲۰۹، زاد المعاد: ۳/۳۱۳-۳۱۸، سیرۃ ابن کثیر: ۲۹۹/۳-۳۰۷، حاشیہ ابراہیم العلی بر ”السیرۃ النبویہ“

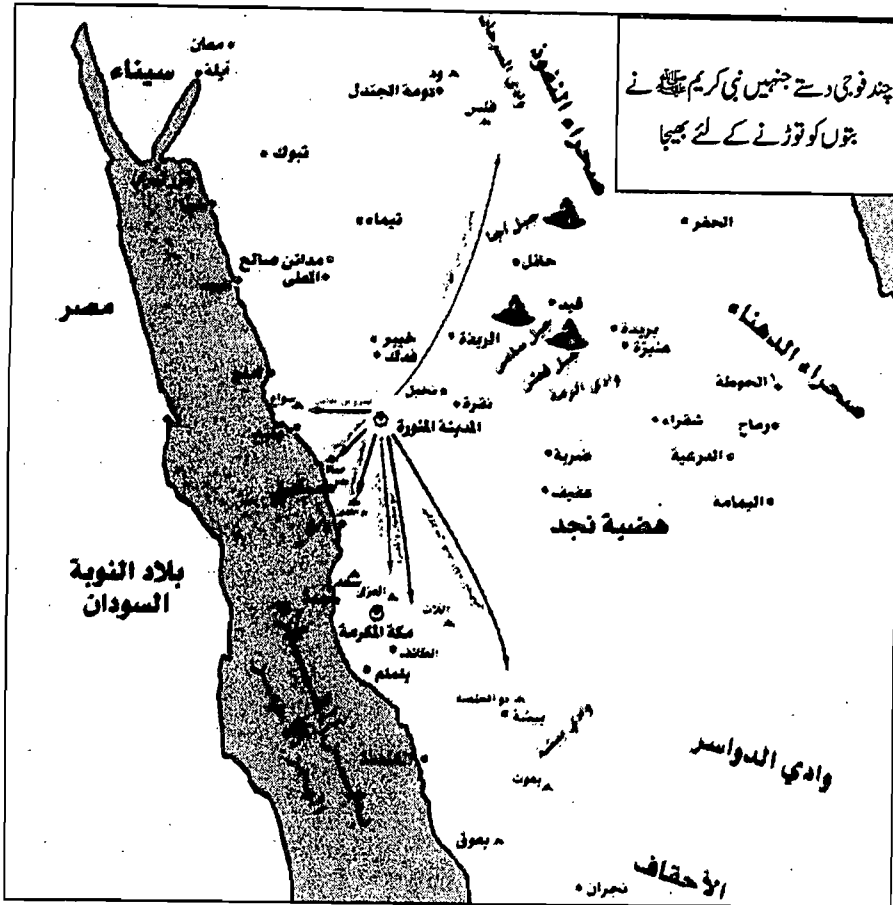
تالیف ابوالحسن علی اللندوی۔

(۲) زاد المعاد: ۳/۳۰۶، ۳۰۷، طبقات ابن سعد: ۱/۶۰۲، سیرۃ ابن ہشام: ۶۰۰/۲، مغازی الواقدی: ۳/۳۷۳-۳۷۵۔

جمع زکاۃ کے سلسلہ میں ابن التیمیہ کا ایک واقعہ ہے جس میں دلیل ہے کہ عمال و اُمناء کا محاسبہ کیا جائے گا، اور کسی کی خیانت ظاہر ہونے کی صورت میں اُسے برطرف کر دیا جائے گا، اور اُس کی جگہ کسی امانت دار کو بھیجا جائے گا۔ واقعہ یوں ہے کہ یہ شخص جب صدقہ کا مال لے کر مدینہ آیا تو آپ ﷺ سے کہا: یہ مال آپ لوگوں کے لئے ہے، اور یہ مجھے ہدیہ ملا ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے، اللہ کی حمد و ثنایان کی اور فرمایا: کیا بات ہے کہ میں کسی کو عامل بنا کر بھیجتا ہوں تو واپس آ کر وہ کہتا ہے: یہ تم لوگوں کے لئے ہے، اور یہ مجھے ہدیہ دیا گیا ہے۔ ایسا شخص اپنے باپ یا ماں کے گھر میں کیوں نہ بیٹھا رہا، اور دیکھتا کہ اُسے ہدیہ پیش کیا جاتا ہے یا نہیں۔ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم میں سے جو کوئی صدقہ کے مال میں سے کچھ لے لے گا تو وہ قیامت کے دن اسے اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے آئے گا، اگر اونٹ ہو گا تو وہ آواز نکال رہا ہو گا، یا گائے ہو گی تو وہ آواز نکال رہی ہو گی، آپ ﷺ نے پھر اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر دوبار فرمایا: اے اللہ! کیا میں نے بات پہنچادی؟^(۱)



(۱) صحیح البخاری، المجمع، حدیث: (۹۲۵)، ۲۵۹۷، ۶۶۳۶، ۶۹۷۹، ۷۱۷۳، ۷۱۹۷، صحیح مسلم، الإیراق، حدیث: (۱۸۳۲) وغیرہما۔



سن ۹ ہجری میں فوجی دستے

رسول اللہ ﷺ نے جس طرح عمّال و امراء چاروں طرف روانہ کئے، آپ ﷺ نے اُسی زمانہ میں کئی فوجی دستے بھی روانہ کئے۔ ذیل میں اُن کا ذکر اختصار کے ساتھ کرتا ہوں:

سریرہ عسینہ بن حصن:

ماہ محرم سن ۹ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے عسینہ بن حصن فزاری کو بنی تمیم کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ بنی تمیم جو بنی کعب کے پڑوسی تھے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے عامل بشر بن سفیان کلبی کو بنی کعب کی زکوٰۃ جمع کرنے سے منع کر دیا، اس لئے آپ نے عسینہ بن حصن فزاری کو پچاس دیہاتی گھوڑ سواروں کے ساتھ بھیجا، اُن میں کوئی مہاجر یا انصاری صحابی نہیں تھے۔ یہ لوگ رات کو چلتے اور دن کو چھپ جاتے، یہاں تک کہ اچانک اُن کے پاس پہنچ گئے، اور اُن سے جنگ کر کے اُن کے گیارہ مردوں، بیس عورتوں اور تیس بچوں کو قید کر لیا، اور انہیں مدینہ لے کر آ گئے۔ اس واقعہ کے بعد بنی تمیم کے سرداروں کا ایک وفد مدینہ آیا، اور رسول اللہ ﷺ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر پکارا: اے محمد! باہر آئیے، آپ ﷺ باہر آئے، اور بلال نے نماز کے لئے اذان دی۔ وفد کے لوگ رسول اللہ سے ٹک گئے اور سب آپ سے بات کرنے لگے۔ آپ تھوڑی دیر اُن کے پاس کھڑے رہے، پھر چلے گئے، پھر آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی، اور صحن مسجد میں بیٹھ گئے، وفد نے عطار بن حاجب کو آگے کیا، اُس نے اُن کی طرف سے بات کی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ثابت بن قیس بن شماس کو حکم دیا کہ وہ ان کی بات کا جواب دیں، انہوں نے ان کے جواب میں اُن کے خطیب سے زیادہ فصاحت و بلاغت کے ساتھ بات کی۔

اسی وفد بنی تمیم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۖ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں، اُن میں اکثر لوگ بے عقل ہیں۔ اور اگر وہ صبر کرتے، یہاں تک کہ آپ اُن کے پاس نکل کر آتے، تو اُن کے لئے بہتر ہوتا، اور اللہ بڑا معاف کرنے والا، بے حد رحم کرنے والا ہے) [الحجرات: ۴-۵]۔ بہر کیف وفد کے افراد نے اسلام قبول کر لیا، اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے قیدی واپس کر دیئے، اور انہیں اکرام و عطیات سے نوازا۔ یہ لوگ مدینہ میں کچھ دن رہے، قرآن پڑھنا سیکھا، اور قرآن و سنت کا علم و فہم حاصل کر کے واپس چلے گئے۔

سرّیہ قطبہ بن عامر

ماہ صفر سن ۹ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے قطبہ کی قیادت میں بیس اشخاص کو تبالہ کے علاقہ میں خشم کے ایک محلّہ والوں کی طرف بھیجا، آپ ﷺ نے اُن کو اُن پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ یہ لوگ دس اونٹوں پر باری باری سوار ہوتے ہوئے چلے۔ پہلے انہوں نے ایک آدمی کو پکڑا جس نے کوئی معلومات دینے سے انکار کر دیا، بلکہ چیخ چیخ کر اہل قریہ کو آگاہ کرنے لگا، تو مجاہدین نے اسے قتل کر دیا۔ پھر وہیں ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ اہل قریہ سو گئے، تو اُن پر حملہ کر دیا، اور بڑی شدید جنگ ہوئی، اور دونوں فریق کے کافی لوگ زخمی ہوئے۔

قطبہ نے بہتوں کو قتل کیا، اور ان کے اونٹ، بکریوں اور عورتوں کو ہانک کر مدینہ لے آیا۔ ہر مجاہد کے حصہ میں چار اونٹ آئے۔ اس سرّیہ کی تفصیل میں آتا ہے کہ اس علاقہ کے مشرکین نے جمع ہو کر مسلمانوں کا پیچھا کیا، تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے اور مسلمانوں کے درمیان ایک سیلِ عظیم کی رکاوٹ کھڑی کر دی، اور مسلمان انہیں دیکھتے رہے، اور بحفاظت مدینہ پہنچ گئے، اور کفار اس سیلاب کو عبور نہ کر سکے، یہاں تک کہ مسلمان اُن کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے (۱)۔

سرّیہ ضحاک کلبی

ماہ ربیع الاول سن ۹ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے ایک فوج ضحاک بن سفیان بن عوف طائی کی قیادت میں بنی کلاب کی طرف بھیجا۔ مسلمانوں کی فوج میں اُصید بن سلمہ بھی تھے جو بنی کلاب کے تھے۔ انہوں نے اپنے باپ سلمہ کا پیچھا کیا اور اسے اسلام کی دعوت دی، اور اس کے لئے امان کا اعلان کیا، لیکن سلمہ نے اپنے بیٹے اُصید اور اس کے دین کو گالی دی، اُصید نے اس کے گھوڑے کے دونوں کوچ کاٹ دیئے، جب گھوڑا گر پڑا تو سلمہ پانی میں اپنے نیزہ پر ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا، اور اسے ایک دوسرے مسلمان فوجی نے قتل کر دیا، اسے اُس کے بیٹے نے قتل نہیں کیا (۲)۔

سرّیہ علقمہ مدحی

ماہ ربیع الثانی سن ۹ ہجری میں رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی کہ جدہ والوں نے دیکھا ہے کہ حبشہ کے لوگ ساحل کے قریب جمع ہو کر اہل مکہ کے خلاف کوئی بحری قزاقی کا کام کرنا چاہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اُن کی سرکوبی کے لئے علقمہ بن مجرّز کو تین سو سپاہیوں کے ساتھ روانہ کیا۔ یہ لوگ پہلے سمندر میں ایک جزیرہ پر پہنچے، پھر وہاں

(۱) طبقات ابن سعد: ۱۶۲/۲، عیون الأثر: ۲۵۶/۲، زاد المعاد: ۳۱۰/۳۔

(۲) طبقات ابن سعد: ۱۶۲/۲، عیون الأثر: ۲۵۶/۲، زاد المعاد: ۳۱۱/۳۔

سے ان قزاقوں کی طرف روانہ ہوئے لیکن جب انہیں مسلمانوں کی آمد کی اطلاع ملی تو بھاگ پڑے^(۱)

سریہ علی بن ابی طالب:

ماہ ربیع الثانی ہی میں رسول اللہ ﷺ نے علی بن ابی طالب کو ایک سو پچاس انصاریوں کی معیت میں سو اونٹوں اور پچاس گھوڑوں کے ساتھ قبیلہ نضلی کے فلس نامی صم کو گرانے کے لئے بھیجا، اور اُن کو ایک سیاہ رنگ کا عَلم اور دوسرا سفید رنگ کا دیا۔ ان مجاہدین نے فجر طلوع ہوتے ہی آلِ حاتم کے محلہ پر حملہ کر دیا، اور اس بُت کو توڑ دیا۔ بہت سارے قیدی، اونٹ اور بکریاں بھی ہاتھ آئیں۔ قیدیوں میں عدی بن حاتم کی بہن سفانہ بھی تھی۔ اور عدی پہلے ہی بھاگ کر شام کی طرف چلا گیا تھا۔ مجاہدین کو صم کے خزانہ میں تین تلواریں اور تین زرہیں ملیں، اور قیدیوں اور غنائم کے ساتھ مدینہ واپس آ گئے۔ رسول کریم ﷺ جب سفانہ کے پاس سے گزرے، تو اُس نے کہا: والد مر گئے، اور بھائی غائب ہو گیا۔ آپ چاہیں تو مجھے آزاد کر دیجئے، اور میرے دشمنوں کو ہنسنے کا موقع نہ دیجئے، میرے والد بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے، اور سلام کو زواج دیتے تھے، کوئی صاحبِ حاجت بھی اُن کے پاس سے محروم نہیں لوٹا۔ رسول اللہ ﷺ اُس کے اندازِ گفتگو سے بہت ہی متاثر ہوئے، اور اسے آزاد کر دینے کا حکم دے دیا، آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ کریموں اور عزت داروں کی تکریم کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے صحابہ سے کہا: اسے چھوڑ دیا جائے، اس لئے کہ اس کا باپ اعلیٰ اخلاقی قدروں کا مالک تھا۔

یہ سنتے ہی سفانہ نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا: اے محمد! اللہ تعالیٰ آپ کی بھلائی کو قبول کرے، کسی کمینہ کا آپ کو محتاج نہ بنائے، اور اگر کسی کریم النفس آدمی کی کوئی نعمت چھن جائے تو آپ کے ذریعہ اللہ وہ نعمت اُس کو لوٹا دے۔

اس کریمانہ معاملہ نبوی کا اثر یہ ہوا کہ سفانہ فوراً اسلام لے آئی، آپ ﷺ نے اسے جوڑا پہنایا، اخراجات سفر دیئے، اور اسے بلادِ شام کے سفر کی اجازت دی تاکہ وہ اپنے بھائی عدی بن ابی حاتم کے پاس جائے جو اسلامی فوجوں کو اپنے گھروں کی طرف آتا دیکھ کر بلادِ شام کی طرف بھاگ گیا تھا۔ جب اُس نے اپنے بھائی سے رسول کریم ﷺ کے معاملہ کریمانہ کا ذکر کیا تو اُس نے پوچھا: تمہارا اُس آدمی سے میرے ملنے کے بارے میں کیا خیال ہے؟ سفانہ نے کہا: میری رائے ہے کہ تم جلد از جلد جا کر اُن سے ملو۔ عدی کہتے ہیں: میں نے دل میں سوچا: میں ضرور اس سے ملوں گا، اگر سچا ہو گا تو اُس کی بات ضرور سنوں گا،

اور اگر جھوٹا ہوگا تو مجھے وہ نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ عدی کہتے ہیں: میں آپ ﷺ کے پاس آیا تو لوگ مجھے گردن اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگے اور کہنے لگے: یہ تو عدی بن حاتم ہے۔

عدی کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کہا: اے عدی! اسلام قبول کر لو، سلامتی مل جائے گی۔ میں نے کہا: میں تو ایک دین کو مانتا ہوں۔ آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا: اے عدی! اسلام قبول کر لو، سلامتی مل جائے گی۔ میں نے دوبارہ کہا: میں تو ایک دین کو مانتا ہوں۔ میں نے جب یہ بات تیسری بار کہی۔ تو آپ ﷺ نے کہا: میں تمہارے دین کو تم سے بہتر جانتا ہوں۔ میں نے پوچھا: آپ ﷺ میرے دین کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اور اس بات کو تین بار آپ ﷺ نے دہرایا۔ آپ نے مجھ سے پوچھا: کیا تم ”رکوسی“ (۱) نہیں ہو؟ میں نے کہا: ہاں۔ کیا تم اپنی قوم کے سردار نہیں ہو؟ میں نے کہا: ہاں۔ کیا تم مال غنیمت کا چوتھا حصہ نہیں لیتے ہو؟ میں نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے مذہب میں ایسا کرنا تمہارے لئے حلال نہیں ہے۔ عدی کہتے ہیں: میں نے اس بات میں اپنی عیب جوئی اور ذلت سمجھی۔ آپ ﷺ نے پھر کہا: میں سمجھتا ہوں کہ اسلام لانے سے جو بات تمہیں روک رہی ہے، وہ میرے گرد موجود مسلمانوں کی خستہ حالی ہے، نیز تم دیکھ رہے ہو کہ عرب کے تمام لوگ میری عداوت پر اکٹھے ہو گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے کہا: تم نے حیرہ کا نام سنا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں، سنا ہے لیکن وہاں گیا نہیں ہوں۔ آپ ﷺ فرمایا: عنقریب وہاں سے عورت بغیر کسی مددگار کے نکلے گی اور کعبہ کا طواف کرے گی۔ اور عنقریب کسریٰ بن ہرمز کے خزانے ہمارے لئے کھول دیئے جائیں گے۔ میں نے پوچھا: کسریٰ بن ہرمز کے خزانے؟ آپ ﷺ نے تین بار کہا: ہاں، کسریٰ بن ہرمز کے خزانے۔ اور عنقریب آدمی چاہے گا کہ کوئی اس کا صدقہ اُس سے قبول کر لے، لیکن اسے ایسا کوئی آدمی نہیں ملے گا۔

عدی نے اس حدیث کی روایت کے وقت کہا: میں نے دو چیزیں دیکھ لی ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ مسلمان عورت حیرہ سے بغیر کسی مددگار کو ساتھ لئے نکلتی ہے، اور کعبہ کا طواف کرتی ہے۔ اور میں خود ان گھوڑ سواروں میں تھا جنہوں نے مدائن پر حملہ کیا تھا۔ اللہ کی قسم! تیسری چیز بھی ضرور دیکھوں گا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے جسے آپ ﷺ نے مجھ سے روایت کی تھی (۲)۔

امام بخاری نے کتاب المناقب، باب علامات النبوة میں عدی بن حاتم کی حدیث کے اُس حصہ کی روایت کی

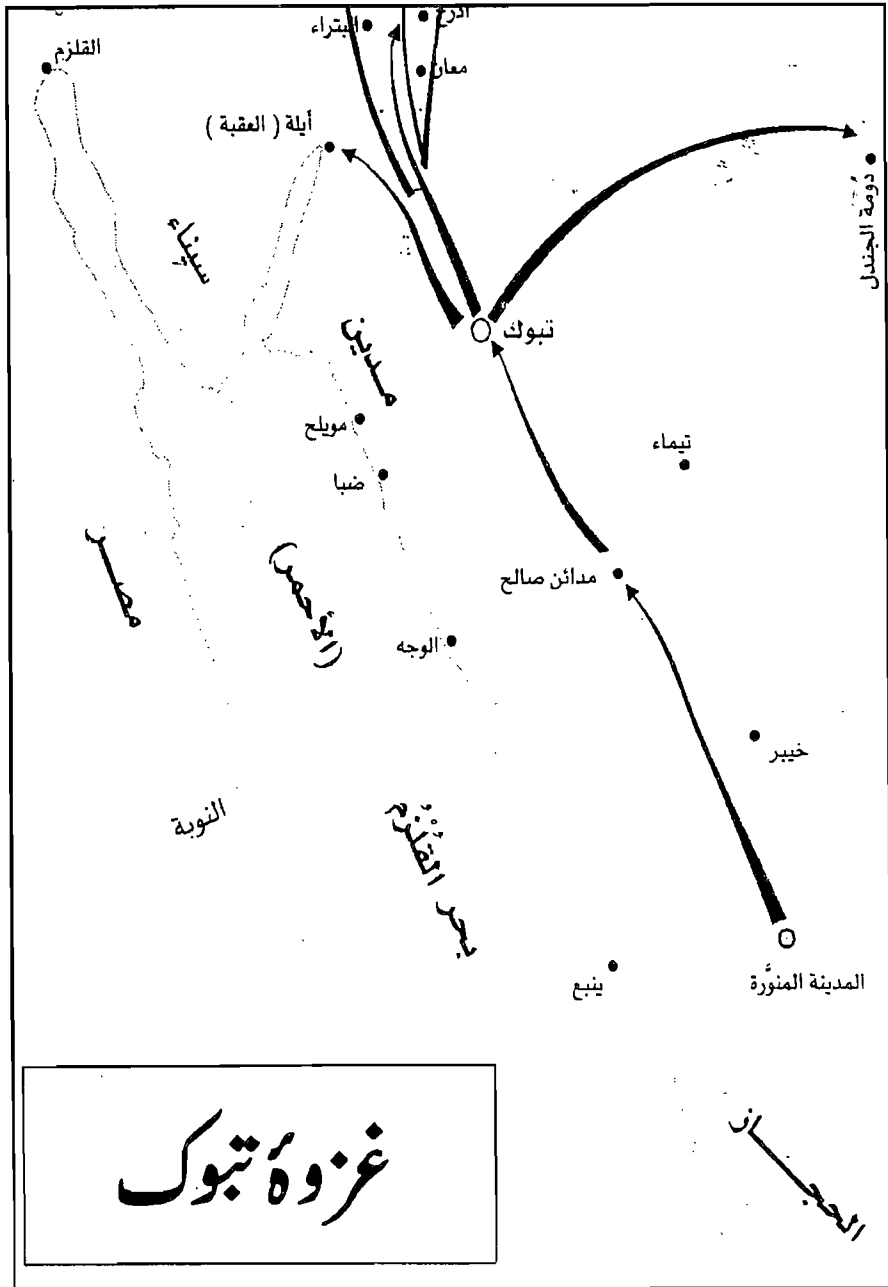
(۱) رکوسی ایک فرقہ ہے، جس کا دین و مذہب نصرانیت اور صہیت (بت پرستی) سے ماخوذ ہے۔

(۲) مسند احمد: ۴/۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، اس کی اسناد حسن ہے۔ دلائل التبیہ: ۵/۳۳۳، اسد الغابۃ: ۸/۳۳۳، بیہقی نے مجمع: ۲۰۸/۲۰۸ میں لکھا ہے: اس حدیث کو احمد و طبرانی نے روایت کی ہے، اور اس کے رجال حدیث صحیح کے رجال ہیں۔

ہے جس کا تعلق شہر حیرہ، خزان کسریٰ اور فیضان مال سے ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اسے یہاں نقل کروں، اس لئے کہ اس میں کئی بڑے فوائد ہیں، نیز اس کا عدی کے قصہ سے قوی تعلق ہے۔

عدی بن حاتم کہتے ہیں: میں نبی کریم ﷺ کی مجلس میں حاضر تھا کہ ایک آدمی آیا اور آپ ﷺ سے اپنی فاقہ کشی کی شکایت کی، ایک دوسرا آدمی آیا اور آپ ﷺ سے اپنے علاقہ میں رہزنی کی شکایت کی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے عدی! کیا تم نے حیرہ دیکھا ہے؟ میں نے کہا: دیکھا نہیں ہے، اس کے بارے میں سنا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تمہاری حیات لمبی ہوئی تو دیکھو گے کہ ایک عورت حیرہ سے چل کر مکہ آئے گی، کعبہ کا طواف کرے گی، اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرے گی۔ اگر تمہاری زندگی لمبی ہوگی تو دیکھو گے کہ کسریٰ کے خزانے مسلمانوں کے لئے کھول دیئے جائیں گے، اور اگر تمہاری زندگی لمبی ہوئی تو تم دیکھو گے کہ ایک آدمی اپنی ہتھیلی بھر سونا یا چاندی صدقہ کرنا چاہے گا، اور کسی ایسے کو تلاش کرے گا جو اسے قبول کر لے لیکن اسے کوئی ایسا آدمی نہیں ملے گا۔

عدی نے حدیث کے آخر میں کہا: میں نے دیکھا ہے کہ عورت حیرہ سے سفر کر کے خانہ کعبہ کا طواف کرتی تھی، اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتی تھی۔ اور میں اُن میں سے ایک تھا جنہوں نے خزانہ کسریٰ کا دروازہ کھولا۔ اور اگر تمہاری زندگی لمبی ہوئی تو تم لوگ نبی کریم ابو القاسم ﷺ کے قول کے مطابق یہ بھی دیکھ لو گے کہ ایک شخص اپنی ہتھیلی بھر سونا یا چاندی صدقہ کرنا چاہے گا، اور کوئی اسے قبول کرنے والا نہ ملے گا۔



غزوہ تبوک

”تبوک“ شمالی حجاز میں وادیِ قرئی اور شام کے درمیان ایک علاقہ کا نام ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ”تبوک“ سعد بن عذرہ کے بیٹوں کے ایک کنواں کا نام ہے۔ ان دنوں مدینہ منورہ سے اس کی دوری تقریباً ۷۸۷ کیلو میٹر ہے۔ ماضی میں یہ علاقہ قبیلہ قضاعہ کا مسکن تھا، اور شاہِ روم کے تابع تھا۔ یہ غزوہ سن ۹ ہجری ماہِ رجب میں حجۃ الوداع سے پہلے اور غزوہ طائف کے چھ ماہ بعد واقع ہوا۔

غزوہ کے اسباب:

فتح مکہ سے قبل جو واقعات رونما ہوئے ان کا تاریخی جائزہ لینے نیز دعوتِ اسلام کی عالیت پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس غزوہ کے دو اہم اسباب تھے:

پہلا سبب:

دعوتِ اسلامی کی عالیت اور مسیحی قوموں تک اس کے ابلاغ کا وجوب تھا، اس لئے کہ اب عرب قوموں اور قبیلوں نیز مدینہ اور اس کے قرب و جوار میں رہنے والے یہودیوں تک اسلام کی دعوت تقریباً پہنچ چکی تھی۔ اور اس سلسلہ کی تمام جنگوں اور غزوات کی تفصیلات گزر چکی ہیں۔

اس لئے جہادِ اسلامی کی فرضیت اور دعوتِ اسلامیہ کی عالمی تبلیغ کا تقاضا تھا کہ اب نبی کریم ﷺ اپنی دعوتی کوششوں کا ذخیرہ ان رومیوں کی طرف کرتے جو بلادِ عربیہ کے پڑوسی تھے اور اس دعوتِ حق سے مستفید ہونے کے زیادہ حقدار تھے۔ مسیحیت ایک مردہ جسم ہو کر رہ گئی تھی، اور مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گئی تھی، ان کا عقیدہ توحیدِ مسخ ہو چکا تھا، اور ان میں اور مشرکوں میں کوئی فرق باقی نہیں رہا تھا، اور ظلم و فساد اور استبداد و انار کی ان کی زندگی کے ہر گوشہ میں سرایت کر چکی تھی۔

دوسرا سبب:

میں نے گزشتہ صفحات میں بیان کیا ہے کہ شرمیل بن عمرو غسانی جو رومیوں کا آلہ کار تھا، اُس نے حارث بن عمیر اُزدی کو قتل کر دیا جو رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک لے کر بصری کے حاکم کے پاس جا رہے تھے۔ اور اس حادثہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے زید بن حارثہ کی قیادت میں ایک فوجی دستہ مؤتہ بھیجا تھا جو رومیوں کی

بڑی طاقت سے ٹکرا گیا تھا، اور یہ دستہ اگرچہ کبر و غرور کے پیکر و میوں سے انتقام نہ لے سکا، لیکن اس معرکہ موثرہ کا عربوں کی نفسیات پر بہت گہرا اثر پڑا، اور بہت سے عرب قبائل نے سنجیدگی کے ساتھ سوچنا شروع کر دیا کہ وہ کسی طرح رومیوں کی بالادستی سے نجات حاصل کر لیں اور مسلمانوں سے اپنا تعلق جوڑ لیں۔

یہ خبریں قیصر روم کو تواتر کے ساتھ پہنچنے لگیں، اور اس نے دیکھا کہ خطرے کی گھنٹی بجنے لگی ہے، اور مسلمان قدم بہ قدم اس کے ملکی حدود کے قریب ہو رہے ہیں، اور شامی حدود جو عربوں کی سر زمین سے لگتے تھے وہ تو بالخصوص اب اُن کے نشانہ پر ہیں۔ اس لئے قیصر نے ضروری سمجھا کہ اس جدید عسکری طاقت پر بروقت کاری ضرب لگادی جائے جن کا ابھی کچھ ہی دنوں پہلے کوئی وجود نہیں تھا۔

قیصر جنگی تیاری کرنے لگا، اور روم و عرب کے سپاہیوں پر مشتمل ایک فوج تیار کرنے لگا جو دین اسلام کی جدید طاقت سے ایک ایسی فیصلہ کن جنگ کرے جس کے بعد وہ طاقت ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے اور دوبارہ رومیوں کی ہیبت عربوں کے دلوں میں بیٹھ جائے۔

اور ایک اہم بات جس نے رومیوں کو اہل مدینہ سے جنگ کرنے پر ابھارا وہ اُن کا ایران کی طاقتور فوج پر زبردست غلبہ حاصل کر لینا تھا، جس کا کسی کو شان و گمان بھی نہیں تھا۔ سن ۷۰۰ ہجری میں رومی فوج نے ہرقل کی قیادت میں ایرانی فوج کے چھٹکے چھڑا دیئے، رومی ایران کی سر زمین میں داخل ہو گئے، اور اُن سے اپنا وہ صلیب واپس لینے میں کامیاب ہو گئے جس پر ایران والے ماضی میں قابض ہو گئے تھے۔

یہ خبریں مسلمانوں کو مدینہ میں پہنچتی تھیں تو ڈرتے تھے کہ کہیں رومی اچانک آکر اُن کے گھروں پر حملہ نہ کر دیں۔ اسی لئے اس زمانہ میں جب کوئی خطرہ کی گھنٹی بجتی یا کوئی ناگہانی واقعہ پیش آجاتا تو مسلمانوں کے ذہنوں میں فوراً یہ بات آتی کہ غسانیوں نے اُن پر حملہ کر دیا۔

عمر بن خطاب کا ذہن و فکر اُن کی جرأت و شجاعت اور علو ہمتی کے باوجود غسانی بادشاہ کے فوجی حملہ کے خوف سے ہر وقت مشغول رہتا تھا۔ صحیحین میں سورۃ التحریم کی تفسیر میں عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ میرے ایک انصاری ساتھی تھے، جب میں نبی کریم ﷺ کی مجلس سے غائب رہتا تو وہ میرے لئے آپ کی خبریں لایا کرتے تھے، اور جب وہ غائب ہوتے تو میں اُن کے لئے خبریں لایا کرتا۔ اُس زمانہ میں ہم لوگ ایک غسانی بادشاہ سے بہت خائف تھے جس کے بارے میں ہمیں خبر ملی تھی کہ وہ مدینہ پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ ہمارے سینے اس کے حملہ کے خطرہ سے کانپتے رہتے تھے۔ ایک دن میرے ساتھی نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا اور کہنے لگے کھولے کھولے۔ میں

نے پوچھا: کیا غسانی آگیا؟ انہوں نے کہا: اس سے بھی بڑی مشکل پیش آگئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار کر لی ہے^(۱)۔

اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں آیا ہے کہ عمر نے کہا: ہم نے آپس میں بات کی تھی کہ غسانی ہم پر حملہ کرنے کے لئے پر تول رہا ہے۔ میرے ساتھی اپنی باری کے دن گئے اور عشاء کے وقت واپس آئے۔ آتے ہی زور سے میرا دروازہ کھٹکھٹایا اور پوچھا: کیا آپ سو رہے ہیں؟ میں گھبراہٹ ہو اُن کے پاس نکل کر آیا۔ انہوں نے کہا: ایک بڑا حادثہ ہو گیا ہے۔ میں نے پوچھا: کیا ہوا، کیا غسانی آگئے؟ انہوں نے کہا: نہیں، بلکہ اس سے بھی بڑا حادثہ ہو گیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے^(۲)۔

واقعی نے ذکر کیا ہے کہ قطبی لوگ بکثرت جاہلیت کے زمانہ سے آنا اور تیل فروخت کرنے کے لئے مدینہ آیا کرتے تھے، اُن کے ذریعہ مسلمانوں کو ہر روز ملک شام کی خبریں ملتی تھیں۔ انہی کے ذریعہ یہ بات معلوم ہوئی کہ رومی لوگ شام کے علاقہ میں بہت بڑی فوج جمع کر رہے ہیں، اور ہر قل نے اپنے لوگوں کو ایک سال کا غلہ فراہم کر دیا ہے، اور اپنے ساتھ لخم و جذام اور غسان و عاملہ کو ملا لیا ہے، اور مدینہ کی طرف بڑھنا شروع کر دیا ہے، اور اپنا مقدمہ الجیش بلقاء تک پہنچا دیا ہے، اور وہاں اپنی فوجی چھاؤنی بنالی ہے، اس لئے مسلمان اس دشمن سے بہت ہی خائف تھے^(۳)۔

رومیوں کے خلاف فوج کشی:

مذکورہ بالا حالات اور رومیوں کی فوجی نقل و حرکت کے سبب نبی کریم ﷺ کے لئے نہایت ضروری ہو گیا کہ آپ ﷺ اس بارے میں ایک فیصلہ کن قدم اٹھائیں، اور رومیوں پر ان کے علاقہ میں پہنچ کر حملہ کریں قبل اس کے کہ وہ مدینہ پہنچ جائیں، اور ان علاقوں میں اپنا اثر و رسوخ بڑھالیں جو اب اسلام کے زیر نگین ہیں، حالانکہ مسلمان اُن دنوں مشکل حالات سے گزر رہے تھے، تنگدستی، خشک سالی اور شدید گرمی کا زمانہ تھا، اور طویل سفر کے لئے سامان سفر اور سواریاں نہیں تھیں۔

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو رومیوں کے خلاف جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا،

(۱) صحیح البخاری، تفسیر سورۃ التحریم، حدیث: (۴۹۱۳)، صحیح مسلم، کتاب الطلاق، حدیث: (۱۳۷۹)۔

(۲) صحیح البخاری، کتاب المظالم، باب النفرة والغلیۃ المشرقة حدیث: (۲۳۶۸)۔

(۳) مغازی الواقدی: ۹۹۰، ۹۸۹، ۹۸۸۔

جبکہ لوگ شدید تنگدستی، سخت گرمی اور خشک سالی سے دوچار تھے، اور پھلوں کے پکنے کا زمانہ تھا، لوگ چاہتے تھے کہ وہ اپنے پھلدار درختوں کے سایہ تلے پھلوں اور سایہ سے مستفید ہوں اور فی الحال نہیں چاہتے تھے کہ وہ دور کا سفر کریں۔ رسول کریم ﷺ جب بھی کسی غزوہ کا ارادہ کرتے تو اشارہ و کنایہ میں کچھ بتاتے اور جدھر کا ارادہ ہوتا اس کے سوا کسی دوسری جہت کی بات کرتے، لیکن غزوہ تبوک کے بارے میں آپ ﷺ نے صراحت کر دی، اس لئے کہ راستہ طویل تھا، مدت لمبی مطلوب تھی، اور دشمن کی تعداد کثیر تھی، تاکہ لوگ اچھی طرح تیار ہو کر نکلیں۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ ہر ممکن تیاری کریں، اور آپ ﷺ نے اعلان کر دیا کہ وہ رمیوں سے جنگ کا ارادہ رکھتے ہیں^(۱)۔

مالی امداد کے لئے دعوتِ عام:

نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو حسبِ قدرت و امکان صدقہ اور مالی امداد جمع کرنے کی رغبتِ عام دلائی، تاکہ عظیم اسلامی فوج جس کی تعداد تیس ہزار تھی، اسے دشمن کے مقابلہ کے لئے تیار کر سکیں۔ مالدار صحابہ کرام نے جیسے ہی آپ ﷺ کا یہ اعلان سنا، سب نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اللہ کی طرف سے اجر و ثواب کے حصول کے لئے صدقہ کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت کرنے لگے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت ہی قلیل مدت میں بڑی رقم اور بہت سارے اموال و اسباب جمع ہو گئے۔

نبی کریم ﷺ نے ان اموال کے ذریعہ اس عظیم فوج کو پوری طرح تیار کر لیا، فوج کے لئے وسائل سفر، اسلحہ اور کھانے پینے کے ضروری اسباب مہیا کر لئے، جنہیں فوج کے بہت سے افراد اپنے مالِ خاص سے مہیا نہیں کر سکتے تھے۔ صحابہ کرام میں سب سے زیادہ جود و سخاوت کا عملی ثبوت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے دیا، انہوں نے مجاہدین کے لئے اتنے مال کثیر کا عطیہ دیا کہ اس قسم کے داد و دہش کے گزشتہ سارے ریکارڈ توڑ دیئے، رسول اللہ ﷺ نہایت خوش ہوئے، اُن سے غایت درجہ رضامندی کا اظہار فرمایا، اور اُن کے لئے خوب دعائیں کیں۔

عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اپنے کپڑے میں ایک ہزار دینار لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، اور اسے آپ ﷺ کی گود میں ڈال دیا۔ آپ ﷺ اسے اپنے ہاتھ سے اُلٹ پلٹ کرنے لگے اور فرمایا: آج کے بعد عثمان جو چاہیں کریں، ان کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ آپ ﷺ نے

یہ بات بار بار دہرائی^(۱)۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنا سارا مال لے کر آئے جو چار ہزار درہم تھا، اور اسے رسول اللہ ﷺ کے سامنے ڈال دیا۔ عمر بن خطاب اپنا نصف مال لے کر آئے۔ عبد الرحمن بن عوف ایک سو اوقیہ سونا لے کر آئے۔ عباس بن عبد المطلب، طلحہ بن عبید اللہ اور عاصم بن عدی بہت سارے اموال لے کر آئے۔

مسلمان عورتوں نے اپنے زیورات و جواہر صدقہ کر دیئے، اور آپ ﷺ سے اس غزوہ میں شرکت کی اجازت مانگی غریب و نادار مسلمانوں نے رسول اللہ سے اس غزوہ میں شرکت کے لئے سواریاں مانگیں، تو آپ ﷺ نے اُن سے کہا: میرے پاس تمہارے لئے سواریاں نہیں ہیں، تو وہ واپس چلے گئے۔ در انحالیکہ اُن کی آنکھوں سے شدتِ غم سے آنسو جاری تھے، اسی لئے ان کے نام ”رونے والے“ پڑ گئے، اس لئے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے روتے ہوئے واپس ہوئے تھے، اس محرومی پر کہ وہ اللہ کی راہ میں نہ خرچ کر سکے، نہ ہی اپنی جان سے جہاد کر سکے۔

مورخین سیرت نے اُن رونے والوں کی تعداد سات بتائی ہے، اور اُن کے بارے میں سورۃ التوبہ کی مندرجہ ذیل دو آیتیں نازل ہوئیں: ﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يَنْفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۖ وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَعَيْنُهُمْ تَفِيضٌ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يَنْفِقُونَ﴾ (مُزَوَّروں کے لئے گناہ کی بات نہیں، اور نہ مریضوں کے لئے، اور نہ اُن کے لئے جن کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہیں، اگر وہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے مخلص اور خیر خواہ ہوں۔ نیک لوگوں پر الزام لگانے کی کوئی وجہ نہیں، اور اللہ بڑا مغفرت کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اور نہ اُن کے لئے کوئی گناہ کی بات ہے جو آپ کے پاس آئے تاکہ آپ ان کے لئے سواری کا انتظام کر دیں، تو آپ نے کہا کہ میرے پاس تمہارے لئے کوئی سواری نہیں ہے، تو وہ واپس ہو گئے در انحالیکہ اُن کی آنکھوں سے غم کے مارے آنسو جاری تھے کہ اُن کے پاس خرچ کرنے کے لئے مال نہیں ہے) [التوبہ: ۹۱-۹۲]۔

انہی رونے والوں میں علبہ بن زید تھے، جو رات کے وقت نکلے، اور اللہ نے جتنا چاہا انہوں نے نماز پڑھی، پھر رونے لگے، اور اللہ سے ملتی ہوئے کہ اے اللہ! تو نے جہاد کا حکم دیا ہے، اس کی رغبت دلائی ہے، لیکن مجھے مال نہیں عطا کیا جس کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلنے کے لئے تیاری کرتا، اور نہ رسول اللہ ﷺ کو سواری

(۱) ترمذی، کتاب المناقب، حدیث: (۳۷۰۱)، ترمذی نے اسے حسن غریب کہا ہے۔ مسند احمد: ۶۳/۵، اس کی سند حسن ہے۔ مستدرک حاکم: ۱۰۲/۳۔ حاکم نے اسے صحیح کہا ہے، اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے۔

دی ہے کہ وہ مجھے دیتے۔ اے اللہ! میں ہر اُس مسلمان کو معاف کرتا ہوں جس نے میرے مال یا جسم یا عزت پر زیادتی کی ہوگی۔

صبح کے وقت جب رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ جمع ہوئے تو آپ نے پوچھا: آج کی رات صدقہ کرنے والا کہاں ہے؟ کوئی کھڑا نہیں ہوا۔ آپ ﷺ نے پھر وہی بات دُہرائی اور کہا کہ وہ شخص کھڑا ہو جائے تو علیہ بن زید کھڑے ہوئے اور اپنی بات بتائی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خوش ہو جاؤ، اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ تمہاری اس زکاۃ کو اللہ کے نزدیک قبولیت حاصل ہوگئی ہے^(۱)۔

قبیلہ اشعر کے لوگ ابو موسیٰ اشعری کی سربراہی میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ سے اونٹوں کی درخواست کی تاکہ اُن پر جہاد کے لئے جائیں، آپ کے پاس ان لوگوں کے لئے اونٹ نہیں تھے، تھوڑی دیر کے بعد آپ کو ان کے لئے تین اونٹ ملے^(۲)۔

پیچھے رہ جانے والے معذور لوگ:

کچھ کمزور اور جسمانی طور پر عاجز صحابہ کرام جہاد کے لئے نہ نکل سکے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کا عذر قبول فرمایا، اور ان کے بارے میں مندرجہ ذیل دو آیتیں نازل ہوئیں: ﴿لَيْسَ عَلَى الضَّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يَنْفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ بِتَحْمِلِهِمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يَنْفِقُونَ﴾ (کمزوروں کے لئے گناہ کی بات نہیں، اور نہ مریضوں کے لئے، اور نہ اُن کے لئے جن کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہیں، اگر وہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے مخلص اور خیر خواہ ہوں۔ نیک لوگوں پر الزام لگانے کی کوئی وجہ نہیں، اور اللہ بڑا مغفرت کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اور نہ اُن کے لئے کوئی گناہ کی بات ہے جو آپ کے پاس آئے تاکہ آپ ان کے لئے سواری کا انتظام کر دیں، تو آپ نے کہا کہ میرے پاس تمہارے لئے کوئی سواری نہیں ہے، تو وہ واپس ہو گئے در انحالیکہ اُن کی آنکھوں سے غم کے مارے آنسو جاری تھے کہ اُن کے پاس خرچ کرنے کے لئے مال نہیں ہے)۔

[التوبہ: ۹۱-۹۲]۔

(۱) حدیث صحیح ہے، دیکھئے حافظ ابن حجر کی الإصابۃ: ۵۳۶/۳-۵۳۸۔

(۲) صحیح البخاری، التفسیر، حدیث: (۳۶۶۸)، صحیح مسلم، الزکاۃ، حدیث: (۱۰۱۸) وغیرہا۔

رسول کریم ﷺ نے ان معذور حضرات کو غزوہ تبوک سے واپس آتے ہوئے مدینہ کے قریب آنے کے بعد یاد فرمایا اور کہا: بے شک مدینہ میں کچھ ایسے لوگ رہ گئے ہیں جو تمہارے ساتھ ہر گام پر اور ہر وادی میں رہے ہیں۔ صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ حالانکہ وہ مدینہ میں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، وہ مدینہ میں ہیں، انہیں عذر شرعی نے شرکتِ جہاد سے روک دیا ہے^(۱)۔

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے واقعہ میں بیان کیا ہے کہ جب میں گھر سے نکل کر لوگوں کے پاس جاتا تو مجھے یہ بات غمگین کر دیتی کہ میں اپنے لئے نمونہ کسی ایسے آدمی کو پاتا جو نفاق کے ساتھ متم ہوتا، یا کسی ایسے آدمی کو جو کمزور و ضعیف ہوتا^(۲)۔

اکثر منافقین تبوک نہیں گئے:

اس غزوہ کی ایک خاص بات یہ رہی کہ اکثر منافقین نے تبوک کا سفر نہیں کیا، اور سفر سے پہلے انہوں نے ان غریب و نادار مسلمانوں کا مذاق اڑایا جنہوں نے مالِ قلیل کا صدقہ کیا، اور کہا کہ اللہ کو ایسے حقیر صدقہ کی ضرورت نہیں ہے، اور یہ کہ انہوں نے یہ صدقہ صرف دکھاوے کے لئے کیا ہے، تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ﴾ (جو لوگ ان مومنین کی عیب جوئی کرتے ہیں جو اپنی خوشی سے صدقہ و خیرات کرتے ہیں، اور ان مومنوں کے صدقے کا بھی مذاق اڑاتے ہیں جن کے پاس اپنی محنت کی کمائی کے علاوہ صدقہ کرنے کے لئے اور کچھ نہیں ہوتا) [التوبہ: ۷۹]۔^(۳) ان منافقوں نے مجاہدین کے سفر سے پہلے ایک نفسیاتی جنگ یہ شروع کی کہ انہوں نے مجاہدین کی ہمت پست کرنے کے لئے انہیں یہ کہنا شروع کیا کہ لوگو! اتنی شدید گرمی میں سفر کرنے کا کیا تنگ ہے، لوگ تو ان دنوں گھنے درختوں کے سایہ میں آرام کیا کرتے ہیں۔

بعض منافقین نے جھوٹے عذر پیش کر کے رسول اللہ ﷺ سے تبوک کا سفر نہ کرنے کی اجازت مانگی، اور آپ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو عتاب کیا اور وحی نازل کی: ﴿عَفَا اللَّهُ عَنْكَ

(۱) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۴۲۳)، الجہاد، حدیث: (۲۸۳۹)، ابو داؤد، الجہاد، حدیث: (۲۵۰۸)، ابن ماجہ، الجہاد، حدیث:

(۲) (۲۷۶۳) وغیرہم۔

(۳) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۴۱۸)، صحیح مسلم، التوبہ، حدیث: (۲۷۷۹) وغیرہما۔ معلوم ہوا کہ مدینہ میں صرف منافقین رہ گئے تھے، یا عذر شرعی والے معذور و ضعیف اشخاص۔

(۴) صحیح البخاری، تفسیر سورۃ التوبہ، حدیث: (۴۶۶۸)، صحیح مسلم، الزکاة، حدیث: (۱۰۱۸)۔

يَمْ أَذْنَتْ لَهُمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ ﴿۴۳﴾ (اللہ آپ کو معاف کرے، آپ نے انہیں (گھروں میں رہ جانے کی) اجازت کیوں دے دی، تاکہ سچے لوگ آپ کے سامنے ظاہر ہو جاتے، اور جھوٹوں کو بھی آپ جان جاتے) [التوبہ: ۴۳]۔

اس طرح اکثر منافقین غزوہ میں شریک نہیں ہوئے، اور اُن میں سے جن چند افراد نے شرکت کی تو ان کا مقصد مجاہدین کی ہمت پست کرنا اور فتنہ انگیزی تھی، اور یہ تمنا کہ جب مسلمانوں کو رومیوں کی جانب سے ہلاکت کا سامنا کرنا پڑے گا تو وہ اُن کی ہمتی اُڑائیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کی ان ناپاک امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اور اکثر و بیشتر ایسا ہی ہوا کہ اللہ نے اُن کی امیدوں پر پانی ہی پھیرا لیکن انہوں نے کبھی بھی عبرت حاصل نہیں کی۔

عبداللہ بن ابی اور اس کا جتھہ:

اس مبارک غزوہ میں شرکت سے اللہ نے جن منافقوں کو محروم رکھا، اُن میں عبداللہ بن ابی اور اس کا مخصوص ٹولہ بھی تھا۔ نبی کریم ﷺ جب تبوک کے لئے روانہ ہوئے تو عبداللہ بن ابی، اس کا مخصوص ٹولہ اور یہود و منافقین میں سے اس کے خلفاء پیچھے رہ گئے۔ یہ ابن ابی لوگوں سے کہتا پھرتا تھا کہ محمد بنی اصر (اہل روم) سے تنگدستی، شدید گرمی اور بعد مسافت کے باوجود جنگ کرنی چاہتا ہے، محمد رومیوں سے جنگ کرنے کو ایک کھیل سمجھتا ہے۔ یہی حال اس کے دیگر منافق ساتھیوں کا تھا، سبھی مجاہدین کی ہمت پست کرنے اور مدینہ میں جھوٹی باتیں پھیلانے میں لگے رہتے تھے۔ ایک دن ابن ابی یہ کہتے ہوئے سنا گیا: اللہ کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں کہ کل جب جنگ ہوگی تو اصحاب محمد رومیوں سے باندھ کر گھسیٹے جائیں گے^(۱)۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن منافقین کی ساری بدخواہیوں کو نیست و نابود کر دیا، اور نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کرام سر بلند اور فاتح کی حیثیت سے مدینہ واپس لوٹے۔ سچ ہے اللہ کا قول: ﴿وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (عزت تو صرف اللہ کے لئے ہے، اور اس کے رسول کے لئے ہے، اور مومنوں کے لئے ہے، لیکن منافقین یہ بات نہیں جانتے) [المنافقون: ۸]۔

سفر تبوک:

رسول اللہ ﷺ جب عازم سفر ہوئے تو ثنیۃ الوداع پہاڑ کے پاس اپنی فوج کو اکٹھا کیا جن کی تعداد تیس ہزار تھی، اور مدینہ میں اپنا نائب محمد مسلمہ انصاری کو مقرر کیا، اور اپنے اہل و عیال کی دیکھ بھال کے لئے علی بن ابی

طالب رضی اللہ عنہ کو رہنے دیا۔ منافقین نے اپنے حبش باطن کے سبب اس کا بھی غلط فائدہ اٹھانا چاہا اور لوگوں میں پھیلانا شروع کیا کہ محمد نے علی کو سوچ سمجھ کر اس سے نجات پانے کے لئے مدینہ میں چھوڑ دینا چاہا ہے۔ علی رضی اللہ عنہ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو اپنا ہتھیار لے کر نکل پڑے، اور آپ ﷺ کو مقام حُزَف پر جالیا جو مدینہ سے تین میل کی دوری پر ہے، اور آپ سے کہا: اے اللہ کے رسول! منافقین کا خیال ہے کہ آپ نے مجھے سوچ سمجھ کر اپنے ساتھ جانے سے روک دیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے تمہیں اپنے اہل و عیال کی دیکھ بھال کے لئے مدینہ میں رہنے دیا ہے۔ اس لئے تم واپس جاؤ اور میرے اور اپنے بال بچوں کی نگرانی کرو^(۱)۔

چنانچہ علی رضی اللہ عنہ مدینہ واپس چلے آئے، اور رسول کریم ﷺ سفر پر روانہ ہو گئے۔ راستہ میں جب مقام حجر سے گزرے تو اپنا کپڑا اپنے چہرہ پر ڈال لیا، اور لوگوں سے تیز چلنے کو کہا اور فرمایا: تم لوگ ایسے لوگوں کی بستی سے گزر رہے ہو جنہوں نے ظلم کیا تھا تو اُن کے گھروں میں روتے ہوئے داخل ہو، اس خوف سے کہ کہیں تم پر بھی وہ عذاب نہ آجائے جو قوم صالح پر آیا تھا۔

آپ ﷺ وہاں سے آگے بڑھ گئے، اور کچھ لوگ ایک ایک کر کے پیچھے رہنے لگے۔ اور جب صحابہ آپ کو بتاتے کہ فلاں آدمی پیچھے رہ گیا، تو آپ فرماتے: اُسے چھوڑ دو، اگر اُس میں خیر ہوگی تو اللہ اُسے تمہارے پاس پہنچا دے گا، ورنہ اللہ نے اُس کے وجود سے تم لوگوں کو راحت دے دی ہے۔

ابوذر غفاری کی آمد:

تبوک کے لئے نکلنے میں جن لوگوں نے دیر کی، اُن میں ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ابوذر اپنا قصہ خود بیان کرتے ہیں کہ مجھے غزوہ تبوک کے لئے نکلنے میں اونٹنی کے سبب دیر ہو گئی۔ وہ نہایت لاغر اور سوکھی ساکھی تھی، میں نے سوچا کہ اسے چند دن اچھی طرح کھلا لیتا ہوں، پھر رسول اللہ ﷺ سے جاملوں گا۔ چنانچہ اسے چند دن چارہ کھلانے کے بعد نکلا، اور جب مقام ذی المروہ پر پہنچا تو اونٹنی تھک کر بیٹھ گئی۔ میں نے ایک دن انتظار کیا لیکن اُس میں کوئی قوت نہیں دیکھی، تو میں نے اپنا سامان اپنی پیٹھ پر لاد لیا اور شدید گرمی کے باوجود رسول اللہ ﷺ سے جا ملنے کے لئے پیدل چل پڑا۔ مدینہ کی طرف سے دیگر لوگوں کا آنا بھی بند ہو گیا تھا، چلتا رہا یہاں تک کہ دوپہر کے وقت میں آپ ﷺ کے قریب پہنچ گیا، اُس وقت مجھے شدید پیاس لگی تھی، مجھ پر ایک آدمی کی نظر پڑی تو اس نے

(۱) مسند احمد: ۱/۷۱، اس حدیث کی سند بخاری کی شرط کے مطابق ہے۔ صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۳۱۶)، صحیح مسلم، فضائل الصحابہ،

حدیث: (۲۴۰۳) وغیرہم۔

رسول اللہ ﷺ سے کہا: یا رسول اللہ! یا رسول اللہ! وہ دیکھئے، ایک آدمی آرہا ہے۔ آپ ﷺ نے کہا: اللہ کرے یہ ابوذر ہو۔ لوگوں نے جب غور سے دیکھا تو مجھے پہچان کر آپ ﷺ سے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ ابوذر ہی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ ابوذر پر رحم کرے، اکیلا چل رہا ہے، اکیلا مرے گا، اور اکیلا اٹھایا جائے گا۔ ابوذر رضی اللہ عنہ نے جب اپنے پیچھے رہ جانے کا سبب رسول اللہ ﷺ کو بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم میرے عزیز ترین اہل میں سے تھے جو پیچھے رہ گئے تھے۔ اے ابوذر! اللہ نے تمہارے ہر قدم کے بدلے تمہارا ایک گناہ معاف کر دیا ہے یہاں تک کہ تم میرے پاس پہنچ گئے ہو^(۱)۔

ابوخیثمہ کی آمد:

تبوک کے لئے نکلنے میں دیر کرنے والوں میں ابوخیثمہ عبد اللہ بن خثیمہ سالمی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ وہ صحابی ہیں جنہوں نے اپنے نفس سے جہاد کیا، زندگی کی خوشگوار خواہشات سے مغلوب نہیں ہوئے، اور اُن کی دوخو بصورت بیویاں دوخو بصورت اور سایہ دار مکانوں میں شدید گرمی میں اُن کی آمد کا انتظار کرتی رہیں، اور وہ زادِ سفر تیار کر کے فوراً روانہ ہو گئے، اور رسول اللہ ﷺ کے پاس دسویں دن پہنچ گئے۔ ان کی ملاقات عمیر بن وہب جمحی سے جاتے ہوئے وادیِ قرئی میں ہو گئی، وہاں دونوں ایک ساتھ آگے بڑھے۔ جب تبوک کے قریب پہنچ گئے تو ابوخیثمہ نے کہا: اے عمیر! میرے گناہ بہت ہیں، اور تمہارا کوئی گناہ نہیں ہے، اس لئے کوئی حرج نہیں کہ تم میرے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچو۔ عمیر نے اُن کی بات مان لی۔ ابوخیثمہ جب رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے کہا: اللہ کرے یہ ابوخیثمہ ہو۔ لوگوں نے کہا: ہاں، یا رسول اللہ! یہ ابوخیثمہ ہی ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوخیثمہ! تم نے اپنے حق میں بہت اچھا کیا کہ آگئے، آپ ﷺ نے اُن کے لئے دوسرے کلماتِ خیر بھی کہے اور دعا کی^(۲)۔

بارش کے لئے دعائے نبوی:

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ شدید گرمی میں تبوک کے لئے روانہ ہوئے، راہ میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا، وہاں ہم سب نے ایسی سخت پیاس محسوس کی کہ ایسا لگا جیسے ہماری گردنیں اب ٹوٹ جائیں گی۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ہی آپ کو دعا کی قبولیت سے سرفراز کیا ہے، آپ ہمارے لئے دعا کیجئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تم ایسا بھی چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ آپ

(۱) مغازی الواقدی: ۳/۱۰۰۰۔

(۲) مصدر سابق: ۳/۹۹۹، تاریخ اسلام للذہبی، المغازی: ص ۶۳۳، دلائل النبی: ۲۲۲/۵۔

ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھادیئے، اور دعا کرتے رہے یہاں تک کہ آسمان بادلوں سے بھر گیا، اور خوب برسا۔ لوگوں نے اپنے برتن بھر لئے۔ پھر جو نظر اٹھا کر دیکھا تو وہاں سے بادل آگے بڑھ چکا تھا^(۱)۔

ابن اللّٰصِیْتِ منافق:

تبوک جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے کہیں پڑاؤ ڈالا، تو آپ ﷺ کی اونٹنی کھو گئی۔ ابن اللّٰصِیْتِ جو ایک منافق تھا کہنے لگا: محمد دعویٰ کرتا ہے کہ وہ نبی ہے، اور آسمان کی خبریں لوگوں کو سناتا ہے۔ اور اسے پتہ نہیں کہ اس کی اونٹنی کہاں ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کی مجلس میں فرمایا: ایک آدمی ایسی بات کرتا ہے۔ اللہ کی قسم! میں صرف وہی کچھ جانتا ہوں جس کی خبر اللہ تعالیٰ مجھے دیتے ہیں۔ اور ابھی ابھی اللہ نے مجھے بتا دیا ہے کہ وہ اونٹنی فلاں گھاٹی کی وادی میں ہے، ایک درخت سے اس کی لگام الجھ گئی ہے، تم لوگ جا کر اسے میرے پاس لے آؤ۔ صحابہ کرام گئے اور وہاں سے اونٹنی کو ہانک کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے^(۲)۔

منافقین کا گھناؤنا کردار:

تبوک جاتے ہوئے ودیعہ بن ثابت، حبسلّاس بن سوید بن صامت، خنسی بن حُمَیر اور ثعلبہ بن حاطب آپس میں رومیوں کی مہارت جنگ اور میدانِ معرکہ میں اُن کے صبر و ثبات کی باتیں کر رہے تھے۔ ایک نے کہا: تم لوگ ان کے ساتھ جنگ و قتال کو دوسروں کے جنگ و قتال کی طرح نہ سمجھو۔ اللہ کی قسم! ہم تو تم لوگوں کو کل رستیوں میں بندھے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔

وہ اس طرح کی بات نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کے دلوں میں رعب و دہشت پیدا کرنے کے لئے کہہ رہے تھے۔ ودیعہ بن ثابت نے کہا: کیا بات ہے کہ ہم قارئینِ قرآن کو سب سے بڑے پیٹ والے، سب سے زیادہ جھوٹے اور میدانِ کارزار میں سب سے بزدل پاتے ہیں: اور حبسلّاس بن سوید نے کہا: یہ ہیں ہمارے سردار، ہمارے اشراف اور ہم میں زیادہ فضل و مرتبہ والے۔ اللہ کی قسم! اگر محمد سچا ہے تو ہم گدھوں سے بھی زیادہ بُرے ہیں۔ واللہ کاش ہم میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگتے اور ہماری ان باتوں کے بارے میں کوئی قرآن نہ نازل ہوتا۔ حبسلّاس تو اس کے بعد تائب ہو گیا اور اس کا کردار اس کے بعد اچھا ہو گیا۔ ودیعہ اور اس کے دیگر ساتھی

(۱) دلائل البیہقی: ۲۳۱/۵، مستدرک الحاکم: ۱۵۹/۱، حاکم نے صحیح کہا ہے، اور ذہبی نے تائید کی ہے، المصحح البیہقی: ۱۹۵، ۱۹۴/۶۔

(۲) ابن اسحاق سیرۃ ابن ہشام: ۵۲۳/۲، والبیہقی فی الدلائل: ۲۳۲/۵، من طریق ابن اسحاق، وقد صرح ابن اسحاق بالتحدیث، ورجال اسنادہ ثقات غیر جہالۃ الصحابہ، وہذا لا یضر، فالحدیث صحیح۔

رسول اللہ ﷺ کے پاس معذرت کے لئے آئے۔ اُس وقت ودیعہ اونٹنی پر سوار تھا، اُس نے رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کی مہار پکڑ لی، اور اُس کے دونوں پاؤں پتھر سے رگڑ کھا رہے تھے، وہ کہہ رہا تھا: یا رسول اللہ! ہم تو یونہی مذاق کر رہے تھے، لیکن رسول اللہ ﷺ اس کی طرف متوجہ نہیں ہو رہے تھے۔ اُس وقت اللہ عزوجل نے اُس کے بارے میں مندرجہ ذیل دو آیتیں نازل کیں: ﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ۚ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ إِنَّ نَعْفَ عَنْ طَائِفَةٍ مِنْكُمْ يُغَذِّبُ طَائِفَةٌ بَأْنَهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ﴾ (اور اگر آپ ان سے پوچھیں گے تو وہ کہیں گے کہ ہم تو یونہی گپ شپ کرتے تھے اور دل بہلاتے تھے، آپ کہئے کہ کیا تم لوگ اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کا مذاق اڑاتے تھے۔ اب (جھوٹی) معذرت نہ پیش کرو، تم لوگ ایمان لانے کے بعد دوبارہ کافر ہو گئے ہو، اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو (ان کے تاب ہو جانے کے بعد) معاف کر دیں گے، تو دوسرے گروہ کو، اس لئے کہ وہ مجرمین تھے، ضرور سزا دیں گے) [التوبہ: ۶۵-۶۶] (۱)۔

ان میں سے خشى بھی جسٹالس کی طرح تاب ہو گیا، اور کردار و عمل میں اس کے سدھار آ گیا، اور نبی کریم ﷺ نے اس کا نام عبدالرحمن یا عبداللہ رکھ دیا، اور جنگ یمامہ میں شہید ہوا۔

عبداللہ ذی الجادین کی وفات:

ابن اسحاق نے محمد بن ابراہیم تمیمی کے حوالے سے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ: میں تبوک میں آدھی رات کو بیدار ہوا تو فوجی پڑاؤ کے ایک کنارے روشنی نظر آئی، اُسے دیکھنے کے لئے آگے بڑھا تو دیکھا کہ وہاں رسول اللہ ﷺ ہیں اور ابوبکر و عمر ایک میت کو آپ ﷺ سے قریب کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ فرما رہے تھے، تم دونوں اپنے بھائی کو مجھ سے قریب کرو۔ دونوں حضرات نے اُن کو آپ ﷺ سے قریب کر دیا، اور آپ ﷺ نے جب انہیں لٹانا چاہا تو فرمایا: اے اللہ! میں اس سے راضی رہا ہوں، تو بھی اس سے راضی ہو جا۔

ابن مسعود کہتے ہیں: میں نے دل میں سوچا، کاش میں اس میں دفن ہوا ہوتا۔ ابن ہشام کہتے ہیں: اُن کا نام ذوالجادین اس لئے پڑا کہ وہ اسلام لانا چاہتے تھے تو اُن کی قوم نے انہیں روک دیا اور پریشان کیا، اس لئے وہ وہاں سے نکل پڑے، اُس وقت اُن کے پاس صرف ایک موٹی چادر تھی، اُس کے انہوں نے دو ٹکڑے کر دیئے، ایک کو

(۱) المغازی الواقدی: ۳/ ۱۰۰۳-۱۰۰۵، ابن ابی حاتم فی الثغیر: ۴/ ۶۳، ورجالہ رجال الصحیح: ۱/ ۱۱۸، ابن ہشام بن سعد قلم یخرج لہ مسلم الا فی الشواہد،

پہن لیا، اور دوسرے کو اوڑھ لیا، اور اسی حال میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ اس لئے آپ ﷺ نے ان کا نام ذوالجنادین رکھ دیا^(۱)۔

حاکم دُومۃ الجندل کے پاس قاصدِ رسول اللہ ﷺ:

تبوک میں قیام کے دوران رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعض قاصد کو اس علاقہ کے بعض بادشاہوں اور حکام کے پاس بھیجا؛ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے دُومۃ الجندل کے حاکم اکیدر بن عبد الملک کے پاس بھیجا۔ خالد نے اسے پکڑ لیا، اُس وقت اُس کے بدن پر سونے سے مزین ایک ریشمی چادر تھی جسے خالد نے اس سے چھین لیا، اور رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیج دیا۔

مسلم اور دیگر محدثین نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ دُومۃ الجندل کے حاکم اکیدر نے رسول اللہ ﷺ کے لئے سُندس نامی ریشم کی ایک چادر ہدیہ کی، صحابہ نے اُسے دیکھ کر حیرت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، بلاشبہ جنت میں سعد بن معاذ کے رُومال اس سے کہیں زیادہ بہتر ہیں^(۲)۔

دربارِ قیصر میں قاصدِ رسول اللہ ﷺ:

ابن حبان نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا: میرا یہ خط لے کر کون قیصر کے پاس جائے گا، اُسے جنت ملے گی؟ ایک صحابی نے پوچھا: چاہے وہ قتل نہ کیا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: چاہے وہ قتل نہ کیا جائے۔ وہ صحابی آپ کا وہ خط لے کر چل پڑے یہاں تک کہ قیصر کے پاس پہنچ گئے، اُن دنوں وہ بیت المقدس آیا ہوا تھا، اور اس کے لئے ایک قالین بچھائی گئی تھی جس پر اُس کے سوا کوئی نہیں چلتا تھا۔ صحابی رسول اللہ ﷺ نے وہ خط اس قالین پر ڈال دی اور ایک طرف ہو گیا۔ قیصر کی نظر اُس پر پڑی تو اسے اٹھا لیا اور اپنے بڑے پادری کے حوالے کیا اور پڑھنے کو کہا، اُس نے کہا: اس خط کے بارے میں آپ کی طرح مجھے بھی کچھ علم نہیں۔ تب قیصر نے پکارا: کون ہے یہ خط والا؟ اسے امن دی جاتی ہے۔ یہ سُن کر صحابی آگے بڑھے۔ قیصر نے کہا: جب میں اپنے دربار میں آؤں تو تم آنا۔ صحابی نے ایسا ہی کیا۔ قیصر نے حکم دیا کہ اُس کے محل کے دروازے بند کر دیئے جائیں، اس کے لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر ایک منادی نے آواز لگائی: قیصر نے نصرانیت چھوڑ کر محمد کی پیروی کر لی ہے۔

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۵۲۸، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹، ۱۶۱۰، ۱۶۱۱، ۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، ۱۶۱۵، ۱۶۱۶، ۱۶۱۷، ۱۶۱۸، ۱۶۱۹، ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، ۱۶۲۲، ۱۶۲۳، ۱۶۲۴، ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۲۷، ۱۶۲۸، ۱۶۲۹، ۱۶۳۰، ۱۶۳۱، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۴، ۱۶۳۵، ۱۶۳۶، ۱۶۳۷، ۱۶۳۸، ۱۶۳۹، ۱۶۴۰، ۱۶۴۱، ۱۶۴۲، ۱۶۴۳، ۱۶۴۴، ۱۶۴۵، ۱۶۴۶، ۱۶۴۷، ۱۶۴۸، ۱۶۴۹، ۱۶۵۰، ۱۶۵۱، ۱۶۵۲، ۱۶۵۳، ۱۶۵۴، ۱۶۵۵، ۱۶۵۶، ۱۶۵۷، ۱۶۵۸، ۱۶۵۹، ۱۶۶۰، ۱۶۶۱، ۱۶۶۲، ۱۶۶۳، ۱۶۶۴، ۱۶۶۵، ۱۶۶۶، ۱۶۶۷، ۱۶۶۸، ۱۶۶۹، ۱۶۷۰، ۱۶۷۱، ۱۶۷۲، ۱۶۷۳، ۱۶۷۴، ۱۶۷۵، ۱۶۷۶، ۱۶۷۷، ۱۶۷۸، ۱۶۷۹، ۱۶۸۰، ۱۶۸۱، ۱۶۸۲، ۱۶۸۳، ۱۶۸۴، ۱۶۸۵، ۱۶۸۶، ۱۶۸۷، ۱۶۸۸، ۱۶۸۹، ۱۶۹۰، ۱۶۹۱، ۱۶۹۲، ۱۶۹۳، ۱۶۹۴، ۱۶۹۵، ۱۶۹۶، ۱۶۹۷، ۱۶۹۸، ۱۶۹۹، ۱۷۰۰، ۱۷۰۱، ۱۷۰۲، ۱۷۰۳، ۱۷۰۴، ۱۷۰۵، ۱۷۰۶، ۱۷۰۷، ۱۷۰۸، ۱۷۰۹، ۱۷۱۰، ۱۷۱۱، ۱۷۱۲، ۱۷۱۳، ۱۷۱۴، ۱۷۱۵، ۱۷۱۶، ۱۷۱۷، ۱۷۱۸، ۱۷۱۹، ۱۷۲۰، ۱۷۲۱، ۱۷۲۲، ۱۷۲۳، ۱۷۲۴، ۱۷۲۵، ۱۷۲۶، ۱۷۲۷، ۱۷۲۸، ۱۷۲۹، ۱۷۳۰، ۱۷۳۱، ۱۷۳۲، ۱۷۳۳، ۱۷۳۴، ۱۷۳۵، ۱۷۳۶، ۱۷۳۷، ۱۷۳۸، ۱۷۳۹، ۱۷۴۰، ۱۷۴۱، ۱۷۴۲، ۱۷۴۳، ۱۷۴۴، ۱۷

یہ سنتے ہی اُس کے فوجی ہتھیاروں سے لیس ہو کر آگے بڑھے اور اس کے محل کو گھیر لیا۔ تب اُس نے رسول اللہ ﷺ کے قاصد صحابی سے کہا: شاید تم سمجھ رہے ہو گے کہ میں اپنی مملکت کے بارے میں خائف ہوں۔ پھر اس کے حکم سے ایک منادی نے اعلان کیا: تم سب جان لو کہ قیصر تم سے راضی ہو گیا، اس نے تو تم سب کو آزمانا چاہا ہے تاکہ دیکھے کہ تم لوگ اپنے دین پر کتنے ثابت قدم ہو، تم سب لوٹ جاؤ، چنانچہ وہ سب لوٹ گئے۔ اس ڈرامہ کے بعد قیصر نے رسول اللہ ﷺ کو لکھا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں، اُس خط کے ساتھ اُس نے دینار کی شکل میں ایک رقم بھی رسول اللہ ﷺ کے لئے بھیجی۔ آپ ﷺ نے جب وہ خط پڑھا تو فرمایا: جھوٹا ہے اللہ کا دشمن، مسلمان نہیں ہوا ہے، اپنی نصرانیت پر باقی ہے۔ اور اُس کی بھیجی ہوئی رقم کو صحابہ میں تقسیم کر دیا^(۱)۔

تبوک سے مدینہ واپسی:

نبی کریم ﷺ نے تبوک میں بیس دن قیام فرمایا، اُن دنوں آپ قصر نمازیں پڑھتے رہے، وہاں کوئی جنگ نہیں ہوئی، اہل تبوک سے آپ ﷺ نے معاہدہ صلح کیا، اور مدینہ واپس چل پڑے۔ آپ واپسی میں بھی دیارِ شمود میں مقام حجر سے گزرے جہاں کے لوگوں نے صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا کوچ کاٹ کر اسے ہلاک کر دیا تھا، تو ایک چیخ نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا اور سب کے سب مر گئے۔ صحابہ کرام مقام حجر کے گھروں میں داخل ہونے لگے تو آپ ﷺ نے انہیں منع فرمایا اور کہا: تم لوگ اُن لوگوں کے گھروں میں روتے ہوئے داخل ہو جنہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا تھا، اس ڈر سے کہ کہیں تمہیں بھی اُسی جیسا عذاب نہ اپنی گرفت میں لے لے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی کو ہمیز لگائی اور تیزی کے ساتھ آگے بڑھ گئے^(۲)۔

آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو وہاں کے کنواں سے پانی پینے اور وضو کرنے سے منع فرمایا: نیز اپنی اونٹنیوں کو وہ آٹا کھلانے سے منع فرمایا جو اُس کنواں کے پانی سے انہوں نے گوندھا تھا، اور اُس کنواں سے پانی پینے کا حکم دیا جس سے اونٹنی پانی پیا کرتی تھی^(۳)۔

صحابہ کرام نے راستہ میں نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ اُن کی اونٹنیاں طویل سفر سے تھک گئی ہیں، تو آپ ﷺ ایک تنگ جگہ کا انتظار کرتے رہے، وہاں رُکے اور فرمایا: اللہ کا نام لے کر گزرو، تمام لوگ اپنی سواریوں پر

(۱) موارد الطمان، حدیث: (۱۶۲۸)، اور سند صحیح ہے۔

(۲) صحیح البخاری، الانبیاء، حدیث: (۳۳۸۱)، صحیح مسلم، الزہد والرقائق، حدیث: (۲۹۸۰) وغیرہما۔

(۳) صحیح البخاری، الانبیاء، حدیث: (۳۳۷۹)، صحیح مسلم، الزہد والرقائق، حدیث: (۲۹۸۰)۔

وہاں سے گزرے اور رسول اللہ ﷺ اُن سوار یوں پر پانی چھڑکتے رہے اور دعا کرتے رہے: اے اللہ! تو اپنی راہ میں چلنے والے ان مسلمانوں کو ان سوار یوں پر ان کی منزل تک پہنچا دے، تو قوی اور ضعیف اور تر اور خشک ہر سواری کے ذریعہ بحر و بر میں پہنچانے پر قادر ہے۔ اس دعا کے بعد وہ سواریاں تیز چلنے لگیں یہاں تک کہ تمام صحابہ مدینہ پہنچ گئے، اور کسی کی سواری پیچھے نہ رہی^(۱)۔

رسول اللہ ﷺ کے قتل کی سازش:

جب سے رسول کریم ﷺ نے مدینہ میں سفر تبوک کا اعلان کیا، اُس دن سے اسلام اور رسول اسلام کے خلاف منافقین کی سازشیں ایک دن کے لئے بھی نہیں رُکیں۔ اس کے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ منافقین نے اُن غریب مسلمانوں کا مذاق اڑایا جنہوں نے اپنے حسبِ قدرت صدقات کے ذریعہ غزوہ تبوک کی فوج کی تیاری میں حصہ لیا، اور سفر تبوک سے پہلے غلط باتیں پھیلا کر مسلمانوں کی نفسیات کو متاثر کرنا چاہا، اور عبد اللہ بن ابی اپنی جماعت کے ساتھ تبوک نہیں گیا۔

منافقین کی انہی خطرناک سازشوں میں سے رسول اللہ ﷺ کے قتل کے سازش بھی تھی۔ ابوالطفیل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک کے بعد روانہ ہوئے تو ایک منادی نے آواز لگائی کہ رسول اللہ ﷺ گھاٹی کے راستہ سے جائیں گے، اس راہ سے کوئی نہ جائے۔ اُس وقت حذیفہ اور عمار آپ کی اونٹنی کو ہانک رہے تھے۔ اچانک کچھ نقاب پوش سوار رسول اللہ ﷺ کے سامنے آگئے اور عمار کو گھیر لیا، اور عمار اُن کی سوار یوں کے چہروں پر مارنے لگے، رسول اللہ ﷺ نے حذیفہ سے کہا: تیز ہانکو۔

رسول اللہ ﷺ جب وادی میں پہنچے اور عمار اُن کے پیچھے پہنچے تو آپ ﷺ نے پوچھا: اے عمار! کیا تم نے ان سواروں کو پہچانا؟ انہوں نے کہا: میں نے سوار یوں کو عمومی طور پر پہچان لیا ہے، لیکن اُن کے سوار نقاب پوش تھے۔ آپ ﷺ نے کہا: کیا تم نے اُن کے ارادے کو جانا؟ عمار نے کہا: اللہ اور اس کے رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: انہوں نے میری سواری کو بدکار مجھے گرا دینا چاہا تھا۔

راوی کہتے ہیں: عمار نے اصحاب رسول ﷺ میں سے ایک سے پوچھا: میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں: گھاٹی والے کتنے افراد تھے؟ اس نے کہا: چودہ۔ عمار نے کہا: اگر تم ان میں سے تھے تو وہ پندرہ تھے۔

راوی کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے اُن میں سے تین کے عذر قبول کر لئے جنہوں نے کہا کہ ہم نے رسول

اللہ ﷺ کے منادی کی آواز نہیں سنی تھی، اور ہمیں منافقین کی نیت کا علم نہیں تھا۔ عمر نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ باقی بارہ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کرنے والے تھے، دنیاوی زندگی میں اور اس دن بھی جب گواہیاں گزریں گی^(۱)۔

شاہِ ایلہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں:

امام بخاری نے ابو حمید الساعدی سے رسول اللہ ﷺ کے سفر تبوک سے متعلق ایک مفصل حدیث روایت کی ہے، اس میں آیا ہے کہ ایلہ کا بادشاہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اور آپ ﷺ کو ایک سفید خچر ہدیہ کیا، اور رسول اللہ ﷺ نے اُسے ایک چادر دی، اور اس کے لئے پروانہ امن لکھ کر دیا^(۲)۔

ابن اسحاق اور بیہقی نے لکھا ہے کہ شاہِ ایلہ جس کا نام یوحنا تھا رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اس کے ساتھ جرباء نام کی بستی والے اور اذرح شہر کے لوگ بھی آئے۔ یوحنا نے جزیہ کی ادائیگی پر مصالحت کر لی، اور مسلمان نہیں ہوا، اور رسول اللہ ﷺ نے اُسے ایک خط لکھ کر دیا جس کا مضمون مندرجہ ذیل تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ پروانہ امن ہے اللہ اور محمد نبی کی طرف سے یوحنا بن ربوہ اور اہل ایلہ کے لئے، اور اُن کی کشتیوں اور سواریوں کے لئے بحر و بر میں۔ اُن کے لئے اللہ اور محمد نبی کا عہد و پیمان ہے، اور اُن تمام کے لئے جو اُس کے ساتھ ہیں شام و یمن اور سمندر کے لوگوں میں سے۔ ان میں سے جو کوئی نئی بات پیدا کرے گا اُسے کوئی بچانہ سکے گا۔ اور یہ عہد اچھا ہے اُن لوگوں کے لئے جو اس کے پابند رہیں گے۔ اور کسی کے لئے یہ حلال نہیں ہوگا کہ وہ انہیں کسی پانی کے چشمہ یا کسی بحری یا برسی راستہ سے روکے^(۳)۔

شہرِ طیبہ اور جبلِ اُحد:

مذکور بالا حدیث میں آیا ہے: پھر آپ ﷺ اور آپ کے ساتھ ہم سب جب وادیِ قرئی میں پہنچے تو آپ نے فرمایا: میں جلد ہی مدینہ پہنچنا چاہتا ہوں، تو تم میں سے جو کوئی جلد جانا چاہتا ہے وہ ایسا کر لے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ اور ہم سب آگے بڑھ چلے، اور جب رسول اللہ ﷺ مدینہ کے بالکل قریب پہنچ گئے تو فرمایا: "هذه طابة"

(۱) مسند احمد: ۵/۴۵۳، مجمع البیہقی: ۶/۱۹۵، اس حدیث کے رُواۃ صحیح کے رُواۃ ہیں۔

(۲) صحیح البخاری، الزکاة، حدیث: (۱۴۸۱)، دیگر ابواب میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ مسلم مختصر، باب فی معجزات، حدیث: (۱۳۹۲)، مسند

احمد: ۵/۴۲۴، وغیرہم۔

(۳) سیرۃ ابن ہشام: ۲/۵۲۶، ۵۲۷، دلائل البیہقی: ۵/۲۴۸، ۲۴۹، مجموعۃ الوثائق السیاسیہ: ص ۸۸، ۸۹۔

یعنی ”یہ شہر طیبہ“ ہے، اور جب آپ ﷺ نے جبلِ اُحد کو دیکھا تو فرمایا: یہ اُحد پہاڑ ہے، یہ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ کیا میں تمہیں بتاؤں کہ انصار کے کون سے گھر سب سے بہتر ہیں؟ ہم نے کہا: ہاں، اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: انصار کے سب سے اچھے گھر بنیِ نجار کے گھر ہیں، پھر بنیِ عبد اللہ شہل کے، اور بنیِ ساعدہ کے، پھر انصار کے تمام گھروں میں خیر ہے^(۱)۔

آپ ﷺ کا استقبال:

امام بخاری نے کتاب الجہاد میں سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ غزوہ تبوک سے مدینہ واپس آئے، تو لوگوں نے شہر سے نکل کر آپ کا استقبال کیا، میں بھی بچوں کے ساتھ ثنیۃ الوداع پہاڑ کے پاس رسول اللہ ﷺ سے ملا^(۲)۔

بیہقی نے روایت کی ہے کہ عورتیں مندرجہ ذیل اشعار پڑھ رہی تھیں:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع^(۳)

امام ابن القیم رحمہ اللہ کے نزدیک بھی یہی رائج ہے کہ مدینہ کی عورتوں نے آپ کی شان میں یہ اشعار غزوہ تبوک سے واپس ہوتے وقت پڑھے تھے، ہجرت کے وقت نہیں۔

مسجدِ ضرار:

مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے نبی کریم ﷺ ”ذو اوان“ نامی ایک جگہ پر ٹھہرے جو مدینہ سے تقریباً ایک گھنٹہ کی مسافت پر ہے۔ وہیں آپ پر مندرجہ ذیل دو آیتیں نازل ہوئیں: ﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ﴾ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا لَمَسْجِدٍ أُسَسَّ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ رَبِّ جَالٍ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ﴾ (اور

(۱) صحیح البخاری، الزکاة، حدیث: (۱۴۸۱)، دیگر ابواب میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ مسلم مختصر، باب فی معجزاتہ، حدیث: (۱۳۹۲)، مسند احمد: ۴/۲۳۳ وغیرہم۔

(۲) صحیح البخاری، حدیث: (۳۰۸۲)، مسند احمد: ۳/۴۳۹، ابوداؤد، الجہاد، حدیث: (۲۷۵۹) وغیرہم۔

(۳) دلائل البیہقی: ۲۶۶/۵

وہ منافقین بھی ہیں جنہوں نے اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے اور کفر کی باتیں کرنے کے لئے اور مسلمانوں کے درمیان تفریق پیدا کرنے کے لئے ایک مسجد بنائی، اور تاکہ وہ ان لوگوں کے لئے کمین گاہ بنے جو پہلے سے ہی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے رہے ہیں، اور وہ ضرور قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہم نے تو صرف بھلائی کی نیت کی تھی، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں۔ آپ اُس میں کبھی نہ کھڑے ہوں۔ یقیناً وہ مسجد جس کی بنیاد روزِ اوّل سے تقویٰ پر ہے زیادہ مستحق ہے کہ آپ اُس میں کھڑے ہوں، اُس میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں، اور اللہ پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ [التوبہ: ۱۰۷-۱۰۸]۔

حافظ ابن کثیر نے ان آیات کے شانِ نزول میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی آمد سے پہلے مدینہ میں قبیلہ خزرج کا ابو عامر راہب نامی ایک آدمی تھا، جو زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گیا تھا، اور اہل کتاب کے علم سے واقفیت حاصل کر لی تھی، اور جاہلیت میں وہ اپنے طور پر عبادت کیا کرتا تھا، اور قبیلہ خزرج میں اس کا بڑا مقام تھا۔ رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ پہنچے اور مسلمان آپ کے گرد اکٹھا ہو گئے، اور اسلام کا کلمہ بلند ہوا، اور غزوہ بدر میں اللہ نے انہیں غالب کیا، تو اس ملعون ابو عامر سے برداشت نہیں ہو اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اعلانِ عداوت کر دی، اور بھاگ کر مکہ پہنچا اور وہاں کے مشرکوں کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ کے لئے ابھارنے لگا۔ اور جب دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت دن بدن پھیلتی جا رہی ہے اور آپ کی شہرت عام ہو رہی ہے تو شاہِ روم ہرقل کے پاس پہنچ گیا، اور نبی کریم ﷺ کے خلاف اپنی تائید و نصرت کی اس سے بھیک مانگنے لگا، اور ہرقل نے اس سے وعدہ بھی کیا، وہ اسی امید میں وہاں ٹھہرا رہا، اور اپنی قوم میں سے منافقین کی ایک جماعت کو خط لکھا کہ وہ عنقریب ایک فوج لے کر محمد سے جنگ کرنے کے لئے آ رہا ہے، اور وہ غالب ہو گا اور محمد کا طلسم توڑ دے گا، اُس نے ان منافقوں کو حکم دیا کہ وہ سب مل کر اُس کے لئے ایک ٹھکانا اور رصد گاہ بنائیں تاکہ مدینہ آنے کے بعد وہ وہیں رہے اور مسلمانوں کے خلاف کام کرے۔

چنانچہ ان منافقین نے مسجدِ قباء کے قریب ایک مسجد بنائی، اور رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ وہ چل کر اُس میں نماز پڑھیں۔ سفرِ تبوک سے کچھ ہی قبل کی یہ بات ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابھی ہم لوگ پاہِ رکاب ہیں، ان شاء اللہ میں واپسی کے بعد چل کر اُس میں نماز پڑھوں گا۔

رسول اللہ ﷺ جب تبوک سے مدینہ واپس آنے لگے، اور مقام ”ذی اوان“ میں ٹھہرے، تو آپ کے پاس جبریل علیہ السلام مسجدِ ضرار کی خبر لے کر آئے، اور آپ ﷺ کو منافقین کے کفر اور تفریقِ بین المسلمین کی

سازش کی اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے فوراً مدینہ پہنچنے سے پہلے کچھ صحابہ کرام کو بھیج کر اس مسجد کو مسامحہ کر دیا، جیسا کہ علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے ان آیات کی تفسیر کے ضمن میں روایت کی ہے۔

ابن کثیر لکھتے ہیں: یہ تفصیلات سعید بن جبیر، مجاہد، عروہ بن زبیر، قتادہ اور دیگر بہت سے علماء سے مروی ہیں۔ محمد بن اسحاق بن یسار نے زہری، یزید بن رومان، عبد اللہ بن ابی بکر اور عاصم بن عمرو بن قتادہ وغیرہم سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مقام ”ذی اوان“ میں رُکے تو آپ ﷺ کو آسمان سے مسجدِ ضرار کی خبر ملی۔ آپ ﷺ نے اسی وقت مالک بن مالک بن الدحثم، معن بن عدی یا اُن کے بھائی عامر بن عدی کو بلایا اور کہا کہ تم دونوں ابھی اس مسجد کے پاس پہنچو جس کے بنانے والوں نے ظلم کیا ہے، اور اسے گرد اور جلادو۔ وہ دونوں صحابی دوڑنے لگے، اور اُن کے ہاتھوں میں کھجور کا ڈنھل تھا جس میں آگ لگا رکھی تھی۔ وہاں پہنچتے ہی اس میں داخل ہو گئے، اس میں آگ لگا دی اور اسے منہدم کر دیا، اُس وقت منافقین اُس کے اندر ہی تھے، سب تتر بتر ہو گئے، اور اُن کا پردہ فاش کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرمایا^(۱)۔

قصہٴ اصحابِ ثلاثہ:

بلاشبہ غزوہٴ تبوک مخلص مسلمانوں اور منافقین کے درمیان بہت بڑا وجہ امتیاز تھا، جیسا کہ اوپر لکھا گیا، اکثر منافقین تبوک جانے سے کتر گئے، اور جو گئے وہ اس نیت سے کہ وہ اسلامی فوج کی ہمت پست کریں گے اور مسلمانوں کے درمیان فتنہ پھیلائیں گے، اور مسلمانوں کی شکست و ہلاکت کی خوشیاں منائیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اسی لئے تو صحابہ کرام جب کسی کے بارے میں اس سفر میں رسول اللہ ﷺ کو بتاتے کہ فلاں آدمی نہیں آیا ہے تو رسول اللہ ﷺ کہتے: اُسے چھوڑ دو، اگر اُس میں خیر ہوگی تو اللہ اسے تمہارے پاس پہنچا دے گا، ورنہ اللہ نے اس کے وجود سے تم لوگوں کو راحت دے دی ہے۔

یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر سے صرف معذور، کمزور اور عاجز لوگ پیچھے رہے، یا پھر منافقین۔ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ پہنچے، تو پہلے مسجد میں گئے، وہاں دو رکعت نماز پڑھی، پھر لوگوں سے ملنے کے لئے اندر ہی بیٹھ گئے۔ تو وہ منافقین آئے جو بغیر عذر شرعی محض نفاق کے سبب تبوک نہیں گئے تھے، اور عذرِ رنگ پیش کرنے اور قسمیں کھانے لگے، ایسے لوگوں کی تعداد اسی (۸۰) سے کچھ زیادہ تھی، اللہ کے رسول نے ان کے ظاہر کو قبول کر لیا، اُن سے بیعت کر لی، اُن کے لئے مغفرت کی دعا کی اور اُن کے باطن کو اللہ کے حوالے کر دیا۔

(۱) دیکھئے تفسیر ابن کثیر: ۳۸۸، ۳۸۷، زاد المعاد: ۴۳۶، ۴۳۷، سیرۃ ابن ہشام: ۵۲۹، ۵۳۰، دلائل الیمینی: ۲۵۹، ۲۶۰۔

کعب بن مالک خزرجی، مُرارہ بن الربیع اوسی اور ہلال بن امیہ اوسی آئے، اپنی تقصیر کا اعتراف کیا اور سچائی کی راہ اختیار کی تو اللہ نے اُن کی توبہ قبول کر لی، بعد ازاں خرابی بسیار کہ اس تقصیر کے سبب زمین اپنی ہزار وسعتوں کے باوجود اُن پر تنگ ہو گئی، اُن کی زندگی اجیرن ہو گئی، اور پچاس رات تک ذہنی اور نفسیاتی کرب میں مبتلا رہے۔

امام بخاری، امام مسلم اور دیگر محدثین نے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی زبانی ان تینوں صحابہ کرام کا واقعہ بیان کیا ہے، اور اسے امام ابن القیم رحمہ اللہ نے اختصار کے ساتھ اپنی کتاب زاد المعاد میں پیش کیا ہے جو مندرجہ ذیل ہے، لکھتے ہیں:

کعب بن مالک جب رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور سلام کیا تو آپ کے چہرہ مبارک پر ناراضگی بھرا تبسم ظاہر ہوا پھر فرمایا: ادھر آؤ۔ کعب کہتے ہیں: میں چلتا ہوا آپ کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ آپ نے پوچھا: تم کیوں پیچھے رہ گئے؟ کیا تم نے اپنی سواری خرید نہیں لی تھی؟ میں نے کہا؟ ہاں، اللہ کی قسم! اگر میں اہل دنیا میں سے کسی کے پاس بیٹھا ہوتا تو مجھے خوب معلوم ہے کہ میں کس طرح کوئی عذر پیش کر کے اُس کی ناراضگی سے بچ نکلتا، مجھے قوتِ گویائی دی گئی ہے، لیکن میں جانتا ہوں کہ اگر آج میں جھوٹ بول کر آپ کو راضی کر لیتا ہوں تو عنقریب ہی اللہ آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا۔ اور سچ بولوں گا، تو ممکن ہے آپ رنجیدہ ہو جائیں، لیکن امید کرتا ہوں کہ اللہ مجھے معاف کر دے گا۔ اللہ کی قسم! میرے پاس کوئی عذر نہیں تھا، اللہ کی قسم! میں کبھی بھی اتنا قوی اور خوشحال نہیں تھا جتنا اُن دنوں جب آپ سے پیچھے رہ گیا تھا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اس نے سچ بات بتائی ہے، پھر اٹھو، انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تمہارے بارے میں فیصلہ کر دے۔ میں اٹھ کر چلا آیا، اور بنی مسلمہ کے لوگ مجھ پر ناراض ہونے لگے اور مجھے بُرا کہنے لگے۔ کہنے لگے: اللہ کی قسم! ہم نہیں جانتے کہ تم نے اس سے پہلے کوئی گناہ کیا ہے، پھر دیگر عذر پیش کرنے والوں کی طرح تم نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے کوئی عذر پیش کیوں نہیں کیا؟

کعب کہتے ہیں: لوگ یونہی مجھے ملامت کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے سوچا: واپس جا کر آپ ﷺ سے کہتا ہوں کہ میں نے جھوٹ بولا ہے، میں تو معذور تھا۔ لیکن پھر سوچا، ذرا دریافت تو کروں کیا میرے سوا کسی اور کے ساتھ بھی ایسا معاملہ ہوا ہے، تو مجھے دو آدمیوں کے نام بتائے گئے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے میری ہی طرح کی بات کہی ہے۔ میں نے پوچھا: وہ دونوں کون ہیں؟ لوگوں نے کہا: مرارة بن الربیع العامری اور ہلال بن امیہ الواقفی۔ یہ دونوں بدری صحابی اور صالحین میں سے تھے۔ اس لئے میں دوبارہ آپ ﷺ کے پاس نہیں گیا، رسول کریم

ﷺ نے مسلمانوں کو ہم تینوں سے بات کرنے سے منع فرما دیا، چنانچہ لوگ ہم سے کنارہ کش ہونے لگے، ہمارے لئے اجنبی بن گئے، بلکہ مدینہ کی زمین ہمارے لئے اجنبی بن گئی، ہم نے اسی حال میں پچاس راتیں گزار دیں۔

میرے دونوں ساتھی تو عازر و درماندہ ہو کر اپنے گھروں میں بیٹھ گئے، لیکن میں اُن دونوں سے زیادہ جوان اور قوت برداشت والا تھا۔ میں گھر سے باہر نکلتا تھا، مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھتا تھا، بازاروں میں گھومتا تھا، لیکن کوئی بھی مجھ سے بات نہیں کرتا تھا۔ میرا معمول تھا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آتا، آپ کو نماز کے بعد مجلس میں سلام کرتا، اور دل میں سوچتا، آپ کے دونوں ہونٹ سلام کے جواب میں ہلے تھے یا نہیں؟ آپ کے قریب نماز پڑھتا، چورنگا ہوں سے آپ کو دیکھتا۔ جب میں نماز پڑھ رہا ہوتا تو آپ میری طرف متوجہ ہوتے، اور جب میں آپ کی طرف رخ کرتا، تو آپ منہ پھیر لیتے۔

مسلمانوں کی یہ بے رخی جب بہت طویل ہو گئی تو ایک دن اپنے چچا زاد ابو قتادہ کے باغ کی دیوار پھلانگ کر اس کے پاس پہنچ گیا، اس سے مجھے بہت محبت تھی، میں نے اُسے سلام کیا تو اس نے جواب نہیں دیا۔ میں نے اس سے پوچھا: اے ابو قتادہ! تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، کیا تم جانتے ہو کہ میں اللہ اور اُس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں؟ وہ خاموش رہا۔ میں نے دوبارہ اپنی بات دہرائی، وہ پھر چپ رہا۔ میں نے سہ بارہ اپنی بات دہرائی تو اُس نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ معلوم ہے۔ یہ سُن کر میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دیوار پھلانگ کر واپس ہو گیا۔

ایک دن میں بازارِ مدینہ میں چل رہا تھا تو ایک نبٹلی جو شام سے خورد و نوش کی چیزیں لے کر مدینہ کے بازار میں بیچنے کے لئے آیا تھا، کہتا ہوا سنا گیا: مجھے کون کعب بن مالک کا پتہ بتائے گا؟ لوگ اس کی طرف متوجہ ہو کر میری طرف اشارہ کرنے لگے، وہ شخص میرے پاس آیا اور غسانی بادشاہ کا ایک خط نکال کر دیا جس میں لکھا تھا: ”مجھے خبر ملی ہے کہ تمہارے ساتھی نے تم پر زیادتی کی ہے، اور اللہ نے تمہیں ذلیل و خوار آدمی نہیں بنایا ہے، اس لئے تم میرے پاس آ جاؤ، میں تمہاری دلدہی کروں گا۔“

کعب کہتے ہیں کہ جب میں نے خط پڑھ لیا تو فوراً خیال آیا کہ یہ ایک اور آزمائش ہے، اور اُس خط کو چوہے میں ڈال دیا۔ جب چالیس دن گزر گئے تو رسول کریم ﷺ کے پیغامبر نے آکر خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ تمہیں اپنی بیوی سے الگ رہنے کا حکم دیتے ہیں۔ میں نے پوچھا: اسے طلاق دے دوں یا کیا کروں؟ قاصد نے کہا: نہیں، بس اُس سے الگ رہو، اُس کے قریب نہ جاؤ۔ آپ ﷺ نے میرے دونوں ساتھیوں کو بھی ایسا ہی حکم دیا۔ میں نے اپنی

بیوی سے کہا: تم اپنے میکے چلی جاؤ، وہیں رہو یہاں تک کہ اللہ اس معاملہ میں اپنا فیصلہ صادر فرمادے۔

ہلال بن امیہ کی بیوی نے رسول اللہ ﷺ سے آکر کہا: اے اللہ کے رسول! ہلال بن امیہ ایک بوڑھے اور کمزور آدمی ہیں، ان کے پاس کوئی خادم بھی نہیں ہے، کیا آپ ناپسند کرتے ہیں کہ میں ان کی خدمت کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن وہ تم سے قریب نہ ہو۔ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! اس طرح کی کسی بات کے لئے ان میں کوئی حرکت بھی نہیں ہے۔ اللہ کی قسم! جب سے یہ حادثہ پیش آیا ہے وہ مسلسل رورہے ہیں۔ کعب کہتے ہیں: مجھ سے میرے بعض رشتہ داروں نے کہا: کیا حرج ہے کہ تم بھی رسول اللہ ﷺ سے اپنی بیوی کے لئے اجازت مانگ لو جیسا کہ آپ نے ہلال بن امیہ کی بیوی کو ان کی خدمت کی اجازت دی ہے۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں رسول اللہ ﷺ سے اجازت نہیں مانگوں گا، اور کیا معلوم کہ اجازت مانگنے پر رسول اللہ ﷺ مجھ سے کیا کہیں گے، اس لئے کہ میں جو ان آدمی ہوں۔

میں ان حالات کے بعد دس راتیں کرب و اذیت میں گزارتا رہا حتیٰ کہ پچاس راتیں پوری ہو گئیں۔ پچاسویں رات کی صبح کو میں اپنے گھر کی چھت پر فجر کی نماز پڑھ کر زندگی سے بیزار بیٹھا تھا، اور زمین اپنی ہزار وسعتوں کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گئی تھی کہ ایک آدمی کی آواز سنی جو جبلِ سلع کے اوپر سے اپنی پوری قوت کے ساتھ آواز لگا رہا تھا: اے کعب بن مالک! خوش ہو جاؤ۔ سنتے ہی میں سجدہ میں گر گیا، میں نے سمجھ لیا کہ اللہ کی طرف سے کشادگی آگئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھنے کے بعد صحابہ کرام کو ہم تینوں کی قبولیتِ توبہ کی خبر دی۔ لوگ ہمیں خوشخبری دینے کے لئے آنے لگے۔ ایک آدمی گھوڑے پر سوار ہو کر میری طرف دوڑا اور قبیلہٴ اسلم کے ایک آدمی نے جبلِ سلع سے آواز لگادی، آواز گھوڑے سے تیز تھی۔ جب وہ شخص مجھے مبارکبادی دینے کے لئے آیا جس کی آواز سنی تھی تو میں نے دونوں کپڑے اتار کر اُسے پہنا دئے، میرے پاس ان کے سوا کوئی اور کپڑا نہیں تھا۔ اور میں نے کسی سے دو کپڑے اُدھار مانگ کر پہن لئے۔

میں رسول اللہ ﷺ کی طرف چل پڑا، لوگ جوق در جوق بڑھ بڑھ کر مجھے قبولیتِ توبہ کی مبارکبادی دے رہے تھے۔ جب میں مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے گرد لوگ بیٹھے ہیں۔ طلحہ بن عبید اللہ تیز دوڑتے ہوئے آگے بڑھے، مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارکبادی دی۔ اللہ کی قسم! مہاجرین میں سے ایک آدمی بھی ان کے سوا میرے لئے کھڑا نہیں ہوا۔ میں طلحہ کا یہ موقف کبھی نہیں بھولوں گا۔

جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا تو آپ کا چہرہ مبارک مارے خوشی کے دمک رہا تھا، آپ نے مجھ

سے فرمایا: مبارک ہوتے ہیں سب سے بہتر دن جو تمہاری زندگی میں آیا ہے۔ میں نے پوچھا: یہ خوشخبری آپ کی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، بلکہ اللہ کی طرف سے۔

رسول اللہ ﷺ جب خوش ہوتے تو آپ کا چہرہ انور دمک اٹھتا تھا جیسے چاند کا ٹکڑا ہوا ہو۔ ہم سب کو آپ کے بارے میں یہ بات معلوم تھی۔ جب میں آپ کے سامنے بیٹھا تو کہا: یا رسول اللہ! میری توبہ کا ایک حصہ یہ بھی تھا کہ میں اپنا سارا مال اللہ کے لئے صدقہ کر دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنا بعض مال بچا کر رکھو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ میں نے کہا: میں اپنا خیبر والا حصہ بچا لیتا ہوں۔ میں نے یہ بھی کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ نے مجھے سچ بولنے کے سبب نجات دی ہے، میری توبہ کا ایک حصہ یہ بھی تھا کہ جب تک زندہ رہوں جھوٹ نہ بولوں۔

کعب کہتے ہیں: اللہ کی قسم! مجھے نہیں معلوم کہ جب سے میں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ کو بتائی آج تک اللہ نے کسی مسلمان کو سچ بولنے کی وجہ سے ایسی آزمائش میں ڈالا جیسی اللہ نے مجھے ڈالا۔ اللہ کی قسم! میں نے آج تک اس کے بعد کبھی قصد اُجھوٹ نہیں بولا، اور میں امید کرتا ہوں کہ اللہ مجھے باقی زندگی میں بھی بچائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنے نبی پر نازل فرمایا تھا: ﴿لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ۖ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۖ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ (اللہ نے نبی اور مہاجرین اور ان انصار کی طرف توجہ فرمائی جنہوں نے مشکل وقت میں ان کی پیروی کی، جبکہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں کجی آرہی تھی، پھر اللہ نے اُن پر بھی توجہ فرمائی، بے شک وہ ان پر بہت ہی شفقت کرنے والا، نہایت مہربان ہے۔ اور اُن تینوں پر بھی (توجہ فرمائی) جو مؤخر کر دیئے گئے تھے، یہاں تک کہ جب زمین اپنی وسعت کے باوجود اُن پر تنگ ہو گئی، اور خود ان کی جانیں اُن پر تنگ ہو گئیں اور انہیں یقین ہو گیا کہ اللہ سے بھاگ کر اُس کی جناب کے علاوہ دنیا میں اور کوئی جائے پناہ نہیں ہے، تو اللہ نے اُن کی طرف توجہ فرمائی تاکہ وہ توبہ کریں، بے شک اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا، نہایت مہربان ہے۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچ بولنے والوں کے ساتھ ہو جاؤ) [التوبہ: ۱۱۷-۱۱۹]۔

کعب کہتے ہیں: اللہ کی قسم! جب سے اللہ نے مجھے نعمتِ اسلام سے نوازا، رسول اللہ ﷺ کے سامنے سچ

بولنے سے بڑی نعمت مجھے اللہ نے اور کوئی نہیں دی، اگر میں نے آپ ﷺ سے جھوٹ بولا ہوتا تو ہلاک ہو جاتا جیسے وہ لوگ ہلاک ہو گئے جنہوں نے جھوٹ بولا، اللہ نے اُن جھوٹوں کے بارے میں بذریعہ وحی بدترین بات کہی، فرمایا: ﴿سَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لَتَعْرِضُنَا عَنْهُمْ فَاَعْرَضُوا عَنْهُمْ اِنَّهُمْ رِجْسٌ وَمَا وَهُمْ جَزَاءُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ ﴿يَحْلِفُونَ لَكُمْ لَتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِينَ﴾ (جب تم لوگ اُن کے پاس لوٹ کر پہنچو گے تو وہ تمہارے سامنے اللہ کی قسم کھائیں گے، تاکہ تم لوگ انہیں کچھ نہ کہو، تو تم لوگ انہیں کچھ نہ کہو، وہ ناپاک لوگ ہیں، اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے، ان گناہوں کے بدلے میں جو وہ کرتے تھے۔ وہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم لوگ ان سے خوش ہو جاؤ، پس اگر تم ان سے خوش ہو جاؤ گے تو بے شک اللہ ظالم لوگوں سے خوش نہیں ہوگا)۔

[التوبہ: ۹۵-۹۶]۔

کعب کہتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ نے اوروں کا عذر تو اُن کے قسم کھانے کے سبب قبول کر لیا، اُن سے بیعت کر لی اور ان کے لئے مغفرت کی دعا کی، اور ہم تینوں کے معاملہ کو مؤخر کر دیا یہاں تک کہ اللہ نے خود اپنا فیصلہ صادر فرمایا۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یوں بیان فرمایا ہے: ﴿وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا حَتَّىٰ اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْا اَنْ لَا مَلْجَا مِنْ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ (اور اُن تینوں پر بھی (توجہ فرمائی) جو مؤخر کر دیئے گئے تھے، یہاں تک کہ جب زمین اپنی وسعت کے باوجود اُن پر تنگ ہو گئی، اور خود ان کی جانیں اُن پر تنگ ہو گئیں اور انہیں یقین ہو گیا کہ اللہ سے بھاگ کر اُس کی جناب کے علاوہ دنیا میں اور کوئی جائے پناہ نہیں ہے، تو اللہ نے اُن کی طرف توجہ فرمائی تاکہ وہ توبہ کریں، بے شک اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا، نہایت مہربان ہے) [التوبہ: ۱۱۸]۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے غزوہ میں ہماری عدم شرکت کو نہیں بیان کیا ہے، بلکہ قسم کھانے والوں کے مقابلہ میں ہماری قبولیت توبہ کو مؤخر کئے جانے کی بات کی ہے^(۱)۔

غزوہ تبوک کے عظیم نتائج:

اگرچہ اس غزوہ میں جنگ نہیں ہوئی لیکن اس اعتبار سے اس کے نتائج بہت ہی زیادہ مثبت رہے کہ اس کے

(۱) دیکھئے صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۳۱۸)، صحیح مسلم، التوبہ، حدیث: (۲۷۹۷)، ابوداؤد، الایمان والذکر، حدیث: (۳۳۲۱)، الترمذی، الطلاق، باب النجی یا حاکم، مسند احمد: ۴۵۶/۳-۴۵۹، وغیرہم۔

بعد مسلمانوں کی معنوی اور ذہنی سطح کافی بلند ہو گئی، دشمنوں کے دلوں میں اُن کا رعب بیٹھ گیا، چاہے وہ دشمن اہل روم ہوں یا کفار و مشرکین عرب جو اب تک اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے، یا منافقین جو ہر وقت اسی تاک میں لگے رہتے تھے کہ کب اسلام اور مسلمانوں پر کوئی مصیبت آئے گی۔

اس غزوہ کے بعد شام اور اس کے قرب و جوار میں رہنے والے نصرانیوں کے ذہنوں میں یہ بات راسخ ہو گئی کہ اسلامی فوج انہیں اُن کے گھر میں داخل ہو کر مارتی کی قدرت رکھتی ہیں۔ اور اسی بات نے رسول اللہ ﷺ کو بلا تاخیر اسلامی فوج کی بذات خود تبوک تک قیادت کرنے پر ابھارا، اس کے باوجود کہ زمانہ سخت گرمی کا تھا، مسافت طویل تھی اور اتنی بڑی فوج کے اخراجات کے لئے پیسے نہیں تھے۔

اللہ کا درود و سلام ہو ہر دم اور ہر لمحہ نبی کریم ﷺ پر کہ آپ ﷺ نے اسلام اور مسلمانوں کی ایسی عظیم خیر خواہی کی، اس غزوہ کے بعد تمام باقی ماندہ عرب قبائل نے قبول اسلام میں جلدی کی اور شریعت اسلامیہ کی سیادت و برتری کو تسلیم کر لیا، اور فوج در فوج مدینہ آکر رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے۔ اسی لئے اس سال کا نام ”عام الوفود“ یعنی وفود کی آمد کا سال رکھ دیا گیا۔ ان وفود کی تفصیل آگے آئے گی۔

وفد ثقیف:

غزوہ طائف کی تفصیلات کے ضمن میں میں نے بیان کیا ہے کہ عمرو بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے اُس وقت جا کر ملے جب آپ ﷺ غزوہ طائف سے مدینہ واپس جا رہے تھے، اور اسلام قبول کر لیا، پھر اپنی قوم (ثقیف) میں لوٹ کر گئے اور انہیں اسلام کی دعوت دی، لیکن سب نے مل کر اُن کو قتل کر دیا، اور اُن کی خواہش کے مطابق اُن شہیدوں کے ساتھ دفن کر دیئے گئے جو محاصرہ طائف کے وقت مارے گئے تھے۔

عمرو رضی اللہ عنہ کے قتل کئے جانے کے بعد ثقیف نے چند ماہ انتظار کیا، پھر آپس میں مشورہ کیا اور سوچا کہ وہ تمام عربوں کی مخالفت کی قدرت نہیں رکھتے ہیں، اس لئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے کچھ لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجیں۔ انہوں نے عبدیلیل بن عمرو بن عُمیر سے بات کی تو اس نے کہا کہ کہیں وہ لوگ اس کے ساتھ بھی عمرو جیسا معاملہ نہ کریں، اس لئے وہ اسی صورت میں جائے گا کہ اس کے ساتھ چند دیگر اشخاص کو بھی بھیجا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اس کے ساتھ اپنے حلیفوں میں سے دو اور بنی مالک میں سے تین افراد کو بھیجا۔ انہی میں عثمان بن ابی العاص بھی تھے۔ یہ لوگ مدینہ کے لئے نکلے اور اُس کے قریب ایک نہر کے پاس رُکے، وہاں اُن کی ملاقات مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے ہو گئی جو انہیں دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کو ان کی آمد کی خوشخبری سنانے

کے لئے دوڑنے لگے، راہ میں اُن کی ملاقات ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ہو گئی، انہوں نے اُن سے قسم کھا کر کہا کہ وہ اُن کو ہی رسول اللہ تک یہ خبر پہنچانے دیں، مغیرہ راضی ہو گئے تو ابو بکر نے جاکر رسول اللہ ﷺ کو اُن ثقیفوں کی آمد کی اطلاع دی، اور مغیرہ اُن کے پاس لوٹ آئے۔

رسول کریم ﷺ نے وفد کے ارکان کو مسجد نبوی میں موجود ایک چھوٹے خیمہ میں جگہ دی تاکہ اُن کے دل پر اس کا اچھا اثر پڑے۔ اور خالد بن سعید بن عاص رسول اللہ ﷺ اور اُن کے درمیان ثالثی کا کام کرتے رہے یہاں تک کہ اُن کے ساتھ عہد نامہ لکھ دیا گیا، اُن کے کاتب خالد ہی تھے۔

ثقیف والوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ہمیں نماز پڑھنے سے مستثنیٰ رکھا جائے، اور ان کا ”لات“ نامی بُت تین سال تک منہدم نہ کیا جائے۔ تو نبی کریم ﷺ نے اُن کی بات نہیں مانی اور فرمایا: جس دین میں نماز نہیں اس میں کوئی بھلائی نہیں۔ ثقیفوں نے کہا: اے محمد! ہم تمہاری خاطر نماز پڑھیں گے اگرچہ اس میں گھٹیا پن ہے۔ انہوں نے آپ ﷺ سے یہ بھی درخواست کی کہ وہ اپنے بچوں کو اپنے ہاتھوں سے نہیں توڑیں گے، تو اللہ کے رسول ﷺ نے اُن کی یہ بات مان لی۔ اس کے بعد وہ سب مسلمان ہو گئے۔

موسیٰ بن عقبہ نے روایت کی ہے کہ وفد کے ارکان رسول اللہ ﷺ سے ملتے رہے اور آپ ﷺ انہیں اسلام کی دعوت دیتے رہے یہاں تک کہ اسلام لے آئے۔ انہی دنوں کنانہ بن عبدیلیل نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: کیا آپ ہمارے بارے میں کوئی فیصلہ کر دیں گے تاکہ ہم لوگ اپنی قوم کے پاس لوٹ جائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اگر تم لوگ اسلام کا اقرار کر لو گے تو تمہارے بارے میں فیصلہ کر دوں گا، ورنہ کوئی فیصلہ اور ہمارے اور تمہارے درمیان صلح کی کوئی بات نہیں ہوگی۔

کنانہ نے کہا: زنا کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے، اس لئے کہ ہم لوگ باہر جایا کرتے ہیں، اور ہمیں اس کی ضرورت پڑتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ تو تم پر حرام ہے۔ اُس نے پوچھا: سود کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں تمہارا اُس المال مل جائے گا۔ اُن لوگوں نے پوچھا: شراب کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے اُسے حرام کر دیا ہے۔ انہوں نے پھر پوچھا: ہم اپنی معبودنی کا کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے توڑ ڈالو۔

یہ تمام باتیں سن کر وہ لوگ باہر نکل گئے اور آپس میں مشورہ کرنے کے بعد واپس آئے اور اپنی طاعت کا اعلان کر دیا، اور یہ شرط لگائی کہ رسول اللہ ﷺ ”لات“ نامی بُت کو خود ہی توڑیں^(۱)۔

نبی کریم ﷺ نے اُن کا امیر عثمان بن ابی العاص کو جو اُن میں سب سے کم عمر تھے، مقرر کیا، اس لئے کہ وہ قرآن کریم اور شرائع اسلام کا علم حاصل کرنے میں زیادہ دلچسپی لیتے تھے۔ آپ نے اُن سے کہا: ہلکی نماز پڑھایا کرو اس لئے کہ لوگوں میں بوڑھے اور حاجت مند لوگ ہوتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے: آپ ﷺ نے فرمایا: اور مؤذن ایسے آدمی کو رکھنا جو اذان کی اجرت نہ لے^(۱)۔

ان تمام کارروائیوں کے بعد وفد کے لوگ واپس چلے گئے، اور رسول اللہ ﷺ نے ”لات“ نامی بت اور دیگر مجوس کو منہدم کرنے کے لئے ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ ثقفی کو بھیجا۔ جب دونوں طائف پہنچے تو مغیرہ نے ابوسفیان کو آگے کرنا چاہا، لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ تم خود اپنی قوم کے پاس جاؤ، اور ابوسفیان خود اپنے مال کے ساتھ مقام ذی الہرم میں رُکے رہے۔

مغیرہ لات نامی بت کے پاس پہنچے، اس پر چڑھ گئے اور اس پر تھوڑا چلانا شروع کیا، یہ دیکھ کر اُن کی قوم بنو مغیب کے لوگوں نے انہیں روکنا چاہا کہ کہیں بت انہیں دور نہ پھینک دے یا اُن پر کوئی مصیبت نہ نازل ہو جائے، اور ثقیف کی عورتیں بال بکھیرے روتی ہوئی باہر نکل پڑیں۔

مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اُس بت کو منہدم کر دیا، اور اس کا مال اور سونے اور چاندی کے زیورات اپنے قبضہ میں کر لیا، اور ابوسفیان کے پاس پہنچ کر اُن کے حوالے کر دیا، اسی مال سے دونوں نے عروۃ بن مسعود اور اُن کے بھائی اسود کا قرض نبی کریم ﷺ کے حکم سے ادا کیا۔

نبی کریم ﷺ نے عثمان بن ابی العاص کو حکم دیا کہ وہ ”لات“ نامی بت کی جگہ طائف کی مسجد بنائیں^(۲) بلاشبہ ثقیف والوں کا ہتھیار ڈال دینا، اُن کا مدینہ آنا اور قبول اسلام کا اعلان کرنا دعوتِ اسلامیہ کی ایک عظیم کامیابی اور فتحِ جدید تھی، اس لئے کہ ہوازن اور ثقیف کے اعلانِ طاعت و فرمانبرداری کے بعد جزیرہ عرب میں کوئی اہم قبیلہ باقی نہیں رہا جو اللہ اور رسول کے لئے اپنی طاعت و تابعداری کا اعلان کر کے، حلقہ بگوشِ اسلام نہ ہو گیا ہو۔

وہ قبائل جن کی کوئی خاص اہمیت نہیں تھی، اور جو طاقتور قبائل کے جوار میں رہتے تھے، انہوں نے فتح مکہ اور غزوہ تبوک نیز طاقتور قبائل کے قبول اسلام کے بعد اعلان اسلام میں زیادہ تاخیر نہیں کی، جیسا کہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ کے پاس وفود کے فوج در فوج آنے کی تفصیلات بیان کرتے وقت ذکر کیا گیا ہے۔

(۱) مسند احمد، حدیث: (۱۶۳۷۹، ۱۶۳۸۰، ۱۶۳۸۱، ۱۶۳۸۲)، صحیح مسلم، الصلاة، حدیث: (۴۶۸)، ابوداؤد، حدیث: (۵۳۱)۔

(۲) سیرۃ ابن کثیر: ۵۴۲-۵۴۸، سیرۃ ابن ہشام: ۵۳۸-۵۳۹، اتحاف الوری: ۵۲۵-۵۲۶، زاد المعاد: ۳۹۷-۳۹۸۔

عثمان کی نماز میں شیطان کی تشویش اور اس کا علاج:

عثمان بن ابی العاص کہتے ہیں کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے طائف کا حاکم مقرر کیا تو شیطان میری نماز میں تشویش پیدا کرنے لگا، مجھے پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں۔ میں سفر کر کے رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ابن ابی العاص ہو؟ میں نے کہا: ہاں، یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے پوچھا: کس کام سے آئے ہو؟ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میری نمازوں میں پریشانی لاحق ہو گئی ہے، مجھے پتہ ہی نہیں چلتا کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ شیطان ہے، میرے قریب آؤ، میں قریب ہوں اور اپنے قدموں پر ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے میرے سینہ پر ٹھوکر لگائی اور میرے منہ میں تھکھٹھکایا اور کہا: نکل اللہ کا دشمن۔ آپ ﷺ نے اس طرح تین بار کیا۔ اور مجھ سے کہا: جاؤ اپنے کام پر لوٹ جاؤ۔ عثمان کہتے ہیں: اللہ کی قسم! مجھے یاد نہیں کہ اس کے بعد کبھی پہلے کی طرح ہوا ہو^(۱)۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وہ ایک شیطان ہے جس کا نام ”خنزب“ ہے۔ اگر کبھی پہلے کی طرح محسوس کرو تو اللہ کے ذریعہ اُس سے پناہ مانگو، اور اپنے بائیں طرف تین بار تھکھٹھکا دو۔ عثمان کہتے ہیں: میں نے ایسا ہی کیا تو اللہ نے میری شکایت دور کر دی^(۲)۔

امّ کلثوم رضی اللہ عنہا کی وفات:

اسی سال امّ کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی۔ یہ زینب اور رقیہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کی تیسری بیٹی تھیں جو امّ المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے مولود ہوئیں۔ انہیں ابو لہب کے بیٹے عتیبہ نے اپنے نکاح میں لیا، پھر اپنی ماں امّ جمیل کے حکم سے طلاق دے دی تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچائے اور کرب میں مبتلا کرے۔ اس سے پہلے اس کے بھائی عتبہ نے رقیہ رضی اللہ عنہا کو اسی غرض سے طلاق دے دی تھی اور دونوں بہنیں رخصتی سے پہلے اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھ گئی تھیں۔

رقیہ کی شادی عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ہو گئی۔ رقیہ کی آزاد کردہ لونڈی امّ عیاش کہتی ہیں، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا: میں نے رقیہ کی شادی عثمان سے وحی کے بموجب کی ہے^(۱)۔

(۱) ابن ماجہ، الطب، حدیث: (۳۵۴۸)، بو صیری نے زوائد میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(۲) صحیح مسلم، السلام، حدیث: (۲۲۰۳)، مسند احمد: ۲۱۶/۴۔

(۳) الإصابۃ، ابن حجر: ۲۷۶/۱۳۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس جبریل آئے اور کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ امّ کلثوم کی شادی عثمان سے کر دیں، رقیہ کی مہر کی مانند مہر پر، اور انہیں کی رفاقت جیسی رفاقت پر^(۱)۔

رقیہ کی وفات کے بعد عثمان نے امّ کلثوم سے شادی کی، اور ذوالنورین کا لقب پایا۔
امّ کلثوم سے اُن کی شادی ربیع الاول سن ۳ ہجری میں ہوئی، اور چھ سال اُن کے پاس رہیں، اُن کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ وفات کے بعد بقیع میں دفن کی گئیں۔ رحمہما اللہ ورضی عنہما۔

عبداللہ بن اُبی کی موت

اسی سن ۹ ہجری ماہ ذی القعدہ میں عبداللہ بن اُبی ہلاک ہوا۔ بیس دن تک بیمار رہا، رسول اللہ ﷺ اس مدت میں اس کی عیادت کرتے رہے، اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عبداللہ بن اُبی کی عیادت کے لئے گیا، تو نبی کریم ﷺ نے اُس سے کہا: میں تمہیں یہود سے محبت کرنے سے منع کرتا تھا۔ تو ابن اُبی نے کہا: اُسعد بن زرارہ نے اُن سے بغض رکھا تو اسے کیا فائدہ پہنچا۔ اگر یہود سے بغض نفع پہنچاتا تو اسعد بن زرارہ نہیں مارتا۔

ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ جب یہ شخص مر گیا تو اس کا بیٹا رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! عبداللہ بن اُبی (میرا باپ) مر گیا، آپ اپنی قمیص مجھے عطا کر دیجئے تاکہ میں اسے اس کا کفن پہنا دوں چنانچہ آپ نے اپنی قمیص نکال کر اسے دے دی^(۲)۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے اس کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی قمیص اس کو اس لئے دے دی کہ جب عباس بن عبدالمطلب مدینہ آئے تو انصار نے اُن کے لئے ایک قمیص تلاش کی، اور تلاشِ بسیار کے بعد اُن کے ساز کی قمیص صرف عبداللہ بن اُبی کے پاس ملی، اور انصار نے اس سے وہ قمیص لے کر عباس کو پہنائی تھی^(۳)۔

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ جب عبداللہ بن اُبی بن سلول مرآ، تو اس کے بیٹے عبداللہ بن

(۲) مصدر سابق۔

(۳) ابوداؤد، الجناز، حدیث: (۳۰۹۴)، مسند احمد: ۲۰۱/۵، مستدرک حاکم: ۳۳۱/۱، حاکم اسے صحیح کہا ہے، اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے۔

(۴) صحیح البخاری، الجہاد، حدیث: (۳۰۰۸)۔

عبداللہ نے رسول اللہ ﷺ سے آپ کی قیص مانگی تاکہ وہ اس میں اپنے باپ کو دفن کرے، آپ ﷺ نے اُسے دے دیا، اس نے پھر آپ ﷺ سے اس کی نماز جنازہ پڑھنے کی درخواست دی، تو آپ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اُس وقت عمر نے کھڑے ہو کر آپ کا دامن پکڑ لیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! آپ اس کی نماز جنازہ کیسے پڑھیں گے، اللہ نے تو آپ کو اس سے منع فرمایا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اللہ نے اختیار دیا ہے، کہا ہے: ﴿اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ﴾ (آپ ان کے لئے مغفرت کی دعا کیجئے یا نہ کیجئے برابر ہے) اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی مغفرت کی دعا کریں گے تب بھی اللہ انہیں معاف نہیں کرے گا) [التوبہ: ۸۰]۔ میں ستر (۷۰) بار سے زیادہ اس کے لئے طلب مغفرت کروں گا۔ عمر نے کہا: یہ تو منافق تھا۔ بہر حال اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی تو اللہ عزوجل نے نازل فرمایا: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ﴾ (اور ان میں سے جو کوئی مر جائے اس کی نماز جنازہ نہ پڑھے اور اس کی قبر کے پاس نہ کھڑے ہوئے) [التوبہ: ۸۴] (۱)۔

اعلانِ براءت:

سن ۹ ہجری کا موسم حج قریب آ گیا، اور مشرکین اب تک اپنے بھوں کی پرستش سے باز نہیں آئے تھے۔ سن ۸ ہجری میں تو مشرکین نے مسلمانوں کے ساتھ حج کیا، لیکن نہ اپنے شرکیہ اعمال سے باز آئے، نہ نہیں ننگے ہو کر طواف کعبہ کرنے سے انہیں شرم آئی، جبکہ سب کو یہ بات واضح طور پر معلوم ہو گئی تھی کہ اسلام جلد از جلد جزیرہ عرب کو بت پرستی سے پاک کرنا چاہتا ہے، بالخصوص سرزمین مکہ کو جہاں مسلمانوں کا قبلہ خانہ کعبہ ہے۔ اسی لئے بالآخر نبی کریم ﷺ نے فیصلہ کیا کہ آئندہ مشرکوں کو مکہ میں شرکیہ اعمال اور ننگے ہو کر طواف کی اجازت نہ دی جائے، اور مشرکین کا معاہدہ اُن کے منہ پر مار دیا جائے۔

چنانچہ اس سال جب حج کا زمانہ آیا تو رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حج کا امیر بنا کر بھیجا، اور انہیں حکم دیا کہ وہ مشرکین کی مخالفت کریں (مشرکین مکہ مزدلفہ میں ہی رُکے رہتے تھے، عرفہ نہیں جاتے تھے) اور عرفہ میں وقوف کریں اور رات شروع ہونے کے بعد ہی وہاں سے لوٹیں، اور مزدلفہ سے طلوع آفتاب سے پہلے روانہ ہوں۔

(۱) صحیح البخاری، الجائز، باب الکفن فی القميص، حدیث: (۱۲۶۹)، التفسیر، سورۃ التوبہ حدیث: (۴۶۷۰) صحیح مسلم، فی صفات المنافقین، حدیث: (۲۷۷۴)، مسند احمد جیسا کہ الفتح الربانی: (۲۱۰/۲۱) میں آیا ہے۔

ابوبکر تین سو اشخاص کے ساتھ ذی القعدہ کے اواخر میں مدینہ سے روانہ ہوئے، اور جب مقام ”عرج“ میں پہنچے تو صبح کی نماز کے لئے صف بندی کی، جب تکبیر کہنی چاہی تو اپنے پیچھے اونٹنی کے ہنہانے کی آواز سنی، تکبیر سے رک گئے اور کہا کہ یہ تو رسول اللہ ﷺ کی جوان اونٹنی کی آواز ہے۔ شاید رسول اللہ ﷺ کو بعد میں حج کا خیال آیا اور چل پڑے۔ بہتر ہے کہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھیں لیکن مڑ کر جو دیکھا تو وہ علی بن ابی طالب تھے۔

ابوبکر نے اُن سے پوچھا: آپ امیر کی حیثیت سے آئے ہیں یا پیغام رساں ہیں؟ علی نے کہا: میں صرف پیغام رساں ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بھیجا ہے تاکہ لوگوں کے سامنے شرک و مشرکین سے براءت کا اعلان کروں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مدینہ سے نکلنے کے بعد آپ ﷺ پر سورہ براءت نازل ہوئی تھی۔ چنانچہ دونوں اپنی اپنی حیثیتوں میں اعمال حج ادا کرنے لگے۔ ابوبکر امیر الحج تھے، اور علی سورہ براءت کی ابتدائی آیتیں پڑھ کر لوگوں کو سناتے تھے، اور چند صحابہ اُن کی مدد کرتے تھے، اُن میں ابو ہریرہ اور طفیل بن عمرو دوسی بھی تھے۔ علی بن ابوطالب نے بتایا کہ انہیں چار باتوں کے اعلان کے لئے بھیجا گیا ہے، وہ اعلان کرتے رہے یہاں تک کہ اُن کی آواز بیٹھ گئی:

۱ - لوگو! جنت میں صرف مسلمان آدمی داخل ہوگا۔

۲ - اس سال کے بعد اب کوئی مشرک حج نہیں کرے گا۔

۳ - کوئی ننگا خانہ کعبہ کا طواف نہیں کرے گا۔

۴ - جس کسی کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معاہدہ ہے وہ اپنی مدت پوری کرے گا، اور جس کا کوئی معاہدہ نہیں اسے چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے، اس مدت میں جہاں چاہے جائے، مدت گزر جانے کے بعد اللہ اور اس کے رسول مشرکوں سے بری ہیں۔ چنانچہ اُس سال کے بعد کسی مشرک نے حج نہیں کیا، اور نہ کسی ننگے نے خانہ کعبہ کا طواف کیا^(۱)۔

غزواتِ نبوی کے اغراض و اثرات:

مؤرخین سیرتِ نبوی نے لکھا ہے کہ غزوہ تبوک غزواتِ نبوی کی آخری کڑی تھی جن کی تعداد ستائیس ہے، اور اسی غزوہ کے ساتھ فوجی دستوں کا بھیجا جانا بند ہو گیا جن کی تعداد ساٹھ تک پہنچتی ہے۔ مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے

(۱) دیکھئے دلائل التبیحۃ: ۲۹۳/۵، ابن سید الناس: ۳۱۰/۲، سیرۃ ابن کثیر: ۷۰۲-۷۰۳، نیز دیکھئے صحیح البخاری، حدیث: (۲۶۵۵، ۳۱۷۷)۔

صحیح مسلم، الحج، حدیث: (۱۳۳۷)، ابوداؤد، باب یوم الحج الاکبر، حدیث: (۱۹۳۶)۔

کہ ان غزوات اور فوجی دستوں کے ذریعہ انسانی جنگوں کی تاریخ میں سب سے کم خون بہایا گیا، اور فریقین کے مقتولین کی تعداد صرف ایک ہزار اٹھارہ پہنچتی ہے۔

ان جنگوں کے ذریعہ اتنی جانوں کی حفاظت ہوئی، اور اتنی عصمتیں اور عزتیں محفوظ ہوئیں جن کا شمار ناممکن ہے، اور پورے جزیرہ عرب میں امن و آشتی ایسی عام ہو گئی کہ ایک عورت حیرہ سے سفر کر کے مکہ پہنچتی، بیت اللہ کا طواف کرتی تھی اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتی تھی، جبکہ اسلام سے پہلے بد امنی ایسی عام تھی کہ حکومتی قافلے ایک جگہ سے دوسری جگہ بغیر بیدار اور چوکنے حفاظتی دستوں کو ساتھ لئے سفر نہیں کر سکتے تھے۔

اس کے مقابلے میں جب ہم برٹش انسائیکلو پیڈیا کے مطابق دونوں عالمگیر جنگوں میں مقتولین کی تعداد کا جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ پہلی جنگ عظیم میں جو ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک جاری رہی، چونسٹھ لاکھ جانیں ضائع ہوئیں، اور دوسری جنگ عظیم میں جو ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۵ء تک چلتی رہی، ساڑھے تین کروڑ سے چھ کروڑ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ان دونوں جنگوں میں بے شمار انسانوں کے اس قتل عام اور کروڑوں لوگوں کے بے گھر ہونے سے انسانوں کی کون سی خدمت ہوئی، آج تک کوئی نہ بتا سکا۔

اسی طرح دنیا کی کمیونسٹ طاقتوں نے کم از کم دس کروڑ مزدوروں اور کاشتکاروں کو جانوروں کی طرح صرف اس لئے ذبح کر دیا تاکہ اپنے اشتراکی نظریات کو نافذ کر سکیں، اس قتل و خونریزی سے دنیائے انسانیت کو سوائے ہلاکت و بربادی کے کچھ نہ ملا۔

اس کے برعکس خاتم النبیین کے غزوات سارے عالم کے لئے رحمت کی حیثیت رکھتے تھے، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ایک جھلک پیش کی گئی ہے۔ کچھ مزید اچھے نتائج کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ نبی کریم ﷺ کے غزوات کا مقصد اللہ کے بے گناہ بندوں کو قتل کرنا اور زمین میں شر و فساد اور ظلم و طغیانی پھیلانا ہرگز نہیں تھا، بلکہ آپ ﷺ نے ان غزوات کے ذریعہ سب سے پہلے پورے جزیرہ عرب میں امن و آشتی کو عام کیا، فتنوں کی آگ بجھائی اور ان بت پرستوں کی قوت کو پاش پاش کیا جو اسلام اور عقیدہ توحید کے بدترین دشمن تھے، اور دعوتِ اسلامیہ کی راہ میں بھاری پتھر بنے ہوئے تھے۔

نبی کریم ﷺ نے انسانوں کو تعلیم دی کہ جنگوں کے اعلیٰ اخلاقی مقاصد کیا ہونے چاہئیں، اور ان تمام ظالمانہ اور سفاکانہ اغراض و مقاصد کا ابطال کیا جن کی خاطر عہدِ جاہلیت میں جنگوں کی آگ بھڑکائی جاتی تھی۔ اسلام سے پہلے جنگ نام تھا لوٹ مار، قتل و غارتگری، ظلم و عدوان اور انتقام کی آگ بجھانے کا، اور بڑی جنگوں کا مقصد تھا

کمزوروں کو زیر کرنا، شہروں اور آبادیوں کو تاراج کرنا، زمین میں فساد پھیلانا اور عزت و آبرو لوٹنا۔ یہی حال سارے عالم کا تھا، جب رسول اللہ ﷺ آئے تو آپ ﷺ نے اور آپ کے صحابہ کرام نے اس لئے جہاد کیا کہ کمزور انسانوں کو ظلم و بربریت اور استبداد و طغیان سے نجات دلائیں، غدر و خیانت کا خاتمہ کریں، اُمن و سلامتی کا پیغام عام کریں، اور اللہ کے بندوں کو رحمت والفت کی عملی تعلیم دیں۔

غزواتِ نبوی کے اُصول و ضوابط :

نبی کریم ﷺ نے غزوات اور جنگوں کے ایسے اعلیٰ اخلاقی اُصول و ضوابط سے انسانوں کو متعارف کرایا جو پہلے سے معلوم نہیں تھے، اور مسلمان کمانڈروں اور فوج کے افراد کو ان کی پابندی کی سخت تاکید فرمائی۔ سلیمان بن بُرید اپنے باپ بُرید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب کسی فوج یا فوجی دستہ کو رخصت کرتے تو اسے اللہ عز و جل سے ڈرنے اور عام فوجیوں کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے کی نصیحت کرتے، پھر فرماتے: اللہ کے نام سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو، جو اللہ کا انکار کرے اس سے قتال کرو، جہاد کرو، خیانت اور دھوکہ دہی نہ کرو، مقتولین کے کھڑے ٹکڑے نہ کرو، تنہا شخص کو قتل نہ کرو، اور جب مشرکین کا سامنا ہو تو انہیں تین باتوں کی طرف بلاؤ، ان میں سے جس بات کو وہ قبول کر لیں انہیں تم بھی قبول کر لو اور انہیں قتل کرنے سے باز آ جاؤ^(۱)۔

واقدی نے زید بن ارقم سے غزوہ موتہ کی تفصیلات میں ذکر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب کسی فوج کو الوداع کہتے تو فرماتے: میں تم سب کو اللہ سے ڈرنے اور عام فوجیوں کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ اور فرماتے: اللہ کے نام سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو، کافروں سے قتال کرو، دھوکہ نہ دو، خیانت نہ کرو اور کسی بچے کو قتل نہ کرو۔

واقدی نے اپنی سند کے ذریعہ خالد بن یزید سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ جنگِ موتہ کی فوج کو الوداع کرنے کے لئے نکلے تو شنیۃ الوداع تک ساتھ گئے۔ آپ ﷺ نے ان کو جو نصیحتیں کیں اُن میں مندرجہ ذیل باتیں بھی تھیں: تم لوگ شام کے علاقہ میں اگر جوں میں کچھ لوگوں کو پاؤ گے جو سب سے الگ زندگی گزار رہے ہیں، اُن کو نہ چھیڑنا، کسی عورت کو، شیر خوار بچے کو اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا، کسی کھجور کے درخت اور کسی عام درخت کو نہ کاٹنا، اور کسی گھر کو نہ گرانا^(۲)۔ آپ ﷺ نے ایک دوسری وصیت میں فرمایا: کسی بچے اور خادم کو قتل نہ کرنا۔

(۱) انظر تخریج فی بیان وصایا الرسول ﷺ للسر یا من ہذا الکتاب، فقہ رواہ مسلم وابوداؤد والترمذی وابن ماجہ واحمد۔

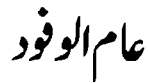
(۲) مغازی الواقدی: ۷۵۸، ۷۵۷، ۷۵۶۔

نبی کریم ﷺ کو اگر خبر مل جاتی کہ کسی فوج نے بچوں کو قتل کیا ہے تو بہت ناراض ہوتے۔ ایک بار آپ کو خبر ملی کہ مسلمانوں کی فوج نے بعض بچوں کو قتل کیا ہے تو انہیں مخاطب کر کے فرمایا: کیسے ہیں وہ لوگ جن کی رغبتِ قتل اتنی بڑھ گئی کہ انہوں نے بچوں کو قتل کیا ہے۔ آگاہ رہو تم لوگ! کہ بچوں کو ہرگز قتل نہ کرو، آگاہ رہو تم لوگ! بچوں کو قتل نہ کرو۔

معلوم ہوا کہ غزواتِ نبوی کا مقصد رُوحوں کو ضائع کرنا ہرگز نہیں تھا، اور نہ اموال کو ضائع کرنا، نہ ہی انسانی قیود و ضوابط سے آزاد ہو کر معاملہ کرنا۔ ان کا مقصد تو انسان کی عزت و عفت کی حفاظت، ظلم کو روکنا اور دشمنوں کو ڈرانا تھا تا کہ مسلمانوں پر حملہ کر کے ان کی جانوں اور اموال میں تباہی نہ مچائیں، اور دشمنوں کو یہ احساس دلانا کہ مسلمان ہر دم ان کی گھات میں بیٹھے ہیں، اور وہ ہر دہم کو مار بھگانے کی طاقت رکھتے ہیں۔

انہی کوششوں کے ذریعہ جزیرہ عرب متحد ہو گیا، انسانوں نے امن و سکون کی سانس لی، اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا، اور پورے جزیرہ عرب میں پہلے اور پھر جزیرہ سے باہر کی دنیا میں بھلائی اور اسلام کی روشنی عام ہو گئی اور امن و سلامتی کا دور دورہ ہو گیا۔





عرب وفود کی آمد مدینہ میں

فتح مکہ کی تفصیلات کے آخر میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ عرب قبائل کو مسلمانوں اور قریش کے درمیان فتح و شکست کا انتظار تھا، وہ اپنے قبول اسلام کے لئے فتح مکہ کے منتظر تھے، اس لئے کہ اُن کا عقیدہ تھا کہ مکہ پر اسی کا غلبہ ہوگا جو حق پر ہوگا، چنانچہ جب مکہ فتح ہو گیا اور قریشیوں نے رسول کریم ﷺ کی سیادت کو تسلیم کر لیا تو اُن تمام عرب قبائل نے اسلام کا اعلان کر دیا جو اب تک شرک پر اڑے ہوئے تھے۔

جب ثقیف و ہوازن والے اسلام لے آئے، اور رسول اللہ ﷺ تبوک سے فائز المرام واپس آگئے تو تمام دشمنان اسلام کے دلوں میں رعب داخل ہو گیا، بالخصوص وہ عرب قبائل جنہوں نے اب تک اسلام کا کلمہ نہیں پڑھا تھا۔ چنانچہ غزوہ تبوک کے بعد ایسے تمام ہی قبائل نے مدینہ کا رخ کیا، اور اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہونے لگے۔

یہ قبائل نو اور دس ہجری میں مسلسل آتے رہے اور اسلام کا اعلان کرتے رہے۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی فوج کی تعداد فتح مکہ کے وقت دس ہزار تھی، اور غزوہ تبوک میں اُن کی تعداد تیس ہزار ہو گئی، اور مسلمانوں کی تعداد اتنی تیزی میں بڑھی کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شرکت کرنے والوں کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہو گئی۔ ابن سعد نے کتاب الطبقات میں اور ابن اسحاق نے اپنی سیرت کی کتاب میں فتح مکہ سے قبل اور بعد کے وفود کی تعداد ستر (۷۰) سے زائد بتائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ ان وفود سے بڑی گرم جوشی اور محبت کے ساتھ ملتے تھے، اسی لئے وہ لوگ بہت جلد اپنے اسلام اور وفاداری کا اعلان کر دیتے تھے، اور آپ ﷺ سے صحیح اسلامی عقیدہ اور دین اسلام کی باتیں سیکھتے تھے، پھر اپنی بستیوں اور شہروں کی طرف لوٹ جاتے تھے، اور اپنے خویش و اقارب کو دین کی وہ تعلیم دیتے تھے جو رسول اللہ ﷺ سے سیکھ کر جاتے تھے۔ اس لئے ان وفود کی مدینہ آمد اللہ کی مشیت کے بعد سب سے بڑی وجہ تھی کہ دین اسلام نہایت تیزی کے ساتھ جزیرہ عرب کے چپہ چپہ میں پھیل گیا۔

۱- وفد بنی تمیم:

بنی تمیم کا ایک بڑا وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا جس میں اُن کے مشہور سرداران شامل تھے، انہی میں سے اقرع بن حابس، زبرقان بن بدر، عمرو بن اہتم، حثاث بن یزید، نعیم بن یزید، قیس بن حارث اور قیس بن عاصم

تھے۔ اِن کے خطیب اور شاعر اور رسول اللہ ﷺ کے خطیب اور آپ ﷺ کے شاعر حسان بن ثابت کے درمیان تقریری اور شعری مقابلے ہوئے، اور اقرع بن حابس نے کہا: محمد کا خطیب ہمارے خطیب سے بڑا خطیب اور اس کا شاعر ہمارے شاعر سے بڑا شاعر ہے، اور ان کی آوازیں ہماری آوازوں سے زیادہ اونچی ہیں۔ پھر سب کے سب مسلمان ہو گئے، اور نبی کریم ﷺ نے اُن کو عمدہ تحائف اور انعامات دیئے (۱)۔

امام بخاری اور امام مسلم نے بنی تمیم کی فضیلت میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے جب سے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے بنی تمیم کے بارے میں تین باتیں سنی ہیں، اُن سے محبت کرنے لگا ہوں۔ آپ ﷺ نے اُن کے بارے میں فرمایا: یہ لوگ دجال سے مزاحمت میں شدید ہوں گے۔ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس اُن میں سے ایک لونڈی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ! اسے آزاد کر دو، یہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے، اور جب اُن کے صدقات آپ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا: یہ میری قوم کے صدقات ہیں (۲)۔

۲- وفدِ بنی عامر:

اُنہی دنوں رسول اللہ ﷺ کے پاس بنی عامر کا وفد آیا، اُن میں عامر بن طفیل، اُربد بن قیس اور حجار بن سلمی بھی تھے، یہ تینوں اپنی قوم کے سرداران اور اُن کے شیاطین تھے۔ اللہ کے دشمن عامر بن طفیل نے رسول اللہ ﷺ کو دھوکہ سے قتل کرنا چاہا، حالانکہ اس کی قوم نے اسے منع کیا تھا، اس لئے کہ وہ سب مسلمان ہو گئے تھے۔ لیکن اس مردود نے اصرار کیا اور اُربد بن قیس کے ساتھ مل کر سازش کی، لیکن اللہ دونوں کے لئے کافی ہوا، اللہ نے عامر کو گردن کے طاعون میں مبتلا کر دیا، اور بالآخر بنی سلول کی ایک عورت کے گھر میں اللہ نے اُسے ہلاک کر دیا، اور اُربد پر اللہ نے صاعقہ (آسمانی بجلی) گرا دی جس نے اسے جلا کر خاکستر کر دیا۔

اسی عامر بن طفیل نے ستر (۷۰) قُرء کو دھوکہ دے کر قتل کر دیا تھا، اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ بنی عامر کے ساتھ آکر رسول اللہ ﷺ کو دھمکی دی اور کہا کہ میں تمہیں تین باتوں کے درمیان اختیار دیتا ہوں: تم شہر والوں کے حاکم ہو گے، اور میں بادیہ نشینوں کا، یا یہ کہ تمہارے بعد تمہارا خلیفہ میں بنوں گا، یا میں قبیلہ غطفان اور اُن کے ہزار چستے اونٹوں اور ہزار چتلی اونٹنیوں کے ساتھ تم سے جنگ کروں گا۔ بالآخر اس کا انجام یہ ہوا کہ ایک عورت کے گھر میں اسے نیزہ مار کر ہلاک کر دیا گیا (۳)۔

(۱) سیرۃ ابن کثیر: ۷۴۴-۸۷، ابن ہشام: ۵۶۸-۵۶۹/۲۔

(۲) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۳۶۶)، صحیح مسلم، فضائل الصحابة، حدیث: (۲۵۲۵)۔

(۳) صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۰۹۱)۔

مختصر یہ کہ بنی عامر کے بہت سے لوگ اسلام لے آئے، مطرف بن عبد اللہ بن ثخیر رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ بنی عامر کے وفد کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے تھے۔ کہتے ہیں کہ جب ہم آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ کو سلام کیا اور کہا: آپ ہمارے آقا ہیں، آپ ہمارے سردار ہیں، اور آپ ہم سے کہیں زیادہ ارفع و اعلیٰ ہیں، آپ ہم سے کہیں زیادہ افضل ہیں، اور آپ ہی کریم الخصال ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنی بات کہو، لیکن دیکھو، کہیں شیطان تمہیں اپنا آلہ کار نہ بنالے۔ آقا اور سید تو صرف اللہ ہے^(۱)۔

۳۔ وفد عبد القیس:

دلائل البیہقی میں مزیدہ العصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ایک دن نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام سے دوران گفتگو کہا کہ عنقریب ادھر سے سواروں کی ایک جماعت آئے گی جو اہل مشرق کے بہترین لوگ ہیں۔ عمر کھڑے ہو کر اُس جانب دیکھنے لگے، تو تیرہ سواروں کا ایک قافلہ آ رہا تھا۔ انہوں نے پوچھا: تم کون لوگ ہو؟ کہا: ہم بنی عبد القیس کے لوگ ہیں۔ انہوں نے پوچھا: تم لوگ کیا تجارت کی غرض سے آئے ہو؟ لوگوں نے کہا: نہیں۔ عمر نے کہا: ابھی ابھی نبی کریم ﷺ نے تم لوگوں کا ذکر کیا ہے اور تمہارے بارے میں بہت اچھی بات کہی ہے، عمر اُن کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، اور وفد والوں سے کہا: یہ ہیں رسول اللہ ﷺ جن سے ملنے کے لئے تم لوگ آئے ہو۔ یہ سنتے ہی وفد والے بڑی تیزی میں اپنی ساریوں سے اترے، اور کوئی چلنے لگا، تو کوئی جھٹک کر چلنے لگا، اور کوئی تیز دوڑنے لگا، یہاں تک کہ سبھی رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئے اور آپ کا دست مبارک پکڑ کر اسے چومنے لگے۔ اُن میں ایک ”اُشج“ لقب کا جوان تھا جس نے پہلے اپنی اونٹنی کو بٹھایا، اپنے ساتھیوں کے اسباب و متاع کو جمع کیا، پھر چلتا ہوا آیا اور رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر اسے چومنے لگا۔ آپ ﷺ نے اس جوان سے فرمایا: تمہارے اندر دو خصلتیں ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کو پسند ہیں۔ اُس نے پوچھا: یہ اللہ کی طرف سے مجھ میں ودیعت کی گئی ہیں، یا میں نے خود کسب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی طرف سے ہیں۔ اُس نے کہا: اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھ میں ایسی خصلتیں پیدا کی ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول پسند فرماتے ہیں^(۲)۔ وفد کا ایک آدمی جس کا نام زارع بن عامر یا ابن عمرو عبدی تھا، اس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے ساتھ میرے ایک ماموں ہیں جنہیں کوئی بیماری ہے، آپ اُن کے لئے دعا کر دیجئے۔ آپ نے

(۱) ابوداؤد، الاذنب، حدیث: (۳۸۰۶)، مسند احمد: ۲۵/۳، صحیح سنن ابی داؤد، حدیث: (۴۰۲۱)۔

(۲) دلائل البیہقی: ۳۷۷/۵۔

پوچھا: وہ کہاں ہے؟ اسے میرے پاس لے آؤ۔ زارع کہتے ہیں: میں نے اُنچ کی طرح کیا، ماموں کو دو کپڑے پہنائے، اور رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آیا۔ آپ ﷺ نے ان کی چادر پکڑ کر اٹھایا یہاں تک کہ اُن کے بغل کی سفیدی نظر آنے لگی، پھر اُن کی پیٹھ پر ایک ٹھوکر لگائی اور کہا: اے اللہ کے دشمن! نکل، ماموں نے اپنا چہرہ پھیر لیا اور ایک تندرست شخص کی طرح دیکھنے لگے^(۱)۔

ابن سعد نے طبقات میں اور ابو یعلیٰ اور طبرانی نے سند جید کے ساتھ روایت کی ہے کہ: اُنچ وفد میں سب سے کم عمر اور بد شکل تھے۔ انہوں نے اپنی بد صورتی کو رسول اللہ کی نظر میں بھانپ لیا، اور کہا: اے اللہ کے رسول! آدمی چمڑے کی خوبصورتی کا نام نہیں، آدمی اپنے جسم کی سب سے چھوٹی دو چیزوں کا نام ہے: اُس کا دل اور اس کی زبان۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے اندر دو خصلتیں ہیں ”بردباری اور اطمینان“ انہیں اللہ اور اس کے رسول پسند فرماتے ہیں۔

آپ ﷺ نے اس کے بعد وفد سے مخاطب ہو کر فرمایا: بڑی خوشی کی بات ہے تمہارا آنا، نہ تم لوگ ذلیل و رسوا ہو گے اور نہ نامدوم ہو گے۔ پھر فرمایا: میں تمہیں ایمان باللہ کا حکم دیتا ہوں۔ کیا تم جانتے ہو کیا ہے ایمان باللہ؟ گواہی دینی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دینی کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، اور نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا اور رمضان کے روزے رکھنا، اور یہ کہ مالی غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے نکال دینا۔ اور میں تم لوگوں کو ذباۃ، حنتم، نقیر اور مزفت^(۲) برتنوں کے استعمال سے روکتا ہوں۔ (اور مراد وہ کھجور اور انگور وغیرہ ہیں جنہیں ان برتنوں میں پانی کے ساتھ بھگو کر شراب بنائی جاتی ہے)۔ اُنچ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمارے علاقہ کی مٹی اچھی نہیں ہے، ہم اگر یہ شراب نہ پیئیں تو ہمارے پیٹ بڑھ جائیں گے، اس لئے ہمیں ان کے استعمال کی اجازت دیجئے۔ اور اُس نے اپنے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا، تو آپ ﷺ نے اپنی دونوں ہتھیلیوں سے اس کی طرف اشارہ کیا اور کہا: اے اُنچ! اگر میں تمہیں اُس کی اجازت دے دوں گا تو تم اس کے مانند میں پینے لگو گے، اور آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلا دیا، اور فرمایا: اور جب تمہارا کوئی شخص شراب میں دھت ہو جائے گا تو اپنے چچا زاد پر حملہ کر کے اس کی ٹانگ کو تلوار سے کاٹ ڈالے گا^(۳)۔

(۱) سیرۃ ابن کثیر: ۹۰۲/۴، معجم کبیر، طبرانی، حدیث: (۵۳۱۳، ۵۳۱۴)، البدایہ والنہای، حدیث: (۵۲۲۵)۔

(۲) ذباۃ: کدو کے خارجی پھلکے سے بنا برتن۔ حنتم: ایک ہرے رنگ سے رنگا ہوا برتن۔ نقیر: کھجور کی جڑ سے بنا برتن۔ مزفت: تارکول سے رنگا ہوا برتن۔

(۳) طبقات ابن سعد: ۳۱۴/۱۰، مسند احمد: ۴۳۲/۳، ۴۰۶/۴، السیرۃ لابن کثیر: ۹۲-۸۷/۴۔

صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث میں ہے: اُنّج نے کہا: پھر ہم لوگ کس برتن میں پیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: چمڑے کے مشکیزوں میں جن کے دہانے باندھ دیئے جاتے ہیں۔ وفد والوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمارے علاقہ میں چوہے بہت ہوتے ہیں، وہ چمڑے کے مشکیزوں کو کاٹ ڈالتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگرچہ چوہے انہیں کاٹ دیں، اگرچہ چوہے انہیں کاٹ دیں۔ اگرچہ چوہے انہیں کاٹ دیں۔

وفد میں جارود عبدی نام کا ایک آدمی تھا جو نصرانی تھا، اس نے اسلام قبول کیا، اور مخلص مسلمان بن گیا۔ اس شخص نے بیعت کے وقت نبی کریم ﷺ سے کہا: میں نے اپنا دین چھوڑ دیا، اور آپ کے دین میں داخل ہو گیا، تو کیا اب اللہ مجھے آخرت میں عذاب نہیں دے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں نہیں دے گا^(۱)۔

بنی عبد القیس کی خیر کی طرف سبقت اور ان کے اخلاص کا نتیجہ تھا کہ مسجد رسول اللہ ﷺ میں اقامت جمعہ کے بعد پہلا جمعہ انہی کی مسجد میں پڑھا گیا جو بحرین میں مقام جواثی میں بنائی گئی تھی^(۲)۔

ظہر کے بعد کی دو رکعتیں:

وفد عبد القیس کی آمد کی وجہ سے رسول کریم ﷺ مشغول ہو گئے، اسی لئے ظہر کے بعد کی دو رکعتیں نماز عصر کے بعد پڑھ سکے۔ اور ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اس بارے میں پوچھا تو فرمایا: بنی عبد القیس کے کچھ لوگ اسلام لانے کے لئے آئے تھے، انہوں نے مجھے ظہر کے بعد کی دونوں رکعتوں سے مشغول کر دیا تھا۔ یہ دونوں رکعتیں وہی ہیں^(۳)۔

۴- وفد بنی سعد بن بکر:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم لوگ مسجد نبوی میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک آدمی اونٹ پر سوار مسجد میں آیا، اونٹ کو بٹھایا، اسے باندھا، پھر مخاطب ہو کر پوچھا: آپ لوگوں میں سے محمد کون ہیں؟ اُس وقت نبی کریم ﷺ صحابہ کے سامنے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ صحابہ نے کہا: یہ گورے آدمی جو ٹیک لگائے ہوئے ہیں۔ اس آدمی نے آپ ﷺ سے پوچھا: کیا آپ ہی ابن عبد المطلب ہیں؟ آپ ﷺ نے اس سے کہا: ہاں۔

(۱) مسند ابویعلیٰ، حدیث: (۹۱۸)، بخاری نے لکھا ہے کہ اس کے رجال ثقات ہیں۔

(۲) صحیح البخاری، الجمعہ، حدیث: (۸۹۲)، المغازی، حدیث: (۳۷۱)، ابوداؤد، الصلاۃ، حدیث: (۱۰۶۸)۔

(۳) صحیح البخاری، السبوح، حدیث: (۱۲۲۳)، المغازی، وفد عبد القیس، حدیث: (۳۷۰)، صحیح مسلم، صلاۃ المسافر، حدیث: (۸۳۳)، ابوداؤد، الصلاۃ، حدیث: (۱۲۷۳)۔

اُس آدمی نے کہا: میں آپ سے پوچھوں گا، اور سخت انداز میں پوچھوں گا۔ آپ بُرا نہ مانئے گا۔ آپ نے کہا: جو پوچھنا چاہو پوچھو۔ اُس نے کہا: میں آپ سے آپ کے رب اور آپ سے پہلوں کے رب کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، کیا اللہ نے آپ کو تمام انسانوں کا رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اُس نے کہا: میں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، کیا اللہ نے آپ کو دن اور رات میں پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم دیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اُس نے کہا: میں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، کیا اللہ نے آپ کو رمضان کے روزے رکھنے کا حکم دیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اُس نے کہا: میں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، کیا اللہ نے آپ کو ہمارے مالداروں سے زکوٰۃ لینے کا حکم دیا ہے، تاکہ اسے ہمارے فقیروں میں تقسیم کر دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اُس نے کہا: میں اُس دین پر ایمان لے آیا جسے آپ لے کر آئے ہیں، اور میں اپنی قوم کے لوگوں کا قاصد ہوں۔ میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے، اور میں بنی سعد بن بکر سے تعلق رکھتا ہوں^(۱)۔

ابن عباس کی ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ آدمی اپنے اونٹ کی طرف لوٹ گیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر دو چوٹیوں والا یہ آدمی سچا ہے تو جنت میں داخل ہوگا۔ پھر وہ شخص اپنے اونٹ کے پاس آیا، اس کی رسی کھولی اور نکل گیا۔ اور جب اپنی قوم کے پاس آیا تو سب اس کے گرد جمع ہو گئے۔ اُس نے پہلی بات یہ کہی: بُرا ہولات و عُزّی کا۔ اس کی قوم کے لوگوں نے کہا: ایسا نہ کہو اے ضمام! ڈرو برص و جذام سے، ڈرو جنون سے۔

اس نے کہا: اللہ کی قسم! یہ دونوں بُت نہ نفع پہنچاتے ہیں نہ نقصان۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول بھیج دیا ہے، اور اُن پر اپنی کتاب نازل کر دی ہے جس کے ذریعہ اُس نے تم سب کو اس اندھیرے سے نکال دیا ہے جس میں تم لوگ بھٹک رہے تھے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اُن کے پاس سے وہ باتیں سیکھ کر آیا ہوں جن کا وہ حکم دیتے ہیں اور جن سے وہ روکتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اللہ کی قسم! اُس دن شام تک وہاں کوئی مرد یا عورت نہیں تھی جس نے اسلام قبول نہ کیا ہو۔ نیز کہتے ہیں: ہم نے ضمام بن ثعلبہ سے زیادہ افضل قاصد کسی کو اپنی قوم کے لئے نہیں سنا^(۲)۔

۵- وفدِ نجران:

یہ بھی نے اپنی سند سے روایت کی ہے، یونس نے کہا، جو نصرانی تھا، اور مسلمان ہو گیا تھا، کہ رسول اللہ ﷺ

(۱) البخاری، العلم، حدیث: (۶۳)، مسلم، الإیمان، حدیث: (۱۲)، ابوداؤد، الصلاة، حدیث: (۳۸۶) وغیرہم۔

(۲) ابوداؤد، الصلاة، حدیث: (۴۷۸)، مسند احمد: (۲۶۴۱)، متدرک الحاکم: (۵۵، ۵۴، ۳)، حاکم نے صحیح کہا ہے اور ذہبی نے تائید کی ہے۔

نے اہل نجران کو ابراہیم واسحاق اور یعقوب کے اللہ کے نام سے لکھا، اما بعد: میں تم لوگوں کو بندوں کی عبادت چھوڑ کر اللہ کی عبادت کی طرف بلاتا ہوں، اور میں تم لوگوں کو بندوں کی حاکمیت کے بجائے اللہ کی حاکمیت کی طرف بلاتا ہوں، اور اگر انکار کرو گے تو جزیہ دینا ہوگا، اور اگر جزیہ دینے سے انکار کرو گے تو تمہیں جنگ کی خبر دیتا ہوں۔ والسلام۔

اس خط کو پادریوں نے نجران کے اصحاب عقل و خرد نصاریٰ کے سامنے پیش کیا، پھر سب نے مل کر اتفاق کیا کہ وہ ایک وفد مدینہ بھیجیں تاکہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں معلومات جمع کر کے لائے۔ یہ وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا اور آپ ﷺ سے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں پوچھا۔ آپ ﷺ نے اُن سے کہا: آج یہاں قیام کرو اور کل آؤ تاکہ میں تمہیں عیسیٰ کے بارے میں وہ بات بتاؤں جو مجھے بذریعہ وحی بتائی جائے گی۔ چنانچہ کل صبح اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۖ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۖ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ﴾ ”بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی مثال ہے، اُسے مٹی سے پیدا کیا پھر کہا کہ ہو جا، تو وہ ہو گیا۔ یہ آپ کے رب کی طرف سے حق بات ہے، اس لئے آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیے۔ پس جو کوئی آپ سے اس بارے میں آپ کے پاس علم آجانے کے بعد جھگڑے، تو کہہ دیجئے کہ اُوہم اور تم اپنے اپنے بیٹوں کو، اور عورتوں کو، اور اپنے آپ کو اکٹھا کر لیں، پھر عاجزی کے ساتھ دعا کریں، اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں“ [آل عمران: ۵۹-۶۱]۔

وفد کے لوگوں نے اس عقیدہ کا اعتراف کرنے سے انکار کر دیا، تو رسول اللہ ﷺ نے اُن سے مباہلہ کرنا چاہا، لیکن انہوں نے اس کا بھی انکار کر دیا، اور نصرا نیت پر باقی رہتے ہوئے جزیہ دینے کی رضامندی ظاہر کی۔ تیسرے دن آپ ﷺ نے ان کو صلح نامہ لکھ کر دیا، اس شرط پر کہ وہ دو ہزار جوڑے (کپڑے) سالانہ دیا کریں گے۔ ایک ہزار ماہِ رجب میں، اور ایک ہزار ماہِ صفر میں، اور ہر جوڑے کے ساتھ ایک اوقیہ۔ اور آپ ﷺ نے ان کو اللہ اور اللہ کے رسول کا عہد دیا، اور اُن کو ان کے دین پر پوری آزادی کے ساتھ رہنے دیا۔ اس کے بعد وہ لوگ صلح نامہ کے ساتھ نجران واپس چلے گئے۔

بخاری و مسلم اور دیگر ائمہ حدیث نے حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نجران کے دو پادری

عاقب اور سید رسول اللہ ﷺ کے پاس مباہلہ کے لئے آئے۔ اُن میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ ایسا نہ کرو، اللہ کی قسم! اگر یہ نبی ہے اور ہم نے مباہلہ کیا تو ہم کبھی بھی کامیاب نہیں ہوں گے اور ہمارے بعد ہماری کوئی اولاد باقی نہیں رہے گی۔ بالآخر دونوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ ہم جزیہ دیا کریں گے۔ ہمارے پاس کسی امانت دار آدمی کو بھیج دیجئے۔ دیکھئے امانت دار کو ہی بھیجے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے پاس امانت دار کو ہی بھیجوں گا۔ صحابہ کرام اپنی گردنیں اٹھانے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو عبیدہ بن الجراح اٹھو۔ جب وہ کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ اس امت کا امین ہے (۱)۔

اور مسلم نے مغیرہ بن شعبہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے نجران بھیجا تھا (۲)۔ اور ابن اسحاق نے لکھا ہے: رسول اللہ ﷺ نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اہل نجران کی زکاۃ اور جزیہ جمع کرنے کے لئے بھیجا تھا (۳)، تاکہ وہاں کے مسلمانوں کی زکاۃ اور نصرانیوں کا جزیہ جمع کر کے رسول اللہ ﷺ کے پاس لائیں۔ اسلام نے اس طرح عرب نصرانیوں کا ربط و تعلق رومی حکومت سے کاٹ کر حکومت اسلامیہ سے جوڑ دیا، اور مسلمانوں کی پشت کی طرف سے دشمنوں کے خطرے کو ٹال دیا۔

ان کاررائیوں کے بعد نجران کے علاقہ میں اسلام اُن صحابہ کرام کے ذریعہ تیزی کے ساتھ پھیلنے لگا جو وہاں مختلف کاموں سے پہنچ گئے تھے، اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا علاقہ حلقہ گوش اسلام ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ عاقب اور سید دونوں مدینہ سے واپس جانے کے بعد اسلام لے آئے تھے، اور ان کے اسلام لانے کا بھی یہ اثر ہوا کہ تمام اہل نجران مسلمان ہو گئے۔

۶- وفدِ بنی حنیفہ:

سریہ محمد بن مسلمہ (جسے رسول اللہ ﷺ نے بلادِ نجد کے بنی بکر کے پاس سن ۶ ہجری کی ابتداء میں بھیجا تھا) کی خبروں کے ضمن میں پہلے لکھا جا چکا ہے کہ مجاہدین صحابہ نے اس سریہ سے واپسی میں بنی حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال کو گرفتار کر لیا تھا، اور اسے مدینہ لے آئے تھے، اور رسول اللہ ﷺ نے اسے مسجدِ نبوی کے ایک ستون سے باندھ دینے کا حکم دیا تھا، اور اس کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان بات ہوئی جس کے بعد آپ ﷺ نے اسے آزاد کر دیا، وہ مسجد کے قریب ہی ایک باغ میں گیا، نہایا اور پھر مسجد میں واپس آ گیا اور رسول اللہ ﷺ کے

(۱) صحیح البخاری، فضائل الصحابہ، حدیث: (۳۷۵، ۳۸۰، ۳۸۱)، صحیح مسلم، انفصال، حدیث: (۲۳۲۰) وغیرہما۔

(۲) صحیح مسلم، الآداب، حدیث: (۲۱۳۵)۔

(۳) دلائل النبیؐ: ۳۹۴/۵۔

سامنے اسلام میں داخل ہونے کا اعلان کر دیا^(۱)۔

یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام بنی حنیفہ والوں کے پاس فتح مکہ سے پہلے پہنچ چکا تھا، اس لئے کہ ثمامہ اسلام لانے کے بعد عمرہ کے لئے سیدھا مکہ گیا، وہاں مشرکین مکہ نے اسے اسلام لانے پر عار دلایا، تو اس نے اُن کو دھمکی دی کہ وہ انہیں ایک دانہ بھی گیہوں رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر نہیں دے گا۔

لیکن ایسا لگتا ہے کہ اُن میں سے اکثر لوگ اب تک شرک پر مضبوط تھے، اور جب اسلام کا غلبہ ہوا، اور ہر طرف اس کا بول بالا ہوا تو وہ لوگ دیگر قبائل عربیہ کی طرح مدینہ آکر اسلام کا اعلان کرنے پر مجبور ہو گئے۔

بیہقی نے ابن اسحاق سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بنی حنیفہ کا وفد آیا، اُن میں مسیلمہ کذاب بھی تھا۔ یہ وفد بنی نجار کی ایک انصاری عورت کے گھر میں ٹھہرا تھا۔ لوگ مسیلمہ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس اس طرح لے کر آئے کہ اسے کپڑے سے چھپایا جا رہا تھا، اور رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، اُس وقت آپ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک لکڑی تھی۔ جب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا تو اس کے لوگ اسے کپڑے کے ذریعہ چھپا رہے تھے۔ اس نے آپ ﷺ سے بات کی اور کہا کہ نصف حاکمیت اس کے لئے ہوگی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اُس سے کہا: اگر تم یہ لکڑی بھی مانگو گے جو میرے ہاتھ میں ہے تو میں تمہیں نہیں دوں گا۔

اس روایت میں آیا ہے کہ ملعون نے اپنے ارتداد اور اپنی نبوت کا اعلان کر دیا اور کہا: مجھے اس کام میں محمد کے ساتھ شریک بنادیا گیا ہے، اس کے بعد وہ مسجعب عبارتیں سننے لگا اور قرآن کا مقابلہ کرنے لگا۔

بیہقی نے ابن اسحاق سے روایت کی ہے کہ مسیلمہ نے رسول اللہ ﷺ کو مندرجہ ذیل خط لکھا:

”مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کے نام۔ سلام علیک، اما بعد: میں تمہارا شریک بنادیا گیا ہوں، اب آدھا کام میرے ذمہ ہے اور قریش کے ذمہ آدھا۔ لیکن قریش کے لوگ زیادتی کر رہے ہیں۔“ رسول اللہ ﷺ کے پاس یہ خط لے کر اس کے دو قاصد آئے تھے۔

بیہقی نے ابن اسحاق سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسیلمہ کو مندرجہ ذیل جواب لکھا:

”بسم اللہ الرحمن الرحیم محمد رسول اللہ کی جانب سے مسیلمہ جھوٹے کے نام۔ اللہ کی سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی اتباع کی اما بعد: بے شک زمین اللہ کی ہے، اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے، اور آخرت کی کامیابی اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے ہے۔“ یہ خط سن ۱۰ ہجری کے آخر میں آپ ﷺ نے لکھا تھا۔

(۱) دیکھیے صحیح البخاری، المغازی، حدیث ثمامہ بن اثعل (۳۳۷۲)، صحیح مسلم، الجہاد والسیر، حدیث: (۱۷۶۳)، واقعہ ثمامہ میں اس حدیث کی تخریج گزرجی ہے۔

ابن اسحاق نے نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب مسیلہ کذاب کے دونوں قاصد اس کا خط لے کر آئے تو میں نے آپ کو اُن دونوں سے کہتے سنا: کیا تم دونوں بھی اسی جیسی بات کرتے ہو؟ دونوں نے کہا: ہاں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر یہ بات نہ ہوتی کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا ہے تو میں تم دونوں کی گردنیں مار دیتا^(۱)۔

اور بخاری و مسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ مسیلہ کذاب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں آیا تو کہنے لگا: اگر محمد اپنے بعد مجھے اپنا خلیفہ بنادے گا تو میں اس کی پیروی کروں گا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنی قوم کے بہت سے لوگوں کے ساتھ آیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے، آپ ﷺ کے ساتھ اُس وقت ثابت بن قیس بن شماس تھے، اور آپ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک لکڑی تھی، مسیلہ اس وقت اپنے ساتھیوں کے ہمراہ تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم مجھ سے لکڑی کا یہ ٹکڑا بھی مانگو گے تو نہیں دوں گا۔ اور تم اپنے بارے میں اللہ کے فیصلہ سے تجاویز نہیں کر سکتے ہو، اور اگر تم میری دعوت سے منہ پھیر لو گے تو اللہ تمہیں ہلاک کر دے گا۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے نیند کی حالت میں اپنے دونوں ہاتھوں میں سونے کے دو ٹنگن دیکھے، میں سوچ میں پڑ گیا، تو خواب ہی میں مجھ پر وحی ہوئی کہ اُن دونوں پر پھونک ماروں، پھونک مارتے ہی دونوں اُڑ گئے۔ میں نے تعبیر یہ نکالی کہ میرے بعد دو کذاب ظاہر ہوں گے، ایک عسبی اور دوسرا مسیلہ۔

اور بخاری و مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں سویا تھا تو میرے پاس زمین کے خزانے لائے گئے، میرے دونوں ہاتھوں میں اُن میں سے دو ٹنگن ڈال دیئے گئے، دونوں میرے ہاتھوں میں بڑے ہو گئے، اور مجھے فکر مند بنادیا۔ پھر مجھے وحی آئی کہ میں اُن دونوں پر پھونک ماروں، میں نے پھونک مارا تو وہ دونوں غائب ہو گئے، میں نے اس کی تعبیر یہ نکالی کہ یہ دو کذاب ہیں جن کے درمیان میں ہوں، صنعاء کا کذاب اور یمامہ کا کذاب^(۲)۔

صنعاء کا کذاب اسود عسی تھا جسے فیروز بن دیلمی نے قتل کر دیا، اور مسیلہ کذاب کو ابو بکر کے عہد خلافت میں اہل ارتداد کے خلاف جنگ یمامہ میں وحشی نے قتل کر دیا۔ اور یوں اللہ نے اپنے رسول کے خواب کو سچ کر دکھلایا، دونوں جھوٹوں نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اپنے ارتداد کا اعلان کیا تو اللہ نے دونوں پر اپنے نبی ﷺ کے اصحاب کو

(۱) دلائل التبیح: ۳۳۲/۵، سنن ابی داؤد، حدیث: (۲۷۱۲)، یہ حدیث صحیح سنن ابی داؤد البانی میں ہے۔ مسند احمد: ۴۸۸، ۴۸۷/۳۔

(۲) البخاری، المغازی، وفد بنی حنیفہ، حدیث: (۴۳۷۳، ۴۳۷۴، ۴۳۷۵)، صحیح مسلم، الرؤیا، رؤیا النبی ﷺ، حدیث: (۲۲۷۳، ۲۲۷۴)۔

مسلط کر دیا جنہوں نے دونوں کو قتل کر دیا، اور دونوں پر پھونک مارا تو غائب ہو گئے۔

۷۔ وفد قبیلہ طئ:

بیہقی نے ابن اسحاق سے روایت کی ہے کہ قبیلہ طئ کا وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اُن میں ایک آدمی زید النخیل نام کا تھا۔ جب یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آئے اور آپ ﷺ سے بات کی تو آپ نے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور مخلص مسلمان بن گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عربوں میں سے آج تک کسی کی بھی خوبی میرے سامنے بیان کی گئی، اور پھر وہ شخص میرے سامنے آیا تو اُسے اُس سے کم پایا جتنی اُس کی تعریف کی گئی، سوائے زید النخیل کے، اِس کی اتنی تعریف نہیں کی گئی جتنی تعریف کا وہ مستحق تھا۔ آپ ﷺ نے پھر اس کا نام زید الخیر رکھ دیا، اور اسے بہت سارے تحائف اور زمین و جائیداد سے نوازا، اور اِن عطیات کی ایک سند لکھ کر دی۔

سن ۹ ہجری کے واقعات کے ضمن میں عدی بن حاتم کے فرار ہونے، اس کی بہن (سفانہ) کے پکڑے جانے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس اس کے لائے جانے کی تفصیل گزر چکی ہے، نیز اس ضمن میں یہ بات بھی آچکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سفانہ کو آزاد کر دیا، اسے جوڑا دیا، اور زادِ سفر دیا، وہاں سے وہ سفر کر کے اپنے بھائی کے پاس بلادِ شام گئی اور اسے رسول اللہ ﷺ سے ملنے کا مشورہ دیا، چنانچہ عدی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور اسلام قبول کر لیا^(۱)۔

۸۔ وفدِ کندہ:

بیہقی نے روایت کی ہے کہ اشعث بن قیس قبیلہ کندہ کے اسی (۸۰) یا ساٹھ (۶۰) افراد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، سب کے سب مسجدِ نبوی میں داخل ہو گئے، سب نے اپنے بالوں میں کنگھی کر رکھی تھی، سرمہ پہنا ہوا تھا، اور ریشم کے بنے استیوں والے جُتے پہن رکھے تھے۔ رسول کریم ﷺ نے اُن سے پوچھا: کیا تم لوگ ابھی تک اسلام نہیں لائے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم مسلمان ہو چکے ہیں۔ آپ نے پھر پوچھا: پھر تم نے یہ لوہے اپنی گردنوں میں کیوں لٹکار رکھے ہیں؟ انہوں نے ان کو نکال پھینکا^(۲)۔

(۱) دیکھئے زاد المعاد: ۳/۴۹۴، دلائل التبیحی: ۷۵/۳۳۸، السیرۃ النبویہ لابن کثیر: ۴/۱۲۱، اور اس کے بعد۔

(۲) دلائل التبیحی: ۷۵/۳۶۹، زاد المعاد: ۳/۳۹۵، ۳۹۴۔

۹- وفدِ قبیلہ اشعر:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ابھی تمہارے پاس ایسے لوگ آئیں گے جو تم سے زیادہ نرم دل والے ہیں۔ اس کے بعد ہی یمن کے قبیلہ اشعر کے لوگ آئے، اُن میں ابو موسیٰ اشعری بھی تھے۔ یہ لوگ جب مدینہ کے قریب آئے تو رجزیہ اشعار پڑھ رہے تھے اور کہہ رہے تھے: کل ہماری ملاقات اپنے پیاروں محمد اور ان کی جماعت سے ہوگی^(۱)۔

جب یہ لوگ نبی کریم ﷺ سے ملے تو آپ نے غایت درجہ اُن کی تعریف کی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تمہارے پاس اہل یمن آئے ہیں، یہ لوگ سب سے زیادہ نرم اور گداز دل والے ہیں۔ ایمان یمانی ہے، حکمت یمانی ہے، اور فخر اور اترانا اونٹ والوں میں ہوتا ہے، اور سکون و وقار بکری پالنے والوں میں ہوتا ہے^(۲)۔

اور جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہم لوگ مکہ کے راستہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ اچانک ہمارے سامنے سانولے رنگ کے اونٹ آگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابھی تمہارے پاس اہل یمن پہنچیں گے بادلوں کی مانند۔ یہ لوگ زمین میں سب سے اچھے لوگ ہیں۔ ایک انصاری صحابی نے پوچھا: کیا ہم لوگوں سے بھی اچھے ہیں اے اللہ کے رسول؟ آپ خاموش رہے صحابی نے دوبارہ پوچھا، آپ ﷺ خاموش رہے۔ جب تیسری بار پوچھا تو آپ ﷺ نے دھیمی آواز میں فرمایا: ہاں تمہارے سوا^(۳)۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ بنی تمیم کے لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا: بنی تمیم کے لوگو! تمہیں خوشخبری دیتا ہوں۔ انہوں نے کہا: آپ نے خوشخبری دی ہے تو اب ہمیں دیجئے، یہ سن کر آپ ﷺ کا چہرہ مبارک بدل گیا۔ اس کے بعد اہل یمن آئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: بنی تمیم نے تو خوشخبری قبول نہیں کی، تم لوگ قبول کر لو۔ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم نے قبول کر لی^(۴)۔

صحیحین اور دیگر کتب احادیث میں ثابت شدہ یہ حدیثیں قبیلہ اشعر کے وفد کی بالخصوص اور اہل یمن کی بالعموم فضیلت کی دلیلیں ہیں۔ ابو مسعود انصاری سے مروی ایک حدیث آتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایمان

(۱) مسند احمد: ۱۰۵/۳، ۱۵۵، ۱۸۲، ۲۱۲، ۲۲۳، ۲۵۱، ۲۶۲، اس کی سند صحیح ہے۔ البخاری الأدب المفرد: (۹۶۷)، الصحیحۃ للألبانی: (۵۲۷)۔

(۲) البخاری، المغازی حدیث: (۴۳۸۸)، صحیح مسلم، الإیمان، حدیث: (۵۲) وغیرہما۔

(۳) مسند احمد: ۸۴/۴، معجم طبرانی: (۴۷۰۲)، مجمع الزوائد ندبشی: (۵۵۱۰) اس کی سند حسن ہے۔

(۴) البخاری، بدع الخلق، حدیث: (۳۱۹۱، ۳۱۹۰)، المغازی، حدیث: (۴۳۸۶، ۴۳۶۵)، التوحید: (۷۴۱۸)، ترمذی، مناقب: (۳۹۵۱)۔

۱۰- وفدِ مزینہ:

۱۱- وفدِ بنیِ عذره:

(۲) مسند احمد: ۴۴۵/۵، اس کی سند حسن ہے۔ پیشی نے مجمع الزوائد: ۳۰۵/۸ میں لکھا ہے کہ اسے احمد و طبرانی نے روایت کی ہے، اور اس کے رجال حدیث صحیح کے رجال ہیں۔

آپ ﷺ نے اُن کو اجازت دی تو وہ اپنے گھر چلے گئے^(۱)۔

۱۲- وفدِ بنی قریظہ:

یہ وفدِ بنی کریم ﷺ کی تبوک سے واپسی کے بعد سن ۹ ہجری میں آیا تھا، یہ لوگ اسلام کا اقرار پہلے سے کر چکے تھے، اور ان کے علاقہ میں خشک سالی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اُن سے ان کے علاقہ و دیار کے بارے میں پوچھا تو اُن میں سے ایک نے کہا: ہمارے علاقہ سے پودے ختم ہو گئے، ہمارے چوپائے ہلاک ہو گئے، پورا علاقہ قحط سالی کی زد میں ہے، اور ہمارے بال بچے بھوکے ہیں۔ دعا کیجئے کہ اللہ بارش بھیج دے، اور اپنے رب کے حضور ہماری سفارش کر دیجئے، اور آپ کا رب آپ کے نزدیک ہماری سفارش کر دے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ، کتنی بُری بات تم نے کہی ہے، میں اپنے رب عزوجل کی جناب میں شفاعت کروں گا، کون ہے جس کے پاس ہمارا رب سفارش کرے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ صاحبِ غلو اور صاحبِ عظمت ہے، اس کی کرسی آسمانوں اور زمین کو اپنی وسعت میں لئے ہوئی ہے۔ یہ آسمان و زمین اس کی عظمت و جلال سے ایسے چرچراتے ہیں جیسے نیا کجاوہ۔ اس کے بعد آپ ﷺ منبر پر چڑھے، اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر بارش کے لئے دعا کی، اور اللہ نے اس وفد کے علاقہ میں موسلا دھار رحمت کی بارش بھیج دی^(۲)۔

۱۳- شاہانِ حمیر کا قاصد:

غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد ماہِ رمضان سن ۹ ہجری میں ملوکِ حمیر کا قاصد مالک بن مُرہ رہاوی آیا۔ وہ شاہانِ حارث بن عبد کلال، نعمان حاکم ذی رُعیین، اور معافر اور ہمدان تھے۔ ان بادشاہوں نے رہاوی کو اپنے اسلام لانے کی خبر اور شرک اور اہل شرک سے اپنے اعلانِ براءت کے لئے بھیجا تھا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اُن کو ایک خط بھیجا جس میں آپ نے اُن کے حقوق و واجبات لکھ بھیجے، اور غیر مسلم ذمیوں کو اللہ اور اس کے رسول کے عہد و ذمہ کی خبر دی جب تک وہ جزیہ ادا کرتے رہیں گے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کے علاقہ میں دعوتِ دین کے لئے چند صحابہ کو بھیجا، اور اُن کا امیر معاذ بن جبل کو متعین کیا۔

آپ ﷺ نے زُرْعہ ذی یزن کو مندرجہ ذیل خط لکھا: اِما بعد: محمد نبی نے زُرْعہ ذی یزن کو یہ لکھ بھیجا ہے کہ جب تمہارے پاس میرے قاصد آئیں، تو میں تمہیں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ میرے وہ

(۱) بیون الاثر: ۳۱۵/۲، ابن سعد: ۳۳۱/۱۔

(۲) بیون الاثر: ۳۱۱/۲، ابو داؤد نے اسی کے قریب ایک حدیث روایت کی ہے حدیث: (۴۷۲۶)۔

قاصد معاذ بن جبل عبد اللہ بن زید، مالک بن عباتہ، عقبہ بن نمر اور مالک بن مرارہ اُن کے اصحاب ہیں۔ تم لوگ اپنی زکاة اور ذمیوں کا جزیہ جمع کر کے میرے نمائندوں کے پاس پہنچا دو، اور نمائندوں کا امیر معاذ بن جبل ہے۔ تو دیکھو وہ تمہارے پاس سے ناراض نہ واپس آئے۔

ابا بعد: بے شک محمد گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ مالک بن مرہ اور رباوی نے مجھے بتایا ہے کہ تم حمیر میں سب سے پہلے مسلمان ہوئے ہو اور تم نے مشرکوں کو قتل کیا ہے، تو میں تمہیں خیر کی بشارت دیتا ہوں، اور حمیر والوں کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے کا حکم دیتا ہوں، اور دیکھو تم لوگ خیانت نہ کرنا، اور اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے میں سستی نہ کرنا، بے شک اللہ کے رسول تمہارے مالدار و فقیر کے آقا ہیں، اور زکاة محمد اور آل محمد کے لئے حلال نہیں ہے، زکاة فقیر مسلمانوں اور مسافروں پر خرچ کی جاتی ہے، اور مالک نے ساری بات بتائی ہے، اور راز کی حفاظت کی ہے، اس لئے میں تمہیں اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیتا ہوں۔ اور میں نے تمہارے پاس اپنے نیک، دیندار اور اہل علم اصحاب کو بھیجا ہے، میں تمہیں اُن کے ساتھ اچھے معاملہ کا حکم دیتا ہوں، لوگوں کی اُن پر نگاہیں لگی ہیں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (۱)

۱۴- وفد ہمدان:

غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد سن ۹ ہجری میں ہمدان کا وفد آیا۔ اُس میں مالک بن نمط، مالک بن اصف، ضمام ابن مالک سلمانی اور عمیرہ بن مالک خارنی تھے۔ یہ لوگ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو یمنی بچے اور عدنی عمامے پہنے ہوئے تھے اور مہری اور ارجی سوار یوں پر سوار تھے۔ مالک بن نمط نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک شعر پڑھا، اور رسول اللہ ﷺ کو اچھے اور فصیح کلام کے ذریعہ یاد کیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک خط لکھ کر دیا جس میں آپ ﷺ نے ان کے لئے ان چیزوں کی صراحت کر دی تھی جو آپ ﷺ نے اُن کو دیا تھا۔ اور آپ ﷺ نے مالک بن نمط کو اس کی قوم کے مسلمانوں کا امیر بنادیا۔ اور آپ ﷺ نے خالد بن ولید کو اس علاقہ میں بھیجا تاکہ وہ عام لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ وہ وہاں دعوت کا کام چھ ماہ تک کرتے رہے، لیکن کسی نے قبول نہیں کیا، پھر آپ ﷺ نے علی بن ابی طالب کو بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ وہ خالد کو واپس بھیج دیں۔ علی ہمدان آئے، اور وہاں کے لوگوں کے سامنے آپ ﷺ کا ایک خط پڑھ کر سنایا، اور انہیں اسلام کی دعوت دی تو وہ سب کے سب اسلام لے آئے، اور علی رضی اللہ عنہ نے خط بھیج کر رسول اللہ ﷺ کو یہ خوشخبری سنائی۔ آپ ﷺ کے سامنے خط پڑھا گیا، تو

آپ سجدہ میں گر گئے، پھر سر اٹھایا تو فرمایا: اللہ کی سلامتی ہو ہمدان پر، اللہ کی سلامتی ہو ہمدان پر^(۱)۔

۱۵- حاکم معان کا قاصد:

نبیہتی نے ابن اسحاق سے روایت کی ہے کہ فروہ بن عمرو حاکم معان نے رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنا قاصد بھیجا کہ وہ اسلام لے آیا ہے، اور آپ ﷺ کے لئے ایک سفید خچر بطور ہدیہ بھیجا، فروہ رومیوں کی طرف سے اپنے آس پاس کے عربوں پر حاکم تھا۔ اس کا علاقہ معان اور قرب وجوار میں شام کی سرزمین تھی۔ جب اہل روم کو اس کے اسلام لانے کی خبر ہوئی تو اُسے بلا بھیجا، اور پکڑ کر قید میں ڈال دیا۔ جب رومی اسے تختہ دار پر چڑھانے کے بعد جمع ہوئے تو اُس نے ایک شعر کہا جس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی سردارِ مسلمین کو خبر کر دے کہ میں نے اپنی ہڈیاں اور اپنے تختہ دار پر لٹکائے جانے کو اللہ کے سپرد کر دیا ہے۔

اس کے بعد ظالم رومیوں نے ان کی گردن مار دی اور فلسطین میں عفری نامی اپنے ایک تالاب کے کنارے انہیں لٹکا دیا۔ اللہ اُن پر رحمتوں کی بارش کرے، اُن سے راضی ہو جائے، اور جنت اُن کا مقام بنائے^(۲)۔

یہ ہیں بعض اُن وفود کی خبریں جو سن نو اور دس ہجری میں مدینہ آئے، وفود سے متعلق آغاز تحریر میں ہی میں نے لکھا ہے کہ ان وفود کی تعداد تقریباً ستر (۷۰) تھی، یہاں میں نے چند کا بطور نمونہ ذکر کیا ہے۔ ان تفصیلات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ وفود جزیرہ عرب کے تمام اطراف و جوانب سے آ کر نبی کریم ﷺ کے سامنے اپنے اسلام اور طاعت و تابعداری کا اعلان کرتے رہے، اس لئے کہ اب تمام اہالیانِ جزیرہ کو یقین ہو گیا تھا کہ بخوشی یا بے خوشی حکومتِ اسلامیہ کے لئے اپنی طاعت و فرمانبرداری کے اعلان کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔

ان عربوں نے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کے بعد جب عقیدہ اسلامیہ اور احکام شرعیہ کا نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے ذریعہ علم حاصل کیا تو جو لوگ آغاز ہی سے برضا و رغبت مسلمان ہوئے تھے ان کے ایمان و عقیدہ میں پختگی آئی، اور جن سخت دل اور بد خود بیہاتوں نے اپنے سرداروں کی پیروی کرتے ہوئے یا اپنی زندگی اور مال و متاع اور گھر بار کو بچانے کے لئے اسلام کا اعلان کیا تھا انہیں بھی اسلام کی صداقت کا یقین ہونے لگا۔ اور یقیناً ان کے حالات میں یہ خوش آئند تبدیلی ان کے حال پر اللہ کا رحم و کرم تھا۔ اب وہ تمام اصنام زمین بوس ہو گئے جن کی جزیرہ عرب میں پرستش ہوتی تھی، اہل جزیرہ نے جاہلیت کی چادر اُتار پھینکی اور سب کے سب دینِ حق میں داخل

(۱) البخاری، المغازی، حدیث: (۴۳۴۹)، عیون الاثر: ۳۰۷/۲۰، سیرۃ ابن ہشام: ۵۹۸، ۵۹۷/۲۔

(۲) دلائل النبوی: ۴۰۹/۵، سیرۃ ابن کثیر: ۱۶۸، ۱۶۷/۳، طبقات ابن سعد: ۳۵۴۔

ہو گئے۔ اور یہ سارے عظیم نتائج اس جہادِ اسلامی کے تھے جسے اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے رب کے حکم سے بائیس سال تک برپا کیا، اور شرک و بت پرستی اور ان تمام خرافات اور جاہلی عادات کے خلاف جنگ کی جن کے بوجھ تلے عرب قومیں صدیوں سے کرا رہی تھیں۔ اب فضا د اعیانِ اسلام کے لئے بالکل صاف ہو چکی تھی کہ اپنی دعوت کو لے کر دنیا کی دوسری قوموں کے پاس پہنچیں جن کو اس دینِ رحمت کی شدید ترین حاجت تھی۔

معاذ بن جبل اور ابو موسیٰ اشعری یمن میں:

سن ۱۰ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے ابو موسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل کو یمن بھیجا۔ ابو موسیٰ کہتے ہیں: میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تو میرے ساتھ دو دیگر اشعری بھی تھے، ایک میرے دائیں طرف اور دوسرا میرے بائیں طرف۔ دونوں نے آپ ﷺ سے کوئی کام مانگا، آپ ﷺ مسواک کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ابو موسیٰ تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا: اُس ذات کی قسم جس نے آپ کو دینِ حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، ان دونوں نے مجھے اپنے دل کی بات نہیں بتائی تھی، اور مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ دونوں کام طلب کریں گے۔ ابو موسیٰ کہتے ہیں: میں جیسے اب بھی دیکھ رہا ہوں کہ آپ کی مسواک آپ کے ہونٹ کے نیچے ٹھہر گئی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہم ایسے آدمی کو کوئی کام نہیں دیتے جو خود سے طلب کرتا ہے۔ البتہ اے ابو موسیٰ! تم ہماری طرف سے کام پر چلے جاؤ۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اُن کو یمن بھیج دیا۔ پھر ان کے بعد معاذ بن جبل کو بھیجا۔

ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو موسیٰ اور معاذ بن جبل کو یمن بھیجا، اور اُن سے کہا: تم دونوں معاملات میں آسانی کرنا، سختی نہ کرنا، اور لوگوں کو خوشخبری دینا، انہیں نفرت نہ دلانا، اور تم دونوں ان باتوں کی عادت ڈالنا۔ ابو موسیٰ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمارے علاقہ میں جو کی شراب پی جاتی ہے، جسے ”مزر“ کہتے ہیں۔ اور شہد کی شراب بنتی ہے جسے ”بج“ کہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ پھر وہ دونوں سفر پر روانہ ہو گئے۔

معاذ نے ابو موسیٰ سے پوچھا کہ آپ کس طرح قرآن پڑھتے ہیں؟ انہوں نے کہا: کھڑے ہو کر، بیٹھ کر اور سواری پر۔ اور اس کے حصے بنا کر پڑھتا ہوں، اور مختلف اوقات میں پڑھتا ہوں۔ معاذ نے کہا: لیکن میں تو سوتا بھی ہوں اور قیام بھی کرتا ہوں، میں اپنی نیند کے ذریعہ بھی اجر کی نیت کرتا ہوں، اور اپنے قیام کے ذریعہ بھی (۱)

(۱) البخاری، المغازی، حدیث: (۴۳۴۱، ۴۳۴۲، ۴۳۴۳، ۴۳۴۴)، والادب، حدیث: (۶۱۴۴)، الاحکام: (۷۱۷۲)، و مسلم، الاثریہ، حدیث: (۱۷۳۳)، ابن ماجہ، الاثریہ، حدیث: (۳۳۹۱)، الدارمی، الاثریہ، باب اقل فی السکر: ۱۱۳/۲، مسند: ۴/۳۰، ۴/۳۱، ۴/۳۲، ۴/۳۳، ۴/۳۴، ۴/۳۵، ۴/۳۶، ۴/۳۷، ۴/۳۸، ۴/۳۹، ۴/۴۰، ۴/۴۱، ۴/۴۲، ۴/۴۳، ۴/۴۴، ۴/۴۵، ۴/۴۶، ۴/۴۷، ۴/۴۸، ۴/۴۹، ۴/۵۰، ۴/۵۱، ۴/۵۲، ۴/۵۳، ۴/۵۴، ۴/۵۵، ۴/۵۶، ۴/۵۷، ۴/۵۸، ۴/۵۹، ۴/۶۰، ۴/۶۱، ۴/۶۲، ۴/۶۳، ۴/۶۴، ۴/۶۵، ۴/۶۶، ۴/۶۷، ۴/۶۸، ۴/۶۹، ۴/۷۰، ۴/۷۱، ۴/۷۲، ۴/۷۳، ۴/۷۴، ۴/۷۵، ۴/۷۶، ۴/۷۷، ۴/۷۸، ۴/۷۹، ۴/۸۰، ۴/۸۱، ۴/۸۲، ۴/۸۳، ۴/۸۴، ۴/۸۵، ۴/۸۶، ۴/۸۷، ۴/۸۸، ۴/۸۹، ۴/۹۰، ۴/۹۱، ۴/۹۲، ۴/۹۳، ۴/۹۴، ۴/۹۵، ۴/۹۶، ۴/۹۷، ۴/۹۸، ۴/۹۹، ۴/۱۰۰، ۴/۱۰۱، ۴/۱۰۲، ۴/۱۰۳، ۴/۱۰۴، ۴/۱۰۵، ۴/۱۰۶، ۴/۱۰۷، ۴/۱۰۸، ۴/۱۰۹، ۴/۱۱۰، ۴/۱۱۱، ۴/۱۱۲، ۴/۱۱۳، ۴/۱۱۴، ۴/۱۱۵، ۴/۱۱۶، ۴/۱۱۷، ۴/۱۱۸، ۴/۱۱۹، ۴/۱۲۰، ۴/۱۲۱، ۴/۱۲۲، ۴/۱۲۳، ۴/۱۲۴، ۴/۱۲۵، ۴/۱۲۶، ۴/۱۲۷، ۴/۱۲۸، ۴/۱۲۹، ۴/۱۳۰، ۴/۱۳۱، ۴/۱۳۲، ۴/۱۳۳، ۴/۱۳۴، ۴/۱۳۵، ۴/۱۳۶، ۴/۱۳۷، ۴/۱۳۸، ۴/۱۳۹، ۴/۱۴۰، ۴/۱۴۱، ۴/۱۴۲، ۴/۱۴۳، ۴/۱۴۴، ۴/۱۴۵، ۴/۱۴۶، ۴/۱۴۷، ۴/۱۴۸، ۴/۱۴۹، ۴/۱۵۰، ۴/۱۵۱، ۴/۱۵۲، ۴/۱۵۳، ۴/۱۵۴، ۴/۱۵۵، ۴/۱۵۶، ۴/۱۵۷، ۴/۱۵۸، ۴/۱۵۹، ۴/۱۶۰، ۴/۱۶۱، ۴/۱۶۲، ۴/۱۶۳، ۴/۱۶۴، ۴/۱۶۵، ۴/۱۶۶، ۴/۱۶۷، ۴/۱۶۸، ۴/۱۶۹، ۴/۱۷۰، ۴/۱۷۱، ۴/۱۷۲، ۴/۱۷۳، ۴/۱۷۴، ۴/۱۷۵، ۴/۱۷۶، ۴/۱۷۷، ۴/۱۷۸، ۴/۱۷۹، ۴/۱۸۰، ۴/۱۸۱، ۴/۱۸۲، ۴/۱۸۳، ۴/۱۸۴، ۴/۱۸۵، ۴/۱۸۶، ۴/۱۸۷، ۴/۱۸۸، ۴/۱۸۹، ۴/۱۹۰، ۴/۱۹۱، ۴/۱۹۲، ۴/۱۹۳، ۴/۱۹۴، ۴/۱۹۵، ۴/۱۹۶، ۴/۱۹۷، ۴/۱۹۸، ۴/۱۹۹، ۴/۲۰۰، ۴/۲۰۱، ۴/۲۰۲، ۴/۲۰۳، ۴/۲۰۴، ۴/۲۰۵، ۴/۲۰۶، ۴/۲۰۷، ۴/۲۰۸، ۴/۲۰۹، ۴/۲۱۰، ۴/۲۱۱، ۴/۲۱۲، ۴/۲۱۳، ۴/۲۱۴، ۴/۲۱۵، ۴/۲۱۶، ۴/۲۱۷، ۴/۲۱۸، ۴/۲۱۹، ۴/۲۲۰، ۴/۲۲۱، ۴/۲۲۲، ۴/۲۲۳، ۴/۲۲۴، ۴/۲۲۵، ۴/۲۲۶، ۴/۲۲۷، ۴/۲۲۸، ۴/۲۲۹، ۴/۲۳۰، ۴/۲۳۱، ۴/۲۳۲، ۴/۲۳۳، ۴/۲۳۴، ۴/۲۳۵، ۴/۲۳۶، ۴/۲۳۷، ۴/۲۳۸، ۴/۲۳۹، ۴/۲۴۰، ۴/۲۴۱، ۴/۲۴۲، ۴/۲۴۳، ۴/۲۴۴، ۴/۲۴۵، ۴/۲۴۶، ۴/۲۴۷، ۴/۲۴۸، ۴/۲۴۹، ۴/۲۵۰، ۴/۲۵۱، ۴/۲۵۲، ۴/۲۵۳، ۴/۲۵۴، ۴/۲۵۵، ۴/۲۵۶، ۴/۲۵۷، ۴/۲۵۸، ۴/۲۵۹، ۴/۲۶۰، ۴/۲۶۱، ۴/۲۶۲، ۴/۲۶۳، ۴/۲۶۴، ۴/۲۶۵، ۴/۲۶۶، ۴/۲۶۷، ۴/۲۶۸، ۴/۲۶۹، ۴/۲۷۰، ۴/۲۷۱، ۴/۲۷۲، ۴/۲۷۳، ۴/۲۷۴، ۴/۲۷۵، ۴/۲۷۶، ۴/۲۷۷، ۴/۲۷۸، ۴/۲۷۹، ۴/۲۸۰، ۴/۲۸۱، ۴/۲۸۲، ۴/۲۸۳، ۴/۲۸۴، ۴/۲۸۵، ۴/۲۸۶، ۴/۲۸۷، ۴/۲۸۸، ۴/۲۸۹، ۴/۲۹۰، ۴/۲۹۱، ۴/۲۹۲، ۴/۲۹۳، ۴/۲۹۴، ۴/۲۹۵، ۴/۲۹۶، ۴/۲۹۷، ۴/۲۹۸، ۴/۲۹۹، ۴/۳۰۰، ۴/۳۰۱، ۴/۳۰۲، ۴/۳۰۳، ۴/۳۰۴، ۴/۳۰۵، ۴/۳۰۶، ۴/۳۰۷، ۴/۳۰۸، ۴/۳۰۹، ۴/۳۱۰، ۴/۳۱۱، ۴/۳۱۲، ۴/۳۱۳، ۴/۳۱۴، ۴/۳۱۵، ۴/۳۱۶، ۴/۳۱۷، ۴/۳۱۸، ۴/۳۱۹، ۴/۳۲۰، ۴/۳۲۱، ۴/۳۲۲، ۴/۳۲۳، ۴/۳۲۴، ۴/۳۲۵، ۴/۳۲۶، ۴/۳۲۷، ۴/۳۲۸، ۴/۳۲۹، ۴/۳۳۰، ۴/۳۳۱، ۴/۳۳۲، ۴/۳۳۳، ۴/۳۳۴، ۴/۳۳۵، ۴/۳۳۶، ۴/۳۳۷، ۴/۳۳۸، ۴/۳۳۹، ۴/۳۴۰، ۴/۳۴۱، ۴/۳۴۲، ۴/۳۴۳، ۴/۳۴۴، ۴/۳۴۵، ۴/۳۴۶، ۴/۳۴۷، ۴/۳۴۸، ۴/۳۴۹، ۴/۳۵۰، ۴/۳۵۱، ۴/۳۵۲، ۴/۳۵۳، ۴/۳۵۴، ۴/۳۵۵، ۴/۳۵۶، ۴/۳۵۷، ۴/۳۵۸، ۴/۳۵۹، ۴/۳۶۰، ۴/۳۶۱، ۴/۳۶۲، ۴/۳۶۳، ۴/۳۶۴، ۴/۳۶۵، ۴/۳۶۶، ۴/۳۶۷، ۴/۳۶۸، ۴/۳۶۹، ۴/۳۷۰، ۴/۳۷۱، ۴/۳۷۲، ۴/۳۷۳، ۴/۳۷۴، ۴/۳۷۵، ۴/۳۷۶، ۴/۳۷۷، ۴/۳۷۸، ۴/۳۷۹، ۴/۳۸۰، ۴/۳۸۱، ۴/۳۸۲، ۴/۳۸۳، ۴/۳۸۴، ۴/۳۸۵، ۴/۳۸۶، ۴/۳۸۷، ۴/۳۸۸، ۴/۳۸۹، ۴/۳۹۰، ۴/۳۹۱، ۴/۳۹۲، ۴/۳۹۳، ۴/۳۹۴، ۴/۳۹۵، ۴/۳۹۶، ۴/۳۹۷، ۴/۳۹۸، ۴/۳۹۹، ۴/۴۰۰، ۴/۴۰۱، ۴/۴۰۲، ۴/۴۰۳، ۴/۴۰۴، ۴/۴۰۵، ۴/۴۰۶، ۴/۴۰۷، ۴/۴۰۸، ۴/۴۰۹، ۴/۴۱۰، ۴/۴۱۱، ۴/۴۱۲، ۴/۴۱۳، ۴/۴۱۴، ۴/۴۱۵، ۴/۴۱۶، ۴/۴۱۷، ۴/۴۱۸، ۴/۴۱۹، ۴/۴۲۰، ۴/۴۲۱، ۴/۴۲۲، ۴/۴۲۳، ۴/۴۲۴، ۴/۴۲۵، ۴/۴۲۶، ۴/۴۲۷، ۴/۴۲۸، ۴/۴۲۹، ۴/۴۳۰، ۴/۴۳۱، ۴/۴۳۲، ۴/۴۳۳، ۴/۴۳۴، ۴/۴۳۵، ۴/۴۳۶، ۴/۴۳۷، ۴/۴۳۸، ۴/۴۳۹، ۴/۴۴۰، ۴/۴۴۱، ۴/۴۴۲، ۴/۴۴۳، ۴/۴۴۴، ۴/۴۴۵، ۴/۴۴۶، ۴/۴۴۷، ۴/۴۴۸، ۴/۴۴۹، ۴/۴۵۰، ۴/۴۵۱، ۴/۴۵۲، ۴/۴۵۳، ۴/۴۵۴، ۴/۴۵۵، ۴/۴۵۶، ۴/۴۵۷، ۴/۴۵۸، ۴/۴۵۹، ۴/۴۶۰، ۴/۴۶۱، ۴/۴۶۲، ۴/۴۶۳، ۴/۴۶۴، ۴/۴۶۵، ۴/۴۶۶، ۴/۴۶۷، ۴/۴۶۸، ۴/۴۶۹، ۴/۴۷۰، ۴/۴۷۱، ۴/۴۷۲، ۴/۴۷۳، ۴/۴۷۴، ۴/۴۷۵، ۴/۴۷۶، ۴/۴۷۷، ۴/۴۷۸، ۴/۴۷۹، ۴/۴۸۰، ۴/۴۸۱، ۴/۴۸۲، ۴/۴۸۳، ۴/۴۸۴، ۴/۴۸۵، ۴/۴۸۶، ۴/۴۸۷، ۴/۴۸۸، ۴/۴۸۹، ۴/۴۹۰، ۴/۴۹۱، ۴/۴۹۲، ۴/۴۹۳، ۴/۴۹۴، ۴/۴۹۵، ۴/۴۹۶، ۴/۴۹۷، ۴/۴۹۸، ۴/۴۹۹، ۴/۵۰۰، ۴/۵۰۱، ۴/۵۰۲، ۴/۵۰۳، ۴/۵۰۴، ۴/۵۰۵، ۴/۵۰۶، ۴/۵۰۷، ۴/۵۰۸، ۴/۵۰۹، ۴/۵۱۰، ۴/۵۱۱، ۴/۵۱۲، ۴/۵۱۳، ۴/۵۱۴، ۴/۵۱۵، ۴/۵۱۶، ۴/۵۱۷، ۴/۵۱۸، ۴/۵۱۹، ۴/۵۲۰، ۴/۵۲۱، ۴/۵۲۲، ۴/۵۲۳، ۴/۵۲۴، ۴/۵۲۵، ۴/۵۲۶، ۴/۵۲۷، ۴/۵۲۸، ۴/۵۲۹، ۴/۵۳۰، ۴/۵۳۱، ۴/۵۳۲، ۴/۵۳۳، ۴/۵۳۴، ۴/۵۳۵، ۴/۵۳۶، ۴/۵۳۷، ۴/۵۳۸، ۴/۵۳۹، ۴/۵۴۰، ۴/۵۴۱، ۴/۵۴۲، ۴/۵۴۳، ۴/۵۴۴، ۴/۵۴۵، ۴/۵۴۶، ۴/۵۴۷، ۴/۵۴۸، ۴/۵۴۹، ۴/۵۵۰، ۴/۵۵۱، ۴/۵۵۲، ۴/۵۵۳، ۴/۵۵۴، ۴/۵۵۵، ۴/۵۵۶، ۴/۵۵۷، ۴/۵۵۸، ۴/۵۵۹، ۴/۵۶۰، ۴/۵۶۱، ۴/۵۶۲، ۴/۵۶۳، ۴/۵۶۴، ۴/۵۶۵، ۴/۵۶۶، ۴/۵۶۷، ۴/۵۶۸، ۴/۵۶۹، ۴/۵۷۰، ۴/۵۷۱، ۴/۵۷۲، ۴/۵۷۳، ۴/۵۷۴، ۴/۵۷۵، ۴/۵۷۶، ۴/۵۷۷، ۴/۵۷۸، ۴/۵۷۹، ۴/۵۸۰، ۴/۵۸۱، ۴/۵۸۲، ۴/۵۸۳، ۴/۵۸۴، ۴/۵۸۵، ۴/۵۸۶، ۴/۵۸۷، ۴/۵۸۸، ۴/۵۸۹، ۴/۵۹۰، ۴/۵۹۱، ۴/۵۹۲، ۴/۵۹۳، ۴/۵۹۴، ۴/۵۹۵، ۴/۵۹۶، ۴/۵۹۷، ۴/۵۹۸، ۴/۵۹۹، ۴/۶۰۰، ۴/۶۰۱، ۴/۶۰۲، ۴/۶۰۳، ۴/۶۰۴، ۴/۶۰۵، ۴/۶۰۶، ۴/۶۰۷، ۴/۶۰۸، ۴/۶۰۹، ۴/۶۱۰، ۴/۶۱۱، ۴/۶۱۲، ۴/۶۱۳، ۴/۶۱۴، ۴/۶۱۵، ۴/۶۱۶، ۴/۶۱۷، ۴/۶۱۸، ۴/۶۱۹، ۴/۶۲۰، ۴/۶۲۱، ۴/۶۲۲، ۴/۶۲۳، ۴/۶۲۴، ۴/۶۲۵، ۴/۶۲۶، ۴/۶۲۷، ۴/۶۲۸، ۴/۶۲۹، ۴/۶۳۰، ۴/۶۳۱، ۴/۶۳۲، ۴/۶۳۳، ۴/۶۳۴، ۴/۶۳۵، ۴/۶۳۶، ۴/۶۳۷، ۴/۶۳۸، ۴/۶۳۹، ۴/۶۴۰، ۴/۶۴۱، ۴/۶۴۲، ۴/۶۴۳، ۴/۶۴۴، ۴/۶۴۵، ۴/۶۴۶، ۴/۶۴۷، ۴/۶۴۸، ۴/۶۴۹، ۴/۶۵۰، ۴/۶۵۱، ۴/۶۵۲، ۴/۶۵۳، ۴/۶۵۴، ۴/۶۵۵، ۴/۶۵۶، ۴/۶۵۷، ۴/۶۵۸، ۴/۶۵۹، ۴/۶۶۰، ۴/۶۶۱، ۴/۶۶۲، ۴/۶۶۳، ۴/۶۶۴، ۴/۶۶۵، ۴/۶۶۶، ۴/۶۶۷، ۴/۶۶۸، ۴/۶۶۹، ۴/۶۷۰، ۴/۶۷۱، ۴/۶۷۲، ۴/۶۷۳، ۴/۶۷۴، ۴/۶۷۵، ۴/۶۷۶، ۴/۶۷۷، ۴/۶۷۸، ۴/۶۷۹، ۴/۶۸۰، ۴/۶۸۱، ۴/۶۸۲، ۴/۶۸۳، ۴/۶۸۴، ۴/۶۸۵، ۴/۶۸۶، ۴/۶۸۷، ۴/۶۸۸، ۴/۶۸۹، ۴/۶۹۰، ۴/۶۹۱، ۴/۶۹۲، ۴/۶۹۳، ۴/۶۹۴، ۴/۶۹۵، ۴/۶۹۶، ۴/۶۹۷، ۴/۶۹۸، ۴/۶۹۹، ۴/۷۰۰، ۴/۷۰۱، ۴/۷۰۲، ۴/۷۰۳، ۴/۷۰۴، ۴/۷۰۵، ۴/۷۰۶، ۴/۷۰۷، ۴/۷۰۸، ۴/۷۰۹، ۴/۷۱۰، ۴/۷۱۱، ۴/۷۱۲، ۴/۷۱۳، ۴/۷۱۴، ۴/۷۱۵، ۴/۷۱۶، ۴/۷۱۷، ۴/۷۱۸، ۴/۷۱۹، ۴/۷۲۰، ۴/۷۲۱، ۴/۷۲۲، ۴/۷۲۳، ۴/۷۲۴، ۴/۷۲۵، ۴/۷۲۶، ۴/۷۲۷، ۴/۷۲۸، ۴/۷۲۹، ۴/۷۳۰، ۴/۷۳۱، ۴/۷۳۲، ۴/۷۳۳، ۴/۷۳۴، ۴/۷۳۵، ۴/۷۳۶، ۴/۷۳۷، ۴/۷۳۸، ۴/۷۳۹، ۴/۷۴۰، ۴/۷۴۱، ۴/۷۴۲، ۴/۷۴۳، ۴/۷۴۴، ۴/۷۴۵، ۴/۷۴۶، ۴/۷۴۷، ۴/۷۴۸، ۴/۷۴۹، ۴/۷۵۰، ۴/۷۵۱، ۴/۷۵۲، ۴/۷۵۳، ۴/۷۵۴، ۴/۷۵۵، ۴/۷۵۶، ۴/۷۵۷، ۴/۷۵۸، ۴/۷۵۹، ۴/۷۶۰، ۴/۷۶۱، ۴/۷۶۲، ۴/۷۶۳، ۴/۷۶۴، ۴/۷۶۵، ۴/۷۶۶، ۴/۷۶۷، ۴/۷۶۸، ۴/۷۶۹، ۴/۷۷۰، ۴/۷۷۱، ۴/۷۷۲، ۴/۷۷۳، ۴/۷۷۴، ۴/۷۷۵، ۴/۷۷۶، ۴/۷۷۷، ۴/۷۷۸، ۴/۷۷۹، ۴/۷۸۰، ۴/۷۸۱، ۴/۷۸۲، ۴/۷۸۳، ۴/۷۸۴، ۴/۷۸۵، ۴/۷۸۶، ۴/۷۸۷، ۴/۷۸۸، ۴/۷۸۹، ۴/۷۹۰، ۴/۷۹۱، ۴/۷۹۲، ۴/۷۹۳، ۴/۷۹۴، ۴/۷۹۵، ۴/۷۹۶، ۴/۷۹۷، ۴/۷۹۸، ۴/۷۹۹، ۴/۸۰۰، ۴/۸۰۱، ۴/۸۰۲، ۴/۸۰۳، ۴/۸۰۴، ۴/۸۰۵، ۴/۸۰۶، ۴/۸۰۷، ۴/۸۰۸، ۴/۸۰۹، ۴/۸۱۰، ۴/۸۱۱، ۴/۸۱۲، ۴/۸۱۳، ۴/۸۱۴، ۴/۸۱۵، ۴/۸۱۶، ۴/۸۱۷، ۴/۸۱۸، ۴/۸۱۹، ۴/۸۲۰، ۴/۸۲۱، ۴/۸۲۲، ۴/۸۲۳، ۴/۸۲۴، ۴/۸۲۵، ۴/۸۲۶، ۴/۸۲۷، ۴/۸۲۸، ۴/۸۲۹، ۴/۸۳۰، ۴/۸۳۱، ۴/۸۳۲، ۴/۸۳۳، ۴/۸۳۴، ۴/۸۳۵، ۴/۸۳۶، ۴/۸۳۷، ۴/۸۳۸، ۴/۸۳۹، ۴/۸۴۰، ۴/۸۴۱، ۴/۸۴۲، ۴/۸۴۳، ۴/۸۴۴، ۴/۸۴۵، ۴/۸۴۶، ۴/۸۴۷، ۴/۸۴۸، ۴/۸۴۹، ۴/۸۵۰، ۴/۸۵۱، ۴/۸۵۲، ۴/۸۵۳، ۴/۸۵۴، ۴/۸۵۵، ۴/۸۵۶، ۴/۸۵۷، ۴/۸۵۸، ۴/۸۵۹، ۴/۸۶۰، ۴/۸۶۱، ۴/۸۶۲، ۴/۸۶۳، ۴/۸۶۴، ۴/۸۶۵، ۴/۸۶۶، ۴/۸۶۷، ۴/۸۶۸، ۴/۸۶۹، ۴/۸۷۰، ۴/۸۷۱، ۴/۸۷۲، ۴/۸۷۳، ۴/۸۷۴، ۴/۸۷۵، ۴/۸۷۶، ۴/۸۷۷، ۴/۸۷۸، ۴/۸۷۹، ۴/۸۸۰، ۴/۸۸۱، ۴/۸۸۲، ۴/۸۸۳، ۴/۸۸۴، ۴/۸۸۵، ۴/۸۸۶، ۴/۸۸۷، ۴/۸۸۸، ۴/۸۸۹، ۴/۸۹۰، ۴/۸۹۱، ۴/۸۹۲، ۴/۸۹۳، ۴/۸۹۴، ۴/۸۹۵، ۴/۸۹۶، ۴/۸۹۷، ۴/۸۹۸، ۴/۸۹۹، ۴/۹۰۰، ۴/۹۰۱، ۴/۹۰۲، ۴/۹۰۳، ۴/۹۰۴، ۴/۹۰۵، ۴/۹۰۶، ۴/۹۰۷، ۴/۹۰۸، ۴/۹۰۹، ۴/۹۱۰، ۴/۹۱۱، ۴/۹۱۲، ۴/۹۱۳، ۴/۹۱۴، ۴/۹۱۵، ۴/۹۱۶، ۴/۹۱۷، ۴/۹۱۸، ۴/۹۱۹، ۴/۹۲۰، ۴/۹۲۱، ۴/۹۲۲، ۴/۹۲۳، ۴/۹۲۴، ۴/۹۲۵، ۴/۹۲۶، ۴/۹۲۷، ۴/۹۲۸، ۴/۹۲۹، ۴/۹۳۰، ۴/۹۳۱، ۴/۹۳۲، ۴/۹۳۳، ۴/۹۳۴، ۴/۹۳۵، ۴/۹۳۶، ۴/۹۳۷، ۴/۹۳۸، ۴/۹۳۹، ۴/۹۴۰، ۴/۹۴۱، ۴/۹۴۲، ۴/۹۴۳، ۴/۹۴۴، ۴/۹۴۵، ۴/۹۴۶، ۴/۹۴۷، ۴/۹۴۸، ۴/۹۴۹، ۴/۹۵۰، ۴/۹۵۱، ۴/۹۵۲، ۴/۹۵۳، ۴/۹۵۴، ۴/۹۵۵، ۴/۹۵۶، ۴/۹۵۷، ۴/۹۵۸، ۴/۹۵۹، ۴/۹۶۰، ۴/۹۶۱، ۴/۹۶۲، ۴/۹۶۳، ۴/۹۶۴، ۴/۹۶۵، ۴/۹۶۶، ۴/۹۶۷، ۴/۹۶۸، ۴/۹۶۹، ۴/۹۷۰، ۴/۹۷۱، ۴/۹۷۲، ۴/۹۷۳، ۴/۹۷۴، ۴/۹۷۵، ۴/۹۷۶، ۴/۹۷۷، ۴/۹۷۸، ۴/۹۷۹، ۴/۹۸۰، ۴/۹۸۱، ۴/۹۸۲، ۴/۹۸۳، ۴/۹۸۴، ۴/۹۸۵، ۴/۹۸۶، ۴/۹۸۷، ۴/۹۸۸، ۴/۹۸۹، ۴/۹۹۰، ۴/۹۹۱، ۴/۹۹۲، ۴/۹۹۳، ۴/۹۹۴، ۴/۹۹۵، ۴/۹۹۶، ۴/۹۹۷، ۴/۹۹۸، ۴/۹۹۹، ۴/۱۰۰۰، ۴/۱۰۰۱، ۴/۱۰۰۲، ۴/۱۰۰۳، ۴/۱۰۰۴، ۴/۱۰۰۵، ۴/۱۰۰۶، ۴/۱۰۰۷، ۴/۱۰۰۸، ۴/۱۰۰۹، ۴/۱۰۱۰، ۴/۱۰۱۱، ۴/۱۰۱۲، ۴/۱۰۱۳، ۴/۱۰۱۴، ۴/۱۰۱۵، ۴/۱۰۱۶، ۴/۱۰۱۷، ۴/۱۰۱۸، ۴/۱۰۱۹، ۴/۱۰۲۰، ۴/۱۰۲۱، ۴/۱۰۲۲، ۴/۱۰۲۳، ۴/۱۰۲۴، ۴/۱۰۲۵، ۴/۱۰۲۶، ۴/۱۰۲۷، ۴/۱۰۲۸، ۴/۱۰۲۹، ۴/۱۰۳۰، ۴/۱۰۳۱، ۴/۱۰۳۲، ۴/۱۰۳۳، ۴/۱۰۳۴، ۴/۱۰۳۵، ۴/۱۰۳۶، ۴/۱۰۳۷، ۴/۱۰۳۸، ۴/۱۰۳۹، ۴/۱۰۴۰، ۴/۱۰۴۱، ۴/۱۰۴۲، ۴/۱۰۴۳، ۴/۱۰۴۴، ۴/۱۰۴۵

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب معاذ کو یمن بھیجا تو اُن سے کہا: تم اہل کتاب کے پاس جا رہے ہو، جب اُن کے پاس پہنچو تو پہلے انہیں دعوت دو کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اگر وہ لوگ تمہاری یہ بات مان لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اگر وہ تمہاری یہ بات مان لیں تو اُن سے کہو کہ اللہ نے اُن پر زکاۃ فرض کی ہے جو اُن کے مالداروں سے لی جائے گی اور اُن کے غریبوں میں تقسیم کر دی جائے گی۔ اور جب وہ تمہاری یہ بات مان لیں تو اُن کے سب سے اچھے اموال ہر گز نہ لو، اور مظلوم کی دعا سے بچو، اس لئے کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا^(۱)۔

نبی کریم ﷺ نے جب معاذ بن جبل کو یمن بھیجتے وقت الوداع کہا تو آپ ﷺ نے اُن سے کہا: اب وہ دوبارہ آپ کو نہیں دیکھ پائیں گے۔ عاصم بن حمید السکونی رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے معاذ ابن جبل کو یمن بھیجا، تو آپ ﷺ اُن کو وصیت کرتے ہوئے اُن کے ساتھ باہر نکل گئے، معاذ سواری پر تھے، اور رسول اللہ ﷺ ان کی سواری کے نیچے چل رہے تھے۔ جب وصیت سے فارغ ہوئے تو فرمایا: اے معاذ! شاید اس سال کے بعد تم مجھ سے مل نہ سکو گے، اور شاید تم میری مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزرو گے۔ یہ سن کر اور رسول اللہ ﷺ کے فراق کو سوچ کر معاذ ہلک ہلک کر رونے لگے۔ آپ ﷺ نے ان کا رونا دیکھ کر فرمایا: اے معاذ! نہ رو، رونا شیطان کی طرف سے ہوتا ہے^(۲)۔

خالد بن ولید نجران میں:

یہ بتی نے ابن اسحاق سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خالد بن ولید کو ماہِ ربیع الثانی یا جمادی الاولیٰ سن ۱۰ ہجری میں نجران کے بنی حارث بن کعب کے پاس بھیجا، اور حکم دیا کہ وہ قتال کرنے سے پہلے انہیں تین بار اسلام کی دعوت دیں، اگر قبول کر لیں تو یہی مطلوب ہے، ورنہ پھر اُن سے قتال کریں۔

جب خالد وہاں پہنچے تو انہوں نے ہر چہار جانب سواروں کو بھیجا تا کہ وہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں اور کہیں: لوگو! اسلام لے آؤ، سلامتی پاؤ گے۔ اس اعلان کو سنتے ہی لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے، اور

(۱) البخاری، المغازی، حدیث: (۷۳۴۰ و ۷۳۴۱)، مسلم، الإیمان، حدیث: (۱۹) وغیرہما۔

(۲) مسند احمد: ۵/۲۳۵، اس کی سند جید ہے، اور بیہقی نے مجمع الزوائد: ۱۰/۲۳۱، ۲۳۲، اس حدیث کو طبرانی کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند جید ہے۔

خالد انہیں اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی روشنی میں اسلام کی تعلیم دینے لگے، اور خالد نے یہ تفصیلات لکھ کر نبی کریم ﷺ کو بذریعہ قاصد بھیج دیا، آپ ﷺ نے اُن کے خط کے جواب میں لکھا کہ وہ انہیں خوشخبری دیں اور ڈرائیں اور اپنی دعوت میں ان کی طرف پیش قدمی کرتے رہیں، اور کوشش کریں کہ اُن لوگوں کے ساتھ اُن کے تعلقات بڑھتے رہیں۔

کچھ دنوں کے بعد خالد رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو اُن کے ساتھ بنی حارث کا ایک وفد بھی آپ کے پاس آیا، آپ کو سلام کیا اور اپنے اسلام لانے کا اعلان کیا، اور اللہ کا شکر ادا کیا جس نے انہیں اپنے رسول کے ذریعہ اسلام جیسی نعمت سے نوازا۔

یہ وفد اواخر شوال یا اوائل ذی القعدة میں لوٹ کر اپنی قوم کے پاس آگیا، تو نبی کریم ﷺ نے عمرو بن حزم کو اُن کے پاس بھیجا تاکہ انہیں قرآن و سنت کی روشنی میں دین اسلام کی تعلیم دیں، اور ان کی زکاة وصول کریں، رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو ایک مکتوب بھی دیا جس میں آپ ﷺ نے اپنا عہد و ذمہ اور دیگر اوامر لکھ دیئے تھے۔ امام بیہقی نے اپنی سند کے ذریعہ رسول کریم ﷺ کا وہ خط تحریر کیا ہے جو آپ ﷺ نے عمرو رضی اللہ عنہ کو یمن کے لئے روانگی کے وقت لکھ کر دیا تھا۔ آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا تھا کہ وہ اہل یمن کو دین سمجھائیں، سنت کی تعلیم دیں اور ان کی زکاة وصول کریں^(۱)۔

علی بن ابی طالب یمن میں:

بیہقی نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے علی بن ابی طالب کو یمن بھیجا، تو میں بھی اُن کے ساتھ گیا۔ جب ان کے پاس زکاة کے اونٹ آئے تو ہم لوگوں نے اُن سے بعض اونٹ سواری کے لئے مانگے تاکہ ہمارے اونٹ آرام کریں اس لئے کہ وہ کمزور اور تھکے ہوئے تھے، تو انہوں نے انکار کر دیا، اور کہا: تمہارا اس میں دیگر مسلمانوں کی طرح ایک حصہ ہے۔ جب علی اپنے کام سے فارغ ہو گئے، تو ایک دوسرے آدمی کو اپنی جگہ ہمارا امیر بنا کر یمن سے واپس جانے لگے، اور تیزی کی، یہاں تک کہ حج میں شریک ہو گئے۔ حج کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے کہا: تم اپنے ساتھیوں کے پاس واپس جاؤ۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے جس کو اپنی جگہ امیر بنایا تھا اس سے ہم نے وہی اونٹ مانگے تو اس نے منظور کر لیا۔ علی رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ زکاة کے اونٹوں کو لوگوں نے سواری کے

طور پر استعمال کیا ہے، تو اس کو ملامت کی جوان کے غائبانہ میں امیر تھا۔
اور بیہقی نے قصہ حجة الوداع میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ یمن سے آئے تو نبی کریم ﷺ نے اُن سے پوچھا: تم نے کس حج کی نیت کی تھی؟ علی نے کہا: میں نے کہا تھا: اے اللہ! میں اُس حج کی نیت کرتا ہوں جس کی نیت تیرے رسول نے کی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو میں ہدی کا جانور لے کر آیا ہوں، اس لئے تم حلال نہیں ہو گے (۱)۔

ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کی وفات:

اسی سن ۱۰ ہجری میں ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی۔ مقوقس حاکم اسکندریہ و مصر نے رسول اللہ ﷺ کے لئے ماریہ قطیفہ کو بطور ہدیہ پیش کیا تھا، انہی کے بطن سے ذی الحجہ سن ۸ ہجری میں ابراہیم پیدا ہوئے۔ اور ۱۱ رجب الاول بروز منگل سن ۱۰ ہجری میں وفات پا گئے، اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ اُس وقت اُن کی عمر تقریباً ایک سال تین ماہ تھی (۲)۔

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے ابراہیم کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے جان کنی کی حالت میں دیکھا، آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، اور فرما رہے تھے: آنکھ آنسو بہا رہی ہے، اور قلب مغموم ہے، لیکن ہم وہی بولیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہوتا ہے، اللہ کی قسم! اے ابراہیم! ہم تیرے فراق پر بڑے ہی مغموم ہیں (۳)۔

(۱) دیکھئے البخاری، الحج، حدیث: (۱۵۵۷، ۱۵۵۸)، مسلم، الحج، حدیث: (۱۲۱۶)۔

(۲) دلائل البیہقی: ۳۲۹/۵۔

(۳) مسلم، الفضائل، حدیث: (۲۳۱۵)، البخاری، حدیث: (۱۳۰۳)۔

[illegible]

حَجَّةُ الْوَدَاعِ

نبی کریم ﷺ نے ہجرت مدینہ کے بعد صرف ایک حج، حجۃ الوداع سن ۱۰ ہجری میں کیا۔ آپ ﷺ نے جب حج کا ارادہ فرمایا تو لوگوں میں اعلان کر دیا کہ آپ حج کے لئے نکلنے والے ہیں، اور سب کو اپنے ساتھ حج کے لئے چلنے کا حکم دیا ہے، چنانچہ تمام صحابہ کرام آپ کے ساتھ سفر کرنے کے لئے تیار ہو گئے، اور مدینہ کے آس پاس کے رہنے والوں نے بھی یہ اعلان سنا اور مسلمانوں کا ایک جم غفیر جمع ہو گیا، سب کی خواہش یہی تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی کریں اس لئے آپ کے دائیں بائیں حد نگاہ تک انسان ہی انسان تھے۔ کہا جاتا ہے کہ سب کی تعداد ایک لاکھ چودہ ہزار تھی۔ بعض نے لکھا ہے کہ اس سے زیادہ تعداد تھی۔ آپ ﷺ کے ساتھ بہت سے ایسے مسلمانوں نے بھی حج کیا جنہوں نے آپ کو اس سفر سے پہلے نہیں دیکھا تھا، اور نہ پھر بعد میں دیکھا، لیکن ان سب کو آپ کی صحبت کی فضیلت حاصل ہو گئی۔

اس سفر سے پہلے آپ ﷺ نے مدینہ کا والی ابودجانہ انصاری کو بنادیا، اور پچیس ذی القعدہ ہفتہ کے دن ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد مدینہ سے روانہ ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ جمعرات کے دن نکلے تھے۔ آپ ﷺ نے سفر سے پہلے خطبہ دیا جس میں احرام اور اس کے واجبات و سنن کی تعلیم دی۔ آپ ﷺ کے ساتھ تمام امہات المؤمنین بھی ہو دو جوں میں سوار ہو کر نکلیں۔ عصر کی نماز آپ نے دو رکعت ذوالحلیفہ میں پڑھی، وہیں رات گزاری، اور مغرب، عشاء، فجر اور دوسرے دن ظہر کی نماز وہیں پڑھی، آپ ﷺ نے پانچ نمازیں وہیں ادا کی۔

آپ ﷺ نے احرام کی نیت کرنے کے لئے یہیں غسل فرمایا^(۱)۔ پھر عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاتھ سے ایک مخلوط خوشبو جس میں مشک شامل تھا، آپ کے جسم اطہر اور سر مبارک پر لگا دیا، مشک کا اثر آپ کے سر کے بال اور داڑھی پر عیاں تھا^(۲)۔ اُسے آپ نے زائل نہیں کیا اور نہ دھویا۔ آپ نے پھر احرام کی دو چادریں لیں، ایک کو پہن لیا اور دوسرے کو اوڑھ لیا۔ پھر آپ ﷺ نے ظہر کی نماز دو رکعت پڑھی، پھر مصلیٰ ہی سے حج و عمرہ کی نیت کی، کسی نے آپ کے بارے میں یہ بات نقل نہیں کی ہے کہ آپ ﷺ نے ظہر کی دو رکعت کے علاوہ احرام کے لئے الگ سے دو رکعت پڑھی۔ اور آپ نے اپنے ہدی کے جانور کو اپنے دو بچوں کا ہار پہنا دیا، اور اس کے دائیں پہلو میں ہلکا زخم لگا دیا جس سے خون نکل پڑا۔ پھر اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہوئے اور مندرجہ ذیل تبلیہ

(۱) صحیح سنن الترمذی: (۶۶۳)۔

(۲) متفق علیہ۔

پکارنے لگے: لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكُ لَا شَرِيكَ لَكَ. لوگوں نے بھی یہی تلبیہ پکارنا شروع کیا۔

آپ ﷺ نے تقریباً بیس سے زائد صریح و صحیح احادیث کے مطابق حج قرآن کی نیت کی، اور صحابہ کرام کو احرام کی نیت کرتے وقت تینوں قسم کے حج (حج افراد، حج قرآن اور حج تمتع) کے درمیان اختیار دیا۔ لیکن جب آپ ﷺ مکہ کے قریب پہنچے تو ان سب کے لئے جو قربانی کا جانور لے کر نہیں چلے تھے یہی افضل سمجھا کہ وہ حج افراد اور حج قرآن کو عمرہ میں بدل دیں۔ اور جب آپ ﷺ مروہ کے نزدیک پہنچے تو ایسے تمام صحابہ کے لئے اس حکم کو حتمی قرار دیا۔

رسول اللہ ﷺ ووالحلیفہ سے تلبیہ پکارتے ہوئے آگے بڑھے، اور صحابہ بھی تلبیہ کہتے رہے۔ کبھی ان الفاظ میں اضافہ کرتے اور کبھی کمی، اور نبی کریم ﷺ خاموش رہتے، انکار نہیں کرتے^(۱)۔ آپ ﷺ مسلسل تلبیہ پکارتے رہے یہاں تک کہ مقام روحاء پر پہنچ گئے جو مدینہ سے دو مرحلہ کی مسافت پر ہے، آپ کا سفر جاری رہا یہاں تک کہ قُذَید کے مقام پر پہنچ گئے، وہاں آپ ﷺ ایک عورت کے پاس سے گزرے جو اپنے ہودج میں ایک چھوٹا بچہ لئے بیٹھی تھی، اُس نے اس بچے کا بازو پکڑ کر کہا: اے اللہ کے رسول! کیا اس کا حج ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اور اجر تمہیں ملے گا^(۲)۔

اس کے بعد آپ ﷺ کا گزر قبیلہ خثعم کی ایک عورت کے پاس سے ہوا، اُس نے پوچھا: اللہ کا فریضہ حج میرے باپ پر واجب ہو گیا ہے جبکہ وہ بڑے بوڑھے ہیں، سواری پر بیٹھ بھی نہیں سکتے، تو کیا میں اُن کی طرف سے حج کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔

آپ ﷺ آگے بڑھتے رہے، یہاں تک کہ مقام سرف میں رُکے۔ وہاں صحابہ کرام سے آپ ﷺ نے فرمایا: جس کے پاس قربانی کا جانور نہیں ہے وہ چاہے تو صرف عمرہ کی نیت کر لے، اور جس کے پاس ہے وہ ایسا نہ کرے۔ جب آپ ﷺ مکہ پہنچے تو جو لوگ قربانی کے جانور لے کر نہیں گئے تھے انہیں حتمی حکم دیا کہ وہ اپنی نیت کو عمرہ کی نیت میں بدل لیں، اور عمرہ کرنے کے بعد احرام کھول دیں، اور جو لوگ قربانی کے جانور لے کر آئے ہیں وہ عمرہ کے بعد احرام نہ کھولیں۔

آپ ﷺ ابھی اسی مقام سرف میں ہی تھے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ماہواری آگئی، انہوں نے عمرہ کی نیت

(۱) صحیح مسلم، حدیث: (۱۱۸۳)، الفتح: ۴۷۹۳-۴۸۰۰۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب الحج، حدیث: (۱۳۳۶)۔

کی تھی نبی کریم ﷺ اُن کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ رُور ہی ہیں۔ آپ ﷺ نے اُن سے پوچھا: شاید تمہیں ماہواری آگئی ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے یہ بات بنی آدم کی بیٹیوں کے لئے لکھ دی ہے، تم حاجیوں کی طرح سب کام کرو، صرف بیت اللہ کا طواف نہ کرو^(۱)۔

آپ ﷺ سرف ہی میں تھے کہ آفتاب غروب ہو گیا، وہاں سے چل کر آپ مقام طُوئی پر پہنچ گئے جو ان دنوں ”زاہر کے کنویں“ کے نام سے مشہور ہے۔ وہاں آپ ﷺ نے رات گزاری، اُس وقت ذی الحجہ کے چار دن گزر چکے تھے۔ آپ ﷺ نے صبح کی نماز وہیں ادا کی، اور دن چڑھنے پر وہاں غسل فرمایا، اور آگے چل پڑے اور دن کے وقت مکہ میں اس بالائی علاقہ سے داخل ہوئے جو حُجُون کے اوپر ہے۔

آپ ﷺ نے مسجد حرام میں داخل ہوتے ہی بیت اللہ کا قصد کیا اور اپنی جوان اونٹنی پر خانہ کعبہ کا سات بار طواف کیا، اور ہر بار جب حجرِ اَسود کے سامنے آتے تو اپنی چھڑی کے ذریعہ اس کا استلام کرتے (چُھوتے) اور چھڑی کو چوم لیتے، اور ساتوں چکروں میں حجرِ اَسود کے پاس مزاحمت نہیں کی۔ تین ابتدائی چکروں میں آپ جھٹک کر چلے اور باقی چاروں میں عام رفتار سے چلے، اور آپ کی چادر آپ کے بغل کے نیچے سے گزر کر دائیں کندھے پر پڑی تھی۔ دورانِ طواف آپ نے کوئی معین ذکر نہیں پڑھا، صرف دونوں رُکنوں کے درمیان: ﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ پڑھتے تھے^(۲)۔

طواف سے فارغ ہوتے ہی آپ ﷺ مقام ابراہیم پر آئے، اور اُسے اپنے اور بیت اللہ کے درمیان کُز کے اپنی اونٹنی کو بیٹھادیا، اور ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ [البقرة: ۱۲۵] کی تلاوت کی، پھر دو رکعت نماز پڑھی جن میں سورہ فاتحہ کے بعد ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ اور ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ پڑھا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حجرِ اَسود کے پاس گئے، اس کا استلام کیا، اور پھر صفا پہاڑی کی طرف اس کے سامنے والے دروازہ سے چل پڑے اور جب اس کے قریب پہنچے تو سورہ البقرة کی آیت (۱۵۸) ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ﴾ کی تلاوت کی اور فرمایا: میں اپنی سعی اسی جگہ سے شروع کرتا ہوں جس سے اللہ نے اس آیت کی ابتدا کی ہے۔

چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی سعی کی ابتدا صفا پہاڑی کے اوپر سے کی، آپ اُس پر چڑھے یہاں تک کہ کعبہ نظر

(۱) صحیح البخاری، جزاء الصید، حدیث: (۱۸۵۳-۱۸۵۵)، صحیح مسلم، الحج، حدیث: (۱۳۳۵)۔

(۲) صحیح سنن ابی داؤد: (۱۶۶۶)۔

آنے لگا، قبلہ کا رخ کیا، اللہ کی توحید بیان کی، تکبیر کہی اور کہا: "لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد يحيي ويميت وهو على كل شيء قدير، لا إله إلا الله وحده، أنجز وعده، ونصر عبده، وهزم الأحزاب وحده". پھر آپ نے دعا کی اور اسی طرح تین بار کہا۔ پھر مروہ کی طرف چلتے ہوئے اترے، اور جب آپ کے دونوں قدم وادی کے نشیبی علاقہ میں پڑے تو جھٹک کر چلنے لگے، اور جب وادی سے اوپر چڑھے تو عام رفتار سے چلنے لگے یہاں تک کہ آپ ﷺ مروہ پر آگئے، وہاں آپ نے دیا ہی کیا جیسا صفا پر کیا تھا، اور اس طرح صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر لگایا۔^(۱)

جب آپ ﷺ آخری چکر لگا کر مروہ پر پہنچے تو فرمایا: مجھے جو بات اب معلوم ہوئی ہے اگر پہلے معلوم ہو گئی ہوتی تو قربانی کا جانور لے کر نہ آتا، اور نہ عمرہ کی نیت کی ہوتی^(۲)۔ پس تم میں سے جو شخص قربانی کا جانور لے کر نہیں آیا ہے وہ حلال ہو جائے اور اس طواف سعی کو عمرہ بنا لے۔ یہ سن کر سراقہ بن مالک بھٹم کھڑے ہوئے اور پوچھا: کیا یہ حکم اسی سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کے لئے؟ تو آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈال کر دوبار فرمایا: عمرہ حج میں داخل ہو گیا، ہمیشہ کے لئے۔

ان کاموں سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ مقام اُطح میں اپنی رہائش پر گئے جہاں آپ ﷺ کے لئے چمڑے کا بنا ایک قبۃ نماخیمہ لگایا گیا تھا۔ آپ ﷺ یوم الترویہ (آٹھویں تاریخ) تک وہیں نماز پڑھتے رہے، یہاں آپ نے چار دن (اتوار، سوار، منگل اور بدھ) قیام فرمایا اور قصر نماز پڑھتے رہے۔ جمعرات کے دن صبح چاشت کے وقت تمام مسلمانوں کے ساتھ آپ ﷺ منی کے لئے روانہ ہو گئے۔ جن لوگوں نے عمرہ کیا تھا انہوں نے اپنی قیام گاہوں سے ہی دوبارہ حج کا احرام باندھ لیا، اور مسجد حرام میں نہیں گئے۔

منی پہنچنے کے بعد وہاں قیام کیا، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھیں، اور جمعہ کے دن فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد جب آفتاب طلوع ہو گیا تو وہاں سے عرفہ کی طرف روانہ ہو گئے، اور آپ کے حکم سے نمرہ میں بال کا بنا ایک خیمہ لگا دیا گیا جس میں زوال آفتاب تک آپ ٹھہرے رہے، پھر آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی قصواء کو تیار کرنے کا حکم دیا، اُس پر سوار ہو کر وادیِ عرۃ آئے، اور اپنی سواری پر بیٹھ کر لوگوں کے سامنے عظیم خطبہ دیا جس میں آپ نے اسلام کے بنیادی اصولوں کی تشریح فرمائی، اور شرک اور عادات و اطوارِ جاہلیت کا ابطال کیا، اور فرمایا:

(۱) دیکھئے صحیح البخاری، الحج، حدیث: (۱۶۳۳، ۱۷۹۰) مسلم، الحج، حدیث: (۱۲۷۷) الترمذی، التفسیر، حدیث: (۲۹۶۹)، ابو داؤد، الحج، حدیث: (۱۹۰۱)، وغیرہم۔

(۲) صحیح البخاری، حدیث: (۷۲۹) مسلم، الحج، حدیث: (۱۳۱۱)۔

”بے شک تمہارے خون اور تمہارے اموال تم پر حرام ہیں، جیسے تمہارا آج کا دن حرام ہے، تمہارے اس حرام مہینہ میں، تمہارے اس شہر میں۔ آگاہ رہو کہ عہدِ جاہلیت کی ہر چیز اور ہر بات میرے دونوں قدموں کے نیچے ہے۔ اور زمانہ جاہلیت کے تمام خون بے کار اور ضائع کر دیئے گئے، اور میں اپنے خون میں سے ابنِ ربیعہ بن حارث کے خون کو ضائع اور بے کار بناتا ہوں (جسے بنی سعد میں دودھ پینے کے زمانہ میں ہڈیل قبیلہ کے لوگوں نے قتل کر دیا تھا) اور عہدِ جاہلیت کے سود کو ضائع بناتا ہوں، اس سلسلہ کا پہلا سود عباس بن مطلب کا سود ہے، اسے بھی میں ضائع قرار دیتا ہوں۔“

مسلمانو! تم لوگ اپنی عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، تم نے انہیں اللہ سے کئے گئے عہد کے مطابق لیا ہے، اور اللہ کے کلمہ کے ذریعہ اُن کی شرمگاہوں کو اپنے لئے حلال بنایا ہے۔ اور تمہارا اُن پر حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر کسی ایسے کونہ آنے دیں جن کو تم نہیں چاہتے ہو، اور اگر وہ ایسا کرتی ہیں تو ان کو مارو، ایسی مار جس سے اُن کے بدن نہ پھوٹیں، اور تم پر اعتدال کے ساتھ ان کا نان و نفقہ اور ان کا لباس ہے۔ اور میں تمہارے لئے ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں جسے اگر تم مضبوطی کے ساتھ تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، یعنی اللہ کی کتاب۔ اور تم لوگوں سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا، تو تم کیا کہو گے؟ صحابہ کرام نے کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اللہ کا پیغام پہنچادیا، اس کام کا حق ادا کر دیا، اور امت کی پوری خیر خواہی کی۔ تو آپ ﷺ نے اپنی شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور پھر اسے نیچے گرا کر لوگوں کی طرف اشارہ کر کے کہا: میرے اللہ تو گواہ رہ میرے اللہ تو گواہ رہ، تین بار کہا۔ اور آپ ﷺ نے حکم دیا کہ حاضرین دیگر غائب مسلمانوں کو ان باتوں کی خبر کر دیں۔

جب آپ ﷺ خطبہ سے فارغ ہوئے تو بلال کو اذان دینے کا حکم دیا، انہوں نے اذان دی اور اقامت کہی، آپ ﷺ نے ظہر اور عصر کی نمازیں ایک ساتھ پڑھیں، اور اُن دونوں کے درمیان کوئی نماز نہیں پڑھی۔ پھر آپ ﷺ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر وقف کی جگہ آئے، اور اپنی اونٹنی کا پیٹ جبلِ رحمت کے نیچے چٹانوں کی طرف اور جبلِ مشاء (پیدل چلنے والوں کی پہاڑی) کو اپنے آگے کیا اور قبلہ کی طرف رخ کر کے نشیبی زمین میں کھڑے ہو گئے، اور فرمایا: بطنِ عمرہ کے سوا پورا عرفہ وقف کی جگہ ہے، اور لوگوں میں اعلان کروادیا کہ وہ سب بھی عرفہ میں وقف کریں۔

اسی حالتِ وقف میں آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی، اور اسلام کو بحیثیتِ دین تمہارے لئے پسند کر لیا) [المائدہ: ۳] عرفہ میں اُس وقت آپ کے ساتھ

ایک لاکھ چودہ ہزار مسلمان موجود تھے، بعض نے اس سے زیادہ تعداد بتائی ہے، یعنی ایک لاکھ بیس ہزار۔ آپ ﷺ اپنی اونٹنی پر میدانِ عرفہ میں رہے یہاں تک کہ اُس دن کا آفتاب غروب ہو گیا، آپ ﷺ نے اپنے پیچھے اُسامہ بن زید کو بیٹھا رکھا تھا۔ آپ ﷺ وہاں سے واپس آنے کے لئے چل پڑے، اور اپنی اونٹنی کی لگام اس طرح کھینچ رہے تھے کہ اُس کا سر کجاوہ کے کنارہ کو پُھو رہا تھا۔ اور اپنے دائیں ہاتھ سے اشارہ کر کے کہہ رہے تھے: لوگو! پُرسکون رہو، پُرسکون چلو، یہاں تک کہ آپ ﷺ مزدلفہ پہنچ گئے، وہاں آپ ﷺ نے مغرب اور عشاء کی نماز ایک اذان اور دو اقامت سے پڑھی، اور دونوں کے درمیان کوئی تسبیح نہیں پڑھی، پھر لیٹ گئے اور وہیں رات گزاری۔

جب صبح کا وقت قریب ہوا تو آپ ﷺ نے کمزوروں یعنی بچوں اور عورتوں کو اجازت دے دی کہ وہ لوگوں کی بھیڑ سے پہلے منیٰ پہنچ جائیں۔ لیکن آپ نے ان سے کہا کہ آفتاب نکلنے سے پہلے کنکری نہ ماریں۔ جب فجر کے آثار نمایاں ہوئے اور صبح ہو گئی تو آپ ﷺ نے اول وقت میں لوگوں کو فجر کی نماز پڑھائی، وہ دن عید کا دن، قربانی کا دن، حج اکبر کا دن، اور ہر مشرک سے اللہ اور اُس کے رسول کی جانب سے اعلانِ براءت کا دن تھا۔

آپ ﷺ قسواءِ اونٹنی پر سوار ہوئے، مشعر حرام کے پاس آئے، قبلہ کی طرف رخ کیا، اور دعا، خشوع و خضوع، تکبیر و تہلیل اور ذکرِ الہی میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ خوب اُجالا ہو گیا، تو طلوعِ آفتاب سے پہلے ہی منیٰ کے لئے روانہ ہو گئے، اور اپنے پیچھے فضل بن عباس کو بیٹھالیا، آپ ﷺ مسلسل تلبیہ پکارتے رہے۔ اور اُسامہ بن زید پیدل چل پڑے۔ رسول اللہ ﷺ نے راستہ میں ابن عباس کو حکم دیا کہ وہ آپ کے لئے سات کنکریاں چُن لیں۔ جب آپ ﷺ وادیِ مُحَرَّر پہنچے تو اپنی اونٹنی کو مہینز لگائی اور تیزی میں آگے بڑھ گئے، اور درمیانی راستہ سے چل کر جمرہ کبریٰ تک پہنچ گئے جسے جمرہ عقبہ کہا جاتا ہے۔ وہاں آپ وادی کے نچلے حصہ میں کھڑے ہوئے، اور منیٰ کو اپنے دائیں طرف اور بیت اللہ کو اپنے بائیں طرف کیا، اور سواری پر بیٹھ کر ہی جمرہ کی طرف رُخ کر کے طلوعِ آفتاب کے بعد کنکریاں ماریں، یکے بعد دیگرے، اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے تھے کنکری مارنے سے پہلے آپ ﷺ نے تلبیہ پکارنا بند کر دیا تھا۔ اُس وقت بلال و اُسامہ بھی آپ کے ساتھ تھے، ایک نے اونٹنی کی مہار پکڑ رکھی تھی اور دوسرے نے آپ کے سر پر کپڑا سے سایہ کر رکھا تھا^(۱)۔

کنکری مارنے کے بعد آپ منیٰ واپس آ گئے، اور لوگوں کے سامنے نہایت بلیغ خطبہ دیا جس میں آپ ﷺ

نے قربانی کے دن کی حرمت، اللہ کے نزدیک اس کی فضیلت اور مکہ کی تمام دنیا پر فضیلت کو بیان فرمایا، اور صحابہ کرام کو اس سردار کی طاعت و فرمانبرداری کا حکم دیا جو کتاب اللہ (قرآن کریم) کے مطابق اُن کی قیادت کرے۔ نیز آپ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ آپ ﷺ سے حج کے مناسک سیکھ لیں اور فرمایا: شاید میں اس سال کے بعد حج نہ کر سکوں^(۱)۔

آپ ﷺ نے مسلمانوں کو حج کے مناسک سکھائے، مہاجرین و انصار کے مقام کی وضاحت فرمائی، اور مسلمانوں کو نصیحت فرمائی کہ ایسا نہ ہو کہ وہ آپ ﷺ کے بعد کفر کی راہ اختیار کر لیں اور ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگیں، اور آپ ﷺ نے سب کو حکم دیا کہ وہ ان باتوں کی تبلیغ دوسروں کو بھی کر دیں، اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ بسا اوقات جسے خبر پہنچائی جاتی ہے وہ اُس آدمی سے زیادہ خبر کو یاد کر لیتا ہے جو ڈائریکٹ متکلم سے سُنے ہوتا ہے^(۲)۔ اس کے بعد آپ منیٰ کی قربان گاہ میں تشریف لے گئے اور اپنے ہاتھ سے ترسٹھ (۶۳) اونٹوں کی قربانی کی۔ پھر آپ ﷺ نے پھر علی رضی اللہ عنہ کو دے دی تو انہوں نے باقی اونٹ ذبح کئے جنہیں یا تو وہ یمن سے لے کر آئے تھے، یا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ سے آئے تھے۔ گل اونٹ سو (۱۰۰) تھے۔ آپ ﷺ نے پھر اپنے سر منڈوائے، اپنی مونچھ اور دونوں رخساروں کے بال ٹھیک کروائے اور اپنے ناخن تراشے، صحابہ کرام میں سے کچھ لوگوں نے اپنے بال قینچی سے کٹوائے اور کچھ نے اُسترا سے منڈوائے۔ آپ ﷺ نے دو خوبصورت مینڈھوں کی بھی قربانی کی، اور امہات المؤمنین کی طرف سے گائے ذبح کروائے، اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو خوشبو لگایا، اور آپ ﷺ نے قمیص پہن لی، اور آپ ﷺ کے منادی نے اعلان کیا: منیٰ کے یہ دن کھانے پینے اور اللہ کو یاد کرنے کے دن ہیں۔ قربانی کرنے کے بعد آپ ﷺ ظہر سے پہلے مکہ کی طرف روانہ ہو گئے، وہاں پہنچ کر طوافِ افاضہ کیا، اور اس کے سوا کوئی دوسرا طواف نہیں کیا، ظہر کی نماز آپ ﷺ نے مکہ میں ادا کی، پھر بنی عبدالمطلب کے پاس آئے جو لوگوں کو زمزم پلا رہے تھے، آپ ﷺ نے اُن سے کہا: اے بنی عبدالمطلب! خوب بھر بھر کر ڈول کھینچو، اگر مجھے ڈرنہ ہو تاکہ لوگ تم سے تمہارا یہ شرف چھین لیں گے تو میں بھی تمہارے ساتھ ڈول کھینچتا۔ انہوں نے آپ کو ایک ڈول پانی دیا، آپ ﷺ نے اس سے پیا، پھر اُسی دن آپ ﷺ منیٰ واپس چلے گئے۔ آپ ﷺ نے اُس دن لوگوں کے سامنے خطبہ دیا بعض کی رائے ہے کہ آپ ﷺ نے قربانی کے دوسرے

(۱) دیکھئے صحیح مسلم، حدیث: (۱۲۹۷)، زاد المعاد: (۲۱۰/۲)۔

(۲) صحیح البخاری، کتاب الحج، حدیث: (۷۰۷۷، ۷۰۷۸، ۷۰۷۹)، مسلم، القسامہ، حدیث: (۱۶۷۹)۔

دن خطبہ دیا، اور گزشتہ کل کے خطبہ کا اعادہ کیا، اور لوگوں کو حج کے مناسک سکھنے کا حکم دیا اور اُن کو نصیحتیں فرمائیں، اور کہا: شاید میں اس سال کے بعد حج نہ کر سکوں، اور شاید تم لوگ مجھے اس سال کے بعد نہ دیکھ سکو گے۔

چونکہ نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو الوداع کہا تھا سی لئے اس حج کے چٹے الوداع، چٹے الاسلام اور چٹے البلاغ نام پڑ گئے، آپ ﷺ نے اُس دن کا باقی حصہ اور ایام تشریق (گیارہ، بارہ اور تیرہ) اور تینوں راتیں وہیں گزاری، اور ہر دن زوال کے بعد تینوں جمرات کو کنکری مارتے رہے، پہلے اُس جمرہ کو جو مسجد خیف کے قریب ہے، پھر درمیان والے کو، اور ان دونوں کے پاس دیر تک کھڑے ہو کر دعا کرتے اور اللہ کے حضور گریہ و زاری کرتے، البتہ جمرۃ العقبہ کو کنکری مارتے اور اُس کے پاس نہیں ٹھہرتے تھے۔

ایام تشریق کے تیسرے دن (منگل کے دن) جب آفتاب ڈھل گیا تو آپ ﷺ منیٰ سے واپس چل پڑے، اور مقام مُحَصَّب میں (جسے اُطح بھی کہتے ہیں) رُک گئے وہاں آپ ﷺ کے لئے آپ کے آزاد کردہ ابورافع نے ایک خیمہ لگا رکھا تھا^(۱)۔

آپ ﷺ جب مُحَصَّب میں تھے تو عبدالرحمن بن ابوبکر کو بلوایا اور کہا: اپنی بہن عائشہ کو حرم کے باہر لے جاؤ تاکہ وہاں سے عمرہ کا احرام باندھ کر مسجد حرام آئے اور بیت اللہ کا طواف کرے۔ میں تم دونوں کا یہاں انتظار کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ وہاں آرام کرتے رہے یہاں تک کہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے عمرہ سے فارغ ہو کر آئیں، تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو روڈ لگا دی، اور کہا کہ کوئی بیت اللہ کا طواف کرنے سے پہلے واپس نہ ہو جائے، آپ ﷺ نے صرف اُس حائضہ عورت کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا جس نے قربانی کے دن طواف افاضہ کر لیا تھا^(۲)۔

آپ ﷺ صبح سویرے مکہ میں داخل ہوئے، طواف وداع کیا، اور اس میں تیز نہیں چلے۔ آپ ﷺ کو صفیہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ انہیں ماہواری آگئی ہے، تو آپ (ﷺ) نے کہا: کیا اس کی وجہ سے ہمیں رُکنا پڑے گا۔ لوگوں نے آپ کو بتایا کہ انہوں نے طواف افاضہ کر لیا تھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: پھر اُسے چلنے کی اجازت ہے (یعنی بغیر طواف وداع کے)^(۳)۔

آپ ﷺ مدینہ کے لئے روانہ ہوئے، جب ذوالحلیفہ پہنچے تو آپ ﷺ نے وہاں رات گزاری، اور جب

(۱) صحیح البخاری، اربع، حدیث: (۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸) صحیح مسلم، اربع، حدیث: (۱۳۱۲)، الترمذی، اربع، حدیث: (۹۲۲) وغیرہم۔

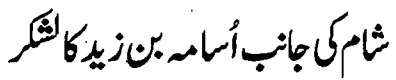
(۲) البخاری، اربع، باب طواف الوداع، حدیث: (۱۷۵۵)، مسلم، اربع، حدیث: (۱۳۲۸، ۱۳۲۹)، ابوداؤد، المناسک، حدیث: (۲۰۰۲) وغیرہم۔

(۳) صحیح البخاری، اربع، حدیث: (۱۷۵۷)، صحیح مسلم، اربع، حدیث: (۱۳۱۱)۔

آپ کی نظر مدینہ پر پڑی تو تین بار اللہ اکبر کہا، اور مندرجہ ذیل دعا پڑھی: "لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك، وله الحمد، وهو على كل شيء قدير. آئبون تائبون عابدون ساجدون، لرَبنا حامدون". اور فرمایا: اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندہ کی نصرت فرمائی، اور تنہا تمام دشمنوں کو شکست دی۔
آپ ﷺ بایس یا تیس ذی الحجہ کو مدینہ واپس پہنچ گئے۔^(۱)



(۱) دیکھئے مزید تفصیل کے لئے زاد المعاد: ۲/۸۴-۲۴۲، صحیح البخاری اور صحیح مسلم، کتاب الحج اور حدیث کی دیگر کتابیں نیز اتحاد الوری:



اسامہ بن زید کا لشکر

ابن سید الناس اور دیگر مؤلفین سیرت نبویہ نے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے چھبیس صفر سن ۱۱ ہجری سوموار کے دن صحابہ کرام کو رومیوں کے خلاف جنگ کرنے کے لئے تیاری کا حکم دیا، اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا: تم اپنے باپ کے مقتل کے پاس جاؤ، اور وہاں کے لوگوں کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند دو، میں نے تمہیں اس لشکر کا امیر بنادیا ہے۔ صبح کے وقت اہل اُسنی پر حملہ کرو، ان کے گھروں کو جلا دو، اور تیز چلو تاکہ تمہاری خبر پہنچنے سے پہلے تم وہاں پہنچ جاؤ۔ اور جب اللہ تمہیں فتحیاب بنادے تو وہاں زیادہ دیر نہ رکو، اور اپنے ساتھ رہنماؤں کو بھی لے لو، اور اپنے جاسوسوں اور اگلے دستوں کو اپنے آگے رکھو^(۱)۔

مجاہدین تیار ہو گئے، اُن میں مہاجرین و انصار سبھی تھے، اور اُن میں ابو بکر و عمر بھی تھے۔ اُس وقت اسامہ کی عمر اٹھارہ (۱۸) سال تھی۔ یہ آخری فوج تھی جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں روانہ فرمایا تھا۔ بعض صحابہ نے اسامہ کو امیر بنانے پر اعتراض کیا اس لئے کہ وہ کم عمر اور آزاد کردہ تھے، اور بڑے بڑے مہاجرین و انصار اُن کے مامور بن گئے تھے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کی امارت پر اعتراض کو گوارہ نہیں کیا اور اُن کے ساتھ اچھے معاملہ اور برتاؤ کی نصیحت کی۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے، آپ ﷺ نے کہا: میں تم لوگوں کو اسامہ کے ساتھ اچھے معاملہ کی نصیحت کرتا ہوں، وہ تمہارے نیک جوانوں میں سے ہے۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر بھیجنا چاہا، اور اس کا امیر اسامہ بن زید کو بنادیا، تو لوگوں نے ان کی امارت کے بارے میں چہ میگوئیاں شروع کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو کھڑے ہوئے اور فرمایا: اگر آج تم لوگ اسامہ کی امارت پر کلام کر رہے ہو تو اس سے پہلے تم اس کے باپ کی امارت پر بھی کلام کر چکے ہو۔ اللہ کی قسم! اسامہ کا باپ (زید) امارت کا مستحق تھا، اور لوگوں میں سب سے زیادہ میرا محبوب تھا، اور اُس کے بعد یہ لوگوں میں سب سے زیادہ میرے نزدیک محبوب ہے^(۲)۔

اس لشکر کی روانگی رسول اللہ ﷺ کی بیماری کے سبب تیاری شروع ہونے کے دو ہی دن بعد رک گئی۔ اسامہ اس جھنڈے کو لے کر جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے باندھا تھا، نکل پڑے اور مقام جوف میں پڑاؤ ڈال

(۱) عیون الاثر: ۲/۳۵۰، السیرۃ لابن کثیر: ۴/۴۴۰۔

(۲) صحیح البخاری، فضائل الصحابہ، مناقب زید ابن حارثہ، حدیث: (۳۷۳۰)، المغازی، غزوہ زید ابن حارثہ، حدیث: (۴۲۴۰)، صحیح مسلم،

فضائل الصحابہ، حدیث: (۲۴۲۶) وغیرہا۔

دیا۔ واقدی نے لکھا ہے کہ اس لشکر کی تعداد تین ہزار تھی، اور ایک ہزار گھوڑے تھے (۱)۔

نبی کریم ﷺ جب سو موار کے دن بارہ ربیع الاول کو وفات پا گئے تو جو مسلمان جوف میں پڑاؤ ڈالے حالات کا انتظار کر رہے تھے، وہ مدینہ واپس آ گئے۔ اور جب مسلمانوں نے ابوبکر کے ہاتھوں پر بیعت کر لی، اور عربوں میں آپ کی وفات کی خبر پھیل گئی، اور کچھ لوگ مرتد ہو گئے، تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسامہ سے کہا: تم اُس ہم کے لئے اب روانہ ہو جاؤ جس کے لئے رسول اللہ ﷺ نے تمہیں امیر بنایا تھا، چنانچہ لوگ دوبارہ نکل کر جوف میں پہنچ گئے، لیکن کبار مہاجرین نے ابوبکر سے کہا کہ فی الحال اہل روم سے جنگ کو مؤخر کر دیں، اس لئے کہ کوئی بعید بات نہیں کہ مسلمانوں کے دشمن اہل مدینہ پر حملہ کر دیں، اور بچوں اور عورتوں کو نقصان پہنچائیں۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُن کی ایک نہ سنی اور لشکرِ اسامہ کی روانگی پر مُصر رہے اور کہا: اُس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر مجھے اِس کا گمان بھی ہو جاتا کہ درندے مدینہ میں داخل ہو کر مجھے کھا جائیں گے تب بھی میں اِس فوج کو ضرور بھیجتا۔ ابوبکر نے فوج کو روانہ کیا، اور اسامہ کی اجازت سے عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس مدینہ میں رکھا۔ اور اسامہ اور مجاہدین صحابہ کو رخصت کرنے کے لئے باہر نکلے اور ایک گھنٹہ تک اسامہ کے ساتھ چلتے رہے، پھر کہا: میں اللہ کے حوالے کرتا ہوں تمہارے دین کو، تمہاری امانت کو اور تمہارے آخری اعمالِ صالحہ کو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا تھا وہ تمہیں نصیحت فرما رہے تھے۔ تم رسول اللہ ﷺ کے حکم کو نافذ کرنے کے لئے روانہ ہو جاؤ، میں نہ تمہیں حکم دیتا ہوں اور نہ ہی روکتا ہوں، میں تو ایک ایسے حکم کو نافذ کر رہا ہوں جو رسول اللہ ﷺ کی جانب سے صادر ہوا تھا۔

اسامہ مقامِ ابنی پر پہنچے، وہاں کے لوگوں پر حملہ کر دیا، اور جو بھی اُن کے قریب ہوا اسے قتل کر دیا، اور بہتوں کو قیدی بنا لیا، اور اُن کے گھروں، کھیتوں اور بھجوروں کے باغات میں آگ لگا دی، اور اپنے گھوڑوں پر اُن کے میدانوں میں آزادانہ چلتے پھرتے رہے، پھر مدینہ واپس آ گئے۔ اس فوجی کارروائی میں کوئی مسلمان مجاہد مارا نہیں گیا۔ اور ان کی واپسی کے وقت ابوبکر اور دیگر مسلمان اسامہ اور ان کی فوج کے استقبال کے لئے مدینہ سے باہر نکل کر گئے اِس خوشی میں کہ اسامہ اور ان کے ساتھی مجاہدین بسلامت واپس آ گئے ہیں (۲)۔

اس جنگی کارروائی کے ذریعہ اسلامی فوج نے رومیوں کے دلوں میں رعب بیٹھا دیا اور اُن عربوں کا اعتقاد

(۱) مغازی الواقدی: ۱۱۹/۳-۱۱۲۴، السیرۃ لابن کثیر: ۴/۳۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲۔

(۲) مغازی الواقدی: ۱۱۹/۳-۱۱۲۴، السیرۃ لابن کثیر: ۴/۳۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲۔

بحال کر دیا جو اہل روم کے حدود پر رہتے تھے، اس لئے کہ رومیوں نے فروہ بن عمر جذامی کو قتل کر کے مسلمانوں میں خوف و ہراس پھیلا دیا تھا، جو معان اور اس کے ارد گرد کے شامی علاقوں پر اہل روم کی جانب سے جاکم تھے، اور مسلمان ہو گئے تھے، تو رومیوں نے انہیں پہلے جیل میں ڈال دیا، پھر قتل کر کے سولی پڑھا دیا تاکہ دوسرے عرب اُن کی پیروی کرتے ہوئے مسلمان نہ ہوں۔ اسامہ رضی اللہ عنہ کی فوج نے رومی گرجا کی ہیبت کا خاتمہ کر دیا اور اسلام و مسلمانوں کی ہیبت رومیوں کے دل و دماغ میں ہمیشہ کے لئے بیٹھا دی۔ وبالله التوفیق۔

رسول اللہ ﷺ کی بیماری اور وفات

بیماری کی ابتدا:

محمد بن اسحاق لکھتے ہیں: نبی کریم ﷺ ماہ ذی الحجہ میں حج سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ لوٹ آئے، اور ذی الحجہ کے باقی ایام اور ماہ محرم و صفر میں مدینہ میں ہی رہائش پذیر رہے۔ اور اپنی زندگی کے آخری دنوں میں اسامہ بن زید کو فوج کشی کے لئے روانہ کیا۔ مسلمانانِ مدینہ انہی حالات سے گزر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی بیماری شروع ہو گئی جس میں اللہ نے آپ ﷺ کو اپنے جوارِ رحمت میں بلالیا۔ آپ ﷺ کی وفات کے وقت ماہ صفر کے چند دن باقی تھے، یا ماہ ربیع الاول کے ابتدائی ایام تھے۔ جیسا کہ مجھے بتایا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ ایک رات بقیع غرقہ کے قبرستان میں گئے، مدفونین کے لئے دعائے مغفرت کی، پھر گھر واپس آ گئے۔ اور صبح کے وقت آپ کی بیماری کی ابتدا ہو گئی^(۱)۔

آپ ﷺ کی یہ بیماری ۲۹ صفر سن ۱۱ ہجری کو شروع ہوئی، تب سے گیارہ دن تک آپ ﷺ نے لوگوں کو بیماری کی حالت میں ہی نماز پڑھائی۔ بیماری کے ایام تیرہ یا چودہ دن تھے۔

آپ ﷺ نے آخرت کی نعمتوں کو پسند فرمالیا:

نبی کریم ﷺ پر اللہ کی طرف سے جو ذمہ داری ڈالی گئی تھی اُسے پورا کر لینے کے بعد ایک بار آپ ﷺ منبر پر بیٹھے اور فرمایا: (جیسا کہ بخاری و مسلم نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے) اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندہ کو اختیار دیا کہ یا تو اللہ اسے دنیا کی اُن نعمتوں سے نواز دے جو وہ چاہے، یا اللہ کے پاس جو ابدی نعمتیں ہیں انہیں وہ بندہ اختیار کر لے۔ تو اس بندہ نے اللہ کے پاس کی نعمتوں کو اختیار کر لیا ہے۔ یہ سن کر ابو بکر رونے لگے، اور آپ ﷺ سے کہنے لگے: ہمارے باپ اور مائیں آپ پر فدا ہوں۔ ہم لوگوں کو تعجب ہوا، اور لوگ کہنے لگے: اس بوڑھے کو دیکھو، رسول اللہ ﷺ ایک بندہ کی خبر دے رہے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت کی نعمتوں کے درمیان اختیار دیا ہے، اور یہ کہہ رہا ہے: ہمارے باپ اور مائیں آپ پر فدا ہوں۔ بالآخر ہمیں معلوم ہوا کہ جنہیں اختیار دیا گیا تھا وہ رسول اللہ ﷺ ہی تھے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے باخبر تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: لوگوں میں سب سے زیادہ مجھ پر صحبت و مال کے ذریعہ احسان ابو بکر کا ہے، اگر میں اپنی امت

میں سے کسی کو اپنا خلیل بنانا تو ابوبکر کو بنانا، البتہ ان کے ساتھ میری اخوت اسلام کی بنیاد پر ہے۔ میری مسجد میں ابوبکر کے حجرہ کے سوا کسی کا حجرہ باقی نہ رہے^(۱)۔

زندوں اور مردوں کو الوداع کہا:

عقبة بن عامر نجفی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شہدائے احد پر آٹھ سال کے بعد جنازہ کی نماز اس طرح پڑھی کہ جیسے آپ زندوں اور مردوں کو الوداع کہہ رہے ہوں۔ پھر آپ ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا: لوگو! میں تم سے پہلے دنیا سے جا رہا ہوں، اور میں تم لوگوں کے لئے گواہی دوں گا، اور میرے ساتھ تمہارے ملنے کی جگہ ”حوض“ ہے، اور میں اُس حوض کو اس وقت بھی اپنی اس جگہ سے دیکھ رہا ہوں، اور میں تمہارے بارے میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تم حصولِ دنیا کے لئے ایک دوسرے سے حسد کرو گے، عقبة کہتے ہیں: میں نے اُس دن آپ ﷺ کو آخری بار دیکھا^(۲)۔

آخری ایامِ عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس:

آپ ﷺ بیماری کے پہلے دن میمونہ کے گھر میں تھے، پھر آپ ﷺ نے اپنی بیگمات سے اجازت مانگی کہ وہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں چلے جائیں، تو سب نے اجازت دے دی، جب وہاں سے نکلے تو آپ کا ایک ہاتھ فضل بن عباس کے کندھے پر اور دوسرا ایک دوسرے کے کندھے پر تھا، اور آپ ﷺ کے دونوں پاؤں زمین پر گھسٹ رہے تھے۔ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ نے ذکر کیا ہے کہ دوسرے آدمی علی رضی اللہ عنہ تھے^(۳)۔

بیماری کی حالت میں اکثر آپ ﷺ کے سر میں درد ہوتا تھا، اس کے باوجود آپ اپنی بیگمات کے پاس باری باری جاتے تھے، لیکن ایسا کرنے سے آپ تھک گئے، تو آپ ﷺ نے امہات المؤمنین سے عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں منتقل ہو جانے کی اجازت چاہی، سب نے اجازت دے دی، وہاں جانے کے بعد آپ کا دردِ عالم بڑھ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: مجھ پر سات ایسے گھڑوں کے پانی بہاؤ جن کے ڈھکن کھولنے نہ گئے ہوں، امید ہے کہ ایسا کرنے سے میں لوگوں کے پاس جانے کے قابل ہو جاؤں گا۔ امہات المؤمنین نے آپ ﷺ کو حفصہ کے ایک بڑے ٹب میں بیٹھا دیا، اور اُن گھڑوں کا پانی آپ ﷺ پر اُنڈیلنے لگیں، یہاں تک کہ آپ اپنے ہاتھ سے اشارہ کرنے لگے

(۱) صحیح البخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ہجرة النبی، حدیث: (۳۹۰۴)، مسلم، حدیث: (۲۳۸۲)۔

(۲) البخاری، الجنائز، حدیث: (۱۳۴۴)، المغازی، حدیث: (۴۰۸۵)، مسلم، الفضائل، حدیث: (۲۲۹۶)، وغیرہا۔

(۳) البخاری، المغازی، باب مرض النبی ﷺ، حدیث: (۴۴۴۲)، مسلم، الصلاة، حدیث: (۴۱۸۹)، مسند احمد: ۱۱/۷۶۔

کہ بس کرو۔ پھر آپ ﷺ نکل کر لوگوں کے پاس گئے، نماز پڑھائی اور خطبہ دیا^(۱)۔

مرض کی شدت:

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کسی آدمی کو تکلیف کی حالت میں نہیں دیکھا^(۲)۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو آپ کراہ رہے تھے، میں نے اپنے ہاتھ سے اُن کو چھوا اور کہا: اے اللہ کے رسول! آپ تو شدید کرب میں ہیں۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا: ہاں، مجھے تم میں سے دو آدمی کے برابر تکلیف ہوتی ہے۔

نماز میں ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی امامت:

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: جب رسول اللہ ﷺ شدتِ مرض سے بوجھل ہو گئے، تو ایک دن پوچھا: کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے کہا: لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا: میرے لئے ایک ٹب میں پانی رکھ دو۔ ہم نے ایسا ہی کیا، اور آپ نے غسل کر لیا، اور مشکل سے اٹھنا چاہا، تو بے ہوش ہو گئے، آپ کو ہوش آیا تو پوچھا: کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے کہا: نہیں، سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ نے کہا: ایک ٹب میں میرے لئے پانی رکھ دو۔ آپ بیٹھ گئے اور غسل فرمایا، اور مشکل سے اٹھنا چاہا، تو آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی، جب ہوش آیا تو پوچھا: کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے کہا: نہیں، سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ (لوگ مسجد میں بیٹھے عشاء کی نماز کے لئے آپ کا انتظار کر رہے تھے) بالآخر رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر کو خبر بھیجی کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھادیں۔ قاصد نے آکر ان کو خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ آپ کو حکم دیتے ہیں کہ لوگوں کو نماز پڑھا دیجئے۔ ابوبکر نے کہا (جو ایک نرم دل آدمی تھے): اے عمر! آپ لوگوں کو نماز پڑھا دیجئے۔ عمر نے کہا: آپ زیادہ حقدار ہیں۔ چنانچہ اُن دنوں ابوبکر لوگوں کی امامت کرتے رہے۔ کچھ دنوں کے بعد رسول اللہ نے کچھ افاقہ محسوس کیا، تو دو آدمی کے سہارے نمازِ ظہر کے لئے باہر نکلے، اُن میں سے ایک عباس تھے، اُس وقت ابوبکر لوگوں کی امامت کر رہے تھے۔ ابوبکر نے آپ کو دیکھ کر پیچھے ہٹنا چاہا، تو آپ ﷺ نے ان کو اشارے سے روکا۔ آپ ﷺ نے دونوں سے کہا: مجھے ان کے بغل میں بیٹھا دو۔ دونوں نے آپ کو ابوبکر کے بغل میں بیٹھا دیا۔ ابوبکر نبی کریم ﷺ کی اقتداء

(۱) البخاری، الوضوء، حدیث: (۱۹۸)، المغازی، حدیث: (۴۴۴۲)، مسلم، الصلاة، حدیث: (۹۲) وغیرہا۔

(۲) البخاری، باب شدة المرض، حدیث: (۵۶۳۶)، مسلم، البر والصلة، حدیث: (۲۵۷۰) وغیرہا۔

میں نماز پڑھنے لگے، اور لوگ ابوبکر کی نماز کی پیروی کرنے لگے۔ نبی کریم ﷺ بیٹھے ہوئے تھے^(۱)۔
انصار مسجد میں روتے رہے:

ابن سعد نے ابن عباس سے روایت کی ہے: نبی کریم ﷺ کو خبر دی گئی کہ انصارِ مدینہ، عورتیں اور مرد سبھی مسجد میں آپ کے لئے رورہے ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: وہ لوگ کیوں رورہے ہیں؟ صحابہ نے کہا: انہیں ڈر ہے کہ آپ وفات پا جائیں گے۔ یہ سُن کر رسول اللہ ﷺ ہلکا حاف اوڑھے اور سر پر پٹی باندھے باہر نکلے اور منبر پر بیٹھ کر اللہ کی حمد و ثنایاں کی پھر فرمایا: لوگو! دوسرے لوگ زیادہ ہوں گے اور انصار کم ہوتے جائیں گے، یہاں تک کہ اُن کی حیثیت کھانے میں نمک کی ہو جائے گی، پس جو لوگ ان کے اوپر حاکم بنیں اُن کے اچھوں کا خیال رکھیں اور اُن میں سے غلطی کرنے والوں کو درگزر کر دیں، یہ آخری مجلس تھی جس میں آپ ﷺ صحابہ کے ساتھ بیٹھے، یہاں تک کہ آپ وفات پا گئے^(۲)۔

موت کی سختیاں:

اُمّ المؤمنین عائشہ کہا کرتی تھیں: مجھ پر اللہ کے انعامات میں سے یہ بھی ایک انعام ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے گھر میں وفات پائی، اور میری باری کے دن، اور میرے گلے اور میرے سینے کے درمیان، اور موت کے وقت اللہ نے میرے اور اُن کے تھوک کو جمع کر دیا۔ عبد الرحمن (میرے بھائی) میرے پاس آئے، اُن کے ہاتھ میں مسواک تھی، اور میں رسول اللہ ﷺ کو سہارا دیے ہوئی تھی، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ مسواک کی طرف دیکھ رہے ہیں، میں سمجھ گئی کہ ان کو مسواک چاہئے، میں نے پوچھا: اسے آپ کے لئے لے لوں؟ آپ ﷺ نے اپنے سر سے اشارہ کیا کہ ہاں۔ میں نے اُسے آپ کو دیا تو آپ کے لئے وہ سخت تھا۔ میں نے پوچھا: اسے نرم بنا دوں؟ آپ ﷺ نے سر سے اشارہ کیا کہ ہاں۔ میں نے اسے نرم بنا دیا۔ آپ ﷺ نے اسے اپنے منہ میں گھمایا، آپ کے سامنے ایک برتن میں پانی رکھا تھا، آپ اپنے دونوں ہاتھ اس میں ڈال کر انہیں اپنے چہرہ پر پھیرتے تھے اور کہتے تھے: لا الہ الا اللہ، بے شک موت کی سختیاں ہوتی ہیں، آپ نے پھر اپنا ہاتھ اٹھایا اور کہنے لگے: اے اللہ! رفیقِ اعلیٰ کی طرف بلا لے، یہاں تک کہ آپ ﷺ وفات پا گئے، اور آپ کا دستِ مبارک جھک گیا^(۳)۔

(۱) البخاری، الأذان، حدیث: (۶۸۷)، مسلم، الصلاة، حدیث: (۹۰۳۱۸) وغیرہا۔

(۲) طبقات ابن سعد: ۲/۳۵۲۔

(۳) البخاری، باب مرض النبی ﷺ، حدیث: (۴۴۴۹)، مسلم، حدیث: (۲۴۴۳)۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کا جسم مرض کے زیر اثر بوجھل ہو گیا تو آپ پر بے ہوشی طاری ہونے لگی، فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہائے! میرے ابا کی تکلیف، تو آپ ﷺ نے فرمایا: آج کے بعد تمہارے باپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ اور جب آپ ﷺ وفات پا گئے تو فاطمہ نے کہا: ہائے! میرے ابا نے اپنے رب کے بلاوے کو قبول کر لیا، ہائے! میرے ابا کا ٹھکانا جنت الفردوس ہوگا، ہائے! میں اپنے ابا کی موت کی تعزیت جبریل سے کرتی ہوں۔ اور جب آپ ﷺ دفن کر دیئے گئے تو فاطمہ نے کہا: اے انس! کیا تمہاری رگوں نے گوارہ کر لیا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے جسم مبارک پر مٹی ڈالو؟^(۱)



(۱) البخاری، المغازی، حدیث: (۴۳۶۲)، الترمذی، الشمال، حدیث: (۳۷۹)، النسائی، المساجد: ۱۳-۱۴ وغیرہم۔

وفات سے پہلے آپ ﷺ کی بعض وصیتیں

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیماری کے دنوں میں صحابہ کرام کو بعض مفید نصیحتیں کیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱- رکوع و سجود میں تلاوت قرآن کی ممانعت:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے پردہ ہٹایا تو دیکھا کہ صحابہ کرام ابو بکر کے پیچھے نماز کے لئے صفیں بنائے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لوگو! نبوت کی خوشخبری دینے والی باتوں میں سے صرف اچھے خواب باقی رہ گئے ہیں جنہیں مسلمان دیکھتا ہے، یا کوئی دوسرا مسلمان اس کے بارے میں دیکھتا ہے۔ آگاہ رہو کہ مجھے رکوع و سجود میں قرآن پڑھنے سے روک دیا گیا ہے۔ رکوع میں اپنے رب کی عظمت بیان کرو، اور سجدہ میں خوب دعا کرو، سجدہ میں دعا کی قبولیت کی زیادہ امید ہوتی ہے^(۱)۔

۲- نماز اور غلام و لونڈی کا خیال:

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ کی زبان سے آخری بات جو نکلی وہ ”نماز، نماز“ تھی اور یہ کہ تم لوگ اپنے غلاموں اور باندیوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو^(۲)۔ اسی بات کو انس رضی اللہ عنہ نے یوں بیان کیا ہے کہ حالت غرغره میں رسول اللہ ﷺ کی غام وصیت مندرجہ ذیل تھی: تم لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرو، اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کا خیال رکھو^(۳)۔

۳- قبروں کو مساجد بنانے کی ممانعت:

بخاری بن عبد اللہ بن ابی نعیم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات سے پانچ دن پہلے آپ کو کہتے سنا: تم سے پہلے کے لوگ اپنے انبیاء اور صالحین کی قبروں کو مساجد بنا لیتے تھے، تم لوگ قبروں کو مساجد نہ بناؤ، میں تمہیں ایسا کرنے سے منع کرتا ہوں^(۴)۔

(۱) مسلم، الصلاۃ، حدیث: (۴۷۹)، ابوداؤد، الصلاۃ، حدیث: (۸۷۶)، النسائی، الافتتاح: ۱۸۹/۲، وغیرہم۔

(۲) ابوداؤد، الأدب، حدیث: (۵۱۵۶)، ابن ماجہ، الوصایا، حدیث: (۲۶۹۸)، وغیرہما، یہ حدیث صحیح ہے۔

(۳) ابن ماجہ، الوصایا، حدیث: (۲۶۹۷)، النسائی، وفاة النبی ﷺ، حدیث: (۱۹۱۸)، مسند احمد: ۱۱/۷۳، یہ حدیث صحیح ہے۔

(۴) مسلم، المساجد، حدیث: (۵۳۲)، المعجم الکبیر، طبرانی: ۱۶۸۶، طبقات ابن سعد: ۲۴۰/۲۔

عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کی وفات قریب ہوئی تو اپنی چادر کا ایک کنارہ اپنے چہرہ پر ڈالنے لگے، اور جب آپ کی سانس گھٹنے لگتی تو چہرہ کھول دیتے اور کہتے: اللہ کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر، جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنالیا۔ عائشہ کہتی ہیں: آپ ﷺ اُن کی طرح کرنے سے مسلمانوں کو ڈراتے تھے^(۱)۔

ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آخری بات جو نبی کریم ﷺ نے کہی یہ تھی کہ حجاز و نجران میں رہنے والے یہودیوں کو جزیرہ عرب سے نکال دو، اور جان لو کہ بدترین ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنالیا^(۲)۔

رسول اللہ ﷺ کی خلافت کے حقدار ابو بکر رضی اللہ عنہ:

محمد بن جبیر بن مطعم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صحابیہ نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ طلب کیا تو آپ ﷺ نے اسے کچھ دنوں کے بعد آنے کو کہا۔ صحابیہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگر میں آئی اور آپ نہ ملے تو کیا کروں گی؟ جبیر کہتے ہیں: صحابیہ کی مراد رسول اللہ ﷺ کی وفات تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میں نہ ملوں تو ابو بکر سے ملنا^(۳)۔

اور ابن ملیک روایت کرتے ہیں، میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو کہتے سنا کہ اگر رسول اللہ ﷺ کسی کو اپنا خلیفہ بناتے تو ابو بکر کو بناتے۔ پھر پوچھا گیا: ابو بکر کے بعد کس کو بناتے؟ تو کہا: عمر کو۔ پھر پوچھا گیا: عمر کے بعد کس کو بناتے؟ انہوں نے کہا: ابو عبیدہ بن الجراح کو۔ پھر انہوں نے یہیں بات ختم کر دی^(۴)۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے بیماری کے ایام میں کہا: ابو بکر اور اپنے بھائی کو بلا لو تاکہ میں ایک تحریر لکھ دوں، مجھے ڈر ہے کہ کوئی متمنی تمنا کرے اور کہے کہ میں زیادہ مستحق ہوں، جبکہ اللہ عز و جل اور مومنین اس کا انکار کرتے ہیں^(۵)۔

ایام مرض میں جب رسول اللہ ﷺ میمونہ کے گھر میں تھے، عبد اللہ بن زمعہ سے کہا: لوگوں سے کہو کہ وہ

(۱) البخاری، الصلاة، حدیث: (۴۳۵)، مسلم، المساجد، حدیث: (۵۳۱)، التّسائی، المساجد: ۴۰/۲، وغیرہم۔

(۲) مسند احمد: ۱/۱۹۵، مسند ابویعلیٰ، حدیث: (۸۷۲) بسند صحیح۔

(۳) البخاری فی فضائل الصحابة، حدیث: (۳۶۵۹)، و مسلم فی فضائل الصحابة، حدیث: (۲۳۸۶)، وغیرہما۔

(۴) مسلم، فضائل الصحابة، حدیث: (۲۳۸۵)، فضائل الصحابة، حدیث: (۲۰۳، ۲۰۴)، ابن سعد: ۱۸۱/۳۔

(۵) البخاری، فضائل الصحابة، حدیث: (۵۶۶۶)، مسلم، فضائل الصحابة، حدیث: (۲۳۸۷)، طبقات ابن سعد: ۱۸۱/۳۔

نماز پڑھ لیں۔ اُن کی ملاقات عمر بن خطاب سے ہوئی، اور اُن سے کہا: اے عمر! آپ لوگوں کو نماز پڑھا دیجئے، انہوں نے نماز پڑھانی شروع کی، رسول اللہ ﷺ نے اُن کی آواز پہچان لی، اُن کی آواز اونچی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: کیا یہ عمر کی آواز نہیں ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل اور مومنین اس کا انکار کرتے ہیں، ابوبکر کو تم لوگ کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں^(۱)۔

آپ ﷺ نے رفیقِ اعلیٰ کو اختیار کر لیا:

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، رسول اللہ ﷺ جب تندرست تھے تو کہا کرتے تھے: کوئی نبی بھی اس کے پہلے وفات نہیں پاتا کہ جنت میں اُس کی جگہ اسے دکھادی جاتی ہے، پھر اُسے اختیار دیا جاتا ہے۔ عائشہ کہتی ہیں، جب رسول اللہ ﷺ کی بیماری نے شدت اختیار کر لی، اور آپ ﷺ کا سر میری ران پر تھا، تو کچھ دیر کے لئے آپ پر غشی طاری ہوئی، پھر ہوش آگیا، تو آپ ﷺ نے اپنی نظر اٹھا کر چھت کی طرف دیکھا، پھر فرمایا: اے اللہ! اب مجھے اوپر بلا لے۔ عائشہ کہتی ہیں: میں نے دل میں کہا: اب آپ ﷺ ہمیں ترجیح نہیں دیں گے۔

عائشہ کہتی ہیں: تب میں نے اس حدیث کا مطلب سمجھا جسے آپ ﷺ نے صحت کی حالت بیان فرمایا تھا کہ ”کوئی نبی بھی اُس وقت تک دنیا سے نہیں اٹھایا جاتا جب تک وہ جنت میں اپنی جگہ نہ دیکھ لے، پھر اُسے اختیار دیا جاتا ہے۔ عائشہ کہتی ہیں: آخری کلمہ جو آپ ﷺ کی زبان سے نکلا یہی تھا، ”اے اللہ! اب مجھے اوپر بلا لے“^(۲)۔

رسول اللہ ﷺ کی جب وفات ہوئی تو صحیح روایت کے مطابق آپ ﷺ کی عمر ترسٹھ (۶۳) سال تھی جیسا کہ امام بخاری نے باب وفات النبی ﷺ میں اور امام مسلم نے کتاب الفصائل میں اور ترمذی وغیرہم نے روایت کی ہے۔ آپ ﷺ کی وفات سوموار کے دن بارہ ربیع الاول سن ۱۱ ہجری کو ہوئی۔ اُس دن آپ ترسٹھ سال چار دن کے تھے۔ ابوبکر نے آپ ﷺ کا بوسہ لیا اور رونے لگے:

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ابوبکر مقامِ سَخ میں اپنے مسکن سے ایک گھوڑے پر سوار ہو کر آئے، مسجد میں داخل ہوئے، کسی سے بات نہیں کی، اور عائشہ کے پاس پہنچے پھر سیدھے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے، آپ ﷺ کے اوپر ایک کپڑا ڈال دیا گیا تھا، آپ کا چہرہ کھولا، اور آپ پر جھک گئے، آپ کو بوسہ دیا اور رونے لگے، پھر کہا:

(۱) مسند احمد: ۳۲۲/۴، سنن ابی داؤد، کتاب النہی، حدیث: (۳۶۶۰)۔

(۲) البخاری، المغازی، حدیث: (۴۴۶۳)، مسلم، فضل عائشہ، حدیث: (۲۴۴۴)۔

میرے باپ ماں آپ پر خدا ہوں، اللہ کی قسم! اللہ آپ کو دوبار موت نہیں دے گا۔ جو موت آپ کے لئے لکھی ہوئی تھی وہ آپ کی (۱)۔

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے سر مبارک کی طرف سے آئے، اپنا منہ کھولا، آپ ﷺ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور کہا: ہائے! ہمارے نبی، پھر اپنا سر اٹھایا، اور دوبارہ منہ کھولا اور آپ ﷺ کی پیشانی کا بوسہ لیا اور کہا: ہائے! میرے مخلص۔ پھر اپنا سر اٹھایا، اپنا منہ کھولا اور آپ کی پیشانی کا بوسہ لیا اور کہا: ہائے! میرے مخلص و جگر دوست اللہ کے رسول وفات پا گئے (۲)۔

مسند احمد کی ایک دوسری روایت میں ہے، ابو بکر نے اپنا منہ آپ ﷺ کی دونوں آنکھوں کے درمیان رکھا، اور اپنے دونوں ہاتھوں کو آپ ﷺ کی دونوں کنپٹیوں پر رکھا اور کہا: ہائے! ہمارے نبی، ہائے! میرے خلیل، ہائے! میرے مخلص۔

سب سے تاریک دن:

صحابہ کرام میں سے ہر صحابی سمجھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اُن سے زیادہ محبت کرتے ہیں، تمام صحابہ کرام کو آپ کے سایہ عاطفت میں زندگی گزارنے کی عادت پڑ گئی تھی جیسے چھوٹے بچے اپنے والدین کے سایہ عاطفت میں سکون محسوس کرتے ہیں، بلکہ والدین سے بھی زیادہ آپ ﷺ کے سایہ عاطفت میں سکون محسوس کرتے تھے۔ قرآن کریم نے میری اور مجھ جیسوں کی اس فکر کی تائید مندرجہ ذیل آیت میں کی ہے، اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا:

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ ”(مسلمانو!) تمہارے لئے تم ہی میں سے ایک رسول آئے ہیں جن پر ہر وہ بات شاق گزرتی ہے جس سے تمہیں تکلیف ہوتی ہے، تمہاری ہدایت کے بڑے خواہشمند ہیں، مومنوں کے لئے نہایت شفیق و مہربان ہیں“ [التوبہ: ۱۲۸]۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر اُن سب کے لئے آسانی بجلی یا اس سے بھی زیادہ سخت اور زلزلہ خیز تھی۔

انس رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ کرام کے غم و الم کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا ہے: میں نے اپنی زندگی میں اُس دن سے زیادہ روشن و تابناک کوئی دن نہیں دیکھا جب رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس آئے، اور اُس دن سے

(۱) البخاری، المغازی، حدیث: (۳۴۵۲)۔

(۲) مسند احمد: ۲۱۹/۶، ۲۲۰، الإرواء، الألبانی، حدیث: (۲۹۶)۔

زیادہ بد شکل اور تاریک دن نہیں دیکھا جس دن رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی^(۱)

اور فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہائے! میرے ابا نے اپنے رب کے بلاوے کو قبول کر لیا، ہائے! میرے ابا کا ٹھکانا جنت الفردوس ہوگا، ہائے! میں اپنے ابا کی موت کی تعزیت جبریل سے کرتی ہوں^(۲)

اور عمر بن خطاب اس غمناک خبر سے ہوا س باختہ ہو گئے، اور کہنے لگے: کچھ منافقین کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے، رسول اللہ ﷺ کی وفات نہیں ہوئی ہے، وہ تو اپنے رب سے ملنے گئے ہیں جیسے موسیٰ بن عمران اللہ سے ملنے گئے تھے، اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ ضرور واپس آئیں گے اور ایسے لوگوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ ڈالیں گے جو یہ سمجھتے ہیں کہ آپ وفات پا گئے۔

بلال رضی اللہ عنہ نے فجر کی اذان دی، اور نبی کریم کا ذکر آیا تو دھاڑیں مار کر رونے لگے، اور صحابہ کرام کے غم و محن میں اضافہ ہو گیا، اس لئے کہ ان کی عادت یہ تھی کہ وہ ہر روز اذان سنتے اور رسول اللہ ﷺ ان کے درمیان ہوتے تھے۔ ام المؤمنین ام سلمہ کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ کی وفات سے ہم پر جو مصیبت آئی اس کی غایت درجہ المناکی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد جب بھی ہم پر کوئی مصیبت آتی تو آپ کی وفات کی مصیبت کو یاد کر لیتے تھے تو وہ مصیبت ہلکی ہو جاتی تھی^(۳)

بے شک آپ ﷺ مر جائیں گے اور سب لوگ مر جائیں گے:

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے آپ ﷺ سے پہلے کسی کی تیمارداری نہیں کی تھی، ایک دن آپ کا سر میرے کندھے پر تھا کہ اچانک آپ کا سر میرے سر کی طرف جھک گیا، میں نے سمجھا کہ آپ ﷺ کو میرے سر سے کوئی ضرورت ہے، اچانک دیکھتی ہوں کہ آپ کے منہ سے ٹھنڈا پانی نکل کر میری گردن کے کنارے پر گرا، میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے، میں سمجھ گئی کہ آپ ﷺ بے ہوش ہو گئے ہیں، تو میں نے آپ پر ایک کپڑا ڈال دیا۔ اُسی وقت عمر اور مغیرہ بن شعبہ آئے اور اندر آنے کی اجازت مانگی، میں نے دونوں کو اجازت دے دی، اور پردہ کر لیا، عمر نے آپ پر نظر ڈالی اور کہا: ہائے! کتنی شدید غشی ہے رسول اللہ ﷺ کی، پھر دونوں کھڑے ہو گئے، اور جب دروازہ کے قریب پہنچے تو مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے عمر! رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے۔ عمر نے کہا: تم

(۱) مسند احمد: ۳۱/۶۔

(۲) البخاری، المغازی حدیث: (۴۶۶۲)، مسند احمد: ۴/۳۱، ۱۹۷، ۲۰۴، طبقات ابن سعد: ۳/۱۱۲، دلائل النبوت: ۲۱۳، ۲۱۴۔

(۳) سیرۃ ابن کثیر: ۵۳۸/۴، ۵۳۹۔

جھوٹ بولتے ہو، بلکہ تمہاری نحوست ایک فتنہ ہے، رسول اللہ ﷺ وفات نہیں پائیں گے جب تک اللہ عزوجل منافقوں کو ہلاک نہیں کر دے گا۔ اس کے بعد ابو بکر آئے، تو میں نے پردہ ہٹا دیا، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور کہا: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ، رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے، پھر آپ ﷺ کے سر کی طرف سے آئے، اپنا منہ کھولا اور آپ ﷺ کی پیشانی کو بوسہ دیا پھر کہا: ہائے! ہمارے نبی، پھر اپنا سر اٹھایا، اپنا منہ کھولا اور آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور کہا: ہائے! میرے خلیل، رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے۔

ابو بکر مسجد میں گئے، وہاں عمر لوگوں کے سامنے خطبہ دے رہے تھے اور کہہ رہے تھے: اللہ کے رسول ﷺ نہیں وفات پائیں گے یہاں تک کہ اللہ منافقین کو ہلاک کر دے گا۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بات کرنی شروع کی، اللہ کی حمد و ثناء بیان کی پھر کہا: اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاِنَّهُمْ مَيِّتُونَ﴾ (اے میرے نبی! آپ بھی مر جائیں گے اور یہ لوگ بھی مر جائیں گے) [الزمر: ۳۰] اور اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهٖ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ اَنْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِكُمْ﴾ (اور محمد صرف ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بہت انبیاء گزر چکے ہیں، تو کیا وہ مر جائیں گے یا قتل کر دیئے جائیں گے، تو تم لوگ اُلٹے پاؤں (دین سے) پھر جاؤ گے) [آل عمران: ۱۴۴] تو جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ اللہ زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا، اور جو محمد کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ محمد مر گئے۔ عمر کہتے ہیں: یہ آیتیں اللہ کی کتاب میں ہیں لیکن مجھے احساس ہی نہیں ہوا تھا کہ یہ آیتیں اللہ کی کتاب میں ہیں۔ پھر عمر نے کہا: لوگو! یہ ابو بکر ہیں، اور مسلمانوں میں بڑی عمر کے ہیں، تم لوگ ان کے ہاتھ پر بیعت کر لو، چنانچہ سب نے اُن سے بیعت کر لی (۱)۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ ابو بکر رسول اللہ ﷺ کے پاس سے جب باہر آئے تو عمر لوگوں کے سامنے بول رہے تھے۔ ابو بکر نے کہا: عمر، بیٹھ جاؤ، انہوں نے انکار کر دیا، دوبارہ کہا: بیٹھ جاؤ، انہوں نے انکار کر دیا، تب ابو بکر نے تشہد پڑھنا شروع کیا تو لوگ اُن کی طرف متوجہ ہو گئے، اور عمر کو چھوڑ دیا۔ ابو بکر نے کہا: اما بعد: تم میں سے جو محمد کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ محمد مر گئے، اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ اللہ زندہ ہے، وہ کبھی نہیں مرے گا۔ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهٖ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ اَنْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلٰی عَقْبِهٖ فَلَنْ يَضُرَّ اللّٰہَ

شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿۱﴾ اور محمد صرف ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بہت سے انبیاء گزر چکے ہیں، تو کیا وہ مر جائیں گے یا قتل کر دیئے جائیں گے، تو تم لوگ اُلٹے پاؤں (دین سے) پھر جاؤ گے، اور جو دین سے اُلٹے پاؤں پھر جائے گا، تو اللہ کا کچھ بھی نقصان نہ کرے گا، اور عنقریب اللہ شکر کرنے والوں کو اچھا بدلہ دے گا) [آل عمران: ۱۳۴] اللہ کی قسم! ایسا لگتا تھا کہ لوگ پہلے سے جانتے ہی نہیں تھے کہ اللہ نے یہ آیت قرآن میں پہلے نازل کی ہوئی ہے، جب ابو بکر نے اس کی تلاوت کی تو تمام لوگوں نے اُن سے اس آیت کو حاصل کیا، اور جسے دیکھے اس کی تلاوت کر رہا تھا۔

راوی کہتے ہیں: مجھے سعید بن مسیب نے بتایا ہے کہ عمر نے کہا: اللہ کی قسم! جوں ہی میں نے ابو بکر کو اس کی تلاوت کرتے سنا، دھڑام سے بیٹھ گیا، میرے دونوں پاؤں کی طاقت سلب ہو گئی اور مجھے علم ہوا کہ نبی کریم ﷺ وفات پا گئے (۱)۔

تجہیز و تکفین

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: جب صحابہ نے آپ ﷺ کو غسل دینا چاہا تو آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ آپ ﷺ کے کپڑے اتار دیں جیسا کہ ہم اپنے مردوں کے کپڑے اتار دیتے ہیں، یا آپ کے کپڑوں کے ساتھ ہی آپ کو غسل دیں۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے اُن پر نیند غالب کر دی اور ہر ایک کی ٹھڈی اس کے سینہ میں پہنچ گئی۔ اُس وقت گھر کے ایک کونے سے ایک بولنے والے کی آواز آئی جسے اُن لوگوں نے نہیں جانا کہ ”تم لوگ رسول اللہ ﷺ کو اُن کے کپڑوں کے ساتھ نہلاؤ، چنانچہ صحابہ نے آپ کو آپ کی قمیص کے ساتھ نہلایا،“ صحابہ آپ پر پانی قمیص کے اوپر سے ڈالتے تھے اور قمیص کے ذریعہ ہی آپ کے بدن کو رگڑتے تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: اگر ہمیں وہ بات پہلے معلوم ہو جاتی جو بعد میں معلوم ہوئی تو آپ ﷺ کی بیگمات ہی آپ کو غسل دیتیں (۲)۔

نبیہتی نے دلائل النبوة میں روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو تین بار سدر سے نہلایا گیا، اور آپ ﷺ کو قمیص کے اوپر سے نہلایا گیا، اور قباء کے ”غرس“ نامی کنواں کے پانی سے آپ کو نہلایا گیا، جو کنواں سعد بن خیشمہ

(۱) البخاری، الجہانز، حدیث: ۱۲۳۲، المغازی، حدیث: (۳۳۵۳)۔

(۲) ابوداؤد، الجہانز، حدیث: (۳۱۳۱)، مستدرک الحاکم: ۶۰، ۵۹، ۳، حاکم کے نزدیک مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے، ذہبی نے اس کی تائید کی

ہے، دلائل النبوة، ۲۳۲/۷، ابن حبان، حدیث: (۳۹۳۹)، البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھئے احکام الجہانز: ۴۹، والارواء: ۷۰۲۔

کا تھا، اور نبی کریم ﷺ اُس کا پانی پیا کرتے تھے (۱)۔

علامہ البانی نے اپنی کتاب الجنازہ میں امام شعبی کی ایک مُرسل روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو غسل دینے میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ فضل بن عباس اور اسامہ بن زید شریک تھے۔ اس حدیث کو ابو داؤد نے سند صحیح سے روایت کی ہے (۲)۔ اور رسول اللہ ﷺ کو منگل کے دن نہلایا گیا، یعنی وفات کے ایک دن کے بعد۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ صحابہ کرام سو موار کے دن باقی وقت اور منگل کے دن کچھ وقت ابو بکر صدیق کی بیعت میں مشغول رہے۔ جب بیعت کا کام تمام ہو گیا، تمام امور طے پا گئے اور حالات میں پورے طور پر استقرار آ گیا تب صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کی تجہیز و تکفین میں لگے۔ ابن اسحاق لکھتے ہیں: جب ابو بکر کے لئے بیعت ہو گئی تب لوگ منگل کے دن رسول اللہ ﷺ کی تجہیز و تکفین کی طرف متوجہ ہوئے (۳)۔

ابن وحیہ کہتے ہیں: اس بارے میں اختلاف نہیں ہے کہ جن لوگوں نے آپ ﷺ کو غسل دیا وہ علی اور فضل ابن عباس رضی اللہ عنہما تھے، البتہ عباس، اُسامہ، قثم اور شقران کے بارے میں اختلاف ہے جسے شوکانی نے نیل الاوطار میں نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ آپ ﷺ کو غسل علی اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہما نے دیا، اور اسامہ بن زید ان دونوں کو پانی دیتے تھے، اور عباس وہاں کھڑے تھے۔ اور کسی نے یہ بات نقل نہیں کی ہے کہ صحابہ میں سے کس نے اس کا انکار کا، اسی لئے ان حضرات کے رسول اللہ ﷺ کو غسل دینے پر صحابہ کا اجماع تھا (۴)۔

آپ ﷺ کا کفن:

پہلے پہل رسول اللہ ﷺ کو عبد اللہ بن ابی بکر کے ایک یمانی چادر میں لپیٹا گیا، پھر تین سفید کرسف کے بنے کپڑوں کا آپ کو کفن دیا گیا، اُن کپڑوں میں عمامہ اور قمیص نہیں تھی۔ عبد اللہ بن ابی بکر نے پھر اپنی وہ چادر رکھ لی کہ میرا کفن اب یہی چادر ہوگی۔ پھر آپ نے کچھ سوچ کر کہا: جس چادر میں رسول اللہ ﷺ کو نہیں کفنایا گیا کیا میں اُس میں کفنایا جاؤں گا، چنانچہ انہوں نے وہ چادر خیرات کر دی۔ ایک دوسری روایت میں آیا ہے: عبد اللہ نے کہا: اگر اللہ نے اسے اپنے رسول کے لئے پسند فرمایا ہوتا، تو یہ آپ ﷺ کا کفن بنتی۔ اس لئے آپ نے اسے بچ کر

(۱) دلائل البیہقی: (۲۴۵/۷)، طبقات ابن سعد: (۲۸۰/۲)، حافظ کہتے ہیں: یہ حدیث مُرسل جیدہ ہے۔

(۲) دیکھئے علامہ البانی کی احکام الجنازہ: ص ۵۱، و سنن ابی داؤد، حدیث: (۳۲۰۹)۔

(۳) میر قاسم بن کثیر: ۵۱۷/۴۔

(۴) نیل الاوطار: ۶۶/۴۔

اس کی قیمت خیرات کر دی (۱)

آپ ﷺ کی نماز جنازہ:

ابن ابی شیبہ نے سعید بن مسیب سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ وفات پا جانے کے بعد اپنے بستر پر رکھے گئے، اور لوگ جماعت در جماعت داخل ہوتے اور آپ ﷺ پر نماز پڑھ کر باہر نکل جاتے، کسی نے اُن کی امامت نہیں کرائی، آپ ﷺ کی وفات سو موار کے دن ہوئی، اور رائج قول کے مطابق مدہ کی رات کو دفن کئے گئے (۲)۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ صحابہ نے آپ پر فرداً نماز پڑھی، اور کسی نے ان کی امامت نہیں کرائی (۳)۔

دفن:

رسول اللہ ﷺ کو غسل دیئے جانے کے بعد صحابہ کے درمیان اختلاف ہوا کہ آپ ﷺ کو کہاں دفن کیا جائے؟ تب ابو بکر نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کی بات اب تک نہیں بھولا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ کسی بھی نبی کو اس جگہ وفات دیتے ہیں جہاں اللہ کو اُن کا دفن کیا جانا پسند ہوتا ہے۔ تم لوگ آپ ﷺ کو آپ کے بستر کی جگہ دفن کرو۔

علامہ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، اس سلسلہ میں ترمذی کی تضعیف نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: یہ حدیث اپنے متعدد طریقوں اور شواہد کے ذریعہ ثابت ہے (۴)۔ اور حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے: آپ ﷺ کے دفن کے بارے میں یہی بات متواتر طور پر معلوم ہے کہ آپ ﷺ مسجد نبوی کے احاطہ میں مدفون ہیں (۵)۔

حافظ ابن کثیر نے البدایہ میں لکھا ہے: یہ بات تواتر کے ساتھ معلوم ہے کہ آپ ﷺ حجرہ عائشہ کے قبلہ کی جانب والے مغربی زاویہ میں دفن کئے گئے جو مسجد کے مشرقی احاطہ میں تھا۔ آپ ﷺ کے بعد اُس میں ابو بکر رضی اللہ عنہ دفن کئے گئے، اور ابو بکر کے بعد عمر رضی اللہ عنہما۔ (۶)

(۱) مسلم، الجامع، حدیث: (۳۵)، دلائل التبیہتی: ۲۳۷/۷، طبقات ابن سعد: ۲/۲۸۲۔

(۲) المصنف: ۴۳۰/۷۔

(۳) البدایہ والنہایہ: ۲۳۲/۵۔

(۴) الترمذی، الجامع، حدیث: (۱۰۱۸)۔

(۵) الفصول لابن کثیر: ۱۵۳۔

(۶) البدایہ والنہایہ: ۲۳۸/۵۔

اور جب آپ ﷺ کو قبر میں اتارا گیا تو آپ کی قبر کو زمین سے ایک بالشت اونچا کیا گیا، اور بلال نے آپ کی قبر پر پانی چھڑکا۔

رسول اللہ ﷺ نے وفات سے پہلے اپنی امت کو قرآن و سنت سے تیار روشن و تابناک شاہراہ پر لگا دیا تھا، اُن میں سرفہرست آپ ﷺ کے صحابہ کرام تھے جن کے ذریعہ اللہ نے دین اسلام کو عزت بخشی، انہوں نے ملکوں کو فتح کیا اور پورے عالم کو اسلام کے آفتابِ عالمتاب کی روشنی سے بھر دیا، تاکہ اللہ کا دین تمام کو پہنچے، اور اس کا وعدہ پورا ہو۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ ایسا ہی ہوا۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کی مصیبت کے بعد صحابہ کرام کے لئے ہر مصیبت ہلکی ہو گئی، اور جب تک زندہ رہے آپ کے فراق میں روتے رہے، وفات کے فوراً بعد تمام اہل مدینہ جمع ہو گئے، مسجد نبوی اور مدینہ کی گلیاں رونے اور بلکنے کی آوازوں سے بھر گئیں، اُن کی نگاہوں میں دنیا تاریک ہو گئی، ہر دور و قریب بدل گیا، بلال نے پکارا: ہائے! ہمارے نبی، فاطمہ نے پکارا: ہائے! میرے ابا، حسن و حسین نے پکارا: ہائے! ہمارے نانا، اور تمام مسلمانوں نے پکارا: ہائے! ہمارے غم و الم کے پہاڑ۔ اس مصیبتِ عظمیٰ کے سبب ہر مکان و زمان میں مسلمانوں کی آنکھوں سے خون کے آنسو بہے۔ نبی کریم ﷺ کی وفات ہم سب کے لئے تازیانہِ عبرت ہے۔ کسی محبِ رسول شاعر نے کتنی اچھی بات کہی ہے۔

من بعد موت المصطفى هل لا مبرئ في الدهر يوماً للبقاء سبيل
وهو النبي المصطفى والمجتبى ونبي حق للورى ورسول
صلی علیہ اللہ جلّ جلالہ ما حنّ مشتاق و سار دلیل

”کیا حبیبِ مصطفیٰ کی وفات کے بعد بھی زمانہ میں کوئی شخص ہمیشہ باقی رہنے کی آس لگا سکتا ہے، آپ ﷺ تو نبیِ مصطفیٰ و مجتبیٰ تھے، آپ مخلوق کے لئے نئی برحق اور رسول تھے۔ اللہ جلّ جلالہ نے آپ پر درود بھیجا ہے جب تک کوئی مشتاق اپنے حبیب کو یاد کرتا رہے گا، اور کوئی رہنما چلتا رہے گا۔“

نبی کریم ﷺ کا خاندان

آپ ﷺ کی بیگمات:

اس کتاب میں نبی کریم ﷺ کی زندگی سے متعلق جو معلومات اب تک ہم پہنچائی گئی ہیں ان میں اگرچہ آپ ﷺ کی شادیوں اور گیارہ امہات المؤمنین کا اجمالی ذکر خیر آچکا ہے، لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ہر بیوی کی زندگی کا ایک اجمالی خاکہ الگ الگ پیش کر دوں اور ہر ایک سے متعلق مفید و نافع تفصیلات کا بیان مستقل طور پر کروں تاکہ ان امہات المؤمنین سے متعلق بات مکمل ہو جائے:

۱- خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا:

انہیں ”قریشی عورتوں کی سردار“ کہا جاتا ہے، ان سے رسول اللہ ﷺ نے پچیس سال کی عمر میں شادی کی، اُس وقت خدیجہ چالیس سال کی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پہلے شادی نہیں کی تھی، اور ان کی زندگی میں کسی دوسری عورت سے شادی نہیں کی، خدیجہ کی آپ ﷺ سے پہلے دوبار شادی ہو چکی تھی۔ انہوں نے سب سے پہلے اسلام کی دعوت قبول کی، اور کارہائے نبوت میں آپ ﷺ کی خوب مدد کی، آپ ﷺ کے ساتھ جہاد کیا، اور اپنی جان و مال کے ذریعہ آپ ﷺ کی خوب دلدہی کی، ان کے مقام کی بلندی کا اندازہ لگائیے کہ اللہ عز و جل نے جبریل امین کے ذریعہ ان کو اپنا سلام بھیجا۔ دنیا کی کسی دوسری عورت کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا۔

ان کے بطن سے رسول اللہ ﷺ کے تین لڑکے پیدا ہوئے؛ قاسم، طاہر، اور طیب، بعض سیرت نگاروں نے چوتھے بیٹے کا بھی اضافہ کیا ہے، اور ان کا نام عبد اللہ بتایا ہے۔ اور چار بیٹیاں مولود ہوئیں؛ زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہن۔

سبھی لڑکے اسلام آنے سے پہلے ہی وفات پا گئے، البتہ سبھی لڑکیاں مشرف باسلام ہوئیں اور اپنے والد کے آگے پیچھے ہجرت کر کے مدینہ پہنچیں۔ خدیجہ ہجرت سے تین سال پہلے وفات پائیں۔ رضی اللہ عنہا وارضاهما^(۱)۔

۲- سودۃ بنت زمعہ قرشیہ رضی اللہ عنہا:

ان کی شادی رسول اللہ ﷺ سے پہلے ان کے چچا زاد سکران بن عمرو سے تھی۔ یہ دونوں حبشہ کی طرف

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے اس کتاب کے صفحات: ۱۳۷-۱۳۹۔

مسلمانوں کی دوسری ہجرت سے پہلے حبشہ گئے، اور واپسی کے بعد سکران مکہ میں وفات پا گئے۔ تب اُن سے رسول اللہ ﷺ نے خدیجہ کی وفات کے بعد ماہ شوال سن دس نبوی میں شادی کر لی۔ سودہ رسول اللہ ﷺ کے اوامر کی تنفیذ کاشدت سے خیال رکھتی تھیں، اور آپ کو خوش رکھنے کے لئے آپ کو ہنساتی رہتی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ کے پاس جب یہ معمر ہو گئیں تو آپ ﷺ نے اُن کو طلاق دینی چاہی۔ انہوں نے کہا: مجھے طلاق نہ دیجئے، آپ پر میری باری وغیرہ کی پابندی نہیں ہوگی، میں چاہتی ہوں کہ قیامت کے دن آپ کی بیوی کی حیثیت سے اٹھائی جاؤں، اور میں اپنی باری عائشہ کو دیتی ہوں، اور مجھے آپ سے وہ نہیں چاہئے جو عورتیں چاہتی ہیں۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اُن کو اپنی زوجیت میں رہنے دیا، یہاں تک کہ یہ دیگر امہات المؤمنین کی طرح وفات پا گئیں^(۱)۔

مشہور قول کے مطابق عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مدینہ میں اُن کی وفات ہوئی^(۲)۔

۳۔ عائشہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا:

اُن کا عقد نکاح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شوال سن گیارہ نبوی میں ہوا، اس وقت اُن کی عمر چھ سال تھی، اور شوال سن ایک ہجری میں رخصت ہو کر رسول اللہ ﷺ کے پاس گئیں، اس وقت اُن کی عمر نو سال تھی۔ نبی کریم ﷺ نے اُن کے علاوہ کسی دوسری باکرہ عورت سے شادی نہیں کی، اور اُن کے سوا کسی دوسری ام المؤمنین کے لحاف میں آپ ﷺ پر وحی نازل نہیں ہوئی، اور کسی دوسری بیوی سے آپ ﷺ نے اُن جیسی محبت نہیں کی۔ اُن کی بعض خوبیوں اور صفات حسنہ کا ذکر قرآن و سنت میں بھی آیا ہے، اُن کی پاکدامنی کی شہادت آسمان سے نازل ہوئی، اور اب اُن پر تہمت دھرنے والے کے کفر پر امت کا اتفاق ہو چکا ہے۔ اس امت میں کوئی دوسری عورت علم و فضل میں اُن کے مقام کو نہیں پہنچی، اُن کی وفات ۵ رمضان سن ۵۸ ہجری میں ہوئی، اُن کے جنازہ کی نماز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں بحیثیت خلیفہ امیر المؤمنین مروان نے پڑھائی، اور بقیع غرقہ میں دفن کی گئیں۔ رضی اللہ عنہا وارضاهما^(۳)۔

(۱) الاستیعاب: ۱۸۶/۴۔

(۲) الاستیعاب: ۱۸۶/۴، الإصابۃ: ۱۲/۷، اور دیکھئے اس کتاب کا ص ۲۳۸، ۲۳۷۔

(۳) زاد المعاد: ۷۳/۱، الفصول: ص ۸۸، اور دیکھئے اس کتاب کے صفحات: ۲۳۶-۲۳۷۔

۴- حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما:

رسول اللہ ﷺ سے پہلے ان کی شادی حنسیس بن حذافہ سہمی سے ہوئی تھی جو جنگ بدر میں شدید زخمی ہو گئے تھے اور اسی کے زیر اثر وفات پا گئے۔ بعض نے لکھا ہے کہ وہ جنگ احد میں زخمی ہوئے تھے، لیکن پہلی بات ہی زیادہ مشہور ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سہمی کی وفات کے بعد پہلے قول کے مطابق ہجرت کے تیس ماہ بعد ان سے شادی کی، اور دوسرے قول کے مطابق غزوہ احد کے بعد۔

ابوداؤد، ابن ماجہ اور نسائی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حفصہ کو طلاق دے دی تھی، پھر رجوع کر لیا تھا^(۱)۔

ماہ شعبان سن ۴۵ ہجری میں مدینہ میں ان کی وفات ہوئی، اور ان کی نماز جنازہ مروان بن الحکم حاکم مدینہ نے پڑھائی، اور بقیع غرقہ میں دفن ہوئیں^(۲)۔

۵- زینب بنت خزیمہ اُمّ المساکین رضی اللہ عنہا:

ان کی کنیت اُمّ المساکین تھی، رسول اللہ ﷺ سے پہلے ان کی شادی عبد اللہ بن جحش سے تھی۔ زہری نے لکھا ہے کہ یہ جنگ احد کے دن شہید ہو گئے تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے ماہ رمضان میں حفصہ سے شادی کرنے کے اکتیس ماہ بعد، اور میمونہ سے شادی کرنے سے پہلے کی تھی۔ صحیح قول کے مطابق یہ آپ ﷺ کے پاس صرف دو ماہ رہیں۔ بعض نے لکھا ہے: آٹھ ماہ رہیں۔ ان کی وفات رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی ہو گئی، آپ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، اور بقیع غرقہ میں دفن ہوئیں۔ اُس وقت ان کی عمر صرف تیس سال تھی^(۳)۔

۶- اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا:

ان کا نام ہند بنت امیہ قرشیہ مخزومیہ تھا، رسول اللہ ﷺ سے پہلے ان کی شادی ابوسلمہ بن عبد الاسد سے تھی، ان کی والدہ رسول اللہ ﷺ کی چھوٹی بھینس بنت عبد المطلب تھیں۔ ان کے بطن سے ابوسلمہ کے چار بچے ہوئے، دو لڑکے، سلمہ و عمر اور دو لڑکیاں، دُرہ و زینب۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے شادی شوال سن ۴ ہجری میں ابوسلمہ کی وفات کے بعد کی۔ ابوسلمہ میدان بدر میں زخمی ہو گئے تھے، پہلے ٹھیک ہو گئے، پھر وہی زخم دوبارہ کھل گیا جس

(۱) صحیح سنن ابی داؤد، حدیث: (۱۹۹۸)۔

(۲) دیکھئے: ازواج النبی، ابن زبالحقین د، اکرم ضیاء العربی: ص ۴۵-۴۷ نیز ص ۴۰۸ اس کتاب کا۔

(۳) دیکھئے: اس کتاب کا ص ۴۰۸۔

کے زیر اثر ماہ جمادی الآخرہ سن ۴ ہجری میں وفات پا گئے۔

رسول کریم ﷺ بعض امور میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ خصوصی برتاؤ کرتے تھے، اور جب باری شروع کرتے تو انہی سے کرتے۔ آپ ﷺ نے ام سلمہ اور ان کی بیٹی زینب بنت ابوسلمہ کو اپنے اہل بیت میں شمار کیا^(۱)۔ ان کی وفات صحیح قول کے مطابق سن ۹۱ ہجری یزید بن معاویہ کی خلافت میں ہوئی، اس وقت ان کی عمر چوراسی (۸۴) سال تھی، اُن کی جنازہ کی نماز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی، اور بقیع غرقہ میں دفن ہوئیں^(۲)۔

۷۔ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا:

ان کا نام برہ تھا، رسول اللہ ﷺ نے بدل کر ان کا نام زینب رکھ دیا۔ یہ رسول اللہ کی چھوٹی اُمیہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں۔ پہلے ان کی شادی زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی جو رسول اللہ ﷺ کے پروردہ اور آپ کے محبوب منہ بولے بیٹے تھے، یہ شادی اللہ کی تقدیر اور رسول اللہ ﷺ کی خواہش سے ہوئی تھی۔ کچھ دنوں کے بعد زید نے ان کو طلاق دے دی اس لئے کہ یہ اپنی شرافت نسب کے سبب ہمیشہ زید کے مقابلہ میں اپنی بڑائی اور عظمت کا اظہار کرتیں اور ان کے لئے تکلیف دہ کلمات استعمال کرتی تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کی شادی ان سے ماہ ذی القعدہ سن ۵ ہجری میں کر دی، اور رسول اللہ ﷺ ان سے اجازت لئے بغیر ان کے پاس چلے گئے، اسی لئے زینب دیگر امہات المؤمنین کے سامنے بطور افتخار کہتی تھیں کہ تمہاری شادیاں رسول اللہ ﷺ سے تمہارے رشتہ داروں نے کی ہیں، میری شادی اللہ عزوجل نے سات آسمان کے اوپر کر دی^(۳)۔ زینب اللہ سے بہت ڈرتی تھیں، ہمیشہ ان پر اللہ کی خشیت طاری رہتی تھی۔ اپنے ہاتھ سے کام کر کے اس کا پیسہ صدقہ کر دیتی تھیں۔ ان کی وفات سن ۲۰ ہجری میں ہوئی، اُس وقت ان کی عمر چرپن (۵۳) سال تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی پہلی بیوی تھیں جو آپ ﷺ سے جاملیں^(۴)۔

۸۔ جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا:

یہ حارث خزاعی مصطفیٰ کی بیٹی تھیں۔ ان کا نام بھی برہ تھا، جسے رسول اللہ ﷺ نے بدل کر جویریہ رکھ دیا۔ یہ

(۱) مسند احمد: ۶/۲۹۶، ۳۰۵، ۳۰۴، مجمع کبیر، طبرانی: ۲۸۲، ۲۸۱، ۲۸۰۔

(۲) نہلہ حول الرسول: ص ۸۰-۹۲، الفصول: ص ۱۷۹، طبقات ابن سعد: ۸/۶۷۷، اس کتاب کا ص ۷۳۔

(۳) البخاری، کتاب التوحید، حدیث: (۷۴۲۰)۔

(۴) دیکھئے: اس کتاب کا ص ۷۳-۷۴۔

بنی مصطلق کی قیدیوں میں سے تھیں، اور ثابت بن قیس بن شماس کے حصہ میں آئی تھیں۔ انہوں نے ثابت سے اپنے بارے میں مکاتبت کر لی اور رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں تاکہ آپ مکاتبت کی رقم کی ادائیگی میں ان کی مدد کریں۔ یہ بہت خوبصورت رنگ روپ والی عورت تھیں، جس کی ایک نظر ان پر پڑتی سمجھو ہو جاتا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی مکاتبت کی رقم ادا کر دی اور شعبان سن ۶ ہجری میں ان سے شادی کر لی۔ جو یہ رضی اللہ عنہا نیک صالحہ، اللہ سے ڈرنے والی اور کثرت سے ذکر الہی کرنے والی تھیں۔

ان کی وفات سن ۵۶ ہجری عہد معاویہ میں ہوئی، اُس وقت ان کی عمر ستر (۷۰) سال تھی۔ ان کی نماز جنازہ مروان بن حکم امیر مدینہ نے پڑھائی، اور بقیع غرقہ میں دفن ہوئیں^(۱)۔

۹۔ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا^(۲):

ان کا نام رملہ تھا، اور ابوسفیان بن صخر بن حرب قرشی کی بیٹی تھیں۔ ان کی شادی پہلے عبید اللہ بن جحش اسدی کے ساتھ تھی، یہ دونوں اسلام لائے اور ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے۔ وہاں جانے کے بعد عبید اللہ بن جحش نصرانی ہو گیا، شراب پینے لگا، اور نصرانیت پر اُس کی موت ہو گئی۔ مگر اُمّ حبیبہ اپنے اسلام پر باقی رہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کی طلب پر نجاشی نے ان کو رسول اللہ ﷺ سے شادی کا پیغام دیا، اور آپ ﷺ سے ان کا عقد کر دیا، اور آپ ﷺ کی طرف سے ان کا مہر ادا کیا۔ یہ واقعہ سن ۷ ہجری کا ہے، اور ان کو شہر حمیل بن حنہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیج دیا۔

جب ابوسفیان مدینہ آیا تاکہ رسول اللہ ﷺ صلح حدیبیہ کی مدت میں اضافہ کر دیں، تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دی۔ ابوسفیان آپ ﷺ کے پاس سے اٹھ کر اپنی بیٹی اُمّ حبیبہ اُمّ المؤمنین کے پاس گیا، اور کمرہ میں موجود رسول اللہ ﷺ کے بستر پر بیٹھنا چاہا تو اُمّ حبیبہ نے اسے لپیٹ دیا، ابوسفیان نے پوچھا: اے بیٹی! کیا تم نے مجھے اس بستر کے لائق نہیں سمجھا، یا اس بستر کو میرے لائق نہیں سمجھا؟ اُمّ حبیبہ نے کہا: یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے، اور آپ ناپاک مشرک ہیں۔ ابوسفیان نے کہا: بیٹی! میرے بعد تمہیں بُرائی لاحق ہو گئی ہے۔ ان کی وفات عہد معاویہ میں سن ۴۴ ہجری میں ہوئی^(۳)۔

(۱) دیکھئے: اس کتاب کا ص ۴۹۲-۴۹۳۔

(۲) دیکھئے: اس کتاب کا ص ۵۹۰۔

(۳) صفحہ الصقوة (۴۶۲)، طبقات ابن سعد (۸/۹۹، ۱۰۰)۔

۱۰- صفیہ بنت حبیب بن اخطب رضی اللہ عنہا^(۱):

یہ اللہ کے نبی ہارون بن عمران کی اولاد سے تھیں۔ پہلے پہل ان کی شادی سلام بن مشکم سے ہوئی تھی، اُس نے ان کو طلاق دے دی، تو کنانہ بن ربیع بن کنانہ بن حقیق نضری نے ان سے شادی کر لی۔ یہ کنانہ خیبر کے دن محرم سن ۷ ہجری میں قتل کر دیا گیا۔ اُس وقت ان کی عمر سترہ (۱۷) سال تھی، اور خیبر میں قیدی بنائی گئیں، اور وحیہ کے حصہ میں آئیں۔ صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس ان کے حسن و جمال کی بڑی تعریف کی تو آپ نے وحیہ کو خبر بھیجا اور ان کو ان کی خواہش کے مطابق مال دے کر صفیہ کو حاصل کر لیا، پھر آپ ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا، ان سے شادی کر لی، اور ان کی آزادی کو ان کا مہر بنا دیا، یہ سب کچھ مدینہ آتے ہوئے راستہ میں ہی ماہ شوال سن ۷ ہجری میں ہوا، خیبر ماہ رمضان میں فتح کیا گیا تھا۔

صفیہ نے عہد معاویہ سن ۵۰ ہجری میں وفات پائی، اور بقیع غرقہ میں دفن کی گئیں۔

۱۱- میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا^(۲):

ان کا نام بھی برہ تھا، نبی کریم ﷺ نے ان کا نام میمونہ رکھا۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ اور اُم الفضل لبابہ بنت الحارث کی بہن تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے ذی القعدہ سن ۷ ہجری میں مکہ میں شادی کی، جب آپ ﷺ عمرۃ القضاء سے فارغ ہو کر حلال ہو گئے تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو نبی کریم ﷺ کے لئے بہہ کر دیا تھا۔ میمونہ کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے مقام سرف میں شادی کی جب ہم دونوں حلال تھے^(۳)۔

ترمذی نے سند حسن ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میمونہ سے جب شادی کی تو آپ حلال تھے، اور ان کے پاس تشریف لے گئے تو آپ حلال تھے، میں ہی دونوں کے درمیان قاصد تھا^(۴)۔ ان کی وفات مقام سرف میں ہوئی جہاں رسول اللہ ﷺ نے ان کی خستی کے لئے خیمہ لگایا تھا، اور ان کی وصیت کے مطابق وہیں دفن کی گئیں۔ راجح قول کے مطابق ان کی وفات سن ۵۱ ہجری میں ہوئی۔ اُس وقت ان کی عمر اسی (۸۰) سال تھی۔

(۱) دیکھئے: ان کی شادی کی مزید تفصیل کے لئے اس کتاب کا ص ۶۱۷، ۶۱۸۔

(۲) ان کی شادی کی مزید تفصیل کے لئے دیکھئے اس کتاب کا ص ۶۳۱، ۶۳۲۔

(۳) ابوداؤد، حدیث: (۱۸۴۳)، ترمذی، حدیث: (۸۴۵)، ابن ماجہ، حدیث: (۱۹۶۴)۔

(۴) الترمذی، حدیث: (۸۴۱)، التہجد، ابن عبد البر: ۱۵۲/۳۔

علامہ ابن القیم لکھتے ہیں: یہ ہیں رسول اللہ ﷺ کی معروف بیویاں جو رخصت ہو کر آپ ﷺ کے پاس آئیں۔ اور جن عورتوں کو آپ ﷺ نے شادی کا پیغام دیا لیکن شادی نہیں کی، یا جن عورتوں نے اپنے آپ کو نبی کریم ﷺ کے لئے ہبہ کیا اور آپ ﷺ نے اُن سے شادی نہیں کی وہ چار بیایاں تھیں۔ اور آپ ﷺ نے حوئیہ نامی عورت کو بلا بھیجا تا کہ اس سے شادی کریں، آپ اس کے پاس شادی کا پیغام دینے کے لئے گئے تو اُس نے آپ سے پناہ مانگی، آپ نے اسے پناہ دی اور اُس سے شادی نہیں کی۔ اسی طرح کلثیہ نام و لقب کی عورت، اور وہ عورت جس کے بغل میں آپ نے سفیدی دیکھی تو اس کے پاس نہیں گئے، اور ایک عورت جس نے اپنے آپ کو نبی کریم ﷺ کے حوالے کر دیا تو آپ نے اس کی شادی ایک آدمی سے قرآن کی چند سورتوں کے عوض کر دی^(۱)۔

اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ وفات کے وقت نبی کریم ﷺ کی نو (۹) بیویاں تھیں، اور دو بیویاں - خدیجہ اور زینب ام المساکین - آپ ﷺ کی زندگی میں ہی وفات پا گئی تھیں۔

یہ ہیں نبی کریم ﷺ کی پاکیزہ صفات بیویاں جنہوں نے دعوتی کاموں میں آپ ﷺ کا بھرپور ساتھ دیا، زندگی کی تنگیوں اور قلتِ رزق کو برداشت کیا، اور زمانے اور حالات کی تمام آزمائشوں اور سختیوں کو انگیز کیا، اور غایتِ درجہ صبر و عکبائی سے کام لیا۔ سب کی سب آسمانی پیغام کو اللہ کے بندوں تک پہنچانے میں حد درجہ معین و مددگار ثابت ہوئیں۔ سب کی سب رسول اللہ ﷺ کی مثالی بیویاں تھیں، اور رسول اللہ ﷺ اُن سب کے لئے مثالی اور امیڈیل شوہر تھے۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ اُن سب کو اپنی محبت و عاطفت سے ڈھانکے رکھا اور ہمیشہ اپنی رافت و رحمت کے ذریعہ اُن سب پر سایہِ فگن رہے۔ اسی لئے تنگیِ رزق اور بھوک کی سختی کے باوجود تمام کی تمام دنیا کی سب سے خوش بخت بیویاں تھیں۔

آپ ﷺ کی باندیاں:

علامہ ابن القیم نے ابو عبیدہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کی چار لونڈیاں تھیں، لیکن مشہور یہی ہے کہ آپ ﷺ نے اُن میں سے دو کے ساتھ تعلق قائم کیا۔ ایک ریحانہ بنت زید نصریہ جن کی بنو قریظہ میں شادی ہوئی تھی۔ ان سے متعلق پوری تفصیل بنو قریظہ کے حالات میں گزر چکی ہے^(۲)۔

دوسری ماریہ قبطیہ تھیں جو رسول اللہ ﷺ کے بیٹے ابراہیم کی ماں بنیں، صاحبِ اسکندریہ و مصر نے انہیں

(۱) زاد المعاد: ۷۹۸۔

(۲) دیکھئے: اس کتاب کا ص ۵۳۱۔

رسول اللہ ﷺ کے لئے بطور ہدیہ بھیجا تھا۔ ان کا ذکر اُس خط کے ذکر کے ضمن میں گزر چکا ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے مقوقس کے پاس بھیجا تھا^(۱)۔

ماریہ نے محرم سن ۱۶ ہجری میں وفات پائی، اور اُن کی نماز جنازہ عمر نے پڑھائی، اور بقیع میں مدفون ہوئیں۔

تعددِ زوجاتِ رسول ﷺ کے اسباب اور حکمتیں:

نبی کریم ﷺ کی بیویوں سے متعلق گفتگو کا یہ تہہ سمجھا جاتا ہے کہ آپ کی متعدد شادیوں کے اسباب اور اس کی حکمتوں پر روشنی ڈالی جائے جن کے پیشِ نظر آپ ﷺ نے متعدد شادیاں کیں، تاکہ بعض مسلمانوں اور غیر مسلم مستشرقین اور ان سے ذہنی طور پر مرعوب و متاثر ہونے والوں کے سامنے رسول کریم ﷺ کی عظمت اور وہ بلند و بالا اغراض و مقاصد واضح ہوں جو ان میمون و مبارک شادیوں کے ماوراءِ کار فرماتھے۔

اور اس گفتگو کی تمہید کے طور پر ضروری ہے کہ پہلے نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ پر ہلکی روشنی ڈالی جائے، جب سے آپ نے ہوش سنبھالا یہاں تک کہ ام المؤمنین خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا سے عنقوانِ شباب میں شادی کی جب آپ کی عمر پچیس سال تھی۔

عہدِ جوانی کے دورِ عنقوان میں جبکہ بالعموم آدمی جنسی لذت کے حصول کی طرف نہایت تیزی کے ساتھ لپکتا ہے، نبی کریم ﷺ عفت و پاکدامنی، شرافتِ نفسی اور روح کی پاکیزگی کی نادر ترین مثال تھے، اور ہر اُس شک و شبہ سے بعید تر تھے جس سے آدمی کی عزت و آبرو داغدار ہوتی ہے، شادی سے پہلے پچیس سالہ زندگی اہل مکہ کے ساتھ آپ نے گزاری لیکن کسی کو جرات نہیں ہوئی کہ آپ کو کسی ایسے کام سے متہم کرتا جس سے آپ کی شرافت داغدار ہوتی اور عفت و پاکدامنی پر حرف آتا۔

جب نبی کریم ﷺ نے خدیجہ بنت خویلد سے اُن کی رغبت و چاہت کی بنا پر شادی کرنی چاہی، تو خوب جانتے تھے کہ آپ ابتدائے شباب کے دور سے گزر رہے ہیں، اور خدیجہ ایک بیوہ عورت ہیں جو اپنی عمر کے چالیس سال گزار چکی ہیں، اور آپ سے پہلے دو بار اُن کی شادی ہو چکی ہے، اور گزشتہ شوہر سے ان کی اولاد بھی ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود آپ ﷺ نے شادی کرنے کی حامی بھر لی۔

یہ ایک ایسی بات تھی جو کسی بھی سنجیدہ انسان کو سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ آپ کی اس شادی سے پہلی غرض جنسی خواہش کی تکمیل نہیں تھی، اور نہ ہی آپ ﷺ جنسی ہوس کے مریض تھے (اور کیسا شقی و بد بخت ہو گا وہ انسان

(۱) دیکھئے: اس کتاب کا ص ۵۹۲، ۵۹۳۔

جو اس طرح کی گندی اور بدبودار بات آپ کے بارے میں اپنے منہ سے نکالے گا) بلکہ آپ ایک ستودہ صفات، صحت مند اور سنجیدہ انسان تھے، آپ ﷺ کے بارے میں یہ سوچنا کہ آپ خواہشاتِ نفس کی پیروی کرتے تھے غایت درجہ کی خباثت و دنائعت ہوگی۔

آپ ﷺ نے تو صرف خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کرنے پر تقریباً پچیس سال تک اکتفا کیا، اس لئے کہ اُن کی وفات ہجرتِ مدینہ سے صرف تین سال پہلے ہوئی جب اُن کی عمر پینٹھ (۶۵) سال ہو چکی تھی۔ آپ ﷺ کا خدیجہ سے شادی کا مقصدِ اول یہ تھا کہ وہ آپ ﷺ کی دعوتِ اسلامیہ کے لئے بنیادی ستون اور آپ کی رازدار بنیں، اور جب نبی کریم ﷺ کا خوف و ہراس انتہائی شدید ہو جائے اور ہر طرف سے گھٹا ٹوپ تاریکی آگھرے، تو آپ ﷺ اُن کے جلو میں پناہ لیں، اور اُن سے آپ ﷺ کو تعاون ملے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اللہ کی قسم! خدیجہ اُس وقت مجھ پر ایمان لے آئی جب لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی، مجھے پناہ دی جب لوگوں نے مجھے پناہ دینے سے انکار کر دیا، اور میری تصدیق کی جب لوگوں نے میری تکذیب کی (۱)۔

ایک بار آپ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک بات کے جواب میں کہا: اللہ نے مجھے خدیجہ سے بہتر بیوی نہیں دی ہے، وہ تو اُس وقت مجھ پر ایمان لائی جب لوگوں نے انکار کیا، میری تصدیق کی جب لوگوں نے مجھے ٹھٹھلایا، اور اپنے مال کے ذریعہ میری دلدہی کی جب لوگوں نے مجھے محروم کیا، اور اللہ نے مجھے اس کے بطن سے اولاد دی جب دوسری عورتوں کے بطن سے پیدا شدہ اولاد سے مجھے محروم رکھا (۲)۔

رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیثیں سچی اور صریح دلیل ہیں کہ آپ ﷺ کا خدیجہ سے شادی کا مقصدِ اول ہرگز جنسی خواہش کی تکمیل نہیں تھی جیسا کہ میں ابھی اوپر لکھ آیا ہوں، بلکہ اس کے پیچھے بلند دعوتی اغراض اور عظیم اسلامی مقاصد تھے، اور مقصدِ اول توحیدِ خالص اور دینِ اسلام کی طرف دعوت کی تقویت تھی۔

خدیجہ رضی اللہ عنہا جب وفات پا گئیں تو آپ کی پھوپھیوں اور دیگر رشتہ داروں نے جو مشرکوں کی شدید عداوت اور ان کے بغض و سازش کے سبب آپ کی حالت پر ترس کھاتے تھے، سوچا کہ آپ ﷺ کو دوسری شادی کر لینی چاہئے جو آپ کا خیال کرے اور آپ کی دلدہی کرتی رہے، اور ہجومِ غم و الم کے وقت جس کے پاس آپ تھوڑی دیر سکون حاصل کریں، جیسا کہ خدیجہ کا آپ ﷺ کے ساتھ معاملہ تھا۔ چنانچہ سب نے مل کر ایک بیوہ

(۱) الطبرانی فی الکبیر: ۲۳/۱۳، والاسیعیاب لابن عبد البر: ۴/۱۸۲۳۔

(۲) مسند احمد: ۶/۱۸۱، الطبرانی فی الکبیر: ۲۳/۱۳۔

عورت کا انتخاب کیا جن کا شوہر بحیثیت مسلمان مہاجر حبشہ میں وفات پا گیا تھا۔ اُن کا نام سودہ بنت زمعہ قرشیہ تھا۔ انہیں بھی ایک شوہر کی ضرورت تھی جن کے پاس وہ پناہ لیتیں اور سکون حاصل کرتیں۔

انہی جیسے بلند مقاصد نبی کریم ﷺ کی تمام امہات المؤمنین کے ساتھ شادی کے پیچھے کار فرما تھے۔ ذیل میں اُن مخصوص اسباب اور حکمتوں کو اختصار کے ساتھ پیش کرتا ہوں:

۱- عربوں کی عادتِ حسنہ تھی کہ وہ ازدواجی رشتوں کا بڑا پاس و لحاظ رکھتے تھے، اور سرسریوں کی مخالفت اور دشمنی کو گالی اور عار سمجھا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے دینِ اسلام کی بہتری کے لئے اس قبائلی عادت سے استفادہ کرنا چاہا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے عائشہ بنت ابوبکر اور حفصہ بنت عمر سے شادی کی، اور فاطمہ کی شادی علی بن ابی طالب سے کی، اور اپنی بیٹی رقیہ اور اُن کے انتقال کے بعد اپنی بیٹی اُم کلثوم کی شادی عثمان بن عفان سے اسی نقطہ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے کی، تاکہ آپ ﷺ کے تعلقات ان چاروں کبار صحابہ سے ہمیشہ کے لئے استوار ہو جائیں جن کا اخلاص اور اسلام کے لئے فدایت اسلام کے روز اول سے مشہور تھی۔

اُم سلمہ سے بھی آپ ﷺ نے شادی شاید انہی مقاصدِ عظمیٰ کو مد نظر رکھتے ہوئے کی تھی، اس لئے کہ وہ قبیلہ مخزوم کی تھیں جن سے تعلق خالد بن ولید اور ابو جہل کا تھا۔

اُم حبیبہ سے آپ ﷺ کی شادی کا مقصد اول غالباً یہی کچھ تھا۔ اس لئے کہ وہ ابوسفیان کی بیٹی تھیں جو اللہ اور اُس کے رسول کا بدترین دشمن تھا، اور جب اس کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بیٹی اُم حبیبہ سے شادی کر لی ہے تو اُس کی عداوت کی آگ دھیمی پڑ گئی۔

اور بنی مصطلق کی جویرہ جن سے رسول اللہ ﷺ نے انہیں آزاد کرنے کے بعد شادی کر لی، اللہ کی مشیت کے بعد بنی مصطلق کو اسلام سے قریب کرنے کی بڑی سبب بنیں، اس لئے کہ صحابہ کرام نے جب سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی ایک لڑکی سے شادی کر لی ہے تو بنی مصطلق کے تقریباً سو گھروں کے افراد کو آزاد کر دیا جو غزوہ بنی مصطلق کے بعد گرفتار ہو گئے تھے۔ اور اس طرح نبی کریم ﷺ اور دینِ اسلام کی محبت تمام بنی مصطلق کے دلوں میں گھر کر گئی۔

۲- نبی کریم ﷺ نے اُم حبیبہ، اُم سلمہ، میمونہ اور زینب ام المہاجرین جیسی بیواؤں سے شادی اس لئے کی تاکہ انہیں اپنے سایہ عاطفت میں جگہ دیں، اُن کے آنسو پونجھیں، اور اُن کی دیکھ بھال کریں۔ اسی طرح آپ ﷺ نے صفیہ اور جویرہ رضی اللہ عنہما سے اس لئے شادی کی کہ اُن کے آنسو پونجھیں، اُن

کے شوہروں کی وفات سے انہیں جو غم لاحق ہوا تھا اس کا مداوا کریں۔ حبیب بن اخطب (صفیہ کا باپ) اس لئے قتل کیا گیا تھا کہ وہ سرزمین پر اسلام اور مسلمانوں کا بدترین دشمن اور اللہ کی نگاہ میں اکابر مجرمین میں سے تھا۔

۳۔ زینب بنت جحش جو آپ ﷺ کی پھوپھی اُمیہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں، اُن سے آپ ﷺ نے شادی اس لئے کی کہ عہد جاہلیت میں منہ بولا بیٹا بنانے کی عادت کا خاتمہ کیا جائے۔ اس لئے کہ عہد جاہلیت میں عربوں کے نزدیک منہ بولے بیٹے کو صلی بیٹے کی طرح تمام محرمات اور حقوق حاصل ہوتے تھے، دونوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہوتی تھی۔ انہی محرمات میں سے متنی کی بیوی سے شادی کی حرمت تھی۔ اور یہ نظریہ لوگوں کے دلوں میں ایسا جڑ پکڑ چکا تھا کہ اس کا بدلنا آسان نہ تھا۔ جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس فاسد اور قبیح عادت کا ابطال کرنا چاہا اس لئے کہ یہ اسلام کے ان اصول و مبادی کے مخالف تھا جنہیں شریعت اسلامیہ نے نکاح و طلاق اور میراث کے سلسلہ میں مسلمان خاندانوں کے حفظ و بقا کے لئے مقرر کر دیا ہے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین ﷺ کو حکم دیا کہ وہ زینب بنت جحش سے شادی کر لیں جنہیں اُن کے شوہر زید بن حارثہ نے طلاق دے دی تھی جو اسلام آنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے منہ بولے بیٹا تھے۔ رسول اللہ ﷺ پر یہ امر الہی شاق گزرا (حالانکہ وہ پہلے سے بذریعہ وحی واقف تھے کہ یہ شادی ہو کر رہے گی) اس لئے کہ آپ ﷺ بشری مزاج کے مطابق ڈرتے تھے کہ منافقین اور مشرکین یہود اس خبر کو لے اڑیں گے، اور لوگوں میں خوب پھیلائیں گے کہ محمد نے اپنے متنی کی بیوی سے شادی کر لی ہے، اور یہ کہ وہ پہلے سے ہی اُس عورت پر رنجھا ہوا تھا، اور یہ کہ محمد نے ہی زینب کو زید کی نافرمانی پر اکسایا تھا تاکہ وہ مجبور ہو کر اسے طلاق دے دے، اور اس سے شادی کرنے کے لئے فضا ہموار ہو جائے۔ اور ان باتوں سے آپ کی دعوت اور نیک شہرت کو نقصان پہنچے گا۔

لیکن رسول اللہ ﷺ کے اختیار میں اللہ کی طاعت و بندگی کے سوا کچھ بھی نہ تھا، اللہ نے آپ ﷺ پر یہ شادی واجب کر دی تھی، بلکہ اللہ نے خود ہی آپ ﷺ کی شادی زینب سے سات آسمانوں کے اوپر کر دی تاکہ عربوں کی سوسائٹی سے اس جاہلی عادت کا خاتمہ ہو، جس کے سبب اصحاب حقوق ورثہ محروم ہو جاتے تھے اور متنی وارث بن بیٹھتا تھا، اور آدمی ایک ایسی عورت کو اپنے نکاح میں نہیں لاسکتا تھا جو اس کے لئے حلال تھی اس زعم باطل کے سبب کہ یہ تو اُس کے متنی کی بیوی رہ چکی ہے۔

اس حقیقت کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیت کریمہ میں فرمائی ہے: ﴿وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ

وَتَخَشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ۖ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ ۖ (اور جب آپ اس شخص سے کہتے تھے جس پر اللہ نے احسان کیا اور آپ نے بھی اس پر احسان کیا کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس ہی رکھو، اور اللہ سے ڈرو، اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا، اور آپ لوگوں سے خائف تھے، حالانکہ اللہ زیادہ حقدار تھا کہ آپ اس سے ڈرتے، پس جب زید نے اس سے اپنی ضرورت پوری کر لی، تو ہم نے اس سے آپ کی شادی کر دی، تاکہ مومنوں کے لئے ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے شادی کرنے میں کوئی حرج باقی نہ رہے، جب وہ منہ بولے بیٹے ان بیویوں سے اپنی ضرورت پوری کر لیں، اور اللہ کے فیصلے کو بہر حال ہونا ہی تھا، نبی کے لئے اس کام کو کر گزرنے میں کوئی حرج نہیں جسے اللہ نے ان کے لئے ضروری قرار دیا ہے) [الاحزاب: ۳۷-۳۸]۔

اس شادی کے ذریعہ صحابہ کرام اور ان کے علاوہ منافقین اور مشرکین و یہود کے لئے یہ بات واضح ہو گئی کہ کسی کو بیٹا بنا لینے سے اسلام کے احکام نہیں بدل جاتے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لئے اتنی بیویاں حلال کی ہیں جو دیگر مسلمانوں کے لئے حلال نہیں کی گئی ہیں، اُن اغراض اور حکمتوں کے سبب جن میں بعض کا اوپر ذکر ہوا ہے۔

۴- نبی کریم ﷺ کے لئے تعددِ ازواج کو حلال کرنے کے اہم مقاصد میں سے یہ بھی تھا کہ یہ بیویاں نبی کے گھر میں داخل ہو کر اسلامی عقیدہ اور شریعتِ اسلامیہ کا علم حاصل کریں تاکہ اُن کے ذریعہ وہ علوم امت میں پھیلیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ عقلمند اور صالح مسلمان عورتوں کی ایک جماعت نبی کے گھر میں داخل ہو تاکہ نبی کریم ﷺ اُن کی تربیت کریں، انہیں اسلامی شرائع اور احکام کی تعلیم دیں، اُن کا تزکیہ کریں اور وہ مدرسہ رسول ﷺ سے فارغ ہو کر مسلمان عورتوں اور دیگر صحابہ کرام کو وہ احکام و مسائل سکھائیں جن کا تعلق عورتوں سے ہے، انہیں نبی کریم ﷺ کے نجی سلوک و برتاؤ کی باتیں بتائیں، انہیں بتائیں کہ آپ ﷺ اپنی بیگمات، بچیوں، نواسوں اور نوکروں چاکروں سے کیسا معاملہ کرتے تھے، نیز بہت سے ایسے احکام و مسائل جنہیں بیویوں کے سوا کوئی نہیں جان سکتا تھا۔

یہ اہمات المؤمنین مسجدِ نبوی کے جوار میں اپنے چھوٹے کمروں میں رہتی تھیں، پانچوں نمازوں کی اذانیں سنتی تھیں، صحابہ کرام کو آتے جاتے دیکھتی تھیں، جو نبی کریم ﷺ کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے، آپ ﷺ کی حدیثیں سنتی تھیں، اور اپنے گھروں میں اسلامی تعلیمات کا بالعموم اور عورتوں سے متعلق تعلیمات کا بالخصوص علم حاصل کرتی تھیں۔

اس طرح ان امہات المؤمنین کی دعوت الی اللہ کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے لئے تربیت ہوتی رہی، اور تبلیغ دین اور مسلمان مردوں اور عورتوں کو ان کے دین کی تعلیم دینے کی اہلیت اُن میں پیدا ہوتی رہی۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ غزوات اور جنگی اسفار میں جاتی رہیں۔ وہاں یہ اللہ کی نیک بندیاں زخیموں کا علاج کرتیں، مریضوں کی تیمارداری کرتیں، بھلائی کا سب کو حکم دیتیں، اور پریشانی کے وقت مجاہدین کی ڈھارس بندھاتیں۔ مختصر یہ کہ دین کا تقریباً ایک حصہ ان امہات المؤمنین کے ذریعہ محفوظ ہوا جس کا تعلق بالخصوص نبی کریم ﷺ کی خانگی اور ازواجی زندگی سے تھا۔ صحابہ کرام کو یہ علم انہیں مومنات صالحات کے ذریعہ حاصل ہوا۔

ان میں خاص طور پر اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا کا مقام عالی ہے جو غایت درجہ ذہین و فطین تھیں۔ انہوں نے اسلام کی بہت ساری تعلیمات کو اپنے حافظہ میں محفوظ کر لیا، چنانچہ ان سے مروی احادیث کی تعداد دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰) تک پہنچتی ہے۔

اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی احادیث کی تعداد تین سو اٹھتر (۳۷۸) ہے۔ اور میمونہ رضی اللہ عنہا نے چھ ہتر (۷۶) حدیثیں روایت کی ہیں، اور اُم حبیبہ نے پینسٹھ (۶۵) اور حفصہ بنت عمر نے ساٹھ (۶۰) اور زینب بنت جحش نے نو (۹) حدیثیں روایت کی ہیں، اور صفیہ نے دس (۱۰) اور تقریباً یہی بات دیگر ازواج مطہرات کی بھی تھی۔ اور ان حدیثوں کی حیثیت احکام و شرائع اسلام اور عقیدہ و مبادی اسلامیہ کی تعلیم کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی تھی۔

حافظ ذہبی عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں لکھتے ہیں: عائشہ اکابر فقہائے صحابہ میں سے تھیں، فقہائے صحابہ بسا اوقات ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ قبیسہ بن ذؤیب کہتے ہیں: عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس سب سے زیادہ علم تھا، اکابر صحابہ ان سے پوچھتے تھے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم صحابہ رسول اللہ کو جب بھی کسی حدیث کے سلسلہ میں کوئی مشکل پیش آتی تو عائشہ کی طرف رجوع کرتے اور ان کے پاس اس کے بارے میں ضرور علم ہوتا جس سے وہ ہمیں مستفید کرتیں۔ اور حسان کہتے ہیں: میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی کے پاس قرآن کا علم، احکام شرعیہ اور حلال و حرام کا علم، اور شعر و روایات عرب اور نسب کا علم نہیں پایا^(۱)۔

۵- تعدد ازواج رسول اللہ ﷺ کی ایک اور بہت بڑی حکمت ہے جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے: رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے سارے عالم کے لئے بشیر و نذیر بنا کر مبعوث فرمایا تھا، آپ ﷺ ایک ایسے عہد میں مبعوث ہوئے تھے جس میں انسانیت خود کشی کی راہ پر تیزی کے ساتھ آگے بڑھی جا رہی تھی۔ انسان اپنے خالق کو فراموش

کر چکا تھا، اور اپنے آپ سے اور اپنے انجام سے بے خبر ہو چکا تھا۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا تاکہ آپ تاریکی کا خاتمہ کر دیں اور دنیا کو نور و ہدایت سے بھر دیں، اور توحیدِ خالص اور دینِ اسلام کی تعلیمات کو چہار دانگِ عالم میں پہنچائیں، تاکہ بھگی ہوئی انسانیت اپنے خالق کی طرف رجوع کرے، اور آدم کے بیٹے اللہ کے نیک بندے بن کر دنیا کو بھلائی اور نیکی کے ذریعہ آباد کریں۔

اور چونکہ نبی کریم ﷺ اللہ کے آخری نبی تھے، اور دینِ اسلام اللہ کا آخری دین، اس لئے آپ ﷺ رہتی دنیا تک کے لئے نمونہ تھے تاکہ ابنِ آدم کو کسی دوسرے رہنما اور مُصلح کی ضرورت نہ پڑے، اور ضروری تھا کہ آپ ﷺ کے آئینہ دل اور نمونہ ہونے کی شہادت وہ لوگ دیں جن کا آپ ﷺ سے گہرا ربط و تعلق تھا۔ اور بیوی سے زیادہ کسی کا بھی گہرا ربط و تعلق نہیں ہوتا۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی خاتم کے لئے چار سے زیادہ بیویوں کی اجازت دی، اور ان بیویوں کو نبی کے گھر میں داخل کر دیا تاکہ یہ نہایت قریب سے آپ ﷺ کی نجی اور خانگی زندگی کو دیکھیں، اور آپ ﷺ کے لئے کرم نوازی، شرافتِ نفسی، رافت و رحمت، اپنے رب کی جناب میں غایت درجہ خشوع و خضوع، رقت و عبادت اور تذلل و تضرع اور راتوں کو اٹھ کر اپنے خالق کے حضور گڑ گڑانے کی گواہی دیں۔

اور یہ لکھنا بھول نہ جاؤں کہ اکثر امہات المؤمنین نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد زندہ رہیں، بعض کچھ سالوں کے لئے اور بعض بہت سالوں کے لئے۔ ان سبھوں نے زہد و تقویٰ، صبر و شکیبائی، قناعت و کفایتِ شعاری کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے لئے غایت درجہ اخلاص و وفاداری کی زندگی گزاری، ان میں سے کسی کی زبان سے رسول اللہ ﷺ کے خلاف کوئی ادنیٰ سا بُرا کلمہ نہ نکلا، بلکہ ان میں سے جس سے بھی کبھی آپ ﷺ کے بارے میں کوئی سوال کیا گیا تو انہوں نے آپ ﷺ کے لئے ہر خیر اور ہر بھلائی کی گواہی دی، اور آپ کی غایتِ تعظیم و محبت میں اُن کا سر نہ کھارہا۔

نبی کریم ﷺ کی بیگمات کی طرف سے آپ ﷺ کی عظمتوں اور ہزار خوبیوں کی یہ گواہیاں یقیناً آپ کی عظمت و بلندی کی شاہدِ عدل تھیں، اس لئے کہ انسان چاہے جتنی بھی کوشش کرے، ممکن نہیں کہ اپنے عیوب، بدسلوکیوں، بداخلاقیوں اور بد اعمالیوں کو اپنی بیوی سے چھپا سکے۔

یہ گواہیاں اُن امہات المؤمنین کی ہیں جو آپ ﷺ کے لئے لباس کی حیثیت رکھتی تھیں، ان سب نے گھر کے اندر نبی کریم ﷺ کی عالی ظرفی، خلقِ حسن، رقتِ طبع اور رافت و رحمت کی گواہی دی۔ ذیل میں ان گواہیوں سے متعلق کچھ روایات و واقعات سنئے:

۱- عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ گھر میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ کیا کرتے تھے؟ کہا: اپنے گھر والوں کی خدمت و مدد میں لگے رہتے تھے، اور جب نماز کا وقت آتا تو نماز کے لئے مسجد میں تشریف لے جاتے^(۱)۔

۲- عائشہ ایک دوسری حدیث میں کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنا جو تاگا نٹھتے تھے، اپنا کپڑا سیتے تھے، جس طرح تم لوگ اپنے گھروں میں کرتے ہو^(۲)۔

نیز کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے لئے بہتر ہے، اور میں تم سب سے زیادہ بہتر ہوں اپنے اہل و عیال کے لئے^(۳)۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو کہا: آپ کا خلقِ کریم قرآن تھا^(۴)۔ سبحان اللہ کیسی عظیم گواہی ہے یہ، اور کیسی فصیح و بلیغ تعبیر ہے کہ نبی کریم ﷺ کی پوری زندگی قرآن کریم کی تفسیر اور شریعتِ اسلامیہ کی تشریح تھی، اور آپ کا باطن ظاہر کے بالکل مطابق تھا۔

۳- بخاری و مسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ کچھ دیہاتی عرب رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، انہوں نے آپ ﷺ سے پوچھا: کیا آپ لوگ اپنے بچوں کو چومتے ہیں؟ صحابہ نے کہا: ہاں۔ دیہاتیوں نے کہا: ہم تو اللہ کی قسم! اپنے بچوں کو نہیں چومتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر اللہ نے تمہارے دلوں سے رحمت نکال دی ہے تو ہم کچھ نہیں کر سکتے^(۵)۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے کہا: میں جانتا ہوں جب تم راضی رہتی ہو، اور جب ناراض رہتی ہو۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: آپ کیسے جان جاتے ہیں؟ فرمایا: جب تم راضی رہتی ہو تو کہتی ہو: ربِّ محمد کی قسم! اور جب ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو: ربِّ ابراہیم کی قسم! عائشہ نے کہا: ہاں، اللہ کی قسم۔ اے اللہ کے رسول! میں صرف آپ کا نام چھوڑ دیتی ہوں^(۶)۔

(۱) البخاری، باب الصلاۃ، حدیث: (۶۰۳۹، ۵۳۶۳، ۶۷۶)۔

(۲) مصنف عبد الرزاق، حدیث: (۲۰۴۹۲)۔

(۳) الترمذی، المناقب، حدیث: (۳۸۹۵)۔

(۴) مسلم، باب صلاۃ اللیل، حدیث: (۷۴۶)، النسائی، باب قیام اللیل، حدیث: (۱۶۰۱)۔

(۵) البخاری، کتاب الأدب، حدیث: (۵۹۹۸)، مسلم، کتاب الفصائل، حدیث: (۲۳۱۷/۶۴)۔

(۶) مسلم، باب فضل عائشہ، حدیث: (۲۴۳۹)۔

۴- عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں اور رسول اللہ ﷺ ایک برتن سے نہاتے تھے، اور آپ ﷺ ایسا میرے سوا کسی بیوی کے ساتھ نہیں کرتے تھے۔

۵- عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نماز پڑھتے تھے در انحالیکہ میں آپ کے سامنے سوئی رہتی تھی، ایسا آپ ﷺ میرے سوا کسی بیوی کے ساتھ نہیں کرتے تھے۔

۶- عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: اللہ تعالیٰ نے جب آپ ﷺ کی روح کو قبض کیا تو آپ ﷺ میرے پہلو اور میری گردن کے درمیان تھے^(۱)۔

۷- عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے ایک دن رسول اللہ ﷺ کو خوش طبع دیکھا تو کہا: اے اللہ کے رسول! میرے لئے دعا کر دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! عائشہ کے اگلے اور پچھلے، اور پوشیدہ اور ظاہر سب گناہ معاف کر دیجئے۔ عائشہ ہنسنے لگیں یہاں تک کہ مارے ہنسی کے اُن کا سر اُن کی گود میں جھک گیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تمہیں میری دعا اچھی لگی؟ انہوں نے کہا: آپ کی دعا مجھے کیوں نہیں اچھی لگے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! ہر نماز میں اپنی امت کے لئے میری یہی دعا ہوتی ہے^(۲)۔

۸- نیز کہتی ہیں: عید کے دن کچھ سوڈانی لوگ ڈھال اور نیزہ سے مسجد نبوی میں کھیل رہے تھے، تو شاید میں نے رسول اللہ ﷺ سے طلب کیا، یا خود آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تم دیکھنا چاہتی ہو؟ میں نے کہا: ہاں۔ تو آپ ﷺ نے مجھے اپنے پیچھے کھڑی کر لیا، میرا رخسار آپ کے رخسار پر تھا، اور آپ ﷺ نے کہا: اے بنی اُردہ! اب کھیلو، اور جب میرا جی بھر گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا اب کافی ہو گیا؟ میں نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ^(۳)۔

۹- ابوسفیان بن حرب مدینۃ الرسول آیا تاکہ صلح حدیبیہ کی مدت میں اس کے لئے توسیع کر دی جائے، لیکن رسول اللہ ﷺ اُس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ تو وہ اپنی بیٹی اُمّ حبیبہ کے پاس گیا، اور رسول اللہ ﷺ کے بستر پر بیٹھنا چاہا، اُمّ حبیبہ نے فوراً بستر کو لپیٹ دیا، ابوسفیان نے کہا: اے بیٹی! تم نے اس بستر کو میرے لائق نہیں سمجھا، یا مجھے اس بستر کے لائق نہیں سمجھا؟ اُمّ حبیبہ نے کہا: بلکہ یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے، اور آپ ایک ناپاک اور مشرک آدمی ہیں۔ ابوسفیان نے کہا: اے بیٹی! میرے بعد تمہیں کوئی بُری شے لاحق ہو گئی ہے^(۴)۔

(۱) طبقات ابن سعد: ۸/۶۳-۶۴۔

(۲) کشف الاستار للبرز: ۳/۲۳۹۔

(۳) مسلم، کتاب صلاۃ العیدین، حدیث: (۱۹/۸۹۲)۔

(۴) صفۃ الصفوة: ۴۶۲، طبقات ابن سعد: ۸/۱۰۰، ۹۹۔

۱۰- صفیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کے ساتھ حج کیا، راستہ میں ایک جگہ میرا اونٹ تھک کر بیٹھ گیا، تو میں رونے لگی۔ نبی کریم ﷺ میرے پاس آئے اور اپنی چادر اور ہاتھ سے میرا آنسو پونچھنے لگے، میں اور رونے لگی، اور مجھے منع کرنے لگے، جب میں زیادہ رونے لگی تو آپ ﷺ نے مجھے ڈانٹ پلائی^(۱)۔

۱۱- ترمذی نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: صفیہ کو خبر ملی کہ حفصہ نے انہیں ”یہودی کی بیٹی“ کہا ہے، تو وہ رونے لگیں، رسول اللہ ﷺ اُن کے پاس آئے تو وہ رورہی تھیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیوں رورہی ہو؟ انہوں نے بتایا کہ مجھے حفصہ نے ”یہودی کی بیٹی“ کہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم تو نبی کی بیٹی ہو، اور تمہارے چچا نبی تھے، اور تم نبی کی بیوی ہو، پھر کس بات پر وہ تمہارے سامنے فخر کرتی ہے؟ آپ ﷺ نے پھر کہا: حفصہ، تم اللہ سے ڈرو^(۲)۔

۱۲- صفیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے ملنے کے لئے آئیں جب آپ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں مسجد میں حالت اعتکاف میں تھے۔ انہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ ایک گھنٹہ تک گفتگو کی، پھر واپس جانے لگیں، تو رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر اُن کو رخصت کیا^(۳)۔

۱۳- جس بیماری میں رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی، آپ ﷺ کے پاس آپ کی بیویاں جمع تھیں۔ صفیہ نے کہا: اللہ کی قسم، اے اللہ کے نبی! کاش آپ کی بیماری مجھ میں منتقل ہو جاتی، تو دوسری امہات المؤمنین نے انہیں ٹھونکنے لگا کر ایسی بات کرنے سے منع کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایسا کرتے دیکھ لیا اور فرمایا: تم سب گھٹی کر کے اپنے منہ صاف کر لو۔ انہوں نے پوچھا: کس چیز سے ہم کٹی کریں اے اللہ کے رسول؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو بات تم نے صفیہ کے بارے کہی ہے اُس سے اللہ کی قسم، صفیہ سچی ہے^(۴)۔

کتاب احادیث کا مطالعہ کرنے سے امہات المؤمنین اور بالخصوص عائشہ کے ذریعہ مروی بہت سی احادیث میں اس بات کا ذکر ملتا ہے کہ نبی کریم ﷺ تہجد کے علاوہ عام نوافل کا اُن کے گھروں میں کتنا زیادہ اہتمام کرتے تھے، اور تہجد کی نماز کبھی طویل ہوتی اور کبھی مختصر، اور ان نمازوں میں آپ ﷺ اللہ کے حضور ابہتال کرتے اور گڑگڑاتے تھے، اور رات کی نمازوں میں اتنا طویل قیام کرتے کہ آپ کے دونوں پاؤں پھٹ جاتے تھے۔ یہ سب

(۱) اسد الغابۃ: ۷/۱۷۰۔

(۲) الترمذی، المناقب، حدیث: (۳۸۹۱)، ومند احمد: ۲/۱۳۵، ۱۳۶۔

(۳) البخاری، کتاب الاعتکاف، حدیث: (۱۹۳۵)۔

(۴) طبقات ابن سعد: ۸/۱۲۸، الإصابة: ۷/۷۴۱۔

دیکھ کر ایک بار عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ ایسا کیوں کرتے ہیں، آپ کے تو اگلے اور پچھلے سب گناہ اللہ نے معاف کر دیئے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں نہ چاہوں کہ اللہ کا شکر گزار بندہ بنوں^(۱)۔

۱۴- اسی نبوی تربیت اور امہات المؤمنین کے ساتھ آپ ﷺ کی نرمی اور محبت و شفقت کا اثر تھا کہ سب نے بغیر کسی ادنیٰ تردد و تاخیر کے اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کیا جب اللہ نے انہیں اختیار دیا کہ وہ دنیا اور اس کی خوش رنگیوں اور اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کی خوشیوں میں سے کسی ایک کو اختیار کریں۔

چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے سورہ احزاب کی اس سلسلہ کی دونوں مندرجہ ذیل آیتیں پڑھیں: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۚ وَإِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ (اے میرے نبی! آپ اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں دنیا کی زندگی اور اس کی خوش رنگیاں چاہئے، تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دوں اور خوش اسلوبی کے ساتھ تمہیں رخصت کر دوں۔ اور اگر تمہیں اللہ اور اس کا رسول چاہئے، اور آخرت کی بھلائی چاہئے، تو بے شک اللہ نے تم میں سے نیک عمل کرنے والیوں کے لئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے) [الاحزاب: ۲۸-۲۹]۔ اور کہا: جلدی نہ کرو، اور اپنے باپ ماں سے مشورہ کر لو، تو عائشہ نے کہا: کیا میں اس بارے میں اپنے باپ ماں سے مشورہ کروں؟ میں اللہ اور اس کے رسول اور دارِ آخرت کو اختیار کرتی ہوں۔ اور عائشہ کے بعد دیگر تمام بیویوں نے بھی یہی موقف اختیار کیا، رضی اللہ عنہن جمیعاً^(۲)۔

اہل مغرب کا بیمار فکر اور سیرت نبوی ﷺ:

تعددِ ازواج نبوی کے جو معقول اسباب اور اونچے اغراض و مقاصد اب تک بیان کئے گئے ان سب کا اور اک تمام صحابہ کرام نے کیا اور پورے طور پر مطمئن ہوئے۔ امہات المؤمنین بھی ان اسباب اور حکمتوں کی قائل ہوئیں جہی تو ان میں سے کئی نے رسول اللہ ﷺ کی پہلے سے متعدد بیویاں ہونے کے باوجود اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے لئے ہبہ کر دیا، اور شدید تنگی رزق اور ہزار دنیاوی پریشانیوں کے باوجود آپ ﷺ کے سایہ عاطفت میں خوشی اور رضامندی کے ساتھ زندگی گزارتی رہیں۔ اور کبھی ان میں سے کسی کے لب پر حرف شکایت نہیں آیا۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھے نہیں معلوم کہ نبی کریم ﷺ نے کبھی نرم روٹی کھائی یہاں تک کہ اللہ سے جاملے،

(۱) البخاری، کتاب التفسیر، حدیث: (۴۸۳۷)، مسلم، الحجۃ والنار، حدیث: (۲۸۲۰)

(۲) البخاری، کتاب التفسیر، حدیث: (۴۸۵۷، ۴۸۶۱، ۴۸۷۱)، مسلم، حدیث: (۱۳۷۵)

اور نہ پوری بھنی ہوئی بکری کبھی دیکھی، اور عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ہم تین چاند دیکھ لیتے تھے اور دو ماہ گزر جاتے تھے، اور رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں چولہا نہیں جلایا جاتا تھا، غرہ نے پوچھا: کون سی چیز تم لوگوں کو زندہ رکھتی تھی؟ انہوں نے کہا: کھجور اور پانی^(۱)۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: محمد کے گھرانے والے مسلسل دو دن تک بھوکے روٹی کھا کر آسودہ نہیں ہوئے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ دنیا سے اٹھائے گئے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: رسول اللہ اور آپ ﷺ کی بیویاں کئی کئی رات کا کھانے کھائے بغیر سو جاتی تھیں۔ اور ان کی روٹی اکثر بھوکے ہوتی تھی۔

اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے پاس کھجور لائی جاتی تھی، تو میں آپ ﷺ کو اس میں سے کھاتے ہوئے دیکھتا تھا، در انحالیکہ آپ ﷺ بھوک کی وجہ سے پیچھے کسی چیز سے ٹیک لگائے ہوتے تھے^(۲)۔ اور تعدّٰد ازواج کو فطرتِ سلیم اور اس دور کا عربی سماج بخوشی قبول کرتا تھا، اور جیسا کہ ابھی اوپر بیان کیا گیا سوسائٹی کے اخلاقی تقاضے بھی یہی تھے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس کی اجازت دی۔ اس میں کسی قسم کی کوئی قباحت و شاعت نہیں تھی، نہ اخلاقی اعتبار سے، اور نہ ہی مسلم سوسائٹی کی مصلحتوں کی رُو سے، نہ کسی صحابی نے اس پر کوئی اعتراض کیا، نہ محدثین کرام اور ائمہ عظام نے گویا پوری امتِ مسلمہ نے اللہ کی طرف سے ایک حکم شرعی سمجھ کر اسے قبول کیا جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص تھا، اور جس کے ان گنت فوائد و منافع تھے جن کا تفصیل کے ساتھ اوپر ذکر ہو چکا۔

لیکن یہود و نصاریٰ کو بالعموم اور ان کے کینہ پرور مستشرقین کو بالخصوص اس امر الہی میں بہت سے کیرے نظر آنے لگے، اور اسلام اور عجمی اسلام کے خلاف اپنے گھٹیا اغراض و مقاصد کو پورا کرنے کے لئے بلادِ عربیہ کی اجتماعی زندگی اور شریعتِ اسلامیہ کے عالمی قوانین کو فسق و فجور اور زنا کے مرض میں مبتلا اپنے ذہنی افکار و میزان سے تولنے لگے، اور دینِ اسلام کے احکام نکاح و طلاق کے بارے میں اپنے آراء و افکار سے امتِ مسلمہ کو نوازنے لگے، جن کی ہر چند مسلمانوں کو کوئی ضرورت نہیں، اور نبی کریم ﷺ کے تعدّٰد ازواج پر زبان درازی کرنے لگے تاکہ مغرب زدہ لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات ڈالیں کہ دینِ اسلام کے نبی ﷺ پیغامِ الہی کی ذمہ داری اٹھانے کے اہل نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ ایسی فکرِ کافری کے ساتھ دراز زبانوں کو ہمیشہ کے لئے گنگ کر دے۔

(۱) البخاری، کتاب الرقاق، حدیث: (۶۳۵۷-۶۳۵۹)۔

(۲) دیکھئے مختصر الشماک الملحمہ: ص ۸۶، ۸۷، اور یہ تمام حدیثیں صحیح ہیں، اور صحیحین اور دیگر کتب احادیث میں مروی ہیں۔

اہلِ مغرب کے لئے یہ چیز باعثِ ننگ و عار ہے کہ اخلاقی جرائم اور جنسی بے راہ رویوں اور انارکیوں سے بھرے ممالک میں رہنے والے خود تو فسق و فجور اور زنا کاریوں کے سیلاب میں غلطاں و پیچاں ہیں، اور اپنے ان گندے سماجوں کی اصلاح کی بات نہ کر کے اپنی گندی زبانوں سے رسولِ ہاشمی فداہِ ابی وائی اور پاکیزہ صفات اُمہاتِ المؤمنین کے نام لیتے ہیں اور ان پر کچڑا چھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

زنا اہلِ مغرب کی زندگی کا ایک لازمی حصہ بن چکا ہے، اُن کی فطرت مسخ ہو چکی ہے، ان کی زندگی سے خیر کے تمام نشانات مٹ چکے ہیں، وہ بندروں اور سُوروں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہیں، اور اللہ کے خلاف اظہارِ جرات کرتے ہیں کبھی قرآن کریم میں شبہات پیدا کرتے ہیں تو کبھی نبی کریم ﷺ کی روشن و تابناک اور بے داغ زندگی پر جھوٹی تہمتیں لگاتے ہیں۔ سچ ہے، جو ایمان کی دولت سے محروم ہوتا ہے، اس کے لئے ہر گناہ ہلکا اور آسان ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ دن دور نہیں جب انہیں اللہ کا عذاب اپنی گرفت میں لے لے گا۔

آپ ﷺ کی بیٹیاں:

رسول اللہ ﷺ کی بیویوں میں سے صرف دو سے آپ ﷺ کو اولاد ہوئی، خدیجہ بنت خویلد قرشیہ سے جو آپ کی پہلی بیوی تھیں، اور ماریہ بنت شمعون قبظیہ مصریہ سے جو آپ کی لونڈی تھیں۔ ان دونوں کا ذکر خیر گزر چکا ہے۔ ماریہ رضی اللہ عنہا سے آپ کے صاحبزادے ابراہیم سن ۸ ہجری میں مدینہ میں پیدا ہوئے، اور رضاعت کی مدت پوری ہونے سے پہلے ہی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے اُن کی وفات کے وقت فرمایا: آنکھ آنسو بہا رہی ہے، اور دل غمگین ہے، لیکن ہم کوئی ایسی بات نہیں کہیں گے جو رب کو ناراض کر دے۔ اور ہم اے ابراہیم! تمہاری جدائی پر بہت ہی زیادہ غمگین ہیں^(۱)۔

جب ابراہیم کی وفات کی خبر چاروں طرف پھیلی تو اُس وقت آفتاب کو گرہن لگا ہوا تھا۔ بعض مسلمانوں نے کہا: آفتاب کو ابراہیم کی وفات کی وجہ سے گرہن لگ گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آفتاب و ماہتاب کو کسی کی حیات یا موت کے سبب گرہن نہیں لگتا، تم لوگ جب گرہن دیکھو تو نماز پڑھو اور اللہ سے دعا کرو^(۲)۔

اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ”قاسم“ مولود ہوئے، جن کے نام سے آپ ﷺ کی کنیت ”ابو القاسم“ ہوئی۔ یہ بھی بچپن میں ہی وفات پا گئے۔ اور ”عبداللہ“ مولود ہوئے، جنہیں طیب و طاہر کا لقب ملا، جیسا کہ علامہ

(۱) مسلم، الفضائل، حدیث: (۲۳۱۵/۶۲)، البخاری، الجنائز، حدیث: (۱۳۰۳)۔

(۲) البخاری، کتاب الکسوف، حدیث: (۱۰۴۳)، مسلم، الکسوف، حدیث: (۹۱۵/۲۹)۔

ابن القیم نے ذکر کیا ہے^(۱)۔ یہ بھی بچپن میں وفات پا گئے، اور مکہ میں مدفون ہوئے۔

خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اللہ نے آپ ﷺ کو چار بچیاں دیں، جن کے نام مندرجہ ذیل تھے: زینب، رقیہ، اُمّ کلثوم اور فاطمہ، ان چاروں نے اسلام کا زمانہ پایا اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی، پھر ہجرت کر کے مدینہ گئیں۔ ذیل میں چند سطریں ان بیٹیوں کے بارے میں لکھی جا رہی ہیں:

۱- زینب اپنی بہنوں کے ساتھ بڑی ہوئیں، اور اسلام سے قبل اپنے خالہ زاد ابو العاص بن ربیع سے بیاہی گئیں۔ اور اسلام آنے کے بعد اپنی ماں اور بہنوں کے ساتھ مشرف باسلام ہوئیں۔ اُس وقت اُن کا شوہر ابو العاص تجارت کے لئے ملک شام گیا ہوا تھا، مکہ واپس آنے کے بعد اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ رقیہ، اُمّ کلثوم اور فاطمہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئیں، اور زینب مکہ میں ہی سخت غربت و بیگانگی کی زندگی گزارتی رہیں۔ اور جب ابو العاص میدان بدر میں قیدی بنا لیا گیا تو زینب نے ان کو آزاد کرانے کے لئے مال اور اپنے گلے کا وہ ہار بھیجا جو خدیجہ نے انہیں خستی کے وقت دیا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ کی نظر اُس پر پڑی تو آپ ﷺ کا دل بھر آیا اور صحابہ کرام کو مشورہ دیا کہ وہ ابو العاص کو اس شرط پر چھوڑ دیں کہ وہ زینب کو مدینہ آنے کی اجازت دے دے گا۔ چنانچہ زینب ہجرت کر کے اپنے والد (رسول اللہ ﷺ) اور اپنی بہنوں کے پاس آ گئیں۔ کچھ دنوں کے بعد ابو العاص بھی مسلمان ہو کر مدینہ آ گئے۔

لیکن زینب مدینہ آنے کے بعد زیادہ دن تک زندہ نہیں رہیں، اُن تکلیفوں سے متاثر ہو کر جو انہیں سقوط حمل اور سیلان خون کے سبب لاحق ہو گئی تھیں۔ اور گزشتہ صفحات میں بتایا جا چکا ہے کہ اس تکلیف کا سبب ہبار بن الاسود ابن عبدالمطلب بنا تھا جس نے ان کی اونٹنی کو اُس وقت بد کا دیا تھا جب وہ مدینہ کے لئے نکل رہی تھیں، اور اونٹنی سے گر کر اُن کا حمل ساقط ہو گیا تھا۔

ان کی وفات سن ۸ ہجری میں ہوئی، رسول اللہ ﷺ نے ان کی جنازہ کی نماز پڑھائی، اور بقیع غرقہ میں مدفون ہوئیں۔

۲- رقیہ کا نکاح عتبہ بن ابولہب سے اور اُمّ کلثوم کا نکاح عتیبہ بن ابولہب سے مکہ میں ہی ہوا تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ کی عداوت میں دونوں نے اپنی کافرہ ماں اُمّ جمیل کے اصرار پر دونوں بہنوں کو طلاق دے دی تاکہ رسول اللہ ﷺ کو ذہنی کرب و اذیت پہنچے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے رقیہ کی شادی عثمان بن عفان سے کر دی، دونوں نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی، پھر مدینہ کی طرف۔ اور مجاہدین اسلام جنگ بدر میں عظیم کامیابی اور فتحیابی کے بعد واپس آتے ہوئے ابھی راستہ میں تھے کہ رقیہ مدینہ میں وفات پا گئیں، اور بقیع میں دفن ہوئیں۔

۳- رقیہ کی وفات کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی دوسری بیٹی اُمّ کلثوم کی شادی ماہِ ربیع الاول سن ۳ ہجری میں عثمان بن عفان سے کر دی، عثمان رضی اللہ عنہ نے اس شادی کے بعد ذوالنورین کا لقب پایا۔ اُمّ کلثوم اُن کے پاس چھ سال تک رہیں، ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ان کی وفات مدینہ میں ہی ہوئی اور بقیع میں دفن ہوئیں۔

۴- فاطمہ الزہراء رسول اللہ ﷺ اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کی چوتھی بیٹی تھیں۔ بعثت نبوی سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئیں۔ اور سب سے زیادہ اپنے والد رسول اللہ ﷺ سے رفتار و گفتار وغیرہ میں مشابہ تھیں، اور اپنی بہنوں میں سب سے زیادہ اپنے والد کی محبوب تھیں۔

جب اٹھارہ سال کی ہوئیں تو علی بن ابی طالب نے رسول اللہ ﷺ کو ان سے شادی کا پیغام دیا، اور آپ ﷺ نے دونوں کی شادی مبلغ چار سو مثقال چاندی کے عوض کر دی، اور دونوں کو اُن کے گھر پہنچادیا، اور ان کے لئے دعا فرمائی کہ اے اللہ! ان دونوں میں برکت ڈال دے، ان دونوں پر برکت نازل فرما، اور ان دونوں کی نسل میں برکت عطا فرما۔ اللہ نے علی رضی اللہ عنہ کو اُن کے بطن سے حسن و حسین اور زینب و اُمّ کلثوم چار بچے دیئے۔

نبی کریم ﷺ نے اُن کے کان میں پہلے اپنی وفات پھر اُن کی وفات کی خبر دی، عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی فاطمہ کو بلایا اور اُن کے کان میں کوئی بات کہی تو وہ رونے لگیں، پھر دوبارہ اُن کے کان میں کوئی بات کہی تو وہ ہنسنے لگیں۔ عائشہ کہتی ہیں: میں نے فاطمہ سے پوچھا: رسول اللہ ﷺ نے تمہارے کان میں کیا کہا کہ تم رونے لگی، اور دوبارہ کیا کہا کہ تم ہنسنے لگی؟ فاطمہ نے کہا: پہلی بار انہوں نے مجھے اپنی موت کی خبر دی تو میں رونے لگی، دوسری بار انہوں نے بتایا کہ میں اُن کے اہل میں پہلی ہوں گی جو اُن سے جاملوں گی۔ تو میں ہنسنے لگی^(۱)۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے چھ ماہ بعد اُن کی وفات ہوئی، اور منگل کی شام تین رمضان سن ۱۱ ہجری کو بقیع میں دفن ہوئیں۔

(۱) البخاری، المناقب، حدیث: (۳۶۲۳-۳۶۲۴)، مسلم، فضائل الصحابة، حدیث: (۲۳۵۰/۹۹، ۹۸)۔

حسن و حسین رضی اللہ عنہما:

یوں تو اہل بیت رسول ﷺ کے بالعموم فضائل و مناقب بہت ہیں۔ یہاں میں بالخصوص رسول اللہ ﷺ کے دونوں نواسے حسن و حسین کے فضائل و مناقب بیان کرتا ہوں جو اگرچہ علی بن ابی طالب کے بیٹے تھے اور فاطمہ کے بطن سے مولود ہوئے تھے لیکن صحیح احادیث میں رسول کریم ﷺ کی صراحت و وضاحت کے مطابق دونوں آپ ﷺ کے بھی بیٹے تھے، اس لئے کہ وہ فاطمہ الزہراء بنت رسول ﷺ کے بیٹے تھے۔ ذیل میں بعض ایسی احادیث کا ذکر کرتا ہوں:

۱- نبی کریم ﷺ ایک صبح گھر سے نکلے تو آپ کے کندھے پر کالے بال کا بنا ایک کبیل تھا۔ پہلے حسن بن علی آئے اور آپ ﷺ نے انہیں اس میں ڈھانک لیا، پھر حسین آئے، تو انہیں بھی اُس میں ڈھانک لیا، پھر فاطمہ آئیں تو انہیں بھی اس میں داخل کر لیا، پھر علی آئے تو انہیں بھی داخل کر لیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ (اللہ تو چاہتا ہے کہ تم سے یعنی نبی کے گھرانے والوں سے گندگی کو دور کر دے، اور تمہیں اچھی طرح پاک کر دے) [الأحزاب: ۳۳] ^(۱)۔

۲- اور بخاری و مسلم اور دیگر محدثین نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے کندھے پر حسن کو دیکھا، اور آپ ﷺ کہہ رہے تھے: اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت کر ^(۲)۔

۳- اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حسن کے بارے میں فرمایا: اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت کر، اور اُس سے بھی محبت کر جو اس سے محبت کرتا ہے ^(۳)۔

۴- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلا، نہ وہ مجھ سے بات کر رہے تھے اور نہ میں اُن سے، یہاں تک کہ بنو قینقاع کا بازار آگیا، پھر آپ ﷺ لوٹ چلے، یہاں تک کہ فاطمہ کا گھر آگیا، آپ ﷺ نے پوچھا: کہاں ہے شریر، کہاں ہے شریر؟ آپ ﷺ کی مراد حسن تھے،

(۱) مسلم، فضائل الصحابة، حدیث: (۲۴۲۲)۔

(۲) البخاری، فضائل الصحابة، حدیث: (۳۷۴۹)، مسلم، فضائل الصحابة، حدیث: (۲۴۲۲۰)۔

(۳) مسلم، فضائل الصحابة، حدیث: (۵۶۲۴۲۱)۔

ہم سمجھ گئے کہ اُن کی امی نہلاؤ ہلا کر کوئی صاف کپڑا پہنا رہی تھیں، تھوڑی دیر میں وہ دوڑتے ہوئے آئے، اور وہ اور رسول اللہ ﷺ ایک دوسرے کے گلے سے لپٹ گئے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت کر اور اُس سے بھی تو محبت کر جو اس سے محبت کرتا ہے^(۱)۔

۵۔ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، جب سجدہ کرتے تو حسن آپ کی پیٹھ اور گردن پر چھلانگ لگا کر بیٹھ جاتے، اور رسول اللہ بہت آگے نکلنے کے ساتھ اپنا سر اٹھاتے تاکہ وہ گر نہ پڑیں۔ لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ہم دیکھتے ہیں کہ آپ حسن کے ساتھ ایسا کچھ کرتے ہیں جو کسی دوسرے کے ساتھ نہیں کرتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ میرا دنیاوی پھول ہے، اور میرا یہ بیٹا سر دار ہے، اور امید کرتا ہوں کہ اللہ اس کے ذریعہ دو عظیم گروہوں میں صلح کرائے گا۔

اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرا یہ بیٹا سر دار ہے، اللہ اس کے ہاتھ پر دو گروہوں میں صلح کرائے گا^(۲)۔

۶۔ یعلیٰ ابن مرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حسین میرا حصہ ہے اور میں حسین کا جو شخص حسین سے محبت کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرے گا^(۳)۔

اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حسن و حسین کے بارے میں فرمایا: یہ دونوں اہل جنت کے نوجوانوں کے سر دار ہیں^(۴)۔

۷۔ عراق کے ایک آدمی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مجھ کے خون کے بارے میں پوچھا جو کپڑا کو لگ جائے۔ ابن عمر نے کہا: لوگو! اس آدمی کو دیکھو یہ مجھ کے خون کے بارے میں پوچھ رہا ہے، اور انہی لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے بیٹے کو قتل کیا ہے۔ اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا ہے کہ حسن و حسین دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے^(۵)۔

حسن بن علی کی ولادت نصف رمضان سن ۳ ہجری میں ہوئی، اور وفات ماہ ربیع الاول سن ۵۹ ہجری میں

(۱) مسلم، فضائل الصحابة، حدیث: (۵۷۱۲۳۲۱)۔

(۲) مسند احمد: ۵/۳۸۳، ۴/۴۹۵، ۵۱، الترمذی، مناقب: ۲۷۷/۱۰۔

(۳) الترمذی، مناقب: (۲۷۹/۱۰)، مستدرک الحاکم: ۱/۷۷۳، مسند احمد: ۱۷۲/۳۔

(۴) الترمذی، مناقب، حدیث: (۳۷۶۸)۔

(۵) الترمذی، المناقب حدیث (۳۷۷۰)۔

ہوئی، اس وقت اُن کی عمر چھیالیس (۴۶) سال تھی، اور اپنی والدہ ماجدہ کے کے بغل میں دفن ہوئے^(۱)۔
اور حسین بن علی کی دلات پانچ شعبان سن ۴۲ ہجری میں ہوئی، آپ ۱۰ محرم سن ۶۱ ہجری جمعہ کے دن کربلاء کے میدان میں شہید کر دیئے گئے^(۲)۔

نبی کریم ﷺ کی صفاتِ ظاہرہ اور اخلاقِ حسنہ :

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾ (فی الحقیقت تم مسلمانوں کے لئے رسول اللہ کا قول و عمل ایک بہترین نمونہ ہے، ان کے لئے جو اللہ اور یومِ آخرت کا یقین رکھتے ہیں، اور اللہ کو بہت یاد کرتے رہتے ہیں) [الأحزاب: ۲۱] یہ آیت کریمہ ہمیں دعوت دیتی ہے کہ ہم اُن کی ظاہری صفات کا بھی علم حاصل کریں تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ ہمارے رسول ﷺ کی شکل و صورت اور دیگر ظاہری صفات کیسی تھیں کہ جو کوئی دیکھتا تھا آپ سے محبت کرنے لگتا تھا، اور آپ ﷺ کے اخلاق اور آپ کا کردار کیسا تھا کہ جس کے ساتھ بھی آپ معاملہ کرتے وہ آپ کی غایت درجہ تعظیم و تکریم کرنے لگتا تھا اور آپ کی محبت کا اسیر ہو جاتا تھا۔ صحابہ کرام اور صحابیات آپ ﷺ پر جان چھڑکتی تھیں، اور سبھی ہمہ دم آپ کی خاطر اپنی جانیں فدا کرنے کے لئے تیار رہتے تھے، اور ان میں سے کسی کو کسی حال میں بھی گوارہ نہ تھا کہ آپ ﷺ کو ایک کاٹنا بھی چھے۔

محدثین کرام اور علمائے اسلام نے آپ کا حلیہ بیان کرنے کے لئے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے مشہور و معروف کتاب امام ترمذی کی ”الشمائل“ ہے، جس کا اختصار ہمارے شیخ علامہ محدث البانی رحمہ اللہ نے کیا ہے، اور کتاب میں موجود احادیث کی تخریج کر کے صحت و ضعف کے اعتبار سے اُن کی حیثیت کو واضح کر دیا ہے، علامہ البانی کا یہ علمی کام بلاشبہ اس زمانے کا بے مثال کارنامہ ہے^(۳)۔

کتاب الشمائل کی حدیثوں کا اختصار شیخ البانی سے پہلے امام نووی نے بھی کیا ہے، اور اُن کا اختصار کر کے اپنی کتاب (تہذیب الأسماء واللغات) میں پیش کر دیا ہے۔ اس اختصار میں انہوں نے آپ ﷺ کی تمام صفاتِ ظاہرہ کا نہایت عمدہ انداز میں احاطہ کیا ہے، لکھتے ہیں: آپ ﷺ نہ لمبے تڑنگے تھے نہ نالے کھوٹے، نہ بہت زیادہ سفید کہ

(۱) الاستیعاب: ۳۸۹/۱۔

(۲) دیکھئے طبقات ابن سعد: ۲۳۰، ۲۳۱، الشفاء، قاضی عیاض: ۷/۷۷، دلائل النبوة للبیہقی: ۱۹۴۔

(۳) مختصر الشمائل الحمدیہ للالبانی: ص ۱۳-۲۹۔

دیکھنے میں بُرا لگے چونکہ رنگ کے مانند، آپ ﷺ کے گورا پن میں نہ سُرخ تھی نہ ہی کوئی اور رنگ، اور نہ آپ سانولے تھے، آپ کے بال نہ بالکل سیدھے اور چھوٹے تھے نہ ہی بالکل اُلجھے ہوئے۔ وفات کے وقت آپ ﷺ کے سر میں بیس بال بھی سفید نہیں تھے، آپ ﷺ کا جسم خوبصورت تھا، اور دونوں کندھوں کے درمیان تھوڑی دُوری تھی، بال دونوں کندھوں تک لٹکتے تھے، کبھی کبھار دونوں کانوں کی کو تک ہوتے تھے، اور کبھی دونوں کانوں کے نصف تک، داڑھی گھنی، دونوں ہتھیلیاں بھری بھری، انگلیاں موٹی موٹی، سر بڑا، ہڈیوں کے جوڑ بڑے، چہرہ گولائی لئے ہوئے، آنکھیں گہری سیاہ، پلکیں لمبی، گوشہ چشم سرخ، سینے سے ناف تک چھڑی کی طرح ہلکا بال، چلتے تو ایسا لگتا کہ نیچے کی طرف اُتر رہے ہیں، یعنی قوت کے ساتھ چلتے تھے، چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا ہوا، دلنشین آواز، نرم گال، کشادہ اور بڑا منہ۔ (عرب کے لوگ بڑے منہ کو اچھا، اور چھوٹے منہ کو بُرا جانتے ہیں) سینہ اور پیٹ برابر تھے، دونوں مونڈھوں اور دونوں بازوؤں پر بال تھے، سینہ کے بالائی حصہ پر بھی بال تھے، دونوں گٹے لمبے اور ہتھیلیاں کشادہ تھیں، آنکھیں لمبی لمبی، ایڑیوں پر کم گوشت، دونوں مونڈھوں کے درمیان مُہرِ نبوت مُجلہ عروسی کی گھنڈی اور کبوتر کے انڈے کے مانند۔

جب آپ ﷺ چلتے تو ایسا لگتا جیسے زمین آپ ﷺ کے لئے لپٹی جا رہی ہے، آپ ﷺ کے صحابہ کو آپ کا ساتھ دینے کے لئے بڑی محنت کرنی پڑتی، اور آپ اطمینان سے چلتے رہتے۔ پہلے اپنے سر کے بال لٹکاتے تھے، پھر مانگ نکالنے لگے، اور آپ ﷺ داڑھی میں کنگھی کرتے، اور ہر رات سُر مہ لگاتے، ہر آنکھ میں سونے کے وقت تین تین سلاخیاں۔

سب سے پسندیدہ کپڑا قمیص، سفید کپڑا، اور سُرخ مائل چادر تھی۔ قمیص کی آستین کلائی تک ہوتی، بعض وقت آپ ﷺ نے سرخ ٹکرتہ، تہ بند اور چادر استعمال کی، اور کبھی دوہرے کپڑے، اور کبھی تنگ آستین والہ الجبہ اور کبھی قباع (مشملہ) اور کبھی سیاہ عمامہ جس کے کنارے دونوں مونڈھوں کے درمیان لٹکے ہوتے۔ اور کبھی آپ نے کالی چادر استعمال کی، اور کبھی آپ ﷺ نے انگوٹھی اور موزہ اور جوتا استعمال کیا^(۱)۔

آپ ﷺ کے جسم کی خوشبو:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم کبھی کسی ریشم و دیباچ کو نہیں چُھوا، اور نہ رسول اللہ ﷺ کے جسم اطہر کی خوشبو سے زیادہ اچھی کوئی خوشبو سونگھی^(۲)۔

(۱) دیکھئے تہذیب اللہ، ص ۲۵۱، ۲۶۱۔

(۲) البخاری، المناقب، حدیث: (۳۵۶۱)، مسلم: ۲۳۳۰/۸۲، ۸۱۔

انس رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے جسم اطہر کی خوشبو سے بہتر نہ کبھی عنبر کی خوشبو سونگھی نہ ہی مشک کی نہ کوئی اور خوشبو^(۱)۔

جابر بن سرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے میرے رخسار پر ہاتھ پھیرا تو میں نے آپ ﷺ کے ہاتھ کی ٹھنڈک اور خوشبو محسوس کی جیسے ابھی آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ عطار کے خوشبودان سے باہر نکالا ہے^(۲)۔

ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑا، اور اسے اپنے چہرے پر رکھا تو وہ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا^(۳)۔

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کا رنگ ہمیشہ شاداب رہتا تھا، آپ کے پسینے کے قطرے موتی کی مانند ہوتے تھے^(۴)۔

آپ ﷺ کے پاکیزہ اخلاق:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور بے شک آپ خلقِ عظیم کے ساتھ متصف ہیں ﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ (اور آپ یقیناً عظیم اخلاق والے ہیں) [القلم: ۴]۔

اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی صحیح حدیث ہے، آپ کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ کا خلقِ قرآن تھا^(۵)۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے آپ کو اس کا پابند بنا رکھا تھا کہ آپ وہی کریں گے جس کا قرآن نے آپ کو حکم دیا ہے، اور ہر وہ کام نہیں کریں گے جس سے قرآن نے منع کیا ہے۔ اسی لئے آپ کے اخلاق غایت درجہ شریفانہ، کریمانہ، پاکیزہ اور عظیم تر تھے۔ ذیل میں بعض اہم تر اخلاقی نبوی کا ذکر کیا جاتا ہے (اور آپ ﷺ کے سبھی اخلاق اہم تر تھے) تاکہ یہ اللہ کے دین کی طرف دعوت دینے والوں کے لئے بالخصوص اور عامۃ المسلمین کے لئے بالعموم روشنی کا مینار، ہدایت کا سرچشمہ اور صراطِ مستقیم کے لئے نشانِ راہ بنیں:

حلم، عفو اور صبر:

نبی کریم ﷺ دنیا میں سب سے زیادہ حلیم و بردبار، تکلیفوں پر صبر کرنے والے، اور اپنی ذات کے بارے میں

(۱) البخاری، المناقب، حدیث: (۳۵۶۱)، مسلم، الفضائل، حدیث: (۲۳۳۰/۸۱)۔

(۲) مسلم، الفضائل، حدیث: (۲۳۲۹)۔

(۳) البخاری، المناقب، حدیث: (۳۵۵۳)۔

(۴) مسلم، الفضائل، حدیث: (۲۳۳۰/۸۲)۔

(۵) مسلم، کتاب الصلاة، حدیث: (۱۳۹/۷۴۶)۔

خطا کرنے والوں کی خطاؤں کو معاف کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو علی وجہ الخصوص ان آداب کریمانہ کی تعلیم دی تھی۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾ (آپ عفو و در گزر کو اختیار کیجئے اور بھلائی کا حکم دیجئے اور نادانوں سے اعراض کیجئے) [الأعراف: ۱۹۹]۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: نبی کریم ﷺ نے اپنی ذات کے لئے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا، ہاں اگر اللہ کی کوئی محرمت پامال کی جاتی تو اللہ کے لئے اس کا انتقام لیتے تھے^(۱)۔

ایک بار ایک اعرابی نے آپ ﷺ کے جسم پر بڑی نجس چیز چادر کی چادر کو اتنی سختی کے ساتھ کھینچا کہ آپ کی گردن کے کنارے اس سے چھل گئے، پھر اعرابی نے کہا: اللہ کا جو مال تمہارے پاس ہے اُس میں سے مجھے دینے کا حکم دو۔ آپ ﷺ نے اس کی طرف مُڑ کر دیکھا، اور اس کے لئے عطیہ کا حکم صادر فرمایا^(۲)۔

غزوہ حنین کے بعد دیہاتی عرب آپ ﷺ سے چپک گئے اور مال مانگنے لگے۔ اور شدت ازدحام کے سبب آپ ایک ببول کے درخت کے نیچے پہنچ گئے جس سے آپ کی چادر اٹک گئی، آپ رُک گئے اور کہنے لگے: تم لوگ میری چادر دے دو۔ اگر ان کانٹوں کے برابر بھی میرے پاس جانور ہوتے تو میں انہیں تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا، اور تم لوگ مجھے نہ بخیل پاتے، نہ جھوٹا، اور نہ بُردل^(۳)۔

جُود و کرم اور سخاوت:

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ نخی تھے، اور ماہِ رمضان میں تو بہت زیادہ نخی ہو جاتے تھے جب جبریل علیہ السلام آپ کے پاس آیا کرتے تھے، اور جبریل رمضان کی ہر رات میں آپ ﷺ سے ملتے تھے اور آپ کے ساتھ قرآن پڑھا کرتے تھے، جس وقت جبریل آپ سے ملتے اُس وقت تیز ہوا سے بھی زیادہ آپ کا جُود و کرم بڑھ جاتا تھا^(۴)۔

جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سے کوئی چیز کسی نے مانگی ہو اور آپ ﷺ نے انکار کر دیا ہو^(۵)۔

(۱) البخاری، المناقب، حدیث: (۵۳۶۰)، مسلم، الفضائل، حدیث: (۷۷/۲۳۲۷)۔

(۲) البخاری، کتاب الخمس، حدیث: (۳۱۴۹)، مسلم، کتاب الزکاة، حدیث: (۱۸/۱۰۵۷)۔

(۳) البخاری، کتاب فرض الخمس، حدیث: (۳۱۴۸)۔

(۴) البخاری، کتاب بدء الخلق، حدیث: (۳۲۲۰)، مسلم، کتاب الفضائل، حدیث: (۵۰/۲۳۰۸)۔

(۵) البخاری، کتاب الأدب، حدیث: (۶۰۳۴)، مسلم، کتاب الفضائل، حدیث: (۵۶/۲۳۱۱)۔

شجاعت اور دوسروں کی مدد:

نبی کریم ﷺ سب سے زیادہ بہادر تھے، اور جنگ کی شدت کے وقت آپ کی بہادری دیکھنے والی ہوتی تھی، براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب میدان جنگ میں آگ برس رہی ہوتی تو ہم لوگ نبی کریم ﷺ کی آڑ لے کر بچنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور ہم میں بہادر وہ ہوتا تھا جو رسول اللہ ﷺ کے برابر کھڑا ہوتا تھا^(۱)۔

اور انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سب سے اچھے، سب سے بہادر اور سب سے کریم و سخی تھے^(۲)۔

اور داری اور ابوالشیخ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے: میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کسی کو نہ کسی کا مددگار دیکھا، نہ ہی زیادہ سخی، نہ ہی زیادہ بہادر اور نہ آپ ﷺ سے زیادہ روشن اور تابناک دیکھا^(۳)۔

حیاء:

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ولہن سے زیادہ باحیاء تھے جب وہ مجلہ عروسی میں ہوتی ہے۔ آپ ﷺ جب کسی چیز کو ناپسند فرماتے تو ہم اسے آپ ﷺ کے چہرہ مبارک سے پچان لیتے تھے^(۴)۔ اور معاویہ اور عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ نہ بدگو تھے نہ بدعمل۔ آپ ﷺ کہا کرتے تھے: تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جو سب سے زیادہ اخلاق مند ہیں^(۵)۔

حسن معاشرت و حسن ادب:

علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ کشادہ دل، سچ بولنے والے، نرم طبیعت اور معاملات زندگی میں کریم النفس تھے^(۶)۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی تعریف میں فرمایا ہے: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ قَطًّا غَلِيظًا لَفُضِّضَ الْقَلْبُ لَا نَفَضُوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ

(۱) مسلم، کتاب الجہاد، حدیث: (۷۹/۷۷۶)۔

(۲) البخاری، کتاب الجہاد، حدیث: (۲۸۲۰)، مسلم، حدیث: (۷۹/۷۷۶)۔

(۳) الداری: ۳۰۱، اخلاق النبی ﷺ، ص ۵۰۔

(۴) البخاری، المناقب، حدیث: (۳۵۶۲)، مسلم، الفضائل، حدیث: (۶۷۲۳۲۰)۔

(۵) البخاری، المناقب، حدیث: (۳۵۵۹)، مسلم، الفضائل، حدیث: (۶۸/۲۳۲۱)۔

(۶) الترمذی، المناقب، حدیث: (۳۶۳۸)۔

لَهُمْ وَشَاوَهُمْ فِي الْأَمْرِ ﴿﴾ (آپ محض اللہ کی رحمت سے اُن لوگوں کے لئے نرم ہوئے ہیں، اور اگر آپ بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو وہ آپ کے پاس سے چھٹ جاتے، پس آپ انہیں معاف کر دیجئے، اور ان کے لئے مغفرت طلب کیجئے، اور معاملات میں ان سے مشورہ لیجئے) [آل عمران: ۱۵۹]۔ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نہایت نرم خور اور نرم مزاج تھے، سختی اور سخت گیری آپ کے مزاج کو چھو کر بھی نہیں گئی تھی۔

رحمت و رَأْفَت:

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی صفتِ رحمت و رَأْفَت کی تعریف میں فرمایا ہے: ﴿عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾ (اُن پر وہ بات شاق گزرتی ہے جس سے تمہیں تکلیف ہوتی ہے، تمہاری ہدایت کے بڑے خواہشمند ہیں، مومنوں کے لئے نہایت شفیق و مہربان ہیں) [التوبہ: ۱۲۸]۔ نیز فرمایا ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (اور ہم نے آپ کو سارے جہان والوں کے لئے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے) [الانبیاء: ۱۰۷]۔ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ خیر خوانی اور ہمدردی میں کمال کو پہنچے ہوئے تھے، اور رحمت آپ کی دائمی صفت تھی۔ آپ ﷺ کی عادت تھی کہ اگر حالتِ نماز میں کسی بچے کے رونے کی آواز سنتے تو نماز ہلکی کر دیتے تاکہ اُس کی ماں اس کا خیال کرے^(۱)۔

آپ ﷺ ساری ساری رات مسلمانوں کے لئے دعا کرتے تھے، بچوں سے بہت محبت کرتے اور انہیں سلام کرتے تھے۔ اُن کے سروں پر ہاتھ پھیرتے تھے، انہیں اپنی سواری پر بیٹھاتے تھے، زمین پر بیٹھ کر اُن کے ساتھ کھانا کھاتے تھے، آپ کو ہر اُس بات سے تکلیف پہنچتی تھی جو مسلمانوں اور کافروں کے لئے تکلیف دہ ہوتی تھی۔ میدانِ بدر میں جب مشرکین قید کئے گئے تو آپ ﷺ ساری رات اپنے بستر پر کروٹ بدلتے رہے، اس لئے کہ آپ اپنے چچا عباس کے کراہنے کی آواز سُن رہے تھے۔ ایک انصاری نے جا کر ان کے بندھن کھول دیئے تو آپ کو راحت مل گئی اور سو گئے، پھر آپ ﷺ نے تمام قیدیوں کو آزاد کر دینے کا حکم دے دیا۔

معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ رحم دل تھے، حتیٰ کہ اپنے دشمنوں کے لئے بھی رحم دل تھے۔ یہ بات تو تاریخی طور پر بہت ہی معروف و مشہور ہے کہ جب آپ ﷺ اہل طائف کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے گئے تو وہاں کے لوگوں نے آپ کو پتھروں سے مارا اور آپ کے دونوں قدموں کو زخمی کر دیا، اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اختیار دیا کہ اگر آپ چاہیں تو اللہ انہیں پہاڑوں کے درمیان دبا کر مار ڈالے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ ان کی نسلوں میں ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کریں گے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے^(۱)۔

آپ ﷺ نے ہمیشہ ہی صحابہ کرام کو نصیحت کی کہ وہ سب کے لئے رحیم بن کر دنیا میں رہیں۔ قرآن کریم میں آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب کی صفت یوں آئی ہے: ﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ﴾ (محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، وہ کافروں کے لئے بڑے سخت ہیں، اور آپس میں نہایت مہربان ہیں، آپ انہیں رکوع اور سجدہ کرتے دیکھتے ہیں، وہ لوگ اللہ کی رضا اور اس کے فضل کی جستجو میں رہتے ہیں) [الف: ۲۹]۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کسی کو اپنے بال بچوں کے لئے رحیم و شفیق نہیں دیکھا^(۲)۔

تواضع:

آپ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ متواضع اور سب سے زیادہ تکبر سے بعید تھے، آپ ﷺ لوگوں کو اپنے لئے کھڑا ہونے سے منع فرماتے تھے جیسا کہ لوگ بادشاہوں کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، آپ ﷺ فقیروں کے ساتھ بیٹھتے تھے، اپنا جوتا خود گانٹھتے تھے، اپنے کپڑے خود سیتے تھے، اپنی بکری کا دودھ دودھ لیتے تھے، اور اپنی خدمت آپ کرتے تھے۔ آپ ﷺ مریضوں کی تیمارداری کرتے تھے، جنازوں میں حاضر ہوتے تھے، گدھے پر سوار ہوتے تھے، اور غلاموں کی دعوت قبول کرتے تھے۔ محاصرہ بنی قریظہ کے دن آپ گدھے پر سوار تھے جسے ایک رسی کی لگام لگی ہوئی تھی، اور اُس پر پتوں سے بھری ایک زین پڑی تھی۔ آپ ﷺ کی غایت درجہ تواضع کا حال یہ تھا کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: میری تعریف میں اس طرح مبالغہ نہ کرو جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی تعریف میں مبالغہ سے کام لیا۔ میں تو ایک بندہ ہوں۔ اس لئے تم لوگ مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو^(۳)۔

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک عورت آئی اور آپ ﷺ سے کہا کہ اس کی ایک ضرورت ہے۔ آپ ﷺ

(۱) البخاری، فتح الباری: ۳۱۲/۶، ۳۱۳، صحیح مسلم: ۱۳۲۰/۳۔

(۲) مسند احمد: ۲۲۸/۳-۲۶۸، مستدرک الحاکم: ۵۷/۳، ذہبی نے حاکم کی تائید کی ہے۔

(۳) مختصر الضمائل للآلبانی: ص ۱۷۵، البخاری، الانبیاء، حدیث: (۳۳۵)، مسند احمد: ۲۳/۲۳، ۵۵، الدارمی: ۳۲۰/۲۔

نے فرمایا: مدینہ کے کسی راستہ میں بیٹھ جاؤ، میں وہاں تمہاری بات سننے کے لئے بیٹھ جاؤں گا۔ چنانچہ آپ ﷺ اس کے ساتھ بیٹھ گئے یہاں تک کہ اس کی ضرورت پوری ہو گئی^(۱)۔

عدل:

آپ ﷺ اپنے گفتار و کردار اور اوامر و نواہی میں نہایت عادل اور انصاف پسند تھے۔ قریش کے درمیان جب حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھنے کے سلسلہ میں اختلاف ہوا تو سب نے اُس شخص کو حکم و فیصلہ بنانے پر اتفاق کیا جو سب سے پہلے حرم میں داخل ہو کر اُن کے سامنے آئے گا۔ اللہ کا کرنا، وہ شخص نبی کریم ﷺ ہی تھے، یہ بات نبوت سے پہلے کی ہے۔ لوگوں نے آپ کو دیکھ کر کہا: یہ محمد الامین ہیں، ہم لوگ ان کے فیصلہ پر راضی ہیں^(۲)۔ فاطمہ بنت اسود مخزومیہ نے چوری کی تو اسامہ بن زید نے اس کے لئے آپ کے پاس سفارش کی۔ آپ نے ناراض ہو کر فرمایا: اے اسامہ! کیا تم اللہ کے حدود میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟ اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اُس کا ہاتھ کاٹ لیتا^(۳)۔

زُہد فی الدنیا:

آپ ﷺ کو تمام لوگوں سے زیادہ دنیا سے بے رغبتی تھی، جب آپ ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ کا زہ ایک یہودی کے پاس رہن میں رکھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ! آلِ محمد کی روزی صرف ضرورت کے مطابق کر دے^(۴)۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: نبی کریم ﷺ تین دن تک مسلسل کبھی بچہ کی روٹی کھا کر آسودہ نہیں ہوئے یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی^(۵)، نیز کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ دینار و درہم اور اونٹ چھوڑ کر دنیا سے نہیں گئے^(۶)۔ ایک بار نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ ایک چھوٹی کان والی مُردہ بکری کے پاس سے گزرے تو اُس کا کان پکڑ کر صحابہ سے مخاطب ہوئے: تم میں سے کون اسے ایک درہم میں خریدے گا؟ صحابہ نے کہا: ہم تو کسی قیمت

(۱) مسلم، الفضائل، حدیث: (۷۶/۲۳۲۶)، البخاری، المغلق، الادب، دیکھئے مختصر الشمائل: ص ۱۷۶۔

(۲) پرہے، میری اس کتاب میں بعثت سے قبل قصہ تعمیر کعبہ: ص ۱۳۹-۱۴۲۔

(۳) البخاری، المغازی، حدیث: (۴۳۰۴)۔

(۴) البخاری، الرقاق، حدیث: (۶۳۶۰)، مسلم، الزہد و الرقائق، حدیث: (۱۰۵۵)۔

(۵) البخاری، الرقاق، حدیث: (۶۳۵۴)، مسلم، الزہد و الرقائق، حدیث: (۲۹۷۰)۔

(۶) البخاری، الوصایا، حدیث: (۲۷۳۹)، مسلم، الوصیہ، حدیث: (۱۶۳۵)، ابوداؤد، الوصایا، حدیث: (۲۸۶۳)۔

کے ذریعہ اسے نہیں خریدیں گے، اور ہم اس کا کیا کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم لوگ چاہتے ہو کہ یہ تمہیں مل جائے؟ صحابہ نے کہا: اگر یہ زندہ ہوتی تو یہ عیب دار تھی، اس کے کان چھوٹے اور تنگ سوراخ والے ہیں، اور اب تو یہ مُردہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! بے شک دنیا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ بے قیمت و بے وقعت ہے^(۱)۔

آپ ﷺ کس طرح کھاتے تھے:

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ جب کھانا کھا لیتے تو اپنی تینوں انگلیوں کو (جن کے ذریعہ کھاتے) چاٹ لیتے تھے^(۲)۔ اور کعب بن مالک کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ اپنی تین انگلیوں کے ذریعہ کھاتے تھے، اور انہیں چاٹ لیتے تھے^(۳)۔

آپ ﷺ کی روٹی کیسی ہوتی تھی؟

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل و عیال کئی کئی راتیں بغیر کچھ کھائے سو جاتے تھے۔ اکثر آپ کی روٹی بھکی ہوتی تھی^(۴)۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے کبھی دسترخوان پر نہیں کھایا، اور نہ کھانوں کے گرد چھوٹے چھوٹے پیالوں میں کوئی چیز کھانے کی رکھی جاتی تھی، اور نہ آپ نرم چپاتیاں کھاتے تھے^(۵)۔

آپ کا سالن کیا ہوتا تھا؟

عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سرکہ بہت ہی عمدہ سالن ہے^(۶)۔ اور ابو اسید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زیتون کا تیل کھاؤ، اسے لگاؤ، زیتون ایک بابرکت درخت ہے^(۷)۔ نبی کریم ﷺ کو کدو پسند تھا، آپ ﷺ حلوہ اور شہد پسند فرماتے تھے، آپ ﷺ نے

(۱) مسلم، الزہد والرقائق، حدیث: (۲/۲۹۵۷)۔

(۲) مختصر الشماک: بحوالہ احمد و مسلم و ابوداؤد: ص ۱۳۳۔

(۳) مختصر الشماک: ص ۸۶ بحوالہ مسلم و ابوداؤد۔

(۴) الترمذی، الزہد، حدیث: (۲۳۶۱)، مختصر الشماک: ص ۸۷، الصغیر للالبانی: (۲۱۱۹)۔

(۵) مختصر الشماک: ص ۸۸۔

(۶) مختصر الشماک: بحوالہ مسلم و ترمذی: ص ۸۹۔

(۷) مختصر الشماک: ص ۹۱۔

بھونی ہوئی پسلی کا گوشت کھایا۔ آپ ﷺ کو بازو کا گوشت پسند تھا۔ آپ ﷺ کو شریک پسند تھا^(۱)۔

آپ ﷺ کیا پیتے اور کیسے پیتے تھے؟

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ کو بیٹھا ٹھنڈا سب سے زیادہ پسند تھا، اور دودھ اور شربت کا پیالہ اپنے دائیں طرف بیٹھے آدمی کو بڑھاتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: دودھ کے سوا کوئی چیز کھانے اور پینے کے لئے کفایت نہیں کرتی۔ آپ ﷺ کھڑے ہو کر، اور بیٹھ کر پیتے تھے^(۲)۔

آپ ﷺ کے ہنسنے کا انداز:

آپ ﷺ صرف مسکرایا کرتے تھے۔ عبد اللہ بن حارث بن جزع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کسی کو مسکراتے نہیں دیکھا۔ عبد اللہ کی ایک دوسری روایت ہے: رسول اللہ ﷺ کی ہنسی صرف مسکراہٹ تھی۔ آپ ﷺ بارہا اس طرح بھی ہنسے کہ آپ کے اگلے دانت نظر آنے لگے۔ انہی مواقف میں سے ایک موقف اس آدمی کا ذکر ہے جسے اللہ نے قیامت کے دن ہر گناہ کے بدلے ایک نیکی دی تو وہ کہنے لگا: میرے کچھ گناہ ہیں جو مجھے یہاں نظر نہیں آرہے ہیں^(۳)۔

آپ ﷺ کے مذاق کرنے کا انداز:

نبی کریم ﷺ صحابہ کرام سے مذاق کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے انس بن مالک سے کہا: اے دوکان والے! آپ ﷺ چھوٹے بچوں سے مذاق کرتے تھے۔ انس کے ایک چھوٹے بھائی سے کہا: اے ابو عمیر! تمہاری وہ غیر چڑیا کیا ہوئی؟ (یہ ایک چھوٹی سی چڑیا تھی جس سے انس کے چھوٹے بھائی کھیلا کرتے تھے، وہ مر گئی تھی)۔

آپ ﷺ جب اپنے صحابہ کرام سے مذاق کرتے تو حق اور سچی بات ہی کرتے تھے۔ ایک بادیہ نشین صحابی تھے جن کا نام زاہر تھا، رسول اللہ ﷺ اُن سے محبت کرتے تھے، وہ صاحب ذرا بد شکل تھے، ایک دن رسول اللہ ﷺ ان کے پاس چپکے سے آئے، وہ بازو مدینہ میں اپنا کوئی سامان بیچ رہے تھے، آپ ﷺ نے انہیں پیچھے سے پکڑ لیا، وہ آپ ﷺ کو دیکھ نہیں رہے تھے۔ انہوں نے پوچھا: یہ کون ہے، مجھے چھوڑ دو۔ انہوں نے جب آپ ﷺ کی طرف

(۱) مختصر الشمائل: ص ۹۲-۹۸۔

(۲) مختصر الشمائل: ص ۱۱۲-۱۱۶۔

(۳) مختصر الشمائل: ص ۱۲۰-۱۲۳۔

دیکھا اور پہچان لیا تو اپنی پیٹھ کو نبی کریم ﷺ کے سینہ سے دوبارہ چپکانے لگے۔ رسول اللہ ﷺ کہنے لگے: اس غلام کو کون خریدے گا؟ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! اگر مجھے بیچنے کا تو میں بہت ہی کم دام میں بکوں گا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لیکن اللہ کے نزدیک تم کم قیمت نہیں ہو، یا یوں کہا: لیکن تم اللہ کے نزدیک تو بہت قیمتی ہو۔

رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک دن ایک بڑھیا آئی اور کہا: اے اللہ کے رسول! دعا کر دیجئے کہ اللہ مجھے جنت میں داخل کر دے، آپ ﷺ نے فرمایا: اے امّ فلان! جنت میں تو کوئی بڑھیا داخل نہیں ہوگی، بڑھیا رونے لگی، تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: اسے تم لوگ بتاؤ کہ یہ جنت میں بوڑھی داخل نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنْشَاءً ۖ فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا ۖ عُرْيًا ۖ اقْرَابًا﴾ (ہم نے ان خوروں کو بطور خاص پیدا کیا ہے، انہیں کنواری بنایا ہے، انہیں اپنے شوہروں کو محبت دینے والی اور اُن کی ہم عمر بنایا ہے) [الواقہ: ۳۵-۳۷] (۱)۔

آپ ﷺ کے سونے کی کیفیت:

نبی کریم ﷺ جب سونا چاہتے تو اپنی داہنی تھیلی اپنے دائیں گال کے نیچے رکھتے، اور کہتے: اے میرے رب! مجھے تو اپنے عذاب سے بچا دے جس دن تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا۔ ایک دوسری روایت میں ہے: جس دن تو اپنے بندوں کو جمع کرے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جب سونے کے لئے بستر پر جاتے تو کہتے: "اللَّهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَا" "اے اللہ! میں تیرے نام سے مرتا ہوں، اور پھر زندہ ہوتا ہوں"۔ اور جب آپ ﷺ جگتے تو کہتے: "الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا، وَإِلَيْهِ النُّشُورُ" "تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں دوبارہ زندگی دی اس کے بعد کہ ہمیں اس نے موت دے دی تھی، اور قیامت کے دن اسی کے پاس سب کو جمع ہونا ہے"۔

آپ ﷺ اپنے دونوں ہاتھوں میں ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾، ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھ کر جہاں تک ہاتھ جاتا اپنے بدن پر پھیر لیتے، پہلے اپنے سر اور چہرہ سے شروع کرتے اور پھر اپنے جسم کے اگلے حصہ سے اسی طرح آپ تین بار کرتے تھے (۲)۔

آپ ﷺ کا رونا:

نبی کریم ﷺ نماز میں روتے اور گڑ گڑاتے تھے، اور کسی رشتہ دار کی موت سے متاثر ہو کر روتے تھے۔

(۱) مختصر الشماک: ص ۱۲۳-۱۲۸۔

(۲) دیکھئے مختصر الشماک: ص ۱۲۳-۱۲۸۔

عبداللہ بن الشخیر کہتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، اور رونے کی وجہ سے آپ کے پیٹ سے ہانڈی اُلٹنے جیسی آواز آرہی تھی^(۱)۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سورۃ النساء کی تلاوت کی، اور جب: ﴿وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ پر پہنچے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے^(۲)۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ایک بیٹی کو گود میں رکھا تھا جبکہ اس کی روح نکل رہی تھی، آپ ﷺ نے پہلے اسے گود میں لیا پھر اپنے سامنے رکھ دیا، وہ بچی آپ کے سامنے وفات پا گئی، اور اُمّ ایمن چیخنے لگیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم رسول اللہ ﷺ کے سامنے رو رہی ہو؟ اُمّ ایمن نے پوچھا: کیا میں نے آپ کو روتے نہیں دیکھا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں روتا نہیں ہوں، وہ تو رحمت کے آنسو ہوتے ہیں۔ صحیحین کی ایک روایت میں ہے: جسے اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دیا ہے، بے شک اللہ اپنے بندوں میں سے رحم کرنے والوں پر رحم کرتا ہے^(۳)۔

آپ ﷺ کا بستر:

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ کا بستر جس پر آپ سوتے تھے چمڑے کا بنا تھا جس میں پتیاں بھری ہوئی تھیں۔

انہی صفاتِ عالیہ، فضائلِ کثیرہ، محاسنِ جمیلہ اور پاکیزہ صفات نے نبی کریم ﷺ کو اللہ کا پیارا اور تمام مومنینِ عالم کا محبوب بنا دیا تھا۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس عظیم ذات کو اللہ تعالیٰ نے ان محاسنِ جمیلہ سے متصف کیا ان سے محبت کرنا ہمارا دینی فرض ہے۔ اسی لئے تو صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ سے اپنی جان و مال، اولاد اور باپ ماں سے زیادہ محبت کی، اور اس محبت کا ثبوت تمام شعبہ حیات میں کامل اتباع کے ذریعہ دیا۔

نبی کریم ﷺ کے اخلاقِ کریمہ اور شمائلِ حسنہ کے ذکر کا یہی مقصود اصلی ہے کہ ہم انہیں اپنے دل و دماغ میں بسالیں، اپنی رگِ جان کے قریب ثبت کر لیں، اور اپنی پوری زندگی کو اسی رنگ میں رنگ لیں، آپ ﷺ کی عطرِ بزمِ سیرت کو اپنے لئے نمونہ بنالیں، اور آپ ﷺ کی سنتِ مبارکہ کی روشنی سے اپنی زندگی کے تمام گوشوں کو

(۱) ابوداؤد، الصلاۃ، حدیث: (۹۰۴)، صحیح ابوداؤد للالبانی، حدیث: (۸۳۹)۔

(۲) الترمذی، التفسیر، حدیث: (۳۰۲۸)۔ شعبین، ابوداؤد، التسانی بحوالہ مختصر الشمائل: ص ۱۷۰۔

(۳) التسانی، الجمائز: ۴/۱۱، الصحیحۃ للالبانی: ۱۶۳۲۔

منور کر لیں۔ اس لئے کہ امتِ مسلمہ کی ہر بھلائی صرف اسی میں ہے کہ ہم صرف کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کریں، اور زید و بکر کے خود ساختہ دین و شریعت اور افکار و آراء کو یکسر رد کر دیں۔ آخر میں اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اُن کاموں کی توفیق دے جن کو وہ پسند کرتا ہے، اور ان افکار و اعمال اور خرافات و وہابیات سے بچالے جنہیں وہ مبغوض جانتا ہے۔ وبالله التوفیق۔



(۱) ابوداؤد، حدیث: (۳۱۶۳)، الترمذی، حدیث: (۹۸۹)، ابن ماجہ، حدیث: (۱۳۵۶)۔

(۲) مسلم، اللباس، حدیث: (۲۰۸۲)، ابوداؤد، اللباس، حدیث: (۴۱۳۷)، الترمذی، اللباس، حدیث: (۱۷۶۱)، مختصر الشماک، ص ۱۷۳۔

خصوصیات نبی کریم ﷺ

بہت سے علمائے کرام نے سیرت نبوی سے متعلق اپنی تالیفات میں نبی کریم ﷺ کی فضیلت دیگر تمام انبیاء کرام پر بیان کی ہے، اور آپ ﷺ کے اُن فضائل و خصائص کا ذکر کیا ہے جن کے سبب آپ ﷺ اُن تمام انبیاء و رسل سے افضل قرار پائے جو بنی آدم کی ہدایت کے لئے آپ ﷺ سے پہلے مبعوث ہوئے۔ اور اس میں کوئی قباحت اس لئے نہیں ہے کہ خود رب العالمین نے قرآن کریم میں بعض انبیاء کی فضیلت بعض پر بیان فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾ (اور ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت دی ہے) [الاسراء: ۵۵]۔ نیز فرمایا ہے: ﴿قُلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ﴾ (ہم نے ان رسولوں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے بات کی، اور بعض کو اللہ نے کئی گنا اونچا مقام دیا) [البقرة: ۲۵۳] اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”میں اولادِ آدم کا سردار ہوں، اور یہ بات میں فخر و مباہات کے لئے نہیں کہہ رہا ہوں“^(۱) نیز فرمایا ہے: ”آدم اور اُن کے بعد آنے والے قیامت کے دن میرے جھنڈا تلے ہوں گے، اور یہ بات فخر کے لئے نہیں کہتا ہوں“^(۲)۔

اور یہ تفصیل مطلق دلیل ہے کہ آپ ﷺ دونوں جہان میں تمام انبیاء سے افضل ہیں، دنیا میں اُن اخلاقِ عظیمہ کے سبب جن سے آپ ﷺ متصف تھے، اور آخرت میں اس لئے کہ وہاں ثواب و جزاء اخلاق و اوصافِ حمیدہ پر مرتب ہوں گے۔ آپ ﷺ جب دنیا میں مناقب و صفات میں سب سے افضل ہیں تو آخرت میں مراتب و درجات میں بھی اُن سے افضل قرار پائیں گے۔ آپ ﷺ نے سید ولدِ آدم ہونے کی صراحت اس لئے فرمادی تاکہ آپ کی امت کے لوگ رب ذوالجلال کے نزدیک آپ ﷺ کے مقام و مرتبہ کو جان لیں۔

اس بارے میں اہم ترین صحیح احادیث میں سے وہ حدیث ہے جسے بخاری و مسلم نے جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں: ایک ماہ کی مسافت پر موجود دشمن مجھ سے مرعوب و خوفزدہ رہتا ہے، زمین میرے لئے مسجد اور

(۱) دیکھئے، الصحیح للابانی: ۱۵۷۱۔

(۲) مسند احمد: ۲۸۱/۱، ۲۹۵، الترمذی، حدیث: (۳۶۲۰) اور دیکھئے تحریق اللابیانی علی بدایہ السوال: ص ۳۵۷۔

طہارت حاصل کرنے کا ذریعہ بنا دی گئی ہے، اس لئے میری امت کے کسی آدمی پر جب نماز کا وقت آجائے تو وہ نماز پڑھ لے، اور میرے لئے غنیمت کا مال حلال بنا دیا گیا ہے، مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں کیا گیا، اور مجھے (قیامت کے دن) شفاعت کی اجازت دی گئی ہے، اور مجھ سے پہلے ہر نبی کو خاص طور سے اس کی قوم کے لئے مبعوث کیا جاتا تھا، اور میں تمام لوگوں کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں“^(۱)۔

اور مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے تمام انبیاء پر چھ چیزوں کے ذریعہ فضیلت دی گئی ہے۔“ آپ ﷺ نے مزید فرمایا: ”مجھے جامع کلمات کے ذریعہ قوتِ تعبیر دی گئی ہے، اور انبیاء کی آمد پر میرے ذریعہ مہر لگا دی گئی ہے۔“ ان دونوں حدیثوں میں آپ ﷺ کی سات خصوصیات جمع ہو گئی ہیں:

۱- رُعب کے ذریعہ نصرت:

نبی کریم ﷺ جب کسی سے جنگ کرنے کا ارادہ کرتے تو آپ ﷺ کے وہاں پہنچنے سے ایک ماہ پہلے ہی دشمن آپ سے مرعوب و خوفزدہ ہو جاتا۔ آپ ﷺ کے سوا کسی نبی کو یہ خصوصیت نہیں دی گئی۔

۲- اللہ نے زمین کو آپ ﷺ کے لئے مسجد اور حصولِ طہارت کا ذریعہ بنا دیا:

اس لئے مسلمان جہاں بھی ہوں گے، نماز پڑھ لیں گے۔ انہیں نماز پڑھنے کے لئے نہ مخصوص جگہ کی حاجت نہ محرابِ مسجد کی، ان کے برعکس یہود و نصاریٰ اور مجوس و ہندوس وغیرہم صرف اپنی عبادت گاہوں، گرجوں اور مندروں میں عبادت کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا حدیث میں ”طہور“ سے مراد تیمم ہے جو ہم مسلمانوں سے پہلے کسی امت میں نہیں پایا گیا۔ اللہ نے اسے اپنے رسول ﷺ اور آپ کی امت کے لئے بطور کشادگی، رحمت اور تخفیف مشروع فرمایا ہے۔

۳- اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ اور آپ کی امت کے لئے مالِ غنیمت کو حلال بنا دیا:

گزشتہ امتوں کے لئے ایسا نہیں کیا گیا، بلکہ ایک آگ آسمان سے اُترتی اور اُسے جلادیتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے امتِ محمدیہ پر احسان خاص کیا کہ غزوات میں حاصل شدہ اموالِ غنیمت کو ان کے لئے مباح بنا دیا۔ رب العالمین کا فرمان ہے: ﴿ثَوَلَا كِتَابَ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسْكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۖ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ

(۱) البخاری، التیمم، حدیث: (۳۳۵)، مسلم، المساجد، حدیث: (۳/۵۲۱)۔

حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (اگر اللہ کی طرف سے ایک بات پہلے سے نوشتہ نہ ہوتی، تو تم نے جو مال قیدیوں سے لیا ہے اس کے سبب سے ایک بڑا عذاب تمہیں آ لیتا۔ پس غنائم میں سے حلال اور طیب کو کھاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ بڑا مغفرت کرنے والا، نہایت مہربان ہے) [الأنفال: ۶۸-۶۹] (۱)

۴- منصب شفاعتِ کبریٰ:

اللہ سبحانہ اپنے رسول کریم ﷺ کو میدانِ محشر میں منصبِ شفاعتِ کبریٰ عطا فرمائیں گے، یہی وہ منصبِ عظیم ہے جسے ”مقامِ محمود“ کا نام دیا گیا ہے اور جس کے سبب تمام انبیاء آپ پر رشک کریں گے اور تمام لوگ آپ ﷺ سے درخواست کریں گے کہ آپ رب العالمین کے حضور اُن کے لئے شفاعت کر دیں تاکہ وہ اُن کے درمیان فیصلہ کر دے اور انہیں اس پریشانی و بد حالی سے نجات دے دے جس میں سب میدانِ محشر میں مبتلا ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا﴾ (امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو ”مقامِ محمود“ پر پہنچا دے گا) [الاسراء: ۷۹]۔ امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ لوگ قیامت کے دن گھسٹوں کے بل چلیں گے، ہر امت اپنے نبی کے پاس آئے گی اور کہے گی: اے فلاں! ہمارے لئے شفاعت کیجئے، اے فلاں! ہمارے لئے شفاعت کیجئے، بالآخر نبی کریم ﷺ سب کے لئے شفاعت کریں گے، یہی وہ دن ہو گا جب اللہ نبی کریم ﷺ کو مقامِ محمود عطا فرمائیں گے (۲)۔ معلوم ہوا کہ مقامِ محمود سے مراد مقامِ شفاعت ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک دوسری روایت میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن آفتاب اتنا قریب آجائے گا کہ لوگوں کے پسینے نصف کان تک پہنچ جائیں گے۔ اُس وقت سب لوگ آدم علیہ السلام سے مدد مانگیں گے، پھر موسیٰ علیہ السلام سے پھر محمد ﷺ سے۔ راوی عبد اللہ بن یوسف نے اضافہ کیا ہے: مجھ سے لیٹنے اور اُن سے ابن ابی جعفر نے حدیث بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ شفاعت کریں گے تاکہ مخلوق کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے، چنانچہ آپ ﷺ چل کر جائیں گے، دروازہ کی کڑی پکڑ لیں گے، اُس دن اللہ آپ ﷺ کو مقامِ محمود پر پہنچا دیں گے جس کی تمام اہلِ محشر تعریف کریں گے (۳)۔

(۱) مسلم، المساجد، حدیث: (۵/۵۳۳)۔

(۲) البخاری، التفسیر، حدیث: (۳/۷۱۸)۔

(۳) البخاری، الزکاة، حدیث: (۱۴/۷۵)۔

یہی وہ مقام محمود ہے جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: جو شخص اذان سننے کے بعد کہے گا: "اللَّهُمَّ رَبِّ هَذِهِ الدَّعْوَةُ التَّامَّةُ وَالصَّلَاةُ الْقَائِمَةُ، آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ، وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَهُ" اے اللہ! اس مکمل دعوت اور (قیامت تک) قائم رہنے والی نماز کے رب! محمد کو (جنت کا) درجہ و وسیلہ اور فضیلت عطا فرما، اور انہیں اُس مقام محمود پر پہنچا دے جس کا تو نے اُن سے وعدہ کیا ہے "قیامت کے دن اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو جائے گی (بخاری)۔

۵۔ بعثت نبوی ﷺ کی عمومیت:

گزشتہ زمانوں میں انبیائے کرام کی بعثت صرف اُن کی قوموں کے لئے ہوتی تھی، لیکن ہمارے نبی کریم ﷺ تمام بنی نوع انسان کے لئے مبعوث کئے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ (آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کے لئے اللہ کا رسول ہوں) [الأعراف: ۱۵۸] اور فرمایا ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ﴾ (اور ہم نے آپ کو تمام بنی نوع انسان کے لئے خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجا ہے) [سبا: ۲۸]۔ نیز فرمایا ہے: ﴿لَا نُنْذِرُكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ﴾ (تاکہ اس کے ذریعہ تمہیں اور ہر اس شخص کو ڈراؤں جس تک اس قرآن کا پیغام پہنچے) [الأنعام: ۱۹]۔ بلکہ آپ ﷺ تو تمام جنوں کے لئے بھی مبعوث ہوئے جیسے تمام انسانوں کے لئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (اور ہم نے آپ کو سارے جہان والوں کے لئے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے) [الانبیاء: ۱۰۷]۔ اور فرمایا ہے: ﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا﴾ (بے شمار خیر و برکت والا ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا ہے، تاکہ وہ سارے جہان والوں کے لئے (آخرت کے عذاب سے) ڈرانے والا بنے) [الفرقان: ۱]۔

مندرجہ بالا آیتیں اور دیگر بہت سی آیتیں صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت تمام بنی نوع انسان و جن کے لئے ہوئی ہے۔ اسی لئے اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ وہ اُس و جن اور عرب و عجم سب کو اسلام کا پیغام پہنچائیں، اور آپ ﷺ نے اپنے رب کے حکم کی مکمل تعمیل کی اور اللہ کا پیغام سب کو پہنچایا۔

۶۔ جامع کلمات کے ذریعہ قوتِ تعبیر:

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جامع اور مختصر الفاظ میں اپنا مافی الضمیر ادا کرنے کی حیرت انگیز صلاحیت عطا کی تھی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی مذکور بالا حدیث کے معنی و مفہوم کی ایک دوسری صحیح حدیث بھی آئی ہے جسے ابو موسیٰ اور ابن عمر وغیرہما نے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے فواحش کلمات اور جوامع کلمات اور

خواتم کلمات عطا کئے گئے ہیں (یعنی مجھے پوری قوت اور فصاحت و بلاغت کے ساتھ گفتگو شروع کرنے، مافی الضمیر ادا کرنے اور گفتگو ختم کرنے کی صلاحیت دی گئی ہے)۔

اسی لئے نبی کریم ﷺ قوت فصاحت و بلاغت میں تمام عربوں پر فوقیت لے گئے، عربوں کی ہر ایک جماعت سے اُن کے لب و لہجہ میں مخاطب ہوئے اور مناقشہ و مناظرہ کیا، یہی وجہ ہے کہ بہت سے صحابہ کرام بارہا آپ ﷺ سے آپ کے کلام کی شرح و تفسیر پوچھتے تھے۔ حدیث نبوی اور سیرت نبویہ کا مطالعہ کرنے والے لوگ اس بات سے خوب واقف ہیں۔

بہت سے اہل علم نے آپ کے جامع کلمات کی تدوین و جمع کے لئے متقل کتابیں لکھی ہیں جن میں آپ ﷺ کی تقریروں، خطبوں، دعاؤں، خطوط اور عہود و مواثیق کو جمع کیا ہے، اور سب نے بالاتفاق اعتراف کیا ہے کہ فصاحت لسانی اور بلاغت بیانی میں دنیا کا کوئی انسان آپ کے قریب و پاس بھی نہیں پھٹک سکا۔

۷۔ نبی کریم ﷺ خاتم النبیین:

نبی کریم ﷺ خاتم النبیین ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ذریعہ آسمانی پیغام کی آمد پر مہر لگا دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ﴾ (محمد تم لوگوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، وہ تو اللہ کے رسول اور انبیاء کے سلسلے کو ختم کرنے والے ہیں، اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے) [الاحزاب: ۴۰]۔

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے آخر میں جسے ابھی میں نے امام مسلم کے حوالہ سے نقل کیا ہے، آیا ہے: ”اور نبیوں کی آمد پر میرے ذریعہ مہر لگا دی گئی ہے“ یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کے ذریعہ نبی کریم ﷺ سے مروی ایک حدیث میں اس معنی کی وضاحت یوں آئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے: میری اور دیگر تمام انبیاء کی مثال اس آدمی کی ہے جس نے ایک گھر بنایا اور اسے پورا کر دیا۔ صرف ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ لوگ اس گھر میں داخل ہونے لگے اور اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہونے لگے اور کہنے لگے: کاش! اس ایک اینٹ کی جگہ بھی بھر گئی ہوتی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں ہی وہ اینٹ ہوں۔ میں نے آکر انبیاء کی آمد کے سلسلہ پر مہر لگا دی ہے۔ صحیح بخاری میں ہے: میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں ہی خاتم النبیین ہوں^(۱)۔

معلوم ہوا کہ محمد ﷺ ہی وہ رسولِ خاتم ہیں جن کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا، اور اسلام ہی وہ دینِ خاتم ہے جس کے بعد اب کوئی دین اللہ کی طرف سے نہیں آئے گا، اللہ نے قیامت تک کے لئے اسی دن کو تمام بنی نوع انسان کے لئے پسند فرمالیا ہے۔

۸- زمین کے خزانوں کی چابیاں آپ ﷺ کو پیش کی گئیں:

آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کو زمین کے خزانوں کی چابیاں پیش کی گئیں۔ بخاری و مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں مبعوث کیا گیا ہوں جو امع الکلم دے کر، اور رعب و دہشت کے ذریعہ دشمن کے خلاف میری مدد کی گئی ہے، اور میں سویا تھا تو میرے پاس زمین کے خزانوں کی چابیاں لائی گئیں اور میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں^(۱)۔

اور ترمذی احمد اور ابو نعیم نے ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرے رب نے مجھے یہ پیشکش کی کہ وہ بطحائے مکہ کو میرے لئے سونا بنادے، تو میں نے کہا: اے میرے رب! نہیں، بلکہ میں ایک دن آسودہ رہوں گا اور ایک دن بھوکا رہوں گا۔ جب بھوکا رہوں گا تو تجھے یاد کروں گا اور تیری جناب میں گریہ و زاری کروں گا، اور جب آسودہ ہوں گا تو تیری حمد و ثنا کروں گا اور تیرا شکر ادا کروں گا^(۲)۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو ”حسن“ کہا ہے، اور البانی نے ضعیف قرار دیا ہے، لیکن ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث اس کی شاہد ہے؟ انہوں نے کہا: ایک دن جبریل نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے تھے، تو دیکھا کہ ایک فرشتہ آسمان سے اتر رہا ہے۔ جبریل نے آپ ﷺ سے کہا: یہ فرشتہ جب سے پیدا کیا گیا، اس سے پہلے نہیں اُترا۔ جب اُترا تو کہا: اے محمد! آپ کے رب نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ میں آپ کو بادشاہ بنادوں یا بندہ اور رسول؟ جبریل نے آپ ﷺ سے کہا: اے محمد! اپنے رب کے لئے تواضع اختیار کیجئے۔ تو اللہ کے رسول نے فرمایا: ہاں، میں تو اللہ کا بندہ اور رسول رہنا پسند کروں گا^(۳)۔

اس حدیث کی ایک دوسری شاہد بھی ہے جو عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! اگر میں چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ چل پڑتے۔ میرے پاس ایک فرشتہ آیا جس کا احاطہ کعبہ

(۱) بخاری، الجہاد، حدیث: (۲۹۷۷) مسلم، المساجد، حدیث: (۷۵۷۲)۔

(۲) ترمذی، زہد، حدیث: (۲۳۳۷) مسند احمد: ۲۵۴/۵۔

(۳) مسند احمد: ۲۳۱/۲، ابن حبان: ۲۱۳۷، مواردِ مستحجج: اس حدیث کو بزار اور ابویعلیٰ نے بھی روایت کی ہے۔ دیکھئے مجمع الزوائد: ۱۹/۹۔

کے برابر تھا، اور کہا: آپ کے رب عزوجل نے آپ کو سلام کہا ہے، اور کہا ہے کہ آپ چاہیں تو بندہ اور نبی ہونا پسند کریں، اور چاہیں تو نبی اور بادشاہ بننا پسند کریں۔ میں نے جبریل کی طرف دیکھا تو میری طرف اشارہ کیا: تو وضع اختیار کیجئے۔ میں نے کہا: بندہ اور نبی ہونا پسند کروں گا۔

پیشی نے لکھا ہے: اس حدیث کو ابو یعلیٰ نے بسند حسن روایت کی ہے۔ اور مجمع الزوائد میں اس حدیث کے کئی دیگر شواہد بھی ہیں^(۱)۔

۹- معجزہ قرآن کریم:

آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے معجزہ قرآن کریم ہے جو ہمیشہ کے لئے باقی رہنے والا ہے، دیگر انبیائے کرام کے معجزات ان کی زندگی کے ساتھ ہی ختم ہو گئے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جتنے انبیاء آئے انہیں معجزہ کی قسم سے ایسی ہی کوئی چیز دی گئی جسے دیکھ کر ان کی قوم ایمان لے آئی، اور مجھے اللہ نے وحی دی ہے جسے اللہ نے مجھ پر نازل کی ہے، اسی لئے امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے ماننے والے سب سے زیادہ ہوں گے^(۲)۔

اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کی ضمانت لی ہے، اگر جن وانس کے اول و آخر جمع ہو کر اس میں ایک کلمہ کا اضافہ کرنا چاہیں یا کم کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (بے شک ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں) [الحجر: ۹]۔ معلوم ہوا کہ یہ قرآن کریم قیامت کے دن تک اللہ کی حفاظت میں رہے گا اور تمام جنوں اور انسانوں کی رہنمائی کرتا رہے گا، مسلمانوں کی عقلوں اور رُوحوں کو غذا پہنچاتا رہے گا، اور حق اور بھلائی کی راہ پر چلنے کے لئے دور دور تک روشنی پھیلاتا رہے گا۔

۱۰- پتھروں کا آپ ﷺ کو سلام کرنا:

نبی کریم ﷺ کو پتھر سلام کیا کرتے تھے۔ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں مکہ میں ایک پتھر کو جانتا ہوں جو بعثت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا۔ میں آج بھی اسے پہچانتا ہوں^(۳)۔

(۱) دیکھئے تعلیق البانی علی بدایہ السؤل: ص ۶۳-۶۵۔

(۲) البخاری، فضائل القرآن، حدیث: (۴۹۸۱) مسلم، کتاب الایمان، حدیث: (۲۳۹/۱۵۲)۔

(۳) مسلم، فضائل، حدیث: (۲/۲۲۷)، ترمذی، مناقب، حدیث: (۳۶۲۲)، مسند احمد: ۸۹/۵، ۹۵، ۱۰۵۔

۱۱- درخت کا تنا آپ ﷺ کے فراق میں رونے لگا:

آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ درخت آپ سے دوری پر روتے تھے۔ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جمعہ کے (خطبہ کے وقت) کھجور کے ایک درخت کو پکڑ کر کھڑے ہوتے تھے۔ ایک انصاری عورت یا مرد نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم آپ کے لئے ایک منبر بنادیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہتے ہو تو بناؤ۔ چنانچہ صحابہ نے آپ ﷺ کے لئے ایک منبر بنادیا۔ جب جمعہ کا دن آیا اور آپ منبر پر گئے، تو کھجور کا وہ درخت بچہ کی طرح چیخنے لگا۔ نبی کریم ﷺ منبر سے اتر کر اس کے پاس گئے اور اُسے اپنے جسم سے لگا لیا۔ وہ درخت اُس وقت اس بچہ کی طرح کراہ رہا تھا جسے تھکی دی جاتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ اُس ذکر الہی سے محرومی پر رورہا تھا جو اپنے پاس سنا کرتا تھا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ مسجد نبوی کی چھت کھجور کے درختوں سے بنی ہوئی تھی، نبی کریم ﷺ جب خطبہ دیتے تو ان میں سے ایک تناسے ٹیک لگا لیتے۔ جب آپ کے لئے منبر بنادیا گیا اور آپ اُس پر کھڑے ہوئے تو ہم لوگوں نے اونٹ کی آواز کی مانند اس کی ایک آواز سنی، یہاں تک کہ نبی کریم نے آکر اس پر اپنا دست مبارک رکھ دیا تو وہ چپ ہو گیا^(۱)۔

۱۲- کوثر اور حوض:

آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے وہ کوثر ہے جو آپ کو جنت میں دیا جائے گا، اور وہ حوض ہے جو آپ کو میدانِ محشر میں دیا جائے گا۔ شیخ البانی نے لکھا ہے: کوثر کا ذکر آیتِ کریمہ: ﴿إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ﴾ میں آیا ہے جو اللہ نے آپ کو عطا کیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول عائشہ کے اس قول کے منافی نہیں ہے کہ ”کوثر ایک نہر ہے جو تمہارے نبی کو دی گئی ہے، اُس کے دونوں کناروں پر موتی کے گھڑے رکھے ہوں گے، اور اس کے پیالوں کی تعداد آسمان کے ستاروں کی مانند ہوگی۔ ابن عباس اور عائشہ کے ان اقوال کو امام بخاری نے ذکر کیا ہے۔

ابن عباس اور عائشہ رضی اللہ عنہما کے اقوال میں اس لئے منافات نہیں ہے کہ نہر کوثر اس خیرِ کثیر میں داخل ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی محمد ﷺ کو دیا ہے۔ نہر کوثر کے بارے میں صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں بہت سی

احادیث آئی ہیں، انہی میں سے انس رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث ہے کہ جب میں آسمان پر لے جایا گیا، تو مجھے ایک نہر کے پاس لایا گیا جس کے دونوں کناروں پر کھوکھلے موتی کے تبتے تھے۔ میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ نہر کوثر ہے^(۱)۔

حوض کے بارے میں بھی حدیثیں حدیثیں تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں جن کے مجموع سے علم قطعی حاصل ہوتا ہے^(۲)۔ حوض سے متعلق احادیث پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ حوض پل صراط سے پہلے ہوگا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک یہی راجح ہے، جیسا کہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔

۱۳- آپ ﷺ زمین سے سب سے پہلے اٹھیں گے:

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث کے آخر میں آیا ہے: تم لوگ انبیاء کے درمیان پہ اور بہتر کی بات نہ کرو، اس لئے کہ قیامت کے دن جب سارے لوگوں پر بے ہوشی طاری ہو جائے گی تو میں پہلا آدمی ہوں گا جس کے لئے زمین سب سے پہلے پھٹے گی^(۳)۔

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن میں آدم کی اولاد کا سردار ہوں گا۔ اور میری قبر سب سے پہلے پھٹے گی، اور میں پہلا شفاعت کرنے والا ہوں گا، اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی^(۴)۔

۱۴- آپ ﷺ نے ققادہ کی آنکھ اس کی جگہ لوٹا دی:

آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ ایک صحابی کی آنکھ نکل کر ان کے رخسار پر لٹک گئی تھی، آپ ﷺ نے اسے صحیح سالم اس کی جگہ لوٹا دیا، جبکہ عیسیٰ علیہ السلام نے ایک پیدائشی اندھے کو بینا بنا دیا جس کی آنکھ اپنی جگہ پر موجود تھی۔ اس واقعہ کو العز بن عبد السلام نے بدایۃ السؤل میں صفحہ ۴۱ پر ذکر کیا ہے۔ ابویعلیٰ اور ابو نعیم نے روایت کی ہے کہ ققادہ کی آنکھ اُحد کے دن زخمی ہو گئی اور نکل کر ان کے رخسار پر لٹک گئی۔ لوگوں نے اسے کاٹ کر الگ کر دینے کا مشورہ دیا، اور رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، پھر ققادہ کو بلا کر ان کی آنکھ

(۱) البخاری، بحوالہ فتح الباری: ۵۶۲/۸۔

(۲) دیکھئے تخریج بدایۃ السؤل، البانی: ص ۵۴-۵۶۔

(۳) البخاری، الخصومات، حدیث: (۲۴۱۲)۔

(۴) مسلم، الفضائل، حدیث: (۲۲۷۸)۔

کو اپنی ہتھیلی کی مدد سے اُس کی جگہ پر لے جا کر اندر رد بادیہا۔ قتادہ کو پھر یاد بھی نہیں رہا کہ اُن کی کون سی آنکھ زخمی ہوئی تھی۔ اس حدیث کو سیوطی نے خصائص (۵۳۱/۱) میں اور بیہقی نے مجمع الزوائد (۲۹۷/۸) میں ذکر کیا ہے۔ یہاں حدیث کے الفاظ ابو یعلیٰ کے ہیں، اور اس کی سند میں یحییٰ بن عبد الحمید مہمانی نام کا راوی ضعیف ہے۔ لیکن ابو نعیم نے اس حدیث کو دیگر دو سندوں سے روایت کی ہے، اس لئے اس حدیث کو اُن دونوں کے ذریعہ تقویت ملتی ہے۔ یہ بات شیخ البانی نے لکھی ہے۔

اور العزّ بن عبد السلام نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں دو طریقوں سے اظہارِ معجزہ نبوی ہے: اول یہ ہے کہ آنکھ بہہ جانے کے بعد درست ہو گئی، دوم یہ کہ بصارت ختم ہو جانے کے بعد دوبارہ عود کر آئی^(۱)۔

۱۵- واقعہ معراج:

ہمارے نبی کریم ﷺ کی خصوصیات میں سے ”واقعہ معراج“ ہے جس میں آپ ﷺ کا کوئی نبی شریک نہیں۔ معراج سے متعلق احادیث اٹھائیس (۲۸) سے زیادہ صحابہ کرام سے مروی ہیں۔ صحیحین کی حدیثیں اس سلسلہ میں زیادہ صحیح اور مفصل ہیں۔

عالم ملکوت کی طرف آپ ﷺ کے اس مبارک سفر میں جو واقعات پیش آئے وہ یقیناً اللہ کے نزدیک آپ ﷺ کے مقامِ عالی اور فضیلت و اہمیت کی قطعی دلیل ہیں۔ مثلاً ساتویں آسمان میں انبیائے کرام سے آپ ﷺ کی ملاقات ہوئی، سدرۃ المنتہی کے پاس اللہ نے آپ ﷺ سے کلام کیا، آپ ﷺ نے جنت و جہنم کو دیکھا، اللہ نے آپ ﷺ کی تکریم فرمائی، اور آسمانِ اول سے لے کر ساتویں آسمان تک فرشتوں اور انبیائے کرام نے نہایت گرمجوشی کے ساتھ آپ کا استقبال کیا۔ ان واقعات کی روشنی میں آپ کا فرمانا بجا تھا کہ ”قیامت کے دن آدم اور اُن کے سوا تمام انبیاء میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ اور یہ بات میں بطور فخر نہیں کہہ رہا ہوں“^(۲)۔

۱۶- صدقہ کی چیز کا کھانا حرام ہونا:

نبی کریم ﷺ پر صدقہ کی چیز کا کھانا حرام تھا، چاہے صدقہ فرض ہو یا نفل۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے: بے شک صدقہ محمد اور آلِ محمد کے لئے حلال نہیں ہے^(۳)۔

(۱) دیکھئے ہدایۃ السؤل: ص ۴۱، ۴۲۔

(۲) اس حدیث کی تخریج ذکر خصوصیات کی ابتداء میں ہو چکی ہے۔

(۳) مسلم، الزکاة، حدیث: (۱۶۷۷/۱۰۷۷)۔

اور مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہدیہ کی چیز کھاتے تھے اور صدقہ کی چیز نہیں کھاتے تھے^(۱)۔

اور سنن بیہقی میں عبدالمطلب بن ربیعہ بن الحارث سے مروی حدیث آئی ہے: یہ صدقات لوگوں کی میل ہے، یہ محمد اور آلِ محمد کے لئے حلال نہیں ہے۔

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے صدقہ کی ایک کھجور اپنے منہ میں ڈال لی، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”کُحْ کُحْ“ تاکہ حسن اُسے پھینک دیں، آپ ﷺ نے پھر فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے ہیں؟^(۲)

۱۷- آپ ﷺ کی بیویاں دوسروں کے لئے حرام کر دی گئیں۔
نبی کریم ﷺ کی بیویاں آپ کے بعد دوسروں پر حرام کر دی گئی تھیں۔ یہ خصوصیت کسی اور نبی کو حاصل نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ﴾ (نبی مومنوں کے ان کے اپنے آپ سے زیادہ حقدار ہیں، اور نبی کی بیویاں اُن کی مائیں ہیں) [الاحزاب: ۶]۔ اس لئے کسی مومن کے لئے باتفاق امت حلال نہیں کہ وہ آپ ﷺ کی اُن بیویوں میں سے کسی سے شادی کر تا جو آپ ﷺ کی وفات کے بعد زندہ رہیں۔ اس لئے کہ وہ سب جنت میں بھی آپ کی بیویاں ہوں گی۔

۱۸- اللہ نے ہمارے نبی ﷺ سے سِدْرۃ المنتہی کے پاس بات کی:
آپ ﷺ کی اہم خصوصیات میں سے یہ ہے کہ اللہ نے آپ ﷺ سے سِدْرۃ المنتہی کے نزدیک بات کی، جبکہ موسیٰ علیہ السلام سے مقدس وادی طور میں بات کی۔ اللہ نے سورۃ النجم میں اسی طرف اشارہ کیا ہے، فرمایا ہے:
﴿فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۖ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۖ أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ۖ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ۖ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ ۖ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ ۖ إِذْ يَخْشَىٰ الْسُدْرَةَ مَا يَخْشَىٰ﴾ (تب)
اُس نے اللہ کے بندے پر وہ وحی نازل کی جو اُس نے (اُس وقت) نازل کی۔ رسول اللہ نے جو کچھ دیکھا اُن کے دل نے اُس کی تکذیب نہیں کی۔ کیا تم لوگ اُن سے اُس بارے میں جھگڑتے ہو جو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ اور انہوں نے اُس فرشتہ کو دوسری بار بھی دیکھا، سِدْرۃ المنتہی کے پاس جس کے قریب ہی جنت المادئی ہے۔ جب

(۱) مسلم، الزکاة، حدیث: (۱۷۵۱/۱۷۷۷)۔

(۲) مسلم، الزکاة، حدیث: (۱۶۱/۱۰۶۹)۔

اُس سیدرہ کو وہ چیز ڈھانک رہی تھی جو اُسے ڈھانک رہی تھی) [البیہم: ۱۰-۱۶]۔

اور مسلم نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے جو حدیث اسرائاء روایت کی ہے، اُس میں آیا ہے: پھر جبریل مجھے سیدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے گئے، جس کے پتے ہاتھی کے کان کی طرح اور اس کے پھل گھڑوں کی مانند تھے۔ جب اُس پر اللہ کا حکم طاری ہوا تو اس درخت میں ایسی تبدیلی آئی کہ اس کی خوبصورتی کو اللہ کی مخلوق میں سے کوئی بیان نہیں کر سکتا تھا، پھر اللہ نے مجھ پر جو وحی کرنی چاہی کی، اور دن اور رات میں مجھ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں... یہاں تک کہ اللہ نے فرمایا: اے محمد! دن اور رات میں یہ پانچ نمازیں فرض کی گئی ہیں، ان میں سے ہر نماز دس نمازوں کے برابر ہے، اس طرح یہ پانچوں نمازیں پچاس نمازوں کے برابر ہیں^(۱)۔

اور مسلم نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو معراج کی رات میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس لے جایا گیا جو چھٹے آسمان میں ہے۔ وہیں وہ سب باتیں پہنچتی ہیں جو زمین سے بھیجی جاتی ہیں۔ اور وہیں وہ سب باتیں پہنچتی ہیں، جو اوپر سے نازل کی جاتی ہیں۔ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿إِذَا يَغْشَى السَّدْرَةَ مَا يَغْشَى﴾ (جب اُس سیدرہ کو وہ چیز ڈھانک رہی تھی جو اُسے ڈھانک رہی تھی) [البیہم: ۱۶] عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں: وہ سونے کے پتنگے تھے۔ وہاں رسول اللہ ﷺ کو تین چیزیں دی گئیں۔ پانچ نمازیں دی گئیں، سورۃ البقرہ کی آخری آیتیں دی گئیں، اور آپ کی امت کے اُن لوگوں کے بڑے گناہ معاف کر دیئے گئے جنہوں نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنایا^(۲)۔



(۱) مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء، حدیث: (۲۵۹/۱۶۲)، بخاری، مناقب الانصار، حدیث: (۳۸۸۷)۔

(۲) مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء، حدیث: (۲۷۹/۱۷۳)۔

نبی کریم ﷺ کے معجزات

اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی نبی کو مبعوث فرمایا، اور انسانوں کو اُس کے سچا ہونے کی خبر دینی چاہی، تو اُس نبی کے ذریعہ کوئی مافوق العادۃ نشانی ظاہر کی جو انسانی قدرت سے بالاتر ہوتی تھی۔ ایسی ہی نشانیوں کو ”معجزات“ کے نام دیئے گئے ہیں، اس لئے کہ ان معجزوں نے مخالفین کو مغلوب و مقہور بنادیا، اور ایمان والوں کا ایمان بڑھا دیا۔ نبی کریم ﷺ سے بے شمار معجزات کا ظہور ہوا جو صحیح روایات سے ثابت ہیں، یہاں اُن میں سے بعض کا ذکر کرتا ہوں، تاکہ مومنوں کے ایمان میں اضافہ ہو، نبی کریم ﷺ کی عظمت واضح ہو، اور آپ کی محبت ہمارے دلوں میں راسخ ہو۔

۱- قرآن کریم سب سے روشن و تابناک معجزہ:

قرآن کریم نبی کریم ﷺ کے معجزات میں سب سے عظیم اور تابناک معجزہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صداقت کے اثبات کے لئے سب سے قوی بُرہان اور معجزہ کے طور پر اسے نازل فرمایا ہے۔ عہد نبوی کے عربوں میں بڑے بڑے زبان دان، خطیب اور شاعر پائے گئے جو انشاء پرداز، قصیدہ گوئی اور فصیح و بلیغ خطابت پر پوری قدرت رکھتے تھے، لیکن کوئی بھی قرآن کریم کے مثل لانے کی جرأت نہ کر سکا جسے نبی کریم ﷺ نے اپنی صداقت کی دلیل اور اپنی نبوت کے ثبوت کے طور پر پیش کیا تھا۔ اور کیسے کوئی اس قرآن جیسا لاسکتا تھا جو معجزہ الہی تھا، اور جس کے حق ہونے میں ادنیٰ شبہ بھی نہیں تھا۔ اللہ عز و جل نے اسے جنوں اور انسانوں کے سامنے بطور چیلنج پیش کیا تھا لیکن وہ سب کے سب عاجز و در ماندہ رہے۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: قرآن لفظی اور معنوی دونوں اعتبار سے معجزہ ہے:

لفظی اعتبار سے بایں طور کہ یہ وضاحت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہے، اور اس بارے میں جس کا علم جتنا بڑھتا جاتا ہے اتنا ہی قرآن کریم کی تعظیم میں اس کی گردن جھکتی جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے زمانہ کے تمام فصحاء و بلغاء کو اُن کی ہزار عداوتوں اور آپ ﷺ کی شدید تکذیب کے باوجود چیلنج کیا کہ وہ اس قرآن جیسا یا اُس جیسی دس سورتیں یا کم از کم ایک سورت لے آئیں، لیکن وہ سراسر عاجز رہے، اور نبی کریم ﷺ نے ان کو پہلے سے ہی خبر دے دی تھی کہ وہ کبھی ایسا نہیں کر سکتے۔ آپ ﷺ نے صرف عرب فصحاء و بلغاء کو ہی نہیں بلکہ پورے عالم کے جن و انس کو قرآن جیسا لانے کا چیلنج کیا، اور سب نے اپنی عاجزی کا اعتراف کیا۔ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿قُلْ نَبِیْ

اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيراً ﴿۸۸﴾ (اگر تمام انس و جن اکٹھا ہو کر اس قرآن جیسا لانے کی کوشش کریں گے تو اس جیسا نہیں لائیں گے، چاہے وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں) [الإسرائ: ۸۸]۔

اور معنوی اعتبار سے بایں طور کہ یہ قرآن غایت درجہ تعاون و مناصرت، حکمت، رحمت، مصلحت، اچھے انجام اور وحدت و اتفاق کی دعوت پر مشتمل ہے، یہ اعلیٰ مقاصد کے حصول اور تمام مفاسد کے ابطال کی سعی تمام کرتا ہے، ان کے علاوہ دیگر بے شمار خیرات و برکات کے حصول کی دعوت دیتا ہے، اور ان تمام باتوں کا ادار اک ہر وہ آدمی کرتا ہے جو شبہات اور خود غرضیوں سے پاک عقل و خرد سے بہرور ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے شبہات سے پناہ میں رکھے، اور رشد و ہدایت کی توفیق عطا فرمائے^(۱)۔

شیخ الإسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: عرب و عجم سبھی جانتے ہیں کہ تمام مخالفین عرب و عجم کی ہزار مخالفوں اور حرص شدید کے باوجود آج تک کوئی اس کی نظیر نہ پیش کر سکا۔ اس کا لفظ معجزہ ہے، اس کی خبریں معجزہ ہیں، اس کا امر و نہی اور اس کا وعدہ و وعید معجزہ ہے، اس کی جلالت شان، عظمت اور دلوں پر اس کی حکمرانی سبھی معجزہ ہے۔ اور جب اس کی ترجمانی دوسری زبانوں میں کی جاتی ہے تو اس کے معانی معجزات ہوتے ہیں۔ ان تمام معجزات و آیات کی سارے عالم میں کوئی نظیر نہیں ملتی^(۲)۔

خصائص کے ضمن میں قرآن کریم کا ذکر آچکا ہے اور بتایا جا چکا ہے کہ قرآن کا معجزہ قیامت کے دن تک باقی رہے گا۔ وہاں نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث بھی بیان کی جا چکی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: جتنے انبیاء آئے انہیں معجزہ کی قسم سے ایسی کوئی چیز دی گئی جسے دیکھ کر ان کی قوم ایمان لے آئی، اور مجھے اللہ نے وحی دی ہے جسے اللہ نے مجھ پر نازل کی ہے، اسی لئے امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے ماننے والے سب سے زیادہ ہوں گے^(۳)۔

۲۔ غیبی امور کی خبریں:

نبی کریم ﷺ کی صداقت و نبوت کی نشانیاں خبری اور فعلی تمام اقسام کی نشانیوں پر مشتمل ہیں، نیز ماضی، حال اور مستقبل سے متعلق غیبی امور کی خبریں بھی ان میں داخل ہیں جن کی نظیر دیگر انبیاء کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ قرآن کریم

(۱) الفصول، ابن کثیر: ص ۱۵۶، ۱۵۷۔

(۲) کتاب النبوات، ابن تیمیہ: ص ۱۶۴۔

(۳) البخاری، فضائل القرآن، حدیث: (۴۹۸۱) مسلم، کتاب الایمان، حدیث: (۲۳۹/۱۵۲)۔

اور احادیث نبویہ میں غیبی امور سے متعلق آپ ﷺ کی خبر دہانی کے بہت سے تذکرے پائے جاتے ہیں۔ بہت سے آنے والے امور سے متعلق آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو خبر دی اور ویسا ہی وقوع پذیر ہوا جیسا آپ ﷺ نے بتایا تھا۔

۳- قیامت تک ہونے والے تمام امور کی خبر دہانی:

بخاری و مسلم نے حدیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور قیامت تک ہونے والی ہر چیز کو بیان فرمایا، ہم میں سے کسی نے یاد کر لیا اور کوئی بھول گیا۔ میرے ان تمام ساتھیوں کو اس بات کا علم ہے۔ ان چیزوں میں سے جب کوئی چیز وقوع پذیر ہوتی ہے جسے میں بھول چکا ہوتا ہوں، تو مجھے یاد آ جاتی ہے، جیسے کہ کوئی آدمی کسی کو بھول چکا ہوتا ہے، پھر جب اسے دیکھتا ہے تو اُسے پہچان لیتا ہے^(۱)۔ صحیح مسلم میں ابو زید عمرو بن الخطب سے مروی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی، اور منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دینے لگے یہاں تک کہ ظہر کا وقت آ گیا تو نماز پڑھی، پھر منبر پر چلے گئے اور خطبہ دینے لگے یہاں تک کہ عصر کا وقت آ گیا، تو نماز پڑھی، پھر منبر پر چلے گئے اور خطبہ دینے لگے یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ آپ ﷺ نے ماضی اور مستقبل کی تمام باتیں بتائیں۔ ہم میں سے جس نے سب سے زیادہ یاد کیا وہ ہم میں بڑا عالم بن گیا^(۲)۔

۴- خزائن کسریٰ غنائم مسلمین:

امام بخاری نے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا جس نے بھوک کی شکایت کی، ایک دوسرا آدمی آیا جس نے رہنری کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عدی! کیا تم نے حیرہ دیکھا ہے؟ میں نے کہا: دیکھا تو نہیں ہے، اس کے بارے میں سنا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ ایک عورت حیرہ سے سفر کر کے آئے گی اور خانہ کعبہ کا طواف کرے گی، اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرے گی۔ (عدی کہتے ہیں، میں نے اپنے دل میں سوچا: کہاں ہیں بنی طی کے فُستاق و فُجسار، جنہوں نے شہروں اور علاقوں کے درمیان حدود قائم کر رکھا ہے) اور اگر تمہاری زندگی نے یاوری کی تو کسریٰ کے خزانون پر غالب آ جاؤ گے میں نے کہا: کسریٰ بن ہرمز کے خزانے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، کسریٰ بن ہرمز کے خزانے۔ اور اے عدی! اگر تمہیں لمبی عمر ملی تو دیکھو گے کہ آدمی مُٹھی بھر سونا یا چاندی

(۱) البخاری، کتاب القدر، حدیث: (۶۶۰۴)، مسلم، کتاب الفتن، حدیث: (۲۸۹۱)، ابوداؤد، کتاب الفتن، حدیث: (۴۲۴۰)۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب الفتن، حدیث: (۲۸۹۲)۔

بطور صدقہ نکالے گا، اور کسی کو دینے کے لئے ڈھونڈتا پھرے گا، لیکن اُسے کوئی ایسا آدمی نہیں ملے گا۔
عدی کہتے ہیں: میں نے عورت کو حیرہ سے سفر کر کے کعبہ کا طواف کرتے دیکھا، اور وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتی تھی۔ اور میں اُن لوگوں میں سے تھا جنہوں نے کسریٰ کے خزانوں پر قبضہ کیا۔ اگر اللہ نے تم لوگوں کو لمبی عمر دی تو تیسری چیز کو بھی دیکھ لو گے جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔ یعنی ایک مسلمان مُٹھی بھر سونا یا چاندی بطور صدقہ نکالے گا، اور اسے کوئی ایسا آدمی نہیں ملے گا جسے وہ صدقہ دے^(۱)۔

شیخ الإسلام ابن تیمیہ کہتے ہیں: یہ جو آپ ﷺ نے خبر دی ہے کہ آدمی مُٹھی بھر سونا یا چاندی صدقہ لے کر نکلے گا لیکن اسے دینے کے لئے کوئی نہیں ملے گا۔ یہ بات عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں ظاہر ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کی بات صادق آئی^(۲)۔

۵- جزیرہ عرب اور فارس و روم کی فتح:

مسلم نے نافع بن عتبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم ایک غزوہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، تو کچھ لوگ مغرب کی طرف سے آپ ﷺ کے پاس آئے، جو اُن کے کپڑے پہنے ہوئے تھے، اُن کی ملاقات آپ ﷺ سے ایک ٹیلہ کے نزدیک ہوئی، وہ لوگ کھڑے تھے اور رسول اللہ ﷺ بیٹھے تھے۔ نافع کہتے ہیں: میرے دل نے کہا: میں ضرور آکر اُن کے اور آپ کے درمیان کھڑا ہوں گا، تاکہ دھوکہ دے کر آپ ﷺ پر حملہ نہ کر دیں۔ میں نے پھر سوچا: شاید آپ ﷺ اُن کے ساتھ سرگوشی کر رہے ہیں۔ میں آیا اور کھڑا ہو گیا، اُس وقت میں نے آپ ﷺ سے چار کلمات سیکھے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ جزیرہ عرب سے جنگ کرو گے اور اللہ فتح نصیب کرے گا، پھر فارس سے جنگ کرو گے اور اللہ فتح نصیب کرے گا، پھر تم لوگ روم سے جنگ کرو گے اور اللہ فتح نصیب کرے گا، پھر تم لوگ دجال سے جنگ کرو گے اور فتح نصیب ہوگی^(۳)۔

۶- سرزمین حجاز سے آگ نکلتا:

بخاری و مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت اُس وقت تک نہیں آئے گی جب تک سرزمین حجاز سے ایک آگ نہ نکلے گی جو بصری میں موجود اونٹوں کی گردنوں کو روشن

(۱) البخاری، المناقب، حدیث: (۳۵۹۵)، مسلم (اختصار کے ساتھ)، حدیث: (۱۰۱۶)۔

(۲) دلائل النبوة، ابن تیمیہ: ص ۴۸۸۔

(۳) مسلم کتاب القنن، حدیث: (۳۸/۲۹۰۰)۔

کر دے گی (۱)۔

یہ آگ تین جمادی الآخرہ بدھ کی رات میں عشاء کے بعد سن ۶۵۴ ہجری میں ظاہر ہوئی، اور جمعہ کے دن چاشت کے وقت تک باقی رہی، پھر دھیمی پڑ گئی، جیسا کہ ابن حجر نے فتح الباری میں قرطبی کی کتاب التذکرہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ اسے تمام لوگوں نے دیکھا، اور دیکھا کہ اس نے بھری کے اونٹوں کی گردنوں کو روشن کر دیا، یہ آگ پتھروں کو جلادیتی تھی، اور گوشت کو پکادیتی تھی۔

۷۔ چاند کے دو ٹکڑے ہونا:

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں چاند کے دو ٹکڑے ہونے کی خبر دی ہے، جب مشرکوں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک نشانی مانگی تھی، اور رات کا وقت تھا، تو آپ ﷺ نے چاند کی طرف اشارہ کیا اور اس کے دو ٹکڑے ہو گئے، اس معجزہ کو تمام لوگوں نے دیکھا۔ اور رسول اللہ ﷺ اس سورۃ کو بڑے مجموعوں میں پڑھتے رہے، جیسے جمعہ اور عیدین کے دنوں میں تاکہ لوگ اس میں مذکور نشانیوں اور دلیلوں میں غور کریں اور عبرت حاصل کریں۔ مقصود یہ ہے کہ تمام لوگ اسے سنتے رہے، اس کا اقرار کرتے رہے، اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔

بخاری و مسلم نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ ﷺ اُن کو کوئی نشانی دکھائیں، تو آپ ﷺ نے چاند کے دو ٹکڑے کر کے انہیں دکھایا، دونوں کے درمیان جبل حراء جائل تھا (۲)۔ بخاری نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم سب دیکھ لو۔ ترمذی نے اپنی روایت میں یہ اضافہ کیا ہے: تب یہ آیتیں نازل ہوئیں: ﴿اَقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۚ وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرَضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُسْتَمِرٌّ﴾ (قیامت قریب آگئی، اور چاند پھٹ گیا۔ اور کفار اگر کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ایک جادو ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے) [القمر: ۱-۲]۔

اور مسلم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم سب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ منیٰ میں تھے کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے، ایک ٹکڑا پہاڑ کے پیچھے تھا اور دوسرا اس کے دوسری طرف۔ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا: تم سب دیکھ لو (۳)۔

(۱) البخاری، الفتن، حدیث: (۷۱۸)، مسلم، الفتن، حدیث: (۲۲/۲۹۰۲)۔

(۲) البخاری، مناقب الأنصار، حدیث: (۳۸۶۸)، مسلم، صفات المنافقین، حدیث: (۲۸۰۲)۔

(۳) البخاری، المناقب، حدیث: (۳۶۳۶)، مسلم، حدیث: (۴۴/۲۸۰۰)، سنن الترمذی، حدیث: (۳۲۸۶)۔

۸- ایسی بکری سے دودھ نکالنا جس نے ابھی پال نہیں کھایا تھا:

آپ ﷺ کی دعاؤں کی برکت بہت سی جگہوں میں ظاہر ہوئی، انہی جگہوں میں سے وہ واقعہ ہے جسے احمد، طحاوی، اور ابن عوفہ وغیرہم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں: میں ایک جوان لڑکا تھا اور مکہ میں عقبہ بن معیط کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ ایک دن میرے پاس رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر آئے، دونوں مکہ کے مشرکین کے ڈر سے بھاگ کر آگئے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: اے لڑکے! کیا تمہارے پاس ہمیں پلانے کے لئے دودھ ہے؟ میں نے کہا: یہ بکریاں میرے پاس امانت ہیں، اس لئے آپ دونوں کو دودھ نہیں پلا سکتا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تمہارے پاس کوئی ایسی بکری ہے جس نے ابھی پال نہیں کھایا ہے؟ میں نے کہا: ہاں، اور اسے اُن دونوں کے پاس لے آیا۔ ابوبکر نے اس کے پاؤں باندھ دیئے، اور رسول اللہ ﷺ نے اس کا تھن پکڑ کر اللہ سے دعا کی، تھن دودھ سے بھر گیا، ابوبکر ایک گہرا پتھر لے آئے، آپ ﷺ نے اس میں دودھ دُوبا، اور دونوں نے پیا، پھر مجھے بھی پلایا۔ پھر آپ نے تھن سے کہا: سِکڑ جا تو وہ سِکڑ گیا^(۱)۔

۹- اُمّ معبد کی دُہلی پتلی بکری سے دودھ نکالنا:

رسول اللہ ﷺ ہجرت کے وقت اپنے ساتھیوں کے ساتھ اُمّ معبد کے خیمہ کے پاس سے گزر رہے تھے، یہ واقعہ پہلے آچکا ہے، اُس وقت آپ ﷺ نے اُمّ معبد سے ایک بکری طلب کی جو نہایت کمزور تھی، اور اُس کے تھن پر اپنا ہاتھ پھیرا، بسم اللہ کہا اور دعا کی، بکری نے اپنے دونوں پاؤں پھیلا دیئے اور اس کے تھن میں دودھ اُتر آیا اور بجالی کرنے لگی۔ آپ ﷺ نے اسے دُوبا، پہلے اُمّ معبد کو پلایا یہاں تک کہ سیراب ہو گئیں، پھر آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو پلایا یہاں تک کہ سب پی کر آسودہ ہو گئے۔ سب سے آخر میں آپ ﷺ نے پیا۔ سب نے خوب خوب پیا۔ آپ ﷺ نے دوبارہ اُسے دُوبا یہاں تک کہ برتن کو بھر دیا، اور اسے اُمّ معبد کے پاس چھوڑ دیا۔ پھر آپ ﷺ نے اُمّ معبد سے اسلام کی بیعت لی اور وہاں سے آگے چل پڑے^(۲)۔

۱۰- اُسید و عباد کے لئے نور:

انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام میں سے دو آدمی آپ ﷺ کے پاس

(۱) مسند احمد: ۴/۶۲۲، اس کی سند حسن ہے، دلائل التبیح: ۸۴/۶، حافظ ابن کثیر نے البدایہ: ۱۹۵/۳، میں لکھا ہے کہ ابن مسعود کا یہ واقعہ صحیح ہے اور کتب صحاح میں مذکور ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲) پڑھئے قصہ اُمّ معبد در بارہ ہجرت نبوی۔

سے تاریک رات میں نکلے، تو آپ ﷺ نے دونوں کو دو چراغ کے مانند کوئی چیز دی، جو اُن کے آگے روشن تھی، جب دونوں الگ ہوئے تو ہر ایک کے پاس الگ الگ روشنی ہو گئی یہاں تک کہ اپنے گھروالوں کے پاس پہنچ گئے^(۱)۔
معمر و حماد کہتے ہیں کہ یہ دونوں صحابی اُسید بن حُصیر اور عبد بن بشر انصاری تھے۔

۱۱- اللہ نے عتیبہ بن ابولہب پر شیر کو مسلط کر دیا:

نبی کریم ﷺ نے عتیبہ بن ابولہب پر بد دعا کر دی، تو اللہ نے بلادِ شام میں اس پر شیر کو مسلط کر دیا جس نے اسے قافلہ کے بچ سے نکال کر چیر پھاڑ دیا^(۲)۔

۱۲- سُرّاقہ کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے:

اور آپ ﷺ نے سُرّاقہ پر بد دعا کر دی تو اُس کے گھوڑے کے دونوں اگلے پاؤں زمین میں گر گئے، اور جب آپ ﷺ نے اُس کی درخواست پر اس کے لئے دعا کی تو اس کے دونوں پاؤں باہر آ گئے^(۳)۔

۱۳- بدر و حُنین میں دشمنوں پر مٹی ڈالنا:

آپ ﷺ نے میدانِ بدر میں کفارِ قریش پر ایک مٹھی مٹی ڈال دی، جو ہر ایک کافر کی آنکھ میں پہنچ گئی، بالآخر اللہ نے اُن کافروں کو شکست دے دی، اور ایسا ہی وادیِ حُنین میں ہوا^(۴)۔

۱۴- لکڑی کا ٹکڑا تلوار میں بدل گیا:

غزوہ بدر کے دن عکاشہ بن محسن اسدی رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی، تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے انہیں لکڑی کا ایک ٹکڑا دیا اور فرمایا: اے عکاشہ! اس سے جنگ کرو۔ عکاشہ نے اُسے لے کر ہلایا تو وہ ایک لمبی مضبوط سفید تلوار بن گئی۔ عکاشہ اسی سے جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی، اُس کے بعد بھی وہ تلوار اُن کے پاس رہی، اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس کے ذریعہ تمام جنگوں میں جہاد کرتے رہے، یہاں تک کہ مرتدین کے خلاف جنگ میں شہید ہو گئے، اُس وقت وہ تلوار اُن کے پاس تھی^(۵)۔

(۱) البخاری، الصلاة، حدیث: (۳۸۰۵، ۴۶۵)۔

(۲) اس قصہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے: ابولہب کی عداوت: ص ۱۷۶-۱۸۰۔

(۳) پڑھئے: قصہ سُرّاقہ بن مالک: ص ۲۸۷-۲۸۹۔

(۴) پڑھئے: بدر الکبریٰ: ص ۳۶۵، غزوہ حُنین کی تفصیلات: ص ۶۸۰-۶۸۱۔

(۵) دیکھئے مزید تفصیل غزوہ بدر کے بیان میں: ص ۳۶۵۔

۱۵- عباس اور اُمّ الفضل کو دفن کردہ مال کی خبر دی:

آپ ﷺ نے اپنے چچا عباس اور ان کی بیوی اُمّ الفضل کو ان کے دفن کردہ مال کی خبر دی، اور بتایا کہ انہوں نے اپنا مال اپنے دروازہ کی چوکھٹ کے نیچے دفن کر رکھا ہے۔ عباس نے اس کا اعتراف کیا^(۱)۔

۱۶- آپ ﷺ نے عمیر بن وہیب کو خبر دی کہ وہ آپ کو قتل کرنے کے لئے آیا ہے:

عمیر بن وہیب صفوان بن امیہ کے ساتھ سازش کرنے کے بعد مدینہ آیا تاکہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دے۔ جب آپ ﷺ کے سامنے بیٹھا تو کہنے لگا کہ وہ ایک قیدی کا فدیہ ادا کرنے کے لئے آیا ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اسے خبر دی کہ وہ تو آپ ﷺ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آیا ہے۔ عمیر نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اور سچے ہیں۔ اس لئے کہ اس بات کی خبر میرے اور صفوان کے سوا کسی کو نہیں تھی۔ اللہ کی قسم! مجھے یقین ہے کہ اس کی خبر آپ کو اللہ کے ذریعہ ملی ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اسلام کی ہدایت دی^(۲)۔

۱۷- آپ ﷺ نے قتادہ کی آنکھ لوٹا دی:

غزوہ احد کے دن قتادہ بن نعمان ظفری کی آنکھ بہہ کر اُن کے گال پر لٹک گئی، آپ نے اپنی ہتھیلی کے سہارے اسے اس کی جگہ لوٹا دیا، اور قتادہ کو یاد بھی نہیں رہا کہ کون سی آنکھ زخمی ہوئی تھی^(۳)۔

۱۸- درخت چل کر آیا اور آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا:

بنی عامر کا ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے وہ مہربانوت دکھلا دیجئے جو آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان ہے، میں بہت بڑا طبیب ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تم کو ایک نشانی دکھاؤں؟ اُس نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے کھجور کے ایک درخت کی طرف دیکھا اور اس آدمی سے کہا: اس درخت کو بلاؤ۔ اُس نے اسے بلایا، وہ اُچھلتا ہوا آکر آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے درخت سے کہا: واپس چلے جاؤ، وہ اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ یہ دیکھ کر اُس آدمی نے کہا: اے بنی عامر! میں نے زندگی

(۱) مسند احمد: ۱/۳۵۳، دلائل ابی نعیم: ۴۰۹، طبقات ابن سعد: ۸/۷۴، احمد اور ابن کثیر نے البدایہ میں اسے صحیح کہا ہے: ۲۹۹/۳۔

دلائل البیہقی: ۱۳۲/۳۔

(۲) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے قصہ غزوہ بدر: ص ۳۸۳-۳۸۵۔

(۳) پڑھئے اس کتاب میں آپ ﷺ کی خصوصیت نمبر: ۱۴/ص ۸۳۹، ۸۴۰۔

میں اتنا بڑا جادو گر نہیں دیکھا ہے^(۱)۔

۱۹۔ درخت چل کر آپ ﷺ کے سامنے آگیا:

دارمی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ ایک دیہاتی آپ کے قریب آیا، تو آپ ﷺ نے اُس سے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ اُس نے کہا: اپنے گھر والوں کے پاس جانے کا۔ آپ ﷺ نے اُس سے پوچھا: کیا تمہیں ایک بھلائی کی بات بتاؤں؟ اُس نے پوچھا وہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ دیہاتی نے کہا: تمہاری بات کی گواہی کون دے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ درخت (آپ نے سکہ نامی ایک درخت کی طرف اشارہ کیا) اور اسے بلایا جو وادی کے کنارے پر تھا۔ وہ درخت زمین کھودتا ہوا آکر آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا، آپ ﷺ نے اُسے تین بار کلمہ شہادت پڑھایا، اور اس نے تینوں بار آپ کی طرح کلمہ پڑھا، پھر اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ دیہاتی نے آپ کی طرف دیکھ کر کہا: اگر میری قوم کے لوگوں نے میری بات مان لی تو میں اُن سب کے ساتھ آؤں گا، وگرنہ اکیلا آؤں گا اور آپ ﷺ کے ساتھ رہوں گا^(۲)۔

۲۰۔ عبد اللہ بن عتیک کی ٹوٹی ہوئی ٹانگ ٹھیک ہو گئی:

صحیح بخاری میں براء بن عازب سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو رافع یہودی کو قتل کرنے کے لئے چند انصار کو بھیجا، اور اُن کا سردار عبد اللہ بن عتیک کو بنایا، یہ یہودی رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچاتا تھا اور آپ ﷺ کے دشمنوں کی مدد کرتا تھا۔ اور سر زمین حجاز میں اپنے ایک قلعہ میں رہتا تھا۔ صحابہ جب اس کے قریب پہنچے تو آفتاب غروب ہو رہا تھا، اور لوگ اپنے گھروں کو جا رہے تھے۔ عبد اللہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: تم لوگ یہیں انتظار کرو، اور میں جا کر دربان سے نرمی کے ساتھ بات کرتا ہوں۔ ممکن ہے داخل ہونے دے۔ عبد اللہ دروازہ کے اندر داخل ہو گئے، اور ابو رافع کو قتل کر کے جب واپس آ رہے تھے تو اُن کا پاؤں پھسل گیا اور پنڈلی ٹوٹ گئی۔ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ ﷺ نے اُن سے کہا: اپنا پاؤں پھیلاؤ اور آپ نے اس پر اپنا ہاتھ پھیر دیا۔ اور آنا فانا ایسا ہو گیا جیسے کبھی اس میں کوئی تکلیف ہوئی ہی نہیں تھی^(۳)۔

(۱) مسند احمد: ۲۲۳/۱، سنن الترمذی، کتاب الناقب، حدیث: (۳۶۲۸)، ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۲) دلائل النبوة، شیخ الاسلام ابن تیمیہ: ص ۱۳۳، دیکھئے سنن دارمی، مقدمہ: ۱۰/۹۱۔

(۳) البخاری، المغازی، حدیث: (۴۰۳۹)۔

۲۱- باغی گروہ نے قتل کر دیا:

بخاری و مسلم نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت ہم لوگ ایک ایک اینٹ اٹھاتے اور عمار دو دو۔ نبی کریم ﷺ نے اُن کو دیکھا تو اُن کے بدن کا غبار جھاڑنے لگے اور کہنے لگے: ہائے عمار! اسے ایک باغی گروہ قتل کر دے گا، یہ انہیں جنت کی طرف بلائے گا، اور وہ گروہ اسے آگ کی طرف۔ عمار نے کہا: میں اللہ کے ذریعہ فتنوں سے پناہ مانگتا ہوں^(۱)۔ چنانچہ عمار رضی اللہ عنہ نے سن ۷ ہجری میں صفین میں علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا، اور قتل کر دیئے گئے۔

۲۲- حسن دو جماعتوں کے درمیان صلح کرائیں گے:

صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث میں ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا: میرا یہ بیٹا سر دار ہے، اور اس کے ذریعہ اللہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا^(۲)۔ چنانچہ ویسا ہی ہوا جیسا آپ ﷺ نے خبر دی، رسول اللہ ﷺ کی وفات کے تقریباً تیس (۳۰) سال بعد اللہ تعالیٰ نے حسن رضی اللہ عنہ کے ذریعہ میدانِ صفین میں دو بڑی متحارب فوجوں (علی اور معاویہ کی فوجوں) کے درمیان صلح کرائی۔ یہ واقعہ ماہ صفر سن ۷ ہجری کا ہے۔ اس جنگ میں علی کی فوج کے تقریباً پچیس ہزار اور معاویہ کی فوج کے پینتالیس ہزار آدمی مارے گئے، اور یہ جنگ ایک سو دس دن جاری رہی تھی۔

۲۳- اونٹ نبی کریم ﷺ کے قدموں میں:

صحیح احادیث و آثار سے ثابت ہے کہ جن، انسان اور جانور تک آپ ﷺ کی ذات سے متاثر ہوئے۔ عبد اللہ بن جعفر کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک بار ایک انصاری کے باغ میں داخل ہوئے۔ وہاں ایک اونٹ بندھا ہوا تھا۔ وہ آپ ﷺ کو دیکھ کر سسکی لینے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ نبی کریم ﷺ اس کے پاس آئے اور اس کے سر پر اور گردن پر ہاتھ پھیرا تو وہ چپ ہو گیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: یہ اونٹ کس کا ہے؟ تو ایک نوجوان انصاری نے کہا: یہ اونٹ میرا ہے اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: کیا تم اس جانور کے سلسلہ میں اللہ سے نہیں ڈرتے جس کا اللہ نے تمہیں مالک بنا دیا ہے۔ یہ شکایت کر رہا ہے کہ تم اسے بھوکا

(۱) البخاری، کتاب الصلوة، حدیث: (۲۸۱۲، ۴۴۷)۔

(۲) البخاری، کتاب الصلح، حدیث: (۲۷۰۴)، ابوداؤد، حدیث: (۴۶۶۲)، الترمذی، حدیث: (۳۷۷۳) وغیرہم۔

رکھتے ہو اور خوب کام لیتے ہو۔

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کی ہے، اور اس کا بعض حصہ اُن کی شرط کے مطابق ہے۔ اسے ابو داؤد وغیرہ نے بھی روایت کی ہے^(۱)۔

۲۴- دو درختوں کا آپ ﷺ کے لئے جھک جانا:

صحیح مسلم میں جابر بن عبد اللہ سے مروی حدیث ہے کہ ہم لوگ ایک بار رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چلتے رہے یہاں تک کہ ایک کشادہ وادی میں پہنچ گئے۔ رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لئے ایک طرف بڑھے تو میں پانی کا برتن لے کر آپ کے پیچھے چل پڑا، رسول اللہ ﷺ نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی تو آپ کو پردہ کے لئے کوئی چیز نظر نہ آئی۔ وادی کے کنارے آپ نے دو درخت دیکھے، اُن میں سے ایک کے پاس گئے اور اس کی دو ڈالیوں کو پکڑ کر فرمایا: اللہ کے حکم سے تم میرے لئے جھک جاؤ، چنانچہ وہ لگام ڈالے ہوئے اونٹ کی طرح آپ کے لئے جھک گیا۔ آپ پھر دوسرے درخت کے پاس گئے، اور اس کی ایک ڈالی پکڑ کر کہا: تم بھی اللہ کے حکم سے میرے لئے جھک جاؤ، چنانچہ وہ بھی جھک گیا، اور جب دونوں قریب ہو گئے تو آپ ﷺ نے انہیں جمع کر دیا اور فرمایا: اللہ کے حکم سے تم دونوں ایک ساتھ مل جاؤ، تو وہ دونوں مل گئے۔ یہ دیکھ کر میں پیچھے مڑ کر اس ڈر سے دوڑنے لگا کہ کہیں رسول اللہ ﷺ کو احساس نہ ہو جائے کہ میں اُن کے قریب ہوں، تو اور دور جانے لگیں۔ میں ایک جگہ بیٹھ کر کچھ سوچنے لگا تو دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ آرہے ہیں، اور وہ دونوں درخت الگ ہو گئے ہیں، اور اپنے تنے پر کھڑے ہو گئے ہیں^(۲)۔

۲۵- دعا کے بعد فوراً نزولِ باراں:

صحیحین میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص جمعہ کے دن مسجد نبوی میں داخل ہوا، اُس وقت رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے، اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! اموال ہلاک ہو گئے اور تمام اسباب و وسائل منقطع ہو گئے، اللہ سے دعا کر دیجئے کہ بارش ہو۔ آپ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ اے اللہ! ہمارے لئے بارانِ رحمت بھیج دے، اے اللہ! ہمارے لئے بارش بھیج دے، اے اللہ! ہمارے لئے بارش بھیج دے۔ اُس وقت آسمان میں کہیں بادل نظر نہیں آ رہا تھا، آسمان شیشہ کی طرح صاف تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے جو نبی ہاتھ

(۱) مسند احمد: ۲۰۴، ۲۰۵، مستدرک الحاکم: ۱۰۰، ۹۹، ۲، حاکم نے اسے صحیح الاُثناء کہا ہے اور ذہبی نے تائید کی ہے۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب الزہد والرقائق، حدیث: (۳۰۱۲)۔

نیچے کیا، پہاڑوں کی مانند بادل اٹھنے لگا، اور ابھی آپ منبر سے اترے بھی نہیں تھے کہ بارش کا پانی آپ کی داڑھی سے ٹپک رہا تھا۔

دوسرے جمعہ کو ایک دوسرا آدمی آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! اموال ہلاک ہو گئے، اور اسباب و وسائل منقطع ہو گئے۔ دعا کر دیجئے کہ بارش رک جائے۔ تو اللہ کے رسول نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور کہا: اے اللہ! ہمارے ارد گرد بارش ہو، ہمارے لئے اسے وبال نہ بنا۔ اے اللہ! ٹیلوں، پھیلے ہوئے پہاڑوں، وادیوں اور درختوں کی جڑوں میں بارش ہو۔ دعا کے بعد فوراً بادل چھٹ گیا اور آسمان صاف ہو گیا، اور وادی ایک ماہ تک بہتی رہی۔ اور جس سمت سے بھی کوئی آیا خیر و برکت کی خبر لے کر آیا^(۱)۔

۲۶- رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام سفینہ کا قصہ:

حاکم نے مستدرک میں رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام سفینہ سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ ایک کشتی میں سوار ہو کر سمندری سفر پر روانہ ہوئے۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ کشتی ٹوٹ گئی، تو میں اس کے ایک تختہ پر بیٹھ گیا، تختہ بہتا ہوا ایک جھاڑی میں پہنچ گیا جس میں ایک شیر تھا جسے دیکھ کر میں خوفزدہ ہوا۔ میں نے کہا: اے ابو الجارث (شیر کی کنیت)! میں رسول اللہ ﷺ کا غلام رہا ہوں، تو اس نے اپنا سر مجھ کا لیا اور اپنے مونڈھے سے میرے بغل میں ٹھونکا لگایا، اور میری رہنمائی کرتا رہا یہاں تک کہ مجھے راستہ پر لا کر ڈال دیا، اور پھر ایک آواز نکالی جس کا مطلب میں نے یہ سمجھا کہ وہ مجھے الوداع کہہ رہا ہے^(۲)۔

۲۷- آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی اُبلنا:

انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس مقام زوراء (بازارِ مدینہ کے قریب) میں ایک برتن لایا گیا، آپ نے اُس میں اپنا ہاتھ ڈال دیا، اور آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی اُبلنے لگا۔ لوگوں نے وضو کیا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے انس سے پوچھا: آپ لوگوں کی تعداد کیا تھی؟ انہوں نے کہا: تین سو یا تین سو کے قریب^(۳)۔

۲۸- آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی پھوٹ پڑا:

صحیحین میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں ایک دن عصر کے وقت رسول اللہ ﷺ کے

(۱) البخاری، کتاب الاستقواء، حدیث: (۱۰۳۳)، مسلم، کتاب صلاۃ الاستقواء، حدیث: (۸۹۷)۔

(۲) مستدرک الحاکم: ۶/۳، حاکم نے اسے مسلم کی شرط کے مطابق صحیح کہا ہے، اور ذہبی نے تائید کی ہے۔

(۳) البخاری، المناقب، حدیث: (۳۵۷۲)، مسلم، کتاب الفضائل، حدیث: (۲۷۷۹)۔

ساتھ تھا، اور ہمارے پاس چلو بھر پانی کے سوانہ تھا۔ آپ ﷺ کے پاس وہ پانی لایا گیا، آپ نے اس میں اپنا ہاتھ ڈال دیا، اور انگلیوں کو کشادہ کر دیا پھر فرمایا: وضو کرنے والو آ جاؤ، اللہ کی برکت جاری ہے۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی پھوٹ کر نکل رہا تھا، تمام لوگوں نے وضو کیا اور پیا۔ میں اُس میں سے لے لے کر اپنے پیٹ میں انڈیلتا رہا، اس لئے کہ وہ بابرکت پانی تھا۔ میں نے جابر سے پوچھا، اُس دن آپ سب کتنے آدمی تھے؟ انہوں نے کہا: ایک ہزار چار سو۔ ایک دوسری روایت میں ہے: پندرہ سو^(۱)۔

۲۹- جابر رضی اللہ عنہ کے گھر میں کھانے کی کثرت:

بخاری و مسلم نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب خندق کھودا جا رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا پیٹ آپ کی پیٹھ سے لگا ہوا ہے، میں فوراً اپنی بیوی کے پاس گیا اور پوچھا: کیا تمہارے پاس کھانے کے لئے کچھ ہے؟ میں نے رسول اللہ ﷺ کو شدید بھوک کی حالت میں دیکھا ہے۔ اُس نے ایک تھیلی نکالی جس میں ایک صاع گیہوں تھا، اور ہمارے گھر میں ایک چھوٹی سی بکری تھی، اُسے میں نے ذبح کیا، اور بکھو کا آٹا پیسا، اور گوشت کے ٹکڑے کر کے ایک ہانڈی میں پکنے کے لئے ڈال دیا، پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف دوڑ پڑا۔ بیوی نے کہا: رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کے سامنے میری فضیحت نہ کرانا۔

جابر کہتے ہیں: میں آپ ﷺ کے پاس پہنچا اور آپ کے کان میں کہا: اے اللہ کے رسول! ہم نے اپنی ایک بکری ذبح کی ہے، اور ہمارے گھر میں ایک صاع بکھو تھا جس کا آٹا پیسا ہے۔ آئیے: آپ اور آپ کے چند صحابہ چلئے۔ یہ سنتے ہی رسول اللہ ﷺ نے بلند آواز سے کہا: اے خندق والو! جابر نے کھانا تیار کیا ہے، جلدی چلو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہانڈی کو نہ اتارنا، اور آٹا نہ گوندھنا جب تک میں آنہ جاؤں۔

میں گھر واپس آیا، اور رسول اللہ ﷺ صحابہ کے آگے آگے آئے۔ بیوی (کثیر تعداد کو دیکھ کر) مجھ کو کوسنے لگی۔ میں نے کہا: میں نے ویسا ہی کیا تھا جیسا تم نے کہا تھا۔ پھر بیوی نے گوندھا ہوا آٹا آپ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے اُس میں ٹھکٹھکایا اور برکت کی دعا کی، آپ پھر ہانڈی کے پاس آئے، اُس میں بھی ٹھکٹھکایا اور برکت کی دعا کی۔ پھر فرمایا: ایک روٹی پکانے والی کو بلاؤ جو تمہارے ساتھ روٹی پکائے، اور ہانڈی میں سے گوشت اور شوربہ چچے کی مدد سے نکالتی رہو اور ہانڈی کو چولہے سے نیچے نہ اتارو۔ لوگوں کی تعداد ایک ہزار تھی۔

جابر کہتے ہیں: میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ سب نے آسودہ ہو کر کھایا، اور گوشت اور روٹی ویسا ہی چھوڑ کر

(۱) البخاری، کتاب الاشراف، حدیث: (۵۶۳۹)، مسلم، کتاب الامارۃ، حدیث: (۱۸۵۶)۔

چلے گئے، ہماری ہانڈی اُسی طرح اُبال کھاتی رہی، اور ہمارے آٹے کی روٹی اُسی طرح پکتی رہی (۱)۔

۳۰۔ پانی کی کثرت چودہ سوا افراد کے لئے:

امام مسلم نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں گئے، ہم سب کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی، یہاں تک کہ ہم نے اپنی سواریوں میں سے بعض کو ذبح کرنا چاہا۔ اُس وقت رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ہم نے اپنے کھانے کے برتنوں کو جمع کیا اور آپ کے سامنے ان میں موجود دکلڑوں کو پھیلا دیا جو ایک بیٹھی ہوئی بکری کے برابر تھے، اور ہماری تعداد چودہ سو تھی۔ ہم سب نے کھایا یہاں تک کہ سیر ہو گئے، پھر ہم نے اپنی اپنی تھیلیاں بھی بھر لیں۔

آپ ﷺ نے پھر پوچھا: کیا وضو کے لئے پانی ہے؟ یہ سنتے ہی ایک آدمی ایک برتن لے آیا جس میں بہت تھوڑا پانی تھا۔ آپ ﷺ نے اسے ایک بڑے برتن میں انڈیل دیا ہم سب نے خوب فراوانی سے وضو کیا، ہماری تعداد چودہ سو تھی۔ پھر آٹھ آدمی آئے، اور پوچھا: کیا وضو کے لئے پانی ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پانی ختم ہو گیا (۲)۔

۳۱۔ پھلوں میں کثرت:

صحیح بخاری میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میرے والد جنگ احد میں کام آگئے، اور اپنے اوپر قرض اور چھ (۶) لڑکیاں چھوڑ گئے۔ جب کھجور کاٹنے کا وقت آیا تو میں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا: آپ جانتے ہیں کہ میرے والد احد کے دن شہید ہو گئے، اور اُن پر بہت سارا قرض ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ قرض والوں سے آپ کی بات ہو جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ، اور ہر قسم کے کھجور کی الگ الگ ڈھیر لگا دو۔ میں نے ایسا ہی کیا پھر آپ ﷺ کو بلایا، جب قرضداروں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو اندر ہی اندر بھڑک اٹھے، اور جب آپ ﷺ نے ان کی ناراضگی کا اندازہ لگالیا، تو سب سے بڑے ڈھیر کے گرد تین پکر لگایا، پھر اُس پر بیٹھ گئے، اور مجھ سے کہا: اپنے قرضداروں کو بلاؤ۔ جب سب آگئے تو ہر ایک کو باری باری وزن کر کے دیتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے میرے والد کا قرض اُتار دیا، اور یہ بات میرے لئے نہایت خوش کن تھی کہ اللہ میرے والد کا قرض اتار دے اور میں اپنی بہنوں کے لئے ایک کھجور بھی لے کر نہ جاؤں۔ اس طرح اللہ نے کھجور کے تمام ڈھیروں کو محفوظ رکھا، اور میں اس ڈھیر کو دیکھتا رہا جس پر آپ ﷺ بیٹھے تھے، اس کی ایک کھجور بھی کم نہیں ہوئی تھی (۳)۔

(۱) البخاری، المغازی، حدیث: (۴۱۰۲)، مسلم، الأثر، حدیث: (۱۳۱/۲۰۳۹)۔

(۲) یہ مسلم کے الفاظ ہیں، کتاب الملقط، حدیث: (۱۹/۱۷۲۹)، بخاری، کتاب الشریک، حدیث: (۲۳۸۳)۔

(۳) البخاری، المغازی، حدیث: (۴۰۵۳)۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جابر نے رسول اللہ ﷺ سے بات کی کہ آپ ﷺ اُس یہودی سے سفارش کر دیں۔ آپ ﷺ اُس کے پاس چل کر گئے اور اس سے کہا کہ وہ اپنے قرض کے بدلے جابر کے درخت کی کھجور قبول کر لے۔ لیکن اس نے انکار کر دیا۔ تو آپ ﷺ کھجور کے باغ میں داخل ہوئے، اس میں چلتے رہے، پھر جابر سے کہا: کھجوریں کاٹ کر اس کا قرض ادا کر دو۔ جابر نے رسول اللہ ﷺ کے چلے جانے کے بعد یہودی کو تیس وسق کھجور تول کر دیا اور اُن کے پاس سترہ (۱۷) وسق کھجور باقی رہ گئی۔

جابر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تاکہ آپ کو واقعہ حال کی خبر دیں۔ آپ ﷺ اُس وقت عصر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ نماز کے بعد انہوں نے آپ کو قرض کی ادائیگی اور باقی ماندہ کھجور کی اطلاع دی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ابن خطاب کو یہ بات بتا دو۔ جابر عمر کے پاس گئے اور اُن کو ساری بات بتائی۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ جس وقت باغ میں چل رہے تھے اسی وقت میں سمجھ گیا تھا کہ کھجوروں میں برکت ہو جائے گی^(۱)۔

۳۲- ابو ہریرہ کے برتن کی کھجوریں بڑھ گئیں:

امام احمد، ترمذی اور دیگر محدثین نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے کھجور کے برتن سے متعلق حدیث روایت کی ہے جس میں انہوں نے بتایا ہے کہ میں ایک برتن میں چند کھجوریں لے کر نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ سے عرض کیا کہ ان میں برکت کی دعا کر دیجئے۔ آپ ﷺ نے انہیں سامنے ترتیب سے رکھا اور دعا کی پھر مجھ سے فرمایا: انہیں اپنے برتن میں رکھ لو، پھر ان میں ہاتھ ڈال کر نکالو، اور اسے پھیلاؤ نہیں۔ ابو ہریرہ کہتے ہیں: میں نے اس میں سے اتنا اور اتنا وسق اللہ کی راہ میں خرچ کیا، اور اس میں سے کھاتا رہا اور لوگوں کو کھلاتا رہا۔ کھجور کی وہ تھیلی ہمیشہ میری کمر سے بندھی رہتی تھی، جب عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل ہوا تو میری کمر سے ٹوٹ کر گر گیا۔ اس حدیث کو ترمذی نے عمران بن موسیٰ قزاز سے تقریباً اسی طرح روایت کی ہے، اور لکھا ہے کہ یہ حدیث بایں طور حسن غریب ہے^(۲)۔

۳۳- پتھروں میں تاثیر:

اس سلسلہ میں کئی احادیث مروی ہیں، انہی میں سے وہ حدیث ہے جسے امام بخاری نے اپنی کتاب ”الصّحیح“ میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ اُحد پہاڑ پر چڑھے، آپ کے ساتھ ابو بکر، عمر اور عثمان تھے۔ پہاڑ ہلنے لگا، تو آپ ﷺ نے کہا: ٹھہر جاؤ، اور اپنے پاؤں سے اس پر ضرب لگا لی۔ تم پر اس وقت نبی اور صدیق

(۱) البخاری، کتاب الاستقراض، حدیث: (۲۳۹۶)۔

(۲) ترمذی، مناقب ابی ہریرہ، حدیث: (۳۸۳۹)، مسند احمد: ۳۵۲/۲۔

اور دو شہید ہیں (۱)

۳۳- امام مسلم نے جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں مکہ میں ایک پتھر کو جانتا ہوں جو بعثت سے پہلے مجھے سلام کرتا تھا، مجھے ابھی بھی وہ پتھر یاد ہے (۲)

اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں ایک بار نبی کریم ﷺ کے ساتھ مکہ کے ایک علاقہ میں نکلا، تو دیکھا کہ جس درخت یا پہاڑ کے سامنے سے آپ ﷺ گزرتے وہ آپ کو کہتا: السلام علیک یا رسول اللہ (۳) مذکورہ بالا معجزات نبوی آپ ﷺ کی زندگی میں ظہور پزیر ہونے والے معجزات میں سے محض چند ہیں جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔ ان معجزات کی برکت سے صحابہ کرام کا ایمان اللہ اور اس کے رسول کے بارے میں بڑھ جاتا تھا، اور آپ ﷺ کی محبت اُن کے دلوں میں راسخ ہوتی جاتی تھی، اور آپ ﷺ پر اپنی جانیں چھڑکتے اور آپ ﷺ کے آرام و سکون کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر کوشش کرتے تھے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔ میں اس مبارک و میمون کتاب کے اختتام پر رب العالمین کی تمام ظاہر و باطن نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہوں، اور بالخصوص اس نعمت عظمیٰ کا کہ اُس ذات برحق نے آج سینچر کی شام ساڑھے پانچ بجے اپنے اس بندہ ناپیز کو سیرت نبوی سے متعلق اس کتاب کی تکمیل کے لئے توفیق ارزانی عطا فرمائی۔

اے اللہ! میں اس مبارک ساعت میں تیری ذات برحق اور تیرے نبی کریم و حبیب سے اپنی محبت کو وسیلہ بناتا ہوں اور تجھ سے سوال کرتا ہوں، اے سب سے کریم! کہ تو جہنم کی آگ کو حرام کر دے، مجھ پر، میرے والدین پر، اور میری شریک حیات (ام عبد اللہ) اور میری اولاد پر، اور محض اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو جنت الفردوس میں جمع کر دے، اور میری اولاد میں ایسے لوگوں کو پیدا کر جو ہر اُس عمل صالح میں میری پیروی کریں جس کے ذریعہ میں نے تیری رضا کی تمنا کی، تیری طرف لپکا، اور تیرے دین کی سر بلندی اور قرآن و سنت کی طرف انسانوں کو دعوت دینے کی نیت کی، آمین۔ وصلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلى آله وصحبه، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين۔

ابو عبد اللہ محمد لقمان السلفی

۱۴۲۶/۱۲/۲۱ھ

(۱) البخاری، فضائل الصحابة، حدیث: (۳۶۸۶، ۳۶۷۵)۔

(۲) مسلم، کتاب الفضائل، حدیث: (۲۲۷۷)، والترمذی، بخوہ، کتاب المناقب، حدیث: (۳۶۲۳)۔

(۳) الترمذی، کتاب المناقب، حدیث: (۳۶۲۶)۔

فہرست مضامین

۳	مقدمہ کتاب
۷	۱۔ قرآن کریم
۷	ب۔ احادیث نبویہ کی معتمد کتابیں
۱۰	نقشہ سعودی عرب
۱۱	ابتدائیہ
۱۲	نقشہ شبہ جزیرہ عربیہ
۱۳	جزیرہ عرب محل وقوع، خصوصیات
۱۳	محل وقوع
۱۳	جزیرہ عرب کی تقسیم
۱۴	(۱) تہامہ (الغور)
۱۴	(۲) نجد
۱۵	(۳) حجاز
۱۵	(۴) العروض
۱۶	(۵) یمن
۱۸	نقشہ عہد جاہلیت میں عرب کے مشہور و معروف بازار
۱۹	جزیرہ عرب کے باشندے
۱۹	۱۔ عرب باندہ
۱۹	۲۔ عرب عاربہ
۲۰	۳۔ عرب مستعربہ
۲۰	مکہ اور اس کے اولین باشندے
۲۱	مکہ میں ابراہیم کی آمد

- ۲۲..... ہاجر اور ان کے بیٹے اسماعیل مکہ میں
- ۲۲..... مکہ میں قبیلہ بجر ہم کی سکونت
- ۲۳..... مکہ میں ابراہیم کی آمد کی تعداد
- ۲۳..... ابراہیم نے خواب دیکھا کہ وہ اسماعیل کو ذبح کر رہے ہیں
- ۲۴..... پہلا سفر
- ۲۴..... دوسرا سفر
- ۲۵..... تیسرا سفر
- ۲۶..... چوتھا سفر
- ۲۶..... پانچواں سفر؛ خانہ کعبہ کی تعمیر
- ۲۷..... دعائے ابراہیمی؛ اے اللہ! توحید کی بنیادوں کو مضبوط کر دے، اور آخری نبی کو میری اولاد میں پیدا کر.....
- ۲۹..... ابراہیم نے لوگوں میں حج کا اعلان کیا
- ۳۰..... اسماعیل، اُن کے بیٹے، اور اُن کی اولاد
- ۳۱..... قصی بن کلاب قرشی
- ۳۲..... بنو نضر کا نام قریش
- ۳۳..... عبد مناف، اُس کا بیٹا ہاشم اور اُس کے بیٹے
- ۳۴..... مدینہ میں ہاشم کی شادی اُمّ عبد المطلب سے
- ۳۵..... عبد المطلب اور اس کے بیٹے
- ۳۶..... عبد المطلب کی زندگی میں تین اہم واقعات
- ۳۶..... (۱) زمزم کی کھدائی
- ۳۷..... (۲) عبد المطلب کی نذر کہ وہ اپنے ایک بیٹے کو اللہ کے لئے ذبح کریں گے، اور قرعہ عبد اللہ کے نام نکلا.....
- ۳۸..... واقعہ اصحابِ فیل
- ۴۲..... نقشہ مکہ مکرمہ
- ۴۳..... عرب آبادیاں اور امارتیں

- ۴۳..... شاہانِ یمن
- ۴۴..... جزیرہ عرب میں یہودیت و مسیحیت
- ۴۵..... شاہانِ ضجاعمہ و غسانہ دیارِ شام میں
- ۴۶..... حیرہ عراق میں شاہانِ منازلہ
- ۴۷..... حضر موت میں امرائے کندہ
- ۴۸..... مکہ اور حجاز کے دیگر شہروں میں حکومت
- ۵۱..... بدوی قبائل کی حکومت
- ۵۳..... زمانہ جاہلیت میں عربوں کی سیاسی زندگی
- ۵۳..... عرب قومیں اور فارس و روم کی حکومتیں
- ۵۳..... سیاسی قراردادوں میں مکہ کا کردار
- ۵۵..... اجتماعی زندگی
- ۵۵..... لوگوں کی تین قسمیں جن سے عربوں کی اجتماعی زندگی بنتی تھی
- ۵۵..... (۱) طبقہ صُرحاء
- ۵۵..... (۲) طبقہ موالی
- ۵۵..... (۳) طبقہ عبید
- ۵۵..... عربوں میں اچھی اور بُری خصلتیں
- ۵۹..... اقتصادی زندگی
- ۵۹..... صنعت و حرفت کی قسمیں اور تجارت و اقتصاد
- ۶۱..... دینی زندگی
- ۶۱..... جاہلیتِ اولیٰ کے عرب بُت پرست
- ۶۱..... عربوں کا قبولِ دینِ ابراہیمی
- ۶۲..... بچوں کو کن لوگوں نے اپنا معبود بنایا
- ۶۲..... عمرو بن لُحی نے مکہ اور حجاز میں بتوں کو داخل کیا

- ۶۳..... اسلام سے پہلے عربوں میں عام بُت پرستی
- ۶۴..... روحوں، جنوں، ستاروں اور آگ پر عربوں کا ایمان
- ۶۵..... تیروں کے ذریعہ فال نکالنا
- ۶۶..... عرب ممالک میں یہودیت و نصرانیت
- ۶۶..... سرزمینِ یمن میں یہودیوں کا اجتماع
- ۶۷..... سرزمینِ حجاز میں یہودیوں کا اجتماع
- ۷۱..... دینِ ابراہیمی کی تلاش ایک دینی تحریک
- ۷۵..... زمانہ جاہلیت قوموں کی تاریخ میں بدترین زمانہ
- ۷۵..... زمانہ جاہلیت سے مراد کیا ہے
- ۷۵..... زمانہ جاہلیت ثانیہ یا مطلق زمانہ جاہلیت
- ۷۶..... غیر عرب ممالک کی سوسائٹیوں اور ادیان پر ایک نظر
- ۷۶..... (۱) یہودیت
- ۷۷..... (۲) مسیحیت
- ۷۸..... روم کی مسیحی حکومت
- ۷۹..... اقوامِ یورپ
- ۷۹..... آتش پرست ایران کی حکومت
- ۸۱..... ہندوستان اور اس کے مذاہب
- ۸۱..... (۱) ہندو ازم
- ۸۲..... ہندو ازم میں انسانوں کے چار طبقے
- ۸۳..... (۲) بدھ ازم
- ۸۳..... (۳) جین ازم
- ۸۵..... بعثتِ رحمۃ اللعالمین کی ضرورت
- ۸۷..... بعثتِ نبوی کی بشارتیں

- ۸۹..... (۱) دعائے ابراہیم اور بشارت عیسیٰ
- ۸۹..... (۲) تخلیقِ آدم سے قبل ملا اعلیٰ میں آپ ﷺ کا ذکر جمیل
- ۹۰..... (۳) یہود کو قربِ زمانہ نبی کریم ﷺ کا علم
- ۹۱..... (۴) مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے انتظار میں ابن الہیّان یہودی شامی کی وفات
- ۹۲..... (۵) تورات میں آپ ﷺ کی صفات
- ۹۵..... (۶) انجیل میں آپ ﷺ کی صفات
- ۹۵..... (ا) یسوع (عیسیٰ) کی شہادت کہ نبی منظر کا نام محمد ہے
- ۹۶..... (ب) مسیح نے "فارقلیط" کی بعثت کی خبر دی، جس کا معنی "احمد" ہے
- ۹۷..... (ج) جبلِ فاران مکہ سے خاتم النبیین کا ظہور
- ۹۷..... (د) عموریہ کے راہب نے سلمان فارسی کو مدینہ منورہ سے نبی خاتم ﷺ کے ظہور کی خبر دی
- ۹۸..... (ه) نجاشی کی گواہی کہ انجیل میں مذکور نبی محمد ﷺ ہی ہیں
- ۹۸..... (و) ہرقل کی شہادت کہ انجیل میں مذکور نبی آپ ﷺ ہی ہیں
- ۹۹..... (۷) آپ ﷺ کی بعثت کے بارے میں عرب کا ہنوں کی خبریں
- ۱۰۱..... جزیرہ عرب کی وہ خوبیاں جن کے سبب یہ سرزمین خاتم النبیین (ﷺ) کی بعثت سے مشرف ہوئی
- ۱۰۲..... (۱) جزیرہ نمائے عرب کا طبیعی اور جغرافیائی محل وقوع
- ۱۰۴..... (۲) جزیرہ عرب ایک زبردست مضبوط قلعہ
- ۱۰۴..... (۳) اقوام عرب کا اہل قریش کی فصیح زبان پر اتفاق
- ۱۰۵..... (۴) مقام مکہ اور بیت اللہ کی فضیلت
- ۱۰۸..... (۵) مکہ مکرمہ کا محل وقوع اور اس کی اہمیت
- ۱۱۱..... نبی کریم ﷺ کا نسب مبارک
- ۱۱۱..... آپ ﷺ نسب کے اعتبار سے اہل زمین میں سب سے اچھے ہیں
- ۱۱۲..... آپ ﷺ کا نسب عدنان تک
- ۱۱۵..... رسول اللہ ﷺ کے والدین

- ۱۱۵..... والد عبد اللہ بن عبد المطلب
- ۱۱۵..... والدہ آمنہ بنت وہب
- ۱۱۷..... آپ ﷺ کے حالات ولادت سے بعثت تک
- ۱۱۷..... ولادت
- ۱۱۹..... دودھ پلانے والی عورتیں
- ۱۱۹..... اُمّ ایمن برکہ حبشیہ
- ۱۱۹..... ثویبہ ابولہب کی لونڈی
- ۱۲۰..... حلیمہ سعدیہ
- ۱۲۴..... شق صدر اور شیطان کے حصہ کا نکالا جانا
- ۱۲۵..... والدہ کی وفات اور دادا کی کفالت
- ۱۲۹..... ابوطالب کی کفالت میں
- ۱۲۹..... جاہلیت کی آلائشوں اور بُنتوں کی پرستش سے حفاظت
- ۱۳۰..... بچا کے ساتھ شام کا سفر اور بحیرا راہب کی بات
- ۱۳۱..... فجار کی لڑائی
- ۱۳۲..... حلف الفضول (عہد نامہ کارہائے خیر)
- ۱۳۴..... بکریاں چرانا اور تلاشِ معاش کے لئے تگ و دو
- ۱۳۵..... کاروبار تجارت
- ۱۳۵..... خدیجہ کا مال لے کر تجارت کے لئے دوبارہ ملک شام کا سفر
- ۱۳۷..... خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کی شادی
- ۱۳۹..... تعمیر کعبہ اور آپ ﷺ کے ہاتھوں حجرِ اسود کارکن میں رکھا جانا
- ۱۴۲..... امورِ جاہلیت سے آپ ﷺ کی حفاظت
- ۱۴۳..... ”الصادق الامین“ کا لقب
- ۱۴۵..... حجر و شجر آپ ﷺ کو سلام کرتے تھے

- ۱۳۷..... آخری آسمانی رسالت کے لئے آپ ﷺ کی شخصیت کی تکمیل
- ۱۵۱..... آفتابِ عالمتاب جبلِ فاران سے طلوع ہوتا ہے
- ۱۵۱..... تنہائی اور عزت پسندی
- ۱۵۱..... روشنی دیکھتے اور اپنے متعلق آوازیں سنتے
- ۱۵۲..... غارِ حرا میں اللہ کی عبادت
- ۱۵۲..... سچے خواب کی تعبیر صبحِ صادق کی طرح ظاہر ہوتی
- ۱۵۵..... بعثت اور ابتدائے وحی
- ۱۵۵..... ورقہ بن نوفل نے کہا: ان کے پاس جبریل آئے تھے
- ۱۵۶..... آپ ﷺ کی بعثت
- ۱۵۷..... آپ ﷺ کے بارے میں ایک باطل تہمت کی تردید
- ۱۵۹..... ابتدائے دعوتِ اسلامیہ
- ۱۶۱..... وجوبِ نماز، خدیجہ کا ایمان لانا، اور آپ ﷺ کے پیچھے نماز ادا کرنا
- ۱۶۳..... رسول اللہ ﷺ پر نزولِ وحی کی کیفیت
- ۱۶۳..... وحی کے اقسام اور اس کی شکلیں
- ۱۶۷..... دعوتِ اسلامیہ خفیہ طور پر
- ۱۶۷..... سرزمین پر پہلے مسلمان
- ۱۶۷..... خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا
- ۱۶۸..... علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
- ۱۶۹..... زید بن حارثہ بن شریحہ (آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام)
- ۱۶۹..... ابوبکر بن ابی قحافہ تمیمی قرشی
- ۱۷۱..... اسلام کی طرف سبقت کرنے والے دیگر صحابہ کرام
- ۱۷۱..... عمرو بن عبسہ کا اسلام
- ۱۷۲..... عبد اللہ بن مسعود کا اسلام

- ۱۷۲.....ضداد الازدی کا اسلام
- ۱۷۳.....ابوذر غفاری کا اسلام
- ۱۷۴.....جسوں کا نبی کریم ﷺ پر ایمان لانا اور اپنی قوم کو دعوتِ اسلام دینا
- ۱۷۶.....مکہ میں دعوتِ اسلامیہ کی خبریں پھیلنے لگیں
- ۱۷۷.....اعلانیہ دعوتِ اسلام
- ۱۷۷.....صفا پہاڑی کے اوپر سے قریش کو دعوتِ اسلام
- ۱۷۷.....ابولہب، اور اس کی بیوی کی آپ ﷺ سے عداوت
- ۱۸۰.....دعوتِ الی اللہ کا اعلانِ عام
- ۱۸۱.....وفودِ حجاج کو کہنا کہ محمد جادوگر ہے
- ۱۸۳.....طفیل بن عمرو دوسی کا اسلام
- ۱۸۴.....رسول اللہ ﷺ کی کشتیِ رُکناہ کے ساتھ
- ۱۸۵.....صدائے حق کو خاموش کرنے کی انتہائی کوشش
- ۱۸۵.....ابوطالب کا موقف
- ۱۸۷.....قریش کی عداوتِ انتہاء کو پہنچ گئی
- ۱۸۸.....قریش کے غیر معقول مطالبات
- ۱۸۹.....معجزہ شق القمر
- ۱۸۹.....اصحابِ کہف، ذوالقرنین اور روح کے بارے میں سوال
- ۱۹۰.....اکابرِ مجرمین مکہ
- ۱۹۰.....ابو جہل
- ۱۹۹.....زعمائے قریش کو قتل و ہلاکت کی دھمکی
- ۲۰۰.....قریش پر آپ ﷺ کی بددعا
- ۲۰۱.....روم کے اہل کتاب کا فارس کے مجوسیوں پر غلبہ اور دعوتِ اسلامیہ پر اس کا خوشگوار اثر
- ۲۰۳.....سرزمینِ مکہ رسول اللہ ﷺ پر تنگ ہو گئی

- ۲۰۴..... کمزور مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں عذاب دیا جانا۔
- ۲۰۹..... ہجرت حبشہ۔
- ۲۰۹..... صحابہ کرام کو ہجرت حبشہ کی اجازت۔
- ۲۱۰..... بطلان قصہ غرائق۔
- ۲۱۲..... قریش کا نجاشی کو مہاجرین کے خلاف ابھارنا۔
- ۲۱۳..... جعفر اور اُن کے ساتھی نجاشی کے دربار میں۔
- ۲۱۴..... عمرو بن العاص کا خائب و خاسر لوٹنا۔
- ۲۱۵..... ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ہجرت حبشہ کا ارادہ کیا۔
- ۲۱۶..... نجاشی کا نبی کریم ﷺ پر ایمان لانا اور حالت اسلام میں وفات پانا۔
- ۲۱۹..... حمزہ اور عمر رضی اللہ عنہما کا قبول اسلام۔
- ۲۱۹..... حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام۔
- ۲۲۰..... عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام۔
- ۲۲۵..... رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی اعلانیہ سازش۔
- ۲۲۵..... مکمل سماجی بایکاٹ۔
- ۲۲۶..... عہد نامہ نامسعود کا خاتمہ۔
- ۲۲۸..... وفد نصاریٰ نجران کی رسول اللہ ﷺ سے ملاقات۔
- ۲۲۹..... قریش کا آپ ﷺ کے بارے میں ابوطالب سے ان کی موت کے وقت بات کرنا۔
- ۲۳۱..... ابوطالب کی وفات، اور آخرت میں اُن کا انجام۔
- ۲۳۴..... خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات۔
- ۲۳۶..... عائشہ اور سودہ سے آپ ﷺ کی شادی۔
- ۲۳۸..... ابوطالب کی وفات کے بعد ابوباش قریش کی نبی کریم ﷺ کے ساتھ گستاخیاں۔
- ۲۳۹..... آپ ﷺ کا دعوت اسلامیہ کے لئے سفر طائف۔
- ۲۳۹..... اہل طائف کی رسول اللہ ﷺ کو ایذا رسانی۔

- ۲۴۰..... عدّاس نصرانی کا قصہ
- ۲۴۲..... طائف سے واپسی
- ۲۴۲..... ایام حج میں قبائل عرب کو اسلام کی دعوت
- ۲۴۸..... نقشہ رسول اللہ ﷺ کا دعوت الی اللہ کی غرض سے طائف جانے کا راستہ
- ۲۴۹..... دعوت اسلام اور اہل مدینہ
- ۲۴۹..... سوید بن صامت کا اسلام
- ۲۴۹..... ایاس بن معاذ کا اسلام
- ۲۵۰..... چھ اہل مدینہ کی اسلام پر بیعت
- ۲۵۲..... مصعب بن عمیر مدینہ میں بحیثیت داعی و معلم
- ۲۵۵..... معراج نبوی
- ۲۵۸..... نماز کا فرض ہونا
- ۲۵۸..... معراج جسمانی ہوئی
- ۲۵۹..... واقعہ معراج اور کفار قریش کا موقف
- ۲۶۰..... ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا موقف
- ۲۶۵..... دوسری بیعت عقبہ
- ۲۶۶..... بیعت کی شرطیں
- ۲۶۹..... قریش انصار کے تعاقب میں
- ۲۷۱..... اصحاب رسول ﷺ کی مدینہ کی طرف ہجرت
- ۲۷۲..... ابو سلمہ اور ام سلمہ کی ہجرت
- ۲۷۳..... ہجرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ)
- ۲۷۶..... مہاجرین سابقین
- ۲۷۶..... ہجرت صحیب (رضی اللہ عنہ)
- ۲۷۷..... ہجرت علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ)

- ۲۷۸..... نبی کریم ﷺ کی ہجرت کے وقت مدینہ منورہ کا راستہ
- ۲۷۹..... نبی کریم ﷺ کی ہجرت کے وقت مدینہ منورہ
- ۲۸۱..... ہجرت رسول اللہ ﷺ
- ۲۸۱..... نبی کریم ﷺ کو قتل کرنے کی سازش
- ۲۸۳..... رسول اللہ ﷺ ابو بکر کے ساتھ غارِ ثور میں
- ۲۸۷..... واقعہ سراقہ بن مالک
- ۲۸۹..... واقعہ اُمّ معبد
- ۲۹۰..... آپ ﷺ کی زبیر بن عوام سے ملاقات
- ۲۹۰..... آپ ﷺ کی ملاقات بُریدہ بن حبیب سے
- ۲۹۱..... مکہ میں ایک آواز
- ۲۹۱..... جندب بن صمرہ کا ہجرت کے لئے نکلنا اور تنہیم میں وفات
- ۲۹۲..... علی بن ابی طالب نبی کریم ﷺ سے جا ملے
- ۲۹۲..... ابو قحافہ ابو بکر کی اولاد کی دیکھ بھال کرتے رہے
- ۲۹۳..... ابو بکر کا آپ ﷺ کی شخصیت کو چھپانا
- ۲۹۳..... رسول اللہ ﷺ کا مدینہ میں استقبال
- ۲۹۴..... مسجدِ قبا کی تعمیر
- ۲۹۶..... آپ ﷺ کا قیام ابو ایوب کے گھر میں
- ۲۹۸..... ہجرتِ نبوی، تاریخِ اسلامی کی ابتدا
- ۲۹۹..... خاندانِ نبوی اور خاندانِ ابو بکر مدینہ میں
- ۲۹۹..... عبداللہ بن سلام کا اسلام
- ۳۰۰..... تعمیر مسجدِ نبوی
- ۳۰۳..... رسول اللہ ﷺ نے عمار بن یاسر کا غبار جھاڑا
- ۳۰۳..... مدنی سوسائٹی میں مسجدِ نبوی کا کردار

- ۳۰۴..... ہجرتِ نبوی سے قبل یثرب کی حالت
- ۳۰۷..... مدنی سوسائٹی اسلام کے بعد
- ۳۰۹..... مدنی سوسائٹی میں بنیادی انقلاب
- ۳۰۹..... ۱- عقیدہ توحید اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان
- ۳۰۹..... ۲- شریعتِ اسلامیہ کے لئے مکمل سپردگی
- ۳۱۰..... ۳- جاہلی عصبتوں کا خاتمہ
- ۳۱۱..... ۴- رابطہ اسلام واحد رابطہ
- ۳۱۲..... ۵- مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارہ
- ۳۱۳..... مکہ میں مسلمانوں کے درمیان بھائی چارہ
- ۳۱۳..... مدینہ میں مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارہ
- ۳۱۶..... صفّہ اور رشتہ اخوت
- ۳۱۷..... مہاجرین اور مدینہ کی بیماری
- ۳۱۸..... دو عہد نامے
- ۳۲۰..... مسلمانوں سے متعلق دفعات
- ۳۲۲..... یہود مدینہ سے متعلق دفعات
- ۳۲۳..... مقیم کی نماز میں زیادتی
- ۳۲۴..... اذان کی مشروعیت کا واقعہ
- ۳۲۵..... عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی زوجیت میں
- ۳۲۶..... مشروعیتِ جہاد
- ۳۲۹..... غزوہ بدر الکبریٰ سے قبل فوجی دستوں کا بھیجنا اور غزوات
- ۳۳۱..... فوجی دستوں کے لئے رسول اللہ ﷺ کی وصیتیں
- ۳۳۲..... بعض فوجی دستوں کے امیر کی کارروائیوں کا انکار
- ۳۳۲..... فوجی دستوں کی خبریں

- ۳۳۲..... ۱- سر یہ (فوجی دستہ) سیف البحر
- ۳۳۳..... ۲- سر یہ رابع
- ۳۳۳..... سر یہ الحرار
- ۳۳۵..... یہود اور مشرکین کا نفاق
- ۳۳۸..... اوس و خزرج کے منافقین
- ۳۴۲..... بعض منافقین یہود و عرب کا مسجد نبوی سے نکالا جانا
- ۳۴۴..... غزوات اور فوجی دستوں سے متعلق باقی تفصیلات
- ۳۴۵..... غزوہ ابواء یا غزوہ وڈان
- ۳۴۵..... غزوہ بواط
- ۳۴۵..... غزوہ عثیرہ
- ۳۴۶..... غزوہ بدر اولیٰ
- ۳۴۶..... سر یہ عبداللہ بن جحش
- ۳۴۹..... تبدیل قبلہ
- ۳۵۰..... رمضان کے روزے، صدقہ فطر، عیدین کی نماز اور قربانی
- ۳۵۰..... فرضیت زکاۃ
- ۳۵۱..... نقشہ غزوہ بدر الکبریٰ
- ۳۵۳..... غزوہ بدر الکبریٰ
- ۳۵۳..... غزوہ بدر نام رکھے جانے کا سبب
- ۳۵۳..... بدر کی جغرافیائی حالت
- ۳۵۳..... اس غزوہ کی اہمیت
- ۳۵۴..... غزوہ کا سبب
- ۳۵۵..... قریشی قافلہ کی مزید خبریں
- ۳۵۶..... عاتکہ بنت عبدالمطلب کا خواب

- ۳۵۷..... جہیم بن الصلت کا خواب
- ۳۵۷..... مشرکین مکہ کو اخنس بن شریق کی نصیحت
- ۳۵۸..... صحابہ کرام سے آپ ﷺ کا مشورہ
- ۳۵۹..... خفیہ فوجی اطلاعات
- ۳۶۰..... مسلمان اور مشرکین قریش آمنے سامنے
- ۳۶۲..... قریش کو جنگ سے باز رکھنے کے لئے حکیم بن حزام کی کوشش
- ۳۶۳..... معرکہ کی ابتدا
- ۳۶۶..... فرشتوں نے مشرکوں کو قتل کیا
- ۳۶۸..... ابلیس کا میدان جنگ سے فرار
- ۳۶۹..... اللہ کا دشمن ابو جہل
- ۳۷۰..... کفر کا سرغنہ اُمیہ بن خلف
- ۳۷۱..... قیدیوں کے بارے میں سعد بن معاذ کا موقف
- ۳۷۲..... کچھ لوگوں کا مکہ سے مشرکین کے ساتھ مجبوراً نکلنا
- ۳۷۳..... مقتولین کفار کنوئیں میں ڈال دیئے گئے
- ۳۷۳..... غزوہ بدر کے قیدی
- ۳۷۴..... سہیل بن عمرو بحیثیت قیدی
- ۳۷۵..... رسول اللہ ﷺ کے داماد ابو العاص بحیثیت قیدی
- ۳۷۶..... ہجرت زینب بنت الرسول ﷺ
- ۳۷۷..... اموال غنیمت
- ۳۷۸..... عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے مال غنیمت میں حصہ
- ۳۷۸..... شکست کفار کی خبریں مکہ میں
- ۳۷۹..... ابولہب کا انجام
- ۳۸۰..... رسول اللہ ﷺ کی مدینہ واپسی

- ۳۸۰.....نضر بن حارث اور عقبہ بن ابو معیط کا قتل
- ۳۸۰.....مدینہ میں فتح و نصرت کی خبر
- ۳۸۱.....بدری مجاہدین و شہداء
- ۳۸۲.....نبی کریم ﷺ مدینہ میں داخل ہوئے
- ۳۸۲.....شہدائے بدر کی فضیلت
- ۳۸۳.....قتل رسول ﷺ کی سازش
- ۳۸۵.....زُرقیہ بنت الرسول ﷺ کی وفات
- ۳۸۵.....عثمان رضی اللہ عنہ سے اُمّ کلثوم بنت الرسول ﷺ کی شادی
- ۳۸۶.....علی رضی اللہ عنہ سے فاطمہ بنت الرسول ﷺ کی شادی
- ۳۸۸.....نقشہ فوجی دستے اور غزوات (بدر کے بعد)
- ۳۸۹.....فوجی دستے اور غزوات (بدر کے بعد)
- ۳۸۹.....غزوہ بنی سلیم
- ۳۸۹.....یہود کی سازشیں
- ۳۹۱.....عصماء بنت مروان یہودیہ کا قتل
- ۳۹۱.....ابو عصفک یہودی کا قتل
- ۳۹۳.....نقشہ غزوہ بنی قینقاع
- ۳۹۵.....غزوہ بنی قینقاع
- ۳۹۵.....یہود بنی قینقاع کی بدعہدی
- ۳۹۶.....یہود بنی قینقاع کی جلا وطنی
- ۳۹۷.....ابن اُبی بن سلول کا موقف بنی قینقاع سے متعلق
- ۳۹۷.....عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا موقف
- ۳۹۹.....بنی قینقاع سے متعلق ابن ابی کے موقف کی مزید تفصیلات
- ۳۹۹.....غنائم بنی قینقاع

- ۴۰۰..... کعب بن اشرف کا قتل
- ۴۰۵..... غزوہٴ سویق
- ۴۰۶..... غزوہٴ ذی امر
- ۴۰۶..... سریہ زید بن حارثہ
- ۴۰۸..... حصہ بنت عمر اور زینب بنت خزیمہ سے رسول اللہ ﷺ کا نکاح
- ۴۰۸..... زینب بنت خزیمہ الہمالیہ سے آپ ﷺ کا نکاح
- ۴۰۹..... نقشہ غزوہٴ اُحد
- ۴۱۱..... غزوہٴ اُحد
- ۴۱۱..... غزوہٴ اُحد
- ۴۱۱..... غزوہ کا سبب
- ۴۱۲..... کفارِ قریش کی ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے مدینہ کی طرف روانگی
- ۴۱۳..... اسلامی فوج کے تین ڈویژن
- ۴۱۳..... اسلامی فوج کا معائنہ
- ۴۱۵..... اُحد پہنچنے سے پہلے کی رات
- ۴۱۵..... ابن ابی کی اپنے ساتھیوں کے ساتھ پسپائی
- ۴۱۶..... ابن ابی کے کردار کا منفی اثر
- ۴۱۷..... اسلامی فوج کی پیش قدمی
- ۴۱۸..... رسول اللہ ﷺ میدانِ کارزار میں
- ۴۱۹..... مشرک فوج کی تیاری
- ۴۲۰..... جنگ شروع ہوتی ہے
- ۴۲۱..... ابو دجانہ رضی اللہ عنہ
- ۴۲۳..... مصعب بن عمیر کی شہادت رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرتے ہوئے
- ۴۲۴..... اسد اللہ حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

- ۴۲۵..... فتح شکست میں بدل گئی
- ۴۲۶..... انس بن نضر رضی اللہ عنہ
- ۴۲۷..... مسلمانوں کا فرار اور اللہ کی معافی
- ۴۲۸..... ابو طلحہ رضی اللہ عنہ
- ۴۲۹..... حنظلہ غسیل الملائکہ
- ۴۲۹..... امّ عمارہ میدانِ احد میں
- ۴۲۹..... اُعیّ بن خلف کا قتل
- ۴۳۰..... فرشتوں نے آپ ﷺ کا دفاع کیا
- ۴۳۰..... مجاہدین پر اونگھ طاری ہو گئی
- ۴۳۱..... حذیفہ بن یمان اور ان کے والد
- ۴۳۲..... سعد ابن الربیع کی وصیت
- ۴۳۲..... عمرو بن الجموح کی تمنا
- ۴۳۲..... طلحہ بن عبید اللہ نبی کریم ﷺ کا دفاع کرتے ہوئے
- ۴۳۳..... مصعب بن عمیر کی شہادت نبی کریم ﷺ کا دفاع کرتے ہوئے
- ۴۳۳..... رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہنے والے صحابہ کرام
- ۴۳۴..... میدانِ احد میں مسلمان عورتوں کا کردار
- ۴۳۵..... جنگ کے شعلے دھیمے پڑ گئے
- ۴۳۷..... ابوسفیان کی طرف سے دوبارہ میدانِ بدر میں جنگ کی دھمکی
- ۴۳۷..... علی رضی اللہ عنہ مشرکوں کی شکست کی خبر لے کر آتے ہیں
- ۴۳۸..... شہدائے احد کا دفن
- ۴۳۹..... نبی کریم ﷺ کی تمنا
- ۴۳۹..... صحابیاتِ رسول ﷺ کا موقف
- ۴۴۱..... شہدائے احد کے لئے بشارت

- ۴۴۲..... رسول اللہ ﷺ مدینہ کی طرف لوٹتے ہوئے
- ۴۴۳..... حمزہ پر رونے والی کوئی نہیں؟
- ۴۴۴..... رسول اللہ ﷺ مدینہ میں
- ۴۴۷..... غزوہ حراء الاسد
- ۴۴۷..... غزوہ احد کے بعد دشمنان اسلام کا موقف
- ۴۵۰..... صحابہ کرام کی فدائیت
- ۴۵۲..... ایک کافر جاسوس کا قتل
- ۴۵۳..... رسول اللہ ﷺ کی واپسی
- ۴۵۳..... احد کا دن امتحان و آزمائش کا دن
- ۴۵۴..... اس غزوہ سے مستفاد احکام اور حکمتیں
- ۴۵۴..... احکام فقہیہ
- ۴۵۵..... دیگر اغراض اور حکمتیں
- ۴۵۶..... غزوہ احد کے بعد فوجی دستوں کی روانگی
- ۴۵۷..... سریہ ابی سلمہ
- ۴۵۸..... سریہ عبد اللہ بن انیس جہنی
- ۴۵۹..... سریہ یوم الرجب
- ۴۶۱..... سریہ بئر معونہ
- ۴۶۳..... نقشہ غزوہ بنی نضیر
- ۴۶۵..... غزوہ بنی نضیر
- ۴۷۰..... غزوہ بدر ثانیہ
- ۴۷۲..... رسول اللہ ﷺ کی ام سلمہ سے شادی
- ۴۷۳..... رسول اللہ ﷺ کی شادی زینب بنت جحش اسدیہ سے
- ۴۷۴..... پردہ کا حکم

- ۴۷۵..... غزوہ ذومہ الجندل
- ۴۷۶..... شراب نوشی کی حرمت
- ۴۷۷..... نقشہ غزوہ بنی المصطلق
- ۴۷۹..... غزوہ بنی المصطلق
- ۴۸۱..... منافقین کی فتنہ انگیزی
- ۴۸۴..... حادثہ اُفک
- ۴۸۴..... عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار کھو جانا اور فوج سے پیچھے رہ جانا
- ۴۸۵..... حادثہ اُفک کی خبر مدینہ میں
- ۴۸۶..... رسول اللہ ﷺ کا صحابہ کرام سے مشورہ
- ۴۸۷..... عنقریب تھا کہ فتنہ کی آگ بھڑک اُٹھتی
- ۴۸۷..... رسول اللہ کا عائشہ سے استفسار
- ۴۸۸..... براءت عائشہ کے سلسلہ میں نزولِ وحی
- ۴۹۱..... فتنہ انگیز عبد اللہ بن ابی
- ۴۹۱..... تہمت دھرنے والوں پر حدّ قذف
- ۴۹۲..... رسول اللہ ﷺ کی شادی جویریہ بنت الحارث سے
- ۴۹۳..... اس غزوہ سے مستفاد شرعی احکام
- ۴۹۵..... نقشہ غزوہ خندق
- ۴۹۷..... غزوہ خندق
- ۴۹۷..... اس غزوہ کے دواہم اسباب
- ۴۹۷..... پہلا سبب
- ۴۹۷..... دوسرا سبب
- ۵۰۰..... خندق کھودنے کی پلاننگ
- ۵۰۲..... معجزات کا ظہور

- ۱- کھانے میں برکت ۵۰۲
- ۲- شاہوں کے محلوں اور ملکوں کی کنجیاں رسول اللہ ﷺ کو دے دی گئیں ۵۰۳
- خندق کھودتے وقت منافقین کا کردار ۵۰۴
- اسلامی فوج ۵۰۶
- دشمنانِ اسلام کا لشکر ۵۰۶
- عمرو بن عبدوڈ کا قتل ۵۰۷
- بعض نمازوں کا وقت نکل جانا ۵۰۸
- بنو قریظہ نے معاہدہ توڑ دیا ۵۰۹
- چار صحابہ کرام کی ٹھہری ۵۱۰
- دشمنانِ اسلام کی ہرچہار طرف سے یلغار ۵۱۱
- بنی غطفان کے ساتھ معاہدہ صلح کی کوشش ۵۱۳
- لشکرِ کفار اور بنو قریظہ کے درمیان اختلاف ۵۱۴
- رسول اللہ ﷺ کی دعا ۵۱۵
- ہوا بھی اللہ کی ایک فوج ہے ۵۱۶
- کافروں کی ایک ناکام کوشش ۵۱۶
- سعد بن معاذ شدید زخمی ہو گئے ۵۱۷
- حذیفہ بن الیمان کی ٹھہری ۵۱۷
- لشکرِ کفار کی واپسی ۵۱۸
- معرکہ خندق نے طاقت کا توازن بدل دیا ۵۱۹
- نقشہ غزوہ بنی قریظہ ۵۲۰
- غزوہ بنی قریظہ ۵۲۱
- جبریل علیہ السلام بنو قریظہ کے خلاف جنگ میں ۵۲۱
- علمِ اسلام علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ۵۲۱

- ۵۲۲..... بنو قریظہ کا حصار
- ۵۲۳..... بنو قریظہ نے ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ مانگا
- ۵۲۴..... ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ
- ۵۲۵..... بنو قریظہ نے شکست قبول کر لی
- ۵۲۶..... سعد بن معاذ کا فیصلہ
- ۵۲۷..... بالغ یہودیوں کا قتل
- ۵۲۸..... بالغ و نابالغ کے درمیان تمیز
- ۵۲۸..... مقتولین کی تعداد
- ۵۲۹..... زبیر بن باطا ثابت بن قیس کو ہبہ کر دیا گیا
- ۵۳۰..... شبہ کا ازالہ
- ۵۳۱..... ریحانہ بنت زید نبی کریم ﷺ کے گھر میں
- ۵۳۱..... اموال غنیمت اور قیدی
- ۵۳۲..... سعد بن معاذ کی وفات سے اللہ کا عرش ہلنے لگا
- ۵۳۳..... ابو رافع سلام بن ابی الحقیق کا قتل
- ۵۳۶..... سریہ محمد بن مسلمہ
- ۵۳۶..... ثمامہ بن اثال مسلمان ہو گئے
- ۵۳۷..... غزوہ بنی الحیان
- ۵۳۸..... غطفان میں پہلی بار صلاۃ الخوف
- ۵۳۹..... غزوہ ذی القرد (غزوہ غابہ)
- ۵۴۰..... سریہ عکاشہ بن محسن (الغمر)
- ۵۴۰..... سریہ محمد بن مسلمہ (ذی القصد)
- ۵۴۱..... سریہ ابی عبیدہ (ذی القصد)
- ۵۴۱..... سریہ زید بن حارثہ (تجوم)

- ۵۴۲..... سرّیہ زید بن حارثہ (العص)
- ۵۴۳..... سرّیہ زید بن حارثہ (الطرف)
- ۵۴۳..... سرّیہ زید بن حارثہ (الحسمی)
- ۵۴۴..... سرّیہ زید بن حارثہ (وادی قرنی)
- ۵۴۵..... سرّیہ الخط
- ۵۴۶..... سرّیہ عبدالرحمن بن عوف (دومۃ الجندل)
- ۵۴۶..... سرّیہ علی بن ابی طالب (سعد بن بکر)
- ۵۴۷..... سرّیہ عبداللہ بن رواحہ
- ۵۴۸..... سرّیہ گر زبن جابر فہری
- ۵۴۹..... سرّیہ عمرو بن أمیہ ضمّری
- ۵۵۱..... نقشہ فوجی دستے اور مشہور غزوات خندق اور حدیبیہ کے درمیان
- ۵۵۲..... نقشہ غزوہ حدیبیہ (بیعت الرضوان)
- ۵۵۳..... غزوہ حدیبیہ
- ۵۵۳..... حدیبیہ
- ۵۵۳..... تاریخ و سبب
- ۵۵۴..... نبی کریم ﷺ کے ساتھ نکلنے والوں کی تعداد
- ۵۵۵..... ذوالحلیفہ سے عمرہ کا احرام
- ۵۵۶..... ابو قتادہ کی ساحل سمندر کی طرف خبر گیری کے لئے روانگی
- ۵۵۶..... بشر خزاعی جاسوس رسول اللہ ﷺ مکہ میں
- ۵۵۷..... رسول اللہ ﷺ کا دخول مکہ سے روک دیا جانا
- ۵۵۷..... خالد بن ولید کا دستہ مسلمانوں کی راہ میں رکاوٹ
- ۵۵۸..... خشک کنواں سے پانی اُبلنا
- ۵۵۹..... کثرتِ طعام

- ۵۵۹..... بدیل بن ورقاء خزاعی کا مشورہ
- ۵۶۰..... عُرْذہ بن مسعود ثقفی، قریش کا ایلچی
- ۵۶۱..... مکرز بن حفص نمائندہ قریش
- ۵۶۲..... خلّیس بن علقمہ نمائندہ قریش
- ۵۶۳..... خراش بن امیہ نمائندہ رسول اللہ ﷺ
- ۵۶۳..... عثمان بن عفان نمائندہ رسول کریم ﷺ
- ۵۶۴..... بیعت الرضوان
- ۵۶۴..... معقل بن یسار اور درخت کی ڈالیاں
- ۵۶۴..... جس نے سب سے پہلے بیعت کی
- ۵۶۵..... سلمہ بن الأكوع نے تین بار بیعت کی
- ۵۶۵..... جد بن قیس نے بیعت نہیں کی
- ۵۶۵..... عمر بن خطاب نے بیعت کی
- ۵۶۶..... رسول اللہ ﷺ نے عثمان بن عفان کے لئے خود بیعت کی
- ۵۶۶..... عثمان کی بیعت کس بات کی تھی؟
- ۵۶۷..... اصحاب بیعت رضوان اہل زمین میں سب سے اچھے تھے
- ۵۶۷..... قریش کا نمائندہ سہیل بن عمرو نبی کریم ﷺ کے پاس
- ۵۶۸..... مشرکین کا مسلمانوں پر اچانک حملہ کا ارادہ
- ۵۶۹..... قیدیوں کا تبادلہ
- ۵۷۰..... صلح کی شرطیں
- ۵۷۰..... صلح سے متعلق بعض صحابہ کی رائے
- ۵۷۲..... صلح نامہ کی کتابت
- ۵۷۲..... ابو جندل بن سہیل بن عمرو مسلمان ہو گئے
- ۵۷۳..... رسول اللہ ﷺ نے قربانی کی، ہال منڈایا اور حلال ہو گئے

- ۵۷۳..... کچھ مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں نہیں لوٹایا۔
- ۵۷۴..... ابو بصیر اور ابو جندل کی جماعت۔
- ۵۷۶..... صلح حدیبیہ مسلمان کی فتح۔
- ۵۷۷..... خلاصہ کلام۔
- ۵۷۸..... واقعہ حدیبیہ کے بعض فقہی فوائد اور حکمتیں۔
- ۵۸۰..... فرضیت حج۔
- ۵۸۱..... بادشاہوں اور امراء کے نام رسول اللہ ﷺ کے خطوط۔
- ۵۸۲..... رسول اللہ ﷺ کا کتب قصر شاہ روم کے نام۔
- ۵۸۶..... رسول اللہ ﷺ کا نامہ گرامی کسریٰ شاہ فارس کے نام۔
- ۵۸۸..... رسول اللہ ﷺ کا نامہ گرامی نجاشی شاہ حبشہ کے نام۔
- ۵۹۰..... رسول اللہ ﷺ کی شادی ام حبیبہ سے۔
- ۵۹۰..... رسول اللہ ﷺ کا نامہ گرامی مصر کے قبطی حاکم مقوقس کے نام۔
- ۵۹۳..... رسول اللہ ﷺ کا نامہ گرامی حارث بن ابی شمر غسانی کے نام۔
- ۵۹۴..... رسول اللہ ﷺ کا نامہ گرامی یمامہ کے ہوذہ بن علی کے نام۔
- ۵۹۵..... رسول اللہ ﷺ کا نامہ گرامی شاہ بحرین منذر بن سادی عبدی کے نام۔
- ۵۹۶..... رسول اللہ ﷺ کا نامہ گرامی عثمان کے دونوں بادشاہ جیفر و عبد کے نام۔
- ۵۹۹..... نقشہ غزوہ خیبر۔
- ۶۰۱..... غزوہ خیبر۔
- ۶۰۱..... محل وقوع اور باشندے۔
- ۶۰۱..... غزوہ خیبر کے اسباب۔
- ۶۰۳..... سیاح بن عرفتہ مدینہ میں خلیفۃ الرسول ﷺ۔
- ۶۰۳..... لشکر اسلام میدان خیبر میں۔
- ۶۰۶..... خیبر میں جنگی مقامات۔

- ۶۰۹..... قلعہ صعب کی فتح
- ۶۱۰..... گھریلو گدھوں کی حرمت
- ۶۱۱..... قلعہ زبیر کی فتح
- ۶۱۲..... قلعہ اُبی کی فتح
- ۶۱۲..... قلعہ نزار کی فتح
- ۶۱۳..... کتبہ، طیح اور سلام نامی قلعوں کی فتح
- ۶۱۴..... کنانہ اور ربیع کا قتل
- ۶۱۵..... خیبر کے غنائم
- ۶۱۵..... خیبر کی زمینیں
- ۶۱۷..... اُمّ المؤمنین صفیہ بنت حبیب رضی اللہ عنہا
- ۶۱۸..... وہ مسلمان عورتیں جو غزوہ خیبر میں شریک ہوئیں
- ۶۱۸..... زہر آلود بکری کا واقعہ
- ۶۲۰..... جعفر بن ابوطالب اور ان کے ساتھیوں کی حبشہ سے آمد اور انہیں مالِ غنیمت سے حصہ دیا جانا
- ۶۲۱..... مہاجرین نے انصار کو ان کے عطیات واپس کر دیئے
- ۶۲۱..... معرکہ خیبر میں شہدائے اسلام
- ۶۲۲..... یہود فدک
- ۶۲۲..... یہود وادیِ قرئ
- ۶۲۳..... یہود تیما
- ۶۲۳..... فجر کی نماز کے لئے عدم بیداری
- ۶۲۴..... تمام یہودی مراکز پر قبضہ، اور فتح خیبر کے نتائج
- ۶۲۵..... غزوہ خیبر سے مستفاد فقہی احکام
- ۶۲۶..... سریہ عمر بن خطاب تربہ کے قبیلہ ہوازن کی طرف
- ۶۲۶..... سریہ ابوبکر دیار نجد کے قبیلہ بنی کلاب کی طرف

- ۶۲۶..... سریہ بشیر بن سعد انصاری فدک کے بنی مرہ کی طرف
- ۶۲۷..... سریہ غالب بن عبد اللہ لیشی مقام میقہ کی طرف
- ۶۲۸..... سریہ بشیر بن سعد انصاری یمن و بجاہ کی طرف
- ۶۲۸..... عمرۃ القضاء
- ۶۳۱..... میمونہ رضی اللہ عنہا کی رسول اللہ ﷺ سے شادی
- ۶۳۲..... سریہ ابن ابی العوجاء ذی الحجہ سن ۷ ہجری میں
- ۶۳۲..... سریہ غالب بن عبد اللہ لیشی مقام کدید کے بنی الملوک کی طرف
- ۶۳۳..... خالد بن ولید، عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ کا اسلام
- ۶۳۵..... سریہ شجاع بن وہب اسدی بنی عامر کی طرف
- ۶۳۵..... سریہ کعب بن عمیر انصاری ذات اطلاق کی طرف
- ۶۳۶..... نقشہ غزوہ موتہ
- ۶۳۷..... غزوہ موتہ
- ۶۳۷..... وجہ تسمیہ
- ۶۳۷..... مقام
- ۶۳۷..... تاریخ و اسباب
- ۶۳۸..... رسول اللہ ﷺ کی وصیت
- ۶۳۹..... اسلامی فوج معان میں
- ۶۳۹..... جنگ شروع ہوتی ہے
- ۶۴۲..... معرکہ میں مسلمان ہی فتیاب ہوئے
- ۶۴۳..... معرکہ کے مثبت نتائج
- ۶۴۴..... سریہ ذات سلاسل
- ۶۴۵..... سریہ ابی قتادہ بن ربیعہ خضرہ کی طرف
- ۶۴۶..... سریہ ابو قتادہ بطن اضم کی طرف

- ۶۴۷..... نقشہ غزوہ فتح مکہ (فتح اعظم)
- ۶۴۹..... غزوہ فتح مکہ (فتح اعظم)
- ۶۴۹..... مکہ کو بچوں سے پاک کرنے کی گھڑی آگئی
- ۶۴۹..... فتح مکہ فتح اعظم تھا
- ۶۵۰..... فتح کے لئے تائیدِ نبوی
- ۶۵۰..... ابوسفیان مدینہ میں
- ۶۵۳..... حاطب کا خط اہل مکہ کے نام
- ۶۵۶..... نبی کریم ﷺ مَدْرُ الظَّهْرَانِ میں
- ۶۵۶..... عباس بن عبد المطلب کی آمد
- ۶۵۶..... ابوسفیان بن الحارث اور عبد اللہ بن امیہ کا اسلام
- ۶۵۷..... اسلامی فوج نے دس ہزار آگ جلائی
- ۶۵۷..... ابوسفیان بن حرب کا اسلام
- ۶۶۰..... رسول اللہ ﷺ مکہ میں
- ۶۶۰..... بعض مشرکوں کا خون حلال کر دیا گیا
- ۶۶۱..... ابوبکر کے والد ابو قحافہ کا قبولِ اسلام
- ۶۶۲..... رسول اللہ ﷺ کا مکہ میں داخل ہونا
- ۶۶۳..... بیتانِ کعبہ منہ کے بل گرنے لگے
- ۶۶۳..... آپ ﷺ نے کعبہ میں نماز پڑھی
- ۶۶۵..... بابِ کعبہ کی کنجی اور کعبہ پر اذانِ بلالی
- ۶۶۶..... فتح مکہ کے دن آپ ﷺ کی نماز
- ۶۶۶..... فتح مکہ کے دن کا خطبہ
- ۶۶۸..... اے انصار کے لوگو! ہمارا تمہارا زندگی اور موت کا ساتھ ہے
- ۶۶۸..... فتح مکہ کے دن کی بیعت

- ۶۶۹..... مکہ میں آپ ﷺ کے قیام کی مدت
- ۶۷۱..... مکہ سے بھیجے گئے دستے
- ۶۷۱..... سریہ خالد بن الولید
- ۶۷۱..... سریہ عمرو بن العاص
- ۶۷۱..... سریہ سعد بن زید اشہلی
- ۶۷۲..... سریہ خالد بن ولید (بنی جذیمہ کی طرف)
- ۶۷۳..... قبائل عرب جو درجہ اسلام میں داخل ہونے لگے
- ۶۷۴..... نقشہ غزوہ حنین
- ۶۷۵..... غزوہ حنین
- ۶۷۵..... تاریخ و موقع
- ۶۷۵..... معرکہ کا سبب
- ۶۷۵..... ہوازن و ثقیف مسلمانوں سے جنگ کے لئے آمادہ
- ۶۷۷..... عبد اللہ بن ابی حدرد رسول اللہ ﷺ کے اخبار رساں
- ۶۷۷..... ایک مشرک جاسوس کا قتل
- ۶۷۸..... رسول اللہ ﷺ کی وادی حنین کی طرف روانگی
- ۶۷۹..... اہل مکہ کے جاہلی عادات و اطوار
- ۶۷۹..... ثابت قدم رہنے والے صحابہ کرام
- ۶۸۰..... گھسان کی لڑائی
- ۶۸۱..... مشرکوں کی شکست فاش
- ۶۸۳..... اُمّ سلیم کی ثبات قدمی
- ۶۸۴..... مشرکوں کی بھگدڑ
- ۶۸۴..... رسول اللہ ﷺ کی دودھ جانی بہن شیماء کا اسلام
- ۶۸۵..... معرکہ حنین کا دور رس نتیجہ

- ۲۸۶..... نقشہ غزوہ طائف.....
- ۲۸۷..... غزوہ طائف.....
- ۲۸۷..... طائف کی ناکہ بندی.....
- ۲۸۸..... جعرانہ میں تقسیم غنائم.....
- ۲۸۹..... غیر مقرب لوگوں کو دینے میں حکمت.....
- ۲۸۹..... تقسیم غنائم کے وقت انصار کی گفتگو.....
- ۲۹۱..... ایک منافق کی گستاخی.....
- ۲۹۱..... تقسیم غنائم کے وقت دیہاتیوں کا سوء ادب.....
- ۲۹۲..... وفد ہوازن.....
- ۲۹۳..... جعرانہ میں قیام، اور ادائیگی عمرہ.....
- ۲۹۵..... مدینہ واپسی.....
- ۲۹۵..... عروہ بن مسعود ثقفی کا قبول اسلام.....
- ۲۹۵..... عرب جنگوں کا خاتمہ.....
- ۲۹۶..... کعب بن زہیر حضور نبوی میں.....
- ۲۹۷..... امراء و عمال کی تعیین.....
- ۲۹۹..... نقشہ ان چند فوجی دستوں کا جنہیں نبی کریم ﷺ نے بتوں کو توڑنے کے لئے بھیجا.....
- ۷۰۱..... سن ۹ ہجری میں فوجی دستے.....
- ۷۰۱..... سریہ عیینہ بن حصن.....
- ۷۰۲..... سریہ قطیفہ بن عامر.....
- ۷۰۲..... سریہ ضحاک کلبی.....
- ۷۰۲..... سریہ علقمہ مدلجی.....
- ۷۰۳..... سریہ علی بن ابی طالب.....
- ۷۰۶..... نقشہ غزوہ تبوک.....

- غزوۂ تبوک..... ۷۰۷
- غزوہ کے اسباب..... ۷۰۷
- پہلا سبب..... ۷۰۷
- دوسرا سبب..... ۷۰۷
- رومیوں کے خلاف فوج کشی..... ۷۰۹
- مالی امداد کے لئے دعوتِ عام..... ۷۱۰
- پیچھے رہ جانے والے معذور لوگ..... ۷۱۲
- کثر منافقین تبوک نہیں گئے..... ۷۱۳
- عبداللہ بن اُبی اور اس کا جتھہ..... ۷۱۴
- سفرِ تبوک..... ۷۱۴
- ابوذر غفاری کی آمد..... ۷۱۵
- ابو خیشمہ کی آمد..... ۷۱۶
- بارش کے لئے دعائے نبوی..... ۷۱۶
- ابن اللّٰصیّت منافق..... ۷۱۷
- منافقین کا گھناؤنا کردار..... ۷۱۷
- عبداللہ ذی السجّادین کی وفات..... ۷۱۸
- حاکم دُومۃ الجندل کے پاس قاصدِ رسول اللہ ﷺ..... ۷۱۹
- در بارِ قیصر میں قاصدِ رسول اللہ ﷺ..... ۷۱۹
- تبوک سے مدینہ واپسی..... ۷۲۰
- رسول اللہ ﷺ کے قتل کی سازش..... ۷۲۱
- شاہِ ایلہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں..... ۷۲۲
- شہرِ طیبہ اور جبلِ اُحد..... ۷۲۲
- آپ ﷺ کا استقبال..... ۷۲۳

- ۷۲۳..... مسجد ضرار.....
- ۷۲۵..... قصہ اصحابِ ثلاثہ.....
- ۷۳۰..... غزوہ تبوک کے عظیم نتائج.....
- ۷۳۱..... وفدِ ثقیف.....
- ۷۳۲..... عثمان کی نماز میں شیطان کی تشویش اور اس کا علاج.....
- ۷۳۲..... ائمہ کثوم رضی اللہ عنہما کی وفات.....
- ۷۳۵..... عبداللہ بن ابی کی موت.....
- ۷۳۶..... اعلانِ براءت.....
- ۷۳۷..... غزواتِ نبوی کے اغراض و اثرات.....
- ۷۳۹..... غزواتِ نبوی کے اصول و ضوابط.....
- ۷۴۱..... نقشہ عام الوفود.....
- ۷۴۳..... عرب و فود کی آمد مدینہ میں.....
- ۷۴۳..... ۱- وفدِ بنی تمیم.....
- ۷۴۴..... ۲- وفدِ بنی عامر.....
- ۷۴۵..... ۳- وفدِ عبدالقیس.....
- ۷۴۷..... ظہر کے بعد کی دو رکعتیں.....
- ۷۴۷..... ۴- وفدِ بنی سعد بن بکر.....
- ۷۴۸..... ۵- وفدِ نجران.....
- ۷۵۰..... ۶- وفدِ بنی حنیفہ.....
- ۷۵۳..... ۷- وفدِ قبیلہ طئ.....
- ۷۵۳..... ۸- وفدِ کندہ.....
- ۷۵۴..... ۹- وفدِ قبیلہ اشعر.....
- ۷۵۵..... ۱۰- وفدِ مزیینہ.....

- ۱۱- وفدِ بنی غدرہ..... ۷۵۵
- ۱۲- وفدِ بنی قریظہ..... ۷۵۶
- ۱۳- شاہانِ حمیر کا قاصد..... ۷۵۶
- ۱۴- وفدِ ہمدان..... ۷۵۷
- ۱۵- حاکمِ مکان کا قاصد..... ۷۵۸
- معاذ بن جبل اور ابو موسیٰ اشعری یمن میں..... ۷۵۹
- خالد بن ولید نجران میں..... ۷۶۰
- علی بن ابی طالب یمن میں..... ۷۶۱
- ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کی وفات..... ۷۶۲
- نقشہ حجۃ الوداع..... ۷۶۳
- حجۃ الوداع..... ۷۶۵
- نقشہ لشکر اسامہ بن زید..... ۷۷۲
- اسامہ بن زید کا لشکر..... ۷۷۵
- رسول اللہ ﷺ کی بیماری اور وفات..... ۷۷۸
- بیماری کی ابتدا..... ۷۷۸
- آپ ﷺ نے آخرت کی نعمتوں کو پسند فرمایا..... ۷۷۸
- زندوں اور مردوں کو الوداع کہا..... ۷۷۹
- آخری ایامِ عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس..... ۷۷۹
- مرض کی شدت..... ۷۸۰
- نماز میں ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کی امامت..... ۷۸۰
- انصار مسجد میں روتے رہے..... ۷۸۱
- موت کی سختیاں..... ۷۸۱
- وفات سے پہلے آپ ﷺ کی بعض وصیتیں..... ۷۸۳

- ۱- رکوع و سجود میں تلاوتِ قرآن کی ممانعت ۷۸۳
- ۲- نماز اور غلام و لونڈی کا خیال ۷۸۳
- ۳- قبروں کو مساجد بنانے کی ممانعت ۷۸۳
- رسول اللہ ﷺ کی خلافت کے حقدار ابو بکر رضی اللہ عنہ ۷۸۳
- آپ ﷺ نے رفیقِ اعلیٰ کو اختیار کر لیا ۷۸۵
- ابو بکر نے آپ ﷺ کا بوسہ لیا اور رونے لگے ۷۸۵
- سب سے تاریک دن ۷۸۶
- بے شک آپ ﷺ مر جائیں گے اور سب لوگ مر جائیں گے ۷۸۷
- تجہیز و تکفین ۷۸۹
- آپ ﷺ کا کفن ۷۹۰
- آپ ﷺ کی نمازِ جنازہ ۷۹۱
- دفن ۷۹۱
- نبی کریم ﷺ کا خاندان ۷۹۳
- آپ ﷺ کی بیگمات ۷۹۳
- ۱- خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا ۷۹۳
- ۲- سودۃ بنت زمعہ قرشیہ رضی اللہ عنہا ۷۹۳
- ۳- عائشہ بنت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہا ۷۹۴
- ۴- حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا ۷۹۵
- ۵- زینب بنت خزیمہ اُمّ المساکین رضی اللہ عنہا ۷۹۵
- ۶- اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا ۷۹۵
- ۷- زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ۷۹۶
- ۸- جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا ۷۹۶
- ۹- اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا ۷۹۷

- ۱۰- صفیہ بنت حبیب بن اخطب رضی اللہ عنہا..... ۷۹۸
- ۱۱- میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا..... ۷۹۸
- آپ ﷺ کی بانندیاں..... ۷۹۹
- تعددِ زوجات رسول ﷺ کے اسباب اور حکمتیں..... ۸۰۰
- اہلِ مغرب کا بیمار فکر اور سیرتِ نبوی ﷺ..... ۸۱۰
- آپ ﷺ کی بیٹیاں..... ۸۱۲
- حسن و حسین رضی اللہ عنہما..... ۸۱۵
- نبی کریم ﷺ کی صفاتِ ظاہرہ اور اخلاقِ حسنہ..... ۸۱۷
- آپ ﷺ کے جسم کی خوشبو..... ۸۱۸
- آپ ﷺ کے پاکیزہ اخلاق..... ۸۱۹
- حلم، عفو اور صبر..... ۸۱۹
- بُجود و کرم اور سخاوت..... ۸۲۰
- شُجاعت اور دوسروں کی مدد..... ۸۲۱
- حیاء..... ۸۲۱
- حُسنِ معاشرت و حُسنِ ادب..... ۸۲۱
- رحمت و رافت..... ۸۲۲
- تواضع..... ۸۲۳
- عدل..... ۸۲۴
- زُہد فی الدنیا..... ۸۲۴
- آپ ﷺ کس طرح کھاتے تھے..... ۸۲۵
- آپ ﷺ کی روٹی کیسی ہوتی تھی؟..... ۸۲۵
- آپ کا سالن کیا ہوتا تھا؟..... ۸۲۵
- آپ ﷺ کیا پیتے اور کیسے پیتے تھے؟..... ۸۲۶

- ۸۲۶..... آپ ﷺ کے ہنسنے کا انداز
- ۸۲۶..... آپ ﷺ کے مذاق کرنے کا انداز
- ۸۲۷..... آپ ﷺ کے سونے کی کیفیت
- ۸۲۷..... آپ ﷺ کا رونا
- ۸۲۸..... آپ ﷺ کا بستر
- ۸۳۱..... خصوصیات نبی کریم ﷺ
- ۸۳۲..... ۱- رُعب کے ذریعہ نصرت
- ۸۳۲..... ۲- اللہ نے زمین کو آپ ﷺ کے لئے مسجد اور حصولِ طہارت کا ذریعہ بنادیا
- ۸۳۲..... ۳- اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ اور آپ کی امت کے لئے مالِ غنیمت کو حلال بنادیا
- ۸۳۳..... ۴- منصبِ شفاعتِ کبریٰ
- ۸۳۴..... ۵- بعثتِ نبوی ﷺ کی عمومیت
- ۸۳۴..... ۶- جامع کلمات کے ذریعہ قوتِ تعبیر
- ۸۳۵..... ۷- نبی کریم ﷺ خاتم النبیین
- ۸۳۶..... ۸- زمین کے خزانوں کی چابیاں آپ ﷺ کو پیش کی گئیں
- ۸۳۷..... ۹- معجزہ قرآن کریم
- ۸۳۷..... ۱۰- پتھروں کا آپ ﷺ کو سلام کرنا
- ۸۳۸..... ۱۱- درخت کا تنا آپ ﷺ کے فراق میں رونے لگا
- ۸۳۸..... ۱۲- کوثر اور حوض
- ۸۳۹..... ۱۳- آپ ﷺ زمین سے سب سے پہلے اٹھیں گے
- ۸۳۹..... ۱۴- آپ ﷺ نے قادی کی آنکھ اس کی جگہ لوٹادی
- ۸۴۰..... ۱۵- واقعہ معراج
- ۸۴۰..... ۱۶- صدقہ کی چیز کا کھانا حرام ہونا
- ۸۴۱..... ۱۷- آپ ﷺ کی بیویاں دوسروں کے لئے حرام کر دی گئیں

- ۱۸- اللہ نے ہمارے نبی ﷺ سے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس بات کی..... ۸۴۱
- نبی کریم ﷺ کے معجزات..... ۸۴۳
- ۱- قرآن کریم سب سے روشن و تابناک معجزہ..... ۸۴۳
- ۲- غیبی امور کی خبریں..... ۸۴۴
- ۳- قیامت تک ہونے والے تمام امور کی خبر دہانی..... ۸۴۵
- ۴- خزائن کسریٰ غنائم مسلمین..... ۸۴۵
- ۵- جزیرہ عرب اور فارس و روم کی فتح..... ۸۴۶
- ۶- سر زمین حجاز سے آگ نکلتا..... ۸۴۶
- ۷- چاند کے دو ٹکڑے ہونا..... ۸۴۷
- ۸- ایسی بکری سے دودھ نکالنا جس نے ابھی پال نہیں کھایا تھا..... ۸۴۸
- ۹- اُمّ معبد کی دُلی پتلی بکری سے دودھ نکالنا..... ۸۴۸
- ۱۰- اُسید و عبّاد کے لئے نور..... ۸۴۸
- ۱۱- اللہ نے عتسیہ بن ابولہب پر شیر کو مسلط کر دیا..... ۸۴۹
- ۱۲- سُرّاقہ کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے..... ۸۴۹
- ۱۳- بدر و حُنین میں دشمنوں پر مٹی ڈالنا..... ۸۴۹
- ۱۴- لکڑی کا ٹکڑا تلوار میں بدل گیا..... ۸۴۹
- ۱۵- عباس اور اُمّ الفضل کو دفن کردہ مال کی خبر دی..... ۸۵۰
- ۱۶- آپ ﷺ نے عمیر بن وہیب کو خبر دی کہ وہ آپ کو قتل کرنے کے لئے آیا ہے..... ۸۵۰
- ۱۷- آپ ﷺ نے قتادہ کی آنکھ لوٹا دی..... ۸۵۰
- ۱۸- درخت چل کر آیا اور آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا..... ۸۵۰
- ۱۹- درخت چل کر آپ ﷺ کے سامنے آ گیا..... ۸۵۱
- ۲۰- عبد اللہ بن عتیک کی ٹوٹی ہوئی ٹانگ ٹھیک ہو گئی..... ۸۵۱
- ۲۱- باغی گروہ نے قتل کر دیا..... ۸۵۲

- ۲۲- حسن دو جماعتوں کے درمیان صلح کرائیں گے..... ۸۵۲
- ۲۳- اونٹ نبی کریم ﷺ کے قدموں میں..... ۸۵۲
- ۲۴- دو درختوں کا آپ ﷺ کے لئے جھک جانا..... ۸۵۳
- ۲۵- دعا کے بعد فوراً نزولِ باراں..... ۸۵۳
- ۲۶- رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام سفینہ کا قصہ..... ۸۵۲
- ۲۷- آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی اُبلنا..... ۸۵۲
- ۲۸- آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی پھوٹ پڑا..... ۸۵۲
- ۲۹- جابر رضی اللہ عنہ کے گھر میں کھانے کی کثرت..... ۸۵۵
- ۳۰- پانی کی کثرت چودہ سو افراد کے لئے..... ۸۵۶
- ۳۱- پھلوں میں کثرت..... ۸۵۶
- ۳۲- ابو ہریرہ کے برتن کی کھجوریں بڑھ گئیں..... ۸۵۷
- ۳۳- پتھروں میں تاثیر..... ۸۵۷
- فہرست مضامین..... ۸۵۹





١٩٦٩

الصَّائِرَاتُ فِي الْأَمِينِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

